بسم اللہ الرحمن الرحیم
تبیان القرآن
علامہ غلام رسول سعیدی
شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی ۳۸
فرید بک سٹال (رجسٹرڈ)
۳۸۔ اردو بازار لاہور

الله
جل جلالہ
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیء
تبیان القرآن
علامہ غلام رسول سعیدی
شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی-۳۸
فرید بک سٹال (رجسٹرڈ)
۳۸-اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین الذی استغنی فی حمدہ عن الحامدین وانزل القرآن تبیانا لکل شیء عند العارفین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد الذی استغنی بصلوۃ اللہ عن صلوۃ المصلین واختص بارضاء رب العالمین الذی بلغ الینا ما انزل علیہ من القران وبین لنا ما نزل علیہ بتبیان وکان خلقہ القران وتحدی بالفرقان وعجز عن معارضتہ الانس والجان وھو خلیل اللہ حبیب الرحمن لواء، فوق کل لواء یوم الدین قائد الانبیاء والمرسلین امام الاولین والاخرین شفیع الصالحین والمذنبین واختص بتنصیص المغفرۃ لہ فی کتاب مبین وعلی الہ الطیبین الطاھرین وعلی اصحابہ الکاملین الراشدین وازواجہ الطاھرات امھات المؤمنین وعلی سائر اولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ۔ اعوذ باللہ من شرور نفسی ومن سیات اعمالی من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ اللھم ارنی الحق حقا وارزقنی اتباعہ۔ اللھم ارنی الباطل باطلا وارزقنی اجتنابہ۔ اللھم اجعلنی فی تبیان القران علی صراط مستقیم وثبتنی فیہ علی منھج قویم واعصمنی عن الخطأ والزلل فی تحریرہ واحفظنی من شر الحاسدین وزیغ المعاندین فی تقریرہ اللھم الق فی قلبی اسرار القران واشرح صدری لمعانی الفرقان ومتعنی بفیوض القران ونور نی بانوار الفرقان واسعدنی لتبیان القران، رب زدنی علما رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا۔ اللھم اجعلہ خالصا لوجھک ومقبولا عندک وعند رسولک واجعلہ شائعا ومستفیضا ومفیضا ومرغوبا فی اطراف العالمین الی یوم الدین واجعلہ لی ذریعۃ للمغفرۃ ووسیلۃ للنجاۃ وصدقۃ جاریۃ الی یوم القیامۃ وارزقنی زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الدنیا وشفاعتہ فی الاخرۃ واحینی علی الاسلام بالسلامۃ وامتنی علی الایمان بالکرامۃ۔ اللھم انت ربی لا الہ الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علی عھدک ووعدک ما استطعت اعوذ بک من شر ما صنعت ابوء لک بنعمتک علی وابوء لک بذنبی فاغفرلی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت آمین یا رب العالمین۔

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا' بہت مہربان ہے O

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے مخصوص ہیں جو ہر تعریف کرنے والے کی تعریف سے مستغنی ہے' جس نے قرآن مجید نازل کیا جو عارفین کے حق میں ہر چیز کا روشن بیان ہے اور صلوٰۃ وسلام کا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول ہو جو خود اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ نازل کرنے کی وجہ سے ہر صلوٰۃ بھیجنے والے کی صلوٰۃ سے مستغنی ہیں۔ جن کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ان کو راضی کرتا ہے' اللہ تعالیٰ نے ان پر قرآن نازل کیا' اس کو انہوں نے ہم تک پہنچایا اور جو کچھ ان پر نازل ہوا اس کا روشن بیان انہوں نے ہمیں سمجھایا۔ ان کے اوصاف سراپا قرآن ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی مثال لانے کا چیلنج کیا اور تمام جن اور انسان اس کی مثال لانے سے عاجز رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیل اور محبوب ہیں' قیامت کے دن ان کا جھنڈا ہر جھنڈے سے بلند ہوگا۔ وہ نبیوں اور رسولوں کے قائد ہیں' اولین اور آخرین کے امام ہیں۔ تمام نیکوکاروں اور گنہ گاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں۔ یہ ان کی خصوصیت ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان کی مغفرت کے اعلان کی تصریح کی گئی ہے اور ان کی پاکیزہ آل' ان کے کامل اور ہادی اصحاب اور ان کی ازواج مطہرات امہات المومنین اور ان کی امت کے تمام علماء اور اولیاء پر بھی صلوٰۃ وسلام کا نزول ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' وہ واحد ہے' اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بداعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق واضح کر اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور مجھ پر باطل کو واضح کر اور مجھے اس سے اجتناب عطا فرما۔ اے اللہ! مجھے "تبیان القرآن" کی تصنیف میں صراط مستقیم پر برقرار رکھ اور مجھے اس میں معتدل مسلک پر ثابت قدم رکھ۔ مجھے اس کی تحریر میں غلطیوں اور لغزشوں سے بچا اور مجھے اس کی تقریر میں حاسدین کے شر اور معاندین کی تحریف سے محفوظ رکھ۔ اے اللہ! میرے دل میں قرآن کے اسرار کا القاء کر اور میرے سینہ کو قرآن کے معانی کے لئے کھول دے' مجھے قرآن مجید کے فیوض سے بہرہ مند فرما۔ قرآن مجید کے انوار سے میرے قلب کی تاریکیوں کو منور فرما۔ مجھے "تبیان القرآن" کی تصنیف کی سعادت عطا فرما۔ اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ کر' اے میرے رب! تو مجھے (جہاں بھی داخل فرمائے) پسندیدہ طریقے سے داخل فرما اور مجھے (جہاں سے بھی باہر لائے) پسندیدہ طریقہ سے باہر لا اور مجھے اپنی طرف سے وہ غلبہ عطا فرما جو (میرے لئے) مددگار ہو۔ اے اللہ! اس تصنیف کو صرف اپنی رضا کے لئے مقدر کر دے اور اس کو اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مقبول کر دے' اس کو قیامت تک تمام دنیا میں مشہور' مقبول' محبوب اور اثر آفرین بنا دے' اس کو میری مغفرت کا ذریعہ' میری نجات کا وسیلہ اور قیامت تک کے لئے صدقہ جاریہ کر دے۔ مجھے دنیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند کر' مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندہ رکھ اور ایمان پر عزت کی موت عطا فرما' اے اللہ! تو میرا رب ہے' تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کئے ہوئے وعدہ اور عہد پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بداعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ مجھے معاف فرما کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔ آمین یا رب العالمین!

سُوْرَةُ صٓ

(۳۸)

سُوْرَةُ الزُّمَرِ

(۳۹)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

سورۂ صٓ

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

تمام مروجہ مصاحف' احادیث' آثار اور کتب تفسیر میں اس سورت کا نام ''صٓ'' معروف اور مشہور ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت کا پہلا کلمہ صٓ ہے' اور جس طرح قرآن مجید کی کئی سورتوں کا نام ان کے شروع میں مذکور حرف تہجی پر رکھا گیا ہے جیسے طٰہٰ' یٰس اور ق' اسی طرح اس سورت کے اول میں جو ''صٓ'' مذکور ہے اسی پر اس سورت کا نام رکھا گیا ہے۔

حافظ جلال الدین السیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے لکھا ہے: اس پر اجماع ہے کہ ''صٓ'' مکی سورت ہے' البتہ الجعبری کا قول ہے کہ یہ مدنی سورت ہے مگر یہ قول شاذ ہے۔ (الاتقان ج۱ ص ۶۵' مطبوعہ دار الکتاب العربی ۱۴۱۹ھ' بیروت)

ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۳۸ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے بھی اس سورت کا نمبر ۳۸ ہی ہے' یہ سورت الاعراف سے پہلے اور ''اقتربت الساعۃ'' کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اہل کوفہ کے نزدیک اس کی ۸۸ آیتیں ہیں اور ہمارے مصاحف میں یہی تعداد معروف ہے اور اہل حجاز' شام اور بصرہ کے نزدیک اس کی ۸۶ آیتیں ہیں اور ایوب بن المتوکل بصری کے نزدیک اس کی ۸۵ آیتیں ہیں۔

صٓ کا زمانۂ نزول

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابو طالب بیمار ہو گئے تو قریش ان کے پاس ملنے کے لیے آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس وقت تشریف لے آئے' ابو طالب کی مجلس میں ایک آدمی تھا' ابو جہل اس کو منع کرنے کے لیے کھڑا ہوا' حضرت ابن عباس نے کہا: لوگوں نے ابو طالب سے آپ کی شکایت کی' ابو طالب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اے بھتیجے! تم اپنی قوم سے کیا چاہتے ہو؟ آپ نے فرمایا: میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ لوگ صرف ایک کلمہ پڑھ لیں' پھر پورا عرب ان کے زیر تسلط ہو جائے گا اور عجم کے لوگ ان کو خراج ادا کریں گے' ابو طالب نے پوچھا: صرف ایک کلمہ؟! آپ نے فرمایا: صرف ایک کلمہ' آپ نے فرمایا: اے میرے چچا! یہ کہیں: ''لا الٰہ الا اللہ'' اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' ان لوگوں نے کہا: صرف ایک خدا! ہم نے کسی اور دین میں ایسی بات نہیں سنی' یہ محض جھوٹ ہے' تب ان کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیتیں نازل ہوئیں:

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ○ بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ عِزَّۃٍ وَّشِقَاقٍ ○ ... مَا سَمِعْنَا بِھٰذَا فِی الْمِلَّۃِ الْاٰخِرَۃِ اِنْ ھٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ○ (صٓ: ۱۔۷)

صاد اس نصیحت والے قرآن کی قسم! ○ بلکہ جن لوگوں نے کفر کیا وہ تکبر اور مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں ○ (کافروں نے کہا:) ہم نے کسی اور دین میں یہ بات نہیں سنی' یہ محض (ان کی) من

گھڑت بات ہے۔

امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۱۲' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۹۹۲۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۵۹' مسند احمد ج ۱ ص ۲۲۷' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۵۸۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۶۸۶' المستدرک ج ۲ ص ۴۳۲' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۱۸۸' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۸۴۰)

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے اس واقعہ کو زیادہ تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے:

زہری کے بھتیجے محمد بن عبد اللہ بن ثعلبہ بیان کرتے ہیں کہ جب قریش نے یہ دیکھا کہ اسلام غلبہ پا رہا ہے اور مسلمان کعبہ کے گرد بیٹھنے لگے ہیں تو ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے' وہ اکٹھے ہو کر ابو طالب کے پاس گئے اور کہا: آپ ہمارے سردار ہیں اور ہم سے افضل ہیں اور آپ نے دیکھا ہے کہ ان بے وقوف نوجوانوں نے آپ کے بھتیجے کے کہنے میں آ کر ہمارے معبودوں کی عبادت چھوڑ دی ہے اور ہم پر طعن و تشنیع شروع کر دی ہے' وہ اپنے ساتھ ولید بن مغیرہ کے بیٹے عمارہ کو لے کر آئے تھے' انہوں نے کہا: ہم آپ کے پاس قریش کا سب سے حسین و جمیل اور سب سے عمدہ نسب کا لڑکا لے کر آئے ہیں' ہم اس کو آپ کے حوالے کرتے ہیں' یہ آپ کی مدد کرے گا اور آپ کا وارث ہوگا' اس کے بدلہ آپ اپنا بھتیجا ہمارے حوالے کر دیں' پھر ہم اس کو قتل کر دیں گے' اس فیصلہ سے تمام قبائل مطمئن ہو جائیں گے۔ یہ سن کر ابو طالب نے کہا: اللہ کی قسم! تم نے انصاف نہیں کیا' تم مجھے اپنا بیٹا دے رہے ہو تاکہ میں کھلا پلا کر اس کی پرورش کروں اور اس کے بدلہ میں تم کو اپنا بھتیجا دے دوں تاکہ تم اس کو قتل کر دو' یہ کوئی انصاف تو نہیں ہے' انہوں نے کہا: تم اپنے بھتیجے کو بلاؤ' ہم اس سے انصاف کی بات کہتے ہیں' ابو طالب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے تو ابو طالب نے آپ سے کہا: اے بھتیجے! یہ لوگ آپ کی قوم کے سردار اور بزرگ لوگ ہیں اور یہ آپ سے کوئی انصاف کی بات کرنا چاہتے ہیں' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم کہو میں سن رہا ہوں' انہوں نے کہا: آپ ہمارے خداؤں کو برا نہ کہیں' ہم آپ کے خدا کو برا نہیں کہیں گے۔ ابو طالب نے کہا: آپ کی قوم نے بہت انصاف کی بات کہی ہے' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم مجھے یہ بتاؤ کہ میں تمہارے سامنے ایک کلمہ پیش کرتا ہوں' اگر تم اس کلمے کو پڑھ لیتے ہو تو تمام عرب تمہارے زیر تسلط ہو جائے گا اور عجم تمہارے سامنے سرنگوں ہو جائے گا' ابو جہل نے کہا: یہ کلمہ تو بہت نفع آور ہے' ہاں! آپ کے باپ کی قسم! ہم اس کلمے کو ضرور پڑھیں گے بلکہ دس بار پڑھیں گے' آپ نے فرمایا: تم پڑھو: ''لا الہ الا اللہ'' اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ یہ سن کر وہ سب بپھر گئے' غصہ اور غضب سے تلملانے لگے اور وحشیوں کی طرح وہاں سے بھاگنے لگے' عقبہ بن ابی معیط نے کہا: اپنے خداؤں پر صبر کرو اور ہم دوبارہ ان کے پاس نہیں آئیں گے' اس کے بعد ان کافروں نے آپ کے خلاف سازش کی اور دھوکے سے آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا' لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو ناکام اور نامراد کر دیا۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۵۸۔۱۵۹ ملخصاً' دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ' طبع جدید)

ان احادیث میں اس بات کی تصریح ہے کہ سورۂ ص ابو طالب کی حیات کے آخری حصہ میں نازل ہوئی ہے' جب ابو طالب مرض الموت میں مبتلا تھے' لہٰذا یہ سورت ہجرت سے تین سال پہلے نازل ہوئی ہے۔

ص کے اغراض و مقاصد

(۱) مشرکین مکہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور آپ کی مخالفت کرتے تھے' اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت اور زجر و توبیخ کی ہے۔

لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيدنا محمد وعلى آله واصحابه اجمعين.

اس تعارف کے آخر میں ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بعض اکابر اہل علم نے یہ لکھا ہے کہ امام رازی کی تفسیر کو علامہ قمولی نے مکمل کیا ہے' ہر چند کہ ان اکابر علماء کے نام بہت بڑے بڑے ہیں اور میں ان کے مقابلہ میں ذرہ ناچیز سے بھی کم ہوں' تاہم تحقیق یہ ہے کہ مکمل تفسیر کبیر امام رازی ہی کی لکھی ہوئی ہے۔

تحقیق یہ ہے کہ امام رازی نے ہی تفسیر کبیر کو مکمل کیا ہے

علامہ ابن خلکان متوفی ۶۸۱ھ (وفیات الاعیان ج ۴ص ۲۴۹)' حاجی خلیفہ (کشف الظنون ج ۲ص ۱۷۵۶)' حافظ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ (تاریخ الاسلام ج ۱۴ص ۲۱۳)' علامہ تاج الدین سبکی متوفی ۷۷۱ھ (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۵ص ۱۶) اور حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ (الدرر الکامنہ ج ۱ص ۳۰۴) نے لکھا ہے کہ امام رازی نے تفسیر کبیر مکمل نہیں فرمائی' بلکہ اس کو علامہ نجم الدین قمولی متوفی ۷۲۷ھ نے مکمل کیا ہے۔

میں سورۃ الانبیاء کے بعد بھی مسلسل تفسیر کبیر کا مطالعہ کرتا رہا ہوں اور اس دوران مجھ پر یہ منکشف ہوا کہ تفسیر کبیر امام رازی نے ہی مکمل فرمائی ہے' کیونکہ سورۃ الانبیاء کے بعد کی سورتوں میں بھی امام رازی کا وہی انداز ہے اور جن چیزوں کی وہ پہلے تفسیر اور تحقیق کر چکے ہیں جب بعد کی آیتوں میں ان کا ذکر آئے تو فرماتے ہیں: ہم اس سے پہلے فلاں سورت میں اس کی تحقیق کر چکے ہیں' مثلاً وہ یٰس: ۳۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ہم پھلوں کی لذت اور نفع اندوزی کے متعلق سورۃ الانعام میں لکھ چکے ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۹ص ۲۷۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت ۱۴۱۵ھ)

الصّٰفّٰت: ۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ہم "مارد" کی تفسیر التوبہ: ۱۰۱ میں لکھ چکے ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۹ص ۳۱۸' دار احیاء التراث العربی' بیروت ۱۴۱۵ھ)

الصّٰفّٰت: ۱۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ہم "داخرون" کی تفسیر النمل: ۴۸ کی تفسیر میں لکھ چکے ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۹ص ۳۲۵' دار احیاء التراث العربی' بیروت ۱۴۱۵ھ)

اگر علامہ قمولی نے الانبیاء کے بعد تفسیر کبیر لکھی ہوتی تو وہ اس طرح نہ لکھتے بلکہ لکھتے کہ امام اس کی تفسیر فلاں سورت میں لکھ چکے ہیں۔ ہم نے تین آیتوں کی مثالیں دی ہیں' ایسی اور بھی بہت مثالیں ہیں۔

دوسری بہت واضح دلیل یہ ہے کہ امام رازی نے بعض سورتوں کے آخر میں وہ تاریخ بھی لکھی ہے جس تاریخ کو اس سورت کی تفسیر ختم ہوئی ہے' ہم امام رازی کی لکھی ہوئی تمام اختتامی تاریخوں کو یہاں نقل کر رہے ہیں۔

سورۂ آل عمران کے آخر میں لکھتے ہیں: اللہ کے فضل اور احسان سے یکم ربیع الثانی ۵۹۵ھ بہ روز جمعرات اس سورت کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ (تفسیر کبیر ج ۳ص ۴۷۴' دار احیاء التراث العربی' بیروت ۱۴۱۵ھ)

سورۃ النساء کے آخر میں لکھتے ہیں: ۱۲ جمادی الثانیہ ۵۹۵ھ بہ روز منگل میں اس سورت کی تفسیر سے فارغ ہوگیا۔

(تفسیر کبیر ج ۴ص ۲۷۵)

سورۃ الانفال کے آخر میں لکھتے ہیں: للہ الحمد والشکر یکم رمضان بہ روز اتوار ۶۰۱ھ میں اس سورت کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ (تفسیر کبیر ج ۵ص ۵۲۰)

سورۃ التوبہ کے آخر میں لکھتے ہیں: ۱۴ رمضان ۶۰۱ھ بہ روز جمعہ میں اس کی تفسیر سے فارغ ہوگیا۔ (تفسیر کبیر ج ۶ص ۱۸۰)

سورۂ یونس کے آخر میں لکھتے ہیں: میں اس سورت کی تفسیر سے رجب ۶۰۱ھ بہ روز ہفتہ فارغ ہوگیا تھا اور میں ان دنوں

(٢) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ آپ ان کی تکذیب اور مخالفت سے نہ گھبرائیں' آپ سے پہلے حضرت داؤد' حضرت ایوب اور دیگر رسولوں کی بھی تکذیب اور مخالفت ہوتی رہی ہے۔

(٣) لوگوں کو ان کے اعمال کی جزاء دینے کے لیے قیامت اور دار آخرت کا برپا کرنا ضروری ہے۔

(۴) سب سے پہلی گمراہی وہ تھی جو شیطان کے انکار سجود کی وجہ سے وجود میں آئی۔

ص کے مضامین اور مشمولات

(١) اس سورت میں یہ بتایا ہے کہ کفار مکہ صرف تکبر کی وجہ سے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت کر رہے ہیں' ان کو صرف یہ بات ناگوار گزری ہے کہ ان ہی میں سے اور ان کی ہی نوع سے ایک شخص کو منصب رسالت پر سرفراز کر دیا گیا اور جن بتوں کی وہ اور ان کے آباء واجداد ایک بڑے عرصہ سے عبادت کر رہے تھے اس نے ان سب بتوں کی خدائی کو باطل قرار دے دیا' سو وہ آپ کو ساحر اور کذاب کہتے تھے' وہ سمجھتے تھے کہ منصب رسالت ہو یا کوئی اور بڑی نعمت ہو اس نعمت کے مستحق وہ ہیں اور وہ اس خبط میں مبتلا تھے کہ اگر اللہ نے اپنی کوئی کتاب نازل فرمانی ہوتی تو ان جیسے کسی امیر و کبیر اور سردار پر اپنی کتاب نازل کرتا نہ کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کی کوئی ظاہری شان وشوکت' ٹھاٹھ باٹھ اور طمطراق نہ تھا۔

(٢) گزشتہ بعض سرکش اور متکبر امتوں کا ذکر فرمایا' جنہوں نے آپ سے پہلے رسولوں کے ساتھ اسی طرح کا تکبر کیا اور بالآخر وہ امتیں ملیامیٹ ہو گئیں۔

(٣) اس سورت میں یہ بتایا ہے کہ یہ دنیا محض عبث اور فضول نہیں ہے' اس دنیا میں انسان نیک یا بد جو بھی کام کرتا ہے اس کو آخرت میں اس کی سزا یا جزاء ملتی ہے اور اسی لیے قیامت کا آنا ضروری ہے۔

(۴) حضرت داؤد علیہ السلام کی اجتہادی خطا کا ذکر فرمایا اور اس پر ان کی توبہ اور استغفار کا ذکر فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان فرما کر جو ان کو معاف فرمایا اس کا ذکر فرمایا تاکہ لوگ گناہ کرنے کے بعد اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں اور اس سے استغفار کرتے رہیں۔

(۵) حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت کی وسعت اور ان کی دولت اور حشمت کا ذکر فرمایا اور ان نعمتوں پر ان کی شکر گزاری کو بیان فرمایا تاکہ لوگ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرح اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کریں۔

(٦) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی فراہم کی کہ اگر مشرکین مکہ آپ کی مخالفت کر رہے ہیں تو آپ فکر اور غم نہ کریں کہ ہمیشہ اولوالعزم انبیاء کی مخالفت کی جاتی رہی ہے اور وہ اس پر صبر کرتے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے کفار کو ہمیشہ ناکام اور نامراد کیا اور اپنے نبیوں کو دارین میں سرخ روئی عطا فرمائی۔

(٧) آخر میں یہ بتایا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف عذاب سے ڈرانے والے ہیں اور جو لوگ آپ کے پیغام توحید کی تکذیب کر رہے ہیں اور تکبر کی بناء پر آپ پر ایمان نہیں لا رہے ہیں وہ ابلیس کی پیروی کر رہے ہیں اور ان کا وہی انجام ہو گا جو ابلیس اور اس کے پیروکاروں کے لیے مقدر ہو چکا ہے۔

ص کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد ہم اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت سے ص کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہے ہیں' الٰہ العلمین ! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں حق وصواب پر قائم رکھنا اور وہی بات لکھوانا جو حق اور صواب ہو اور جو باتیں غلط ہوں ان کی غلطیوں اور ناصواب ہونے پر مطلع فرمانا اور ان کا رد کرنے کی ہمت اور توفیق دینا۔ واخر دعوانا ان الحمد

گویا المؤمن سے الفتح تک تمام سورتوں کی تفسیر امام رازی نے ذوالحجہ ۶۰۳ھ میں لکھی ہے۔ اور یہ تفسیر کبیر کے کل ۱۳۷ صفحات ہیں اور عربی میں ایک ماہ میں ۱۳۷ صفحات لکھ لینا بعید نہیں ہے' اردو میں مشکل ہوتا ہے کیونکہ اس میں ترجمہ کرنا ہوتا ہے اور ۱۲۰ صفحات کے لگ بھگ تو میں نے بھی ایک ماہ میں لکھے ہیں۔ سورۃ الفتح کے بعد امام رازی نے کسی سورت کے خاتمہ کی تاریخ نہیں لکھی۔ الفتح کا نمبر ۴۸ ہے اور اس کے بعد ساڑھے چار پاروں کی تفسیر باقی ہے۔ اور امام رازی کی وفات ۶۰۶ھ میں ہے اور اس کے بعد وہ مزید تین سال زندہ رہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ پوری تفسیر ان ہی کی لکھی ہوئی نہ ہو' لہٰذا صحیح یہی ہے کہ پوری تفسیر کبیر امام رازی ہی کی لکھی ہوئی ہے اور ابن خلکان' حاجی خلیفہ اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو لکھا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

عمر رضا کحالہ کی بھی یہی تحقیق ہے کہ تفسیر کبیر مکمل امام رازی کی تصنیف ہے۔

(معجم المؤلفین ج ۱۱ ص ۷۹' دار احیاء التراث العربی' بیروت)

اگر تفسیر کبیر علامہ قمولی نے مکمل کی ہوتی تو وہ اپنے تکملہ کے دوران کہیں تو امام رازی کا نام لیتے اور بتاتے کہ یہ امام رازی کا اسلوب ہے اور یہ میرا طریقہ ہے۔

نیز سورت مجادلہ کا نمبر ۵۸ ہے اور یہ قرآن مجید کی آخری سورتوں میں ہے' اس کی آیت: ۱۱ ''وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ'' (المجادلہ: ۱۱) کی تفسیر میں لکھتے ہیں: جان لو کہ ہم نے ''وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا'' (البقرہ: ۳۱) کی تفسیر میں علم کی فضیلت پر بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۴۹۴' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اگر سورۃ الانبیاء کے بعد علامہ قمولی نے تفسیر کبیر کو مکمل کیا ہوتا تو یہ عبارت اس طرح ہوتی کہ امام رازی نے ''عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا'' کی تفسیر میں علم کی فضیلت پر بہت تفصیل سے لکھا ہے اور جب کہ اس میں یہ مذکور ہے کہ ہم نے البقرہ: ۳۱ میں علم کی فضیلت پر بہت تفصیل سے لکھا ہے تو آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا کہ تفسیر کبیر مکمل امام رازی ہی کی لکھی ہوئی ہے۔

اور امام رازی ''فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ۝'' (الحشر: ۲) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ہم نے اپنی کتاب ''المحصول من اصول الفقہ'' میں اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ قیاس حجت ہے' ہم اس تقریر کا یہاں ذکر نہیں کریں گے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۵۰۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس عبارت سے مزید واضح ہو گیا کہ تفسیر کبیر مکمل امام رازی ہی کی لکھی ہوئی ہے۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' ۱۵/۱۷ فیڈرل بی ایریا' کراچی-۳۸
موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰
۲۱۲۰۶۱۷-۰۳۴۵
۲۰۲۱۷۴۴-۰۳۲۱

اپنے نیک بیٹے محمد کی وفات سے بہت غم زدہ ہوں اور قارئین سے اس کی مغفرت کی درخواست ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۱۱)
سورۂ یوسف کے آخر میں لکھتے ہیں: میں سات شعبان ۶۰۱ ھ بہ روز بدھ اس سورت کی تفسیر سے فارغ ہو گیا آج کل میں اپنے نیک بیٹے محمد کی وفات سے بہت غمگین ہوں اس کی مغفرت کی دعا کریں اور میرے لیے سورۂ فاتحہ پڑھ کر دعا کریں اور جو میرے لیے یہ دعا کرے گا میں بھی اس کے لیے بہت دعا کروں گا اور پھر حمد و صلوٰۃ پڑھی۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۵۲۳)
سورۂ رعد کے آخر میں لکھتے ہیں: آج ۱۸ شعبان ۶۰۱ ھ بہ روز اتوار کو اس سورت کی تفسیر ختم ہوئی بیٹے کی وفات کا غم تازہ ہے اس کی دعا کے لیے درخواست کرتے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۵۵)
سورۂ ابراہیم کے آخر میں فرماتے ہیں: اواخر شعبان ۶۰۱ ھ بہ روز جمعہ اس سورت کی تفسیر ختم ہوئی۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۱۱۵)
سورۃ الکہف کے آخر میں فرماتے ہیں: ستر وصفر ۶۰۲ ھ بہ روز منگل شہر غزنین میں اس سورت کی تفسیر ختم ہوئی۔
(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۵۰۲)
سورۃ الصّٰفّٰت کے آخر میں لکھتے ہیں: ستر و ذوالقعدہ ۶۰۳ ھ میں بہ روز جمعہ بہ وقت چاشت اس سورت کی تفسیر ختم ہوئی۔
(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۳۶۴)
امام رازی نے الزمر: ۷ کی تفسیر میں ایک سوال کے متعدد جواب ذکر کیے ہیں۔ ان کے تیسرے جواب میں لکھا ہے کہ یہ جواب میرے والد شیخ ضیاء الدین عمر نے دیا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۲۶) یہ عبارت اس بات پر واضح قرینہ ہے کہ سورۂ انبیاء سے آگے بھی تفسیر امام رازی ہی کی لکھی ہوئی ہے۔ نیز سورۂ زمر کے آخر میں امام رازی نے لکھا ہے کہ اس کی تفسیر ذوالقعدہ ۶۰۳ ھ میں مکمل ہوئی۔
''وفیات الاعیان'' اور ''کشف الظنون'' وغیرہما میں لکھا ہوا ہے کہ امام رازی نے سورۃ الانبیاء تک تفسیر لکھی ہے۔ الانبیاء کا نمبر ۲۱ ہے اور الزمر کا نمبر ۳۹ ہے گویا کہ الانبیاء کے بعد ۱۸ سورتوں کی تفسیر بھی امام رازی نے لکھی ہے اور یہ سورت ۶۰۳ ھ میں لکھی گئی ہے اور ۶۰۶ ھ میں امام رازی کی وفات ہوئی ہے گویا اس کے تین سال بعد تک امام رازی تفسیر کبیر لکھتے رہے اور آخری سورتوں کی تفسیر امام رازی نے بہت سرعت کے ساتھ لکھی ہے جیسا کہ بعد کی تاریخوں سے اندازہ ہوتا ہے۔
سورۂ صٓ کے آخر میں فرماتے ہیں: ۲ ذوالقعدہ ۶۰۳ ھ بہ روز منگل اس سورت کی تفسیر ختم ہوگئی۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۱۷)
سورۃ الزمر کے آخر میں فرماتے ہیں: آخر ذوالقعدہ ۶۰۳ ھ بہ روز منگل اس سورت کی تفسیر ختم ہوگئی۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۸۱)
سورۃ المؤمن کے آخر میں فرماتے ہیں: ۲ ذوالحجہ ۶۰۳ ھ بہ روز ہفتہ اس سورت کی تفسیر ختم ہوگئی۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۳۶)
سورۂ حٰم السجدۃ کے آخر میں فرماتے ہیں: ۴ ذوالحجہ ۶۰۳ ھ کو ظہر کے وقت اس سورت کی تفسیر ختم ہوگئی۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۷۰)
سورۃ الشوریٰ کے آخر میں فرماتے ہیں: آخر ذوالحجہ ۶۰۳ ھ بہ روز جمعہ اس سورت کی تفسیر ختم ہوگئی۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۶۱۵)
سورۃ الزخرف کے آخر میں فرماتے ہیں: ۱۱ ذوالحجہ ۶۰۳ ھ بہ روز اتوار اس سورت کی تفسیر ختم ہوگئی۔
(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۶۵۰)
غالباً ان دونوں سورتوں کی تفسیریں ساتھ ساتھ چل رہی تھیں اور سورۃ الدخان اور الجاثیہ کی تفسیر بھی ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔
سورۃ الدخان کے آخر میں لکھتے ہیں: بارہ ذوالحجہ ۶۰۳ ھ بہ روز منگل اس سورت کی تفسیر ختم ہوگئی۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۶۶۷)
سورۃ الجاثیہ کے آخر میں لکھتے ہیں: پندرہ ذوالحجہ ۶۰۳ ھ بہ روز جمعہ اس سورت کی تفسیر ختم ہوگئی۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۶۸۳)
سورۃ الاحقاف کے آخر میں لکھتے ہیں: ۲۰ ذوالحجہ ۶۰۳ ھ کو اس سورت کی تفسیر ختم ہوگئی۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۳۱)
سورۃ الفتح کے آخر میں لکھتے ہیں: ۱۷ ذوالحجہ ۶۰۳ ھ بہ روز جمعرات کو اس سورت کی تفسیر ختم ہوگئی۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۹۰)

وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ فَلْيَرْتَقُوا فِي الْأَسْبَابِ ﴿١٠﴾ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ

تو ان کو چاہیے کہ رسیاں باندھ کر آسمان پر چڑھ جائیں O یہ اسی جگہ کفار کا شکست خوردہ

مِّنَ الْأَحْزَابِ ﴿١١﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ

حقیر لشکر ہے O ان سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور میخوں والے فرعون کی قوم

ذُو الْأَوْتَادِ ﴿١٢﴾ وَثَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَّأَصْحَابُ لْئَيْكَةِ ۚ أُولَٰئِكَ

تکذیب کر چکی ہے O اور ثمود اور لوط کی قوم اور اصحاب ایکہ یہ کفار کے

الْأَحْزَابُ ﴿١٣﴾ إِنْ كُلٌّ إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿١٤﴾ ع

گروہ ہیں O ان میں سے ہر گروہ نے رسولوں کو جھٹلایا تو ان پر میرا عذاب ثابت ہو گیا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: صٓ' اس نصیحت والے قرآن کی قسم! O بلکہ جن لوگوں نے کفر کیا وہ تکبر اور مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں O ہم ان سے پہلے بھی بہت سی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں' انہوں نے بہت فریاد کی مگر وہ وقت نجات کا نہ تھا O (صٓ: ۳۔۱)

صٓ کے معانی اور محامل

اس سورت کو بھی حرف تہجی صٓ کے ساتھ شروع کیا گیا ہے' جیسا کہ قرآن مجید کی اور بھی کئی سورتوں کو حرف تہجی کے ساتھ شروع کیا گیا ہے اور اس میں اس چیز پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور وحی الٰہی ہے' کسی انسان کا کلام نہیں ہے' اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ کسی انسان کا کلام ہے تو جن حروف تہجی سے یہ کلام مرکب ہے تم ان ہی حروف سے کلام بناتے ہو' سو تم بھی ان حروف سے ایسا کلام بنالاؤ اور اگر تم ایسا معجز کلام نہ بنا سکو اور اس سے عاجز ہو جاؤ تو پھر مان لو کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔

مفسرین نے کہا ہے کہ حرف صاد کو ابتداءً لانے میں حسب ذیل امور کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے:

(۱) صٓ سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ اسماء ہیں جو حرف صاد سے شروع ہوتے ہیں جیسے صادق الوعد' صانع المخلوقات اور صمد۔

(۲) اس سے مراد یہ ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر خبر پہنچانے میں صادق ہیں۔

(۳) سعید بن جبیر نے کہا: صٓ سے مراد وہ بحر ہے جس سے اللہ تعالیٰ دو صوروں کے درمیانی وقفہ میں مردوں کو زندہ فرمائے گا' ضحاک نے کہا: صٓ سے مراد اللہ تعالیٰ کا اسم ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے' قتادہ سے مروی ہے کہ یہ قرآن کا اسم ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۱۳۰' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر کیا فرمایا؟

ہم نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نصیحت والے قرآن کی قسم کھائی ہے' اب سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر کیا فرمایا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جواب قسم یہاں پر مذکور نہیں ہے لیکن مراد ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ کلام معجز ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ صٓ' اس نصیحت والے قرآن کی قسم! (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ قرآن معجز ہے اور ان کا یہ دعویٰ برحق ہے یا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تبلیغ رسالت اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا پیغام پہنچانے میں صادق ہیں

(۳۸) سورۃ صٓ مکیۃ (۳۸) | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ | آیاتہا ۸۸ رکوعاتہا ۵

سورۃ صٓ مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے O اس کی اٹھاسی آیتیں اور پانچ رکوع ہیں

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ۭ(۱) بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ عِزَّۃٍ وَّ

صٓ، اس نصیحت والے قرآن کی قسم! O بلکہ جن لوگوں نے کفر کیا وہ تکبر اور مخالفت میں پڑے

شِقَاقٍ (۲) کَمْ اَهْلَکْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِیْنَ

ہوئے ہیں O ہم ان سے پہلے بھی بہت سی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں' انہوں نے بہت فریاد کی اور وہ وقت

مَنَاصٍ (۳) وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ۫ وَقَالَ الْکٰفِرُوْنَ

نجات کا نہ تھا O اور کافروں کو اس پر تعجب ہوا کہ ان ہی میں سے ایک شخص عذاب سے ڈرانے والا آ گیا اور کافروں

هٰذَا سٰحِرٌ کَذَّابٌ ۚ(۴) اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ

نے کہا: یہ جھوٹا جادوگر ہے O کیا اس نے بہت سے معبودوں کو معبود واحد بنا دیا ہے' بے شک یہ بہت عجیب

عُجَابٌ (۵) وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓی اٰلِهَتِکُمْ ۚ

بات ہے O کافروں کے سردار (اس رسول کے پاس سے) چلے (اور کہا:) چلو اب اپنے خداؤں پر صبر کر لو

اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ۚ(۶) مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ

بے شک اس بات کا بھی کوئی معنیٰ ہے O ہم نے یہ بات اس سے پہلے دین میں نہیں سنی' یہ صرف

هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۚ(۷) ءَاُنْزِلَ عَلَیْهِ الذِّکْرُ مِنْ بَیْنِنَا ۭ بَلْ هُمْ فِیْ

ان کی بنائی ہوئی (جھوٹی) بات ہے O کیا ہم میں سے صرف ان پر ہی نصیحت نازل کی گئی ہے' بلکہ یہ کفار میری نازل کی ہوئی

شَکٍّ مِّنْ ذِکْرِیْ ۚ بَلْ لَّمَّا یَذُوْقُوْا عَذَابِ ۭ(۸) اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ

وحی کے متعلق شک میں مبتلا ہیں' بلکہ ابھی تک انہوں نے میرا عذاب چکھا ہی نہیں ہے O یا ان کے پاس آپ کے

رَحْمَةِ رَبِّکَ الْعَزِیْزِ الْوَهَّابِ ۚ(۹) اَمْ لَهُمْ مُّلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

غالب اور فیاض رب کے خزانے ہیں O یا آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز ان کی ملکیت میں ہے

نہیں ہو سکتی تھی۔

اس آیت کی نظیر حسب ذیل آیات ہیں:

فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَ كَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِیْنَ○ فَلَمْ یَكُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ فِیْ عِبَادِهٖ ۚ وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ○ (المؤمن: ۸۵-۸۴)

پس جب بھی کافر ہمارا عذاب دیکھتے تو کہتے کہ ہم اللہ کے واحد ہونے پر ایمان لے آئے اور جن جن کو ہم نے اس کا شریک بنایا تھا ہم ان کا اب کفر اور انکار کرتے ہیں○ جب وہ ہمارا عذاب دیکھ چکے تو پھر ان کا ایمان ان کو نفع دینے والا نہ تھا' یہ اللہ کا طریقہ مستمرہ ہے جو اس نے پہلی قوموں میں جاری کیا ہوا ہے اور کفار ایسے وقت میں (ہمیشہ) خراب وخوار ہوئے○

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِیْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ یَجْـَٔرُوْنَ○ لَا تَجْـَٔرُوا الْیَوْمَ ۫ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ○ (المومنون: ۶۵-۶۴)

حتیٰ کہ جب ہم نے کافروں کے عیش پرست لوگوں کو عذاب میں گرفتار کر لیا تو لگے وہ فریاد کرنے اور بلبلانے○ آج تم فریاد نہ کرو' آج ہماری طرف سے تمہاری مدد نہیں کی جائے گی○

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ○ آٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ○ (یونس: ۹۱-۹۰)

فرعون جب ڈوبنے لگا تو اس نے کہا: میں اس پر ایمان لایا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں○ (فرمایا:) اب (ایمان لایا ہے) حالانکہ اس سے پہلے تو نے نافرمانی کی اور تو فساد کرنے والوں میں سے تھا○

سو اس وقت فرعون کی توبہ قبول نہیں کی گئی اور اس کو غرق کر دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافروں کو اس پر تعجب ہوا کہ ان ہی میں سے ایک شخص عذاب سے ڈرانے والا آ گیا اور کافروں نے کہا: یہ جھوٹا جادوگر ہے○ کیا اس نے بہت سے معبودوں کو معبود واحد بنا دیا ہے' بے شک یہ بہت عجیب بات ہے○ کافروں کے سردار (اس رسول کے پاس سے) چلے (اور کہا:) چلو اب اپنے خداؤں پر صبر کر لو' بے شک اس بات کا بھی کوئی معنیٰ ہے○ ہم نے یہ بات اس سے پہلے دین میں نہیں سنی' یہ صرف ان کی بنائی ہوئی (جھوٹی) بات ہے○ (ص: ۷-۴)

کفار کا تکبر اور ان کی مخالفت کس سبب سے تھی؟

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ بے شک کفار تکبر اور مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں' ان آیات میں اللہ تعالیٰ یہ بتا رہا ہے کہ وہ کس وجہ سے تکبر اور مخالفت کرتے تھے' ان کے تکبر اور ان کی مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ ان ہی میں سے ایک شخص کو رسول بنا دیا گیا اور وہ ان کو عذاب سے ڈرانے کے لیے آ گیا۔

کفار یہ کہتے ہیں کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ظاہری صورت اور باطنی قوتوں میں ہماری مثل ہیں' ان کی شکل و صورت ہماری طرح ہے' ان کی پیدائش بھی ہماری طرح ہوئی ہے' پھر یہ کس طرح معقول ہوگا کہ ہم میں سے صرف ان کو منصب رسالت پر فائز کر دیا جائے اور ان کو اتنے عظیم الشان مرتبہ کے لیے چن لیا جائے اور یہ کفار کی جہالت تھی' کیونکہ ان کے پاس ایک ایسا شخص آیا جو ان کو یہ دعوت دے رہا تھا کہ وہ اللہ کو واحد مانیں اور کسی کو اس کا شریک نہ قرار دیں اور فرشتوں کی تعظیم کریں' ان کو مؤنث نہ کہیں' دنیا کی فانی لذتوں سے کنارہ کش ہوں اور آخرت کی دائمی نعمتوں سے وابستہ ہوں۔ جھوٹے اور

اور کفار جو آپ کے رسول ہونے کا انکار کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا' آپ کی رسالت کا اور قرآن مجید کے وحی الٰہی ہونے کا انکار اور کفر کر رہے ہیں تو ان کا یہ انکار محض تکبر اور عناد کی وجہ سے ہے' ان کا گمان یہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو اپنا رسول بناتا تو اس شخص کو بناتا جو بہت امیر و کبیر ہوتا۔ جس کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہوتی' اس کے بہت نوکر چاکر ہوتے اور اس کا بہت بڑا جتھا ہوتا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ ظاہری جاہ و حشم اور بہت سرمایہ نہیں تھا جب کہ وہ سرمایہ دار اور سردار تھے' اس لیے وہ اپنے زعم فاسد میں آپ کو کمتر اور حقیر سمجھتے تھے اور آپ پر ایمان لانا اور آپ کا کلمہ پڑھنا اور آپ کی اطاعت کرنا اپنی بڑائی اور اپنی امارت و ریاست کے خلاف سمجھتے تھے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بلکہ جن لوگوں نے کفر کیا وہ تکبر اور مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں۔

''ولات حين مناص'' کی تفسیر

اس کے بعد فرمایا: ''ہم ان سے پہلے بھی بہت سی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں' انہوں نے بہت فریاد کی مگر وہ وقت نجات کا نہ تھا O''۔

اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے سابقہ کافر قوموں پر دنیا میں عذاب نازل فرمایا تو وہ اس عذاب سے نجات حاصل کرنے کے لیے چیخے چلائے اور انہوں نے بلند آواز کے ساتھ نداء کی' انہوں نے نداء میں کیا کہا یہ اس آیت میں نہیں بیان فرمایا' مفسرین نے اس کے حسب ذیل محامل ذکر کیے ہیں' انہوں نے نداء کرتے ہوئے کہا:

(۱) انہوں نے فریاد کی کہ ان سے یہ عذاب دور کر دیا جائے۔

(۲) جب انہوں نے عذاب دیکھا تو انہوں نے بہ آواز بلند اپنے کفر شرک اور تکبر سے توبہ کر لی اور ایمان لے آئے۔

(۳) وہ اپنے غم اور اندوہ کو ظاہر کرنے کے لیے اور درد اور بے چینی کی وجہ سے محض چیخ و پکار کر رہے تھے' جیسا کہ درد اور بے چینی میں مبتلا شخص اس طرح کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ولات حين مناص'' یعنی یہ وقت عذاب سے فرار اور نجات کا نہ تھا۔

خلیل اور سیبویہ نے کہا: اس آیت میں لات' لا المشبهة بليس ہے اور اس میں تا زائدہ ہے اور اس تا کو زیادہ کرنے کی وجہ سے اس میں دو خصوصی حکم آ گئے' ایک یہ کہ لات صرف ان اسماء پر داخل ہو گا جن میں احیان اور اوقات کا معنیٰ ہو جیسے مناص کا معنیٰ مدد کا وقت ہے یا نجات کا وقت ہے اور دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ویسے تو لا المشبهة بليس دو جزءوں یعنی اسم اور خبر پر داخل ہوتا ہے لیکن لات صرف ایک جز پر داخل ہو گا' صرف اسم پر یا صرف خبر پر جیسا کہ آیت میں ہے۔

الاخفش نے کہا: لات میں لا نفی جنس کا ہے اور اس پر تا کا اضافہ کیا گیا ہے اور یہ نفی احیان اور اوقات کی نفی کے ساتھ مخصوص ہے اور اس آیت کا معنیٰ ہے' ''اور یہ ان کی نجات کا وقت نہ تھا'' اور مناص کا معنیٰ ہے نجات اور مدد کی جگہ۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۳۶۷۔ ۳۶۶' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حسن بصری نے کہا: انہوں نے توبہ کے ساتھ نداء کی اور یہ وقت توبہ کے قبول ہونے کا نہ تھا کیونکہ عذاب آنے کے بعد عمل نفع نہیں دیتا۔

القشیری نے کہا: جس چیز کی وہ نداء کر رہے تھے' وہ وقت اس کی نداء کا نہ تھا' ہر چند کہ انسان اسی وقت چیخ و پکار اور فریاد کرتا ہے جب اس پر مصیبت آتی ہے لیکن یہ وقت اس مصیبت سے نجات کا نہ تھا۔

الجرجانی اور الفراء نے کہا: انہوں نے ایسے وقت میں عذاب سے فرار اور نجات کو طلب کیا جب عذاب سے ان کی نجات

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ ھ اور علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۳۶۷' الجامع لاحکام القرآن ج ۱۵ ص ۱۳۶)

امام ابوالحسن علی بن محمد الماوردی التوفی ۴۵۰ ھ نے مقاتل سے اس روایت کو بیان کیا ہے۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۷۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ ھ نے سدی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار قریش سے کہا: اگر تم میرے ہاتھ میں سورج لا کر رکھ دو پھر بھی میں تم سے یہی مطالبہ کروں گا کہ تم لا الٰہ الا اللہ پڑھو۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ ھ)

اس کے بعد فرمایا: ''کافروں کے سردار (اس رسول کے پاس سے) چلے (اور کہا:) چلو اب اپنے خداؤں پر صبر کرلو' اس بات کا بھی کوئی معنیٰ ہے''۔ (ص: ۶)

کفار کا اپنے بتوں کی عبادت پر صبر کرنے کا محمل

عقبہ بن ابی معیط نے کہا تھا: چلو! یعنی تم اپنے طریقہ پر عمل کرتے رہو اور اس مجلس سے نکل چلو' کیونکہ یہاں اب ٹھہرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

اور اس نے کہا: اب اپنے خداؤں پر صبر کرلو' یعنی اب تم اپنے بتوں کی عبادت پر ثابت قدم رہو اور ان کی عبادت کو جو یہ بُرا اور گناہ کہتے ہیں اس کو برداشت کرتے رہو۔

امام ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۳۵ ھ نے کہا: جب کفار اپنے بتوں کی عبادت کرنے پر صبر سے راضی ہو گئے حالانکہ بتوں کی عبادت کرنا باطل ہے تو مسلمان اس کے زیادہ لائق ہیں کہ وہ صبر کے ساتھ خدائے واحد کی عبادت کرتے رہیں اور اس راہ میں کسی ملامت یا کسی طعن تشنیع یا کسی بھی مصیبت کی پرواہ نہ کریں۔

انہوں نے کہا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو ہم کو یہ حکم دیتے ہیں کہ اللہ کو واحد مانو اور ہمارے بتوں کی خدائی کی نفی کر رہے ہیں' وہ ضرور اس حکم کو نافذ کرنے والے ہیں' یہ محض ان کی زبانی بات نہیں ہے' وہ کسی کی سفارش کرنے سے اور کسی کے سمجھانے سے اپنے اس عزم سے باز نہیں آئیں گے۔ اس لیے تم یہ طمع نہ رکھو کہ ابو طالب کے کہنے سننے سے اور ان کے سفارش کرنے سے وہ اپنے موقف کو ترک کر دیں گے۔ پس تمہارے لیے یہ غنیمت ہے کہ تم اپنے بتوں کی عبادت کر رہے ہو اور اس پر کوئی بندش عائد نہیں ہے' سو تم ان کی باتیں برداشت کرتے ہوئے صبر و سکون سے اپنے بتوں کی عبادت کرتے رہو اور اپنے طریقہ پر سختی سے قائم رہو۔

اس کے بعد فرمایا: ''(اور کافروں نے کہا:) ہم نے یہ بات اس سے پہلے دین میں نہیں سنی' یہ صرف ان کی بنائی ہوئی (جھوٹی) بات ہے''۔ (ص: ۷)

خَلق' خُلق اور اختلاق کے معانی

اس بات سے مراد اللہ تعالیٰ کی توحید ہے' اور انہوں نے کہا: ''اور ہم نے اس سے پہلے دین میں توحید کی دعوت کو نہیں سنا''، یعنی ہمارے آباؤ اجداد جس دین کے پیروکار تھے اس میں توحید کا عقیدہ نہ تھا' اس آیت میں دین کے لیے ملت کا لفظ ہے' احکام شرعیہ جب اس لحاظ سے ہوں کہ ان کی اطاعت کی جائے تو ان احکام شرعیہ کو دین کہا جاتا ہے اور جب احکام شرعیہ اس لحاظ سے ہوں کہ ان کو لکھ کر محفوظ کیا جائے اور وہ منضبط اور مدون ہوں تو ان کو ملت کہا جاتا ہے اور توسعاً دین اور ملت کا ایک

بے حیائی کے کام نہ کریں' رشتہ داروں سے نیک سلوک کریں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کریں اور وہ شخص ان کا نسبی قرابت دار ہے' ان کو معلوم ہے کہ وہ شخص جھوٹ اور جھوٹ کی تہمت سے بہت دور ہے' یہ تمام صفات ایسی ہیں جو اس شخص کے دعویٰ کی تصدیق کو واجب کرتی ہیں' لیکن یہ کفار اپنی حماقت کی وجہ سے اس شخص کے دعویٰ رسالت پر تعجب کرتے تھے' وہ کہتے تھے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ان کی قوم اور ان کے قبیلہ کے ایک فرد ہیں۔ دنیاوی اسباب کے اعتبار سے ان کو ہم پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔ اس لیے وہ ان کی اطاعت میں داخل ہونے اور ان کا امتی کہلانے میں اپنی سبکی محسوس کرتے تھے اور اس پر تعجب کرتے تھے کہ کسی دنیاوی فضیلت اور بڑائی کے بغیر ان کو کیسے پیغامِ الٰہی پہنچانے کے لیے چن لیا گیا اور ان کا یہ تعجب کرنا محض ان کے حسد کی وجہ سے تھا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور کافروں نے کہا: یہ جھوٹا جادوگر ہے''۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ یہ کہنے والے کافر تھے' کیونکہ جو اللہ کے رسول کو جھوٹا کہے اور جادوگر کہے وہ کافر ہے' ان کا یہ کہنا خود بداہۃً جھوٹ تھا' کیونکہ جادوگر وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے منع کرتا ہے اور شیطان کی اطاعت اور اس کی عبادت کی ترغیب دیتا ہے۔ جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم' اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیتے تھے اور شیطان کی اطاعت اور اس کی عبادت سے منع کرتے تھے' اسی طرح ان کا آپ کو جھوٹا کہنا بھی بجائے خود جھوٹ تھا' کیونکہ جھوٹا شخص وہ ہوتا ہے جو واقع کے خلاف خبر دے اور آپ نے یہ خبر دی کہ یہ جہاں یونہی خود بہ خود وجود میں نہیں آ گیا' اس کا کوئی بنانے والا اور پیدا کرنے والا ہے اور وہ واحد ہے' کیونکہ اس تمام جہان کا نظام طرز واحد اور نظم واحد پر چل رہا ہے اور اس کا نظم واحد پر چلنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا ناظم بھی واحد ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کافروں کے اس قول کو نقل فرمایا: ''کیا اس نے بہت سے معبودوں کو معبود واحد بنا دیا ہے''۔ (صٓ: ۵)

کفار کی ابوطالب سے شکایت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۴۶۸ھ بیان کرتے ہیں:

مفسرین نے کہا ہے کہ جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا تو قریش پر یہ واقعہ بہت دشوار گزرا اور مسلمان اس سے بہت خوش ہوئے' ولید بن مغیرہ نے قریش کی ایک جماعت سے کہا' جن میں ان کے صنادید اور اشراف موجود تھے: ابوطالب کے پاس چلو' پھر انہوں نے ابوطالب سے کہا: آپ ہمارے شیخ اور بزرگ ہیں اور آپ کو معلوم ہے کہ ان نادان لڑکوں نے کیا کیا ہے' ہم آپ کے پاس اس لیے آئے ہیں کہ آپ ہمارے اور اپنے بھتیجے کے درمیان کوئی معتدل راہ نکال دیں' ابوطالب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا اور آپ کے آنے کے بعد آپ سے کہا: اے بھتیجے! یہ تمہاری قوم ہے' یہ چاہتی ہے کہ تمہارے اور ان کے درمیان کوئی قابل عمل فیصلہ ہو جائے اور تم اپنی قوم سے ذرہ برابر بھی زیادتی نہ کرو' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: یہ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ کفار قریش نے کہا: آپ ہمیں اور ہمارے معبودوں کے ذکر کو چھوڑ دیں' ہم آپ کو اور آپ کے معبود کو چھوڑ دیں گے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ایک کلمہ پڑھ کر مان لو' تمام عرب تمہارے زیرنگیں ہو جائے گا اور عجم بھی تمہارے ماتحت ہو جائے گا۔ ابوجہل نے کہا: اللہ تمہارا بھلا کرے' ایسا کلمہ تو ہم دس بار پڑھنے پر بھی تیار ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پڑھو لا الٰہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے) یہ بات سن کر وہ متوحش ہوئے اور اس مجلس سے اٹھ گئے اور کہنے لگے: یہ تمام معبودوں کو ملا کر ایک معبود قرار دے رہے ہیں' تمام لوگ یہ بات کیسے مان لیں گے کہ ان کا معبود صرف ایک معبود ہے' تب اللہ تعالیٰ نے سورت صٓ کی یہ آیات نازل فرمائیں۔

(اسباب النزول ص ۳۸۱' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

اور کفار مکہ نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اسی طرح کا اعتراض کیا تھا:

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ○ (الزخرف: ۳۱) اور انہوں نے کہا: یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے کسی عظیم آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا؟

ان کے اس اعتراض کی مکمل تقریر اس طرح ہے کہ نبوت اور رسالت سب سے عظیم مرتبہ ہے' اس لیے یہ مرتبہ سب سے عظیم اور مشرف انسان کو ملنا چاہیے اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سب سے عظیم اور مشرف انسان نہیں ہیں' کیونکہ ان کے پاس مال و دولت کی کثرت ہے نہ جاہ وحشم ہے' نہ ان کے ماتحت کوئی جتھا ہے' نہ یہ کسی قبیلہ کے سردار ہیں' اس لیے نبوت اور رسالت کا منصب ان کو نہیں ملنا چاہیے اور نہ یہ اس کے لائق ہیں۔ کفار کا یہ کہنا تو صحیح تھا کہ نبوت بلند تر اور بالاتر مرتبہ ہے اور یہ مرتبہ اس شخص کو ملنا چاہیے جو مرتبہ میں سب سے بلند اور بالا ہو' لیکن ان کا یہ کہنا صحیح نہیں تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بلند اور بالا نہیں ہیں۔ کیونکہ سعادت' شرافت اور سیادت کی تین قسمیں ہیں' اعلیٰ درجہ کی سیادت' سعادت نفسانیہ ہے یعنی اس شخص کا نفس اور قلب سب سے پاکیزہ ہو اور نفس کی طہارت اور پاکیزگی اللہ پر ایمان اور تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے' آپ ایمان باللہ پر پیدا ہوئے اور کفار آپ کی چالیس سالہ گزاری ہوئی حیات میں دیکھ چکے تھے' آپ سب سے زیادہ عفت مآب' عبادت گزار' عمدہ اخلاق کے مالک اور تمام لوگوں میں صادق اور امین مشہور تھے' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (یونس: ۱۶) میں اس سے پہلے عمر کا ایک بہت بڑا حصہ تم میں گزار چکا ہوں' کیا پس تم عقل نہیں رکھتے ○

سیادت اور سعادت کا دوسرا مرتبہ جسمانی اور بدنی ہے اور آپ قبائل عرب میں سب سے افضل قبیلہ قریش اور اس کی سب سے افضل شاخ بنو ہاشم میں پیدا ہوئے اور آپ کے دادا حضرت عبد المطلب تمام اہل مکہ میں بزرگ اور برتر مانے جاتے تھے اور آپ کا جسمانی حسن و جمال اور آپ کی وجاہت سب پر فائق تھی' سو نفسانی اور جسمانی شرف کے لحاظ سے آپ ہی سب سے افضل اور برتر تھے' اور رہا سیادت کا تیسرا مرتبہ وہ خارجی اور اضافی وجوہ سے ہے یعنی مال و دولت اور دنیاوی شان و شوکت کے اعتبار سے کسی کا زائد ہونا اور یہ اضافی فضیلت ہے' حقیقی فضیلت نہیں ہے' ایک وقت تھا کہ آپ کے پاس زیادہ مال و دولت نہیں تھا' پھر اسلامی فتوحات کی کثرت ہوئی اور بہ کثرت مال غنیمت اور مال فے آپ کے پاس آ گیا' حتیٰ کہ آپ ازواج مطہرات کو ایک سال کا غلہ فراہم کر دیا کرتے تھے۔ سو مشرکین مکہ کا آپ پر یہ اعتراض بالکل بے جا' غلط اور جھوٹا تھا کہ آپ عرب کے افضل اور برتر انسان نہیں ہیں تو آپ کو نبوت اور رسالت کے لیے چن لینا کس طرح صحیح ہوگا۔

مشرکین مکہ نے جو یہ کہا تھا کہ آپ شکل وصورت میں ہماری طرح ہیں اور انہوں نے آپ کو اپنے اوپر قیاس کیا تھا' تو ان کا یہ قیاس بالکل فاسد تھا' کہاں آپ اور کہاں وہ' آپ اوّل خلائق' اصل موجودات اور روح الارواح ہیں' ہر کمال کی آپ اصل ہیں بلکہ حسن اور کمال وہی ہے جس کو آپ کے ساتھ نسبت ہو اور جس چیز کی آپ کے ساتھ کوئی نسبت نہیں وہ کمال سے محروم ہے اور رہا یہ کہ آپ کی اور ان کی صورت ایک نوع اور ایک طرح کی ہے تو یہ نوع میں مماثلت حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہونے کی وجہ سے ہے' ورنہ آپ کے شخص کریم اور ان کے اشخاص میں کوئی مماثلت نہیں ہے' اگر کوئی کہے کہ ان کی بھی دو آنکھیں اور آپ کی بھی دو آنکھیں تھیں تو ہم کہیں گے کہ تمہیں ان آنکھوں سے کیا نظر آتا ہے؟ آپ تو اپنی آنکھوں سے سامنے' پس پشت' دائیں' بائیں' اوپر' نیچے یکساں دیکھتے تھے۔ زمین پر کھڑے ہوتے تو زمین کے نیچے قبر والوں کو اور ان کے احوال کو دیکھتے تھے' آسمانوں کے پار جنت کو دیکھتے تھے' شاہد اور غائب کو دیکھتے تھے' جنات اور فرشتوں کو دیکھتے تھے حتیٰ کہ آپ

دوسرے پر اطلاق کر دیا جاتا ہے' اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ ان کافروں کے دل و دماغ پر اندھی تقلید غالب تھی' انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کے طریقہ پر عمل کرنے کو صحیح جانا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو انہیں توحید کی دعوت دی تھی اس کو غلط جانا۔

انہوں نے کہا: ''یہ صرف ان کی بنائی ہوئی (جھوٹی) بات ہے'' اس آیت میں اس کے لیے اختلاق کا لفظ ہے۔ انسان اپنے پاس سے بنا کر جو جھوٹی بات کہتا ہے اس کو خلق اور اختلاق کہتے ہیں' قرآن مجید میں ہے کہ کفار نے انبیاء علیہم السلام کی دعوت اور ان کے پیغام کو سن کر کہا:

اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا خُلُقُ الۡاَوَّلِيۡنَ ۝ وَمَا نَحۡنُ بِمُعَذَّبِيۡنَ ۝ (الشعراء: ۱۳۸۔۱۳۷)

یہ صرف پہلے لوگوں کی بنائی ہوئی جھوٹی باتیں ہیں ۝ ہم ہرگز عذاب نہیں ہوگا ۝

اور اس آیت میں فرمایا:

مَا سَمِعۡنَا بِهٰذَا فِى الۡمِلَّةِ الۡاٰخِرَةِ ۖۚ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا اخۡتِلَاقٌ ۝ (ص: ۷)

ہم نے یہ بات اس سے پہلے دین میں نہیں سنی' یہ صرف ان کی بنائی ہوئی (جھوٹی) بات ہے ۝

خلق' مخلوق کو بھی کہتے ہیں اور خلق (خ پر زبر) اور خلق (خ پر پیش) کی اصل واحد ہے۔ لیکن خلق کا لفظ ان ہیات اشکال اور صورتوں کے ساتھ خاص ہے جن کا بصر سے ادراک کیا جاتا ہے اور خلق کا لفظ ان قوتوں اور خصلتوں کے ساتھ خاص ہے جن کا بصیرت سے ادراک کیا جاتا ہے' جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيۡمٍ ۝ (القلم: ۴)

بے شک آپ بہت بلند اخلاق پر فائز ہیں ۝

(المفردات ج ۱ ص ۲۱۰' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (کافروں نے کہا:) کیا ہم میں سے صرف ان پر ہی نصیحت نازل کی گئی ہے' بلکہ یہ کفار میری نازل کی ہوئی وحی کے متعلق شک میں مبتلا ہیں ۝ بلکہ ابھی تک انہوں نے میرا عذاب چکھا ہی نہیں ہے ۝ یا ان کے پاس آپ کے غالب اور فیاض رب کے خزانے ہیں ۝ یا آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز ان کی ملکیت میں ہے تو ان کو چاہیے کہ رسیاں باندھ کر آسمان پر چڑھ جائیں ۝ (ص: ۱۰۔۸)

کفار کے اس اعتراض کا جواب کہ محمد تو ذات اور صفات میں ہماری مثل ہیں پھر ان کو وحی رسالت کے لیے کیوں منتخب کیا گیا؟

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے اوپر یہ کفار کا تیسرا شبہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ محمد ذات اور صفات اور جسمانی بناوٹ میں دوسرے لوگوں کے برابر ہیں' اسی طرح آپ کی باطنی قوتیں بھی دوسروں کے برابر ہیں' پھر یہ کیسے معقول ہو سکتا ہے کہ آپ کو نبوت اور رسالت کا وہ درجہ عالیہ اور عظیم مرتبہ دیا جائے جو آپ جیسی ذات اور صفات رکھنے والے دوسرے لوگوں کو نہیں دیا گیا۔

قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کے متعلق اسی طرح کا اعتراض کیا تھا' انہوں نے کہا تھا کہ:

فَقَالُوۡۤا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّفِىۡ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ۝ ءَاُلۡقِىَ الذِّكۡرُ عَلَيۡهِ مِنۡۢ بَيۡنِنَا بَلۡ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ۝ (القمر: ۲۵۔۲۴)

اور (کافروں نے) کہا: کیا ہم اپنوں میں سے ہی ایک شخص کی پیروی کریں' بے شک پھر تو ہم ضرور گمراہی اور دیوانگی میں ہوں گے ۝ کیا ہم سب میں سے صرف اسی شخص پر وحی نازل کی گئی ہے۔ (نہیں) بلکہ وہ بہت جھوٹا اور شیخی بگھارنے والا ہے ۝

صرف نظر کرتے ہیں جو ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے حق ہونے تک پہنچاتے ہیں اور خود ان کو اس پر اعتماد نہیں ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا کہیں' کبھی کہتے ہیں کہ یہ جھوٹے ہیں' کبھی کہتے ہیں کہ یہ جادوگر ہیں' کبھی کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں' کبھی کہتے ہیں کہ یہ دیوانے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے برحق ہونے پر جو دلائل قائم کیے اگر یہ کشادہ آنکھوں اور کھلے ذہنوں کے ساتھ ان دلائل کو دیکھ لیتے تو آپ کی نبوت اور رسالت پر ایمان لے آتے اور آپ کی رسالت کے متعلق ان کے جتنے شبہات تھے وہ سب زائل ہو جاتے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''بلکہ ابھی تک انہوں نے میرا عذاب چکھا ہی نہیں ہے''۔

یعنی کفار مکہ اس خطرہ میں ہیں کہ ان پر میرا عذاب آ جائے اور اگر انہوں نے وہ عذاب چکھ لیا تو پھر ان کو حقیقت حال معلوم ہو جائے گی اور اس میں یہ تہدید اور وعید ہے کہ عنقریب آخرت میں ان پر میرا عذاب آئے گا اور پھر وہ مجبور ہو کر مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لے آئیں گے لیکن اس وقت ان کا ایمان لانا ان کے لیے مفید نہیں ہوگا اور اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر وہ میرا عذاب چکھ لیتے اور اس کے درد کا ادراک کر لیتے تو میری وحی کے انکار کی جرأت نہ کرتے۔

علامہ العجلونی المتوفی ۱۱۶۲ھ نے لکھا ہے کہ حضرت علی نے فرمایا: تمام لوگ خواب میں ہیں' جب وہ مر جائیں گے تو بیدار ہوں گے۔ (کشف الخفاء ج ۲ ص ۳۱۲' رقم الحدیث: ۲۷۹۵' مطبوعہ مکتبۃ الغزالی' دمشق)

اس آیت کی دوسری تقریر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو جس قدر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے تھے وہ اسی قدر اپنے کفر اور تکبر پر اصرار کرتے تھے' پھر وہ اپنے کفر پر مسلسل اصرار کرتے رہے اور ان پر عذاب نہیں آیا اور یہ چیز آپ کی نبوت کی تصدیق کرنے میں ان کے زیادہ شک کا باعث بن گئی اور انہوں نے کہا:

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ○ (الانفال: ۳۲)

اور جب ان کافروں نے کہا: اے اللہ! اگر یہ قرآن تیری طرف سے برحق ہے' تو (ہمارے انکار کی وجہ سے) ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا ہم پر کوئی اور دردناک عذاب نازل کر دے○

اور ان کے شبہ کو زائل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مزید یہ فرمایا:

''یا ان کے پاس آپ کے غالب اور فیاض رب کے خزانے ہیں○'' (ص: ۹)

اس جواب کی تقریر یہ ہے کہ نبوت کا منصب بہت عظیم منصب ہے اور بہت بلند درجہ ہے اور اس منصب کو عطا کرنے پر وہی قادر ہو گا جو بہت غالب ہو اور بہت فیاض اور جواد ہو اور وہ جب کسی کو عطا فرماتا ہے تو وہ یہ نہیں دیکھتا کہ جس کو وہ عطا کر رہا ہے وہ غنی ہے یا فقیر ہے اور نہ یہ دیکھتا ہے کہ اس کو عطا کرنا اس کے دشمنوں کو پسند ہو گا یا ناپسند ہو گا۔

اس جواب کی دوسری تقریر یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خزانے ان کافروں کے پاس ہیں؟ وہ جس طرح چاہیں اس کے خزانوں میں تصرف کرتے ہیں' جس کو وہ چاہتے ہیں اس کو دیتے ہیں اور جس کو نہیں چاہتے اس کو نہیں دیتے اور اپنی رائے کے مطابق اس کے خزانوں میں حکم نافذ کرتے ہیں اور اپنے صنادید اور سرداروں کو نبوت عطا کرتے ہیں' اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ نبوت تو محض اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور اس کا انعام ہے' وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے یہ انعام کرتا ہے' اس کو دینے اور نوازنے سے کوئی روکنے والا اور منع کرنے والا نہیں ہے۔

نے اپنی کھلی آنکھوں سے بیداری میں اپنے رب عزوجل کو دیکھا اور اس طرح دیکھا کہ دکھائی دینے والے نے بھی داد دی اور کہا: مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی O (النجم:۱۷) نہ (آپ کی) نگاہ بہکی نہ حد سے بڑھی۔

موسیٰ زہوش رفت بہ یک جلوہ صفات ۔۔۔ تو عین ذات می نگری در تبسمی

اسی طرح تمہارے بھی کان ہیں اور آپ کے بھی کان ہیں' لیکن تم دور کی بات نہیں سن سکتے' آپ دور و نزدیک کی باتیں یکساں سنتے تھے۔ تم بہ مشکل انسانوں کی باتیں سنتے ہو' آپ انسانوں کی' حیوانوں کی' شجر و حجر کی' جنات کی' فرشتوں کی حتیٰ کہ رب کائنات کی باتیں سنتے تھے۔ تمہاری بھی زبان ہے مگر تم صرف انسانوں سے بات کر سکتے ہو' آپ انسانوں سے' حیوانوں سے' شجر و حجر سے' جنات سے' فرشتوں سے حتیٰ کہ خدائے لم یزل سے کلام فرماتے تھے۔ ہاتھ تمہارے بھی ہیں لیکن تمہارے ہاتھوں کی پہنچ کہاں تک ہے؟ تم کہاں تک تصرف کر سکتے ہو؟ آپ کے تصرفات کی زد میں پوری کائنات تھی' چاند کو دو نیم کیا' سورج کو لوٹایا' درختوں کو بلایا' انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری کر دیئے' بتاؤ کس چیز میں ہمارے آقا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری مثل ہیں' تم کیا چیز ہو؟ تمہاری ہستی کیا ہے؟ تم کس شمار و قطار میں ہو؟ ان کی مثال تو نبیوں اور رسولوں میں بھی نہیں ہے' حضرت جبریل نے کہا:

قلبت الارض مشارقها ومغاربها فلم اجد رجلا افضل من محمد.

میں نے زمین کے تمام مشارق اور مغارب کھنگال ڈالے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل کوئی شخص نہیں پایا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث ۶۲۸۱' دلائل النبوۃ للبیہقی ج اص ۷۶' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۷' الخصائص الکبریٰ ج اص ۶۶)

جبریل سے کہنے لگے اک روز یہ شاہ امم ۔۔۔ تم نے تو دیکھے ہیں جہاں بتلاؤ تو کیسے ہیں ہم

روح الامین کہنے لگے اے مہ جبیں تیری قسم ۔۔۔ آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

پس دریں صورت کفار کے اس قول کی کیا حیثیت ہے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ذات اور صفات میں ہماری ہی مثل ہیں تو پھر ان کو وحی رسالت کے لیے کیوں منتخب کیا گیا۔

اس آیت میں ہمارے زمانہ کے اکثر علماء کے حال کی طرف اشارہ ہے' جب وہ کسی عالم کے قول کے دلائل سے آنکھیں چرا لیتے ہیں یا اس کے کلام کی گہرائی تک نہیں پہنچ پاتے تو اس کے قول اور اس کے دلائل کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں: یہ کوئی ہم سے بڑا عالم تو نہیں ہے کہ اس پر یہ حقیقت منکشف ہوگئی ہے اور ہماری نظروں سے یہ بات اوجھل رہی' اس ناکارہ کے ساتھ اس کے معاصرین اور معترضین کا یہی معاملہ ہے۔ الحمد للہ رب العلمین وہ اس فقیر کی کسی دلیل کا آج تک جواب نہیں دے سکے' غیظ و غضب میں آ کر غراتے تو بہت ہیں لیکن فقیر کے دلائل کی ہڈی ان کے گلے میں اسی طرح پھنسی ہوئی ہے کہ ان کی لاکھ کوشش کے باوجود نکلتی نہیں ہے۔ اچھلتے ہیں' تلملاتے ہیں' لیکن اپنے حلقوم سے اس ہڈی کو نکال نہیں پاتے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کے متعلق کفار کے شکوک و شبہات کا ازالہ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "بلکہ یہ کفار میری نازل کی ہوئی وحی کے متعلق شک میں مبتلا ہیں بلکہ ابھی تک انہوں نے میرا عذاب چکھا ہی نہیں ہے O"۔ (صٓ:۸)

اس آیت میں "ذکری" یعنی میرا ذکر فرمایا ہے اور اس سے مراد قرآن مجید ہے یا وہ وحی ہے جو اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید میں مبتلا ہیں اور ان دلائل سے

سابقہ امتوں پر ان کی تکذیب کی وجہ سے عذاب کا نازل ہونا

اس کے بعد فرمایا: ''ان سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور میخوں والے فرعون کی قوم تکذیب کر چکی ہے O ''(ص: ۱۲)

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کے شبہ کے جواب میں یہ فرمایا تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل میں غور و فکر سے کام نہیں لیا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت پر جو معجزات تھے ان کو کھلی آنکھوں اور کھلے دل و دماغ سے نہیں پرکھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ان پر عذاب نازل نہیں کیا گیا تھا۔ اب ان آیات میں یہ بیان فرمایا ہے کہ تمام انبیاء سابقین کی قوموں کا یہی حال رہا ہے' وہ اپنے نبیوں کی نبوت کا کفر اور انکار کرتے رہے اور ان کے پیغام کا انکار کرتے رہے تا آنکہ ان پر عذاب نازل ہو گیا اور اس سے مقصود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے کافروں کو ڈرانا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کے پیغام کا مسلسل انکار کر رہے تھے' اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے چھ کافر قوموں کا ذکر فرمایا ہے' جنہوں نے اپنے اپنے زمانہ میں اپنے نبیوں کی نبوت کا انکار کیا تھا' ان میں سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا ذکر فرمایا' جب انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے پیغام کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے طوفان بھیج کر ان کو غرق کر دیا اور دوسری حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد تھی' جب انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے آندھیوں کا عذاب بھیج کر ان کو ہلاک کر دیا اور تیسری فرعون کی قوم تھی' جب اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اور اس کی قوم کو سمندر میں غرق کر دیا اور چوتھی حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود تھی' جب اس نے حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ایک دہشت ناک چیخ بھیج کر اس قوم کو ہلاک کر دیا اور پانچویں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم تھی' جب اس نے حضرت لوط کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے اس قوم کے اوپر اس کی زمین کو پلٹ دیا اور چھٹی حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم تھی جس کو اصحاب ایکہ فرمایا ہے۔ ایکہ کا معنیٰ ہے گھنا جنگل' یہ قوم گھنے جنگل میں رہتی تھی' جب اس نے تکذیب کی تو اس پر وہیں بادلوں سے عذاب نازل کر دیا گیا۔ بعض روایات کے مطابق سات دن تک ان پر سخت گرمی اور دھوپ مسلط کر دی گئی' اس کے بعد بادلوں کا سایہ آیا اور وہ سب گرمی اور دھوپ کی شدت سے بچنے کے لیے اس کے سائے تلے جمع ہو گئے لیکن چند لمحے بعد ہی آسمان سے آگ کے شعلے برسنا شروع ہو گئے' زمین زلزلہ سے لرزنے لگی اور ایک سخت چنگھاڑ نے انہیں ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سلا دیا' یہ عذاب ان پر اس دن آیا تھا جب ان پر بادل سایہ فگن تھا' اس لیے اس کو ''یوم الظلۃ'' کا عذاب فرمایا ہے' یعنی سائبان والے دن کا عذاب۔

فرعون کو میخوں والے کہنے کی وجہ تسمیہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرعون کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ میخوں والا تھا' اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں۔

(۱) جب کسی چیز میں کیلیں ٹھونک دی جاتی ہیں تو وہ چیز پختہ اور مضبوط ہو جاتی ہے' فرعون نے بھی اپنی سلطنت کو مضبوط اسلحہ اور بہت بڑے لشکر سے بہت مضبوط اور مستحکم بنایا ہوا تھا' اس لیے اس کو میخوں والا فرمایا۔

(۲) اس نے فضا میں چار لکڑیاں نصب کر دی تھیں' اس نے جب کسی مجرم کو سزا دینی ہوتی تو اس کے دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں کو کیلوں سے ان چار لکڑیوں میں ٹھونک کر اس مجرم کو فضا میں معلق کر دیتا' پھر اس کو یوں ہی چھوڑ دیتا حتیٰ کہ وہ مر جاتا۔

(۳) جس کو اس نے سزا دینی ہوتی اس کو زمین میں لٹا کر اس کے ہاتھوں اور پیروں میں کیلیں ٹھونک دیتا' پھر اس کے اوپر سانپ' بچھو اور حشرات الارض چھوڑ دیتا۔

اس کے بعد فرمایا: "یا آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز ان کی ملکیت میں ہے تو ان کو چاہیے کہ رسیاں باندھ کر آسمان پر چڑھ جائیں O" (ص: ۱۰)

پہلی آیت میں مطلقاً خزانوں کا ذکر فرمایا تھا اور اس آیت میں بالخصوص زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز کا ذکر فرمایا ہے۔ مراد یہ ہے کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا کوئی خزانہ نہیں ہے' عام نہ خاص' تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہر خزانے کی تقسیم سے عاجز ہیں اور اس کے کسی خزانے پر ان کا کوئی اختیار نہیں ہے' پھر ان کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دینے اور اس کے عطا فرمانے پر اعتراض کریں' وہ مالک اور مختار ہے' وہ جس کو چاہے اپنی نبوت اور رسالت عطا فرمائے۔

اس کے بعد فرمایا: اگر بالفرض آسمان اور زمین کی چیزیں ان کی ملکیت ہیں تو ان کو چاہیے کہ وہ رسیاں باندھ کر آسمان پر چڑھ جائیں۔ یعنی وہ آسمان پر چڑھ کر پھر عرش پر پہنچ جائیں اور عرش پر پہنچ کر نظام عالم کی تدبیر کریں اور اللہ کی سلطنت میں تصرف کریں' پھر جس کو وہ چاہیں اس پر وحی نازل کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ اسی جگہ کفار کا شکست خوردہ حقیر لشکر ہے O ان سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور میخوں والے فرعون کی قوم تکذیب کر چکی ہے O اور ثمود اور لوط کی قوم اور اصحاب ایکہ یہ کفار کے گروہ ہیں O ان میں سے ہر گروہ نے رسولوں کو جھٹلایا تو ان پر میرا عذاب ثابت ہو گیا O (ص ۱۴۔۱۱)

ص: ۱۱ میں "جند" کا لفظ ہے' جند اس جماعت کو کہتے ہیں جو کسی سے جنگ کے لیے تیار ہوتی ہے' اس کے بعد "ما" کا لفظ ہے' یہ تحقیر اور تقلیل کے لیے ہے' یعنی یہ بہت چھوٹی اور حقیر جماعت تھی' اس کے بعد "ھنالک" کا لفظ ہے' اس سے اس جنگ کرنے والی حقیر جماعت کی جگہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد "مھزوم" کا لفظ ہے' ہزم کا معنی ہے کسی چیز کو توڑنا' ھزم العدو کا معنی ہے دشمن کو شکست دینا اور مھزوم کا معنی ہے شکست خوردہ اور حزب کا معنی ہے بڑی بھاری جماعت۔

اس آیت کا معنی ہے کہ جس جگہ کفار کی یہ جماعتیں مل کر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر زبان طعن دراز کر رہی تھیں اسی جگہ ان کی لڑنے والی ایک قلیل اور حقیر جماعت شکست کھائے گی۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا تھا کہ اگر بالفرض یہ آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کے مالک ہیں تو پھر یہ رسیاں باندھ کر آسمانوں پر چڑھ جائیں اور عرش پر قبضہ کر کے دنیا کے نظم و نسق کو چلائیں' پھر جس کو چاہیں اپنی مرضی سے نبی بنائیں اور اس پر وحی نازل کریں' اب اس آیت میں حقیقت حال بیان فرمائی ہے کہ یہ لوگ آسمانوں اور زمینوں کے کیا مالک ہوں گے یہ تو ایک کم تعداد کی حقیر جماعت ہے جو عنقریب اسی جگہ شکست کھا جائے گی' جس جگہ یہ ہمارے نبی (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت پر اعتراض کر رہی ہے اور یہ لوگ مکہ میں آپ کی نبوت پر اعتراض کر رہے تھے تو فتح مکہ کے دن معمولی سی جنگ کے بعد کفار کی تمام جماعتیں شکست کھا گئیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ کی نبوت پر اعتراض کرنے والی جماعت سابقہ رسولوں کی نبوت پر اعتراض کرنے والی جماعتوں کی طرح ہے سو آپ ان کے اعتراضات کی پرواہ نہ کریں اور ان کے طعن اور ملامت سے افسردہ اور غمگین نہ ہوں' سابقہ زمانوں میں کافروں کی وہ جماعتیں بھی شکست کھا چکی تھیں' سو کافروں کی یہ جماعت بھی ایک دن اسی جگہ آپ سے مقابلہ میں شکست کھا جائے گی اور فتح مکہ کے دن اسی طرح ہوا' اس آیت میں یہ اشارہ بھی ہے کہ یہ کفار بھی عاجز ہیں اور ان کے خود ساختہ معبود بھی عاجز ہیں۔ ان کے پاس اپنے معبودوں کے حق ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ ان کے معبود ان سے کسی ضرر کو دور کر سکتے ہیں اور نہ کسی نفع کو پہنچانے کی طاقت رکھتے ہیں۔

عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۶﴾ اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ

ہمارے رب! ہمارا حصہ تو ہمیں روز حساب سے پہلے ہی جلد دے دےO آپ ان کی باتوں پر صبر کیجئے اور ہمارے طاقت ور

عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ

بندے داؤد کو یاد کیجئے، بے شک وہ بہت رجوع کرنے والے تھےO ہم نے پہاڑوں کو ان کے تابع کر دیا تھا کہ وہ

يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ﴿۱۸﴾ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗۤ

شام کو اور دن چڑھے ان کے ساتھ تسبیح پڑھیںO اور جمع شدہ پرندے بھی سب ان کی طرف رجوع کرنے

اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿۲۰﴾

والے تھےO اور ہم نے ان کی سلطنت کو مضبوط کر دیا اور ہم نے ان کو حکمت اور قول فیصل عطا فرمایاO

وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿۲۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا

وقف لازم

اور کیا آپ کے پاس جھگڑنے والوں کی خبر آئی؟ جب وہ دیوار پھاند کر محراب میں آ گئےO جب وہ داؤد کے پاس

عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا

پہنچے تو وہ ان سے گھبرا گئے، انہوں نے کہا: آپ نہ گھبرائیں، ہم دو لڑنے والے فریق ہیں، ہم میں سے ایک نے

عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَاۤ اِلٰى سَوَآءِ

دوسرے پر زیادتی کی ہے، آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمائیں اور بے انصافی نہ کریں اور ہمیں

الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾ اِنَّ هٰذَاۤ اَخِىْ ۟ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِىَ نَعْجَةٌ

سیدھی راہ بتائیںO بے شک یہ میرا بھائی ہے، اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک دنبی

وَّاحِدَةٌ ۟ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِىْ فِى الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾ قَالَ لَقَدْ

ہے، اب یہ کہتا ہے کہ وہ (ایک دنبی بھی) مجھے دے دے اور مجھ پر بات میں دباؤ ڈال رہا ہےO داؤد نے کہا: اس نے تجھ

ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ

سے دنبی کا سوال کر کے تجھ پر ظلم کیا تاکہ اس کو اپنی دنبیوں کے ساتھ ملائے اور بے شک اکثر شرکاء ایک دوسرے پر ضرور

(۴) اس کے لشکر کی بہت بڑی تعداد تھی اور اس کی فوجیں بڑی تعداد میں خیمے نصب کرتی تھیں جن کو کیلوں سے ٹھونکا جاتا تھا۔

(۵) اس کے کارندے اس کے احکام پر اس قدر پختگی اور مضبوطی سے عمل کرتے تھے جس طرح کسی چیز کو کیلوں سے ٹھونک کر مضبوط کیا جاتا ہے۔

سابقہ امتوں کے عذاب کو بیان کر کے اہل مکہ کو نزول عذاب سے ڈرانا

اس کے بعد فرمایا: ''اور ثمود اور لوط کی قوم اور اصحاب ایکہ یہ کفار کے گروہ ہیں O ان میں سے ہر گروہ نے رسولوں کو جھٹلایا تو ان پر میرا عذاب ثابت ہو گیا O'' (ص: ۱۴۔۱۳)

ثمود' قوم لوط اور اصحاب ایکہ کے عذاب کی تفصیل اس سے پہلے عنوان کے تحت ذکر کی جا چکی ہے' ص: ۱۳ کے آخر میں فرمایا ہے: ''اولئک الاحزاب'' اس کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) ہم نے جن لوگوں کا ذکر کیا ہے انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے خلاف محاذ بنا لیا تھا' ہم ان کی تکذیب کی وجہ سے ان پر عذاب نازل کر چکے ہیں' سو اسی طرح اہل مکہ آپ کی مخالفت سے باز نہ آئے تو وہ اس خطرے میں ہیں کہ ان پر عذاب نازل کر دیا جائے اور چونکہ آپ کے رحمۃ للعلمین ہونے کی وجہ سے ان پر اب آسمانی عذاب نہیں آئے گا تاہم کسی جنگ میں ان پر شکست مسلط کر کے ان کو ضرور عذاب میں مبتلا کیا جائے گا' جیسے جنگ بدر میں' جنگ خندق میں اور بالآخر فتح مکہ کے موقع پر ان کی کمر بالکل توڑ دی گئی۔

(۲) ''اولئک الاحزاب'' کا معنی ہے: یہ بہت بڑی اور بہت کثیر جماعتیں ہیں اور جب سابقہ زمانہ میں اتنی بڑی بڑی اور اتنی کثیر جماعتیں عذاب سے ہلاک کر دی گئیں تو اہل مکہ تو ان کے مقابلے میں بہت کمزور اور مسکین ہیں' یہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے سامنے کب ٹھہر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سابقہ قوموں مثلاً حضرت نوح' حضرت ہود اور حضرت لوط علیہم السلام کی قوموں کو عذاب سے ہلاک کرنے کی خبر دی ہے' اگر کفار مکہ اس خبر کی تصدیق کرتے ہیں تو یہ ان کو نصیحت اور زجر و توبیخ کرنے کے لیے کافی ہے اور اگر وہ اس خبر کی تصدیق نہیں کرتے پھر بھی اس خبر کے ساتھ ان کو ڈرانا اور نصیحت کرنا صحیح ہے' کیونکہ ان قوموں پر نزول عذاب کے آثار اب بھی موجود ہیں اور جب کفار مکہ' مکہ سے شام کی طرف سفر کرتے ہیں تو ان وادیوں کے پاس سے ان کا گزر ہوتا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تھا' تبوک کے اردگرد پہاڑوں میں ان کے بنائے ہوئے گھروں کے کھنڈرات آج بھی موجود ہیں اور دیکھنے والوں کے لیے عبرت کا نشان بنے ہوئے ہیں۔

اس لیے فرمایا: ''ان میں سے ہر گروہ نے رسولوں کو جھٹلایا تو ان پر میرا عذاب ثابت ہو گیا O'' (ص: ۱۴)

انبیاء علیہم السلام جب انہیں عذاب سے ڈراتے تھے یا ثواب کی ترغیب دیتے تھے تو یہ ان کی تکذیب کرتے تھے تو پھر ضروری ہو گیا کہ ان پر عذاب نازل کیا جائے' ہر چند کہ ان کو کافی ڈھیل دی گئی اور ان کو ایمان لانے کے لیے کافی وقت دیا گیا لیکن جب بالآخر یہ ایمان نہیں لائے تو پھر ان پر عذاب نازل کر دیا گیا اور اس سے مقصود سننے والوں کو ڈرانا اور دھمکانا ہے کہ اگر انہوں نے بھی سابقہ امتوں کی روش قائم رکھی تو ان پر بھی عذاب کا نزول ناگزیر ہو جائے گا۔

وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴿۱۵﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَا

اور یہ (کفار) صرف ایک سخت چنگھاڑ کا انتظار کر رہے ہیں جس کے درمیان کوئی مہلت نہیں ہو گی O اور انہوں نے کہا: اے

دھکیل دیا جائے گا' ہر چند کہ کفار واقع میں صور پھونکے جانے کا انتظار نہیں کر رہے تھے' لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی حالت ظاہرہ کے اعتبار سے استہزاء فرمایا اور یہ بتایا کہ جب وہ صور پھونک دیا جائے گا تو پھر ان کے اور نزول عذاب کے درمیان کوئی مہلت نہیں ہوگی۔ اس آیت میں ''فواق'' کا لفظ ہے' فواق اسم فعل واحد ہے' اس کی جمع افوقہ اور افقہ ہے' اس کا معنی ہے درمیانی وقفہ دو مرتبہ دودھ دوہنے کے درمیان جو وقفہ ہوتا ہے اس کو فواق کہتے ہیں' دودھ دوہنے والا ایک مرتبہ دودھ دوہ چکتا ہے پھر بچے کے پینے کے لیے دوہنا چھوڑ دیتا ہے' بچے کے پینے سے جانور کے تھنوں میں دوبارہ دودھ اتر آتا ہے' دودھ دوہنے والا بچہ کو ہٹا کر خود دوبارہ دودھ دوہ لیتا ہے' اس درمیانی وقفہ کا نام اصل لغت میں فواق ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۵۰۲' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

لفظ فواق کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک شخص پہاڑوں کی گھاٹیوں میں سے گزرا جن میں میٹھے پانی کا ایک چھوٹا سا چشمہ تھا' اس پانی کی لذت کی وجہ سے اس کو وہ چشمہ اچھا لگا' اس نے دل میں کہا: کاش! میں لوگوں کے درمیان سے نکل جاؤں اور اسی گھاٹی میں رہوں اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت حاصل کیے بغیر ہرگز ایسا نہیں کروں گا' پھر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا: تم ایسا نہ کرو' کیونکہ تم میں سے کسی ایک شخص کا اللہ کی راہ میں ٹھہرنا' اپنے گھر میں ستر سال نمازیں پڑھنے سے افضل ہے۔ کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کر دے اور تم کو جنت میں داخل کر دے' اللہ کی راہ میں جہاد کرو' جس شخص نے اونٹنی کے فواق (دودھ دوہنے کے وقت) کے برابر بھی اللہ کی راہ میں قتال کیا اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۵۰' مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۶' مسند احمد رقم الحدیث: ۹۷۶۲' مؤسسۃ الرسالۃ' السنۃ لابی العاصم رقم الحدیث: ۱۳۵' مسند البزار رقم الحدیث: ۱۶۵۲' المستدرک ج ۲ ص ۶۸' سنن بیہقی ج ۹ ص ۱۶۰' اس حدیث کی سند حسن ہے)

چیخ اور چنگھاڑ کے تین محمل

اس آیت میں جس چیخ اور چنگھاڑ کا ذکر ہے اس کے تین محمل ہیں' ایک یہ ہے کہ اس چیخ اور چنگھاڑ کی صورت میں ان پر فوراً عذاب آ جائے گا اور عذاب آنے سے پہلے ان کو اتنی مہلت بھی نہیں ملے گی جتنا دودھ دوہنے کے درمیان وقفہ ہوتا ہے۔

اس چیخ اور چنگھاڑ سے مراد پہلی بار صور پھونکنے کی آواز ہے' اس صور کے پھونکتے ہی قیامت کا زلزلہ برپا ہو جائے گا اور صور پھونکنے کے بعد ان کو اتنا وقفہ بھی نہیں ملے گا جتنا وقفہ دودھ دوہنے کے درمیان ہوتا ہے اور اس کا تیسرا محمل یہ ہے کہ اس چیخ اور چنگھاڑ سے دوسری بار صور پھونکا جانا مراد ہے' اس کے فوراً بعد کافروں کو دوزخ کی طرف دھکیل دیا جائے گا اور صور کی اس آواز اور چنگھاڑ کے بعد ان کو اتنے وقفہ کی بھی مہلت نہیں ملے گی جتنی دودھ دوہنے کے درمیان مہلت ہوتی ہے۔

ان دونوں آیتوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کو تسلی دینا مراد ہے' تاکہ کفار کی تکذیب سے آپ کا دل تنگ نہ ہو اور ان کے کفر سے آپ غمگین نہ ہوں کیونکہ سابقہ امتوں نے اپنے رسولوں کی اس طرح تکذیب کی تھی جس طرح اہل مکہ آپ کی تکذیب کر رہے ہیں اور ان کافروں کی بھی بھاری اکثریت تھی اور اس کے مقابلہ میں ان رسولوں اور ان کے پیروکاروں کی تعداد بہت کم تھی اور وہ کفار اپنے کفر اور تکذیب کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب اور اس کے عذاب کا شکار ہو گئے اور ان کی جمعیت اور ان کی کثرت اور ان کی جسمانی قوت اور مال و اسباب کی کثرت ان کے کسی کام نہ آ سکی' سو یہی حال کفار مکہ کا بھی ہوگا اور ان کا اخروی عذاب کا انتظار کرنا' اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب اور اس کی دوزخ کے عذاب کے آثار سے ہے۔

لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

زیادتی کرتے ہیں' سوا ان کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں اور داؤد نے یہ گمان

وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ؕ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ

کیا کہ ہم نے ان کو آزمائش میں ڈالا ہے' سو انہوں نے اپنے رب سے مغفرت طلب کی اور سجدہ میں گر گئے اور اللہ کی

رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۩ ﴿۲۴﴾ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى

طرف رجوع کیا O تو ہم نے ان کی اس بات کو معاف کر دیا اور بے شک ان کے لیے ہماری بارگاہ میں خاص

وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ

تقرب ہے اور بہترین ٹھکانا ہے O اے داؤد! بے شک ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنا دیا ہے سو آپ لوگوں کے درمیان

بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ

حق کے ساتھ فیصلہ کیجئے اور خواہش کی پیروی نہ کیجئے' ورنہ وہ (پیروی) آپ کو اللہ کی راہ سے بہکا

اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ

دے گی' بے شک جو لوگ اللہ کی راہ سے بہک جاتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے

بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾ ع

کیونکہ وہ روز حساب کو بھول جاتے ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ (کفار) صرف ایک سخت چنگھاڑ کا انتظار کر رہے ہیں جس کے درمیان کوئی مہلت نہیں ہوگی O اور انہوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہمارا حصہ تو ہمیں روز حساب سے پہلے ہی جلد دے دے O (ص ۱۶-۱۵)

لفظ ''فواق'' کا معنیٰ' اس کا محمل اور اس کے متعلق حدیث

اس آیت میں کفار مکہ کی طرف اشارہ ہے کہ وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلسل تکذیب کر رہے ہیں اور عذاب کے لیے صرف قیامت کے منتظر ہیں' وہ اس کے مستحق تھے کہ ان کے کفر کی وجہ سے ان پر دنیا میں ہی فوراً عذاب آ جاتا لیکن اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (الانفال: ۳۳)

اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ ان کو عذاب دے جس وقت آپ ان میں موجود ہوں۔

اس لیے اب ان پر عذاب اسی وقت ہوگا جب دوسرا صور پھونکا جائے گا اور سب کافروں کو زندہ کر کے دوزخ کی طرف

تمنا نہ کرے اگر وہ نیک شخص ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ زیادہ نیکیاں کرے اور اگر بدکار ہے تو ہو سکتا ہے وہ توبہ کرلے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۲۳۵ سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۸۱۸)

اللہ سے ملاقات اور شہادت کے حصول کے لیے موت کی تمنا کا جواز

اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے اشتیاق اور حصول شہادت کے لیے موت کی تمنا کے جواز میں حسب ذیل احادیث ہیں:
حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ سے ملاقات کرنے کو محبوب رکھتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اور جو اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا آپ کی کسی اور زوجہ نے کہا: بے شک ہم موت کو ناپسند کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ بات نہیں ہے لیکن جب مومن کے پاس موت آتی ہے تو اس کو اللہ کی رضا اور اس کی کرامت کی بشارت دی جاتی ہے پھر مومن کو موت کے بعد ملنے والے انعامات سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہیں ہوتی سو وہ اللہ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اور اللہ اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اور کافر کے پاس جب موت آتی ہے تو اس کو اللہ کے عذاب اور اس کی سزا کی بشارت دی جاتی ہے اور اس کو موت کے بعد پیش آنے والے امور سے زیادہ اور کوئی چیز ناپسند اور ناگوار نہیں ہوتی وہ اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۰۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۸۴_۲۶۸۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۶۶ سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۸۳۶ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۰۷۲ مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۸۴ سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۷۵۹ المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۷۴)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے اگر یہ بات نہ ہوتی کہ مؤمنوں کو یہ پسند نہیں ہے کہ وہ مجھ سے پیچھے رہ جائیں اور یہ بات نہ ہوتی کہ میں ان کے لیے سواریاں مہیا نہیں کر سکتا تو میں کسی ایسے لشکر کے پیچھے بیٹھا نہ رہتا جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے جاتا اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے مجھے یہ محبوب ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۹۷ سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۰۲۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۵۳ مسند احمد رقم الحدیث: ۹۱۷۶)
زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات کی: اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت عطا فرما اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں میری موت مقدر کردے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۹۰)
نفوس خبیثہ سفلیہ ادنیٰ اور ارذل چیزوں کی طرف راغب ہوتے ہیں دنیا میں ان کا مطمح نظر شہوات حیوانیہ اور مرغوبات نفسانیہ ہیں اور آخرت میں ان کا ٹھکانا دوزخ کا سب سے نچلا طبقہ ہے اور بلند ہمت اور اولوالعزم لوگ اعلیٰ اور اطیب چیزوں کی طرف راغب ہوتے ہیں دنیا میں ان کا مطمح نظر عبادات کی لذتیں اور اطاعات کی حلاوتیں ہوتی ہیں اور آخرت میں ان کے لیے اعلیٰ علیین کے درجات اور جنات کے مقامات ہوتے ہیں اور ارواح قدسیہ اللہ عزوجل کے جلال اور جمال کی تجلیات کے مشاہدہ اور اس کی صفات کے مطالعہ میں مشغول اور منہمک رہتی ہیں اور ان میں سے ہر فریق اپنے مطلوب کی طرف اس طرح بے اختیار ملصوق اور مجذوب رہتا ہے جس طرح لوہا مقناطیس کی طرف بے اختیار کھنچا ہوا اور چپکا ہوا رہتا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا قصہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ ان کی باتوں پر صبر کیجئے اور ہمارے طاقت ور بندے داؤد کو یاد کیجئے بے شک وہ بہت رجوع

”قط“ کا معنی

اس کے بعد فرمایا: ”اور انہوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہمارا حصہ تو ہمیں روز حساب سے پہلے ہی جلد دے دے۔“ (ص ۱۶)

اس قول کے قائل النضر بن الحارث بن علقمہ بن کندہ الخزاعی اور اس کے موافقین تھے انہی لوگوں نے یہ بھی کہا تھا:

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ○ (الانفال: ۳۲)

اور جب ان لوگوں نے یہ کہا کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن واقعی تیری طرف سے برحق ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا ہم پر کوئی اور دردناک عذاب نازل کر دے○

یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو واحد اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجنے والا نہیں مانتے تھے اس کے باوجود انہوں نے اس دعا کے شروع میں کہا: اے ہمارے رب! اس سے وہ یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ وہ صدق دل اور حضور قلب اور انتہائی دل سوزی سے یہ دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمارا حصہ تو ہمیں روز حساب سے پہلے ہی جلد دے دے۔

اس آیت میں ”قطنا“ کا لفظ ہے القط کا معنی ہے کسی چیز کو کاٹنے کے بعد اس کا حاصل شدہ ٹکڑا اور اس سے مراد ان کا حصہ اور مقسوم ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ ہم کو جس عذاب سے ڈرا رہے ہیں اس عذاب میں سے جو حصہ ہمارے لیے مقدر ہے وہ حصہ ہمیں دنیا میں دلوا دیں اور اس کو روز حساب تک مؤخر نہ کریں۔ اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن ہمارے صحائف اعمال ہمارے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے تو ہمارے اعمال نامہ کا جو حصہ اور کاغذ کا ٹکڑا ہے وہ ہم کو روز حساب سے پہلے دنیا میں ہی دے دیں تاکہ ہم دیکھیں کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے۔

سہل بن عبد اللہ تستری نے کہا: موت کی تمنا صرف تین شخص کرتے ہیں: ایک وہ شخص جو موت کے بعد پیش آنے والے عواقب سے جاہل ہو دوسرا وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے متنفر ہو اور تیسرا وہ شخص جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہو اور اس سے ملاقات کے اشتیاق میں موت کی تمنا کرے اسی طرح جو شخص مرتبہ شہادت کے حصول کی تمنا کرنے والا ہو وہ بھی شہادت کی صورت میں موت کی تمنا کرتا ہے۔

موت کی تمنا کی ممانعت کے متعلق احادیث

موت کی تمنا کرنے کی ممانعت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص کسی مصیبت کی وجہ سے ہرگز موت کی تمنا نہ کرے اور اگر اس نے ضرور دعا کرنی ہو تو وہ یوں دعا کرے: اے اللہ! جب تک میرے لیے زندگی بہتر ہو تو مجھے زندہ رکھ اور جب میرے لیے موت بہتر ہو تو مجھے موت عطا کر۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۷۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۸۰، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۱۰۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۹۷۱، سنن نسائی ۱۸۱۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۶۵، مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۱، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۶۸، جامع المسانید والسنن مسند انس بن مالک رقم الحدیث: ۱۹۲۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے اور نہ موت آنے سے پہلے اس کی دعا کرے، جب تم میں سے کوئی شخص مر جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے اور زندگی مومن کی صرف نیکیوں کو زندہ کرتی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۸۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ہرگز موت کی

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ روزے حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے تھے' وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے اور سب سے زیادہ پسندیدہ نماز حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز تھی' وہ نصف شب تک سوتے' پھر تہائی شب قیام کرتے' پھر رات کے (بقیہ) چھٹے حصہ میں سوتے (فرض کیجئے کہ چھ گھنٹے کی رات ہے تو وہ پہلے تین گھنٹے سوتے' پھر دو گھنٹے نماز پڑھتے اور آخری ایک گھنٹہ میں پھر سو جاتے)۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۲۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۵۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۱۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۱۹' جامع المسانید والسنن مسند عبداللہ بن عمرو رقم الحدیث: ۶۵۳)

(۴) حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق اس آیت میں ''انہ اواب'' فرمایا' یعنی وہ اللہ کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے' وہ اپنی تمام حاجات میں' تمام مہمات میں اور تمام کاموں میں اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔

(۵) نیز حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق فرمایا: ہم نے پہاڑوں کو ان کے تابع کر دیا تھا کہ وہ شام کو اور دن چڑھے ان کے ساتھ تسبیح کریں' پہاڑوں کے تسبیح کرنے کا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں میں حیات' عقل' قدرت اور نطق کو پیدا کر دیا تھا اور اس وقت وہ پہاڑ اس طرح اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے تھے جس طرح زندہ اور عقل والی مخلوق اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔ پہاڑ میں حیات کی دلیل اس آیت میں ہے:

وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ (الاعراف: ۱۴۳)

اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کردہ وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے کلام فرمایا تو انہوں نے کہا: اے میرے رب! مجھے اپنی ذات دکھایئے' میں اس کو ایک نظر دیکھوں گا' فرمایا: تم مجھے نہیں دیکھ سکتے' لیکن تم پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو' اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ لو گے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اس پہاڑ میں اللہ تعالیٰ نے یہ صفت پیدا کی ہوئی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتا تھا' یہ اور بات ہے کہ وہ دیکھنے کی تاب نہ لا سکا اور دیکھتے ہی ریزہ ریزہ ہو گیا' نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ (البقرہ: ۷۴)

اور بعض پتھر اللہ تعالیٰ کے خوف سے گر جاتے ہیں۔

سو پہاڑوں میں دیکھنے کی صفت اور صلاحیت بھی ہے اور ان میں اللہ تعالیٰ کا خوف بھی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بھی کرتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو غیر معمولی جسامت اور حسن عطا فرمایا تھا اور بہت شیریں آواز عطا فرمائی تھی' ان کے حسن اور ان کی آواز سے متاثر ہو کر تمام پہاڑ اور تمام پرندے ان کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی تسبیح کرتے تھے اور پہاڑوں میں اللہ تعالیٰ نے محبت کا اثر بھی رکھا ہے اور نطق اور تسبیح کرنے کی صلاحیت بھی رکھی ہے' پہاڑوں میں محبت کی کیفیت رکھی ہے' اس کی تصدیق اس حدیث سے ہوتی ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

احد جبل یحبنا نحبه.

احد ایک پہاڑ ہے یہ ہم سے محبت کرتا ہے' ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

کرنے والے تھے○ ہم نے پہاڑوں کو ان کے تابع کر دیا تھا کہ وہ شام کو اور دن چڑھے ان کے ساتھ تسبیح پڑھیں○ اور جمع شدہ پرندے بھی سب ان کی طرف رجوع کرنے والے تھے○ اور ہم نے ان کی سلطنت کو مضبوط کر دیا اور ہم نے ان کو حکمت اور فصل خطاب عطا فرمایا○ (ص: ۲۰-۱۷)

حضرت داؤد علیہ السلام کی فضیلت کی دس وجوہ

کفار مکہ کے انکار اور ان کی معاندانہ باتوں کے سننے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو رنج پہنچا تھا اس کے ازالہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت داؤد علیہ السلام کا قصہ یاد دلایا اور گویا کہ یوں فرمایا: اگر یہ کفار آپ کا انکار کر رہے ہیں تو آپ کو کیا کمی ہے' اکابر انبیاء علیہم السلام آپ کی موافقت کرتے ہیں' نیز آپ اس پر غور کریں کہ مخالفین آپ کو یتیم اور فقیر کہتے ہیں تو مال و دولت کی کثرت کسی کو غم سے نجات نہیں دیتی' حضرت داؤد علیہ السلام عظیم الشان سلطنت کے مالک تھے اس کے باوجود وہ رنج اور غم سے محفوظ نہیں رہ سکے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی فضیلت کی حسب ذیل وجوہ ذکر فرمائی ہیں:

(۱) ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین اور قائد المرسلین ہیں' اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا کہ آپ حضرت داؤد علیہ السلام کے مکارم اخلاق کو یاد کریں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق فرمایا: ''ہمارے بندے داؤد کو یاد کیجئے'' یوں تو تمام لوگ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں لیکن قابل ذکر اور لائق تعریف وہ بندہ ہے جس کو مالک خود فرما دے یہ ہمارا بندہ ہے' سو حضرت داؤد کے متعلق فرمایا: ہمارے بندے داؤد کو یاد کیجئے اور یہ حضرت داؤد کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ اسی طرح ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنا بندہ فرمایا ہے:

اِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا. (البقرہ: ۲۳) اگر تمہیں اس کلام کے وحی ہونے میں شک ہو جس کو ہم نے اپنے بندہ پر نازل کیا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا○ (الفرقان: ۱) برکت والی ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ پر فرقان کو نازل کیا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا ہو○

سُبْحٰنَ الَّذِىْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ. (بنی اسرائیل: ۱) سبحان ہے وہ جو رات کو ہی اپنے بندہ کو لے گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ ہمارے بندے ہیں' اور خود کو فرماتا ہے: میں ان کا رب ہوں۔

فَلَا وَرَبِّكَ. (النساء: ۶۵) آپ کے رب کی قسم!

اللہ تعالیٰ رب العلمین' رب عرش عظیم ہے' رب کعبہ ہے' مگر اس کو نہ العلمین کے رب ہونے پر ناز ہے' نہ عرش عظیم کے رب ہونے پر ناز ہے' نہ کعبہ کے رب ہونے پر ناز ہے' اگر اس کو ناز ہے تو اے محمد مصطفیٰ! تمہارے رب ہونے پر ناز ہے۔

سو وہ آپ کے متعلق فرماتا ہے: میرا بندہ اور اپنے متعلق فرماتا ہے: تمہارا رب' اور یہ آپ کی وہ فضیلت ہے جس میں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے۔

(۳) حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق ''ذا الاید'' طاقت ور فرمایا یعنی وہ عبادت کو انجام دینے سے اور گناہوں سے باز رہنے میں بہت طاقت ور تھے۔ قتادہ نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام کو عبادت کی قوت اور دین کی فقہ عطا کی گئی تھی' ان کی عبادت کے متعلق حدیث میں ہے:

الحدیث: ۱۰۹۹۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے چاشت کی دو رکعت نماز کی حفاظت کی اس کے گناہوں کو بخش دیا جائے گا' خواہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۷۶' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ص ۴۰۶' مسند احمد ج ۲ص ۴۴۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۸۲' الکامل لابن عدی ج ۷ص ۲۵۲۳ طبع قدیم' المسند الجامع ج ۱۶ص ۸۰۹' رقم الحدیث: ۱۳۴۹۱)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز پڑھتے تھے' حتیٰ کہ ہم کہتے تھے کہ آپ اس نماز کو ترک نہیں کریں گے اور آپ اس نماز کو ترک کردیتے تھے' حتیٰ کہ ہم کہتے تھے کہ آپ اس نماز کو نہیں پڑھیں گے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۷۷' مسند احمد ج ۳ص ۲۱' شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۰۰۲' جامع المسانید والسنن ج ۳۳ص ۴۴۳' رقم الحدیث: ۲۶-۲۷' المسند الجامع ج ۶ص ۲۴۷' رقم الحدیث: ۴۲۹۲)

القاسم الشیبانی بیان کرتے ہیں کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو چاشت کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے کہا: ان لوگوں کو خوب معلوم ہے کہ چاشت کی نماز کو اس وقت کے غیر میں پڑھنا افضل ہے۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اوابین (رجوع کرنے والوں) کی نماز اس وقت ہوتی ہے جب اونٹ کے بچوں کے جسم کی کھال اور ان کے پیر گرم ریت کی شدت کی وجہ سے جلنے لگتے ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۴۸' مسند احمد ج ۴ص ۳۶۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۵۳۹' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ص ۴۹' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۲۲۷' مسند ابو عوانہ ج ۲ص ۲۷۰' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۳۰۰' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۱۵۵' معرفۃ السنن والآثار رقم الحدیث: ۵۵۸۷' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۴۸۳۲)

اس حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ صلوٰۃ الضحیٰ (چاشت کی نماز) اس وقت پڑھنی چاہیے جب ریت خوب گرم ہو کر تپنے لگتی ہے اور اونٹ کے پاؤں ریت کی گرمی کی شدت سے جلنے لگتے ہیں' اونٹ کے بچوں کا ذکر اس لیے فرمایا کہ ان کے جسم اور ان کے پاؤں کی کھال نازک ہوتی ہے اور گرمی تھوڑی سی بھی زیادہ ہو تو ان کے پاؤں جلنے لگتے ہیں' ہمارے اعتبار سے یہ وقت دن کے دس اور گیارہ بجے کے درمیان ہوتا ہے' سو اس وقت چاشت کی نماز پڑھنی چاہیے۔ اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ جس وقت گرمی کی شدت ہوتی ہے تو اس وقت لوگوں کا دل آرام اور استراحت کو چاہتا ہے اور جو لوگ اوابین یعنی اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہوتے ہیں وہ اس وقت آرام اور استراحت کے بجائے چاشت کی نماز پڑھتے ہیں اور ان کو صرف اس چیز میں اطمینان اور سکون ملتا ہے کہ وہ ہر مطلوب اور مرغوب چیز سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر میں اور اس کی عبادت میں مشغول ہو جائیں۔

اشراق کی نماز کا وقت

اشراق کا معنیٰ ہے سورج کا طلوع ہونا اور اس کا چمکنا اور نماز اشراق کا اوّل وقت وہ ہے جب سورج ایک نیزہ کی مقدار بلند ہو جاتا ہے اور طلوع آفتاب کے بعد بیس منٹ گزر جاتے ہیں اور نماز اشراق کا آخر وقت وہ ہوتا ہے جب چاشت کی نماز کا وقت شروع ہوتا ہے' اس لیے چاشت کی نماز اس وقت پڑھنی چاہیے جب سورج خوب گرم اور سفید ہو جاتا ہے اور اس کا نور خوب روشن ہو جاتا ہے۔

حضرت ام ہانیء بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر آئے' آپ نے وضو کیا اور پھر صلوٰۃ الضحیٰ (چاشت کی نماز) پڑھی' پھر فرمایا: اے ام ہانیء! یہ اشراق کی نماز ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۸۲ صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۳۹۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰۷۹)

اور پہاڑ کے تسبیح کرنے کی تصدیق اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں تھا ہم مکہ کے کسی راستہ میں جارہے تھے' آپ کے سامنے جو بھی پہاڑ آتا یا درخت آتا وہ یہ کہتا تھا: السلام علیک یا رسول اللہ۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۶' سنن دارمی رقم الحدیث ۲۱' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۵۴-۱۵۳' شرح السنہ رقم الحدیث ۳۷۱۰' جامع المسانید والسنن مسند علی بن ابی طالب رقم الحدیث ۳۹۹)

امام فخر الدین رازی نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے مسخر کر دیا تھا' جہاں حضرت داؤد علیہ السلام جاتے تھے' پہاڑ بھی ان کے ساتھ جاتے تھے اور پہاڑوں کا حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ چلنا ان کی تسبیح قرار دیا گیا کیونکہ پہاڑوں کا حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ چلنا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت پر دلالت کرتا ہے۔

(۶) اس آیت میں حضرت داؤد علیہ السلام کی چھٹی فضیلت یہ ہے کہ پہاڑ آپ کے ساتھ العشی یعنی شام کے وقت اور الاشراق یعنی صبح کے وقت تسبیح کرتے تھے۔

چاشت اور اشراق پڑھنے کی فضیلت میں احادیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی' پھر وہ طلوع آفتاب تک بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہا' پھر اس نے دو رکعت نماز پڑھی تو اس کو حج اور عمرہ کا پورا پورا اجر ہوگا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث ۵۸۶' جامع المسانید والسنن ج ۲۳ ص ۴۹۲' رقم الحدیث ۳۳۰۸' ابن کثیر' دارالفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ' مسند ابو یعلیٰ ج ۱ ص ۳۰۲' رقم الحدیث: ۴۱۷' جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث ۳۳۰۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے چاشت کی نماز کی بارہ رکعات پڑھیں' اللہ اس کے لیے جنت میں سونے کا محل بنا دے گا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث ۴۷۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۱۳۸۰' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۹۶۷' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۵۰۶' شرح السنہ رقم الحدیث ۱۰۰۶' جامع المسانید والسنن لابن کثیر ج ۲۱ ص ۲۹۰' رقم الحدیث: ۶۰۹' دارالفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ' المسند الجامع ج ۱ ص ۳۸۸' رقم الحدیث ۵۶۰)

حضرت ام ہانی ء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ فتح مکہ کے دن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر گئیں' اس وقت آپ غسل کر رہے تھے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو پردہ سے چھپایا ہوا تھا۔ حضرت ام ہانی نے کہا: میں نے آپ کو سلام کیا' آپ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ میں نے کہا: میں ہوں' ام ہانی ء بنت ابی طالب' آپ نے فرمایا: ام ہانی ء کو خوش آمدید ہو' غسل سے فارغ ہو کر آپ نے آٹھ رکعات نماز پڑھیں۔ امام مسلم کی روایت میں ہے: یہ چاشت کی نماز تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۳۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۷۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۲۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۶۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۲۲۹)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابن آدم! میرے لیے دن کے شروع میں چار رکعات نماز پڑھو' میں دن کے آخر میں تمہارے لیے کافی ہوں گا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۷۵' مسند احمد ج ۶ ص ۴۴۰' جامع المسانید والسنن ج ۱۳ ص ۵۹۴' رقم الحدیث: ۱۱۰۷۳' المسند الجامع ج ۱۴ ص ۳۴۲' رقم

نیز علامہ ابراہیم حلبی متوفی ۹۵۶ ھ لکھتے ہیں:
صلوٰۃ الضحیٰ (چاشت کی نماز) کا وقت سورج کے بلند ہونے سے لے کر زوال سے پہلے تک ہے اور اس کا مستحب وقت وہ ہے جب دن کا چوتھائی حصہ گزر جائے' کیونکہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اوابین کی نماز اس وقت ہوتی ہے جب گرم ریت کی شدت سے اونٹ کے بچے کے پاؤں جلنے لگیں۔
(غنیۃ المستملی ص ۳۹۰_۳۸۹' سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۱۲ھ)

مثلاً آج ۳۰ مئی ۲۰۰۳ء کو طلوع آفتاب ۵:۴۱ پر ہے اور غروب ۷:۱۶ پر ہے' اس طرح دن تیرہ گھنٹے کا ہے اور اس کا چوتھائی حصہ سوا تین گھنٹے ہے اور زوال کا وقت ۱۱:۴۶ ہے' پس نماز چاشت کا وقت آج صبح چھ بجے سے گیارہ بج کر ۴۶ منٹ تک ہے اور اس کو پڑھنے کا مستحب وقت سوا نو بجے ہے۔

پہاڑوں اور پرندوں کا حضرت داؤد کی تسبیح کے ساتھ تسبیح کرنا

(۷) حضرت داؤد علیہ السلام کی فضیلت کی ساتویں وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا: سب ان کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ یعنی پہاڑ اور پرندے سب حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف رجوع کرتے تھے' حضرت داؤد علیہ السلام جب تسبیح کرتے تھے تو پہاڑ اور پرندے بھی ان کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اور اس سے پہلے جو فرمایا تھا: ہم نے پہاڑوں کو ان کے تابع کر دیا تھا کہ وہ شام کو اور دن چڑھے ان کے ساتھ تسبیح پڑھیں اور جمع شدہ پرندے بھی' پہلے جملے میں اور اس جملے میں فرق یہ ہے کہ پہلے جملے سے معلوم ہوتا تھا کہ پہاڑ اور پرندے ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے ہیں' لیکن اس جملے سے یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وہ ہمیشہ تسبیح پڑھتے ہیں اور جب جملہ اسمیہ کے ساتھ فرمایا: ''کل له اواب'' سب ان کی طرف رجوع کرنے والے تھے تو معلوم ہوا کہ پہاڑ اور پرندے ان کے ساتھ ہمیشہ تسبیح کرتے تھے۔

مذکور الصدر تفسیر اس تقدیر پر ہے کہ ''کل لہ'' میں ضمیر حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہو اور اگر یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ رہی ہو تو پھر اس کا معنیٰ ہوگا: حضرت داؤد علیہ السلام' پہاڑ اور پرندے سب اللہ کی طرف لوٹنے والے اور اس کی تسبیح کرنے والے تھے۔

امام ابن عساکر متوفی ۵۷۱ ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن عامر سے روایت کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ حسین آواز دی گئی تھی۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۹ ص ۷۲' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

پس جب حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز پہاڑوں تک پہنچتی تو وہ ان کی آواز کی لذت سے جھومنے لگتے اور جب پرندے ان کی آواز سنتے تو وہ بھی ان کے ساتھ سُر سے سُر ملانے لگتے۔

بعض عارفین نے کہا ہے کہ پہاڑ اور پرندے حضرت داؤد علیہ السلام کی تسبیح کے ساتھ اس لیے تسبیح کرتے تھے تا کہ ان کی تسبیحات کا اجر و ثواب بھی حضرت داؤد علیہ السلام کو مل جائے' حضرت داؤد علیہ السلام جب حمد اور تسبیح کے معنیٰ میں بہت غور کرتے تھے تو وہ حمد اور تسبیح آپ کے اعضاء میں سرایت کر جاتی تھی' کیونکہ یہ اعضاء آپ کی روح کے مظاہر تھے' پھر آپ کے اعضاء سے حمد اور تسبیح کی صورت پہاڑوں اور پرندوں میں سرایت کر جاتی تھی' اس وجہ سے پہاڑ اور پرندے بھی آپ کی تسبیح کے ساتھ تسبیح کرتے تھے' اس وجہ سے ان کی تسبیح کا فائدہ بھی آپ کی طرف لوٹتا تھا' شام کے وقت اور دن چڑھنے کے وقت اس تسبیح کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ ان اوقات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے انوار اور اس کی برکت کے آثار بہت عظیم ہوتے ہیں کیونکہ جو مقربین اللہ تعالیٰ کی تجلیات میں مستغرق اور مخمور ہوتے ہیں وہ اس وقت اپنے استغراق اور خمار سے باہر آ جاتے ہیں اور شام

(المعجم الکبیر ج ۲۴ ص ۴۰۵‘ المعجم الاوسط رقم الحدیث ۴۳۵۸)

اس حدیث میں آپ نے چاشت کی نماز پر اشراق کا اطلاق فرمایا ہے‘ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ اشراق کا آخر وقت ہے اور اوّل وقت کے اعتبار سے یہ چاشت کی نماز ہے۔

نماز چاشت کی رکعات کی تعداد اور اس کا وقت

علامہ ابراہیم الحلبی الحنفی المتوفی ۹۵۶ھ لکھتے ہیں:

چاشت کی نماز کی فضیلت میں بہت احادیث ہیں اور اس کی رکعات دو سے لے کر بارہ تک ہیں‘ ان کی تفصیل حسب ذیل احادیث میں ہے:

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص صبح کو اٹھتا ہے تو اس کے ہر جوڑ پر صدقہ واجب ہوتا ہے‘ پس ہر تسبیح کو پڑھنا صدقہ ہے اور ہر لا الٰہ الا اللہ کو پڑھنا صدقہ ہے اور ہر اللہ اکبر کو پڑھنا صدقہ ہے اور ہر نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے اور ہر برائی سے روکنا صدقہ ہے اور چاشت کی دو رکعت نماز پڑھنے سے یہ صدقہ ادا ہو جاتا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۷۲۰‘ سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۱۲۸۵‘ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث ۹۰۲۹‘ مسند احمد ج ۵ ص ۱۶۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی چار رکعات پڑھتے تھے اور اللہ جتنی چاہتا آپ اتنی رکعات زیادہ کر دیتے تھے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۷۱۹‘ مسند احمد ج ۶ ص ۱۲۵‘ جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم ۳۶۹۲)

چاشت کی آٹھ رکعات پڑھنے کے متعلق حضرت ام ہانی کی حدیث گزر چکی ہے‘ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۷‘ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۳۶‘ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۷۴ وغیرھا۔

چاشت کی بارہ رکعات کے متعلق حضرت انس بن مالک کی حدیث گزر چکی ہے‘ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۷۳‘ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۸۰‘ المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۹۶۷ وغیرھا۔

امام اسحاق بن راہویہ نے کتاب ”عدد رکعات السنۃ“ میں کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن چاشت کی نماز دو رکعت پڑھی اور ایک دن چار رکعات پڑھیں اور ایک دن چھ رکعات پڑھیں اور ایک دن آٹھ رکعات پڑھیں تاکہ امت پر وسعت اور آسانی ہو۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے وصیت کیجئے‘ آپ نے فرمایا: جب تم دو رکعت چاشت کی نماز پڑھو گے تو تم غافلین میں نہیں لکھے جاؤ گے اور جب تم چار رکعات پڑھو گے تو تم عابدین میں لکھے جاؤ گے اور جب تم چھ رکعات پڑھو گے تو اس دن کوئی گناہ تمہارا پیچھا نہیں کرے گا اور جب تم آٹھ رکعات پڑھو گے تو تمہیں خاشعین میں لکھا جائے گا اور جب تم دس رکعات پڑھو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارا جنت میں گھر بنا دے گا۔ (سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۴۹-۴۸)

امام ترمذی نے سند ضعیف سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے چاشت کی بارہ رکعات پڑھیں اللہ اس کے لیے جنت میں سونے کا محل بنا دے گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۷۳‘ جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۶۰۹)

ہر چند کہ یہ حدیث ضعیف السند ہے مگر فضائل میں حدیث ضعیف السند پر عمل کرنا جائز ہے۔

(علامہ شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے لکھا ہے کہ احادیث صحیحہ کے مطابق چاشت کی زیادہ سے زیادہ رکعات آٹھ ہیں اور جو بارہ رکعات کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف السند حدیث پر عمل کرنا بھی جائز ہے۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۴۰۵‘ دار احیاء التراث العربی‘ بیروت‘ ۱۴۱۹ھ)

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ. (المائدہ:۶۷) اور اللہ لوگوں (کے شر) سے آپ کی حفاظت فرمائے گا۔

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی جاتی تھی حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی ''اور اللہ لوگوں (کے شر) سے آپ کی حفاظت فرمائے گا''۔ (المائدہ:۶۷) تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیمہ سے اپنا سر باہر نکال کر فرمایا: اے لوگو! واپس جاؤ' بے شک اللہ نے مجھے محفوظ کر دیا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۵۷ المستدرک ج ۲ ص ۳۱۳)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان مسلمانوں میں سے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے تھے' جب یہ آیت نازل ہوئی: ''اور اللہ لوگوں (کے شر) سے آپ کی حفاظت فرمائے گا'' (المائدہ:۶۷) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حفاظت کے انتظام کو ترک فرما دیا۔
(المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۴۱۸' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۵۳۴)

اللہ تعالیٰ کی حفاظت فرمانے کی ایک مثال یہ ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی طرف ایک غزوہ میں گئے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے تو وہ آپ کے ساتھ واپس آئے۔ ایک وادی جس میں خار دار درخت بہت زیادہ تھے اس میں دوپہر کے وقت انہوں نے قیام کیا۔ مسلمان منتشر ہو کر درختوں کے سائے میں آرام کرنے لگے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیکر کے ایک درخت کے نیچے اترے اور آپ نے اس میں تلوار لٹکا دی' حضرت جابر نے کہا: ہم لوگ سو گئے' اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بلایا' ہم آپ کے پاس پہنچے تو وہاں ایک اعرابی بیٹھا ہوا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں سویا ہوا تھا' اس شخص نے میری تلوار نکال لی' میں بیدار ہوا تو وہ تلوار اس کے ہاتھ میں سونتی ہوئی تھی' وہ مجھ سے کہنے لگا: آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ میں نے کہا: اللہ! لو وہ یہ بیٹھا ہوا ہے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کوئی سزا نہیں دی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۴۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۶۳۷۸' عالم الکتب جامع المسانید والسنن مسند جابر عبد اللہ رقم الحدیث: ۱۱۹۲)

(۹) حضرت داؤد علیہ السلام کی فضیلت کی نویں وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکمت عطا فرمائی' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''واتیناہ الحکمۃ'' ہم نے ان کو حکمت عطا فرمائی۔

حکمت کی تعریفات

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

حکمت کا معنیٰ ہے: علم اور عقل کے ذریعہ حق بات تک رسائی حاصل کرنا' اللہ تعالیٰ کی حکمت کا معنیٰ یہ ہے: اشیاء کی معرفت اور ان کو نہایت مضبوطی کے ساتھ پیدا کرنا اور انسان کی حکمت کا معنیٰ یہ ہے: موجودات کی معرفت اور نیک اور اچھے کاموں کا کرنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: بعض اشعار میں ضرور حکمت ہوتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۴۵) یعنی ان اشعار کا مضمون صحیح اور صادق ہوتا ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۶۸' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ ھ)

علامہ میر سید شریف علی بن محمد الجرجانی التوفی ۸۱۶ ھ لکھتے ہیں:

فلسفیوں نے حکمت کی تعریف اس طرح کی ہے: موجودات خارجیہ کے احوال کا واقع کے مطابق طاقت بشریہ کے اعتبار سے علم' اس کو حکمت کہتے ہیں' یہ علم نظری ہے اور یہ علم کسی دوسرے علم کا آلہ نہیں ہے۔

حکمت کی دوسری تعریف یہ ہے: یہ وہ قوت عقلیہ عملیہ ہے جو غریزہ اور بلادت کے درمیان متوسط ہوتی ہے' غریزہ اس

کے وقت میں نماز پڑھنے والے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی حاجات پیش کرتے ہیں اور اس سے مناجات کرتے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی ہیبت

(۸) حضرت داؤد علیہ السلام کی فضیلت کی آٹھویں وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''**وشددنا ملکہ** ''اور ہم نے ان کی سلطنت کو مضبوط کر دیا'' ان کی سلطنت کو مضبوط کرنے کا ایک محمل یہ ہے کہ چار ہزار آدمیوں کا لشکر دن رات ان کی سلطنت کی حفاظت کرتا تھا اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام جن مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے ان کی وجہ سے تمام لوگوں پر ان کی ہیبت چھائی تھی۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے ان کے ایک بڑے آدمی پر کوئی زیادتی کی' پھر وہ دونوں حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے پیش ہوئے' جس نے زیادتی کی تھی اس نے اپنے فریق مخالف کے متعلق کہا: اس شخص نے میری ایک گائے غصب کر لی ہے' حضرت داؤد نے اس سے پوچھا تو اس نے اس بات کا انکار کیا' پھر آپ نے مدعی سے کہا: تم گواہ پیش کرو' اس کے پاس کوئی گواہ نہیں تھا' پھر حضرت داؤد نے ان دونوں سے کہا: ابھی تم چلے جاؤ' میں تمہارے معاملہ میں غور کروں گا' وہ دونوں چلے گئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خواب میں یہ وحی کی کہ جس شخص کے خلاف دعویٰ کیا گیا ہے آپ اس کو قتل کر دیں۔ حضرت داؤد نے سوچا: یہ تو خواب ہے' میں اس معاملہ میں جلدی نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ ان کو خواب میں وحی کی کہ اس شخص کو قتل کر دیں' پھر اللہ تعالیٰ نے تیسری بار ان کو خواب میں حکم دیا کہ وہ اس کو قتل کر دیں' ورنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عتاب ہوگا' پھر حضرت داؤد نے اس شخص کو بلوا کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ وحی کی ہے کہ میں تجھ کو قتل کر دوں۔ اس شخص نے کہا: آپ مجھے بغیر گواہ کے اور بغیر کسی ثبوت کے قتل کر دیں گے! حضرت داؤد نے فرمایا: ہاں! میں تم میں اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ کروں گا' جب اس شخص کو یہ یقین ہو گیا کہ حضرت داؤد اس کو قتل کر دیں گے تب اس شخص نے کہا: آپ عجلت نہ کریں حتیٰ کہ میں آپ کو اصل واقعہ کی خبر دے دوں' بے شک اللہ کی قسم! میں نے اس معاملہ میں کوئی جرم نہیں کیا اور نہ اس وجہ سے میں گرفت میں آیا ہوں' بلکہ میں نے اس شخص کے والد کو دھوکے سے قتل کر دیا تھا' سو اس وجہ سے مجھے قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے' پھر حضرت داؤد علیہ السلام کے حکم سے اس کو قتل کر دیا گیا اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر ہے: **وشددنا ملکہ**۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۲۸۹۹)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ ہم نے داؤد کی سلطنت کو مضبوط کر دیا اور یہ قید نہیں لگائی کہ ان کی سلطنت کو لشکر سے مضبوط کیا ہے اور نہ یہ قید لگائی ہے کہ بنی اسرائیل پر ان کی ہیبت طاری کر کے ان کے لشکر کو مضبوط کیا ہے' اس لیے اولیٰ یہ ہے کہ ان کی سلطنت کی مضبوطی کو کسی خاص قسم کے ساتھ مقید نہ کیا جائے اور اس کو اپنے عموم پر رکھا جائے۔

(جامع البیان جز ۲۳ ص ۱۶۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت داؤد کا محافظ ان کا لشکر تھا اور ہمارے نبی کا محافظ اللہ تعالیٰ تھا

اس آیت کی تفسیر میں ہم نے جامع البیان کے حوالے سے یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی حفاظت چار ہزار نفوس پر مشتمل لشکر کیا کرتا تھا اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حفاظت کے لیے کسی لشکر کی ضرورت نہ تھی' آپ کی حفاظت خود خدائے لم یزل کرتا تھا' قرآن مجید میں ہے:

اسی طرح جو مسلمان مرتکب کبیرہ ہے اور اپنے گناہوں پر توبہ نہیں کرتا' ان کو دوزخ میں ڈالنا آپ کے ارشاد کے خلاف نہیں ہے' اسی طرح پہلی حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے جتنا رحم ماں اپنے بچوں پر کرتی ہے تو وہ اپنے بندوں کو دوزخ میں نہیں ڈالے گا' کافر اور مشرک اپنے آپ کو بتوں کا بندہ کہلواتے ہیں یا حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر کا بندہ کہلواتے ہیں' یا سورج کا یا آگ کا یا کسی درخت کا یا کسی دیوی یا دیوتا کا بندہ کہلواتے ہیں اور فساق اور فجار اپنی خواہشات کی بندگی کرتے ہیں سو جو اپنے آپ کو صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ قرار دیتا ہو اور اس کے علاوہ اور کسی کی بندگی نہ کرتا ہو' اللہ تعالیٰ اس پر اس سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے جتنا ماں اپنے بچے پر رحم کرتی ہے اور وہ اپنے بندوں کو دوزخ میں نہیں ڈالے گا' لیکن افسوس اس پر ہے کہ لوگ اپنے آپ کو صرف اس کا بندہ نہیں کہلاتے اور اگر اس کا بندہ کہلائیں بھی سہی تو اس کی بندگی نہیں کرتے' اپنے نفس کی بندگی کرتے ہیں۔

فصل خطاب کی تفسیر میں متعدد اقوال

(۱۰) حضرت داؤد علیہ السلام کی دسویں فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فصل خطاب عطا فرمایا۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں: فصل الخطاب کی تفسیر میں پانچ اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن بصری نے کہا کہ فصل خطاب سے مراد ہے عدل اور انصاف سے فیصلے کرنا۔

(۲) قاضی شریح اور قتادہ نے کہا: اس سے مراد ہے مدعی کو گواہ پیش کرنے کا مکلف کرنا اور مدعیٰ علیہ پر قسم لازم کرنا۔

(۳) حضرت ابوموسیٰ اشعری اور شعبی نے کہا: اس سے مراد ہے خطبہ کے بعد **اما بعد** کہنا اور سب سے پہلے **اما بعد** کے کلمات حضرت داؤد نے کہے تھے۔

(۴) اس سے مراد ہے ہر غرض مقصود میں کافی بیان پیش کرنا۔

(۵) کلام سابق اور کلام لاحق کے درمیان فصل کرنا۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۸۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

حکمت سے مراد ہے نبوت اور کمال علم اور پختہ عمل' ایک قول ہے: اس سے مراد زبور ہے اور علم الشرائع اور ایک قول یہ ہے کہ ہر وہ کلام جو حکمت کے موافق ہو وہ حکمت ہے۔

اور فصل خطاب سے مراد ہے دو فریقوں کے درمیان حق کو باطل سے متمیز اور ممتاز کر دینا' یا اس سے مراد وہ کلام ہے جو صحیح اور فاسد کے درمیان فارق اور فیصلہ کن ہو اور یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا وہ کلام ہے جو وہ مقدمات کے فیصلوں اور سلطنت کی تدبیروں اور مشوروں کے متعلق کرتے تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فصل خطاب سے مراد ایسا کلام ہو جو متوسط ہو' نہ اس قدر مختصر ہو کہ اس سے اصل مراد واضح نہ ہو اور نہ اس قدر طویل ہو جس سے مخاطب اکتا جائے اور ملول خاطر ہو۔

امام ابن ابی حاتم اور دیلمی نے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد **اما بعد** کے کلمات ہیں اور سب سے پہلے حضرت داؤد نے یہ کلمات کہے تھے' **اما بعد** کے کلمات حمد اور صلوٰۃ یا اللہ عزوجل کے ذکر کے بعد کہے جاتے ہیں اور ان کا معنی یہ ہوتا ہے کہ حمد اور صلوٰۃ کے بعد یہ معلوم ہونا چاہیے یا حمد اور صلوٰۃ کے بعد یہ بیان کیا جاتا ہے۔ اور **اما بعد** سے مراد یہ مخصوص کلمات نہیں ہیں' کیونکہ یہ عربی زبان کے الفاظ ہیں اور حضرت داؤد علیہ السلام خود عرب تھے نہ عربوں کے نبی تھے اور نہ وہ عربی زبان میں کلام کرتے تھے۔

بلکہ اس سے مراد ان کی زبان کے وہ کلمات ہیں جو ''**اما بعد**'' کا مفہوم ادا کرتے ہوں اور میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ

قوت کا افراط ہے اور بلادت اس قوت کی تفریط ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: قرآن کی حکمت ہے: حلال اور حرام کو جاننا۔

ایک تعریف یہ کی گئی ہے کہ علوم شریعت اور طریقت کو حکمت کہتے ہیں۔

نیز حکمت کی تعریف میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) لغت میں حکمت کا معنیٰ ہے: علم کے تقاضے کے مطابق عمل کیا جائے۔

(۲) انسان اپنی طاقت کے مطابق اس چیز کو حاصل کرے جو نفس الامر اور واقع میں برحق ہو۔

(۳) ہر وہ کلام جو حق کے موافق ہو وہ حکمت ہے۔

(۴) ہر وہ کلام جو معقول ہو اور فضولیات سے خالی ہو وہ حکمت ہے۔

(۵) ہر چیز کو اپنے مقام پر رکھنا حکمت ہے۔

(۶) جس چیز کا انجام قابل تعریف ہو وہ حکمت ہے۔

(۷) **الحکمۃ الالھیۃ**: جس علم میں ان موجودات خارجیہ کے احوال سے بحث کی جائے جو مادہ سے مجرد ہوں اور ہماری قدرت اور اختیار میں نہ ہوں۔

(۸) حقائق اشیاء جس طرح ہیں ان کا اسی طرح علم ہو اور علم کے مطابق عمل ہو۔

(۹) جس حکمت سے سکوت کیا گیا ہے: یہ حقیقت کے وہ اسرار ہیں جن پر رسمی علماء اور عوام کما حقہٗ مطلع نہیں ہوتے تاکہ وہ ان کو ضرر پہنچائیں یا ان کو ہلاک کر دیں' جیسا کہ روایت ہے' حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قیدی باندیوں کے پاس گئے تو ایک قیدی عورت اپنا پستان نچوڑ کر ایک بچے کو دودھ پلا رہی تھی' پھر اس نے اپنے بچے کو قیدیوں میں دیکھا تو اس کو اٹھا لیا اور اپنے پیٹ کے ساتھ چمٹایا اور اس کو دودھ پلایا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے پوچھا: تمہارا کیا خیال ہے' کیا یہ عورت اپنے بچہ کو آگ میں ڈال دے گی؟ ہم نے کہا: نہیں' بہ شرطیکہ اس کو آگ میں نہ ڈالنے پر قدرت ہو۔ آپ نے فرمایا: اللہ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے جتنا یہ اپنے بچوں پر رحم کرنے والی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۵۹۹۹' صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۷۵۴' جامع المسانید والسنن مسند عمر بن خطاب رقم ۱۷' کتاب التعریفات ص ۶۶' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کے مقارب المعنیٰ یہ حدیث بھی ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ گزر رہے تھے' ان کے راستہ میں ایک بچہ پڑا ہوا تھا' جب اس کی ماں نے ان لوگوں کو آتے ہوئے دیکھا تو اس کو یہ خطرہ ہوا کہ اس کا بچہ لوگوں کے پاؤں تلے روندا جائے گا' وہ دوڑتی ہوئی آئی اور کہہ رہی تھی: میرا بیٹا' میرا بیٹا اور اس نے دوڑ کر اپنے بیٹے کو اٹھا لیا' لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! یہ اپنے بیٹے کو آگ میں نہیں ڈال سکتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چپ کراتے ہوئے فرمایا: اور اللہ کی قسم! اللہ اپنے حبیب (دوست) کو آگ میں نہیں ڈالے گا۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۴ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۰۱۸' مؤسسۃ الرسالۃ ۱۴۱۸' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۷۶' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث ۳۷۴۷' المستدرک ج ۱ ص ۵۸' ج ۴ ص ۱۷۷' جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۱۳۶۷)

اس حدیث میں آپ نے فرمایا ہے: ''اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو دوزخ میں نہیں ڈالے'' اور کافر اللہ تعالیٰ کا حبیب نہیں ہے

الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ' علامہ ابوالحسن علی بن احمد الواحدی المتوفی ۴۶۸ھ' امام الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۶ھ' علامہ محمود بن عمر الزمخشری المتوفی ۵۳۸ھ' علامہ عبدالرحمان بن علی ابن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ' علامہ عبداللہ بن عمر البیضاوی المتوفی ۶۸۵ھ' علامہ علی بن محمد الخازن المتوفی ۷۲۵ھ' علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' قاضی ابوسعود محمد بن محمد المتوفی ۹۸۲ھ' علامہ احمد بن محمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ اور دیگر مفسرین نے اس آیت کے تحت یہ تصریح کی ہے کہ یہ فرشتے تھے۔ (جامع البیان جز ۲۳ ص ۱۶۸' الکشف والبیان ج ۸ ص ۱۸۸' النکت والعیون ج ۵ ص ۸۶' الوسیط ج ۳ ص ۵۴۷' معالم التنزیل ج ۴ ص ۶۰' الکشاف ج ۴ ص ۸۴' زادالمسیر ج ۷ ص ۱۱۸' انوار التنزیل مع الخفاجی ج ۸ ص ۱۳۹' لباب التاویل ج ۴ ص ۴۴' الدرالمنثور ج ۷ ص ۱۳۹' تفسیر ابوسعود ج ۵ ص ۳۵۵' حاشیۃ الشہاب ج ۸ ص ۱۳۹)

آنے والوں کے فرشتے ہونے پر علامہ ابوبکر بن العربی کے دلائل

علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ نے اس پر دلائل قائم کیے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس رات کو دیوار پھاند کر آنے والے فرشتے تھے' انسان نہ تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

نقاش نے کہا: یہ دونوں شخص انسان تھا اور مفسرین کی ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ وہ آنے والے فرشتے تھے اور انہوں نے یہ بھی معین کر دیا ہے کہ وہ دونوں حضرت جبریل اور میکائیل تھے اور اس کی تفصیل کو اللہ تعالیٰ ہی جاننے والا ہے' حضرت داؤد علیہ السلام کی محراب (بالاخانہ) بہت بلند تھی اور کسی آدمی کی قدرت میں یہ نہیں تھا کہ وہ اسباب اور وسائل کے بغیر اس بلند محراب تک پہنچ سکے اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ دروازہ سے محراب تک پہنچ گئے تھے تو پھر اللہ تعالیٰ اس واقعہ کی خبر دیتے ہوئے یہ نہ فرماتا: ''جب وہ دیوار پھاند کر محراب میں آ گئے'' اور اگر کہا جائے کہ انہوں نے سیڑھی لگائی اور اس کے ذریعہ چڑھ کر محراب میں داخل ہو گئے تو یہ مجاز ہوگا اور اگر یہ کہا جائے گا کہ وہ کھڑکی یا روشن دان کے ذریعہ محراب میں داخل ہو گئے تو پھر لازماً اور قطعاً یہ ماننا ہوگا کہ وہ آنے والے فرشتے تھے۔ (احکام القرآن ج ۴ ص ۴۷' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ)

آنے والوں کے انسان ہونے پر امام رازی کے دلائل

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ کا یہ نظریہ ہے کہ جو دیوار پھاند کر آئے وہ انسان تھے' فرشتے نہ تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ وہ دو فرشتے تھے جو آسمان سے نازل ہوئے تھے اور ان کا ارادہ یہ تھا کہ وہ حضرت داؤد علیہ السلام کو اس پر تنبیہ کریں کہ جب ان کے عقد میں پہلے ہی ننانوے بیویاں موجود ہیں تو پھر ان کا اوریا سے یہ کہنا نامناسب ہے کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو تاکہ میں اس سے عقد کر لوں اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ دونوں انسان تھے اور وہ دونوں بُری نیت سے حضرت داؤد علیہ السلام کی محراب میں گئے تھے اور ان کا ارادہ حضرت داؤد علیہ السلام کو قتل کرنے کا تھا' ان کا گمان یہ تھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام تنہا ہوں گے اور وہ آسانی سے حضرت داؤد علیہ السلام کو قتل کر سکیں گے' لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس لوگوں کی جماعت بیٹھی ہوئی ہے تو انہوں نے جان لیا کہ اب وہ اپنے مذموم مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے' پس انہوں نے جان چھڑانے کے لیے فی الفور یہ بات گھڑ لی کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے فریق مخالف ہیں اور حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس فیصلہ کرانے کے لیے آئے ہیں اور یہ کہا کہ ان میں سے ایک کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور دوسرے کے پاس صرف ایک دنبی ہے' اس کے باوجود ننانوے دنبیوں والا دوسرے سے کہہ رہا ہے کہ تمہارے پاس جو ایک دنبی ہے وہ بھی مجھے دے دو۔

جو مفسرین اس کے قائل ہیں کہ وہ آنے والے فرشتے نہ تھے بلکہ انسان تھے ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ دونوں فرشتے تھے

فصل خطاب سے مراد ایسا خطاب ہے جو کسی مقدمہ کے فریقین کے درمیان حق کو باطل سے اور صواب کو خطاء سے اور صحیح کو غلط سے متمیز اور ممتاز کر دے اور یہ بہت زیادہ علم اور فہم اور افہام اور تفہیم کی خداداد صلاحیت پر موقوف ہے۔

(روح المعانی جز ۲۳ ص ۲۶۱۔ ۲۶۰ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کیا آپ کے پاس جھگڑنے والوں کی خبر آئی؟ جب وہ دیوار پھاند کر محراب میں آ گئے○ جب وہ داؤد کے پاس پہنچے تو وہ ان سے گھبرا گئے' انہوں نے کہا: آپ نہ گھبرائیں' ہم دو لڑنے والے فریق ہیں' ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے' آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمائیں اور بے انصافی نہ کریں اور ہمیں سیدھی راہ بتائیں○ بے شک یہ میرا بھائی ہے' اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک دنبی ہے' اب یہ کہتا ہے کہ وہ (ایک دنبی بھی) مجھے دے دے اور مجھ پر بات میں دباؤ ڈال رہا ہے○ داؤد نے کہا: اس نے تجھ سے دنبی کا سوال کر کے تجھ پر ظلم کیا ہے تاکہ اس کو اپنی دنبیوں کے ساتھ ملائے اور بے شک اکثر شرکاء ایک دوسرے پر ضرور زیادتی کرتے ہیں سوا ان کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں اور داؤد نے یہ گمان کیا کہ ہم نے ان کو آزمائش میں ڈالا ہے' سو انہوں نے اپنے رب سے مغفرت طلب کی اور سجدہ میں گر گئے اور اللہ کی طرف رجوع کیا○ تو ہم نے ان کی اس بات کو معاف کر دیا اور بے شک ان کے لیے ہماری بارگاہ میں خاص تقرب ہے اور بہترین ٹھکانا ہے○ (ص: ۲۵۔ ۲۱)

مشکل الفاظ کے معانی

ص: ۲۱ میں ''نبوء'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے خبر' اس کے بعد ''الخصم'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے جھگڑنے والا' اس کا استعمال واحد' تثنیہ' جمع' مذکر' مؤنث سب کے لیے ہوتا ہے۔ اس کے بعد ''تسوروا'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: انہوں نے دیوار کو پھاندا' تسور کا معنی ہے دیوار پر چڑھنا اور بلندی سے کودنا' اس کے بعد ''محراب'' کا لفظ ہے' محراب کا معنی ہے گھر یا مجلس کا صدر مقام' سب سے بلند اور مقدم جگہ۔ حرب کا معنی ہے جنگ کرنا' سو محراب کا معنی ہے جنگ کرنے کی جگہ' مسجد اور عبادت کی جگہ کو محراب کہتے ہیں کیونکہ وہاں انسان اپنے نفس اور شیطان سے جنگ کرتا ہے یا اس لیے کہ وہاں انسان دنیا کے مشاغل اور افکار پریشان سے منقطع ہو کر یکسوئی کے ساتھ یاد الٰہی میں بیٹھ جاتا ہے' بالا خانہ اور چوبارہ کو بھی محراب کہتے ہیں۔ محراب کی مکمل تفصیل اور تحقیق ہم نے سبا: ۱۳' تبیان القرآن ج ۹ ص ۶۱۰ میں کی ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے حجرہ کی دیوار پھاند کر آنے والے آیا انسان تھے یا فرشتے؟

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام جس حجرے میں عبادت کرتے تھے' اس کے عام اور معروف راستہ کے بجائے دیوار کو پھاند کر آنے والے کون تھے؟ بعض مفسرین نے کہا: وہ دو انسان تھے جو ایک معاملہ میں ایک دوسرے کے مخالف تھے اور حضرت داؤد علیہ السلام سے فیصلہ کرانے کے لیے آئے تھے اور بعض مفسرین کی رائے ہے کہ وہ دو فرشتے تھے جو ایک فرضی مناقشہ بیان کر کے حضرت داؤد علیہ السلام کی اس اجتہادی خطا یا لغزش پر متنبہ کرنا چاہتے تھے کہ جب ان کے عقد میں پہلے سے ننانوے بیویاں موجود تھیں تو پھر انہوں نے اوریا سے یہ کیوں کہا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو تاکہ میں اس سے نکاح کر لوں' پھر ان کے عقد میں سو بیویاں ہو جائیں گی اور جب حضرت داؤد علیہ السلام اپنی اجتہادی خطا یا لغزش پر متنبہ ہوں گے تو وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ اور استغفار کریں گے' پھر اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما دے گا اور ان کو اپنا قرب خاص اور بلند درجہ عطا فرمائے گا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ' علامہ ابو اسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ' علامہ ابو الحسن علی بن محمد

صحیح معنیٰ ہوسکتا ہے تو پھر مجاز پر محمول کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۳۸۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

مذکور توجیہ کا مصنف کی طرف سے جواب

مصنف کے نزدیک علامہ زمخشری اور ان کے موافقین کی تاویل اس لیے درست نہیں ہے کہ ان آنے والوں نے حضرت داؤد علیہ السلام سے یہ کہا تھا: ''ہم دو لڑنے والے فریق ہیں' ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے' آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کریں اور بے انصافی نہ کریں''۔ اس کلام سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ حضرت داؤد علیہ السلام سے کوئی مسئلہ دریافت کر رہے ہیں یا کسی فرضی صورت کا جواب معلوم کر رہے ہیں بلکہ وہ خود اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرا رہے ہیں اور اس کو یہ مطلب پہنانا کہ وہ کسی فرضی صورت کا جواب معلوم کر رہے ہیں ان آیات میں زبردستی خود ساختہ معنیٰ کو ٹھونسنا ہے۔

آنے والوں کے انسان ہونے پر ابوالحیان اندلسی کے دلائل

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ کا بھی یہ مختار ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس اپنے مقدمہ کا تصفیہ کرانے کے لیے آنے والے فرشتے نہیں تھے' دو انسان تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

قرآن مجید کی ظاہر آیات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی محراب میں غیر معروف طریقہ سے داخل ہونے والے دو انسان تھے اور یہ ان کی محراب میں اس وقت داخل ہوئے جو ان کے فیصلہ کرنے کے اوقات نہیں تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام ان کو دیکھ کر اس لیے گھبرا گئے کہ وہ عام معروف راستہ سے نہیں آئے تھے اور اس وقت آپ عبادت میں مصروف تھے' انہیں دیکھ کر آپ کو یہ خیال آیا کہ وہ آپ کو ضرر پہنچانے کے ارادے سے آئے ہیں' کیونکہ آپ اس وقت بالکل اکیلے تھے اور عبادت میں مصروف تھے اور جب یہ واضح ہوگیا کہ وہ آپ کو ضرر پہنچانے کے ارادہ سے نہیں آئے' بلکہ آپ سے ایک مقدمہ کا فیصلہ کرانے کے لیے آئے ہیں تو حضرت داؤد علیہ السلام کو اس پر افسوس ہوا اور ندامت ہوئی کہ انہوں نے ان دو انسانوں کے متعلق یہ گمان کیا کہ وہ کسی شر اور بدی کے ارادہ سے آئے ہیں' لہٰذا انہوں نے اپنے اس گمان پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا اور سجدہ میں گر کر اللہ تعالیٰ سے اپنے اس گمان پر معافی چاہی سو اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا۔

(البحر المحیط ج ۹ ص ۱۵۱' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

حضرت داؤد علیہ السلام نے صرف ایک فریق کے بیان پر کیوں فیصلہ کیا؟

ص: ۲۴ میں فرمایا: ''داؤد نے کہا: اس نے تجھ سے دنبی کا سوال کر کے تجھ پر ظلم کیا ہے تاکہ اس کو اپنی دنبیوں سے ملائے''۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ محض ایک فریق کا بیان اور الزام سن کر حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے یہ کس طرح جائز ہوگیا کہ انہوں نے دوسرے فریق کو قصور وار اور ظالم قرار دیا' اس کے حسب ذیل جوابات دیئے گئے ہیں:

(۱) امام محمد بن اسحاق نے کہا: جب فریق اوّل اپنے دعویٰ اور الزام سے فارغ ہوگیا تو حضرت داؤد علیہ السلام نے فریق ثانی کی طرف دیکھا کہ وہ اپنی صفائی میں کیا کہتا ہے اور جب وہ بالکل خاموش رہا تو حضرت داؤد علیہ السلام نے جان لیا کہ فریق اوّل کا دعویٰ اور الزام برحق ہے اور فریق ثانی واقعی ظالم ہے۔

(۲) علامہ ابن الانباری نے کہا: جب فریقِ اوّل نے فریقِ ثانی کے خلاف دعویٰ کیا تو فریقِ ثانی نے اعتراف کر لیا کہ واقعی اس نے ظلم کیا ہے اور اس کے اعتراف کی بناء پر حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کو ظالم قرار دیا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کے اعتراف کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ کلام کے سیاق و سباق سے اس کا اعتراف بالکل ظاہر ہے۔

(۳) حضرت داؤد علیہ السلام کے کلام کی توجیہ یہ ہے کہ اگر واقعی فریق ثانی نے فریق اوّل سے اس کی دنبی کا مطالبہ کیا ہے تو

تو ان کا یہ قول جھوٹا ہوگا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے خصم ہیں کیونکہ فرشتوں کی آپس میں مخاصمت نہیں ہوتی۔ اسی طرح ان دونوں نے کہا کہ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے‘ اگر وہ فرشتے تھے تو ان کا یہ قول بھی جھوٹا تھا‘ کیونکہ فرشتے کسی پر زیادتی نہیں کرتے نہ کسی کے خلاف بغاوت کرتے ہیں‘ اسی طرح انہوں نے کہا: ”بے شک یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک دنبی ہے‘ اب یہ کہتا ہے کہ وہ (ایک دنبی بھی) مجھے دے دے اور مجھ پر بات میں دباؤ ڈال رہا ہے O“ اگر وہ فرشتے تھے تو ان کا یہ قول بھی جھوٹا ہے کیونکہ کسی فرشتے کے پاس دنبیاں نہیں تھیں اور نہ ننانوے دنبیوں والا ایک دنبی والے سے اس کی دنبی مانگ رہا تھا‘ سو اگر حضرت داؤد کی محراب پھاند کر آنے والے فرشتے تھے تو لازم آئے گا کہ انہوں نے تین جھوٹی باتیں کہیں اور فرشتے جھوٹ نہیں بول سکتے‘ کیونکہ جھوٹ بولنا اللہ تعالیٰ کی معصیت ہے اور فرشتے اللہ تعالیٰ کی معصیت نہیں کرتے‘ قرآن مجید میں ہے:

عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ O (التحریم ۶)

دوزخ پر مضبوط دل فرشتے مقرر ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی معصیت (نافرمانی) نہیں کرتے اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے O

نیز فرمایا:

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ O (النحل ۵۰)

وہ اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں جو ان کے اوپر ہے اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے O

لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ O (الانبیاء ۲۷)

وہ کسی بات میں اللہ سے تجاوز نہیں کرتے اور وہ اس کے حکم پر ہی عمل کرتے ہیں O

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۳۶۳-۳۶۲ ملخصاً‘ داراحیاء التراث العربی بیروت)

آنے والوں کے فرشتے ہونے کی توجیہ

علامہ محمود بن عمر الزمخشری المتوفی ۵۳۸ھ نے ملائکہ کے قائلین کی طرف سے یہ جواب لکھا ہے:

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ ملائکہ علیہم السلام نے ایسی بات کیوں کہی جو واقعہ کے خلاف تھی اور جو کام انہوں نے نہیں کیے تھے اس کی کیوں خبر دی اور یہ ان کی شان کے لائق نہیں ہے‘ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ کے وقوع کو فرض کرلیا اور انہوں نے اپنے اوپر اس صورت کی تصویر کشی کی اور وہ حضرت داؤد کے پاس انسانوں کی صورت میں آئے تھے جیسے تم کسی مسئلہ کی مثال بیان کرتے ہوئے کہتے ہو کہ زید کی چالیس بکریاں ہیں اور عمرو کی بھی چالیس بکریاں ہیں اور ان دونوں نے اپنی بکریوں کو خلط ملط کردیا اور ان کے اوپر ایک سال گزر چکا ہے‘ اب ان پر کتنی زکوٰۃ واجب ہوگی؟ یا تم اس طرح صورت بنا کر سوال کرو کہ میری چالیس بکریاں ہیں اور تمہاری بھی چالیس بکریاں ہیں اور ہم نے ان بکریوں کو ملا دیا ہے‘ ان پر سال گزر چکا ہے اب ہم پر کتنی زکوٰۃ واجب ہوگی؟ (الکشاف ج ۴ ص ۸۷‘ داراحیاء التراث العربی‘ بیروت‘ ۱۴۱۷ھ)

مذکور توجیہ کا امام رازی کی طرف سے جواب

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس جواب کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قرآن مجید کی ان آیات کو اس معنیٰ پر محمول کرنا کہ فرشتوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے ایک فرضی صورت پیش کرکے صورت مسئلہ کا جواب جاننا چاہا تھا‘ یہ ان آیات کو مجاز پر محمول کرنا ہے اور جب ان آیات کو حقیقت پر محمول کرکے ان کا

علامہ ابوالحیان اندلسی نے کہا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ان دو انسانوں کے متعلق جو شر کا گمان کیا تھا انہوں نے اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا۔

سورۂ صٓ کے سجدہ کے وجوب میں اختلاف فقہاء

صٓ :۲۴ میں ہے: ''اور (داؤد) سجدہ میں گر گئے اور اللہ کی طرف رجوع کیا''۔ اس آیت کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے: ''اور داؤد گر گئے رکوع کرتے ہوئے اور انہوں نے رجوع کیا''۔ مفسرین اور فقہاء نے کہا ہے کہ اس آیت میں رکوع بہ معنی سجدہ ہے۔ فقہاء احناف کے نزدیک یہ دسواں سجدہ تلاوت ہے۔

علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

سورۂ صٓ کا سجدہ ہمارے نزدیک سجدۂ تلاوت ہے اور امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک یہ سجدۂ شکر ہے' ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نماز میں سورۂ صٓ پڑھی اور سجدۂ تلاوت کیا اور لوگوں نے بھی ان کے ساتھ سجدۂ تلاوت کیا' صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ یہ سجدہ ہوا اور اس پر کسی نے انکار نہیں کیا' اگر یہ سجدہ واجب نہ ہوتا تو اس کو نماز میں داخل کرنا جائز نہ ہوتا۔ نیز روایت ہے کہ ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے خواب میں دیکھا کہ میں سورۂ صٓ لکھ رہا ہوں' جب میں سجدہ کی جگہ پر پہنچا تو دوات اور قلم نے سجدہ کیا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم دوات اور قلم کی بہ نسبت سجدہ کرنے کے زیادہ حق دار ہیں' پھر آپ نے اس مسجد میں سورۂ صٓ کو پڑھنے کا حکم دیا' پھر آپ نے اور آپ کے اصحاب نے اس آیت پر سجدہ کیا' اس حدیث کو امام ترمذی اور امام حاکم نے روایت کیا ہے اور اس حدیث میں دوات اور قلم کی جگہ درخت کا ذکر ہے اور اس میں درخت کی اس دعا کا ذکر ہے: اے اللہ! مجھ سے اس سجدہ کو اس طرح قبول فرما جس طرح تو نے اس سجدہ کو اپنے بندہ داؤد سے قبول کیا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۷۹' المستدرک ج ۱ ص ۲۲۰۔۲۱۹)

علامہ محمود بن احمد بن عبدالعزیز البخاری الحنفی المتوفی ۶۱۶ھ لکھتے ہیں:

سورۂ صٓ کا سجدہ' سجدۂ تلاوت ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ سجدہ شکر ہے' کیونکہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں سورۂ صٓ کی تلاوت کی تو لوگ سجدہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے' پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کیوں سجدہ کے لیے تیار ہو گئے' یہ تو ایک نبی کی توبہ ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۴۳۲' سنن دار قطنی ج ۱ ص ۴۰۸' السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۵۱) اور روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدۂ صٓ کے متعلق فرمایا: حضرت داؤد صلوٰت اللہ علیہ نے توبہ کرنے کے لیے یہ سجدہ کیا اور زمین پر گر گئے اور ہم شکر کرنے کے لیے یہ سجدہ کرتے ہیں۔ (السنن الکبریٰ ج ۶ ص ۴۴۲' سنن دار قطنی ج ۱ ص ۴۰۷)۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ایک صحابی نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے خواب میں دیکھا گویا کہ میں سورۂ صٓ کو لکھ رہا ہوں' جب میں سجدہ کی جگہ پر پہنچا تو دوات اور قلم نے سجدہ کیا' تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم دوات اور قلم کی بہ نسبت سجدہ کرنے کے زیادہ حق دار ہیں' حتیٰ کہ آپ کی مجلس میں اس کی تلاوت کی گئی اور آپ نے اپنے اصحاب کے ساتھ اس پر سجدہ کیا۔ (المستدرک ج ۲ ص ۴۳۲' السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۵۳) اور وہ جو اس سے پہلے المستدرک اور سنن دار قطنی کی روایت سے گزرا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں سورۂ صٓ کی تلاوت کی اور اس پر سجدہ نہیں کیا' اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ یہ بیان کرنا چاہتے تھے کہ سجدۂ تلاوت کرنا فوراً واجب نہیں ہوتا اور اس کو تاخیر سے ادا کرنا جائز ہے' کیونکہ یہ بھی روایت ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ سورۂ صٓ کی خطبہ میں تلاوت کی اور اس پر سجدہ کیا (یہ روایت عنقریب آ رہی ہے) اور یہ سجدہ تلاوت کے وجوب کی دلیل ہے' کیونکہ آپ نے خطبہ کو منقطع کر کے سجدہ کیا۔ (المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی ج ۲ ص ۱۰۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء)

پھر وہ یقیناً ظالم ہے۔

اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا: ''اور بے شک اکثر شرکاء ایک دوسرے پر ضرور زیادتی کرتے ہیں''۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ زیادتی کرنے میں شرکاء کی کیا تخصیص ہے' غیر شرکاء بھی ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شرکت کے معاملہ میں زیادتی اور عدوان کا داعیہ بہت زیادہ ہوتا ہے کیونکہ ایک انسان اپنے شریک کے پاس عمدہ اور نفیس چیزیں دیکھتا ہے اور شریک ہونے کی وجہ سے اس کو اپنے شریک کے مال میں تصرف کرنے کے بھی مواقع حاصل ہوتے ہیں' اس وجہ سے حضرت داؤد علیہ السلام نے خصوصیت کے ساتھ شرکاء کے متعلق فرمایا: ''اور بے شک اکثر شرکاء ایک دوسرے پر ضرور زیادتی کرتے ہیں''۔ پھر مومنین صالحین کو اس قاعدہ سے مستثنیٰ فرمایا اور کہا: ''سوا ان کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں''۔ یہ اس طرح ہے' جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ ۝ (سبا: ۱۳) اور شکر ادا کرنے والے میرے بندے بہت کم ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے استغفار کی توجیہات

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور داؤد نے یہ گمان کیا کہ ہم نے ان کو آزمائش میں ڈالا ہے' سو انہوں نے اپنے رب سے مغفرت طلب کی اور سجدہ میں گر گئے اور اللہ کی طرف رجوع کیا ۝ تو ہم نے ان کی اس بات کو معاف کر دیا اور بے شک ان کے لیے ہماری بارگاہ میں تقرب ہے اور بہترین ٹھکانا ہے ۝ (ص: ۲۵۔۲۴)

حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے جو استغفار کیا تھا اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) دو انسان دیوار پھاند کر آپ کے حجرے میں آپ کو قتل کرنے کے قصد سے داخل ہوئے' آپ بہت قوی بادشاہ تھے اور ان دونوں کو سزا دینے پر پوری طرح قادر تھے' اس کے باوجود آپ نے درگزر فرمایا تو ہو سکتا ہے کہ آپ کے دل میں اپنی اس نیکی پر عُجب اور فخر کا احساس پیدا ہو جاتا' تو آپ نے اس کیفیت سے استغفار کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور یہ اعتراف کیا کہ ان کو یہ نیکی محض اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حاصل ہوئی ہے' پس اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا اور ان کے دل میں جو خیال آیا تھا اس سے درگزر فرمایا۔

(۲) ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ ان آنے والے انسانوں کو سخت سزا دیں' پھر خیال آیا کہ ان کے سامنے کوئی ایسی قطعی دلیل قائم نہیں ہوئی جس سے یہ ثابت ہو کہ وہ آپ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آئے تھے یا کسی اور شر کے ارادہ سے آئے تھے تو آپ نے ان کو معاف کر دیا اور ان کو بلا دلیل جو سزا دینے کا خیال آیا تھا اس پر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہی۔

(۳) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان دو انسانوں نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کی ہو اور حضرت داؤد علیہ السلام سے یہ درخواست کی ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور ان کی مغفرت کے لیے شفاعت کریں' پس حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے استغفار کیا اور گڑگڑا کر دعا کی' پس اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی شفاعت کی وجہ سے ان کو معاف فرما دیا۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ فرماتے ہیں: یہ تمام وجوہ یہاں مراد ہو سکتی ہیں اور قرآن مجید میں اس کی بہت مثالیں ہیں اور جب ان آیات کو صحیح معانی پر محمول کیا جا سکتا ہے اور ان اسرائیلی روایات کے حق میں کوئی دلیل قائم نہیں ہے جن میں حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف اوریا کو قتل کرانے اور اس کی بیوی کے ساتھ آپ کے زنا کی نسبت کی گئی ہے تو بلا دلیل ایسی فحش اور منکر روایات کی اللہ کے برگزیدہ نبی کی طرف نسبت کرنا اور یہ کہنا کہ آپ نے ان فحش کاموں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا تھا کب جائز اور درست ہو سکتا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۳۸۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

دونوں کا سجدۂ تلاوت رکوع کرنے سے ادا ہو جاتا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا سجدہ شکر تھا اور کلام سجدۂ تلاوت میں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ ہم حضرت داؤد علیہ السلام کے فعل سے استدلال نہیں کر رہے بلکہ ہم اس سے استدلال کر رہے ہیں کہ شارع علیہ السلام نے اس رکوع کو سجدہ سے کفایت کرنے والا قرار دیا ہے۔

اور یہ بات کسی سے مخفی نہیں ہے کہ سجدۂ تلاوت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معروف یہ ہے کہ آپ سجدۂ تلاوت ادا کرنے کے لیے سجدہ کرتے تھے اور کسی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ آپ نے سجدۂ تلاوت ادا کرنے کے لیے سجدہ کے بجائے رکوع کر لیا ہو' خواہ ایک مرتبہ ہی کیا ہو' اسی طرح آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے بھی کبھی سجدۂ تلاوت ادا کرنے کے لیے رکوع نہیں کیا اور استدلال میں جو قیاس ذکر کیا گیا ہے وہ اتنا قوی نہیں ہے' اس لیے زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ سجدۂ تلاوت کو سجدہ سے ہی ادا کیا جائے جیسا کہ احادیث میں ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام سے ایک ایسا فعل صادر ہو گیا تھا جو خلاف اولیٰ تھا اور ان کی شان کے لائق نہ تھا' انہوں نے اس پر توبہ کی' اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی اور ہم اس قبول توبہ کے شکر میں سجدہ کرتے ہیں۔

(روح المعانی جز ۲۳ ص ۲۷۰۔۲۶۹' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی التوفی ۱۰۸۸ھ اور علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز ابن عابدین' شامی' حنفی' متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

سجدۂ تلاوت نماز کے رکوع اور سجود کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے (علامہ شامی فرماتے ہیں: سجدۂ تلاوت کے ادا کرنے میں اصل سجدہ کرنا ہے اور وہی افضل ہے' اگر اس نے آیت سجدہ پڑھنے کے بعد علی الفور رکوع کر لیا تو رکوع میں سجدہ ادا ہو جائے گا ورنہ نہیں اور اگر اس نے علی الفور رکوع نہیں کیا تو پھر خصوصیت کے ساتھ سجدہ ادا کرنا ہو گا) اسی طرح اگر اس نے نماز کے باہر آیت سجدہ تلاوت کی ہے' تب بھی رکوع کرنے سے سجدۂ تلاوت ادا ہو جائے گا۔ (بزازیہ) (علامہ شامی فرماتے ہیں کہ بدائع الصنائع میں لکھا ہے کہ یہ قول ضعیف ہے' یہ قیاساً صحیح ہے نہ استحساناً)۔

(الدر المختار ورد المختار ج ۲ ص ۵۱۲' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۷۶ھ لکھتے ہیں:

نماز کا سجدۂ تلاوت سجدہ سے بھی ادا ہو جاتا ہے اور رکوع سے بھی' مگر رکوع سے جب ادا ہو گا کہ فوراً کرے' فوراً نہ کیا تو سجدہ کرنا ضروری ہے اور جس رکوع سے سجدۂ تلاوت ادا کیا خواہ وہ رکوع' رکوعِ نماز ہو یا اس کے علاوہ' اگر رکوعِ نماز ہے تو اس میں اداء سجدہ کی نیت کرے اور اگر خاص سجدہ ہی کے لیے یہ رکوع کیا تو اس رکوع سے اٹھنے کے بعد مستحب یہ ہے کہ دو تین آیتیں یا زیادہ پڑھ کر رکوع نماز کرے فوراً نہ کرے اور اگر آیت سجدہ پر سورت ختم ہے اور سجدہ کے لیے رکوع کیا تو دوسری سورت کی آیتیں پڑھ کر رکوع کرے۔ (غنیۃ' عالم گیری' رد المختار' در مختار) (بہار شریعت حصہ چہارم ص ۴۰' ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور' ۱۴۱۶ھ)

حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے جس فعل پر اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کی تھی اس کے متعلق تورات کا بیان

ص ٓ: ۲۵۔۲۴ میں حضرت داؤد علیہ السلام کے استغفار اور توبہ کرنے کا ذکر ہے' اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو گیا تھا جس پر انہیں توبہ کرنے کی ضرورت پیش آئی' ان کے اس فعل کا بیان تورات میں بھی

فائدہ: المحیط البرہانی ۱۴۲۴ھ میں دنیا میں پہلی بار طبع ہوئی ہے' اس سے پہلے ہم نے متعدد کتب فقہ میں اس کے حوالہ جات پڑھے تھے جو اس کے مخطوطات سے فراہم کیے گئے تھے' ۳۱ مئی ۲۰۰۳ء کو مکتبہ عثمانیہ سے میرے پاس فون آیا کہ گیارہ جلدوں پر مشتمل یہ کتاب آ گئی ہے اور اس کی قیمت ۹ ہزار روپے ہے' میں نے اسی وقت رقم بھیج کر یہ کتاب منگوالی اور آج ۴ جون ۲۰۰۳ء کو اس کا حوالہ بھی درج کر دیا' فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

سورۂ صٓ کے سجدۂ تلاوت کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ صٓ کا سجدہ کیا تھا۔

(سنن دارقطنی ج ۱ ص ۴۰۶' رقم الحدیث ۱۴۹۹)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا' آپ نے سورۂ صٓ کی تلاوت کی' جب آپ آیت سجدہ پر پہنچے تو آپ نے منبر پر سے اتر کر سجدہ کیا اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا' پھر آپ نے ایک مرتبہ اور اس کی تلاوت کی' جب آپ آیت سجدہ پر پہنچے تو ہم سجدہ کرنے کے لیے تیار ہوئے' جب آپ نے ہم کو دیکھا تو فرمایا: یہ ایک نبی کی توبہ ہے' لیکن میں نے دیکھا کہ تم سجدہ کے لیے تیار ہوئے' پھر آپ منبر سے اترے پس آپ نے سجدہ کیا اور ہم نے بھی سجدہ کیا۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث ۱۴۱۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۱۰۹۹' المستدرک ج ۱ ص ۲۸۴' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۴۵۵' سنن دارقطنی رقم الحدیث ۱۵۰۴' جامع المسانید والسنن مسند ابی سعید الخدری رقم ۱۵۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر سورۂ صٓ کی تلاوت کی' پھر انہوں نے منبر سے اتر کر سجدہ کیا اور پھر منبر پر چڑھ گئے۔

(سنن دارقطنی ج ۱ ص ۴۰۶' رقم الحدیث ۱۵۰۲' دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

سائب بن یزید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے منبر پر سورۂ صٓ کی تلاوت کی' پھر منبر سے نیچے اتر کر سجدۂ تلاوت ادا کیا۔ (سنن دارقطنی ج ۱ ص ۴۰۷' رقم الحدیث ۱۵۰۳)

ان احادیث اور آثار میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے خطبہ منقطع کر کے سورۂ صٓ کا سجدہ کیا اور یہ اس سجدۂ تلاوت کے وجوب کی دلیل ہے۔

نماز اور خارج از نماز رکوع سے سجدہ تلاوت کا ادا ہونا

صٓ: ۲۴ میں ہے: "اور داؤد رکوع کرتے ہوئے گر گئے"۔ اس آیت میں سجدہ کو رکوع سے تعبیر فرمایا ہے' اس سے فقہاء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ رکوع کرنے سے بھی سجدۂ تلاوت ادا ہو جاتا ہے۔

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں رکوع کرنا سجدۂ تلاوت کے قائم مقام ہو جاتا ہے جب کہ نیت کی جائے"۔

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں مجازاً سجدہ پر رکوع کا اطلاق کیا گیا' کیونکہ رکوع کا معنیٰ ہے جھکنا اور جھکنا سجدہ کا سبب ہے' یا یہ مجاز بالاستعارہ ہے کیونکہ سجدہ میں خضوع اور خشوع ہوتا ہے اور جھکنا بھی خضوع اور خشوع کے مشابہ ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ سجدۂ تلاوت میں رکوع سجدہ کے قائم مقام ہے اور فتاویٰ بزازیہ میں لکھا ہوا ہے کہ اس میں نماز اور غیر نماز میں کوئی فرق نہیں ہے یعنی نماز میں آیت سجدہ پڑھی ہو یا غیر نماز میں'

قاصد سے کہا کہ تو یوآب سے یوں کہنا کہ تجھے اس بات سے ناخوشی نہ ہو اس لیے کہ تلوار جیسا ایک کو اڑاتی ہے ویسا ہی دوسرے کو۔ سو تو شہر سے اور سخت جنگ کر کے اسے ڈھا دے اور تو اسے دم دلاسا دیناO

جب اوریاہ کی بیوی نے سنا کہ اس کا شوہر اوریاہ مر گیا تو وہ اپنے شوہر کے لیے ماتم کرنے لگیO اور جب سوگ کے دن گزر گئے تو داؤد نے اسے بلوا کر اس کو اپنے محل میں رکھ لیا اور وہ اس کی بیوی ہو گئی اور اس سے اس کا ایک لڑکا ہوا' پر اس کام سے جسے داؤد نے کیا تھا خداوند ناراض ہواO

باب ۱۲: اور خداوند نے ناتن کو داؤد کے پاس بھیجا۔ اس نے اس کے پاس آ کر اس سے کہا: کسی شہر میں دو شخص تھے۔ ایک امیر دوسرا غریبO اس امیر کے پاس بہت سے ریوڑ اور گلے تھےO پر اس غریب کے پاس بھیڑ کی ایک پٹھیا کے سوا کچھ نہ تھا جسے اس نے خرید کر پالا تھا اور وہ اس کے اور اس کے بال بچوں کے ساتھ بڑھی تھی۔ وہ اسی کے نوالہ میں سے کھاتی اور اس کے پیالہ سے پیتی اور اس کی گود میں سوتی تھی اور اس کے لیے بطور بیٹی کے تھیO اور اس امیر کے ہاں کوئی مسافر آیا۔ سو اس نے اس مسافر کے لیے جو اس کے ہاں آیا تھا پکانے کو اپنے ریوڑ اور گلہ میں سے کچھ نہ لیا بلکہ اس غریب کی بھیڑ لے لی اور اس شخص کے لیے جو اس کے ہاں آیا تھا پکائیO تب داؤد کا غضب اس شخص پر بشدت بھڑکا اور اس نے ناتن سے کہا کہ خداوند کی حیات کی قسم کہ وہ شخص جس نے یہ کام کیا واجب القتل ہےO سو اس شخص کو اس بھیڑ کا چوگنا بھرنا پڑے گا کیونکہ اس نے ایسا کام کیا اور اسے ترس نہ آیاO

تب ناتن نے داؤد سے کہا کہ وہ شخص تو ہی ہے۔ خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ میں نے تجھے مسح کر کے اسرائیل کا بادشاہ بنایا اور میں نے تجھے ساؤل کے ہاتھ سے چھڑایاO اور میں نے تیرے آقا کا گھر تجھے دیا اور تیرے آقا کی بیویاں تیری گود میں کر دیں اور اسرائیل اور یہوداہ کا گھرانا تجھ کو دیا اور اگر یہ سب کچھ تھوڑا تھا تو میں تجھ کو اور اور چیزیں بھی دیتاO سو تو نے کیوں خداوند کی بات کی تحقیر کر کے اس کے حضور بدی کی؟ تو نے حتی اوریاہ کو تلوار سے مارا اور اس کی بیوی لے لی تا کہ وہ تیری بیوی بنے اور اس کو بنی عمون کی تلوار سے قتل کروایاO سو اب تیرے گھر سے تلوار کبھی الگ نہ ہو گی کیونکہ تو نے مجھے حقیر جانا اور حتی اوریاہ کی بیوی لے لی تا کہ وہ تیری بیوی ہوO سو خداوند یوں فرماتا ہے کہ دیکھ میں شر کو تیرے ہی گھر سے تیرے خلاف اٹھاؤں گا اور میں تیری بیویوں کو لے کر تیری آنکھوں کے سامنے تیرے ہمسایہ کو دوں گا اور وہ دن دہاڑے تیری بیویوں سے صحبت کرے گاO کیونکہ تو نے تو چھپ کر یہ کیا' پر میں سارے اسرائیل کے روبرو دن دہاڑے یہ کروں گاO تب داؤد نے ناتن سے کہا: میں نے خداوند کا گناہ کیا۔ ناتن نے داؤد سے کہا کہ خداوند نے بھی تیرا گناہ بخشا' تو مرے گا نہیںO تو بھی چونکہ تو نے اس کام سے خداوند کے دشمنوں کو کفر بکنے کا بڑا موقع دیا ہے اس لیے وہ لڑکا بھی جو تجھ سے پیدا ہو گا مر جائے گاO پھر ناتن اپنے گھر چلا گیا اور خداوند نے اس لڑکے کو جو اوریاہ کی بیوی کے داؤد سے پیدا ہوا تھا مارا اور وہ بہت بیمار ہو گیاO اس لیے داؤد نے اس لڑکے کی خاطر خدا سے منت کی اور داؤد نے روزہ رکھا اور اندر جا کر ساری رات زمین پر پڑا رہاO اور اس کے گھرانے کے بزرگ اٹھ کر اس کے پاس آئے کہ اسے زمین پر سے اٹھائیں پر وہ نہ اٹھا اور نہ اس نے ان کے ساتھ کھانا کھایاO اور ساتویں دن وہ لڑکا مر گیا اور داؤد کے ملازم اسے ڈر کے مارے یہ نہ بتا سکے کہ لڑکا مر گیا کیونکہ انہوں نے کہا کہ جب وہ لڑکا ہنوز زندہ تھا اور ہم نے اس سے گفتگو کی تو اس نے ہماری بات نہ مانی' پس اگر ہم اسے بتائیں کہ لڑکا مر گیا تو وہ بہت ہی کڑھے گاO پر جب داؤد نے اپنے ملازموں کو آپس میں پھسپھساتے دیکھا تو داؤد سمجھ گیا کہ لڑکا مر گیا۔ سو داؤد نے اپنے ملازموں سے پوچھا: کیا لڑکا مر گیا؟ انہوں نے جواب دیا: مر گیاO تب داؤد زمین پر سے اٹھا اور غسل کر کے اس نے تیل لگایا اور پوشاک

ہے اور بعض قدیم مفسرین کی عبارات میں بھی ہے اور بعض محتاط مفسرین کی عبارات میں بھی اور بعض محققین کی عبارات میں بھی ہے ہم ترتیب وار ان سب کی عبارات پیش کریں گے' پہلے ہم تورات کی عبارت پیش کر رہے ہیں:

''باب ۱۱: اور ایسا ہوا کہ دوسرے سال جس وقت بادشاہ جنگ کے لیے نکلتے ہیں داؤد نے یوآب اور اس کے ساتھ اپنے خادموں اور سب اسرائیلیوں کو بھیجا اور انہوں نے بنی عمون کو قتل کیا اور ربّہ کو جا گھیرا پر داؤد یروشلیم ہی میں رہا O

اور شام کے وقت داؤد اپنے پلنگ پر سے اٹھ کر بادشاہی محل کی چھت پر ٹہلنے لگا اور چھت پر سے اس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہا رہی تھی اور وہ عورت نہایت خوبصورت تھی O تب داؤد نے لوگ بھیج کر اس عورت کا حال دریافت کیا اور کسی نے کہا: کیا وہ الِعام کی بیٹی بت سبع نہیں جو حتی اوریاہ کی بیوی ہے؟ O اور داؤد نے لوگ بھیج کر اسے بلا لیا۔ وہ اس کے پاس آئی اور اس نے اُس سے صحبت کی (کیونکہ وہ اپنی ناپاکی سے پاک ہو چکی تھی)۔ پھر وہ اپنے گھر کو چلی گئی O اور وہ عورت حاملہ ہوگئی سو اس نے داؤد کے پاس خبر بھیجی کہ میں حاملہ ہوں O اور داؤد نے یوآب کو کہلا بھیجا کہ حتی اوریاہ کو میرے پاس بھیج دے۔ سو یوآب نے اوریاہ کو داؤد کے پاس بھیج دیا O اور جب اوریاہ آیا تو داؤد نے پوچھا کہ یوآب کیسا ہے اور لوگوں کا کیا حال ہے اور جنگ کیسی ہو رہی ہے؟ O پھر داؤد نے اوریاہ سے کہا کہ اپنے گھر جا اور اپنے پاؤں دھو اور اوریاہ بادشاہ کے محل سے نکلا اور بادشاہ کی طرف سے اس کے پیچھے پیچھے ایک خوان بھیجا گیا O پر اوریاہ بادشاہ کے گھر کے آستانہ پر اپنے مالک کے اور سب خادموں کے ساتھ سویا اور اپنے گھر نہ گیا O اور جب انہوں نے داؤد کو یہ بتایا کہ اوریاہ اپنے گھر نہیں گیا تو داؤد نے اوریاہ سے کہا: کیا تو سفر سے نہیں آیا؟ پس تو اپنے گھر کیوں نہ گیا؟ O اوریاہ نے داؤد سے کہا کہ صندوق اور اسرائیل اور یہوداہ جھونپڑیوں میں رہتے ہیں اور میرا مالک یوآب اور میرے مالک کے خادم کھلے میدان میں ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں تو کیا میں اپنے گھر جاؤں اور کھاؤں پیوں اور اپنی بیوی کے ساتھ سوؤں؟ تیری حیات اور تیری جان کی قسم! مجھ سے یہ بات نہ ہوگی O پھر داؤد نے اوریاہ سے کہا کہ آج بھی تو یہیں رہ جا۔ کل میں تجھے روانہ کر دوں گا۔ سو اوریاہ اس دن اور دوسرے دن بھی یروشلم میں رہا O اور جب داؤد نے اسے بلایا تو اس نے اس کے حضور کھایا پیا اور اس نے اسے پلا کر متوالا کیا اور شام کو وہ باہر جا کر اپنے مالک کے اور خادموں کے ساتھ اپنے بستر پر سو رہا پر اپنے گھر کو نہ گیا O صبح کو داؤد نے یوآب کے لیے ایک خط لکھا اور اسے اوریاہ کے ہاتھ بھیجا O اور اس نے خط میں یہ لکھا کہ اوریاہ کو گھمسان میں سب سے آگے رکھنا اور تم اس کے پاس سے ہٹ جانا تاکہ وہ مارا جائے اور جان بحق ہو O اور یوں ہوا کہ جب یوآب نے اس شہر کا ملاحظہ کر لیا تو اس نے اوریاہ کو ایسی جگہ رکھا جہاں وہ جانتا تھا کہ بہادر مرد ہیں O اور اس شہر کے لوگ نکلے اور یوآب سے لڑے اور وہاں داؤد کے خادموں میں سے تھوڑے سے لوگ کام آئے اور حتی اوریاہ بھی مر گیا O تب یوآب نے آدمی بھیج کر جنگ کا سب حال داؤد کو بتایا O اور اس نے قاصد کو تاکید کر دی کہ جب تو بادشاہ سے جنگ کا سب حال عرض کر چکے O تب اگر ایسا ہو کہ بادشاہ کو غصہ آ جائے اور وہ تجھ سے کہنے لگے کہ تم لڑنے کو شہر کے ایسے نزدیک کیوں چلے گئے؟ کیا تم نہیں جانتے تھے کہ وہ دیوار پر سے تیر ماریں گے؟ O یُربست کے بیٹے ابیملک کو کس نے مارا؟ کیا ایک عورت نے چکی کا پاٹ دیوار پر سے اس کے اوپر ایسا نہیں پھینکا کہ وہ تیبض میں مر گیا؟ سو تم شہر کی دیوار کے نزدیک کیوں گئے؟ تو پھر تو کہنا کہ تیرا خادم حتی اوریاہ بھی مر گیا ہے O سو وہ قاصد چلا اور آ کر جس کام کے لیے یوآب نے اسے بھیجا تھا وہ سب داؤد کو بتایا O اور اس قاصد نے داؤد سے کہا کہ وہ لوگ ہم پر غالب ہوئے اور نکل کر میدان میں ہمارے پاس آ گئے' پھر ہم ان کو رگیدتے ہوئے پھاٹک کے مدخل تک چلے گئے O تب تیر اندازوں نے دیوار پر سے تیرے خادموں پر تیر چھوڑے۔ سو بادشاہ کے تھوڑے سے خادم بھی مرے اور تیرا خادم حتی اوریاہ بھی مر گیا O تب داؤد نے

جن محتاط مفسرین نے اس اسرائیلی روایت کو مسترد کر دیا

اکثر محتاط مفسرین نے اس روایت کو رد کر دیا اور کہا: یہ روایت انبیاء علیہم السلام کی عصمت کے منافی ہے اور انہوں نے سورۂ صٓ کی ان آیات کا یہ محمل بیان کیا کہ انہوں نے حتی اوریاہ سے یہ کہا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے تا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اس سے نکاح کر لیں اور یہ چیز ان کی شریعت میں معروف اور مروج تھی۔ امام الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس شخص سے یہ کہا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو ان کے لیے چھوڑ دے۔ مفسرین نے کہا ہے کہ یہ ان کی شریعت میں مباح تھا' لیکن اللہ تعالیٰ ان کی اس بات سے راضی نہیں ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جتنی عورتیں ان کے نکاح میں دی تھیں اس کی وجہ سے ان کو اس کی ضرورت نہ تھی۔

(معالم التنزیل ج ۴ ص ۵۹' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حسب ذیل مفسرین نے بھی اس اسرائیلی روایت کو رد کر کے سورۂ صٓ کی ان آیات کا یہی محمل لکھا ہے۔

امام ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ' علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۳۸ھ' علامہ محمد بن عبد اللہ ابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ' علامہ عبد الرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ' امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ' علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد المالکی القرطبی متوفی ۶۶۸ھ' قاضی عبد اللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ' علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف متوفی ۷۵۴ھ' علامہ شہاب الدین احمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ' علامہ محمد بن مصطفیٰ قوجوی متوفی ۹۵۱ھ' علامہ عماد الدین منصور بن الحسن الکازرونی الشافعی المتوفی ۸۶۰ھ' علامہ ابو البرکات احمد بن محمد نسفی متوفی ۷۱۰ھ' علامہ علی بن محمد خازن متوفی ۷۲۵ھ' علامہ نظام الدین حسین بن محمد قمی متوفی ۷۲۸ھ' علامہ ابو الحسن ابراہیم بن عمر البقاعی المتوفی ۸۸۵ھ' علامہ ابو السعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ' علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ' شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ' علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ' شیخ صدیق بن حسن بن علی البخاری المتوفی ۱۳۰۷ھ۔

ان تمام مفسرین نے صٓ: ۲۴-۲۵ کی تفسیر میں اس بات کو ذکر کیا ہے' مفصل حوالہ جات درج ذیل ہیں:

(احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۳۷۹' کشاف ج ۴ ص ۸۳' احکام القرآن لابن العربی ج ۴ ص ۵۴-۵۳' زاد المسیر ج ۷ ص ۱۱۶-۱۱۵' تفسیر البیضاوی مع الخفاجی ج ۸ ص ۱۴۳-۱۴۲' البحر المحیط ج ۹ ص ۱۵۱' شیخ زادہ علی البیضاوی ج ۷ ص ۱۹۴-۱۹۳' الکازرونی علی البیضاوی ج ۵ ص ۴۳-۴۲' مدارک التنزیل علی ہامش الخازن ج ۴ ص ۳۴' لباب التاویل للخازن ج ۴ ص ۳۷-۳۴' غرائب القرآن ورغائب الفرقان ج ۵ ص ۵۹۰' نظم الدرر ج ۶ ص ۳۷۶-۳۷۵' تفسیر ابو السعود ج ۵ ص ۳۵۸-۳۵۷' روح البیان ج ۸ ص ۲۹-۲۸' فتح القدیر ج ۴ ص ۵۶۲' روح المعانی جز ۲۳ ص ۲۷۲' فتح البیان ج ۶ ص ۱۹)

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں حضرت داؤد علیہ السلام کے استغفار کی کوئی وجہ ذکر نہیں کی' البتہ انہوں نے اس اسرائیلی روایت کا بہت سختی کے ساتھ رد کیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۴' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

مفسرین کرام نے حضرت داؤد علیہ السلام کے استغفار کی جو توجیہات اور محامل بیان کیے ہیں اب ہم ان کو اختصار اور تلخیص کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے استغفار کی توجیہات اور محامل

علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۳۸ھ لکھتے ہیں:

بدلی اور خداوند کے گھر میں جا کر سجدہ کیا۔ پھر وہ اپنے گھر آیا اور اس کے حکم دینے پر انہوں نے اس کے آگے روٹی رکھی اور اس نے کھائی O" (سموئیل باب:۱۱ آیت:۲۷۔۲ باب:۱۲ آیت:۲۱۔۱ کتاب مقدس پرانا عہد نامہ ص ۳۰۵۔۳۰۳ بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور ۱۹۹۲ء)

ص ۱: سموئیل باب:۱۲ آیت ایک سے آیت بیس تک یہ کچھ تحریف اور رنگ آمیزی کے ساتھ وہی قصہ ہے جس کو قرآن مجید نے ص:۲۵۔۲۱ میں بیان فرمایا ہے تورات کی اس عبارت میں بھی ناتن سے مراد کوئی انسان ہے فرشتہ نہیں ہے۔

تورات کی ان آیات میں تحریف کر کے حضرت داؤد علیہ السلام پر حتی اور یاہ کو قتل کرانے اور اس کی بیوی سے زنا کرنے کا بہتان تراشا گیا ہے۔ العیاذ باللہ حضرت داؤد علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی ہیں اور ان کا دامن اس فحش کام اور گناہ کبیرہ سے پاک ہے حضرت داؤد علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کے تمام نبی معصوم ہیں ان سے کسی قسم کا گناہ سرزد نہیں ہوتا صغیرہ نہ کبیرہ نہ سہواً نہ عمداً صورتاً نہ حقیقتاً البتہ اجتہادی خطاء سے ان سے بعض خلاف اولیٰ یا مکروہ تنزیہی کام صادر ہو جاتے ہیں اور خلاف اولیٰ اور مکروہ تنزیہی عصمت کے خلاف ہیں نہ گناہ ہیں۔ اور انبیاء علیہم السلام سے ان کا صدور اس لیے ہوتا ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ ان کاموں کا کرنا فی نفسہ جائز ہے مکروہ تحریمی نہیں ہے اور انبیاء علیہم السلام پر چونکہ شریعت کا بیان کرنا فرض ہے اس لیے ان کو ان کاموں پر فرض کا اجر و ثواب ملتا ہے اور یہ کام بہ ظاہر خلاف اولیٰ ہوتے ہیں' حقیقت میں درجہ فرض میں ہوتے ہیں' اسی لیے کہا جاتا ہے: حسنات الابرار سیئات المقربین۔

بعض قدیم مفسرین کا تورات کی محرف روایت کو نقل کر کے اس سے استدلال کرنا

علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے تورات کی اس روایت میں کچھ تخفیف کر کے اس طرح لکھا ہے:

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات حضرت داؤد بیٹھے ہوئے زبور پڑھ رہے تھے کہ روشن دان سے ایک کبوتر اتر آیا' حضرت داؤد اس کو دیکھنے لگے' وہ اڑ کر چلا گیا۔ حضرت داؤد یہ دیکھنے لگے کہ وہ کبوتر کہاں جاتا ہے پھر ایک نظر ایک عورت پر پڑی جو غسل کر رہی تھی' وہ بے حد حسین اور جمیل عورت تھی' جب اس نے دیکھا کہ حضرت داؤد اس کی طرف دیکھ رہے ہیں تو اس نے اپنے سر کے بالوں سے اپنا جسم چھپا لیا' حضرت داؤد کے دل میں مسلسل اس عورت کا خیال آتا رہا اور وہ فتنہ میں مبتلا ہو گئے' انہوں نے اس کے شوہر کو ایک جنگ میں بھیج دیا اور سپہ سالار کو حکم دیا کہ اس کو ایسی جگہ بھیج دینا جہاں یہ مارا جائے' حتیٰ کہ وہ اس جنگ میں مارا گیا۔ (جامع البیان رقم الحدیث ۲۲۹۳۹)

علامہ ابن جریر نے دوسری روایت حسن بصری سے ذکر کی ہے' اس میں مذکور ہے: جب حتی اور یاہ جنگ سے واپس نہیں آیا تو حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کی بیوی کو نکاح کا پیغام دیا اور اس سے نکاح کر لیا اور قتادہ نے کہا: جب وہ مارا گیا تو آپ نے اس کی بیوی سے نکاح کر لیا اور وہی عورت حضرت سلیمان علیہ السلام کی ماں تھی۔ (جامع البیان رقم الحدیث ۲۲۹۳۸)

امام عبدالرحمن بن محمد بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے بھی اپنی سند کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۸۳۴۴۔۱۸۳۴۳' ج ۱۰ص ۳۲۳۹۔۳۲۳۸)

امام ابو اسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی التوفی ۴۲۷ھ' علامہ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی التوفی ۴۵۰ھ' امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری التوفی ۴۶۵ھ اور علامہ جلال الدین السیوطی التوفی ۹۱۱ھ نے اس اسرائیلی روایت کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔

(الکشف والبیان ج ۸ص ۱۸۶۔۱۸۵' النکت والعیون ج ۵ص ۸۶۔۸۵' تفسیر القشیری ج ۳ص ۱۰۲۔۱۰۱' الدر المنثور ج ۷ص ۱۳۹۔۱۳۸)

بھی ہیں تو انہوں نے یہ بہانا کیا کہ وہ آپ کے پاس فیصلہ کرانے آئے ہیں' حضرت داؤد علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ ان کی اصل غرض کیا تھی' آپ نے ان سے انتقام لینے کا ارادہ کیا' پھر انہوں نے یہ گمان کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان اور آزمائش ہے کہ آیا وہ اپنے نفس کی وجہ سے غضب میں آتے ہیں یا نہیں' تب انہوں نے اپنے رب سے استغفار کیا کہ انہوں نے اپنے نفس کے لیے انتقام لینے کا ارادہ کیا تھا' جب کہ ان کے لائق عفو و درگزر تھا جس سے انہوں نے عدول کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو دو آدمی آپ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے آئے تھے آپ نے ان کے لیے اپنے رب سے استغفار کیا اور حضرت داؤد علیہ السلام کے یہی شایانِ شان ہے۔ (روح المعانی جز ۲۳ ص ۲۷۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۳ھ)

موجودہ محرف تورات میں حضرت داؤد علیہ السلام کے کردار کو بہت بدنما بنا کر پیش کیا گیا ہے' مجھے عرصہ سے یہ خواہش تھی کہ میں اس موضوع کی چھان پھٹک کروں اور حضرت داؤد علیہ السلام کی عصمت کے خلاف جو کچھ لکھا گیا ہے اس کے بطلان کو واضح کروں' فالحمد للہ رب العلمین' اللہ تعالیٰ نے میری یہ خواہش پوری کی اور مجھے حضرت داؤد علیہ السلام کے دامن عصمت سے مخالفین کی گرد جھاڑنے کی توفیق' ہمت اور سعادت عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے داؤد! بے شک ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنا دیا ہے' سو آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیجئے اور خواہش کی پیروی نہ کیجئے ورنہ وہ (پیروی) آپ کو اللہ کی راہ سے بہکا دے گی' بے شک جو لوگ اللہ کی راہ سے بہک جاتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے کیونکہ وہ روزِ حساب کو بھول جاتے ہیں O

خلیفہ کا معنیٰ اور اس سے حضرت داؤد علیہ السلام کی عصمت پر استدلال

خلیفہ کا لغوی معنیٰ ہے جانشین' نائب' قائم مقام۔ علامہ راغب اصفہانی اس کا عرفی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

خلافت کا معنیٰ ہے دوسرے شخص کی نیابت کرنا' یا اس وجہ سے کہ اصل شخص کہیں چلا گیا تو یہ غیر موجودگی میں اس کا نائب ہے اور یا اس وجہ سے کہ اصل شخص فوت ہو گیا ہے اور اب یہ اس کے قائم مقام ہے اور یا اس وجہ سے کہ اصل شخص اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے سے عاجز ہے تو یہ اس کی ذمہ داریوں کو پورا کر رہا ہے اور یا اس وجہ سے کہ جس کو خلیفہ بنایا گیا ہے اس کو ان لوگوں پر عزت' فضیلت اور شرف عطا کرتا ہے جن پر اس کو خلیفہ بنایا گیا ہے' اللہ تعالیٰ نے جو انبیاء علیہم السلام کو اور اپنے نیک بندوں کو زمین پر خلیفہ بنایا ہے اس کی یہی چوتھی وجہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ غائب ہونے سے' فوت ہونے سے اور عاجز ہونے سے پاک ہے' سو اللہ تعالیٰ نے جن کو لوگوں کا خلیفہ بنایا ہے وہ ان کو دوسرے لوگوں پر عزت اور شرف عطا فرمانے کے لیے ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ. (فاطر: ۳۹) وہی ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا۔

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ. (ص: ۲۶) اے داؤد! بے شک ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنا دیا ہے۔

(المفردات ج ۱ ص ۲۰۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اس آیت میں بھی یہودیوں کی وضع کی ہوئی اس روایت کا رد ہے اور ان لوگوں کا بھی رد ہے جنہوں نے ص: ۲۵۔۲۱ سے یہ سمجھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اوریاہ کی بیوی سے نکاح کرنے کی خاطر اس کو جنگ میں بھیج کر قتل کروا دیا' اگر ان آیات کا یہ مطلب ہوتا تو اس سے متصل آیت میں اللہ تعالیٰ حضرت داؤد کو عزت اور وجاہت عطا فرمانے کا

اس اسرائیلی روایت میں حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف یہ منسوب کیا ہے کہ آپ نے (معاذ اللہ) اوریاہ کو قتل کرایا اور پھر اس کی بیوی سے نکاح کر لیا اور یہ ایسا فعل ہے جس کو عام نیک مسلمان کے متعلق بھی سخت عیب' باعث مذمت اور گناہ کبیرہ قرار دیا جاتا ہے۔ چہ جائیکہ اس فعل کو اللہ تعالیٰ کے ایک عظیم نبی کے ساتھ منسوب کیا جائے۔

سعید بن میتب اور حارث اعور روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص نے حضرت داؤد کے متعلق اس روایت کو بیان کیا میں اس کو ایک سو ساٹھ کوڑے ماروں گا اور انبیاء علیہم السلام پر بہتان لگانے والے کی یہی سزا ہے۔

روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کے سامنے ایک شخص نے کہا: یہ جھوٹی روایت ہے۔ قرآن مجید میں اس قصہ کے متعلق جو بیان کیا گیا ہے اس کے خلاف بیان کرنا جائز نہیں ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے کہا: اس شخص کی بات سننا میرے نزدیک ان تمام چیزوں سے زیادہ قیمتی ہے جن پر آفتاب طلوع ہوتا ہے۔

(الکشاف ج ۴ ص ۸۴۔۸۳ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ عبد الرحمان بن علی بن محمد الجوزی التوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

یہ اسرائیلی روایت سند کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے اور معنی کے اعتبار سے جائز نہیں ہے' کیونکہ انبیاء علیہم السلام ایسے فعل سے منزہ ہیں' حضرت داؤد علیہ السلام پر جس وجہ سے عتاب کیا گیا تھا اس کے چار محمل ہیں:

(۱) حضرت داؤد علیہ السلام نے اوریاہ سے کہا: تم اپنی بیوی کو چھوڑ دو اور اس کو میرے سپرد کر دو۔

(۲) حضرت داؤد علیہ السلام نے اس عورت کو دیکھ کر یہ تمنا کی تھی: کاش! وہ میری بیوی ہوتی' پھر اتفاق سے اس کا خاوند جہاد میں گیا اور ہلاک ہو گیا' اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کی کسی کارروائی کا دخل نہیں تھا۔ جب آپ کو اس کی موت کی خبر پہنچی تو آپ کو اس کی موت پر اتنا افسوس نہیں ہوا جتنا دوسرے سپاہیوں کی موت پر افسوس ہوتا تھا' پھر آپ نے اس کی بیوی سے عقد کر لیا۔

(۳) اس کی بیوی پر آپ کی نظر اتفاقاً پڑی' پھر آپ نے نظر نہیں ہٹائی اور اس کو دیکھتے رہے۔

(۴) اوریاہ نے اس عورت کو نکاح کا پیغام دیا تھا' اس کے علم کے باوجود حضرت داؤد نے اس کو نکاح کا پیغام دیا' اس سے اوریاہ کو رنج ہوا۔ (زاد المسیر ج ۷ ص ۱۱۶۔۱۱۵' مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے اسرائیلی روایت کا رد کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے عتاب کے چار محمل ذکر کیے ہیں' تین محمل وہ ہیں جن کو علامہ ابن جوزی نے نمبر ۱' نمبر ۳ اور نمبر چار میں بیان کیا ہے اور چوتھا محمل یہ بیان کیا ہے کہ اوریاہ کی بیوی کی وجہ سے آپ پر عتاب نہیں ہوا' بلکہ اس وجہ سے آپ پر عتاب ہوا کہ آپ نے ایک فریق کی بات سنے بغیر دوسرے فریق کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۳۸۱۔۳۸۰' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ نے لکھا ہے کہ آنے والے دو آدمیوں کے متعلق آپ نے یہ گمان کیا تھا کہ وہ آپ کو ضرر پہنچانے آئے ہیں' لیکن جب ایسا نہیں ہوا تو آپ نے ان کے متعلق غلط گمان پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا۔

(البحر المحیط ج ۹ ص ۱۵۱' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے لکھا ہے:

جو دو آدمی آئے تھے وہ آپ کو قتل کرنے یا ایذاء پہنچانے آئے تھے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ آپ کے پاس اور لوگ

انبیاء علیہم السلام کا عموماً اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصاً خلیفۃ اللہ ہونا

اب یہ سوال ہے کہ یہ قانون کس کا بنایا ہوا ہو؟ اگر انسان اس قانون کو بنائے گا تو اوّل تو وہ ناقص ہو گا' کامل اور جامع نہیں ہو گا اور زندگی کے تمام شعبوں پر محیط اور حاوی نہیں ہو گا' ثانیاً جو انسان بھی اس قانون کو بنائے گا وہ اس قانون میں اپنی رعایت اور اپنے تحفظ کا دروازہ رکھے گا' اس میں تمام انسانوں کے لیے مساوات اور یکسانیت کے اصول نہیں ہوں گے' اس لیے ضروری ہے کہ اس قانون کی خالق کوئی انسانوں سے ماوراء ذات ہو' جس کے پیش نظر اپنا کوئی ذاتی مفاد نہ ہو اور اس کی نظر انسانیت کے تمام شعبوں پر ہو اور قیامت تک کے بدلتے ہوئے حالات اس کے علم میں ہوں اور ایسے کامل علم والی اور بے غرض ذات صرف ایک ہی ہے اور وہ اللہ عزوجل کی ذات ہے' جو انسان کو پیدا کرنے والا ہے اور اس کی تمام ضروریات کو' انسانیت کے تمام شعبوں کو اور قیامت تک کے بدلتے ہوئے حالات کو جاننے والا ہے' اسی کا بنایا ہوا قانون تمام انسانوں کے لیے یکساں قابل عمل ہے اور قیامت تک کے تمام ادوار کی ضرورتوں اور تقاضوں کا متکفل ہے اور اس قانون کو اللہ تعالیٰ ہر دور میں وحی کے ذریعہ اپنے نبیوں اور رسولوں پر نازل فرماتا رہا ہے۔

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جو نبی اور رسول بھیجے جاتے تھے وہ ایک مخصوص علاقے' مخصوص زمانے اور مخصوص قوم کے رسول ہوتے تھے تو ان پر ان کی عبادات اور معاملات کے لیے جو احکام نازل کیے جاتے تھے وہ احکام بھی ایک مخصوص وقت تک کے لیے ہوتے تھے' ان کی تہذیب و تمدن اور ان کی ثقافت اور ان کے زمانہ کے مخصوص حالات کے تقاضوں کے اعتبار سے وہ احکام نازل کیے جاتے تھے اور وہ احکام وقتی اور عارضی ہوتے تھے اور جب کوئی دوسرا نبی آتا اور حالات بدل جاتے تو وہ سابقہ احکام منسوخ کر کے نئے احکام نازل کر دیئے جاتے اور یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا تا آنکہ ہمارے نبی سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث کیے گئے اور آپ کو رنگ و نسل' علاقہ اور زمانہ کی تمیز اور تخصیص کیے بغیر قیامت تک کے تمام انسانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا تھا' جیسا کہ ارشاد ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا. (سباء: ۲۸)

ہم نے آپ کو (قیامت تک کے) تمام انسانوں کے لیے ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ○ (الفرقان: ۱)

وہ بہت برکت والا ہے جس نے اپنے مکرم بندے پر فیصلہ کرنے والی کتاب نازل کی' تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا ہو ○

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ (الانبیاء: ۱۰۷)

اور ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے صرف رحمت بنا کر بھیجا ہے ○

اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو قیامت تک قائم اور نافذ رہنے والے احکام دے کر بھیجا اور جو احکام تمام انسانوں کے لیے قیامت تک نافذ العمل ہیں ان کا نام اس نے اسلام رکھا اور فرمایا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا. (المائدہ: ۳)

آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تمہارے لیے اپنی نعمت کو مکمل کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کو بہ طور دین پسند کر لیا۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ.

اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو تلاش کرے گا تو

کیوں ذکر فرماتا۔

امام رازی فرماتے ہیں: خلیفہ کا معنی ہے جو زمین میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو نافذ کرتا ہے اگر اس سے متصل پہلی آیتوں کا معنی یہ ہوتا کہ حضرت داؤد نے اوریاہ کی بیوی پر قبضہ کرنے کے لیے اس کو مروا دیا تو اس کے متصل بعد حضرت داؤد علیہ السلام کو خلیفہ بنانے کا کیوں ذکر فرماتا' کیونکہ خلیفہ اس شخص کو کہتے ہیں جو زمین سے فتنہ فساد اور خونریزی کو دور کرے نہ کہ اس شخص کو خلیفہ بنایا جاتا ہے جو اپنی نفسانی خواہش پوری کرنے کے لیے کسی کو ناحق قتل کرائے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۳۹۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

انسانی معاشرہ میں خلیفہ کی ضرورت

اللہ تعالیٰ نے انسان کی جبلت اور طبیعت کو اس طرح بنایا ہے کہ وہ مل جل کر زندگی گزارتا ہے کیونکہ ایک انسان تنہا اپنی تمام ضروریات کا متکفل نہیں ہو سکتا' اس کو زندہ رہنے کے لیے غذا کی ضرورت ہے اور غذا گوشت اور زمین کی پیداوار پر مشتمل ہوتی ہے' زمین کی پیداوار میں گندم' جو' چنا اور چاول ہیں اور گرمیوں اور سردیوں میں پیدا ہونے والی مختلف قسم کی سبزیاں ہیں' اسی طرح متعدد اقسام کے پھل ہیں جو سال کے مختلف موسموں اور ایام میں پیدا ہوتے ہیں' اسی طرح حلال گوشت مختلف جانوروں سے حاصل ہوتا ہے' انسان کو اپنی نشو و نما اور بقا میں مختلف اجناس کی روٹی' چاول' سبزیاں اور پھلوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک انسان تنہا ان تمام ضرورتوں کو پورا نہیں کر سکتا' پھر انسان کو اپنا ستر ڈھانپنے کے لیے لباس کی ضرورت ہوتی ہے جو کہ روئی کو کات کر کپڑا بننے سے حاصل ہوتا ہے اور اب کپڑا نائیلوں سے بھی بنتا ہے جو پٹرولیم سے حاصل ہوتا ہے اور ان کی بھی ان گنت اقسام ہیں اور کھانا پکانے اور روٹی اور پٹرولیم سے کپڑا بنانے کے لیے مشینوں کی ضرورت ہوتی ہے جو لوہے اور مختلف دھاتوں سے حاصل ہوتی ہے' اور یہ انواع و اقسام کی مشینیں اور ان کے کارخانے ہیں' پھر انسان کو سردی' گرمی اور برسات سے محفوظ رہنے کے لیے مکان کی ضرورت ہوتی ہے اور اب مکان سیمنٹ' بجری' پتھر' مٹی' ریت' لوہے اور لکڑی سے بنتے ہیں' ان کو بنانے کے لیے ایک الگ نوع کے کارکنوں کی ضرورت ہوتی ہے اور انسان کو اپنی نوع کے تحفظ اور اپنی نسل کو بڑھانے کے لیے نکاح کی ضرورت ہوتی ہے اور انسان بیمار بھی پڑ جاتا ہے تو اس کے لیے علاج اور معالجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے لیے علم طب کی ضرورت ہوتی ہے اور جن اجناس سے دوائیں بنتی ہیں' ان اجناس کو تلاش کرنا' ان سے دوائیں بنانا اور سرجری کے آلات بنانا ان کے لیے کارخانے بنانے اور چلانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ علم کے حصول اور تحصیل کے لیے کتابیں لکھنے اور چھاپنے کی ضرورت ہے' درس گاہیں بنانے کی ضرورت ہے' پھر جب انسان مر جائے تو اس کو غسل دینے' کفن پہنانے' اس کی نماز جنازہ پڑھنے' اس کی قبر کھودنے اور اس کو دفن کرنے کے لیے ایک الگ نوع کے لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے' غرض یہ کہ ایک انسان تنہا اپنی تمام ضروریات کا متکفل نہیں ہو سکتا' اکیلا زندگی نہیں گزار سکتا' اس کو پیدا ہونے' جینے اور مرنے میں دوسرے انسانوں کی ضرورت ہوتی ہے' اس لیے لامحالہ انسان کو دوسرے انسانوں کے ساتھ مل جل کر زندگی گزارنی ہے۔

پھر ایک انسان اپنی ضرورت کی چیزیں دوسرے انسان سے حاصل کرتا ہے' اگر ان چیزوں کے حصول کے لیے کوئی اصول اور قانون نہ ہو تو ہر زور آور قہر اور جبر کے ذریعہ اپنی ضرورت کی چیزیں دوسرے انسان سے حاصل کرے گا۔ لہٰذا ظلم کا دور دورہ ہو گا' پھر مظلوم کا ہے کو ظالم کے لیے اس کی ضرورت کی چیزیں فراہم کرتا رہے گا اور یوں ظلم اور بربریت کے باوجود ظالم چین سے زندگی بسر کر سکے گا نہ مظلوم' اور ظلم اور جبر کی وجہ سے انسانوں کا معاشرہ عملاً جانوروں کا جتھا بن جائے گا' جس طرح جنگل میں بھیڑیوں کا ریوڑ' بھیڑوں کے گلے پر حملے کر کے زندگی گزارتا ہے۔

میں خواہش کی اتباع کرنے پر عذاب کی وعید سنائی ہے تو تم اس وعید کے زیادہ مستحق ہو اللہ کا نبی تو پہلے ہی خواہش کی اتباع سے بہت دور ہوتا ہے اور اس کے دل میں بے پناہ اللہ کا ڈر اور خوف ہوتا ہے' سو اس آیت میں حضرت داؤد علیہ السلام کو خطاب ہے اور مراد ان کی امت اور بعد کے لوگوں کو تعریض کرنا ہے۔

خلافت علی منہاج النبوت کی تحقیق

عن جابر بن سمرة يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا يزال الاسلام عزيزا الى اثنى عشر خليفة (الى قوله) كلهم من قريش.

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۲۲۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۲۱)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: بارہ خلیفہ پورے ہونے تک اسلام کو غلبہ رہے گا اور فرمایا: وہ سب خلفاء قریش سے ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں تھی' ایک حیثیت سے آپ مہبط وحی الٰہی تھے' اس حیثیت سے آپ احکام الٰہی کی تبلیغ کرتے اور فرائض رسالت بجا لاتے اور دوسری حیثیت سے آپ مسلمانوں کے امیر' قائد اور رہنما تھے' اس حیثیت سے آپ اسلامی ریاست کے خارجی اور داخلی اُمور کی تدبیر فرماتے' تبلیغ اسلام کے لیے جہاد فرماتے' مختلف ملکوں کے بادشاہوں کے نام خطوط لکھواتے اور اندرونِ ملک احکام الٰہیہ کو عملی طور پر نافذ فرماتے' آپ کے وصال کے بعد آپ کی پہلی حیثیت کا سلسلہ بطور نبوت تو منقطع ہو گیا لیکن آپ کی دوسری حیثیت خلفاء کے روپ میں قائم و دائم رہی اور آپ کی اسی حیثیت کی جانشینی کا نام خلافت ہے۔

آیت استخلاف کی تحقیق

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۔ (النور: ۵۵)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان میں سے بعض کے ساتھ اللہ کا یہ وعدہ ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین میں خلافت عطا فرمائے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلافت عطا کی تھی اور اللہ تعالیٰ ان کے اس دین کو بھی غالب کرے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پسند کر لیا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے خوف کو ضرور امن اور چین سے بدل دے گا۔

خلافت کے موضوع پر اس آیت کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ اس لیے ہم خلافت کی تحقیق میں اس آیت کی تشریح کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں پر یہ بات تحقیق طلب ہے کہ آیا اللہ تعالیٰ نے ہر ہر مسلمان سے خلافت عطا کرنے کا وعدہ کیا ہے یا بعض مسلمانوں سے؟ ہر ہر مسلمان سے اس وعدہ کا ہونا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ واقع میں ہر ہر مسلمان کو روئے زمین کا خلیفہ نہیں بنایا گیا۔ مثلاً جس طرح حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کو خلیفہ بنایا گیا یا جس طرح فرعون کے بعد بنی اسرائیل کو زمین پر غلبہ دیا گیا اس طرح ہر مسلمان کو زمین کا خلیفہ نہیں بنایا گیا بایں طور کہ امت مسلمہ کا ہر فرد زمین پر خلیفہ اور صاحبِ اقتدار ہو ثانیاً یہ عقلاً بھی باطل ہے کیونکہ جب ہر شخص خلیفہ' صاحبِ اقتدار اور حاکم ہو تو پھر محکوم کون ہو گا؟ بلکہ اس سے ہر شخص کا حاکم اور محکوم ہونا لازم آئے گا اور یہ بداہۃً باطل ہے' اگر یہ کہا جائے کہ اس آیت میں خلافت سے اقتدار مُراد نہیں ہے بلکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقتوں سے تصرف کرنا مراد ہے تو اس معنٰی میں مسلمانوں اور نیکوکاروں کی کوئی تخصیص نہیں ہے کیونکہ

(آل عمران: ۸۵) اس سے ہرگز اس دین کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

اس لیے اب قیامت تک صرف اسلام کے احکام ہی قابل عمل ہیں اور وہی صحیح حاکم ہوگا جو اسلام کے احکام نافذ کرے گا۔
اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بھی زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے اور نیک مسلمانوں کو بھی زمین میں خلیفہ بنایا ہے انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرمایا:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ (البقرہ: ۳۰)

اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا بے شک میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔

یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ (صٓ: ۲۶)

اے داؤد! بے شک ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنا دیا۔

اور نیک مسلمانوں کو زمین میں خلیفہ بنانے کے متعلق فرمایا:

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ (الانعام: ۱۶۵)

اور وہی ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنا دیا۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (النور: ۵۵)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اعمال صالحہ کیے ان سے اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ان کو ضرور اسی طرح زمین میں خلیفہ بنا دے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنا دیا تھا۔

اصالۃً تو خلیفۃ اللہ انبیاء علیہم السلام ہی ہوتے ہیں اور نیک مسلمانوں کو انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے خلیفۃ اللہ قرار دیا جاتا ہے۔

خلیفہ کا خواہش کی اتباع کرنا کیوں عذاب شدید کا موجب ہے؟

ہم اس سے پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ انسان' دوسرے انسانوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور جب بہت سے لوگ ایک جگہ مل جل کر رہتے ہیں تو ان کے درمیان اختلافات اور تنازعات بھی پیدا ہوتے ہیں' اس وقت کسی ایسے صاحب اقتدار انسان کا ہونا ضروری ہے جو ان کے تنازعات کے درمیان فیصلہ کرے اور یہ ضروری ہے کہ وہ انسان اللہ کے احکام کے مطابق فیصلہ کرے اور اپنے فیصلہ میں اپنی خواہش کی پیروی نہ کرے' کیونکہ ہو سکتا ہے کہ جو دو فریق اس کے پاس مقدمہ لے کر آئے ہوں ان میں سے ایک اس حاکم کا عزیز یا رشتہ دار ہو' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''سو آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیجئے اور خواہش کی پیروی نہ کیجئے ورنہ وہ (پیروی) آپ کو اللہ کی راہ سے بہکا دے گی' بے شک جو لوگ اللہ کی راہ سے بہک جاتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے' کیونکہ وہ روزِ حساب کو بھول جاتے ہیں O'' (صٓ: ۲۶)

خواہش کی اتباع کرنا انسان کو لذات جسمانیہ میں منہمک رکھتا ہے اور پھر وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے احکام کی اطاعت کرنے سے غافل ہو جاتا ہے اور وہ نفس کے مرغوبات کو حاصل کرنے میں معصیت کی دلدل میں ڈوبنے لگتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ یوم حساب کو بھول جاتا ہے اور ان میں سے ہر ایک امر آخرت کے عذاب شدید کا موجب ہے۔ اس آیت میں ہر چند کہ حضرت داؤد علیہ السلام سے خطاب کیا گیا اور ان کو خواہش کی اتباع کرنے پر آخرت کے عذاب کی وعید سنائی ہے' لیکن اس خطاب میں ان کی امت اور بعد کے مسلمانوں کو اس پر متنبہ کرنا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بھی مقدمات کے فیصلے

هي الرياسة العامة في التصدي لاقامة الدين باحياء العلوم الدينية واقامة اركان الاسلام والقيام بالجهاد وما يتعلق به من ترتيب الجيوش والفرض للمقاتلة واعطائهم من الفئ والقيام بالقضاء واقامة الحدود ورفع المظالم والامر بالمعروف والنهي عن المنكر نيابة عن النبي صلى الله عليه وسلم.

علوم دینیہ کی ترویج اور اشاعت سے دین کو قائم کرنے' ارکان اسلام کو قائم کرنے' جہاد اور اس کے متعلق امور یعنی لشکروں کو ترتیب دینے' مجاہدین کے حصے مقرر کرنے اور مال غنیمت سے ان کو حصے دینے' قاضیوں کے تقرر کرنے' ظالموں کو سزا دینے اور حدود قائم کرنے' نیکی کا حکم دینے اور بُرائی سے روکنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت سے روئے زمین کے تمام مسلمانوں کی امارت عامہ کو خلافت کہتے ہیں۔

(ازالۃ الخفاء ج ا ص ۲' مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۳۹۶ھ)

پھر ریاست عامہ کی تفصیل کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن اور سنت کی تعلیم دیتے تھے اور وعظ و نصیحت کرتے تھے' جمعہ' عید اور پانچوں نمازوں کی جماعت کراتے تھے' ہر محلہ میں نماز کا امام مقرر کرتے تھے' مال داروں سے زکوٰۃ وصول کر کے مستحقین پر خرچ کرتے تھے' ہلال رمضان اور ہلال عید کی شہادت قبول کرتے اور اس کے مطابق رمضان اور عید کا اعلان فرماتے تھے' حج کو قائم کرتے' نو ہجری میں حضرت ابو بکر کو حج کا امیر بنا کر بھیجا اور مسلمانوں کے حج کا انتظام فرمایا' جہاد کا اہتمام فرماتے اور لشکر تیار کرتے' اس کا امیر مقرر فرماتے۔ لوگوں کے مقدمات میں فیصلہ فرماتے' اسلامی شہروں میں قاضی مقرر کر کے بھیجتے' حدود قائم فرماتے' نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے۔ اور جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رفیقِ اعلیٰ سے واصل ہو گئے تب بھی دین کو اسی تفصیل کے ساتھ قائم کرنا واجب ہے اور دین کو اس تفصیل کے ساتھ قائم کرنا اس پر موقوف ہے کہ ایک ایسے شخص کو مقرر کیا جائے جو ان احکام کو نافذ کرنے کا اہتمام کرے اور اپنے نائبین کو دیگر شہروں میں بھیجے اور ان کی کارگزاری سے باخبر رہے اور وہ نائبین اس کے احکام سے تجاوز نہ کریں اور اس کی ہدایات کے مطابق کام کریں اور ایسا شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ اور آپ کا نائب مطلق ہو گا اور ہم نے جو خلافت کی تعریف میں کہا ہے کہ خلیفہ کو اقامت دین کے لیے ریاست عامہ حاصل ہو اس سے ہماری یہی مراد ہے۔ نیز ہم نے خلافت کی تعریف میں جو یہ کہا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہو کر ریاست عامہ کا حامل ہو اس قید سے ہم نے نبوت سے احتراز کیا ہے' کیونکہ انبیاء علیہم السلام استقلالاً ریاست عامہ کے حامل ہوتے ہیں نیابۃً نہیں ہوتے۔ ہر چند کہ قرآن مجید میں حضرت داؤد علیہ السلام کو خلیفہ فرمایا ہے لیکن اس سے خلافتِ الٰہیہ مراد ہے کیونکہ اللہ کا خلیفہ نبی ہوتا ہے اور ہماری بحث خلافت نبوت میں ہے' اسی لیے حضرت ابو بکر فرماتے تھے: مجھے اللہ کا خلیفہ نہ کہو' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوں۔ (ازالۃ الخفاء ج ا ص ۳۔۲' مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۳۹۶ھ)

علامہ میر سید شریف جرجانی اور شاہ ولی اللہ دہلوی نے جو خلافت کی تعریف کی ہے وہ امامت کبریٰ اور ریاست عامہ ہے جس میں امام اور خلیفہ روئے زمین کے تمام مسلمانوں کا فرمانروا اور تمام ممالک اسلامیہ کا امیر ہوتا ہے اور تمام امت مسلمہ پر اس کی اتباع واجب ہوتی ہے' خیال رہے کہ ممالک اسلامیہ میں سے ہر ملک کا سربراہ خلیفہ نہیں ہوتا اور نہ وہ امامت کبریٰ اور ریاست عامہ کا حامل ہوتا ہے جیسا کہ ہم عنقریب ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

خلافت کی شرائط

علامہ ابوالحسن علی ماوردی متوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

اس معنی میں تمام اولاد آدم اللہ کی خلیفہ ہے۔ ثالثاً اس آیت میں "من" تبعیضیہ ہے کیونکہ من ابتدائیہ بیانیہ یا زائدہ یہاں متصور نہیں ہے اور یہ اس بات کی واضح نص ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ بعض صالح مومنوں سے فرمایا ہے نہ کہ سب مسلمانوں سے اور اس آیت کے بلا واسطہ مخاطب حضرات صحابہ کرام تھے اور جس وقت سورۂ نور نازل ہوئی اس وقت مسلمانوں پر حالت خوف طاری تھی' کیونکہ اس وقت تک سرزمین حجاز میں اسلام کی جڑیں مضبوط نہیں ہوئی تھیں' اس کے کچھ عرصہ بعد یہ وعدہ پورا ہوا جب نہ صرف یہ کہ اسلام سرزمین حجاز میں پھیلا بلکہ خطہ عرب سے لے کر براعظم افریقہ' براعظم ایشیا اور براعظم یورپ میں اندلس تک اذانیں گونجنے لگیں اور اسلام کا یہ عظیم الشان غلبہ حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے دور خلافت میں حاصل ہوا۔ اس لیے آیت استخلاف کے اولین مصداق خلفاء ثلاثہ ہیں کیونکہ انہیں کے دور میں اسلام کو فتوحات حاصل ہوئیں' حضرت علی کا دور خلافت مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال میں گزرا اور ان کے دور میں اسلام کو فتوحات کے ذریعہ غلبہ حاصل نہیں ہو سکا۔

اگر "من" تبعیضیہ سے صرف نظر کر لی جائے اور یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام امت مسلمہ کو خلافت عطا کرنے کا وعدہ کیا ہے تو یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ امت مسلمہ کا ہر فرد اقتدار اعلیٰ کا حامل نہیں ہو سکتا' اس لیے اب یہ معنی مراد ہوگا کہ ہر مومن اپنی جگہ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے اور خلیفہ ہونے کی حیثیت سے ہر شخص فرداً فرداً اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور ہر شخص سے اس کی رعایا کے بارے میں پرسش ہوگی' مرد اپنے اہل خانہ کا حاکم ہے اور اس سے اس کی رعایا کے متعلق پرسش ہوگی اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کے بچوں کی حاکم ہے اور اس سے ان کے بارے میں پرسش ہوگی اور نوکر اپنے مالک کے مال میں حاکم ہے اور اس سے اس کے بارے میں پرسش ہوگی' سنو! تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور ہر شخص سے اس کی رعایا کے متعلق پوچھ گچھ ہوگی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۵۴' صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۸۲۹' سنن ترمذی رقم الحدیث ۱۷۰۵) اس معنی کے لحاظ سے اس آیت سے یہ بات نکلتی ہے کہ اسلامی حکومت میں تمام مسلمان اقتدار میں شریک ہوتے ہیں اور مسلمانوں کا امیر صرف انتظامی سربراہ ہوتا ہے' ریاست کا یا مسلمانوں کا مالک نہیں ہوتا اور یہ کہ ریاست کا ہر باشندہ خلافت اور حکومت میں برابر کا شریک ہوتا ہے' ریاست میں نسلی یا طبقاتی امتیازات کا کوئی تصور نہیں ہوتا' اس لیے ریاست کے تمام باشندے ایک دوسرے کے مساوی ہوں گے اور جس شخص میں ترقی کی جس قدر صلاحیت اور قابلیت ہوگی وہ اس قدر آگے بڑھ سکے گا۔

خلافت کی تعریف

علامہ میر سید شریف لکھتے ہیں:

قال قوم من اصحابنا الامامة رياسة عامة في امور الدين والدنيا ونقض هذا التعريف بالنبوة والاولى ان يقال هي خلافة الرسول في اقامة الدين وحفظ حوزة الملة بحيث اتباعه على كافة الامة.

(شرح مواقف ص ۷۲۹' مطبع منشی نولکشور لکھنؤ)

ہمارے بعض علماء نے امامت کی یہ تعریف کی ہے کہ دین اور دنیا کی ریاست کو امامت کہتے ہیں' لیکن یہ تعریف نبوت پر بھی صادق آتی ہے' اس لیے اولیٰ یہ ہے کہ دین کے قائم کرنے اور ملت بیضاء کی حفاظت کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کو امامت کہتے ہیں' اس حیثیت سے کہ تمام امت مسلمہ پر اس کی اتباع واجب ہو۔

شاہ ولی اللہ دہلوی خلافت عامہ کی تعریف میں لکھتے ہیں:

کر کے اس کی بیعت کرلیں جو شرائط خلافت کے مطابق ہو' اس کے لیے ان لوگوں کا بیعت کرنا ضروری ہے جو اس وقت میسر ہوں اور تمام ممالک اسلامیہ کے ارباب حل وعقد کا بیعت کرنا ضروری نہیں ہے' کیونکہ یہ عادۃً محال ہے اور ایک دو آدمیوں کا بیعت کرنا کافی نہیں ہے' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس طریقہ سے بیعت کی گئی تھی۔

(۲) خلیفۂ وقت کسی ایسے شخص کو خلیفہ مقرر کردے جو شرائط خلافت کے مطابق ہو اور لوگوں کو جمع کر کے اس کو خلیفہ بنانے کی تصریح کردے اور لوگوں کو اس کی اتباع کی وصیت کردے اور قوم پر اس شخص کو خلیفہ بنانا لازم ہے' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت اسی طریقہ سے ثابت ہے۔

(۳) تیسرا طریقہ شوریٰ کا ہے یعنی خلیفہ چند اہل لوگوں کی ایک جماعت کو منتخب کرے اور یہ کہے کہ اس جماعت میں سے جس فرد کو بھی منتخب کرلیا جائے وہ خلیفہ ہوگا۔ یعنی خلیفۂ وقت کی موت کے بعد لوگ مشورہ کریں اور کسی ایک کو خلافت کے لیے معین کریں' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب اسی طرح ہوا تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انتخاب خلافت کے لیے چھ افراد کا اعلان کردیا تھا اور ان چھ افراد نے یہ معاملہ حضرت عبد الرحمان بن عوف کے سپرد کردیا تھا اور انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو منتخب کرلیا۔

(۴) چوتھا طریقہ غلبہ کا ہے یعنی ایک شخص بغیر بیعت کے اور بغیر کسی کے خلیفہ بنانے کے از خود خلافت پر قابض ہو جائے اور تمام لوگوں کو تالیفِ قلوب یا جبر اور طاقت کے ذریعے اپنا تابع کرلے' اس طرح بھی خلافت منعقد ہو جاتی ہے اور لوگوں پر اس کے احکام کی اطاعت لازم ہوتی ہے' بشرطیکہ وہ احکام خلاف شرع نہ ہوں اور اس کی (یعنی متغلب کی) پھر دو قسمیں ہیں:

(ا) متغلب ایسا شخص ہو جو شرائط خلافت کے مطابق ہو اور وہ صلح اور حسن تدبیر سے اپنے مخالفین کو تابع کرے اور اس کے لیے کسی امر حرام کا ارتکاب نہ کرے' خلافت کی یہ قسم جائز ہے اور اس میں رخصت ہے۔ حضرت علی کی شہادت اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے صلح کے بعد حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی خلافت اسی قسم کی تھی۔

(ب) متغلب شرائط خلافت کے مطابق نہ ہو اور محرمات کا ارتکاب کر کے اور بزور جنگ لوگوں کو تابع کرے۔ خلافت کی یہ قسم جائز نہیں ہے اور اس کا مرتکب گنہگار ہے' لیکن اگر اس کے احکام شریعت کے مطابق ہوں تو ان کو قبول کرنا واجب ہے اور اگر مال دار لوگ اس کے کارندوں کو زکوٰۃ دیں تو ان سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی اور اس کے مقرر کردہ قاضیوں کے فیصلے نافذ ہوں گے اور اس کی معیت میں جہاد کرنا جائز ہوگا' اس خلافت کو منعقد قرار دینا ضرورت کی بناء پر ہے' کیونکہ اس کے معزول کرنے کو اگر ضروری قرار دیا جائے تو اس سے قتل وغارت اور خونریزی ہوگی اور اس کی کیا ضمانت ہے کہ بسیار قتل وغارت کے بعد اگر اس کو معزول کر بھی دیا جائے تو دوسرا متغلب شرائط خلافت کا اہل ہوگا' بلکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دوسرا متغلب پہلے متغلب سے زیادہ برا ہو' اس لیے اس کو معزول کرنے میں فتنہ اور فساد یقینی ہے اور خیر اور اصلاح کا حصول موہوم ہے' عبد الملک بن مروان اور خلفاء عباسیہ میں سے اوائل کی خلافت اسی قسم کی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یا چند اشخاص کی جماعت اپنے زمانہ میں خلافت کی شرائط کے حامل ہوں یا ایک شخص سب سے افضل ہو تب بھی اس کی خلافت اس وقت تک منعقد نہیں ہوگی جب تک اس کی بیعت نہ کرلی جائے یا وہ غلبہ سے حکومت حاصل نہ کرلے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیقِ اعلیٰ کی طرف منتقل ہونے کے بعد صحابہ کرام نے حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی اور فقط ان کے افضل ہونے پر اکتفاء نہیں کی۔ اہل علم نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ حضرت علی کی

امامت کی اہلیت کے لیے سات شرطیں معتبر ہیں:

(۱) عدالت اپنی جامع شرائط کے ساتھ موجود ہو (یعنی وہ شخص مسلمان ہو اور فرائض اور واجبات پر دائما عمل کرتا ہو سنن اور مستحبات پر بکثرت عمل کرتا ہو اور محرمات اور مکروہات تحریمیہ سے دائما اجتناب کرتا ہو اور مکروہات تنزیہیہ سے بکثرت بچتا ہو۔ سعیدی غفرلہ)۔

(۲) اس کو اس قدر علم حاصل ہو جس سے وہ پیش آمدہ مسائل کو حل کرنے کے لیے اجتہاد کر سکتا ہو۔

(۳) اس کے حواس سلامت ہوں یعنی سماعت بصارت اور گویائی پوری طرح کام کرتی ہو۔

(۴) اس کے اعضاء صحیح اور سلامت ہوں تاکہ وہ بخوبی کام کر سکے۔

(۵) وہ صاحب رائے ہو جس سے وہ ملک کے داخلی اور خارجی مسائل کی پیچیدہ گتھیوں کو سلجھا سکے۔

(۶) وہ شجاع اور بہادر ہو تاکہ ملت بیضاء کی حفاظت اور دشمنوں سے جہاد میں دلیری سے حصہ لے سکے۔

(۷) وہ شخص نسباً قریشی ہو کیونکہ بکثرت احادیث میں اس کی تصریح ہے اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے۔

([illegible] مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر ۱۳۹۳ھ)

علامہ تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ نے ان شرطوں کے علاوہ چند مزید شرطیں بھی بیان کی ہیں اور وہ یہ ہیں:

(۱) وہ شخص آزاد ہو کیونکہ غلام اپنے مولیٰ کی خدمت میں مشغول رہتا ہے اور لوگوں کی نگاہوں میں حقیر ہوتا ہے۔

(۲) وہ شخص مرد ہو کیونکہ (حدیث صحیح کے مطابق) عورتیں ناقصات عقل اور ناقصات دین ہیں۔

(۳) وہ شخص عاقل اور بالغ ہو کیونکہ بچہ اور مجنون ملک اور عوام کی مصلحتوں کو سمجھنے اور ان میں تصرف کرنے سے قاصر ہے۔

(۴) خلیفہ کے لیے معصوم ہونا شرط نہیں ہے کیونکہ خلفاء راشدین معصوم نہیں تھے۔

(۵) خلیفہ کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے تمام لوگوں سے افضل ہو کیونکہ حضرت عمر نے انتخاب خلیفہ کے لیے چھ شخص مقرر کیے تھے اور ان میں بعض بعض سے افضل تھے۔

علامہ تفتازانی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ خلیفہ فسق و فجور کے ارتکاب سے معزول ہونے کا مستحق نہیں ہوتا کیونکہ خلفاء راشدین کے بعد ائمہ (خلفاء) اور حکام سے ظلم اور فسق ظاہر ہوا اور صحابہ اور اخیار تابعین ان کی اطاعت کرتے تھے اور ان کی اجازت سے جمعہ اور عید کی نمازوں کو قائم کرتے تھے اور ان کے خلاف خروج (بغاوت) کرنے کو ناجائز کہتے تھے۔

(شرح عقائد ص ۱۱۰-۱۰۹ مکتبہ رحیمیہ دیوبند)

واضح رہے کہ یہ امام اور خلیفہ کی شرائط ہیں جو تمام ممالک اسلامیہ اور تمام عالم اسلام کا سربراہ ہوتا ہے کسی ایک ملک کے سربراہ کے تقرر کے لیے یہ شرائط نہیں ہیں ہمارے زمانے میں بعض ثقہ علماء نے بھی اس معاملہ میں دھوکا کھایا اور خلافت کبریٰ کی شرائط کو ایک ملک کی سربراہی پر محمول کیا اور مملکت پاکستان کی سربراہی کے لیے بھی قریشی ہونے کو لازمی شرط قرار دیا حالانکہ قریشی ہونا تمام عالم اسلام کی سربراہی کے لیے شرط ہے کسی ایک ملک کی سربراہی کے لیے قریشی ہونا شرط نہیں ہے۔

خلافت منعقد کرنے کے طریقے

شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

خلافت کا انعقاد چار طریقوں سے ہوتا ہے:

(۱) پہلا طریقہ یہ ہے کہ علماء قضاۃ امراء اور دیگر قابل ذکر لوگوں میں جو لوگ حل و عقد کے اہل ہوں وہ کسی ایسے شخص کو منتخب

کوئی شخص منتخب ہو کر حکمران بن جاتا ہے تو اس کی حکومت صحیح ہو گی جس طرح متغلب کی حکومت صحیح ہوتی ہے اور اس کے جو احکام شریعت کے خلاف نہ ہوں ان میں اس کی اطاعت لازم ہو گی۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۚ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ

اور ہم نے آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو بے فائدہ پیدا نہیں کیا' یہ تو کافروں کا گمان ہے' پس

كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

کافروں کے لیے آگ کا عذاب ہے O کیا ہم ایمان والوں کو جنہوں نے نیک اعمال کیے ہیں'

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ

زمین میں فساد کرنے والوں کی مثل بنا دیں گے یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کی مثل بنا دیں

كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ

گے O یہ (قرآن) برکت والی کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تا کہ یہ (لوگ) اس کی آیتوں میں

اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾ وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۳۰﴾ ۭ

غور و فکر کریں اور صاحبان عقل اس سے نصیحت حاصل کریں O اور ہم نے داؤد کو سلیمان (نام کا بیٹا) عطا فرمایا' وہ کیسا اچھا

اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِىِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ﴿۳۱﴾ ۙ فَقَالَ اِنِّىْٓ

بندہ ہے' بے شک وہ بہت رجوع کرنے والا ہے O جب اس کے سامنے پچھلے پہر سدھے ہوئے تیز رفتار گھوڑے پیش کیے گئے O

اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّىْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾ ۣ وقفة

تو اس نے کہا: بے شک میں نے نیک مال کی محبت اپنے رب کے ذکر کی وجہ سے اختیار کی ہے حتیٰ کہ جب وہ گھوڑے نگاہ سے اوجھل

رُدُّوْهَا عَلَىَّ ۭ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا

ہو گئے O تو اس نے حکم دیا کہ ان (گھوڑوں) کو دوبارہ میرے سامنے لاؤ' پھر وہ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے O اور ہم

سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾ قَالَ رَبِّ

نے سلیمان کو آزمائش میں مبتلا کیا اور ان کی کرسی پر ایک جسم ڈال دیا' پھر انہوں نے (ہماری طرف) رجوع کیا O انہوں نے دعا کی:

خلافت ان طریقوں میں سے کس طریقہ سے منعقد ہوئی ہے؟ اکثر علماء کی بحث کا حاصل یہ ہے کہ اس وقت مدینہ منورہ میں جو مہاجرین اور انصار موجود تھے انہوں نے حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی اور ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ حضرت علی شوریٰ کے فیصلہ کے نتیجہ میں خلیفہ منتخب ہوئے' کیونکہ شوریٰ کا فیصلہ یہ تھا کہ خلیفہ یا عثمان ہوں گے یا علی اور جب حضرت عثمان کا انتقال ہو گیا تو حضرت علی خلافت کے لیے متعین ہو گئے لیکن یہ تاویل صحیح نہیں ہے۔ (ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۶۔۵ لاہور)

خلیفہ کو منتخب کرنے والوں کے لیے شرائط

علامہ ابوالحسن ماوردی نے خلیفہ کو منتخب کرنے والوں کے لیے بھی تین شرطیں مقرر کی ہیں:

(۱) انتخاب کرنے والے عادل ہوں (یعنی فرائض وغیرہ پر دائمی عمل کرنے والے اور محرمات سے دامن بچنے والے۔ سعیدی غفرلہ)

(۲) ان کو اس قدر علم ہو کہ استحقاق خلافت کی کیا شرائط ہیں اور کون شخص منصب کا اہل ہے اور کون نہیں۔

(۳) وہ صحیح رائے اور حسن تدبیر کے حامل ہوں تا کہ وہ صحیح تر اور موزوں تر شخص کو منتخب کر سکیں۔

(الاحکام السلطانیہ ص ۶' مصر ۱۳۹۳ھ)

موجودہ مغربی جمہوریت اور اسلامی ریاست کا فرق

موجودہ مغربی جمہوریت اور اسلامی ریاست کے درمیان کئی وجہ سے فرق ہے جس کو ہم یہاں اختصار سے بیان کر رہے ہیں:

(۱) مغربی جمہوریت میں طاقت کا سرچشمہ عوام ہے' جب کہ اسلام میں اقتدار اور حاکمیت صرف اللہ کی ہے' سربراہِ مملکت صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام نافذ کرنے کا مجاز ہے۔

(۲) مغربی جمہورت میں قانون وضع کرنے کی اتھارٹی اور معیار ''اکثریت'' ہے اور اسلام میں معیار ''حق'' ہے جس کا فیصلہ امام اور مستند علماء کتاب' سنت' اجماع اور اقوال مجتہدین کی روشنی میں کریں گے۔

(۳) مغربی جمہوریت میں مدت انتخاب پوری ہونے کے بعد یا اس سے پہلے اکثریت کے فیصلہ کی بناء پر سربراہِ مملکت کو معزول کیا جا سکتا ہے' اس کے برخلاف اسلام میں سربراہِ مملکت اس وقت تک اپنے عہدے پر قائم رہے گا جب تک وہ اسلام پر قائم ہے۔

(۴) جمہوری طریقۂ انتخاب میں عہدہ دار کو منتخب کرنے کے لیے کوئی معیار نہیں اور ہر کس و ناکس کو ووٹ دینے کا حق ہے جب کہ اسلام میں یہ حق صرف ارباب حل وعقد کو حاصل ہے۔

(۵) جمہوری طریقۂ انتخاب میں عہدہ کے امیدوار کے لیے کوئی معیار نہیں ہے۔ تعلیمی اہلیت اور صالحیت کی کوئی شرط نہیں ہے جس کے نتیجہ میں عورت ہو یا مرد' پڑھا لکھا ہو یا جاہل' نیک ہو یا بدمعاش' پیسے اور اثر و رسوخ کے زور پر اسمبلی میں پہنچ کر قانون ساز اتھارٹی کا ممبر بن جاتا ہے' اسی طرح وزارتِ عظمیٰ کے امیدوار کے لیے بھی کوئی معیار نہیں ہے اور قومی اسمبلی میں پہنچنے والا ہر ممبر وزارتِ عظمیٰ کے لیے کھڑا ہو سکتا ہے' دفتر میں کلرک بھرتی ہونے کے لیے بھی کم از کم میٹرک پاس ہونے کا معیار ہے اور ملک کے اتنے بڑے عہدے کے لیے کوئی معیار نہیں رکھا گیا' اس کے برخلاف اسلام میں سربراہ مملکت کے لیے شرائط مقرر کی گئی ہیں جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

(۶) مغربی جمہوریت کے طریقۂ انتخاب میں امیدوار اپنے آپ کو منصب کے لیے پیش کرتا ہے اور اس کے لیے کنویسنگ کرتا ہے جب کہ اسلام میں منصب کو طلب کرنا جائز نہیں ہے' اس کی تفصیل ان شاء اللہ آئندہ ابواب میں آئے گی۔

ہر چند کہ مغربی جمہوریت اور اس کا طریقۂ انتخاب متعدد وجوہ سے اسلامی احکام کے خلاف ہے' لیکن اگر اس طریقہ سے

ہے نہ نقصان پہنچانے کے لیے۔ دوسری صورت باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو نقصان پہنچانے کے لیے پیدا کیا ہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ رحیم اور کریم ہے اور یہ چیز اس کی رحمت کے منافی ہے اور تیسری صورت بھی باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو نہ نفع پہنچانے کے لیے پیدا کیا نہ نقصان پہنچانے کے لیے' کیونکہ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو نہ نقصان پہنچایا تھا نہ نفع' اگر پیدا کرنے کے بعد بھی مخلوق اسی صفت پر ہو تو مخلوق کا پیدا کرنا اور نہ کرنا دونوں حال برابر ہوں گے اور پھر مخلوق کو پیدا کرنا عبث ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا کوئی کام عبث نہیں ہوتا' اس لیے اب تیسری صورت متعین ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو نفع پہنچانے کے لیے پیدا کیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو یہ نفع اس دنیا میں پہنچائے گا یا آخرت میں' اس دنیا میں نفع پہنچانا تو مراد ہو نہیں سکتا' کیونکہ اس دنیا میں منافع کم ہیں اور ضرر رساں چیزیں بہت ہیں اور تھوڑے نفع کے لیے زیادہ نقصان برداشت کرنا حکمت کے خلاف ہے' پس متعین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو نفع پہنچانے کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ نفع آخرت میں پہنچائے گا' اس لیے قیامت کا آنا اور حشر ونشر کا ہونا اور جنت اور دوزخ کا ہونا ضروری ہے اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ مخلوق میں تو کفار بھی ہیں' ان کو اللہ تعالیٰ نے کون سا نفع پہنچایا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی دائمی نفع پہنچانے کے لیے بنایا تھا لیکن انہوں نے دائمی نفع کے اوپر دائمی نقصان کو اختیار کر لیا۔

صٓ: ۲۸ میں یہ بتایا ہے کہ مومن اور کافر اور صالح اور فاسق برابر نہیں ہو سکتے' اس آیت میں بھی حشر اور نشر کے ثبوت پر دلیل ہے' کیونکہ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں وہ فقر اور فاقہ میں مبتلا رہتے ہیں اور طرح طرح کے مصائب اور آلام میں گرفتار رہتے ہیں اور کفار اور فساق بہت عیش اور آرام میں رہتے ہیں اور قابل رشک زندگی گزارتے ہیں' اس طرح نیک آدمی کی زندگی بد آدمی کے مقابلہ میں بہت تکلیف سے گزرتی ہے' پس اگر قیامت اور حشر و نشر اور حساب و کتاب نہ ہو تو بُرے لوگوں کو نیک لوگوں پر ترجیح دینا لازم آئے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کے رحم کے خلاف ہے اور وہ حکیم اور رحیم ہے' اس لیے وہ ایسا نہیں کرے گا اور اس سے واضح ہو گیا کہ قیامت اور حشر ونشر ثابت ہے۔

تدبر اور تذکر کا معنیٰ

صٓ: ۲۹ میں قرآن مجید میں غور وفکر کرنے اور اس سے نصیحت حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے۔

اس آیت میں تدبر اور تذکر کے الفاظ ہیں' تدبر کا معنیٰ ہے قرآن مجید کی آیات میں غور وفکر کیا جائے اور اگر ان آیات کے ظاہری معنیٰ پر کوئی اشکال ہو تو اس کی مناسب تاویل تلاش کی جائے اور اس آیت سے عقائد اور احکام شرعیہ کی جو ہدایت حاصل ہو اس پر عمل کیا جائے۔ تدبر کا معنیٰ ہے: کسی چیز کے نتیجہ اور انجام پر نظر رکھنا اور تفکر کا معنیٰ ہے: الفاظ کے مطلوبہ معانی کی تلاش میں ذہن کو متوجہ کرنا۔

تذکر کا معنیٰ ہے: نصیحت حاصل کرنا' اس کو صاحبان عقل کے ساتھ مخصوص کیا ہے' کیونکہ تذکر کا تعلق عقل کے ساتھ ہے اور کسی چیز سے نصیحت اس وقت حاصل کی جاتی ہے جب دل میں اللہ کا ڈر اور خوف پیدا ہوتا ہے اور یہ چیز صاحبان عقل کے ساتھ مخصوص ہے یعنی اکابر علماء کے ساتھ۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب دل پر معصیت کے حجابات ہوں اس وقت تفکر کی ضرورت ہوتی ہے اور جب یہ حجابات اٹھ جائیں اس وقت تذکر کی ضرورت ہوتی ہے۔

قرآن مجید کے معانی پر غور وفکر نہ کرنا اور اس پر عمل نہ کرنا' اللہ تعالیٰ کے کلام کی ناقدری کرنا ہے

آج کل لوگ قرآن مجید کی تلاوت بہت کرتے ہیں لیکن اس کے معانی میں غور وفکر نہیں کرتے اور جب معانی میں غور وفکر نہیں کریں گے تو اس سے نصیحت کیسے حاصل کریں گے' ہمارا حال یہ ہے کہ ہمارے پاس اگر عربی زبان میں کسی کمپنی سے کوئی خط آ

اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ

اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کے لائق نہ ہو بے شک تو ہی بہت دینے والا

اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ

ہے O سو ہم نے ان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا' وہ جس جگہ کا ارادہ کرتے تھے وہ ان کے حکم کے مطابق نرمی سے چلتی

اَصَابَ ﴿۳۶﴾ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ

تھی O اور قوی جنات کو بھی ان کے تابع کر دیا' ہر معمار اور غوطہ خور کو O اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے رہتے

فِي الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾

تھے O یہ ہمارا عطیہ ہے آپ (جس کو چاہیں) بہ طور احسان عطا کریں یا (جس سے چاہیں) روک لیں آپ سے کوئی حساب نہیں ہو گا O

وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾ ع

اور بے شک ان کے لیے ضرور ہمارا قرب ہے اور بہترین ٹھکانہ ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو بے فائدہ پیدا نہیں کیا' یہ تو کافروں کا گمان ہے' پس کافروں کے لیے آگ کا عذاب ہے O کیا ہم ایمان والوں کو جنہوں نے نیک اعمال کیے ہیں زمین میں فساد کرنے والوں کی مثل بنا دیں گے یا ہم پرہیز گاروں کو بدکاروں کی مثل بنا دیں گے O یہ (قرآن) برکت والی کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ (یہ لوگ) اس کی آیتوں میں غور و فکر کریں اور صاحبانِ عقل اس سے نصیحت حاصل کریں O (ص: ۲۹۔۲۷)

حشر و نشر کے ثبوت پر دلائل

ص: ۲۷ میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی پیدا فرمایا ہے وہ لغو عبث اور بے مقصد نہیں پیدا فرمایا' اس نے جو کچھ بھی پیدا فرمایا ہے اس میں بے شمار حکمتیں ہیں خواہ وہ حکمتیں ہمیں سمجھ آئیں یا نہ آئیں' اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے حسب ذیل آیات میں بھی بیان فرمایا ہے:

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ O (آل عمران: ۱۹۱)

اے ہمارے رب! تو نے ان چیزوں کو بے فائدہ نہیں بنایا' تو سبحان ہے سو تو ہم کو دوزخ کی آگ سے بچا لے O

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ. (الحجر: ۸۵)

اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے صرف حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔

ان آیتوں میں حشر و نشر اور قیامت کے ثبوت پر بھی دلیل ہے اور اس دلیل کی تقریر اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو جو پیدا کیا ہے تو یا اس کو نفع پہنچانے کے لیے پیدا کیا ہے یا نقصان پہنچانے کے لیے پیدا کیا ہے یا نہ نفع پہنچانے کے لیے پیدا کیا

کرے اور اس کا عمل اس کے علم کے موافق ہو اور عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جو علم کو حاصل کریں گے اور علم ان کے گلوں سے نیچے نہیں اترے گا' ان کی خلوت ان کی جلوت کے خلاف ہوگی اور ان کا عمل ان کے علم کے خلاف ہوگا' وہ مختلف حلقوں میں بیٹھیں گے اور ایک دوسرے پر فخر کریں گے' حتیٰ کہ ان میں سے کوئی شخص اپنے ساتھی پر اس لیے غضب ناک ہوگا کہ وہ دوسرے شخص کے پاس کیوں بیٹھا ہے' یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے اعمال ان کی مجالس سے اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچیں گے۔

(کنز العمال ج ۱۰ص ۲۷۲' رقم الحدیث: ۲۹۴۱۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت کا ایک گروہ دوزخ میں جھانک کر دوزخیوں کے ایک گروہ کو دیکھ کر کہے گا: تم دوزخ میں کیسے داخل ہوگئے' ہم تو تمہاری تعلیم کی وجہ سے جنت میں داخل ہوئے ہیں؟ وہ کہیں گے: ہم لوگوں کو (نیکی کا) حکم دیتے تھے اور خود اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔ (کنز العمال ج ۱۰ص ۲۷۲' رقم الحدیث: ۲۹۴۲۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ اس بات کا خوف ہے کہ وہ قرآن مجید کے صحیح محمل کے خلاف تاویل کریں گے۔ (کنز العمال ج ۱۰ص ۲۷۰' رقم الحدیث: ۲۹۴۱۳)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے داؤد کو سلیمان (نام کا بیٹا) عطا فرمایا' وہ کیسا اچھا بندہ ہے' بے شک وہ بہت رجوع کرنے والا ہے O جب اس کے سامنے پچھلے پہر سدھے ہوئے تیز رفتار گھوڑے پیش کیے گئے O تو اس نے کہا: بے شک میں نے نیک مال کی محبت اپنے رب کے ذکر کی وجہ سے اختیار کی ہے حتیٰ کہ وہ گھوڑے نگاہ سے اوجھل ہوگئے O تو اس نے حکم دیا کہ ان (گھوڑوں) کو دوبارہ میرے سامنے لاؤ' پھر وہ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے O (ص: ۳۳۔۳۰)

مشکل الفاظ کے معانی

ص: ۳۰ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ ''اوّاب'' ہیں' اس سے پہلے ص: ۱۷ میں حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ ''اوّاب'' ہیں' نیک بیٹا اپنے نیک باپ کے مشابہ ہوتا ہے' ''اوّاب'' کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ کی طرف بہت زیادہ رجوع کرنے والا اور بہت تسبیح کرنے والا۔

ص: ۳۱ میں ''العشی'' کا لفظ ہے۔ زوال آفتاب کے بعد سے لے کر دن کے آخر وقت تک کو العشی کہتے ہیں۔

اس آیت میں ''الصافنات'' کا لفظ ہے' یہ صافنة کی جمع ہے اور اس کا مادہ صفون ہے اور اس کا معنیٰ ہے: قیام کرنا اور کھڑا ہونا اور اس کا دوسرا معنیٰ ہے: گھوڑے کا اگلا ایک پیر اٹھا کر پچھلے تین پیروں پر کھڑا ہونا اور اس سے مقصود یہ ہے کہ وہ سدھے ہوئے گھوڑے تھے' چپ چاپ کھڑے رہتے تھے۔ بلاوجہ اچھل کود نہیں کرتے تھے اور جیاد کا معنیٰ ہے تیز رو اور تیز رفتار گھوڑے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کی تعداد کے متعلق مختلف اقوال

مقاتل نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے والد حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف سے ایک ہزار گھوڑوں کے وارث ہوئے تھے' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام تو کسی کو اپنے مال کا وارث نہیں بناتے' اس کا جواب یہ ہے کہ وراثت سے مراد یہ ہے کہ وہ ایک ہزار گھوڑوں کے انتظام کے متولی تھے۔

حسن بصری' ضحاک' ابن زید اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پروں والے ایک سو گھوڑے تھے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ص ۱۷۴)

جائے تو ہم صرف اس کے الفاظ کی تلاوت کرنے پر قناعت نہیں کرتے بلکہ کسی عربی زبان جاننے والے کو تلاش کرتے ہیں اور جب تک ہمیں اس کا معنی نہ معلوم ہو جائے اس وقت تک ہم چین سے نہیں بیٹھتے' تو ہم قرآن مجید کے صرف الفاظ کی تلاوت کر کے اس کا معنی اور مطلب سمجھے بغیر کیوں مطمئن ہو جاتے ہیں؟ کیا ہمارے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے پیغام کی اتنی بھی قدر و منزلت نہیں ہے جتنی قدر و منزلت کسی کمپنی سے آئے ہوئے مکتوب کی ہوتی ہے یا کسی عزیز کے بھیجے ہوئے ٹیلی گرام کی ہوتی ہے؟

اسی طرح جب ہم بیمار پڑ جاتے ہیں اور کسی ماہر ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں اور وہ ہمیں چند دوائیں لکھ کر دیتا ہے مثلاً Vibramycin 1+1 اور Panadol 1+1+1 تو کیا ہم صرف اس نسخہ کی تلاوت کرتے ہیں یا ڈاکٹر کی لکھی ہوئی دواؤں کو خرید کر کھاتے ہیں اور اس کی ہدایت کے مطابق پرہیز کرتے اور دن میں جتنی بار دوا کھانے کی ہدایت لکھی ہوتی ہے اس ہدایت کے مطابق دوا کھاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہم صرف اس نسخہ کی تلاوت کرنے پر اکتفاء نہیں کرتے' بلکہ اس نسخہ کا مطلب سمجھ کر اس پر عمل کرتے ہیں' سو جس طرح جسمانی بیماری کے لیے ہم دنیاوی ڈاکٹر کے نسخہ کو سمجھ کر اس پر عمل کرتے ہیں تو ہم تندرست ہو جاتے ہیں' اسی طرح خالق کائنات اور حکیم مطلق نے ہماری روحانی بیماریوں اور دائمی فوز و فلاح کے لیے ہمیں قرآن مجید کی صورت میں ایک نسخہ لکھ کر بھیجا ہے تو ہم اس کے معانی اور مطالب میں غور کر کے اس نسخہ پر عمل کیوں نہیں کرتے اور صرف اس کی تلاوت پر قناعت کیوں کر لیتے ہیں؟ کیا ہمارے دلوں میں اس حکیم مطلق اور شافی حقیقی کی اتنی قدر بھی نہیں ہے جتنی ہمارے دلوں میں M.B.B.S ڈاکٹر کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یونہی تو نہیں فرمایا تھا:

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ (الانعام: ۹۱) انہوں نے اللہ کی اس طرح قدر نہیں کی جس طرح قدر کرنے کا حق تھا۔

قرآن مجید کے احکام پر عمل کرنے کی ترغیب

قرآن مجید کے احکام پر عمل کرنے کی ترغیب میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے: قرآن پر عمل کرو' اس کے حلال کو حلال کرو اور اس کے حرام کو حرام کرو اور اس کی اقتداء کرو اور اس کی کسی چیز کا انکار نہ کرو اور اس کی جو چیز تم پر مشابہ ہو اس کو اللہ کی طرف لوٹا دو' یا میرے بعد جو صاحبان علم ہیں ان کی طرف لوٹا دو' وہ جس طرح تم کو اس کی خبر دیتے ہوں اور تورات' انجیل اور زبور پر ایمان لاؤ اور انبیاء کو جو کچھ ان کے رب کی طرف سے دیا گیا ہے اس پر ایمان لاؤ تاکہ قرآن تم کو شفا دے اور اس کا بیان تم کو شفا دے کیونکہ قرآن شفاعت کرنے والا ہے اور اس کی شفاعت قبول کی ہوئی ہے اور وہ تصدیق کرنے والا وکیل ہے اور اس کی ہر آیت قیامت تک کا نور ہے۔ الحدیث

(المستدرک ج ۱ ص ۵۶۸' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۹' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۶۹' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۳۳۲۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے قرآن مجید کو پڑھا اور رات میں اور دن کی نمازوں کے قیام میں قرآن مجید کو پڑھا اور اس کے حلال کو حلال کہا اور اس کے حرام کو حرام کہا تو اللہ تعالیٰ اس کے گوشت اور خون کو دوزخ کی آگ پر حرام کر دے گا اور کراماً کاتبین کو اس کا رفیق بنا دے گا حتیٰ کہ قیامت کے دن قرآن اس کے حق میں حجت ہو جائے گا۔ (المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۱۱۲۰' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۰)

علماء کو اس پر غور کرنا چاہیے کہ ان کو جس قدر علم ہے جب وہ اس پر عمل نہیں کرتے تو پھر مزید علم کس لیے حاصل کرتے ہیں؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے حاملین قرآن! قرآن پر عمل کرو' کیونکہ عالم وہ ہے جو علم کے تقاضوں پر عمل

پھر آپ ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرنے لگے اور آپ کا ان کی گردنوں پر ہاتھ پھیرنا ان کے اکرام کے لیے تھے۔ تا کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اگر کوئی بڑا اور باوقار آدمی گھوڑوں کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرے تو یہ کام اس کے مقام اور وقار کے خلاف نہیں ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۱۷۵، دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے بھی اسی تفسیر کو راجح قرار دیا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۳۹۰)

جمہور مفسرین کی بیان کی ہوئی حضرت سلیمان علیہ السلام کی گھوڑوں کے ساتھ مشغولیت

زیادہ تر مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کے معائنہ میں اس قدر مشغول ہوئے کہ سورج غروب ہو گیا اور آپ کی نماز قضاء ہو گئی، پھر اس کے غم اور غصہ میں آپ نے ان گھوڑوں کی گردنوں اور پنڈلیوں کو کاٹ ڈالا۔

امام عبد الرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

مفسرین نے کہا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو گھوڑے دکھائے جاتے رہے اور وہ ان کے معائنہ میں اس قدر منہمک ہوئے کہ سورج غروب ہو گیا اور ان کی عصر کی نماز قضاء ہو گئی اور ان کی لوگوں پر اس قدر ہیبت تھی کہ کوئی شخص یہ جرأت نہ کر سکا کہ ان کو عصر کی نماز یاد دلاتا، پس حضرت سلیمان علیہ السلام بھول گئے اور جب سورج غروب ہو گیا تو ان کو یاد آیا کہ انہوں نے عصر کی نماز نہیں پڑھی اور اس وقت انہوں نے یہ کہا: بے شک میں نے نیک مال (یعنی گھوڑوں) کی محبت کو اپنے رب کے ذکر پر ترجیح دی، حتیٰ کہ جب سورج ان کی نگاہ سے اوجھل ہو گیا تو انہوں نے حکم دیا کہ ان گھوڑوں کو دوبارہ ان کے سامنے لاؤ، پھر وہ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر تلوار سے ہاتھ مارنے لگے۔

مذکور الصدر تفسیر سعید بن جبیر، ضحاک، قتادہ، زجاج اور سدی سے مروی ہے، مفسرین نے کہا ہے کہ اپنے رب کے ذکر سے ان کی مراد عصر کی نماز ہے، حضرت علی، حضرت ابن مسعود اور قتادہ وغیرہم کا یہی قول ہے، زجاج نے کہا: مجھے معلوم نہیں کہ عصر کی نماز ان پر فرض تھی یا نہیں، مگر یہ کہ جس وقت ان پر گھوڑے پیش کیے گئے تھے اس وقت وہ اپنے رب کا ذکر کیا کرتے تھے۔

اور قرآن مجید میں جو مذکور ہے "حتی توارت بالحجاب" اس سے مراد ہے کہ سورج ان کی نظروں سے چھپ گیا، ہر چند کہ اس سے پہلے اس آیت میں سورج کا ذکر نہیں حتیٰ کہ اس کی طرف "توارت" کی ضمیر مستتر لوٹائی جائے، مگر سورج کے ذکر پر اس آیت میں قرینہ ہے کیونکہ ص: ۳۱ میں ہے:

اِذۡ عُرِضَ عَلَیۡهِ بِالۡعَشِیِّ الصّٰفِنٰتُ الۡجِیَادُ ۝ جب اس کے سامنے دن ڈھلے سدھے ہوئے تیز رفتار گھوڑے پیش کیے گئے ۝ (ص: ۳۱)

زوال کے بعد سے غروب آفتاب تک کے وقت کو العشی کہا جاتا ہے، اس کا معنیٰ ہے: غروب آفتاب تک ان کو گھوڑے دکھائے جاتے رہے، اس کے بعد جس کے متعلق فرمایا ہے: "وہ چھپ گیا" تو ظاہر ہے وہ سورج ہی ہو سکتا ہے، پس سورج کا ذکر اس سے پہلے العشی کے ضمن میں موجود ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا تھا: "ان گھوڑوں کو دوبارہ میرے سامنے لاؤ"۔ مفسرین نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ گھوڑوں کے معائنہ میں مشغول ہونے کی وجہ سے ان کی نماز قضاء ہو گئی اور انہوں نے وقت گزارنے کے بعد نماز پڑھی، اس پر غم اور غصہ کی وجہ سے انہوں نے کہا کہ گھوڑوں کو دوبارہ میرے سامنے لاؤ، پھر وہ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ مارنے لگے اور اس کی تفسیر میں تین قول ہیں:

(۱) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے

پروں والے گھوڑوں کی تائید میں یہ حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک یا غزوۂ خیبر سے واپس آئے اور ان کے طاق (الماری) پر پردہ پڑا ہوا تھا' ہوا کے جھونکے سے طاق پر پڑے ہوئے پردہ کی ایک جانب کھل گئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی الماری میں رکھی ہوئی گڑیاں نظر آئیں' آپ نے پوچھا: اے عائشہ! یہ کیا ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ میری بیٹیاں ہیں اور آپ نے گڑیوں کے درمیان کپڑے کی دھجیوں سے بنائے ہوئے گھوڑے کو دیکھا جس کے دو پر بھی بنائے ہوئے تھے' آپ نے پوچھا: میں ان گڑیوں کے وسط میں کیا چیز دیکھ رہا ہوں؟ حضرت عائشہ نے کہا: یہ گھوڑا ہے' آپ نے پوچھا: اس کے اوپر یہ چیز بنی ہوئی ہے؟ حضرت عائشہ نے کہا: یہ اس کے دو پر ہیں' آپ نے پوچھا: گھوڑے کے پر ہیں؟ حضرت عائشہ نے کہا: کیا آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کے پر تھے' حضرت عائشہ نے کہا: یہ سن کر آپ اس قدر ہنسے کہ میں نے آپ کی ڈاڑھیں دیکھیں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۴۹۳۲)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی گھوڑوں کے ساتھ مشغولیت کی توجیہ

ص ٓ: ۳۲ میں ہے: (حضرت سلیمان نے کہا:) ''بے شک میں نے خیر (نیک مال) کی محبت اپنے رب کے ذکر کی وجہ سے اختیار کی ہے''۔ اس آیت میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے گھوڑوں پر خیر کا اطلاق فرمایا ہے' اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی گھوڑوں پر خیر کا اطلاق فرمایا ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک خیر ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۳۶۴۴' سنن الترمذی رقم الحدیث ۱۶۹۴' سنن النسائی رقم الحدیث ۳۵۷۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۲۷۸۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گھوڑوں کی پیشانیوں میں خیر رکھ دی گئی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۳۶۴۵' سنن النسائی رقم الحدیث ۳۵۷۱' صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۸۷۴)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا منشاء یہ تھا کہ چونکہ گھوڑوں پر سوار ہو کر دشمنان اسلام کے خلاف جہاد کیا جاتا ہے اور گھوڑوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا دین سربلند ہوتا ہے اس لیے میں گھوڑوں سے محبت رکھتا ہوں۔

ص ٓ: ۳۲-۳۳ میں ہے: ''حتیٰ کہ جب وہ گھوڑے نگاہ سے اوجھل ہو گئے O تو اس نے حکم دیا کہ ان (گھوڑوں) کو دوبارہ میرے سامنے لاؤ' پھر وہ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے O''

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک گول میدان تھا جس میں وہ گھوڑوں کا مقابلہ کرایا کرتے تھے' حتیٰ کہ جب وہ گھوڑے دور نکل کر ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے اور اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ سورج غائب ہو گیا اور ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا' کیونکہ اس آیت میں پہلے سورج کا ذکر نہیں ہے کہ اس کی طرف ضمیر لوٹائی جائے' البتہ گھوڑوں کا ذکر ہے' اس لیے اس کا معنی یہ ہے کہ وہ گھوڑے ان کی نظر سے غائب اور اوجھل ہو گئے اور نحاس نے یہ ذکر کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے تو ان کے پاس مال غنیمت سے حاصل شدہ گھوڑے لائے گئے تاکہ وہ ان کا معائنہ کریں' حضرت سلیمان علیہ السلام اس وقت نماز پڑھ رہے تھے' انہوں نے اشارہ کیا کہ ان گھوڑوں کو ان کے اصطبلوں میں پہنچا دیا جائے' حتیٰ کہ وہ گھوڑے ان کی نظر سے اوجھل ہو گئے اور جب حضرت سلیمان علیہ السلام نماز سے فارغ ہو گئے تو آپ نے فرمایا: ان گھوڑوں کو دوبارہ میرے پاس لاؤ'

حسب ذیل وجوہ سے رد کر دیا ہے:

(۱) یہ تفسیر اس پر مبنی ہے کہ "تـوارت بـالحجاب" کی ضمیر مستتر سورج کی طرف لوٹائی جائے اور اس سے پہلے اس آیت میں سورج کا ذکر نہیں ہے بلکہ سدھے ہوئے تیز رفتار گھوڑوں کا ذکر ہے اور اگر کوئی بعید تاویل کر کے سورج کی طرف ضمیر لوٹائی جائے تو اس سے بہتر ہے کہ بغیر تاویل کے گھوڑوں کی طرف ضمیر لوٹائی جائے یعنی جب وہ گھوڑے ان کی نظر سے اوجھل ہو گئے تو انہوں نے ان کو دوبارہ بلوایا۔

(۲) اس آیت میں مذکور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: میں نے اپنے رب کے ذکر کی وجہ سے خیر (گھوڑوں) سے محبت کی ہے کیونکہ یہ گھوڑے جہاد میں استعمال ہوتے ہیں تو جب ان کی گھوڑوں سے محبت اللہ کے ذکر کی وجہ سے تھی تو پھر یہ روایت صحیح نہیں ہے کہ وہ گھوڑوں کے معائنہ میں مشغول ہونے کی وجہ سے نماز کو بھول گئے یا اللہ کے ذکر کو بھول گئے کیونکہ گھوڑوں کا معائنہ کرنا بھی تو اللہ کے ذکر سے محبت کی وجہ سے تھا' تو وہ معائنہ کے وقت بھی اللہ کے ذکر میں مشغول تھے' لہٰذا یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

(۳) اس روایت کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب کہا: "ردوھا" تو اس کا معنیٰ تھا کہ آپ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ سورج کو لوٹا دیں' اس پر یہ اعتراض ہے کہ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام سے نماز عصر قضا ہو گئی تھی تو ان پر لازم تھا کہ وہ توبہ اور استغفار کرتے اور اللہ کی بارگاہ میں روتے اور گڑگڑاتے اور اظہار ندامت کرتے' جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے کہ اگر ان سے بھولے سے بھی کوئی لغزش ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ اور استغفار کرتے ہیں نہ کہ وہ اپنی شان دکھانے کے لیے فرشتوں پر حکم چلاتے اور ان سے کہتے کہ سورج کو دوبارہ لوٹاؤ تاکہ میں عصر کی قضا نماز پڑھ لوں۔

(۴) قرآن مجید میں ہے: "فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ ○" اس روایت میں اس کا معنیٰ یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمان نے تلوار سے گھوڑوں کی پنڈلیاں اور گردنیں کاٹ ڈالیں' جب کہ مسح کا معنیٰ ہاتھ پھیرنا ہے نہ کہ تلوار سے کاٹنا' ورنہ لازم آئے گا کہ "وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ" (المائدہ: ۶) کا معنیٰ ہوگا کہ تلوار سے اپنے سروں اور اپنے پیروں کو کاٹ دو اور کوئی عاقل بھی ایسا نہیں کہہ سکتا۔

(۵) جو لوگ اس معنیٰ اور اس روایت کے قائل ہیں انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف متعدد افعال مذمومہ کی نسبت کی ہے (۱) نماز کو ترک کرنا (۲) ان پر دنیاوی مال کی محبت اس قدر غالب تھی کہ اس کی محبت میں وہ نماز پڑھنا بھول گئے' حالانکہ حدیث میں ہے' حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حب الدنیا راس کل خطیئة. دنیا کی محبت ہر گناہ کی اصل ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۰۵۰۱' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۲۱۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۶۱۱۴' الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۲۵۷)

(۳) اس خطا کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام توبہ اور استغفار میں مشغول نہیں ہوئے (۴) اس فعل کے بعد حضرت سلیمان گھوڑوں کی پنڈلیاں اور گردنیں کاٹنے لگے' حالانکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے سوا جانور کو ذبح کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(۶) جب کفار نے یہ کہا تھا کہ:

وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّلْ لَنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ○ (ص: ۱۶) اور انہوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہمارا حصہ تو ہمیں روز حساب سے پہلے ہی جلد دے دے ○

گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں پر تلوار سے وار کیے اور ان کی پنڈلیوں اور گردنوں کو کاٹ ڈالا۔
(المعجم الاوسط رقم الحدیث ۶۹۹۳ مجمع الزوائد ج ۷ ص ۹۹)

امام الحسین بن مسعود البغوی التوفی ۵۱۶ھ نے لکھا ہے:

الحسن البصری بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے سمندر سے پروں والے گھوڑے نکالے گئے' وہ ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد اپنے تخت پر بیٹھ گئے اور ان کا معائنہ کرنے لگے حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا اور ان کی عصر کی نماز فوت ہو گئی' ان کی ہیبت اور ان کے رعب کی وجہ سے کسی نے ان کو عصر کی نماز پر متنبہ نہیں کیا' جب نماز قضاء ہو گئی تو انہوں نے دوبارہ گھوڑوں کو منگوایا اور اللہ عزوجل کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے ان گھوڑوں کی پنڈلیوں اور ان کی گردنوں کو تلوار سے کاٹ ڈالا کیونکہ ان میں مشغول ہونے کی وجہ سے ان کی عصر کی نماز رہ گئی تھی اور گھوڑوں کو کاٹنا ان کے لیے مباح تھا' اگرچہ ہم پر حرام ہے۔ جیسا کہ ہمارے لیے جانوروں کو ذبح کرنا مباح ہے۔ (معالم التنزیل ج ۴ ص ۶۷ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۰ھ)

امام ابواسحاق احمد بن ابراہیم ثعلبی متوفی ۴۲۷ھ' علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی التوفی ۴۵۰ھ' علامہ ابوبکر بن العربی التوفی ۵۴۳ھ' علامہ ابن عطیہ اندلسی متوفی ۵۴۶ھ' حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ' علامہ عبدالرحمن بن محمد الثعالبی المالکی التوفی ۸۷۵ھ' علامہ سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ' علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ وغیرہم نے اس آیت کی تفسیر میں اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔

(۲) اس کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کی محبت کی وجہ سے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر پیار سے ہاتھ پھیر رہے تھے۔ یہ علی بن ابی طلحہ' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' مجاہد' امام ابن جریر اور ابویعلیٰ کا قول ہے۔

(۳) حضرت سلیمان علیہ السلام نے لوہے کو گرم کر کے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر داغ لگایا' اس قول کو ثعلبی نے نقل کیا ہے۔

مفسرین نے اول قول پر اعتماد کیا ہے' انہوں نے کہا کہ گھوڑوں کے معائنہ کی مشغولیت کی وجہ سے نماز قضا ہونے اور بعد میں ان ہی گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں پر پیار سے ہاتھ پھیرنے میں کیا مناسبت ہے؟

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پہلا قول اس لیے فاسد ہے کہ جانوروں کا کیا قصور ہے' پھر ان کو قتل کر کے سزا دینے اور اپنا غم اور غصہ دور کرنے کی کیا توجیہ ہے اور یہ فعل تو جابر بادشاہوں کے حال کے مناسب ہے' انبیاء علیہم السلام کی سیرت کے مناسب نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ فعل اس وجہ سے کیا تھا کہ اس کا کرنا ان کے لیے مباح تھا اور یہ ہو سکتا ہے کہ ایک فعل ان کی شریعت میں جائز ہو اور وہ فعل ہماری شریعت میں جائز نہ ہو' علاوہ ازیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ان گھوڑوں کا گوشت کھانے کے لیے ان کو ذبح کیا ہو اور گھوڑوں کا گوشت کھانا جائز ہے' پس حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ فعل قابل اعتراض نہیں ہے' وہب بن منبہ نے کہا: جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں پر وار کیے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل کو مشکور فرمایا اور گھوڑوں کے بدلہ میں ان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا اور ہوا گھوڑوں کی بہ نسبت زیادہ تیز رفتار تھی اور اس کے ذریعہ سفر کرنا زیادہ باعث تعجب تھا۔ (زاد المسیر ج ۷ ص ۱۳۲-۱۲۹' مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

جمہور مفسرین کی بیان کی ہوئی حضرت سلیمان علیہ السلام کی گھوڑوں کے ساتھ مشغولیت پر امام رازی کا رد

جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے ذکر کیا ہے کہ جمہور مفسرین نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے' لیکن امام رازی نے اس تفسیر کو

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جمہور علماء اور مفسرین نے اس تفسیر کو اختیار کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر بہ کثرت دلائل قائم ہیں اور ان حکایات کی صحت پر کوئی دلیل نہیں ہے اور اگر خبر واحد صحیح بھی ہو تو وہ دلائل قطعیہ سے مزاحم ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی تو اس ضعیف روایت میں کب اتنا دم ہے کہ وہ عصمت انبیاء کے دلائل قطعیہ کے مزاحم ہو سکے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۳۹۲۔ ۳۹۰ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے سلیمان کو آزمائش میں مبتلا کیا اور ان کی کرسی پر ایک جسم ڈال دیا پھر انہوں نے ہماری طرف رجوع کیاO (ص: ۳۴)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا آزمائش میں مبتلا ہونا

اس آیت میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو آزمائش میں مبتلا کیا' اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو کس وجہ سے آزمائش میں مبتلا کیا تھا اور وہ کیا آزمائش تھی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو کس طرح اس آزمائش سے نجات ملی' قرآن مجید میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ قرآن مجید میں صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور ان کے استغفار کرنے کا ذکر ہے۔ جیسا کہ ص: ۳۵ میں عنقریب آئے گا۔ اسی طرح احادیث میں بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق یہ ذکر نہیں ہے کہ فلاں تقصیر کی وجہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام کو کسی آزمائش میں مبتلا کیا گیا اور نہ یہ بیان ہے کہ وہ کیا آزمائش تھی۔ البتہ بعض احادیث صحیحہ میں صرف اتنا مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا تھا کہ آج رات میں اپنی تمام ازواج کے پاس جاؤں گا اور ہر زوجہ سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا بیٹا پیدا ہوگا لیکن وہ ان شاء اللہ کہنا بھول گئے تو صرف ایک نا تمام اور ادھورا بچہ پیدا ہوا' لیکن ظاہر ہے کہ اس واقعہ کا کسی بڑی آزمائش اور ابتلاء سے کوئی تعلق نہیں ہے جو اس آیت کی تفسیر بن سکے۔

پس جب اللہ اور اس کے رسول نے اس آزمائش کے متعلق کوئی ذکر نہیں کیا تو ہمیں بھی اس کی تفتیش کے درپے نہیں ہونا چاہیے۔ وہب بن منبہ اور کعب احبار نے اس سلسلہ میں اسرائیلی روایات بیان کی ہیں جن کو امام محمد بن اسحاق' سدی' مجاہد اور قتادہ وغیرہم نے ان سے روایت کیا ہے اور ہمارے مفسرین نے ان روایات کو اپنی تفسیروں میں درج کر دیا ہے۔ ہمارے نزدیک وہ تفسیریں محض جھوٹ اور باطل ہیں' تاہم میں ان بعض روایات کو یہاں نقل کر رہا ہوں' تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اسرائیلی روایات میں انبیاء علیہم السلام کی شان کے خلاف کیا کچھ لکھا گیا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی آزمائش کے متعلق اسرائیلی روایات

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

جس فتنہ کی وجہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام پر عتاب کیا گیا اس کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حسن بصری نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی بعض ازواج کے ساتھ حالت حیض میں قربت کی تھی۔

حسن بصری کی یہ روایت بہت مستبعد ہے' اللہ کا نبی جس کو اللہ تعالیٰ نے حکومت اور نبوت سے سرفراز کیا ہو وہ ایسا قبیح فعل نہیں کرتا جس کی جرأت عام مسلمان بھی نہیں کر سکتے۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی جرادہ نام کی ایک بیوی تھی۔ جرادہ اور ایک قوم کے درمیان کوئی خصومت تھی' انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس اپنا مقدمہ پیش کیا' حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا' لیکن ان کی خواہش یہ تھی کی ان کی بیوی جرادہ کے حق میں یہ فیصلہ ہو

جب کافروں نے ایسی جہالت کی بات کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ان کی جہالت پر صبر کیجئے اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کیجئے' پھر حضرت داؤد علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا اور پھر اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا اور گویا کہ یوں فرمایا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ان کافروں کی جاہلانہ باتوں پر صبر کیجئے اور ہمارے بندے سلیمان کو یاد کیجئے اور یہ کلام اس وقت مناسب ہوگا جب اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کے اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ ذکر فرمائے ہوں اور یہ ذکر فرمایا ہو کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی مشقت پر صبر کیا اور دنیاوی لذتوں سے اعراض کیا اور اگر اس قصہ سے مقصود یہ ہو کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے گھوڑوں کی محبت میں مشغول ہو کر نماز کو ترک کر دیا اور پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ سورج کو لوٹائیں اور اپنا غصہ گھوڑوں پر نکالا اور ان کی گردنیں اور پنڈلیاں کاٹ ڈالیں تو پھر یہ قصہ اس جگہ ذکر کرنے کے لائق نہیں ہے' کیونکہ اس قصہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی سیرت میں مخالفین کی ایذاء رسانیوں پر صبر کرنے کی عبادت کی مشقت پر صبر کرنے کا کوئی پہلو نہیں ہے' حتیٰ کہ اس قصہ سے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کرنے پر ترغیب دی جائے کہ آپ اس طرح صبر کیجئے جس طرح حضرت سلیمان نے صبر کیا تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی گھوڑوں کے ساتھ مشغولیت کی صحیح توجیہ

اس لیے اس قصہ کی توجیہ صرف اس طرح صحیح ہے کہ گھوڑوں کو پالنا اور ان کو اصطبل میں رکھنا ان کے دین میں اس طرح پسندیدہ تھا جس طرح ہمارے دین میں گھوڑوں کو جہاد کے لیے رکھنا پسندیدہ ہے' پھر حضرت سلیمان علیہ السلام جب جہاد کے لیے جانے لگے تو وہ ایک مجلس میں بیٹھے اور گھوڑوں کو حاضر کرنے کا حکم دیا اور گھوڑوں کی مشق کرانے کے لیے ان کو دوڑانے کا حکم دیا اور یہ فرمایا کہ میں دنیا کی وجہ سے ان گھوڑوں سے محبت نہیں کرتا' بلکہ میں اللہ کے ذکر کی اشاعت اور اس کے دین کی سربلندی کے لیے گھوڑوں سے محبت کرتا ہوں' کیونکہ جہاد میں ان پر سواری کی جاتی ہے' پھر آپ نے جب گھوڑوں کو دوڑانے کا حکم دیا اور وہ آپ کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تو آپ نے ان کو حکم دیا جو گھوڑوں کو مشق کرا رہے تھے کہ وہ گھوڑوں کو واپس لائیں اور جب وہ گھوڑے واپس آ گئے تو آپ شفقت سے ان گھوڑوں کی پنڈلیوں اور ان کی گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے اور ان پر ہاتھ پھیرنے سے حسب ذیل امور مطلوب تھے:

(۱) گھوڑوں کی تکریم کرنا اور ان کی قدر و منزلت کو واضح کرنا کیونکہ دشمنان اسلام سے جنگ کرنے میں گھوڑوں کا بہت بڑا حصہ ہے۔

(۲) حضرت سلیمان علیہ السلام یہ بتانا چاہتے تھے کہ ملک کا نظم و نسق چلانے میں وہ بعض کاموں کو خود اپنے ہاتھوں سے انجام دیتے ہیں۔

(۳) حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کے احوال' ان کی بیماریوں اور ان کے عیوب کو دوسروں کی بہ نسبت خود سب سے زیادہ جانتے تھے' اس لیے وہ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیر کر یہ جانچ رہے تھے کہ ان میں کوئی عیب یا مرض تو نہیں ہے۔

قرآن مجید کی ان آیتوں کی یہ تفسیر جو ہم نے ذکر کی ہے' یہ قرآن مجید کے الفاظ کے بالکل مطابق اور موافق ہے اور اس تفسیر پر ان اعتراضات میں سے کوئی اعتراض لازم نہیں آتا جو اکثر مفسرین کی تفسیر پر لازم آتے ہیں اور مجھے اس پر سخت تعجب ہوتا ہے کہ ان مفسرین نے ان کمزور وجوہ اور اس روایت کو کیسے قبول کر لیا جب کہ اس روایت کی تائید میں ان کے پاس کوئی شبہ بھی نہیں ہے چہ جائیکہ کوئی دلیل ہو۔

جس سے وہ بے بس ہو گیا' حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت بھی اسی انگوٹھی کی وجہ سے تھی' آپ نے صخر کو اس طرح بیت المقدس کی تعمیر کرنے کا حکم دیا اور اس نے اس کی تعمیر شروع کر دی' حضرت سلیمان علیہ السلام جب بیت الخلاء یا حمام میں جاتے تھے تو انگوٹھی اتار کر جاتے تھے' ایک دن آپ حمام میں جا رہے تھے اور یہ صخر نامی شیطان بھی آپ کے ساتھ تھا' اس وقت آپ فرض غسل کرنے جا رہے تھے' آپ نے انگوٹھی اس کو دی اور خود غسل کرنے چلے گئے' اس نے وہ انگوٹھی سمندر میں پھینک دی اور اس شیطان پر حضرت سلیمان کی شکل وصورت ڈال دی گئی اور آپ سے تاج وتخت چھن گیا اور ان سب چیزوں پر اس شیطان نے قبضہ کر لیا۔ ماسوا آپ کی ازواج کے' ادھر اس شیطان سے بہت سی ایسی باتیں ظاہر ہونے لگیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے معمولات کے خلاف تھیں' اس زمانہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی امت میں ایک شخص ایسے صاحب فراست اور صاحب الہام تھے جیسے ہماری امت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہوں نے سوچا: یہ شخص حضرت سلیمان معلوم نہیں ہوتا' انہوں نے اس سے سوال کیا: اگر کوئی شخص رات کو جنبی ہو جائے اور سردی کی وجہ سے طلوع آفتاب تک غسل نہ کر سکے تو کوئی حرج تو نہیں؟ اس نے کہا: کوئی حرج نہیں۔ صخر چالیس دن تک حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت پر بیٹھ کر حکومت کرتا رہا' پھر حضرت سلیمان کو مچھلی کے پیٹ سے وہ انگوٹھی مل گئی' اس انگوٹھی کو پہنتے ہی آپ پھر تمام چیزوں پر قابض اور متصرف ہو گئے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۸ ملخصاً' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

امام عبد الرحمان بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت الخلاء جانے کا ارادہ کیا تو آپ نے اپنی انگوٹھی اتار کر اپنی بیوی جرادہ کو دے دی' وہ آپ کو اپنی تمام ازواج میں سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ شیطان حضرت سلیمان کی صورت میں ان کے پاس گیا اور ان سے کہا لاؤ میری انگوٹھی دے دو' انہوں نے اس کو انگوٹھی دے دی' جب اس نے وہ انگوٹھی پہن لی تو تمام جن' انسان اور شیاطین اس کے تابع ہو گئے' ادھر حضرت سلیمان علیہ السلام جب بیت الخلاء سے آئے تو آپ نے جرادہ سے کہا: لاؤ میری انگوٹھی دو۔ اس نے کہا: میں وہ انگوٹھی سلیمان کو دے چکی ہوں۔ انہوں نے کہا: میں سلیمان ہوں' جرادہ نے کہا: تم جھوٹ بولتے ہو' تم سلیمان نہیں ہو۔ حضرت سلیمان جس کے پاس بھی جا کر کہتے کہ میں سلیمان ہوں وہ آپ کو جھٹلاتا' حتیٰ کہ بچے آپ کو پتھر مارتے' جب آپ نے یہ حال دیکھا تو آپ نے سمجھ لیا کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے' ادھر شیطان حکومت کرتا رہا' جب اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ حضرت سلیمان کو ان کی سلطنت لوٹا دے تو اس نے لوگوں کے دلوں میں اس شیطان کی نفرت ڈال دی' سو لوگوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی بیویوں سے یہ معلوم کرایا کہ آپ نے سلیمان کے افعال میں کوئی نیا فعل بھی دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! وہ حیض کے ایام میں بھی ہم سے مقاربت کرتے ہیں اور وہ اس سے پہلے ایسا نہیں کرتے تھے اور جب شیطان نے یہ دیکھا کہ اس کی پول کھل گئی ہے تو اس نے جان لیا کہ اس کے دن پورے ہو گئے' پھر شیاطین نے کتابوں میں جادو کرنے کے طریقے لکھے اور ان کتابوں کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی کے نیچے دفن کر دیا' پھر لوگوں میں یہ بات پھیلا دی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جادو کے زور سے حکومت کرتے تھے اور لوگوں کے سامنے ان کی کرسی کے نیچے سے وہ کتابیں نکال کر پڑھوائیں اور کہا: اس کی بناء پر مسلمان لوگوں پر غالب تھے اور ان پر حکومت کرتے تھے۔ پھر لوگوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا کفر کیا اور لوگ اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کا کفر کرتے رہے۔ ادھر ایک آدمی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بلایا اور کہا: یہ مچھلیاں اٹھا کر میرے لیے لے چلو گے؟ پھر وہ اس کے گھر گئے اور اس آدمی نے وہ مچھلی اٹھا کر ان کو اجرت میں دے دی جس کے پیٹ میں وہ انگوٹھی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس مچھلی کو کاٹا تو اس کے پیٹ سے وہ انگوٹھی نکل آئی' حضرت سلیمان

جاتا، تب ان سے یہ کہا گیا کہ عنقریب آپ پر ایک مصیبت آئے گی، حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ پتا نہیں تھا کہ آسمان کی طرف سے یہ مصیبت آئے گی یا زمین کی طرف سے۔

ہر چند کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف اس حدیث کی سند قوی ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ حضرت ابن عباس نے اس قصہ کو یہودی علماء سے سنا ہے اور یہودیوں میں ایک ایسا فرقہ بھی تھا جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت کا معتقد نہیں تھا' اس لیے وہ حضرت سلیمان علیہ السلام پر جھوٹ باندھتے تھے اور ان کا سب سے بڑا جھوٹ یہ تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ازواج پر ایک جن مسلط تھا اور تمام ائمہ سلف نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی ازواج کو اس جن کے تسلط سے محفوظ رکھا اور یہ آپ کی ازواج کی تکریم کے لیے تھا۔

(۳) سعید بن مسیب نے نقل کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام تین دن لوگوں سے محتجب رہتے تھے اور ان کے کسی مقدمہ کا فیصلہ نہیں کرتے تھے اور نہ انصاف کر کے مظلوم کا حق ظالم سے دلواتے تھے' تب اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف یہ وحی کی کہ میں نے آپ کو اس لیے خلیفہ نہیں بنایا کہ آپ میرے بندوں سے چھپے رہیں' بلکہ میں نے آپ کو اس لیے خلیفہ بنایا ہے کہ آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں اور مظلوم کا حق ظالم سے لے کر دیں۔

یہ اثر سعید بن مسیب تک سند ضعیف سے ثابت ہے اور دلائل قطعیہ کے معارض نہیں ہو سکتا۔ انبیاء علیہم السلام کی عصمت دلائل قطعیہ سے ثابت ہے اور یہ اثر ضعیف ہے۔

(۴) شہر بن حوشب نے روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے سمندر کے جزائر میں سے کسی جزیرہ میں بادشاہ غزان کی بیٹی کو گرفتار کیا تھا' جس کا نام صیدون تھا' حضرت سلیمان علیہ السلام کے دل میں اس کی محبت ڈال دی گئی تھی اور وہ آپ سے اعراض کرتی تھی' بہت کم آپ کی طرف دیکھتی تھی اور بہت کم آپ سے بات کرتی تھی' پھر ایک دن اس نے آپ سے یہ سوال کیا کہ آپ اس کے باپ کی صورت کا ایک مجسمہ بنا دیں' حضرت سلیمان نے اس کی خواہش کے مطابق اس کے باپ کی صورت کا مجسمہ بنا دیا' وہ اس مجسمہ کی بہت تعظیم کرتی تھی اور اس کو سجدہ کرتی تھی اور اس کی سہیلیاں بھی اس کے ساتھ سجدہ کرتی تھیں' اس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھر میں ایک بت کی پرستش کی جاتی تھی اور وہ اس سے لاعلم تھے' حتیٰ کہ چالیس دن گزر گئے اور یہ خبر بنی اسرائیل میں پھیل گئی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی اس کی خبر ہو گئی' آپ نے اس بت کو توڑ کر اس کو جلا ڈالا اور اس کی راکھ ہوا میں اڑا دی۔

شہر بن حوشب کی یہ روایت اسرائیلیات میں سے ہے اور عقائد قطعیہ کے مخالف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

(۵) مجاہد نے کہا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے آصف نامی شیطان سے پوچھا: تم لوگوں کو کس طرح گمراہ کرتے ہو؟ شیطان نے کہا: آپ مجھے اپنی انگوٹھی دیں' پھر میں آپ کو اس کا جواب دوں گا' حضرت سلیمان نے اس کو اپنی انگوٹھی دے دی' اس نے وہ انگوٹھی سمندر میں پھینک دی حتیٰ کہ آپ کا ملک چلا گیا۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۹۵۔۹۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے قتادہ سے اس واقعہ کو اس طرح روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ بیت المقدس کی تعمیر اس طرح کریں کہ لوہے کی آواز بھی نہ سنائی دے' آپ نے اس طرح بنانے کی کئی تدبیریں کیں لیکن کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی' پھر آپ کو معلوم ہوا کہ سمندر میں صخر نام کا ایک شیطان ہے' وہ کسی ترکیب سے بیت المقدس کی اس طرح تعمیر کر سکتا ہے' اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی دی گئی یا اس کے کندھوں کے درمیان اس انگوٹھی کی مہر لگا دی گئی

ہے:

يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ. قلعے اور مجسمے جو کچھ سلیمان چاہتے تھے جنات ان کے لیے بنا دیتے تھے۔ (سبا: ۱۳)

(الکشاف ج ۴ ص ۹۶ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ)

اسرائیلی روایات کا رد امام رازی سے

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ نے حسب ذیل وجوہ سے ان روایات کو رد کر دیا ہے:

(۱) اگر شیطان انبیاء علیہم السلام کی صورت کی مثل بنانے پر قادر ہو تو پھر شریعت پر کوئی اعتماد نہیں رہے گا' کیونکہ لوگوں نے سیدنا محمد' حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کو دیکھا ہے' ہو سکتا ہے کہ یہ وہ انبیاء نہ ہوں بلکہ شیطان نے ان کی صورت بنا لی ہو اور اس طرح پھر دین بالکلیہ باطل ہو جائے گا۔

(۲) اگر شیطان اس قسم کے کام اللہ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کی صورت بن کر کر سکتا ہے تو پھر وہ علماء اور زاہدوں کے ساتھ بھی ایسی کارروائی کر سکتا ہے اور اس صورت میں اس پر واجب ہے کہ وہ ان علماء کو قتل کر دے' ان کی تصانیف کو پھاڑ دے اور ان کے گھروں کو منہدم کر دے اور جب علماء کے ساتھ اس کی یہ کارروائی باطل ہے تو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اس کی یہ کارروائی بہ طریقہ اولیٰ باطل ہے۔

(۳) یہ کس طرح ممکن ہے کہ شیطان کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی ازواج کے ساتھ بدکاری پر قدرت حاصل ہو گئی ہو۔

(۴) اگر یہ کہا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بیوی جرادہ نے حضرت سلیمان کی اجازت سے بت کی پرستش کی تھی تو یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا کفر ہو گا اور اگر کہا جائے کہ اس نے آپ کی اجازت کے بغیر بت کی پرستش کی تھی تو یہ اس کا گناہ ہے اور اس کی وجہ سے حضرت سلیمان کو اس فتنہ میں مبتلا کیا گیا' وہ فتنہ یہ ہے کہ شیاطین نے یہ کہا کہ اگر یہ حضرت سلیمان کا بیٹا زندہ رہا تو اپنے باپ کی طرح یہ ہم پر مسلط ہو جائے گا تو اب نجات کی یہی صورت ہے کہ ہم اس کو قتل کر دیں اور جب حضرت سلیمان کو شیاطین کے اس منصوبہ کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے بیٹے کو پرورش کے لیے بادلوں میں رکھ دیا' پھر جب حضرت سلیمان کسی کام سے واپس آئے تو تخت پر ان کا بیٹا مردہ پڑا ہوا تھا اور ان کو بتایا گیا کہ کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ پر توکل نہیں کیا تھا اس لیے ایسا ہوا' پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور استغفار کیا۔

(۵) نیز حدیث صحیح میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے کہا: آج رات میں سو یا ننانوے عورتوں سے مقاربت کروں گا اور ان میں سے ہر ایک سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا پیدا ہو گا' ان کے صاحب نے کہا: ان شاء اللہ! حضرت سلیمان نے ان شاء اللہ نہیں کہا تو ان ازواج میں سے صرف ایک زوجہ حاملہ ہوئی اور اس سے ایک ناتمام (کچا اور ادھورا) بچہ پیدا ہوا اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے' اگر وہ ان شاء اللہ کہہ دیتے تو ان سب سے ایسے بچے پیدا ہوتے جو سب اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہوتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۱۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۵۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۸۴۰' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۱۷۴' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۲۴۴' مسند احمد ج ۲ ص ۲۷۵' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۴۴)

پس حضرت سلیمان علیہ السلام کو جس آزمائش میں مبتلا کیا گیا وہ یہ آزمائش تھی نہ کہ وہ چیز جس کا اسرائیلی روایات میں

علیہ السلام نے وہ انگوٹھی پہن لی' انگوٹھی پہنتے ہی تمام جن' انسان اور شیاطین سب آپ کے تابع ہو گئے اور آپ اپنے حال کی طرف لوٹ آئے اور وہ شیطان بھاگ کر سمندر کے کسی جزیرہ میں چلا گیا' حضرت سلیمان نے اس کو تلاش کرایا' ایک دن وہ سویا ہوا تھا تو آپ کے کارندوں نے اس کو زنجیروں میں جکڑ لیا' آپ نے اس کو لوہے کے ایک صندوق میں بند کر کے سمندر میں پھنکوا دیا اور وہ قیامت تک وہیں رہے گا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث ۱۸۳۵۵ ج ۱۰ ص ۳۲۴۴۔۳۲۴۱ مکتبہ نزار مصطفیٰ ۱۴۱۷ھ)

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے اس واقعہ کو زیادہ وضاحت سے بیان کیا ہے' اس میں اس طرح مذکور ہے کہ اس شیطان نے چالیس دن لوگوں پر حکومت کی' جب لوگوں کو اس پر شبہ ہو گیا اور انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی بیویوں سے اس کی تفتیش کرائی تو وہ ڈر کر سمندر کی طرف بھاگ گیا اور اسی اثناء میں وہ انگوٹھی اس سے سمندر میں گر گئی جس کو ایک مچھلی نے اٹھا کر منہ میں ڈال لیا۔ ادھر حضرت سلیمان سمندر کے کنارے محنت مزدوری کرتے تھے' ایک دن ان کو اجرت میں وہ مچھلی ملی جس کے پیٹ میں وہ انگوٹھی تھی' اس انگوٹھی کی وجہ سے ان کی حکومت ان کو واپس مل گئی اور انہوں نے اس شیطان کو گرفتار کرا کر لوہے کے ایک صندوق میں بند کروا کر سمندر میں پھنکوا دیا' وہ قیامت تک وہیں رہے گا' اس شیطان کا نام حبقیق تھا۔

(جامع البیان رقم الحدیث ۲۲۹۹۲ ج ۲۳ ص ۱۹۹۔۱۹۱ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابو اسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے' اس میں ہے: جب لوگوں نے اس شیطان کے غیر مانوس اور غیر شرعی احکام سنے تو آصف اس کی تحقیق کے لیے حضرت سلیمان کی بیویوں کے پاس گیا اور ان سے پوچھا: آیا تم نے سلیمان بن داؤد میں کوئی غیر مانوس فعل دیکھا ہے' انہوں نے کہا: ہاں! وہ ایام حیض میں ہم سے مجامعت کرتے ہیں اور غسل جنابت نہیں کرتے۔ آصف نے کہا: انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ ضرور کھلی آزمائش ہے' اس کے بعد حسب سابق قصہ ہے۔ امام ثعلبی نے لکھا ہے کہ اس شیطان کا نام صخر تھا۔ (الکشف والبیان ج ۹ ص ۲۰۴۔۲۰۲ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۲ھ)

امام الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۶ھ' امام ابن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ' حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ وغیرہ ہم مفسرین نے اس روایت کا ذکر کیا ہے' ان کی کتب کے حوالہ جات حسب ذیل ہیں:

(معالم التنزیل ج ۴ ص ۷۰' زاد المسیر ج ۷ ص ۱۳۶۔۱۳۵' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۰۔۳۹)

یہ تمام اسرائیلی روایات ہیں' ان میں سے کوئی بھی صحیح اور قابل قبول نہیں ہے' ہم نے ان روایات کو ان تفاسیر کے حوالوں سے اس لیے ذکر کر دیا ہے کہ اگر کوئی شخص ابن جریر' ابن ابی حاتم' الماوردی' الثعلبی اور ابن کثیر کے حوالوں سے ان روایات کو بیان کرے تو آپ ان تفسیروں کے حوالے سن کر مرعوب نہ ہوں اور یہ یقین رکھیں کہ یہ روایات باطل ہیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی عصمت جو دلائل قطعیہ سے ثابت ہے یہ روایات اس کے خلاف اور متصادم ہیں اور قابل اعتماد مفسرین نے ان روایات کو رد کر دیا ہے۔

اسرائیلی روایات کا رد علامہ زمخشری سے

علامہ ابو القاسم محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ھ لکھتے ہیں:

محققین علماء نے ان روایات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ یہودیوں کی باطل روایات میں سے ہیں اور شیاطین اس قسم کے کام کرنے پر قادر نہیں ہیں جن کا ان روایات میں ذکر کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنے بندوں پر اس طرح مسلط نہیں کرتا جس سے وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو متغیر کر سکیں اور نہ یہ ممکن ہے کہ ان کو انبیاء علیہم السلام کی ازواج پر اس طرح مسلط کر دیا جائے کہ وہ ان سے بدکاری کریں' رہا مجسموں کا بنانا تو وہ بعض شریعتوں میں جائز تھا جیسا کہ قرآن مجید میں

ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ذہنوں اور ہماری عقلوں کو ان روایات کے فتنہ سے محفوظ رکھے۔

(البحر المحیط ج ۹ص ۱۵۶' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

اسرائیلی روایات کا رد علامہ اسماعیل حقی سے

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

قاضی عیاض متوفی ۵۴۴ھ نے کہا ہے کہ اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس قصہ میں ان شاء اللہ کیوں نہیں کہا تھا تو اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) زیادہ صحیح جواب یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہنا بھول گئے تھے تا کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے تقاضے پورے ہوں۔

(۲) جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے صاحب نے ان کو ان شاء اللہ کہنا یاد دلایا تھا وہ اس وقت کسی کام میں مشغول تھے اور اس کی بات پر توجہ نہیں کر سکے۔ (الشفاء ج ۲ص ۱۴۸) بعد میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی بھول پر بھی اللہ تعالیٰ سے معافی چاہی اور اس بات پر استغفار کیا کہ وہ کسی اور کام میں کیوں اس قدر زیادہ مشغول ہوئے کہ ان کو ان شاء اللہ کہنا یاد نہیں رہا اور یہ ترک اولیٰ ہے اور انبیاء علیہم السلام ترک اولیٰ کو بھی اپنی لغزش قرار دیتے ہیں کیونکہ ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک برائیوں کے حکم میں ہوتی ہیں' کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے متعلق' اصحاب کہف کے متعلق اور ذوالقرنین کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: میں تمہیں کل اس کے متعلق خبر دوں گا' اور آپ نے ان شاء اللہ نہیں کہا' تو کئی روز تک آپ سے وحی روک لی گئی' پھر یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ. (الکہف: ۲۴-۲۳)

اور آپ کسی کام کے متعلق ہرگز یوں نہ کہیں کہ میں اس کام کو کل کرنے والا ہوں ○ مگر اس کے ساتھ ان شاء اللہ کہیں اور اپنے رب کو یاد کریں جب آپ بھول جائیں۔

نیز علامہ اسماعیل حقی اس بحث میں لکھتے ہیں:

ص: ۳۴ میں ہے: ''اور ان کی کرسی پر ایک جسم ڈال دیا'' ان اسرائیلی روایات میں اس آیت کو اس پر محمول کیا ہے کہ صخر نامی شیطان چالیس دن تک حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی پر بیٹھ کر حکومت کرتا رہا' یہ تاویل حسب ذیل وجوہ سے صحیح نہیں ہے:

(۱) قرآن مجید میں القاء کا لفظ ہے جس کا معنیٰ ہے ایک جسم کو تخت پر ڈال دیا' اس کا معنیٰ یہ کرنا کہ ایک شیطان کرسی پر بیٹھ گیا بغیر ایک بعید تاویل اور تکلف کے درست نہیں ہو سکتا اور اس تاویل اور تکلف کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

(۲) اس اسرائیلی روایت میں ہے کہ شیطان حضرت سلیمان علیہ السلام کی صورت بنا کر ان کی بیوی جرادہ کے پاس گیا اور ان سے انگوٹھی لے لی' یہ بات اس لیے غلط اور باطل ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام اس چیز سے معصوم ہیں کہ شیطان ان کی صورت اختیار کر سکے خواہ نیند میں' خواہ بیداری میں' تا کہ حق باطل کے ساتھ مشتبہ نہ ہو' کیونکہ تمام انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے اسم ہادی کے مظہر ہیں اور شیطان اللہ تعالیٰ کے اسم مضل (گمراہ کرنے والا) کا مظہر ہے اور ہدایت اور ضلالت دونوں ضدیں ہیں اور دو ضدیں جمع نہیں ہو سکتیں' اس لیے ان میں سے کوئی بھی دوسرے کی صورت میں نہیں آ سکتا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ عزوجل کی عظمت ہر عظمت والے سے بڑھ کر ہے اور جب شیطان انبیاء علیہم السلام کی

ذکر ہے۔

(۶) حضرت سلیمان علیہ السلام ایک شدید بیماری میں مبتلا ہو گئے تھے اور اس مرض کی شدت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے تخت پر ڈال دیا تھا اور جس شخص کا جسم کسی بیماری کی وجہ سے بہت نحیف اور لاغر ہو جائے اس کو عرب کہتے ہیں: یہ گوشت کا لوتھڑا ہے یا یہ بے جان جسم ہے' پس اس آیت میں جس آزمائش اور ابتلاء کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد ان پر اس بیماری کا مسلط ہونا ہے اور اس کے بعد جو فرمایا ہے: ''انہوں نے رجوع کیا'' تو اس سے مراد بیماری کے حال سے صحت کی طرف رجوع کرنا ہے۔

(۷) اور میں یہ کہتا ہوں کہ یہ بھی مستبعد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کسی کا خوف مسلط کر دیا تھا یا ان کو خطرہ تھا کہ کسی طرف سے ان پر کوئی مصیبت آنے والی ہے اور اس خوف کی شدت سے وہ بہت کمزور ہو گئے اور ان کو دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے ایک بے جان جسم تخت پر پڑا ہوا ہو' پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے اس خوف کو دور کر دیا اور ان کی قوت اور ان کے دلی اطمینان کو دوبارہ ان پر لوٹا دیا' قرآن مجید کی اس آیت کا معنی مؤخر الذکر تینوں صورتوں میں صادق آسکتا ہے اور ان صورتوں پر اس آیت کو محمول کرنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ اس کو ان اسرائیلی روایات پر محمول کیا جائے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی صریح توہین کو مستلزم ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۳۹۴۔۳۹۳' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اسرائیلی روایات کا رد علامہ ابوالحیان اندلسی سے

علامہ محمد بن یوسف ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت سلیمان علیہ السلام کو جس فتنہ میں مبتلا کیا گیا تھا اور ان کے تخت پر جس جسم کو ڈالا گیا تھا' اس کی تفسیر میں مفسرین نے ایسے اقوال نقل کر دیئے ہیں جن سے انبیاء علیہم السلام کی تنزیہ اور برأت واجب ہے اور یہ ایسے اقوال ہیں جن کو نقل کرنا جائز نہیں ہے اور ان اقوال کو یہودیوں اور زندیقوں نے گھڑ لیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں بیان فرمایا کہ وہ آزمائش کیا تھی اور نہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت پر جو اس نے جسم ڈال دیا تھا اس کا مصداق کون ہے (اور نہ احادیث صحیحہ میں ان چیزوں کا بیان ہے) اس کی تفسیر کے زیادہ قریب وہ حدیث ہے جس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس قول کا ذکر ہے کہ میں آج رات ایک سو بیویوں کے پاس جاؤں گا اور ہر ایک سے ایک مجاہد فی سبیل اللہ پیدا ہوگا' انہوں نے ان شاء اللہ نہیں کہا تھا اور اس کی پاداش میں ایک ادھورا بچہ پیدا ہوا' سو یہی حضرت سلیمان علیہ السلام کی آزمائش تھی کہ وہ ان شاء اللہ کہتے ہیں یا نہیں' اسی تقصیر کے سبب سے وہ ادھورا بچہ تخت پر ڈال دیا گیا اور جب انہوں نے ان شاء اللہ نہ کہنے پر استغفار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ وہ سخت بیمار پڑ گئے اور وہ تخت پر بے جان جسم کی طرح پڑے ہوئے تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی صحت اور قوت کو دوبارہ لوٹا دیا' اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا تھا کہ آپ کفار قریش وغیرہ کی باتوں پر صبر کریں' پھر آپ کو حکم دیا کہ آپ حضرت داؤد' حضرت سلیمان اور حضرت ایوب علیہم السلام کے قصوں کو یاد کریں' تاکہ ان کی سیرت پر عمل کریں اور یاد کریں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنا کس قدر قرب عطا کیا تھا اور ظاہر ہے کہ ان مفسرین نے ان انبیاء علیہم السلام کی طرف جن افعال کو ان روایات کی بناء پر منسوب کر دیا ہے وہ ایسے افعال نہیں ہیں جو سیرت کا بہترین نمونہ ہوں۔ نہ وہ افعال لائق فخر اور قابل تقلید ہیں۔ بلکہ ان میں سے بعض افعال عقلاً اور شرعاً محال ہیں۔ مثلاً شیطان کا نبی کی صورت میں آنا حتیٰ کہ لوگ شیطان کو نبی سمجھ لیں اور اگر یہ چیز ممکن ہو تو پھر کسی نبی کا آنا لائق اعتماد اور قابل بھروسا نہیں ہوگا' ان روایات کو زندیقوں نے گھڑ لیا ہے' ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے

متوجہ رکھے۔ (آمین)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے دعا کی: اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد اور کسی کے لائق نہ ہو' بے شک تو ہی بہت دینے والا ہے O (ص: ۳۵)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی توبہ کا محمل

جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا تھا وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی ہے اور مغفرت اس وقت طلب کی جاتی ہے جب کوئی گناہ ہو چکا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کوئی گناہ کیا تھا جس پر انہوں نے استغفار کیا تھا' امام رازی اس کے جواب میں فرماتے ہیں: انسان اس حال سے خالی نہیں ہے کہ اس سے کوئی افضل اور اولیٰ کام ترک ہو جاتا ہے اور اس وقت وہ مغفرت طلب کرنے کا محتاج ہوتا ہے' کیونکہ ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک برائیوں کے درجہ میں ہوتی ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۳۹۴' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس کی نظیر یہ حدیث ہے:

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر حجاب اور آپ کی توبہ اور استغفار کا محمل

اغر مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے دل پر ایک ابر چھا جاتا ہے اور بے شک میں ایک دن میں اللہ سے سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۰۲' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۵۱۵)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

غین کا معنیٰ ہے حجاب یعنی میرے دل پر اس طرح حجاب چھا جاتا ہے جس طرح آسمان پر ابر چھا جاتا ہے' اس کا محمل یہ ہے کہ آپ جو اپنے معمول کے مطابق اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے' بعض اوقات کسی شغل یا تکلیف یا امت کے معاملات میں غور و فکر یا دنیاوی ذمہ داریوں کی وجہ سے وہ ذکر رہ جاتا تھا تو اس وجہ سے آپ کے دل کے انوار پر حجاب چھا جاتا تھا سو آپ اس پر استغفار کرتے تھے' کیونکہ آپ کی خواہش تھی کہ آپ دائماً اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہیں' ایک قول یہ ہے کہ جب آپ اپنے وصال کے بعد امت کے احوال پر مطلع ہوتے تو ان کی خطاؤں سے آپ کے دل پر ایک ابر چھا جاتا اور آپ اپنی امت کے لیے استغفار کرتے تھے' ایک قول یہ ہے کہ جب آپ امت کی مصلحتوں میں غور و فکر کرتے اور امت کی آپس کی لڑائیوں پر مطلع ہوتے تو آپ اس پر استغفار کرتے تھے' ہر چند کہ امت کی مصلحت کی کوشش کرنا بھی بہت عظیم عبادت ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل مقام تو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ذات کا مشاہدہ کرنا اور اس کی صفات کا مطالعہ کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا ہر چیز سے منقطع ہو کر صرف اس کی ذات میں مستغرق ہونا ہے۔ اس لیے آپ اپنے اس بلند مقام کے اعتبار سے اس کو کم درجہ خیال فرما کر اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے اور ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو استغفار کرنے کا حکم دیا ہے آپ اس حکم کی تعمیل کرنے کے لیے اور تواضع اور اللہ تعالیٰ کی طرف افتقار کا اظہار کرنے کے لیے اور اللہ کی بارگاہ میں دائماً عجز کرنے کے لیے اور اس کی نعمتوں کا کماحقہ شکر ادا نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے تھے۔

علامہ محاسبی نے کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ ہر چند کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مامون اور محفوظ ہوتے ہیں اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی عظمت اور اس کے جلال سے خوف زدہ رہتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسی ڈر اور خوف کی حالت میں ان کے دلوں پر ابر چھا جاتا ہو اور آپ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے اور اس کی عظمت کے خیال سے استغفار کرتے ہوں

صورت میں نہیں آ سکتا تو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صورت میں بہ طریق اولیٰ نہ آ سکے' حالانکہ بہ کثرت لوگوں کے خواب میں وہ لعین اللہ تعالیٰ کی صورت میں آیا اور اس نے ان کو یہ بتایا کہ وہ حق تعالیٰ ہے تاکہ وہ ان کو گمراہ کر سکے اور ان لوگوں نے اس کا کلام سن کر یہ گمان کیا کہ ان سے اللہ عزوجل ہم کلام ہو رہا ہے۔ ہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے کہ ہر صاحب عقل کو یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی ایسی صورت معینہ معلومہ نہیں ہے کہ اگر کوئی اس صورت میں آ جائے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا اشتباہ ہو' اسی لیے علماء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں آیا دیکھنا جائز ہے' خواہ وہ کسی صورت میں نظر آئے' کیونکہ خواب میں جو صورت نظر آئے گی وہ اللہ تعالیٰ کی غیر ہے' اس کی کوئی صورت نہیں ہے' اس کے برخلاف انبیاء علیہم السلام کی معین اور معلوم صورتیں ہیں جو اشتباہ اور التباس کی موجب ہیں۔

(۳) یہ کس طرح ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ شیطان کو نبی کی کرسی پر بٹھا دے اور وہ اس کرسی پر بیٹھ کر مسلمانوں پر مسلط ہو جائے اور ان پر اپنے احکام جاری کرتا رہے' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا۝ اور اللہ کافروں کے لیے مسلمانوں پر غلبہ کی کوئی صورت ہرگز نہیں بنائے گا۝ (النساء: ۱۴۱)

(۴) وہ انگوٹھی نورانی تھی' پس کیسے ممکن ہے کہ وہ شیطان کے ظلماتی ہاتھوں میں رہے' جب کہ یہ ثابت ہے کہ نور شیطان کو جلا دیتا ہے' جیسا کہ شہاب ثاقب مارنے سے شیطان جل جاتا ہے۔

(۵) اس اسرائیلی روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت اس انگوٹھی کی وجہ سے تھی اور شیطان نے وہ انگوٹھی سمندر میں پھینک دی تھی تو پھر وہ شیطان اس انگوٹھی کے بغیر چالیس دن تک کیسے حکومت کرتا رہا۔

(روح البیان ج ۸ ص ۳۹۱-۳۹۰' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اسرائیلی روایات کا رد علامہ آلوسی سے

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابوالحیان اندلسی نے کہا ہے کہ اس مقالہ کو بے دین یہودیوں نے گھڑ لیا ہے اور کسی صاحب عقل کے لیے اس کے صحیح ہونے کا اعتقاد رکھنا جائز نہیں ہے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شیطان نبی کی صورت میں آ جائے حتیٰ کہ لوگ اس کو دیکھ کر یہ سمجھیں کہ یہ نبی ہے اور اگر ایسا ہونا ممکن ہوتا تو کسی نبی پر اعتماد نہ ہوتا اور سب سے قبیح بات یہ ہے کہ ان روایات میں مذکور ہے کہ شیطان نے نبی کی ازواج سے حالت حیض میں مباشرت کی' اللہ اکبر! یہ بہتان عظیم ہے اور اس حدیث کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف نسبت کرنا صحیح نہیں ہے' نیز خواص اور عوام میں یہ مشہور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت اس انگوٹھی کی وجہ سے تھی اور یہ بہت بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو ملک عطا کیا تھا اس کی عطا ایک انگوٹھی کے ساتھ مربوط تھی اور اگر اللہ تعالیٰ کی یہ عطا اس انگوٹھی کے ساتھ مربوط ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کا قرآن مجید میں ضرور ذکر فرماتا۔

اور ایک قوم نے یہ کہا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام تخت بیمار ہو گئے تھے اور وہ جس حال میں اس تخت پر پڑے ہوئے تھے اس سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ ایک بے روح جسم تخت پر پڑا ہوا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو دوبارہ صحت اور توانائی عطا فرما دی۔

(روح المعانی جز ۲۳ ص ۲۹۳' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

میں نے اس آیت کی تفسیر میں زیادہ دلائل اور حوالہ جات اس لیے ذکر کیے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دامن عصمت اچھی طرح بے غبار ہو جائے' اللہ تعالیٰ حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کے فیوضات کو میری طرف

پھٹ گئے' حضرت عائشہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ اس قدر مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب (بہ ظاہر خلاف اولیٰ کام) کی مغفرت فرمادی ہے' آپ نے فرمایا: کیا میں اس سے محبت نہیں کرتا کہ میں اللہ کا بہت زیادہ شکر گزار بندہ ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۳۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۲۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۵۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۷۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۴۸' مسند احمد ج ۶ ص ۱۱۵' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۱۰۴۰)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم مغفور ہونے کے باوجود ہر روز سو مرتبہ توبہ کرتے تھے تاکہ آپ کے امتی بھی آپ کی اتباع کریں' کیونکہ جن کی مغفرت متحقق ہے جب وہ اس قدر توبہ کر رہے ہیں تو جن کو اپنی مغفرت میں شک ہے ان کو کس قدر زیادہ توبہ کرنی چاہیے۔

توبہ کرنے کی کئی اقسام ہیں' عوام اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں اور خواص اپنی غفلتوں سے توبہ کرتے ہیں اور خواص الخواص اس سے توبہ کرتے ہیں کہ وہ کسی نیک کام یا جائز فعل میں مشغول ہو کر اللہ تعالیٰ کی ذات کے مشاہدہ اور اس کی صفات کے مطالعہ سے اعراض کرتے ہیں اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو دن میں سو بار توبہ کرتے تھے وہ اسی قسم کی توبہ تھی۔
(المفہم ج ۷ ص ۲۸۔۲۶' دار ابن کثیر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ' علامہ ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ' اور علامہ سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ نے بھی قاضی عیاض اور علامہ قرطبی کی عبارات کو نقل کیا ہے۔
(شرح مسلم للنواوی ج ۱۱ ص ۶۷۹۰' مکتبہ نزار مصطفیٰ' اکمال المعلم و مکمل اکمال الاکمال ج ۹ ص ۱۰۴۔۱۰۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

دعا میں اخروی مطالب کو دنیاوی مطالب پر مقدم رکھنا

حضرت سلیمان علیہ السلام نے پہلے اپنے لیے مغفرت کی دعا کی اور پھر یہ دعا کی: ''اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد اور کسی کے لائق نہ ہو''۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس دعا میں یہ دلیل ہے کہ دنیاوی مقاصد اور مطالب پر اخروی مطالب اور مقاصد کو مقدم رکھنا چاہیے' کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پہلے اپنے لیے مغفرت کی دعا کی اور پھر اپنے لیے سلطنت کی دعا کی' اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام کا بھی طریقہ ہے' حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں: میں نے اپنی امت کو یہ تلقین کی:

اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝ (نوح: ۱۲۔۱۰)

اپنے رب سے مغفرت طلب کرو' بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے ۝ وہ تمہارے اوپر موسلا دھار بارش بھیجے گا ۝ اور تمہارے اموال اور اولاد میں خوب اضافہ کرے گا اور تمہارے لیے باغات بنا دے گا اور تمہارے لیے دریا نکال دے گا ۝

حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ دعا کرنا کہ ان کو ایسی سلطنت دی جائے جو دوسروں کو نہ ملے' آیا یہ قول حسد کو مستلزم ہے؟

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی دعا میں یہ کہا: ''اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد اور کسی کے لائق نہ ہو'' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ چاہنا کہ جو نعمت ان کو ملے وہ اور کسی کو نہ ملے' حسد کی خبر دے رہا ہے اور حسد کرنا تو مذموم صفت ہے' اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

اور یہ اعتقاد نہ کیا جائے کہ آپ کا استغفار اس ابر کی وجہ سے تھا بلکہ ابر اور وجہ سے ہے اور استغفار اور وجہ سے ہے اور یہ استغفار اس ابر کے ساتھ مربوط نہیں ہے' جیسا کہ اس باب کی دوسری حدیث میں آپ کا ارشاد ہے: اے لوگو! اللہ کی طرف توبہ کرو' کیونکہ میں ایک دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں اور ہر چند کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے اور پچھلے ذنب (یعنی بہ ظاہر خلاف اولیٰ کام) کی مغفرت کر دی گئی ہے' اس کے باوجود آپ کا استغفار کرنا اس نعمت کا شکر ادا کرنے کے لیے ہے اور اس کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے ہے کہ میں معصوم اور مغفور ہونے کے باوجود اس سے استغفار کرتا ہوں اور بعض علماء نے کہا: اس ابر سے مراد یہ ہے کہ بعض اوقات پاک اور صاف دلوں میں بھی غفلت اور بعض دنیاوی مباح چیزوں کی طرف رغبت کی وجہ سے انوار الٰہیہ پر حجاب چھا جاتے ہیں سو آپ اس حجاب کی وجہ سے استغفار کرتے تھے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۸ ص ۱۹۸۔ ۱۹۰ مطبوعہ دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

ایک دن میں ایک سو بار توبہ کرنے کی توجیہ اور توبہ کی اقسام

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں غین کا لفظ ہے اور غین کا معنی ہے: ڈھانپنا' بادل کو بھی غین اس لیے کہتے ہیں کہ وہ آسمان کو ڈھانپ لیتا ہے اور کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ گناہوں کے اثر سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر زنگ چڑھ گیا تھا جس نے آپ کے قلب کے انوار کو ڈھانپ لیا تھا' کیونکہ جن کے نزدیک انبیاء علیہم السلام سے صغائر کا صدور جائز ہے وہ بھی اس کے قائل نہیں ہیں کہ صغائر کے صدور سے انبیاء علیہم السلام کے قلوب پر ایسے حجاب آ جاتے ہیں جیسے عام گنہ گاروں کے قلوب پر حجاب آ جاتے ہیں' بلکہ وہ مغفور اور مکرم ہیں اور ان سے کسی چیز کا مواخذہ نہیں ہوگا' پس اس سے معلوم ہوا کہ غین (ابر یا حجاب) گناہ کے سبب سے نہیں ہے' پھر اس غین کے سبب میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) آپ دائماً اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے تھے اور بعض اوقات کسی مشغولیت یا کسی اور سبب سے وہ ذکر نہیں کر سکتے تھے تو اس وجہ سے آپ کے دل پر حجاب آ جاتا تھا اور آپ اس کی وجہ سے استغفار کرتے تھے۔

(۲) آپ امت کے احوال پر مطلع ہوتے اور آپ کے بعد امت جن حالات سے گزرے گی اس پر آپ استغفار کرتے تھے۔

(۳) آپ امت کی اصلاح کے لیے جن کاموں میں مشغول ہوتے تھے' یا جہاد میں مصروف ہوتے تھے' اگرچہ یہ امور بھی عظیم عبادات ہیں تاہم آپ جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے تھے' اس سے ایک درجہ کم ہیں' اس لیے آپ کے قلب پر حجاب آ جاتا تھا اور آپ اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے تھے۔

(۴) آپ اپنے احوال میں دائماً ترقی کرتے رہتے تھے' جب آپ ایک مقام سے ترقی کر کے اس سے بلند مقام پر پہنچتے تو پہلے مقام کو نئے اور بلند مقام کی بہ نسبت ناقص قرار دیتے اور اللہ تعالیٰ سے اس پر مغفرت کرتے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن میں ایک سو بار توبہ کرتے تھے' اس میں توبہ کے دوام پر دلیل ہے اور انسان جب بھی اپنے گناہ کو یاد کرے تو نئی توبہ کرے' کیونکہ اس نے گناہ تو یقینی طور پر کیا ہے اور گناہ کی سزا سے نکلنا مشکوک ہے' اس لیے اس کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ توبہ کرتا رہے' حتیٰ کہ اس کے گناہ کا معاف ہونا یقینی ہو جائے اور ہم پر لازم ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے خوف کو لازم رکھیں اور اپنے افعال پر نادم ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے رہیں اور یہ عزم رکھیں کہ ہم دوبارہ اس گناہ کو نہیں کریں گے اور اس گناہ کا تدارک اور اس کی تلافی کریں اور اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ ہمارا وہ گناہ معاف ہو چکا ہے تو ہم پر واجب ہے کہ پھر بھی اس کا شکر ادا کرتے رہیں' جیسا کہ حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اتنا زیادہ قیام کرتے تھے کہ آپ کے دونوں پیر

کی عبادت میں کیوں مشغول اور منہمک رہتے‘ پس دنیا کچھ نہیں ہے‘ اصل چیز اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت ہے۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا افضل الرسل ہونا

اس جگہ ایک اور سوال یہ ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی دعا میں یہ کہا: ”اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد اور کسی کے لائق نہ ہو“ آیا اس عموم میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں یا نہیں‘ اگر ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس عموم میں شامل ہیں تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایسی نعمت عطا فرمائی جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عطا نہیں فرمائی اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل الرسل ہونے کے خلاف ہے‘ آپ کے افضل الرسل ہونے کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور فخر نہیں ہے اور میرے ہی ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور فخر نہیں ہے اور اس دن آدم اور ان کے ماسوا جتنے نبی ہوں گے سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور جب زمین پھٹے گی تو سب سے پہلے میں زمین سے نکلوں گا۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۱۵۔ ۳۱۴۸‘ جامع المسانید والسنن مسند ابی سعید الخدری رقم الحدیث: ۱۰۴۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب بیٹھے ہوئے انبیاء علیہم السلام کے فضائل بیان کررہے تھے‘ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا: میں نے تمہاری باتیں سنیں اور تمہارے تعجب کو سنا‘ بے شک ابراہیم خلیل اللہ ہیں اور وہ اسی طرح ہیں اور موسیٰ نجی اللہ ہیں اور وہ اسی طرح ہیں اور عیسیٰ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں اور وہ اسی طرح ہیں اور آدم صفی اللہ ہیں اور وہ اسی طرح ہیں‘ سنو! میں حبیب اللہ ہوں اور فخر نہیں ہے‘ قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والا میں ہوں اور فخر نہیں ہے اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور قیامت کے دن سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی اور فخر نہیں ہے اور سب سے پہلے میں جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا اور اللہ میرے لیے کھولے گا تو میں جنت میں داخل ہوں گا اور میرے ساتھ فقراء مؤمنین ہوں گے اور فخر نہیں ہے اور میں اکرم الاولین والآخرین ہوں اور فخر نہیں ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۱۶‘ سنن دارمی رقم الحدیث: ۴۸)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمام رسولوں کا قائد ہوں اور فخر نہیں ہے اور میں خاتم النبیین ہوں اور فخر نہیں ہے اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور میری شفاعت سب سے پہلے قبول کی جائے گی اور فخر نہیں ہے۔ (سنن دارمی رقم الحدیث: ۵۰)

ہواؤں اور جنات پر تصرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاصل ہے

حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو سلطنت دی گئی تھی اور جس سلطنت کے متعلق انہوں نے دعا کی تھی کہ اس میں ان کا کوئی شریک نہ ہو وہ ان کی ہوا اور جنات پر حکومت تھی‘ جیسا کہ ان آیتوں میں ہے:

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ ۝ وَالشَّيَاطِينَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَغَوَّاصٍ ۝ (ص: ۳۷۔ ۳۶)

سو ہم نے ان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا‘ وہ جس جگہ کا ارادہ کرتے تھے وہ ان کے حکم کے مطابق نرمی سے چلتی تھی ۝ اور قوی جنات کو بھی ان کے تابع کر دیا‘ ہر معمار اور غوطہ خور کو ۝

ہوا اور جنات دونوں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں شامل ہیں اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

(۱) اس آیت میں ملک سے مراد ہے قدرت اور اس آیت کا معنی ہے: مجھے ان چیزوں پر قدرت عطا فرما جن پر اور کوئی قادر نہ ہو تا کہ ان چیزوں پر قدرت میرا معجزہ ہو جائے اور وہ میری نبوت اور رسالت کی صحت پر دلیل ہو جائے' کیونکہ معجزہ کی یہی تعریف ہے کہ نبی ایسا کام کر کے دکھائے جس پر اس زمانہ میں کوئی دوسرا قادر نہ ہو اور وہ چیلنج کرے یہ ہے کہ میرے نبی ہونے کی یہ دلیل ہے' اگر تم مجھے نبی نہیں مانتے تو تم بھی ایسا کام کر کے دکھاؤ' جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کو اژدھا بنا کر پیش کیا اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے ساتھ چیلنج کیا تھا اور اس معنی پر دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ ○ سو ہم نے ان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا وہ جس جگہ کا ارادہ کرتے تھے وہ ان کے حکم کے مطابق نرمی سے چلتی تھی ○ (ص: ۳۶)

پس ہوا کا حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے چلنا ان کی زبردست قدرت تھی اور ان کی عظیم سلطنت تھی اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ ان کا معجزہ تھا اور ان کی نبوت پر نہایت مضبوط اور مستحکم دلیل تھی' پس حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو یہ فرمایا تھا: ''اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد اور کسی کے لائق نہ ہو'' اس کا معنی یہ ہے کہ مجھے ایسی چیز پر قدرت عطا فرما جس کے معارضہ کرنے پر کوئی اور قادر نہ ہو اور اسی کو معجزہ کہتے ہیں۔

(۲) جب حضرت سلیمان علیہ السلام بیمار ہوئے پھر اس کے بعد صحت مند ہو گئے تو انہوں نے جان لیا کہ دنیا کی نعمتیں دوسروں کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں' خواہ وراثت سے' خواہ کسی اور سبب سے' اس لیے انہوں نے دعا کی: اے میرے رب! مجھے ایسی نعمت عطا فرما جو مجھ سے منتقل نہ ہو سکے' سو اس دعا کا یہ منشا نہیں ہے کہ وہ نعمت کسی دوسرے کو نہ ملے بلکہ اس کا منشاء یہ ہے کہ وہ نعمت ان سے زائل نہ ہو۔

(۳) دنیا سے آخرت کی طرف منتقل ہونا مطلوب ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں: دنیا کی پسندیدہ چیزوں پر قدرت کے باوجود ان سے آخرت کی طرف منتقل ہونا' یا دنیا کی پسندیدہ چیزوں پر قدرت نہ ہو اور پھر ان کو چھوڑ کر آخرت کی طرف منتقل ہونا اور ظاہر ہے ان میں افضل پہلی قسم ہے' پس حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ دعا کی: اے اللہ! مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو تمام انسانوں کی سلطنت سے فزوں تر ہو اور کسی کے پاس ایسی سلطنت نہ ہو' حتیٰ کہ میں اس پر قدرت کے باوجود اس سے احتراز کر کے آخرت کی طرف راغب ہوں تا کہ میرا ثواب زیادہ کامل اور زیادہ افضل ہو۔

(۴) عبادت کی بھی دو قسمیں ہیں' ایک یہ ہے کہ انسان کو دنیا کی نعمت میسر نہ ہو اور دنیا کی طرف راغب کرنے والی کوئی چیز اس کو حاصل نہ ہو اور پھر وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور دوسری قسم یہ ہے کہ اس کو انتہائی مرغوب اور لذیذ چیزیں حاصل ہوں اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور ظاہر ہے کہ عبادت کا یہ دوسرا مرتبہ زیادہ افضل اور زیادہ کامل ہے' اس لیے حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ ان کو اللہ تعالیٰ تمام انسانوں سے بڑی اور عظیم سلطنت عطا فرمائے اور پھر وہ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں تا کہ ان کی عبادت زیادہ افضل اور زیادہ کامل ہو۔

(۵) جو آدمی دنیا پر قادر نہیں ہوتا اس کا دل دنیا کی نعمتوں کی طرف متوجہ رہتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ اصل نعمت تو دنیا ہی ہے۔ اس لیے حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی: اے اللہ! مجھے دنیا کی عظیم سلطنت عطا فرما' ایسی عظیم سلطنت جو اور کسی کے پاس نہ ہو' پھر جب میں اتنی عظیم سلطنت کے باوجود تیری اطاعت اور عبادت کروں گا۔ تب ارباب عقل پر یہ منکشف ہو گا کہ دنیا مقصود نہیں ہے' ورنہ اتنی عظیم سلطنت رکھنے کے باوجود حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس

سے چلتی تھی O اور قوی جنات کو بھی ان کے تابع کر دیا' ہر معمار اور غوطہ خور کو O اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے رہتے تھے O یہ ہمارا عطیہ ہے' آپ (جس کو چاہیں) بہ طور احسان عطا کریں یا (جس سے چاہیں) روک لیں' آپ سے کوئی حساب نہیں ہوگا O اور بے شک ان کے لیے ضرور ہمارا قرب ہے اور بہترین ٹھکانا ہے O (صٓ: ۴۰-۳۶)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے جو ہوائیں مسخر کی گئی تھیں وہ نرم اور ملائم تھیں یا تند و تیز؟

صٓ: ۳۶ میں ''رخاء'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے نرمی اور ملائمت' یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام ہوا کو جب کسی جگہ جانے کا حکم دیتے تھے تو وہ بہت نرمی اور آسانی سے چلتی ہوئی ان کے حکم کی تعمیل کرتی تھی۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ دوسری آیت میں فرمایا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے بہت تیز ہوا کو مسخر کر دیا تھا تھا۔ وہ آیت یہ ہے:

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِىْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِىْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۔ (الانبیاء: ۸۱)

ہم نے سلیمان کے لیے تیز اور تند ہوا کو مسخر کر دیا تھا جو ان کے حکم کے مطابق اس زمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکت دے رکھی تھی۔

اور اس طرح ان دونوں آیتوں میں بہ ظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے جس ہوا کو نرمی اور ملائمت سے مسخر کیا ہوا تھا وہ قوت اور طاقت میں تند اور تیز ہوا کے برابر تھی' اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی منشاء کے مطابق کبھی وہ ہوا نرمی اور ملائمت سے چلتی تھی اور کبھی تیزی اور تندی سے چلتی تھی۔

جو جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر کیے گئے تھے ان کے مختلف النوع فرائض

صٓ: ۳۷ میں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے قوی جنات کو ان کے تابع کر دیا تھا' ان میں سے بعض حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم کے مطابق قلعے اور اونچی اونچی عمارتیں بناتے تھے اور بعض ان کے حکم کے مطابق سمندر میں غوطے لگاتے تھے۔

قلعے اور اونچی اونچی عمارتیں بنانے کا ذکر اس آیت میں ہے:

يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ۔ (سبا: ۱۳)

سلیمان جو کچھ چاہتے تھے وہ جنات ان کے لیے بنا دیتے تھے' قلعے' مجسمے' حوضوں کے برابر ناند (ٹب) اور چولہوں پر جمی ہوئی مضبوط دیگیں۔

اور غوطہ لگانے والے جنات کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ O (الانبیاء: ۸۲)

اور بعض شیاطین سلیمان کے لیے غوطہ لگاتے تھے اور اس کے علاوہ بھی بہت کام کرتے تھے اور ہم ہی ان کے محافظ تھے O

وہ جنات سمندر میں غوطہ لگا کر موتی' جواہر اور دوسری ایسی چیزیں نکال کر لاتے تھے جو زیورات میں کام آتی ہیں' اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے سلیمان کے لیے ایسے جنات بھی مسخر کر دیئے تھے جو اونچی اونچی عمارتیں بناتے تھے اور ایسے جنات بھی مسخر کیے تھے جو سمندر میں غوطے لگاتے تھے اور دوسری قسم کے ایسے جنات بھی مسخر کیے تھے جو زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے یعنی وہ بہت سرکش جن تھے' جن کو لوہے کی زنجیروں کے ساتھ جکڑ کے رکھا ہوا تھا تا کہ ان کو شر اور فساد سے روکا جا سکے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے انبیاء پر چھ وجوہ سے فضیلت دی گئی ہے: مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے ہیں اور رعب سے میری مدد کی گئی ہے اور میرے لیے غنیموں کو حلال کر دیا گیا ہے اور تمام روئے زمین کو میرے لیے آلۂ تیمم اور مسجد بنا دیا گیا ہے اور مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اور مجھ پر نبیوں کو ختم کیا گیا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۵۳' سنن ابن ماجہ: ۵۶۷' مسند احمد ج ۲ ص ۴۱۲)

اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کے رسول ہیں اور تمام مخلوق میں ہوا اور جنات بھی شامل ہیں۔ پس ہوا اور جنات بھی آپ کی امت ہیں اور رسول اپنی امت پر غالب اور متصرف ہوتا ہے' سو اس سے لازم آیا کہ جنات اور ہوائیں بھی آپ کے زیر تصرف ہیں اور جنات پر آپ کے تصرف کی واضح دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گذشتہ شب ایک بہت بڑا جن مجھ پر حملہ آور ہوا' تا کہ وہ میری نماز کو فاسد کر دے' پس اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قادر کر دیا' سو میں نے ارادہ کیا کہ میں اس کو مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون کے ساتھ باندھ دوں' حتیٰ کہ تم صبح کو اٹھو تو تم سب اس کی طرف دیکھ رہے ہو' پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان کی یہ دعا یاد آئی: ''اے میرے رب! مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد اور کسی کے لائق نہ ہو' پھر آپ نے اس کو دھتکارا ہوا چھوڑ دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۱' صحیح مسلم رقم الحدیث ۵۴۱)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خبیث جن پر غلبہ اور تصرف حاصل تھا' لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلیمان کی دعا کی رعایت کرتے ہوئے اپنے اس غلبہ اور تصرف کو ظاہر نہیں فرمایا اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی دعا میں جو یہ کہا ہے کہ مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد اور کسی کے لائق نہ ہو' اس کے عموم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم افضل الرسل ہیں اور تمام مخلوق کے رسول ہیں' خود حضرت سلیمان علیہ السلام بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بہ منزلہ امتی اور مقتدی ہیں اور ایک امتی کے لیے کب زیبا ہے کہ وہ اپنے نبی سے فائق ہونے کی دعا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا ضرور قبول فرمائی اور آپ کو ہواؤں اور جنات پر تصرف عطا فرمایا' لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت سلیمان کو ایک نعمت عطا فرماتا اور اپنے محبوب کو اس نعمت سے محروم رکھتا' سو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی یہ نعمت عطا فرمائی' جبھی تو آپ نے اس حملہ آور جن کو ناکام اور نامراد لوٹا دیا اور اگر آپ چاہتے تو اس کو مسجد کے کسی ستون کے ساتھ باندھ دیتے۔

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات شیطان کو دیکھا اور چونکہ شیطان ایک جسم ہے' اس لیے آپ کو اس پر قدرت دی گئی' کیونکہ تمام جسموں پر قدرت ممکن ہے۔ لیکن آپ کے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو چیز دی گئی ہے اس کو ان کے ساتھ مخصوص رکھا جائے' اس لیے ہر چند کہ آپ اس کو گرفتار کرنے پر قادر تھے آپ نے اس کو گرفتار نہیں کیا' کیونکہ آپ یہ چاہتے تھے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا اس نعمت کے ساتھ انفراد قائم رہے اور آپ اس پر حریص تھے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کا قبول ہونا برقرار رہے۔ (شرح البخاری لابن بطال ج ۲ ص ۱۰۹' مکتبۃ الرشید ریاض' ۱۴۲۰ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ نے بھی علامہ ابن بطال کی اس عبارت کو بعینہٖ نقل کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۴ ص ۳۴۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو ہم نے ان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا' وہ جس جگہ کا ارادہ کرتے تھے وہ ان کے حکم کے مطابق نرمی

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ

اور ہمارے (خاص) بندے ایوب کو یاد کیجئے' جب انہوں نے اپنے رب سے ندا کی کہ بے شک مجھے شیطان نے سخت اذیت

بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ؕ ﴿۴۱﴾ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ

اور درد پہنچایا ہے ○ (ہم نے انہیں حکم دیا) اپنا پاؤں زمین پر مارو' یہ نہانے کا ٹھنڈا پانی ہے

وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَ

اور پینے کا ○ اور ہم نے انہیں ان کے گھر والے عطا فرما دیئے اور اتنے ہی اور ان کے ساتھ' ہماری طرف سے

ذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا

رحمت اور عقل والوں کی نصیحت کے لیے ○ اور آپ اپنے ہاتھ میں تنکوں کی ایک جھاڑو لے کر ماریں اور اپنی قسم نہ

تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾ وَاذْكُرْ

توڑیں' بے شک ہم نے ان کو صابر پایا' وہ کیا خوب بندے ہیں' بے شک وہ بہت رجوع کرنے والے ہیں ○ اور ہمارے

عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِى الْاَيْدِىْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾

(دیگر خاص) بندوں کو یاد کیجئے' ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو جو قوت والے اور بصیرت والے ہیں ○

اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ۚ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ

ہم نے ان کو خالص آخرت کی یاد کے ساتھ چن لیا تھا ○ بے شک وہ ہمارے نزدیک چنے ہوئے

الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ؕ ﴿۴۷﴾ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ

اور نیک ترین ہیں ○ اور اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو یاد کیجئے

وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ؕ ﴿۴۸﴾ هٰذَا ذِكْرٌ ؕ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ

اور یہ سب نیک ترین ہیں ○ یہ (قرآن) نصیحت ہے اور بے شک اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ضرور اچھا ٹھکانا

مَاٰبٍ ﴿۴۹﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ۚ ﴿۵۰﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا

ہے ○ (وہ) دائمی جنتیں ہیں' جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوئے ہیں ○ وہ ان میں تکیے لگائے

جن جنات کو زنجیروں سے جکڑا گیا ان کی جسامت پر ایک اعتراض کا جواب

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ان دو آیتوں میں جن جنات کا ذکر کیا گیا ہے وہ بہت سخت کام کر لیتے تھے' اونچی اونچی عمارتیں بناتے تھے' سمندر میں غوطے لگاتے تھے اور بعض کو زنجیروں سے باندھ کر رکھا جاتا تھا' ان جنات کے جسم کثیف تھے یا لطیف تھے۔ اگر ان کے اجسام کثیف تھے تو ہم کو نظر آنے چاہیے تھے۔ کیونکہ جسم کثیف کو انسان کی آنکھ دیکھ لیتی ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ کثافت کے باوجود نظر نہیں آتے تھے تو کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہو سکتا ہے ہمارے سامنے بڑے بڑے پہاڑ اور جنگلات ہوں اور ہمیں نظر نہ آرہے ہوں تو جس طرح یہ صحیح نہیں ہے اسی طرح یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ ہمارے سامنے جنات جسم کثیف میں موجود ہوں اور ہمیں نظر نہ آرہے ہوں اور اگر یہ کہا جائے کہ ان جنات کا جسم لطیف ہے اور لطافت سختی کے منافی ہے تو پھر یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ وہ جنات قوت شدیدہ کے حامل ہیں اور وہ ان کاموں کو کر گزرتے ہیں جن پر عام بشر اور انسان قادر نہیں ہوتے' کیونکہ جسم لطیف کا قوام بہت ضعیف ہوتا ہے اور معمولی سی مزاحمت کے بعد اس کے اجزاء پھٹ جاتے ہیں' لہٰذا وہ ثقیل اشیاء کو اٹھانے اور سخت کاموں کے کرنے پر قادر نہیں ہوگا' نیز جب ان جنات کا جسم لطیف ہوگا تو پھر ان کو طوق اور زنجیروں کے ساتھ جکڑنا بھی ممکن نہیں ہوگا۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ان جنات کے اجسام لطیف ہیں لیکن لطافت' صلابت اور سختی کے منافی نہیں ہے' پس چونکہ وہ اجسام لطیف ہیں اس لیے وہ دکھائی نہیں دیتے اور چونکہ ان میں صلابت اور سختی ہے اس لیے ان کو طوق اور زنجیروں کے ساتھ جکڑنا ممکن ہے' اسی طرح ان کا بھاری چیزوں کو اٹھانا اور سخت اور دشوار کاموں کو کرنا بھی ممکن ہے۔ کیا یہ مشاہدہ نہیں ہے کہ سخت اور تیز آندھی بڑے بڑے تناور درختوں کو جڑ سے اٹھا کر پھینک دیتی ہے اور مضبوط بجلی کے کھمبوں کو گرا دیتی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان جنات کے اجسام کثیف ہوں اور وہ سخت اور دشوار کاموں پر قادر ہوں اور ان کو طوق اور زنجیروں کے ساتھ جکڑنا بھی ممکن ہو اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں وہ لوگوں کو دکھائی دیتے ہوں اور ہمارے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی حکمت کی وجہ سے ان کا دکھائی دینا ممتنع کر دیا ہو۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا دنیاوی واخروی قرب

صٓ: ۳۹ میں فرمایا: ''یہ ہمارا عطیہ ہے آپ (جس کو چاہیں) بہ طور احسان عطا کریں' یا (جس سے چاہیں) روک لیں آپ سے کوئی حساب نہیں ہوگا O''

یعنی ہم نے آپ کے لیے ہواؤں کو اور جنات کو مسخر کر دیا ہے اور آپ کو ملک عظیم عطا کیا ہے' یہ خاص ہمارا عطیہ ہے کوئی اور اس کے دینے پر قادر نہیں ہے' آپ ان میں سے جو چیز جس کو چاہیں عطا کر دیں اور جس سے چاہیں روک لیں' آپ کے لیے دونوں امر مباح ہیں اور آپ سے آپ کے تصرفات کا کوئی حساب نہیں لیا جائے گا کہ آپ نے فلاں کو کیوں عطا کیا اور فلاں کو کیوں عطا نہیں کیا۔

صٓ: ۴۰ میں فرمایا: ''اور بے شک ان کے لیے ضرور ہمارا قرب ہے اور بہترین ٹھکانا ہے O''

یعنی اس کے باوجود کہ ان کو دنیا میں عظیم ملک عطا کیا گیا وہ آخرت میں ضرور ہمارے مقرب ہوں گے اور دنیا میں ان کو جو عظیم ملک عطا کیا گیا تھا اس کی وجہ سے ان کے قرب میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور ان کا بہترین ٹھکانا ہوگا یعنی جنت۔

الکلبر (۴۴)

ضرور برحق ہے O

حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہمارے (خاص) بندے ایوب کو یاد کیجئے' جب انہوں نے اپنے رب سے ندا کی کہ بے شک مجھے شیطان نے سخت اذیت اور درد پہنچایا ہے O (ہم نے انہیں حکم دیا) اپنا پاؤں زمین پر مارو' یہ نہانے کا ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کا O اور ہم نے انہیں ان کے گھر والے عطا فرما دیئے اور اتنے ہی اور ان کے ساتھ' ہماری طرف سے رحمت اور عقل والوں کی نصیحت کے لیے O اور آپ اپنے ہاتھ میں تنکوں کی ایک جھاڑو لے کر ماریں اور اپنی قسم نہ توڑیں' بے شک ہم نے ان کو صابر پایا' وہ کیا خوب بندے ہیں' بے شک وہ بہت رجوع کرنے والے ہیں O (ص: ۴۴-۴۱)

حضرت ایوب علیہ السلام کو آزمائش میں مبتلا کیا جانا

علماء التفسیر اور علماء التاریخ نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ایوب بہت مال دار شخص تھے' ان کے پاس ہر قسم کا مال تھا' مویشی اور غلام تھے اور زرخیز اور غلہ سے لہلہاتے ہوئے کھیت اور باغات تھے اور حضرت ایوب علیہ السلام کی اولاد بھی بہت تھی' پھر ان کے پاس سے یہ تمام نعمتیں جاتی رہیں اور ان کے دل اور زبان کے سوا ان کے جسم کا کوئی عضو سلامت نہ رہا جن سے وہ اللہ عزوجل کا ذکر کرتے رہتے تھے اور وہ ان تمام مصائب میں صابر تھے اور ثواب کی نیت سے صبح و شام اور دن اور رات اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ ان کے مرض نے بہت طول کھینچا' حتیٰ کہ ان کے دوست اور احباب ان سے اُکتا گئے' ان کو اس شہر سے نکال دیا گیا اور کچرے اور کوڑے کی جگہ ڈال دیا گیا' ان کی بیوی کے سوا ان کی دیکھ بھال کرنے والا اور کوئی نہ تھا' ان کی بیوی لوگوں کے گھروں میں کام کرتی اور اس سے جو اُجرت ملتی اس سے اپنی اور حضرت ایوب کی ضروریات کو پورا کرتی۔

وہب بن منبہ اور دیگر علماء بنی اسرائیل نے حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری اور ان کے مال اور اولاد کی ہلاکت کے متعلق بہت طویل قصہ بیان کیا ہے۔ مجاہد نے بیان کیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام وہ پہلے شخص ہیں جن کو چیچک ہوئی تھی' ان کی بیماری کی مدت میں کئی اقوال ہیں' وہب بن منبہ نے کہا: وہ مکمل تین سال تک بیماری میں مبتلا رہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ سات سال اور کچھ ماہ بیماری میں مبتلا رہے' ان کو بنی اسرائیل کے گھورے (کچرا ڈالنے کی جگہ) پر ڈال دیا گیا تھا اور ان کے جسم میں کیڑے پڑ گئے تھے' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے بیماری کو دُور کر دیا اور ان کو صحت اور عافیت عطا فرمائی۔ حمید نے کہا: وہ اٹھارہ سال بیماری میں مبتلا رہے' ان کے سارے جسم سے گوشت گل کر گر گیا تھا اور جسم پر صرف ہڈیاں اور گوشت باقی رہ گیا تھا' ایک دن ان کی بیوی نے کہا: اے ایوب! آپ کی بیماری بہت طول پکڑ گئی ہے' آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ آپ کو صحت اور عافیت عطا فرمائے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا: میں ستر سال صحت اور عافیت کے ساتھ رہا ہوں' حق تو یہ ہے کہ میں اب ستر سال صبر کروں۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۳۰۹-۳۰۸' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں کیڑے پڑنے کی تحقیق

حافظ ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ نے حضرت ایوب کی بیماری کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

زبان اور دل کے علاوہ حضرت ایوب کے تمام جسم میں کیڑے پڑ گئے تھے' ان کا دل اللہ کی مدد سے غنی تھا اور زبان پر اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری رہتا تھا۔ کیڑوں نے ان کے تمام جسم کو کھا لیا حتیٰ کہ ان کی صرف پسلیاں اور رگیں باقی رہ گئیں تھیں' پھر کیڑوں کے

يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿٥١﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ

ہوئے ہوں گے وہ ان میں بکثرت پھلوں اور مشروبات کو طلب کریں گے O اور ان کے پاس نیچی

الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿٥٢﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٥٣﴾ اِنَّ

نظر والی ہم عمر حوریں ہوں گی O یہ وہ نعمتیں ہیں جن کا تم سے روزِ حساب کے لیے وعدہ کیا گیا تھا O بے شک

هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿٥٤﴾ هٰذَا ۭ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ

یہ ضرور ہمارا عطیہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہو گا O یہ (مؤمنین کی جزاء ہے) اور بے شک سرکشوں کا ضرور

لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿٥٥﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿٥٦﴾ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ

بُرا ٹھکانہ ہے O (یعنی) جہنم، جس میں وہ داخل ہوں گے، کیا ہی بُرا بچھونا ہے O یہ ہے، پس وہ کھولتے ہوئے پانی

حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿٥٧﴾ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ﴿٥٨﴾ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ

اور پیپ کو چکھیں O اور اسی طرح کا دوسرا عذاب ہے O (وہ دیگر دوزخیوں کو دیکھ کر کہیں گے) یہ ایک اور گروہ ہے

مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ۭ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿٥٩﴾ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۣ لَا مَرْحَبًۢا

جو تمہارے ساتھ داخل ہو رہا ہے، ان کو خوش آمدید نہ ہو، بے شک یہ دوزخ میں داخل ہونے والے ہیں O (آنے والے کہیں گے:)

بِكُمْ ۭ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿٦٠﴾ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ

بلکہ تم ہی وہ ہو جن کے لیے خوش آمدید نہیں ہے، تم نے ہی یہ عذاب ہمارے لیے پیش کیا ہے، سو وہ کیسی بُری ٹھہرنے کی جگہ ہے O وہ

لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿٦١﴾ وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى

کہیں گے: اے ہمارے رب! جس نے ہمارے لیے اس عذاب کو مہیا کیا ہے اس کے عذاب کو دوزخ میں دگنا کر کے زیادہ کر دے O

رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿٦٢﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ

دوزخی کہیں گے: کیا سبب ہے کہ ہمیں وہ لوگ نظر نہیں آ رہے جنہیں ہم (دنیا میں) بُرے لوگوں میں شمار کرتے تھے O کیا ہم نے ان کا

زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿٦٣﴾ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ

ناحق مذاق اڑایا تھا یا ہماری نگاہیں ان سے ہٹ گئیں ہیں O بے شک دوزخیوں کا یہ جھگڑا

الثلثة

کھلیان سے باہر گرنے لگا اور دوسرا بادل جَو کے کھلیان پر برسا اور اس کو چاندی سے بھر دیا حتیٰ کہ چاندی باہر گرنے لگی۔
(صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۸۹۸' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۳۵۷' حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۳۷۵-۳۷۴' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۶۱۷' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۴۰' المستدرک ج ۲ ص ۵۸۲-۵۸۱' حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے اور ذہبی نے اس کی موافقت کی۔ حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کو امام ابویعلیٰ اور امام بزار نے روایت کیا ہے اور امام بزار کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۰۸)

بعض مفسرین کا حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کو شیطان کی تاثیر قرار دینا

حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنے رب سے یہ ندا کی کہ بے شک مجھے شیطان نے سخت اذیت اور درد پہنچایا ہے۔ ان کا جو مال ومتاع ضائع ہو گیا تھا اس سے ان کو رنج پہنچا تھا اور ان کے جسم میں جو بیماری پیدا ہو گئی تھی اس سے ان کو درد ہو گیا تھا۔ ص: ۴۱ میں اس رنج اور درد پہنچانے کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے اور اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ شیطان کی طرف یہ نسبت حقیقتاً ہے یا مجازاً ہے۔ بعض مفسرین نے کہا: شیطان کی طرف یہ نسبت حقیقتاً ہے اور وہ اس سلسلہ میں یہ روایت بیان کرتے ہیں:

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

ایک دن ابلیس نے اپنے رب سے یہ کہا کہ کیا تیرے بندوں میں کوئی ایسا بندہ ہے کہ اگر تو مجھ کو اس پر مسلط کر دے تو وہ پھر بھی میرے فریب میں نہیں آئے گا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں! میرا بندہ ایوب ہے' ابلیس آ کر حضرت ایوب کو وسوسے ڈالنے لگا' حضرت ایوب اس کو دیکھ رہے تھے' لیکن آپ نے اس کی طرف بالکل التفات نہیں کیا' تب ابلیس نے کہا: اے رب! وہ میری طرف بالکل التفات نہیں کر رہے' تو اب مجھے ان کے مال پر مسلط کر دے' پھر ابلیس آ کر حضرت ایوب سے کہتا کہ تمہارا فلاں فلاں مال ہلاک ہو گیا' حضرت ایوب علیہ السلام اس کے جواب میں کہتے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی وہ مال دیا تھا' اسی نے ہی وہ مال لے لیا اور پھر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے رہے' پھر ابلیس نے کہا: اے رب! ایوب کو اپنے مال کی کوئی پرواہ نہیں ہے تو مجھے اس کی اولاد پر مسلط کر دے' پھر وہ آیا اور اس نے ان کے گھر کو منہدم کر دیا اور ان کی تمام اولاد ہلاک ہو گئی' ابلیس نے آ کر حضرت ایوب کو ان کی اولاد کے ہلاک ہونے کی خبر دی تو حضرت ایوب نے اس خبر پر کسی افسوس کا اظہار نہیں کیا' تب ابلیس نے کہا: اے میرے رب! ایوب کو اپنے مال کی پرواہ ہے نہ اپنی اولاد کی' سو تو مجھے ان کے جسم پر مسلط کر دے' اللہ تعالیٰ نے اس کو اجازت دے دی' اس نے حضرت ایوب علیہ السلام کی کھال میں پھونک ماری تو ان کے جسم میں بہت سخت بیماریاں پیدا ہو گئیں اور بہت سخت درد ہو گیا اور وہ کئی سال ان بیماریوں میں مبتلا رہے' حتیٰ کہ ان کے شہر کے لوگ ان سے نفرت کرنے لگے اور وہ جنگل میں چلے گئے' ان کے قریب کوئی نہیں جاتا تھا' پس ایک دن شیطان ان کی بیوی کے پاس گیا اور کہا: اگر آپ کا خاوند مجھ سے مدد طلب کرے تو میں اس کو اس تکلیف سے نجات دے دوں گا' ان کی بیوی نے ان سے یہ ماجرا بیان کیا تو انہوں نے قسم کھائی کہ اگر اللہ نے ان کو شفا دے دی تو وہ اپنی بیوی کو سو کوڑے ماریں گے' پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: بے شک مجھے شیطان نے سخت اذیت اور درد پہنچایا ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کے پیر کے نیچے سے ایک ٹھنڈا اور پاکیزہ چشمہ پیدا کر دیا' انہوں نے اس میں غسل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام ظاہری اور باطنی تکلیفوں کو دور فرما دیا اور ان کے اموال اور ان کی اولاد کو بھی ان پر واپس کر دیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۳۶۰' ملخصاً)

امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ھ اور علامہ علی بن محمد خازن المتوفی ۷۲۵ھ نے بھی اس کا خلاصہ بیان کیا ہے۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۳۰۳' تفسیر الخازن ج ۳ ص ۲۳۴)

کھانے کے لیے بھی کچھ باقی نہ رہا' پھر کیڑے ایک دوسرے کو کھانے لگے' دو کیڑے باقی رہ گئے تھے' انہوں نے بھوک کی شدت سے ایک دوسرے پر حملہ کیا اور ایک کیڑا دوسرے کو کھا گیا' پھر ایک کیڑا ان کے دل کی طرف بڑھا تاکہ اس میں سوراخ کرے' تب حضرت ایوب علیہ السلام نے یہ دعا کی: بے شک مجھے (سخت) تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۵ ص ۱۰۷' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں کیڑے پڑنے کا واقعہ حافظ ابن عساکر اور حافظ ابن کثیر دونوں نے بنی اسرائیل کے علماء سے نقل کیا ہے اور ان کی اتباع میں مفسرین نے بھی ذکر کیا ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ واقعہ صحیح نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو ایسے حال میں مبتلا نہیں کرتا جس سے لوگوں کو نفرت ہو اور وہ ان سے گھن کھائیں۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرمایا:

اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ○ یہ سب ہمارے پسندیدہ اور نیک لوگ ہیں ○

(ص: ۴۷)

حضرت ایوب علیہ السلام پر کوئی سخت بیماری مسلط کی گئی تھی لیکن وہ بیماری ایسی نہیں تھی جس سے لوگ گھن کھائیں۔ حدیث صحیح مرفوع میں بھی اس قسم کی کسی چیز کا ذکر نہیں ہے' صرف ان کی اولاد اور ان کے مال مویشی کے مر جانے اور ان کے بیمار ہونے پر صبر کا ذکر ہے۔ علماء اور واعظین کو چاہیے کہ وہ حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف ایسے احوال منسوب نہ کریں جن سے لوگوں کو گھن آئے۔ اب ہم اس سلسلہ میں حدیث صحیح مرفوع کا ذکر کر رہے ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک حضرت ایوب علیہ السلام اپنی بیماری میں اٹھارہ سال مبتلا رہے' ان کے بھائیوں میں سے دو شخصوں کے سوا سب لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا خواہ وہ رشتہ دار ہوں یا اور لوگ ہوں۔ وہ دونوں روز صبح و شام ان کے پاس آتے تھے۔ ایک دن ایک نے دوسرے سے کہا: کیا تم کو معلوم ہے کہ ایوب نے کوئی ایسا بہت بڑا گناہ کیا ہے جو دنیا میں کسی نے نہیں کیا۔ دوسرے نے کہا: کیونکہ اٹھارہ سال سے اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم نہیں فرمایا حتیٰ کہ اس سے اس کی بیماری کو دُور فرما دیتا۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا: میں اس کے سوا اور کچھ نہیں جانتا کہ میں دو آدمیوں کے پاس سے گزرا جو آپس میں جھگڑ رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے تھے' میں اپنے گھر گیا تاکہ ان کی طرف سے کفارہ ادا کروں' کیونکہ مجھے یہ ناپسند تھا کہ حق بات کے سوا اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے۔ حضرت ایوب علیہ السلام اپنی ضروریات کے لیے جاتے تھے اور جب ان کی حاجت پوری ہو جاتی تو ان کی بیوی ان کا ہاتھ پکڑ کر لے آتی۔ ایک دن ان کو واپس آنے میں کافی دیر ہو گئی' اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ وحی کی:

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ○ (زمین پر) اپنی ایڑی ماریے یہ نہانے کا ٹھنڈا اور پینے کا پانی ہے ○

(ص: ۴۲)

اللہ تعالیٰ نے ان کی ساری بیماری کو اس پانی میں نہانے سے دُور کر دیا (اور پانی پینے سے ان میں طاقت آ گئی) اور وہ پہلے سے بہت صحت مند اور حسین ہو گئے۔ ان کی بیوی ان کو ڈھونڈتی ہوئی آئی اور پوچھا: اے شخص! اللہ تمہیں برکت دے' کیا تم نے اللہ کے نبی کو دیکھا ہے جو بیمار تھے' اللہ کی قسم! میں نے تم سے زیادہ ان کے مشابہ اور تندرست شخص کوئی نہیں دیکھا۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا: میں ہی تو وہ شخص ہوں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے دو کھلیان تھے' ایک گندم کا کھلیان تھا اور ایک جو کا کھلیان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دو بادل بھیجے' ایک گندم کے کھلیان پر برسا اور اس کو سونے سے اس قدر بھر دیا کہ سونا

اس بیماری کے پیدا کرنے کی نسبت شیطان کی طرف کر دی' حالانکہ واقعہ اس طرح نہیں ہے' تمام افعال خواہ نیک ہوں یا بد ایمان ہو یا کفر' اطاعت ہو یا معصیت' ان سب افعال کا خالق اللہ عزوجل ہے اور ان افعال کی تخلیق میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے' لیکن ذکر اور کلام میں اس کی طرف شر کی نسبت نہیں کی جاتی' اگرچہ شر کو بھی اس نے ہی پیدا کیا ہے' اللہ تعالیٰ کے ادب اور اس کی تعظیم کا یہی تقاضا ہے' ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو جو دعائے قنوت کی تعلیم دی اس میں یہ جملہ ہے:

والخیر فی یدیک والشر لیس الیک. اور ہر خیر تیرے قبضہ میں ہے اور کوئی شر تیری طرف منسوب نہیں ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۷۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۷۶۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۲۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۸۹۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۵۴)

اسی بناء پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ○ (الشعراء: ۸۰) اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ شفا دیتا ہے ○

بیماری کی نسبت اپنی طرف کی اور شفا کی نسبت اللہ کی طرف کی اور اسی طریقہ کے مطابق حضرت یوشع بن نون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ . (الکہف: ۶۳) مجھے (مچھلی کا واقعہ بتانے کو) صرف شیطان نے بھلایا تھا۔

اور اسی طریقہ کے مطابق حضرت ایوب علیہ السلام نے بہ طور ادب ایک بار بیماری کی نسبت اپنی طرف کر کے کہا:

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ. (الانبیاء: ۸۳) اور ایوب کی اس حالت کو یاد کیجئے جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا' بے شک مجھے بیماری پہنچ گئی ہے۔

اور دوسری بار بیماری لگنے کی نسبت شیطان کی طرف کی:

اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ○ (ص: ۴۱) بے شک شیطان نے مجھے اذیت اور درد کے ساتھ مس کیا گے (یعنی یہ تکلیف پہنچائی ہے) ○

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بیماری کے متعلق کوئی حرف ثابت نہیں ہے' اس سلسلہ میں صرف یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت حضرت ایوب برہنہ غسل کر رہے تھے ان کے اوپر سونے کی ایک ٹڈی گر پڑی' حضرت ایوب اس کو کپڑے سے پکڑنے لگے تو ان کو ان کے رب نے ندا کی: اے ایوب! کیا میں نے تم کو اس سے غنی نہیں کر دیا' انہوں نے کہا: کیوں نہیں! تیری عزت کی قسم! لیکن میں تیری برکت سے مستغنی نہیں ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۸۱۴۴' عالم الکتب)

قرآن اور سنت میں اس کے علاوہ حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق اور کوئی ذکر نہیں ہے' پھر ان لوگوں کے پاس وہ کون سا ذریعہ ہے جس سے ان کو یہ معلوم ہوا کہ ابلیس نے حضرت ایوب کے بدن میں پھونک مار کر ان کو بیمار کر دیا تھا' جس سے ان کے پھنسیاں نکل آئی تھیں اور وہ زخم خراب ہو گئے تھے اور ان میں کیڑے پڑ گئے تھے اور کس کی زبان سے انہوں نے یہ روایات سنی ہیں' سو یہ اسرائیلی روایات ہیں جن کو علماء نے چھوڑا ہوا ہے' تم اپنے کانوں کو ان کے سننے سے بند کر لو' ان سے تمہارے دل و دماغ میں سوائے پریشانی کے اور کچھ نہیں ہوگا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۱۸۸' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

محققین کے نزدیک شیطان کو کسی انسان کے جسم پر تسلط اور تصرف حاصل نہیں ہے

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

شیطان کو کسی انسان کے جسم میں مرض اور درد پیدا کرنے پر کوئی قدرت نہیں ہے اور اس پر حسب ذیل دلائل ہیں:

(۱) اگر شیطان کو انسان کے جسم میں صحت اور بیماری پیدا کرنے پر قدرت ہو تو پھر اس کو انسان کی موت اور حیات پر بھی قدرت ہو گی' تو پھر ہمارے لیے یہ جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں ہو گا کہ تمام نعمتوں اور سعادتوں اور تمام خیرات اور سعادات کا عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

(۲) اگر شیطان کو اس پر قدرت ہو تو اس نے انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنے اور ان کی اولاد کو ہلاک کرنے اور ان کے گھروں کو تباہ کرنے کا اقدام کیوں نہیں کیا؟

(۳) اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ شیطان قیامت کے دن لوگوں سے یہ کہے گا:

وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ. (ابراہیم:۲۲)

اور مجھے تم پر اس کے سوا اور کوئی تصرف حاصل نہ تھا کہ میں نے تم کو (گناہ کی طرف) بلایا اور تم نے میری بات مان لی۔

شیطان نے اپنے اس قول میں یہ تصریح کر دی ہے کہ اس کو انسان پر صرف بُرائی کی طرف راغب کرنے کی اور گناہوں کا وسوسہ ڈالنے کی قدرت حاصل ہے اور ان لوگوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ شیطان نے اپنی تاثیر سے حضرت ایوب علیہ السلام میں بیماری پیدا کر دی تھی۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۳۹۷' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ایوب نے بیماری کو شیطان کی طرف جو منسوب کیا تھا اس کی توجیہات

حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی دعا میں کہا تھا کہ بے شک شیطان نے مجھے سخت اذیت اور درد پہنچایا ہے' اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ شیطان کی تاثیر سے حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں بیماری اور درد پیدا ہو گیا تھا' بلکہ بیماری اور درد تو ان کے جسم میں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تھا' لیکن اس بیماری اور درد میں شیطان ان کے دل میں وسوسے ڈالتا رہتا تھا اور ان کو اللہ تعالیٰ کے خلاف شکایت کرنے پر ابھارتا رہتا تھا جس سے ان کے درد اور ان کی تکلیف میں اور اضافہ ہوتا تھا' اس لیے انہوں نے مجازاً اس بیماری اور درد کی نسبت شیطان کی طرف کر دی' جب حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری پر ایک لمبا عرصہ گزر گیا' لوگ ان سے متنفر ہو گئے اور وہ ایک جنگل میں چلے گئے تو اس وقت شیطان ان سے آ کر کہتا تھا: دیکھو تمہارے پاس کس قدر مال و دولت تھی' تم کس قدر عیش و عشرت سے رہتے تھے' تمہاری بہ کثرت اولاد تھی' تم صحت مند اور توانا تھے اور اب نہ وہ مال و دولت ہے' نہ اولاد ہے' نہ وہ صحت ہے' اگر تمہارا دین صحیح ہوتا اور تمہارا معبود واحد اور برحق ہوتا تو تمہاری کثرت عبادت کی وجہ سے تمہاری نعمتوں میں اور اضافہ ہوتا نہ یہ کہ تمہاری پہلی نعمتیں بھی واپس چلی جاتیں' شیطان کی اس قسم کی باتیں سن کر حضرت ایوب علیہ السلام کے درد اور ان کی تکلیف میں اور اضافہ ہوتا تھا' اس لیے انہوں نے کہا: بے شک شیطان نے مجھے سخت اذیت اور درد پہنچایا ہے۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ اس مسئلہ پر لکھتے ہیں:

قاضی نے کہا ہے کہ جن لوگوں نے کہا کہ شیطان نے حضرت ایوب علیہ السلام پر بیماری مسلط کی تھی ان کو یہ جرأت اس وجہ سے ہوئی کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے دعا میں کہا کہ مجھے اذیت اور عذاب کے ساتھ شیطان نے مس کیا ہے (یعنی اس نے یہ تکلیف پہنچائی ہے) انہوں نے یہ دیکھا کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے مس شیطان کی شکایت کی تو اس بناء پر انہوں نے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو تندرست کرنے کے بعد ان کا حسن وشباب بھی لوٹا دیا تھا اور ان کے ہاں اس کے بعد چھبیس بیٹے پیدا ہوئے۔ حضرت ایوب علیہ السلام اس کے بعد ستر سال تک مزید زندہ رہے۔ تاہم اس کے خلاف مؤرخین کا یہ قول ہے کہ جب ان کی وفات ہوئی تو ان کی عمر ۹۳ سال تھی۔

(البدایہ والنہایہ ج اص ۳۱۲_۳۱۱ ملخصاً 'مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اس میں بھی مختلف روایات ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو اس بھاری ابتلاء میں مبتلا کرنے کی کیا وجہ تھی۔ بہر حال صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک اور مقبول بندوں کو مصائب میں مبتلا کرتا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں میں سب سے زیادہ مصائب میں انبیاء علیہم السلام مبتلا ہوتے ہیں' پھر صالحین' پھر جوان کے قریب ہو اور جو ان کے قریب ہو۔ انسان اپنی دین داری کے اعتبار سے مصائب میں مبتلا ہوتا ہے' اگر وہ اپنے دین میں سخت ہو تو اس پر مصائب بھی سخت آتے ہیں۔ الحدیث

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ص ۲۳۳' مسند احمد ج اص ۱۷۲' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۷۸۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۲۳' مسند البزار رقم الحدیث: ۱۱۵۰' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۸۳۰)

حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا کے لطیف نکات

حضرت ایوب علیہ السلام نے دعا میں یہ نہیں فرمایا: میری بیماری کو زائل فرما اور مجھ پر رحم فرما' بلکہ رحمت کی ضرورت اور اس کا سبب بیان کیا اور کہا: اے رب! مجھے سخت تکلیف پہنچی ہے اور اپنے مطلوب کو کنایۃً بیان فرمایا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے بہر حال اللہ تعالیٰ سے شکوہ کیا اور یہ صبر کے منافی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرنا صبر کے منافی نہیں ہے' بلکہ اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے مصائب کی لوگوں سے شکایت کرنا صبر کے خلاف ہے۔ مثلاً لوگوں سے کہا جائے کہ دیکھو اللہ نے مجھ پر کتنی مصیبتیں نازل کی ہیں اور مجھے کیسی سخت بیماریوں میں مبتلا کیا ہے اور اس پر بے چینی اور بے قراری اور آہ وفغاں کا اظہار کرے۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے دل کا حال کہنا اور اپنے مصائب کا ذکر کرنا اور اسی سے شکایت اور فریاد کرنا صبر کے خلاف نہیں ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تھا:

اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ۔ میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں۔

(یوسف: ۸۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہمارے (دیگر خاص) بندوں کو یاد کیجئے' ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو جو قوت والے اور بصیرت والے ہیں O ہم نے ان کو خالص آخرت کی یاد کے ساتھ چن لیا تھا O بے شک وہ ہمارے نزدیک چنے ہوئے اور نیک ترین ہیں O اور اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو یاد کیجئے اور یہ سب نیک ترین ہیں O (ص: ۴۸_۴۵)

مشکل حالات میں انبیاء علیہم السلام کی استقامت یاد دلا کر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ـ ـ ـ ـ ـ کو صبر کی تلقین فرمانا

ص: ۴ میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ کفار مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر' کذاب (جادوگر' جھوٹا) کہتے ہیں' ص: ۷ میں فرمایا: یہ لوگ کہتے ہیں: ایسا پیغام ہم نے پچھلے دینوں میں نہیں سنا' یہ محض ان کی من گھڑت بات ہے' ص: ۸ میں فرمایا: کیا ہم میں سے صرف ان کو اس پیغام کے پہنچانے کے لیے خاص کر لیا گیا ہے۔ ص: ۱۷ میں فرمایا: آپ ان کی دل آزار باتوں پر صبر کیجئے' پھر ص: ۲۹ تک حضرت داؤد علیہ السلام کا مفصل قصہ بیان فرمایا کہ ان کو کس قدر سنگین حالات پیش آئے اور انہوں نے

حضرت ایوب کے نقصانات کی تلافی کرنا

قرآن مجید میں ہے:

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ○ (ص: ۴۳)

اور ہم نے اسے اس کا پورا کنبہ عطا فرمایا بلکہ اپنی رحمت سے اتنا ہی اور بھی اس کے ساتھ اور یہ عقل والوں کے لیے نصیحت ہے○

بعض کہتے ہیں کہ پہلا کنبہ جو بہ طور آزمائش ہلاک کر دیا گیا تھا اسے زندہ کر دیا گیا اور اس کی مثل اور مزید کنبہ عطا کر دیا گیا اور اللہ نے پہلے سے زیادہ مال اور اولاد سے انہیں نواز دیا جو پہلے سے دُگنا تھا۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی زوجہ کے لیے قسم پوری کرنے میں تخفیف اور رعایت

حافظ ابن عساکر لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابلیس نے راستہ میں ایک تابوت بچھایا اور اس پر بیٹھ کر بیماروں کا علاج کرنے لگا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی وہاں سے گزری تو اس نے پوچھا: کیا تم بیماری میں مبتلا اس شخص کا بھی علاج کر دو گے؟ اس نے کہا: ہاں! اس شرط کے ساتھ کہ جب میں اس کو شفا دے دوں تو تم یہ کہنا کہ تم نے شفا دی ہے' اس کے سوا میں تم سے کوئی اور اُجر نہیں طلب کرتا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی نے حضرت ایوب علیہ السلام سے اس کا ذکر کیا' انہوں نے فرمایا: تم پر افسوس ہے' یہ تو شیطان ہے اور اللہ کے لیے مجھ پر یہ نذر ہے کہ اگر اللہ نے مجھے صحت دے دی تو میں تمہیں سو کوڑے ماروں گا اور جب وہ تندرست ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ○ (ص: ۴۴)

اور اپنے ہاتھ سے (سو) تنکوں کا ایک مٹھا (جھاڑو) پکڑ لیں اور اس سے ماریں اور اپنی قسم نہ توڑیں' بے شک ہم نے ان کو صابر پایا' وہ کیا ہی خوب بندے تھے بہت زیادہ رجوع کرنے والے○

سو حضرت ایوب نے اپنی بیوی پر جھاڑو مار کر اپنی قسم پوری کر لی۔ (مختصر دمشق ج ۵ ص ۱۰۸' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ یہ رعایت صرف ایوب علیہ السلام کے ساتھ خاص تھی یا کوئی دوسرا شخص بھی سو کوڑوں کی جگہ سو تنکوں کی جھاڑو مار کر قسم توڑنے سے بچ سکتا ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے گھروں میں ایک شخص رہتا تھا' جس کی خلقت ناقص تھی۔ وہ اپنے گھر کی ایک باندی (نوکرانی) سے زنا کرتا تھا۔ یہ قصہ حضرت سعد بن عبادہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے فرمایا: اس کو سو کوڑے مارو۔ مسلمانوں نے کہا: یا رسول اللہ! یہ تو اس کے مقابلہ میں بہت کمزور ہے' اگر ہم نے اس کو سو کوڑے مارے تو یہ مر جائے گا۔ آپ نے فرمایا: پھر اس کے لیے سو تنکوں کی ایک جھاڑو لو اور وہ جھاڑو اس کو ایک مرتبہ مار دو۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۷۴' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۵۲۱' مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۲' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۲۸۱' عالم الکتب' بیروت' المسند الجامع رقم الحدیث: ۴۸۲۴' علامہ بوصیری نے کہا: اس کی سند ضعیف ہے)

قرآن اور حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کمزور اور بیمار شخص پر قسم پوری کرنے کے لیے یا حد جاری کرنے کے لیے سو کوڑے مارنے کے بجائے سو تنکوں کی جھاڑو ماری جا سکتی ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کا نام رحمت بنت منشا بن یوسف بن یعقوب بن اسحاق تھا۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۵ ص ۱۰۵)

کی عبادت کریں گے' تو ان کا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت میں مستغرق اور منہمک رہنا بھی خالص اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس سے ملاقات کے شوق کی وجہ سے ہے۔

امام ابومنصور ماتریدی نے "التاویلات النجمیہ" میں بیان کیا کہ ہم نے ان نبیوں اور رسولوں کو نفس کی صفات کی آمیزش سے مصفیٰ کر لیا اور انانیت کی کدورت سے پاک کر دیا اور ان کے دلوں میں خالص اپنی محبت کو ڈال دیا اور اب ان کے دلوں میں ہمارے غیر کے لیے کوئی حصہ نہیں ہے اور اب وہ ہمارے غیر کی طرف مائل نہیں ہوتے' حتیٰ کہ اپنی ذوات کی طرف بھی ان کا میلان نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا ظلمت ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے جلال کی مظہر ہے اور آخرت نور ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے جمال کی مظہر ہے۔

عصمت انبیاء پر دلیل

صٓ: ۴۷ میں فرمایا: "بے شک وہ ہمارے نزدیک چنے ہوئے اور نیک ترین ہیں"۔

انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پسندیدہ ہیں اور بنی نوع انسان میں سے ان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ قرب حاصل ہے' وہ شر اور معصیت کی آمیزش سے مبرأ اور منزہ ہیں۔ اس آیت میں ان کو اخیار فرمایا ہے' اخیار خَیِّر کی جمع ہے اور صفت مشبہ ہے یا یہ اسم تفضیل ہے یعنی وہ تمام انسانوں میں سب سے زیادہ نیکی کے حامل ہیں۔

اس آیت سے ہمارے علماء نے انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر استدلال کیا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو علی الاطلاق اخیار فرمایا ہے' اگر کسی وجہ سے بھی ان کی زندگی میں معصیت اور گناہ در آئے تو وہ علی الاطلاق خیّر نہیں رہیں گے' اس لیے ان سے کوئی معصیت صادر نہیں ہوتی' نہ صغیرہ نہ کبیرہ' نہ سہواً نہ عمداً' نہ حقیقتاً نہ صورتاً' ہاں انبیاء علیہم السلام سے اجتہادی خطاء ہو جاتی ہیں اور بعض مصلحتوں کو پورا کرنے کے لیے اور امت کے لیے شرعی احکام میں نمونہ فراہم کرنے کے لیے ان سے بعض اوقات ایسے افعال صادر ہوتے ہیں جو بہ ظاہر مکروہ تنزیہی یا بہ ظاہر خلافِ اولیٰ ہوتے ہیں اور ان کا مکروہ تنزیہی یا خلافِ اولیٰ ہونا امت کے اعتبار سے ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے اعتبار سے وہ افعال فرض کے حکم میں ہوتے ہیں' کیونکہ شریعت کا بیان کرنا انبیاء علیہم السلام پر فرض ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ مکروہ تنزیہی کسی قسم کا گناہ نہیں ہے' نہ صغیرہ نہ کبیرہ۔

مکروہ تنزیہی اور خلافِ اولیٰ کا گناہ نہ ہونا

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فرماتے ہیں:

مکروہ تنزیہی میں کوئی گناہ نہیں ہوتا' وہ صرف خلاف اولیٰ ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان جواز کے لیے قصداً ایسا کیا اور نبی قصداً گناہ کرنے سے معصوم ہوتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۴۵۰۔۴۴۹' طبع جدید' رضا فاؤنڈیشن' لاہور' ۱۹۹۶ء)

نیز اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

نیکوں کے جو نیک کام ہیں مقربوں کے حق میں گناہ ہیں' وہاں ترک اولیٰ کو بھی گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے حالانکہ ترک اولیٰ ہرگز گناہ نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۷۷ طبع قدیم' مکتبہ رضویہ' کراچی)

اور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

پھر کراہت تنزیہ کا حاصل صرف اس قدر کہ ترک اولیٰ ہے نہ کہ فعل ناجائز ہو' علماء تصریح فرماتے ہیں کہ یہ کراہت جامع جواز و اباحت ہے' جانب ترک میں اس کا وہ رتبہ ہے جو جہت فعل میں مستحب کا' کہ مستحب کیجئے تو بہتر' نہ کیجئے تو گناہ نہیں۔

صبر کیا اور استقامت کے ساتھ دین کی تبلیغ میں مصروف رہے' سو آپ بھی اس طرح کیجئے' پھر صٓ: ۳۰ سے صٓ: ۴۰ تک حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا' ان کو بھی سخت آزمائش سے گزرنا پڑا' سو آپ بھی صبر و سکون کے ساتھ اپنے مشن کو پورا کرتے رہیں' پھر صٓ: ۴۱ سے صٓ: ۴۴ تک حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا کہ ان پر بھی سخت آزمائش کا دور آیا اور وہ کامیابی کے ساتھ اس امتحان سے گزر گئے' سو آپ بھی کفار مکہ کی دل آزار باتوں سے نہ گھبرائیں اور تن دہی اور سرگرمی کے ساتھ دین اسلام کی تبلیغ کرتے رہیں' اسی طرح اب صٓ: ۴۵ میں حضرت ابراہیم' حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کا ذکر فرمایا کہ آپ حضرت ابراہیم کا صبر یاد کیجئے کہ ان کو آگ میں ڈالا گیا' حضرت اسحاق کا صبر یاد کیجئے اور حضرت یعقوب کا صبر یاد کیجئے جب ان کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام گم ہو گئے تھے اور انہوں نے اس پر صبر کیا۔

امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبیح لکھا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۰۰) حالانکہ الصّٰفّٰت: ۱۰۷ کی تفسیر میں انہوں نے اس قول کا رد کیا تھا' علامہ قرطبی اور بعض دیگر مفسرین کا بھی یہ مختار ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام ذبیح ہیں' انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

اس آیت سے ان علماء نے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ ذبیح حضرت اسحاق ہیں نہ کہ حضرت اسماعیل علیہما السلام اور یہی قول صحیح ہے جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب ''الاعلام بمولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' میں بیان کیا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۱۹۴' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ہم الصّٰفّٰت: ۱۰۷ کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں' حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبیح قرار دینا یہودیوں کا قول ہے' اس کی تفصیل اور اس قول کا رد ہم وہاں بیان کر چکے ہیں۔

اس آیت میں حضرت ابراہیم' حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ ''اولی الایدی والابصار'' تھے یعنی ہاتھوں اور آنکھوں والے' ہاتھوں اور آنکھوں کا خصوصیت کے ساتھ اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ انسان اکثر کام ہاتھوں سے انجام دیتا ہے اور آنکھوں کا ذکر اس لیے فرمایا کہ وہ معلومات کے حصول کا سب سے قوی ذریعہ ہے اور انسان کی دو قوتیں ہیں: قوت عاملہ اور قوت عاقلہ' قوت عاملہ کا سب سے افضل عمل اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور قوت عاقلہ کا سب سے افضل عمل ادراک' اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے اور قوت عاملہ اور قوت عاقلہ کے جو کام ان کے ماسوا ہیں وہ ان کے مقابلہ میں قابل ذکر نہیں ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کا خالص دار آخرت کے ساتھ مشغول ہونا

صٓ: ۴۶ میں فرمایا: ہم نے ان کو خالص آخرت کی یاد کے لیے چن لیا تھا' اس کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) وہ آخرت کی یاد میں اس قدر زیادہ مشغول اور مستغرق ہیں کہ گویا دنیا کو بھول چکے ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ دارِ آخرت میں ان کے ذکر جمیل کو بلند فرمائے گا اور ان کی تعریف اور تحسین کی جائے گی۔

(۳) اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی ان کی نیکیوں کا چرچا کرے گا اور آخرت میں ان کو سربلند فرمائے گا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ان کو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے قرار دینا کس طرح صحیح ہو گا جب کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت اور اس کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا اطاعت اور عبادت میں مشغول رہنا صرف اسی لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور چونکہ ان کو اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور اس کے دیدار کا شوق ہے اور وہ تب ہی حاصل ہو گا جب اللہ ان سے راضی ہو گا اور اللہ تعالیٰ ان سے اسی وقت راضی ہو گا جب وہ اس کے احکام کی اطاعت اور اس

کی عبادت کریں گے' تو ان کا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت میں مستغرق اور منہمک رہنا بھی خالص اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس سے ملاقات کے شوق کی وجہ سے ہے۔

امام ابو منصور ماتریدی نے "التاویلات النجمیہ" میں بیان کیا کہ ہم نے ان نبیوں اور رسولوں کو نفس کی صفات کی آمیزش سے مصفیٰ کر لیا اور انانیت کی کدورت سے پاک کر دیا اور ان کے دلوں میں خالص اپنی محبت کو ڈال دیا اور اب ان کے دلوں میں ہمارے غیر کے لیے کوئی حصہ نہیں ہے اور اب وہ ہمارے غیر کی طرف مائل نہیں ہوتے' حتیٰ کہ اپنی ذوات کی طرف بھی ان کا میلان نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا ظلمت ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے جلال کی مظہر ہے اور آخرت نور ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے جمال کی مظہر ہے۔

عصمت انبیاء پر دلیل

صٓ: ۴۷ میں فرمایا: "بے شک وہ ہمارے نزدیک چنے ہوئے اور نیک ترین ہیں"۔

انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پسندیدہ ہیں اور بنی نوع انسان میں سے ان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ قرب حاصل ہے' وہ شر اور معصیت کی آمیزش سے مبرا اور منزہ ہیں۔ اس آیت میں ان کو اخیار فرمایا ہے' اخیار خیّر کی جمع ہے اور صفت مشبہ ہے یا یہ اسم تفضیل ہے یعنی وہ تمام انسانوں میں سب سے زیادہ نیکی کے حامل ہیں۔

اس آیت سے ہمارے علماء نے انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر استدلال کیا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو علی الاطلاق اخیار فرمایا ہے' اگر کسی وجہ سے بھی ان کی زندگی میں معصیت اور گناہ در آئے تو وہ علی الاطلاق خیّر نہیں رہیں گے' اس لیے ان سے کوئی معصیت صادر نہیں ہوتی' نہ صغیرہ نہ کبیرہ' نہ سہواً نہ عمداً' نہ حقیقتاً نہ صورتاً' ہاں انبیاء علیہم السلام سے اجتہادی خطاء ہو جاتی ہیں اور بعض مصلحتوں کو پورا کرنے کے لیے اور امت کے لیے شرعی احکام میں نمونہ فراہم کرنے کے لیے ان سے بعض اوقات ایسے افعال صادر ہوتے ہیں جو بہ ظاہر مکروہ تنزیہی یا بہ ظاہر خلافِ اولیٰ ہوتے ہیں اور ان کا مکروہ تنزیہی یا خلافِ اولیٰ ہونا امت کے اعتبار سے ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے اعتبار سے وہ افعال فرض کے حکم میں ہوتے ہیں' کیونکہ شریعت کا بیان کرنا انبیاء علیہم السلام پر فرض ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ مکروہ تنزیہی کسی قسم کا گناہ نہیں ہے' نہ صغیرہ نہ کبیرہ۔

مکروہ تنزیہی اور خلافِ اولیٰ کا گناہ نہ ہونا

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فرماتے ہیں:

مکروہ تنزیہی میں کوئی گناہ نہیں ہوتا' وہ صرف خلاف اولیٰ ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان جواز کے لیے قصداً ایسا کیا اور نبی قصداً گناہ کرنے سے معصوم ہوتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۴۵۰۔ ۴۴۹' طبع جدید' رضا فاؤنڈیشن' لاہور' ۱۹۹۶ء)

نیز اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

نیکوں کے جو نیک کام ہیں مقربوں کے حق میں گناہ ہیں' وہاں ترک اولیٰ کو بھی گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے حالانکہ ترک اولیٰ ہرگز گناہ نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۷۷ طبع قدیم' مکتبہ رضویہ' کراچی)

اور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

پھر کراہت تنزیہ کا حاصل صرف اس قدر کہ ترک اولیٰ ہے نہ کہ فعل ناجائز ہو' علماء تصریح فرماتے ہیں کہ یہ کراہت جامع جواز و اباحت ہے' جانب ترک میں اس کا وہ رتبہ ہے جو جہت فعل میں مستحب کا' کہ مستحب کیجئے تو بہتر' نہ کیجئے تو گناہ نہیں۔

مکروہ تنزیہی نہ کیجئے تو بہتر' کیجئے تو گناہ نہیں' پس مکروہ تنزیہی کو داخل دائرہ اباحت مان کر گناہ صغیرہ اور اعتیاد کو کبیرہ قرار دینا جیسا کہ فاضل لکھنوی سے صادر ہوا' پھر سید مشہدی' پھر کردی اس کے تابع ہوئے' سخت لغزش وخطائے فاسد ہے' یارب! مکروہ گناہ ہے کون سا جو شرعاً مباح ہو اور وہ مباح کیسا جو شرعاً گناہ ہو۔ فقیر غفرلہ المولیٰ القدیر نے اس خطائے شدید کے رد میں ایک مستقل تحریر مسمیٰ بہ ''جمل مجلیه ان المکروہ تنزیها لیس بمعصیة'' تحریر کی۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۱ ص ۴۴ طبع قدیم' مکتبہ رضویہ' کراچی)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس موضوع پر عربی میں ایک رسالہ تصنیف فرمایا ہے جس کا نام ''جمل مجلیه ان المکروہ تنزیها لیس بمعصیة'' رکھا ہے' اس کے ص ۳۷ سے ص ۴۴ تک اس مسئلہ پر بحث فرمائی ہے' یہ رسالہ غیر مطبوعہ ہے' ہم نے اس کا عکس حاصل کیا' اس کی ابتدائی چند سطور کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

جس چیز پر ہمیں کامل یقین اور اعتماد ہے وہ یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی بالکل گناہ نہیں ہے' نہ کبیرہ نہ صغیرہ اور اس کے ارتکاب سے بندہ کسی قسم کی سزا کا مستحق نہیں ہوتا' نہ ہلکی نہ بھاری اور یہی خالص حق ہے' جس سے انحراف کی کوئی صورت نہیں' بہ کثرت علماء نے اس کی تصریح کی ہے' ردالمحتار کے حظر واباحت کی بحث میں علامہ شامی نے تلویح کے حوالے سے لکھا ہے: رہا مکروہ تنزیہی تو وہ اتفاقاً جواز کے زیادہ قریب ہے' اس معنیٰ میں کہ مکروہ تنزیہی کے مرتکب کو اصلاً سزا نہیں دی جائے گی۔ البتہ اس کے ترک کرنے والے کو کچھ ثواب ملے گا اور علامہ ابو سعود کے حوالے سے لکھا ہے کہ مکروہ تنزیہی اباحت کے ساتھ جمع ہوتا ہے۔ (علامہ شامی نے یہ ابن حاجب کے حوالے سے لکھا ہے نہ کہ ابو سعود کے حوالے سے' ردالمحتار ج ا ص ۲۱۸' سعیدی غفرلہ)

(جمل مجلیہ ان المکروہ تنزیہی لیس بمعصیة (غیر مطبوعہ) ص ۳۷)

اعلیٰ حضرت نے تلویح کا جو حوالہ دیا ہے اس کی تخریج یہ ہے: تلویح مع التوضیح ج ا ص ۲۳' مطبوعہ اصح المطابع' کراچی اور اعلیٰ حضرت نے علامہ شامی کے جو حوالے ذکر کیے ہیں' ان کی تفصیل اس طرح ہے' علامہ شامی فرماتے ہیں:

مکروہ تنزیہی مباح کو بھی شامل ہوتا ہے کیونکہ مکروہ تحریمی لازماً ممنوع ہوتا ہے۔

(ردالمحتار ج ا ص ۲۱۸' ملخصاً' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

نیز علامہ شامی نے لکھا ہے کہ مستحب کے ترک پر ملامت نہیں کی جاتی۔ (ردالمحتار ج ا ص ۲۲۱) پھر آگے چل کر لکھا ہے:

مستحب کو ترک کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ (ردالمحتار ج ا ص ۲۲۳) اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی کے فعل پر ملامت نہیں کی جاتی۔

نیز علامہ شامی لکھتے ہیں:

مکروہ تنزیہی جواز کے زیادہ قریب ہے' یعنی اس کے فاعل کو بالکل سزا نہیں دی جائے گی اور اس کے تارک کو کچھ ثواب ملے گا' تلویح۔ (ردالمحتار ج ۹ ص ۴۰۹' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

عصمت کی تعریف اور معصوم اور محفوظ کا فرق

عصمت پر بحث کے دوران مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عصمت کی تعریف بھی کر دی جائے۔

علامہ میر سید شریف علی بن محمد الجرجانی المتوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

گناہوں پر قدرت کے باوجود گناہوں سے اجتناب کے ملکہ (مہارت) کو عصمت کہتے ہیں۔

(کتاب التعریفات ص ۱۰۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۸ھ' وحاشیۃ الخیالی ص ۱۴۶' لکھنؤ)

قاضی عبد النبی بن عبد الرسل الاحمد نگری لکھتے ہیں:

عصمت کی تعریف یہ ہے: گناہوں پر قدرت کے باوجود گناہوں سے اجتناب کا ملکہ اور اس کی دوسری تعریف یہ ہے: اللہ کی طرف سے بندہ میں ایک ایسی قوت جو بندہ میں گناہوں پر قدرت اور اختیار کے باوجود اسے گناہوں اور مکروہات کے فعل سے روکتی ہے' گناہوں سے اجتناب کے ملکہ کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ یہ بندہ میں اللہ کی طرف سے ایک ایسی صفت ہے جو اس کو خیر اور نیکی پر ابھارتی ہے اور اس کو شر اور بُرائی سے روکتی ہے' اس کے باوجود کہ بندہ میں گناہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار باقی رہتا ہے تاکہ اس میں امتحان اور ابتلاء کا معنیٰ متحقق ہو' اسی وجہ سے شیخ ابومنصور ماتریدی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ عصمت آزمائش اور مکلف ہونے کی صفت کو زائل نہیں کرتی۔ اس تحقیق سے یہ واضح ہو گیا کہ شیعہ اور معتزلہ کی عصمت کی بیان کردہ تعریف فاسد اور باطل ہے۔ انہوں نے یہ تعریف کی ہے: کسی شخص کے نفس ناطقہ میں ایسی خاصیت یا اس کے بدن میں ایسی صفت ہو جس کی وجہ سے اس سے گناہوں کا صدور محال ہو اس کو عصمت کہتے ہیں۔ یہ تعریف اس لیے باطل ہے کہ اگر بندہ سے گناہوں کا صدور محال ہو تو اس کو گناہوں کے ترک کرنے کا مکلف کرنا صحیح نہیں ہوگا اور نہ اس کو گناہوں کے ترک کرنے پر ثواب عطا کرنا صحیح ہو گا' علامہ تفتازانی نے شرح العقائد (ص ۱۰۹' کراچی) میں اسی طرح لکھا ہے اور جنہوں نے عصمت کی یہ تعریف کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بندہ میں گناہ کو پیدا نہ کرنا' اس کے باوجود کہ بندہ میں گناہ پر قدرت اور اختیار باقی ہو' اس تعریف کا مآل بھی وہی ہے' کیونکہ عصمت کی حقیقت صرف گناہوں سے بچنے کا ملکہ ہے۔

انبیاء معصوم ہوتے ہیں اور اولیاء محفوظ ہوتے ہیں اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ انبیاء اور اولیاء دونوں میں گناہوں پر قدرت اور اختیار ہوتا ہے' لیکن انبیاء جب گناہ کا ارادہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان میں گناہ پیدا نہیں کرتا اور اولیاء اگر گناہ کا ارادہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ان میں گناہ پیدا کر دیتا' لیکن وہ گناہ کا ارادہ کرتے ہی نہیں ہیں۔

(دستور العلماء ج ۲ ص ۲۳۴-۲۳۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ علامہ عبد النبی نے معصوم اور محفوظ میں جو فرق بیان کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے' اولاً اس لیے کہ گناہ کبیرہ کا ارادہ کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے اور انبیاء اس سے معصوم ہیں' لہٰذا وہ گناہ کا ارادہ نہیں کرتے' نیز یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ انبیاء گناہ کبیرہ کا ارادہ کرتے ہیں لیکن اللہ ان میں گناہ کبیرہ پیدا نہیں کرتا' کیونکہ بندہ جس فعل کا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں وہی فعل پیدا کر دیتا ہے اور اگر انبیاء علیہم السلام گناہ کا ارادہ کریں اور اللہ ان میں گناہ پیدا نہ کرے تو پھر وہ دنیا میں گناہوں کے ترک پر تحسین اور آخرت میں اس پر اجر کے مستحق نہیں ہوں گے اور علامہ عبد النبی نے محفوظ ہونے کا یہ معنیٰ بیان کیا ہے کہ اگر اولیاء گناہ کا ارادہ کرتے تو اللہ ان میں گناہ کو پیدا کر دیتا لیکن وہ گناہ کا ارادہ کرتے ہی نہیں' اس پر یہ اعتراض ہے کہ پھر تو اولیاء اللہ انبیاء سے بڑھ گئے' کیونکہ علامہ عبد النبی کے نزدیک انبیاء تو گناہ کا ارادہ کرتے ہیں اور جب اولیاء گناہ کا ارادہ نہیں کرتے تو وہ انبیاء سے بڑھ گئے۔

اس لیے انبیاء کے معصوم ہونے اور اولیاء کے محفوظ ہونے میں صحیح فرق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے کبھی بھی کسی حال میں کسی قسم کا گناہ صادر نہیں ہوتا' صغیرہ نہ کبیرہ' سہواً نہ عمداً' صورتاً نہ حقیقتاً اور اولیاء کرام سے بعض اوقات گناہ صادر ہو جاتا ہے' لیکن وہ اس سے جلد توبہ کر لیتے ہیں یا ان پر حد جاری ہو جاتی ہے اور وہ گناہوں سے پاک ہو جاتے ہیں' جیسے حضرت حسان بن ثابت' حضرت مسطح اور حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی' پھر ان پر حد جاری ہوئی اور وہ پاک ہو گئے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۷۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۶۷' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۳۵۴۷) بنو مخزوم کی ایک عورت فاطمہ بنت اسود نے چوری کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۷۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۸۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۷۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۳۰' سنن

النسائی رقم الحدیث:۴۹۱۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۵۴۷) حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کو زنا کی وجہ سے رجم کیا گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۸۲۶' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۶۹۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۴۲۰' سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۴۲۹) جہینہ کی ایک خاتون زنا سے حاملہ ہوگئیں تو ان کو رجم کیا گیا۔ (صحیح رقم الحدیث:۱۶۲۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۴۴۰' سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۴۳۵' سنن نسائی رقم الحدیث ۱۹۵۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۵۵۵) حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسایا کرتے تھے' ان کا لقب حمار تھا وہ بار بار شراب پیتے تھے اور بار بار ان پر حد لگائی جاتی تھی' ایک شخص نے ان کے متعلق کہا: اے اللہ! اس پر لعنت کر' اس کو کتنی بار سزا دی گئی ہے (اور یہ باز نہیں آتا!) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو لعنت نہ کرو' مجھ کو صرف یہ علم ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۷۸۰)

یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں' ان سے معصیت کا صدور ہوا اور پھر وہ اس معصیت سے تائب ہوئے' ان پر حد جاری ہوئی اور وہ اس معصیت سے پاک ہو گئے اور صحابہ کرام تمام بعد کے اولیاء کرام سے زیادہ افضل اور مکرم اولیاء اللہ ہیں۔

اس لیے گناہوں سے محفوظ ہونے کی صحیح تعریف یہی ہے کہ ان نفوس قدسیہ سے کبھی کبھی کسی گناہ کا صدور ہو جاتا ہے لیکن اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو جلد ہی توبہ کی توفیق دے دیتا ہے اور وہ گناہوں سے پاک اور صاف ہو جاتے ہیں اور عام لوگ ان کی بہ نسبت زیادہ گناہوں میں اور نفسانی خواہشوں کے پورا کرنے میں مبتلا ہوتے ہیں اور توبہ کرنے میں سستی کرتے ہیں اور توبہ کرنے کے بعد بھی بار بار گناہ کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں اور صحابہ کرام اور اولیاء عظام کا گناہوں سے محفوظ ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ بہ کثرت گناہوں کا ارتکاب کرنے اور توبہ میں سستی کرنے سے محفوظ ہوتے ہیں اور توبہ کو توڑنے سے محفوظ ہوتے ہیں ان کی توبہ توبۃ النصوح ہوتی ہے اور وہ ان آیات کے مصداق ہوتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۗ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۗ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ○

(آل عمران:۱۳۶۔۱۳۵)

اور جب یہ (محسنین) کوئی بے حیائی کا کام کر بیٹھیں یا کوئی اور گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر لیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں پر مغفرت طلب کرتے ہیں اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشے گا' اور انہوں نے جو (گناہ) کیا ہے اس پر دانستہ اصرار نہیں کرتے ○ ان لوگوں کی جزاء ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں' جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور نیک کام کرنے والوں کا کیسا اچھا اجر ہے ○

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ○ (الاعراف:۲۰۱)

بے شک جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں جب ان کے دل میں کسی شیطانی کام کا خیال آتا ہے تو وہ خدا کو یاد کرتے ہیں' پھر اچانک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں ○

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○ (النساء:۱۷)

اللہ پر صرف ان ہی لوگوں کی توبہ کو قبول کرنا ہے جو (عذاب سے) جہالت کی بناء پر گناہ کے کام کرتے ہیں' پھر جلد ہی اس کام سے توبہ کر لیتے ہیں تو ان لوگوں کی توبہ کو اللہ قبول فرماتا ہے' اور اللہ بہت علم والا بے حد حکمت والا ہے ○

اور جو لوگ مسلسل گناہ کرتے رہتے ہیں اور توبہ کو مؤخر کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ ان کی موت آ جاتی ہے وہ اس آیت کا مصداق بننے کے خطرہ میں ہیں:

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ (النساء:۱۸)

اور اللہ پر ان لوگوں کی توبہ کو قبول کرنا نہیں ہے جو مسلسل بُرے کام کرتے رہے ہیں' حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آ جاتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں نے اب توبہ کر لی۔

عام طور پر مشہور یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے معصوم ہونے اور اولیاء کے محفوظ ہونے میں یہ فرق ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے معصوم ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کو گناہ پر قدرت ہی نہیں اور گناہ کرنا ان کے لیے ممکن ہی نہیں' اس کے برخلاف اولیاء کرام کو گناہوں پر قدرت تو ہوتی ہے لیکن وہ کبھی بھی گناہ کا فعل نہیں کرتے۔

یہ دونوں تعریفیں باطل ہیں' اول اس لیے کہ اگر انبیاء علیہم السلام گناہ کے فعل پر قادر نہ ہوں تو ان کو گناہ کے ترک کرنے کا مکلف کرنا صحیح نہیں ہوگا اور نہ گناہ کے ترک کرنے پر وہ دنیا میں تحسین اور آخرت میں اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے اور ثانی اس لیے کہ اگر محفوظ ہونے کا یہ معنیٰ ہو کہ وہ گناہ پر قادر تو ہوں لیکن کبھی اس کا فعل نہ کریں تو لازم آئے گا کہ صحابہ کرام اولیاء نہ ہوں کیونکہ انہوں نے گناہ کا فعل کیا اور بعد میں اس پر توبہ کی اور صحابہ کرام سے بڑھ کر تو کوئی اللہ کا ولی ہو نہیں سکتا۔

اس لیے انبیاء علیہم السلام کے معصوم ہونے کا صحیح معنیٰ یہ ہے کہ ہر چند کہ وہ گناہ کے فعل پر قادر ہوتے ہیں لیکن ان پر خوف خدا کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ وہ کبھی قصداً گناہ کا فعل نہیں کرتے اور اولیاء کرام کے محفوظ ہونے کا صحیح معنیٰ یہ ہے کہ ہر چند کہ بشری تقاضے سے وہ کبھی گناہ کا فعل کر بیٹھتے ہیں لیکن فوراً خدا کو یاد کر کے سنبھل جاتے ہیں اور توبہ کر لیتے ہیں اور بالعموم وہ دوبارہ اس گناہ کو نہیں کرتے اور وہ بہت کم گناہ کا فعل کرتے ہیں' اس کے برخلاف عام لوگ بہ کثرت گناہ کرتے ہیں اور توبہ کرنے میں سستی کرتے ہیں اور بالعموم وہ توبہ کرنے کے بعد اس گناہ کا اعادہ کرتے ہیں۔

بہت عرصہ سے میرے دل میں یہ خواہش تھی کہ میں انبیاء علیہم السلام کے معصوم ہونے اور اولیاء کرام کے محفوظ ہونے کو تفصیل سے لکھوں اور اب اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ مضامین القاء کیے اور میں نے اس فرق کو دلائل کے ساتھ تفصیل سے لکھا۔ فالحمد للہ رب العلمین

میرا دل اور دماغ ان پاکیزہ نکات کے لائق تو نہیں لیکن وہ رب کریم ناپاک کھاد سے پاکیزہ رزق اور حسین و جمیل پھل اور پھول پیدا کر دیتا ہے' قطرۂ نیساں کو گہر آب دار بنا دیتا ہے' اندھیرے سے روشنی نکال لاتا ہے سو وہ مجھ ایسے سیہ کار اور گنہ گار کے دل و دماغ میں ایسے پاکیزہ اور لطیف نکات پیدا کر دیتا ہے۔ فسبحان اللہ وبحمدہ وسبحان اللہ العظیم

عصمت انبیاء علیہم السلام پر مفصل بحث اور عصمت پر اعتراضات کے جوابات شرح صحیح مسلم ج ۷ ص ۳۴۶-۲۸۵ میں ملاحظہ فرمائیں' شاید اس سے زیادہ تفصیل اور تحقیق آپ کو اور کہیں نہ ملے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر اپنے والد اور بھائی سے منفصل کرنے کی توجیہ

صٓ: ۴۸ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو یاد کیجئے اور یہ سب نیک ترین ہیں''۔

اور اسماعیل بن ابراہیم کو یاد کیجئے' اس سے پہلے حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق علیہما السلام کا ذکر فرمایا تھا' حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر ان کے والد گرامی اور ان کے بھائی سے منفصل کیا ہے' متصل نہیں کیا۔ اس میں یہ تنبیہ کرنا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام صبر میں سب سے بڑھ کر تھے اور یہاں صبر کی صفت کا ہی بیان مقصود ہے اور وہ صبر میں سب سے

بڑھ کر اس لیے ہیں کہ انہوں نے خود اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں ذبح کے لیے پیش کر دیا تھا' یا اس لیے کہ وہ تعظیم کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ افضل الانبیاء والمرسلین یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جد کریم ہیں۔

الیسع بن اخطوب: ان کو حضرت الیاس نے بنی اسرائیل پر خلیفہ بنایا تھا' پھر ان کو نبی بنایا گیا۔ وہب بن منبہ نے کہا ہے کہ حضرت الیسع حضرت الیاس کے صاحب تھے' یہ دونوں حضرت زکریا سے پہلے گزرے ہیں' ان کی تفصیل تبیان القرآن ج ۳ ص ۵۷۷ میں ملاحظہ فرمائیں۔

ذوالکفل: یہ حضرت الیسع کے عم زاد ہیں' ان کو ان کے والد کی وفات کے بعد شام کی طرف مبعوث کیا گیا' ان کی نبوت میں اختلاف ہے' اللہ تعالیٰ نے جس طرح تعریف و تحسین کے ساتھ ان کا ذکر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نبی ہیں۔ امام ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۳۵ھ نے لکھا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ الیسع اور ذوالکفل دونوں بھائی تھے اور ذوالکفل ایک نیک آدمی کے نیک اعمال کے کفیل ہو گئے تھے' جو ہر روز سو نمازیں پڑھتا تھا' ان کا مفصل حال ہم نے تبیان القرآن ج ۷ ص ۶۵۵-۶۵۴ میں لکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ (قرآن) نصیحت ہے اور بے شک اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ضرور اچھا ٹھکانا ہے O (وہ) دائمی جنتیں ہیں جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوئے ہیں O وہ ان میں تکیے لگائے ہوئے ہوں گے' وہ ان میں بہ کثرت پھلوں اور مشروبات کو طلب کریں گے O اور ان کے پاس نیچی نظر والی ہم عمر حوریں ہوں گی O یہ وہ نعمتیں ہیں جن کا تم سے روزِ حساب کے لیے وعدہ کیا گیا تھا O بے شک یہ ضرور ہمارا عطیہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا O (ص: ۵۴-۴۹)

جنت عدن کے متعلق احادیث اور آثار

ص ٓ: ۴۹ میں فرمایا: یہ ذکر ہے۔ یعنی قرآن مجید کہ وہ آیات جن میں انبیاء علیہم السلام کے واقعات کا ذکر ہے' ان آیات میں ان کی تعریف اور تحسین ہے اور ان کا ذکر خیر ان کی وفات کے بعد کیا جاتا رہے گا اور انبیاء علیہم السلام کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ ان کے واقعات سے نصیحت حاصل کی جائے اور ان کی سیرت کی اقتداء کی جائے اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ضرور اچھا ٹھکانا ہے۔

ص ٓ: ۵۰ میں فرمایا: ''وہ جنات عدن ہیں جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوئے ہیں''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ عزوجل نے جنت عدن کو پیدا کیا تو اس میں ایسی نعمتیں پیدا کیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیا ہے' پھر جنت عدن سے فرمایا: تم بات کرو تو اس نے کہا: ''قد افلح المؤمنون'' الآیۃ۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۷۴۲' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۴۳۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے جنت عدن کو پیدا فرمایا اور اس میں اس کے پھل لٹکا دیئے اور اس میں اس کے دریا جاری کر دیئے' پھر اس کی طرف دیکھ کر فرمایا: تم کلام کرو تو اس نے کہا: ''قد افلح المؤمنون'' (بے شک مومن کامیاب ہو گئے) پھر کہا: مجھے اپنی عزت کی قسم! مجھ میں کوئی بخیل نہیں رہے گا۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۶۴۸' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۷۲۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت کے متعلق سوال کیا گیا' آپ نے فرمایا: جو شخص جنت میں داخل ہوگا وہ زندہ رہے گا اور اس کو موت نہیں آئے گی' اس کو اس میں نعمتیں ملیں گی اور وہ خوف زدہ نہیں ہوگا'

اس کے کپڑے میلے ہوں گے اور نہ اس کا شباب کبھی ختم ہوگا۔عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! جنت کس چیز سے بنائی گئی ہے؟ فرمایا: اس کی ایک اینٹ سونے کی ہے اور ایک اینٹ چاندی کی ہے اور اس کی لپائی کا گارا مشک ہے اور اس کی مٹی زعفران ہے اور اس کی بجری موتی اور یاقوت ہیں۔

(حافظ الہیثمی نے کہا: امام طبرانی نے اس حدیث کو سند حسن سے روایت کیا ہے‘ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۶۴۰‘ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۶۱۶)

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کعب سے پوچھا: جنت عدن کیا چیز ہے؟ انہوں نے کہا: اے امیر المؤمنین! وہ جنت میں سونے کے محل ہیں‘ جن میں انبیاء‘ صدیقین‘ شہداء اور ائمہ عدل رہیں گے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۰۵۴)

جنت کے دروازے کھلے رکھنے کے اسرار اور نکات

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوئے ہیں“ اس ارشاد کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) جب متقین جنت عدن کے پاس پہنچیں گے تو ان کے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے‘ ان کو جنتوں کے دروازے کھلوانے کے لیے کسی مشقت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور نہ فرشتوں سے اجازت لینے کا مرحلہ پیش آئے گا‘ بلکہ فرشتے ان کی پیشوائی کے لیے مرحبا اور خوش آمدید کہتے ہوئے ان سے ملیں گے۔

(۲) یہ قول اس طرح ہے جیسے کوئی شخص کسی کی تکریم اور تعظیم کے اظہار کے لیے کہتا ہے: میرے گھر کے دروازے تمہارے لیے کھلے ہوئے ہیں۔

(۳) اس میں متقین کے بلند حوصلہ کی طرف اور نفسانی خواہشوں اور لذتوں سے ان کے دور رہنے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جنت کو نفس کی ایسی ناپسندیدہ چیزوں نے گھیرا ہوا ہے کہ اس میں کسی کے داخل ہونے کی توقع نہیں ہے تو ان لوگوں کی سیرت کی عمدگی اور پاک دامنی کا کیا عالم ہوگا جن کے لیے جنت کے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے‘ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ نے جنت اور دوزخ کو پیدا کیا تو حضرت جبریل کو جنت کی طرف بھیجا اور فرمایا: جنت کو دیکھو اور ان نعمتوں کو دیکھو جو میں نے جنت میں اہل جنت کے لیے تیار کی ہیں‘ حضرت جبریل آئے اور جنت کو دیکھا اور ان نعمتوں کو دیکھا جو جنت میں اہل جنت کے لیے تیار کی گئی ہیں۔ وہ اللہ کے پاس لوٹ کر آئے اور کہا: تیری عزت کی قسم! جو شخص بھی جنت کے متعلق سنے گا وہ اس میں ضرور داخل ہوگا‘ پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جنت کی ہر طرف کا ان چیزوں سے احاطہ کر دیا جائے جو نفس کے لیے باعث مشقت اور ناپسندیدہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جاؤ‘ اب جنت کو دیکھو اور جنت کی ان نعمتوں کو دیکھو جن کو میں نے اہل جنت کے لیے تیار کیا ہے۔ حضرت جبریل دوبارہ گئے تو جنت کا احاطہ ان چیزوں نے کیا ہوا تھا جو نفس کے لیے باعث مشقت اور ناپسندیدہ ہیں‘ حضرت جبریل لوٹ کر اللہ تعالیٰ کے پاس گئے اور کہا: تیری عزت کی قسم! اب مجھے خدشہ ہے کہ اس جنت میں کوئی شخص داخل نہیں ہوگا۔ الحدیث (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۶۰‘ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۴۴‘ مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۲‘ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۹۴‘ المستدرک ج ۱ ص ۲۶‘ البعث والنشور للبیہقی رقم الحدیث: ۱۶۶‘ شرح السنہ رقم الحدیث: ۴۱۱۵)

سبحان اللہ! جنت میں داخل ہونے کے لیے اس قدر مشکل اور صبر آزما کام کرنے پڑتے ہیں کہ حضرت جبریل کو بھی یہ خطرہ تھا کہ کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا تو ان لوگوں کے تقویٰ اور طہارت‘ بلند حوصلہ اور کردار کی پاکیزگی کا کیا عالم ہوگا جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے جنت عدن کے دروازے پہلے سے کھول رکھے ہیں۔

امام ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۳۵ھ نے کہا ہے کہ جنت کے دروازے دو قسم کے ہیں: بعض دروازوں کا رخ مخلوق کی طرف ہوگا اور بعض دروازوں کا رخ خالق کی طرف ہوگا' جن دروازوں کا رخ مخلوق کی طرف ہوگا ان دروازوں سے جنت میں دخول ہوگا اور جن دروازوں کا رخ خالق کی طرف ہوگا ان دروازوں سے جنت میں داخل ہو کر اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل ہوگا' متقین کے لیے دونوں قسم کے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے' وہ مخلوق کے دروازے سے جنت میں داخل ہوں گے اور اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں ان کے لیے جنت میں تیار کر رکھی ہیں ان سے بہرہ اندوز ہوں گے' پھر وہ جنت میں خالق کے دروازہ سے نکل کر اس جگہ پہنچیں گے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝ (متقین جنت میں) قدرت والے بادشاہ کے پاس صدق کی نشست میں بیٹھے ہوں گے ۝ (القمر: ۵۵)

متقین کے لیے جنت کی نعمتیں

صٓ: ۵۱ میں فرمایا: ''وہ ان میں تکیے لگائے ہوں گے' وہ ان میں بہ کثرت پھلوں اور مشروبات کو طلب کریں گے ۝''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ متقین جنتوں میں تکیے لگائے ہوں گے اور دوسری آیات میں تکیہ لگانے کی کیفیت کو بیان فرمایا ہے' جو حسب ذیل ہیں:

هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِیْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ۝ جنتی اور ان کی بیویاں سایوں میں مسہریوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے ۝ (یٰسٓ: ۵۶)

مُتَّكِـِٕیْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ ۝ وہ سبز مسندوں پر اور غیر معمولی حسین بستروں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے ۝ (الرحمٰن: ۷۶)

اور وہ انواع واقسام کے پھلوں اور میووں کو اور طرح طرح کے مشروبات کو طلب کریں گے' ان میں دودھ' شہد اور غیر نشہ آور شراب کے مشروبات ہوں گے۔

صٓ: ۵۲ میں فرمایا: ''اور ان کے پاس نیچی نظر والی ہم عمر حوریں ہوں گی ۝''

اس سے پہلی آیت میں جنت میں کھانے پینے کی نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا اور اس آیت میں جنت میں منکوحات کی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ان حوروں کے لیے ''قاصرات الطرف'' فرمایا ہے' اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ حوریں اپنے شوہروں کے علاوہ اور کسی کی طرف نہیں دیکھیں گی اور ان کے دلوں میں صرف اپنے شوہروں کی محبت ہوگی اور کسی کی محبت نہیں ہوگی۔

''اتراب'' کا معنیٰ ہے وہ سب حوریں ہم سن ہوں گی' اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ حوریں اپنی صفات میں اور حسن و جمال میں اور عمر میں سب ایک جیسی ہوں گی تو ان سب سے برابر محبت ہوگی اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کو ایک دوسرے پر غیرت نہ آئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کو اتنی اور اتنی جماع کی قوت دی جائے گی' عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! کیا مومن کو اتنی طاقت ہوگی؟ فرمایا: اس کو سو کی طاقت دی جائے گی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۳۶)

صٓ: ۵۴-۵۳ میں فرمایا: ''یہ وہ نعمتیں ہیں جن کا تم سے روزِ حساب کے لیے وعدہ کیا گیا تھا ۝ بے شک یہ ضرور ہمارا عطیہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا ۝''

ان آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ جنت میں دائمی ثواب ہوگا اور جنت کی نعمتیں کبھی ختم نہیں ہوں گی' جنتی درخت سے ایک پھل توڑ کر کھائیں گے تو فوراً اس کی جگہ دوسرا پھل لگ جائے گا' وہ ایک پرندہ کا گوشت کھائیں گے تو فوراً اس جیسا دوسرا پرندہ

پیدا ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ (مؤمنین کی جزاء ہے) اور بے شک سرکشوں کا ضرور بُرا ٹھکانا ہے O (یعنی) جہنم' جس میں وہ داخل ہوں گے' کیا ہی بُرا بچھونا ہے O یہ ہے' پس وہ کھولتے ہوئے پانی اور پیپ کو چکھیں O اور اسی طرح کا دوسرا عذاب ہے O (وہ دیگر دوزخیوں کو دیکھ کر کہیں گے:) یہ ایک اور گروہ ہے جو تمہارے ساتھ داخل ہو رہا ہے' ان کو خوش آمدید نہ کہو' بے شک یہ دوزخ میں داخل ہونے والے ہیں O (آنے والے کہیں گے:) بلکہ تم ہی وہ ہو جن کے لیے خوش آمدید نہیں ہے' تم نے ہی یہ عذاب ہمارے لیے پیش کیا ہے' سو وہ کیسی بُری ٹھہرنے کی جگہ ہے O وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! جس نے ہمارے لیے اس عذاب کو مہیا کیا ہے اس کے عذاب کو دوزخ میں دگنا کر کے زیادہ کر دے O دوزخی کہیں گے: کیا سبب ہے کہ ہم کو وہ لوگ نظر نہیں آ رہے جن کو ہم (دنیا میں) بُرے لوگوں میں سے شمار کرتے تھے O کیا ہم نے ان کا ناحق مذاق اڑایا تھا یا ہماری نگاہیں ان سے ہٹ گئیں ہیں O بے شک دوزخیوں کا یہ جھگڑا ضرور برحق ہے O (ص: ۶۴-۵۵)

اس پر دلائل کہ طاغین سے مراد کفار ہیں نہ کہ اصحاب کبائر

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے متقین کے ثواب کا ذکر فرمایا تھا اور اس کے بعد اب ان آیتوں میں سرکش کافروں کا ذکر فرمایا ہے' تا کہ وعدے کے بعد وعید کا اور ترغیب کے بعد ترہیب کا ذکر ہو۔

ص: ۴۹ میں فرمایا تھا: متقین کے لیے حسن مآب (اچھا ٹھکانا) ہے اور ص: ۵۵ میں فرمایا ہے: طاغین (سرکشوں) کے لیے شر مآب (بُرا ٹھکانا) ہے۔

معتزلہ نے کہا ہے کہ طاغین (سرکشوں) سے مراد اصحاب کبیرہ یعنی فساق ہیں' خواہ وہ مومن ہوں یا کافر' ان کے نزدیک جو مومن بغیر توبہ کے مر گیا وہ بھی کافر کی طرح دائماً دوزخ میں رہے گا اور جمہور اہل سنت نے کہا: طاغین سے مراد کفار ہیں اور اس پر حسب ذیل دلائل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے طاغین کے ٹھکانے کے متعلق فرمایا ہے' وہ شر مآب ہے یعنی سب سے بُرا ٹھکانا اور سب سے بُرا ٹھکانا اس کا ہو گا جس کا جرم سب سے بڑا ہو اور سب سے بڑا جرم کافر کا ہے اور مومن مرتکب کبیرہ کا گناہ بہرحال کافر سے کم ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے ان طاغین کے متعلق فرمایا کہ وہ دوزخ میں کہیں گے کہ ہم کو یہاں وہ لوگ (مسلمان) نظر نہیں آ رہے جن کا ہم دنیا میں مذاق اڑاتے تھے اور مومن مرتکب کبیرہ کسی مسلمان کا اس کے اسلام کی وجہ سے مذاق نہیں اڑاتا' مسلمانوں کا ان کے اسلام کی وجہ سے کفار ہی مذاق اڑاتے تھے' اس لیے طاغین سے مراد کفار ہی ہیں۔

(۳) طاغین صفت کا صیغہ ہے اور جب صفت کا بغیر کسی قید کے اطلاق کیا جائے تو اس سے کامل فرد مراد ہوتا ہے اور طغیان (سرکشی) میں کامل کافر ہوتا ہے۔ مومن مرتکب کبیرہ کے صرف عمل میں طغیان ہے' عقیدہ میں طغیان نہیں ہے اور کافر کے عقیدہ میں بھی طغیان ہے اور عمل میں بھی طغیان ہے' اس لیے طاغین سے مراد صرف کفار ہیں۔

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت کا معنیٰ اس طرح ہے: جن لوگوں نے اللہ کے احکام سے تجاوز کیا اور سرکشی کی اور اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی ان کے لیے سب سے بُرا ٹھکانا ہے۔

ص: ۵۶ میں فرمایا: ''جہنم' جس میں وہ داخل ہوں گے' کیا ہی بُرا بچھونا ہے O''

ان کے نیچے جو دوزخ کی آگ ہو گی اس کو اللہ تعالیٰ نے اس بستر سے تشبیہ دی ہے جس پر سونے والا لیٹتا ہے۔

ص: ۵۷ میں فرمایا: "یہ ہے' پس وہ کھولتے ہوئے پانی اور پیپ کو چکھیں"۔

"غساق" کی تفسیر میں حدیث اور آثار

مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں بعض مقدم الفاظ کو مؤخر کر دیا ہے اور بعض مؤخر الفاظ کو مقدم کر دیا ہے' اصل عبارت اس طرح ہے یہ حمیم (کھولتا ہوا پانی) ہے اور غساق (دوزخیوں کی پیپ) ہے۔

حمیم کا معنیٰ ہے سخت گرم اور کھولتا ہوا پانی اور غساق اس کی ضد ہے' یعنی انتہائی ٹھنڈا پانی جس کی ٹھنڈک کی شدت کی وجہ سے اس پانی کو پیا نہ جاسکے' اسی وجہ سے ص: ۵۷ میں فرمایا: "اور اسی طرح کا دوسرا عذاب ہے"۔ غساق کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر غساق کا ایک ڈول دنیا میں الٹ دیا جائے تو تمام دنیا بدبودار ہو جائے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۸۴' مسند احمد ج ۳ ص ۲۸' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۳۸۱' المستدرک ج ۴ ص ۶۰۲' جامع المسانید والسنن مسند ابی سعید الخدری رقم الحدیث: ۲۸۸)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ نے غساق کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ذکر کیے ہیں:

(۱) قتادہ نے کہا: دوزخیوں کی کھال اور ان کے گوشت کے درمیان سے جو پانی بہتا ہوا نکلے گا وہ غساق ہے۔

(۲) سدی نے کہا: دوزخیوں کی آنکھوں سے جو آنسو بہتے ہوئے نکلیں گے وہ غساق ہے۔

(۳) ابن زید نے کہا: دوزخیوں کی پیپ کو گرم کر کے ایک حوض میں جمع کر دیا جائے گا اس کو غساق کہتے ہیں۔

(۴) حضرت عبد اللہ بن عمرو نے کہا: وہ بہت گاڑھی پیپ ہے' اگر اس کا ایک قطرہ مغرب میں ڈال دیا جائے تو اس سے پورا مشرق بدبودار ہو جائے گا اور اگر اس کا ایک قطرہ مشرق میں ڈال دیا جائے تو اس سے پورا مغرب بدبودار ہو جائے گا۔

(۵) مجاہد نے کہا: وہ اتنا زیادہ ٹھنڈا پانی ہے کہ وہ ٹھنڈک کی وجہ سے پیا نہیں جا سکتا۔

(۶) عبد اللہ بن بریدہ نے کہا: وہ سخت بدبودار پانی ہے۔

(۷) کعب نے کہا: وہ ہر زہریلے جانور مثلاً سانپ اور بچھو کا پسینہ ہے' یہ زہریلا پسینہ ایک چشمہ میں بہتا ہوا آئے گا۔

(جامع البیان جز ۲۳ ص ۲۱۲-۲۰۹' ملخصاً' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

"من شکلہ ازواج" کا معنیٰ

ص: ۵۸ میں فرمایا: "اور اسی طرح کا دوسرا عذاب ہے"۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اس سے مراد زمہریر ہے' یعنی سخت ٹھنڈک کا طبقہ۔

اس آیت میں "شکل" کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے اس قسم کا اور شکل کا معنیٰ عورت کا بناؤ سنگھار بھی ہوتا ہے اور اس کا میک اَپ۔ ابن زید نے کہا: "شکل" کا معنیٰ ہے: شبیہ' یعنی اس کے مشابہ عذاب' جس کا نام اللہ نے ازواج رکھا ہے اور اس کا الگ نام نہیں رکھا۔ حسن بصری نے کہا: "من شکلہ ازواج" کا معنیٰ ہے رنگا رنگ کے عذاب' مختلف اقسام کے عذاب' قتادہ نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: عذاب کے جوڑے' ابن زید نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: دوزخ میں عذاب کے جوڑے۔

(جامع البیان جز ۲۳ ص ۲۱۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

دوزخ میں کافروں کے سرداروں اور پیروکاروں کا مناظرہ

ص: ۵۹ میں فرمایا: "(وہ دیگر دوزخیوں کو دیکھ کر کہیں گے:) یہ ایک اور گروہ ہے جو تمہارے ساتھ داخل ہو رہا ہے' ان کو خوش آمدید نہ کہو' بے شک یہ دوزخ میں داخل ہونے والے ہیں O"

اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے سرکشو! یہ تمہارے عقیدہ کا ایک اور گروہ ہے جو تمہارے بعد دوزخ میں داخل ہو رہا ہے' جو کافر پہلے دوزخ میں داخل ہو چکے تھے وہ بعد والے کافروں کو دیکھ کر کہیں گے: تم کو مرحبا اور خوش آمدید نہ ہو۔ ابن زید نے اس کی تفسیر میں کہا: فوج سے مراد وہ قوم ہے جو گروہ در گروہ داخل ہوتی ہے' اس کی نظیر یہ آیت ہے:

قَالَ ادْخُلُوْا فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِی النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰۤی اِذَا ادَّارَكُوْا فِیْهَا جَمِیْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝ (الاعراف: ۳۸)

اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم سے پہلے جنات اور انسانوں میں سے جو فرقے پہلے دوزخ میں داخل ہو چکے ہیں ان کے ساتھ تم بھی دوزخ میں داخل ہو جاؤ' جب بھی کوئی گروہ دوزخ میں داخل ہوگا وہ اپنی مثل دوسرے گروہ کو لعنت کرے گا' حتیٰ کہ جب اس میں سب جمع ہو جائیں گے تو بعد والے پہلے والے لوگوں کے متعلق کہیں گے: اے ہمارے رب! ان ہی لوگوں نے ہم کو گم راہ کیا تھا سو تو ان کو دوزخ کا دگنا عذاب دے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: سب ہی کا دگنا عذاب ہے لیکن تم کو علم نہیں ہے۔

ص: ۶۰ میں فرمایا: "(آنے والے کہیں گے:) بلکہ تم ہی وہ ہو جن کے لیے خوش آمدید نہیں ہے' تم نے ہی یہ عذاب ہمارے لیے پیش کیا ہے' سو وہ کیسی بُری ٹھہرنے کی جگہ ہے ۝"

ان کے پیروکار کہیں گے: تم نے ہمارے خلاف جو بددعا کی ہے' دراصل تم خود ہی اس بددعا کے زیادہ مستحق ہو اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ہم جس کفر اور شرک کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہوئے ہیں اور عذاب میں گرفتار ہوئے ہیں اس عذاب کا سبب تم ہی ہو۔

ص: ۶۱ میں فرمایا: "وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! جس نے ہمارے لیے اس عذاب کو مہیا کیا ہے اس کے عذاب کو دوزخ میں دگنا کر کے زیادہ کر دے ۝"

کافروں کے پیروکار کہیں گے کہ چونکہ یہ سردار ہمارے کفر کا سبب ہیں' ہم نے ان کے کہنے کی وجہ سے کفر اور شرک کیا تھا لہٰذا تو ان کے عذاب کو دگنا کر دے' اس کی نظیر یہ آیت ہے:

وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِیْلَا ۝ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَیْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِیْرًا ۝ (الاحزاب: ۶۸-۶۷)

اور (پیروکار) کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی پیروی کی جنہوں نے ہمیں گم راہ کر دیا ۝ اے ہمارے رب! تو انہیں دوگنا عذاب دے اور ان پر بہت بڑی لعنت نازل فرما ۝

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ان سرداروں پر جو عذاب نازل کیا جائے گا اگر وہ ان کے جرم کے مطابق ہو تو دگنا نہیں ہوگا اور اگر ان کے جرم سے زائد ہو تو پھر یہ ظلم ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے سرداروں کو ایک عذاب تو ان کے کفر اور شرک کا ہوگا اور اس عذاب میں ان کے پیروکار بھی ان کے شریک ہوں گے اور دوسرا عذاب دوسروں کو گم راہ کرنے کا ہوگا جس میں ان کے پیروکار شریک نہیں ہوں گے۔ اس اعتبار سے ان کے سرداروں کو پیروکاروں کی بہ نسبت دوگنا عذاب ہوگا۔ حدیث میں ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اسلام میں کسی

نیک طریقہ کو ایجاد کیا اس کو اس نیکی کا اجر ملے گا اور جو اس کے بعد اس نیک طریقہ پر عمل کرے گا اس کی نیکی کا بھی اجر ملے گا اور ان کی نیکیوں میں سے کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور جس نے اسلام میں کسی بُرے طریقہ کو ایجاد کیا خود اس کو بھی اس بُرے طریقہ کا گناہ ہوگا اور جو بعد میں اس بُرے طریقہ پر عمل کریں گے ان کی بُرائی کا بھی اس کو گناہ ہوگا اور ان کے گناہوں میں سے کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۵۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۳' جامع المسانید والسنن مسند جریر بن عبداللہ رقم الحدیث: ۱۴۷۲)

ص: ۶۲ میں فرمایا: ''دوزخی کہیں گے: کیا سبب ہے کہ ہم کو وہ لوگ نظر نہیں آ رہے جن کو ہم (دنیا میں) بُرے لوگوں میں سے شمار کرتے تھے؟''

اس سے پہلی آیتوں میں کفار کا وہ حال بیان کیا تھا جو دنیا میں ان کے احباب کے ساتھ تھا اور اس آیت میں کفار کا وہ حال بیان فرما رہا ہے جو دنیا میں ان کے اعداء اور مخالفین کے ساتھ تھا۔ یعنی کفار جب جہنم کی تمام اطراف اور جوانب میں نظر ڈالیں گے تو ان کو فقراء مسلمین نظر نہیں آئیں گے۔ جن کے ایمان اور اسلام کا وہ دنیا میں مذاق اڑاتے تھے' وہ ان کو اشرار اور بُروں میں اس لیے شمار کرتے تھے کہ وہ ان کے دین کے خلاف تھے اور ایسے دین کی پیروی کر رہے تھے جس سے ان کو کوئی دنیاوی منفعت حاصل نہیں ہو رہی تھی۔

ص: ۶۳ میں فرمایا: ''(کفار کہیں گے:) کیا ہم نے ان کا ناحق مذاق اڑایا تھا' یا ہماری نگاہیں ان سے ہٹ گئیں ہیں O''

ضحاک نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا مذاق اڑاتے تھے' آخرت میں آپ کو اور آپ کے اصحاب کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور ان لوگوں کو دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا۔

ص: ۶۴ میں فرمایا: ''بے شک دوزخیوں کا یہ جھگڑا ضرور برحق ہے''۔

دوزخیوں میں سے کافروں کے سرداروں اور ان کے پیروکاروں میں مناظرہ ہوا' سرداروں نے پیروکاروں کے متعلق کہا: ان کو خوش آمدید نہ ہو اور پیروکاروں نے سرداروں کے متعلق کہا: بلکہ تم کو خوش آمدید نہ ہو۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٦٥﴾ رَبُّ

آپ کہیے کہ میں تو صرف اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں اور اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے جو واحد ہے اور سب پر

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿٦٦﴾ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا

غالب ہے O وہ آسمانوں اور زمینوں کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے' بے حد عزت والا اور بہت بخشنے والا ہے O

عَظِيْمٌ ﴿٦٧﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿٦٨﴾ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍۢ بِالْمَلَاِ

آپ کہیے وہ بہت بڑی خبر ہے O تم جس سے اعراض کر رہے ہو O جب ملائکہ مقربین بحث کر رہے تھے

الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٦٩﴾ اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٠﴾

تو مجھے (اس کا) کوئی علم نہ تھا O میری طرف صرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ میں صاف صاف عذاب سے ڈرانے والا ہوں O

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِينٍ ﴿٧١﴾ فَإِذَا

جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں گیلی مٹی سے بشر بنانے والا ہوں O سو جب میں

سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي فَقَعُوا لَهٗ سٰجِدِينَ ﴿٧٢﴾ فَسَجَدَ

اس کا پتلا بنالوں اور اس میں اپنی طرف سے (خاص) روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لیے سجدہ کرتے ہوئے گر جاناO تو سب

الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ﴿٧٣﴾ إِلَّآ إِبْلِيسَ ؕ اسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ

کے سب تمام فرشتوں نے اکٹھے سجدہ کیا O سوا ابلیس کے' اس نے تکبر کیا اور کافروں میں سے

الْكٰفِرِينَ ﴿٧٤﴾ قَالَ يٰٓإِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ

ہو گیا O فرمایا: اے ابلیس! تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جس کو میں نے اپنے ہاتھوں

بِيَدَيَّ ؕ أَسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِينَ ﴿٧٥﴾ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ؕ

سے بنایا تھا؟ کیا تو نے (اب) تکبر کیا یا تو (پہلے سے ہی) تکبر کرنے والوں میں سے تھا؟O اس نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں'

خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِينٍ ﴿٧٦﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا

تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے بنایا ہے O فرمایا: تو اس (جنت) سے نکل جا

فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿٧٧﴾ وَّإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيٓ إِلٰى يَوْمِ الدِّينِ ﴿٧٨﴾ قَالَ

بے شک تو دھتکارا ہوا ہے O بے شک تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت ہے O اس نے کہا:

رَبِّ فَأَنْظِرْنِيٓ إِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿٧٩﴾ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ﴿٨٠﴾

اے میرے رب! پھر مجھے حشر کے دن تک کی مہلت دےO فرمایا: بے شک تو مہلت پانے والوں میں سے ہےO

إِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ﴿٨١﴾ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٨٢﴾

اس دن تک جس کا وقت (ہمیں) معلوم ہےO اس نے کہا: پس تیری عزت کی قسم! میں ضرور ان سب کو گم راہ کر دوں گاO

إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿٨٣﴾ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُولُ ﴿٨٤﴾

سوا ان کے جو ان میں سے تیرے مخلص بندے ہیںO فرمایا: پس یہ برحق ہے اور میں حق بات ہی فرماتا ہوںO

لَاَمۡلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنۡكَ وَمِمَّنۡ تَبِعَكَ مِنۡهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۸۵﴾ قُلۡ مَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ

کہ میں تجھ سے اور تیرے تمام پیروکاروں سے ضرور جہنم کو بھر دوں گا O آپ کہیے کہ میں تم سے اس پیغام کو

عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُتَكَلِّفِيۡنَ ﴿۸۶﴾ اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ

پہنچانے پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں O یہ (قرآن) تو صرف تمام جہان والوں

لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۸۷﴾ وَلَتَعۡلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعۡدَ حِيۡنٍ ﴿۸۸﴾ ع

کے لیے نصیحت ہے O اور تم اس کی خبر کو ضرور کچھ عرصہ بعد جان لوگے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ میں تو صرف اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں اور اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' جو واحد ہے اور سب پر غالب ہے O وہ آسمانوں اور زمینوں کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے' بے حد عزت والا اور بہت بخشنے والا ہے O (ص: ۶۶۔۶۵)

آیات سابقہ سے ارتباط

اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ کو توحید اور رسالت کی دعوت دی اور یہ فرمایا کہ قیامت برحق ہے تو انہوں نے آپ کی تکذیب کی اور آپ کا مذاق اڑایا اور آپ کو جادوگر اور جھوٹا کہا اور کہا: ہم نے اس سے پہلے یہ بات کسی دین میں نہیں سنی' یہ محض ان کی من گھڑت بات ہے' نیز یہ کہا کہ کیا ہم میں سے صرف ان ہی پر وحی نازل کی گئی ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دل آزار باتوں سے رنج پہنچتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے رنج کو زائل کرنے کے لیے اور آپ کو تسلی دینے کے لیے انبیاء سابقین کے واقعات آپ پر نازل کیے اور اس لیے بھی کہ کفار کو ان واقعات سے یہ اندازہ ہو کہ آپ نے کسی عالم کی شاگردی نہیں کی' کسی مکتب میں نہیں گئے' کسی کتاب کو نہیں پڑھا' پھر آپ نے انبیاء سابقین کے یہ واقعات ٹھیک ٹھیک بیان کر دیئے ہیں تو سوائے اللہ کی وحی کے آپ کے پاس علم کا اور کون سا ذریعہ تھا؟ ہوسکتا ہے یہ سوچ کر وہ اپنے کفر اور شرک سے باز آجائیں' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کے اخروی ثواب کو اور کفار کے اخروی عذاب کو بیان فرمایا تاکہ ہوسکتا ہے کہ وہ اخروی عذاب سے ڈر کر یا اخروی ثواب کی طمع میں ایمان لے آئیں۔

اس بیان کو ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر ان ہی مطالب اور مقاصد کو دہرایا جن کو اوّل سورت میں بیان فرمایا تھا اور توحید' رسالت اور وقوع قیامت پر ایمان لانے کی دعوت دی اور فرمایا کہ آپ کہیے کہ میں تو صرف ڈرانے والا ہوں' یعنی جو شخص اللہ کی توحید' میری رسالت اور وقوع قیامت کا انکار کرے گا میں اس کو بتاؤں گا کہ ایسے منکروں کو اللہ تعالیٰ آخرت میں کس قسم کا عذاب پہنچائے گا اور فرمایا: اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' جو واحد ہے اور سب پر غالب ہے۔

اللہ تعالیٰ کے غالب ہونے سے اس کی توحید پر استدلال

اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے پر یہ دلیل ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہو جو علم اور قدرت میں اس کے مساوی ہو اور وہ غالب اور قاہر ہو تو فرض کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے اور اسی وقت اس کا شریک یہ چاہتا ہے کہ اس چیز کو پیدا نہ

کیا جائے تو اب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ دونوں کا چاہا ہوا پورا ہو جائے' بہ یک وقت وہ چیز ہو اور نہ ہو' اس لیے لامحالہ کسی ایک کا چاہا ہوا پورا ہو گا' یا اللہ کا یا اس کے شریک کا اور جس کا چاہا ہوا پورا ہو گا وہی غالب ہو گا اور دوسرا مغلوب ہو گا' پس یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ کا کوئی شریک ہو' جو علم اور قدرت میں اس کے مساوی ہو اور سب پر غالب ہو' نیز ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اللہ تو سب پر غالب اور قاہر ہے' اب اس کا شریک بھی سب پر غالب اور قاہر ہے یا نہیں' اگر وہ سب پر غالب ہے تو اللہ پر بھی غالب ہے یا نہیں' اگر وہ اللہ پر غالب نہیں ہے تو سب پر غالب نہیں ہے اور اللہ کا مساوی نہیں ہے اور اگر وہ اللہ پر بھی غالب ہے تو اللہ مغلوب ہو گا اور غالب نہیں ہو گا اور جو مغلوب ہو وہ خدا اور سارے جہان کا خالق نہیں ہو سکتا' اس سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ خدا نہ رہے اور سارے جہان کا خالق اور مالک نہ ہو' حالانکہ مشرکین بھی مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سارے جہانوں کا خالق اور مالک ہے اور وہ سب پر غالب ہے اور اللہ تعالیٰ کا سب پر غالب ہونا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کا کوئی شریک نہ ہو' جو علم اور قدرت میں اس کے مساوی ہو اور سب پر قاہر اور غالب ہو۔

اللہ تعالیٰ کے غفار ہونے کے متعلق احادیث

ص: ۶۶ میں فرمایا: "وہ آسمانوں اور زمینوں کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے' ان سب کا رب ہے' بے حد عزت والا اور بہت بخشنے والا ہے O"

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ واحد اور قہار ہے اور قہار ایسی صفت ہے جو ترہیب اور تخویف پر دلالت کرتی ہے' کیونکہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کے قہار ہونے کو یاد کرے گا تو خوف زدہ ہو جائے گا' اس لیے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ان صفات کا ذکر فرمایا جو کہ ترغیب اور امید پر دلالت کرتی ہیں' کیونکہ ایمان اس کیفیت کا نام ہے جو کہ عذاب کے خوف اور مغفرت کی امید کے درمیان ہے۔ سو اس آیت میں پہلے اپنے رب ہونے کا ذکر فرمایا' اس کا رب ہونا اس معنیٰ کی خبر دیتا ہے کہ وہ پرورش کرتا ہے' احسان اور کرم فرماتا ہے اور رحمت فرماتا ہے اور اس کا غفار ہونا اس معنیٰ کی خبر دیتا ہے کہ وہ گناہوں کو بخش دیتا ہے' پس اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے اور اس کی مغفرت اور اس کی بخشش کی امید رکھنی چاہیے۔

حسب ذیل احادیث میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت کو بیان کیا گیا ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک ایک بندہ گناہ کر لیتا ہے' پھر دعا کرتا ہے کہ اے میرے رب! مجھ سے گناہ ہو گیا تو میرا گناہ معاف فرما دے' (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:) کیا میرے بندہ کو علم ہے کہ اس کا رب ہے جو اس کے گناہ کی مغفرت بھی کرتا ہے اور اس کے گناہ پر مواخذہ بھی کرتا ہے' میں نے اپنے بندہ کو بخش دیا' پھر وہ بندہ دوبارہ گناہ کرتا ہے اور پھر دعا کرتا ہے کہ اے میرے رب! مجھ سے گناہ سرزد ہو گیا تو مجھ کو معاف فرما' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا میرے بندہ کو علم ہے کہ اس کا رب ہے جو اس کے گناہ کو معاف بھی کرتا ہے اور اس کے گناہ پر مواخذہ بھی فرماتا ہے' میں نے اپنے بندہ کو بخش دیا' پھر جتنا وقت اللہ چاہتا ہے وہ بندہ گزارتا ہے' پھر گناہ کر لیتا ہے' پھر دعا کرتا ہے کہ مجھ سے گناہ ہو گیا تو میرے گناہ کو بخش دے۔ پھر اللہ فرماتا ہے: کیا میرے بندہ کو علم ہے کہ اس کا رب ہے' جو اس کے گناہ کو معاف بھی کرتا ہے اور اس کے گناہ پر مواخذہ بھی فرماتا ہے' میں نے اپنے بندہ کو تین بار معاف کر دیا' وہ جو چاہے عمل کرے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۰۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۵۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۰۳۸۴' عالم الکتب)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اگر بندہ بار بار گناہ کرے' سو بار یا ہزار بار یا اس سے بھی زیادہ بار اور ہر بار توبہ کرے تو

اس کی توبہ قبول ہوگی اور اس کے گناہ ساقط ہو جائیں گے اور اگر تمام گناہوں کی ایک ہی بار توبہ کرے تب بھی اس کی توبہ صحیح ہے۔ اور یہ جو فرمایا ہے: تو جو چاہے عمل کر' میں نے تجھ کو بخش دیا ہے' اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جب تک تو گناہ کرنے کے بعد توبہ کرتا رہے گا میں تجھ کو بخشتا رہوں گا۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۱۱ص ۶۸۸۲۔۶۸۸۱' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ)

بار بار گناہ کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کا بخش دینا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ ھ نے اس حدیث کی شرح میں یہ کہا ہے کہ جو شخص گناہوں پر اصرار کرتا ہے (یعنی بغیر توبہ کے بار بار گناہ کرتا ہے) اس کی مغفرت اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے' اگر چاہے تو اس کو عذاب دے اور اگر چاہے تو اس کو بخش دے' اس کی نیکی کو غلبہ دیتے ہوئے اور اس بندہ کا یہ اعتقاد ہے کہ اس کا رب ہے جو خالق ہے' وہ عذاب بھی دیتا ہے اور بخشتا بھی ہے اور اس کا اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا اس کے اس عقیدہ پر دلالت کرتا ہے' اس حدیث میں یہ دلیل نہیں ہے کہ جس گناہ کی وہ مغفرت طلب کر رہا ہے اس گناہ سے وہ توبہ کر چکا ہے' کیونکہ توبہ کی تعریف یہ ہے کہ وہ گناہ سے رجوع کرے اور دوبارہ گناہ نہ کرنے کا عزم کرے اور اس گناہ کا تدارک اور تلافی کرے اور فقط گناہ پر استغفار کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نے اس معنیٰ میں توبہ بھی کی ہے اور بعض علماء نے توبہ کی تعریف میں یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ اس کو اپنے فعل پر ندامت ہو اور بعض نے کہا ہے کہ توبہ کے لیے صرف ندامت کافی ہے کیونکہ گناہ کا تدارک اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم ندامت سے ہی پیدا ہوتا ہے اور حدیث میں ہے: ندامت توبہ ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۵۲' مسند احمد رقم الحدیث: ۳۵۶۸)

(اس عبادت کا مفاد یہ ہے کہ استغفار کرنے اور توبہ کرنے میں فرق ہے اور کسی گناہ پر استغفار کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ بندہ اس گناہ سے توبہ بھی کر رہا ہو' لیکن اس بحث کے آخر میں حافظ ابن حجر نے یہ لکھا ہے کہ لوگوں میں معروف یہ ہے کہ استغفار کرنا توبہ کرنے کو مستلزم ہے۔ سعیدی غفرلہ)

علامہ ابو العباس قرطبی متوفی ۶۵۶ ھ نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے: یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے عظیم فضل اور اس کی وسیع رحمت پر دلالت کرتی ہے لیکن اس حدیث میں جس استغفار کا ذکر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ دل سے استغفار کرے' حتیٰ کہ اس سے اصرار کی گرہ کھل جائے اور اس کو ندامت ہو اور ایسا استغفار اس کی توبہ کا ترجمان ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے: حضرت نعمان بن سعد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو فتنہ میں پڑنے کے بعد توبہ کریں۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۱۲۰) اور اس حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ جو بار بار گناہ کرے اور بار بار توبہ کرے' پس جب اس سے گناہ سرزد ہوگا تو وہ توبہ کرے گا اور اس سے مراد ایسا شخص نہیں ہے جو زبان سے تو استغفار کر رہا ہو اور اس کا دل اس گناہ پر مصر ہو اور یہ ایسا استغفار ہے کہ اس استغفار سے بھی استغفار کرنے کی ضرورت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مثل ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو اور جو شخص اس حال میں استغفار کرے کہ وہ گناہ پر قائم ہو وہ اس شخص کی مثل ہے جو اپنے رب سے مذاق کر رہا ہو۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۱۷۸)

میں نے جو پہلے یہ ذکر کیا ہے کہ استغفار توبہ کا غیر ہے اور مغفرت طلب کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ بندہ اس گناہ سے توبہ کر رہا ہو' یہ محض لفظی اعتبار سے ہے لیکن اکثر لوگوں کی استغفر اللہ سے مراد توبہ کرنا ہوتی ہے' پس جو شخص کسی گناہ پر استغفار کرتا ہے وہ اس گناہ سے لازماً توبہ بھی کرتا ہے۔ (المفہم ج ۷ص ۸۵۔۸۴' دار ابن کثیر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

(فتح الباری ج ۱۵ص ۴۴۱۔۴۴۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کے غفار ہونے کے متعلق دیگر یہ احادیث ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے استغفار کو لازم کر لیا اللہ تعالیٰ اس کی ہر مشکل کا ایک حل اور ہر مصیبت سے ایک نجات کا راستہ پیدا کر دیتا ہے اور اس کو وہاں سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اس کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۱۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۱۹' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۳۳۸۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو بیدار ہوتے تو یہ آیت پڑھتے تھے:

مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝ (ص: ۶۶-۶۵)

اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' جو واحد ہے اور سب پر غالب ہے ۝ وہ آسمانوں اور زمینوں کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے' ان سب کا رب ہے' بے حد عزت والا اور بہت بخشنے والا ۝

(السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۰۷۰۰' المستدرک ج ۱ ص ۵۴۰' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۶۶۱۵' یہ حدیث صحیح السند ہے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم خطا کرتے رہو' حتیٰ کہ تمہاری خطائیں آسمان تک پہنچ جائیں' پھر تم توبہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول فرمالے گا۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۴۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مؤمن کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے اور اگر وہ توبہ کرلے اور اس گناہ کو اتار دے اور استغفار کرے تو اس کا دل صاف کر دیا جاتا ہے اور اگر وہ زیادہ گناہ کرے تو وہ نکتے زیادہ ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ اس کے پورے دل کو ڈھانپ لیتے ہیں اور یہی وہ "ران" (زنگ) ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے:

كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ (المطففین: ۱۴)

نہیں' بلکہ ان کے اعمال کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے ۝

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۳۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۴۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۳۰' المستدرک ج ۲ ص ۵۱۷)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل رات کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے کہ دن میں گناہ کرنے والے کی توبہ قبول فرمالے اور دن میں اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے کہ رات میں گناہ کرنے والے کی توبہ قبول فرمالے' (یہ سلسلہ چلتا رہے گا) حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۵۹' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۱۸۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر ابن آدم خطا کرنے والا ہے اور خطا کاروں میں سب سے بہتر توبہ کرنے والے ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۰۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۵۱' المستدرک ج ۴ ص ۲۴۴' جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۲۶۲۱)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک بندہ کی روح نکلتے وقت اس کے حلقوم تک نہ پہنچ چکی ہو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا رہتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۳۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۵۳' جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۸۸)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے وصیت کیجئے' آپ نے فرمایا: تم حتی

الوسع اللہ تعالیٰ کے خوف کو لازم رکھو اور ہر پتھر اور درخت کے پاس اللہ کا ذکر کرو اور اگر تم نے کوئی بُرا کام کیا ہے تو فوراً اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو' پوشیدہ گناہ کی پوشیدہ توبہ کرو اور علی الاعلان گناہ کی علی الاعلان توبہ کرو۔ (المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۱۵۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی بندہ اپنے گناہوں سے توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کراماً کاتبین سے اس کے گناہ بھلا دیتا ہے اور اس کے اعضاء اور زمین کی نشانیوں (مثلاً شجر وحجر) سے بھی اس کے گناہ بھلا دیتا ہے' حتیٰ کہ وہ قیامت کے دن اس حال میں اللہ سے ملاقات کرے گا کہ اس کے گناہ کا کوئی گواہ نہیں ہوگا۔

(الترغیب والترہیب للمنذری رقم الحدیث: ۴۶۰۲' الترغیب والترہیب للاصبہانی رقم الحدیث: ۷۵۱)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے پہلی امتوں میں سے ایک شخص نے ننانوے قتل کیے' پھر اس نے زمین والوں سے پوچھا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے؟ اسے ایک بڑا راہب (عیسائیوں میں تارک الدنیا عبادت گزار) کا پتا بتایا گیا' وہ شخص اس راہب کے پاس گیا اور یہ کہا کہ اس نے ننانوے قتل کیے ہیں' کیا اس کی توبہ ہو سکتی؟ اس نے کہا: نہیں' اس شخص نے اس راہب کو بھی قتل کر کے پورے سو قتل کر دیئے' پھر اس نے سوال کیا کہ روئے زمین پر سب سے بڑا عالم کون ہے؟ تو اس کو ایک عالم کا پتہ دیا گیا' اس شخص نے کہا کہ اس نے سو قتل کیے ہیں' کیا اس کی توبہ ہو سکتی ہے؟ عالم نے کہا: ہاں! توبہ کی قبولیت میں کیا چیز حائل ہو سکتی ہے' جاؤ فلاں' فلاں جگہ پر جاؤ' وہاں کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے ہیں' تم ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اپنی زمین کی طرف واپس نہ جاؤ کیونکہ وہ بُری جگہ ہے' وہ شخص روانہ ہوا' جب وہ آدھے راستہ پر پہنچا تو اس کو موت نے آ لیا اور اس کے متعلق رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں اختلاف ہو گیا' رحمت کے فرشتوں نے کہا: یہ شخص توبہ کرتا ہوا اور دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہوا آیا تھا اور عذاب کے فرشتوں نے کہا: اس نے بالکل کوئی نیک عمل نہیں کیا' پھر ان کے پاس آدمی کی صورت میں ایک فرشتہ آیا' انہوں نے اس کو اپنے درمیان حَکَم بنا لیا' اس نے کہا: دونوں زمینوں کی پیمائش کرو' وہ جس زمین کے زیادہ قریب ہو اسی کے مطابق اس کا حکم ہوگا' جب انہوں نے پیمائش کی تو وہ اس زمین کے زیادہ قریب تھا جہاں اس نے جانے کا ارادہ کیا تھا' پھر رحمت کے فرشتوں نے اس پر قبضہ کر لیا' حسن نے بیان کیا ہے کہ جب اس پر موت آئی تو اس نے اپنا سینہ پہلی جگہ سے دور کر لیا تھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۶۶' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۷۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۲۲' جامع المسانید والسنن مسند ابی سعید الخدری رقم الحدیث: ۴۶)

تائب کے لیے بُری جگہ اور بُرے لوگوں کو چھوڑ دینے کا استحباب

اس حدیث میں ہے: عالم نے کہا: تم فلاں فلاں علاقے میں جاؤ' وہاں لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں' تم ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اپنی زمین کی طرف لوٹ کر نہ جاؤ کیونکہ وہ بُری زمین ہے۔

علماء نے کہا ہے کہ توبہ کرنے والے کے لیے مستحب یہ ہے کہ جس زمین میں اس نے گناہ کیے ہوں اس کو چھوڑ دے اور جو لوگ اس کو گناہ کی دعوت دیتے ہوں اور گناہ میں اس کی معاونت کرتے ہوں ان سے مقاطعہ کرے تاوقتیکہ وہ لوگ بھی تائب نہ ہو جائیں اور یہ کہ علماء' صلحاء' عبادت گزاروں اور اہل تقویٰ کی صحبت اور مجلس کو اختیار کرے اور ان کی نصیحت اور مجلس سے فائدہ حاصل کرے۔

اولیاء کرام کی وجاہت

اس حدیث سے اولیاء کرام کی اللہ کے ہاں وجاہت اور قدر و منزلت معلوم ہوئی کہ اگر کوئی گناہ گار ان کے پاس جا کر توبہ کرنے کا صرف ارادہ کرے' ابھی وہاں گیا نہ ہو اور توبہ نہ کی ہو تب بھی بخش دیا جاتا ہے تو جو لوگ ان کے پاس جا کر ان کے

ہاتھ پر بیعت ہوں' توبہ کریں اور ان کے وظائف پر عمل کریں' ان کے مرتبہ اور مقام کا کیا عالم ہوگا اور یہ تو پہلی امتوں کے اولیاء کرام کی وجاہت ہے تو امت محمدیہ کے اولیاء کرام خصوصاً غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی اللہ کے ہاں قدر و منزلت اور وجاہت کا کیا عالم ہوگا اور جو مسلمان ان کے سلسلہ سے وابستہ ہیں ان کے لیے حصول مغفرت اور وسعت رحمت کی کتنی قوی امید ہوگی۔

لیلۃ القدر کا بڑا مرتبہ ہے' ایک رات میں عبادت کر لی جائے تو اس رات کی عبادت کا درجہ ایک ہزار راتوں کی عبادتوں سے زیادہ ہے' لیکن اگر کوئی اس رات کو پا کر عبادت نہ کرے تو اسے کوئی اجر نہیں ملے گا' لیکن اولیاء اللہ کی کیا شان ہے کہ کوئی ان کے پاس جا کر عبادت اور توبہ نہیں کرتا' صرف جانے کی نیت کر لیتا ہے تو بخش دیا جاتا ہے' یہی حال کعبہ کا ہے۔ کوئی شخص کعبہ کی زیارت اور اس میں عبادت کرے گا تو اجر و ثواب ملے گا' اگر کعبہ تک نہیں پہنچا تو اجر و ثواب نہیں ملے گا' پھر لیلۃ القدر اور کعبہ میں عبادت سے اجر و ثواب میں اضافہ ہوتا ہے' بخشش کی ضمانت نہیں ہے' لیکن جو شخص اللہ والوں کے پاس جا کر توبہ کرنے کی نیت کر لے بخش دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ وہ بہت بڑی خبر ہے O تم جس سے اعراض کر رہے ہو O جب ملائکہ مقربین بحث کر رہے تھے تو مجھے (اس کا) کوئی علم نہ تھا O میری طرف صرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ میں صاف صاف عذاب سے ڈرانے والا ہوں O (ص: ۷۰۔۶۷)

بہت بڑی خبر کے مصداق میں متعدد احتمالات

ص: ۶۸۔۶۷ میں فرمایا: ''آپ کہیے کہ وہ بہت بڑی خبر ہے O تم جس سے اعراض کر رہے ہو O''

اس آیت میں کس خبر کو فرمایا ہے وہ بہت بڑی خبر ہے' اس میں کئی احتمال ہیں (ا) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' وہ واحد ہے اور سب پر غالب ہے' یہ بہت بڑی خبر ہے (ب) سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی اور رسول ہیں' یہ بہت بڑی خبر ہے (ج) قرآن مجید وحی الٰہی ہے اور یہ معجز کلام ہے' یہ بہت بڑی خبر ہے (د) قیامت برحق ہے' صور پھونکنے کے بعد یہ تمام کائنات فنا ہو جائے گی' پھر دوسرے صور کے بعد سب لوگ زندہ کیے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حساب اور کتاب کے لیے پیش کیے جائیں گے' پھر ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق جزاء اور سزا دی جائے گی' یہ بہت بڑی خبر ہے۔

اس سورت کے شروع میں ان چاروں چیزوں کی خبر دی گئی ہے اور یہ بہت عظیم اور اہم خبر ہے اور کفار مکہ ان خبروں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار سننے کے باوجود ان خبروں سے اعراض کرتے تھے' بلکہ ان خبروں کا انکار اور ان کی تکذیب کرتے تھے' ان چیزوں کی خبر اس قدر اہم اور اس قدر عظیم ہے کہ اگر ان کا انکار کر دیا جائے تو انسان دنیا میں مذمت اور ملامت کا اور آخرت میں عقاب اور عذاب کا مستحق ہوتا ہے اور اگر ان چیزوں کی تصدیق کرے' ان پر ایمان لے آئے اور ایمان کے تقاضوں پر عمل کرے تو دنیا میں اس کی تعریف کی جاتی ہے اور آخرت میں اللہ اپنے فضل سے اس کو اجر و ثواب عطا فرمائے گا اور جنات الفردوس میں اس کو داخل فرمائے گا۔ اس لیے عقل سلیم یہ واجب کرتی ہے کہ ان کے متعلق سستی اور تساہل سے کام نہ لیا جائے' ان پر کامل غور و فکر کیا جائے اور محض باپ دادا کی اندھی تقلید کی وجہ سے ان کا انکار نہ کیا جائے۔

''الملاء الاعلیٰ'' سے مراد وہ فرشتے ہیں جن سے تخلیق آدم کے متعلق مشورہ لیا گیا

ص: ۷۰۔۶۹ میں فرمایا: ''(آپ کہیے:) جب ملائکہ مقربین بحث کر رہے تھے تو مجھے (اس کا) کوئی علم نہ تھا O میری طرف صرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ میں صاف صاف عذاب سے ڈرانے والا ہوں O''

اس آیت میں ''الملاء الاعلیٰ'' کا لفظ ہے' الملاء کا معنیٰ ہے: وہ جماعت جو کسی ایک نظریہ اور ایک رائے پر متفق ہو

جائے اور وہ جماعت دیکھنے والوں کے نزدیک عظیم ہو جب وہ اس جماعت کو دیکھیں تو سیر ہو کر اور نظر بھر کر دیکھیں۔ (المفردات ج ۲ص ۶۱۲) اور "الملاء الاعلیٰ" کا معنیٰ ہے: بہت بلند اور بہت عظیم جماعت اور اس کا مصداق ہے فرشتوں کی عظیم جماعت اور ملائکہ مقربین۔

یہ ملائکہ مقربین کس چیز میں اور کس سے بحث کر رہے تھے' اس کی دو تفسیریں ہیں' ایک تفسیر یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بحث کر رہے تھے کہ آدم کو پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے اور اس کو پیدا کرنے کا کیا فائدہ ہے' تیری تسبیح اور تحمید کرنے کے لیے ہم کافی ہیں اور رہا یہ آدم تو اس کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زمین میں فتنہ و فساد کریں گے اور آپس میں ایک دوسرے کا خون بہائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا: میں ان چیزوں کو جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے۔

امام رازی نے اللہ تعالیٰ کے جواب کی تقریر اس طرح کی ہے کہ عقلی اعتبار سے مخلوقات کی چار اقسام ہیں:

(۱) وہ مخلوق جس کو عقل اور حکمت حاصل ہو اور اس کا نفس شہوانی نہ ہو اور نہ اس میں قوت غضبیہ ہو' یہ فرشتے ہیں۔

(۲) وہ مخلوق جس میں شہوت اور غضب کی قوت ہو اور اس میں عقل اور حکمت نہ ہو' یہ بہائم اور حیوانات ہیں۔

(۳) وہ مخلوق جس میں نہ عقل اور حکمت ہو اور نہ شہوت اور غضب ہو' یہ جمادات ہیں۔

(۴) وہ مخلوق جس میں عقل اور حکمت بھی ہو اور شہوت اور غضب بھی ہو اور یہ انسان اور بشر ہیں۔

انسان کی تخلیق سے مقصود ایک دوسرے کی اندھی تقلید نہیں ہے' نہ تکبر اور سرکشی ہے۔ کیونکہ یہ حیوانات اور درندوں کی صفات ہیں' بلکہ اس کی تخلیق سے مقصود علم اور حکمت کے تقاضوں کا ظہور ہے اور انسان کی سرشت میں اگرچہ شہوت رکھی گئی ہے جس کے نتیجہ میں فساد کا ظہور ہوتا ہے اور اس کی سرشت میں غضب کو بھی رکھا جس کی وجہ سے وہ خون ریزی کرتا ہے' لیکن اس کی فطرت میں عقل بھی رکھی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت' اس کی محبت اور اس کی اطاعت اور عبادت کرنے کی محرک ہے' گویا اللہ تعالیٰ کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اے فرشتو! تم نے انسان کی شہوت اور غضب کے تقاضوں کو دیکھا اور میں نے انسان میں جو عقل اور حکمت رکھی ہے تم نے اس کے تقاضوں کو نہیں دیکھا۔ میری اطاعت اور عبادت اور تسبیح اور تقدیس تم بھی کرتے ہو لیکن تمہارے خمیر میں اس سے کوئی مانع اور مزاحم نہیں ہے' سو تمہاری اطاعت اور عبادت سے اس کی عبادت اور اطاعت زیادہ قابل قدر ہے جس کے خمیر میں اطاعت اور عبادت سے مانع اور مزاحم بھی ہے۔

حسب ذیل مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ "الملاء الاعلیٰ" سے مراد وہ فرشتے ہیں جو تخلیق آدم کے متعلق اللہ تعالیٰ سے بحث کر رہے تھے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت (ص: ۶۹) کی تفسیر میں فرمایا: الملاء الاعلیٰ سے مراد وہ فرشتے ہیں جن سے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے متعلق اللہ تعالیٰ نے مشورہ لیا تو انہوں نے اس میں بحث کی' ان کی رائے یہ تھی کہ آدم کو پیدا نہ کیا جائے۔ سدی اور قتادہ سے بھی اسی طرح روایت ہے۔

(جامع البیان جز ۲۳ص ۲۱۹' رقم الحدیث: ۲۳۰۹۹-۲۳۰۹۸-۲۳۰۹۷' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ' علامہ ثعلبی متوفی ۴۲۷ھ' علامہ ماوردی متوفی ۴۵۰ھ' علامہ ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ اور علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ وغیرہم نے بھی اس آیت کی تفسیر میں اس روایت کو بیان کیا ہے۔

''الملاء الاعلیٰ'' کی دوسری تفسیر کہ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو گناہوں کے کفارے میں بحث کررہے تھے

الـمـلاء الاعـلـٰی کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو اس چیز میں بحث کررہے تھے کہ وہ کون سے نیک کام ہیں جو گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج رات میرے پاس میرا رب تبارک وتعالیٰ بہت حسین صورت میں آیا' حضرت ابن عباس نے فرمایا: یعنی خواب میں' پس فرمایا: یا محمد! کیا تم کو معلوم ہے کہ الملاء الاعلیٰ (ملائکہ مقربین) کس چیز میں بحث کررہے ہیں؟ میں نے کہا: نہیں' آپ نے فرمایا: پھر اللہ نے اپنا ہاتھ میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا' حتیٰ کہ میں نے اپنے سینے میں اس کی ٹھنڈک محسوس کی' پھر مجھے ان تمام چیزوں کا علم ہو گیا جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہیں' فرمایا: یا محمد! کیا آپ جانتے ہیں کہ الـمـلاء الاعلیٰ کس چیز میں بحث کررہے ہیں؟ میں نے کہا: جی ہاں! کفارات میں' اور نماز کے بعد مسجد میں ٹھہرنا کفارات ہیں اور زیادہ قدم چل کر مسجد میں جانا اور تکلیف اور مشقت کے وقت کامل وضو کرنا کفارات ہیں اور جس نے یہ کام کیے وہ خیریت سے زندہ رہے گا اور خیریت سے مرے گا اور وہ اپنے گناہوں سے اس دن کی طرح پاک ہو جائے گا جس دن وہ اپنی ماں سے پیدا ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یا محمد! جب تم نماز پڑھو تو یہ دعا کرو: اے اللہ! میں تجھ سے نیکیوں کے کرنے اور برائیوں کے ترک کرنے کا اور مساکین سے محبت کرنے کا سوال کرتا ہوں اور جب تو اپنے بندوں کو آزمائش میں مبتلا کرنے کا ارادہ کرے تو میری روح کو اپنی طرف اس حال میں قبض کرنا کہ وہ فتنہ میں مبتلا نہ ہو اور فرمایا: بلند درجات ان کاموں سے حاصل ہوتے ہیں: سلام کو پھیلانا' کھانا کھلانا اور رات کو اٹھ کر اس وقت نماز پڑھنا جب لوگ سوئے ہوئے ہوں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۳۳' تفسیر عبد الرزاق ج ۲ ص ۱۶۹' مسند احمد ج ۱ ص ۳۶۸' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۳۲۰' الشریعہ للآجری ص ۴۹۶' السنۃ لابن ابی عاصم رقم الحدیث: ۴۶۹' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۱۳۵۱)

امام ترمذی نے اس حدیث کو ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے' اس میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس میرا رب بہت حسین صورت میں آیا' پس فرمایا: یا محمد! میں نے کہا: میرے رب! میں حاضر ہوں اور تیری اطاعت پر کمر بستہ ہوں' فرمایا: الـمـلاء الاعلیٰ (ملائکہ مقربین) کس چیز میں بحث کررہے ہیں؟ میں نے کہا: میرے رب! مجھے معلوم نہیں' پھر اس نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا' میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی' پھر مجھے مشرق اور مغرب کے درمیان کی تمام چیزوں کا علم ہو گیا' پھر فرمایا: اے محمد! میں نے کہا: میں تیرے سامنے حاضر ہوں اور تیری اطاعت پر کمر بستہ ہوں' فرمایا: الـمـلاء الاعلیٰ کس چیز میں بحث کررہے ہیں؟ میں نے کہا: درجات میں اور کفارات میں اور جماعت سے نماز پڑھنے کے لیے چل کر جانے میں اور مشقت کے وقت کامل وضو کرنے میں اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں اور جو ان کاموں کی حفاظت کرے گا وہ خیریت سے زندہ رہے گا اور خیریت سے مرے گا اور وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے گا' جیسے اس دن وہ اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا ہو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۳۴' السنۃ لابن ابی عاصم رقم الحدیث: ۴۶۹' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۰۸' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۱۷' الشریعہ للآجری ص ۴۹۶' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۱۳۵۱)

امام ترمذی نے اس حدیث کو زیادہ تفصیل کے ساتھ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبح کی نماز کے لیے آنے میں کافی تاخیر ہوگئی' حتیٰ کہ قریب تھا کہ ہم سورج کو دیکھ لیتے' پھر آپ جلدی جلدی تشریف لائے' پس نماز کی اقامت کہی گئی' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختصار کے ساتھ نماز پڑھائی' سلام پھیرنے کے بعد آپ نے ہم سے بلند آواز میں فرمایا: جس طرح بیٹھے ہو اسی طرح اپنی صفوں میں بیٹھے رہو' پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ کس وجہ سے مجھے نماز فجر کے لیے آنے میں تاخیر ہوگئی' میں رات کو اٹھا' میں نے وضو کیا اور جتنی نماز میرے مقدر میں تھی میں نے اتنی نماز پڑھی پھر مجھے اونگھ آ گئی تو اچانک میرے سامنے میرا رب تبارک وتعالیٰ نہایت حسین صورت میں تھا۔ پس فرمایا: یا محمد! میں نے کہا اے میرے رب! میں حاضر ہوں' فرمایا: الملاء الاعلیٰ (ملائکہ مقربین) کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: اے میرے رب! مجھے معلوم نہیں' یہ مکالمہ تین بار ہوا' پھر میں نے دیکھا کہ اس نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا' حتیٰ کہ میں نے اس کے پوروں کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی' پھر ہر چیز میرے لیے منکشف ہوگئی اور میں نے اس کو پہچان لیا' پس فرمایا: یا محمد! میں نے کہا: لبیک اے میرے رب! فرمایا: الملاء الاعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا کفارات میں' فرمایا: وہ کیا ہیں؟ میں نے کہا: وہ جماعت سے نماز پڑھنے کے لیے چل کر جانا ہے اور نمازوں کے بعد مساجد میں بیٹھنا ہے اور مشقت کے وقت کامل وضو کرنا ہے۔ فرمایا: پھر کس چیز میں کفارہ ہے؟ میں نے کہا: کھانا کھلانے میں اور نرمی سے بات کرنے میں اور رات کو جب لوگ سوئے ہوں اس وقت نماز پڑھنے میں' پھر فرمایا: سوال کرو' تو میں نے کہا: اے اللہ! میں تجھ سے نیک کام کرنے کا اور بُرے کاموں کے ترک کرنے کا اور مساکین سے محبت کرنے کا سوال کرتا ہوں اور یہ کہ تو میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما اور جب تو کسی قوم کو فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ فرمائے تو مجھے بغیر فتنہ میں ڈالے اٹھا لینا اور میں تجھ سے تیری محبت کا اور جو تجھ سے محبت کرتے ہیں ان کی محبت کا اور جو عمل تیری محبت کے قریب کر دے اس کی محبت کا سوال کرتا ہوں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کلمات برحق ہیں' تم ان کو یاد کرو' پھر ان کو پڑھاؤ۔

امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے' میں نے امام محمد بن اسماعیل سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۳۵' مسند احمد ج ۵ ص ۲۴۳' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۱۵۳' المعجم الکبیر ج ۲۰' رقم الحدیث: ۲۱۶' الکامل لابن عدی ج ۶ ص ۲۳۴۴' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۶۶۸' المستدرک ج ۱ ص ۵۲۱' شرح السنہ رقم الحدیث: ۹۱۹)

مفسرین میں سے الحسین بن مسعود البغوی متوفی ۵۱۶ھ' علامہ خازن متوفی ۷۲۵ھ' حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ' حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ اور قاضی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ' نواب صدیق بن حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ' وغیرھم نے بھی اس حدیث کو اس آیت کی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ (معالم التنزیل ج ۴ ص ۷۷' لباب التاویل للخازن ج ۴ ص ۴۷' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۷' الدر المنثور ج ۷ ص ۱۷۶' فتح القدیر ج ۴ ص ۵۸۴' فتح البیان ج ۶ ص ۴۱)

اللہ تعالیٰ کی صورت اور اس کے ہاتھوں کی تفسیر میں متقدمین اور متاخرین کے نظریات

اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں اپنے رب عزوجل کو نہایت حسین صورت میں دیکھا' اس پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صورت کا کیا معنیٰ ہے؟ اس میں امام ابوحنیفہ اور دیگر متقدمین کا مذہب یہ ہے کہ ہم صورت میں کوئی تاویل نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی صورت سے مراد اس کی وہ صورت ہے جو اس کی شان کے لائق ہے اور مخلوق میں اس کی کوئی مثال نہیں ہے' لیکن متاخرین نے جب یہ دیکھا کہ مخالفین اسلام نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ صورت تو کسی جسم کی ہوتی ہے' اس سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کا جسم ہو اور جسم مرکب ہوتا ہے اور اپنے تحقق اور وجود میں اپنے اجزاء کا

محتاج ہوتا ہے تو اللہ کی صورت ماننے سے اس کا محتاج ہونا لازم آئے گا تو متاخرین نے اس کے دو جواب دیئے: ایک جواب یہ ہے کہ حدیث میں جو ہے کہ میں نے اپنے رب کو نہایت حسین صورت میں دیکھا اس سے مراد اللہ عزوجل کی صورت نہیں ہے ' بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی صورت ہے' یعنی جب میں نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا تو میری بہت حسین صورت تھی' دوسرا جواب یہ ہے کہ صورت کا معنی صفت ہے یعنی اس وقت اللہ تعالیٰ بہت حسین وجمیل صفت میں تھا' یعنی وہ حسن و جمال عطا کرنے والا تھا اور اکرام اور افضال کرنے والا تھا۔

اسی طرح اس حدیث میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا' متقدمین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے جو اس کی شان کے لائق ہے اور متاخرین کے نزدیک اس میں تاویل ہے اور ہاتھ سے مراد اس کی قوت اور اس کا جود و کرم اور اس کی عطا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کا علم دیا جانا

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم کلی عطا فرمایا اور تمام حقائق اشیاء پر آپ کو مطلع فرمادیا' کیونکہ بعض احادیث میں یہ الفاظ ہیں: پس میں نے آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کو جان لیا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۳۳) اور بعض میں یہ الفاظ ہیں: مجھے مشرق اور مغرب کے درمیان کی تمام چیزوں کا علم ہوگیا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۳۴) اور بعض میں یہ الفاظ ہیں: پس ہر چیز میرے لیے منکشف ہوگئی اور میں نے (ہر چیز کو) جان لیا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۳۵)

وجہ استدلال یہ ہے کہ پہلی دو حدیثوں میں لفظ ''ما'' ہے ''فعلمت ما فی السموت وما فی الارض'' اور ''فعلمت ما بین المشرق والمغرب'' اور تیسری حدیث میں لفظ ''کل'' ہے (فتجلی لی کل شیء وعرفت) اور ''ما'' اور ''کل'' کے الفاظ کی وضع عموم کے لیے کی گئی ہے اور ان کی عموم پر دلالت قطعی ہوتی ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کی اس آیت میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کلی اور علم کے عموم پر دلیل ہے:

عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۔ (النساء: ۱۱۳) آپ کو ان تمام چیزوں کا علم دے دیا جن کو آپ (پہلے) نہیں جانتے تھے۔

اس آیت میں بھی لفظ ''ما'' ہے اور ''ما'' کی عموم پر قطعی دلالت ہے' مخالفین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے عموم پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر آپ کو علم کلی حاصل ہوتا تو پھر جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کے ساتھ تہمت لگائی گئی تھی تو آپ فوراً اس کا رد کردیتے' حالانکہ جب تک وحی نازل نہیں ہوئی تقریباً ایک ماہ تک آپ اس معاملہ میں پریشان اور غمگین رہے' اسی طرح جب ایک سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہوگیا تو آپ اس کو تلاش نہ کراتے اور فوراً بتادیتے کہ ہار فلاں جگہ پڑا ہوا ہے۔ ان کا جواب یہ ہے کہ یہ تمام واقعات اخبار احاد سے ثابت ہیں جو ظنی ہیں اور ہمارا استدلال اس آیت سے ہے جو قطعی ہے اور اس آیت میں اور جن احادیث سے ہم نے استدلال کیا ہے ان میں لفظ ''ما'' ہے اور اس کا عموم قطعی ہے اور قطعی کے خلاف ظنی سے معارضہ کرنا باطل ہے۔

منکرین عموم علم رسالت کا آپ کے علم کلی پر اعتراض

ہم نے جن احادیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے عموم پر استدلال کیا ہے اس پر اعتراض کرتے ہوئے منکرین عموم علم رسالت یہ کہتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے آپ کی پشت پر ہاتھ رکھا تو آپ کو سب چیزوں کا علم ہوگیا اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کی پشت سے ہاتھ اٹھایا تو پھر وہ سب علم زائل ہوگیا۔ جیسے جب اندھیرے میں بجلی چمکے یا ٹارچ جلائی جائے تو ہم کو

چیزیں دکھائی دیتی ہیں اور جب بجلی غائب ہو جائے یا ٹارچ بجھ جائے تو پھر اندھیرا ہو جاتا ہے اور کچھ دکھائی نہیں دیتا' اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

اعتراض مذکور کے جوابات

(۱) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا ہے:

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰىؕ ○ (الضحیٰ:۴) آپ کی بعد والی ساعت پہلے والی ساعت سے افضل اور بہتر ہے ○

اور جب پہلی ساعت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کا علم دے دیا گیا تو بعد والی ساعت میں اس سے زیادہ علم دیا جائے گا' اس سے کم علم ہونا اس آیت کے خلاف ہے۔

(۲) علم اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور نعمت کا شکر ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ اس نعمت میں زیادتی فرماتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ وَلَىٕنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ ○ (ابراہیم:۷) اور جب تمہارے رب نے تمہیں بتا دیا ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو بے شک میرا عذاب بہت سخت ہے ○

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سید الشاکرین ہیں' کائنات میں سب سے زیادہ شکر ادا کرنے والے ہیں' اس لیے یہ تو ممکن ہے بلکہ واقع ہے کہ بعد کی ساعت میں آپ کو اور علم عطا کیا جائے' یہ ممکن نہیں ہے کہ دیا ہوا علم بھی واپس لے لیا جائے جیسا کہ مخالفین کا قول ہے' کیونکہ یہ اس وقت ہوگا جب آپ شکر گزار نہ ہوں اور آپ سید الشاکرین ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ○ (طٰہٰ:۱۱۴) آپ یہ دعا کیجئے کہ اے میرے رب! میرا علم زیادہ کر ○

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا مطلوب یہ ہے کہ آپ کے علم کو زیادہ کرے اور علم عطا فرما کر اس کو واپس لے لینا اس آیت اور اس مطلوب کے خلاف ہے۔

(۴) یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے جب آپ کی پشت سے ہاتھ اٹھالیا تو آپ کا علم جاتا رہا' ان احادیث کی صراحت کے خلاف ہے' کیونکہ ان احادیث میں یہ تصریح ہے کہ پہلے آپ کو علم نہیں تھا کہ فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں اور اللہ کے ہاتھ رکھنے کے بعد آپ کو علم ہو گیا کہ فرشتے ان کاموں کے متعلق بحث کر رہے ہیں جو گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں اور آپ کا یہ علم برقرار رہا کیونکہ بعد میں آپ نے صحابہ کرام کو وہ کام بتائے جو گناہوں کا کفارہ ہیں۔

(۵) ان احادیث سے یہ ثابت ہے کہ آپ کو آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کا علم دیا گیا ہے' اب منکرین وہ حدیث بیان کریں جس میں یہ تصریح ہو کہ آپ سے یہ علم واپس لے لیا گیا۔

(۶) منکرین نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کی پشت پر ہاتھ رکھا تو آپ کو علم ہو گیا اور جب آپ کی پشت سے ہاتھ اٹھایا تو آپ کا علم چلا گیا' ان کا یہ قول بالکل اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں منافقین کا حال بیان فرمایا ہے:

فَلَمَّاۤ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِیْ ظُلُمٰتٍ لَّا یُبْصِرُوْنَ ○ (البقرہ:۱۷) پس جب آگ نے ان کے اردگرد کی چیزوں کو روشن کر دیا' تو اللہ ان کے نور کو لے گیا اور ان کو ایسے اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ وہ نہیں دیکھ سکتے ○

منکرین عموم علم رسالت نے اپنے اس قول میں' جو آیت منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چسپاں کیا ہے اور یہ بہت سخت جسارت ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری اپنی صحیح میں فرماتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما خوارج کو اللہ کی بدترین مخلوق قرار دیتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ جو آیات کفار کے متعلق نازل ہوئی ہیں یہ ان کو مسلمانوں پر منطبق کرتے ہیں۔

(صحیح البخاری باب قتل الخوارج ص ۱۴۶۲' دار ارقم بیروت' صحیح البخاری ج ۲ ص ۱۰۲۴' اصح المطابع' کراچی)

خوارج تو صرف کفار کی آیات کو مومنوں پر منطبق کرتے تھے تو ان کا کیا درجہ ہو گا جو منافقین کی آیات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق کریں۔

اگر آپ کو علم کلی دے دیا گیا تھا تو پھر بعد میں قرآن مجید کیوں نازل ہوتا رہا؟

ہم نے النساء: ۱۱۳ (**علمک ما لم تکن تعلم**) سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کلی پر استدلال کیا ہے' اس پر اعتراض کرتے ہوئے مخالفین یہ کہتے ہیں کہ اگر اس آیت کا یہ معنیٰ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ بھی نہیں جانتے تھے' اللہ تعالیٰ نے وہ سب آپ کو بتلا دیا اور آپ کو علم کلی حاصل ہو گیا اور تمام احکام شرعیہ آپ کو معلوم ہو گئے' تو چاہیے تھا کہ اس کے بعد مزید قرآن مجید نازل نہ ہوتا' کیونکہ آپ کو تمام احکام شرعیہ معلوم ہو چکے تھے' پھر باقی قرآن مجید کیوں نازل ہوتا رہا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کا نزول صرف احکام شرعیہ کی تعلیم کے لیے نہیں ہوتا بلکہ اس کی اور بھی بہت حکمتیں ہوتی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہی جانتے ہیں۔ دیکھئے قرآن مجید میں نماز کی فرضیت سے متعلق "اقیموا الصلوٰۃ" بارہ مرتبہ نازل ہوئی ہے' ظاہر ہے کہ ایک آیت کے نازل ہونے سے ہی نماز کی فرضیت کا علم ہو گیا تھا' اب باقی گیارہ مرتبہ یہ آیت' دیگر وجوہ کی بناء پر نازل ہوئی ہے' اس لیے "**علمک ما لم تکن تعلم**" کے نزول کے بعد باقی قرآن کا نازل ہونا اس کے منافی نہیں ہے کہ اس آیت سے علم کلی حاصل ہو گیا تھا۔ اس کی اور بھی بہت نظائر ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے عموم پر امت کے علم کے عموم سے معارضہ اور اس کا جواب

اس دلیل پر مخالفین کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق النساء ۱۱۳ میں ہے کہ آپ کو ان تمام چیزوں کا علم دے دیا جن کو آپ (پہلے) نہیں جانتے تھے' اسی طرح عام مسلمانوں کے متعلق ہے:

وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۝ (البقرہ: ۱۵۱) (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں ان تمام باتوں کی تعلیم دیتے ہیں جن کو تم (پہلے) نہیں جانتے تھے ۝

پس اس سے یہ لازم آئے گا کہ امت کا علم' آپ کے علم کے مساوی ہو جائے۔

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہاں پر "ما" عموم کے لیے نہیں ہے' بلکہ مجازاً خصوص کے لیے ہے' یعنی آپ نے ان کو احکام شرعیہ اور بہ قدر ضرورت غیب کی خبروں کی تعلیم دی اور اگر یہ کہا جائے کہ جب یہاں "ما" کو عموم پر محمول نہیں کیا تو النساء: ۱۱۳ میں بھی اس کو اس عموم پر محمول نہ کیا جائے' اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی قرینہ کی بناء پر کسی لفظ کو حقیقت پر محمول نہ کیا جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر جگہ اس کو مجاز پر محمول کیا جائے' حدیث میں ہے:

لا صلوة لمن لم يقرء بفاتحة الكتاب. جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز کامل نہیں ہوتی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۷)

لا نفی جنس کے لیے آتا ہے' اس لیے اس حدیث کا معنیٰ یہ ہونا چاہیے کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز بالکل نہیں ہوتی' لیکن چونکہ سورۂ فاتحہ کا نماز میں پڑھنا فرض نہیں ہے اس لیے اس حدیث میں لا مجازاً نفی کمال پر محمول ہے' یعنی سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی' لیکن اس سے یہ لازم نہیں آئے گا کہ اب ہر جگہ لا نفی کمال کے لیے ہو حتیٰ کہ کوئی شخص یہ کہے کہ لا الہ الا اللہ میں بھی لا نفی کمال کے لیے ہے اور اس کا معنیٰ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی کامل خدا نہیں ہے اور ناقص خدا موجود ہیں' بلکہ یہاں پر اپنی اصل کے مطابق لا نفی جنس کے لیے ہے اور اس کا معنیٰ ہے: اللہ کے سوا کوئی بھی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ''یعلمکم ما لم تکونوا تعلمون'' میں ضمیر خطاب ''کم'' جمع ہے اور ''مالم تکونوا تعلمون'' میں ما بھی عموم کے لیے ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب جمع کے مقابلہ میں جمع ہو تو احاد کی تقسیم احاد کی طرف ہوتی ہے۔ جیسے عرب کہتے ہیں: لبس القوم ثیابهم' قوم نے اپنے کپڑے پہن لیے' اسی طرح اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ نے تمام امت کو مجموعی احکام شرعیہ سکھا دیئے اور النساء: ۱۱۳ کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تنہا آپ کو تمام چیزوں کا علم عطا فرما دیا' اس سے امت کی آپ کے ساتھ مساوات لازم نہیں آتی۔

اس جواب کی زیادہ تفصیل ''مقام ولایت ونبوت'' ص ۱۰۵۔۶۸ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں گیلی مٹی سے بشر بنانے والا ہوں O سو جب میں اس کا پتلا بنالوں اور اس میں اپنی طرف سے (خاص) روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لیے سجدہ کرتے ہوئے گر جانا O تو سب کے سب تمام فرشتوں نے اکٹھے سجدہ کیا O سوا ابلیس کے' اس نے تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا O فرمایا: اے ابلیس! تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا؟ کیا تو نے (اب) تکبر کیا یا تو (پہلے سے ہی) تکبر کرنے والوں میں سے تھا؟ O اس نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں' تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے بنایا ہے O (ص ۷۶۔۷۱)

بشر کا معنیٰ اور اس کی تخلیق کا مادہ

صٓ: ۷۱ میں فرمایا ہے: ''میں بشر کو گیلی مٹی سے بنانے والا ہوں'' اور ایک اور جگہ فرمایا ہے:

اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ O (الحجر: ۲۸) — میں کھنکھناتے ہوئے سیاہ سڑے ہوئے گارے سے بشر کو پیدا کرنے والا ہوں O

بشر کی خلقت کا مادہ پہلے گیلی مٹی تھی' پھر وہ مٹی پڑے پڑے سیاہ سڑا ہوا گارا ہو گئی اور خشک ہونے کے بعد وہ کھنکھناتی ہوئی مٹی ہو گئی جیسے ٹھیکرا ہوتا ہے۔

بشر کا معنیٰ ہے: ظاہری جلد اور کھال' انسان کو بشر اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی جلد صاف اور ظاہر ہوتی ہے' اس کے برخلاف حیوانات کی جلد بالوں سے یا اون سے یا پشم سے ڈھکی ہوئی ہوتی ہے' بعض مفسرین نے کہا: انسان کو بشر اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی تخلیق کے لیے اللہ تعالیٰ خود اپنے ہاتھوں سے مباشر ہوا تھا' یعنی خود اپنے ہاتھوں سے متصف ہوا تھا' ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ (آل عمران: ۵۹) — بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی طرح ہے جس کو اللہ نے مٹی سے پیدا کیا۔

گویا انسان کی خلقت کا ابتدائی مادہ مٹی ہے' پھر اس میں پانی ملا کر اس کو گوندھا گیا تو وہ گیلی مٹی بنا' پھر وہ پڑے پڑے سیاہ

بدبودار گارا ہو گیا اور سوکھ کر ٹھیکرے کی طرح کھنکھناتی ہوئی مٹی ہو گیا۔

روح کا معنیٰ' روح پھونکنے کا محمل اور ہماری شریعت میں سجدۂ تعظیم کا عدم جواز

ص ٓ: ۷۲ میں فرمایا: سو جب میں اس کا پتلا بنالوں اور اس میں اپنی طرف سے (خاص) روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لیے سجدہ کرتے ہوئے گر جانا O

''سویتہ'' کا لغوی معنی ہے: میں اس کو درست بنالوں اور یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ میں اس کا پتلا بنالوں اور اس کو انسانی صورت میں ڈھال لوں۔

اس کے بعد فرمایا: اور اس میں اپنی طرف سے خاص روح پھونک دوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب قالب پوری طرح درست اور مکمل ہو جائے پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے' یہی وجہ ہے کہ پہلے رحم میں نطفہ ہوتا ہے' پھر چالیس دن بعد وہ جما ہوا خون بن جاتا ہے' پھر چالیس دن بعد وہ گوشت بن جاتا ہے' پھر چالیس دن بعد اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۰۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۳) اور عارفین نے کہا ہے کہ اسی طرح انسان میں حقیقت کی روح اس وقت پھونکی جاتی ہے جب وہ شریعت اور طریقت کے تقاضوں پر عمل کر کے درست اور کامل ہو جاتا ہے۔ روح پھونکنا ایک استعارہ ہے' حقیقت میں کوئی پھونک نہیں ہوتی' بلکہ روح کو جسم میں جاری کر دیا جاتا ہے اور جسم کے تمام اعضاء میں روح کا نفوذ اس طرح ہوتا ہے جس طرح انگارہ میں آگ کا حلول ہوتا ہے یا جس طرح پتے میں پانی کی نمی کا حلول ہوتا ہے یا پھول میں خوشبو کا حلول ہوتا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے روح کی اپنی طرف اضافت کی ہے' یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ روح ہے اور یا اس روح کا مرتبہ بڑھانے اور اس کی تعظیم اور تکریم ظاہر کرنے کے لیے اپنی طرف اضافت کی ہے۔

روح کے دو معنیٰ ہیں: ایک معنیٰ یہ ہے: وہ ایک جسم لطیف ہے جس کا بخار کی شکل میں تمام جسم میں حلول ہے' وہ حواس ظاہرہ' حواس باطنہ اور جسم کی تمام قوتوں کی حامل ہوتی ہے۔ بدن کے فانی ہونے سے یہ روح بھی فانی ہو جاتی ہے اور روح کا دوسرا معنیٰ ہے: نفس ناطقہ اور لطیفہ ربانیہ' یہ نفس حیوانی کی قوتوں کی حامل ہوتی ہے' اس روح پر فنا نہیں ہے' یہ بدن کے فانی ہونے کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ اس کی مکمل تفصیل اور تحقیق ہم نے بنو اسرائیل: ۸۵ میں کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں تبیان القرآن ج ۶ ص ۷۹۳۔ ۷۸۶۔

اس کے بعد فرمایا: تو تم سب سجدہ میں گر جانا' سجدہ کا اطلاق حد رکوع تک جھکنے پر بھی ہوتا ہے اور زمین پر چہرہ رکھنے پر بھی سجدہ کا اطلاق ہوتا ہے' چونکہ اس آیت میں فرمایا ہے: تم سب سجدہ میں گر جانا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہاں سجدہ سے مراد حد رکوع تک جھکنا نہیں ہے بلکہ زمین پر چہرہ رکھنا مراد ہے۔

یہ سجدۂ تعظیم تھا' سجدہ عبودیت نہیں تھا' سجدۂ تعظیم سابقہ شریعتوں میں جائز تھا' جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں اور ان کے والدین نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ کیا تھا اور سجدہ عبودیت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے سجدہ عبودیت کرنا جائز نہیں ہے اور ہماری شریعت میں مخلوق کے سامنے سجدۂ تعظیم کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

قیس بن سعید بیان کرتے ہیں کہ میں حیرہ (کوفہ سے تین میل دور ایک شہر جس کو آج کل نجف کہتے ہیں) میں گیا' میں نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں' تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے' آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر تم میری قبر کے پاس سے گزرو تو کیا اس

کو سجدہ کرو گے؟ میں نے کہا: نہیں' آپ نے فرمایا: تو پھر نہ کرو' اگر میں کسی کو دوسرے کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کیا کریں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر ان کے خاوندوں کا حق رکھا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۴۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۵۳' سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۴۷۰' مسند احمد ج ۴ ص ۳۸۱' ج ۵ ص ۲۲۷' ج ۶ ص ۷۶)

ابلیس کا معنیٰ اور اس کا جنات میں سے ہونا

ص ٓ: ۷۴۔۷۳ میں فرمایا: "تو سب کے سب فرشتوں نے اکٹھے سجدہ کیا O سوا ابلیس کے' اس نے تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا O

پہلے فرمایا: "فسجد الملائکۃ" فرشتوں نے سجدہ کیا۔ الملائکۃ جمع کا صیغہ ہے' لیکن اگر چند فرشتے سجدہ کر لیتے اور سب فرشتے سجدہ نہ کرتے' پھر بھی جمع کے صیغہ کا اطلاق درست تھا' اس لیے اس کے بعد "کلھم" فرمایا' تاکہ ظاہر ہو کہ سب فرشتوں نے سجدہ کیا ہے' لیکن اگر سب فرشتوں میں سے پہلے کچھ فرشتے سجدہ کرتے اور بعد میں کچھ اور فرشتے سجدہ کرتے اور متفرق اوقات میں سب فرشتے سجدہ کرتے' تب بھی یہ بات صادق آتی کہ سب فرشتوں نے سجدہ کیا ہے' اس لیے اس کے بعد "اجمعون" فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ سب فرشتوں نے اکٹھے اور بہ یک وقت سجدہ کیا ہے۔

ابلیس اپنی نوع اور حقیقت کے اعتبار سے جن ہے' قرآن مجید میں ہے:

كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ وہ جنات میں سے تھا' سو اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔ (الکہف: ۵۰)

لیکن چونکہ وہ فرشتوں کے ساتھ رہتا تھا' اس لیے اس کو بھی سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا' اس سے پہلے اس کا نام عزازیل اور الحارث تھا' بعد میں جب وہ راندۂ درگاہ ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو گیا تو پھر اس کا نام ابلیس ہو گیا "کان من الکافرین" کا معنیٰ ہے: وہ کافروں میں سے تھا' یعنی اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں وہ کافروں میں سے تھا یا یہ کان' صار کے معنیٰ میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے انکار کی وجہ سے وہ کافروں میں سے ہو گیا۔

حضرت آدم کو دونوں ہاتھوں سے بنانے کی توجیہ

اس کے بعد فرمایا: فرمایا: "اے ابلیس! تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا؟ کیا تو نے (اب) تکبر کیا یا تو (پہلے سے ہی) تکبر کرنے والوں میں سے تھا؟ O اس نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں' تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے بنایا ہے O" (ص: ۷۶۔۷۵)

حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا: میں نے اس کو اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے' اللہ تعالیٰ ہر چیز کو لفظ "کن" سے پیدا فرماتا ہے' لیکن حضرت آدم علیہ السلام کی عظمت اور کرامت کو ظاہر کرنے کے لیے فرمایا: میں نے ان کو اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے' ان کی پیدائش کے لیے ماں باپ کو واسطہ نہیں بنایا' نہ کسی ایک کے نطفہ کا ان کی تخلیق میں دخل ہے' ان کو اللہ تعالیٰ نے بلاواسطہ اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔

ابلیس نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں' تو نے مجھے آگ سے بنایا ہے اور اس کو مٹی سے بنایا ہے' اس کے قول کا حاصل یہ ہے کہ اگر آدم کو آگ سے پیدا کیا جاتا تو میں پھر بھی اس کو سجدہ نہ کرتا کیونکہ وہ اس صورت میں میری مثل ہوتا' چہ جائیکہ وہ مٹی سے بنایا گیا ہے اور مجھ سے کم تر ہے۔ کیونکہ آگ مٹی پر غالب ہوتی اور اس کو کھا جاتی ہے اور برتر کا کم تر کو سجدہ کرنا اور اس کی

تعظیم کرنا درست نہیں ہے۔

مٹی کا آگ سے افضل ہونا

ابلیس کا یہ زعم تھا کہ آگ مٹی سے افضل ہے' حالانکہ حسب ذیل وجوہ سے مٹی آگ سے افضل ہے۔

(۱) مٹی آگ پر غالب ہے کیونکہ آگ پر مٹی ڈالنے سے آگ بجھ جاتی ہے اور آگ مٹی کو ختم نہیں کر سکتی۔

(۲) مٹی امین ہے' مٹی میں بیج دبا دیا جائے تو وہ اس سے درخت اگا کر بیج کو پھر کئی گنا کر کے لوٹا دیتی ہے اور آگ خائن ہے' آگ میں جو کچھ ڈالا جائے آگ اس کو بھسم کر دیتی ہے۔

(۳) آگ کی طبیعت میں جوش اور غضب ہے اور مٹی کی طبیعت میں سکون اور ثبات ہے۔

(۴) مٹی کی طبیعت میں تخلیق اور تکوین کی صلاحیت ہے' مٹی سے انسانوں اور حیوانوں کا رزق حاصل ہوتا ہے' روئی حاصل ہوتی ہے جس سے انسان کو لباس اور زینت فراہم ہوتی ہے' اس میں معدنیات ہیں جن سے مختلف آلات اور مشینیں بنتی ہیں اور آگ سے کسی چیز کا حصول نہیں ہوتا' بلکہ وہ حاصل شدہ چیزوں کو فاسد اور فنا کر دیتی ہے۔

(۵) مٹی سے انسان اپنی رہائش کے لیے گھر بناتا ہے جو اس کو دھوپ اور بارش سے بچاتا ہے اور آگ سے گھر بنتا نہیں ہے' بگڑ جاتا ہے۔

(۶) آگ خود بہ خود قائم نہیں ہو سکتی' اس کو اپنے قیام کے لیے کسی محل اور جگہ کی ضرورت ہے اور وہ محل اور جگہ زمین اور مٹی ہے' سو آگ محتاج ہے اور مٹی محتاج الیہ ہے اور محتاج الیہ محتاج سے افضل ہوتا ہے۔

(۷) ہر چند کہ آگ سے بعض فوائد حاصل ہوتے ہیں' مثلاً اس سے کھانا پکتا ہے' روشنی حاصل ہوتی ہے' لیکن اس کو کنٹرول کرنا پڑتا ہے' کنٹرول نہ کیا جائے تو وہ کھانا جلا دے اور گھر جل کر راکھ ہو جائے' سو اس کی خیر میں بھی شر مضمر ہے اور مٹی سراپا خیر ہے' اس میں شر بالکل نہیں ہے۔

(۸) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مٹی کے بہت فوائد اور منافع بیان فرمائے ہیں' زمین کے متعلق فرمایا: ہم نے اس کو فراش' بساط اور قرار بنایا ہے اور زمین کے عجائبات میں انسان کو غور و فکر کی دعوت دی ہے اور آگ کا ذکر زیادہ تر ڈرانے' دھمکانے اور عذاب دینے کے لیے فرمایا ہے اور مٹی کو اجر و ثواب کا منبع بنایا ہے اور وہ جنت ہے جس میں باغات ہیں اور محلات ہیں اور یہ مٹی کے ثمرات ہیں اور آگ صرف دوزخ میں ہے اور جنت دوزخ سے افضل ہے تو مٹی آگ سے افضل ہوئی۔

(۹) مٹی کے لیے یہ فضیلت کافی ہے کہ اس سے اللہ کا گھر بنایا گیا' انبیاء علیہم السلام کو بنایا گیا ہے اور آگ کے لیے یہ مذمت بہت ہے کہ اس سے شیطان کو بنایا گیا ہے۔

(۱۰) مٹی سے تواضع ہوتی ہے اور آگ سے سرکشی اور تکبر پیدا ہوتا ہے اور جو تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو سر بلند کرتا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ تعالیٰ کے لیے ایک درجہ تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ایک درجہ بلند کرتا ہے اور جو اللہ کے سامنے ایک درجہ تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ایک درجہ نیچے گرا دیتا ہے' حتیٰ کہ اس کو اسفل السافلین میں کر دیتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۷۶' مسند احمد ج ۳ ص ۷۶' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۱۰۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۶۷۸)

حضرت عیاض بن حماد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے میری طرف یہ وحی کی ہے کہ تم انکسار اور تواضع کرو' حتیٰ کہ کوئی شخص دوسرے پر فخر نہ کرے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۷۹' مسند احمد ج ۴ ص ۱۶۲' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۱۷)

ابلیس کے اس زعم کا بطلان کہ وہ حضرت آدم سے افضل ہے

ہم نے پہلے یہ ذکر کیا ہے کہ ابلیس لعین کا یہ زعم تھا کہ آگ مٹی سے افضل ہوتی ہے اور وہ آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور حضرت آدم مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں' اس لیے وہ حضرت آدم سے افضل ہے اور افضل کو یہ حکم دینا صحیح نہیں ہے کہ وہ مفضول کو سجدہ کرے' اس لیے اس نے حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ ابلیس کا یہ زعم صحیح نہیں ہے کہ آگ مٹی سے افضل ہے' لیکن اگر بالفرض اس کا یہ زعم صحیح بھی ہو تو کسی مرکب کے تحقق کی چار علتیں ہوتی ہیں: علت مادی' علت صوری' علت فاعلی اور علت غائی اور مادہ کے علاوہ بقیہ تین علتوں کی وجہ سے بہرحال حضرت آدم علیہ السلام افضل ہیں۔

علت صوری کے اعتبار سے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صورت پر پیدا کیا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خلق اللّٰہ آدم علی صورتہ. آدم کو اللہ نے اپنی صورت پر پیدا کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۲۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴۱' مسند احمد رقم الحدیث: ۸۱۵۶' عالم الکتب' بیروت)

اور علت فاعلی سے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ساری کائنات کو اللہ تعالیٰ نے صرف لفظ ''کن'' سے بنایا اور حضرت آدم کو اپنے ہاتھوں سے بنایا' فرمایا: ''خَلَقْتُ بِيَدَيَّ''. (صٓ: ۷۵) جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔

اور علت غائی کے اعتبار سے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اپنی خلافت اور نیابت کے لیے بنایا' فرمایا: ''اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً'' (البقرہ: ۳۰)

ان دلائل سے واضح ہو گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام ہر اعتبار سے ابلیس سے افضل تھے اور اس کا ''انا خیر منہ'' کہنا بے جا غرور اور جھوٹا تکبر تھا۔

تکبر کی مذمت میں احادیث

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے تکبر کا ذکر کیا ہے اور اس کے تکبر کی وجہ سے اس کو ملعون اور مردود قرار دیا' حسب ذیل احادیث میں تکبر کی مذمت کی گئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۹۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۷۳' جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۴۷۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سبحانہٗ فرماتا ہے کہ کبریا میری چادر ہے اور عظمت میرا تہبند ہے' جو ان میں کسی ایک کو مجھ سے چھینے گا میں اس کو جہنم میں ڈال دوں گا۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۷۴' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۱۴۹' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۸۹' مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل مدینہ میں سے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو مدینہ میں جہاں چاہتے لے جاتے اور اپنی حاجت پوری کرتے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۷۷ مسند احمد ج ۳ ص ۱۷۴ مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۳۹۸۲ جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۱۲۹۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیماروں کی عیادت کرتے تھے جنازہ کے ساتھ جاتے تھے نوکر اور خادم کی دعوت قبول کر لیتے تھے جنگ قریظہ اور نضیر کے دن آپ دراز گوش پر سوار تھے اور جنگ خیبر کے دن دراز گوش پر سوار تھے اور کھجور کی چھال کی لگام اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھی اور آپ کے نیچے کھجور کی چھال کی گدی تھی۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۷۸ جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۳۱۸۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرمایا: تو اس جنت سے نکل جا بے شک تو دھتکارا ہوا ہے O بے شک تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت ہے O اس نے کہا: اے میرے رب! پھر مجھے حشر کے دن تک کی مہلت دے O فرمایا: بے شک تو مہلت پانے والوں میں سے ہے O اس دن تک جس کا وقت (ہمیں) معلوم ہے O اس نے کہا: پس تیری عزت کی قسم! میں ضرور ان سب کو گم راہ کر دوں گا O سوا ان کے جو ان میں سے تیرے مخلص بندے ہیں O فرمایا: پس یہ برحق ہے اور میں حق بات ہی فرماتا ہوں O کہ میں تجھ سے اور تیرے تمام پیروکاروں سے ضرور جہنم کو بھر دوں گا O (ص: ۸۵۔۷۷)

ص: ۷۷ میں فرمایا: ''تو اس سے نکل جا'' اس سے مراد ہے: تو اس جنت سے نکل جا اور یہ بھی مراد ہو سکتا ہے: تو آسمانوں سے نکل جا' نیز فرمایا: بے شک تو رجیم ہے' رجیم بہ معنی مرجوم ہے' یعنی تو دھتکارا ہوا ہے' اس سے مراد ہے: تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے دھتکارا ہوا ہے یا ہر خیر سے دھتکارا ہوا ہے' یا اس کا معنی ہے: جب تو آسمانوں کے قریب آئے گا تو تجھے آگ کے گولوں سے رجم کیا جائے گا۔

ص: ۷۸ میں فرمایا: ''بے شک تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت ہے'' اس کا معنی ہے: تو قیامت تک میری رحمت سے دور رہے گا اور اس کا یہ معنی بھی ہے: قیامت تک لعنت کرنے والے تجھ پر لعنت کرتے رہیں گے۔

ص: ۷۹ میں فرمایا: ''اس نے کہا: اے میرے رب! پھر مجھے حشر کے دن تک کی مہلت دے''۔

اس آیت میں یہ الفاظ ہیں: ''الی یوم یبعثون'' جس دن جزاء کے لیے لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا' اس کی مراد یہ تھی کہ شیطان کو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ مدت مل جائے' نیز اس کی مراد یہ تھی کہ اس کو موت سے نجات مل جائے اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول جھوٹا ہو جائے کہ ہر شخص کو موت آئے گی' کیونکہ حشر کے دن کے بعد موت نہیں ہے۔

ص: ۸۱۔۸۰ میں فرمایا: ''بے شک تو مہلت پانے والوں میں سے ہے O اس دن تک جس کا وقت (ہمیں) معلوم ہے'' اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ ابلیس کو قیامت تک کی مہلت دی گئی ہے' لیکن قرآن مجید میں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ اس کی اولاد اور اس کے چیلوں کو بھی قیامت تک کی مہلت ہے یا نہیں۔ بعض علماء نے یہ کہا کہ شیاطین میں توالد اور تناسل ہوتا ہے اور ان کی اولاد قیامت تک زندہ رہے گی اور جنات میں بھی توالد ہوتا ہے لیکن ان پر موت بھی آتی ہے۔ شیطان نے یہ دعا کی تھی کہ اس کو حشر تک موت نہ آئے' لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس کو قیامت تک موت نہیں آئے گی اور اس لعین کا جو یہ مقصد تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قول کو جھوٹا کر دے وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔

ص: ۸۳۔۸۲ میں فرمایا: اس نے کہا: ''پس تیری عزت کی قسم! میں ضرور ان سب کو گم راہ کر دوں گا O سوا ان کے جو ان میں سے تیرے مخلص بندے ہیں O''

اگر ابلیس چاہتا تو مطلقاً یوں کہہ دیتا: ''میں ضرور ان سب کو گم راہ کر دوں گا'' اور اگر وہ ایسا کہتا تو اس کا یہ قول جھوٹ ہو جاتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ کے خاص اور مخلص بندوں مثلاً انبیاء علیہم السلام کو وہ گم راہ نہیں کر سکتا تھا' اس لیے اس نے جھوٹ سے بچنے کے لیے یہ استثناء کیا اور کہا: میں تیرے مخلص بندوں کے سواسب کو گم راہ کر دوں گا۔ اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ جھوٹ ایسی برائی ہے کہ شیطان بھی اس سے بچنا چاہتا ہے' تو پھر انسان کو بلکہ مسلمان کو تو اس سے بہت زیادہ بچنا چاہیے۔

اس آیت میں مخلص بندوں کا ذکر ہے' مخلص (لام پر زبر کے ساتھ) بندے وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لیے خالص کر لیا اور ان کو گم راہی سے محفوظ رکھا اور اگر مخلص میں لام پر زیر ہو تو اس کا معنیٰ ہے: اللہ کے وہ بندے جنہوں نے اپنے دلوں کو اور اپنے اعمال کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لیا اور اس میں ریا کاری کا شائبہ بھی نہیں ہونے دیا۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ مخلص بندے وہ ہیں جو دل سے اللہ کو یاد کرتے ہیں' ان کے ذکر پر فرشتے بھی مطلع نہیں ہوتے کہ اس کو لکھ سکیں اور نہ شیطان اس پر مطلع ہوتا ہے کہ اس کو فاسد کر سکے' شیطان ان کو گم راہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور وہ اس کے شر سے مطلقاً محفوظ ہوتے ہیں۔

ص: ۸۵-۸۴ میں فرمایا: ''فرمایا: پس یہ برحق ہے اور میں حق بات ہی فرماتا ہوںO کہ میں تجھ سے اور تیرے تمام پیروکاروں سے ضرور جہنم کو بھر دوں گاO''

امام رازی کے اس پر دلائل کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی رضا سے ہو رہا ہے

امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ہمارے اصحاب نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی قضاء اور اس کے حکم سے ہوتا ہے اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا: ''تو اس جنت سے نکل جا' بے شک تو دھتکارا ہوا ہےO بے شک تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت ہےO'' (ص: ۷۸-۷۷) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ ابلیس ایمان نہیں لائے گا' پس اگر ابلیس ایمان لے آئے تو اللہ کی خبر صادق کاذب ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب محال ہے' پس ابلیس کا ایمان لانا محال ہے' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایمان لانے کا حکم دیا ہے (یعنی ابلیس کا ایمان نہ لانا' اللہ تعالیٰ کی قضاء اور اس کے حکم سے ہے)۔

(۲) ابلیس نے کہا: ''پس تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو گم راہ کر دوں گاO'' (ص: ۸۲) اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ابلیس اس کے بندوں کو گم راہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا دعویٰ سنا اور وہ ابلیس کو اس سے منع کرنے اور روکنے پر قادر تھا اور جب کوئی شخص کسی کو کسی کام سے روکنے پر قادر ہو اس کے باوجود اس کو منع نہ کرے تو وہ اس کام سے راضی ہوتا ہے (یعنی اللہ اس سے راضی ہے کہ ابلیس لوگوں کو گم راہ کرے)۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ جہنم کو کافروں سے بھر دے گا' پس اگر لوگ کفر نہ کرتے تو اس کے کلام کا صدق کذب سے بدل جائے گا اور اس کا علم جہل سے بدل جائے گا اور یہ محال ہے (یعنی لوگوں کا کفر کرنا اللہ کے حکم اور اس کی رضا سے ہے)۔

(۴) اگر اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ ہوتا کہ کافر کفر نہ کرے تو واجب تھا کہ دنیا میں انبیاء اور صالحین ہی رہتے اور ابلیس اور شیطان مر جاتے اور جب کہ ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا یہی ارادہ تھا کہ لوگ کفر کریں۔

(۵) اگر ان کافروں کو ایمان کا مکلف کیا جائے تو لازم آئے گا کہ وہ ان آیات پر بھی ایمان لائیں جن کا تقاضا ہے کہ وہ ایمان

نہ لائیں اور اس وقت یہ لازم آئے گا کہ وہ ایمان لانے اور ایمان نہ لانے دونوں کے مکلف ہوں اور یہ تکلیف مالا یطاق ہے۔ یعنی انسان کو اس چیز کا مکلف کرنا ہے جس کی اس میں طاقت نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۱۶' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کے دلائل کے جوابات اور بحث و نظر

امام فخر الدین رازی قدس سرہٗ العزیز علم اور حکمت میں ایک بحر نا پیدا کنار ہیں اور میں ان کے علوم وافرہ کے سامنے بہ مشکل ایک قطرہ کی حیثیت رکھتا ہوں' اگر میں ان کے زمانہ میں ہوتا اور مجھے ان کے تلامذہ کی صف میں بھی بیٹھنے کی جگہ مل جاتی تو میں اس کو اپنے لیے باعثِ صد افتخار گردانتا' میں نے اپنی اس تفسیر میں ان کی تحقیقات' تدقیقات اور نکات آفرینیوں سے بہت استفادہ کیا ہے اور میں ہمیشہ ان کے درجات کی بلندی کے لیے دعا گو رہتا ہوں' مجھے ان سے بہت محبت اور بے حد عقیدت ہے' اس کے باوجود بعض مسائل میں' میں نہایت ادب اور احترام کے ساتھ ان سے اختلاف کرتا ہوں' سو زیر بحث مسئلہ بھی ایسا ہی ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام رازی نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی رضا سے ہو رہا ہے' شیطان کا سجدہ نہ کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی رضا سے تھا' اس کا لوگوں کو گم راہ کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی رضا سے تھا۔ لوگوں کا کفر کرنا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی رضا سے ہے اور یہی وہ تقریر ہے جو عام طور پر دہریے اور زندیق کرتے ہیں' ہم اس قسم کے عقائد اور نظریات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

اگر یہ نظریہ اور عقیدہ درست ہو تو پھر اللہ تعالیٰ نے شیطان کی اس قدر مذمت کیوں کی' اس کو لعنتی کیوں قرار دیا اور شیطان کو اور اس کے متبعین کو دوزخ کے دائمی عذاب کی وعید کیوں سنائی۔ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت کی تبلیغ کرنے کے لیے کیوں بھیجا۔ نیکی کرنے والوں کو دائمی اجر و ثواب کی بشارت کیوں دی اور بُرائی کرنے والوں کو ابدی عذاب کی وعید کیوں سنائی' جنت اور دوزخ کو کیوں بنایا' آسمانی کتابیں کیوں نازل فرمائیں۔ اگر دنیا میں کفر اور معصیت اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی رضا سے عمل پذیر ہو تو ان سوالات کا جواب نہیں دیا جا سکتا' پھر شرعی نظام بالکل فضول اور عبث ہوگا اور رشد و ہدایت کا کوئی معنی نہیں رہے گا۔

اب آیئے امام رازی کے دلائل کا تجزیہ کرتے ہیں:

امام رازی کی پہلی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے ایمان نہ لانے کی خبر دی ہے' اگر وہ ایمان لے آئے تو اللہ تعالیٰ کی خبر کاذب ہو جائے گی اور اس کی خبر کا کاذب ہونا محال ہے' لہٰذا ابلیس کا ایمان لانا محال ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ فی نفسہٖ ابلیس کا ایمان لانا ممکن ہے' یعنی اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ایمان نہ لانے کی خبر دی ہے اور جب یہ ملحوظ رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ایمان نہ لانے کی خبر دی ہے تو پھر اس کا ایمان لانا محال ہے' سو اس کا ایمان لانا ممکن بالذات اور محال بالغیر ہے اور ابلیس فی نفسہٖ ایمان لانے کا مکلف ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی خبر سے قطع نظر کر کے اور جب یہ لحاظ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ایمان نہ لانے کی خبر دی ہے تو پھر اس کا ایمان لانا محال بالغیر ہے اور اس لحاظ سے وہ ایمان لانے کا مکلف نہیں ہے۔

امام رازی کی تقریر پر نقض اجمالی یہ ہے کہ اس طرح ہر شخص کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ اس کا ایمان لانا محال ہوگا یا واجب

ہوگا' مثلاً ازل میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ حضرت ابوبکر ایمان لائیں گے۔ اب اگر وہ ایمان نہ لاتے تو اللہ تعالیٰ کا علم جہل سے بدل جاتا اور اللہ تعالیٰ کا جہل محال ہے' پس حضرت ابوبکر کا ایمان لانا ضروری اور واجب ہوا اور ان کا ایمان نہ لانا محال ہو گیا اور واجب یا محال کا انسان کو مکلف نہیں کیا جاتا' بلکہ انسان کو اس کام کا مکلف کیا جاتا ہے جس کو کرنا اس کے لیے ممکن ہو۔ اسی طرح مثلاً ازل میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ابوجہل ایمان نہیں لائے گا' اب اگر وہ ایمان لے آتا تو اللہ تعالیٰ کا علم جہل سے بدل جاتا اور یہ محال ہے' پس اس کا ایمان لانا محال ہوا اور اس کا ایمان نہ لانا ضروری اور واجب ہوا اور مکلف اس کام کا کیا جاتا ہے جو فی نفسہٖ ممکن ہو نہ کہ وہ جس کا ہونا ضروری ہو یا محال ہو' لہٰذا حضرت ابوبکر کو ایمان لانے کا مکلف کرنا صحیح ہوا نہ ابوجہل کو بلکہ کائنات میں کسی شخص کو بھی ایمان لانے کا مکلف کرنا صحیح نہ ہوا' کیونکہ ازل میں اللہ تعالیٰ کو ہر شخص کے متعلق علم ہے کہ وہ ایمان لائے گا یا نہیں لائے گا اور اس کے علم کے اعتبار سے اس کا ایمان لانا ضروری اور واجب ہوگا یا محال ہوگا اور مکلف ممکن کا کیا جاتا ہے اور اس کا حل یعنی نقص تفصیلی یہ ہے کہ ابلیس ہو یا کوئی اور شخص ہو' ہر شخص کا ایمان لانا فی نفسہٖ ممکن ہے یعنی اس سے قطع نظر کر کے کہ اللہ کے علم میں اس کا ایمان لانا ہے یا ایمان نہیں لانا۔ اسی طرح ابلیس ہو یا کوئی اور شخص ہو' ہر شخص کا ایمان لانا فی نفسہٖ ممکن ہے یعنی اس سے قطع نظر کر کے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ایمان لانے کی خبر دی ہے یا ایمان نہ لانے کی۔

امام رازی کا دوسرا استدلال یہ ہے کہ ابلیس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے کہا کہ وہ لوگوں کو گم راہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو منع نہیں کیا اور روکا نہیں اور نہ روکنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گم راہ کرنے پر راضی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب ابلیس نے یہ کہا کہ وہ نفوس قدسیہ کے سوا سب لوگوں کو گم راہ کر دے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ وعید سنائی کہ میں تجھ سے اور تیرے پیروکاروں سے ضرور جہنم کو بھر دوں گا اور یہی روکنا اور منع کرنا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ روکنے اور منع کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے لوگوں کو وسوسہ ڈالنے اور برائی کی ترغیب دینے کی قدرت سلب کر لیتا تو یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس کی حکمت یہ تھی کہ ابلیس انسان کو برائی کی ترغیب دے اور انبیاء اس کو نیکی کی ترغیب دیں اور انسان کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ چاہے تو ابلیس کی پیروی کرے اور چاہے تو نبیوں کی پیروی کرے' پھر جو ابلیس کی پیروی کرے گا وہ عذاب کا مستحق ہوگا اور جو نبیوں کی پیروی کرے گا وہ ثواب کا مستحق ہوگا' اب بتایئے اس میں کیا اشکال ہے۔

امام رازی کا تیسرا استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ جہنم کو کافروں سے بھر دے گا' پس اگر لوگ کفر نہ کرتے تو اس کے کلام کا صدق' کذب سے بدل جاتا اور اس کا علم جہل سے بدل جائے گا' اس لیے لوگوں کا کفر کرنا ضروری اور ایمان لانا محال ہوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ لوگ فی نفسہٖ ایمان لانے کے مکلف ہیں یعنی اس سے قطع نظر کر کے کہ ان کے ایمان کے متعلق اللہ کا کیا علم ہے اور اللہ نے ان کے ایمان لانے کے متعلق کیا خبر دی ہے۔

امام رازی کا چوتھا استدلال یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہوتا کہ کافر کفر نہ کرے تو پھر ضروری تھا کہ دنیا میں انبیاء اور صالحین ہی رہتے اور ابلیس اور شیطان مر جاتے اور جب ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا یہی ارادہ تھا کہ لوگ کفر کریں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو جبراً مومن بنانا چاہتا ہے نہ جبراً کافر بنانا چاہتا ہے' انسان اگر ایمان لانے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اس میں ایمان پیدا کر دیتا ہے اور اگر کفر کرنا چاہتا ہے تو وہ اس میں کفر پیدا کر دیتا ہے اور اس کے ارادہ کے اعتبار سے ہی اس کو جزاء اور سزا ملتی ہے اور ازل میں اس کو علم تھا کہ کون ایمان کا ارادہ کرے گا اور کون کفر کا ارادہ کرے گا اور جن کے ایمان لانے یا نہ لانے کی اس نے خبر دی ہے وہ اپنے اس علم کے اعتبار سے دی ہے اور جزاء اور سزا کا ملنا ان کے ارادہ کے

اعتبار سے ہے' اللہ تعالیٰ کسی کو جبراً مومن بنانا نہیں چاہتا' اس لیے اس کو ابلیس اور شیطانوں کو مارنے کی ضرورت نہیں ہے۔

امام رازی کا پانچواں اعتراض یہ ہے کہ اگر ان کافروں کو ایمان کا مکلف کیا جائے تو لازم آئے گا کہ وہ ان آیات پر بھی ایمان لائیں جن کا تقاضا ہے کہ وہ ایمان نہ لائیں اور اس وقت یہ لازم آئے گا کہ وہ ایمان لانے اور ایمان نہ لانے دونوں کے مکلف ہوں اور یہ تکلیف مالایطاق ہے۔

اس کا جواب بھی حسب سابق یہی ہے کہ کفار جو ایمان لانے کے مکلف ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی دی ہوئی خبروں سے قطع نظر کر کے مکلف ہیں اور ہر شخص اسی طرح مکلف ہوتا ہے' مثلاً اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے کا مکلف کیا ہے اور ہمیں کچھ علم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہمارا ایمان ہے یا نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے ایمان لانے یا ایمان نہ لانے کی کسی کو خبر دی ہے یا نہیں' اسی طرح کفار کو بھی ایمان لانے کا مکلف کیا ہے اور ان کو یہ علم نہیں ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ کو ان کے ایمان لانے کے متعلق کیا علم تھا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان نہ لانے کی کسی کو خبر دی ہے یا نہیں' اس لیے یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ اگر کفار ایمان لانے کے مکلف ہوں تو ضروری ہوگا کہ وہ ایمان لانے اور نہ لانے دونوں کے مکلف ہوں اور یہ تکلیف مالایطاق ہے۔

اللہ تعالیٰ امام رازی کے درجات بلند فرمائے' نجانے خیال کی کس رو میں اور کس موڈ میں انہوں نے اس مسلک پر دلائل قائم کیے' ورنہ مجھے یقین ہے کہ امام رازی کا یہ عقیدہ نہیں ہے' وہ توحید کے علم بردار ہیں اور شریعت کے پاسبان ہیں' امام رازی کے بعد کے مفسرین امام رازی کی فکری غلطیوں پر مواخذہ کرتے رہتے ہیں' ان میں علامہ علاء الدین خازن متوفی ۷۲۵ھ' علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ اور علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ کے نام قابل ذکر ہیں' لیکن اس مقام سے سب خاموشی سے گزر گئے' ایک بار میرے دل میں خیال آیا کہ میں بھی یہاں سے خاموشی سے گزر جاؤں لیکن اللہ تعالیٰ کی محبت اور دین اور شریعت سے وابستگی اس خیال پر غالب آ گئی اور میں نے یہ عزم کیا کہ یہ بتاؤں کہ اس کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے اس کو پیدا اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور جو کچھ ہوتا ہے اس کی مشیت سے ہوتا ہے لیکن وہ ہر چیز اور ہر کام سے راضی نہیں ہوتا' وہ کفر اور معصیت کا حکم دیتا ہے نہ ان سے راضی ہوتا ہے' وہ ایمان لانے اور عبادت اور اطاعت کرنے کا حکم دیتا ہے اور اسی سے راضی ہوتا ہے' اس نے تمام انسانوں اور جنات کو پیدا کیا اور ان کو اختیار دیا' وہ جس کام کو اختیار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان میں وہی کام پیدا کر دیتا ہے اور اسی اختیار کے اعتبار سے ان کو جزاء اور سزا دیتا ہے۔ وللہ الحمد علی ذالک

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ میں تم سے اس پیغام کو پہنچانے پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں ○ یہ (قرآن) تو صرف تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے ○ اور تم اس کی خبر کو ضرور کچھ عرصہ بعد جان لوگے ○ (ص: ۸۸۔۸۶)

تکلف اور متکلفین کا معنیٰ

اس آیت میں متکلفین کا لفظ ہے' یہ تکلف کا اسم فاعل ہے' کسی مشکل کو ناگواری کے ساتھ برداشت کرنے کو تکلف کہتے ہیں جب کہ اس ناگوار کام کو کرتے وقت چہرہ پر بدنمائی کے آثار ظاہر ہوں' پھر اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) کسی مشکل کام کو کرتے وقت چہرے پر بناوٹی دشواری اور ناگواری کے آثار نمایاں کر لینا' تکلف کی یہ قسم مذموم ہے اور اس آیت میں متکلفین کی نفی سے یہی معنیٰ مراد ہے یعنی میں تصنع اور بناوٹ کرنے والا نہیں ہوں۔

(۲) بلند حوصلہ اور وسعت ظرف کی بناء پر کسی بڑے مقصد کے حصول کے لیے دشواری اٹھانا اور اس کام کی دشواری کی وجہ سے

غیر اختیاری طور پر چہرے سے تکلیف اور مشقت اٹھانے کے آثار ظاہر ہوں تو یہ تکلف محمود ہے۔ بندے جب اللہ تعالیٰ کے احکام بجالاتے ہیں تو اس کی مشقت کے آثار ان کے چہروں سے ظاہر ہوتے ہیں اور یہ چیز قابل تعریف ہے۔

(المفردات ج ۲ ص ۵۶۵ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مشقت اٹھا کر جو پیغام پہنچایا اس کی تفصیل

نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اس بات کی دعوت دیتے تھے کہ وہ یہ مانیں کہ اس کائنات کا کوئی پیدا کرنے والا ہے اور وہ واحد لاشریک ہے' اس کی اولاد نہیں ہے' نہ اس کی بیوی ہے' وہ ہر عیب اور نقص سے پاک ہے' وہ ازلی ابدی ہے' وہ حیات' کلام' علم' قدرت' سمع' بصر اور ارادہ سے متصف ہے اور اس کی دیگر صفات کمالیہ میں سے رحمت' مغفرت' عطا اور نوال ہے اور آپ اس کی دعوت دیتے تھے کہ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا کلام مانو اور اس کے احکام پر عمل کرو' بتوں کی عبادت نہ کرو' وہ تم کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں' فرشتوں کی اور نبیوں اور رسولوں کی تعظیم کرو' قیامت پر اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے' حساب' کتاب' سزا اور جزاء اور جنت اور دوزخ پر ایمان لاؤ' نیک عمل کرو' نماز پڑھو' رمضان کے روزے رکھو' بہ قدر نصاب مال ہو تو زکوٰۃ ادا کرو' استطاعت ہو تو حج بیت اللہ کرو' پاک دامنی برقرار رکھو' جھوٹ' ظلم' شراب نوشی اور دوسروں کا مال کھانے کے قریب نہ جاؤ' دنیا سے بے رغبتی کرو اور آخرت میں رغبت کرو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پیغام کو سناتے تھے' اس میں کوئی بناوٹ نہیں تھی' کوئی تصنع نہیں تھا' کوئی دکھاوا نہیں تھا' ہر عقل سلیم اور طبع مستقیم اس بات کی شہادت دے گی کہ یہ پیغام صحیح اور برحق تھا' آپ اس پیغام کے پہنچانے پر لوگوں سے کسی اجر کے طالب نہیں تھے' محض اللہ کا فرض سمجھ کر اس پیغام کو اخلاص کے ساتھ پہنچا رہے تھے اور اس پیغام کے پہنچانے میں آپ کو جو مشکلات پیش آ رہی تھیں اور لوگ جو آپ کو اذیتیں پہنچا رہے تھے' ان سب کو آپ خندہ پیشانی سے برداشت کر رہے تھے' کبھی آپ کی زبان پر حرف شکایت نہیں آتا تھا' ماتھے پر شکن نہیں آتی تھی اور چہرے سے ناگواری کا اظہار نہیں ہوتا تھا' بعض اوقات انسان سچائی کی راہ میں اخلاص سے مشکلات برداشت کرتا ہے' زبان سے کچھ نہیں کہتا' لیکن اس کے چہرے سے غیر اختیاری طور پر دکھ اور پریشانی کا اظہار ہو جاتا ہے' لیکن آپ تسلیم و رضا کے ایسے پیکر تھے کہ غیر اختیاری طور پر بھی آپ کے چہرے سے ناگواری کا اظہار نہیں ہوتا تھا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کہیے کہ میں تم سے اس پیغام کے پہنچانے پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔

تکلف اور تصنع کرنے کی مذمت میں احادیث

مسروق بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور وہ ہمارے درمیان لیٹے ہوئے تھے' اسی دوران ایک شخص نے آ کر کہا: اے ابو عبدالرحمان! کندہ کے دروازوں پر ایک قصہ گو بیان کر رہا ہے اور اس کا یہ زعم ہے کہ قرآن مجید میں جو دخان (دھوئیں) کی آیت ہے' وہ دھواں آنے والا ہے اور وہ کفار کے سانسوں کو روک لے گا اور مسلمانوں کو اس سے صرف زکام جیسی کیفیت ہوگی' حضرت عبداللہ بن مسعود غصہ سے اٹھ کر بیٹھ گئے' انہوں نے کہا: اے لوگو! اللہ سے ڈرو' تم میں سے جس شخص کو جس چیز کا علم ہو وہ اس کو بیان کرے اور جس کو علم نہ ہو وہ کہے "اللہ زیادہ جاننے والا ہے" کیونکہ علم کی یہی دلیل ہے کہ جس کو کسی چیز کا علم نہ ہو وہ کہے: "اللہ زیادہ جاننے والا ہے"۔ کیونکہ اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ○ آپ کہیے کہ میں تم سے اس پیغام کو پہنچانے پر کوئی معاوضہ

(ص: ۸۶) طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں O

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۲۹۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۹۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۵۴)

ارطاہ بن منذر بیان کرتے ہیں کہ تکلف کرنے والے کی تین نشانیاں ہیں: وہ ان چیزوں میں کلام کرتا ہے جن کا اس کو علم نہ ہو، جو اس سے بڑے درجہ کا ہو اس سے جھگڑا کرتا ہے، جن چیزوں کو وہ لے نہیں سکتا ان کو دینے کی کوشش کرتا ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۰۶۴)

شقیق بیان کرتے ہیں کہ میں اور میرا ایک شاگرد حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، انہوں نے ہم کو روٹی اور نمک پیش کیا اور کہا: اگر ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکلف سے منع نہ کیا ہوتا تو میں تمہارے لیے تکلف کرتا۔

(المستدرک ج ۴ ص ۱۲۳ قدیم المستدرک ج ۷ رقم الحدیث: ۷۱۴۶، الدر المنثور ج ۷ ص ۱۸۰)

دوسری روایت میں ہے، شقیق بیان کرتے ہیں کہ میرے شاگرد نے حضرت سلمان سے کہا: کاش! آپ ہمارے لیے ایسا نمک لاتے جس میں پودینا ہوتا، پھر حضرت سلمان نے بقال (سبزی فروش) کے پاس اپنا لوٹا رہن رکھوا کر پودینا منگوایا اور نمک میں وہ پودینا ڈالا، جب ہم نے کھانا کھا لیا تو میں نے اپنے شاگرد سے کہا: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہم کو اپنے رزق پر قناعت کرنے والا بنا دیا، تب حضرت سلمان نے فرمایا: اگر تم اللہ کے رزق پر قناعت کرنے والے ہوتے تو میرا لوٹا رہن نہ رکھا ہوا ہوتا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۵۹۸، ج ۷ ص ۹۴)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص مہمان کے لیے اپنی قدرت سے زیادہ کا تکلف نہ کرے۔ (شعب الایمان: ۹۵۹۹)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم مہمان کے لیے اس چیز کا تکلف نہ کریں جو ہمارے پاس نہیں ہے اور جو چیز ہمارے پاس موجود ہو اس کو پیش کر دیں۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۶۰۱)

حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں اہل دوزخ کی خبر نہ دوں؟ ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں، آپ نے فرمایا: یہ جھوٹ بولنے والے ہیں، اللہ کی رحمت سے مایوس ہونے والے ہیں اور تکلف کرنے والے ہیں۔ (الکامل لابن عدی ج ۴ ص ۱۳۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۱۶، المستدرک ج ۱ ص ۶۱، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۹۷)

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں کہ امام محمد بن سعد نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، آپ نے فرمایا: جس شخص نے کوئی علم حاصل کیا ہے وہ اس علم کی تعلیم دے دے اور وہ بات نہ کہے جس کا اسے علم نہ ہو ورنہ وہ متکلفین میں سے ہو جائے گا اور دین سے نکل جائے گا۔ (الدر المنثور ج ۷ ص ۱۸۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

قرآن مجید کا جن اور انس کے لیے نصیحت ہونا

ص: ۸۸۔۸۷ میں فرمایا: ''یہ قرآن تو صرف تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے O اور تم اس کی خبر کو ضرور کچھ عرصہ بعد جان لو گے O''

اس آیت میں ''العلمین'' سے مراد جن اور انس ہیں۔ یعنی یہ قرآن تمام مکلفین کے لیے نصیحت ہے، سو جو شخص عذاب سے نجات چاہتا ہو وہ اس کی نصیحت پر عمل کرے اور اے مشرکین قریش! تم کو عنقریب اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی، یعنی قرآن مجید نے جو نیک کاموں پر ثواب کی بشارت سنائی ہے اور بُرے کاموں پر عذاب کی وعید سنائی ہے، عنقریب تم آخرت

میں خود دیکھ لو گے کہ مؤمنوں کو ثواب ہو رہا ہے اور کافروں کو دوزخ میں عذاب ہو رہا ہے۔

امام ابن جریر نے کہا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین اور مکذبین کو اس قرآن کے ذریعہ یہ خبر دی ہے کہ عنقریب ان پر قرآن مجید کی وعد اور وعید کا صدق ظاہر ہو جائے گا' کب ہو گا اس کا تعین نہیں فرمایا' بعض مشرکوں کو اس کا علم اس وقت ہوا جب وہ معرکہ بدر میں مارے گئے اور بعض کو اس کا علم اس وقت ہوا جب موت کے فرشتے ان کی روح قبض کرنے کے لیے آئے اور بعض کو اس کا علم آخرت میں ہو گا

سورۂ صٓ کا اختتام

الحمدللہ علی احسانہ آج ۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ/۷ جولائی ۲۰۰۳ء کو سورۂ صٓ کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جس طرح اس نے اپنے فضل و کرم سے یہاں تک پہنچا دیا ہے وہ باقی قرآن مجید کی تفسیر کو بھی مکمل کرا دے' میری صحت اور توانائی کو برقرار رکھے اور مجھے ناگہانی آفتوں اور مصائب اور ظاہری اور باطنی امراض سے محفوظ رکھے اور محض اپنے فضل سے دارین کی سعادتیں عطا فرمائے' اس تفسیر کو اور میری باقی تصانیف کو موافقین کے لیے موجب استقامت اور مخالفین کے لیے ذریعۂ ہدایت بنا دے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰة والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین' قائد الانبیاء والمرسلین شفیع المذنبین وعلی آلہ الطیبین واصحاب الکاملین وازواجہ الطاھرات امھات المؤمنین وعلی اولیاء امتہ وعلماء ملتہ والمؤمنین والمسلمین اجمعین.

غلام رسول سعیدی غفرلہ
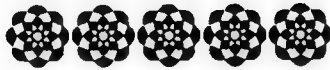
نحمده ونصلی ونسلم علی رسوله الکریم

الزمر

سورت کا نام

اس سورت کا نام الزمر ہے' زُمَـر کا لفظ زَمْـرٌ سے بنا ہے' اس کا لفظی معنیٰ آواز ہے' اس سے مراد جماعت اور گروہ ہے' الـزمـر کا معنیٰ ہے: کئی جماعتیں اور کئی گروہ' الزمر: ۷۳۔۷۱ میں زمر کا لفظ آیا ہے اور قرآن مجید کی صرف اسی سورت میں زمر کا لفظ آیا ہے' اس مناسبت سے اس کا نام الزمر ہے۔ حسب ذیل آیتوں میں زمر کا لفظ آیا ہے۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا. (الزمر:۷۱) اور کافروں کے گروہوں کو جہنم کی طرف ہنکایا جائے گا۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا. (الزمر:۷۳) اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے ان کو جنت کی طرف روانہ کیا جائے گا۔

الزمر کا زمانۂ نزول

جمہور کے نزدیک یہ پوری سورت مکی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ "قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ" الآیات. الزمر: ۵۵۔۵۳ یہ تین آیتیں مدینہ میں نازل ہوئی ہیں' ایک قول یہ ہے کہ یہ سات آیات مدینہ میں نازل ہوئی ہیں' یہ آیات سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہیں' مگر اس روایت کی سند ضعیف ہے' "وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ" (الزمر:۱۰) اس موقع پر نازل ہوئی جب مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی' یہ مدینہ کی طرف ہجرت سے پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے۔

ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۵۹ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۳۹ ہے' یہ سورۂ مومن سے پہلے اور سورۂ سبا کے بعد نازل ہوئی ہے۔

الزمر اور صٓ میں مناسبت

اللہ تعالیٰ نے سورۂ صٓ کو قرآن مجید کے اس وصف پر ختم کیا ہے:

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ (ص:۸۷) یہ قرآن تو صرف تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے ○

اور سورۃ الزمر قرآن مجید کے اس وصف سے شروع ہو رہی ہے:

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ○ (الزمر:۱) اس کتاب کا نازل کرنا اللہ کی طرف سے ہے جو بہت غالب اور بے حد حکمت والا ہے ○

نیز سورۂ صٓ میں اللہ تعالیٰ نے آیت: ۷۱-۷۵ میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا واقعہ تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور الزمر: ۶ میں بھی انسان کی پیدائش کے سلسلہ میں اس کا ذکر فرمایا ہے:

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا اس نے تم سب کو ایک جان سے پیدا فرمایا ہے پھر اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔ (الزمر: ۶)

الزمر کے مشمولات

اس سورت کا موضوع اللہ تعالیٰ کی توحید ہے' اس میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر دلائل بیان کیے گئے ہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کی وحی اور قرآن مجید کا وحی الٰہی ہونا بیان کیا گیا ہے۔

اس سورت کی ابتداء میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کریں اور یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی مشابہت سے منزہ ہے اور مشرکین کے ان شبہات کا ازالہ فرمایا ہے جن کی بنیاد پر وہ بتوں کو اللہ عزوجل کی بارگاہ میں شفاعت کرنے والا قرار دیتے تھے اور ان کو وسیلہ بنا کر ان کی عبادت کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت پر اس سے استدلال کیا ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا' رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات کے آنے کا سلسلہ قائم کیا' سورج اور چاند کو مسخر کیا' انسان کو بہ تدریج مرحلہ وار پیدا کیا' مشرکین کو اس پر ملامت کی کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اور جب ان سے وہ مصیبت ٹل جاتی ہے تو پھر خدا کو بھول جاتے ہیں۔

آخرت میں مؤمنوں اور کافروں کا حال بیان کیا کہ مومن جنت میں ہوں گے اور بہت آسودگی میں ہوں گے اور کفار دوزخ میں ہوں گے اور عذاب کی تکلیف سے بلبلا رہے ہوں گے اور وہ یہ تمنا کریں گے کہ کاش! وہ فدیہ دے کر اپنے آپ کو اس عذاب سے چھڑا لیتے۔

قرآن کریم کی عظمت اور جلالت بیان فرمائی ہے کہ جب مؤمنوں پر قرآن مجید کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو خوف خدا سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان کا دل اللہ تعالیٰ کے خوف سے پگھل جاتا ہے' اس کے برعکس جب کفار کے سامنے توحید کے دلائل پیش کیے جاتے ہیں تو ان پر انقباض طاری ہو جاتا ہے۔

جو مسلمان ایمان لانے کی پاداش میں کفار کے ظلم اور جور کا ہدف بنے ہوئے تھے ان کو تسلی دی ہے کہ آخرت میں فوز و فلاح ان ہی کو حاصل ہوگی' وہ ہراساں نہ ہوں' اگر یہ زمین ان پر تنگ کر دی گئی ہے تو کیا غم ہے' اللہ کی زمین بہت وسیع ہے۔

آخر میں بتایا کہ جب قیامت کا صور پھونکا جائے گا تو سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اور جب دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سب لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے' پھر حساب و کتاب ہوگا اور ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جزاء ملے گی۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی رہ نمائی اور ہدایت پر توکل اور اعتماد کرتے ہوئے سورۃ الزمر کا ترجمہ اور تفسیر شروع کر رہا ہوں۔

الٰہ العٰلمین! مجھے اس سورت کے ترجمہ اور تفسیر میں حق و صواب پر مطلع کرنا اور اسے لکھنے کی توفیق دینا اور جو باتیں غلط اور

باطل ہوں ان کو منکشف کر دینا اور ان سے اجتناب کی توفیق دینا۔ **وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم**

غلام رسول سعیدی غفرلہ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' کراچی-۳۸
۹ ربیع الثانی' ۱۴۲۴ھ/۱۰ جون ۲۰۰۳ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰_۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۴۵_۲۱۲۰۶۱۷
۰۳۲۱_۲۰۲۱۷۴۴

سورۃ الزمر ۳۹ — ایاتہا ۷۵ — رکوعاتہا ۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ زمر مکی ہے — اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے O اس میں پچھتر آیتیں اور آٹھ رکوع ہیں

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝١ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ

(اس) کتاب کا نازل فرمانا اللہ کی طرف سے ہے جو بہت غالب، بے حد حکمت والا ہے O بے شک ہم نے (اس) کتاب کو آپ کی

الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝٢ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ

طرف حق کے ساتھ نازل کیا ہے، سو آپ اللہ کی عبادت کرتے رہیے اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کرتے ہوئے O سنو! خالص

الْخَالِصُ ط وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا

اطاعت اللہ ہی کے لیے ہے، اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا کارساز بنا رکھے ہیں (وہ کہتے ہیں کہ) ہم ان کی صرف اس لیے

لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ط اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ

عبادت کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں، بے شک اللہ ان کے درمیان اس کا فیصلہ فرما دے گا جس میں یہ اختلاف

يَخْتَلِفُوْنَ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝٣ لَوْ اَرَادَ

کر رہے ہیں، بے شک اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا اور بہت ناشکرا ہو O اگر اللہ اولاد بنانا چاہتا

اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ لا سُبْحٰنَهٗ ط هُوَ

تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا چن لیتا، وہ پاک ہے، واحد ہے، سب

اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝٤ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ج يُكَوِّرُ

پر غالب ہے O اس نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا کیا، وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے

الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ط

اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اس نے سورج اور چاند کو کام پر لگا رکھا ہے

كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ط اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝٥ خَلَقَكُمْ مِّنْ

ہر ایک مدت مقرر تک گردش کر رہا ہے، سنو وہی بہت غالب، بے حد بخشنے والا ہے O اس نے تم کو

نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ

ایک جان سے پیدا کیا، پھر اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور اس نے چوپایوں میں سے تمہارے

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ؕ يَخْلُقُكُمْ فِىْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ

لیے آٹھ نر اور مادہ اتارے، وہ تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تمہاری تخلیق فرماتا ہے، ایک تخلیق کے بعد دوسری تخلیق

فِىْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ

تین تاریکیوں میں، یہی اللہ ہے جو تمہارا رب ہے، اسی کی سلطنت ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، سو تم

فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۶﴾ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنْكُمْ ۟ وَلَا

کہاں بھٹک رہے ہو○ اگر تم ناشکری کرو تو بے شک اللہ تم سے بے پرواہ ہے اور وہ اپنے بندوں کے لیے شکر نہ کرنے

يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ

کو پسند نہیں کرتا اور اگر تم شکر کرو تو وہ تم سے راضی ہو گا، اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے

وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ؕ

کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، پھر تمہارے رب کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے، پھر وہ تم کو ان کاموں کی خبر دے گا جن کو تم

اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۷﴾ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ

(دنیا میں) کرتے تھے، بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے○ اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے

مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِىَ مَا كَانَ يَدْعُوْۤا اِلَيْهِ

تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہوا اس کو پکارتا ہے، پھر جب اللہ اپنی طرف سے اس کو نعمت عطا فرماتا ہے تو وہ بھول جاتا

مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعْ

ہے کہ وہ اس سے پہلے کیا دعا کرتا رہا تھا اور اللہ کے شریک بنا لیتا ہے تاکہ (دوسروں کو)

بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ﴿۸﴾ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ

اس کی راہ سے منحرف کرے، آپ کہیے کہ تم اپنے کفر سے تھوڑا سا فائدہ اٹھا لو بے شک تم دوزخ والوں میں سے ہو○ بے شک جو

اٰنَآءَ الَّیۡلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا یَّحۡذَرُ الۡاٰخِرَۃَ وَ یَرۡجُوۡا رَحۡمَۃَ

رات کے اوقات سجدہ اور قیام میں گزارتا ہے' آخرت (کے عذاب) سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے

رَبِّہٖ ؕ قُلۡ ہَلۡ یَسۡتَوِی الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ وَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ؕ

(کیا وہ بدعمل کافر کی مثل ہو سکتا ہے؟) آپ کہیے: کیا علم والے اور بے علم برابر ہیں'

اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ؑ ﴿۹﴾

صرف عقل والے نصیحت حاصل کرتے ہیں O

ع ۱۵ ۹ ۱

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اس) کتاب کا نازل فرمانا اللہ کی طرف سے ہے جو بہت غالب بے حد حکمت والا ہے O بے شک ہم نے (اس) کتاب کو آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل کیا ہے' سو آپ اللہ کی عبادت کرتے رہیے' اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کرتے ہوئے' سنو! خالص اطاعت اللہ ہی کے لیے ہے اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا کارساز بنا رکھے ہیں (وہ کہتے ہیں کہ) ہم ان کی صرف اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں' بے شک اللہ ان کے درمیان اس کا فیصلہ فرما دے گا جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں' بے شک اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا اور بہت ناشکرا ہو O اگر اللہ اولاد بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا چن لیتا' وہ پاک ہے' واحد ہے' سب پر غالب ہے O (الزمر: ۴۔۱)

انزال اور تنزیل کا فرق

الزمر: ا میں تنزیل کا ذکر ہے' قرآن مجید کو نازل کرنے کے لیے انزال کا لفظ بھی ہے اور تنزیل کا لفظ بھی ہے' انزال کا معنیٰ ہے: کسی چیز کو یک بارگی نازل کرنا اور تنزیل کا معنیٰ ہے: کسی چیز کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنا' ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف قرآن مجید کو یک بارگی نازل کیا گیا اور آسمان دنیا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ پر حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا گیا۔

اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے نازل کی گئی ہے تاکہ تم اس کی تلاوت کرو' اس کو غور سے سنو اور سمجھو اور اس کے احکام پر عمل کرو۔

الزمر: ۲ میں فرمایا: ''ہم نے (اس) کتاب کو آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل کیا ہے''۔

اس کا معنیٰ ہے: اس کتاب میں جو ماضی اور مستقبل کی خبریں دی گئیں ہیں وہ سب حق اور صادق ہیں اور کتاب میں جو احکام شرعیہ بیان کیے گئے ہیں وہ سب حکمت اور مصلحت پر مبنی ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: ''سو آپ اللہ کی عبادت کرتے رہیے' اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کرتے ہوئے' سنو! خالص اطاعت اللہ ہی کے لیے ہے''۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اخلاص کے ساتھ اپنی اطاعت اور عبادت کرنے کا حکم دیا ہے' ہم اس کی تفسیر میں اخلاص کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ' اخلاص کی حقیقت' اخلاص کے متعلق احادیث اور اقوال علماء بیان کریں گے۔

اخلاص کا لغوی معنیٰ

جس چیز کو کاٹ چھانٹ کر اور تراش خراش کے بعد درست اور مہذب کر لیا جائے یا میل کچیل سے صاف کر لیا جائے یا جو چیز دوسری چیزوں کی آمیزش اور ملاوٹ سے مجرد ہو اس کو خالص کہتے ہیں۔

اخلاص کا اصطلاحی معنیٰ

دل کو ہر اس چیز کی آمیزش سے خالی رکھنا جو اس کو مکدر اور میلا کرتی ہو' اخلاص ہے اور کسی چیز کو ہر اس چیز کی ملاوٹ سے محفوظ رکھنا جس کی اس میں ملاوٹ ہو سکتی ہو' اخلاص ہے۔ ایک قول ہے: نیت' قول اور عمل کو صاف رکھنا اخلاص ہے۔
(التوقیف علی مہمات التعاریف للمناوی ص ۴۲)

علامہ جرجانی نے کہا: جب تم اپنے عمل پر اللہ کے سوا کسی اور کو گواہ نہ بناؤ تو یہ اخلاص ہے۔ (التعریفات ص: ۱۳)

اخلاص کی حقیقت

اللہ کے ماسوا سے بری ہونا اخلاص ہے' دین میں اخلاص یہ ہے کہ یہود اور نصاریٰ نے جو الوہیت میں دوسروں کو ملا رکھا ہے اس سے برأت کا اظہار کیا جائے۔ یہودیوں نے حضرت عزیر کو اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو الوہیت میں ملا رکھا ہے اور اطاعت اور عبادت میں اخلاص یہ ہے کہ صرف اللہ کے لیے عمل کیا جائے' مخلوق کو دکھانے اور سنانے کے لیے عمل نہ کیا جائے' دنیا کی جن چیزوں کی طرف دل مائل ہوتا ہے اور دنیا کی جن چیزوں سے نفس کو راحت ملتی ہے' جب انسان کے کسی عمل میں ان چیزوں کی آمیزش ہو جاتی ہے تو اس سے اس عمل کی صفائی مکدر اور میلی ہو جاتی ہے اور اخلاص زائل ہو جاتا ہے اور انسان ایسی چیزوں کے اشتیاق اور حصول میں ڈوبا ہوا ہے اور اس کی اطاعت اور اس کی عبادت کے افعال اس قسم کی اغراض سے بہت کم خالی ہوتے ہیں' اسی لیے کہا گیا ہے کہ جس شخص کی پوری زندگی میں اللہ کے لیے اخلاص کا ایک لمحہ بھی نصیب ہو جائے اس کی نجات ہو جاتی ہے اور دل کو ان چیزوں کی آمیزش سے خالی کرنا بہت مشکل ہے اور اخلاص یہ ہے کہ دل میں اللہ عزوجل کے قرب کے سوا اور کسی چیز کی طلب نہ ہو۔ (احیاء العلوم ج ۴ ص ۳۳۰۔۳۲۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ قول اور عمل کو دکھاوے اور شہرت کی آمیزش سے خالی کرنا اخلاص ہے' چہ جائیکہ اس پر کسی عوض کو طلب کیا جائے۔

اخلاص کی ترغیب اور ترہیب کے متعلق احادیث

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یہ بتایئے' ایک شخص نے اجرت اور شہرت کی طلب میں جہاد کیا ہو اس کو کیا ملے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو کچھ نہیں ملے گا' اس نے تین مرتبہ سوال دہرایا' آپ نے ہر بار یہی جواب دیا' پھر آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ صرف اس عمل کو قبول فرماتا ہے جو خالص اس کے لیے کیا جائے اور اس عمل سے صرف اس کی رضا کو طلب کیا جائے۔
(سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۴۰' مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۶' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۲۸۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میں تمام مشرکوں کے شرک سے مستغنی ہوں' جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں میرے غیر کو شریک کیا میں اس کے عمل کو اور اس کے شرک کو ترک کر دیتا ہوں' وہ عمل اس کے لیے ہے جس کو اس نے شریک کیا ہے۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۸۵' مسند احمد ج ۲ ص ۳۰۱' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۹۳۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۹۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کی طرف نہیں دیکھتا لیکن وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کی طرف دیکھتا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۶۴)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اعمال کا مدار نیات پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہے' پس جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف محسوب ہوگی اور جس کی ہجرت اس دنیا کی طرف ہو جس کو وہ حاصل کرے یا کسی عورت کی طرف ہو جس سے وہ نکاح کرے تو اس کی ہجرت اسی کی طرف شمار کی جائے گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۰۷' جامع المسانید والسنن مسند عمر بن الخطاب: ۳۹۴)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے' آپ نے فرمایا: مدینہ میں کچھ ایسے لوگ ہیں کہ تم جس منزل پر پہنچے اور جس وادی میں بھی گئے وہ تمہارے ساتھ تھے' وہ کسی بیماری کی وجہ سے ہمارے ساتھ نہیں جا سکے تھے' ایک روایت میں ہے: وہ اجر میں تمہارے شریک ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۳۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۱۱' جامع المسانید والسنن مسند جابر رقم الحدیث: ۱۱۹۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے حالت ایمان میں ثواب کی نیت سے شب قدر میں قیام کیا اس کے اگلے پچھلے (صغیرہ) گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور جس نے حالت ایمان میں ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے اس کے اگلے اور پچھلے (صغیرہ) گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹۰۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۵۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! ایک شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے اور وہ اس کے عوض دنیا کی کوئی چیز طلب کرتا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو کوئی اجر نہیں ملے گا' لوگوں پر یہ جواب بہت شاق گزرا' اس شخص نے دوبارہ پوچھا' آپ نے فرمایا: اس کو کوئی اجر نہیں ملے گا۔ حاکم اور ذہبی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۷۱-۳ قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۳۴۰۴)

حضرت ابو سعید بن ابی فضالہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ اولین اور آخرین کو قیامت کے اس دن جمع فرمائے گا جس دن کے تحقق میں کوئی شبہ نہیں ہے تو ایک منادی یہ نداء کرے گا: جس نے اللہ کے لیے کوئی عمل کیا اور اس میں کسی کو شریک کیا وہ اس کے ثواب کو اللہ کے غیر سے طلب کرے کیونکہ اللہ تمام شرکاء کے شرک سے مستغنی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۵۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۰۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۰۴' المعجم الکبیر ج ۲۲' رقم الحدیث: ۷۷۸)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے' اس وقت ہم مسیح دجال کا ذکر کر رہے تھے' آپ نے فرمایا: کیا میں تم کو اس چیز کی خبر نہ دوں جو تمہارے لیے مسیح دجال سے زیادہ خطرناک ہے؟ ہم نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: وہ شرک خفی ہے' ایک شخص نماز پڑھتا ہے' پھر وہ دیکھتا ہے کہ کوئی شخص اس کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ رہا ہے تو وہ زیادہ اچھی نماز پڑھنے لگتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۰۴' المسند الجامع ج ۶ ص ۱۸۰' جامع المسانید والسنن مسند ابی سعید الخدری رقم الحدیث: ۴۶۶)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اپنی امت پر سب سے

زیادہ خطرہ اللہ کے ساتھ شریک کرنے کا ہے اور میں یہ نہیں کہتا کہ وہ سورج یا چاند یا بت کی پرستش کریں گے لیکن وہ غیر اللہ کے لیے عمل کریں گے اور شہوت خفیہ (ریاکاری) کریں گے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۰۵' مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۳)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص لوگوں کو دکھانے کے لیے عمل کرتا ہے اللہ اس (کی سزا) کو دکھائے گا اور جو شخص لوگوں کو سنانے کے لیے عمل کرتا ہے اللہ اس (کی سزا) کو سنائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۹۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۸۶' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۷۷۸' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۵۲۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۰۶' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۴۱۳۴' جامع المسانید والسنن مسند ابی سعید الخدری رقم الحدیث: ۷۰۷)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ایسے صحائف اعمال کو لایا جائے گا جن پر مہر لگی ہوگی' پس ان کو اللہ عزوجل کے سامنے رکھ دیا جائے گا' اللہ عزوجل فرشتوں سے فرمائے گا: ان صحائف کو پھینک دو اور ان کو قبول کرلو' فرشتے عرض کریں گے: تیری عزت کی قسم! ہم نے تو سوا خیر کے اور کچھ نہیں دیکھا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا اور وہ بہت جاننے والا ہے: یہ اعمال میرے غیر کے لیے کیے گئے تھے اور آج میں صرف اسی عمل کو قبول کروں گا جو میری رضا کی طلب کے لیے کیا گیا ہو۔

(سنن دار قطنی ج ۱ ص ۵۰' رقم الحدیث: ۱۲۹' کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۱ ص ۲۱۸' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۸۳۱۵' اتحافات رقم الحدیث: ۳۰۴)

ضحاک بن قیس فہری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: میں سب سے بہتر شریک ہوں' جس نے کسی عمل میں میرے ساتھ کسی کو شریک کیا تو وہ عمل میرے شریک کے لیے ہے' اے لوگو! اللہ عزوجل کے لیے اخلاص سے عمل کرو' کیونکہ اللہ اسی عمل کو قبول فرماتا ہے جو اس کے لیے اخلاص سے کیا گیا ہو اور یوں نہ کہا کرو کہ یہ عمل اللہ کے لیے ہے اور یہ رشتہ داروں کے لیے ہے' کیونکہ پھر وہ عمل رشتہ داروں ہی کے لیے ہوگا' اللہ کے لیے نہیں ہوگا اور نہ یوں کہا کرو کہ یہ عمل اللہ کے لیے ہے اور یہ تمہارے لیے ہے کیونکہ پھر وہ تمہارے ہی لیے ہوگا اور اللہ کے لیے بالکل نہیں ہوگا۔

(سنن دار قطنی ج ۱ ص ۵۰' رقم الحدیث: ۱۳۰)

شمر بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن ایک شخص کو حساب کے لیے لایا جائے گا اور اس کے صحیفۂ اعمال میں پہاڑوں کے برابر نیکیاں ہوں گی' رب العزت فرمائے گا: تو نے فلاں فلاں دن نمازیں پڑھیں تاکہ یہ کہا جائے کہ یہ نمازی ہے' میں اللہ ہوں' میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' میرے لیے صرف وہ عبادات ہیں جو خالص میرے لیے ہوں۔ تو نے فلاں فلاں روزے رکھے تاکہ یہ کہا جائے کہ یہ روزہ دار ہے' میں اللہ ہوں' میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' میرے لیے صرف وہ عبادات ہیں جو خالص میرے لیے ہوں۔ تو نے فلاں فلاں دن صدقہ کیا تاکہ یہ کہا جائے کہ فلاں بندہ نے صدقہ کیا' میں اللہ ہوں' میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' میرے لیے صرف وہ عبادات ہیں جو خالص میرے لیے ہوں۔ پھر وہ اس کے صحیفہ میں سے ایک کے بعد ایک عمل کو مٹاتا رہے گا' حتیٰ کہ اس کے صحیفہ میں کوئی عمل باقی نہیں رہے گا' پھر اس سے فرشتہ کہے گا: اے فلاں شخص! تو اللہ کے غیر کے لیے عمل کرتا تھا۔ (جامع البیان جز ۲۳ ص ۲۲۷' رقم الحدیث: ۲۳۱۱۶)

اخلاص کے متعلق اقوال علماء

اللہ عزوجل نے یہ حکم دیا ہے کہ تذلل' عاجزی اور اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت اور عبادت کی جائے اور یہ آیت اعمال کے اخلاص اور ریاکاری سے برأت میں اصل ہے' حتیٰ کہ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ جس شخص نے ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے غسل کیا یا وزن کم کرنے کے لیے روزے رکھے اور اس کے ساتھ عبادت کی بھی نیت کی تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس نے

عبادت میں دنیاوی فوائد کی نیت شامل کر لی ہے اور یہ اللہ کے لیے خالص عمل نہیں ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ. (الزمر: ۳) سنو! خالص اطاعت اللہ ہی کے لیے ہے۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ. (البینۃ: ۵) اور انہیں صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اخلاص سے اطاعت کرتے ہوئے اللہ کی عبادت کریں۔

اسی طرح فقہاء نے یہ کہا ہے کہ جب امام رکوع میں ہو اور وہ کسی کے آنے کی آہٹ محسوس کرے تو اس کے جماعت میں شامل ہونے کے لیے اپنی مقررہ تسبیحات میں اضافہ نہ کرے، کیونکہ وہ زائد تسبیحات اللہ کے لیے نہیں ہوں گی، بلکہ اس شخص کو جماعت میں شامل کرنے کے لیے ہوں گی۔

سہل بن عبداللہ التستری رضی اللہ عنہ نے کہا: ریا کی تین قسمیں ہیں:

(۱) کوئی شخص اصل فعل کو غیر اللہ کے لیے کرے اور اس کا ارادہ یہ ہو کہ لوگ یہ سمجھیں کہ وہ یہ فعل اللہ کے لیے کر رہا ہے، یہ نفاق کی ایک قسم ہے اور اس شخص کا ایمان مشکوک ہے۔

(۲) انسان کوئی نیک کام کرے اور جب لوگوں کو اس کی نیکی کا علم ہو تو وہ خوش ہو، اس کی توبہ یہ ہے کہ وہ اس عمل کو دہرائے۔

(۳) کسی شخص نے اخلاص کے ساتھ کوئی کام کیا، لوگوں کو اس کام کا علم ہو گیا اور انہوں نے اس کی تعریف اور تحسین کی اور وہ اس تعریف کو سن کر خاموش رہا تو یہ بھی ریا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔

مؤخر الذکر ریا کی دونوں قسموں کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے:

سلیمان بن یسار کہتے ہیں کہ جب لوگ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے چھٹ گئے تو اہل شام میں سے ناتل نامی ایک شخص نے کہا: اے شیخ! آپ مجھے وہ حدیث سنائیے جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو، آپ نے فرمایا: ہاں! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جس شخص کے متعلق فیصلہ کیا جائے گا وہ شہید ہو گا، اس کو بلایا جائے گا اور اسے ان کی نعمتیں دکھائی جائیں گی، جب وہ ان نعمتوں کو پہچان لے گا تو (اللہ تعالیٰ) فرمائے گا: تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ وہ کہے گا: میں نے تیری راہ میں جہاد کیا حتیٰ کہ شہید ہو گیا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو جھوٹ بولتا ہے، بلکہ تو نے اس لیے قتال کیا تھا تاکہ تو بہادر کہلائے، سو تجھے بہادر کہا گیا، پھر اس کو منہ کے بل جہنم میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا، حتیٰ کہ اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور ایک شخص نے علم حاصل کیا اور لوگوں کو تعلیم دی اور قرآن مجید پڑھا، اس کو بلایا جائے گا اور اس کو اس کی نعمتیں دکھائی جائیں گی، جب وہ ان نعمتوں کو پہچان لے گا تو (اللہ تعالیٰ) اس سے فرمائے گا: تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ وہ کہے گا: میں نے علم حاصل کیا اور اس علم کو سکھلایا اور تیرے لیے قرآن مجید پڑھا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو جھوٹ بولتا ہے، تو نے اس لیے علم حاصل کیا تھا تاکہ تو عالم کہلائے اور تو نے قرآن پڑھا تاکہ تو قاری کہلائے، سو تجھے (عالم اور قاری) کہا گیا، پھر اس کو منہ کے بل جہنم میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا، حتیٰ کہ اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور ایک شخص پر اللہ نے وسعت کی اور اس کو ہر قسم کا مال عطا کیا، اس کو قیامت کے دن بلایا جائے گا اور وہ نعمتیں دکھائی جائیں گی اور جب وہ ان نعمتوں کو پہچان لے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ وہ کہے گا: میں نے ہر اس راستہ میں خرچ کیا جس راستہ میں مال خرچ کرنا تجھ کو پسند ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو جھوٹ بولتا ہے، تو نے یہ کام اس لیے کیے تاکہ تجھ کو سخی کہا جائے، سو تجھ کو سخی کہا گیا، پھر اس کو منہ کے بل جہنم میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا اور پھر اس کو آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو بیان کرنے سے پہلے تین بار خوف سے بے

ہوش ہو گئے تھے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۰۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۸۲، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۳۷، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۴۸۲، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۰۸، شرح السنہ رقم الحدیث: ۴۱۴۳، مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۱، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۱۶۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب الحزن سے پناہ مانگا کرو، مسلمانوں نے کہا: یارسول اللہ! جب الحزن کیا چیز ہے؟ فرمایا: وہ جہنم میں ایک وادی ہے جس سے جہنم بھی ہر روز سو مرتبہ پناہ طلب کرتا ہے؟ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس میں کون داخل ہوگا؟ فرمایا: وہ قاری جو دکھانے کے لیے عمل کرتے ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۸۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۶، الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۱۷۲۷)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

کسی آدمی کے نیک اعمال پر اس کی تعریف اور تحسین کی جائے اور وہ تعریف اور تحسین سن کر اس لیے خوش ہوتا کہ لوگوں کے دلوں میں اس کی قدر و منزلت بیٹھ جائے اور وہ اس کو نیک اور بزرگ جانیں اور وہ ان سے دنیاوی مال و متاع حاصل کرے تو اس کی یہ نیت مذموم ہے اور جو شخص یہ پسند نہ کرتا ہو کہ لوگ اس کے نیک کاموں پر مطلع ہوں اور اللہ اس کی نیکیوں پر لوگوں کو مطلع کر دے پھر وہ اس وجہ سے خوش ہو کہ یہ اس پر اللہ کا فضل اور انعام ہے، تو پھر اس کی یہ خوشی مستحسن اور محمود ہے، قرآن مجید میں ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ○ (یونس: ۵۸)

آپ کہیے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہی لوگوں کو خوش ہونا چاہیے (اس کا فضل) اس سے بہت بہتر ہے جس کو وہ جمع کر رہے ہیں ○

اس مسئلہ کو پوری تفصیل سے محاسبی نے کتاب "الرعایۃ" میں لکھا ہے، ایک حدیث میں ہے: میں عمل کو مخفی رکھتا ہوں، پھر لوگ اس پر مطلع ہوتے ہیں تو مجھے خوشی ہوتی ہے، سہل نے اس حدیث کی تشریح میں کہا: خوش اس وجہ سے ہو کہ اللہ نے اپنی نعمت کو اس پر ظاہر کر دیا۔

سہل بیان کرتے ہیں کہ لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا: ریا یہ ہے کہ تم اپنے عمل کا ثواب دنیا میں طلب کرو اور لوگ اپنا عمل آخرت کے لیے کرتے ہیں، لقمان سے پوچھا گیا کہ ریا کی دوا کیا ہے؟ انہوں نے کہا: اس کی دوا عمل چھپانا ہے، ان سے پوچھا گیا: عمل کس طرح چھپایا جائے؟ انہوں نے کہا: تمہیں جس عمل کے اظہار کا مکلف کیا گیا ہے اس عمل کو اخلاص کے بغیر نہ کرو اور تم کو جس عمل کے اظہار کا مکلف نہیں کیا گیا اس میں یہ پسند کرو کہ اللہ کے سوا کوئی اس عمل پر مطلع نہ ہو سکے اور تمہارے جس عمل پر لوگ مطلع ہو جائیں اس کو اپنے اعمال میں شمار نہ کرو اور ایوب سختیانی نے کہا: جو شخص یہ پسند کرتا ہو کہ لوگ اس کے عمل کو جانیں وہ شخص صاحب عقل نہیں ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ملخصاً و موضحاً جز ۵ ص ۱۵۹، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ ھ)

جاہل صوفیاء کے خود ساختہ احکام کا رد

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "(وہ کہتے ہیں کہ) ہم ان کی صرف اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں"۔

جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا کارساز اور حاجت روا بنایا ہوا ہے اور وہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں وہ اپنے ان معبودوں سے یہ کہتے تھے کہ ہم تمہاری صرف اس لیے پرستش کرتے ہیں کہ تم ہمیں اللہ کا مقرب بنا دو۔

مجاہد اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ قریش بتوں کے لیے ایسا کہتے تھے اور ان سے پہلے کے کفار فرشتوں کے لیے، حضرت عزیر کے لیے اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے لیے ایسا کہتے تھے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۱۲۰، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ ھ)

حافظ سیوطی نے امام ابن جریر کے حوالے سے لکھا ہے کہ عرب کے تین قبیلے: عامر' کنانہ اور بنو سلمہ بتوں کی عبادت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور وہ کہتے تھے کہ ہم ان کی صرف اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔ (الدر المنثور ج ۷ ص ۱۸۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''بے شک اللہ ان کے درمیان اس کا فیصلہ فرما دے گا جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں بے شک اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا اور بہت ناشکرا ہو O''

انسان کی فطرت میں اپنے صانع اور خالق کی معرفت رکھی گئی ہے اور اس کائنات کے خالق کی عبادت کرنا بھی اس کی طبیعت کا تقاضا ہے لیکن اس فطری معرفت اور عبادت کا اعتبار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس معرفت اور عبادت کا اعتبار ہے جو بندوں تک نبیوں اور رسولوں کے واسطے سے پہنچی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے ذریعہ جو احکام بندوں تک پہنچائے ہیں' لہٰذا اللہ تعالیٰ کی وہ اطاعت اور عبادت مطلوب ہے جو شریعت کے موافق ہو خواہ وہ طبیعت کے مخالف ہو' شیطان کی طبیعت میں اللہ کو سجدہ کرنا راسخ تھا اور حضرت آدم کو سجدہ کرنا اس کی طبیعت کے خلاف تھا' لیکن جب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کرے تو یہی سجدہ اس کے لیے عبادت تھا' اس نے اپنی طبیعت کے تقاضے کے خلاف سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تو وہ کافر ہو گیا' اسی طرح جو عقل والے عقلی دلائل سے اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی متابعت نہیں کرتے' ان کی معرفت اور اطاعت بھی معتبر نہیں ہے' اسی طرح جو اپنی عقل سے حضرت عزیر کی' حضرت عیسیٰ کی اور فرشتوں کی عبادت کرتے تھے اور جو بتوں کی پرستش کرتے تھے ان میں سے کسی کی پرستش اور عبادت معتبر نہیں ہے خواہ وہ اس کے جائز اور معقول ہونے کی کتنی ہی تاویلات کیوں نہ کریں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اللہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں''۔

اسی طرح ہمارے دور میں جاہل صوفیاء نے اللہ تعالیٰ سے تقرب کے حصول کے متعدد طریقے اپنی طرف سے بنا لیے ہیں اور احکام شرعیہ میں من مانے اضافے کر لیے ہیں' اللہ تعالیٰ ان سے اپنی پناہ میں رکھے' اللہ تعالیٰ کے قرب کو حاصل کرنے کا صحیح ذریعہ وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بیان کیا اور ائمہ اور مجتہدین نے اس سے احکام شرعیہ کو منضبط کیا اور ہر دور میں اہل علم اور ارباب فتویٰ نے عصری تقاضوں اور نئے پیدا ہونے والے مسائل کا حل بتلایا۔

اس کے بعد فرمایا: ''اگر اللہ اولاد بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا چن لیتا' وہ پاک ہے' واحد ہے' سب پر غالب ہے O'' (الزمر: ۴)

اللہ تعالیٰ کی اولاد نہ ہونے پر دلائل

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس پر دلیل قائم کی ہے کہ اس کی اولاد کا ہونا محال ہے' پہلے یہ فرمایا کہ اگر وہ اولاد بنانا چاہتا تو جس کو چاہتا چن لیتا تو اے مشرکو! پھر تم یہ تخصیص کیوں کرتے ہو کہ عزیر اس کا بیٹا ہے یا عیسیٰ اس کا بیٹا ہے یا فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں اور اس میں دوسرا اشارہ یہ ہے کہ اگر وہ اپنی اولاد بناتا تو سب سے افضل اور اکمل نوع کی اولاد بناتا اور بیٹیوں کی بہ نسبت بیٹے افضل اور اکمل نوع کے ہیں تو اگر اس نے اولاد بنانی ہوتی تو بیٹوں کو اولاد بناتا تم بیٹیوں کی اس کی طرف نسبت کرتے ہو؟ پھر اللہ تعالیٰ نے واحد قہار فرما کر اس دلیل کی طرف اشارہ فرمایا' اس کی اولاد کا ہونا محال ہے۔

اس دلیل کی ایک تقریر یہ ہے کہ اگر اس کی اولاد فرض کی جائے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ اس سے ایک جز منفصل ہوا' پھر اس جز سے اس کی مساوی صورت بن گئی اور اس سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کے اجزاء ہوں اور جس کے اجزاء ہوں وہ اپنے

اجزاء کی طرف محتاج ہوتا ہے اور جس کے اجزاء ہوں وہ واحد حقیقی نہیں ہوتا اور جو محتاج ہو وہ قہار نہیں ہوتا' پس اللہ تعالیٰ کا واحد اور قہار ہونا اس کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کی اولاد محال ہو۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اولاد والد کی جنس سے ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ کا وجود واجب اور قدیم ہے' پس لازم آئے گا کہ اس کی اولاد بھی واجب اور قدیم ہو اور متعدد واجب اور قدیم نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ جب والد اور اولاد دونوں واجب اور قدیم ہیں تو ان میں کوئی ایسا جز ضرور ہوگا جس سے وہ دونوں ایک دوسرے سے ممتاز ہوں اور کہا جا سکے: یہ والد ہے اور یہ ولد ہے' پھر ان میں سے ہر ایک دو جزؤں سے مرکب ہوگا اور جو مرکب ہوگا وہ اپنے اجزاء کا محتاج ہوگا اور یہ اس کے واحد اور قہار ہونے کے منافی ہے' پس واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ جب واحد اور قہار ہے تو اس کی اولاد نہیں ہو سکتی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا کیا' وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے' اس نے سورج اور چاند کو کام پر لگا رکھا ہے' ہر ایک مدت مقرر تک گردش کر رہا ہے' سنو! وہی بہت غالب اور بے حد بخشنے والا ہے O اس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا' پھر اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور اس نے چوپایوں میں سے تمہارے لیے آٹھ نر اور مادہ اتارے' وہ تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تمہاری تخلیق فرماتا ہے' ایک تخلیق کے بعد دوسری تخلیق' تین تاریکیوں میں' یہی اللہ ہے جو تمہارا رب ہے' اسی کی سلطنت ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' سو تم کہاں بھٹک رہے ہو O اگر تم ناشکری کرو تو بے شک اللہ تم سے بے پرواہ ہے اور وہ اپنے بندوں کے لیے شکر نہ کرنے کو پسند نہیں کرتا اور اگر تم شکر کرو تو وہ تم سے راضی ہوگا اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا' پھر تمہارے رب کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے' پھر وہ تم کو ان کاموں کی خبر دے گا جن کو تم (دنیا میں) کرتے تھے' بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے O (الزمر: ۷۔۵)

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر ستر فرمانا

الزمر: ۵ میں فرمایا: ''وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے''۔

اس آیت میں تکویر کا لفظ ہے' تکویر کا معنی ہے: کسی چیز کو دوسری چیز پر اس طرح گھمانا یا بل دینا جس طرح پیچ کو گھماتے ہیں یا جس طرح عمامہ کو سر کے گرد لپیٹ کر گھماتے ہیں اور بل دیتے ہیں' اس سے مراد یہ ہے کہ رات دن کی روشنی کو چھپا لیتی ہے اور دن رات کی تاریکی کو چھپا لیتا ہے یا دن رات کی تاریکی کو غائب کر دیتا ہے اور رات دن کی روشنی کو غائب کر دیتی ہے۔

پھر فرمایا: ''اس نے سورج اور چاند کو اپنے کام میں لگا رکھا ہے' ہر ایک مدت مقرر تک گردش کر رہا ہے''۔

اس مدت مقرر سے مراد وہ مدت ہے جس میں سورج یا چاند اپنی منتہاء مسافت کو طے کر لیتا ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ سورج اور چاند قیامت تک یونہی گردش کرتے رہیں گے۔

اس کے بعد فرمایا: ''سنو! وہی عزیز اور غفار ہے''۔

اللہ تعالیٰ کے عزیز ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر غالب ہے اور ہر کام پر قادر ہے' وہ اس کے احکام کی نافرمانی کرنے والوں اور کافروں کو سزا دینے پر قادر ہے۔

اور اس کے غفار ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ بہت زیادہ مغفرت کرتا ہے' یہی وجہ ہے کہ وہ نافرمانی کرنے والوں کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کے غفار ہونے کے آثار میں سے یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کی اچھائیوں اور نیک کاموں کو ظاہر فرماتا ہے اور ان کی برائیوں اور گناہوں کو چھپا لیتا ہے اور آخرت میں ان کی خطاؤں کو بخش دیتا ہے۔

غفر کا معنیٰ ستر ہے اور اللہ تعالیٰ جو اپنے بندوں پر ستر فرماتا ہے' اس کے حسب ذیل مراتب ہیں:

(۱) انسان کے بدن کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے' اس کے بدن کے باطن میں خون کی شریانیں ہیں' پھیپھڑا ہے اور کلیجہ ہے' معدہ ہے' آنتیں ہیں' مثانہ ہے جس میں پیشاب جمع ہوتا ہے' بڑی آنت ہے جس میں فضلا ہوتا ہے' اوجھڑی ہے' گردے ہیں اور ہڈیاں ہیں' ان اعضاء کی شکلیں اس قدر بُری اور ہیبت ناک ہوتی ہے کہ دیکھنے سے کراہت آتی ہے' اللہ تعالیٰ نے انسان کے اس بدصورت باطن کو خوب صورت جلد کے ساتھ ڈھانپ دیا' اگر انسان کے سر کے اندرونی حصہ کو یا اس کے پیٹ کے اندرونی حصہ کو دیکھ لیا جائے تو قے آ جائے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بدصورتی پر خوب صورت جلد کے ساتھ ستر کر دیا' یہ انسان پر ستر کا پہلا مرتبہ ہے۔

(۲) انسان کے ذہن میں بعض اوقات بُرے خیالات آتے ہیں' وہ کوئی شرمناک فعل کرنا چاہتا ہے' کسی کے ساتھ فراڈ کرنا چاہتا ہے' چوری کرنا چاہتا ہے' جوا کھیلنا چاہتا ہے یا کسی کے ساتھ بدکاری کرنا چاہتا ہے' اس کے یہ عزائم اس کے ذہن میں ہوتے ہیں اور اللہ اس کے عزائم اور منصوبوں کو کسی دوسرے پر ظاہر نہیں فرماتا' یوں اللہ تعالیٰ اس کے بُرے ارادہ کو اس کے ذہن میں چھپا کر رکھتا ہے اور یہ اس کے ستر کا دوسرا مرتبہ ہے۔

(۳) انسان جب اپنے بُرے منصوبوں پر عمل کر کے کوئی گناہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو دوسروں سے چھپاتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بعض اوقات وہ اس کی برائیوں کو اچھائیوں سے اور اس کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے' ارشاد فرماتا ہے:

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ (الفرقان: ۷۰)	سوا ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کر لی اور ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا' اللہ بہت بخشنے والا' بہت رحم فرمانے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ بندوں کے گناہوں کو چھپاتا ہے اور ان پر ستر کرتا ہے' اس کا تقاضا یہ ہے کہ بندے بھی ایک دوسرے کے عیوب اور قبائح کو چھپائیں اور کسی کی غیبت کر کے اس کے عیب کو ظاہر نہ کریں' حدیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان' مسلمان کا بھائی ہے' وہ اس پر ظلم کرے نہ اس کو بے عزت کرے اور جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی میں رہتا ہے اللہ اس کی حاجت روائی میں رہتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان سے مصیبت کو دور کرتا ہے اللہ اس سے قیامت کے مصائب کو دور کر دے گا اور جو شخص کسی مسلمان کا ستر رکھتا ہے اللہ قیامت کے دن اس کا ستر رکھے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۴۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۰' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۸۹۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۲۶' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۲۹۱' جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۳۹۴)

جو شخص مسلمانوں کی غیبت کرتا ہے' ان کے عیوب تلاش کرنے میں لگا رہتا ہے اور نیکی کرنے والے کا بدلہ برائی سے دیتا ہے وہ مسلمانوں کے اوصاف سے کس قدر دور ہے' مسلمانوں کے اوصاف سے وہ شخص متصف ہو گا جو خلق خدا کا ذکر نیکی کے سوا نہ کرے۔ لوگوں میں نیک اور بد' اچھے اور بُرے ہر قسم کے اوصاف ہوتے ہیں' ان میں عیوب اور محاسن بھی ہوتے ہیں' اسلام کے اوصاف کا تقاضا یہ ہے کہ آپ لوگوں کے عیوب سے اپنی آنکھیں بند کر لیں' صرف ان کے محاسن پر نظر ڈالیں' کسی کی برائی کا چرچا نہ کریں' صرف اس کی اچھائیوں کا تذکرہ کریں۔

اس سے پہلے ہم نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ستر کرنے کی تفصیل کی تھی اور آخرت میں اس کے ستر کرنے کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (قیامت کے دن) مومن اپنے رب کے نزدیک ہوگا حتیٰ کہ اللہ اس کے اوپر اپنی حفاظت کا بازو رکھ دے گا' پھر اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا اور اس سے پوچھے گا: تو فلاں گناہ کو پہچانتا ہے؟ وہ کہے گا: اے میرے رب! میں پہچانتا ہوں' اللہ فرمائے گا: میں نے دنیا میں تجھ پر ستر کیا تھا اور آج میں تجھے بخش دیتا ہوں' پھر اس کی نیکیوں کا صحیفہ لپیٹ دیا جائے گا اور رہے کفار تو تمام لوگوں کے سامنے ان کو نداء کی جائے گی: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کو جھٹلایا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۸۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۶۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۳' جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۶۵۷)

اللہ تعالیٰ غفار ہے' بہت زیادہ مغفرت فرماتا ہے' اس کے سیلاب مغفرت کا کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس شخص کا علم ہے جو سب سے آخر میں جنت میں داخل ہوگا اور سب سے آخر میں دوزخ سے نکلے گا' ایک شخص کو قیامت کے دن لایا جائے گا' پھر کہا جائے گا: اس شخص پر اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کرو اور اس کے بڑے بڑے گناہوں کو اس سے دور رکھو' پھر اس کے سامنے اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کیے جائیں گے' پھر اس سے کہا جائے گا: تو نے فلاں دن فلاں فلاں گناہ کیا تھا اور فلاں دن فلاں اور فلاں گناہ کیا تھا' وہ کہے گا: ہاں اور وہ ان گناہوں کا انکار نہیں کر سکے گا اور وہ اس سے خوف زدہ ہوگا کہ اب اس کے سامنے اس کے بڑے بڑے گناہ بھی پیش کر دیئے جائیں گے' پھر اس سے کہا جائے گا: تیرے ہر گناہ کے بدلہ میں ایک نیکی ہے' پھر وہ کہے گا: اے میرے رب! میں نے اور بھی بہت گناہ کیے ہیں جو مجھے یہاں نظر نہیں آ رہے' میں نے دیکھا کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۱۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۹۶' مسند احمد ج ۵ ص ۱۷۰' جامع المسانید والسنن مسند ابوذر رقم الحدیث: ۱۱۴۵۲)

انسان کو پیدا کرنا اور اس کو انواع و اقسام کی نعمتوں سے نوازنا اس کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ ۔۔۔

اللہ کی عبادت کرے

الزمر: ۶ میں فرمایا: ''اس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا' پھر اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا''۔

اس سے مراد یہ ہے کہ اس نے تم کو حضرت آدم سے پیدا کیا' پھر حضرت آدم کی پسلی سے حضرت حوا کو پیدا کیا۔

پھر فرمایا: ''اور اس نے چوپایوں میں سے تمہارے لیے آٹھ نر اور مادہ اتارے''۔

اس آیت میں چوپایوں کے لیے ''انعام'' کا لفظ ہے اور عربی میں انعام کا لفظ چار قسم کے جانوروں کے لیے مخصوص ہے (۱) اونٹ (۲) بیل (۳) دنبہ (۴) بکرا اور چار ان کی مادہ ہیں' پس نر اور مادہ مل کر یہ آٹھ جوڑے ہو گئے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: اس نے تمہارے لیے آٹھ نر اور مادہ نازل کیے ہیں۔ حالانکہ یہ جانور اوپر سے نہیں نازل ہوئے بلکہ زمین پر ہی ان کی پیداوار اور افزائش ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل کیا اور اس پانی سے ہی زمین سے سبزہ اور چارا اگتا ہے جس کو کھانے کی وجہ سے ان جانوروں کی افزائش ہوتی ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ''وہ تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تمہاری تخلیق فرماتا ہے' ایک تخلیق کے بعد دوسری تخلیق' تین تاریکیوں میں''۔

اللہ تعالیٰ نے ماں کے پیٹ میں انسان کی بہ تدریج تخلیق کی ہے' پہلے انسان کے نطفہ کو جما ہوا خون بناتا ہے' پھر اس کو گوشت کی بوٹی بنا دیتا ہے' پھر اس میں ہڈیاں پہنا دی جاتی ہیں' پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔

پھر فرمایا: یہ تخلیق تین تاریکیوں میں ہوتی ہے' ایک تاریکی پیٹ کی ہوتی ہے' دوسری تاریکی رحم کی ہوتی ہے اور تیسری تاریکی اس جھلی کی ہوتی ہے جس میں بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک تاریکی صلب (پیٹھ) کی ہو' دوسری تاریکی پیٹ کی ہو اور تیسری تاریکی رحم کی ہو۔

پھر فرمایا: ''یہی اللہ ہے جو تمہارا رب ہے' اسی کی سلطنت ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے''۔

گویا کہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے: جس نے تم کو پیدا کیا اور تم کو حسین وجمیل صورت دی اور تم پر انواع واقسام کی ظاہری اور باطنی نعمتیں نازل کیں اور تم کو اپنی توحید کی دعوت دی اور تم کو یہ بشارت دی کہ اگر تم نے میری اطاعت اور عبادت کی تو میں تم کو جنت عطا کروں گا اور جنت میں تمہیں میری رضا اور میرا دیدار حاصل ہوگا' پھر کیا وجہ ہے کہ تم میری بشارت پر کان نہیں دھرتے اور میری دعوت کو قبول نہیں کرتے۔

اس کے بعد فرمایا: ''سو تم کہاں بھٹک رہے ہو''۔

تم کو بتا دیا ہے کہ ساری کائنات میں میری ہی سلطنت ہے اور میرا ہی تصرف ہے' میرے سامنے سب عاجز اور مجبور ہیں' قادر اور قہار میں ہی ہوں۔ پھر تم جن بتوں کے آگے ہاتھ پھیلا رہے ہو' جن سے مدد طلب کرتے ہو اور مرادیں مانگتے ہو' وہ سب بے جان اجسام ہیں' تو تم کہاں بھٹک رہے ہو' اللہ ہی خالق اور مالک ہے' اس کا حق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے' تم اس کی عبادت کو چھوڑ کر کس کی پرستش کر رہے ہو۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھا' ایک دن جب ہم سواری پر جا رہے تھے میں آپ کے قریب ہوا اور میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے ایسے عمل کی خبر دیجئے جو مجھے جنت میں داخل کر دے اور دوزخ سے دور کر دے' آپ نے فرمایا: تم نے بہت بڑی چیز کا سوال کیا ہے' یہ کام اس شخص کے لیے آسان ہو گا جس پر اللہ اس کو آسان کر دے گا' تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو اور حج کرو' پھر فرمایا: کیا میں تم کو اس چیز کی خبر نہ دوں جس پر تمام نیکی کے دروازوں کا مدار ہے' روزہ ڈھال ہے اور صدقہ گناہ کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور آدھی رات کو نماز پڑھنا بھی' پھر آپ نے یہ آیتیں تلاوت کیں:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؗ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ (السجدہ:١٦)

جن کے پہلو بستروں سے دور رہتے ہیں وہ اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے بعض کو خرچ کرتے ہیں ○

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○ (السجدہ:١٧)

کوئی شخص نہیں جانتا کہ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کن نعمتوں کو چھپا کر رکھا ہوا ہے' یہ ان کے کاموں کی جزاء ہے ○

پھر آپ نے فرمایا: کیا میں تمہیں اس چیز کی خبر نہ دوں جو ان تمام چیزوں کا رئیس ہے اور جو ان کا ستون ہے اور ان کے کوہان کی بلندی ہے؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: ان کا رئیس اسلام ہے اور ان کا ستون نماز ہے اور ان کے کوہان کی بلندی جہاد ہے' پھر آپ نے فرمایا: کیا میں تمہیں اس کی خبر نہ دوں کہ ان تمام چیزوں کا کس پر مدار ہے؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں اے اللہ کے نبی! آپ نے اپنی زبان کو پکڑ کر فرمایا: اپنی زبان کو روک کر رکھو' میں نے عرض کیا: یا نبی

اللہ! ہم جو باتیں کرتے ہیں کیا ان کی وجہ سے ہمارا مواخذہ کیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: اے معاذ! تمہیں تمہاری ماں روئے' لوگوں کو دوزخ میں منہ کے بل یا نتھنوں کے بل صرف ان کی زبانوں کی فصل کی کٹائی کی وجہ سے ہی ڈالا جائے گا۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۱۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۷۳' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۳۰۳' مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۱' المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۲۶۶)

اللہ تعالیٰ کا تمام جہانوں سے بے پرواہ اور بے نیاز ہونا

الزمر: ۷ میں فرمایا: ''اگر تم ناشکری کرو تو بے شک اللہ تم سے بے پرواہ ہے''۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اہل مکہ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ تم دن رات اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں کا مشاہدہ کرتے ہو' ان نعمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لاؤ اور اس کی اطاعت اور عبادت کر کے اس کا شکر ادا کرو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس آیت میں تمام لوگوں سے عمومی خطاب ہو جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِىٌّ حَمِيْدٌ ○ (ابراہیم: ۸)

موسیٰ نے کہا: اگر تم سب اور روئے زمین کے تمام انسان اللہ کی ناشکری کریں تو بے شک اللہ بے نیاز' حمد کیا ہوا ہے ○

غنی اور بے نیاز کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کو اپنی ذات اور صفات میں کسی چیز کی کوئی احتیاج نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کو جو احکام شرعیہ کا مکلف کیا ہے وہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ اپنے لیے کوئی نفع حاصل کرنا چاہتا ہے یا اپنی ذات سے کسی ضرر کو دور کرنا چاہتا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ غنی علی الاطلاق ہے اور جو غنی علی الاطلاق ہو اس کا اپنے نفس کے لیے کسی نفع کو حاصل کرنا یا اپنے نفس سے کسی ضرر کو دور کرنا محال ہے' کیونکہ اگر وہ کسی چیز کا محتاج ہو تو اس کی حاجت قدیم ہوگی یا حادث ہوگی' اگر اس کی حاجت قدیم ہو تو وہ اس کو ازل میں پیدا کرے گا اور جو چیز پیدا کی جائے وہ حادث ہوتی ہے قدیم نہیں ہوسکتی اور اگر اس کی حاجت حادث ہو اور وہ حاجت اس کے ساتھ قائم ہو تو پھر اللہ محل حوادث ہو جائے گا اور یہ بھی محال ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ محتاج ہونا نقص ہے' اگر اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج ہو تو پھر وہ ناقص ہوگا اور ناقص خدا نہیں ہوسکتا۔

نیز ہم کو بداہۃً معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے پر قادر ہے' اسی طرح سورج' چاند' ستاروں' سیاروں' عرش' کرسی' عناصر اربعہ اور موالیہ ثلاثہ کے پیدا کرنے پر قادر ہے اور جو اتنا عظیم قادر اور قاہر ہو اس کے حق میں یہ کہنا کس طرح جائز ہوگا کہ اس کے بندوں کے نماز پڑھنے' روزے رکھنے اور دیگر احکام پر عمل کرنے سے اس کو نفع ہوتا ہے اور ان احکام پر عمل نہ کرنے سے اس کو نقصان ہوتا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ عزوجل سے یہ روایت کیا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کیا ہے اور میں نے تمہارے درمیان بھی ظلم کو حرام کر دیا' لہٰذا تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو' اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو سوا اس کے جس کو میں ہدایت دوں' سو تم مجھ سے ہدایت طلب کرو' میں تم کو ہدایت دوں گا' اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو سوا اس کے جس کو میں کھانا کھلاؤں' پس تم مجھ سے کھانا طلب کرو' میں تم کو کھلاؤں گا' اے میرے بندو! تم سب بے لباس ہو سوا اس کے جس کو میں لباس پہناؤں' لہٰذا تم مجھ سے لباس مانگو' میں تم کو لباس پہناؤں گا' اے میرے بندو! تم سب دن رات گناہ کرتے ہو اور میں تمام گناہوں کو بخشتا ہوں' تم مجھ سے بخشش طلب کرو' میں تم کو بخش دوں گا' اے میرے بندو! تم کسی نقصان کے مالک نہیں ہو کہ مجھے نقصان پہنچا سکو اور تم کسی نفع کے مالک نہیں کہ مجھے نفع پہنچا سکو' اے میرے بندو! اگر تمہارے اوّل اور آخر اور تمہارے انسان اور جن تم میں سے سب سے زیادہ متقی شخص کی طرح ہو جائیں تو

ملک میں کچھ اضافہ نہیں کر سکتے اور اے میرے بندو! اگر تمہارے اوّل و آخر اور تمہارے انسان اور جن تم میں سے سب سے زیادہ بدکار شخص کی طرح ہو جائیں تو میرے ملک سے کوئی چیز کم نہیں کر سکتے اور اے میرے بندو! اگر تمہارے اوّل اور آخر اور تمہارے انسان اور جن کسی ایک جگہ کھڑے ہو کر مجھ سے سوال کریں اور میں ہر انسان کا سوال پورا کر دوں تو جو کچھ میرے پاس ہے اس سے صرف اتنا کم ہو گا جس طرح سوئی کو سمندر میں ڈال کر (نکالنے سے) اس میں کمی ہوتی ہے' اے میرے بندو! تمہارے اعمال ہیں جن کو میں تمہارے لیے جمع کر رہا ہوں' پھر میں تم کو ان کی پوری پوری جزاء دوں گا' پس جو شخص خیر کو پائے وہ اللہ کی حمد کرے اور جس کو خیر کے سوا کوئی چیز (مثلاً آفت یا مصیبت) پہنچے وہ اپنے نفس کے سوا اور کسی کو ملامت نہ کرے۔
سعید بیان کرتے ہیں کہ ابوادریس خولانی جس وقت یہ حدیث بیان کرتے تھے تو گھٹنوں کے بل جھک جاتے تھے۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۱۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۵۷' مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۴' جامع المسانید والسنن مسند ابوذر رقم الحدیث: ۱۱۳۹۵)

اس حدیث میں یہ فرمایا ہے: اگر میں ہر انسان کا سوال پورا کر دوں تو جو کچھ میرے پاس ہے اس سے صرف اتنا کم ہو گا جس طرح سوئی کو سمندر میں ڈال کر نکالنے سے کمی ہوتی ہے۔ یہ مثال لوگوں کو سمجھانے کے لیے دی ہے' کیونکہ ہمارے مشاہدہ میں سب سے بڑی چیز سمندر ہے اور سوئی کو ڈبو کر نکالنے سے اس کی وسعت میں کوئی اثر نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ اپنی پہلی مخلوق سے لے کر قیامت تک آخری مخلوق کو جو کچھ دیتا رہا ہے اور دیتا رہے گا اس سے اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہو گی' جیسا کہ ایک اور حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: تم (لوگوں پر) خرچ کرو' میں تم پر خرچ کروں گا اور آپ نے فرمایا: اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے' خرچ کرنے سے اس میں کوئی کمی نہیں ہوتی' رات اور دن کا مسلسل خرچ اس میں کمی نہیں کر سکتا۔ یہ بتاؤ کہ جب سے اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے وہ جب سے خرچ کر رہا ہے اور اس کے ہاتھ میں کوئی کمی نہیں ہوئی' اس کا عرش پانی پر تھا اور اس کے ہاتھ میں ترازو ہے' جس (کے وزن) کو وہ پست کرتا ہے اور بلند کرتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۸۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۹۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۴۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۷' مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۲۔۵۰۰)

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہمیشہ ایجاد کی صلاحیت رکھتی ہے اور اس کی قدرت میں عجز اور قصور جائز نہیں ہے اور ممکنات غیر منحصر اور غیر متناہی ہیں اور کسی ایک ممکن کے وجود میں آنے سے باقی ممکنات کے ایجاد کی قدرت میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ کو تمام افعال کا خالق ماننے پر معتزلہ کا اعتراض اور امام رازی کے جوابات

اس کے بعد فرمایا: ''اور وہ اپنے بندوں کے لیے شکر نہ کرنے کو پسند نہیں کرتا''۔

یعنی ہر چند کہ کسی بندہ کے ایمان لانے سے اللہ کو کوئی نفع نہیں ہوتا اور نہ کسی کے کفر اور ناشکری سے اس کو کوئی نقصان پہنچتا ہے تاہم وہ اپنے بندوں کے لیے شکر نہ کرنے کو پسند نہیں کرتا۔

معتزلہ نے اس آیت پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ کفر اور ناشکری کو اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں کیا' بلکہ ان افعال کو بندے خود پیدا کرتے ہیں' کیونکہ اگر کفر اور ناشکری کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہوتا تو یہ اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر سے ہوتے اور اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر سے راضی ہونا واجب ہے' تو پھر کفر سے بھی راضی ہونا واجب ہوتا' حالانکہ کفر سے راضی ہونا

بجائے خود کفر ہے۔ امام رازی نے اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات دیئے ہیں:

(۱) اس آیت میں جو فرمایا ہے: "اللہ اپنے بندوں کے کفر اور ناشکری سے راضی نہیں ہوتا" اس آیت میں بندوں سے مراد مؤمنین ہیں' کیونکہ قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ وہ عباد سے مراد مؤمنین لیتا ہے' جیسا کہ ان آیات میں ہے:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا. اور رحمان کے بندے جو زمین پر وقار سے چلتے ہیں۔

(الفرقان: ۶۳)

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ. (اے شیطان!) بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی تسلط نہیں ہے۔ (الحجر: ۴۲)

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۲۵' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کا یہ جواب اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کے کفر اور ان کی ناشکری سے راضی نہیں ہوتا اور کافروں کے کفر اور ان کی ناشکری سے راضی ہوتا ہے' حالانکہ اللہ تعالیٰ کفر اور ناشکری سے مطلقاً راضی نہیں ہوتا' خواہ وہ مومن کرے یا کافر۔

امام رازی نے معتزلہ کے اعتراض کا دوسرا جواب یہ دیا ہے:

(۲) ہم یہ کہتے ہیں کہ کفر اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہے' اس کی رضا سے نہیں ہے' کیونکہ رضا کا معنیٰ ہے: کسی کام کی مدح کرنا اور اس کی تعریف و تحسین کرنا' قرآن مجید میں ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ. (الفتح: ۱۸) بے شک اللہ مؤمنوں سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔

اور اللہ تعالیٰ کفر اور ناشکری کی تعریف و تحسین نہیں کرتا' اس لیے وہ ان افعال سے راضی نہیں ہے۔

(۳) امام رازی فرماتے ہیں: میرے استاذ اور والد ضیاء الدین عمر رحمہ اللہ اس اعتراض کا یہ جواب دیتے تھے کہ رضا کا معنیٰ ہے: کسی فعل پر ملامت نہ کرنا اور اعتراض نہ کرنا اور رضا کا معنیٰ ارادہ کرنا نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے کافروں میں کفر اور ناشکری کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا ہے' وہ ان افعال سے راضی نہیں ہے کیونکہ اس نے کفر کرنے اور شکر نہ کرنے پر ملامت کی ہے۔

(۴) چلو ہم مان لیتے ہیں کہ رضا اور ارادہ ایک ہے اور اس آیت کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں کے لیے کفر کا ارادہ نہیں کرتا' لیکن اس عموم سے کفار کو خاص کر لیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کافروں کے کفر کا ارادہ کرتا ہے اور کافروں کے مخصوص اور مستثنیٰ ہونے کی دلیل یہ آیت ہے:

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ. (الدھر: ۳۰) اور تم کسی چیز کو نہیں چاہو گے مگر یہ کہ اللہ اس چیز کو چاہے۔

یعنی تمہاری مشیت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے' لہٰذا کافر کا کفر بھی اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۲۶-۴۲۵' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

معتزلہ کے اعتراض کا مصنف کی طرف سے جواب اور رضا بالقدر کی تحقیق

امام رازی کے ان تینوں جوابوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے کفر اور ناشکری سے راضی نہیں ہوتا' لیکن اللہ تعالیٰ جس بندہ میں کفر اور عدم شکر پیدا کرتا ہے تو اس کے کفر اور عدم شکر کا ارادہ فرماتا ہے اور کفر اور عدم شکر اللہ تعالیٰ کی قضاء اور ا

کی تقدیر سے ہے اور اس سے معتزلہ کا یہ اعتراض دور نہیں ہوا کہ تقدیر پر راضی ہونا واجب ہے لہٰذا کفر اور عدم شکر پر راضی ہونا بھی واجب ہے لہٰذا مان لو کہ اللہ تمام افعال کا خالق نہیں ہے بلکہ کفر اور ظلم کا خالق انسان ہے۔

مصنف کے نزدیک اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ تقدیر کا تعلق دو قسم کی چیزوں سے ہے: ایک تکوین اور دوسری تشریع۔

تکوین سے مراد ہے: وہ امور جن میں انسان کا اختیار اور ارادہ نہیں ہوتا اور جو خالص اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں جیسے انسان کا پیدا ہونا' مر جانا' صحت مند' خوب صورت اور قوی ہونا' بیمار' بدصورت اور کمزور ہونا' دولت مند یا مفلس ہونا' انسان کا مرد یا عورت ہونا' اسی طرح قدرتی آفات اور مصائب' بارش کا ہونا یا نہ ہونا' طوفانوں کا اٹھنا' زلزلوں کا آنا' فصل کا زرخیز ہونا یا زرعی پیداوار کا نہ ہونا' اولاد کا ہونا یا نہ ہونا' اس قسم کی اور دوسری چیزیں جو خالص اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں ان میں بندہ کا کوئی دخل نہیں ہے' اور ان میں تقدیر کے لکھے ہوئے پر راضی ہونا واجب ہے' اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے آپ کو پیغام بھیجا کہ ان کا بیٹا فوت ہو گیا ہے سو آپ تشریف لائیں' آپ نے جواب میں ان کو سلام بھیجا اور فرمایا: اللہ ہی کی ملکیت ہے جو کچھ وہ لیتا ہے اور جو کچھ وہ عطا فرماتا ہے' اور اس کے نزدیک ہر چیز کی مدت معین ہے' اس کو چاہیے کہ وہ صبر کرے اور ثواب کی نیت کرے۔ الحدیث (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۸۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۲۳' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۱۲۵' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۸۶۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۸۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اٹھایا' بوسہ دیا' سونگھا اور فرمایا: آنکھ سے آنسو بہ رہے ہیں اور دل غمزدہ ہے اور ہم صرف وہی بات کہیں گے جس سے ہمارا رب راضی ہو اور اے ابراہیم! ہم تمہارے فراق سے غم زدہ ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۰۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۱۵' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۱۲۶)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم کی سعادت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قضاء اور قدر پر راضی ہو اور ابن آدم کی شقاوت یہ ہے کہ وہ اللہ سے استخارہ (خیر طلب کرنے کو) ترک کر دے اور ابن آدم کی شقاوت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے ناخوش اور ناراض ہو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۵۱' مسند احمد ج ۱ ص ۱۶۸)

اور تقدیر کا دوسرا تعلق تشریع سے ہے' تشریع سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے یا جن کاموں کے کرنے سے روکا ہے' اللہ تعالیٰ نے بندہ کو اختیار دیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ان احکام پر عمل کرے یا نہ کرے' ایمان لائے یا کفر کرے۔

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ. سو جو چاہے وہ ایمان لائے اور جو چاہے وہ کفر کرے۔

(الکہف: ۲۹)

اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ وہ انسان کو اختیار دے گا تو وہ اپنے اختیار سے ایمان اور اعمال صالحہ کو اختیار کرے گا یا کفر اور اعمال سیئہ کو اختیار کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے اسی علم کا نام وہ تقدیر ہے جس کا تعلق تشریع سے ہے اور تقدیر کی اس قسم پر رضا مطلوب نہیں ہے بلکہ کفر اور ناشکری پر غیظ و غضب مطلوب ہے اور جو شخص کافروں اور ظالموں سے محبت اور میل جول رکھے اس پر عذاب کی وعید ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ. اور ظالموں سے میل جول نہ رکھو ورنہ تمہیں بھی دوزخ کی آگ جلائے گی۔ (ھود: ۱۱۳)

اور حدیث میں ہے:

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بنی اسرائیل میں اللہ کی نافرمانی کا ظہور ہوا تو ایک آدمی اپنے بھائی کو کوئی گناہ کرتے ہوئے دیکھتا تو اس کو اس گناہ سے منع کرتا' پھر دوسرے دن اس کے ساتھ کھانے' پینے اور میل جول سے اس کو کوئی چیز مانع نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ایک دوسرے کے مشابہ کر دیئے اور ان کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ (المائدہ: ۷۹-۷۸)

بنو اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی' کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے ۝ وہ ایک دوسرے کو اس بُرے کام سے نہیں روکتے تھے جو انہوں نے کیا تھا' وہ کیسا بُرا کام تھا جو وہ کرتے تھے ۝

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو پڑھا' آپ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے' پھر آپ کھڑے ہو گئے' پھر فرمایا: نہیں! حتیٰ کہ تم اس کو حق کی طرف موڑ کر پھیر دو اور اس کو گناہوں سے روک دو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۴۸' ۳۰۴۷' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۳۳۷' ۴۳۳۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۰۶' مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۱' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۰۳۵' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۲۶۴' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۲۳)

کفر' ظلم اور معاصی بھی اللہ کی تقدیر میں ہیں اور لوح محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں' قرآن کریم میں ہے:

كُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ۝ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ۝ (القمر: ۵۳-۵۲)

ہر وہ کام جو انہوں نے کیا ہے لوح محفوظ میں ہے ۝ ہر چھوٹی اور بڑی بات لکھی ہوئی ہے ۝

لیکن کفر' ظلم اور معاصی پر راضی ہونا بھی کفر ہے' یہ اللہ کی وہ تقدیر ہے جس سے ناراض ہونا اور غضب ناک ہونا مطلوب ہے' یعنی ان مقدرات سے ناراض ہونا مطلوب ہے جو کفر اور ظلم ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس تقدیر کا تعلق تکوین سے ہے یعنی ان امور سے جو بندہ کے اختیار میں نہیں ہیں جیسے پیدائش اور موت وغیرہ' اس تقدیر اور مقدر سے راضی ہونا مطلوب ہے اور اس سے ناراض ہونا شقاوت ہے اور جس تقدیر کا تعلق ان مقدرات سے ہے جو کفر اور ظلم ہوں' ان سے ناخوش اور ناراض ہونا مطلوب ہے' لہٰذا اب معتزلہ کا یہ اعتراض وارد نہیں ہو گا کہ ''جب تمام افعال کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو کفر اور ظلم کو بھی اللہ نے پیدا کیا ہے' پھر یہ اللہ کی تقدیر میں ہیں اور مقدرات سے ہیں اور اللہ کی تقدیر سے راضی ہونا واجب ہے' لہٰذا کفر اور ظلم سے بھی راضی ہونا واجب ہے' حالانکہ کفر سے راضی ہونا بھی کفر ہے اور یہ خرابی اس لیے لازم آئی کہ تم جماعت اہل سنت یہ عقیدہ رکھتے ہو کہ تمام افعال کا اللہ تعالیٰ خالق ہے' سو اس خرابی سے چھٹکارے کے لیے یہ مان لو کہ ایمان اور اعمال صالحہ کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور کفر اور ظلم کا خالق انسان ہے''۔ اور مصنف کی تقریر سے معتزلہ کا یہ اعتراض ساقط ہو گیا کیونکہ ہر مقدر سے راضی ہونا واجب نہیں ہے' صرف اس مقدر سے راضی ہونا واجب ہے جس کا تعلق تکوین سے ہو اور جس مقدر کا تعلق تشریع سے ہو اور جو مقدر کفر اور شرک ہو اس سے ناراض ہونا واجب ہے' ہاں جس کے مقدر میں ایمان اور اعمال صالحہ ہوں اس کا بھی اپنے مقدر سے راضی ہونا مطلوب ہے۔

عام طور پر مطلقاً کہا جاتا ہے کہ تقدیر پر راضی ہونا واجب ہے اور تکوین اور تشریع کا فرق نہیں کیا جاتا اور تشریع میں بھی ایمان اور کفر کے فرق کی وضاحت نہیں کی جاتی' میں نے کسی تفسیر اور حدیث کی شرح میں یہ فرق نہیں دیکھا' یہ خالص وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے صرف میرے دل میں القاء کی ہے اور یہ میری اس تفسیر کے خصائص میں سے ہے۔ وللہ الحمد علی ذالک

اللہ تعالیٰ کا کفر اور معصیت کو پسند نہ فرمانا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وہ اپنے بندوں کی ناشکری کو پسند نہیں کرتا۔ خواہ وہ بندے مومن ہوں یا کافر' اسی طرح وہ کفر کو بھی پسند نہیں کرتا' اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کفر اور معصیت کو پسند نہیں کرتا تو وہ اس کو پیدا نہ کرتا اور جب اللہ تعالیٰ نے کفر اور معصیت کو پیدا کیا ہے تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اس نے اس کو پسند کیا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ ارادہ اور رضا میں فرق ہے' جب کوئی انسان کفر اور معصیت کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے لیکن وہ کفر اور معصیت سے راضی نہیں ہوتا' وہ راضی صرف ایمان اور اطاعت سے ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ راضی ان کاموں سے ہوتا ہے جن کاموں کی دنیا میں اس نے تعریف اور تحسین کی ہے اور جن کاموں پر آخرت میں وہ اجر اور ثواب عطا فرمائے گا اور کفر اور معصیت پر اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ملامت اور مذمت کی ہے اور آخرت میں ان پر سزا اور عذاب دے گا' پس کفر اور معصیت سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوتا' ہاں اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا' جب بندوں نے کفر اور معصیت کو اختیار کیا تو اس نے ان کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا' کیونکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے وجود میں آتی ہے۔

جزاء کا مدار اعمال پر بھی ہے اور ان کے اسباب پر بھی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا' پھر تمہارے رب کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے' پھر وہ تم کو ان کاموں کی خبر دے گا جن کو تم (دنیا میں) کرتے تھے''۔

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ کوئی شخص دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ حالانکہ ایک حدیث میں ہے کہ قیامت تک جتنے قتل ہوتے رہیں گے ان سب کے گناہوں کا بوجھ قابیل کی گردن پر ہوگا' جو پہلا قاتل تھا' وہ حدیث یہ ہے:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی قتل کیا جائے گا اس کے گناہوں میں سے ایک حصہ پہلے ابن آدم پر ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۶۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۹۸۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۷۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۱۶' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۱۴۲' جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۷۴۴)

اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان جس فعل کا خود مرتکب ہو اس کو اس کی جزاء بھی ملتی ہے اور جس فعل کا وہ دوسروں کے لیے سبب بنے اس کو اس کی جزاء بھی دی جاتی ہے' جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اسلام میں کسی نیک طریقہ کو شروع کیا اس کو اپنے فعل کا اجر بھی ملے گا اور اس کے بعد جو لوگ اس طریقہ پر عمل کریں گے ان کا اجر بھی ملے گا اور بعد والوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس نے اسلام میں کسی بُرے طریقہ کو شروع کیا اسے اپنے فعل کا بھی گناہ ہوگا اور اس کے بعد جو لوگ اس طریقہ پر عمل کریں گے ان کے عمل کا بھی اس کو گناہ ہوگا اور بعد والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۵۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۳' جامع المسانید والسنن مسند جریر بن عبد اللہ رقم

الحدیث:۱۴۷۲)

نیک اعمال میں اس کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ماں باپ کے ایمان کی وجہ سے ان کی اولاد کو بھی جنت میں داخل فرما دے گا:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِیٍٔۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ O (الطور:۲۱)

اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کی پیروی کی' ہم ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ہم ان کے عمل میں سے کسی چیز کی کمی نہیں کریں گے' ہر شخص اپنے کیے ہوئے کاموں کے عوض گروی رکھا ہوا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہوا اس کو پکارتا ہے' پھر جب اللہ اپنی طرف سے اس کو کوئی نعمت عطا فرماتا ہے تو وہ بھول جاتا ہے کہ وہ اس سے پہلے کیا دعا کرتا رہا تھا اور اللہ کے شریک بنالیتا ہے' تاکہ (دوسروں کو) اس کی راہ سے منحرف کرے' آپ کہیے کہ تم اپنے کفر سے تھوڑا سا فائدہ اٹھالو' بے شک تم دوزخ والوں میں سے ہو O بے شک جو رات کے اوقات سجدہ اور قیام میں گزارتا ہے' آخرت (کے عذاب) سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت سے امید رکھتا ہے (کیا وہ بدعمل کافر کی مثل ہو سکتا ہے؟) آپ کہیے: کیا علم والے اور بے علم برابر ہیں' صرف عقل والے نصیحت حاصل کرتے ہیں O (الزمر:۹-۸)

راحت اور مصیبت ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا اور اس سے دعا کرنا ضروری ہے

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی عبادت کا مستحق ہے' اسی نے آسمانوں اور زمینوں کو بنایا ہے' اسی نے دن اور رات کے توارد اور تعاقب کا سلسلہ قائم کیا ہے اور اپنی الوہیت اور استحقاق عبادت کے دیگر دلائل بیان فرمائے تھے اور مشرکین کے شرک اور ان کی ناشکری کی مذمت کی تھی اور ان آیتوں میں ان کے عقائد کی مزید مذمت فرما رہا ہے کہ ان کے عقائد میں تضاد ہے' ایک طرف تو وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کرتے ہیں اور بتوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شریک کرتے ہیں اور دوسری طرف ان کا یہ حال ہے کہ جب ان کے جسم یا مال یا ان کی بیوی یا ان کی اولاد پر کوئی مصیبت آتی ہے تو اس مصیبت کو دور کرنے کے لیے وہ اللہ تعالیٰ کو پکارتے اور اللہ تعالیٰ سے اس مصیبت کی نجات کو طلب کرتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ ان سے اس مصیبت کو دور فرما دیتا ہے تو پھر وہ اللہ کی طرف رجوع کرنے کو ترک کر دیتے ہیں' گویا کہ انہوں نے کبھی اللہ تعالیٰ سے فریاد کی ہی نہ تھی اور پھر دوبارہ اپنے بتوں اور خود ساختہ خداؤں کی پرستش میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مشرکوں کے اس تضاد کو بیان کر کے یہ ظاہر فرمانا چاہتا ہے کہ عقل والوں کو مشرکوں کی ان دو حالتوں پر تعجب کرنا چاہیے اور ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے' اسی کو پکارنا چاہیے اور اسی سے مدد طلب کرنی چاہیے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ایک طویل نصیحت فرمائی اس میں آپ کا یہ ارشاد ہے:

اذا سئلت فاسئل اللہ و اذا استعنت فاستعن باللہ.

جب تم سوال کرو تو اللہ سے سوال کرو اور جب تم مدد طلب کرو تو اللہ سے مدد طلب کرو۔

امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۵۱۶' مسند احمد ج ۱ ص ۲۹۳' المعجم الکبیر رقم الحدیث:۱۲۹۸۸' عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی رقم الحدیث:۴۲۵' شعب الایمان رقم الحدیث:۱۷۴)

نیز اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ مصیبت میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اور راحت میں اللہ تعالیٰ کو بھول جانا یہ مشرکوں کا طریقہ

لہٰذا اگر انسان یہ چاہتا ہو کہ مصیبت میں اس کی دعا قبول ہو تو وہ راحت کے ایام میں اللہ تعالیٰ کو بہ کثرت یاد کرے۔

اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اس سے خوشی ہو کہ اللہ تعالیٰ مصائب کے اوقات میں اس کی دعاؤں کو قبول کرے اس کو چاہیے کہ وہ راحت کے ایام میں اللہ تعالیٰ سے بہ کثرت دعائیں کرے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۸۲، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۳۹۶، الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۱۹۹۰ طبع قدیم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے فضل سے سوال کرو کیونکہ اللہ عزوجل اس سے محبت کرتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۷۱، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۰۸۸، الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۶۶۵، جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۶۵۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو اللہ سے سوال نہیں کرتا اللہ اس پر غضب فرماتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۰۰، مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۲۷، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۶۵۵، المستدرک ج ۱ ص ۴۹۱، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۳۸۹)

تہجد کی نماز کے فضائل

الزمر: ۹ میں فرمایا: ”بے شک جو رات کے اوقات سجدہ اور قیام میں گزارتا ہے“۔

اس آیت میں ”قانت“ کا لفظ ہے، قانت کا معنیٰ ہے: جس شخص پر جو اطاعت اور عبادت واجب ہے وہ اس کے لیے قیام کرے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: القنوت کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا، قرآن مجید میں ہے: ”کُلٌّ لَّہٗ قٰنِتُوْنَ ○“۔ (البقرہ: ۱۱۶) نیز اس آیت میں ہے ”اٰناء اللیل“ اس کا معنیٰ ہے: رات کے اوقات، خواہ وہ رات کا اوّل وقت ہو، اوسط وقت ہو یا آخر وقت ہو۔ حدیث میں ہے: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

افضل الصلوۃ طول القنوت. سب سے افضل نماز وہ ہے جس میں لمبا قیام ہو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۵۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۲۱، جامع المسانید والسنن مسند جابر بن عبداللہ رقم الحدیث: ۲۰۲)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ رات کی نماز میں قیام کرنا دن کی نماز میں قیام کرنے سے افضل ہے، اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) رات کو عبادت کرنا عام لوگوں کی نماز سے مخفی ہوتا ہے، اس لیے رات کی عبادت ریاکاری سے زیادہ دور ہے۔

(۲) اندھیرا لوگوں کو دیکھنے سے مانع ہے اور لوگوں کا محو خواب ہونا ان کے سننے سے مانع ہے اور جب انسان کا دل باہر کے عوارض سے فارغ ہو تو وہ یک سوئی کے ساتھ عبادت میں مشغول ہوتا ہے۔

(۳) رات کا وقت نیند اور آرام کے لیے ہوتا ہے، انسان طبعی طور پر رات کو سونا چاہتا ہے اور طبعی تقاضوں کو ترک کر کے اللہ کی عبادت کرنا نفس پر زیادہ شاق اور مشکل ہے۔

تہجد کی نماز کے فضائل میں احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نماز میں اتنا قیام کرتے تھے کہ آپ کے

دونوں پیر سوج گئے تھے' تو حضرت عائشہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ اس قدر مشقت کیوں کرتے ہیں' حالانکہ اللہ نے آپ
تمام اگلے اور پچھلے ذنب (بہ ظاہر خلاف اولیٰ کام) معاف فرمادیئے ہیں' آپ نے فرمایا: کیا میں اس کو پسند نہ کروں کہ میں ال
کا شکر گزار بندہ ہو جاؤں' پھر جب آپ کا جسم بھاری ہو گیا تو آپ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے اور جب رکوع کا ارادہ کرتے
کھڑے ہو جاتے' پھر رکوع کرتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۳۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۴۸' صحیح مس
رقم الحدیث: ۱۱۱۸' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۱۰۴۰)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ذنب کی نسبت کی گئی ہے اور ذنب کا معنیٰ ہے گناہ اور رسول اللہ صلی ال
علیہ وسلم معصوم ہیں' پھر ذنب کا کیا محمل ہے؟ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا متوفی ۱۳۴۰ھ اس کی توجیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حسنات الابرار سیئات المقربین'' نیکوں کے جو نیک کام ہیں مقربوں کے حق میں گناہ ہیں' وہاں ترک اولیٰ
بھی گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے' حالانکہ ترک اولیٰ ہرگز گناہ نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۷۷' دار العلوم امجدیہ' کراچی)

نیز ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

مکروہ تنزیہی میں کوئی گناہ نہیں ہوتا' وہ صرف خلافِ اولیٰ ہے' نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان جواز کے لیے قصداً اب
کیا اور نبی قصداً گناہ کرنے سے معصوم ہوتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۴۵۰۔۴۴۹ طبع جدید' رضا فاؤنڈیشن لاہور' اپریل ۱۹۹۶ء)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک
سب سے پسندیدہ نماز' حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز ہے اور سب سے پسندیدہ روزے حضرت داؤد علیہ السلام کے روز
ہیں' وہ نصف رات سوتے تھے' پھر تہائی رات نماز میں قیام کرتے تھے' پھر رات کے چھٹے حصہ میں سوتے تھے (مثلاً اگر چھ گھن
کی رات ہو تو تین گھنٹے سوتے تھے' پھر دو گھنٹے نماز پڑھتے تھے' پھر ایک گھنٹہ سوتے تھے۔ علیٰ ہذا القیاس) اور ایک دن روزہ رکھ
تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۳۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۵۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۴۸' سنن النسائی ر
الحدیث: ۳۲۴۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۱۲' جامع المسانید والسنن مسند عبداللہ بن عمرو بن العاص رقم الحدیث: ۶۵۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تیرہ رکعت نماز پڑھتے تھے' ان رکعات میں و
اور سنت فجر شامل ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۳۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۳۴)

اسود بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں کس طر
نماز پڑھتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے
زیادہ نماز نہیں پڑھتے تھے' آپ چار رکعات نماز پڑھتے' تم ان کے حسن اور طول کو نہ پوچھو' پھر چار رکعات نماز پڑھتے' تم ان ک
حسن اور طول کو نہ پوچھو' پھر تین رکعات (نماز وتر) پڑھتے تھے' حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آ
وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں' آپ نے فرمایا: اے عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۳۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۴۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۳۹' سنن النسائی
الحدیث: ۱۶۹۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۹۳' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۳۱۵۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص جب سوتا
شیطان اس کی گدی پر یہ پڑھ کر تین گرہیں لگا دیتا ہے: ''تمہاری رات بہت لمبی ہے سو جاؤ'' جب وہ بیدار ہو کر اللہ کا ذکر
ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے اور جب وہ وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے اور جب وہ نماز پڑھتا ہے تو تیسری گرہ کھل جا

ہے پھر صبح کو وہ تروتازہ اور خوش گوار حال میں اٹھتا ہے ورنہ سستی کا مارا ہوا نحوست کے ساتھ اٹھتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۷۶، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۰۷)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص کا ذکر کیا گیا جو صبح تک سوتا رہتا ہے اور نماز کے لیے نہیں اٹھتا' آپ نے فرمایا: شیطان اس کے کان میں پیشاب کر دیتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۷۴، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۰۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۳۰، جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۱۸۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات کو جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو فرماتا ہے: کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کرلوں' کوئی ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو عطا کروں' کوئی ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے تو میں اس کو بخش دوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۵۸، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۳۱۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۶۶)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے عبداللہ! تم فلاں شخص کی مثل نہ ہو جانا' وہ پہلے رات کو نماز میں قیام کرتا تھا' پھر اس نے رات کے قیام کو ترک کر دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۵۲، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۴۴۸، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۲۴۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۱۲، جامع المسانید والسنن مسند عبداللہ بن عمرو بن العاص رقم الحدیث: ۸۴۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات میں ایک ایسی گھڑی آتی ہے کہ جس بندہ کو مل جائے وہ اس گھڑی میں دنیا اور آخرت کی جس چیز کا بھی سوال کرے تو اللہ اس کو عطا کر دیتا ہے اور یہ گھڑی ہر رات میں آتی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۵۷، جامع المسانید والسنن مسند جابر بن عبداللہ رقم الحدیث: ۱۵۴۷)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم رات کی نماز کے قیام کو لازم رکھو' کیونکہ یہ تم سے پہلے نیک لوگوں کا طریقہ ہے اور رات کے قیام سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور رات کا قیام گناہوں کو روکتا ہے اور گناہوں کا کفارہ ہے اور جسمانی بیماریوں کو دور کرتا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۴۸، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۵۰۲)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرو بن عبسہ نے کہا: انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب رات کے آخری حصہ میں ہوتا ہے' اگر تم اس وقت میں اللہ کو یاد کر سکتے ہو تو یاد کرو۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۷۹، مسند احمد ج ۴ ص ۱۱۱، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۲۷۷، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۱۴۷)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! کس وقت کی دعا سب سے زیادہ مقبول ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا: آدھی رات کو اور فرض نمازوں کے بعد۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹۹، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث: ۱۰۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جو رات کو نماز کے لیے اٹھا اور اس نے اپنی بیوی کو جگایا' پھر اس نے نماز پڑھی' اگر وہ اٹھنے سے انکار کرے تو اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے' اللہ اس عورت پر رحم فرمائے جو رات کو اٹھ کر نماز پڑھے اور اپنے شوہر کو جگائے' پھر وہ بھی نماز پڑھے اور اگر وہ اٹھنے سے منع کرے تو اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے ڈالے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۳۶، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۳۰۸، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۱۰، مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۰، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۱۴۸، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۵۶۷، المستدرک ج ۱ ص ۳۰۹، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۵۰۱)

سجدہ کی فضیلت پر دلائل

اس آیت کی ابتداء اللہ تعالیٰ نے عمل سے کی ہے اور اس کی انتہاء علم پر کی ہے' اس میں اس پر متنبہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی علم قابل شمار ہوتا ہے جو عمل کے ساتھ ہو کیونکہ بے علم شخص بالقوۃ گمراہ ہے' اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ جہل کی وجہ سے کسی بُرے عقیدہ کو یا بُرے عمل کو اختیار کرے اور بے عمل شخص بالفعل گمراہ ہے۔

پھر اس آیت میں ''قانت'' کا لفظ ذکر فرمایا' جس کا معنی ہے: دوام کے ساتھ اطاعت اور عبادت کرنے والا اور اس میں یہ بتایا ہے کہ عمل اس وقت مفید ہوتا ہے جب وہ دائمی ہو اور ''ساجدا و قائما'' کا ذکر فرمایا اور سجدہ کو قیام پر مقدم فرمایا' کیونکہ عبادت کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کے سامنے عجز کا اعتراف کرنا اور ذلت کو اختیار کرنا اور اقصیٰ غایت تذلل سجدہ میں ہوتا ہے' کیونکہ سجدہ میں انسان اپنے سب سے معزز عضو یعنی سر کو مٹی پر رکھ دیتا ہے۔ نیز عبادت سے مقصود ہے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا اور سب سے زیادہ اللہ کا قرب سجدہ میں ہوتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝ (العلق: ۱۹) سجدہ کر اور اللہ کے قریب ہو جا ۝

سجدہ کی فضیلت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ سجدہ کی حالت میں اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ پس تم (سجدہ میں) بہ کثرت دعا کرو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۸۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۷۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۱۳۷)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: مجھے وہ عمل بتایئے جو اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہو۔ آپ نے فرمایا: تم اللہ کو بہ کثرت سجدے کرو' کیونکہ تم جب بھی اللہ کے لیے سجدہ کرتے ہو تو وہ اس سے تمہارا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور تمہارا ایک گناہ مٹا دیتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۸۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۹۔۳۸۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۲۳)

حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتا تھا' میں آپ کے پاس آپ کے استنجاء اور وضو کے لیے پانی لے کر آیا' آپ نے مجھ سے فرمایا: کوئی سوال کرو' میں نے عرض کیا: میں جنت میں آپ کی رفاقت کا سوال کرتا ہوں' آپ نے فرمایا: کسی اور چیز کا بھی' میں نے کہا: مجھے یہ کافی ہے' آپ نے فرمایا: تم بہ کثرت سجدے کر کے (اس سوال کو پورا کرنے میں) میری مدد کرو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۸۹' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۳۲۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۱۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۱۳۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۷۷)

نماز میں قیام کی فضیلت پر دلائل

سجدہ کے بعد اس آیت میں قیام کا ذکر ہے اور نماز کے ارکان میں قیام کی بھی بہت فضیلت ہے' ہم قیام کی فضیلت میں یہ حدیث ذکر کر چکے ہیں: سب سے افضل نماز وہ ہے جس میں لمبا قیام ہو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۵۶)

نماز میں قیام کی فضیلت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ نماز کے تمام ارکان کی ادائیگی میں سب سے زیادہ مشقت قیام میں ہوتی ہے اور جس عبادت کی ادائیگی میں زیادہ مشقت ہو اس میں زیادہ اجر و ثواب ہوتا ہے۔

امام المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ میں بیان کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا:

ای الاعمال افضل فقال احمزھا. کون سے عمل میں سب سے زیادہ فضیلت ہے؟ فرمایا: جس میں سب سے زیادہ مشقت ہو۔

(النہایہ ج۱ ص۴۲۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

اس روایت کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

اسود بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یا رسول اللہ! لوگ دو عبادتیں (حج اور عمرہ) کر کے واپس جائیں گے اور میں ایک عبادت (صرف حج) کر کے واپس جاؤں گی، آپ نے فرمایا: تم انتظار کرو، پس جب تم حیض سے پاک ہو جاؤ تو تنعیم کی طرف جانا، پھر احرام باندھنا، پھر فلاں مقام پر آ کر ہم سے مل جانا، لیکن تمہارا عمرہ بہ قدر خرچ یا بہ قدر مشقت ہوگا (یعنی جس قدر عمرہ میں تمہارا خرچ ہوگا یا جس قدر اس میں مشقت ہوگی تم کو اس قدر اجر ملے گا)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۸۷، جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۱۲۳)

ایک اور حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

ان لک من الاجر قدر نصبک ونفقتک. بے شک تم کو بہ قدر مشقت اور بہ قدر خرچ اجر ملے گا۔

(سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۲۷۰۳، المستدرک ج۱ ص۴۷۱ طبع قدیم، المستدرک رقم الحدیث: ۱۷۳۳ طبع جدید)

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ لیلۃ القدر میں نماز پڑھنے میں مشقت کم ہوتی ہے اور اجر زیادہ ہوتا ہے، اسی طرح مسجد حرام میں نماز پڑھنے میں مشقت کم ہوتی ہے اور اجر زیادہ ہوتا ہے، اس لیے یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ جس عبادت میں مشقت زیادہ ہو اس میں اجر زیادہ ملتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ لیلۃ القدر اور کعبہ میں جو اجر زیادہ ملتا ہے وہ نفس عبادت کی وجہ سے نہیں ملتا بلکہ لیلۃ القدر اور کعبہ کی خصوصیت کی وجہ سے اجر زیادہ ملتا ہے، لہٰذا یہ قاعدہ کلیہ ہی ہے کہ جس عبادت میں زیادہ مشقت ہو اس میں اجر زیادہ ملتا ہے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

توضیح میں مذکور ہے کہ ہر نیک کام میں جس قدر زیادہ خرچ ہو یا جس قدر زیادہ مشقت ہو اس میں اس قدر زیادہ اجر ملتا ہے، اسی لیے امام شافعی اور امام مالک نے کہا ہے کہ سوار ہو کر حج کرنا مستحب ہے، اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیتیں ہیں۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ. جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا، ان کا درجہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا ہے۔ (التوبہ: ۲۰)

ان کا درجہ دوسرے مؤمنوں سے اس لیے بہت بڑا ہے کہ انہوں نے جہاد کے لیے اپنا مال خرچ کیا اور اپنے نفس پر مشقت برداشت کر کے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کے متعلق فرمایا:

اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ. صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا۔ (الزمر: ۱۰)

صبر کرنے والوں کو بھی بے حساب اجر اسی وجہ سے دیا جائے گا کہ باقی عبادات کی بہ نسبت صبر کرنے میں زیادہ مشقت ہے، اسی طرح جو شخص زیادہ دور سے سفر کر کے حج یا عمرہ کے لیے جائے گا یا زیادہ دور سے چل کر نماز پڑھنے جائے گا اس کو دوسروں کی بہ نسبت زیادہ مشقت ہوگی۔ (عمدۃ القاری ج۱۰ ص۱۷۶-۱۷۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اور میں کہتا ہوں کہ چونکہ نماز کے باقی ارکان کی بہ نسبت قیام میں زیادہ مشقت ہے اس لیے باقی ارکان کی بہ نسبت قیام

میں زیادہ فضیلت ہے' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں سجدہ اور قیام کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔
اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ صاحب الفردوس نے حضرت عثمان بن عفان سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ افضل عبادت وہ ہے جس میں سب سے زیادہ خفت اور آسانی ہو' تو میں کہوں گا: یہ غلط ہے' اصل میں اس حدیث میں عبادت کی جگہ عیادت کا لفظ ہے۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۲۹۸' کشف الخفاء ج ۱ ص ۱۵۵)
اور عیادت میں اصل یہ ہے کہ بہت تخفیف کے ساتھ عیادت کی جائے اور مریض کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھا جائے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:
حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے زیادہ اجر اس عیادت میں ہوتا ہے جس میں سب سے زیادہ تخفیف ہو اور تعزیت ایک مرتبہ کی جائے۔ (شعب الایمان ج ۶ ص ۵۴۲' رقم الحدیث: ۹۲۱۹)
سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے افضل عیادت وہ ہے جس میں عیادت کرنے والا مریض کے پاس سے جلدی اٹھ کر کھڑا ہو۔ (شعب الایمان ج ۶ ص ۵۴۳' رقم الحدیث: ۹۲۲۱)
امام ابو العالیہ بیان کرتے ہیں کہ غالب القطان ان کی عیادت کرنے کے لیے آئے اور تھوڑی دیر ٹھہر کر جانے کے لیے کھڑے ہو گئے تو ابو العالیہ نے کہا: عرب کس قدر عمدہ عیادت کرتے ہیں کہ مریض کے پاس زیادہ دیر نہیں ٹھہرتے' کیونکہ کبھی مریض کو کوئی کام ہوتا ہے اور وہ پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کی وجہ سے حیاء کرتا ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۲۲۴)
خلاصہ یہ ہے کہ عیادت اور تعزیت آسان اور خفیف طریقہ سے کرنی چاہیے اور عبادت کرنے میں جتنی مشقت ہوگی اتنا زیادہ اجر ہوگا اور نماز کے قیام میں چونکہ زیادہ مشقت ہوتی ہے اس لیے اس میں زیادہ اجر ہوتا ہے اور سجدہ میں ہر چند کہ مشقت زیادہ نہیں ہوتی لیکن اس میں چونکہ تواضع اور تذلل زیادہ ہے اس لیے اس میں بھی زیادہ اجر ہوتا ہے' اس وجہ سے اس آیت میں سجدہ اور قیام کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔
اس آیت میں فرمایا ہے: ''بے شک جو رات کے اوقات سجدہ اور قیام میں گزارتا ہے'' پس سجدہ اور قیام میں رات گزارنے والوں کے مصداق کون ہیں؟ اس سلسلہ میں حسب ذیل اقوال ہیں۔

سجدہ اور قیام میں رات گزارنے والوں کے مصادیق

امام عبد الرحمان بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت ابن عمر نے یہ اس لیے فرمایا کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ رات کو بہ کثرت نماز پڑھا کرتے تھے اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے حتیٰ کہ وہ ایک رکعت میں پورا قرآن مجید ختم کر لیتے تھے' حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔
(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۲۴۸' رقم الحدیث: ۱۸۳۷۸' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)
علامہ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ ھ نے اس سلسلہ میں حسب ذیل اقوال بیان کیے ہیں:
(۱) یحییٰ بن سلام نے کہا: اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔
(۲) ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔
(۳) حضرت ابن عمر نے کہا: اس سے مراد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔
(۴) الکلبی نے کہا: اس سے مراد حضرت عمار بن یاسر' حضرت صہیب' حضرت ابو ذر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم ہیں۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے مصداق کو متعین نہیں فرمایا' سو جو شخص بھی اپنی راتیں سجدہ اور قیام میں گزارتا ہے وہ اس آیت کا مصداق ہے۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۱۱۷ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

حسب ذیل آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے ان مقرب بندوں کا ذکر فرمایا ہے جن کی راتیں سجدے اور قیام میں گزرتی ہیں:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ○ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ○ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ○ (الفرقان: ۶۵۔۶۳)

اور رحمٰن کے (مقرب) بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل لوگ کلام کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں: سلام! ○ اور جو لوگ اپنے رب کے لیے سجدہ اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں ○ اور وہ لوگ یہ دعا کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم سے جہنم کا عذاب دور رکھنا' کیونکہ اس کا عذاب چمٹنے والا ہے ○

اسی طرح زمر: ۹ میں بھی فرمایا ہے: "بے شک جو رات کے اوقات سجدہ اور قیام میں گزارتا ہے' آخرت (کے عذاب) سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے (کیا وہ بدعمل کافر کی مثل ہو سکتا ہے؟)"۔

ان آیتوں میں ان جاہل صوفیاء کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ عذاب کے خوف سے عبادت کرنا یا جنت کی امید سے عبادت کرنا مذموم ہے' اللہ کی عبادت صرف اللہ کے لیے کرنی چاہیے' بے شک اعلیٰ مرتبہ یہی ہے کہ صرف اللہ کی رضا کے لیے عبادت کی جائے' لیکن دوزخ کے ڈر سے اور جنت کی طلب کے لیے بھی عبادت کرنا صحیح ہے' انبیاء علیہم السلام اور صالحین نے دوزخ سے پناہ اور جنت کی طلب کے لیے دعائیں کی ہیں' جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے اور یہ جاہل صوفیاء ان کی گرد راہ کو بھی نہیں پہنچتے' حافظ سیوطی نے اس آیت کی تفسیر میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے:

طلب ثواب کے لیے عبادت کرنے کا جواز اور طلب رضا کے لیے عبادت کرنے کا افضل ہونا

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک نوجوان کے پاس اس وقت گئے جب وہ مرض موت میں تھا' آپ نے اس سے پوچھا: تم کیا محسوس کرتے ہو؟ اس نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ کی قسم! میں اللہ سے (بخشش کی) امید رکھتا ہوں اور اپنے گناہوں سے ڈرتا ہوں' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس بندہ کے دل میں بھی یہ کیفیات جمع ہوں گی اللہ اس کو وہ عطا کر دے گا جس کی اسے امید ہے اور اس چیز سے اس کو محفوظ رکھے گا جس سے وہ ڈر رہا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۹۸۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۶۱' عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث: ۱۰۶۲' حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۲۹۲)

ہم گنہ گار لوگوں کے لیے اس حدیث میں بہت اطمینان اور سکون ہے۔

علامہ آلوسی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: اس آیت میں ان لوگوں کا رد ہے جو عذاب کے خوف اور بخشش کی امید سے عبادت کرنے کی مذمت کرتے ہیں اور وہ امام رازی ہیں۔ (روح المعانی جز ۲۳ ص ۳۶۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

میں کہتا ہوں: یہ امام رازی پر بہتان ہے' امام رازی نے ایسا کہیں نہیں لکھا' اس آیت کی تفسیر میں وہ فرماتے ہیں:

جب انسان اللہ تعالیٰ کی دائمی عبادت کرتا ہے تو پہلے اس پر اللہ تعالیٰ کی صفت قہر منکشف ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: "وهو يحذر الاخرة" اور وہ آخرت سے ڈرتا ہے' پھر اس کے بعد اس پر مقام رحمت منکشف ہوتا ہے' جیسا کہ اللہ نے فرمایا: "ويرجو رحمة ربه" اور وہ اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے' پھر اس پر دیگر علوم منکشف ہوتے ہیں جیسا کہ فرمایا: "هل يستوى

الذین یعلمون و الذین لا یعلمون''. کیا علم والے اور بے علم برابر ہیں؟
نیز لکھتے ہیں: مقام خوف میں فرمایا: وہ بندہ آخرت سے ڈرتا ہے اور خوف کی اس بندہ کی طرف نسبت کی اور امید کے مقام میں فرمایا: اور وہ بندہ اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے اور امید کی نسبت اپنے رب کی طرف کی' اس میں یہ دلیل ہے کہ خوف کی بہ نسبت امید کا درجہ اللہ تعالیٰ کی جناب کے زیادہ لائق ہے اور زیادہ کامل ہے۔
(تفسیر کبیر ج۹ ص ۴۲۹' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

غور فرمائیے! کہاں امام رازی کی تفسیر کے یہ عارفانہ نکات اور کہاں علامہ آلوسی کا بے سروپا بہتان۔
ہاں! اگر کسی شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ عبادت کا مستحق نہیں ہے اور وہ صرف جنت کی طلب اور دوزخ سے نجات کے لیے عبادت کرے اور وہ اللہ کی رضا کا طالب نہ ہو تو اس کا یہ عقیدہ کفریہ ہے اور ظاہر ہے کہ کسی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں ہوتا۔
امام رازی فرماتے ہیں: اہل تحقیق نے کہا ہے کہ عبادت کے تین درجات ہیں:
(۱) بندہ صرف ثواب کی طمع اور عذاب سے نجات کے لیے عبادت کرے اور یہ درجہ بہت گرا ہوا ہے کیونکہ اب حقیقت میں اس کا معبود طلب ثواب اور طلب نجات ہے اور اس نے اللہ تعالیٰ کو اس مطلوب کے لیے وسیلہ بنایا ہے اور جو مخلوق کے احوال کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ کو وسیلہ بنائے وہ بہت خسیس ہے۔
(۲) بندہ اللہ کی عبادت سے مشرف ہونے کے لیے عبادت کرے' یہ عبادت کا پہلے درجہ سے بلند درجہ ہے' تاہم یہ بھی کامل نہیں ہے' کیونکہ اس کا مقصود اللہ کی طرف نسبت کو حاصل کرنا ہے اور یہ نسبت اللہ تعالیٰ کی غیر ہے۔ سو اس کا مقصود اللہ تعالیٰ نہیں' اللہ تعالیٰ کا غیر ہے۔
(۳) بندہ اللہ تعالیٰ کی اس لیے عبادت کرے کہ وہ عبادت کا مستحق ہے اور خالق اور مالک ہے اور وہ بندہ اس کا عبد اور مملوک ہے اور معبود ہونا ہیبت اور غلبہ کا تقاضا کرتا ہے اور عبد ہونا عجز اور ذلت کا تقاضا کرتا ہے اور جو شخص اس قصد سے اللہ کی عبادت کرے گا اس کی عبادت' عبادت کا سب سے اشرف اور افضل مرتبہ ہے۔
(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۱۴' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ہم اپنی اس تفسیر میں کئی جگہ پر لکھ چکے ہیں کہ عبادت کا سب سے افضل مرتبہ یہ ہے کہ بندہ اس لیے اللہ کی عبادت کرے کہ اللہ نے اس کو عبادت کرنے کا حکم دیا ہے اور بندگی کا یہی تقاضا ہے کہ بندہ اللہ کے حکم کی اطاعت کرے اور دوسرا مرتبہ ہے کہ بندہ اللہ کی رضا کے حصول اور اس کے دیدار کی طلب کے لیے عبادت کرے' قرآن مجید میں ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ. (البقرہ: ۲۰۷)

اور بعض لوگ وہ ہیں جنہوں نے اللہ کی رضا کی طلب کے لیے اپنی جان کو فروخت کر دیا۔

اور عبادت کا تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ بندہ جنت کی طلب اور دوزخ سے نجات کے لیے عبادت کرے' مگر محض جنت دوزخ کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لیے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جنت کے طلب کرنے اور دوزخ سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَسَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ○ (آل عمران: ۱۳۳)

اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو جس کی پہنائی آسمان اور زمین ہیں' جس کو متقین کے لیے تیار کیا گیا ہے ○

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم اللہ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ اوسط جنت اور اعلیٰ جنت ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۷۴۲۳، مسند احمد رقم الحدیث: ۸۴۰۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے:

اللھم انی اعوذ بک من الکسل والھرم والمغرم والمـا ثم اللھم انی اعوذ بک من عذاب النار وفتنۃ النار. الحدیث

اے اللہ! میں سستی اور بڑھاپے اور قرض اور گناہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں' اے اللہ! میں دوزخ کے عذاب سے اور دوزخ کے فتنہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۷۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۸۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۰۸، جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۱۴۵۶)

عبادت کے ان تین مراتب کی جس طرح ہم نے تفصیل اور تحقیق کی ہے شاید کہ قارئین کو اور کسی کتاب میں نہ مل سکے' ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم. (الجمعۃ: ۴)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''آپ کہیے: کیا علم والے اور بے علم برابر ہیں''، ہم اس آیت کی تفسیر میں علم کی تعریف ذکر کریں گے اور علم کی فضیلت میں قرآن مجید کی آیات اور احادیث کو پیش کریں گے۔

حکماء اور متکلمین کی اصطلاح میں علم کی تعریف

حکماء کے نزدیک علم کی مشہور تعریف یہ ہے:

حصول صورۃ الشیء فی العقل. کسی شے کی صورت کا عقل میں حاصل ہونا۔

یہ تعریف وہم' شک' ظن' جہل مرکب' تقلید اور یقین کو شامل ہے۔

متکلمین کے نزدیک علم کی مشہور تعریف یہ ہے:

ھو صفۃ یتجلی بھا المذکور لمن قامت ھی بہ. عالم کے ذہن میں کسی چیز کا انکشاف' علم ہے۔

اس تعریف کا خلاصہ یہ ہے کہ علم انکشاف ذہنی کا نام ہے' یہ انکشاف تام اور غیر مشتبہ ہونا چاہیے' اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے کہ علم مقولہ کیف سے ہے یا مقولہ اضافت سے یا مقولہ انفعال سے' زیادہ صحیح یہ ہے کہ علم مقولہ کیف سے ہے' کیونکہ علم کیفیت نفسانیہ کا نام ہے۔ علم کی یہ دونوں تعریفیں ذوی العقول کے ساتھ خاص ہیں اور حیوانات کے ادراکات پر حقیقتاً علم کا اطلاق نہیں ہوتا۔

علم کا اطلاق علوم مدونہ پر بھی کیا جاتا ہے' مثلاً نحو اور فقہ وغیرہ پر' اسی طرح مسائل مخصوصہ پر بھی علم کا اطلاق کیا جاتا ہے' کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کو نحو کا یا فقہ کا علم ہے' یعنی اس شخص کو نحو یا فقہ کے مسائل کا علم ہے اور کبھی علم کا اطلاق ملکہ استحضار پر کیا جاتا ہے یعنی کسی شخص کو مثلاً فقہ کے مسائل کی بہ کثرت تکرار سے ایسی مہارت ہو جائے کہ جب بھی اس سے فقہ کا کوئی سوال کیا جائے وہ اس کا جواب دے سکے تو اس کی اس مہارت (ملکہ' پختہ صلاحیت) کو علم سے تعبیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں شخص فقہ کا عالم ہے۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ ص ۶۶-۶۵' مطبوعہ مصر' ۱۳۱۱ھ)

محدثین کی اصطلاح میں علم کی تعریف

ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

علم' مومن کے قلب میں ایک نور ہے جو فانوس نبوت کے چراغ سے مستفاد ہوتا ہے' یہ علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال'

افعال اور احوال کے ادراک کا نام ہے' جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات' صفات' افعال اور اس کے احکام کی ہدایت حاصل ہوتی ہے اگر یہ علم کسی بشر کے واسطے سے حاصل ہو تو کسبی ہے اور اگر بلاواسطہ حاصل ہو تو علم لدنی ہے۔

علم لدنی کی تین قسمیں ہیں: وحی' الہام اور فراست' وحی کا لغوی معنی ہے: سرعت سے اشارہ کرنا اور اصطلاحی معنی ہے: وہ کلام الٰہی جو نبی کے دل میں حاصل ہو جس کلام کے الفاظ اور معانی کا حضرت جبرائیل کے واسطے سے نبی پر نزول ہو' وہ کلامِ الٰہی یعنی قرآن مجید ہے اور جس کلام کے صرف معانی کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر نزول ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس معنیٰ کو اپنے الفاظ کے ساتھ تعبیر فرمائیں' وہ حدیث نبوی ہے' الہام کا لغوی معنیٰ ابلاغ ہے اور اصطلاح میں وہ علم حق ہے جس کا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر القاء کرتا ہے اور ان کو امور غیبیہ پر مطلع فرماتا ہے اور فراست وہ علم ہے جس میں ظاہری صورت کو دیکھ کر امور غیبیہ منکشف ہوتے ہیں' الہام میں ظاہری صورت کا واسطہ نہیں ہوتا' بلاواسطہ کشف ہوتا ہے اور فراست میں ظاہری صورتوں کا واسطہ ہوتا ہے اور الہام اور وحی میں یہ فرق ہے کہ الہام وحی کے تابع ہے اور وحی الہام کے تابع نہیں (نیز وحی سے حاصل ہونے والا علم قطعی ہے اور الہام سے حاصل ہونے والا علم ظنی ہے۔ سعیدی غفرلہٗ) علم یقین دلائل سے حاصل ہوتا ہے' عین الیقین مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے اور حق الیقین تجرد سے واصل ہونے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ (مرقات ج ۱ ص ۲۶۴' ملتان' ۱۳۹۰ھ)

علم دین کی تفصیل

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں:

جب علم کا لفظ مطلقاً بولا جائے تو اس سے مراد علم دین ہوتا ہے اور اس کی متعدد اقسام ہیں:

(۱) اللہ عزوجل کی معرفت کا علم' اس کو علم الاصل کہتے ہیں۔

(۲) اللہ عزوجل کی طرف سے نازل شدہ چیزوں کا علم' اس میں علم نبوت اور علم احکام اللہ بھی داخل ہے۔

(۳) کتاب وسنت کی نصوص اور ان کے معانی کا علم' اس میں مراتب نصوص' ناسخ اور منسوخ' اجتہاد' قیاس' صحابہ' تابعین اور تبع تابعین کے اقوال کا علم اور ان کے اتفاق اور اختلاف کا علم بھی داخل ہے۔

(۴) جن علوم سے کتاب وسنت کی معرفت اور احکام شرعیہ کا علم ممکن ہو' اس میں لغت عرب' نحو' صرف اور محاورات عرب کی معرفت داخل ہے۔

جو شخص علم دین کے حصول کا ارادہ کرے اور وہ اہل عرب سے نہ ہو اس پر لازم ہے کہ وہ پہلے عربی زبان اور اس کے قواعد کا علم حاصل کرے اور اس میں مہارت پیدا کرے' پھر قرآن مجید کے علم کو حاصل کرے اور بغیر احادیث کی معرفت کے قرآن مجید کے معانی کی وضاحت ممکن نہیں ہے اور احادیث کا علم' آثار صحابہ کی معرفت کے بغیر ممکن نہیں ہے اور آثار صحابہ کی معرفت کے لیے تابعین اور تبع تابعین کے اقوال کی معرفت ضروری ہے' کیونکہ علم دین ہم تک اسی طرح درجہ بہ درجہ پہنچا ہے اور جب قرآن' سنت' آثار صحابہ اور اقاویل تابعین کا علم حاصل ہو جائے تو پھر اجتہاد کرے اور مقدمین کے مختلف اقوال میں غور کرے اور جو قول اس کے نزدیک دلائل سے راجح ہو اس کو اختیار کرے اور جو نئے مسائل پیدا ہوں ان کا قیاس کے ذریعہ عمل تلاش کرے۔ (شعب الایمان ج ۲ ص ۲۵۱)

علم کی فضیلت میں قرآن مجید کی آیات

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِؕ (آل عمران: ۱۸)

اللہ نے گواہی دی ہے کہ اس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں ہے اور فرشتوں اور علم والوں نے (یہ گواہی دی) درآں حالیکہ

جلد

قائم بالعدل تھے ○

اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنی شہادت کا ذکر کیا' پھر فرشتوں کی شہادت کا اور پھر اہل علم کی شہادت کا اور یہ اہل علم کی بڑی عزت افزائی ہے۔

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ. (المجادلہ:١١)

تم میں سے جو کامل ایمان والے اور علم والے ہیں' اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جنت میں عام مسلمانوں کی بہ نسبت علماء سات سو درجہ بلند ہوں گے۔

(احیاء العلوم وقوت القلوب)

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ. (الزمر:٩)

آپ فرما دیجئے: کیا جو لوگ جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے' برابر ہیں؟

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا. (فاطر:٢٨)

اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء اللہ سے ڈرتے ہیں۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ○ (الرعد:٤٣)

آپ فرما دیجئے: میرے اور تمہارے درمیان کافی گواہ' اللہ ہے اور وہ جس کے پاس (آسمانی) کتاب کا علم ہے ○

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ○ (العنکبوت:٤٣)

اور یہ مثالیں جن کو ہم لوگوں کے لیے بیان فرماتے ہیں ان کو صرف علم والے سمجھتے ہیں ○

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ. (النساء:٨٣)

اور اگر وہ اس کو رسول اور صاحبان امر کی طرف لوٹا دیتے تو اس (کی مصلحت) کو وہ لوگ جان لیتے جو ان میں سے استنباط کر سکتے ہیں۔

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ. (العنکبوت:٤٩)

بلکہ یہ ان لوگوں کے سینہ میں روشن آیتیں ہیں جنہیں علم دیا گیا ہے۔

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ○ (النساء:١١٣)

اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی اور جن چیزوں کا آپ کو (پہلے) علم نہیں تھا ان کا علم دے دیا' اور (یہ) آپ پر اللہ کا عظیم فضل ہے ○

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ○ (طٰہٰ:١١٤)

اور دعا کیجئے کہ اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ فرما ○

علم کی فضیلت میں احادیث

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کے لیے خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے (یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے)۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٧١' صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٠٣٧' مسند احمد ج ا ص ٣٠٦' سنن الدارمی رقم الحدیث: ٢٣١' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ١٠٧٩' شرح السنۃ رقم الحدیث: ١٣٢' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ٩١٤)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص علم ڈھونڈنے کے لیے کسی

راستہ پر چلا' اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کی طرف راستہ کو آسان کر دیتا ہے۔(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۶۴۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص علم کی طلب میں نکلا وہ واپس آنے تک اللہ کی راہ میں ہے۔(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۶۴۷' المعجم الصغیر رقم الحدیث:۳۸۰' حلیۃ الاولیاء ج ۱۰ ص ۲۹۰' جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث:۱۴۷۴)

حضرت سنجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص علم کی طلب کے لیے نکلا تو اس کا نکلنا اس کے پچھلے گناہوں کے لیے کفارہ ہو جاتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۶۴۸' سنن الدارمی رقم الحدیث:۵۶۷' المعجم الکبیر رقم الحدیث:۶۶۱۶)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص علم کی طلب میں کسی راستہ پر گیا اللہ جنت کے راستوں کو اس کے لیے آسان کر دیتا ہے اور فرشتے طالب علم کی رضا کے لیے اپنے پر جھکاتے ہیں اور آسمانوں اور زمینوں کی تمام مخلوق طالب علم کی مغفرت کے لیے دعا کرتی ہے' حتیٰ کہ پانی میں مچھلیاں بھی' اور بے شک عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر ہے اور بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء کسی کو دینار اور درہم کا وارث نہیں بناتے' وہ علم کا وارث بناتے ہیں سو جس نے علم کو حاصل کیا اس نے عظیم حصہ کو حاصل کیا۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۳۶۴۲' سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۶۸۲' مسند احمد ج ۵ ص ۱۱۹۶)

حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ طالب کی رضا کو طلب کرنے کے لیے فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں۔(تاریخ دمشق ج ۷ ص ۱۳' رقم الحدیث:۱۷۷۶' جمع الجوامع ج ۵ ص ۱۱۷' رقم الحدیث:۱۳۸۸۳' کنز العمال رقم الحدیث:۲۸۷۲۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ ص ۹۶)

امام ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں: فرشتوں کے پر جھکانے یا پر بچھانے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ طالب علم کی تعظیم اور توقیر کرتے ہیں' یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اپنا اڑنا موقوف کر کے طالب علم کے ساتھ رہنے کو اختیار کرتے ہیں' ایک قول یہ ہے کہ وہ اپنے پروں پر طالب جہاں جانا چاہے اس کو اٹھا کر لے جاتے ہیں یعنی اس کی مدد کرتے ہیں۔

(جامع الاصول ج ۸ ص ۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم کی تین قسمیں ہیں' اس کے ماسوا زائد ہیں (۱) آیت محکمہ (۲) سنت محکمہ (۳) یا فریضہ عادلہ۔(سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۲۸۸۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۵۴' جامع الاصول رقم الحدیث:۵۸۳۳' جامع المسانید والسنن مسند عبد اللہ بن عمرو بن العاص رقم الحدیث:۵۹۷)۔

آیت محکمہ سے مراد یہ ہے کہ قرآن مجید کی ان آیات کا علم ہو جن میں کوئی اشتباہ یا اختلاف نہ ہو اور وہ منسوخ نہ ہوں اور سنت قائمہ سے مراد یہ ہے کہ وہ احادیث صحیحہ جن کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو اور فرائض عادلہ سے مراد ہے: اس کو احکام شرعیہ کا علم ہو' خلاصہ یہ ہے کہ عالم وہ شخص ہے جس کو قرآن مجید' احادیث اور فقہ کا علم ہو اور جب اس سے دین کی کسی چیز کے متعلق سوال کیا جائے تو وہ قرآن مجید' کتب احادیث اور کتب فقہ سے اس کو بتا سکے۔

کثیر بن عبد اللہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے میری سنتوں میں سے کسی ایسی سنت کو زندہ کیا جس پر عمل کو لوگ ترک کر چکے تھے اس کو بھی اس کے بعد لوگوں کے اس پر عمل کرنے کا اجر ملے گا اور ان لوگوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس نے کسی گمراہ کام والی بدعت کو ایجاد کیا جس سے اللہ اور اس کا رسول ناراض ہو' اس کو اس کے بعد لوگوں کے اس پر عمل کرنے کا گناہ ہوگا اور لوگوں کے گناہوں میں کوئی کمی

...ہوگی۔(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۶۷۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۰۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک فقیہ (احکام شرعیہ کا عالم) شیطان پر ایک ہزار عابدوں کی بہ نسبت زیادہ سخت ہوتا ہے۔(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۶۸۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۲۲، المعجم الکبیر رقم الحدیث:۱۱۰۹۹، الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۱۰۰۴، جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث:۳۲۰۲)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عالم کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جس طرح چاند کی فضیلت ستاروں پر ہے۔(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۶۸۲، مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۶، سنن الدارمی رقم الحدیث:۳۴۹، سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۳۶۴۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۲۳، صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۸۸)

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو شخصوں کا ذکر کیا گیا، ان میں سے ایک عابد تھا اور دوسرا عالم تھا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عالم کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جس طرح میری فضیلت تم میں سے کسی ادنیٰ شخص پر ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے اور تمام آسمانوں اور زمینوں والے حتیٰ کہ چیونٹیاں بھی اپنے بلوں میں اور حتیٰ کہ مچھلیاں بھی پانی میں نیکی کی تعلیم دینے والے پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں (اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرماتا ہے اور باقی رحمت کی دعا کرتے ہیں)۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۶۸۵، المعجم الکبیر رقم الحدیث:۷۹۱۱)

حسان بن سنان بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: طالب علم، جاہلوں کے درمیان اس طرح ہے جس طرح زندہ مُردوں کے درمیان ہو۔(جمع الجوامع رقم الحدیث:۱۳۸۸۲، کنز العمال رقم الحدیث:۲۸۷۲۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: طالب علم، طالبِ رحمت ہے، طالب علم، اسلام کا رکن ہے، اس کو نبیوں کے ساتھ اجر دیا جائے گا۔(جمع الجوامع رقم الحدیث:۱۳۸۸۴، کنز العمال رقم الحدیث:۲۸۸۳۴_۸۷۲۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے لیے علم کو طلب کرنے والا، اللہ کے نزدیک مجاہد فی سبیل اللہ سے افضل ہے۔(جمع الجوامع رقم الحدیث:۱۳۸۸۵)

حضرت عمار اور حضرت انس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے لیے علم کی طلب کرنے والا اس شخص کی مثل ہے جو اللہ کے لیے صبح اور شام جہاد کرنے والا ہو۔(جمع الجوامع رقم الحدیث:۱۳۸۸۶، کنز العمال رقم الحدیث:۲۸۷۲۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل کا علم، اس نے کہا: یا رسول اللہ! کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل کا علم، اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں آپ سے عمل کے متعلق سوال کر رہا ہوں اور آپ مجھے علم کی خبر دے رہے ہیں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کم عمل علم کے ساتھ نفع دیتا ہے اور زیادہ عمل جہل کے ساتھ نفع نہیں دیتا۔(جامع بیان العلم وفضلہ رقم الحدیث:۲۱۴، دار ابن الجوزیہ، ریاض، ۱۴۱۹ھ)

قُلْ یٰعِبَادِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّکُمْ ؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ

آپ کہیے: اے میرے ایمان دار بندو! اپنے رب سے ڈرتے رہو، جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک کام کیے ہیں

هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا يُوَفَّى

ان کے لیے اچھا اجر ہے اور اللہ کی زمین بہت وسیع ہے، صرف صبر کرنے والوں کو ہی ان کا

الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿١٠﴾ قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ

پورا پورا بے حساب اجر دیا جائے گا○ آپ کہیے کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اس کی

اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ﴿١١﴾ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٢﴾

اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے○ اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان بنوں○

قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّیْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٣﴾ قُلِ

آپ کہیے: اگر میں نے (بالفرض) اپنے رب کی نافرمانی کی تو مجھے (بھی) بڑے دن کے عذاب کا خطرہ ہے○ آپ کہیے:

اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِیْ ﴿١٤﴾ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ

میں صرف اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں، اسی کی اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے○ پس تم اس کے سوا جس کی عبادت

قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

کرتے ہو کرتے رہو، آپ کہیے: بے شک نقصان اٹھانے والے تو وہی لوگ ہیں جو خود اور ان کے اہل وعیال قیامت کے دن

اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿١٥﴾ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ

نقصان اٹھائیں گے، سو یہی کھلا ہوا نقصان ہے○ ان کے اوپر بھی آگ کے سائبان ہوں گے

وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ يٰعِبَادِ

اور ان کے نیچے بھی آگ کے سائبان ہوں گے، یہ وہ عذاب ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، اے میرے بندو!

فَاتَّقُوْنِ ﴿١٦﴾ وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْۤا

سو تم مجھ سے ڈرتے رہو○ اور جن لوگوں نے بتوں کی عبادت سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف رجوع کیا

اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿١٧﴾ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ

ان ہی کے لیے بشارت ہے، سو آپ میرے بندوں کو بشارت دیجئے○ جو غور سے بات سنتے ہیں، پھر احسن بات کی

فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمْ

پیروی کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت پر جما رکھا ہے

أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿١٨﴾ أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ أَفَأَنْتَ

اور یہی عقل والے ہیں O جس کے متعلق عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے کیا آپ

تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ﴿١٩﴾ لَٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِنْ

اس کو دوزخ سے چھڑا لیں گے؟ O لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لیے

فَوْقِهَا غُرَفٌ مَبْنِيَّةٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَعْدَ اللَّهِ ۖ لَا يُخْلِفُ

(جنت میں) بالا خانے ہیں، ان کے اوپر اور بالا خانے بنے ہوئے ہیں، ان کے نیچے سے دریا جاری ہیں، یہ اللہ کا وعدہ ہے

اللَّهُ الْمِيعَادَ ﴿٢٠﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَهُ

اور اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا O کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمان سے پانی نازل فرماتا ہے،

يَنَابِيعَ فِي الْأَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ثُمَّ يَهِيجُ

پھر اس سے زمین میں چشمے جاری کرتا ہے، پھر اس سے مختلف قسم کی فصل اگاتا ہے، پھر آپ دیکھتے ہیں

فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهُ حُطَامًا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ

کہ وہ فصل پک کر زرد ہو جاتی ہے، پھر وہ اس کو چورا چورا کر دیتا ہے، بے شک اس میں

لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿٢١﴾

عقل والوں کے لیے ضرور نصیحت ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے: اے میرے ایمان دار بندو! اپنے رب سے ڈرتے رہو، جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک کام کیے ہیں ان کے لیے اچھا اجر ہے اور اللہ کی زمین بہت وسیع ہے، صرف صبر کرنے والوں کو ہی ان کا پورا پورا بے حساب اجر دیا جائے گا O آپ کہیے کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اس کی اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے O اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان بنوں O (الزمر: ۱۲۔۱۰)

نیک اعمال کے اجر حسن سے مراد دنیا کا اجر نہیں، آخرت کا اجر ہے

اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ علم والے اور بے علم برابر نہیں ہیں اور اب مؤمنین کو یہ حکم دے رہا ہے کہ وہ

ع ۲
۱۲
۱۶

ایمان لانے کے بعد تقویٰ کو حاصل کریں، تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کریں یعنی فرائض کو ترک نہ کریں اور حرام کا ارتکاب نہ کریں، یہ تقویٰ کا پہلا مرتبہ ہے اور تقویٰ کا دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ صغیرہ گناہوں سے اجتناب کریں یعنی واجبات کو ترک نہ کریں اور مکروہات تحریمہ کا ارتکاب نہ کریں اور تقویٰ کا تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ خلاف سنت اور خلاف اولیٰ کا ارتکاب نہ کریں۔

چونکہ ایمان لانے کے بعد تقویٰ کے حصول کا حکم دیا ہے، اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اعمال ایمان میں داخل نہیں ہیں اور فسق سے ایمان زائل نہیں ہوتا اور معتزلہ اور خوارج کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ فسق سے ایمان زائل ہو جاتا ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک کام کیے ہیں ان کے لیے اچھا اجر ہے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اچھے اجر سے مراد صحت اور عافیت ہے اور خوش حالی اور فارغ البالی ہے، لیکن یہ تفسیر صحیح نہیں ہے کیونکہ دنیا میں صحت، عافیت اور خوش حالی تو کفار کو بھی حاصل ہوتی ہے، اکثر مؤمنین اور صالحین تو تنگی اور مفلسی میں زندگی گزارتے ہیں۔

اس کی تائید اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۵۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۲۴)

اور بلاؤں اور بیماریوں میں صالحین کے مبتلاء ہونے کے متعلق یہ احادیث ہیں:

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! لوگوں میں سب سے زیادہ مصائب میں کون مبتلا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: انبیاء، پھر جو ان کے قریب ہو، پھر جو ان کے قریب ہو، ہر شخص اپنے دین کی مقدار کے اعتبار سے مصائب میں مبتلا ہوتا ہے، اگر وہ اپنے دین میں سخت ہوتا ہے تو اس کی مصیبت سخت ہوتی ہے اور اگر وہ اپنے دین میں نرم ہوتا ہے تو اس کی مصیبت بھی اس کے اعتبار سے ہوتی ہے، بندہ پر اسی طرح مصائب آتے رہتے ہیں حتیٰ کہ وہ اس حال میں زمین پر چلتا ہے کہ اس کے اوپر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۳۳، مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۲، سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۷۸۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۲۳، مسند البزار رقم الحدیث: ۱۱۵۰، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۸۳۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۹۰۱، المستدرک ج ۱ ص ۴۱، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۶۸، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۷۲، شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۷۷۵، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۴۳۴)

ابراہیم بن مہدی اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جب اللہ کے نزدیک کسی بندہ کا مرتبہ اس قدر بلند ہوتا ہے کہ وہ اپنے عمل سے اس مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے جسم میں یا اس کے مال میں یا اس کی اولاد کے مصائب میں مبتلا کر دیتا ہے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۰۹۰، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۴۰۱)

اس لیے اس آیت میں جو فرمایا ہے: ''جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک کام کیے ہیں ان کے لیے اچھا اجر ہے'' اس اچھے اجر سے مراد دنیا میں اچھا اجر ملنا مراد نہیں ہے کہ نیک کام کرنے والے بہت صحت مند اور خوشحال ہوتے ہیں، جیسا کہ مذکور الصدر احادیث سے واضح ہو گیا ہے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کو آخرت میں اچھا اجر ملے گا، اللہ تعالیٰ ان کو جنت عطا فرمائے گا اور اپنی رضا اور اپنے دیدار سے نوازے گا۔

اللہ کی زمین کی وسعت کے تین محامل: دنیا کی زمین کی وسعت' جنت کی زمین کی وسعت ۔۔۔ اور رزق کی وسعت

اس کے بعد فرمایا: ''اور اللہ کی زمین بہت وسیع ہے''۔

اس سے مراد یہ ہے کہ اگر مسلمان کافروں کے ملک میں ہوں اور وہاں ان کو اسلام کے احکام پر عمل کرنے کی آزادی نہ ہو اور وہاں رہنے کی وجہ سے ان کے ایمان' ان کی عزت اور ان کی جان کو خطرہ ہو تو اللہ کی زمین بہت وسیع ہے' وہ کافروں کے ملک سے ہجرت کر کے مسلمانوں کے ملک میں چلے جائیں یا کسی ایسے کافر ملک میں چلے جائیں جہاں انہیں اسلام کے احکام پر عمل کرنے کی آزادی ہو اور کوئی خطرہ نہ ہو۔ اس کی زیادہ وضاحت حسب ذیل آیت میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ (النساء: ۹۷)

جب فرشتوں نے ان لوگوں کی روحوں کو قبض کیا جو اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے' فرشتوں نے کہا: تم کس کیفیت میں تھے؟ انہوں نے جواب دیا: ہم زمین میں کم زور تھے' فرشتوں نے کہا: کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے' یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے ۝

یہ آیت ان مسلمانوں کے متعلق نازل ہوئی جو مکہ اور اس کے قرب و جوار میں رہتے تھے اور اپنے وطن اور خاندان کی محبت کی وجہ سے ہجرت سے گریز کر رہے تھے' ابتداء میں ہجرت کرنا فرض تھا تا کہ مدینہ میں مسلمانوں کو قوت حاصل ہو اور ان کی مرکزیت قائم ہو' پھر جب مکہ فتح ہو گیا تو پھر ہجرت فرض نہیں رہی' اس پر دلیل حسب ذیل احادیث ہیں:

عطاء بن ابی رباح بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبید بن عمیر لیثی کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زیارت کی اور آپ سے ہجرت کے حکم کے متعلق سوال کیا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اب ہجرت (فرض) نہیں ہے' مسلمان اپنے دین کو بچانے کے لیے اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ کی طرف اس خطرہ سے بھاگتے تھے کہ وہ کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں' اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرما دیا ہے اور مسلمان جہاں چاہے اللہ کی عبادت کر سکتا ہے' لیکن جہاد اور نیت باقی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۰۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۶۴' جامع الاصول رقم الحدیث: ۹۲۱۶' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۲۴۰۱)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہجرت (فرض) نہیں ہے۔

(سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۱۷۷' جامع الاصول رقم الحدیث: ۹۲۱۷' جامع المسانید والسنن مسند عمر بن الخطاب رقم الحدیث: ۲۷۰)

حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! لوگ کہتے ہیں کہ جنت میں مہاجر کے سوا اور کوئی داخل نہیں ہو گا' آپ نے فرمایا: فتح مکہ کے بعد ہجرت (فرض) نہیں ہے' لیکن جہاد اور نیت ہے' جب تم کو جہاد کے لیے بلایا جائے تو چلے جاؤ۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۱۸۰)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے کہا: یا رسول اللہ! کون سی ہجرت افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: تم ان کاموں سے ہجرت کر لو (یعنی ان کاموں کو ترک کر دو) جو تمہارے رب کو ناپسند ہیں۔ الحدیث

(سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۱۷۶' جامع الاصول رقم الحدیث: ۹۲۱۸)

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ ابتداء اسلام میں ہجرت کرنا فرض تھا اور اب ہجرت کرنا فرض نہیں ہے' ہاں جس جگہ

مسلمانوں کے ایمان' ان کی عزت اور ان کی جان کا خطرہ ہو اور جہاں اسلام کے احکام پر عمل کرنا مشکل اور دشوار ہو وہاں سے ہجرت کرنا فرض ہے اور اللہ کی زمین بہت وسیع ہے کا معنیٰ یہ ہے کہ جس جگہ بھی انسان اللہ کے احکام پر عمل کرنے کے لیے جائے وہ جگہ بہت وسیع ہے۔

اس آیت کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ اللہ کی زمین سے مراد ہے: جنت کی زمین' یعنی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے نیک عمل کی وجہ سے اچھا اجر عطا فرمائے گا اور جنت کی عطا سے نوازے گا اور جنت کی زمین بہت وسیع ہے۔ جنت کی زمین پر اس آیت میں دلیل ہے:

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ○ (الزمر: ۷۴)

اور انہوں نے کہا: اللہ ہی کے لیے حمد ہے جس نے اپنے وعدہ کو سچا کر دیا اور ہمیں اس زمین کا وارث بنا دیا کہ ہم جہاں چاہیں جنت میں قیام کرلیں' پس (نیک) عمل کرنے والوں کا کیسا اچھا اجر ہے ○

ان دو تفسیروں میں پہلی تفسیر راجح ہے یعنی زمین کی وسعت سے مراد دنیا کی زمین کی وسعت ہے یعنی دنیا کی زمین بہت وسیع ہے' تم جس جگہ جا کر اسلام کے احکام پر آزادی کے ساتھ عمل کرسکو وہاں رہو۔ اس کی زیادہ تفسیر ہم نے النساء: ۹۷ میں کی ہے۔

اس آیت کی تفسیر کا تیسرا محمل یہ ہے کہ زمین کی وسعت سے مراد ہے رزق کی وسعت' کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں کو زمین سے رزق دیتا ہے' سو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ کا رزق بہت وسیع ہے اور یہ معنیٰ اس لیے مناسب ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی نعمت اور اپنے احسان کا ذکر فرما رہا ہے۔

صبر کے معانی

اس کے بعد فرمایا: "صرف صبر کرنے والوں کو ہی پورا پورا بے حساب اجر دیا جائے گا"۔

صبر کا معنیٰ ہے: نفس کو شریعت اور عقل کے تقاضوں پر جمائے رکھنا' اختلاف مواقع کے اعتبار سے اس کے مختلف معانی ہیں:

(۱) کسی مصیبت اور غم کے برداشت کرنے کو صبر کہتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں ہے ماتم کرنا' واویلا کرنا' نوحہ کرنا' رونا پیٹنا' بے چینی اور بے قراری کا اظہار کرنا۔

(۲) میدان جنگ میں بہادری کے ساتھ ثابت قدم رہنے کو بھی صبر کہتے ہیں' اس کے مقابلہ میں ہے بزدلی۔

ان دونوں معنیٰ میں قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ. (البقرہ: ۱۷۷)

تنگ دستی' مصیبت اور جنگ کے وقت صبر کرنے والے۔

(۳) عبادت کی مشقت پر اپنے نفس کو جمائے رکھنا' اس کے مقابلہ میں معصیت اور نافرمانی ہے۔

(۴) غلبہ شہوت کے وقت اپنے آپ کو گناہ سے روکنا' اس کے مقابلہ میں فحشاء اور فسق و فجور ہے۔

(۵) غلبۂ غضب کے وقت اپنے آپ کو زیادتی سے روکنا' اس کے مقابلہ میں عدوان اور سرکشی ہے۔

ان معانی کے استعمال میں قرآن مجید کی یہ آیات ہیں:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا. (آل عمران: ۲۰۰)

اے ایمان والو! عبادت کی مشقت پر ثابت قدم رہو اور جنگ کی شدت میں جمے رہو اور جہاد کے لیے تیار رہو۔

''صابروا'' کا یہ معنیٰ بھی ہے: اپنی ناجائز خواہشات کے خلاف جہاد کرتے رہو۔

فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ (مریم:۶۵) سو آپ اسی کی عبادت کریں اور اسی کی عبادت پر جے رہیں۔

(۶) صبر کا ایک معنیٰ روزہ بھی ہے یعنی طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک اپنے نفس کو کھانے پینے اور عمل زوجیت سے روکے رکھنا' اس کے مقابلہ میں افطار ہے' حدیث میں ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صوم شهر الصبر و ثلاثة ايام من كل شهر يذهبن وحر الصدر. صبر کے مہینہ کے روزے اور ہر ماہ کے تین روزے سینہ کے کینہ اور غصہ کو دور کر دیتے ہیں۔

(مسند البزار رقم الحدیث:۱۰۵۴' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث:۴۴۲' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کے رجال صحیح ہیں)

صبر کا بے حساب اجر عطا فرمانے کی وجوہ

جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت حساب سے کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو حساب سے اجر دے گا' مثلاً اس کی زکوٰۃ ۲۵۵ روپے بنتی ہے تو وہ ۲۵۵ روپے ہی اللہ کی راہ میں دے گا ۲۵۶ روپے نہیں دے گا اور اس کا صدقہ فطر ۳۱ روپے بنتا ہے تو وہ ۳۱ روپے ہی دے گا ۳۲ روپے نہیں گا' اس کے ذمہ ایک جانور کی قربانی ہے تو وہ ایک جانور ہی کی قربانی کرے گا دو جانوروں کی قربانی نہیں کرے گا' وہ پانچ وقت کی فرض نمازیں ہی پڑھے گا' اس سے زائد نمازیں نہیں پڑھے گا' اسی طرح ایک ماہ کے فرض روزے ہی رکھے گا' اس سے زیادہ روزے نہیں رکھے گا' صرف ایک فرض حج ادا کرے گا' اس کے بعد حج نہیں کرے گا۔ سو جو شخص اللہ کی عبادت حساب سے کرے گا وہ اس کو حساب سے اجر دے گا اور جو اللہ کی عبادت بے حساب کرے گا اس کو وہ بے حساب اجر دے گا' وہ زکوٰۃ' نماز' روزہ اور حج میں حساب نہیں رکھے گا' وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتا رہے گا اور اس کی عبادت کرتا رہے گا خواہ مقدار فرض سے کسی قدر زیادہ ادا ہو جائے۔

امام رازی نے اس کا یہ معنیٰ بیان کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس کے استحقاق عبادت کے لحاظ سے اجر دیتا تو یہ حساب سے اجر ہوتا' لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنے فضل سے اجر عطا فرمائے گا اور اس کا فضل بے حساب ہے' اس لیے وہ بے حساب اجر دے گا۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۳۱' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے بھی عمدہ معنیٰ بیان کیا ہے لیکن اس میں بے حساب اجر کے ساتھ صبر کرنے والوں کی خصوصیت ظاہر نہیں ہوتی اور ہم نے جو معنیٰ بیان کیا ہے اس سے بے حساب اجر کی صبر کرنے والوں کے ساتھ خصوصیت ظاہر ہوتی ہے۔

صبر کی جزاء کے متعلق احادیث اور آثار

صبر پر اجر کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس مسلمان پر بھی کوئی مصیبت آئے اور وہ کہے: ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (البقرہ:۱۵۶) اللهم اجرني في مصيبتي واخلف لي خيرا منها'' ''اے اللہ! مجھے اس مصیبت میں اجر عطا فرما اور مجھے اس سے بہتر بدل عطا فرما'' تو اللہ تعالیٰ اس کو اس فوت شدہ چیز سے بہتر چیز عطا فرمائے گا' سو جب (میرے شوہر) ابو سلمہ رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو میں نے سوچا: مسلمانوں میں ابو سلمہ سے بہتر کون ہوگا؟ انہوں نے سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلہ

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا نکاح کرا دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاتم بن ابی بلتعہ کے ذریعہ مجھے نکاح کا پیغام بھیجا۔ میں نے عرض کیا: میری ایک بیٹی بھی ہے اور میں بہت غیرت والی ہوں' آپ نے فرمایا: رہی تمہاری بیٹی تو ہم اللہ سے دعا کریں گے کہ وہ اس سے مستغنی کر دے اور رہی تمہاری غیرت تو میں اللہ سے دعا کروں گا کہ وہ تمہاری غیرت کو دور کر دے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۱۸' مسند احمد ج ۶ ص ۳۰۹' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۸)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی بندہ کا بچہ فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے: تم نے میرے بندہ کے بچہ کی روح کو قبض کرلیا' وہ کہیں گے: جی ہاں! وہ فرمائے گا: تم نے اس کے دل کے پھل کو قبض کرلیا' وہ کہیں گے: جی ہاں! وہ فرمائے گا: پھر بندہ نے کیا کہا؟ وہ کہیں گے: اس نے تیری حمد کی اور انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا' اللہ فرمائے گا: میرے اس بندہ کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دو اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۲۱' مسند احمد ج ۴ ص ۴۱۵' جامع الاصول رقم الحدیث: ۴۶۲۴)

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے سائے میں ایک چادر سے تکیہ لگائے ہوئے تھے' ہم نے آپ سے شکایت کرتے ہوئے کہا: کیا آپ ہمارے لیے مدد طلب نہیں کریں گے' کیا آپ ہمارے لیے دعا نہیں کریں گے؟ آپ نے فرمایا: تم سے پہلی امتوں میں ایک شخص کو پکڑ لیا جاتا تھا' پھر اس کے لیے زمین کھودی جاتی تھی اور اس کو اس میں گاڑ دیا جاتا تھا' پھر اس کے سر پر آری رکھ کر اس کو چیر کر دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے اور لوہے کی کنگھی سے اس کے بدن کو چھیل کر اس کے گوشت اور خون سے کاٹ کر گزارا جاتا تھا اور یہ ظلم بھی ان کو ان کے دین سے برگشتہ نہیں کرتا تھا اور اللہ کی قسم! اللہ ضرور اپنے اس دین کو مکمل فرمائے گا حتیٰ کہ ایک سوار صنعاء سے حضرموت تک کا سفر کرے گا اور اس کو اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہوگا اور بھیڑیا بکریوں کی حفاظت کرے گا لیکن تم لوگ عجلت کرتے ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۴۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۴۹' مسند احمد ج ۵ ص ۱۰۹)

یحییٰ بن وثاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک معمر صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان لوگوں سے مل جل کر رہتا ہو اور ان کی پہنچائی ہوئی اذیتوں پر صبر کرتا ہو وہ اس مسلمان سے بہتر ہے جو لوگوں سے مل جل کر نہیں رہتا اور ان کی دی ہوئی اذیتوں پر صبر نہیں کرتا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۰۷' مسند احمد ج ۵ ص ۳۶۵' جامع الاصول رقم الحدیث: ۴۶۳۹)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا: جس شخص میں چار خصلتیں ہوں' اللہ اس کے لیے جنت میں گھر بنا دے گا' جو شخص اپنی حفاظت لا الہ الا اللہ سے کرے اور جب اس پر کوئی مصیبت آئے تو کہے: انا للہ و انا الیہ راجعون اور جب اسے کوئی چیز دی جائے تو وہ کہے: لا الہ الا اللہ اور جب اس سے کوئی گناہ ہو جائے تو کہے: استغفر اللہ۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۶۹۲' ج ۷ ص ۱۱۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۰ھ)

حسن بصری نے کہا: ایمان صبر اور سخاوت ہے یعنی اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں پر صبر کرنا اور اس کے فرائض کو ادا کرنا۔

(شعب الایمان ج ۷ ص ۱۲۲' رقم الحدیث: ۹۷۰۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۰ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان کے دو نصف ہیں: نصف صبر ہے اور نصف شکر ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۷۱۵)

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان پر کوئی مصیبت آئے' وہ جب

بھی اس مصیبت کو یاد کر کے کہے: انا للہ وانا الیہ راجعون تو اللہ اس کو نیا ثواب عطا فرماتا ہے اس دن کی طرح جب اس پر پہلی بار مصیبت آئی تھی خواہ کتنا عرصہ گزر چکا ہو۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۰۰ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۳۶ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن جب اہل عافیت مصائب پر صبر کرنے والوں کا اجر و ثواب دیکھیں گے تو یہ تمنا کریں گے کہ کاش! دنیا میں ان کی کھال کو قینچی کے ساتھ کاٹ دیا جاتا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۰۲ المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۲۴۱ سنن بیہقی ج ۳ ص ۳۷۵ جامع المسانید والسنن مسند جابر رقم الحدیث: ۱۱۴۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن شہید کو لایا جائے گا اور اس کو حساب کے لیے کھڑا کیا جائے گا' پھر ان کو لایا جائے گا جنہوں نے دنیا میں مصائب پر صبر کیا تھا' ان کے لیے میزان کو قائم کیا جائے گا نہ ان کا دفتر عمل کھولا جائے گا' پھر ان پر ان کا اجر اس قدر انڈیلا جائے گا حتیٰ کہ اہل عافیت حشر کے دن یہ تمنا کریں گے کہ کاش! دنیا میں ان کے جسم کو قینچی کے ساتھ کاٹ ڈالا جاتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو بہت اچھا ثواب عطا فرمائے گا۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۹۱' طبع قدیم' دار الکتاب العربی ۱۴۰۷ھ' حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۰۸ رقم الحدیث: ۳۳۵۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''آپ کہیے کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کرتے ہوئے O'' (الزمر: ۱۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے اسلام لانے کے حکم کی توجیہ

مقاتل نے کہا: اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ کفار قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ ہمارے پاس جو پیغام لائے ہیں اس پر آپ کو کسی نے برانگیختہ کیا ہے؟ کیا آپ نے اپنے آباؤ اجداد کی ملّت کو نہیں دیکھا' آپ اس پر کیوں نہیں عمل کرتے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (زاد المسیر ج ۷ ص ۱۶۹' مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اس آیت میں ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور دوسرا یہ فرمایا ہے کہ اللہ کی عبادت شرک جلی اور شرک خفی سے خالص ہونی چاہیے اور اس میں کئی فوائد ہیں:

(۱) گویا کہ آپ نے یہ فرمایا کہ میں ان جابر اور متکبر بادشاہوں میں سے نہیں ہوں جو لوگوں کو کسی بات کا حکم دیتے ہیں اور خود اس پر عمل نہیں کرتے' بلکہ میں تم کو جس چیز کا حکم دیتا ہوں سب سے پہلے خود اس پر عمل کرتا ہوں۔

(۲) پہلے عبادت کرنے کا ذکر کیا اور پھر اخلاص کا ذکر کیا' کیونکہ عبادت ظاہری اعضاء اور ارکان سے ہوتی ہے اور اخلاص کا تعلق دل سے ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ''اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان بنوں O'' (الزمر: ۱۲)

یعنی اس امت میں مجھے سب سے پہلے اسلام لانے کا حکم دیا گیا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنایا ہے اس پر سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی اطاعت واجب ہے' کیونکہ رسول کو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے احکام کی معرفت ہوتی ہے' اس لیے سب سے پہلے اس پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت واجب ہوگی۔ ان آیتوں میں اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جنید نے کہا: اخلاص یہ ہے کہ خلوت اور جلوت کے تمام کام صرف اللہ کے لیے ہوں اور اس میں کوئی اور شریک نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے: اگر میں نے (بالفرض) اپنے رب کی نافرمانی کی تو مجھے (بھی) بڑے دن کے عذاب کا خطرہ ہے O آپ کہیے کہ میں صرف اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں' اسی کی اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے O پس تم اس

کے سوا جس کی عبادت کرتے ہو کرتے رہو' آپ کہیے: بے شک نقصان اٹھانے والے تو وہی لوگ ہیں جو خود اور ان کے اہل و عیال قیامت کے دن نقصان اٹھائیں گے' سنو یہی کھلا ہوا نقصان ہےO ان کے اوپر بھی آگ کے سائبان ہوں گے اور ان کے نیچے بھی آگ کے سائبان ہوں گے' یہ وہ عذاب ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے' اے میرے بندو! سو تم مجھ سے ڈرتے رہوO (الزمر: ۱۶۔۱۳)

کفار کے نقصان زدہ ہونے کے متعلق احادیث اور آیات میں باہم ظاہری تعارض کا جواب

الزمر: ۱۳ میں فرمایا ہے: ''آپ کہیے: اگر میں نے (بالفرض) اپنے رب کی نافرمانی کی تو مجھے (بھی) بڑے دن کے عذاب کا خطرہ ہےO''

اس آیت سے مقصود امت کو اللہ کی نافرمانی سے باز رکھنا ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبوب ہیں اور تمام رسولوں کے قائد اور سب سے افضل ہیں' اس کے باوجود جب آپ کو بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی صورت میں عذاب کا خطرہ ہے تو عام لوگوں کو اللہ کی نافرمانی کی صورت میں کتنا عذاب کا خطرہ ہوگا' نیز یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ معصیت کی صورت میں عذاب کا خطرہ ہے' یہ نہیں کہ معصیت کی صورت میں یقینی عذاب ہوگا اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امر وجوب کے لیے آتا ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کے امر پر عمل نہیں کیا گیا تو اس سے عذاب کا خطرہ ہے۔

الزمر: ۱۴' میں فرمایا: ''آپ کہیے کہ میں صرف اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں' اسی کی اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئےO''

الزمر: ۱۱ میں بھی فرمایا تھا: ''آپ کہیے کہ مجھے یہ حکم دیا گیا تھا کہ میں اللہ کی عبادت کروں' اسی کی اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئےO'' اور الزمر: ۱۴ میں بھی یہی فرمایا ہے اور یہ تکرار ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تکرار نہیں ہے' کیونکہ الزمر: ۱۱ میں یہ بتایا ہے کہ آپ کو اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا حکم دیا ہے اور الزمر: ۱۴ میں یہ بتایا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کر رہے ہیں۔ تکرار نہ ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ الزمر: ۱۱ میں یہ بتایا ہے کہ آپ کو اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیا ہے اور اس میں حصر اور تخصیص نہیں ہے اور الزمر: ۱۴ میں فرمایا ہے: ''اللّٰہ اعبد'' مفعول کو فعل پر مقدم کیا ہے اور اس سے حصر اور تخصیص حاصل ہوتی ہے اور اس کا معنیٰ ہے: میں اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں اور ان دونوں آیتوں کے معنیٰ میں واضح فرق ہے اور اب بالکل تکرار نہیں ہے۔

الزمر: ۱۵ میں فرمایا: ''پس تم اس کے سوا جس کی عبادت کرتے ہو' کرتے رہو''۔

اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ مشرکین کو غیر اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے' بلکہ اس سے مراد ان کو زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ اور لعنت ملامت کرنا ہے' جیسے کوئی شخص کسی کو بار بار سمجھائے اور وہ پھر بھی نہ مانے تو وہ کہتا ہے: اچھا جو تمہارا دل چاہے کرو۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد فرمایا: آپ کہیے: ''بے شک نقصان اٹھانے والے تو وہی لوگ ہیں جو خود اور ان کے اہل و عیال قیامت کے دن نقصان اٹھائیں گے' سنو یہی کھلا ہوا نقصان ہےO''

مشرکین کو اور ان کے اہل و عیال کو جو نقصان ہوگا اس کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) مجاہد اور ابن زید نے کہا: ان کا اپنا نقصان یہ ہے کہ وہ دوزخ میں ہوں گے اور ان کے اہل کا نقصان یہ ہے کہ جس طرح دنیا میں ان کے اہل و عیال تھے اس طرح دوزخ میں ان کے اہل و عیال ہوں گے۔

(۲) حسن اور قتادہ نے کہا: ان کا اپنا نقصان یہ ہے کہ وہ جنت سے محروم ہو گئے اور اہل کا نقصان یہ ہے کہ ان کو جنت میں

حوریں ملتیں وہ ان سے محروم ہو گئے۔

(۳) ان کا اپنا نقصان یہ ہے کہ وہ اپنے کفر کی وجہ سے دوزخ میں گئے اور اہل کا نقصان یہ ہے کہ اگر بالفرض ان کے اہل ایمان لے آئے تو وہ جنت میں ہوں گے اور یہ دوزخ میں ہوں گے۔ (النکت والعیون ج ۵ص ۱۱۹' زاد المسیر ج ۷ص ۱۶۹)

آخرت میں کفار کے نقصان کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوگا حتیٰ کہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا نہ دیکھ لے تا کہ وہ زیادہ شکر ادا کرے اور کوئی شخص اس وقت تک دوزخ میں نہیں داخل ہو گا حتیٰ کہ جنت میں اپنا ٹھکانا نہ دیکھ لے' اگر وہ (اسلام لاکر) نیک عمل کرتا تو جنت میں داخل ہوتا۔ تا کہ اس کی حسرت زیادہ ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۶۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۴۵۱' مسند احمد ج ۲ص ۵۴۰' البعث والنشور رقم الحدیث: ۲۴۴)

امام ابو اسحٰق الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ اور امام الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۶ھ نے اس حدیث کو تعلیقاً روایت کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے لیے جنت میں گھر اور اہل بنائے ہیں۔ پس جو شخص اللہ عزوجل کی اطاعت کرتا ہے اس کو وہ گھر اور اہل مل جاتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا کفر اور نافرمانی کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ پکڑ کر دوزخ میں ڈال دیتا ہے اور جنت میں اس کا جو گھر ہوتا ہے وہ مومن کو بہ طور میراث دے دیا جاتا ہے اور یہ اس کا کھلا ہوا نقصان ہے۔ (الکشف والبیان ج ۸ص ۲۲۷' معالم التنزیل ج ۴ص ۸۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت)

کفار کے نقصان زدہ ہونے کی عقلی وجوہ

کفار کے نقصان کی عقلی وجوہ یہ ہیں کہ:

(۱) اللہ تعالیٰ نے انسان کو حیات اور عقل عطا کی ہے اور اس کو عقل کے ساتھ اپنے اعضاء پر تصرف کرنے کی قدرت عطا کی ہے تا کہ وہ اس زندگی میں ایمان لائے اور نیک کام کرے اور آخرت میں اس کو اجر و ثواب حاصل ہو' پھر جب اس نے اپنی عقل سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں کی اور نہ اس نے نیک کام کیے تو اس کو کمائی کرنے کے لیے جو پونجی ملی تھی وہ اس نے ضائع کر دی۔

(۲) بعض اوقات انسان اپنی جمع پونجی سے کوئی نفع تو حاصل نہیں کر پاتا لیکن وہ نقصان سے محفوظ رہتا ہے اور آفات و بلیات سے بچا رہتا ہے' انسان کا نفع جنت ہے اور اس کا نقصان دوزخ ہے اور یہ کفار نہ صرف یہ کہ جنت سے محروم رہے بلکہ دوزخ کا ایندھن بنے اور یہ ان کا کھلا ہوا نقصان ہے۔

(۳) انہوں نے اپنی گمراہی پر جمے رہنے کے لیے بہت مشکلات اٹھائیں اور جب سے دنیا بنی ہے انہوں نے اپنے باطل خداؤں کی حمایت میں متعدد جنگیں لڑیں اور ہر جنگ میں یہ قید ہوئے اور مارے گئے اور اب تک یہ اپنے باطل مذہب کی حمایت اور مدافعت میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں اور مر رہے ہیں اور ان کی یہ جسمانی قربانیاں بالکل بے سود اور رائیگاں ہیں اور یہ ان کا کھلا ہوا نقصان ہے۔

(۴) جیسے ہی فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں ان کی اصل پونجی ان کے ہاتھوں سے جاتی رہتی ہے اور اس کے مقابلہ میں ان کے ہاتھ کچھ نہیں آتا۔

الزمر: ۱۶ میں فرمایا: ''ان کے اوپر بھی آگ کے سائبان ہوں گے اور ان کے نیچے بھی آگ کے سائبان ہوں گے''۔

آگ کے اوپر تلے حصوں کو آگ کے سائبان کہنے کی توجیہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے عذاب کی کیفیت بیان فرمائی ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ دوزخ کی آگ ان کو تمام اطراف سے گھیر لے گی۔ جس طرح دنیا میں کافر کا احاطہ اس کے کفر اور اس کے بُرے اعمال نے کیا ہوا تھا' اسی طرح آخرت میں دوزخ کی آگ اس کا ہر طرف سے احاطہ کرلے گی۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ سائے بان تو اوپر ہوتا ہے' انسان کے نیچے تو سائبان نہیں ہوتا' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ایک ضد کا اطلاق دوسری ضد پر کیا گیا ہے اور سائے بان سے مراد ہے: آگ' یعنی ان کے اوپر بھی آگ ہوگی اور ان کے نیچے بھی آگ ہوگی' جیسا کہ درج ذیل آیت میں حسنہ پر سیئہ کا اطلاق کیا گیا ہے:

جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ (الشوریٰ:۴۰) بُرائی کا بدلہ اتنی ہی بُرائی ہے۔

جب کہ بُرائی کا بدلہ تو انصاف اور نیکی ہے لیکن صورتاً مماثل ہونے کی وجہ سے اس کو بھی بُرائی فرمایا گیا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ دوزخ میں پیاز کے چھلکوں کی طرح متعدد طبقات ہیں اور ایک طبقہ والوں کے لیے جو دوزخ کا فرش ہے وہ اس سے نچلے طبقہ والوں کے لیے سائبان ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ نچلا سائبان بھی گرمی' جلانے اور اذیت پہنچانے میں اوپر والے سائبان کی مثل ہے' اس مماثلت اور مشابہت کی بناء پر نیچے والے کو بھی سائبان فرمایا' جیسے جرم اور عدل دونوں کو مماثلت اور مشابہت کی وجہ سے سیئہ فرمایا' جب کسی شخص نے کسی بے قصور کو گھونسا مارا تو یہ جرم ہے اور اس کے بدلہ میں مارنے والے کو جو گھونسا مارا' وہ عدل ہے لیکن صورتاً دونوں مماثل ہیں' اس لیے الشوریٰ: ۴۰ میں دونوں کو سیئہ فرمایا' اسی طرح دوزخ کا اوپر والا حصہ اور نچلا حصہ حرارت' سوزش اور ایذاء میں یکساں ہیں' اس لیے دونوں کو سائے بان فرمایا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ سایہ تو گرمی سے ٹھنڈک پہنچاتا ہے اور یہ دونوں حصے تو گرم اور سوزاں ہوں گے' پھر ان کو سائبان کیوں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سائے بان اس قدر دبیز اور موٹا ہوتا ہے کہ جو شخص اس کے نیچے کھڑا ہو وہ اس کے پار نہیں دیکھ سکتا' اسی طرح دوزخ کے ہر طبقہ کا اوپری حصہ اس قدر کثیف اور غلیظ ہوگا کہ اس کے پار کچھ دکھائی نہیں دے گا' اس مناسبت سے اس کو سائبان فرمایا۔ دوزخ کے اوپر تلے جو حصص ہوں گے ان کو اسی طرح سائبان فرمایا ہے جیسا کہ حسب ذیل آیات میں ہے:

يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (العنکبوت:۵۵)

جس دن عذاب ان کو ڈھانپ لے گا ان کے اوپر سے اور ان کے نیچے سے اور اللہ فرمائے گا: اب اپنے (بُرے) اعمال کا مزا چکھو ○

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ○ (الاعراف:۴۱)

ان کے لیے دوزخ کی آگ کا بستر ہوگا اور ان کے اوپر (اسی آگ کا) اوڑھنا ہوگا اور ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں ○

اے میرے بندو!' آیا اس کے مخاطب مومن ہیں یا کافر؟

اس کے بعد فرمایا: ''یہ وہ عذاب ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے' اے میرے بندو! سو تم مجھ سے ڈرتے رہو'' ○ (الزمر:۱۶)

اس عذاب سے اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ڈرایا ہے اور قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے مؤمنوں کو فرماتا ہے تو پھر یہاں کس وجہ سے فرمایا ہے: ''یہ وہ عذاب ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے' اے میرے بندو! سو تم مجھ سے ڈرتے رہو'' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عذاب کافروں کو ہی دیا جائے گا' لیکن اللہ تعالیٰ نے اس عذاب سے اپنے مومن بندوں کو ڈرایا ہے کہ تم کافروں کے سے کام نہ کرنا' مبادا تم بھی اس عذاب میں گرفتار ہو جاؤ اور مقصود یہ ہے کہ کفار کے عذاب کو بیان کر کے مؤمنوں کو ڈرایا جائے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بہت زیادہ ڈرتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں نے بتوں کی عبادت سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف رجوع کیا ان ہی کے لیے بشارت ہے' سو آپ میرے بندوں کو بشارت دیجئےO جو غور سے بات سنتے ہیں' پھر احسن بات کی پیروی کرتے ہیں' یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت پر جما رکھا ہے اور یہی عقل والے ہیںO جس کے متعلق عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے کیا آپ اس کو دوزخ سے چھڑا لیں گے؟O لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لیے (جنت میں) بالا خانے ہیں' ان کے اوپر اور بالا خانے بنے ہوئے ہیں' ان کے نیچے سے دریا جاری ہیں' یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتاO

(الزمر: ۲۰۔۱۷)

طاغوت کا معنیٰ اور مصداق

اس آیت میں طاغوت کا لفظ ہے' یہ لفظ طغٰی سے بنا ہے' اس کا مصدر طغیان ہے۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں ہے: ''اِنَّهٗ طَغٰیO'' (طٰہٰ: ۲۴) فرعون نے سرکشی کی ہے ''اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰیO'' (العلق: ۶) بے شک انسان ضرور سرکشی کرتا ہے۔ طغیان کا معنیٰ ہے: نافرمانی میں حد سے تجاوز کرنا' طاغوت مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس کا معنیٰ ہے: حد سے تجاوز کرنے والا اور اس کا اطلاق ہر اس چیز پر کیا جاتا ہے جس کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کی جائے' ساحر' کاہن' سرکش جن اور نیک راستہ سے روکنے والے کو طاغوت کہا جاتا ہے' اس وزن پر اور بھی مبالغے کے صیغے ہیں جیسے جبروت اور ملکوت وغیرہ۔

(المفردات ج ۲ ص ۳۹۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ ھ)

اس میں ''تا'' زیادہ مبالغہ کے لیے ہے' رحموت کا معنیٰ ہے: رحمت واسعہ اور ملکوت کا معنیٰ ہے: بہت بڑا ملک اور جبروت کا معنیٰ ہے: بہت بڑا اجبر۔

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ مجد الدین فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ نے کہا ہے کہ طاغوت کی تفسیر میں اختلاف ہے' ایک قول یہ ہے کہ لات اور عزیٰ طاغوت ہیں' عکرمہ اور زجاج نے کہا ہے کہ کاہن اور ساحر طاغوت ہیں' ابو العالیہ' شعبی' عطاء اور مجاہد وغیرہ نے کہا ہے کہ طاغوت شیطان ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ راغب اصفہانی نے کہا ہے کہ سرکش جن طاغوت ہے۔ جوہری نے کہا ہے کہ گمراہ کرنے والوں کا رئیس طاغوت ہے۔ اخفش نے کہا: اصنام (بت) طاغوت ہیں۔ زجاج نے کہا: طاغوت ہر وہ چیز ہے جس کی اللہ کے سوا پرستش کی جائے۔ (تاج العروس ج ۱۰ ص ۲۲۵' دار احیاء التراث العربی' بیروت)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں طاغوت سے مراد شیطان ہے یا بت ہیں' اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد شیطان ہے' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کفار شیطان کی عبادت نہیں کرتے تھے' وہ تو بتوں کی عبادت کرتے تھے' تو اس کا جواب یہ ہے کہ

بتوں کی عبادت کی دعوت شیطان نے دی تھی تو بتوں کی عبادت کرنا دراصل شیطان ہی کی عبادت کرنا ہے۔ تواریخ میں مذکور ہے کہ بتوں کی عبادت کی اصل یہ ہے کہ وہ لوگ مشتبہ تھے' ان کا اعتقاد یہ تھا کہ اِلٰہ نور عظیم ہے اور فرشتوں میں چھوٹے اور بڑے مختلف انوار ہیں' پھر انہوں نے اپنے خیالات کے مطابق ان انوار کے مختلف صورتوں میں مجسمے بنا لیے' وہ ان مجسموں کی عبادت کرتے تھے اور اپنے اعتقاد میں اللہ کی اور فرشتوں کی عبادت کرتے تھے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ص ۴۳۵' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس کا بیان کہ بشارت کس نعمت کی ہے' کون بشارت دے گا' کب دے گا اور کس کو دے گا؟

الزمر: ۱۷ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور جن لوگوں نے بتوں کی عبادت سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف رجوع کیا ان ہی کے لیے بشارت ہے'' اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے سے اجتناب کیا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور تمام معاملات میں اس کی اطاعت کی اور اسی کی عبادت کی' ان ہی کے لیے بشارت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی یہ بشارت موت کے وقت حاصل ہوتی ہے یا اس وقت حاصل ہوتی ہے جب بندہ کو قبر میں رکھا جاتا ہے یا میدان محشر میں حاصل ہوتی ہے یا اس وقت حاصل ہوتی ہے جب ایک فریق کو جنت میں جانے کا حکم دیا جاتا ہے اور دوسرے فریق کو دوزخ میں جانے کا حکم دیا جاتا ہے' یا اس وقت حاصل ہوتی ہے جب مؤمنوں کو جنت میں داخل ہونے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس بشارت میں مسلمانوں کو دائمی فوز و فلاح اور خوشی اور راحت کی بشارت دی جاتی ہے۔ قرآن مجید کی درج ذیل آیتوں میں اس بشارت کا تفصیل سے ذکر ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ○ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ ○ (حٰمٓ السجدۃ: ۳۲-۳۰)

بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے' پھر اس پر ڈٹے رہے' ان کے پاس فرشتے یہ کہتے ہوئے آتے ہیں: نہ تم خوف زدہ ہونا نہ غمگین ہونا' تمہیں اس جنت کی بشارت ہو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا ○ ہم دنیا میں بھی تمہارے مددگار تھے اور آخرت میں بھی رہیں گے اور تمہارے لیے اس جنت میں وہ سب ہوگا جس کی تم خواہش کرو گے اور جس کو تم طلب کرو گے ○ یہ بہت بخشنے والے بے حد مہربان کی طرف سے مہمانی ہے ○

ان آیات سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ یہ بشارت دینے والے فرشتے ہیں اور حسب ذیل آیتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بشارت موت کے وقت حاصل ہو گی یا جنت میں:

الَّذِیْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَیِّبِیْنَ ۙ یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (النحل: ۳۲)

جن لوگوں کی روحیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاکیزہ ہوتے ہیں' وہ کہتے ہیں: تم پر سلام ہو تم جو (دنیا میں) نیک اعمال کرتے تھے ان کے عوض جنت میں داخل ہو جاؤ ○

اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو جنت میں بھی بشارت دی جائے گی:

وَالَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً وَّیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَی الدَّارِ ○ جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ

اور جو لوگ اپنے رب کی رضا کی طلب کے لیے صبر کرتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر طور پر خرچ کرتے ہیں اور بُرائی کو نیکی سے دور

صَلَحَ مِنۡ اٰبَآئِہِمۡ وَاَزۡوَاجِہِمۡ وَذُرِّیّٰتِہِمۡ وَالۡمَلٰٓئِکَۃُ یَدۡخُلُوۡنَ عَلَیۡہِمۡ مِّنۡ کُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ بِمَا صَبَرۡتُمۡ فَنِعۡمَ عُقۡبَی الدَّارِ ۝ (الرعد: ۲۴۔۲۲)

کرتے ہیں ان ہی کے لیے آخرت کا گھر ہے ۝ دائمی جنتیں ہیں' جن میں وہ خود داخل ہوں گے اور ان کے آباء اور ان کی ازواج اور ان کی اولاد میں سے جو نیک ہوں گے اور فرشتے ان کے پاس جنت کے ہر دروازہ سے یہ کہتے ہوئے آئیں گے ۝ تم پر سلام ہو کیونکہ تم نے صبر کیا' پھر آخرت کا گھر کیا ہی اچھا ہے ۝

الزمر: ۱۷ میں فرمایا ہے: ''جن لوگوں نے بتوں کی عبادت سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف رجوع کیا ان ہی کے لیے بشارت ہے'' اور الرعد: ۲۲ میں فرمایا ہے: ''یہ بشارت ان کو حاصل ہو گی جو اللہ کی رضا کی طلب کے لیے گناہوں سے اجتناب اور عبادت کی مشقت پر صبر کریں گے' ہمیشہ نماز پڑھیں گے' پوشیدہ اور ظاہر صدقہ و خیرات دیں گے اور بُرائی کا بدلہ نیکی سے دیں گے'' اور الزمر میں جو اجمال ہے یہ اس کی تفصیل ہے یعنی الزمر میں جو بتوں سے اجتناب کا ذکر ہے اس سے مراد ہے: خواہشات نفسانیہ کے بتوں کی اطاعت سے کلیتًا اجتناب کرنا اور اللہ کی طرف رجوع کرنے سے مراد ہے: تمام احکام شرعیہ پر عمل کر کے اللہ کی طرف رجوع کرنا۔

خلاصہ یہ ہے کہ آیت کے اس حصہ میں جس بشارت کا ذکر کیا گیا ہے وہ بشارت دینے والے فرشتے ہیں اور وہ جنت کی دائمی نعمتوں کی بشارت دیں گے اور فرشتے یہ بشارت روح قبض کرتے وقت دیں گے اور یہ بشارت مؤمنین کاملین کو دی جائے گی جو باطل عقائد اور حرام کاموں سے اجتناب کریں گے اور فرائض' واجبات اور سنن پر عمل کریں گے۔

الزمر: ۱۸ میں فرمایا: ''جو غور سے بات سنتے ہیں' پھر احسن بات کی پیروی کرتے ہیں' یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت پر جما رکھا ہے اور یہی عقل والے ہیں ۝''

باب عقائد میں باطل نظریات کو ترک کر کے برحق نظریات کو اپنانا

اس سے مراد وہ بندے ہیں جو بتوں کی عبادت سے اجتناب کرتے ہیں اور ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ بتوں سے مراد عام ہے' خواہ یہ ظاہری بت ہوں یا باطنی بت ہوں' انسان نے باطل اور ناجائز خواہشات اپنے سینہ میں چھپا رکھی ہیں جن کی وہ پرستش کرتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف جن خواہشوں کی اطاعت کرتا ہے وہ بھی طاغوت اور بت ہیں' قرآن مجید میں ہے:

اَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـہَہٗ ہَوٰىہُ ؕ اَفَاَنۡتَ تَکُوۡنُ عَلَیۡہِ وَکِیۡلًا ۝ (الفرقان: ۴۳)

آپ بتائیے کہ جس شخص نے اپنی خواہشوں کو اپنا معبود بنا رکھا ہے' کیا آپ اس کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں؟

سو جو شخص عقائد' معاملات اور عبادات میں خواہشاتِ نفسانیہ سے اجتناب کرے گا اور عقل اور نظر صحیح سے کام لے کر عقائد صحیحہ کو اپنائے گا' وہ عقائد میں صحیح اور درست نظریہ کو اپنائے گا اور غلط اور باطل نظریہ کو ترک کر دے گا' اس کی عقل یہ فیصلہ کرے گی کہ بغیر کسی موجد کے اس جہان کو خود پیدا شدہ ماننا غلط اور باطل ہے اور صحیح نظریہ یہ ہے کہ اس جہان کا کوئی موجد ہے' پھر اس جہان کے متعدد موجد ماننا غلط اور باطل ہے اور صحیح نظریہ یہ ہے کہ اس جہان کا موجد واحد ہے اور اللہ کا کوئی بیٹا یا بیوی ماننا غلط ہے اور صحیح یہ ہے کہ وہ بیٹے اور بیوی اور ہر حاجت' ہر عیب اور ہر نقص سے مجرد اور پاک ہے اور اللہ کو مجبور اور معطل ماننا باطل ہے' وہ قادر ہے اور مختار ہے' رسولوں کی بعثت کا انکار کرنا غلط ہے اور صحیح یہ ہے کہ وہ رسولوں کو بھیجنے والا ہے۔ اس طرح قیامت تک رسولوں کی بعثت کا سلسلہ جاری ماننا غلط اور باطل ہے اور صحیح یہ ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے نبوت کا سلسلہ منقطع کر دیا اور آپ پر نبوت کو ختم کر دیا۔

معاملات اور عبادات میں صحیح افعال اور احسن افعال

اور احکام شرعیہ میں بعض اعمال صحیح اور حسن ہوتے ہیں اور بعض اعمال اصح اور احسن ہوتے ہیں' سو جو شخص عقل اور نظر صحیح سے کام لے گا وہ صحیح اور حسن کے مقابلہ میں اصح اور احسن پر عمل کرے گا اور اس آیت میں احسن افعال کی اتباع کی تحسین کی ہے۔ مثلاً اگر کسی شخص نے اپنے مقتول کا قصاص لیا اور قاتل کو قتل کر دیا تو یہ صحیح ہے اور احسن یہ ہے کہ وہ اپنے قاتل کو معاف کر دے' اسی طرح بُرائی کے بدلہ میں اتنی ہی بُرائی کرنا صحیح ہے اور بُرا سلوک کرنے والے کو معاف کر دینا اور اس سے جواب میں نیک سلوک کرنا احسن ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ○ (الشوریٰ: ۴۰)

بُرائی کا بدلہ اتنی ہی بُرائی ہے' پس جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے' بے شک اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا○

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○ (الشوریٰ: ۴۳)

اور جس شخص نے صبر کیا اور معاف کر دیا تو بے شک یہ ہمت کے کاموں میں سے ایک کام ہے○

ہم نے بیان کیا ہے کہ اگر ولی قصاص میں اپنے مقتول کے قاتل کو قتل کر دے تو یہ فعل صحیح ہے اور اگر اس کو معاف کر دے تو یہ فعل اصح اور احسن ہے اور سب سے پہلے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان کے مقتول کو معاف فرما دیا۔

آپ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا:

سنو! جو شخص بھی زیادتی کرتا ہے وہ اپنے ہی نفس پر زیادتی کرتا ہے' کوئی شخص اپنی اولاد پر زیادتی نہ کرے اور نہ کوئی اپنے والد پر زیادتی کرے' سنو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور کسی مسلمان کے لیے اپنے بھائی کی کوئی چیز حلال نہیں ہے' سوا اس چیز کے جس کو اس نے خود حلال کر دیا ہو' سنو زمانۂ جاہلیت کا ہر سود ساقط کر دیا گیا ہے۔ تمہیں اپنے اصل زر کو لینے کا حق ہے' نہ تم ظلم کرنا اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا' ماسوا عباس بن عبد المطلب کے سود کے' وہ سارے کا سارا ساقط کر دیا گیا ہے اور سنو! زمانۂ جاہلیت کے ہر خون کو ساقط کر دیا گیا ہے اور سب سے پہلے میں جس خون کو معاف کرتا ہوں وہ حارث بن عبد المطلب کا خون ہے' وہ بنو لیث میں دودھ پیتے تھے' ان کو ہذیل نے قتل کر دیا تھا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۸۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۳۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۵۱' مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۶)

اسی طرح جس شخص سے جتنی رقم قرض لی ہے اس کو اتنی ہی رقم واپس کرنا صحیح اور حسن فعل ہے اور اس سے زیادہ رقم واپس کرنا احسن فعل ہے۔ بشرطیکہ وہ زیادتی پہلے سے مشروط نہ ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک معین عمر کا اونٹ قرض دیا تھا' وہ آپ کے پاس اپنے اونٹ کا تقاضا کرنے آیا' آپ نے صحابہ سے فرمایا: اس کو اونٹ ادا کر دو' صحابہ نے اس اونٹ کی عمر کا اونٹ تلاش کیا تو وہ نہیں ملا' البتہ اس سے افضل اونٹ تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو وہی اونٹ دے دو' اس قرض خواہ نے کہا: آپ نے مجھے پورا پورا قرض دیا ہے' اللہ تعالیٰ آپ کو پورا پورا اجر دے گا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو اچھی طرح قرض ادا کیا کریں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۹۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۱۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۶۱۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۴۲۳)

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی سے کوئی چیز خریدے اور بعد میں اس کی قیمت ادا کر دے تو یہ صحیح فعل ہے اور اگر بعد میں اس کو

قیمت بھی دے دے اور وہ چیز بھی دے دے تو یہ احسن فعل ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں تھا' میرا اونٹ بہت دیر لگا رہا تھا اور مجھ کو تھکا رہا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس اونٹ کے پاس آئے اور فرمایا: جابر! میں نے کہا: جی ہاں! فرمایا: کیا ہوا؟ میں نے کہا: میرا اونٹ بہت سست چل رہا ہے اور مجھے تھکا رہا ہے' سو میں سب سے پیچھے رہ گیا ہوں' آپ نے اتر کو اس کو ایک ڈھال سے مارا اور فرمایا: اب اس پر سوار ہو' میں اس پر سوار ہوا' پھر وہ اس قدر تیز چل رہا تھا کہ میں اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سبقت سے بہ مشکل روک رہا تھا' آپ نے پوچھا: تم نے شادی کر لی ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے پوچھا: کنواری سے یا بیوہ سے؟ میں نے کہا: بیوہ سے' آپ نے فرمایا: تم نے کنواری سے شادی کیوں نہ کی' تم اس سے دل لگی کرتے وہ تم سے دل لگی کرتی؟ میں نے عرض کیا: میری چند بہنیں ہیں۔ میں نے چاہا کہ میں ایسی عورت سے شادی کروں جو ان کی تربیت اور اصلاح کرے' ان کی کنگھی چوٹی کرے' ان کو ادب سکھائے' آپ نے فرمایا: اب تم گھر جا رہے ہو' جب گھر میں داخل ہو تو بہت احتیاط سے کام لینا' پھر آپ نے فرمایا: کیا تم یہ اونٹ فروخت کرو گے؟ میں نے کہا: جی ہاں! تو آپ نے مجھ سے وہ اونٹ ایک اوقیہ (ڈیڑھ اونس سونا' یا چالیس درہم' آج کل کا تقریباً ایک ہزار روپیہ) میں خرید لیا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے پہلے مدینہ پہنچ گئے اور میں صبح کو پہنچا' ہم مسجد میں گئے تو آپ مسجد کے دروازے پر تھے' آپ نے فرمایا: تم اب آئے ہو' میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: اچھا تم اپنا اونٹ چھوڑ دو اور مسجد میں داخل ہو کر دو رکعت نماز پڑھو' میں نے مسجد میں داخل ہو کر دو رکعت نماز پڑھی' پھر آپ نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ اوقیہ وزن کر کے دو' حضرت بلال نے میزان میں وزن کیا اور پلڑا جھکتا ہوا رکھا۔ میں چلا گیا حتیٰ کہ میں نے پیٹھ پھیر لی' آپ نے فرمایا: جابر کو بلاؤ' میں نے دل میں سوچا کہ اب آپ مجھے اونٹ واپس کر دیں گے اور مجھے یہ بات سخت ناپسند تھی کہ یہ بیع فسخ ہو جائے' آپ نے فرمایا: اپنا اونٹ لے جاؤ اور یہ قیمت بھی تمہاری ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۹۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۱۵' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۳۴۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۵۷۸' جامع المسانید والسنن مسند جابر رقم الحدیث: ۱۷)

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی چیز کو خریدنا ہے کہ بیچنے والے کو چیز کی قیمت بھی دے دی اور وہ چیز بھی دے دی۔

اسی طرح اگر کسی شخص کے ساتھ زیادتی کی جائے اور اس سے اتنا ہی بدلہ لے لیا جائے تو یہ صحیح فعل ہے اور حسن فعل یہ ہے کہ اس کو معاف کر دیا جائے اور احسن فعل یہ ہے کہ اس کے ساتھ نیکی کی جائے اور اس کو انعام واکرام سے نوازا جائے اور قرآن مجید نے ہمیں احسن فعل کی اتباع کرنے کا حکم دیا ہے اور اس نوع کے احسن افعال کی ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہت مثالیں ہیں۔

عبد اللہ بن ابی نے ایک دن آپ سے کہا: اپنی سواری ایک طرف کریں' اس سے بدبو آتی ہے' وہ جنگ احد میں عین لڑائی کے وقت اپنے تین سو ساتھیوں سمیت لشکر سے نکل گیا' اس نے ایک دن کہا: مدینہ پہنچ کر عزت والے ذلت والوں کو نکال دیں گے' عزت والوں سے مراد اس کی اپنی ذات تھی اور ذلت والوں سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب تھے' اس نے آپ کے حرم محترم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق سخت ناپاک تہمت لگائی' لیکن جب یہ مرنے لگا اور اس نے اپنے کفن کے لیے آپ کی قمیص مانگی اور نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی تو آپ نے اس کو اپنی قمیص عطا کر دی اور حضرت عمر کے روکنے کے باوجود اس کی نماز جنازہ پڑھا دی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۶۶)

امام ابن جریر نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ آپ کے اس حسن خلق کو دیکھ کر اس کی قوم کے ایک ہزار آدمی اسلام لے

آئے۔ (جامع البیان ج ۹ ص ۴۰ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

ابوسفیان نے متعدد بار مدینہ پر حملے کیے اس کی بیوی ہند نے آپ کے محبوب عم محترم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ دانتوں سے چبایا فتح مکہ کے بعد جب آپ ان سے انتقام لینے پر پوری طرح قادر تھے آپ نے ان دونوں کو معاف فرما دیا اور ابوسفیان کو یہ عزت بخشی کہ جو اس کے گھر میں داخل ہو گا اس کو امان ہو گی۔

(الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۱۷۱۔۱۲۴ اور الکتب العربیہ بیروت)

ہجرت کی شب سراقہ بن مالک نے سو اونٹوں کے انعام کے لالچ میں آپ کا تعاقب کیا اس کی گھوڑی کے دونوں اگلے پیر زمین میں دھنس گئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے اس کو نجات ملی اس نے معافی چاہی تو آپ نے اس کو معاف کر دیا اور ایک چمڑے کے ٹکڑے پر اس کو امان لکھ کر دے دی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۰۶ ملخصاً)

عمیر بن وہب آپ کو قتل کرنے کے ارادہ سے زہر میں بجھی ہوئی تلوار لے کر مدینہ آیا آپ نے نور نبوت سے جان لیا کہ یہ آپ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آیا ہے آپ نے اس کو یہ بتایا تو وہ خوف سے لرزنے لگا آپ نے اس کو معاف کر دیا۔ حضرت عمر نے اس کو قتل کرنا چاہا آپ نے ان کو منع کیا۔ عمیر آپ کی دی ہوئی غیب کی خبر سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا آپ نے اس کی سفارش سے اس کے قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ (السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۲۷۲)

قرآن مجید میں ہے: "جو غور سے بات کو سنتے ہیں اور احسن بات کی اتباع کرتے ہیں"۔ (الزمر: ۱۸) سو اگر ہم نے احسن افعال کی اتباع کرنی ہے تو وہ احسن افعال صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں ہیں انسان کی حیات کے ہر شعبہ کے لیے آپ کی زندگی میں احسن افعال ہیں ان کو تلاش کیجئے اور ان ہی کی اتباع کیجئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس کے متعلق عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے کیا آپ اس کو دوزخ سے چھڑا لیں گے؟O لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لیے (جنت میں) بالا خانے ہیں ان کے اوپر اور بالا خانے بنے ہوئے ہیں ان کے نیچے دریا جاری ہیں یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا O کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمان سے بادل نازل فرماتا ہے پھر اس سے زمین میں چشمے جاری کرتا ہے پھر اس سے مختلف قسم کی فصل اگاتا ہے پھر آپ دیکھتے ہیں کہ وہ فصل پک کر زرد ہو جاتی ہے پھر وہ اس کو چورا چورا کر دیتا ہے بے شک اس میں عقل والوں کے لیے ضرور نصیحت ہے O (الزمر: ۲۱۔۱۹)

گناہ کبیرہ کے مرتکبین کی شفاعت پر ایک اعتراض کا جواب

الزمر: ۱۹ میں فرمایا ہے: "جس کے متعلق عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے کیا آپ اس کو دوزخ سے چھڑا لیں گے؟O"

معتزلہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ مرتکب کبیرہ کی شفاعت جائز نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں کفار کے متعلق فرمایا ہے: "کیا آپ ان کو عذاب سے چھڑا لیں گے" اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ اس سے پہلے طاغوت کی عبادت کرنے والوں کا ذکر فرمایا تھا اور طاغوت کی عبادت کرنے والے کفار اور مشرکین ہیں اور کفار اور مشرکین کے متعلق اللہ تعالیٰ خبر دے چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو نہیں بخشے گا فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم گناہ کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

اور اگر اللہ تعالیٰ کفار اور مشرکین کو بخش دے تو خود اس کے قول کے خلاف ہو گا اور اس سے اس کے کلام میں کذب اور جہل لازم آئے اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہیں اور محال تحت قدرت نہیں ہوتا اور انبیاء علیہم السلام کی شفاعت ان کے لیے

ہوتی ہے جن کی مغفرت ممکن ہو اور وہ مؤمنین ہیں جن سے کبیرہ گناہ سرزد ہو گئے ہوں اور اللہ تعالیٰ نے النساء: ۴۸ میں خود فرمایا ہے کہ وہ شرک سے کم گناہ کو اس کے لیے بخش دے گا جس کے لیے چاہے گا اور گناہ کبیرہ شرک سے کم درجہ کا گناہ ہے' سو اس کی مغفرت ممکن ہے اور تحت قدرت ہے اور جس کی مغفرت ممکن ہو اس کے لیے انبیاء علیہم السلام کی شفاعت بھی ممکن ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ الزمر: ۱۹ میں مرتکبین کبائر کا ذکر ہے یعنی گناہ کبیرہ کرنے والوں کے متعلق عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ کبیرہ گناہ شرک سے کم ہے اور اللہ تعالیٰ النساء: ۴۸ میں فرما چکا ہے کہ شرک سے کم گناہ کرنے والوں میں سے جن کو وہ چاہے بخش دے گا' خواہ انہوں نے توبہ کی ہو یا نہ کی ہو اور خواہ ان کی شفاعت کی جائے یا نہیں' بلکہ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض مرتکبین کبیرہ کو شفاعت کے بغیر محض اپنے فضل و کرم سے بخش دے گا' اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کبیرہ گناہ کرنے والے مؤمنوں کی بخشش کی تین صورتیں ہیں: اللہ تعالیٰ ان گنہ گاروں کو ان کی توبہ سے بخش دے' بغیر توبہ کے ان کو انبیاء علیہم السلام کی شفاعت سے بخش دے اور یا توبہ اور شفاعت کے بغیر ان کو محض اپنے فضل و کرم سے بخش دے۔

الزمر: ۲۰ میں فرمایا: ''لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے' ان کے لیے (جنت میں) بالا خانے ہیں' ان کے اوپر اور بالا خانے بنے ہوئے ہیں' ان کے نیچے سے دریا جاری ہیں' یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا O''

جنت کے بالا خانے

اس آیت میں ان لوگوں پر انعام و اکرام کا بیان ہے جنہوں نے طاغوت کی عبادت سے اجتناب کیا' انہوں نے شرک کیا نہ گناہ کبیرہ یا صغیرہ کیا۔ وہ ظاہری بتوں کی عبادت سے بھی مجتنب رہے اور باطنی بت یعنی نفس امارہ کی اطاعت اور عبادت سے بھی مجتنب رہے' جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف اپنے نفس کی خواہشوں پر عمل نہیں کیا ان سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کے لیے جنت میں بالا خانے بنے ہوئے ہیں اور ان بالا خانوں کے اوپر اور بالا خانے بنے ہوئے ہیں' اس سے پہلی آیت الزمر: ۱۶ میں فرمایا تھا کہ کفار کے لیے دوزخ میں آگ کے سائبان ہیں اور ان کے اوپر اور آگ کے سائبان ہیں اور یہ اس لیے فرمایا تھا کہ ان کو ان کے اوپر اور نیچے ہر طرف سے زیادہ سے زیادہ آگ کا عذاب پہنچتا رہے اور جنت میں جو بالا خانے اوپر ہوں گے اور جو نیچے ہوں گے وہ اہل جنت کو زیادہ سے زیادہ نعمتیں اور راحتیں پہنچانے کے لیے ہوں گے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ بالا خانے تو اوپر بنے ہوئے ہوتے ہیں تو جو عمارت ان کے نیچے بنی ہو گی اس پر بالا خانے کا اطلاق کس طرح درست ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ عمارت نچلی منزل کے اہل جنت کے اعتبار سے بالا خانہ ہو گی۔

جنت کے بالا خانوں کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت اپنے اوپر بالا خانوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح مشرق یا مغرب سے آسمان کے اوپر چمکتے ہوئے ستارہ کو دیکھا جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل جنت کے درجات اور مراتب میں فرق ہو گا' صحابہ کرام نے پوچھا: یا رسول اللہ! یہ (بالا خانے) انبیاء علیہم السلام کی منازل ہیں' جن تک ان کے علاوہ اور کوئی نہیں پہنچے گا' آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے' ان میں وہ لوگ ہوں گے جو اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے رسولوں کی تصدیق کی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۵۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۳۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۰۹' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۸۳۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۲۶۴' جامع المسانید والسنن مسند ابی سعید الخدری رقم الحدیث: ۶۰۰)

وعد اور وعید کا فرق

اس کے بعد فرمایا: ''یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا''۔

اللہ تعالیٰ نے توبہ کرنے والوں سے مغفرت کا وعدہ کیا ہے اور اطاعت کرنے والوں سے جنت کا وعدہ کیا ہے اور جو اس کے دیدار کے مشتاق ہیں اور محب صادق ہیں ان سے اپنے قرب' اپنی رضا اور اپنے دیدار کا وعدہ فرمایا ہے۔

وعد اور وعید میں فرق ہے' انعام و اکرام کی خبر دینے کو وعد کہا جاتا ہے اور سزا کی خبر دینے کو وعید کہا جاتا ہے' وعد کے خلاف کرنا بخل ہے اور یہ اللہ کے لیے جائز نہیں ہے اور وعید کے خلاف کرنا کرم ہے اور یہ اللہ کے لیے جائز ہے' اشاعرہ کہتے ہیں: جن آیات میں اللہ تعالیٰ نے سزا کی خبر دی ہے اگر وہ اس کے خلاف کرے اور سزا نہ دے تو یہ اس کا کرم ہے اور یہ جائز ہے' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ خبر کے خلاف نہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ وہ خبر کاذب تھی اور کذب اللہ تعالیٰ پر محال ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ کے لیے خلف وعید جائز نہیں ہے' اشاعرہ اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں: کافروں کی سزا کی جو اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے وہ حتمی اور لازمی ہے اور گناہ گار مسلمانوں کے عذاب کی جو خبر دی ہے وہ حتمی نہیں ہے بلکہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اگر میں چاہوں' مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ (الماعون: ۵۔۴) ان نمازیوں کے لیے عذاب ہوگا ۝ جو اپنی نمازوں سے غفلت کرتے ہیں ۝

اس جگہ یہ شرط ملحوظ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کو عذاب ہوگا ورنہ نہیں ہوگا یا اگر اللہ ان کو معاف نہ کرے تو ان کو عذاب ہوگا ورنہ نہیں ہوگا اور اس شرط کے ملحوظ ہونے پر دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید کی بہت آیات میں اللہ تعالیٰ نے گنہ گاروں کو بخشنے اور معاف کرنے کا ذکر فرمایا ہے' مثلاً فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا (الزمر: ۵۳) اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا۔

پس جن آیات میں گنہ گار مسلمانوں کے عذاب کا ذکر کیا گیا ہے وہاں اگر یہ شرط ملحوظ نہ رکھی جائے تو مغفرت کی آیات کے خلاف ہوگا' اس آیت کی زیادہ تحقیق ہم نے آل عمران: ۹ میں کی ہے' دیکھئے تبیان القرآن ج ۲ ص ۶۹۔۶۸۔

الزمر: ۲۱ میں فرمایا: ''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمان سے بادل نازل فرماتا ہے' پھر اس سے زمین میں چشمے جاری کرتا ہے۔ پھر اس سے مختلف قسم کی فصل اگاتا ہے' پھر آپ دیکھتے ہیں کہ وہ فصل پک کر کمزور ہو جاتی ہے' پھر وہ اس کو چورا چورا کر دیتا ہے''۔

مشکل الفاظ کے معانی

اس آیت میں ''ینابیع'' کا لفظ ہے' اس کا واحد ینبوع ہے' اس کا معنی ہے: چشمہ' زمین کے وہ سوتے جن سے پانی پھوٹ کر نکلتا ہے' اس کا معنی چھوٹی اور بھرپور نہر بھی ہے۔ نبع اور نبوع کا معنی ہے: کنویں یا چشمہ سے پانی پھوٹ کر نکلنا۔

اور اس میں ''یھیج'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر ھیج ہے' اس کا معنی ہے: سوکھ جانا' خشک ہو جانا۔ یوم ھیج کا معنی ہے: لڑائی' بارش' ابر یا آندھی کا دن' ھائجہ اس زمین کو کہتے ہیں جس کی گھاس سوکھ گئی ہو' ھیجاء کا معنی ہے: لڑائی' ھیجان کا معنی ہے: برانگیختہ کرنا' غصہ دلانا' اھاجہ کا معنی ہے: ہوا کا گھاس کو خشک کر دینا۔

اور اس آیت میں ''حطاماً'' کا لفظ ہے: اس کا معنی ہے ریزہ ریزہ' چورا چورا ہونا' یہ لفظ حطم سے بنا ہے' اس کا معنی ہے: توڑنا۔

انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے حال کو زمین کی پیداوار کے حال پر قیاس کرے

اس آیت کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ آسمان سے (یعنی بادلوں سے) پانی نازل فرماتا ہے اور اس پانی کو زمین کے مختلف حصوں میں پہنچا دیتا ہے' یہ پانی زمین کے اندر نفوذ کر جاتا ہے' پھر کسی جگہ زمین کو پھاڑ کر نکل آتا ہے اور چشمہ کی صورت میں بہنے لگتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ اس پانی کے ذریعے مختلف رنگوں کی فصلیں پیدا فرماتا ہے۔ بعض سبز ہوتی ہیں اور بعض میں سرخ پھول ہوتے ہیں۔ بعض میں زرد اور بعض میں سفید اور ان سے گندم' جو' چنا' چاول' کپاس اور سرسوں وغیرہ پیدا فرماتا ہے' پھر ایک وقت آتا ہے کہ یہ فصلیں پک جاتی ہیں' پھر پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں۔

زمین کی اس پیداوار کا انسان مشاہدہ کرتا رہتا ہے کہ کس طرح بیج سے ایک ننھی سی کونپل نکلتی ہے' پھر وہ سرسبز پودا بن جاتا ہے' پھر اس میں پھول کھلتے ہیں' پھر اس میں غلہ پک جاتا ہے اور ایک وقت آتا ہے کہ وہ سوکھ کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے' اسی طرح انسان نطفہ سے علقہ اور مضغہ بنتا ہے (یعنی جما ہوا خون اور گوشت کا ٹکڑا) پھر اللہ اس گوشت میں ہڈیاں پہناتا ہے' پھر اس میں روح ڈال دی جاتی ہے' پیٹ میں اس بچہ کو جنین کہتے ہیں' پیٹ سے باہر نکل آئے تو ولید کہتے ہیں' دودھ پیتا ہو تو رضیع کہتے ہیں' ٹھوس غذا کھانے لگے تو فطیم کہتے ہیں' کھیلنے کودنے لگے تو صبی کہتے ہیں' آٹھ نو سال کو پہنچ جائے تو غلام کہتے ہیں' قریب بہ بلوغ ہو تو مراہق کہتے ہیں' پھر بالغ کہتے ہیں' نوجوان کو فتیٰ اور شاب کہتے ہیں' جوان کو رجل کہتے ہیں' ادھیڑ عمر کو پہنچے تو کہول کہتے ہیں۔ چالیس سال کی عمر کو پہنچے تو شیخ کہتے ہیں اور ساٹھ سال کے بعد پھر شیخ فانی کہا جاتا ہے اور جب عمر طبعی پوری کرلے اور مر جائے تو میت کہتے ہیں۔

سو جس طرح زمین کی پیداوار وقفہ وقفہ سے متغیر ہوتی رہتی ہے اور ایک وقت آتا ہے کہ وہ مردہ ہو جاتی ہے' یہی انسان کا حال ہے' وہ بھی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف متغیر ہوتا رہتا ہے اور ایک وقت آتا ہے کہ وہ مر جاتا ہے' سو جس طرح یہ زمین اور اس کی پیداوار فانی ہے اسی طرح انسان بھی فانی ہے' پس انسان کو چاہیے کہ وہ اس فانی دنیا سے دل نہ لگائے' ورنہ وہ بھی فنا کے گھاٹ اتر جائے گا' اس کو چاہیے کہ وہ اس ذات کے ساتھ دل لگائے جو باقی ہے تاکہ وہ بھی باقی رہے۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ

پس کیا جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا سو وہ اپنے رب کی طرف سے نور (ہدایت) پر قائم ہو (وہ اس شخص کی طرح

لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۲﴾ اَللّٰهُ

ہو سکتا ہے جس کے دل پر اللہ نے گمراہی کی مہر لگا دی ہو؟) پس ان لوگوں کے لیے عذاب ہے جن کے دل اللہ کو یاد کرنے کے بجائے

نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ

سخت ہو گئے ہیں' وہی کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں O اللہ نے بہترین کلام کو نازل کیا جس کے مضامین ایک جیسے ہیں بار بار دہرائے ہوئے

الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ

اس سے ان کے جسموں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں' پھر ان کے جسم اور ان کے دل اللہ کے ذکر کے

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ

لیے نرم ہو جاتے ہیں، یہ اللہ کی ہدایت ہے وہ جس کو چاہتا ہے اس کی ہدایت دیتا ہے اور جس کو اللہ گم راہی پر چھوڑ

مِنْ هَادٍ ﴿٢٣﴾ اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَقِيْلَ

دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے O کیا جو شخص قیامت کے دن بدترین عذاب کو اپنے چہرے سے دور کرتا ہے (اس شخص کی طرح

لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿٢٤﴾ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ

ہو سکتا ہے جو بے خوفی سے جنت میں داخل ہو؟) اور ظالموں سے کہا جائے گا: اب تم ان کاموں کا مزہ چکھو جو تم دنیا میں کرتے تھے O

الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٥﴾ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ

ان سے پہلے لوگوں نے (رسولوں کو) جھٹلایا تو ان پر اس جگہ سے عذاب آیا جہاں سے ان کو شعور بھی نہ تھا O پھر اللہ نے ان کو دنیا کی

الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا

زندگی میں رسوائی کا مزا چکھایا اور آخرت کا عذاب ضرور تمام عذابوں سے بڑا ہے، کاش! وہ جانتے O بے شک ہم نے اس قرآن میں ہر

لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٧﴾ ۚ قُرْاٰنًا

قسم کی مثالیں بیان فرمائی ہیں تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں O ہم نے انہیں عربی زبان میں قرآن عطا فرمایا جس میں

عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٢٨﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ

کوئی کجی نہیں ہے تا کہ وہ اللہ سے ڈریں O اللہ ایک مثال بیان فرما رہا ہے، ایک غلام ہے جس میں کئی متضاد خیالات کے لوگ شریک ہیں

شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ

اور ایک دوسرا غلام ہے جس کا صرف ایک شخص ہی مالک ہے، کیا ان دونوں غلاموں کی مثال برابر ہے؟ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٩﴾ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿٣٠﴾

ہیں بلکہ ان (مشرکین) میں سے اکثر نہیں جانتے O بے شک آپ پر موت آنی ہے اور بے شک یہ بھی مرنے والے ہیں O

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿٣١﴾ ع

پھر بے شک تم سب قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے جھگڑا کرو گے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس کیا جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہو وہ اپنے رب کی طرف سے نور (ہدایت) پر قائم ہو (وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کے دل پر اللہ نے گم راہی کی مہر لگا دی ہو؟) پس ان لوگوں کے لیے عذاب ہے جن کے دل اللہ کو یاد کرنے کے بجائے سخت ہو گئے ہیں' وہی کھلی ہوئی گم راہی میں ہیں O اللہ نے بہترین کلام کو نازل کیا جس کے مضامین ایک جیسے ہیں' بار بار دہرائے ہوئے' اس سے ان کے جسموں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں' پھر ان کے جسم اور ان کے دل اللہ کے ذکر کے لیے نرم ہو جاتے ہیں' یہ اللہ کی ہدایت ہے' وہ جس کو چاہتا ہے اس کی ہدایت دیتا ہے اور جس کو اللہ گم راہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے O (الزمر: ۲۳-۲۲)

انسان کے دل میں اللہ کے نور کا معیار اور اس کی علامتیں

اسلام کے لیے سینہ کھولنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے احکام قبول کرنے کی اس کے دل میں مکمل استعداد پیدا کر دی ہو اور جس فطرت پر انسان کو پیدا کیا گیا ہے اس میں وہ فطرت صحیح اور سالم موجود ہو اور اس کی غلط روش کی وجہ سے وہ فطرت ضائع نہ ہوئی ہو۔ نیز فرمایا: ''وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر قائم ہو'' اس نور سے مراد یہ ہے کہ اس باہر کی کائنات میں اور انسان کے اپنے اندر اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود' اپنی توحید اور اپنی قدرت پر جو نشانیاں رکھی ہیں وہ ان نشانیوں سے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی معرفت حاصل کرے اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے احکام کی اطاعت کی امنگ اور جذبہ پیدا ہو اور جب اس کا یہ نور قوی ہو جاتا ہے تو وہ دوسروں پر بھی اثر انداز ہوتا ہے اور اس کی مجلس میں بیٹھنے والوں اور اس کی گفتگو سننے والوں کے دلوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے احکام کی اطاعت کا ذوق اور شوق پیدا ہو جاتا ہے' لوگ اگر کسی کا سرخ و سفید چہرہ دیکھیں تو کہتے ہیں کہ فلاں کا بڑا نورانی چہرہ ہے' یہ نور کا معیار نہیں ہے۔ نور کا معیار یہ ہے کہ جس کو دیکھ کر خدا یاد آئے' جس کی باتیں سن کر دل میں رقت پیدا ہو' جس کی سیرت و کردار دیکھ کر انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کا داعیہ پیدا ہو تو اس شخص میں اللہ کا نور ہے۔

ایک اور معیار یہ ہے کہ فحش کاموں کے ارتکاب اور گناہوں کی کثرت سے انسان کے چہرے پر پھٹکار برسنے لگتی ہے' اس کا چہرہ خرانٹ ہو جاتا ہے اور جو گناہوں سے اجتناب کرتا ہو اور نیک کام بہ کثرت کرتا ہو اس کے چہرے سے سادگی اور بھولپن ظاہر ہوتا ہے اور اس کا چہرہ بارونق ہوتا ہے اور یہ نور کے آثار میں سے ایک اثر ہے' لیکن اصل نورانیت یہی ہے کہ اس پر عبادت اور خوف خدا کا غلبہ ہو' وہ یادِ الٰہی سے غافل کرنے والے کاموں سے بچتا ہو' ہنستا کم ہو اور روتا زیادہ ہو' اس کی مجلس میں لطیفے اور چٹکلے نہ ہوں' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں ہوں' ایسے شخص کا نور دوسروں کے دلوں کو بھی یادِ خدا سے روشن کرتا ہے' وہ جس قدر عبادت و ریاضت میں قوی ہو گا اس کا نور اس قدر قوی ہو گا' عام مؤمنوں کے دل کا نور چراغ کی طرح ہے' اولیاء اللہ کا نور ستاروں کی طرح ہے' صحابہ کا نور چاند کی طرح ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور سورج کی طرح بلکہ سورج سے بھی زیادہ قوی ہے' اس نور کا فیضان نبیوں اور رسولوں پر ہے' ولیوں پر ہے' عام مسلمانوں پر ہے اور ہر صاحب ہدایت کو اسی نور سے ہدایت اور اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوئی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی: ''اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ''. (الزمر: ۲۲) ہم نے پوچھا: یا رسول اللہ! بندہ کا شرح صدر کس طرح ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: جب بندہ کے دل میں نور داخل ہوتا ہے تو اس کا شرح صدر ہو جاتا ہے' ہم نے پوچھا: یا رسول اللہ! اس کی علامت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ دار الخلد (آخرت) کی طرف رجوع کرتا ہے اور دار الغرور (دنیا) سے بھاگتا ہے اور موت

آنے سے پہلے موت کی تیاری میں لگا رہتا ہے۔

(المستدرک ج ۴ ص ۳۱۱' شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۰۵۲۲' معالم التنزیل رقم الحدیث: ۱۸۱۷)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین اوصاف ذکر فرمائے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جس شخص میں یہ تین اوصاف ہوں گے اس کا ایمان کامل ہوگا' کیونکہ دارالخلد اور آخرت کی طرف رجوع وہی شخص کرتا ہے جو نیک کام کرتا ہے کیونکہ نیک کاموں کی جزاء دارالخلد اور جنت ہے اور جب دنیا کی حرص کی آگ ٹھنڈی ہو جاتی ہے تو وہ دنیا کی صرف اتنی چیزوں پر کفایت اور قناعت کرتا ہے جو اس کی رمق حیات قائم کرنے کے لیے ضروری ہوں' لہٰذا وہ دنیا سے دور بھاگتا ہے اور جب اس کا تقویٰ مکمل اور مستحکم ہو جاتا ہے تو وہ ہر چیز میں احتیاط کرتا ہے اور جن چیزوں میں عدم جواز کا شک بھی ہو ان کے قریب نہیں جاتا اور یہی موت سے پہلے موت کی تیاری ہے اور یہ اس کے شرح صدر کی ظاہری علامت ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب اس کو موت کی فکر ہوتی ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ دنیا دھوکے کا گھر ہے اور یہ سمجھ اس وقت آتی ہے جب اس کے دل میں نور داخل ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ''پس ان لوگوں کے لیے عذاب ہے جن کے دل اللہ کو یاد کرنے کے بجائے سخت ہو گئے ہیں' وہی کھلی ہوئی گم راہی میں ہیں''۔

دل کی سختی کے اسباب

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے زیادہ خطرناک چیز وہ ہے جس کا مجھے اپنی امت پر خطرہ ہے۔ (۱) پیٹ کا بڑا ہونا (۲) ہمیشہ سوتے رہنا (۳) سستی (۴) اور یقین کا کم زور ہونا۔

(کنز العمال رقم الحدیث: ۷۳۴۴)

بڑے پیٹ سے مراد یہ ہے کہ انسان کھانے پینے میں زیادہ منہمک رہتا ہو اور کھانے پینے کا لازمی نتیجہ قضاء حاجت ہے۔ تو جب انسان کا مطمح نظر قضاء حاجت نہیں ہوتا تو جو اس کا لازمی سبب ہے یعنی کھانا پینا وہ بھی اس کا مطمح نظر نہیں ہونا چاہیے۔ سو جو شخص اپنے تہائی پیٹ سے زیادہ کھاتا ہے اور لذیذ کھانوں کی تلاش میں رہتا ہے اور جو رزق میسر ہو اس پر قناعت نہیں کرتا تو یہ وہی چیز ہے جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت پر خطرہ تھا اور جو آدمی ہمیشہ سوتا رہتا ہے تو وہ ان حقوق کو ضائع کر دیتا ہے جو شریعت میں اس سے مطلوب ہیں اور وہ اپنے رب کے غضب کو دعوت دیتا ہے اور اس سے اس کا دل سخت ہو جاتا ہے اور سستی اور کاہلی کی وجہ سے انسان اہم امور کو انجام دینے سے قاصر رہتا ہے اور پر مشقت عبادات اور نیک کاموں کے کرنے سے گھبراتا ہے اور فرائض اور نوافل ادا نہیں کر پاتا' اس کا ثمرہ یہ ہے کہ اس کا دل سخت ہو جاتا ہے اور اس کی عقل تاریک ہو جاتی ہے' حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ تین خصلتیں ایسی ہیں جو دل کو سخت کرتی ہیں: کھانے پینے کی محبت' سونے کی محبت اور راحت کی محبت۔ (دیلمی)

اسی وجہ سے سلف صالحین جاگ کر راتیں عبادت میں گزارتے تھے اور نیند اور آرام کو ترک کر دیتے تھے' حتیٰ کہ ان کے پیر سوج جاتے تھے اور چہرہ کا رنگ زرد پڑ جاتا تھا اور یقین کے کمزور ہونے سے مراد یہ ہے کہ دنیا کی رنگینیوں اور عیش و آرام میں منہمک رہنے کی وجہ سے اس کے دل میں نور داخل نہ ہو سکے اور بندہ کا جس قدر یقین پختہ ہوتا ہے اسی قدر اس کا ایمان مضبوط ہوتا ہے' انبیاء علیہم السلام چونکہ ہر وقت آخرت کے امور پر غور کرتے رہتے تھے اس وجہ سے ان کا ایمان بہت پختہ اور

(فیض القدیر ج ا ص ۴۱۲۔۴۱۱ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

الزمر: ۲۳ میں فرمایا: ''اللہ نے بہترین کلام کو نازل کیا جس کے مضامین ایک جیسے ہیں' بار بار دہرائے ہوئے''۔

قرآن مجید کے مضامین فصاحت اور بلاغت میں ایک جیسے ہیں اور حسن اسلوب اور حکمت میں ایک جیسے ہیں اور اس کی آیات باہم ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں' ان میں کوئی تناقض اور اختلاف نہیں ہے' یہ بھی کہا گیا ہے کہ گزشتہ آسمانی کتابوں کے اس بات میں مشابہ ہے کہ اس میں بھی احکام شرعیہ ہیں' گزشتہ اقوام کے واقعات ہیں اور غیب کی خبریں ہیں۔

نیز فرمایا: ''اس کے مضامین بار بار دہرائے ہوئے ہیں'' مثلاً احکام شرعیہ کو بار بار دہرایا گیا ہے' خصوصاً نماز اور زکوٰۃ کے حکم کو' آسمانوں اور زمینوں کے احوال کو بار بار دہرایا گیا ہے اور ان سے اللہ تعالیٰ کی توحید پر استدلال کیا گیا ہے' اسی طرح جنت اور دوزخ' لوح اور قلم' ملائکہ اور شیاطین' عرش اور کرسی' وعد اور وعید' امید اور خوف کے مضامین کا بار بار ذکر کیا گیا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ''اس سے ان کے جسموں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں' پھر ان کے جسم اور ان کے دل اللہ کے ذکر کے لیے نرم ہو جاتے ہیں''۔

قرآن مجید سن کر جن کے خوف خدا سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ان کے لیے بشارتیں

اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ جب اللہ کے نیک بندے جو ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں جب وہ قرآن مجید کی آیات کو سنتے ہیں تو ان پر خوف اور ہیبت طاری ہو جاتی ہے' ان کا جسم لرزنے لگتا ہے اور خوف کے غلبہ سے ان کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ خوف خدا سے جسم کے رونگٹے کھڑے ہونا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول کا سبب ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب خوف خدا سے کسی بندہ کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح درخت کے بوسیدہ پتے جھڑتے ہیں۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۱۸۲۱۷' شعب الایمان رقم الحدیث: ۸۰۴۔۸۰۳)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ ناگاہ زور سے ہوا چلی تو اس درخت کے بوسیدہ پتے گر گئے اور سرسبز پتے قائم رہے' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اس درخت کی کیا مثال ہے؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کو ہی علم ہے' آپ نے فرمایا: یہ درخت مومن کی مثال ہے' جب خوف خدا سے اس کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں تو اس کے گناہ ساقط ہو جاتے ہیں اور نیکیاں باقی رہ جاتی ہیں۔ (مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۳۳۰۴)

قرآن مجید سن کر اظہار وجد کرنے والوں کے متعلق صحابہ کرام اور فقہاء تابعین کی آراء

علامہ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ قرآن سن کر اظہار وجد کرنے والوں کے متعلق لکھتے ہیں:

حضرت اسماء بنت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے بتایا کہ جب ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا جاتا تھا تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے تھے اور ان کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے' جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کی صفت بیان فرمائی ہے' حضرت اسماء کو بتایا گیا کہ آج کل ایسے لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا جاتا ہے تو ان میں کوئی شخص بے ہوش ہو کر گر جاتا ہے' حضرت اسماء نے کہا: اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔

اور سعید بن عبد الرحمان الجمی نے کہا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس اہل قرآن میں سے ایک شخص گزرا اور گر گیا' حضرت ابن عمر نے پوچھا: اس کو کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا: جب اس کے سامنے قرآن مجید پڑھا جاتا ہے اور یہ اللہ کا ذکر سنتا ہے تو گر جاتا ہے' حضرت ابن عمر نے فرمایا: ہم بھی اللہ سے ڈرتے ہیں لیکن ہم تو نہیں گرتے' پھر آپ نے فرمایا: ان میں سے کسی ایک کے پیٹ میں شیطان داخل ہو جاتا ہے' سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا یہ طریقہ نہیں تھا۔

عمر بن عبد العزیز بیان کرتے ہیں کہ محمد بن سیرین کے نزدیک ان لوگوں کا ذکر کیا گیا جن کے سامنے قرآن مجید پڑھا جاتا ہے تو وہ بے ہوش ہو کر گر جاتے ہیں تو انہوں نے کہا: وہ ہمارے سامنے چھت کے اوپر ٹانگیں لٹکا کر بیٹھیں' پھر ان کے سامنے اوّل سے لے کر آخر تک قرآن پڑھا جائے' پھر اگر انہوں نے اپنے آپ کو چھت سے گرا دیا تو ہم مان لیں گے۔

ابو عمران الجونی نے بتایا کہ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو وعظ کیا تو ایک آدمی نے اپنی قمیص پھاڑ لی' تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اس قمیص والے سے کہیے کہ میں ان ڈرنے والوں کو پسند نہیں کرتا جو مجھے اپنا دل کھول کر دکھاتے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۲۲۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

قرآن مجید سننے سے رقت طاری ہونے کی فضیلت اور مترنم آواز اور سازوں کے ساتھ اشعار سن کر اظہار وجد کرنے کی مذمت

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

نیک اور متقی لوگ جب قرآن مجید سنتے ہیں تو اس میں وعد اور وعید اور تخویف اور تہدید کی آیات پر جب غور کرتے ہیں تو ڈر اور خوف کے غلبہ سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان کے جسم اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف نرم ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ اللہ کی رحمت اور اس کے لطف و کرم کی امید رکھتے ہیں اور ان کی یہ صفت فجار کی صفات کی حسب ذیل وجوہ سے مخالف ہے:

(۱) یہ ابرار قرآن مجید کی آیات سن کر خوف خدا سے لرزتے ہیں اور یہ فجار خوش گلوئی اور سازوں کے ساتھ اشعار سن کر جھومتے ہیں اور وجد کرتے ہیں۔

(۲) جب متقین کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ ان کے معانی سمجھ کر ڈرتے ہیں اور خوف خدا سے روتے ہیں اور ادب کے ساتھ سجدہ میں گر جاتے ہیں جیسا کہ ان آیات میں ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ○ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ○ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ ○

(الانفال: ۴۔۲)

(کامل) مؤمنین تو صرف وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل خوف زدہ ہو جاتے ہیں اور جب ان کے سامنے اللہ کی آیات کی تلاوت کی جائے تو ان کا ایمان زیادہ ہو جاتا ہے اور وہ صرف اللہ پر ہی توکل کرتے ہیں○ وہ لوگ نماز قائم رکھتے ہیں اور ہم نے جو چیزیں ان کو دی ہیں ان میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں○ یہی لوگ برحق ہیں' ان ہی کے لیے ان کے رب کے پاس (بلند) درجات ہیں اور مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے○

اور ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو بے پرواہی سے قرآن مجید کو سنتے ہیں اور اس کی آیات میں غور اور فکر نہیں کرتے:

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ○ (الفرقان: ۷۳)

اور جب ان کے سامنے ان کے رب کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ اندھے اور بہرے ہو کر ان پر نہیں گرتے ○

یعنی جب وہ قرآن مجید کی آیات کو سنتے ہیں تو لہو ولعب اور دیگر دنیا کے کاموں میں مشغول ہو کر ان سے اعراض نہیں کرتے' بلکہ کان لگا کر غور سے ان آیات کو سنتے ہیں اور ان کے معانی پر غور وفکر کر کے ان کو سمجھتے ہیں' اسی لیے ان آیات کے تقاضوں پر عمل کرتے ہیں اور پوری بصیرت کے ساتھ ان آیات کو سن کر سجدہ کرتے ہیں اور جاہلوں کی طرح اندھی تقلید میں ان آیات پر سجدہ نہیں کرتے۔

(۳) یہ نیک اور متقی لوگ باادب ہو کر قرآن مجید کی آیات کو سنتے ہیں جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کی تلاوت سنتے تھے اور ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف نرم پڑ جاتے تھے' وہ قرآن سن کر چیختے چلاتے نہیں تھے اور نہ تکلف سے وجد کرتے تھے بلکہ سکون اور ادب اور خوفِ خدا سے ان آیات کو سنتے تھے۔

قتادہ نے الزمر: ۲۳ کی تفسیر میں کہا: اس آیت میں اولیاء اللہ کی منقبت ہے کہ ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں اور ان کے دل اللہ کی یاد سے مطمئن ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی اس طرح تعریف نہیں کی کہ اللہ کی آیات سن کر ان کی عقل جاتی رہتی ہے اور وہ بے ہوش ہو جاتے ہیں' یہ اہل بدعت کا طریقہ ہے اور یہ شیطان کی صفت ہے۔

سدی نے کہا: ان متقین کے دل اللہ تعالیٰ کے وعد اور وعید کی طرف نرم پڑ جاتے ہیں اور یہی اللہ کی ہدایت ہے' وہ جس کو چاہتا ہے اس کی ہدایت دیتا ہے اور جس کا طریقہ اس کے خلاف ہو وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کو اللہ نے گم راہ کر دیا اور جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۵۶۔۵۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا جو شخص قیامت کے دن بدترین عذاب کو اپنے چہرے سے دور کرتا ہے (اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو بے خوفی سے جنت میں داخل ہو؟) اور ظالموں سے کہا جائے گا: اب تم ان کاموں کا مزا چکھو جو تم دنیا میں کرتے تھے ○ ان سے پہلے لوگوں نے (رسولوں کو) جھٹلایا تو ان پر اس جگہ سے عذاب آیا جہاں سے ان کو شعور بھی نہ تھا ○ پھر اللہ نے ان کو دنیا کی زندگی میں رسوائی کا مزا چکھایا اور آخرت کا عذاب ضرور تمام عذابوں سے بڑا ہے' کاش! وہ جانتے ○ (الزمر: ۲۶۔۲۴)

عذاب کی چہرے کے ساتھ خصوصیت کی توجیہ

جن لوگوں کے دل سخت ہیں ان کے متعلق اس سے پہلی آیتوں میں یہ بتایا تھا کہ ان کو آخرت میں شدید عذاب ہو گا اور دنیا میں وہ مکمل گم راہ ہیں اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ آخرت میں ان کے چہرے کو بدترین عذاب دیا جائے گا' ہر چند کہ ان کے پورے جسم کو عذاب دیا جائے گا' لیکن خصوصیت کے ساتھ چہرے کا اس لیے ذکر فرمایا کہ چہرہ انسان کا سب سے اشرف عضو ہے' وہ اس کے حسن و جمال اور اس کے رنگ و روپ کا مظہر ہوتا ہے اور اس کے حواس کے آلات بھی چہرے میں ہی مرکوز ہوتے ہیں اور ایک انسان دوسرے انسان سے ظاہری طور پر چہرے سے ہی ممتاز ہوتا ہے اور سعادت اور شقاوت کے آثار بھی چہرے پر ہی ظاہر ہوتے ہیں' اسی وجہ سے قرآن مجید میں ہے:

وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ مُّسْفِرَةٌ ○ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ○ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ○ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ○ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ○ (العبس: ۴۲۔۳۸)

اس دن بہت سے چہرے روشن ہوں گے ○ ہنستے ہوئے خوش و خرم ہوں گے ○ اور بہت سے چہرے اس دن غبار آلود ہوں گے ○ ان پر سیاہی طاری ہو گی ○ وہی لوگ کافر بدکار ہیں ○

اسی وجہ سے دنیا میں بھی کسی شخص کے چہرے پر اگر کوئی گھونسے یا طمانچے مارے تو وہ چہرے پر ہاتھ رکھ کر چہرے کو تکلیف سے بچاتا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ افضل اور اشرف عضو انسان کا چہرہ ہی ہے' اس لیے عذاب تو کفار کے تمام اجسام کو ہوگا لیکن خصوصیت کے ساتھ چہرے کا ذکر فرمایا ہے۔

الزمر: ۲۶۔۲۵ میں فرمایا: "ان سے پہلے لوگوں نے (رسولوں کو) جھٹلایا تو ان پر اس جگہ سے عذاب آیا جہاں سے ان کو شعور بھی نہ تھا"۔

ان پر یہ عذاب رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے آیا' وہ بہت اطمینان اور امن اور چین سے رہ رہے تھے اور ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ان پر اچانک کوئی افتاد آسکتی ہے اور پھر اچانک ان پر ایسا عذاب آیا جس سے وہ ہلاک ہو گئے اور اس عبرت ناک عذاب سے مسلمان خوش ہوئے کیونکہ وہ مسلمانوں کا' ان کے ایمان اور اسلام کی وجہ سے مذاق اڑاتے تھے اور کفار ان کی نگاہوں کے سامنے ذلیل اور رسوا ہو گئے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جو عذاب تیار کر رکھا ہے وہ اس سے بہت بڑا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں بیان فرمائی ہیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ○ ہم نے انہیں عربی زبان میں قرآن عطا فرمایا جس میں کوئی کجی نہیں ہے تاکہ وہ اللہ سے ڈریں ○ اللہ ایک مثال بیان فرما رہا ہے: ایک غلام ہے جس میں کئی متضاد خیالات کے لوگ شریک ہیں اور ایک دوسرا غلام ہے جس کا صرف ایک شخص ہی مالک ہے' کیا ان دونوں غلاموں کی مثال برابر ہے؟ ○ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں بلکہ ان مشرکین میں سے اکثر نہیں جانتے ○ بے شک آپ پر موت آنی ہے اور بے شک یہ بھی مرنے والے ہیں ○ پھر بے شک تم سب قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے جھگڑا کرو گے ○ (الزمر: ۳۱۔۲۷)

قرآن مجید کے تین اوصاف

الزمر: ۲۸۔۲۷ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی تین صفات بیان فرمائی ہیں: ایک یہ کہ یہ قرآن ہے یعنی اس کی بہت زیادہ قرأت اور تلاوت کی جاتی ہے' دوسری صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ عربی زبان میں ہے اور اس کی عربی ایسی ہے کہ اس نے عرب کے بڑے بڑے فصحاء اور بلغاء کو فصاحت اور بلاغت میں عاجز کر دیا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ○ (الاسراء: ۸۸)

آپ کہیے کہ اگر تمام انسان اور جنات مل کر اس قرآن کی مثل لانا چاہیں تو وہ اس کی مثل نہیں لا سکتے خواہ وہ ایک دوسرے کے مددگار کیوں نہ ہوں۔

اور تیسری صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ اس میں کوئی کجی نہیں ہے' کیونکہ یہ مشاہدہ ہے کہ جب انسان کوئی بہت طویل کلام کرتا ہے تو اس میں ضرور کچھ باتیں ایک دوسرے سے متصادم اور ایک دوسرے سے متعارض ہوتی ہیں اور قرآن مجید کی کوئی آیت دوسری آیت سے متعارض نہیں ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ○ (النساء: ۸۲)

اگر یہ کلام اللہ کے سوا کسی اور کا ہوتا تو ضرور اس میں بہت اختلاف ہوتا۔

قرآن مجید میں کجی نہ ہونے کا دوسرا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو سابقہ امتوں اور ان کے نبیوں کی خبریں دی گئی ہیں وہ سب صادق ہیں اور ان کے صدق پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور قرآن مجید میں جو عقائد اور احکام بیان کیے گئے ہیں وہ سب

عقل اور فطرت سلیمہ کے مطابق ہیں اور ان میں کوئی چیز خلاف عقل نہیں ہے اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر' رسولوں کی بعثت پر' قیامت پر اور جزاء اور سزا پر جو دلائل پیش کیے گئے ہیں ان کی قطعیت میں کوئی ضعف اور جھول نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی توحید پر آسان' سادہ اور عام فہم دلیل

الزمر: ۲۹ میں فرمایا: ''اللہ ایک مثال بیان فرما رہا ہے' ایک غلام ہے جس میں کئی متضاد خیالات کے لوگ شریک ہیں اور ایک دوسرا غلام ہے جس کا صرف ایک شخص ہی مالک ہے' کیا ان دونوں غلاموں کی مثال برابر ہے؟O''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر ایک سادہ' آسان اور عام فہم دلیل بیان فرمائی ہے کہ یہ مشرکین یہ بتائیں کہ ایک غلام کے کئی مالک ہوں اور ان مالکوں کے درمیان اختلاف اور تنازع ہو اور ہر مالک اس کا مدعی ہو کہ وہ شخص اس کا غلام ہے اور ہر مالک اس کو اپنی طرف کھینچ رہا ہو' ایک مالک اس کو ایک وقت میں کوئی حکم دیتا ہے اور دوسرا مالک اسی وقت اس کے خلاف حکم دیتا ہے اور تیسرا مالک اسی وقت اسے دونوں کے خلاف کوئی اور حکم دیتا ہے تو وہ ان سب کی اطاعت کیسے کرے گا اور اطاعت نہ کرنے کی صورت میں اپنے مالکوں کے قہر وغضب اور ان کی سزا سے کیسے بچے گا' مثلاً ایک مالک حکم دیتا ہے کہ آج دن کے چار بجے فلاں زمین کو کھود ڈالو' دوسرا مالک حکم دیتا ہے: اس زمین کو اس وقت ہرگز نہ کھودنا اور اس زمین کے ٹکڑے میں فلاں جگہ سے سامان لا کر رکھ دینا اور تیسرا مالک حکم دیتا ہے: فلاں جگہ سے ہرگز سامان نہ لانا بلکہ فلاں فلاں جگہ سے سامان لانا۔ بتایئے وہ ان تینوں مالکوں کی کیسے اطاعت کرے گا اور کیسے ان کو راضی کرے گا اور ان کی حکم عدولی کی صورت میں ان سب کے غضب اور ان کی سزا سے کیسے بچے گا' اس کے برخلاف جو شخص صرف ایک مالک کا غلام ہو' اس کے لیے اپنے مالک کی اطاعت کرنا اور اس کو راضی کرنا بہت آسان ہے۔

اسی طرح کا استدلال قرآن مجید کی ان آیتوں میں بھی ہے:

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا. (الانبیاء: ۲۲)

اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا متعدد عبادت کے مستحق ہوتے تو آسمان اور زمین فاسد ہو جاتے۔

یعنی متعدد خداؤں کے تنازع اور ان کی باہمی کشاکش کی وجہ سے ابتداءً آسمان اور زمین وجود میں نہ آ سکتے۔

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ O (المؤمنون: ۹۱)

اللہ نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا اور نہ اس کے ساتھ اور کوئی عبادت کا مستحق ہے' ورنہ ہر خدا اپنی مخلوق کو الگ لے جاتا اور ضرور ان میں سے ہر ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا' اللہ ان چیزوں سے پاک ہے جو (مشرکین) اس کے متعلق بیان کرتے ہیں O

الزمر: ۳۰ میں فرمایا: ''بے شک آپ پر موت آنی ہے اور بے شک یہ بھی مرنے والے ہیں O''

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی موت اور کفار کی موت کا فرق

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار دونوں کی موت بیان کی ہے اور دونوں جگہ موت کا ایک جیسا صیغہ استعمال فرمایا ہے اور دونوں کو میت فرمایا ہے تو پھر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ اور کفار کو مردہ کیوں کہتے ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ''انک میت'' میں میت نکرہ ہے اور ''انھم میتون'' میں بھی میت نکرہ ہے اور اصول فقہ میں یہ قاعدہ مقرر ہے کہ جب نکرہ کا دوبارہ ذکر کیا جائے تو دوسرا نکرہ پہلے نکرہ کا غیر ہوتا ہے۔ سو کفار پر جو موت آئے

گی وہ اس موت کی غیر ہے جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر آئی تھی۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک آن کے لیے موت آئی' پھر آپ کو حیات جاودانی عطا فرما دی گئی اور شرعی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے آپ کو غسل دیا گیا' کفن پہنایا گیا' آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور آپ کو آپ کے حجرہ مبارکہ میں دفن کیا گیا اور قبر میں آپ کو حقیقی اور جسمانی حیات عطا کی گئی اور کفار بالکل مردہ ہوتے ہیں' صرف عذاب قبر پہنچانے کے لیے ان کو ایک نوع کی برزخی حیات عطا کی جاتی ہے۔

ہم پہلے اس آیت کی تفسیر میں متقدمین کی تفاسیر کو نقل کریں گے' پھر انبیاء علیہم السلام کی حیات پر عموماً اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پر خصوصاً دلائل کو پیش کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے متعلق دیگر مفسرین کی تقاریر

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

یعنی آپ اور کفار ہر چند کہ اب زندہ ہیں لیکن آپ کا اور ان کا شمار موتی (مردوں) میں ہے' کیونکہ ہر وہ چیز جو آنے والی ہے وہ آنے والی ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۵۱' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی اور کفار کی موت کی خبر دی ہے اور اس کی پانچ توجیہات ہیں:
(۱) اس آیت میں آخرت سے خبردار کیا ہے (۲) اس آیت میں آپ کو عمل پر ابھارا ہے (۳) موت کی تمہید کے لیے اس کو یاد دلایا ہے (۴) آپ کی موت کا اس لیے ذکر فرمایا تاکہ مسلمان آپ کی موت میں اس طرح اختلاف نہ کریں جیسے پچھلی امتوں نے اپنے نبیوں کی موت میں اختلاف کیا تھا' حتیٰ کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی موت کا انکار کیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس آیت سے آپ کی موت پر استدلال فرمایا (۵) اللہ تعالیٰ نے آپ کی موت کی خبر دے کر یہ بتایا ہے کہ ہر چند کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے لیکن موت میں تمام مخلوق برابر ہے۔
(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۲۲۷۔۲۲۶' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

موت صفت وجودیہ ہے جو حیات کی ضد ہے' المفردات میں مذکور ہے: قوت حساسیہ حیوانیہ کے زوال کا نام موت ہے اور جسم کے روح سے الگ ہو جانے کو بھی موت کہتے ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فراق قریب آ پہنچا تو ہم سب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں جمع ہوئے' آپ نے ہماری طرف دیکھا' پھر آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے' آپ نے فرمایا: تم کو خوش آمدید ہو' اللہ تعالیٰ تم کو زندہ رکھے اور اللہ تم پر رحم فرمائے' میں تم کو اللہ سے ڈرنے اور اس کی اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اب فراق قریب آ گیا ہے اور یہ وقت ہے اللہ کی طرف لوٹنے کا اور سدرۃ المنتہیٰ اور جنت الماویٰ کی طرف جانے کا' میرے گھر کے لوگ مجھے غسل دیں گے اور مجھے کفن ان کپڑوں میں پہنائیں گے اگر وہ چاہیں یا حلہ یمانیہ میں' پس جب تم مجھے غسل دے چکو اور کفن پہنا چکو تو مجھے میرے اس تخت پر میرے حجرے میں رکھ دینا میری لحد کے کنارے پر' پھر کچھ دیر کے لیے میرے اس حجرے سے نکل جانا' سب سے پہلے میرے حبیب حضرت جبریل میری نماز جنازہ پڑھیں گے' پھر حضرت میکائیل' پھر حضرت اسرافیل' پھر ملک الموت اپنے لشکر کے ساتھ میری نماز جنازہ پڑھیں گے۔ پھر تم گروہ در گروہ آ کر میری نماز جنازہ پڑھنا' مسلمانوں نے جب آپ کے فراق کا سنا تو وہ رونے لگے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! آپ ہمارے رب کے

رسول ہیں اور ہماری جماعت کی شمع ہیں اور ہمارے معاملات کی برھان ہیں' جب آپ چلے جائیں گے تو ہم اپنے معاملات میں کس کی طرف رجوع کریں گے؟ آپ نے فرمایا: میں نے تم کو صاف اور شفاف راستے پر چھوڑا ہے' جس کی رات بھی اپنے ظہور میں دن کی طرح ہے اور اس رہ نمائی کے بعد وہی شخص گم راہ ہوگا جو ہلاک ہونے والا ہو اور میں نے تمہارے لیے دو نصیحت کرنے والے چھوڑے ہیں' ایک ناطق ہے اور دوسرا ساکت ہے' رہا ناطق تو وہ قرآن کریم ہے اور رہا ساکت تو وہ موت ہے' پس جب تم کو کوئی مشکل پیش آئے تو تم قرآن اور سنت کی طرف رجوع کرنا اور جب تمہارے دل سخت ہو جائیں تو تم مُردوں کے احوال پر غور کرنا' پھر اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے اور آپ کو دردسر کا عارضہ ہوا' آپ اٹھارہ روز تک بیمار رہے اور مسلمان آپ کی عیادت کرتے رہے' پھر پیر کے دن آپ کا وصال ہو گیا اور اسی دن آپ کی بعثت ہوئی تھی' پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ کو غسل دیا اور بدھ کی شب جب نصف گزر چکی تھی آپ کو دفن کر دیا گیا اور ایک قول یہ ہے کہ منگل کی شب آپ کو دفن کیا گیا۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۹۹۶' دار الکتب العلمیہ' مسند البزار رقم الحدیث: ۸۴۷)

حضرت سابط رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی شخص پر کوئی مصیبت آئے تو وہ میری مصیبت کو یاد کرے کیونکہ وہ سب سے بڑی مصیبت تھی۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۷۱۸)

(روح البیان ج ۸ ص ۱۴۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

کفار تو زندگی میں بھی مرے ہوئے ہیں اور انبیاء کی موت ایک آن کے لیے ہوتی ہے' پھر انہیں حیات عطا فرمائی جاتی ہے' اس پر بہت سی شرعی برہانیں قائم ہیں۔ (حاشیہ کنز الایمان مسمی بہ خزائن العرفان ص ۷۳۷' مطبوعہ تاج کمپنی' لاہور)

مفتی احمد یار خان متوفی ۱۳۹۱ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حقیقتاً ایک آن کے لیے نہ کہ ہمیشہ کے لیے' ورنہ قرآنِ کریم شہداء کے بارے میں فرماتا ہے: ''بل احیاء ولکن لا تشعرون O''

خیال رہے کہ موت کی دو صورتیں ہیں: روح کا جسم سے الگ ہونا اور روح کا جسم میں تصرف چھوڑ دینا' پرورش ختم کر دینا' انبیاء کی موت پہلے معنیٰ میں ہے یعنی خروج روح عن الجسم اور عوام کی موت پہلے دوسرے دونوں معنیٰ میں ہے' لہٰذا نبی کی روح جسم سے علیحدہ ہو جاتی ہے جس بناء پر ان کا دفن' کفن وغیرہ سب کچھ ہوتا ہے مگر ان کی روح ان کے جسم کی پرورش کرتی رہتی ہے' اسی لیے ان کے جسم گلتے نہیں اور زائرین کو پہچانتے ہیں' ان کا سلام سنتے ہیں' ان کی فریاد رسی اور مشکل کشائی کرتے ہیں۔

(حاشیہ کنز الایمان مسمی بہ نور العرفان ص ۷۳۶' مطبوعہ ادارہ کتب اسلامیہ' گجرات)

اس پر دلائل کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت آتی ہے' یعنی قلیل وقت کے لیے

ہم نے جو کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک آن کے لیے موت آئی' اس کی تقریر اس طرح ہے کہ ہر مومن کی روح اس کے جسم سے ایک قلیل وقت کے لیے نکالی جاتی ہے' پھر اس کی روح کو علیین کی طرف لے جایا جاتا ہے' پھر حکم دیا جاتا ہے کہ اس کی روح کو پھر اس کے جسم میں داخل کر دو' سو اس کی روح کو اس کے جسم میں داخل کر دیا جاتا ہے اور یوں ہر مومن کو قبر میں برزخی حیات حاصل ہوتی ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد وسید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح کو اقل قلیل وقت کے لیے آپ کے جسم مکرم سے نکالا گیا تھا اور اس بہت کم وقت کو آن سے تعبیر کیا جاتا ہے اور آپ کو آپ کے مرتبہ کے لحاظ سے پھر

جسمانی حیات عطا کردی گئی تھی اور ہر مومن کی روح کو قلیل وقت کے لیے نکالنے پر دلیل یہ حدیث ہے:

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک انصاری کے جنازہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئے' ہم قبر تک پہنچے' اس کی لحد بنائی جارہی تھی' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے گرد اس طرح بیٹھ گئے گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے ہیں' آپ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس سے آپ زمین کرید رہے تھے' آپ نے اپنا سر اٹھا کر فرمایا: عذاب قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرو' یہ آپ نے دو یا تین بار فرمایا' اس کے بعد آپ نے فرمایا: جب مسلمان بندہ دنیا سے آخرت کی طرف روانہ ہوتا ہے تو اس کے پاس آسمان سے فرشتے نازل ہوتے ہیں' ان کے چہرے آفتاب کی طرح سفید ہوتے ہیں اور ان کے پاس جنت کے کفنوں میں سے ایک کفن ہوتا ہے اور جنت کی خوشبوؤں میں سے ایک خوشبو ہوتی ہے' حتیٰ کہ وہ منتہائے بصر تک بیٹھ جاتے ہیں' پھر ملک الموت علیہ السلام آتے ہیں' حتیٰ کہ وہ اس کے سرہانے آ کر بیٹھ جاتے ہیں' پھر کہتے ہیں: اے پاکیزہ روح! اللہ کی مغفرت اور رضا کی طرف روانہ ہو' پھر اس کی روح اس کے جسم سے اس قدر آسانی سے نکلتی ہے جس طرح آسانی سے مشک کے منہ سے پانی کا قطرہ نکلتا ہے' روح نکلنے کے بعد وہ پلک جھپکنے میں اس روح کو پکڑ کر اس جنتی کفن میں رکھ دیتے ہیں اور اس میں روئے زمین کی سب سے زیادہ اچھی مشک سے بھی اچھی خوشبو ہوتی ہے' وہ اس روح کو لے کر آسمانوں کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ ان کو فرشتوں کی جو جماعت بھی ملتی ہے وہ پوچھتی ہے: یہ پاکیزہ روح کون ہے؟ فرشتے کہتے ہیں: یہ فلاں بن فلاں ہے اور دنیا میں جو اس کا سب سے اچھا نام ہو وہ بتاتے ہیں' حتیٰ کہ آسمان دنیا پر پہنچتے ہیں' ان کے لیے وہ آسمان کھول دیا جاتا ہے' پھر ساتویں آسمان تک ہر آسمان کے فرشتے اس کا استقبال کرتے ہیں' پھر اللہ عزوجل فرماتا ہے: میرے اس بندہ کا صحیفۂ اعمال علیین میں لکھ دو اور اس کو زمین کی طرف لوٹا دو' کیونکہ میں نے اس کو زمین سے ہی پیدا کیا ہے اور میں اس کو زمین میں ہی لوٹاؤں گا اور میں اس کو دوبارہ زمین سے ہی نکالوں گا' آپ نے فرمایا: پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جائے گی' پھر اس کے پاس دو فرشتے آئیں گے' وہ اس سے کہیں گے: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہے گا: میرا رب اللہ ہے' پھر وہ کہیں گے: تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہے گا: میرا دین اسلام ہے' پھر وہ اس سے کہیں گے: وہ کون شخص ہے جو تم میں بھیجا گیا تھا؟ وہ کہے گا: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' وہ کہیں گے: تمہیں ان کا کیسے علم ہوا؟ وہ کہے گا: میں نے اللہ کی کتاب پڑھی' سو میں اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی۔ پھر ایک ندا کرنے والا آسمان میں ندا کرے گا: میرے بندہ نے سچ کہا: اس کے لیے جنت سے فرش بچھا دو اور اس کو جنت سے لباس پہنا دو اور اس کے لیے جنت کی کھڑکی کھول دو' آپ نے فرمایا: پھر اس کے پاس جنت کی ہوا اور اس کی خوشبو آئے گی اور منتہائے بصر تک اس کی قبر میں وسعت کر دی جائے گی' آپ نے فرمایا: پھر اس کے پاس ایک خوب صورت شخص' خوب صورت لباس میں' عمدہ خوش بو کے ساتھ آئے گا' وہ اس سے کہے گا: تمہیں اس چیز کی بشارت ہو جس سے تم خوش ہو گے۔ یہ وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا' وہ کہے گا: تم کون ہو؟ تمہارا چہرہ بہت حسین ہے جو خیر کے ساتھ آیا ہے' وہ کہے گا: اے میرے رب! تو قیامت کو قائم کردے حتیٰ کہ میں اپنے اہل اور مال کی طرف لوٹ جاؤں۔ الحدیث۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۷ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۰ ص ۵۰۱۔۴۹۹' رقم الحدیث: ۱۸۵۳۴' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۹ھ' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۱۹۴' ج ۳ ص ۳۸۲۔۳۸۰۔۳۷۴۔۳۱۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۵۳' المستدرک ج ۱ ص ۳۸۔۳۷' شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۹۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۴۹' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۰۔۴۹' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے)

اس صحیح حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ ہر مومن کی روح کو بہت قلیل وقت کے لیے اس کے جسم سے نکالا جاتا ہے' پھر اس کو برزخی حیات عطا کر دی جاتی ہے اور شہداء کو جسمانی حیات عطا کی جاتی ہے' اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو بھی جسمانی حیات عطا کی جاتی ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سید الشہداء اور سید الانبیاء والمرسلین ہیں' اس لیے آپ کو سب سے افضل جسمانی حیات عطا کی گئی اور نہایت قلیل وقت کے لیے ان کے جسم سے جو روح قبض کی جاتی ہے وہ اس لیے ہے کہ ان کے اوپر غسل' کفن' دفن اور نماز جنازہ کے احکام پر عمل کیا جا سکے۔

بانیٔ مدرسہ دیوبند شیخ محمد قاسم نانوتوی متوفی ۱۲۹۷ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کی موت میں بھی مثل حیات فرق ہے' ہاں فرق ذاتیت وعرضیت متصور نہیں' وجہ اس فرق کی وہی تفاوت حیات ہے' یعنی حیات نبوی بوجہ ذاتیت قابل زوال نہیں اور حیات مؤمنین بوجہ عرضیت قابل زوال ہے' اس لیے وقت موت حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم زائل نہ ہوگی' ہاں مستور ہو جائے گی اور حیات مؤمنین ساری یا آدھی زائل ہو جاوے گی۔ سو در صورت تقابل عدم وملکہ اس استتار حیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو مثل آفتاب سمجھئے کہ وقت کسوف قمر بے اوٹ میں حسب مزعوم حکماء اس کا نور مستور ہو جاتا ہے' زائل نہیں ہوتا' یا مثل شمع چراغ خیال فرمایئے کہ جب اس کو کسی ہنڈیا یا مٹکے میں رکھ کر اوپر سے سرپوش رکھ دیجئے تو اس کا نور بالبداہت مستور ہو جاتا ہے' زائل نہیں ہو جاتا اور دوبارہ زوال حیات مؤمنین کو مثل قمر خیال فرمایئے کہ وقت خسوف اس کا نور زائل ہو جاتا ہے یا مثل چراغ سمجھئے کہ گل ہو جانے کے بعد اس میں نور بالکل نہیں رہتا۔ (آب حیات ص ۱۸۵۔۱۸۴' مطبوعہ ادارۂ تالیفات اشرفیہ' ملتان' ۱۴۱۳ھ)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر موت آنے سے آپ کی حیات زائل نہیں ہوئی' لوگوں کی نگاہوں سے چھپ گئی تھی اور عام مسلمانوں پر موت آنے سے ان کی حیات ساری یا آدھی زائل ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پر احادیث' آثار اور اقوال علماء سے دلائل پیش کریں گے اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ اور نماز جنازہ کے بعد دعا کے ثبوت کو تفصیل سے بیان کریں گے' ان شاء اللہ العزیز!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے ثبوت میں احادیث

امام ابو یعلیٰ نے اپنی ''مسند'' میں اور امام بیہقی نے کتاب ''حیات الانبیاء'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھ رہے ہیں۔

(مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۳۴۲۵' حیاۃ الانبیاء للبیہقی ص ۳' سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ للالبانی رقم الحدیث: ۶۲۱' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۱' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۴۵۲' تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۵ ص ۱۵۹' رقم الحدیث: ۳۵۱۱' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ابو نعیم نے ''حلیہ'' میں روایت کیا ہے کہ ثابت بنانی نے حمید الطویل سے پوچھا: کیا تمہیں یہ علم ہے کہ انبیاء کے سوا بھی کوئی اپنی قبروں میں نماز پڑھتا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ (حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۲۵۶۷' طبع جدید' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

امام ابوداؤد اور امام بیہقی نے حضرت اوس بن اوس ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے تمام دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے' تم اس دن میں مجھ پر بہ کثرت صلوٰۃ پڑھا کرو' کیونکہ تمہاری صلوٰۃ (درود شریف) مجھ پر پیش کی جاتی ہے' صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ پر ہماری صلوٰۃ کیسے پیش کی جائے گی حالانکہ آپ کی ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی ہوں گی؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے اجسام کے کھانے کو حرام کر دیا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۴۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۷۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۸۵' مسند احمد ج ۴ ص ۸' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳

ص ۲۴۹،المستدرک ج ۴ص ۵۶۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۳۰۱،البدایہ والنہایہ ج ۴ص ۲۵۸، دارالفکر،بیروت ۱۴۱۸ھ،سنن ابن ماجہ اور البدایہ والنہایہ میں اس حدیث کے بعد یہ بھی مذکور ہے: اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اس کو رزق دیا جاتا ہے۔سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۳۷،البدایہ ج ۴ص ۲۵۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری قبر کے پاس درود پڑھا اس کو میں خود سنتا ہوں اور جس نے مجھ پر دور سے درود پڑھا وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔(اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ دور سے خود سن نہیں سکتے کیونکہ یہ بھی حدیث میں ہے کہ کوئی شخص کہیں سے بھی درود پڑھے اس کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے۔(جلاء الافہام) فرشتہ کا درود پہنچانا آپ کے یا درود کے اعزاز واکرام کے لیے ہے، جیسے فرشتے اللہ تعالیٰ کے پاس اعمال پہنچاتے ہیں)۔(شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۵۸۳،مشکوۃ رقم الحدیث: ۹۳۴، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۶۵،جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۲۳۵۶)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:) اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو تمام مخلوق کی سماعت عطا فرمائی ہے، وہ میری قبر پر کھڑا ہوا ہے۔(التاریخ الکبیر للبخاری رقم الحدیث: ۸۹۰۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو مجھ پر سو مرتبہ درود پڑھا، اللہ تعالیٰ اس کی سو حاجات پوری کرتا ہے، ستر آخرت کی حاجتیں اور تیس دنیا کی حاجتیں اور اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے ایک فرشتہ مقرر کرتا ہے جو اس درود کو میری قبر میں داخل کرتا ہے جیسے تمہارے پاس ہدیے اور تحفے داخل ہوتے ہیں اور میری وفات کے بعد بھی میرا علم اسی طرح ہے جس طرح میری حیات میں تھا۔

(کنز العمال رقم الحدیث: ۲۲۴۲،جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۲۳۵۵،اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ص ۲۴۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیاء علیہم السلام کو چالیس راتوں کے بعد ان کی قبروں میں نہیں چھوڑا جاتا لیکن وہ اللہ سبحانہ کے سامنے نماز پڑھتے ہیں حتیٰ کہ صور میں پھونکا جائے۔

(جمع الجوامع رقم الحدیث: ۴۹۹۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۲۳۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں ابوالقاسم کی جان ہے، عیسیٰ بن مریم ضرور نازل ہوں گے، درآں حالیکہ وہ امام عادل ہوں گے، وہ ضرور صلیب کو توڑ دیں گے اور وہ ضرور خنزیر کو قتل کریں گے اور وہ ضرور لڑنے والوں کے درمیان صلح کرائیں گے اور وہ ضرور کینہ اور بغض کو دور کریں گے اور ضرور ان پر مال پیش کیا جائے گا سو وہ اس کو قبول نہیں کریں گے، پھر اگر وہ میری قبر پر کھڑے ہو کر پکاریں: یا محمد! تو میں ان کو ضرور جواب دوں گا۔

(مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۵۸۴، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد ج ۸ص ۵،المطالب العالیہ ج ۴ص ۲۴، رقم الحدیث: ۴۵۷۴)

سعید بن عبدالعزیز بیان کرتے ہیں کہ ایام حرہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں تین دن تک اذان نہیں دی گئی اور نہ جماعت کھڑی ہوئی اور سعید بن المسیب مسجد سے نہیں نکلے اور انہیں نماز کے وقت کا صرف اس آواز سے پتا چلتا تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے آتی تھی۔(سنن الدارمی رقم الحدیث: ۹۴،مشکوۃ رقم الحدیث: ۵۹۵۱)

حافظ سیوطی فرماتے ہیں: یہ احادیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پر دلالت کرتی ہیں اور باقی انبیاء علیہم السلام کی حیات پر بھی، اور اللہ تعالیٰ نے شہداء کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ ○ (آل عمران: ۱۶۹)

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے ہیں ان کو مردہ گمان مت کرو بلکہ وہ زندہ ہیں، ان کو ان کے رب کے پاس سے روزی

دی جاتی ہے۔

اور جب شہداء زندہ ہیں تو انبیاء علیہم السلام جو ان سے بہت افضل اور اجل ہیں وہ بہ طریق اولیٰ زندہ ہیں اور بہت کم کوئی نبی ایسا ہو گا جس میں وصف شہادت نہ ہو' لہٰذا شہداء کی حیات کے عموم میں وہ بھی داخل ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اگر میں نو بار یہ قسم کھاؤں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کیا گیا تو میرے نزدیک اس سے بہتر یہ ہے کہ میں ایک بار یہ قسم کھاؤں کہ آپ کو قتل نہیں کیا گیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی بنایا ہے اور شہید بنایا ہے۔ (مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۲۰۷' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۵-۴' مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۱' المستدرک ج ۳ ص ۵۸' جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۶۱۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس بیماری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تھے اس میں آپ فرما رہے تھے: اے عائشہ! میں ہمیشہ اس کھانے کا درد محسوس کرتا رہا ہوں جو میں نے خیبر میں کھایا تھا (اس طعام میں زہر ملا ہوا تھا) اور اس زہر کی وجہ سے اب میری رگ حیات کے منقطع ہونے کا وقت آ گیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۲۸' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۱۵۰۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے متعلق مستند علماء کی تصریحات اور مزید احادیث

حافظ سیوطی فرماتے ہیں: پس قرآن مجید کی صریح عبارت سے یا مفہوم موافق سے یہ ثابت ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ امام بیہقی نے ''کتاب الاعتقاد'' میں کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی روحوں کو قبض کرنے کے بعد ان کی روحوں کو لوٹا دیا جاتا ہے' پس وہ اپنے رب کے سامنے شہداء کی طرح زندہ ہیں۔

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ نے اپنے شیخ احمد بن عمر قرطبی متوفی ۶۵۶ ھ سے نقل کر کے کہا ہے کہ موت عدم محض نہیں ہے' وہ صرف ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ شہداء اپنے قتل ہونے اور اپنی موت کے بعد زندہ ہوتے ہیں اور وہ خوش وخرم ہوتے ہیں اور یہ دنیا میں زندوں کی صفت ہے اور جب شہداء کو حیات حاصل ہے تو انبیاء علیہم السلام تو ان سے زیادہ حیات کے حق دار ہیں اور صحیح حدیث میں ہے کہ زمین انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو نہیں کھاتی اور معراج کی شب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مسجد اقصیٰ میں جمع ہوئے اور آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر بھی دی ہے کہ جو شخص بھی آپ کو سلام کرتا ہے آپ اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

اس کے علاوہ اور احادیث بھی ہیں اور ان تمام احادیث کے مجموعہ سے یہ قطعی یقین حاصل ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی موت کا یہ معنیٰ ہے کہ وہ ہماری نظروں سے غائب ہیں' ہر چند کہ وہ زندہ ہیں اور موجود ہیں اور ان کا حال فرشتوں کی طرح ہے' وہ بھی زندہ اور موجود ہیں اور ہماری نوع انسان میں سے کوئی شخص ان کو نہیں دیکھتا ماسوا اولیاء اللہ کے' جن کو اللہ تعالیٰ نے کرامت کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ (التذکرہ ج ۱ ص ۲۶۵-۲۶۴' مطبوعہ دار البخاری' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ کے شیخ علامہ ابو العباس احمد بن عمر قرطبی متوفی ۶۵۶ ھ ہیں اور ان کی یہ مذکور الصدر عبارت ''المفہم شرح مسلم'' ج ۶ ص ۲۳۴-۲۳۳' مطبوعہ دار ابن کثیر' بیروت' ۱۴۱۷ھ میں موجود ہے۔

اس کے بعد حافظ سیوطی لکھتے ہیں: ہمارے اصحاب میں سے متکلمین اور محققین یہ کہتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور آپ اپنی امت کی عبادات سے خوش ہوتے ہیں اور ان کے گناہوں سے ناخوش ہوتے ہیں اور

آپ کی امت میں سے جو شخص آپ پر درود پڑھتا ہے' آپ اس کو سنتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کا جسم بوسیدہ نہیں ہوتا اور زمین اس میں سے کسی چیز کو نہیں کھاتی اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی شب حضرت موسیٰ کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور آپ نے پہلے آسمان میں حضرت آدم کو' دوسرے آسمان میں حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ کو اور تیسرے آسمان میں حضرت یوسف کو اور چوتھے آسمان میں حضرت ادریس کو اور پانچویں آسمان میں حضرت ہارون کو اور چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ کو اور ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۴) ان وجوہ سے ہمارے لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں۔

اور اصحاب نے جو یہ کہا ہے کہ آپ اپنی امت کی عبادت سے خوش ہوتے ہیں اور ان کے گناہوں سے رنجیدہ ہوتے ہیں' اس کی اصل یہ احادیث ہیں:

بکر بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری حیات تمہارے لیے بہتر ہے' تم باتیں کرتے ہو اور تمہارے لیے حدیث بیان کی جاتی ہے اور جب میں وفات پا جاؤں گا تو میری وفات تمہارے لیے بہتر ہوگی' مجھ پر تمہارے اعمال پیش کیے جاتے ہیں' جب میں نیک عمل دیکھتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں اور جب بُرا عمل دیکھتا ہوں تو تمہارے لیے استغفار کرتا ہوں۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۴' دار صادر' بیروت' ۱۳۸۸ھ' المطالب العالیہ ج ۴ ص ۲۳-۲۲' کنز العمال ج ۱۱ ص ۴۰۷' الجامع الصغیر ج ۱ ص ۵۸۲' البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۲۵۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۸ھ' مسند احمد رقم الحدیث: ۳۶۶۶' دار الفکر' مسند البزار رقم الحدیث: ۸۴۵' حافظ الہیثمی نے کہا: مسند البزار کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴)

خراش بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری حیات تمہارے لیے بہتر ہے اور میری وفات تمہارے لیے بہتر ہے' حیات اس لیے بہتر ہے کہ میں تم سے حدیث بیان کرتا ہوں اور میری وفات اس لیے بہتر ہے کہ ہر پیر اور جمعرات کو تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں' سو جو نیک عمل ہوتے ہیں میں ان پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں اور جو بُرے عمل ہوتے ہیں تو میں تمہارے لیے استغفار کرتا ہوں۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۳ ص ۹۴۵' دار الفکر' الوفاء لابن الجوزی ص ۸۱۰' مطبوعہ مصر' ۱۳۶۹ھ)

حافظ سیوطی لکھتے ہیں: حافظ ابو بکر بیہقی نے ''کتاب الاعتقاد'' میں کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام روحوں کے قبض کیے جانے کے بعد اپنے رب کے پاس شہداء کی طرح زندہ ہوتے ہیں' ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کی ایک جماعت کو دیکھا ہے اور ان کی امامت کی ہے اور آپ نے یہ خبر دی ہے کہ ہمارا درود اور سلام ان تک پہنچایا جاتا ہے اور آپ کی خبر صادق ہے۔

(انباء الاذکیاء ص ۷)

حافظ بیہقی نے جو کہا ہے کہ ہمارا درود اور سلام آپ کو پہنچایا جاتا ہے اس کے متعلق یہ احادیث ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ کے کچھ زمین میں سیاحت کرنے والے فرشتے ہیں تاکہ وہ میری امت کا سلام مجھے پہنچائیں۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۲۸۱' مسند احمد ج ۲ رقم الحدیث: ۴۲۱۰' دار الفکر' البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۹۲' دار الفکر' ۱۴۱۸ھ' جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۹۹)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کے دن مجھ پر کثرت کے ساتھ درود پڑھا کرو کیونکہ یہ وہ دن ہے جس میں مجھ پر فرشتے پیش کیے جاتے ہیں اور جو بندہ بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے خواہ وہ کہیں بھی ہو' ہم نے پوچھا: آپ کی وفات کے بعد بھی؟ آپ نے فرمایا: میری وفات کے بعد بھی

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے اجسام کے کھانے کو زمین پر حرام کر دیا ہے۔

(جلاء الافہام ص ۶۴' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام۔ جو شخص بھی مجھ پر سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے تا کہ میں اس کے سلام کا جواب دوں۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۰۴۱' مسند احمد ج ۲ ص ۵۲۷' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۲۴۵' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۲' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۹۲۵' الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۴۹۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۲۰۰۰)

سلام کے وقت آپ کی روح کو لوٹانے کی حدیث کے اشکال کے جوابات

حافظ سیوطی فرماتے ہیں: اس حدیث سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی آپ کسی سلام کرنے والے کو سلام کا جواب دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کے بدن میں روح کو لوٹا دیتا ہے اور پھر روح کو نکال لیا جاتا ہے اور چونکہ آپ کو بار بار سلام کیا جاتا ہے تو گویا بار بار آپ کے جسم سے روح نکالی جاتی ہے اور بار بار داخل کی جاتی ہے اور یہ عمل آپ کے لیے شدید تکلیف کا موجب ہے اور روح کا نکالنا موت کے معنیٰ میں ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو بار بار موت آتی ہے اور یہ ان احادیث کے بھی خلاف ہے جن سے آپ کی حیات مستمر ثابت ہے' جن کو ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں' اس اشکال کے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر حسب ذیل جوابات منکشف کیے ہیں:

(۱) ''الا رد اللہ علی روحی'' جملہ حالیہ ہے اور عربی قواعد کے مطابق اس سے پہلے ''قد'' کا لفظ محذوف ہے' جیسے قرآن مجید میں ہے: ''حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ''. (النساء: ۹۰) اس سے پہلے بھی لفظ ''قد'' محذوف ہے اور اس کا معنیٰ ہے ''یا وہ تمہارے پاس اس حال میں آئیں کہ تم سے لڑنے کے لیے بھی ان کے دل تنگ ہوں'' اسی طرح اس حدیث کا بھی معنیٰ ہے: جو شخص بھی مجھے سلام کرتا ہے وہ اس حال میں سلام کرتا ہے کہ مجھ پر اللہ روح لوٹا چکا ہوتا ہے۔ اور اب یہاں پر ''رد اللہ'' کا جملہ ماضی کے معنیٰ میں ہے کیونکہ اشکال اس وقت ہوتا جب ''رد اللہ'' حال یا استقبال کے معنیٰ میں ہوتا اور اس سے بار بار روح کا لوٹانا لازم آتا' اس سے ایک تو یہ لازم آتا کہ جسم سے بار بار روح کے نکلنے سے آپ کو بار بار درد ہوتا اور یہ آپ کی تکریم کے خلاف ہے' نیز یہ حیات شہداء کے خلاف ہے' کیونکہ شہداء کی حیات مستمر ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم' اس کے زیادہ لائق ہیں کہ آپ کی حیات مستمر ہو اور تیسری خرابی یہ ہے کہ یہ معنیٰ قرآن مجید کے خلاف ہے کیونکہ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ صرف دو بار موت اور دو بار حیات ہے اور اس صورت میں بہ کثرت موتیں اور حیاتیں لازم آئیں گی اور چوتھی خرابی یہ ہے کہ یہ معنیٰ ان احادیث صحیحہ متواترہ کے خلاف ہے جن سے آپ کی حیات مستمر ثابت ہے اور جو معنیٰ قرآن مجید اور احادیث متواترہ کے خلاف ہو اس کی تاویل کرنا واجب ہے۔

(۲) اس حدیث میں لفظ ''رد'' ''صیرورۃ'' کے معنیٰ میں ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے: ''قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ'' (الاعراف: ۸۹) ''عدنا'' کا لفظ عود سے بنا ہے اور عود کا معنیٰ ہے: لوٹنا' اگر یہاں عود اپنے معنیٰ میں ہو تو اس کا معنیٰ ہو گا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے کفار سے فرمایا: اگر ہم تمہارے دین میں لوٹ جائیں تو ہم اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنے والے ہو جائیں گے اور کفار کے دین میں لوٹ جانا اس کو مستلزم ہے کہ حضرت شعیب پہلے بھی ان کے دین میں تھے اور یہ معنیٰ باطل ہے' اس لیے اس آیت میں ''عدنا'' کا لفظ ''صِرنا'' کے معنیٰ میں ہے یعنی اگر ہم

تمہارے دین میں ہو جائیں تو پھر ہم اللہ پر بہتان باندھنے والے ہو جائیں گے' اسی طرح اس حدیث کا معنیٰ ہے: جب کوئی شخص مجھ کو سلام کرتا ہے تو اس وقت میری روح مجھ میں ہوتی ہے۔

(۳) روح کو لوٹانے سے مراد یہ ہے کہ آپ کی روح کو سلام کے جواب کی طرف متوجہ کر دیا جاتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم احوال برزخ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اپنے رب کے مشاہدہ میں مستغرق ہوتے ہیں تو آپ کو سلام کرنے والے کے جواب کی طرف متوجہ کر دیا جاتا ہے۔

(۴) روح کو لوٹانا آپ کی حیات کے دوام اور استمرار سے کنایہ ہے کیونکہ دنیا میں ہر وقت کسی نہ کسی جگہ سے کوئی نہ کوئی شخص آپ کو سلام عرض کر رہا ہوتا ہے تو آپ ہر وقت کسی نہ کسی کے سلام کا جواب دیتے ہیں تو ہر وقت آپ کو حیات حاصل ہوتی ہے۔

(۵) ردّ روح سے مراد یہ ہے کہ سلام کے وقت اللہ تعالیٰ آپ کے نطق کو اس کے جواب کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔

(۶) ردّ روح سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی آپ کو سلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کو غیر معمولی سماعت عطا فرماتا ہے اور کوئی شخص کہیں سے بھی سلام کرے آپ اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

(۷) ردّ روح سے مراد یہ ہے کہ آپ عالم ملکوت کے مشاہدہ میں مشغول ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس کے جواب کی طرف فارغ کر دیتا ہے۔

(۸) روح سے خوشی اور فرحت مراد ہے جیسے قرآن مجید میں ہے: ''فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ'' (الواقعہ:۸۹) یعنی جو شخص مقرب ہو اس کے لیے راحت اور خوشی ہے' اسی طرح اس حدیث کا معنیٰ ہے: جب کوئی شخص آپ کو سلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی فرحت اور راحت کو تازہ کر دیتا ہے۔

(۹) ردّ روح سے مراد ہے: صلوٰۃ کے ثواب کو آپ کی طرف لوٹانا یعنی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور انعامات کو آپ پر لوٹاتا رہتا ہے۔

(۱۰) امام راغب نے ''رد'' کا ایک معنیٰ تفویض بھی لکھا ہے' اس صورت میں حدیث کا معنیٰ یہ ہے: اللہ تعالیٰ نے سلام کے جواب کو آپ کی طرف مفوض کر دیا ہے یعنی اس کی طرف رحمت کے لوٹانے کو' جیسا کہ حدیث میں ہے: جو شخص مجھ پر ایک صلوٰۃ بھیجتا ہے اللہ اس پر دس صلوات بھیجتا ہے' یعنی اس پر دس رحمتیں بھیجنے کو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف مفوض کر دیا ہے اور آپ کی اس پر رحمت یہ ہے کہ آپ اس کی شفاعت فرمائیں۔

(۱۱) روح سے مراد وہ رحمت ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں آپ کی امت کے لیے ہے' یعنی آپ کو آپ کی اس رحمت کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔

(۱۲) ردّ روح سے مراد یہ ہے کہ آپ اعمال برزخ میں مشغول ہوتے ہیں' مثلاً اعمال امت کا ملاحظہ فرماتے ہیں' ان کے نیک اعمال پر اللہ کی حمد کرتے ہیں اور ان کے بُرے اعمال پر استغفار فرماتے ہیں' ان سے مصائب دور ہونے کی دعا کرتے ہیں' اطراف زمین میں برکت پہنچانے کے لیے آمد و رفت جاری رکھتے ہیں اور امت کے جو صالحین فوت ہو جاتے ہیں ان کے جنازوں پر تشریف لے جاتے ہیں' یہ تمام امور اشغال برزخ سے ہیں جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں' تو اللہ تعالیٰ آپ کو ان اشغال برزخ سے ہٹا کر سلام کے جواب دینے کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔

(انباء الاذکیاء ص ۱۳' حافظ سیوطی کی ترتیب سے اس جواب کا نمبر دس ہے ہم نے تلخیص کی سہولت سے جوابات کی ترتیب بدل دی ہے)

(۱۳) روح سے مراد وہ فرشتہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی قبر انور پر مقرر کر دیا ہے جو امت کا سلام آپ تک پہنچاتا ہے۔
(۱۴) ہوسکتا ہے کہ آپ کو ابتداء میں یہی بتایا گیا ہو کہ جواب کے وقت آپ کی روح جسد میں لوٹائی جائے گی' بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے درجات میں ترقی فرمائی اور آپ پر وحی فرمائی کہ آپ کو حیات ہمیشہ حاصل رہے گی۔

حافظ سیوطی نے پندرہ جوابات ذکر فرمائے ہیں' ان میں سے پہلے جواب کو انہوں نے بہت کمزور قرار دیا تھا' یعنی راویوں کو اس حدیث کی عبارت میں وہم ہوا ہے' ہم نے اس جواب کا ذکر نہیں کیا اور دوسرے جواب سے ابتداء کی' اس لیے چودہ جواب ذکر کیے ہیں اور جوابات کی ترتیب بھی ہم نے اپنی سہولت سے قائم کی ہے اور یہ جوابات ''انباء الاذکیا فی حیاۃ الانبیاء'' میں ص ۸۔۱۶ میں درج ہیں۔ واضح رہے کہ یہ حافظ سیوطی کی عبارت کا ترجمہ نہیں ہے' بلکہ ان کی عبارت کا خلاصہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی حیات کے مظاہر

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس امت کے ایک سے زیادہ کاملین نے آپ کی زیارت کی ہے اور آپ سے بیداری میں فیض حاصل کیا ہے' شیخ سراج الدین بن الملقن نے ''طبقات الاولیاء'' میں لکھا ہے کہ شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ العزیز نے بیان کیا ہے کہ میں نے ظہر سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی' آپ نے فرمایا: اے میرے بیٹے! تم خطاب کیوں نہیں کرتے؟ میں نے کہا: یارسول اللہ! میں عجمی شخص ہوں' فصحاء بغداد کے سامنے کیسے کلام کروں؟ آپ نے فرمایا: اپنا منہ کھولو' میں نے اپنا منہ کھولا تو آپ نے اس میں سات مرتبہ لعاب دہن ڈالا اور آپ نے فرمایا: لوگوں سے کلام کرو اور انہیں حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اپنے رب کے دین کی دعوت دو' پھر میں ظہر کی نماز پڑھ کر لوگوں کے سامنے بیٹھ گیا' میرے پاس بہت مخلوق آئی اور مجھ پر کلام ملتبس ہو گیا' پھر میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی زیارت کی جو میرے سامنے مجلس میں کھڑے ہوئے تھے' آپ نے مجھ سے فرمایا: اے میرے بیٹے! کلام کیوں نہیں کرتے؟ میں نے کہا: اے میرے والد گرامی! مجھ پر کلام ملتبس ہو گیا' آپ نے فرمایا: اپنا منہ کھولو' میں نے منہ کھولا تو آپ نے میرے منہ میں چھ مرتبہ لعاب دہن ڈالا' میں نے کہا: آپ نے سات بار مکمل کیوں نہیں کیا؟ حضرت علی نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کی وجہ سے' پھر وہ مجھ سے غائب ہو گئے۔

نیز شیخ سراج الدین نے لکھا ہے کہ شیخ خلیفہ بن موسیٰ النہر ملکی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند اور بیداری میں بہ کثرت زیارت کرتے تھے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نیند اور بیداری میں اکثر افعال حاصل کیے اور ایک بار انہوں نے ایک رات میں آپ کی سترہ مرتبہ زیارت کی' ان باریوں میں سے ایک بار میں آپ نے فرمایا: اے خلیفہ! میری زیارت کے لیے بے قرار نہ ہوا کرو' کیونکہ بہت سے اولیاء میری زیارت کی حسرت میں فوت ہو گئے اور شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ نے ''لطائف المنن'' میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے شیخ ابو العباس مرسی سے کہا: اپنے اس ہاتھ سے میرے ساتھ مصافحہ کیجئے' انہوں نے کہا: میں نے اس ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی سے مصافحہ نہیں کیا اور شیخ مرسی نے کہا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پلک جھپکنے کی مقدار بھی میری نظروں سے اوجھل ہوں تو میں اپنے آپ کو مسلمان شمار نہیں کرتا' اس قول کی مثل اور بہت سے اولیاء سے منقول ہے۔

بہ کثرت متقدمین اور متاخرین سے منقول ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند میں زیارت کی اور اس کے بعد بیداری میں زیارت کی اور انہوں نے اس حدیث کی تصدیق کی اور جن چیزوں کے متعلق وہ متشوش تھے انہوں نے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان چیزوں کے متعلق سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وہ مسئلہ اس طرح بیان کیا جس سے ان کی تشویش اور پریشانی دور ہوگئی۔

علامہ سیوطی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت کے سلسلہ میں تمام احادیث' آثار اور نقول ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسم اور روح کے ساتھ زندہ ہیں اور آپ اطراف ارض میں جب چاہیں' جہاں چاہیں تصرف کرتے ہیں اور تشریف لے جاتے ہیں اور عالم ملکوت میں آپ اپنی اسی ہیئت کے ساتھ ہیں جس ہیئت میں آپ وفات سے پہلے تھے' اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور آپ آنکھوں سے اسی طرح غائب ہیں جس طرح فرشتے غائب ہیں' حالانکہ وہ اپنے اجسام کے ساتھ زندہ ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کے اعزاز اور اکرام کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو حجابات ہیں ان کو اٹھا دیتا ہے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ہیئت پر دیکھتا ہے' اس سے کوئی چیز مانع نہیں ہے اور جسم مثالی کی تخصیص کا کوئی باعث نہیں ہے۔ (علامہ سیوطی کی عبارت ختم ہوئی) علامہ سیوطی رحمہ اللہ کا تمام انبیاء علیہم السلام کے متعلق یہی موقف ہے' انہوں نے کہا: انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اور وفات کے بعد ان کی روحیں لوٹا دی گئیں اور ان کو قبروں سے نکلنے اور تمام علوی اور سفلی ملکوت میں تصرف کرنے کی اجازت دی گئی' اپنے اس موقف پر علامہ سیوطی نے بہ کثرت احادیث سے استشہاد کیا ہے۔ بعض ازاں یہ ہیں:

(۱) امام ابن حبان نے اپنی تاریخ میں' امام طبرانی نے معجم کبیر میں اور امام ابونعیم نے حلیہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہر نبی فوت ہونے کے بعد صرف چالیس دن اپنی قبر میں رہتا ہے۔

(۲) امام عبدالرزاق نے سعید بن المسیب سے روایت کیا ہے: کوئی نبی فوت ہونے کے بعد چالیس دن سے زیادہ قبر میں نہیں رہتا۔

(۳) امام الحرمین نے نہایہ میں اور علامہ رافعی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اپنے رب کے نزدیک اس سے زیادہ مکرم ہوں کہ وہ مجھے تین دن کے بعد بھی قبر میں رکھے' امام الحرمین نے کہا: یہ بھی مروی ہے کہ دو دن سے زیادہ قبر میں رکھے۔

علامہ سیوطی کا موقف یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام قبروں میں نہیں ہوتے' عالم ملکوت میں ہوتے ہیں' جن احادیث سے علامہ سیوطی نے استدلال کیا ہے' علامہ ابن جوزی نے ان کو موضوع قرار دیا ہے' نیز احادیث صحیحہ صریحہ سے یہ ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں ہوتے ہیں' صحیح یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور جب چاہیں' جہاں چاہیں روئے زمین میں تشریف لے جاتے ہیں اور تصرف کرتے ہیں' علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

میرا ظن غالب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بصر سے اس طرح نہیں ہوتی جس طرح ہم دوسری متعارف چیزوں کو دیکھتے ہیں' یہ ایک حالت برزخی اور امر وجدانی ہے' اس کو مکمل طور پر وہی جان سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس نعمت سے بہرہ مند کیا ہے اور چونکہ یہ رؤیت' رؤیت بصری کے بہت زیادہ مشابہ ہوتی ہے' اس لیے دیکھنے والا یہ گمان کرتا ہے کہ اس نے اپنی آنکھوں سے اس طرح دیکھا ہے جیسے وہ متعارف چیزیں دیکھتا ہے' حالانکہ ایسا نہیں ہے' یہ رؤیت قلبی ہے جو رؤیت بصری سے بہت زیادہ مشابہ ہے۔

جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتا ہے یا تو وہ آپ کی روح کو دیکھتا ہے جو صورت مرئیہ میں (یعنی انسانی پیکر میں) ظاہر ہوتی ہے اور اس روح کا تعلق آپ کے جسم اطہر کے ساتھ قائم رہتا ہے جو آپ کی قبر انور میں موجود ہے' جیسا کہ

حضرت جبرائیل حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں یا کسی اور صورت میں آتے تھے' اس کے باوجود سدرۃ المنتہیٰ پر موجود ہوتے تھے۔ یا زیارت کرنے والا شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مثالی کو دیکھتا ہے' جس کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدس متعلق ہوتی ہے اور جسم مثالی کے تعدد سے کوئی چیز مانع نہیں ہے' یہ ہوسکتا ہے کہ آپ کے بہت سے اجسام مثالیہ ہوں (اور بیک وقت بہت سے لوگ آپ کی زیارت کریں) اور ان اجسام مثالیہ میں سے ہر ہر جسم کے ساتھ آپ کی روح کریم متعلق ہو' اس کی نظیر یہ ہے جیسے انسان کی ایک روح اس کے بدن کے ہر ہر عضو کے ساتھ متعلق ہوتی ہے' ہماری اس تقریر سے شیخ ابو العباس طبخی کے اس قول کی توجیہ ہو جاتی ہے کہ آسمان' زمین' عرش اور کرسی سب جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نظر آ رہے تھے (یعنی ہر جگہ آپ کا جسم مثالی تھا اور آپ کی روح کا اس سے تعلق تھا) اور یہ اشکال بھی حل ہو جاتا ہے کہ متعدد دیکھنے والوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک معین وقت میں مختلف مقامات پر دیکھا (یعنی انہوں نے آپ کے اجساد مثالیہ دیکھے جن کے ساتھ آپ کی روح متعلق تھی)۔

پھر قبر میں انبیاء علیہم السلام کو جو حیات حاصل ہوتی ہے ہر چند کہ اس حیات پر وہ امور مرتب ہوتے ہیں جو دنیا میں مرتب ہوتے تھے' مثلاً وہ نماز پڑھتے ہیں' اذان اور اقامت پڑھتے ہیں' جو سلام سنتے ہیں اس کا جواب دیتے ہیں اور اس کی مثل دوسرے امور ہیں لیکن اس حیات میں وہ تمام امور مرتب نہیں ہوتے جو دنیا کی معروف حیات میں مرتب ہوتے ہیں اور اس حیات کو ہر شخص محسوس کرسکتا ہے نہ اس کا ادراک کرسکتا ہے اور اگر بالفرض تمام انبیاء علیہم السلام کی قبریں منکشف ہو جائیں تو تمام لوگ قبروں میں انبیاء علیہم السلام کو اسی طرح دیکھیں گے جس طرح باقی ان اجسام کو دیکھتے ہیں جن کو زمین نہیں کھاتی' ورنہ احادیث میں تعارض لازم آئے گا' کیونکہ احادیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ انبیاء علیہم السلام قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور مسند ابو یعلیٰ میں حدیث مرفوع ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کو مصر میں منتقل کیا۔

(روح المعانی جز ۲۲ ص ۵۵-۵۱ ملخصاً' دار الفکر' بیروت ۱۴۱۷ھ)

شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ لکھتے ہیں:

اور میرے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیداری میں زیارت کرنا ممکن ہے' جس شخص کو اللہ تعالیٰ یہ نعمت عطا فرمائے (اس کو زیارت ہو جاتی ہے) کیونکہ منقول ہے کہ علامہ سیوطی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیس مرتبہ بیداری میں زیارت کی (علامہ عبد الوہاب شعرانی نے خود علامہ سیوطی کے حوالے سے لکھا ہے کہ میں نے پچھتر مرتبہ بیداری میں زیارت کی اور بالمشافہ ملاقات کی ہے۔ میزان الشریعۃ الکبریٰ ج ا ص ۴۴' لواقح الانوار القدسیہ ص ۱۷' سعیدی غفرلہٗ) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض احادیث کے متعلق سوال کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصحیح کے بعد ان کو صحیح قرار دیا' (الی قولہ) امام شعرانی رحمہ اللہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ انہوں نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیداری میں زیارت کی ہے اور آٹھ رفقاء کے ساتھ آپ سے صحیح بخاری پڑھی' امام شعرانی نے ان میں سے ہر ایک کا نام بھی لیا' ان میں سے ایک حنفی تھا' اخیر میں شیخ کشمیری نے کہا: بیداری میں آپ کی زیارت متحقق ہے اور اس کا انکار کرنا جہالت ہے۔ (فیض الباری ج ا ص ۲۰۴' مطبع حجازی' مصر' ۱۳۵۷ھ)

(''جس نے مجھے نیند میں دیکھا وہ عنقریب مجھے بیداری میں دیکھے گا'' اس حدیث کی مزید شرح ہم نے شرح صحیح مسلم جلد سادس میں بیان کردی ہے)۔

اجسام مثالیہ کا تعدد

صوفیاء اور فقہاء جو اجساد مثالیہ کے تعدد کے قائل ہیں' اس کی اصل یہ حدیث ہے۔

امام احمد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت قرہ مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور اس کے ساتھ اس کا بیٹا بھی ہوتا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے پوچھا: کیا تم اس سے محبت کرتے ہو؟ اس نے کہا: اللہ (بھی) آپ سے اتنی محبت کرے جتنی میں اس سے محبت کرتا ہوں' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بیٹے کو نہیں دیکھا' آپ نے پوچھا: فلاں شخص کے بیٹے کو کیا ہوا؟ صحابہ نے عرض کیا: وہ فوت ہو گیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے باپ سے فرمایا: کیا تم پسند نہیں کرتے کہ تم جنت کے جس دروازہ سے بھی داخل ہو تمہارا بیٹا اس دروازہ پر (پہلے سے) موجود تمہارا انتظار کر رہا ہو' ایک شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ! آیا یہ بشارت اس شخص کے لیے خاص ہے یا ہم سب کے لیے ہے؟ آپ نے فرمایا: بلکہ سب کے لیے ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۴۳۶' مکتبہ اسلامیہ' بیروت)

ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فیہ اشارة الی خرق العادة من تعدد الاجساد المکتسبة حیث ان الولد موجود فی کل باب من ابواب الجنة.

اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ بطور خرق عادت اجساد مثالیہ متعدد ہوتے ہیں' کیونکہ وہ بچہ (بیک وقت) جنت کے ہر دروازہ پر موجود ہوگا۔

(مرقات ج ۴ ص ۱۰۹' مکتبہ امدادیہ' ملتان)

نیز ملا علی قاری لکھتے ہیں:

ولا تباعد من الاولیاء حیث طویت لھم الارض وحصل لھم ابدان مکتسبة متعددة وجدوھا فی اماکن مختلفة فی آن واحد.

جب اولیاء اللہ کے لیے زمین لپیٹ دی جاتی ہے تو ان کے لیے ایسے اجساد مثالیہ کا تعدد بعید نہیں ہے جو آن واحد میں مختلف مقامات پر موجود ہوتے ہیں۔

(مرقات ج ۴ ص ۳۱' مکتبہ امدادیہ' ملتان)

انبیاء اور اولیاء کا آن واحد میں متعدد جگہ موجود ہونا

شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

بعض محققین ابدال کی وجہ تسمیہ میں بیان کرتے ہیں کہ انہیں جب کسی جگہ جانا مقصود ہوتا ہے تو وہ پہلی جگہ اپنے بدلے اپنی مثال چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور سادات صوفیہ کے نزدیک عالم اجسام اور ارواح کے درمیان ایک عالم مثال بھی ثابت ہے جو عالم اجسام سے لطیف اور عالم ارواح سے کثیف ہوتا ہے اور روحوں کا مختلف صورتوں میں متمثل ہونا اسی عالم مثال پر مبنی ہے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کا حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں اور حضرت مریم کے پاس بشر سوی کی صورت میں متمثل ہونا اسی عالم مثال کے قبیل سے ہے اور اسی وجہ سے یہ جائز ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چھٹے آسمان پر بھی موجود ہوں اور اسی وقت اپنی قبر میں بھی جسم مثالی کے ساتھ موجود ہوں اور حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دونوں جگہ دیکھا ہو۔ (جذب القلوب ص ۱۵۳' مکتبہ نعیمیہ' لاہور)

اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی متوفی ۱۳۱۷ھ لکھتے ہیں:

رہا یہ شبہ کہ آپ کو کیسے علم ہوا یا کئی جگہ کیسے ایک وقت میں تشریف فرما ہوئے یہ ضعیف شبہ ہے' آپ کے علم و روحانیت کی نسبت جو دلائل نقلیہ و کشفیہ سے ثابت ہے اس کے آگے یہ ایک ادنیٰ سی بات ہے' علاوہ اس کے اللہ کی قدرت تو محل

۔ (فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۷ مدنی کتب خانہ لاہور)

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ لکھتے ہیں:

محمد بن الحضرمی مجذوب نے ایک دفعہ تیس شہروں میں خطبہ اور نماز جمعہ بیک وقت پڑھائے اور کئی کئی شہروں میں ایک ہی شب میں شب باش ہوتے تھے۔ (جمال الاولیاء ص ۱۸۸ مکتبہ اسلامیہ لاہور)

نیز شیخ تھانوی لکھتے ہیں:

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ شیخ محمد الشربینی کی اولاد کچھ تو ملک مغرب میں مراکش کے بادشاہ کی بیٹی سے تھی اور کچھ اولاد عجم میں تھی اور کچھ بلاد ہند میں اور کچھ بلاد تکرور میں تھی' آپ ایک ہی وقت میں ان تمام شہروں میں اپنے اہل وعیال کے پاس ہو آتے اور ان کی ضرورتیں پوری فرما دیتے اور ہر شہر والے یہ سمجھتے تھے کہ وہ انہی کے پاس قیام رکھتے ہیں۔

(جمال الاولیاء ص ۲۰۲)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ لکھتے ہیں:

انسانی روحیں جب پاکیزہ ہوں تو وہ ابدان سے الگ ہو جاتی ہیں اور اپنے بدن کی صورتوں میں یا کسی اور صورت میں متمثل ہو کر چلی جاتی ہیں جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں یا کسی اعرابی کی صورت میں متمثل ہو کر جہاں اللہ تعالیٰ چاہتا چلے جاتے ہیں اس کے باوجود ان کا اپنے ابدان اصلیہ سے تعلق برقرار رہتا ہے' جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے اور جس طرح بعض اولیاء سے منقول ہے کہ وہ ایک وقت میں متعدد جگہوں پر دکھائی دیتے ہیں اور ان سے افعال صادر ہوتے ہیں' اس کا انکار کرنا ہٹ دھرمی ہے' جو صرف کسی جاہل اور معاند سے ہی متصور ہو سکتا ہے اور علامہ ابن قیم نے دعویٰ کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک وقت میں متعدد جگہ زیارت کی جاتی ہے حالانکہ اس وقت آپ اپنی قبر انور میں نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں' اس پر تفصیلی بحث ہو چکی ہے اور حدیث صحیح میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کثیب کے پاس ان کی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور ان کو آسمان میں بھی دیکھا اور آپ کے اور حضرت موسیٰ کے درمیان فرض نمازوں کے معاملہ میں مکالمہ ہوا' شب معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ دوسرے انبیاء کی ایک جماعت کو بھی آسمانوں پر دیکھا حالانکہ ان کی قبریں زمین پر ہیں اور کسی نے یہ قول نہیں کیا کہ وہ اپنی قبروں سے آسمانوں کی طرف منتقل ہو گئے تھے۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۰۶۔۳۰۵، مطبع الحجاز کراچی)

علامہ جلال الدین سیوطی' علامہ سید آلوسی' علامہ ابن حجر ہیتمی مکی' علامہ عبد الوہاب شعرانی' ملا علی قاری' شیخ عبد الحق محدث دہلوی' حاجی امداد اللہ مہاجر مکی' شیخ اشرف علی تھانوی اور شیخ شبیر احمد عثمانی کی صریح عبارات سے یہ واضح ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور کائنات کا ملاحظہ اور اعمال امت کا مشاہدہ فرما رہے ہیں اور احوال برزخ میں ہیں اور جب چاہیں جہاں چاہیں تشریف لے جاتے ہیں' حتیٰ کہ ایک وقت میں متعدد جگہ بھی تشریف لے جاتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے سے ہماری یہی مراد ہے۔

ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک وقت میں متعدد جگہ موجود ہوں تو اگر ہر جگہ آپ بعینہٖ ہیں تو یہ تکثر جزئی ہے اور وہ محال ہے اور اگر دوسری جگہ پر آپ کی مثال ہے تو مثل شی غیر شی ہوتی ہے' سو اس جگہ آپ نہ ہوئے بلکہ آپ کا غیر ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اجساد مثالیہ میں اشارہ حسیہ کے لحاظ سے بہر حال تغایر ہے' اس لیے یہ تکثر ہے اور چونکہ ان تمام اجساد مثالیہ میں روح واحد متصرف ہے اس لیے یہ اجسام آپ کا غیر نہیں ہیں۔

الحمد للہ علیٰ احسانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کے تمام اصولی مباحث کا میں نے باحوالہ اور باد
ذکر کر دیا ہے' اللہ تعالیٰ میری اس تحریر کو میرے لیے توشہ آخرت' موافقین کے لیے موجب استقامت اور مخالفین کے لیے
ہدایت بنا دے۔ ماشاء اللہ ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھنے کی کیفیت

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی اپنی سند کے ساتھ ایک حدیث روایت کرتے ہیں' اس کے آخر میں ہے:
صحابہ کرام نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: اے صاحب رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
فوت ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: ہاں۔ پس انہوں نے آپ کے صدق کو جان لیا۔ پھر پوچھا: کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر
جنازہ پڑھیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ انہوں نے پوچھا: کیسے؟ آپ نے فرمایا: ایک جماعت داخل ہو کر تکبیر پڑھے' دعا مانگے
درود شریف پڑھے' پھر وہ چلے جائیں' پھر ایک جماعت داخل ہو کر تکبیر پڑھے' درود پڑھے اور دعا مانگے' پھر وہ چلے جائیں۔
(شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۳۹۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۳۴' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۶۲۴۔۱۵۴۱' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۳۶۷'
الاولیاء ج ۱ ص ۱۷۔۳' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۷ ص ۲۵۹)

نماز جنازہ میں اصل اور فرض قیام اور تکبیرات اربعہ ہیں' باقی ثناء' صلوٰۃ اور دعا وغیرہ ثانوی حیثیت اور استحباب کا د
رکھتی ہیں۔ اس حدیث صحیح میں تکبیرات کا ذکر موجود ہے اور وہی نماز جنازہ کی اصل ہیں۔ باقی دعا اور صلوٰۃ کا بھی ذکر ہے او
واضح رہے کہ دعا سے مراد یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کلمات طیبات کا عرض کرنا ہے۔

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر الفرغانی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:
اگر ولی اور حاکم اسلام کے سوا اور لوگ نماز جنازہ پڑھ لیں تو ولی کو اعادہ کا اختیار ہے کہ حق اولیاء کا ہے اور اگر ولی نے
جنازہ پڑھ لی تو اب دوبارہ کسی شخص کو نماز جنازہ پڑھنے کا اختیار نہیں ہے۔ کیونکہ فرض تو پہلی نماز سے ادا ہو چکا اور یہ نماز بطور
پڑھنا مشروع نہیں ہے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اقدس پر تمام جہان کے مسلمانوں نے
جنازہ پڑھنی چھوڑ دی حالانکہ حضور آج بھی ویسے ہی (زندہ اور تروتازہ) ہیں جیسے اس دن تھے جب آپ کو قبر مبارک میں
گیا تھا۔ (ہدایہ اولین ص ۱۸۰' مطبوعہ شرکۃ علمیہ' ملتان)

علامہ عبدالواحد ابن الہمام المتوفی ۸۶۱ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:
اگر نماز جنازہ کی تکرار مشروع ہوتی تو مزار اقدس پر نماز پڑھنے سے تمام جہان اعراض نہ کرتا جس میں علماء و صلحاء
حضرات ہیں جو طرح طرح سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں تقرب حاصل کرنے کی رغبت رکھتے ہیں تو سلف سے
خلف تک تمام مسلمانوں کا حضور کی قبر انور پر نماز جنازہ نہ پڑھنا نماز جنازہ کے تکرار کے عدم جواز کی کھلی ہوئی دلیل ہے او
کا اعتبار کرنا واجب ہے۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۱۲۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ہدایہ اور فتح القدیر کی عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ وہ نماز جنازہ کے عدم تکرار کی مشروعیت اس بنیاد پر رکھتے ہیں کہ کل
کے مسلمان' علماء اور صلحاء آپ کی قبر انور پر نماز جنازہ نہیں پڑھتے اور یہ استدلال اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے کہ نماز جنازہ
معروف نماز جنازہ ہو اور اگر اس سے مراد محض صلوٰۃ و سلام پڑھنا ہو تو وہ آج تک قبر انور پر پڑھا جاتا ہے۔ اس صورت
احناف کثرہم اللہ تعالیٰ کا یہ استدلال کس طرح صحیح ہوگا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ درج ذیل سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

مسئلہ ۸۴: از شہر چاٹگام موضع چرپا کلیہ مکان روشن علی مستری مرسلہ منشی محمد اسمٰعیل ۱۳ شوال ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جنازہ کی نماز کتنی مرتبہ پڑھی گئی اور اوّل کس شخص نے پڑھائی تھی؟ بینوا توجروا

الجواب: صلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ والہ وبارک وسلم. سائل کو جوابِ مسئلہ سے زیادہ نافع یہ بات ہے کہ درود شریف کی جگہ جو عوام و جہال صلعم یاع یام یاص یا صللم لکھا کرتے ہیں، محض مہمل و جہالت ہے۔ القلم احدی اللسانین (قلم دو زبانوں میں سے ایک ہے۔ت) جیسے زبان سے درود شریف کے عوض یہ مہمل کلمات کہنا درود کو ادا نہ کرے گا یوں ہی ان مہملات کا لکھنا درود لکھنے کا کام نہ دے گا، ایسی کوتاہ قلمی سخت محرومی ہے۔ میں خوف کرتا ہوں کہ کہیں ایسے لوگ ''فبدل الذین ظلموا قولا غیر الذی قیل لھم'' (تو ظالموں نے بدل ڈالی وہ بات جو ان سے کہی گئی تھی۔ت) میں نہ داخل ہوں۔ نام پاک کے ساتھ ہمیشہ پورا درود لکھا جائے گا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ جنازہ اقدس پر نماز کے باب مختلف ہیں۔ ایک کے نزدیک یہ نماز معروف نہ ہوئی بلکہ لوگ گروہ در گروہ حاضر ہوتے اور صلٰوۃ و سلام عرض کرتے، بعض احادیث بھی اس کی مؤید ہیں کما بیناھا فی رسالتنا النھی الحاجز عن تکرار صلوۃ الجنائز (جیسا کہ انہیں ہم نے اپنے رسالہ النھی الحاجز عن تکرار صلوۃ الجنائز ''میں بیان کیا ہے۔ت) اور بہت علماء یہی نماز معروف مانتے ہیں، امام قاضی عیاض نے اس کی تصحیح فرمائی کما فی شرح الموطا للزرقانی (جیسا کہ علامہ زرقانی کی شرح موطا میں ہے۔ت) سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ تسکینِ فتن و انتظامِ امت میں مشغول، جب تک ان کے دستِ حق پرست پر بیعت نہ ہوئی تھی، لوگ فوج فوج آتے اور جنازہ انور پر نماز پڑھتے جاتے، جب بیعت ہولی، ولی شرعی صدیق ہوئے، انہوں نے جنازہ مقدس پر نماز پڑھی، پھر کسی نے نہ پڑھی کہ بعد صلٰوۃ ولی پھر اعادۂ نماز جنازہ کا اختیار نہیں۔ ان تمام مطالب کی تفصیلِ قلیل، فقیر کے رسالہ مذکورہ میں ہے۔

مبسوط امام شمس الائمہ سرخسی میں ہے:

ان ابا بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کان مشغولا بتسویۃ الامور وتسکین الفتنۃ فکانوا یصلون علیہ قبل حضورہ وکان الحق لہ لانہ ھو الخلیفۃ فلما فرغ صلی علیہ ثم لم یصل احد علیہ. (مبسوط ج ۲ ص ۶۷، دار المعرفۃ)

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ معاملات درست کرنے اور فتنہ فرو کرنے میں مشغول تھے لوگ ان کی آمد سے پہلے آکر صلٰوۃ پڑھتے جاتے اور حق ان کا تھا اس لیے کہ وہ خلیفہ تھے، تو جب فارغ ہوئے نماز پڑھی، پھر اس کے بعد نماز نہ پڑھی گئی۔ (ت)

بزار و حاکم و ابن منیع و بیہقی اور طبرانی معجم اوسط میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا غسلتمونی و کفنتمونی فضعونی علی سریری ثم اخرجوا عنی فان اول من یصلی علی جبریل ثم میکائیل ثم اسرافیل ثم ملک الموت مع جنودہ من الملائکۃ باجمعھم ثم ادخلوا علی فوجا بعد فوج فصلوا علی وسلموا تسلیما.

جب میرے غسل و کفن سے فارغ ہو مجھے نعش مبارک پر رکھ کر باہر چلے جاؤ۔ سب سے پہلے جبریل مجھ پر صلٰوۃ کریں گے، پھر میکائیل، پھر اسرافیل، پھر ملک الموت اپنے سارے لشکروں کے ساتھ، پھر گروہ گروہ میرے پاس حاضر ہو کر مجھ پر درود و سلام عرض کرتے جاؤ۔

واللہ سبحنہ وتعالی اعلم.

(المستدرک ج ۳ ص ٦)

(فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۳۱۵' ۳۱۴' رضا فاؤنڈیشن لاہور' ۱۹۹٦ء)

عام مسلمانوں کی نماز جنازہ پڑھنے کی کیفیت

علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہیں اور اجماع حجت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نماز جنازہ میں چار تکبیریں پڑھی ہیں اور ہر تکبیر ایک رکعت کے قائم مقام ہے اور فرض نمازیں چار رکعات سے زیادہ نہیں ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری نماز جنازہ پڑھی اس میں چار تکبیریں تھیں' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ کی نماز جنازہ میں چار تکبیریں پڑھیں' حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کی نماز جنازہ میں چار تکبیریں پڑھیں۔

پہلی تکبیر کے بعد اللہ عزوجل کی ثناء پڑھے اور وہ یہ ہے: "سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک ولا الہ غیرک" اور دوسری تکبیر کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درود) پڑھے اور وہ معروف درود شریف ہے "اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد... انک حمید مجید" تک اور تیسری تکبیر کے بعد میت کے لیے استغفار کرے اور ان کے لیے شفاعت کرے کیونکہ نماز جنازہ میت کے لیے دعا ہے اور چوتھی تکبیر کے بعد دونوں طرف سلام پھیر دے۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۳۴۱ ـ ۳۴۰' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

نماز جنازہ میں چار تکبیریں پڑھنے کی اصل یہ حدیث ہے:

عن جابر رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی علی اصحمۃ النجاشی فکبر اربعا.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحمہ النجاشی کی نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں پڑھیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۳۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۹۷۰)

اور نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد ثناء اور دوسری تکبیر کے بعد درود شریف اور تیسری تکبیر کے بعد دعا کرنے کی اصل یہ حدیثیں ہیں:

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

وعن فضالۃ بن عبید' قال بینما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قاعد اذ دخل رجل فصلی' فقال اللھم اغفر لی وارحمنی. فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عجلت ایھا المصلی! اذا صلیت فقعدت' فاحمد اللہ بما ھو اھلہ' وصل علی' ثم ادعہ. قال ثم صلی رجل اخر بعد ذلک' فحمد اللہ' وصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم' فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے بیٹھ کر یہ دعا کی: اے اللہ! میری مغفرت کر اور مجھ پر رحم فرما تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے نمازی! تم نے جلدی کی۔ جب تم نماز پڑھ کر بیٹھ جاؤ تو اللہ کی شان کے لائق حمد کرو۔ پھر مجھ پر درود پڑھو' پھر اللہ سے دعا کرو' پھر اس کے بعد ایک اور شخص آیا اس نے اللہ کی حمد کی' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے نمازی! اب تم دعا کرو' تمہاری دعا قبول

ایھا المصلی! ادع تجب. ہوگی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۴۷۶، سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۱۴۸۱، سنن النسائی رقم الحدیث:۱۲۸۳، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث:۷۰۹، مسند احمد ج ۶ ص ۱۸، صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۱۹۶۰، المعجم الکبیر ج ۱۸، رقم الحدیث:۷۹۴۔۷۹۳۔۷۹۲۔۷۹۱، المستدرک ج ۱ ص ۲۳۰، سنن کبریٰ ج ۲ ص ۱۴۸۔۱۴۷)

وعن عبد الله بن مسعود' قال كنت اصلى والنبى صلى الله عليه وسلم وابو بكر و عمر معه' فلما جلست بدات بالثناء على الله (تعالى)' ثم الصلوة على النبى صلى الله عليه وسلم' ثم دعوت لنفسى. فقال النبى صلى الله عليه وسلم' سل تعطه' سل تعطه.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر میرے ساتھ تھے' جب میں بیٹھ گیا تو میں نے پہلے اللہ تعالیٰ کی ثناء کی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا۔ پھر اپنے لیے دعا کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سوال کرو' تمہیں دیا جائے گا' تم سوال کرو تمہیں دیا جائے گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۵۹۳، شرح السنۃ رقم الحدیث:۱۴۰۱، جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث:۸۷۰)

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عبد الرزاق عن الثورى عن ابى هاشم عن الشعبى قال التكبيرة الاولى على الميت ثناء على الله' والثانية صلوة على النبى صلى الله عليه وسلم' والثالثة دعاء للميت' والرابعة تسليم.

امام شعبی نے کہا: پہلی تکبیر میں میت پر ثناء ہے' دوسری تکبیر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود ہے اور تیسری تکبیر میں میت کے لیے دعا ہے اور چوتھی تکبیر میں سلام پھیرنا ہے۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۳۱۶، رقم الحدیث:۶۴۶۲، دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

نماز جنازہ میں فرض دو چیزیں ہیں: پہلی چیز چار تکبیریں ہیں اور دوسری چیز قیام ہے' علامہ شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے لکھا ہے: اس میں سنت تین چیزیں ہیں (۱) اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء (۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور میت کے لیے دعا۔

(الدرالمختار وردالمختار ج ۳ ص ۱۰۰۔۹۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

صدر الشریعہ مولانا امجد علی حنفی متوفی ۱۳۷۶ھ لکھتے ہیں:

مسئلہ: نماز جنازہ میں دو رکن ہیں: چار بار اللہ اکبر کہنا' قیام' بغیر عذر بیٹھ کر یا سواری پر نماز جنازہ پڑھی' نہ ہوئی اور اگر ولی یا امام بیمار تھا' اس نے بیٹھ کر پڑھائی اور مقتدیوں نے کھڑے ہو کر پڑھی' ہوگئی۔ (درمختار ردالمختار) مسئلہ: نماز جنازہ میں تین چیزیں سنت مؤکدہ ہیں: (۱) اللہ عزوجل کی حمد و ثناء (۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود (۳) میت کے لیے دعا۔ نماز جنازہ کا طریقہ یہ ہے کہ کان تک ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہتا ہوا ہاتھ نیچے لائے اور ناف کے نیچے حسب دستور باندھ لے اور ثناء پڑھے' یعنی: ''سبحنك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك وجل ثناؤك ولا اله غيرك''. پھر ہاتھ بغیر اٹھائے اللہ اکبر کہے اور درود شریف پڑھے' بہتر وہ درود ہے جو نماز میں پڑھا جاتا ہے اور کوئی دوسرا پڑھا جب بھی حرج نہیں' پھر اللہ اکبر کہہ کر اپنے اور میت اور تمام مؤمنین و مؤمنات کے لیے دعا کرے اور بہتر یہ ہے کہ وہ دعا پڑھے جو احادیث میں وارد ہے اور ماثور دعائیں اگر اچھی طرح نہ پڑھ سکے تو جو دعا چاہے' پڑھے مگر وہ دعا ایسی ہو کہ امور آخرت سے متعلق ہو۔ (جوہرہ نیرہ

عالمگیری درمختار وغیرہا) بعض ماثور دعائیں یہ ہیں:

اللھم اغفر لحینا ومیتنا وشاھدنا وغائبنا وصغیرنا وکبیرنا وذکرنا وانثانا اللھم من احییتہ منا فاحیہ علی الاسلام ومن توفیتہ منا فتوفہ علی الایمان اللھم لا تحرمنا اجر(ہ ھا)ولا تفتنا بعد (ہ ھا). اللھم اغفر (لہ لھا) وارحمہ (ھا) وعافہ (ھا) واعف عنہ (عنھا) واکرم نزلہ (ھا) ووسع مدخلہ (ھا) واغسلہ (ھا) بالماء والثلج والبرد ونقہ (ھا) من الخطایا کما نقیت الثوب الابیض من الدنس وابدلہ (ھا) دارا خیرا من دار (ہ ھا). (بہارِ شریعت حصہ چہارم ص ۸۱ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

نماز جنازہ کے بعد صفیں توڑ کر دعا کرنے کا جواز اور استحسان

اہل سنت کا معمول ہے کہ نماز جنازہ پڑھنے کے بعد صفیں توڑ لیتے ہیں اور لوگ منتشر ہو جاتے ہیں' اس کے بعد امام ایک بار سورۂ فاتحہ اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھتا ہے اور لوگوں سے بھی پڑھنے کے لیے کہتا ہے' پھر اس کا میت کے لیے ایصالِ ثواب کرتا ہے اور مغفرت کے لیے دعا کرتا ہے اور لوگ اس پر آمین کہتے ہیں' علماء دیو بند اس عمل سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بدعت ہے۔ نماز جنازہ میں میت کے لیے دعا کی جا چکی ہے' اب اس دعا کے تکرار کی کیا ضرورت ہے' نیز اس دعا سے نماز جنازہ میں زیادتی کا وہم پیدا ہوتا ہے' وغیرہ وغیرہ۔

ہم کہتے ہیں کہ قرآن مجید اور احادیث میں مطلقاً دعا کرنے کا حکم ہے اور اس کی فضیلت کا ذکر ہے' ہم اختصار کے پیش نظر صرف دو آیتیں اور تین حدیثوں کا ذکر کر رہے ہیں۔

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ○ (المومن: ۱۴) پس تم اللہ سے دعا کرو اخلاص سے اس کی اطاعت کرتے ہوئے خواہ کافروں کو ناگوار ہو ○

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ. (المومن: ۶۰) اور تمہارے رب نے فرمایا: تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا۔

دعا کے اس عمومی حکم میں نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا بھی شامل ہے اور قرآن مجید کی کسی آیت میں اور کسی حدیث صحیح میں نماز جنازہ کے بعد دعا پڑھنے سے منع نہیں کیا گیا۔ پھر بغیر کسی شرعی ممانعت کے نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے سے منع کرنا نہیں ہے اور اپنی طرف سے شریعت وضع کرنے کے مترادف ہے اور اللہ کے ذکر سے روکنے اور منع کرنے کی جسارت ہے اور اس کی قرآن اور حدیث میں سخت مذمت ہے۔

دعا کرنے کے عموم اور اطلاق میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دعا عبادت کا مغز ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۱' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۲۲۰' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۲۳۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۱۴' جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک دعا سے بڑھ کر مکرم چیز نہیں ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۲۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۸۷۰' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۵۴۴_۳۷۱۸' مسند احمد ج ۲ ص ۳۶۲' الادب المفرد رقم الحدیث: ۷۱۲' کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۳ ص ۳۰۱' المستدرک ج ۱ ص ۴۹۰' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۳۸۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ سے سوال نہیں کرتا' اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوتا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۲۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۰۰' مسند احمد ج ۲ ص ۴۷۷-۴۴۳-۴۴۲' الادب المفرد رقم الحدیث: ۶۵۸' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۶۵۵' المستدرک ج ۱ ص ۴۹۱)

ان احادیث میں بھی عموم اور اطلاق کے ساتھ دعا کرنے کا حکم ہے اور نماز جنازہ پڑھنے کے بعد جب صفیں ٹوٹ جائیں اور لوگ منتشر ہو جائیں یا جنازہ کے گرد جمع ہو جائیں اس وقت میت کے لیے دعا کرنا بھی ان اوقات کے عموم اور اطلاق میں داخل ہے اور کسی حدیث میں اس وقت میت کے لیے دعا کرنے سے ممانعت نہیں ہے' سو بغیر کسی شرعی دلیل کے محض ہوائے نفس سے نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے سے منع کرنا بدعت اور گمراہی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے' جب کہ خصوصیت کے ساتھ نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے کے سلسلہ میں احادیث اور آثار بھی وارد ہیں جن کو ہم پیش کر رہے ہیں۔

نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے کے ثبوت میں خصوصی احادیث اور آثار

عن ابی ھریرۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا لہ الدعاء.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم میت پر نماز (جنازہ) پڑھ لو تو اخلاص کے ساتھ اس کے لیے دعا کرو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۱۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۹۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۰۷۶' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۴۰)

اس حدیث میں ''فاخلصوا'' پر ''فا'' ہے اور یہ تعقیب علی الفور کے لیے آتی ہے' اس کا معنیٰ ہے: میت پر نماز جنازہ پڑھنے کے فوراً بعد اس کے لیے اخلاص سے دعا کرو۔

مانعین اور مخالفین اس استدلال پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں ہے:

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ○ (النحل: ۹۸)

پس جب تم قرآن پڑھو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔

اس آیت میں بھی ''فاستعذ'' پر ''فا'' ہے' جو تعقیب علی الفور کے لیے آتی ہے اور اس صورت میں اس کا معنیٰ ہوگا: جب تم قرآن مجید پڑھو تو اس کے فوراً بعد اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھو' حالانکہ اعوذ باللہ قرآن مجید پڑھنے سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ اس آیت کا ظاہر معنیٰ متعذر ہے' اس لیے اس میں مجاز بالحذف ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''اذا اردت ان تقرا القران''. جب تم قرآن پڑھنے کا ارادہ کرو تو اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھو' اس کے برخلاف جس حدیث سے ہم نے استدلال کیا ہے اس کے معنیٰ میں کوئی تعذر نہیں ہے اور اس کو کسی مجاز پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں دوسری صحیح حدیث یہ ہے:

عن عبد اللہ بن ابی اوفی وکان من اصحاب الشجرۃ فماتت ابنۃ لہ وکان یتبع جنازتھا علی بغلۃ خلفھا' فجعل النساء یبکین' فقال لا ترثین' فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن المراثی' فتفیض احداکن من

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما جو اصحاب شجرہ میں سے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی بیٹی فوت ہو گئی' وہ اس کے جنازہ میں خچر پر سوار ہو کر جا رہے تھے کہ عورتوں نے رونا شروع کر دیا۔ حضرت عبد اللہ نے کہا: تم مرثیہ مت پڑھو' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرثیہ پڑھنے سے منع فرمایا ہے' تم میں سے کوئی

عبرتها ما شاء ت ' ثم كبر عليها اربعا ' ثم قام بعد الرابعة قدر ما بين التكبيرتين يدعو ' ثم قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصنع فى الجنازة هكذا.

عورت اپنی آنکھ سے جس قدر چاہے آنسو بہائے' پھر انہوں نے جنازہ پر چار تکبیریں پڑھیں' پھر اتنا وقفہ کیا جتنا دو تکبیروں کے درمیان وقفہ ہوتا ہے اور اس وقفہ میں دعا کرتے رہے۔ پھر کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ میں اسی طرح کرتے تھے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۳۵۶ قدیم' مسند احمد ج ۳۱ ص ۴۸۰' رقم الحدیث: ۱۹۱۴۰' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۶۴۰۴' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۷۱۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۰۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۰۲' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۲۶۸' المستدرک ج ۱ ص ۳۶۰_۳۵۹' سنن بیہقی ج ۴ ص ۴۳_۴۲)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابن ابی اوفیٰ نے چوتھی تکبیر کے بعد دعا کی اور نماز جنازہ کے اندر جو دعا کی تھی وہ تیسری تکبیر کے بعد کی جاتی ہے اور حضرت ابن ابی اوفیٰ نے بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح کرتے تھے اور یہ نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے کا واضح ثبوت ہے' باقی رہا یہ کہ چوتھی تکبیر کے بعد سلام پڑھا جاتا ہے اور اس حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ راوی سلام کا ذکر کرنا بھول گیا ہو یا اس نے یہ سوچ کر اس کا ذکر ترک کر دیا کہ یہ تو ویسے ہی معروف اور مشہور ہے۔

نماز جنازہ کے بعد دعا کے ثبوت میں یہ حدیث بھی اس کی مثل ہے:

یزید بن رکانہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب میت پر نماز جنازہ پڑھتے تو چار تکبیریں پڑھتے' پھر یہ دعا کرتے: اے اللہ! تیرا بندہ اور تیری بندی کا بیٹا تیری رحمت کا محتاج ہے اور تو اس کو عذاب دینے سے غنی ہے' پس اگر یہ نیک ہے تو تو اس کی نیکی میں زیادہ کر اور اگر یہ بُرا ہے تو تو اس کی برائی سے درگزر فرما' پھر جو اللہ چاہتا آپ اس کے لیے وہ دعا کرتے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۲۴۹' رقم الحدیث: ۶۴۷' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند میں ایک راوی یعقوب بن حمید ہے' اس میں کلام کیا گیا ہے۔ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۴)

اس حدیث میں بھی چار تکبیروں کے بعد دعا کا ذکر ہے' اس لیے اس دعا سے مراد بھی وہ دعا ہے جو نماز جنازہ کے بعد پڑھی جاتی ہے کیونکہ جو دعا نماز جنازہ کے اندر پڑھی جاتی ہے وہ تین تکبیروں کے بعد پڑھی جاتی ہے اور اس حدیث میں اور اس سے پہلی حدیث میں یہ تصریح ہے کہ یہ دعا چار تکبیروں کے بعد پڑھی گئی ہے اور اگر کوئی مخالف اس پر اصرار کرے کہ چار تکبیروں کے بعد یہ دعا نماز جنازہ کے اندر پڑھی گئی تھی اور اس کے بعد سلام پڑھا گیا تو لازماً سلام سے پہلے بھی ایک تکبیر پڑھی جائے گی اور اس طرح نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں ہو جائیں گی اور یہ اجماع کے خلاف ہے۔ ہم اس سے پہلے بدائع الصنائع ج ۲ ص ۳۴۱ کے حوالے سے لکھ چکے ہیں کہ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہیں' رہا یہ کہ ان دونوں حدیثوں میں چار تکبیروں کے بعد سلام کا ذکر نہیں ہے تو ہوسکتا ہے کہ راوی نے اس کا ذکر اس لیے نہ کیا ہو کہ چار تکبیروں کے بعد سلام کا پڑھنا مسلمانوں میں بالکل ظاہر اور معروف تھا' اس لیے اس نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ بہرحال چار تکبیروں کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا دعا کرنا ہمارے مطلوب پر بہت واضح دلیل ہے۔

اور یہ حدیث بھی ہمارے مطلوب پر بہت واضح اور صریح دلیل ہے:

عن جبير بن نفير سمعه يقول سمعت عوف بن مالك يقول صلى رسول الله صلى

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازے کی نماز پڑھی' میں نے

الله عليه وسلم على جنازة فحفظت من دعائه وهو يقول اللهم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه واكرم نزله ووسع مدخله واغسله بالماء والثلج والبرد ونقه من الخطايا كما نقيت الثوب الابيض من الدنس وابدله دارا خيرا من داره واهلا خيرا من اهله وزوجا خيرا من زوجه وادخله الجنة واعذه من عذاب القبر ومن عذاب النار قال حتى تمنيت ان اكون انا ذلك الميت. (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۶۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۲۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۹۸۴)

اس جنازے میں آپ کی دعا کے الفاظ یاد رکھے' وہ یہ ہیں (ترجمہ:) اے اللہ! اس کی مغفرت فرما' اس پر رحم فرما' اس کو عافیت میں رکھ اور اس کو معاف فرما' اس کی عزت کے ساتھ مہمانی کر' اس کے مدخل کو وسیع کر' اس کو پانی' برف اور اولوں سے دھو ڈال' اس کو گناہوں سے اس طرح صاف کر دے جس طرح تو نے سفید کپڑے کو میل سے صاف کر دیا ہے۔ اس کے (دنیاوی) گھر کے بدلہ میں اس سے بہتر گھر عطا فرما' اس کے (دنیاوی) گھر والوں کے بدلہ میں بہتر گھر والے عطا فرما۔ اس کی (دنیاوی) بیوی کے بدلہ میں اس سے بہتر بیوی عطا فرما' اس کو جنت میں داخل فرما' اس کو عذابِ قبر اور عذابِ نار سے محفوظ رکھ۔ حضرت عوف کہتے ہیں کہ اس وقت میں نے یہ تمنا کی کہ کاش! وہ مرنے والا میں ہوتا (تا کہ یہ دعا مجھے مل جاتی)۔

نمازِ جنازہ کے اندر جو دعا ہو اس کو سراً (آہستہ) پڑھا جاتا ہے اور اس دعا کو حضرت عوف بن مالک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر یاد کیا تھا' اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے یہ دعا جہراً پڑھی تھی اور جہراً دعا نماز جنازہ کے بعد پڑھی جاتی ہے' لہٰذا یہ وہ دعا ہے جو نماز جنازہ کے بعد پڑھی گئی' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ محدثین نے اس دعا کو نماز جنازہ میں پڑھی جانے والی دعا کے باب میں ذکر کیا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو اس پر دلالت کرتا ہو کہ یہ وہ دعا ہے جو نماز جنازہ کے اندر پڑھی جاتی ہے۔ بلکہ حضرت عوف بن مالک کا اس دعا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر یاد کرنا اس پر ظاہر اور واضح قرینہ ہے کہ یہ دعا نماز جنازہ کے بعد پڑھی گئی تھی اور محدثین کا اس دعا کو نماز جنازہ کے اندر پڑھنے پر محمول کرنا محض ان کی رائے ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ان کو نہیں فرمایا تھا کہ تم اس حدیث کو اس باب میں درج کرو۔ نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے کے ثبوت میں احادیث کا ذکر کرنے کے بعد اب ہم آثارِ صحابہ کا ذکر کر رہے ہیں:

امام ابوبکر عبداللہ بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن عمير بن سعيد قال صليت مع علي على يزيد بن المكفف فكبر عليه اربعا ثم مشى حتى اتاه فقال اللهم عبدك ابن عبدك نزل بك اليوم فاغفرله ذنبه ووسع عليه مدخله ثم مشى حتى اتاه وقال اللهم عبدك ابن عبدك نزل بك اليوم فاغفرله ذنبه ووسع عليه مدخله فانا لا نعلم منه الا خيرا وانت اعلم به.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۳۱' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۰۶ھ)

عمیر بن سعید بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ یزید بن المکفف کی نماز جنازہ پڑھی' انہوں نے اس پر چار تکبیریں پڑھیں' پھر کچھ چلے حتیٰ کہ جنازہ کے پاس آئے اور یہ دعا کی: اے اللہ! یہ تیرا بندہ ہے اور تیرے بندہ کا بیٹا ہے' آج اس پر موت طاری ہوئی ہے تو اس کے گناہ کو بخش دے اور اس کی قبر کو کشادہ کر دے' پھر کچھ چل کر اس کے پاس آئے اور دعا کی: اے اللہ! یہ تیرا بندہ ہے اور تیرے بندہ کا بیٹا ہے' آج اس پر موت طاری ہوئی ہے تو اس کے گناہ کو بخش دے اور اس کی قبر کو کشادہ کر دے کیونکہ ہمیں اس کے متعلق خیر کے سوا اور کچھ علم نہیں ہے اور اس کا خوب علم تجھ کو ہی ہے۔

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ بیان کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک نماز جنازہ رہ گئی' جب وہ اس جنازہ پر آئے تو انہوں نے میت پر صرف استغفار کیا اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ رہ گئی' جب وہ ان کے جنازہ پر آئے تو کہا: اگر تم نے نماز جنازہ پڑھنے میں مجھ پر سبقت کر لی ہے تو ان کے لیے دعا کرنے میں تو مجھ پر سبقت نہ کرو۔ (المبسوط ج ۲ ص ۱۰۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

امام علاء الدین ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

ہماری دلیل یہ ہے کہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازہ پر نماز پڑھائی' جب آپ نماز جنازہ پڑھ چکے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کچھ لوگوں کے ساتھ آئے اور یہ ارادہ کیا کہ ان پر نماز جنازہ پڑھیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز جنازہ دوبارہ نہیں پڑھی جاتی۔ لیکن تم میت کے لیے دعا کرو اور استغفار کرو اور یہ حدیث اس باب میں نص (صریح) ہے اور روایت ہے کہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ایک جنازہ پر نماز رہ گئی' جب وہ آئے تو انہوں نے میت کے لیے صرف استغفار کیا اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ رہ گئی' جب وہ آئے تو انہوں نے کہا: اگر تم نے ان کی نماز جنازہ میں مجھ پر سبقت کر لی ہے تو ان کے لیے دعا کرنے میں مجھ پر سبقت نہ کرو۔

(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۳۳۸ ـ ۳۳۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ محمود بن احمد البخاری التوفی ۶۱۶ھ نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز جنازہ دوبارہ نہیں پڑھی جاتی لیکن تم میت کے لیے دعا کرو اور استغفار کرو۔

(المحیط البرہانی ج ۲ ص ۳۳۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

ان احادیث اور آثار سے یہ واضح ہو گیا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا عہد رسالت اور عہد صحابہ میں معمول اور مشروع تھا۔ اس تفصیل اور تحقیق کے بعد ہم فقہاء کی ان عبارات کی تنقیح کرنا چاہتے ہیں جن سے مخالفین نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے کے عدم جواز پر استدلال کرتے ہیں۔

نماز جنازہ کے بعد دعا سے ممانعت کے دلائل اور ان کے جوابات

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

نماز جنازہ کے بعد میت کے لیے دعا نہ کرے کیونکہ اس سے نماز جنازہ میں زیادتی کا شبہ پیدا ہوتا ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح ج ۴ ص ۱۷۰' مکتبہ حقانیہ' پشاور)

ہم نے نماز جنازہ کے بعد دعا کو احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ سے ثابت کیا ہے اور ملا علی قاری کی یہ عبارت نہ قرآن کی آیت ہے' نہ حدیث ہے' نہ اثر ہے تو اس میں اتنی قوت کہاں سے آ گئی کہ یہ احادیث صحیحہ کے مزاحم ہو سکے' تاہم اس کی توجیہ یہ ہے کہ ملا علی قاری نے نماز جنازہ کے بعد دعا کو اس لیے منع کیا ہے کہ اس سے نماز جنازہ میں زیادتی کا شبہ پیدا ہوتا ہے اور زیادتی کا شبہ اس وقت ہو گا جب سلام پھیرنے کے بعد اسی طرح صفیں قائم رہیں اور لوگ اسی طرح اپنی جگہوں پر ہاتھ باندھے کھڑے رہیں' پھر اسی حال میں میت کے لیے دعا کریں تو یہ شبہ ہو گا کہ یہ دعا بھی نماز جنازہ کا جز ہے۔ لیکن جب سلام پھیرنے کے بعد صفیں ٹوٹ جائیں اور لوگ منتشر ہو کر جنازہ کے گرد جمع ہوں اور ایک بار سورۂ فاتحہ اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر میت کے لیے ایصال ثواب کریں اور ہاتھ اٹھا کر میت کے لیے دعا کریں تو پھر کوئی عقل و خرد سے عاری شخص ہی ہو گا جو یہ

گا کہ یہ دعا نماز جنازہ کا جز ہے۔

اسی طرح بعض فقہاء نے یہ کہا ہے کہ ظاہر الروایہ میں ہے کہ نماز جنازہ کے بعد دعا نہ کرے اور نوادر میں ہے: یہ دعا جائز ہے۔

علامہ محمود بن احمد البخاری متوفی ۶۱۶ھ لکھتے ہیں:

نماز جنازہ کے بعد کوئی شخص دعا کے لیے کھڑا نہ ہو کیونکہ وہ ایک مرتبہ دعا کر چکا ہے اور نماز جنازہ کا اکثر حصہ دعا ہے اور نوادر کی روایت میں ہے کہ یہ دعا جائز ہے۔ (المحیط البرھانی ج ۲ ص ۳۳۸، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ زین الدین ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں:

نماز جنازہ میں سلام پھیرنے کے بعد دعا نہ کرے، اسی طرح خلاصۃ الفتاوی (ج ۱ ص ۲۲۵) میں ہے اور امام فضلی نے کہا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۸۳، مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ)

علامہ سراج الدین عمر بن ابراہیم ابن نجیم حنفی متوفی ۱۰۰۵ھ لکھتے ہیں:

نماز جنازہ میں سلام پھیرنے کے بعد کوئی دعا نہ کرے یہ ظاہر مذہب ہے اور بعض مشائخ نے کہا ہے کہ یہ دعا کرے: ''ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرة حسنة '' اور بعض نے کہا: یہ دعا کرے: ''اللھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتن بعدہ واغفرلنا ولہ'' اور بعض نے کہا: یہ دعا کرے: ''ربنا لا تزغ قلوبنا..... الی اخرہ''۔ (النہر الفائق ج ۱ ص ۳۹۴، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

علامہ ابراہیم حلبی متوفی ۹۵۶ھ اور علامہ شیخی زادہ داماد آفندی متوفی ۱۰۷۸ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(غنیۃ المستملی ص ۵۸۶-۵۸۵، سہیل اکیڈمی، لاہور، مجمع الانہر ج ۱ ص ۱۷۱، مکتبہ غفاریہ، کوئٹہ)

فقہاء کی ان عبارات سے واضح ہوا کہ اگر نماز جنازہ کے سلام پھیرنے کے متصل بعد وہیں کھڑے کھڑے صفیں توڑے بغیر میت کے لیے دعا کی تو یہ ظاہر الروایہ میں ممنوع ہے لیکن نوادر کی عبارات میں، امام فضلی اور دیگر متاخرین کی عبارات میں مذکور ہے کہ اس کیفیت سے بھی نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا جائز ہے اور اگر نماز جنازہ کے بعد صفیں توڑ کر میت کے لیے دعا کی جائے جیسا کہ مروجہ طریقہ ہے تو پھر یہ کسی کے اعتبار سے بھی ممنوع نہیں ہے اور اس کے جواز اور استحسان میں کوئی کلام نہیں ہے۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ نے نماز جنازہ کے بعد دعا کی ممانعت میں لکھا ہے:

سوال (۳۰۷): نماز جنازہ کے بعد جماعت کے ساتھ وہیں ٹھہر کر دعا کرنا کیسا ہے؟

جواب: درست نہیں لما فی البزازیہ لا یقوم بالدعا بعد صلوۃ الجنازۃ لانہ دعا مرۃ لان اکثرھا دعا.

(بزازیہ علی ہامش العالمگیریہ ج ۴ ص ۹۰)، (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۲ (امداد المفتین کامل) ص ۴۴۴، دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۷۷ء)

دراصل بزازیہ کی یہ عبارت عالم گیری ج ۴ ص ۸۰ پر ہے، اس کا ترجمہ یہ ہے: نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے کھڑا نہ رہے کیونکہ وہ ایک مرتبہ دعا کر چکا ہے اور نماز جنازہ کا اکثر حصہ دعا پر مشتمل ہے۔

اس ممانعت کا بھی وہی محمل ہے کہ نماز جنازہ کے بعد اسی جگہ صفیں توڑے بغیر دعا نہ کرے، صفیں توڑنے اور لوگوں کے منتشر ہونے کے بعد ممانعت نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر فصل کیے بغیر اسی جگہ دعا کرے گا تو اس سے نماز جنازہ میں زیادتی کا شبہ ہوگا۔

نماز جنازہ کے متصل بعد اسی حال میں میت کے لیے مزید دعا کی ممانعت کی نظیر وہ احادیث ہیں جن میں فرض نماز کے

متصل بعد بغیر فصل کیے ہوئے نفل نماز پڑھنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

نافع بن جبیر نے ایک شخص کو سائب کے پاس بھیجا اور ان سے اس چیز کے بارے میں دریافت کیا جس کو حضرت معاویہ نے لاة میں دیکھا تھا' سائب نے کہا: ہاں! میں نے ان کے ساتھ المقصورۃ میں جمعہ پڑھا تھا' جب امام نے سلام پھیرا تو میں اسی جگہ کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا' حضرت معاویہ نے مجھے بلوا کر فرمایا: تم نے جو کیا ہے دوبارہ ایسا نہ کرنا' جب تم جمعہ کی نماز پڑھ لو تو اس وقت تک دوسری نماز نہ پڑھو' حتیٰ کہ تم کسی سے بات کر لو' یا وہاں سے چلے جاؤ' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس طرح کرنے کا حکم دیا ہے کہ ایک نماز کو دوسری نماز کے ساتھ نہ ملایا جائے' حتیٰ کہ ہم کسی سے بات کر لیں یا اس جگہ سے چلے جائیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۸۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۲۹)

نماز جنازہ میں اصل چیز میت کے لیے دعا ہے' سو نماز جنازہ کی دعا کے بعد بغیر فصل کے دوسری دعا نہ کی جائے' ہاں کسی سے باتیں کر کے یا اس جگہ سے فصل کر کے دوبارہ دعا کی جائے تو پھر جائز ہے جیسے فرض نماز کے بعد فصل کر کے نفل نماز پڑھنا جائز ہے اور متصلاً پڑھنا ممنوع ہے۔

اسی طرح امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

ازرق بن قیس بیان کرتے ہیں کہ ہم کو ایک امام نے نماز پڑھائی جس کی کنیت ابو رمثہ تھی' ابو رمثہ نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس نماز کی مثل نماز پڑھی تھی اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر پہلی صف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب تھے اور ایک شخص نماز میں پہلی تکبیر کے ساتھ موجود تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں جانب اور بائیں جانب سلام پھیرا' حتیٰ کہ ہم نے آپ کے رخساروں کی سفیدی دیکھی' پھر جس شخص نے پہلی تکبیر کے ساتھ نماز پڑھی تھی وہ اٹھ کر فوراً دو رکعت نماز پڑھنے لگا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی طرف لپکے اور اس کے دونوں کندھوں کو پکڑ کر جھنجھوڑا' پھر کہا: بیٹھ جاؤ' کیونکہ سابقہ اہل کتاب صرف اسی وجہ سے ہلاک ہوئے ہیں کہ وہ اپنی نمازوں میں فصل نہیں کرتے تھے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر اٹھا کر حضرت عمر کو دیکھا اور فرمایا: اے ابن الخطاب! اللہ تم کو صواب پر برقرار رکھے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۰۷)

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ فرض نماز اور نفل نماز میں کوئی فصل ہونا چاہیے' خواہ کوئی بات کر لی جائے یا جگہ بدل لی جائے اور نماز جنازہ کے متصل بعد اگر اسی جگہ دوبارہ میت کے لیے دعا کی جائے تو وہ بھی اسی حکم میں ہے' لہٰذا جن فقہاء نے نماز جنازہ کے متصل بعد میت کے لیے دعا کرنے سے منع کیا ہے اس کی بھی یہی وجہ ہے اور یہ وجہ بھی ہے کہ اس سے نماز جنازہ میں زیادتی کا شبہ ہوگا اور جب صفیں ٹوٹنے اور نمازیوں کے جگہ بدلنے کے بعد دعا کی جائے گی تو پھر نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا بہر حال مستحسن ہوگا

دارالعلوم دیوبند کے مفتی اوّل مفتی عزیز الرحمٰن لکھتے ہیں:

سوال (۳۱۴۴): بعد نماز جنازہ قبل دفن چند مصلیوں (نمازیوں) کا ایصال ثواب کے لیے سورۂ فاتحہ ایک بار اور سورۂ اخلاص تین بار آہستہ آواز سے پڑھنا یا کسی نیک آدمی کا دونوں ہاتھ اٹھا کر مختصر دعا کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں۔

الجواب: اس میں کچھ حرج نہیں ہے لیکن اس کو رسم کر لینا اور التزام کرنا مثل واجبات کے اس کو بدعت بنا دے گا کما صرح به الفقهاء فقط. (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مدلل مکمل ج ۵ ص ۴۳۵-۴۳۴' دارالاشاعت' کراچی)

اس فتویٰ سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد کچھ فصل کر کے دعا کرنا جائز ہے بلکہ مستحب اور مسنون ہے۔ مثل واجبات کے التزام کرنا ہمارے نزدیک بھی صحیح نہیں ہے۔ لیکن مثل واجبات کے التزام کا معنیٰ یہ ہے کہ نہ کرنے والے کو ملامت اور

مذمت کی جائے اور اس کو کبھی بھی ترک نہ کیا جائے اور کبھی ترک ہو جائے تو اس کی قضاء کی جائے اور اہل سنت اس طرح نہیں کرتے۔

مجھ سے بعض احباب نے فرمائش کی تھی کہ میں نماز جنازہ کے بعد دعا کے مسئلہ پر لکھوں' شرح صحیح مسلم اور تبیان القرآن کی سابقہ جلدوں میں یہ مسئلہ نہیں لکھ سکا تھا۔ اب ''انک میت'' کی تفسیر میں اس مسئلہ کی ایک گونہ مناسبت تھی سو حسب مقدور لکھ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ (آمین)

الزمر: ۳۱ میں فرمایا: ''پھر بے شک تم سب قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے جھگڑا کرو گے O''

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے جھگڑنے والوں کے مصادیق

انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں میں جھگڑا ہوگا' انبیاء علیہم السلام کہیں گے کہ ہم نے اپنی امتوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچائے اور ان کی امتیں اس کا انکار کریں گی اور عام کفار اپنے کافر سرداروں سے جھگڑا کریں گے' عوام کہیں گے کہ ہمیں ان سرداروں نے گم راہ کیا ہے' ہم نے ان کے کہنے سے اللہ تعالیٰ کی توحید کا کفر کیا تھا اور وہ اس کا کفر کریں گے' مسلمانوں کے بعض گروہ ایک دوسرے سے جھگڑا کریں گے' حتیٰ کہ جانور بھی ایک دوسرے سے جھگڑا کریں گے' قیامت کے دن مختلف فریق اپنے رب کے سامنے جھگڑا کریں گے' اس کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ O (الزمر: ۳۱) پھر بے شک تم سب قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے جھگڑا کرو گے O

حضرت زبیر نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم دنیا میں جھگڑے کے بعد قیامت کے دن پھر جھگڑا کریں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! انہوں نے کہا: پھر تو یہ معاملہ بہت سخت ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۳۶' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۶۰' مسند احمد ج ۱ ص ۱۶۴' مسند البزار رقم الحدیث: ۹۶۴' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۶۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون شخص ہے؟ صحابہ نے کہا: ہمارے نزدیک مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس کوئی درہم ہو نہ کوئی سامان ہو' آپ نے فرمایا: میری امت میں سے مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نمازیں' روزے اور زکوٰۃ لے کر آئے گا اور اس نے اس کو گالی دی' اس پر تہمت لگائی اور اس کا مال کھایا' اس کا خون بہایا اور اس کو مارا' پھر اس کو بھی اس کی نیکیاں دی جائیں گی اور اس کو بھی اس کی نیکیاں دی جائیں گی اور اگر ان کے حقوق پورے ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو ان کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے' پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی دوسرے شخص کی عزت یا اس کی کسی بھی چیز پر ظلم کیا ہو وہ آج ہی اس سے معاف کرا لے' اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جس میں اس کے پاس درہم ہوگا نہ دینار ہوگا' اگر اس کے پاس کوئی نیک عمل ہوگا تو اس کے ظلم کے برابر اس سے وہ نیک عمل لے لیا جائے گا اور اگر اس کے پاس نیک عمل نہیں ہوگا تو جس پر اس نے ظلم کیا ہے اس کے گناہ اس کے اوپر ڈال دیئے جائیں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۴۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۰۵۸۰' عالم الکتب)

حضرت عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن سب سے پہلے دو پڑوسی جھگڑا کریں گے۔

(مسند احمد ج ۴ص ۱۵۱ (طبع قدیم) مسند احمد ج ۲۸ص ۶۰۱ طبع جدید مؤسسۃ الرسالۃ ۱۴۱۹ھ المعجم الکبیر ج ۱۷ رقم الحدیث: ۸۵۴)

حضرت عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ظالم حاکم کو لایا جائے گا اور اس کی رعایا اس سے جھگڑا کرے گی اور وہ اس پر غلبہ حاصل کرے گی' پھر اس سے کہا جائے گا کہ تم جہنم کے ارکان میں سے ایک رکن کو بھر دو۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۱۶۴۴' الکامل لابن عدی ج ۲ص ۲۲۱ طبع جدید' مجمع الزوائد ج ۵ص ۲۰۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ضرور حق داروں کو ان کے حقوق ادا کیے جائیں گے حتیٰ کہ سینگھ والی بکری سے بے سینگھ کی بکری کا بدلہ لیا جائے گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگ آپس میں جھگڑا کریں گے حتیٰ کہ روح جسم کے ساتھ جھگڑا کرے گی' پس روح جسم سے کہے گی: تم نے یہ کام کیے تھے اور جسم روح سے کہے گا: تم نے یہ منصوبہ بنایا تھا اور تم نے حکم دیا تھا' پھر اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ کے لیے ایک فرشتہ بھیجے گا' وہ کہے گا: تم دونوں کی مثال اس طرح ہے کہ ایک دیکھنے والا اپاہج شخص ہو اور دوسرا اندھا ہو' وہ دونوں ایک باغ میں گئے' اپاہج نے اندھے سے کہا: میں یہاں پر بہت پھل دیکھ رہا ہوں لیکن میں ان تک پہنچ نہیں سکتا' تب اندھے نے کہا: تم مجھ پر سوار ہو جاؤ اور ان پھلوں کو توڑ لو' پس اس اپاہج نے اندھے پر سوار ہو کر پھل توڑ لیے' بتاؤ ان دونوں میں سے کون مجرم ہے؟ روح اور جسم دونوں نے کہا: وہ دونوں مجرم ہیں۔ تب فرشتہ ان دونوں سے کہے گا: تم دونوں نے خود اپنے خلاف فیصلہ کر دیا' یعنی جسم روح کے لیے بہ منزلہ سواری ہے اور روح بہ منزلہ سوار ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ص ۵۸' الدر المنثور ج ۷ص ۱۹۶' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ص ۱۷۵' روح البیان ج ۸ص ۱۴۵۔۱۴۴)

امام محمد بن جعفر ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: صادق کاذب سے' مظلوم ظالم سے' ہدایت یافتہ گمراہ سے اور کمزور متکبر سے جھگڑا کرے گا۔ ابن زید نے کہا: مسلمان کافر سے جھگڑا کرے گا۔

ابراہیم نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں نے کہا: ہم کیسے جھگڑا کریں گے' ہم آپس میں بھائی ہیں اور جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو مسلمانوں نے کہا: اس قتل کے متعلق ہمارا جھگڑا ہو گا۔

(جامع البیان جز ۲۴ص ۴۔۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَیَّ (ق: ۲۸) — تم میرے سامنے جھگڑا نہ کرو۔

پھر مسلمان کیسے اللہ تعالیٰ کے سامنے جھگڑا کریں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قیامت کا دن بہت بڑا دن ہو گا' اس کی بعض ساعتوں میں لوگ ایک دوسرے سے جھگڑا نہیں کریں گے اور بعض دوسری ساعات میں جھگڑا کریں گے' اس کی نظیر حسب ذیل آیات ہیں:

فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ○ (القصص: ۶۶) — لوگ ایک دوسرے سے سوال نہیں کریں گے ○

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ○ — وہ ایک دوسرے کی طرف پلٹ کر سوال کریں گے ○

(الصافات: ۲۷)

یعنی قیامت کے دن وہ کسی وقت ایک دوسرے سے سوال نہیں کریں گے اور دوسرے وقت میں سوال کریں گے۔

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ○ — اس دن کسی انسان سے اس کے گناہ کا سوال کیا جائے گا نہ

(الرحمٰن:۳۹) کسی جن سے O

فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ O (الحجر:۹۲) سو آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گے O

یعنی قیامت کے دن ایک وقت میں کسی سے سوال نہیں کیا جائے گا اور دوسرے وقت میں سب سے سوال کیا جائے گا۔
ہم قیامت کے دن کی آزمائشوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں۔

الجزء ۲۴

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ
پس اس سے زیادہ اور کون ظالم ہو گا جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور جب سچ اس کے پاس آئے تو وہ اس

اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِیْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِیْ
کو جھٹلائے! کیا دوزخ میں کافروں کا ٹھکانا نہیں ہے O اور جو

جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ
سچے دین کو لے کر آئے اور جنہوں نے اس کی تصدیق کی وہی لوگ متقی ہیں O ان کے لیے

مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۳۴﴾ ج صلے
ان کے رب کے پاس ہر وہ نعمت ہے جس کو وہ چاہیں اور یہی نیکی کرنے والوں کی جزاء ہے O

لِیُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِیْ عَمِلُوْا وَیَجْزِیَهُمْ اَجْرَهُمْ
تاکہ اللہ ان (محسنین) سے ان کے کیے ہوئے زیادہ بُرے کاموں کو دور کر دے اور ان کے کیے ہوئے

بِاَحْسَنِ الَّذِیْ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۳۵﴾ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ
نیک کاموں کی ان کو جزاء عطا فرمائے O کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے' یہ لوگ آپ

عَبْدَهٗ ؕ وَیُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَمَنْ
کو اللہ کے سوا دوسرے (معبودوں) سے ڈرا رہے ہیں اور جس کو اللہ گم راہی پر چھوڑ دے

یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۶﴾ ج وَمَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ
اس کے لیے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے O اور جس کو اللہ ہدایت عطا فرمائے اس کو کوئی گم راہ

مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ ﴿۳۷﴾ وَلَئِنْ

کرنے والا نہیں ہے، کیا اللہ غالب منتقم نہیں ہے؟ O اور اگر آپ ان

سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ

سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ ضرور کہیں گے: اللہ نے، آپ کہیے: بھلا تم یہ

قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ

بتاؤ کہ تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی پرستش کرتے ہو، اگر اللہ مجھے کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو کیا یہ

اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ

اس کے پہنچائے ہوئے ضرر کو دور کر سکیں گے؟ یا اگر وہ مجھ پر رحمت کا ارادہ کرے تو کیا وہ

هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ

اللہ کی رحمت کو دور کر سکیں گے، آپ کہیے: مجھے اللہ کافی ہے، اسی پر توکل کرنے والے

الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ

توکل کرتے ہیں O آپ کہیے: اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو، بے شک میں

عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ

(بھی) عمل کر رہا ہوں، پس عنقریب تم جان لو گے O کہ کس پر رسوا کرنے والا عذاب

وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ

آتا ہے اور کس پر دائمی عذاب نازل ہو گا O بے شک ہم نے لوگوں کے لیے آپ

لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ

پر برحق کتاب نازل کی ہے، سو جس نے ہدایت اختیار کی تو اپنے ہی فائدہ کے لیے اور جس نے

فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۴۱﴾ ع

گمراہی اختیار کی تو اس گمراہی کا وبال اسی پر ہے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس اس سے زیادہ اور کون ظالم ہو گا جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور جب سچ اس کے پاس آئے تو وہ اس کو جھٹلائے' کیا دوزخ میں کافروں کا ٹھکانا نہیں ہے؟O اور جو سچے دین کو لے کر آئے اور جنہوں نے اس کی تصدیق کی وہی لوگ متقی ہیںO ان کے لیے ان کے رب کے پاس ہر وہ نعمت ہے جس کو وہ چاہیں اور یہی نیکی کرنے والوں کی جزاء ہے O تاکہ ان (محسنین) سے اللہ ان کے کیے ہوئے زیادہ بُرے کاموں کو دور کر دے اور ان کے کیے ہوئے زیادہ نیک کاموں کی ان کو جزاء عطا فرمائےO (الزمر: ۳۵-۳۲)

اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرنے والوں کے متعدد مصادیق

ان آیتوں میں اللہ عزوجل ان مشرکین سے خطاب فرما رہا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا اور اللہ کی عبادت میں دوسروں کو شریک کر لیا اور انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور انہوں نے اللہ کے لیے اولاد کو ثابت کیا اور جب اللہ کے رسل کرام صلوات اللہ علیہم ان کے پاس اللہ کا پیغام لے کر آئے تو انہوں نے اس پیغام کو جھٹلایا' اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ''پس اس سے زیادہ اور کون ظالم ہو گا جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور جب سچ اس کے پاس آئے تو وہ اس کو جھٹلائے''، یعنی وہ سب سے زیادہ ظلم کرنے والا ہے' کیونکہ اس نے اللہ کے ساتھ بھی کفر کیا اور رسولوں کے ساتھ بھی کفر کیا اور اللہ کی بھی تکذیب کی اور اس کے رسولوں کی بھی تکذیب کی' انہوں نے باطل کا قول کیا اور حق کا انکار کیا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو وعید سناتے ہوئے فرمایا: ''کیا دوزخ میں کافروں کا ٹھکانا نہیں ہے''۔

اس وعید میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو لوگوں پر یہ ظاہر کرتے ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول ہیں اور واقع میں وہ نبی اور رسول نہ ہوں اور ہمارے نبی خاتم الانبیاء والرسل کی بعثت کے بعد جس نے نبوت اور رسالت کا دعویٰ کیا وہ اللہ پر جھوٹ باندھنے والا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو خاتم النبیین فرما چکا ہے۔ اسی طرح جس نے اپنے مریدین اور معتقدین کے سامنے یہ ظاہر کیا کہ وہ اللہ کا ولی ہے یا غوث اور قطب ہے یا اس پر الہام ہوتا ہے وہ اس وعید میں داخل ہے کیونکہ وہ بھی اللہ پر جھوٹ باندھنے والا ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

اس آیت سے بعض علماء نے اہل قبلہ میں سے اپنے نظریات اور عقائد کے مخالف کو کافر قرار دینے پر استدلال کیا ہے' کیونکہ جو شخص مسائل قطعیہ کی مخالفت کرے گا وہ مذہب حق کا مخالف ہو گا اور نصوص قطعیہ کا مکذب ہو گا سو وہ اس آیت کی وعید میں داخل ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۵۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

الزمر: ۳۳ میں فرمایا: ''اور جو سچے دین کو لے کر آئے اور جنہوں نے اس کی تصدیق کی وہی لوگ متقی ہیںO''

سچے دین کو لانے والے اور اس کی تصدیق کرنے والے کے مصداق میں متعدد اقوال

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اس آیت کے حسب ذیل مصادیق ذکر کیے ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: صدق سے مراد لا الٰہ الا اللہ ہے اور اس کو لانے والے اور اس کی تصدیق کرنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ سب سے پہلے آپ نے لا الٰہ الا اللہ پڑھا اور سچے دین کی تصدیق کی۔

(۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سچے دین کو لانے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس کی تصدیق کرنے والے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

(۳) قتادہ نے کہا: صدق سے مراد قرآن مجید ہے اور اس کی تصدیق کرنے والے تمام مؤمنین ہیں۔

(۴) مجاہد نے کہا: صدق سے مراد قرآن کریم ہے اور اس کی تصدیق کرنے والے اہل قرآن ہیں۔
(۵) سدی نے کہا: صدق سے مراد قرآن مجید ہے' اس کو لانے والے حضرت جبریل ہیں اور اس کی تصدیق کرنے والے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (جامع البیان جز ۲۴ ص ۶-۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ان اقوال میں راجح قول کا بیان

جمہور مفسرین کا مختار یہ ہے کہ صدق کو لانے والے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور تصدیق کرنے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

چھٹی صدی کے مشہور شیعہ مفسر ابوعلی الفضل بن الحسن الطبرسی لکھتے ہیں:

قوی قول یہ ہے کہ صدق کو لانے والے اور تصدیق کرنے والے دونوں سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ابو العالیہ اور کلبی سے یہ قول منقول ہے کہ صدق کو لانے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور تصدیق کرنے والے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور مجاہد' ضحاک اور ائمہ اہل بیت سے مروی ہے کہ صدق کو لانے والے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور تصدیق کرنے والے حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔ (مجمع البیان جز ۸ ص ۷۷۷' دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۶ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور مفسرین کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ صدق کو لانے والے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور تصدیق کرنے والے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس سے حضرت ابوبکر کا مراد ہونا بالکل واضح ہے کیونکہ انہوں نے سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کی تصدیق کی تھی اور جو سب سے پہلے تصدیق کرنے والا ہو وہی سب سے افضل ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہ نسبت حضرت ابوبکر کو اس آیت سے مراد لینا زیادہ راجح ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت حضرت علی کم سن تھے جیسے گھر میں کوئی بچہ ہوتا ہے اور حضرت علی کے اسلام لانے سے اسلام کو' کوئی زیادہ قوت اور شوکت حاصل نہیں ہوئی اور حضرت ابوبکر بڑی عمر کے تھے اور معاشرہ میں ان کی بہت عزت اور وجاہت تھی اور جب انہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کی تو اس سے اسلام کو بہت زیادہ قوت اور شوکت حاصل ہوئی' اس وجہ سے اس آیت میں "وصدق بہ" سے حضرت ابوبکر صدیق کو مراد لینا زیادہ راجح ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۵۲' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس کے بعد فرمایا: "وہی لوگ متقی ہیں" یعنی جن لوگوں نے سچے دین کی تصدیق کی' وہی متقی ہیں اور وہی کفر اور شرک اور اللہ تعالیٰ کی معصیت کو ترک کرنے والے ہیں۔

الزمر: ۳۴ میں فرمایا: "ان کے لیے ان کے رب کے پاس ہر وہ نعمت ہے جس کو وہ چاہیں اور یہی نیکی کرنے والوں کی جزاء ہے O"

اہل جنت کے دلوں کا کینہ اور حسد سے پاک ہونا

کیونکہ ان متقین نے اللہ کی معصیت کو ترک کیا تھا اور ہر اس کام کو ترک کر دیا تھا جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف ہو تو اللہ تعالیٰ نے اپنے تقاضائے کرم سے ان کو بہترین جزاء عطا فرمائی اور انہوں نے اپنے رب سے جس چیز کو بھی چاہا اس کو ان کے رب نے انہیں عطا فرما دیا۔

ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ جب جنت میں عام مؤمنین انبیاء علیہم السلام اور اکابر اولیاء کرام کے بلند درجات اور اعلیٰ

مقامات دیکھیں گے تو لازماً ان کے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہوگی کہ ان کو بھی ایسے ہی درجات اور مقامات حاصل ہوں تو اس آیت کے اعتبار سے ان کو بھی وہ مقامات ملنے چاہئیں تو ان کو رنج پہنچے گا' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت کے دلوں سے کینہ اور حسد اور سفلی خواہشات کو زائل کر دے گا اور جنت والوں کے احوال دنیا والوں کے احوال سے مختلف ہوں گے' نیز ایسی باطل خواہشوں کے وسوسے تو شیطان دلوں میں ڈالتا ہے اور اس وقت وہ لعین دوزخ کے کسی طبقہ میں پڑا جل رہا ہوگا' نیز اہل جنت کو اللہ تعالیٰ اپنا دیدار عطا فرمائے گا اور جب اہل جنت اللہ تعالیٰ کا دیدار کرلیں گے تو اس کے دیدار کے بعد ان کے دلوں میں کسی اور نعمت کی خواہش پیدا نہیں ہوگی۔

الزمر: ۳۵ میں فرمایا: ''تا کہ اللہ ان (محسنین) سے ان کے کیے ہوئے زیادہ بُرے کاموں کو دور کر دے اور ان کے کیے ہوئے زیادہ نیک کاموں کی ان کو جزاء عطا فرمائے O''

کفارہ کا معنیٰ اور زیادہ نیک کاموں کی تفسیر

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جن متقین اور محسنین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی ان سے عذاب من کل الوجوہ ساقط ہو جائے گا' اس مطلوب کی تقریر یہ ہے کہ لوگ جب انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے پیغام کی تصدیق کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے ان کے کیے ہوئے کبیرہ گناہوں کو مٹا دے گا۔

اس آیت میں ''لیکفر اللہ'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر تکفیر ہے اور اس کا حاصل مصدر کفارہ ہے' کفارہ اس چیز کو کہتے ہیں جو گناہ کو چھپالے' جیسے قسم کا کفارہ' قتل خطاء کا کفارہ' عمداً روزہ توڑنے کا کفارہ اور ظہار کا کفارہ اور تکفیر کا معنیٰ ہے: کسی گناہ کو اس طرح چھپا دینا گویا اس شخص نے وہ گناہ کیا ہی نہ ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تکفیر میں باب تفعیل سلب ماخذ کے لیے ہو جیسے تمریض کا معنیٰ ہے: مرض کو زائل کرنا' اسی طرح تکفیر کا معنیٰ ہے: کفران نعمت اور ناشکری کے کاموں کو زائل کرنا اور اس کا معنیٰ پہلی آیت سے متصل ہو کر اس طرح ہوگا کہ یہ ان متقین اور محسنین کی جزاء ہے جنہوں نے زیادہ نیک کام اس لیے کیے کہ اللہ ان کے زیادہ نیک کاموں کی وجہ سے ان کے زیادہ بُرے کاموں کو مٹا دے اور ان کی حسنات کفارہ سیئات ہو جائیں۔ اس آیت میں ''اسوء'' کا لفظ ہے' یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے' اس کا معنیٰ ہے: زیادہ بُرا کام اور وہ گناہ کبیرہ ہے اور اس آیت میں ''احسن'' کا لفظ ہے' یہ بھی اسم تفضیل کا صیغہ ہے' اس کا معنیٰ ہے: زیادہ نیک کام اور وہ فرائض اور واجبات کو بہت اچھے طریقہ سے ادا کرنا ہے۔

ان محسنین کو جو بہترین جزاء دی جائے گی اور ان کے بُرے کاموں کو مٹایا جائے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کے پیغام کی تصدیق کی اور اپنے اقوال' افعال اور اموال سے اس تصدیق کا ثبوت فراہم کیا' جو بات کہی سچی کہی' جو وعدہ یا عہد کیا اس کو پورا کیا اور ہر کام میں ان کی نیت صادق رہی' یعنی انہوں نے ہر نیک کام جذبہ صادقہ اور عبادت کی نیت سے کیا اور تصدیق کے یہ ثمرات ہر چند کہ بندہ کے افعال اختیاریہ ہیں اور اسی وجہ سے ان پر اجر و ثواب ملتا ہے لیکن حقیقت میں یہ محض اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور صدق بندوں کے دلوں میں اللہ کا عطیہ ہے اور وہبی صفت ہے انسان کے نفس کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے' حدیث میں ہے:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے وصیت کیجئے' آپ نے فرمایا: تم اپنے دین میں اخلاص رکھنا (اخلاص اور صدق نیت سے اللہ کی اطاعت کرنا) پھر تم کو کم عمل بھی کافی ہوں گے۔

حاکم نیشاپوری نے کہا: اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت نہیں کیا' لیکن یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

(المستدرک ج ۴ ص ۳۰۶ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۷۸۴۴ طبع جدید' کنز العمال ج ۳ ص ۲۳' الترغیب والترھیب للمنذری ج ۱ ص ۲۳ حافظ سیوطی نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۲۹۸' حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۴۴)

علامہ عبد الرؤف المناوی المتوفی ۱۰۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

روح جب نفس کی شہوات سے خالی ہو اور انسان محض اللہ کی رضا کے لیے عبادت کرے اور اس کی عبادت میں اس کے دل اور اس کے نفس یا اس کی روح کا کوئی حصہ نہ ہو تو وہ صدق ہے اور اس کا عمل مقبول ہوتا ہے اور عمل مقبول کم ہو اور عمل مردود کثیر ہو تو ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ تورات میں مذکور ہے کہ جو عمل میری رضا کے لیے کیا گیا وہ قلیل عمل بھی کثیر ہے اور جس عمل میں میری رضا کی نیت نہیں کی گئی وہ کثیر عمل بھی قلیل ہے' عارفین نے کہا ہے کہ عبادت میں کثرت کے بجائے اخلاص کی نیت کیا کرو' امام غزالی نے کہا: وہ قلیل عبادت جو ریا کاری اور فخر و غرور سے خالی ہو اور اخلاص کے ساتھ ہو اس کی اللہ کے نزدیک بے شمار قدر و قیمت ہے اور وہ کثیر عبادت جو صدق اور اخلاص سے خالی ہو اس کی اللہ کے نزدیک کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ ماسوا اس کے کہ اللہ اپنے لطف و کرم سے اس کا تدارک کر دے۔ عارفین نے کہا ہے کہ صفاء قلب کے ساتھ جو عمل کیا جائے خواہ کم ہو اس میں اور بغیر صفاء قلب کے کثیر عمل میں وہ فرق ہے جو ایک جوہر اور بہت سیپیوں میں فرق ہوتا ہے۔

امام رازی نے کہا ہے کہ جب کسی عمل کا باعث اور محرک صرف اللہ تعالیٰ کی محبت ہو اور اس کے دل میں دنیا کی محبت کا ایک ذرہ بھی نہ ہو' حتیٰ کہ اس کا کھانا پینا بھی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور ان کی محبت کی وجہ سے ہو اور اپنے جسمانی تقاضوں کی وجہ سے نہ ہو' حتیٰ کہ اس کی یہ نیت ہو کہ اگر اللہ اور اس کے رسول نے کھانے پینے کا حکم نہ دیا ہوتا تو وہ ہرگز کھانے پینے کو اختیار نہ کرتا تو اس کے عمل میں صدق اور اخلاص ہے اور وہ اللہ اور رسول پر ایمان لانے کے دعویٰ میں مخلص اور صادق ہے۔

(فیض القدیر ج ۱ ص ۴۱۵۔۴۱۶' ملخصاً و موضحاً' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

الزمر: ۳۵ میں علامہ قرطبی کی ''اسوء'' کی تفسیر پر بحث و نظر

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی متوفی ۶۶۸ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ آیت ان متقین اور محسنین سے مرتبط ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے پیغام کی تصدیق کی اور اللہ اور رسول پر ایمان لائے' اللہ تعالیٰ ان کے زیادہ بُرے کاموں کے لیے ان کے زیادہ نیک کاموں کو کفارہ بنا دے گا اور اس سے مراد یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت اور زمانۂ کفر میں جو انہوں نے شرک کیا تھا اور دوسرے گناہ کیے تھے اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو مٹا دے گا اور انہوں نے ایمان لانے کے بعد جو احسن (زیادہ نیک) کام کیے ہیں ان کا اجر و ثواب عطا فرمائے گا اور وہ اجر و ثواب جنت ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۲۲۹' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی نے اس تفسیر پر یہ اعتراض کیا ہے: ''وصدق به کی ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی تو اگر اس آیت کی یہ تفسیر کی جائے کہ اللہ تعالیٰ ان متقین اور محسنین کے زمانۂ کفر کے بُرے کاموں کو مٹا دے گا تو پھر حضرت علی پر یہ تفسیر صادق نہیں آئے گی' کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے سے پہلے کفر کیا ہی نہیں تھا''۔ (روح المعانی جز ۲۴ ص ۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس تفسیر پر علامہ آلوسی کا یہ اعتراض صحیح نہیں ہے' اوّلاً اس لیے کہ قرآن مجید میں محسنین اور متقین کے الفاظ ہیں اور ان کے عموم میں حضرت علی بھی داخل ہیں۔ ثانیاً اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے' خصوصیت مورد کا نہیں ہوتا اور ثالثاً اس لیے کہ قرآن مجید میں ''اسوء'' کا لفظ ہے جس کا معنیٰ ہے: زیادہ بُرا کام' خواہ وہ کفر و شرک ہو یا گناہ کبیرہ ہو' اس کو بالخصوص کفر

کے ساتھ مقید کرنا صحیح نہیں ہے' تاہم علامہ قرطبی کی تفسیر بھی صحیح نہیں ہے' انہوں نے اپنی تفسیر میں متقین اور محسنین کو ان لوگوں کے ساتھ مقید کر دیا جو کفر و شرک کو ترک کر کے اسلام میں داخل ہوئے ہوں اور انہوں نے ''اسوأ'' کو کفر کے ساتھ اور احسن کو ایمان کے ساتھ مقید کر دیا' حالانکہ ''اسوأ'' کا معنیٰ ہے: زیادہ بُرا کام' خواہ وہ کفر و شرک ہو یا کوئی اور گناہ کبیرہ ہو اور ''احسن'' کا معنیٰ ہے: زیادہ نیک کام' خواہ وہ ایمان لانا ہو یا ایمان لانے کے بعد فرائض اور واجبات کو زیادہ حسن و خوبی سے ادا کرنا ہو' کیونکہ اس آیت کا معنیٰ ہے: ''تا کہ اللہ ان (محسنین) سے ان کے کیے ہوئے زیادہ بُرے کاموں کو دور کر دے اور ان کے کیے ہوئے زیادہ نیک کاموں کی ان کو جزاء عطا فرمائے'' اور یہ آیت جس طرح ان محسنین پر صادق آتی ہے جو کفر کو ترک کر کے اسلام لائے ہوں اسی طرح ان محسنین پر بھی صادق آتی ہے جو گناہ کبیرہ کو ترک کے توبہ اور استغفار کریں اور بڑھ چڑھ کر نیک کام کریں اور محققین نے اس آیت کو اسی طرح عموم پر رکھا ہے۔

علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

زیادہ بُرے کاموں سے مراد ہے: اہل جاہلیت کا کفر اور اہل اسلام کے معاصی اور ان کا کفارہ ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان سے عذاب اکمل وجوہ سے ساقط ہو جائے گا اور زیادہ نیک کاموں کی جزاء اس پر دلالت کرتی ہے کہ ان کو اجر و ثواب بھی اکمل وجوہ سے حاصل ہوگا۔ (البحر المحیط ج ۹ ص ۲۰۴' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ' امام ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ' علامہ علاء الدین خازن متوفی ۷۲۵ھ و دیگر محققین نے بھی اس آیت کو عموم پر رکھا ہے' امام ابن جریر کی عبارت یہ ہے:

ان محسنین کو ان کے رب نے ان کے نیک کاموں کی یہ جزاء دی ہے کہ انہوں نے دنیا میں جو زیادہ بُرے کام کیے تھے جن کا صرف ان کے رب کو علم تھا اور جو انہوں نے ظاہراً بُرے کام کیے اور ان پر توبہ کی اور استغفار کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا ان کو اللہ تعالیٰ نے مٹا دیا اور انہوں نے دنیا میں جو زیادہ نیک کام کیے تھے ان پر اللہ تعالیٰ اجر و ثواب عطا فرمائے گا اور ان سے راضی ہوگا۔ (جامع البیان جز ۲۴ ص ۸' زاد المسیر ج ۷ ص ۱۸۳' تفسیر الخازن ج ۴ ص ۵۸)

الزمر: ۳۵ میں علامہ زمخشری اور علامہ آلوسی کی ''اسوأ'' کی تفسیر پر بحث و نظر

علامہ جار اللہ محمود بن عمر زمخشری خوارزمی متوفی ۵۳۸ھ نے اس آیت کی تفسیر اپنے نظریہ اعتزال کی بناء پر کی ہے' وہ لکھتے ہیں:

اگر تم یہ سوال کرو کہ اسوأ (زیادہ بُرے کام) اور احسن (زیادہ نیک کام) کی ان کے کیے ہوئے کاموں کی طرف اضافت کی کیا توجیہ ہے؟ اور ان کاموں کی تفضیل کا کیا معنیٰ ہے؟ تو میں کہوں گا: اس میں تفضیل کا معنیٰ ملحوظ نہیں ہے' جیسا کہ لوگ کہتے ہیں کہ الاشج بنو مروان میں اعدل تھا یعنی سب سے زیادہ عدل کرنے والا تھا (الاشج کا لغوی معنیٰ ہے: جس کے سر پر چوٹ لگی ہو اور اس سے مراد عمر بن عبد العزیز ہیں کیونکہ ان کے سر میں چوٹ لگی تھی اور اس جملہ میں اعدل کا تفضیل والا معنیٰ مراد نہیں ہے' ورنہ یہ معنیٰ ہوگا کہ تمام بنو مروان عدل کرنے والے تھے اور عمر بن عبد العزیز ان میں سب سے زیادہ عدل کرنے والے تھے' حالانکہ تمام مروانی ظالم اور فاسق تھے' اس لیے اس جملہ میں اعدل عادل کے معنیٰ میں ہے اور اس میں تفضیل ملحوظ نہیں ہے) اس طرح اسوأ میں بھی تفضیل ملحوظ نہیں ہے اور اس کا معنیٰ زیادہ بُرے کام یعنی گناہ کبیرہ نہیں ہے بلکہ اس کا معنیٰ ہے: صرف بُرے کام یعنی گناہ صغیرہ' رہا یہ کہ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو اسم تفضیل سے کیوں تعبیر فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان محسنین سے جو صغیرہ گناہ اور لغزشیں صادر ہوتیں تو وہ اپنے بلند درجہ کی وجہ سے ان کو بھی کبائر میں سے شمار کرتے اور اسوأ یعنی زیادہ بُرے کام قرار

دیتے اور جو حسن (نیک کام) وہ کرتے تھے اللہ تعالیٰ ان کے حسن اخلاص کی وجہ سے ان کو احسن قرار دیتا ہے' اس لیے ان کے حسن کاموں کو اللہ تعالیٰ نے احسن فرمایا' خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بُرے کاموں (صغائر) کو زیادہ بُرے (کبائر) ان کے اعتبار سے فرمایا کہ وہ اپنے بُرے کاموں کو زیادہ بُرے قرار دیتے تھے اور ان کے نیک کاموں کو زیادہ نیک اپنے اعتبار سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے حسن اخلاص کی وجہ سے ان کے عام نیک کاموں کو بھی زیادہ نیک قرار دیتا ہے۔

(الکشاف ج ۴ ص ۱۳۱' موضحاً ومفصلاً' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ زمخشری کی اس نکات آفریں تفسیر کے حسن اور اس کی خوبی میں کوئی کلام نہیں ہے لیکن ان حسین نکات میں ان کی بدعقیدگی چھپی ہوئی ہے' کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کبائر کو بغیر توبہ کے معاف نہیں فرمائے گا' اس لیے انہوں نے کہا: اس آیت میں اسوأ سے حقیقت میں کبائر مراد نہیں ہیں صغائر مراد ہیں' لیکن وہ محسنین اپنے بلند درجہ کی وجہ سے ان صغائر کو بھی کبائر گردانتے تھے' اس لیے ان کے اعتبار سے ان کے صغائر کو اسوأ فرمایا۔

علامہ آلوسی علامہ زمخشری کی عبارت کی تہ تک نہیں پہنچ سکے' انہوں نے کہا کہ علامہ زمخشری کی مراد یہ ہے کہ وہ متقین اپنے تقویٰ میں اس قدر کامل ہیں کہ ان کے کاموں میں کوئی بُرائی صرف فرضاً ہی داخل ہو سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے کاموں کو اسوأ فرمایا ہے اس کا معنیٰ ہے: ان متقین نے بالفرض جو بُرے کام کیے' پس معلوم ہوا کہ زمخشری کی یہ تفسیر ان کے نظریہ اعتزال پر مبنی نہیں ہے۔ (واضح رہے کہ علامہ زمخشری معتزلی ہیں اور معتزلہ کے نزدیک اگر گناہ کبیرہ کا مرتکب توبہ نہ کرے تو اس کی مغفرت ممکن نہیں ہے) (روح المعانی جز ۲۴ ص ۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ زمخشری کی تفسیر اس لیے صحیح نہیں ہے کہ انہوں نے اسوأ (زیادہ بُرے کام' یعنی گناہ کبیرہ) کو بلا ضرورت شرعی مجاز پر محمول کیا ہے اور کہا ہے کہ "یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے مگر اس میں تفضیل کا معنیٰ مراد نہیں ہے اور یہ اس طرح ہے جیسے لوگ کہتے ہیں کہ الاشج (عمر بن عبد العزیز) بنو مروان میں اعدل ہے' لہٰذا اسوأ سے مراد صغیرہ گناہ ہیں" اور جب یہاں اسوء کا حقیقی معنی (گناہ کبیرہ) لینا درست ہے تو پھر اس کو مجاز پر محمول کرنا درست نہیں ہے اور حقیقی معنی مراد لینا اس لیے درست ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرتا اور اس سے کم گناہ کو معاف فرما دیتا ہے خواہ گناہ صغیرہ ہو یا گناہ کبیرہ اور خواہ ان گناہوں پر توبہ کی ہو یا نہ کی ہو' قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ شرک کو نہیں بخشے گا اور اس سے کم جو گناہ ہو گا اس کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ (الزمر: ۵۳)

اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو' بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا۔

اور علامہ زمخشری کی دوسری غلطی یہ ہے کہ انہوں نے اسوأ کو مجاز پر محمول کرنے کے لیے قرآن اور حدیث سے دلائل دینے کے بجائے اس کو لوگوں کے اس قول پر قیاس کیا ہے کہ "الاشج بنو مروان میں اعدل ہے" اس قول میں اعدل' عادل کے معنیٰ میں ہے اور تفضیل اور عدل کی زیادتی مراد نہیں ہے' لہٰذا اسوأ میں بھی بُرے کام کی نفس الامر اور واقع میں زیادتی کا ارادہ نہیں کیا گیا بلکہ محسنین کے نزدیک زیادتی مراد ہے" اور قرآن اور حدیث کو چھوڑ کر لوگوں کے اقوال سے قرآن مجید کے معنیٰ متعین کرنا باطل ہے' خصوصاً جب کہ وہ معنیٰ قرآن مجید کی صریح آیات کے خلاف ہو۔

علامہ زمخشری کی تائید میں علامہ آلوسی نے کہا ہے کہ اسوأ سے مراد یہ نہیں ہے کہ نفس الامر اور واقع میں وہ زیادہ بُرے

کام ہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ متقین کے جو کام بالفرض زیادہ بُرے ہوں اللہ تعالیٰ ان کو بھی معاف کر دے گا' میں کہتا ہوں کہ یہ تفسیر اور تاویل بھی غلط ہے کیونکہ ان متقین اور محسنین سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کی اور ظاہر ہے یہ متقین نبی اور رسول تو نہیں ہیں اور ان سے گناہ کبیرہ کا صدور متعذر اور بعید نہیں ہے' پھر اس تاویل کی کیا ضرورت ہے کہ اگر بالفرض ان سے گناہ کبیرہ ہو گئے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کو بھی معاف فرما دے گا' سب سے بڑے متقی اور محسن تو صحابہ کرام ہیں' کیا بعض صحابہ نے زیادہ بُرے کام نہیں کیے' جن پر حد جاری ہوئی' انہوں نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا' پھر عام متقین کے لیے زیادہ بُرے کام کرنا کب محال ہے' جو قرآن مجید کے صریح لفظ میں تاویل کی جائے اور اس کو بغیر شرعی دلیل کے مجاز پر محمول کیا جائے۔

اس آیت کی تفسیر میں یہ علامہ قرطبی' علامہ زمخشری اور علامہ آلوسی کے ذکر کردہ نکات پر تبصرہ تھا' یہ بحث نامکمل رہے گی اگر امام رازی کے نکات پر تبصرہ نہ کیا جائے' سو اب ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے امام رازی کے نکات پر تبصرہ کرتے ہیں۔

الزمر: ۳۵ میں امام رازی کی ''اسوأ'' کی تفسیر پر بحث ونظر

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جب محسنین نے انبیاء علیہم السلام کے پیغام کی تصدیق کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے زیادہ بُرے اعمال کو مٹا دیا اور وہ بُرے اعمال ان کے ایمان لانے سے پہلے کا کفر وغیرہ ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو سب سے اچھی قسم کا ثواب پہنچائے گا۔

(اس تفسیر پر وہی کلام ہے جو ہم اس سے پہلے علامہ قرطبی کی تفسیر پر کر چکے ہیں)

اس کے بعد امام رازی لکھتے ہیں: مقاتل نے کہا: اللہ تعالیٰ ان کے نیک اعمال کی جزاء عطا فرمائے گا اور ان کے بُرے اعمال کی ان کو سزا نہیں دے گا اور یہ مقاتل مرجئہ کا شیخ ہے اور مرجئہ یہ کہتے ہیں کہ ایمان کے ہوتے ہوئے بُرے کاموں سے کوئی ضرر نہیں ہوگا' جیسے کفر کے ہوتے ہوئے نیک کاموں سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور اس نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ اس نے کہا کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جس نے انبیاء اور رسل کی تصدیق کی تو اللہ اس سے اس کے کیے ہوئے بُرے کاموں کو مٹا دے گا اور اس آیت میں اسوأ (زیادہ بُرے کام) کو کفر سابق پر محمول کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس آیت کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ متقین کے اسوأ (زیادہ بُرے کام) اس حال میں مٹائے گئے ہیں جس حال میں وہ تقویٰ سے متصف تھے یعنی شرک سے مجتنب تھے اور اس صورت میں واجب ہے کہ اسوأ سے مراد وہ کبائر ہوں جن کا ان متقین نے ایمان لانے کے بعد ارتکاب کیا ہو' پس یہ آیت اس بارے میں نص صریح ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان لانے کے بعد ان کے کیے ہوئے زیادہ بُرے کاموں کو مٹا دیتا ہے اور وہ زیادہ بُرے کام گناہ کبیرہ ہیں' پس واضح ہو گیا کہ ایمان لانے کے بعد گناہ کرنے سے کوئی ضرر نہیں ہوگا۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۵۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے مقاتل کے اس استدلال کا کوئی جواب نہیں دیا' ان پر لازم تھا کہ وہ مقاتل کی اس دلیل کا رد کرتے تاکہ کوئی یہ وہم نہ کرتا کہ مرجئہ کا مسلک برحق ہے' جب ہی ان کی اس دلیل کا امام رازی ایسے متکلم سے کوئی جواب نہیں ہو سکا۔

اور میں اللہ کی توفیق اور اس کی تائید سے یہ کہتا ہوں کہ قرآن مجید کی کسی ایک آیت کو پڑھ کر کوئی نتیجہ اخذ کرنا یا کوئی قاعدہ وضع کر لینا صحیح نہیں ہے' جب تک کہ اس موضوع پر قرآن مجید کی تمام آیتوں کو نہ پڑھ لیا جائے۔ مثلاً بعض آیات میں کفار کے ساتھ نرمی کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور بعض آیات میں ان کے ساتھ سختی کرنے اور جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے' مثلاً سورۂ بقرہ میں

ہے:

فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ. (البقرہ:۱۰۹)

پس معاف کرو اور درگزر کرو حتیٰ کہ اللہ اپنے حکم کو لے آئے۔

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ. (التوبہ:۵)

پس تم مشرکین کو قتل کردو جہاں بھی تم ان کو پاؤ۔

اسی طرح انگوری شراب کے متعلق پہلے فرمایا:

يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِؕ قُلْ فِيْهِمَاۤ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ. (البقرہ:۲۱۹)

یہ آپ سے خمر (انگور کی شراب) اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں' آپ کہیے: ان دونوں میں بہت گناہ ہے اور لوگوں کے کچھ فوائد بھی ہیں۔

اور اس کے بعد فرمایا:

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ. (المائدہ:۹۰)

خمر' جوا' بت اور فال کے تیر' سب ناپاک ہیں' شیطان کے کاموں سے ہیں۔

اسی طرح قرآن مجید میں بُرے کاموں پر سزا دینے کا بھی ذکر ہے اور ان کو معاف کرنے کا بھی ذکر ہے' سزا دینے کی آیات کو پڑھ کر یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہ کبیرہ پر لازماً سزا دے گا اور معاف نہیں کرے گا جیسا کہ زمخشری اور دیگر معتزلہ کا عقیدہ ہے اور معاف کرنے کی آیتوں کو دیکھ کر یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہ کبیرہ کو لازماً معاف کردے گا اور سزا نہیں دے گا جیسا کہ مقاتل اور دیگر مرجئہ کا عقیدہ ہے اور مذہب حق اہل سنت و جماعت کا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض گنہ گار مسلمانوں کو ان کی توبہ سے معاف کردے گا' بعض کو نبیوں اور خصوصاً ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے معاف فرمائے گا اور بعض کو اپنے فضل محض سے معاف فرمائے گا اور بعض کو سزا دے کر پھر معاف فرمادے گا۔

بعض نماز نہ پڑھنے والے مسلمانوں کو سزا دینے کے متعلق یہ آیات ہیں:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝ (الماعون:۷-۴)

ان نمازیوں کے لیے ویل (جہنم کی جگہ) ہے ۝ جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں ۝ جو ریا کاری کرتے ہیں ۝ اور استعمال کی چیزوں کے دینے سے منع کرتے ہیں ۝

زکوٰۃ نہ دینے والے مسلمانوں کی سزا کے متعلق یہ آیات ہیں:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِؕ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ (التوبہ:۳۴)

اے ایمان والو! بے شک بہ کثرت علماء اور پیر لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کرتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو آپ ان کو دردناک عذاب کی خبر پہنچا دیجئے ۝

بعض سود خور مسلمانوں کی سزا کے متعلق یہ آیات ہیں:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اس کو

الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ (البقرہ: ۲۷۹۔۲۷۸)

چھوڑ دو اگر تم واقعی ایمان والے ہو○ اور اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو تم اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔

یہ وہ آیات ہیں جن میں گناہ کبیرہ کرنے والے مسلمانوں کو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے اور یہ آیات مرجئہ کے مذہب کو باطل کرتی ہیں جو کہتے ہیں کہ ایمان لانے کے بعد مومنوں کو کسی گناہ سے ضرر نہیں ہوگا خواہ ان کا گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ ہو۔

اور جن آیات میں مسلمانوں کے گناہ کبیرہ کو بغیر توبہ کے معاف کرنے کی بشارت دی گئی ہے ان کو بھی ہم نے علامہ زمخشری کے مذہب کے رد میں ذکر کیا ہے اور اسی سلسلہ کی سورۂ زمر کی زیر تفسیر آیت: ۳۵ ہے:

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ (الرعد: ۶)

بے شک آپ کا رب لوگوں کو ان کے ظلم (گناہ کبیرہ) کے ارتکاب کے حال میں بھی بخشنے والا ہے۔

اور ایسی تمام آیات معتزلہ کے خلاف حجت ہیں جو کہتے ہیں کہ اگر گناہ کبیرہ کے مرتکب نے توبہ نہیں کی تو اللہ تعالیٰ پر اس کو عذاب دینا لازم ہے اور اس کی مغفرت ہرگز نہیں ہوگی۔

اور جو آیت ان دونوں کے مذہب کو باطل کرتی ہے اور مذہب اہل سنت کے برحق ہونے کی دلیل ہے وہ یہ ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ○ (الزلزال: ۸۔۷)

سو جس شخص نے ایک ذرہ کے برابر بھی نیک کام کیا وہ اس کی جزاء پائے گا○ اور جس شخص نے ایک ذرہ کے برابر بھی بُرا کام کیا وہ اس کی سزا پائے گا○

اگر ایمان کے بعد گناہ کبیرہ سے ضرر نہ ہوتا تو انبیاء علیہم السلام گناہوں سے کیوں منع کرتے اور بعض صحابہ پر زنا' چوری اور تہمت کی حدود کیوں جاری ہوتیں؟

خلاصہ یہ ہے کہ بعض آیات میں مسلمانوں کو گناہ کبیرہ کے ارتکاب پر سزا کی وعید سنائی ہے' اس لیے گناہ کے ارتکاب کے محرک اور باعث کے وقت ان آیات کو یاد کر کے ارتکاب معصیت سے باز رہنا چاہیے اور خوف خدا سے معصیت کو ترک کر دینا چاہیے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ○ (الملک: ۱۲)

بے شک جو لوگ اپنے رب سے تنہائی میں ڈرتے ہیں ان کے لیے مغفرت ہے اور بہت بڑا اجر ہے○

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ○ (الاعراف: ۲۰۱)

بے شک جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں جب ان کے دل میں شیطان کی طرف سے گناہ کی کوئی تحریک آتی ہے تو اچانک وہ خدا کو یاد کرتے ہیں' پھر ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں○

اور جب وہ کسی لغزش میں مبتلا ہو کر گناہ کر بیٹھتے ہیں تو پھر وہ نادم ہو کر اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہ کی معافی طلب کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۗ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۗ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

اور وہ لوگ جب کوئی بے حیائی کا کام کر بیٹھیں یا اپنی جانوں پر کوئی ظلم کر گزریں تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں' پھر اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرتے ہیں اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشے گا اور وہ اپنے کیے ہوئے کاموں پر دانستہ اصرار نہیں کرتے○ ان لوگوں کی

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ جزاء ان کے رب کی طرف سے بخشش ہے اور وہ جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا جاری ہیں' ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور نیک کاموں کا کیا ہی اچھا اجر وثواب ہے ۝ (آل عمران: ۱۳۶۔۱۳۵)

اور اگر کسی وجہ سے مسلمان گناہ کبیرہ پر توبہ نہ کر پائیں تو ان کے لیے انبیاء علیہم السلام کی عموماً اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصاً شفاعت ہے اور اگر کسی سبب سے ان کی شفاعت بھی نہ ہو سکے تو ان کے کلمہ پڑھنے کی برکت سے محض اللہ کے فضل سے ان کی مغفرت متوقع ہے اور اگر وہ اس سے بھی محروم رہیں تو پھر وہ اپنے گناہ کی سزا بھگت کر بخش دیئے جائیں گے کیونکہ جس نے ایک ذرہ کے برابر بھی کوئی نیکی کی تو وہ اس کی جزاء پائے گا۔

سو یہ ہے اہل سنت کا مذہب' جو قرآن مجید کی ان تمام آیات کے مطابق ہے' نہ معتزلہ کی طرح جنہوں نے صرف سزا کی آیات کو پڑھ کر کہا کہ اللہ تعالیٰ پر لازم ہے کہ وہ گنہ گار کو سزا دے اور نہ مرجئہ کی طرح جنہوں نے صرف گناہوں کے مٹانے کی آیات کو پڑھ کر کہا کہ اللہ تعالیٰ پر لازم ہے کہ وہ مسلمان گناہگاروں کو سزا نہ دے' اللہ تعالیٰ مالک علی الاطلاق ہے' جس کو چاہے معاف کر دے اور جس کو چاہے سزا دے' اس پر کچھ لازم نہیں ہے۔

ہماری اس تحقیق کے مطابق الزمر: ۳۵ کا ترجمہ اور تفسیر اس طرح ہے:

"تا کہ اللہ ان (محسنین) سے ان کے کیے ہوئے زیادہ بُرے کاموں (گناہ کبیرہ) کو دور کر دے اور ان کے کیے ہوئے زیادہ نیک کاموں کی ان کو جزاء عطا فرمائے ۝"

اور ان محسنین کے کیے ہوئے گناہ کبیرہ اس سے عام ہیں کہ وہ گناہ انہوں نے اسلام لانے سے پہلے کیے ہوں یا اسلام لانے کے بعد کیے ہوں' امام رازی' علامہ قرطبی اور علامہ آلوسی نے ان گناہوں کو قبل از اسلام کے ساتھ مقید کیا' علامہ زمخشری نے کہا: ان گناہوں سے مراد صغائر ہیں اور مقاتل نے اس آیت سے اس پر استدلال کیا کہ مسلمان مرتکب کبیرہ کو بالکل سزا نہیں ہوگی' ہمارے نزدیک یہ تمام تفاسیر غلط ہیں۔ اسی ضمن میں اب ہم اردو کی بعض مشہور تفاسیر پر بھی تبصرہ کر رہے ہیں تا کہ یہ بحث مکمل ہو جائے۔

الزمر: ۳۵ میں بعض اردو تفاسیر پر تبصرہ

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

اللہ تعالیٰ متقین ومحسنین کو ان کے بہتر کاموں کا بدلہ دے گا اور غلطی سے جو بُرا کام ہو گیا معاف کرے گا۔ شاید "اسوأ" اور "احسن" صیغہ تفضیل اس لیے اختیار فرمایا کہ بڑے درجہ والوں کی ادنیٰ بھلائی اوروں کی بھلائیوں سے اور ادنیٰ برائی اوروں کی برائیوں سے بھاری سمجھی جاتی ہے۔ واللہ اعلم (حاشیہ عثمانی ص ۶۱۵' مطبوعہ مملکت سعودی عربیہ)

یہ تفسیر بھی صحیح نہیں ہے' اللہ تعالیٰ صرف بہتر کاموں کی جزاء نہیں دے گا بلکہ تمام نیک کاموں کی جزاء دے گا اور صرف غلطی سے کیے جانے والے بُرے کاموں کو معاف نہیں کرے گا بلکہ دانستہ کیے جانے والے بُرے کاموں کو بھی معاف فرمائے گا' توبہ سے بھی معاف فرمائے گا اور بغیر توبہ کے بھی۔ نیز یہ زمخشری کی تفسیر کا چربہ ہے' جس کا ہم پہلے رد کر چکے ہیں۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے وہ بدترین اعمال جو جاہلیت میں ان سے سرزد ہوئے تھے ان کے حساب سے محو کر دیئے جائیں گے اور ان کو انعام ان اعمال کے لحاظ سے دیا جائے گا جو ان کے نامۂ اعمال میں سب سے بہتر ہوں گے۔

(تفہیم القرآن ج ۴ ص ۳۷۳، ادارہ ترجمان القرآن لاہور ۱۹۸۳ء)

یہ تفسیر بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ زمانۂ جاہلیت کے گناہوں کو بھی معاف فرمائے گا اور زمانۂ اسلام کے گناہوں کو بھی معاف فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ تمام نیک کاموں کی جزاء عطا فرمائے گا' البتہ زیادہ نیک کاموں پر خصوصی انعام و اکرام سے نوازے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا اللہ اپنے بندہ کے لیے کافی نہیں ہے' یہ لوگ آپ کو اللہ کے سوا دوسرے (معبودوں) سے ڈرا رہے ہیں اور جس کو اللہ گم راہی پر چھوڑ دے اس کے لیے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے O اور جس کو اللہ ہدایت عطا فرمائے اس کو کوئی گم راہ کرنے والا نہیں ہے' کیا اللہ غالب منتقم نہیں ہے؟ O اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے' آپ کہیے: بھلا تم یہ بتاؤ کہ تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی پرستش کرتے ہو' اگر اللہ مجھے کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو کیا یہ اس کے پہنچائے ہوئے ضرر کو دور کر سکیں گے یا اگر وہ مجھ پر رحمت کا ارادہ کرے تو کیا وہ اللہ کی رحمت کو دور کر سکیں گے؟ آپ کہیے: مجھے اللہ کافی ہے' اسی پر توکل کرنے والے توکل کرتے ہیں O (الزمر: ۳۸۔۳۶)

کفار کی دھمکیوں سے اللہ کے بندوں کو مرعوب نہیں ہونا چاہیے

زمر: ۳۶ میں فرمایا: ''کیا اللہ اپنے بندہ کے لیے کافی نہیں ہے؟'' اس آیت میں بندہ سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' ابن زید نے اس کی تفسیر میں کہا: کیوں نہیں' اللہ آپ کو کافی ہے' وہ اپنے وعدہ کے مطابق آپ کو غلبہ عطا فرمائے گا اور آپ کی مدد فرمائے گا۔

اس کے بعد فرمایا: ''یہ لوگ آپ کو اللہ کے سوا دوسرے (معبودوں) سے ڈرا رہے ہیں''۔

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو بسقام (یہ حجاز کی ایک وادی ہے جس میں قریش نے عزیٰ نام کے ایک بت کی حفاظت کے لیے ایک مکان بنا رکھا ہے اور اس مکان کو خانہ کعبہ کا درجہ دیتے تھے) کی گھاٹیوں میں بھیجا تاکہ وہ عزیٰ نام کے بت کو توڑ دیں' اس کے محافظ نے حضرت خالد سے کہا: اے خالد! میں تمہیں خبردار کر رہا ہوں' عزیٰ بے پناہ قوت کا مالک ہے' کوئی شخص اس کی طاقت کا اندازہ نہیں کر سکتا' حضرت خالد نے کلہاڑا اٹھا کر اس کی ناک پر مارا اور اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔

ابن زید نے کہا: یہ اپنے بتوں سے آپ کو ڈراتے ہیں کہ وہ آپ کو ضرور ضرر پہنچائیں گے۔

(جامع البیان جز ۲۴ ص ۹' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اہل باطل ہمیشہ سے اہل حق کو دھمکاتے رہے ہیں اور ان کو پیغام حق پہنچانے سے روکتے رہے ہیں' فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا:

لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِىْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ O (الشعراء: ۲۹)

اگر تو نے میرے علاوہ کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھ کو قیدیوں میں ڈال دوں گا O

اللہ تعالیٰ تمام معلومات کا عالم ہے اور تمام ممکنات پر قادر ہے' وہ اپنے بندوں کی تمام ضروریات کو پورا کرنے پر قادر ہے' وہ ان سے تمام نقصان دہ چیزوں کے دور کرنے اور تمام راحت کے امور پہنچانے پر غالب قدرت رکھتا ہے' سو وہ اپنے بندوں کے لیے کافی ہے' سو اس کے بندہ کو اس کے غیر سے ڈرانا اور دھمکانا محض باطل ہے' ایک قرأت میں 'عبدہ'' کی جگہ 'عبادہ'' ہے' اس کا معنیٰ ہے: کیا اللہ اپنے بندوں کے لیے کافی نہیں ہے؟ یعنی ضرور کافی ہے' اس نے حضرت نوح علیہ السلام کے مخالفین کو غرق

کر دیا اور ان کو مخالفین سے نجات دی' حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نمرود کی بھڑکائی ہوئی آگ کو گلزار کر دیا' حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے نکالا' حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں کے مظالم سے نجات دی' حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنو اسرائیل کو فرعون کے جبر اور استبداد سے بچایا تو گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سوائے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! مخالفین اور دشمنوں سے آپ کو محفوظ رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ اسی طرح کافی ہے جس طرح آپ سے پہلے رسولوں کے لیے اللہ تعالیٰ کافی تھا۔

اس آیت کی ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ ہر نبی کی کافر قوم نے اپنے نبی کی تکذیب کی اور ان کو دھمکیاں دیں اور اللہ تعالیٰ نے اس نبی کو اس قوم کے ضرر سے محفوظ رکھا جس طرح اس آیت میں ہے:

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۠ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝ (المومن: ۵)

اس سے پہلے نوح کی (کافر) قوم نے تکذیب کی اور ان کے بعد دوسری جماعتوں نے (تکذیب کی) اور ہر (کافر) قوم نے اپنے رسول پر قابو پانے کا ارادہ کیا اور حق کو مغلوب کرنے کے لیے باطل کے بل بوتے پر کج بحثی کی' سو میں نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا تو دیکھو میری سزا کیسی تھی۔

پس مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اپنے تمام معاملات اور تمام افعال اور احوال میں صرف اللہ تعالیٰ کو کافی سمجھیں تو ان کی ہر مہم میں اللہ تعالیٰ ان کو کافی ہوگا' حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے تھے کہ جس شخص نے اپنے تمام تفکرات کو صرف ایک فکر بنا دیا اور وہ فکر آخرت ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا کے تفکرات سے کافی ہوگا اور جو شخص دنیا کے احوال کے تفکرات میں منہمک رہا تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہو رہا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۷' اس حدیث کی سند ضعیف ہے' جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۳۹)

زمر: ۳۷ میں فرمایا: "اور جس کو اللہ ہدایت عطا فرمائے' اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں ہے' کیا اللہ غالب منتقم نہیں ہے؟ ۝"

اس سے پہلے کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے بشارتوں کو اور کفار کے لیے عذاب کی خبروں کو بہت تفصیل سے بیان فرمایا تھا اور اب اس مضمون کو اس آیت پر ختم فرمایا ہے اور اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ کے غیر سے کسی افتاد کا خطرہ محسوس کرنا یا اس سے کسی فائدہ پہنچنے کی توقع رکھنا اللہ پر توکل کے خلاف ہے اور کسی کو نیک کاموں کے کرنے پر اللہ کے غیر سے خصوصاً باطل خداؤں سے ڈرانا بہت بڑی گم راہی ہے' پھر بتایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں سے زبردست انتقام لینے والا ہے۔

الزمر: ۳۸ میں فرمایا: "اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے' آپ کہیے: بھلا تم یہ بتاؤ کہ تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی پرستش کرتے ہو اگر اللہ مجھے کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو کیا یہ اس کے پہنچائے ہوئے ضرر کو دور کر سکیں گے یا اگر وہ مجھ پر رحمت کا ارادہ کرے تو کیا وہ اللہ کی رحمت کو دور کر سکیں گے؟ آپ کہیے: مجھے اللہ کافی ہے' اسی پر توکل کرنے والے توکل کرتے ہیں ۝"

متوکلین کے لیے اللہ تعالیٰ کا کافی ہونا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بت پرستوں کے مذہب کو باطل فرمایا ہے کیونکہ تمام مخلوق کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے اور اس کو ہر چیز پر قدرت ہے اور انسان کی فطرت اور اس کی عقل اس پر شہادت دیتی ہے اور جو شخص بھی آسمانوں اور زمینوں کے عجیب و غریب احوال میں اور انسان کے بدن کی اندرونی مشین اور اس کی کارکردگی میں غور کرے گا اس

پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ پتھر کے بے جان بت جن کو انسان نے خود اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے' جو اپنے اوپر بیٹھی ہوئی مکھی کو بھی اڑانے پر قادر نہیں ہیں وہ کب کسی سے ضرر کو دور کر سکتے ہیں یا کسی سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو دور کر سکتے ہیں' سو کسی صاحب عقل کو ان دھمکیوں سے مرعوب نہیں ہونا چاہیے کہ یہ بت اس کا کچھ بگاڑ لیں گے یا اس کے کسی فائدہ کو روک لیں گے۔

نیز اس آیت میں فرمایا: ''آپ کہیے: مجھے اللہ کافی ہے' اسی پر توکل کرنے والے توکل کرتے ہیں''۔

اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ جو شخص کافی سے غیر کافی کی طرف منتقل ہوگا اس کا مقصود پورا نہیں ہوگا' اس لیے ضروری ہے کہ تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ پر توکل کیا جائے' تمام امور اسی کو سونپ دیئے جائیں اور صرف اسی کی اطاعت کی جائے اور جب بندہ صرف اللہ عزوجل کی اطاعت کرے گا تو کائنات کی ہر چیز اس کی اطاعت کرے گی' حدیث میں ہے:

ابن المنکدر بیان کرتے ہیں کہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے' ایک مرتبہ وہ روم کی سر زمین میں لشکر سے بھٹک گئے یا ارض روم میں قید کر لیے گئے' پس وہ مسلمانوں کے لشکر کو ڈھونڈنے کے لیے بھاگے تو اچانک ان کے سامنے ایک شیر آ گیا' حضرت سفینہ نے اس شیر سے کہا: اے ابو الحارث! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آزاد کردہ غلام ہوں اور میرے ساتھ اس' اس طرح کا واقعہ پیش آیا ہے۔ پس شیر ان کی طرف دم ہلاتا ہوا بڑھا اور ان کے پہلو میں کھڑا ہو گیا' جب وہ کوئی خوف ناک آواز سنتا تو اس کی طرف متوجہ ہوتا' پھر ان کے پہلو بہ پہلو چلتا رہا حتیٰ کہ لشکر تک پہنچ گیا' پھر شیر واپس چلا گیا۔ (شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۷۳۲' المصنف رقم الحدیث: ۲۰۵۴۴' المستدرک ج ۳ ص ۶۰۶' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۹۴۲' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۱۶۶)

اس حدیث میں حسب ذیل فوائد ہیں:

(۱) حضرت سفینہ نے شیر سے بے خوف وخطر کلام کیا' کیونکہ ان کو یقین تھا کہ وہ شیر ان کو ضرر نہیں پہنچائے گا اور وہ ان کا کلام سنے گا' اس کو سمجھے گا اور ان کی مدد کرے گا اور ان کو لشکر اسلام تک پہنچائے گا' یہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی کرامت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔

(۲) جب کوئی مسلمان اپنے آپ کو بالکلیہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دے تو درندے بھی اس کو ضرر نہیں پہنچا سکتے تو جمادات کب ضرر پہنچا سکیں گے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا اور ہر معاملہ میں اس پر توکل کرنا مصائب سے نجات حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

(۴) حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے شیر کو یہ بتایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں تو اس نے آپ کو لشکر اسلام تک پہنچا دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی مسلمان راستہ بھٹک جائے یا اس کو کوئی اور افتاد پیش آ جائے' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینے سے اس سے وہ مصیبت ٹل جاتی ہے اور یہ کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر عمل کرتا ہے اس کو دنیا میں سیدھا راستہ مل جاتا ہے تو ان شاء اللہ آخرت میں بھی وہ سیدھے راستے کی ہدایت حاصل کرے گا۔

(۵) صاحب عقل کو چاہیے کہ وہ اخلاص کے ساتھ توحید کے تقاضوں پر عمل کرے اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا سے اعراض کرے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو ہر حال میں کافی ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے: اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو' بے شک میں (بھی) عمل کر رہا ہوں' پس

عنقریب تم جان لو گے ○ کہ کس پر رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے اور کس پر دائمی عذاب نازل ہوگا ○ بے شک ہم نے لوگوں کے لیے آپ پر برحق کتاب نازل کی ہے' سو جس نے ہدایت اختیار کی تو اپنے ہی فائدہ کے لیے اور جس نے گم راہی اختیار کی تو اس گم راہی کا وبال اسی پر ہے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں ○ (الزمر: ۴۱-۳۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام حق سنانے میں کامل جانفشانی کی

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود اور اپنی توحید پر دلائل قائم فرمائے تھے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کو آخرت میں جنت اور دائمی اجر و ثواب کی بشارت سنائی تھی اور اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کرنے والوں کے لیے دائمی عذاب کی وعید سنائی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل مکہ کے کفر پر اصرار کرنے کی وجہ سے بہت تکلیف ہوتی تھی جس کا اظہار اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں فرمایا ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ○ (الکہف: ۶)
اگر وہ اس قرآن پر ایمان نہ لائے تو لگتا ہے کہ آپ فرط غم سے جان دے دیں گے ○

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○ (الشعراء: ۳)
ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے آپ اس قدر مغموم ہیں کہ لگتا ہے کہ آپ جان دے دیں گے ○

فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ. (فاطر: ۸)
ان پر حسرت اور فرط غم کی وجہ سے کہیں آپ کی جان نہ چلی جائے۔

اور جب اللہ تعالیٰ نے قوی اور مستحکم دلائل کے ساتھ کفار کا رد کر دیا اور وہ پھر بھی آپ کی رسالت اور آپ کے پیغام پر ایمان نہیں لائے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ''آپ کہیے: اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو' بے شک میں (بھی) عمل کر رہا ہوں' پس عنقریب تم جان لو گے ○ کہ کس پر رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے اور کس پر دائمی عذاب نازل ہوگا ○ بے شک ہم نے لوگوں کے لیے آپ پر برحق کتاب نازل کی ہے' سو جس نے ہدایت اختیار کی تو اپنے ہی فائدہ کے لیے اور جس نے گم راہی اختیار کی تو اس گم راہی کا وبال اسی پر ہے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں ○'' (الزمر: ۴۱-۳۹)

ان آیتوں میں یہ اشارہ ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی اطاعت اور عبادت کے جس حق کو بھول بیٹھے تھے قرآن کریم ان کو وہ حق یاد دلا رہا ہے' پس جس نے قرآن مجید کے یاد دلانے سے اس حق کو پہچان لیا اور اس کی نصیحت پر عمل کر لیا اور اس کی ہدایت کے مطابق اپنی زندگی گزاری تو اس ہدایت کے فوائد اسی کو حاصل ہوں گے' کیونکہ اس ہدایت کے نور سے اس کا دل منور ہو جائے گا۔

اور اس کی حیوانی اور شیطانی صفات کے جو آثار ہیں وہ محو ہو جائیں گے جن کی وجہ سے اس کا دل تاریک ہو سکتا تھا اور ان صفات کی وجہ سے وہ دوزخ میں جا سکتا تھا اور جس شخص نے اپنی گم راہی پر اصرار کیا اور اپنے نفس امارہ کے احکام کی اطاعت کی اور اس پر حیوانی اور شیطانی صفات مذمومہ غالب آ گئیں تو وہ شخص جہنم میں جا گرے گا اور اس کی اس روش سے آپ سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی کیونکہ آپ نے اس کو دوزخ سے گھسیٹ کر نکالنے کی بہت کوشش کی اور اس سلسلہ میں بہت مشقت اٹھائی' اس کے باوجود اگر کوئی شخص کفر پر اصرار کر کے دوزخ کو اپنا ٹھکانا بناتا ہے تو آپ اس سلسلہ میں کیا کر سکتے ہیں۔

اس مضمون کی حسب ذیل احادیث سے وضاحت ہوتی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اور لوگوں کی مثال اس شخص

کی طرح ہے جس نے آگ روشن کی' پھر حشرات الارض اور پروانے اس آگ میں گرنے لگے' سو میں تم کو کمر سے پکڑ کر آگ میں گرنے سے روک رہا ہوں اور لوگ اس آگ میں دھڑا دھڑ گر رہے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۴۸۳' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۲۸۴' سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۸۷۴)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے جس علم اور ہدایت کے ساتھ مجھے مبعوث کیا ہے' اس کی مثال اس بادل کی طرح ہے جو زمین پر برسا' زمین کا کچھ حصہ اچھا تھا جس نے اس پانی کو جذب کر لیا اور اس نے چارا اور بہت سبزا اگایا اور زمین کا بعض حصہ سخت تھا' اس نے پانی کو روک لیا' جس سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو نفع پہنچایا' لوگوں نے وہ پانی خود پیا اور جانوروں کو پلایا اور ان کو (سبزے سے) چرایا اور زمین کا بعض حصہ چٹیل میدان تھا' جس پر جب بارش ہوئی تو زمین کے اس حصہ نے پانی روکا اور جمع کیا اور نہ اس میں سبزا اور گھاس اگائی' یہ مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے اللہ کے دین کو سمجھا اور اس کا فیض پہنچایا اور اللہ تعالیٰ نے جس ہدایت کے ساتھ مجھے مبعوث کیا ہے اس کا علم حاصل کیا اور وہ علم آگے پہنچایا اور یہ ان لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے اس علم کی طرف سر اٹھا کر نہیں دیکھا اور نہ اس ہدایت کی طرف دیکھا جس کے ساتھ مجھے مبعوث کیا گیا ہے اور اس کو قبول نہیں کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۹' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۲۸۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۵۸۴۳)

اس مثال میں آپ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ زمین کی تین قسمیں ہیں' اسی طرح لوگوں کی بھی تین قسمیں ہیں' زمین کی پہلی قسم یہ ہے کہ زمین پہلے مردہ ہو' پھر بارش ہونے سے اس میں سبزا پیدا ہو جائے' جس سے انسان اور مویشی دونوں فائدہ حاصل کریں' اسی طرح لوگوں کی پہلی قسم یہ ہے کہ ان کے پاس ہدایت اور علم پہنچے اور وہ خود بھی علم پر عمل کریں اور دوسروں کو بھی تعلیم دیں' اس قسم میں فقہاء اور مجتہدین شامل ہیں' زمین کی دوسری قسم یہ ہے کہ وہ بارش کے پانی سے سبزہ تو نہیں اگاتی لیکن وہ پانی کو جمع کر لیتی ہے جس سے ضرورت مند اس پانی کو حاصل کر لیتے ہیں' اسی طرح لوگوں کی دوسری قسم یہ ہے کہ ان میں احادیث سے مسائل کو مستنبط کرنے کی صلاحیت تو نہیں ہوتی لیکن وہ احادیث کو محفوظ اور منضبط کر لیتے ہیں جس سے مجتہدین استفادہ کرتے ہیں' اس قسم میں محدثین اور راویان حدیث ہیں اور زمین کی تیسری قسم وہ ہے جو نہ سبزہ اگاتی ہے اور نہ پانی کو محفوظ رکھتی ہے اور اسی طرح لوگوں کی تیسری قسم وہ ہے جنہوں نے آپ کے لائے ہوئے دین کو بالکل قبول نہیں کیا اور یہ کفار اور منافقین ہیں۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ

اللہ ہی روحوں کو ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے اور جن روحوں کی موت نہیں آئی ان کو نیند میں (قبض کرتا ہے)

فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى

پھر جن روحوں کی موت کا فیصلہ کر لیا ہے ان کو روک لیتا ہے اور دوسری روحوں کو ایک مقرر میعاد تک چھوڑ دیتا ہے'

اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمِ

بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں ○ کیا انہوں

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ

نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے سفارشی بنا رکھے ہیں، آپ کہیے: خواہ وہ کسی چیز کے مالک نہ ہوں

شَيْـًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ

اور نہ عقل و خرد رکھتے ہوں ۝ آپ کہیے: تمام شفاعتوں کا مالک اللہ ہی ہے، تمام آسمانوں اور

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ

زمینوں کی ملکیت اللہ ہی کے لیے ہے، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ۝ اور جب صرف اللہ کا ذکر کیا

وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا

جائے تو ان لوگوں کے دل متنفر ہوتے ہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور جب اللہ کے سوا

ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ

دوسروں کا ذکر کیا جائے تو وہ خوش ہوتے ہیں ۝ آپ دعا کیجیے: اے اللہ!

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ

آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے! غیب اور ظاہر کے جاننے والے! تو ہی اپنے بندوں کے درمیان

بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ

ان چیزوں کا فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں ۝ اور اگر ظالموں کے پاس روئے زمین کی

ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ

تمام چیزیں ہوتیں اور اتنی ہی اور بھی ہوتیں تو وہ قیامت کے دن کے بُرے عذاب سے

سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا

بچنے کے لیے اس کو ضرور فدیہ میں دے دیتے اور ان کے لیے اللہ کی طرف سے وہ عذاب ظاہر ہو گا

يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا

جس کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا ۝ اور ان کے کیے ہوئے بُرے کام ان کے لیے ظاہر ہوں گے اور جس عذاب کا

كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٤٨﴾ فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۡ

وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہ ان کا احاطہ کر لے گا O پس جب انسان کو، کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہم کو پکارتا ہے

ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ

پھر جب ہم اس کو اپنے پاس سے کوئی نعمت عطا فرماتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ نعمت تو مجھے

هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٩﴾ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ

صرف ایک علم کی بناء پر دی گئی ہے، بلکہ درحقیقت یہ آزمائش ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O بے شک اس سے پہلے بھی

مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٥٠﴾ فَاَصَابَهُمْ

لوگوں نے یہ بات کہی تھی سو ان کی کمائی ان کے کسی کام نہ آئی O پس ان کے بُرے کاموں

سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ

کا عذاب انہیں آ پہنچا اور ان لوگوں میں سے جو ظالم ہیں انہیں بھی ان کے

سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿٥١﴾ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ

بُرے کاموں کا وبال پہنچے گا اور وہ (اللہ کو) عاجز کرنے والے نہیں ہیں O کیا انہوں نے یہ نہیں جانا کہ اللہ جس کے

اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، بے شک اس میں

لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٥٢﴾ ع

ع ۵/۱۲

ایمان لانے والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ ہی روحوں کو ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے اور جن روحوں کی موت نہیں آئی ان کو نیند میں (قبض کرتا ہے) پھر جن روحوں کی موت کا فیصلہ کر لیا ہے ان کو روک لیتا ہے اور دوسری روحوں کو ایک مقرر میعاد تک چھوڑ دیتا ہے، بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں O کیا انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے سفارشی بنا رکھے ہیں؟ آپ کہیے: خواہ وہ کسی کے مالک نہ ہوں اور نہ عقل و خرد رکھتے ہوں O آپ کہیے کہ تمام شفاعتوں کا مالک اللہ ہی ہے، تمام آسمانوں اور زمینوں کی ملکیت اللہ ہی کے لیے ہے، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O (الزمر: ۴۴-۴۲)

نفس کے معنیٰ کی تحقیق

اس آیت میں ''انفس'' کا لفظ ہے' یہ نفس کی جمع ہے' نفس کے معنیٰ کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

نفس روح ہے اور کسی چیز اور اس کی حقیقت کو بھی نفس کہتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اللہ یتوفی الانفس حین موتھا''. حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہر انسان کے دو نفس ہوتے ہیں' ایک نفس عقل ہے جس سے اشیاء میں باہم تمیز ہوتی ہے اور دوسرا نفس روح ہے' جس سے جسم کی حیات ہوتی ہے۔ ابن الانباری نے کہا: بعض اہل لغت نے نفس اور روح کو مساوی قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں' ان میں صرف لفظی فرق ہے' نفس مؤنث ہے اور روح مذکر ہے اور دوسرے علماء نے کہا: روح وہ ہے جس سے حیات ہوتی ہے اور نفس وہ ہے جس سے عقل ہوتی ہے' پس جب انسان سو جاتا ہے تو اللہ اس کے نفس کو قبض کر لیتا ہے اور اس کی روح کو قبض نہیں کرتا اور اس کی روح صرف موت کے وقت قبض کی جاتی ہے اور زجاج نے کہا ہے کہ ہر انسان کے دو نفس ہوتے ہیں' ایک وہ نفس ہے جس سے اشیاء میں باہم تمیز ہوتی ہے اور یہ وہی نفس ہے جو نیند کے وقت انسان سے الگ ہو جاتا ہے اور وہ اس سے کسی چیز کا تعقل نہیں کر سکتا' اللہ تعالیٰ اس کو وفات دے دیتا ہے اور دوسرا نفس حیات ہے اور حیات زائل ہوتی ہے تو یہ نفس بھی زائل ہو جاتا ہے اور سونے والا شخص سانس لیتا رہتا ہے اور سونے والے شخص کی حالت نیند میں نفس کی وفات اور زندہ شخص کے نفس کی وفات میں یہی فرق ہے اور حیات کا نفس یہی روح ہے اور انسان کی حرکت اور اس کی نشوونما ہے اور حق یہ ہے کہ نفس اور روح میں فرق ہے' اگر ان دونوں کا معنیٰ ایک ہوتا تو ہر ایک کو دوسرے کی جگہ رکھنا جائز ہوتا' حالانکہ ایسا نہیں ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''ونفخت فیہ من روحی'' اور ''من نفسی'' نہیں فرمایا اور حضرت عیسیٰ کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا: ''تعلم ما فی نفسی'' اور ''فی روحی'' نہیں فرمایا' روح اور نفس میں اعتباری فرق ہے' علامہ ابن عبدالبر نے ''تمہید'' میں یہ حدیث نقل کی ہے:

اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا اور اس میں نفس اور روح کو رکھا' اس کی روح کے آثار سے اس کی پاکیزگی ہے اور اس کی فہم ہے اور اس کا حلم ہے اور اس کی وفا ہے اور اس کے نفس کے آثار سے اس کی شہوت ہے اور اس کا طیش ہے اور اس کے جاہلانہ افعال ہیں اور اس کا غضب ہے' اس لیے بغیر کسی قید کے مطلقاً یہ نہیں کہا جائے گا کہ نفس روح ہے اور نہ یہ کہا جائے گا کہ روح نفس ہے۔ (تاج العروس ج ۴ ص ۲۶۰۔۲۵۹' دار احیاء التراث العربی' بیروت)

نفس اور روح کے ایک ہونے پر دلائل

میں کہتا ہوں کہ اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح اور نفس دونوں ایک چیز ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قبض روح کے لیے قبض نفس کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور احادیث اور آثار میں روح اور نفس کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال کیا گیا ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے' ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں' آپ نے ان کی آنکھیں بند کر دیں' پھر فرمایا: جب روح قبض کی جاتی ہے تو آنکھ اس کو دیکھتی ہے۔ الحدیث

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۲۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۱۸' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۲۸۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۵۴)

دوسری حدیث میں آپ نے روح کی جگہ نفس کا لفظ استعمال فرمایا ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ جب انسان مرتا ہے تو اس کی نظر اوپر اٹھی ہوئی ہوتی ہے' صحابہ نے کہا: کیوں نہیں' آپ نے فرمایا: یہ اس وقت ہوتا ہے جب اس کی نظر اس

کے نفس کو دیکھ رہی ہوتی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۲۱)

اسی طرح درج ذیل حدیث میں روح کے لیے نفس کا لفظ استعمال فرمایا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میت کے پاس فرشتے حاضر ہوتے ہیں جب مرنے والا شخص نیک ہو تو اس سے کہتے ہیں: اے پاکیزہ نفس! باہر نکلو جو پاک جسم میں تھی۔ الحدیث

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۶۲، مسند احمد ج ۲ ص ۱۳۹)

دوسری حدیث میں اس موقع کے لیے نفس کے بجائے روح کا لفظ استعمال فرمایا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب مومن کی روح نکلتی ہے تو اس سے دو فرشتے ملاقات کرتے ہیں جو اس کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں (یہ حدیث حکماً مرفوع ہے)۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۲، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۶۶)

امام مالک نے دو حدیثیں روایت کی ہیں، ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے حضرت بلال سے فرمایا کہ ہم کو صبح کی نماز کے وقت جگا دینا، حضرت بلال پر نیند غالب آ گئی، سورج نکلنے کے بعد سب بیدار ہوئے، آپ نے حضرت بلال سے پوچھا تو انہوں نے کہا: میرے نفس کو اسی چیز نے پکڑ لیا تھا جس نے آپ کے نفس کو پکڑ لیا تھا۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۵)

دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے اس موقع پر فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو قبض کر لیا تھا، اگر وہ چاہتا تو وہ اس وقت کے سوا ہماری روحوں کو لوٹا دیتا۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۶)

حافظ یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر قرطبی المتوفی ۴۶۳ ھ ان دونوں حدیثوں کے متعلق لکھتے ہیں:

علماء کی ایک جماعت نے ان حدیثوں سے یہ استدلال کیا ہے کہ روح اور نفس ایک چیز ہے اور انہوں نے الزمر: ۴۲ (زیر تفسیر آیت) سے بھی استدلال کیا ہے۔

حضرت ابن عباس اور سعید بن جبیر نے الزمر: ۴۲ کی تفسیر میں کہا ہے: جب مردے مرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی روحوں کو قبض فرما لیتا ہے اور جب زندہ سوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی روحوں کو قبض فرما لیتا ہے، پھر جس کی موت کا اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر لیا اس کی روح کو روک لیتا ہے اور جس کی موت کا فیصلہ نہیں فرمایا اس کی روح کو ایک وقت معین تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔

یہ تفسیر اس پر دلالت کرتی ہے کہ نفس اور روح ایک چیز ہیں کیونکہ اس آیت میں "انفس" کا لفظ ہے اور انہوں نے اس کا معنیٰ ارواح کیا ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ موطا کی حدیث: ۲۶ میں ہے، آپ نے فرمایا: اللہ نے ہماری روحوں کو قبض کر لیا تھا اور حضرت بلال نے جو فرمایا تھا: میرے نفس کو اس چیز نے پکڑ لیا تھا جس نے آپ کے نفس کو پکڑ لیا تھا، آپ نے حضرت بلال کے اس قول کا رد نہیں فرمایا، پس قرآن اور سنت نے ایک چیز کو کبھی نفس سے تعبیر فرمایا ہے اور کبھی اسی چیز کو روح سے تعبیر فرمایا ہے۔ (تمہید ج ۲ ص ۵۸۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ ھ)

نفس اور روح کے مغائر ہونے پر دلائل

حافظ یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر المالکی القرطبی المتوفی ۴۶۳ ھ لکھتے ہیں:

دوسرے علماء نے یہ کہا ہے کہ نفس روح کا غیر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نفس سے خطاب فرمایا ہے، اس کو برے کاموں سے منع فرمایا ہے اور نیک کاموں کا حکم دیا ہے اور انہوں نے اس پر اس آیت سے استدلال کیا ہے:

يَاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِىٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ○ (الفجر: ۲۸-۲۷)

اے مطمئن نفس! ○ اپنے رب کی طرف لوٹ جا، اس حال میں کہ تو اس سے راضی ہو وہ تجھ سے راضی ہو ○

اَنۡ تَقُوۡلَ نَفۡسٌ يّٰحَسۡرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطۡتُّ فِىۡ جَنۡۢبِ اللّٰهِ (ایسا نہ ہو کہ) کوئی نفس یہ کہے: ہائے افسوس! اس بات پر
(الزمر:۵۶) کہ میں نے اللہ کے حق کو ادا کرنے میں تقصیر کی۔

اور روح کو نہ خطاب کیا گیا ہے اور نہ اس کو قرآن مجید میں کسی چیز سے منع کیا گیا ہے اور نہ کسی کام پر اس کی مذمت کی گئی ہے، آدمیوں کا نفس چوپایوں کے نفس کی طرح ہے، وہ جنسی عمل کی خواہش کرتا ہے اور بُرے کام کی تحریک کرتا ہے اور نفس کا مسکن پیٹ ہے، مگر انسان کو روح کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے اور اس کا مسکن دماغ ہے، اسی کی وجہ سے انسان بُرے کاموں سے حیاء کرتا ہے اور روح اس کو نیک کاموں کی دعوت دیتی ہے اور نیک کاموں کا حکم دیتی ہے۔

عبدالرحمان بن قاسم نے الزمر:۴۲ کی تفسیر میں کہا کہ نفس یک مجسم چیز ہے اور روح اس پانی کی طرح ہے جو جاری ہو، جب انسان سو جاتا ہے تو اللہ اس کے نفس کو قبض کر لیتا ہے اور اس کی روح اوپر جا رہی ہے اور نیچے اتر رہی ہے اور نفس ہر وادی میں چر رہا ہوتا ہے اور ان چیزوں کو دیکھتا ہے جن کو انسان خواب میں دیکھتا ہے، پھر جب اللہ اس کو جسم میں لوٹنے کی اجازت دیتا ہے تو وہ جسم میں لوٹ جاتا ہے اور اس کے لوٹنے سے جسم کے تمام اعضاء بیدار ہو جاتے ہیں اور وہ سننے اور دیکھنے لگتا ہے۔

حافظ ابو عمر ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ علماء کے اس مسئلہ میں متعدد اقوال ہیں اور اللہ ہی کو علم ہے کہ ان میں صحیح کیا چیز ہے اور قوم نے جو کچھ کہا ہے وہ واضح دلائل نہیں ہیں اور نہ ان دلائل کی صحت یقینی ہے اور نہ کوئی ایسی صحیح حدیث ہے جس سے عذر اٹھ جائیں اور حجت واجب ہو جائے اور نہ قیاس سے اس کو مستنبط کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ عقول اس مسئلہ میں سوچ و بچار کر کے تھک جاتی ہیں اور اس کے علم سے عاجز ہیں۔ (تمہید ج ۲ ص ۸۸۔۸۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

نفس اور روح کے اتحاد اور تغایر میں حافظ ابن عبدالبر کی تحقیق

حافظ ابن عبدالبر کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید اور احادیث کے بعض دلائل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح اور نفس دونوں ایک چیز ہیں اور بعض دلائل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح اور نفس باہم مغائر ہیں، لیکن ان کا مختار یہ ہے کہ روح اور نفس دونوں ایک چیز ہیں، جیسا کہ انہوں نے ''تمہید'' میں اس مبحث کے شروع میں لکھا ہے، اسی طرح انہوں نے موطا امام مالک کی شرح ''الاستذکار'' میں بھی لکھا ہے۔

چنانچہ حافظ ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی اور حضرت فاطمہ کو تہجد کی نماز کے لیے جگانے گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ہمارے نفوس تو اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۱۲۷) اور حضرت بلال نے کہا: میرے نفس کو اس نے پکڑ لیا تھا جس نے آپ کے نفس کو پکڑ لیا تھا۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث:۲۵) اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نے ہماری روحوں کو قبض کر لیا تھا۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث:۲۶) اور حضرت ابو جحیفہ کی حدیث میں ہے: بے شک تم مردہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف تمہاری روحوں کو لوٹا دیا۔ (مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث:۷۹۵، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۲۲) اور قرآن مجید میں ہے: ''اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الۡاَنۡفُسَ'' (الزمر:۴۲) ان سب میں یہ واضح دلیل ہے کہ روح اور نفس دونوں ایک چیز ہیں۔ اس مسئلہ میں سلف صالحین کے اقوال ہم نے ''تمہید'' میں ذکر کیے ہیں۔ (الاستذکار ج ۱ ص ۳۱۴، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

نفس اور روح کے متعلق امام رازی کی تحقیق

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

انسان کا نفس ایک جوہر ہے جو منور اور روحانی ہے، جب اس کا بدن سے تعلق ہوتا ہے تو اس کی روشنی تمام بدن میں حاصل

ہوتی ہے اور اس روشنی کا نام حیات ہے' پس ہم یہ کہتے ہیں کہ موت کے وقت اس بدن کے ظاہر اور باطن سے اس کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے اور اس انقطاع کا نام موت ہے اور نیند کے وقت اس روشنی کا تعلق صرف ظاہر بدن سے بعض اعتبار سے منقطع ہوتا ہے اور اس کی روشنی بدن کے باطن سے منقطع نہیں ہوتی' پس ثابت ہو گیا کہ موت اور نیند ایک جنس سے ہیں' مگر موت میں اس کی روشنی کا انقطاع تام اور کامل ہوتا ہے اور نیند میں اس کا انقطاع ناقص اور بعض وجوہ سے ہوتا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۵۶' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نفس اور روح کے متعلق مصنف کی تحقیق

قرآن مجید اور احادیث کے عمیق مطالعہ سے میں نے یہ سمجھا ہے کہ روح اور نفس متحد بالذات ہیں اور ان میں تغایر اعتباری ہے' انسان کے جسم میں ایک قوت مجردہ ہے' وہ قوت اس لحاظ سے کہ وہ انسان کے حواس میں مؤثر ہے یعنی اس کی تاثیر سے انسان دیکھتا ہے' سنتا ہے' سونگھتا ہے' چکھتا ہے اور چھوتا ہے نفس ہے اور اس لحاظ سے کہ اس قوت سے انسان بولتا ہے اور دیگر افعال اختیار یہ کرتا ہے' وہ روح ہے' خلاصہ یہ کہ جس قوت کے لحاظ سے انسان محسوس کرتا ہے اور افعال کرتا ہے وہ قوت روح ہے اور وہ قوت اس لحاظ سے کہ انسان اس قوت سے تعقل اور ادراک کرتا اور کسی بھی کام کرنے کا منصوبہ بناتا ہے تو یہ قوت نفس ہے اور اس کو نفس ناطقہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

پھر اگر نفس بُرے اور ناجائز کام کا منصوبہ بنائے تو یہ نفس امارہ ہے' قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ (یوسف:۵۳) بے شک نفس تو برائی کا حکم دینے والا ہے۔

اور بُرے کام کرنے کے بعد نفس اس پر ملامت کرے تو وہ نفس لوامہ ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَلَاۤ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَةِ ۝ (القیامۃ:۲) اور میں ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں ۝

اور اگر نفس نیک کام کرنے کا حکم دے تو وہ نفس مطمئنہ ہے' قرآن مجید میں ہے:

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ ۝ ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرۡضِیَّةً ۝ (الفجر:۲۸۔۲۷) اے مطمئن نفس! ۝ تو اپنے رب کی طرف لوٹ جا اس حال میں کہ تو اس سے راضی ہو وہ تجھ سے راضی ہو ۝

اور جس قوت کے لحاظ سے انسان محسوس کرتا ہے اور افعال اختیار یہ کرتا ہے وہ روح ہے' قرآن مجید میں ہے:

فَاِذَا سَوَّیۡتُهٗ وَنَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ (الحجر:۲۹) پس جب میں آدم کا پتلا پورا بنالوں اور اس میں اپنی پسندیدہ روح پھونک دوں۔

امام الحسین بن مسعود الفراء بغوی المتوفی ۵۱۶ھ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی روح پھونکنے کے بعد وہ پتلا زندہ ہو جائے اور روح جسم لطیف ہے جس سے انسان زندہ ہوتا ہے۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۷' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اور درج ذیل حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ انسان کی حرکات ارادیہ اور اس کے تمام تصرفات کا منشاء روح ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم میں روح پھونکی' جب روح ان کے سر میں پہنچی تو ان کو چھینک آئی' حضرت آدم نے کہا: **الحمد للہ رب العلمین** اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: **یرحمک اللہ**۔ (صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۱۶۵۔۶۱۶۴' السنۃ لابن ابی عاصم رقم الحدیث: ۲۰۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۶۸' المستدرک ج ۲ ص ۲۶۱ قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۳۰۳۶ جدید' الاسماء والصفات للبیہقی ص ۳۶۳' البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۳۸' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۵۸۰' مجمع الزوائد رقم

الحدیث: ۱۳۷۴۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۵۲۲۸' الدر المنثور ج ۱ ص ۱۰۹' جامع البیان رقم الحدیث: ۵۱۰)

روح اور نفس کی بحث ہم نے تبیان القرآن ج ۶ ص ۷۹۱۔۷۹۰ میں بھی کی ہے' اس مقام کا بھی مطالعہ کر لیا جائے۔

الزمر: ۴۴۔۴۳ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "کیا انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے سفارشی بنا رکھے ہیں' آپ کہیے: خواہ وہ کسی چیز کے مالک نہ ہوں اور نہ عقل و خرد رکھتے ہوں O آپ کہیے کہ تمام شفاعتوں کا مالک اللہ ہی ہے' تمام آسمانوں اور زمینوں کی ملکیت اللہ ہی کے لیے ہے' پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O"

بتوں کی شفاعت کرنے کا رد اور ابطال

یہ آیت اہل مکہ کے رد میں نازل ہوئی' کیونکہ وہ یہ زعم کرتے تھے کہ بت اللہ کے پاس ان کی شفاعت کریں گے۔ اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ مشرکین سے یہ کہیے: کیا تم بتوں کو سفارشی بنا رہے ہو' خواہ وہ کسی چیز کے مالک نہ ہوں اور انہیں کسی چیز کی عقل نہ ہو اور جب وہ کسی چیز کے مالک نہیں ہیں تو اللہ کے پاس تمہاری شفاعت کرنے کے کیسے مالک ہوں گے اور وہ اس بات کو کیسے سمجھیں گے کہ تم ان کی عبادت کرتے ہو۔

پھر مشرکین کو دلیل سے ساکت کرنے کے بعد فرمایا: "تمام شفاعتوں کا مالک اللہ ہی ہے" یعنی کوئی شخص کسی کی شفاعت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا' جب تک کہ جس کی شفاعت کی جائے وہ اللہ کا پسندیدہ بندہ نہ ہو اور شفاعت کرنے والے کو شفاعت کا اذن نہ دیا گیا ہو اور بتوں کی شفاعت کے معاملہ میں دونوں چیزیں مفقود ہیں۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

بعض لوگوں نے اس آیت سے مطلقاً شفاعت کی نفی پر استدلال کیا ہے اور یہ استدلال ضعیف ہے کیونکہ ہم یہ مانتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو شفاعت کرنے کا اذن نہ دے تو وہ شفاعت نہیں کر سکتا۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۵۷۔۴۵۶' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب صرف اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان لوگوں کے دل متنفر ہوتے ہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور جب اللہ کے سوا دوسروں کا ذکر کیا جائے تو وہ خوش ہوتے ہیں O آپ دعا کیجئے: اے اللہ! آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے! غیب اور ظاہر کے جاننے والے! تو ہی اپنے بندوں کے درمیان ان چیزوں کا فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں O اور اگر ظالموں کے پاس روئے زمین کی تمام چیزیں ہوتیں اور اتنی ہی اور بھی ہوتیں تو وہ قیامت کے دن کے بُرے عذاب سے بچنے کے لیے اس کو ضرور فدیہ میں دے دیتے اور ان کے لیے اللہ کی طرف سے وہ عذاب ظاہر ہو گا جس کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا O اور ان کے کیے ہوئے بُرے کام ان کے لیے ظاہر ہوں گے اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہ ان کا احاطہ کر لے گا O (الزمر: ۴۸۔۴۵)

آخرت میں کفار کے عذاب کی تفصیل

الزمر: ۴۵ میں مشرکین کے ایک اور بُرے عمل کا ذکر فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے مثلاً کہے: لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ تو ان کے چہروں سے ان کی نفرت کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اور جب ان کے بتوں کا ذکر کیا جائے تو ان کے چہروں سے خوشی کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔

اس آیت میں "اشمازت" کا لفظ ہے' اس کا مصدر اشمئزاز ہے' اس کا معنیٰ ہے: جب کسی شخص کو کسی بات سے بہت زیادہ غم اور غصہ پہنچے تو اس کا چہرہ تاریک ہو جاتا ہے' اس کے برعکس جب کسی خبر سے وہ بہت زیادہ خوش ہو تو اس کا چہرہ کھل اٹھتا ہے۔

کفار کو اللہ کا ذکر ناگوار ہوتا ہے اور مسلمان اللہ کے ذکر سے خوش ہوتے ہیں اور اس کے ذکر کو محبوب رکھتے ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جس چیز سے محبت کرتا ہے اس کا بہ کثرت ذکر کرتا ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۳۵۰ 'جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۰۱۰۴' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۳۱۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۲۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب سخت گرمی کا دن ہو اور کوئی شخص یہ کہے کہ **لا الہ الا اللہ** 'آج کے دن کس قدر سخت گرمی ہے' اے اللہ! مجھے جہنم کی گرمی سے اپنی پناہ میں رکھ تو اللہ عزوجل جہنم سے فرماتا ہے: میرے ایک بندے نے تیری گرمی سے میری پناہ طلب کی ہے تو گواہ رہنا کہ میں نے اس کو پناہ دے دی ہے اور جب سخت سردی کا دن ہو اور ایک بندہ یوں کہے کہ: **لا الہ الا اللہ** 'آج کے دن کس قدر سخت سردی ہے' اے اللہ! مجھے جہنم کے زمہریر (سرد طبقہ) سے اپنی پناہ میں رکھنا تو اللہ عزوجل جہنم سے فرماتا ہے: میرے ایک بندے نے تیرے زمہریر سے میری پناہ طلب کی ہے اور تو گواہ رہنا کہ میں نے اس کو پناہ دے دی ہے' مسلمانوں نے پوچھا: جہنم کا زمہریر کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ جہنم میں ایک گھر ہے جس میں کافر کو ڈالا جائے گا' اس کی سخت ٹھنڈک سے اس کے بعض اعضاء بعض سے الگ ہو جائیں گے۔ (عمل الیوم واللیلۃ للدینوری رقم الحدیث: ۳۰۶' موسسۃ الکتب الثقافیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ)

الزمر: ۴۶ میں فرمایا: ''اے اللہ! آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے! غیب اور ظاہر کے جاننے والے! تو ہی اپنے بندوں کے درمیان ان چیزوں کا فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں O''

یعنی کفار کا اللہ کی توحید کے ذکر سے متوحش اور متنفر ہونا اور بتوں کے ذکر سے اور شرک کی باتوں سے خوش ہونا ایسی چیز ہے جس کا باطل ہونا بالکل بدیہی ہے' اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ موحدین اور مشرکین میں اختلاف ہے' موحدین اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق عمل کرتے ہیں اور مشرکین اپنی خواہش اور ہوس کے مطابق عمل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے درمیان دنیا میں بھی فیصلہ فرمائے گا اور آخرت میں بھی فیصلہ فرمائے گا' دنیا میں مسلمانوں کو توبہ کرنے اور اپنی طرف رجوع کرنے کی توفیق دے گا اور آخرت میں مسلمانوں کو بخش دے گا اور ان کو اپنے فضل سے جنت عطا فرمائے گا اور کفار اور مشرکین سے آخرت میں انتقام لے گا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ دعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان آخرت میں فیصلہ فرما دے۔ حدیث میں ہے:

ابو سلمہ بن عبد الرحمان بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے شروع میں کیا دعا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا: جب آپ رات میں دعا کے لیے اٹھتے تھے تو نماز کے شروع میں یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! جبریل' میکائیل اور اسرافیل کے رب! آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے! غیب اور شہادت کے جاننے والے! تیرے بندے جس چیز میں اختلاف کرتے ہیں تو ان میں فیصلہ فرمائے گا' اے اللہ! جس چیز میں حق بات سے اختلاف کیا گیا ہے تو اس میں مجھ کو ہدایت دے' بے شک تو جس کو چاہتا ہے صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۲۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۰' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۷۶۸۔۷۶۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۲۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۵۷)

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی ان ہی صفات کا ذکر ہے جن صفات کا ذکر الزمر: ۴۶ میں ہے۔

الزمر: ۴۷ میں فرمایا: ''اور اگر ظالموں کے پاس روئے زمین کی تمام چیزیں ہوتیں اور اتنی ہی اور بھی ہوتیں تو وہ قیامت کے دن برے عذاب سے بچنے کے لیے اس کو ضرور فدیہ میں دے دیتے اور ان کے لیے اللہ کی طرف سے وہ عذاب ظاہر ہوگا جس کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا O''

اللہ تعالیٰ نے کفار کو عذاب دینے کی جو وعید سنائی ہے اس میں دو چیزیں ذکر فرمائی ہیں: ایک یہ کہ اگر وہ بالفرض روئے زمین کی تمام دولت کے بھی مالک ہوتے اور اس کو آخرت کے عذاب سے نجات کے لیے خرچ کر دیتے تو وہ اس عذاب سے

نجات نہیں پاسکتے تھے' دوسری چیز یہ ہے کہ حدیث میں جنت کی صفت اس طرح بیان فرمائی گئی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کی ہیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیا ہے۔ الحدیث (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۴۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۲۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۹۷)

سو جس طرح مؤمنوں کو جنت میں ایسی نعمتیں ملیں گی جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوں گی اسی طرح کافروں کو دوزخ میں ایسا عذاب دیا جائے گا جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگا۔

الزمر: ۴۸ میں فرمایا: "اور ان کے کیے ہوئے بُرے کام ان کے لیے ظاہر ہوں گے اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہ ان کا احاطہ کرلے گا O"

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ دنیا میں انہوں نے جو بُرے کام کیے تھے آخرت میں ان پر عذاب کے آثار مرتب ہوں گے اور وہ عذاب ہر طرف سے ان کا احاطہ کرلے گا۔

اس آیت کی حسب ذیل تفسیریں کی گئی ہیں:

ابو اللیث نے کہا: انہوں نے کچھ ایسے اعمال کیے ہوں گے جن کے متعلق ان کا گمان یہ ہوگا کہ ان کو ان کاموں پر اجر و ثواب ملے گا' لیکن ان کے شرک اور کفر کی وجہ سے ثواب کے بجائے انہیں ان کاموں پر عذاب ہوگا۔

بعض علماء نے کہا: اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو لوگوں کو دکھانے اور سنانے کے لیے کام کرتے ہیں' وہ لوگ قیامت کے دن رسوا ہوں گے اور جن اعمال کے متعلق ان کا گمان تھا کہ وہ میزان میں نیکیوں کے پلڑے میں ہوں گے اس دن وہ اعمال برائیوں کے پلڑے میں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہم کو پکارتا ہے' پھر جب ہم اس کو اپنے پاس سے کوئی نعمت عطا فرماتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ نعمت تو مجھے صرف ایک علم کی بناء پر دی گئی ہے' بلکہ درحقیقت یہ آزمائش ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O بے شک اس سے پہلے بھی لوگوں نے یہ بات کہی تھی سو ان کی کمائی ان کے کسی کام نہیں آئی O پس ان کے بُرے کاموں کا عذاب انہیں آپہنچا اور ان لوگوں میں سے جو ظالم ہیں انہیں بھی ان کے بُرے کاموں کا وبال پہنچے گا اور وہ اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہیں O کیا انہوں نے یہ نہیں جانا کہ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کردیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کردیتا ہے' بے شک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O (الزمر: ۵۲-۴۹)

راحت اور مصیبت کے ایام میں اللہ تعالیٰ سے رابطہ رکھنا

زمر: ۴۹ میں فرمایا: "پس جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہم کو پکارتا ہے' پھر جب ہم اس کو اپنے پاس سے کوئی نعمت عطا فرماتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ نعمت تو مجھے صرف ایک علم کی بناء پر دی گئی ہے"۔

اس آیت میں "خوّلنٰہ" کا لفظ ہے' اس کا مصدر تخویل ہے' اس کا معنیٰ ہے: ضرورت کی چیز عطا کرنا' بخشنا' بعض چیزوں کو بہ طور جزاء اور صلہ عطاء کیا جاتا ہے اور بعض چیزوں کو محض فضل اور احسان کے طور پر عطا کیا جاتا ہے' تخویل کا اطلاق دوسرے اعتبار سے کیا جاتا ہے۔

اس آیت میں کفار کے بُرے اعمال میں سے یہ بیان فرمایا ہے کہ جب ان کو تنگ دستی یا بیماری لاحق ہوتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہیں' پھر جب اللہ اپنے فضل سے وہ مصیبت ان سے دور فرمادیتا ہے اور ان کو مال و دولت کی فراوانی یا صحت اور

عافیت کی نعمت عطا فرماتا ہے تو وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ نعمت ان کو ان کی اپنی ذہانت اور محنت اور مشقت کی بناء پر حاصل ہوئی ہے یا ان کو صحیح علاج کی وجہ سے صحت حاصل ہوئی ہے۔

کافر یہ کہتا ہے کہ "یہ نعمت تو مجھے ایک علم کی بناء پر حاصل ہوئی ہے" اس کی کئی تفسیریں ہیں' ایک تفسیر یہ ہے کہ اللہ کے علم میں یہ تھا کہ میں اس نعمت کا مستحق ہوں' اس وجہ سے مجھے یہ نعمت حاصل ہوئی ہے' اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ مجھے یہ علم تھا کہ میں اس نعمت کا مستحق ہوں اور اس کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ مجھے یہ علم تھا کہ مجھے کس ذریعہ سے مال حاصل ہوگا یا مجھے یہ علم تھا کہ کون سے علاج سے مجھے شفا حاصل ہوگی یا کس طریقہ سے مجھ سے یہ مصیبت دور ہوگی۔

الزمر: ۵۰ میں فرمایا: "بے شک اس سے پہلے بھی لوگوں نے یہ بات کہی تھی سو ان کی کمائی ان کے کسی کام نہیں آئی O"

اس سے مراد پچھلی امتیں ہیں یا اس سے مراد قارون ہے' اس نے بھی اپنے خزانوں کے متعلق یہ کہا تھا کہ:

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ. (القصص: ۷۸) مجھے یہ خزانے صرف میرے علم کی وجہ سے دیئے گئے ہیں۔

الزمر: ۵۱ میں فرمایا: "پس ان کے بُرے کاموں کا عذاب انہیں آ پہنچا اور ان لوگوں میں سے جو ظالم ہیں انہیں بھی ان کے بُرے کاموں کا وبال پہنچے گا اور وہ اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہیں O"

انہوں نے جو یہ باطل قول کہا تھا کہ ان کے علم اور ان کی تدبیر کی وجہ سے ان کی مصیبت دور ہوئی ہے اور ان کو یہ نعمت حاصل ہوئی ہے ان کو ان کے اس باطل عقیدہ اور فاسد قول کی سزا آخرت میں ملے گی اور وہ اللہ تعالیٰ کو دنیا یا آخرت میں سزا دینے سے روک نہیں سکتے۔

الزمر: ۵۲ میں فرمایا: "کیا انہوں نے یہ نہیں جانا کہ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے"۔ یعنی رزق میں تنگی اور کشادگی کا مدار انسان کے علم اور اس کی عقل پر نہیں ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے علم اور عقل والے تنگ دست اور قلاش ہوتے ہیں اور بہت سے جاہل اور بے وقوف لوگ خوش حال اور مال دار ہوتے ہیں۔ پس مال کی کثرت اور قلت کا مدار اللہ کے فضل اور اس کی حکمت پر ہے' وہ اپنی حکمت کی وجہ سے یا کسی کو آزمائش میں مبتلا کرنے کے لیے اس کو مال کی تنگی میں مبتلا کر دیتا ہے اور کسی کو ڈھیل دینے کے لیے یا اس پر فضل فرمانے کے لیے اس کو مال کی کثرت سے نوازتا ہے۔

ان آیات میں یہ بتایا ہے کہ مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ سے فریاد کرنا اور مصیبت ٹل جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کو بھول جانا یہ کفار کا طریقہ ہے' سو مسلمانوں کو چاہیے کہ ہر حال میں اللہ سے رابطہ رکھیں اور ہر حال میں اس کو یاد رکھیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو یہ پسند ہو کہ مصائب اور شدائد میں اللہ اس کی دعا کو قبول کرے اس کو چاہیے کہ وہ راحت کے ایام میں اللہ تعالیٰ سے بہ کثرت دعا کرے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۸۲' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۳۹۶' الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۱۹۹۰)

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ

آپ کہیے: اے میرے وہ بندو جو (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر زیادتی کر چکے ہو' اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو'

اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾

بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا' بے شک وہی بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے O

وَاَنِيۡبُوۡۤا اِلٰى رَبِّكُمۡ وَاَسۡلِمُوۡا لَهٗ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِيَكُمُ

اور تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کی اطاعت کرو اور اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آئے پھر تمہاری

الۡعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنۡصَرُوۡنَ ﴿۵۴﴾ وَاتَّبِعُوۡۤا اَحۡسَنَ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ

مدد نہ کی جائے‘ تم اسلام لے آؤ O اور تمہارے رب کی طرف سے تم پر جو احکام نازل

مِّنۡ رَّبِّكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِيَكُمُ الۡعَذَابُ بَغۡتَةً وَّاَنۡتُمۡ

کیے گئے ان میں سے سب سے اچھے احکام پر عمل کرو‘ اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آ جائے اور تمہیں

لَا تَشۡعُرُوۡنَ ﴿۵۵﴾ اَنۡ تَقُوۡلَ نَفۡسٌ يّٰحَسۡرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِىۡ جَنۡۢبِ

اس کا شعور بھی نہ ہو O (پھر ایسا نہ ہو کہ) کوئی شخص یہ کہے: ہائے افسوس! میری ان کوتاہیوں پر جو

اللّٰهِ وَاِنۡ كُنۡتُ لَمِنَ السّٰخِرِيۡنَ ﴿۵۶﴾ اَوۡ تَقُوۡلَ لَوۡ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰٮنِىۡ

میں نے اللہ کے متعلق کی ہیں‘ بے شک میں ضرور مذاق اڑانے والوں میں سے تھا O یا یہ کہے کہ اگر اللہ مجھے ہدایت دیتا تو

لَـكُنۡتُ مِنَ الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۵۷﴾ اَوۡ تَقُوۡلَ حِيۡنَ تَرَى الۡعَذَابَ لَوۡ اَنَّ لِىۡ

میں ضرور متقین میں سے ہو جاتا O یا عذاب دیکھتے وقت یہ کہے کہ کاش! میرا دنیا میں لوٹنا ممکن ہوتا

كَرَّةً فَاَكُوۡنَ مِنَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۵۸﴾ بَلٰى قَدۡ جَآءَتۡكَ اٰيٰتِىۡ فَكَذَّبۡتَ

تو میں نیکو کاروں میں سے ہو جاتا O کیوں نہیں‘ بے شک تیرے پاس میری آیتیں آئیں سو تو نے

بِهَا وَاسۡتَكۡبَرۡتَ وَكُنۡتَ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۵۹﴾ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ تَرَى

ان کی تکذیب کی اور تکبر کیا اور تو کافروں میں سے ہو گیا O اور جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا تھا

الَّذِيۡنَ كَذَبُوۡا عَلَى اللّٰهِ وُجُوۡهُهُمۡ مُّسۡوَدَّةٌ ؕ اَلَيۡسَ فِىۡ جَهَنَّمَ

آپ قیامت کے دن دیکھیں گے کہ ان کا منہ کالا ہو گا‘ کیا تکبر کرنے والوں کا

مَثۡوًى لِّلۡمُتَكَبِّرِيۡنَ ﴿۶۰﴾ وَيُنَجِّى اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا بِمَفَازَتِهِمۡ

جہنم میں ٹھکانا نہیں ہے؟ O اور اللہ متقین کو ان کی کامیابی کے سبب سے (عذاب سے)

لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦١﴾ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۙ

نجات دے گا' ان کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے O اللہ ہر چیز کا خالق ہے

وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿٦٢﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

اور وہ ہر چیز کا نگہبان ہے O اسی کے پاس آسمانوں او زمینوں کی چابیاں ہیں

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٦٣﴾ ع

اور جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا ہے وہی نقصان اٹھانے والے ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے: اے میرے وہ بندو جو (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر زیادتی کر چکے ہو' اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو' بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا' بے شک وہی بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے O اور تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کی اطاعت کرو اور اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آئے پھر تمہاری مدد نہ کی جائے' تم اسلام لے آؤ O اور تمہارے رب کی طرف سے تم پر جو احکام نازل کیے گئے ہیں' ان میں سب سے اچھے احکام پر عمل کرو' اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آ جائے اور تمہیں اس کا شعور بھی نہ ہو O (پھر ایسا نہ ہو کہ) کوئی شخص یہ کہے: ہائے افسوس! میری ان کوتاہیوں پر جو میں نے اللہ کے متعلق کی ہیں' بے شک میں ضرور مذاق اڑانے والوں میں سے تھا O یا یہ کہے کہ اگر اللہ مجھے ہدایت دیتا تو میں ضرور متقین میں سے ہو جاتا O یا عذاب دیکھتے وقت یہ کہے: کاش! میرا دنیا میں لوٹنا ممکن ہوتا تو میں نیکو کاروں میں سے ہو جاتا O کیوں نہیں' بے شک تیرے پاس میری آیتیں آئیں' سو تو نے ان کی تکذیب کی اور تو کافروں میں سے ہو گیا O

(الزمر: ۵۹-۵۳)

الزمر: ۵۳ کے شانِ نزول میں متعدد روایات

الزمر: ۵۳ کے شانِ نزول میں مفسرین کا اختلاف ہے' بعض نے کہا: یہ مشرکین کے متعلق نازل ہوئی ہے اور بعض نے کہا کہ یہ آیت کبیرہ گناہ کرنے والے مسلمانوں کے متعلق نازل ہوئی ہے اور بعض نے کہا کہ یہ آیت حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے' ان تینوں اقوال کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ ''آپ کہیے: اے میرے وہ بندو جو (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر زیادتی کر چکے ہو' اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو'' تو اہل مکہ نے کہا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کہتے ہیں کہ جو لوگ بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں اور ناحق قتل کرتے ہیں' اس کی بخشش نہیں ہوگی' تو ہم کیسے ہجرت کریں اور اسلام لائیں' حالانکہ ہم نے بتوں کی عبادت کی ہے اور جن کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا تھا ہم نے ان کو قتل کیا ہے' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور یہ بتایا کہ تم میری رحمت سے مایوس نہ ہو' بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا۔ الحدیث (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۲۴۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

(۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے تھے کہ ہماری ہر نیکی قبول کی جائے گی' حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی:

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ○ (محمد: ۳۳)

اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو ○

پھر ہم نے کہا: ہمارے نیک اعمال کس چیز سے باطل ہوں گے؟ تو ہم نے کہا: ناجائز کام اور بے حیائی کے کام ہمارے نیک کاموں کو باطل کر دیں گے' پھر جب ہم کسی شخص کو کوئی ناجائز کام یا بے حیائی کا کام کرتے دیکھتے تو کہتے: یہ ہلاک ہو گیا حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہو گئی:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ (النساء: ۱۱۶-۴۸)

بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم گناہ کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

پھر جب یہ آیت نازل ہوئی تو ہم نے اس طرح کہنا چھوڑ دیا' پھر اگر ہم کسی شخص کو ناجائز یا بے حیائی کا کام کرتے ہوئے دیکھتے تو ہمیں اس پر عذاب کا خطرہ ہوتا اور اگر وہ کوئی بُرا کام نہ کرتا تو ہم اس کی مغفرت کی امید رکھتے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۲۵۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی کی طرف کسی کو بھیج کر بلوایا اور اس کو اسلام کی دعوت دی' اس نے یہ جواب دیا کہ اے محمد! آپ مجھے اپنے دین کی کس طرح دعوت دے رہے ہیں' حالانکہ آپ یہ کہتے ہیں کہ جس نے قتل کیا یا شرک کیا' زنا کیا' اس کو بہت گناہ ہو گا۔ قیامت کے دن اس کا عذاب دگنا کیا جائے گا اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ رہے گا اور میں یہ سب کام کر چکا ہوں' کیا آپ میرے لیے کوئی رخصت پاتے ہیں؟ تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ (الفرقان: ۷۰)

مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اس نے نیک اعمال کیے تو اللہ اس کی برائیوں کو بھی نیک اعمال سے بدل دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا' بہت مہربان ہے ○

وحشی نے کہا: اے محمد! یہ بہت سخت شرط ہے کہ وہ ایمان لانے کے بعد نیک اعمال کرے' ہو سکتا ہے کہ میں اس شرط پر پورا نہ اتر سکوں' تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم گناہ کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

وحشی نے کہا: اے محمد! میں دیکھ رہا ہوں کہ اس میں بھی مغفرت اللہ کے چاہنے پر موقوف ہے۔ میں نہیں جانتا کہ میری مغفرت ہو گی یا نہیں۔ کیا اس کے علاوہ بھی کوئی اور صورت ہے؟ تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ (الزمر: ۵۳)

اے میرے وہ بندو جو (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر زیادتی کر چکے ہو' اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو' بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا' بے شک وہی بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

وحشی نے کہا: اب ٹھیک ہے' پھر وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لے آیا (رضی اللہ عنہ)۔ لوگوں نے کہا: یا رسول

اللہ! اگر ہم بھی وحشی کی طرح گناہ کر بیٹھیں۔ آپ نے فرمایا: یہ حکم تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۴۸۰' شعب الایمان ج ۵ ص ۴۲۴' رقم الحدیث: ۷۱۴۰' تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۵ ص ۳۱۶' رقم الحدیث: ۱۴۱۴۸' مختصر تاریخ دمشق ج ۲۶ ص ۲۶۳' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۰۱)

حسب ذیل مفسرین نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۲۵۳' رقم الحدیث: ۱۸۴۰۱' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۲۴۰' زاد المسیر ج ۶ ص ۱۰۴' النکت والعیون ج ۵ ص ۱۳۱' الدر المنثور ج ۷ ص ۲۰۲' روح البیان ج ۸ ص ۱۷۱' روح المعانی جز ۲۴ ص ۲۳' اسباب النزول رقم الحدیث: ۶۶۰)

قنوط کا معنیٰ اور عفو اور مغفرت کا فرق

اس آیت میں ''لا تقنطوا'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر قنوط ہے' قنوط کا معنیٰ ہے: سب سے بڑی ناامیدی' قنوط کی تعریف یہ ہے: اللہ کی رحمت سے بالکل مایوس ہونا اور یہ اس وقت ہوتا ہے کہ جب فطرت سلیمہ اور اللہ پر ایمان لانے کی صلاحیت بالکل زائل ہو جائے' اللہ تعالیٰ نے بندہ کو غرغرہ موت تک توبہ کرنے کی مہلت دی ہے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے تمام گناہوں کی مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے' خواہ وہ گناہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ ہوں' خواہ ان کی تعداد سمندر کے جھاگ' درختوں کے پتوں ریت کے ذروں اور آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ ہو اور یہ مغفرت عام ہے۔ خواہ یہ مغفرت کچھ سزا دینے کے بعد ہو یا بغیر سزا کے ہو اور یہ مغفرت بندوں کی توبہ سے ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء اور مقربین یا ملائکہ کی شفاعت سے ہو یا بغیر کسی کی شفاعت کے محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہو۔

مفسرین نے عفو اور مغفرت میں بھی فرق کیا ہے' عفو کا معنیٰ ہے: گناہوں کو مٹا دینا' جیسے فرمایا:

اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ (ھود: ۱۱۴) بے شک نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔

اور مغفرت کا معنیٰ ہے: عذاب کو اٹھا دینا اور رحمت کا معنیٰ ہے: ثواب عطا فرمانا' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ (النجم: ۳۲)

جو لوگ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے اجتناب کرتے ہیں' ماسوا کسی چھوٹے گناہ کے' بے شک آپ کا رب بہت وسیع مغفرت والا ہے۔

النجم: ۳۲ کی تفسیر میں یہ حدیث ہے:

عن ابن عباس قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تغفر اللھم تغفر جما وای عبد لک لا الما. (یہ حدیث حسن صحیح ہے' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۸۴' مسند احمد ج ۱ ص ۴۱۸۔۳۹۴' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۵۰۱۸' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۹۰۵۰' المستدرک ج ۲ ص ۴۶۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! جب تو مغفرت کرے تو سب کی مغفرت کر دینا' تیرا وہ کون سا بندہ ہے جس نے کوئی چھوٹا موٹا گناہ نہیں کیا۔

حافظ ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

اس حدیث میں حسب ذیل اصولی باتیں ہیں:

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہر چند کہ کلام موزوں ہے تاہم یہ شعر نہیں ہے۔

(۲) آپ نے فرمایا: وہ تیرا کون سا بندہ ہے جس نے کوئی چھوٹا گناہ نہ کیا ہو' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر میں

کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کا زنا سے حصہ لکھ دیا ہے' جس کو وہ لامحالہ پائے گا پس آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا (غیر محرم کو) دیکھنا ہے اور زبان کا زنا (فحش) کلام ہے اور نفس تمنا کرتا ہے اور بُری خواہش کرتا ہے اور شرم گاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۱۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۵۲) پس یہ گناہ جو انسان کے لیے مقدر کیے گئے ہیں یہ ان کثیر گناہوں میں داخل ہیں جو معاف کر دیئے جائیں گے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے ابن آدم پر اس کے زنا کا حصہ لکھ دیا ہے' اس سے انبیاء علیہم السلام مستثنیٰ ہیں' ان کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے کیونکہ وہ معصوم ہیں۔

(۴) شرم گاہ کے علاوہ جو زنا ہے وہ عبادات سے معاف ہو جائے گا اور شرم گاہ کا زنا توبہ سے یا زیادہ عبادت سے یا محض اللہ کے فضل سے یا کچھ عرصہ کے بعد دوزخ سے نکال کر معاف کر دیا جائے گا' یا محض اللہ کے فضل سے معاف کر دیا جائے گا اور انسان کا چھوٹے چھوٹے گناہوں میں مبتلا ہوئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے کیونکہ یہ عادت بشری اور خلقت جبلی ہے۔

(عارضۃ الاحوذی ج ۱۲ ص ۱۲۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت سے مایوسی کی ممانعت کے متعلق آیات' احادیث اور آثار

اس آیت کریمہ میں تمام گناہ گاروں کو خواہ وہ مومن ہوں یا کافر توبہ کرنے اور اللہ کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے سارے گناہ معاف فرما دے گا' خواہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگ سے زیادہ ہوں اور اس آیت کو بغیر توبہ کے مغفرت پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے' کیونکہ بغیر توبہ کے شرک کی مغفرت نہیں ہوتی اور اس مطلوب پر حسب ذیل احادیث میں دلیل ہے:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بعض مشرکین نے بہت زیادہ قتل کیے تھے اور بہت زنا کیا تھا' وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے کہا: آپ ہمیں جس دین کی دعوت دے رہے ہیں وہ بہت خوب ہے' کاش! آپ ہمیں یہ بتاتے کہ ہماری بداعمالیوں کا کوئی کفارہ ہے؟ تب یہ آیت نازل ہوئی:

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۙ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۙ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (الفرقان: ۷۰-۶۸)

اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور وہ کسی ایسے شخص کو ناحق قتل نہیں کرتے جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہو اور نہ وہ زنا کرتے ہیں اور جو شخص ان کاموں کو کرے گا اس کو سخت عذاب ہو گا ۝ قیامت کے دن اس کے عذاب کو دگنا کیا جائے گا اور وہ ذلت کے ساتھ اس میں ہمیشہ رہے گا ۝ سوا ان لوگوں کے جو توبہ کریں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں' اللہ ان کے گناہوں کو بھی نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے ۝

اور یہ آیت نازل ہوئی:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ (الزمر: ۵۳)

آپ کہیے: اے میرے وہ بندو جنہوں نے (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے' تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو' بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۱۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۷۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۰۰۲)

(۲) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر مجھے اس آیت: (الزمر: ۵۳) کے بدلہ میں دنیا اور مافیہا بھی مل جائے تو مجھے پسند نہیں ہے' ایک شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ! اور جو شخص مشرک ہو؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے' پھر آپ نے تین بار فرمایا: ماسوا مشرکین کے (یعنی اس آیت کے عموم میں مشرکین کی مغفرت داخل نہیں ہے)۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۵ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۷ ص ۴۵ رقم الحدیث: ۲۲۳۶۲' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

الفرقان: ۷۰۔۶۸ میں توبہ کرنے کی دعوت دی ہے اور یہ دعوت مؤمنین اور مشرکین دونوں کو عام ہے اور الزمر: ۵۳ میں صرف مغفرت کا ذکر ہے خواہ وہ مغفرت توبہ کے ساتھ ہو یا بغیر توبہ کے اور یہ مغفرت مؤمنوں کے ساتھ مخصوص ہے' مشرکین کو شامل نہیں ہے جیسا کہ مسند احمد کی مذکور الصدر حدیث سے واضح ہو گیا۔ اس سلسلہ میں تیسری حدیث یہ ہے:

(۳) حضرت عمر بن عبسہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بہت بوڑھا شخص آیا جو ایک لاٹھی کے سہارے آیا تھا' اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے بہت عہد شکنیاں کی ہیں اور بہت گناہ کیے ہیں' کیا میری مغفرت ہو جائے گی؟ آپ نے پوچھا: کیا تم اس کی گواہی نہیں دیتے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے؟ اس نے کہا: کیوں نہیں اور میں اس کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں' آپ نے فرمایا: تمہاری عہد شکنیوں اور گناہوں کی مغفرت کر دی گئی۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۳۸۵ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۲ ص ۱۷۱' مؤسسۃ الرسالۃ' ۱۴۲۰ھ' رسائل ابن ابی الدنیا' حسن الظن باللہ رقم الحدیث: ۱۴۵' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۲' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۲۸۴۷' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۳۴۳۳' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۳۴۲' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۱۰۲۵' الاحاد والمثانی رقم الحدیث: ۲۷۱۸' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۲۴۴' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۲۳۵)

اور حسب ذیل آیات میں اللہ تعالیٰ نے توبہ کرنے کی تلقین فرمائی ہے:

اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ. (التوبہ: ۱۰۴)

کیا ان لوگوں کو یہ علم نہیں کہ بے شک اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ○ (النساء: ۱۱۰)

جو شخص کوئی بُرائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے' پھر اللہ سے استغفار کرے تو وہ اللہ کو بہت بخشنے والا' بے حد مہربانی کرنے والا پائے گا ○

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ یَنْتَهُوْا عَمَّا یَقُوْلُوْنَ لَیَمَسَّنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَیَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○

(المائدہ: ۷۴۔۷۳)

بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا: اللہ تین میں کا تیسرا ہے اور ایک معبود کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور اگر یہ لوگ اپنے اس قول سے باز نہیں آئے تو ان میں سے کفر کرنے والوں پر ضرور عذاب عظیم آئے گا ○ یہ لوگ اللہ کی طرف توبہ کیوں نہیں کرتے اور اس سے استغفار کیوں نہیں کرتے اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

اس آیت میں عیسائیوں کو توبہ کی تلقین فرمائی ہے۔ یہ اس کا انتہائی کرم ہے کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو قتل کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی توبہ اور استغفار کی دعوت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کا اندازہ اس حدیث سے کیا جا سکتا

ہے:

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل میں ایک شخص نے ننانوے انسانوں کو قتل کر دیا، پھر وہ لوگوں سے سوال کرنے نکلا، اس نے ایک راہب (پیر) سے سوال کیا: آیا اس کی توبہ ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا: نہیں، اس شخص نے اس کو بھی قتل کر دیا، پھر وہ شخص سوال کرنے کے لیے نکلا تو ایک شخص (مسلم کی روایت میں ہے، عالم) نے اس سے کہا: فلاں فلاں بستی میں جاؤ، تو اس کو موت نے آ لیا، اس نے اپنا سینہ اس بستی کے قریب کر لیا، پھر رحمت کے فرشتوں اور عذاب کے فرشتوں میں اس کے متعلق بحث ہوئی تو اللہ نے اس زمین کو حکم دیا کہ وہ قریب ہو جائے اور اس زمین کو حکم دیا کہ وہ دور ہو جائے اور فرمایا: ان دونوں زمینوں کی پیمائش کر لو، تو وہ زمین ایک بالشت زیادہ قریب تھی سو اس کی مغفرت کر دی گئی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۷۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۶۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۲۴، مسند احمد ج ۳ ص ۷۲۔ ۲۰ قدیم، مسند احمد ج ۷ ص ۲۴۴، رقم الحدیث: ۱۱۱۵۴، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۰۳۳، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۱۱)

اللہ کی رحمت اور مغفرت اس قدر وسیع ہے کہ سو آدمیوں کا قاتل بھی اس سے توبہ کرے تو وہ معاف فرما دیتا ہے، اس لیے انسان سے خواہ کتنا بڑا گناہ کیوں نہ ہو جائے اس کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔

قرآن مجید میں مؤمنین کی مغفرت کے متعلق متعدد آیات ہیں اور یہ ان میں سے سب سے اہم آیت ہے۔ بعض علماء نے کہا: موحدین کے لیے سب سے زیادہ امید افزاء یہ آیت ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم گناہ جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے بخشش کے متعلق سب سے امید افزاء یہ آیت ہے:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝ (الضحیٰ: ۵)

عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: آپ کی رضا یہ ہے کہ آپ کی تمام امت جنت میں داخل کر دی جائے۔ (شعب الایمان ج ۲ ص ۱۶۴، رقم الحدیث: ۱۴۴۵)

الخطیب نے ایک اور سند کے ساتھ "تلخیص المتشابہ" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اگر آپ کی امت کا ایک شخص بھی دوزخ میں ہو تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم راضی نہیں ہوں گے۔ (الدر المنثور ج ۸ ص ۴۹۸، روح المعانی جز ۳۰ ص ۲۸۸)

امام مسلم نے اپنی "صحیح" میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جبریل سے فرمائے گا: اے جبریل! محمد کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ ہم آپ کو آپ کی امت کے متعلق راضی کر دیں گے اور رنجیدہ ہونے نہیں دیں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۲، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۶۹)

حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حرب بن شریح روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین سے کہا: میں آپ پر فدا کیا جاؤں، یہ بتائیے کہ یہ شفاعت جس کا اہل عراق ذکر کرتے ہیں آیا یہ حق ہے یا نہیں؟ امام نے پوچھا: کس کی شفاعت؟ میں نے کہا: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی، امام نے کہا: ہاں اللہ کی قسم! مجھے میرے چچا محمد بن حنفیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اپنی امت کے لیے شفاعت کروں گا، حتیٰ کہ میرا رب عزوجل ندا فرمائے گا:

اے محمد! کیا آپ راضی ہو گئے' میں کہوں گا: ہاں! اے میرے رب! میں راضی ہو گیا' پھر امام نے مجھ سے کہا: اے اہل عراق کی جماعت! تم یہ کہتے ہو کہ قرآن مجید میں سب سے امید افزاء آیت یہ ہے: ''یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا'' (الزمر:۵۳) اور میں کہتا ہوں کہ یہ آیت بھی ہے لیکن ہم اہل بیت یہ کہتے ہیں کہ سب سے زیادہ امید افزاء یہ آیت ہے: ''وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی O'' (الضحیٰ:۵) اور یہ شفاعت کی آیت ہے۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۷۹ قدیم' حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۲۰۹' رقم الحدیث: ۳۷۲۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۶۶' الترغیب والترہیب للمنذری ج ۴ ص ۴۶۶' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۷۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۹۷۵۸' معالم التنزیل ج ۵ ص ۲۶۷' الدر المنثور ج ۸ ص ۴۹۸' روح المعانی جز ۳۰ ص ۲۸۸)

اس کا جواب کہ جب اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف کر دے گا پھر توبہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

الزمر: ۵۴ میں فرمایا: ''اور تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کی اطاعت کرو اور اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آئے پھر تمہاری مدد نہ کی جائے' تم اسلام لے آؤ O''۔

یعنی تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے اس کی فرماں برداری اور اطاعت کی طرف رجوع کرو اور اللہ کی رضا جوئی کے لیے اخلاص کے ساتھ اس کے احکام پر عمل کرو' توبہ اور انابت میں یہ فرق ہے کہ تائب اللہ کے عذاب کے خوف سے معصیت کو ترک کر کے اس کی اطاعت کرتا ہے اور منیب اللہ کی نعمتوں کو دیکھ کر حیاء کرتا ہے اور اس کی نافرمانی کرنے سے باز رہتا ہے اور ذوق وشوق سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرتا ہے۔

علامہ محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے الزمر: ۵۳ میں مغفرت کا ذکر فرمایا کہ وہ تمام گناہوں کو معاف کر دے گا' اس کے بعد الزمر: ۵۴ میں فرمایا: ''اور تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو'' یعنی توبہ کرو' تاکہ کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ بغیر توبہ کے بھی مغفرت ہو جائے گی۔

(الکشاف ج ۴ ص ۱۳۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ زمخشری کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ زمخشری کا یہ کلام بہت ضعیف ہے' کیونکہ ہمارے نزدیک معصیت پر توبہ کرنا واجب ہے اور توبہ کے حکم سے یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ نے مغفرت فرمانے کا جو وعدہ فرمایا ہے اس پر طعن کیا جائے اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مغفرت فرما دی تو پھر توبہ کرنے کی کیا ضرورت ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ ہر چند کہ گناہوں کو معاف فرمانا اور مغفرت کرنا قطعی ہے مگر یہ عفو اور مغفرت دو طرح حاصل ہوتی ہے' ایک یہ کہ کچھ عرصہ دوزخ میں رکھنے کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر کے دوزخ سے نکال لے۔ دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ ابتداءً معاف فرما دے اور بالکل سزا نہ دے اور توبہ کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بالکل عذاب نہ دے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۶۵-۴۶۶' داراحیاء التراث العربی' بیروت ۱۴۱۵ھ)

احسن نازل شدہ چیز کی متعدد تفسیریں

الزمر: ۵۵ میں فرمایا: ''اور تمہارے رب کی طرف سے تم پر جو احکام نازل کیے گئے ہیں' ان میں سب سے اچھے احکام پر عمل کرو اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آ جائے اور تمہیں اس کا شعور بھی نہ ہو O''

فرمایا: ''تمہارے رب کی طرف سے جو سب سے اچھی چیز نازل کی گئی ہے اس کی اتباع کرو اس کی کئی تفسیریں ہیں: ایک یہ کہ اس سے مراد قرآن ہے اور مطلب یہ ہے کہ تم قرآن کی اتباع کرو اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا ۔ اللہ نے سب سے احسن کلام نازل فرمایا جس کی آیتیں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ (الزمر: ۲۳)

اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کو لازم رکھو اور اس کی معصیت سے مجتنب رہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے افعال بیان فرمائے ہیں:

(۱) بُرے کام بیان فرمائے تا کہ ان کو ترک کیا جائے (۲) مکروہ کام بیان فرمائے تا کہ ان سے اعراض کیا جائے اور نہایت عمدہ کام بیان فرمائے تا کہ ان پر عمل کیا جائے۔

اور اس کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ قرآن مجید میں ان احکام کا بھی ذکر ہے جو منسوخ ہو چکے ہیں اور ناسخ احکام کا بھی ذکر ہے۔ سو ناسخ پر عمل کیا جائے اور منسوخ پر عمل نہ کیا جائے۔

یہ اس آیت کی تین تفسیریں ہیں جن کو امام رازی نے بیان فرمایا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۶۶) اسی طرح دیگر مفسرین نے بھی صرف یہی لکھا ہے اور میرے ناقص ذہن میں اس آیت کی ایک اور تفسیر ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں دو قسم کے احکام ہیں' ایک وہ ہیں جو فی نفسہٖ صحیح اور درست ہیں لیکن زیادہ بہتر اور احسن نہیں ہیں' پس تم احسن اور زیادہ اچھے احکام پر عمل کرو۔

مثلاً رمضان میں کوئی شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ ان دنوں میں روزے نہ رکھے اور بعد میں ان کی قضاء کرے اور اگر وہ ان ایام میں روزے رکھ لے تو اس کے لیے زیادہ بہتر ہے' قرآن مجید میں ہے:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ (الی قولہ تعالی) وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ (البقرہ: ۱۸۴)

تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا مسافر ہو تو وہ دوسرے ایام میں ان کی جگہ روزے رکھے اور اگر تم روزے رکھ لو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔

اسی طرح نفلی صدقات کو دکھا کر دینا جائز ہے لیکن چھپا کر دینے میں زیادہ فضیلت ہے' قرآن مجید میں ہے:

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۔ (البقرہ: ۲۷۱)

اگر تم صدقات کو ظاہر کرو تو وہ بھی اچھا ہے اور اگر تم صدقات مسکینوں کو چھپا کر دو تو وہ زیادہ بہتر ہے۔

اسی طرح مقروض کو اتنی مہلت دینا واجب ہے کہ وہ قرض کو آسانی کے ساتھ ادا کر سکے اور قرض خواہ مقروض کو قرض کی رقم معاف کر دے تو یہ زیادہ بہتر ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ: ۲۸۰)

اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو اس کی خوش حالی تک اس کو مہلت دینا ہے اور (اگر) تم قرض کی رقم اس پر صدقہ کر دو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے' اگر تم کو علم ہو ۝

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (الشوریٰ: ۴۰)

زیادتی کا بدلہ اتنی ہی زیادتی ہے' پس جس نے معاف کر دیا اور نیکی کی' اس کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر ہے' بے شک وہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا ۝

یہ چند مثالیں ہیں جن میں قرآن مجید میں ایک کام کا حکم دیا ہے جو صحیح اور درست ہے اور اس کے ساتھ ہی دوسرے کام کا بھی حکم دیا ہے جو اس سے زیادہ اچھا اور احسن ہے اور الزمر: ۵۵ میں ہمیں قرآن مجید کے احسن کاموں پر عمل کی ترغیب دی ہے۔

قیامت کے دن فساق کی اپنی بداعمالیوں پر ندامت اور اظہار افسوس

الزمر: ۵۶ میں فرمایا: "(پھر ایسا نہ ہو کہ) کوئی شخص یہ کہے: ہائے افسوس! میری ان کوتاہیوں پر جو میں نے اللہ کے متعلق کی ہیں' بے شک میں ضرور مذاق اڑانے والوں میں سے تھاO"

یعنی تم کو اللہ کی طرف رجوع کرنے' اخلاص سے اس کی اطاعت کرنے اور قرآن مجید کی اتباع کرنے کا حکم اس لیے دیا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اگر تم نے ان احکام پر عمل نہیں کیا اور اس کے نتیجہ میں تم کو آخرت میں عذاب ہوا تو پھر تم کہو گے کہ ہائے افسوس! میری ان کوتاہیوں پر جو میں نے اللہ کے متعلق کی ہیں۔

اس آیت میں "جنب" کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: پہلو اور کروٹ اور معاندین اسلام اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن مجید سے اللہ کے لیے اعضاء کا ثبوت ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ جنب کا اصل معنیٰ ہے: جانب' کروٹ اور پہلو کو بھی جنب اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ایک جانب میں ہوتے ہیں یعنی ایک جانب بندہ ہے اور دوسری جانب اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں تو بندہ کو اس پر افسوس ہو گا کہ اس نے اللہ کے احکام میں بہت کوتاہیاں کیں نیز اس وقت وہ بندہ کہے گا کہ بے شک میں ضرور مذاق اڑانے والوں میں سے تھا۔ یعنی اس نے صرف اس پر اکتفاء نہیں کی کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے احکام میں کوتاہیاں کیں بلکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت میں لگے رہتے تھے وہ ان کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔

الزمر: ۵۷ میں فرمایا: "یا یہ کہے کہ اگر اللہ مجھے ہدایت دیتا تو میں ضرور متقین میں سے ہو جاتاO"

اس سے پہلی آیت میں ذکر ہے کہ وہ شخص پہلے اپنی اطاعت میں کمی پر اظہار افسوس کرے گا اور اس آیت میں فرمایا ہے کہ "اگر اللہ مجھے ہدایت دیتا تو میں ضرور متقین میں سے ہو جاتا" اور:

الزمر: ۵۸ میں فرمایا ہے: "یا عذاب دیکھتے وقت یہ کہے کہ کاش! میرا دنیا میں لوٹنا ممکن ہوتا تو میں نیکو کاروں میں سے ہو جاتاO" پھر اللہ تعالیٰ اس کے ان اعذار کے جواب میں فرمائے گا:

الزمر: ۵۹: "کیوں نہیں' بے شک تیرے پاس میری ہدایتیں آئیں سو تو نے ان کی تکذیب کی اور تکبر کیا تو کافروں میں سے ہو گیا۔

اس کا یہ عذر باطل ہے کہ اس کو ہدایت حاصل نہیں ہوئی' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے پاس رسولوں کو بھیجا' انہوں نے اسے اللہ کا پیغام پہنچایا اور اپنی رسالت پر دلائل اور معجزات پیش کیے' لیکن اس نے دانستہ انکار کیا اور رسولوں کو جھٹلایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا تھا آپ قیامت کے دن دیکھیں گے کہ ان کا منہ کالا ہو گا' کیا تکبر کرنے والوں کا جہنم میں ٹھکانا نہیں ہے؟O اور اللہ متقین کو ان کی کامیابی کے سبب سے عذاب سے نجات دے گا' ان کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گےO اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور ہر چیز کا نگہبان ہےO اسی کے پاس آسمانوں اور زمینوں کی چابیاں ہیں اور جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا ہے وہی نقصان اٹھانے والے ہیںO (الزمر: ۶۳۔۶۰)

تکبر کی تعریف اور متکبرین کا حشر

الزمر: ۶۰ میں متکبرین کا ذکر ہے' تکبر کی تعریف ہے: حق کا انکار کرنا اور دوسرے لوگوں کو اپنے سے حقیر جاننا (صحیح مسلم رقم

الحدیث:۹۱) متکبرین کے متعلق اس حدیث میں وعید ہے:
عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن متکبرین کا حشر چیونٹیوں کی صورتوں میں کیا جائے گا' ان کو ہر جانب سے ذلت ڈھانپ لے گی' ان کو اس جہنم کی طرف ہانک کرلے جایا جائے گا جس کا نام بولس ہے' آگ کے شعلے ان کے اوپر بھڑک رہے ہوں گے اور جہنم کی پیپ سے ان کو پلایا جائے گا۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۴۹۲' مسند الحمیدی رقم الحدیث:۵۹۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج۹ص۹۰' مسند احمد ج۲ص۱۷۹' الادب المفرد رقم الحدیث:۵۵۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۸۸۰۰)

اللہ تعالیٰ کو بندروں اور خنزیروں کا خالق کہنا ممنوع ہے

الزمر:۶۲۔۶۱ میں فرمایا:''اور اللہ متقین کو ان کی کامیابی کے سبب سے عذاب سے نجات دے گا' ان کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ غم گین ہوں گے' اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور ہر چیز کا نگہبان ہےO''
اس آیت سے پہلی آیت میں مشرکین اور مکذبین کی وعید کا ذکر تھا اور اس آیت میں مؤمنین اور مصدقین کے وعد کا ذکر ہے' اس میں ان کے لیے بشارت ہے کہ نہ ان کو کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ غم گین ہوں گے' اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ ہر قسم کی آفات سے محفوظ رہیں گے۔
الزمر:۶۲ میں فرمایا ہے:''اللہ ہر چیز کا خالق ہے''۔
اللہ تعالیٰ کی حمد میں یہ کہنا صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے لیکن یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ گندگی' کیڑے مکوڑوں اور بندروں اور خنزیروں کا خالق ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف حسن اور اچھائی کی تخلیق کی نسبت کرنا صحیح ہے اور بُرائی کی تخلیق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف صحیح نہیں ہے۔ ہماری کتب عقائد میں اسی طرح مذکور ہے۔
علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:
یقال انہ خالق الکل ولا یقال خالق القاذورات والقردۃ والخنازیر.
یہ کہا جائے گا کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ گندگیوں اور بندروں کا اور خنزیروں کا خالق ہے۔
(شرح المقاصد ج۴ص۲۷۵' ایران' ۱۴۰۹ھ)
میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:
انما لا یطلق لفظ الشریر علیہ کما لا یطلق لفظ خالق القردۃ والخنازیر مع کونہ خالقالھما.
اللہ تعالیٰ پر لفظ شریر کا اطلاق نہیں کیا جائے گا جس طرح اللہ تعالیٰ پر یہ اطلاق نہیں کیا جائے گا کہ وہ بندروں اور خنزیروں کا خالق ہے' حالانکہ وہ ان کا خالق ہے۔
(شرح المواقف ج۸ص۶۳' مطبوعہ ایران)
علامہ قاسم بن قطلو بغا حنفی متوفی ۸۸۱ھ لکھتے ہیں:
ولا یصح ان یقال خالق القاذورات وخالق القردۃ والخنازیر مع کونھا مخلوقۃ لہ اتفاقا.
اللہ تعالیٰ کو یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ وہ گندگیوں' بندروں اور خنزیروں کا خالق ہے' حالانکہ بالاتفاق یہ تمام چیزیں اسی کی مخلوق ہیں۔
(المسامرہ شرح المسایرہ ص۱۲۷' دائرۃ المعارف الاسلامیہ' مکران)
امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:
اللہ تعالیٰ خالق الاجسام ہے لیکن اس کو کیڑے مکوڑوں اور بندروں کا خالق کہنا جائز نہیں ہے' بلکہ اس قسم کے الفاظ سے

اس کی تنزیہ واجب ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۴۱۷، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

یہ کہنا کفر ہے کہ میری آنتیں "قل هو الله" پڑھ رہی ہیں اور دیگر کفریہ محاورے

بعض لوگ شدید بھوک کا اظہار کرنے کے لیے یہ کہتے ہیں: میری آنتیں قل هو الله پڑھ رہی ہیں یہ کلمہ کفریہ ہے کیونکہ آنتوں میں فضلہ اور براز ہوتا ہے اور یہ نجس چیز ہے اور نجس چیز کی طرف اللہ کے کلام کی نسبت کرنا کفر ہے۔

ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

من قال لاخر طبخ القدر بقل هو الله احد کفر.

جس نے دوسرے شخص سے کہا: "پتیلی نے قل هو الله احد سے کھانا پکایا" اس شخص کی تکفیر کی جائے گی۔

علامہ حسن بن منصور اوزجندی متوفی ۵۹۲ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے مذاق سے یا استہزاء سے یا تخفیف کرتے ہوئے کلمہ کفر کہا وہ سب کے نزدیک کافر ہو جائے گا خواہ اس کا اعتقاد اس کلمہ کفر کے برخلاف ہو۔ (فتاویٰ قاضی خاں علی ہامش الہندیہ ج ۳ ص ۵۷۷، البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۰، المحیط البرہانی ج ۵ ص ۵۶۲)

بعض لوگ یہ شبہ پیش کرتے ہیں کہ ہر چیز خدا کی حمد اور تسبیح کرتی ہے قرآن مجید میں ہے:

وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ.

ہر چیز اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے۔

(بنو اسرائیل: ۴۴)

اور ہر چیز کے عموم میں آنتیں بھی داخل ہیں سو ان کا قل هو الله پڑھنا بھی جائز ہونا چاہیے اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چیز کے عموم میں تو لید اور پیشاب بھی داخل ہے تو کیا ان کی طرف بھی حمد اور تسبیح کی نسبت کی جائے گی؟ اس لیے اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ ہر جو چیز طاہر اور طیب ہو اور مبتذل نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کرتی ہے فقہاء نے ہانڈی اور دیگچی کی طرف بھی قل هو الله پڑھنے کی نسبت کو کفر قرار دیا ہے حالانکہ ہانڈی نجس ہے نہ نجاست کا محل ہے اور آنتیں نجاست کا محل ہیں تو ان کی طرف قل هو الله پڑھنے کی نسبت کرنا بہ طریق اولیٰ کفر ہوگا اسی طرح یہ محاورات بھی کفریہ ہیں: فلاں نے فلاں کو صلوٰتیں سنائیں۔ اس میں گالم گلوچ اور فحش کلام پر صلوٰت کا اطلاق ہے اسی طرح یہ محاورہ بھی کفریہ ہے: نمازیں بخشوانے گئے تھے روزے گلے پڑ گئے اس میں روزوں سے بیزاری کا اظہار ہے۔

الزمر: ۶۳ میں فرمایا: "اسی کے پاس آسمانوں اور زمینوں کی چابیاں ہیں"۔ الآیۃ

مقالید کا معنیٰ اور اس کی تفسیر میں درج حدیث کی تحقیق

اس آیت میں "مقالید" کا لفظ ہے اس کا معنیٰ ہے: مفاتیح یعنی چابیاں اس کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

(۱) سدی نے کہا: اس سے مراد ہے آسمانوں اور زمینوں کے خزانے (۲) آسمانوں کے خزانوں سے مراد ہے بارش اور زمین کے خزانوں سے مراد ہے زمین کی پیداوار (۳) اس کی تفسیر میں حسب ذیل حدیث بھی روایت کی گئی ہے:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر کے متعلق دریافت کیا آپ نے فرمایا: تم سے پہلے مجھ سے اس کی تفسیر کے متعلق کسی نے دریافت نہیں کیا اس کی تفسیر ہے " لا اله الا الله والله اکبر وسبحان الله وبحمده واستغفر الله ولا حول ولا قوة الا بالله ' الاول والاخر والظاهر والباطن وبيده الخير ويحيي ويميت وهو على كل شيء قدير "۔

جس شخص نے صبح اٹھ کر ان کلمات کو دس مرتبہ پڑھا اس کو چھ خصال عطا کی جائیں گی۔ پہلی خصلت کی وجہ سے وہ ابلیس

اور اس کے لشکر سے محفوظ رہے گا اور دوسری خصلت کی وجہ سے اس کو بے شمار اجر عطا کیا جائے گا اور تیسری خصلت کی وجہ سے اس کا جنت میں درجہ بلند کیا جائے گا اور چوتھی خصلت کی وجہ سے بڑی آنکھوں والی حور سے اس کا عقد کیا جائے گا اور پانچویں خصلت کی وجہ سے اس کے پاس بارہ ہزار فرشتے آئیں گے اور چھٹی خصلت کی وجہ سے اس کو اس شخص کا اجر ملے گا جس نے قرآن مجید' تورات' انجیل اور زبور کی تلاوت کی ہو اور ان کے علاوہ اے عثمان! اس کو حج مقبول اور عمرہ کا اجر ملے گا اور اگر اسی دن وہ مر گیا تو اس پر شہداء کی مہر ہو گی۔ (عمل الیوم واللیلۃ رقم الحدیث: ۷۳' کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۴ ص ۲۳۱' رقم الحدیث: ۱۸۲۳' کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ص ۱۳' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۱۵' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کو امام ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں الاغلب بن تمیم ہے' مفسرین میں سے اس کو امام عبدالرحمان بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ' امام ابو اسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی متوفی ۴۲۷ھ' علامہ محمود بن عمر الزمخشری متوفی ۵۳۸ھ' علامہ ابوعبداللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ' حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ' حافظ جلال الدین السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ' علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ' علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے)۔

ان مفسرین کی کتب کے حوالہ جات حسب ذیل ہیں:

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۲۵۴' رقم الحدیث: ۱۸۴۰۵' الکشف والبیان ج ۸ ص ۲۴۹' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۲۴۵' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۶۷' الدر المنثور ج ۷ ص ۲۱۰' روح البیان ج ۸ ص ۱۷۹' روح المعانی جز ۲۴ ص ۳۵)

ہر چند کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے لیکن فضائل اعمال میں اسناد ضعیفہ سے مروی احادیث کا بھی اعتبار ہوتا ہے۔

روئے زمین کے خزانوں کی چابیوں کے متعلق یہ حدیث بھی ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خزانوں کا مالک ہونا

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے اور آپ نے شہداء احد پر وہ نماز پڑھی جو میت پر نماز پڑھی جاتی ہے' پھر آپ منبر پر واپس آئے' سو آپ نے فرمایا: میں تمہارا پیش رو ہوں اور میں تمہارا گواہ ہوں اور بے شک میں اللہ کی قسم! ضرور اپنے حوض کی طرف اب دیکھ رہا ہوں اور مجھے تمام روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئی ہیں یا فرمایا: مجھے روئے زمین کی چابیاں دی گئی ہیں اور بے شک مجھے یہ خوف نہیں ہے کہ تم (سب) میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے لیکن مجھے یہ خوف ہے کہ تم مال دنیا میں رغبت کرو گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۴۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۲۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۴۷۷)

اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ شہید کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے' امام شافعی اس صریح اور صحیح حدیث کے خلاف قیاس پر عمل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شہید زندہ ہوتا ہے اور زندہ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی۔ ہم کہتے ہیں کہ زندہ کو قبر میں دفن بھی نہیں کیا جاتا اور اس کی میراث بھی تقسیم نہیں کی جاتی۔ جب خلاف قیاس یہ امور جائز ہیں تو اس کی نماز جنازہ کیوں جائز نہیں ہے جب کہ وہ سنت سے ثابت ہے۔

اور اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام زمین کے خزانوں کے مالک ہیں' جس کو چاہیں جتنا چاہیں عطا فرما دیں اور اس حدیث کی یہ توجیہ بھی صحیح ہے کہ آپ کے وصال کے بعد آپ کی امت ان خزانوں کی مالک ہو گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی اپنے حوض کو دیکھ رہے ہیں۔ اس کی تشریح میں علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

آپ کا یہ ارشاد اپنے ظاہر پر محمول ہے گویا اس حالت میں آپ پر وہ حوض منکشف کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے کہا: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ حوض پیدا کیا جا چکا ہے اور اب بھی حقیقت میں موجود ہے اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ آپ نے دنیا میں اس حوض کو دیکھ لیا جو آپ کو آخرت میں دیا جائے گا اور آپ نے اس کی خبر دی اور اس میں آپ کا دوسرا معجزہ یہ ہے کہ آپ کو تمام روئے زمین کی چابیاں دے دی گئیں اور آپ کے بعد آپ کی امت ان خزانوں کی مالک ہوگی۔ (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۲۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

امام ابو منصور ماتریدی حنفی متوفی ۳۳۵ھ لکھتے ہیں: آسمانوں اور زمینوں کی چابیاں اللہ تعالیٰ ہی کی ملک میں ہیں' اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کے لطف کے خزانوں کی چابیاں اسی کے پاس ہیں اور یہ دلوں کے آسمانوں میں چھپی ہوئی ہیں اور اس کے قہر کی چابیاں بھی اسی کے پاس ہیں اور یہ نفوس کی زمینوں میں رکھی ہوئی ہیں' یعنی اس کے لطف اور اس کے قہر کے خزانوں کی چابیوں کا اس کے سوا اور کوئی مالک نہیں ہے۔ وہ اپنے لطف کے خزانوں کو جس کے دل پر چاہتا ہے کھول دیتا ہے جس سے حکمت کے چشمے پھوٹتے ہیں اور اخلاق حسنہ کے جواہر نکلتے ہیں اور وہ اپنے قہر کے خزانوں کو جس کے نفس پر چاہتا ہے کھول دیتا ہے' پھر اس نفس سے افعال مذمومہ صادر ہوتے ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا پڑھتے تھے:

یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک. اے دلوں کو پلٹنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر قائم رکھ۔

میں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم آپ پر اور آپ کے دین پر ایمان لا چکے ہیں' کیا آپ کو ہم پر کوئی خطرہ ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! تمام قلوب رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں' وہ جس طرح چاہتا ہے ان کو الٹتا پلٹتا رہتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۴۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۰۹' ج ۱۱ ص ۳۶' مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۲۔ ۲۵۷ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۹ ص ۱۶۰' رقم الحدیث: ۱۲۱۰۷' مؤسسۃ الرسالۃ ۱۴۱۸ھ' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۱۲۴' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۸۸' الشریعۃ للآجری ص ۳۱۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۳۴' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۵۹' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۳۱۷' جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۳۳۵۵)

اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ کون شخص اپنے اختیار سے کیسے کام کرے گا' وہ اپنے اس علم کے اعتبار سے دلوں کو پلٹتا رہتا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا سے مستغنی نہیں ہیں تو ہم لوگوں کو بہ طریق اولیٰ بہ کثرت یہ دعا کرنی چاہیے۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّیْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَقَدْ اُوْحِیَ

آپ کہیے کہ اے جاہلو! کیا تم مجھے غیر اللہ کی عبادت کرنے کا بہ زور حکم دے رہے ہو O بے شک آپ کی طرف

اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ

(توحید کی) وحی کی گئی ہے اور آپ سے پہلے نبیوں کی طرف کہ اگر (بالفرض) آپ نے شرک کیا تو آپ کے

عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَ

عمل ضرور ضائع ہو جائیں گے اور آپ ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے O بلکہ آپ اللہ ہی کی عبادت

كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ

کریں اور شکر ادا کرنے والوں میں سے ہو جائیں O اور انہوں نے اللہ کی ایسی قدر نہیں کی جیسا اس کی قدر

جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ

کرنے کا حق تھا اور قیامت کے دن سب زمینیں اسی کی مٹھی میں ہوں گی اور آسمان اس کے دائیں

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَنُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَصَعِقَ

ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے وہ ان چیزوں سے پاک اور برتر ہے جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں O اور صور میں پھونکا

مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ

جائے گا تو آسمانوں اور زمینوں والے سب ہلاک ہو جائیں گے ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا

نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ

تو اچانک وہ سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے O اور زمین اپنے رب

بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِآْىءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ

کے نور سے چمکنے گی اور کتاب رکھ دی جائے گی اور تمام نبیوں اور تمام شہداء کو لایا جائے گا

وَقُضِىَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَوُفِّيَتْ كُلُّ

اور ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا O اور ہر نفس کو اس کے

نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۰﴾ ع

اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور اللہ ان کے سب کاموں کو خوب جاننے والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ اے جاہلو! کیا تم مجھے غیر اللہ کی عبادت کرنے کا بہ زور حکم دے رہے ہو؟O بے شک آپ کی طرف (توحید کی) وحی کی گئی ہے اور آپ سے پہلے نبیوں کی طرف کہ اگر (بالفرض) آپ نے شرک کیا تو آپ کے عمل ضرور ضائع ہو جائیں گے اور آپ ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے O بلکہ آپ اللہ ہی کی عبادت کریں اور شکر ادا کرنے والوں میں سے ہو جائیں O (الزمر: ۶۶-۶۴)

الزمر: ٦٥ کی توجیہ جس میں فرمایا ہے: اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کے اعمال ضائع ہو جائیں گے

الزمر: ٦٤ میں مشرکین مکہ کو جاہل اس لیے فرمایا ہے کیونکہ ان کو معلوم تھا بلکہ وہ اقرار بھی کرتے تھے کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے' اس کے باوجود وہ اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے پتھر کی مورتیوں کی عبادت کرتے تھے' جو ان کو نقصان پہنچا سکتے تھے نہ نفع دے سکتے تھے اور جو شخص عالم اور قادر کو چھوڑ کر جاہل اور عاجز کی عبادت کرے وہ محض جاہل ہی ہو سکتا ہے۔

الزمر: ٦٥ میں فرمایا: ''اگر (بالفرض) آپ نے شرک کیا تو آپ کے عمل ضرور ضائع ہو جائیں گے''۔

اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اس کے تمام رسول اور بالخصوص ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم شرک نہیں کریں گے اور ان کے اعمال ضائع نہیں ہوں گے' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا کہ ''اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کے اعمال ضائع ہو جائیں گے'' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جملہ شرطیہ ہے اور جملہ شرطیہ کے صدق کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کے دونوں جز صادق ہوں' دیکھئے یہ جملہ صادق ہے کہ اگر پانچ کا عدد جفت ہو تو وہ بغیر کسر کے برابر تقسیم ہوگا' حالانکہ اس کے دونوں جز کاذب ہیں اور قرآن مجید میں اس کی یہ مثالیں ہیں:

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ — اگر زمین اور آسمان میں متعدد خدا ہوتے تو زمین و آسمان کا نظام فاسد ہو جاتا۔ (الانبیاء: ٢٢)

یہ جملہ صادق ہے حالانکہ اس کے دونوں جز کاذب ہیں' آسمان اور زمین میں متعدد خدا ہیں نہ ان کا نظام فاسد ہوا ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ○ — آپ کہیے: اگر رحمان کا بیٹا ہوتا تو سب سے پہلے میں اس کا عبادت گزار ہوتا (الزخرف: ٨١)

یہ جملہ صادق ہے حالانکہ اس کے دونوں جز کاذب ہیں' رحمٰن کا بیٹا ہے نہ آپ اس کے عبادت گزار ہیں۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں تعریض ہے' ذکر آپ کا ہے اور مراد آپ کی امت ہے' یعنی اگر بالفرض آپ نے بھی شرک کیا تو آپ کے اعمال ضائع ہو جائیں گے تو اگر آپ کی امت کے کسی شخص نے شرک کیا تو اس کے اعمال تو بہ طریق اولیٰ ضائع ہو جائیں گے۔

الزمر: ٦٦ میں فرمایا: ''بلکہ آپ اللہ ہی کی عبادت کریں اور شکر ادا کرنے والوں میں سے ہو جائیں ○''

اس میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا رد فرمایا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے تھے کہ آپ ان کے بتوں کی عبادت کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ ان کے اس باطل قول کی پرواہ نہ کریں اور آپ اللہ وحدہٗ کی عبادت کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو توحید پر قائم رہنے کی ہدایت دی ہے اور ہدایت کی اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے اللہ کی ایسی قدر نہیں کی جیسا اس کی قدر کرنے کا حق تھا اور قیامت کے دن سب زمینیں اسی کی مٹھی میں ہوں گی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے' وہ ان چیزوں سے پاک اور برتر ہے جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں ○ اور صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمینوں والے سب ہلاک ہو جائیں گے ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے' پھر جب دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو اچانک وہ سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے ○ (الزمر: ٦٨۔٦٧)

اس اعتراض کا جواب کہ قرآن اور حدیث میں اللہ کے جسمانی اعضاء کا ثبوت ہے

الزمر: ۶۷ میں فرمایا: ''انہوں نے اللہ کی ایسی قدر نہیں کی جیسا اس کی قدر کرنے کا حق تھا'' کیونکہ انہوں نے اللہ وحدہٗ کی عبادت کو ترک کر کے اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کی عبادت کرنی شروع کر دی اور انہوں نے اپنے سے بھی گھٹیا اور ادنیٰ چیزوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیا' فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا' قیامت اور بعثت کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کیا' سو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ایسی تعظیم نہیں کی جیسی اس کی تعظیم کا حق تھا۔

پھر فرمایا: ''اور قیامت کے دن سب زمینیں اسی کے قبضہ وقدرت میں ہوں گی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے''۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ علماء یہود میں سے ایک عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہنے لگا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ اللہ تمام آسمانوں کو ایک انگلی پر رکھے گا اور تمام زمینوں کو ایک انگلی پر رکھے گا اور درختوں کو ایک انگلی پر رکھے گا اور پانی اور کیچڑ کو ایک انگلی پر رکھے گا اور تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر رکھے گا' پھر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے' حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں' آپ کا ہنسنا اس عالم کی تصدیق کے لیے تھا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: ''اور انہوں نے اللہ کی ایسی قدر نہیں کی جیسا اس کی قدر کرنے کا حق تھا اور قیامت کے دن سب زمینیں اس کی مٹھی میں ہوں گی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے' وہ ان چیزوں سے پاک اور برتر ہے جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں''۔ (الزمر: ۶۷)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۱۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۸۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۳۸' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۳۸۷' مسند احمد رقم الحدیث: ۴۰۸۷' جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۴۵۲)

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی انگلیوں کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو اپنی انگلیوں پر اٹھایا ہوا ہے' حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے کہا ہے کہ حدیث کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس یہودی عالم کی تصدیق کے لیے ہنسے' کیونکہ اس کے بعد آپ نے قرآن مجید کی آیت پڑھی۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں: اولیٰ یہ ہے کہ اس قسم کی احادیث کی تاویل کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے اور یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی مشابہت سے منزہ ہے' علامہ ابن فورک نے کہا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انگلیوں سے مراد بعض مخلوقات کی انگلیاں ہوں اور بعض احادیث میں رحمان کی انگلیوں کا ذکر ہے' اس سے مراد یہ ہے کہ یہ چیزیں اللہ کی قدرت کے تحت ہیں اور اس کی ملکیت ہیں۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۱۴' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ ھ)

حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ انگلی یا اسی طرح کے دوسرے اعضاء کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق نہ کیا جائے' ماسوا اس کے کہ ان اعضاء کا ذکر قرآن مجید میں ہو یا کسی حدیث قطعی میں ہو اور اگر ان میں کسی عضو کا ذکر نہ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ پر ان اعضاء کے اطلاق کرنے سے توقف کرنا واجب ہے اور انگلیوں کا ذکر نہ قرآن مجید میں ہے نہ سنت قطعیہ میں ہے اور جن آیات اور احادیث میں ید (ہاتھ) کا لفظ ہے اس سے مراد انسان کا عضو نہیں ہے' حتیٰ کہ اس کے ثبوت سے انگلیوں کا ثبوت لازم آئے' صحیح البخاری: ۴۸۱۱ کی یہ حدیث حضرت عبد اللہ ابن مسعود کے اکثر اصحاب سے مروی ہے اور اس حدیث میں اس

یہودی عالم کے قول کی تصدیق نہیں ہے اور یہ حدیث ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل کتاب تم کو جو حدیث بیان کریں تم اس کی تصدیق کرو نہ تکذیب کرو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۴۴، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۰۱۶۰ قدیم، سنن کبریٰ ج ۲ ص ۱۰، شرح السنۃ ج ۵ ص ۱۹۶) اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسا لفظ نہیں فرمایا جس سے یہود کے اس قول کی تصدیق یا تکذیب ہو، البتہ اس حدیث میں آپ کے ہنسنے کا ذکر ہے، جس میں اس قول پر آپ کی رضا کا بھی اشارہ ہوسکتا ہے اور ان کے اس قول پر تعجب اور انکار کا اشارہ بھی ہوسکتا ہے اور ایسی صورت میں انگلیوں کے اثبات پر استدلال کرنا جائز نہیں ہے اور اگر یہ حدیث صحیح ہو تو انگلیوں کو مجاز پر محمول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی کام جو بہت مشکل سمجھا جاتا ہو اور کسی آدمی کے نزدیک وہ بہت آسان ہو تو وہ کہتا ہے کہ اس کام کو تو میں ایک انگلی سے کرسکتا ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ اس حدیث میں یہودی عالم کی تحریف کا ذکر ہے اور اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہنسنا اس پر تعجب اور انکار کی وجہ سے تھا۔

علامہ تیمی نے کہا کہ علامہ خطابی کی یہ تقریر محض تکلف ہے اور اسلاف کے عقائد اور ان کی تصریحات کے خلاف ہے، صحابہ کرام اپنی روایت کردہ احادیث کو زیادہ بہتر جانتے تھے اور آپ کا ہنسنا اس یہودی عالم کی تصدیق کے لیے تھا اور سنت صحیحہ میں اللہ تعالیٰ کی انگلیوں کا ذکر ہے، حضرت نواس بن سمعان کلابی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ہر قلب رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے، اگر وہ چاہے تو وہ اس دل کو سیدھا رکھے اور اگر وہ چاہے تو اس دل کو ٹیڑھا کردے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۹، اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مسند احمد ج ۴ ص ۱۸۲، السنۃ لابن ابی عاصم رقم الحدیث: ۲۱۹، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۴۳، الشریعۃ للآجری رقم الحدیث: ۳۱۷، المستدرک ج ۱ ص ۵۲۵، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۸۹)

علامہ نووی نے بھی کہا ہے کہ ظاہر حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہنسنا اس کی تصدیق کے لیے تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۰۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۳۸ھ نے اس حدیث میں انگلیوں کے ذکر کو مجاز پر محمول کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت ہے جیسے کوئی شخص کسی مشکل کام کے متعلق کہے کہ اس کام کو تو میں ایک انگلی سے کرسکتا ہوں، اسی طرح فرمایا کہ تمام آسمانوں کو اور تمام زمینوں کو اللہ تعالیٰ اپنی ایک انگلی سے روک لیتا ہے۔

(الکشاف ج ۱ ص ۱۴۶۔۱۴۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ علامہ زمخشری کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں جو مٹھی اور دائیں ہاتھ کا اور حدیث میں انگلیوں کا ذکر ہے اس سے مراد ہماری طرح اعضاء نہیں ہیں، ہمیں ان الفاظ پر ایمان رکھنا چاہیے اور ان الفاظ سے کیا مراد ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردینا چاہیے اور ان کی تاویلات نہیں کرنی چاہیے، یہی سلف صالحین کا مسلک ہے جو تاویلات سے اعراض کرتے ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۷۵۔۴۷۳ ملخصاً، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''قیامت کے دن تمام زمینیں اس کی مٹھی میں ہوں گی اور تمام آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوں گے''۔

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر اپنی ذات کو جسمانی اعضاء سے منزہ کیا کہ وہ ان چیزوں سے پاک ہے اور برتر ہے جن کو وہ

اس کا شریک قرار دیتے ہیں اور مٹھی سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات کا احاطہ کیا ہوا ہے اور سب چیزیں اس کی قدرت میں ہیں۔ کیونکہ جب لوگ کسی چیز پر اپنی ملکیت اور قدرت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں: فلاں چیز تو میری مٹھی میں ہے اور میرے دائیں ہاتھ میں ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۲۴۸۔۲۴۷ دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی یہی لکھا ہے کہ مٹھی‘ دائیں ہاتھ اور انگلیوں سے مراد اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی ملکیت ہے۔ (روح المعانی جز ۲۴ ص ۴۲۔۳۹ ملخصاً‘ دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

ہم الاعراف: ۵۴ اور الرعد: ۲ میں تفصیل سے لکھ چکے ہیں کہ صحابہ کرام‘ فقہاء تابعین‘ ائمہ اربعہ اور سلف صالحین کا یہ مسلک ہے کہ آنکھیں‘ چہرہ‘ ہاتھ‘ پنڈلی اور ایسی دوسری صفات کا جو قرآن اور حدیث میں ذکر ہے‘ وہ اللہ تعالیٰ کی حقیقی صفات ہیں جو اس کی شان کے لائق ہیں‘ وہ جسمانی اعضاء سے پاک اور منزہ ہے اور مخلوق میں اس کی کوئی مثال نہیں ہے‘ ان صفات کی نفی کرنا جائز ہے اور نہ ان کی کوئی تاویل کرنا جائز ہے‘ امام رازی‘ حافظ عسقلانی اور حافظ عینی نے اس کی تصریح کی ہے‘ علامہ خطابی اور علامہ قرطبی وغیرھم نے جو ان صفات کی تاویل کی ہے وہ ہر چند کہ غیر مختار ہے لیکن اس تاویل سے ان کا مقصد ملحدین کے اس اعتراض کو دور کرنا ہے کہ قرآن اور حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے جسمانی اعضاء کا ثبوت ہے۔

صور پھونکنے کی تحقیق

الزمر: ۶۸ میں فرمایا: ”اور صور میں پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمینوں والے سب ہلاک ہو جائیں گے ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے‘ پھر جب دوبارہ صور میں پھونکا جائے گا تو اچانک وہ سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے“۔

ہم النمل: ۸۷ میں ان امور کی تفسیر کر چکے ہیں: صور کا لغوی اور اصطلاحی معنی‘ صور پھونکنے کے متعلق احادیث‘ کتنی بار صور پھونکا جائے گا؟ تین بار صور پھونکنے کے دلائل اور ان کے جوابات‘ دو بار صور پھونکنے کے دلائل‘ نفخۃ الصعق سے کون کون افراد مستثنیٰ ہیں؟ کیا حضرت موسیٰ کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہوش میں آنا ان کی افضلیت کو مستلزم ہے؟ نفخۃ الصعق سے استثناء میں علامہ قرطبی کا آخری قول۔

ہمارے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ صور میں صرف دو بار پھونکا جائے گا اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دو بار صور پھونکنے کے درمیان چالیس (سال) کا وقفہ ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۱۴‘ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۵۵‘ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۴۵۹)

اس کی زیادہ تفصیل النمل: ۸۷ میں ملاحظہ فرمائیں۔

قیامت کے دن جو امور سب سے پہلے وقوع پذیر ہوں گے

قیامت کے دن حسب ذیل امور سب سے پہلے واقع ہوں گے:

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے زمین مجھ سے شق ہوگی اور مجھے اس پر فخر نہیں۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۴۸‘ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۰۸‘ مسند احمد ج ۱ ص ۲۸۱‘ المستدرک ج ۲ ص ۴۶۵‘ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۹۸‘ کامل ابن عدی ج ۵ ص ۱۸۷۰‘ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۷۹‘ جامع المسانید والسنن مسند ابی سعید الخدری رقم الحدیث: ۱۰۴۷)

حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن وہ شخص سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے سائے میں ہوگا جو اپنے تنگ دست مقروض کو کشادگی تک مہلت دے گا یا اپنے قرض کو اس پر صدقہ کر دے گا اور اس سے کہے گا: تم پر جو میری رقم تھی وہ اللہ کی رضا کے لیے صدقہ

ہے۔الحدیث (المعجم الکبیر ج ۱۹ص ۱۶۷ رقم الحدیث: ۳۷۷ داراحیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن جو سب سے پہلے میرے حوض پر آئیں گے یہ وہ شخص ہوں گے جو اللہ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوں گے۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۴۰ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۴۷۱۵)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مخلوقات میں سے جس کو سب سے پہلے کپڑے پہنائے جائیں گے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔(الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۲۸۳۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے جس کو آگ کا حلّہ پہنایا جائے گا وہ ابلیس ہے۔(مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۹۵)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے بندوں کے درمیان جس مقدمہ کا فیصلہ کیا جائے گا وہ قتل ہے۔(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۹۶ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ص ۴۲۶ مسند احمد ج ۱ص ۳۸۸ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۶۴ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۷۸ سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۰۰۷ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۴۴ جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۲۲۵)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بندہ سے جس چیز کا سب سے پہلے حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے اور جس مقدمہ کا سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا وہ قتل ہے۔(سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۰۰۲ المستدرک ج ۱ص ۲۶۳ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۸۸ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۸۳ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ص ۴۰۵ جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۲۲۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ سے سب سے پہلے اس کی نعمتوں کے متعلق سوال کیا جائے گا اس سے کہا جائے گا: کیا ہم نے تیرے جسم کو صحت مند نہیں بنایا تھا اور تجھے ٹھنڈا پانی نہیں پلایا تھا۔(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۵۸ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۶۴ المستدرک ج ۴ص ۱۳۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن سب سے پہلے عورت سے اس کی نماز کے متعلق سوال کیا جائے گا پھر اس کے شوہر کے حقوق کے متعلق سوال کیا جائے گا۔(کنز العمال رقم الحدیث: ۴۵۰۹۴)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے پہلے انبیاء شفاعت کریں گے پھر شہداء شفاعت کریں گے پھر موذنین شفاعت کریں گے۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۷۱ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۵۴۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے میں اپنی امت میں سے اپنے اہل بیت کی شفاعت کروں گا پھر ان کی جو قریش میں سے قریب ہیں پھر جو انصار میں سے قریب ہیں پھر جو اہل یمن میں سے مجھ پر ایمان لایا اور اس نے میری اتباع کی پھر باقی عربوں کی پھر عجمیوں کی اور میں سب سے پہلے اصحاب فضیلت کی شفاعت کروں گا۔(المعجم الکبیر للطبرانی رقم الحدیث: ۱۳۵۵۰ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۵۳۸)

نوٹ: ان میں سے بعض احادیث میں اول سے مراد اضافی اول ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور زمین اپنے رب کے نور سے چمکے گی اور کتاب رکھ دی جائے گی اور تمام نبیوں اور تمام شہداء کو لایا جائے گا اور ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا O اور ہر نفس کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور اللہ ان کے سب کاموں کو خوب جاننے والا ہے O (الزمر: ۷۰۔ ۶۹)

رب کے نور سے کیا مراد ہے نورِ عقلی یا نورِ حسی؟

الزمر: ۶۹ میں رب کے نور کا ذکر ہے‘ نور کی دو قسمیں ہیں: نورِ عقلی اور نورِ حسی‘ نورِ عقلی وہ ہے جس کا بصیرت اور عقل سے ادراک کیا جاتا ہے‘ جیسے نورِ عقل اور نورِ قرآن اور نورِ حسی وہ ہے جو روشن اجسام مثلاً چاند اور سورج سے حاصل ہوتا ہے‘ یہ وہ روشنی ہے جس کا آنکھیں ادراک کرتی ہیں‘ نورِ عقلی یا نورِ معنوی کا اطلاق قرآن مجید کی ان آیتوں میں ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ○ بے شک اللہ کی جانب سے تمہارے پاس نور آ گیا اور کتاب مبین ○ (المائدہ: ۱۵)

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ. کیا پس جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہو تو وہ اپنے رب کی طرف سے ایک نور پر ہے۔ (الزمر: ۲۲)

اور نورِ حسی یعنی وہ پھیلی ہوئی روشنی جس کی مدد سے آنکھیں دیکھتی ہیں‘ اس کا ذکر ان آیتوں میں ہے:

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا. وہی ہے جس نے سورج کو ضیاء اور قمر کو نور بنایا۔ (یونس: ۵)

ضیاء اور ضوء اس روشنی کو کہتے ہیں جو اصلی ہو اور نور عام ہے خواہ وہ روشنی اصلی ہو یا کسی اور سے مستفاد ہو‘ اس لیے سورج کی روشنی کو ضیاء فرمایا اور چاند کی روشنی کو نور فرمایا۔

وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ. (الحدید: ۲۸) اور اللہ تمہارے لیے ایک روشنی پیدا کر دے گا جس کے ذریعہ تم چلو گے۔

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا. (الزمر: ۶۹) اور زمین اپنے رب کے نور سے چمکے گی۔

(محصلہ مفردات امام راغب ج ۲ ص ۶۵۸‘ مکتبہ نزار مصطفیٰ‘ مکہ مکرمہ‘ ۱۴۱۸ھ)

رب کے نور کی تفسیر میں امام رازی سے اختلاف

بعض ملحدین کہتے ہیں کہ نور روشن جسم کو کہتے ہیں‘ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے‘ کیونکہ اس کے نور سے زمین چمکے گی‘ امام رازی نے ان کے جواب میں فرمایا ہے کہ یہاں نور کا مجازی معنی مراد ہے اور وہ عدل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے عدل سے زمین چمکے گی اور اس سے نورِ حسی اور نورِ مشاہد مراد نہیں ہے بلکہ نورِ معنوی اور نورِ عقلی مراد ہے۔ جیسے عادل بادشاہ کے لیے کہتے ہیں کہ اس کے عدل سے آسمان چمک اٹھے اور دنیا اس کے عدل سے روشن ہو گئی‘ جیسے کہتے ہیں کہ تمہارے ظلم سے اندھیرا چھا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ظلم قیامت کے دن اندھیروں (کی صورت میں) ہو گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۴۷‘ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۹‘ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۳۰‘ مسند احمد ج ۱۰ ص ۳۴۲‘ رقم الحدیث: ۶۲۱۰‘ مؤسسۃ الرسالۃ‘ بیروت‘ ۱۴۱۶ھ) باقی رہا کہ اس پر کیا قرینہ ہے کہ یہاں نور سے مراد عدل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا‘ یعنی اللہ تعالیٰ عدل فرمائے گا اور اسی سے زمین چمکے گی۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۷۷‘ داراحیاء التراث العربی‘ بیروت‘ ۱۴۱۵ھ)

ممکن ہے امام رازی کا یہ جواب صحیح ہو لیکن میرے نزدیک اس نور سے مراد حسی نور ہے کیونکہ زمین کے روشن ہونے اور چمکنے کا آنکھیں ادراک کرتی ہیں‘ یہ ادراک عقلی نور کے ساتھ خاص نہیں ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے نور سے زمین چمکے گی کہ اس نور کی اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت اس کی تعظیم کی وجہ سے ہے جیسے بیت اللہ اور ناقۃ اللہ میں ہے۔

ہر نفس کے مکمل حساب کی وضاحت

زمین کے چمکنے کے بعد اس آیت میں کتاب کا ذکر ہے ''اور کتاب رکھ دی جائے گی'' کتاب سے مراد ہو سکتا ہے کہ لوح محفوظ ہو' جس میں قیامت تک کے تمام دنیا کے احوال لکھے ہوئے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے صحائف اعمال مراد ہوں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ○ (بنو اسرائیل: ۱۳)

ہم نے ہر انسان کے مقسوم (یا اعمال) کو اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے اور ہم قیامت کے دن اس کا صحیفہ اعمال نکال لیں گے جس کو وہ اپنے اوپر کھلا ہوا پائے گا ○

اس کے بعد تمام نبیوں اور شہداء کو لایا جائے گا' انبیاء علیہم السلام کو جمع کر کے اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا: ہم نے تمہیں دنیا میں اپنا پیغام دے کر بھیجا تھا پھر تمہیں کیا جواب دیا گیا؟ اور شہداء سے مراد ہو سکتا ہے کہ آپ کی امت ہو' کیونکہ قیامت کے دن جب پچھلی امت کے کفار یہ کہیں گے کہ ہمارے پاس کوئی رسول نہیں آیا تو آپ کی امت یہ شہادت دے گی کہ ان نبیوں نے اپنی اپنی امتوں کو تبلیغ کی تھی۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شہداء سے مراد کراماً کاتبین ہوں جو انسان کے اعمال لکھتے رہتے ہیں' وہ قیامت کے دن انسان کے اعمال پر گواہ ہوں گے' قرآن مجید میں ہے:

وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ○ (ق: ۲۱)

ہر شخص کے ساتھ ایک لانے والا ہو گا اور ایک گواہ ○

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد وہ مؤمنین ہوں جو اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا''۔

وہ تمام مقدمات جن کا دنیا میں صحیح فیصلہ نہیں ہو سکا' خواہ ان کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حقوق سے ہو یا بندوں کے حقوق سے' قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا اور کسی شخص پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

الزمر: ۷۰ میں فرمایا: ''اور ہر نفس کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور اللہ ان کے کاموں کو خوب جاننے والا ہے ○''۔

اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ ہر نفس کو اس کے بُرے اعمال کی ضرور سزا دی جائے گی' کیونکہ اس آیت سے وہ گناہ گار مسلمان مستثنیٰ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے معاف فرما دے اور اللہ تعالیٰ کے معاف فرمانے والی آیات اس عموم کی مخصص ہیں' اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال اور ان کی کیفیات کو خوب جاننے والا ہے' وہ ہر مومن کو اس کے نیک اعمال کی اچھی جزاء دے گا اور اس کے بُرے اعمال کو وہ چاہے گا تو معاف فرما دے گا اور چاہے تو ان پر مواخذہ فرمائے گا' ہم اس کے مواخذہ سے اسی کی پناہ میں آتے ہیں اور کفار اور مشرکین کو پکڑے گا اور ان کو دوزخ میں دائمی عذاب دے گا' بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا

اور کافروں کو گروہ در گروہ جہنم کی طرف ہانکا جائے گا حتیٰ کہ جب وہ جہنم پر پہنچ جائیں گے تو اس کے دروازے

فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ

کھول دیئے جائیں گے اور جہنم کے محافظ کافروں سے کہیں گے: کیا تمہارے پاس تمہاری جنس سے رسول نہیں آئے

يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ

تھے جو تمہارے سامنے تمہارے رب کی آیات تلاوت کرتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے؟

قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۱﴾

وہ کہیں گے: کیوں نہیں، لیکن عذاب کا حکم کافروں پر ثابت ہو گیا O

قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى

کہا جائے گا: اب تم جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، تم وہاں ہمیشہ رہو گے، سو تکبر کرنے والوں کا کیسا برا ٹھکانا

الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ

ہے O اور اپنے رب سے ڈرنے والوں کو گروہ در گروہ جنت کی طرف روانہ کیا جائے گا حتیٰ کہ

حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ

جب وہ جنت پر پہنچیں گے اور اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے تو جنت کے محافظ ان سے کہیں گے: تم پر سلام ہو، تم

عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴿۷۳﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ

پاک اور صاف ہو، تم اس جنت میں ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہو جاؤ O اور وہ کہیں گے: تمام تعریفیں اللہ

الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ

ہی کے لیے ہیں جس نے ہم سے کیا ہوا وعدہ سچا کر دیا اور ہم کو اس زمین کا وارث بنا دیا، ہم جہاں چاہیں جنت میں

حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۷۴﴾ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ

رہتے ہیں پس (نیک) عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر ہے O اے رسول مکرم! آپ دیکھیں گے

حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ

کہ فرشتے عرش کے گرد حلقہ بنائے ہوئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر رہے ہیں اور ان کے

بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ⑦⑤ ع

درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور یہ کہا جائے گا کہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافروں کو گروہ در گروہ جہنم کی طرف ہانکا جائے گا' حتیٰ کہ جب وہ جہنم پر پہنچ جائیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں اور جہنم کے محافظ کافروں سے کہیں گے: کیا تمہارے پاس تمہاری جنس سے رسول نہیں آئے تھے' جو تمہارے سامنے تمہارے رب کی آیات تلاوت کرتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے' وہ کہیں گے: کیوں نہیں' لیکن عذاب کا حکم کافروں پر ثابت ہو گیا O کہا جائے گا: اب تم جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ' تم وہاں ہمیشہ رہو گے' سو تکبر کرنے والوں کا کیسا بُرا ٹھکانا ہے O (الزمر: ۷۲-۷۱)

قیامت کے دن کفار کے عذاب کی کیفیت

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا: "ہر نفس کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا"۔ (الزمر: ۷۰) اور ان آیتوں میں اس کی تفصیل بیان فرمائی ہے کہ کفار کو کس طرح جہنم میں ہانک کر زبردستی بھیجا جائے گا اور مومنوں کو کس طرح اعزاز واکرام کے ساتھ جنت میں بھیجا جائے گا۔

اس آیت میں زمر کا لفظ ہے' یہ زمرۃ کی جمع ہے' اس کا معنیٰ ہے: لوگوں کی جماعت اور گروہ اور زمر کا معنیٰ ہے: لوگوں کی متعدد جماعتیں اور متعدد گروہ۔

قیامت کے دن کفار کے گروہوں کو زبردستی دھکے دے کر جہنم کی طرف ہانکا جائے گا' قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَ يُدَعُّوْنَ إِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا O (الطور: ۱۳) جس دن ان کو دھکے دے کر جہنم کی آگ کی طرف بھیجا جائے گا۔

اس آیت میں فرمایا ہے: "حتیٰ کہ جب وہ جہنم پر پہنچ جائیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے"۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ جہنم کے دروازے پہلے بند ہوں گے' جب کافروں کے گروہ جہنم پر پہنچیں گے تو جہنم کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔

اس کے بعد فرمایا: "اور جہنم کے محافظ کافروں سے کہیں گے: کیا تمہارے پاس تمہاری جنس سے رسول نہیں آئے تھے؟"

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ رسول کے آنے سے پہلے انسان کسی حکم کا مکلّف نہیں ہوتا' ورنہ فرشتے ابتداءً یہ کہتے کہ تم نے اپنے رب کو واحد کیوں نہیں مانا اور اس کی عبادت کیوں نہیں کی اور رسول کے آنے کے بعد ہی انسان مواخذہ کا مستحق ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اپنے رب سے ڈرنے والوں کو گروہ در گروہ جنت کی طرف روانہ کیا جائے گا' حتیٰ کہ جب وہ جنت پر پہنچیں گے اور اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے تو جنت کے محافظ ان سے کہیں گے: تم پر سلام ہو' تم پاک اور صاف ہو' تم اس جنت میں ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہو جاؤ O اور وہ کہیں گے: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہم سے کیا ہوا وعدہ سچا کر دیا اور ہم کو اس زمین کا وارث بنا دیا' ہم جہاں چاہیں جنت میں رہتے ہیں' پس (نیک) عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر ہے O (الزمر: ۷۴-۷۳)

قیامت کے دن مومنوں کے ثواب کی کیفیت

الزمر: ۷۳ میں فرمایا ہے: "اور متقین کو گروہ در گروہ جنت کی طرف روانہ کیا جائے گا" یعنی شہداء' علماء' عاملین اور عابدین اور زاہدین اور ہر وہ مومن جو اللہ سے ڈرتا ہو اور اس کے احکام پر عمل کرتا ہو اور جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے ان سے باز رہتا ہو۔

کافروں کو ذلت اور رسوائی کے ساتھ جہنم کی طرف ہانکا جائے گا اور متقین کو عزت و کرامت کے ساتھ سواریوں پر سوار کرا کے جنت کی طرف روانہ کیا جائے گا۔

کافروں کے متعلق فرمایا: جب وہ جہنم کے پاس پہنچیں گے تو "فتحت ابوابھا" جہنم کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور مؤمنوں کے متعلق فرمایا: جب وہ جنت کے پاس پہنچیں گے تو "وفتحت ابوابھا" اور جنت کے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے' کافروں کے لیے جو آیت ذکر کی ہے اس سے پہلے واؤ کا ذکر نہیں ہے اور مؤمنوں کے لیے جو آیت ذکر کی ہے اس سے پہلے واؤ کا ذکر ہے' علامہ ابوعبداللہ قرطبی اس کی توجیہ میں لکھتے ہیں:

کوفیوں نے کہا: مؤمنوں کی آیت میں جو واؤ مذکور ہے یہ زائد ہے اور بصریوں نے کہا: یہ کہنا خطاء ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ واؤ کو اس لیے ذکر کیا ہے کہ مؤمنوں کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے تاکہ مؤمنوں کی عزت اور کرامت ظاہر ہو اور اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے:

جَنّٰتِ عَدۡنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الۡاَبۡوَابُ ۞ (ص: ۵۰) دائمی جنتیں جن کے دروازے متقین کے لیے کھلے ہوئے ہوں گے ۞

اور کافروں کے حصہ میں واؤ کو حذف کر دیا گیا ہے' کیونکہ وہ دوزخ کے باہر کھڑے ہوں گے اور ان کے پہنچنے کے بعد دوزخ کے دروازے کھولے جائیں گے تاکہ ان کی ذلت اور رسوائی ظاہر کی جائے۔

النحاس نے کہا کہ کافروں کے قصہ میں واؤ کو حذف کرنا اور مؤمنوں کے قصہ میں واؤ کو ذکر کرنا' اس لیے ہے کہ کافروں کے آنے سے پہلے دوزخ کے دروازے بند تھے اور مؤمنوں کے آنے سے پہلے جنت کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ دوزخ کے سات دروازے ہیں اور جنت کے آٹھ دروازے ہیں اور عرب جب سات چیزوں کے بعد کسی آٹھویں چیز کا ذکر کریں تو اس کے ساتھ واؤ کا ذکر کرتے ہیں اور جب صرف سات چیزوں کا ذکر ہو تو اس کے ساتھ واؤ کا ذکر نہیں کرتے' اس کی مثال قرآن مجید میں بھی ہے:

" اَلتَّآئِبُوۡنَ الۡعٰبِدُوۡنَ الۡحٰمِدُوۡنَ السَّآئِحُوۡنَ الرّٰكِعُوۡنَ السّٰجِدُوۡنَ الۡاٰمِرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ " (التوبہ: ۱۱۲) یہ سات اوصاف ہیں' ان کے درمیان واؤ نہیں لیکن اس کے بعد جب آٹھواں وصف ذکر کیا تو اس کے بعد واؤ ہے: "والناھون عن المنکر"۔

اس کی دوسری مثال یہ ہے:

"مُسۡلِمٰتٍ مُّؤۡمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ " یہاں تک سات اوصاف بغیر واؤ کے ذکر فرمائے اور جب آٹھواں وصف آیا تو اس کو واؤ کے ساتھ ذکر فرمایا: " وَّاَبۡكَارًا ۞ " (التحریم: ۵)

اور اس کی تیسری مثال یہ ہے:

" وَسِيۡقَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوۡهَا فُتِحَتۡ اَبۡوَابُهَا " یہاں " فُتِحَتۡ " سے پہلے واؤ کا ذکر نہیں کیا کیونکہ جہنم کے سات دروازے ہیں' پھر فرمایا: " وَسِيۡقَ الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا رَبَّهُمۡ اِلَى الۡجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوۡهَا وَفُتِحَتۡ اَبۡوَابُهَا " یہاں " فُتِحَتۡ " سے پہلے واؤ کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں اور سات عدد ذکر کرنے کے بعد واؤ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ (الزمر: ۷۳-۷۱)

لیکن اس پر قفال اور قشیری وغیرہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ کہاں سے معلوم ہو گیا ہے کہ سات کا عدد ان کے نزدیک عدد کی انتہا ہے۔ نیز قرآن مجید میں ہے:

''هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ '' (الحشر:۲۳) اس آیت میں ''المتکبر'' آٹھواں لفظ ہے اور اس کو واؤ کے ساتھ ذکر نہیں کیا گیا۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۴۹' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۳۴۳)

سورۂ حشر کی آیت کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ اس قسم کے قواعد اکثری ہوتے ہیں' کلی نہیں ہوتے۔

جہنم کے سات دروازوں کا ذکر اس آیت میں ہے: ''لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ '' دوزخ کے سات دروازے ہیں۔ (الحجر:۴۴)

اور جنت کے آٹھ دروازوں کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو شخص بھی مکمل وضو کرنے کے بعد یہ پڑھے: ''اشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ '' اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں' وہ جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۴' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۷۰۔۱۶۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۴۸' جامع المسانید والسنن مسند عمر بن الخطاب رقم الحدیث: ۴۷۹)

پھر فرمایا: ''جنت کے محافظ ان سے کہیں گے: تم پر سلام ہو' تم پاک اور صاف ہو' تم اس جنت میں ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہو جاؤ ○ '' جنت کے محافظ ان کو سلام کہیں گے' اس میں ان کے لیے ہر قسم کی آفات سے سلامتی کی بشارت ہے' اس کا معنیٰ ہے: تم خطاؤں کی کدورت سے اور گناہوں کی خباثت سے پاک اور صاف ہو' تم اس جنت میں ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہو جاؤ' یعنی جنت میں گناہوں سے پاک لوگ ہی داخل ہوں گے اور اگر مؤمنوں کے گناہ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو دخول جنت سے پہلے گناہوں سے پاک کر دے گا' مؤمنوں کی توبہ سے' نبیوں کی خصوصاً سید الانبیاء کی شفاعت سے اور اپنے فضل محض سے یا کچھ سزا دے کر۔

الزمر: ۷۴ میں فرمایا: ''اور وہ کہیں گے: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہم سے کیا ہوا وعدہ سچا کر دیا اور ہم کو اس زمین کا وارث بنا دیا۔ ہم جہاں چاہیں جنت میں رہتے ہیں' پس (نیک) عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر ہے ○ ''

اس آیت میں فرمایا ہے: ''اس نے ہمیں زمین کا وارث بنا دیا'' اس زمین سے مراد جنت کی زمین ہے اور جنت کی زمین عطا کرنے کو حسب ذیل وجوہ سے وارث بنانے سے تعبیر فرمایا ہے۔

(۱) ابتداءً اس جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کو رکھا گیا تھا اور آخرت میں ان کی اولاد میں سے متقین ان کے وارث ہو کر جنت میں جائیں گے۔

(۲) جو شخص جس چیز کا وارث ہو وہ اس میں بلا روک ٹوک تصرف کرتا ہے اور متقین بھی جنت میں بلا روک ٹوک تصرف کریں گے' گویا کہ وہ جنت کے وارث ہیں۔

(۳) جنت میں بہت سی جنتیں وہ ہوں گی جو کافروں کے لیے بنائی گئی تھیں' اگر وہ ایمان لے آتے تو ان کو وہ جنتیں دے دی جاتیں' جب وہ ایمان نہیں لائے تو مسلمانوں کو ان کی چھوڑی ہوئی جنتوں کا وارث بنا دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے رسول مکرم! آپ دیکھیں گے کہ فرشتے عرش کے گرد حلقہ بنائے ہوئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر رہے ہیں اور ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور یہ کہا جائے گا کہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے ○ (الزمر:۷۵)

اس سے پہلی آیت میں مؤمنین کے ثواب کا ذکر فرمایا تھا اور اس آیت میں فرشتوں کے درجات کا ذکر فرمایا ہے' جس

طرح مؤمنین کا اعلیٰ مقام جنت ہے اسی طرح فرشتوں کا اعلیٰ مقام عرش ہے اور فرشتے عرش کے گرد اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کرتے رہتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا'' امام رازی نے کہا: یہ ضمیر فرشتوں کی طرف راجع ہے یعنی فرشتوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور وہ اس فیصلہ پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۸۱)

اور دیگر مفسرین نے کہا: اہل جنت اور اہل نار کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا یا انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا۔ جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ان کے حق میں گواہی دے گی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی گواہی کے برحق ہونے کی گواہی دیں گے اور مؤمنین کہیں گے: **الحمد لله رب العلمين۔**

سورۃ الزمر کا اختتام

آج بہ روز بدھ ۱۹ رجب ۱۴۲۴ھ/ ۱۷ ستمبر ۲۰۰۳ء بعد نماز عصر سورۃ الزمر کا اختتام ہو گیا' فالحمد للہ رب العلمین۔

اے بار الٰہ! جس طرح آپ نے یہاں تک قرآن مجید کی تفسیر مکمل کرادی ہے قرآن مجید کی بقیہ تفسیر بھی مکمل کرا دیں۔

اس سورت کی تفسیر کے دوران میری والدہ محترمہ شفیق فاطمہ رحمہا اللہ کا انتقال ہو گیا' انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ان کی' میرے والد کی' میری اور جملہ مؤمنین کی مغفرت فرمائے۔

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ○ (بنی اسرائیل: ۲۴) اے میرے رب! میرے والدین پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی ○

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ○ (ابراہیم: ۴۱) اے ہمارے رب! میری مغفرت فرما اور میرے والدین کی اور تمام مؤمنین کی جس دن حساب لیا جائے ○

میری والدہ بہت عابدہ اور زاہدہ تھیں اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتی تھیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی بہت مقربہ تھیں' میں ان سطور میں پہلے اپنی والدہ کی وفات کا ذکر کروں گا' پھر قرآن اور حدیث سے ماں کا مقام بیان کروں گا اور آخر میں وہ واقعات ذکر کروں گا جن سے ان کے مقربہ ہونے کا علم ہوتا ہے۔

مصنف کی والدہ کی وفات

۸ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ/ ۷ اگست ۲۰۰۳ء کو میری امی محترمہ شفیق فاطمہ رحمہا اللہ اس دار الفناء سے کوچ کر کے دار البقاء کی طرف روانہ ہو گئیں' انا لله وانا اليه راجعون' وفات کے وقت ان کی عمر تقریباً ۸۶ برس تھی اور اب میری عمر ۶۶ برس ہے' گویا ۶۶ برس تک میں ان کی شفیق نگاہوں اور مستجاب دعاؤں کے زیر سایہ رہا۔

وہ عابدہ زاہدہ خاتون تھیں' شب بیدار اور تہجد گزار تھیں' وہ اس آیت کا مصداق تھیں:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ (البقرہ: ۱۶۵) اور ایمان والے اللہ سے سب سے شدید محبت کرتے ہیں۔

وہ ہر نیک کام اور ہر نعمت خواہ کسی سے ملی ہو اس کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرتی تھیں' وہ نفل نماز پڑھ رہی ہوں یا اوراد اور وظائف پڑھ رہی ہوں' اس دوران کوئی ملنے آجائے تو وہ اس کی طرف بالکل التفات نہیں کرتی تھیں' ایک دفعہ وہ دن میں نوافل پڑھ رہی تھیں کہ میری خالہ (امی کی بڑی بہن) ان سے ملنے آگئیں' سلام پھیرنے کے بعد جب وہ دوبارہ نیت باندھنے لگیں تو خالہ بیگم نے ان سے کہا: ابھی تو تم نے نماز پڑھی تھی' پھر نماز پڑھنے لگیں' امی نے بہت ناگواری سے کہا: آپ میری نماز کو نہ ٹوکا کریں' ان کا سب سے زیادہ دل اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگتا تھا' انہوں نے اپنے بچپن سے قرآن مجید پڑھانا شروع

کیا اور وفات سے چند سال پہلے تک قرآن مجید پڑھاتی رہی' ان گنت لڑکوں اور لڑکیوں کو انہوں نے قرآن مجید پڑھایا' میں نے بھی قرآن مجید ان ہی سے پڑھا تھا اور جب تک ان کے پڑھائے ہوئے قرآن مجید پڑھتے رہیں گے ان کو ثواب پہنچتا رہے گا' وہ خود قرآن مجید کی بہت زیادہ تلاوت کرتی تھیں' ایک دن میں سترہ سترہ پارے تلاوت کر لیا کرتی تھیں' سورۂ یٰسین' سورۂ رحمان' سورۂ واقعہ' سورۂ ملک اور سورۂ مزمل بہت دل گداز اور دل سوز آواز میں پڑھتی تھیں' قاری غلام رسول صاحب کا ترتیل سے پڑھا ہوا قرآن مجید جو ۵۷ کیسٹ میں تھا' وہ میں نے امی کو لا کر دے دیا تھا' وہ قرآن مجید کو ان کیسٹس میں سنتی بھی تھیں' پھر جب ان کی نظر بہت کمزور ہو گئی اور وہ دیکھ کر قرآن مجید پڑھنے سے معذور ہو گئیں تو پھر وہ ان کیسٹس سے قرآن مجید سنتی رہتی تھیں' پھر ایک وقت آیا کہ ان کی سماعت اس قدر کمزور ہو گئی کہ وہ کیسٹس سے بھی نہیں سن سکتی تھیں اور ہر وقت ملول اور افسردہ رہتی تھیں کہ اب میں قرآن مجید پڑھ سکتی ہوں نہ سن سکتی ہوں' میں نے ان کو یہ حدیث سنائی:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے جسم میں کوئی بیماری ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے اعمال کی حفاظت کرنے والے فرشتوں سے فرماتا ہے: میرا بندہ جو نیک عمل کرتا تھا اس کے صحیفۂ اعمال میں ہر روز وہ عمل لکھتے رہو۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۶' المعجم الکبیر ج ۱۷ ص ۲۸۴)

نیز حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ کسی اچھے طریقے سے عبادت کر رہا ہو پھر وہ بیمار ہو جائے تو جو فرشتہ اس پر مامور ہے اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تندرستی کے ایام میں جو عمل کرتا تھا اس کا وہ عمل لکھتے رہو حتیٰ کہ وہ تندرست ہو جائے۔ (مسند احمد رقم الحدیث: ۶۸۹۵' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۰۳)

لیکن قرآن مجید پڑھنے اور سننے کی لذت سے جو وہ محروم ہو گئیں تھیں' اس کی وجہ سے ان کا غم نہیں جاتا تھا' اس کے بعد وہ ہر وقت تسبیح پڑھتی رہتی تھیں۔ اس کے باوجود وہ رات کو اٹھتی تھیں اور جس قدر ہو سکتا تھا اس قدر نمازیں پڑھتی تھیں' ان کو ۱۹۷۵ء سے شوگر ہو گئی تھی' وہ بہت سخت پرہیز کرتی تھیں' شوگر کی وجہ سے ان کو کوئی خطرناک عارضہ نہیں ہوا' آخری سات سالوں میں ان کی شوگر لو رہتی تھی اور ڈاکٹروں نے ان کی شوگر کنٹرول کرنے والی دوا بند کرا دی تھی' البتہ عمر کے تقاضے سے اور مقوی خوراک نہ کھا سکنے کی وجہ سے بے حد کمزور' نحیف اور لاغر تھیں۔

قرآن وحدیث سے ماں کا مقام

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِىْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِىْ وَلِوَالِدَيْكَ ۗ اِلَىَّ الْمَصِيْرُ ○ (لقمان: ۱۴)

اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا ہے' اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری برداشت کرتے ہوئے اس کو پیٹ میں اٹھایا اور اس کا دودھ چھوٹنا دو برس میں ہے (اور ہم نے یہ حکم دیا کہ) میرا اور والدین کا شکر ادا کرو' میری ہی طرف لوٹنا ہے ○

ماں اور باپ دونوں کی اطاعت واجب ہے' لیکن ماں کی اطاعت کا حق چار میں سے تین حصہ ہے اور باپ کی اطاعت کا حق ایک حصہ ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے نیک سلوک کا سب سے زیادہ کون مستحق ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری ماں' اس نے کہا: پھر کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری ماں' اس نے پوچھا: پھر کون ہے؟ فرمایا: تمہاری ماں! اس نے کہا: پھر کون ہے؟ فرمایا: تمہارا باپ۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۷۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۴۸)

حضرت جاہمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں جہاد کے لیے جانا چاہتا ہوں' آپ نے پوچھا: کیا تمہاری ماں ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: پھر اس کے ساتھ چمٹے رہو' کیونکہ جنت اس کے پیروں کے پاس ہے' وہ پھر دوبارہ کسی اور وقت گئے' پھر سہ بارہ کسی اور وقت گئے تو آپ نے یہی جواب دیا۔(سنن نسائی رقم الحدیث:۳۱۰۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۷۸۱' مسند احمد ج ۳ص ۴۲۹ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲۴ص ۲۹۹' رقم الحدیث:۱۵۵۳۸' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۹ھ' اس حدیث کی سند حسن ہے' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ص ۲۶' مصنف عبد الرزاق' رقم الحدیث:۹۲۹۰' تاریخ بغداد ج ۳ص ۳۴۴' المستدرک ج ۲ص ۱۰۴' شعب الایمان رقم الحدیث:۷۸۳۳' الاحاد والمثانی رقم الحدیث:۱۳۷۱' المعجم الکبیر رقم الحدیث:۲۲۰۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ص ۴۷۴' مشکوٰۃ رقم الحدیث:۲۹۳۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔
(جمع الجوامع ج ۴ص ۱۸۵' رقم الحدیث:۱۱۱۲۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنی ماں کی دو آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا تو یہ بوسہ اس کے لیے (دوزخ کی) آگ سے حجاب بن جائے گا۔(شعب الایمان ج ۶ص ۱۸۷' رقم الحدیث:۷۸۶۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے فوت شدہ جسم کو بوسہ دیا اور آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔
(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۱۶۳' سنن الترمذی رقم الحدیث:۹۸۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۴۵۶)

الحمد للہ رب العلمین! اللہ تعالیٰ کی توفیق سے میں نے ان تمام احادیث پر عمل کیا ہے' میں امی سے رخصت ہوتے وقت ہمیشہ ان کے پاؤں کو ہاتھ لگاتا تھا کہ یہ میری جنت ہیں اور ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیتا تھا اور ان کی وفات کے بعد کئی بار میں نے ان کے ماتھے پر اور ان کے پیروں پر بوسہ دیا' اس وقت وہ کفن میں ملفوف تھیں' ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور اشک بار آنکھوں سے ان کے لیے دعا کی اور تدفین کے بعد دعا کی' ان کی نماز جنازہ میں کثیر تعداد میں علماء اور طلباء شامل تھے اور ان سب کی آنکھوں میں آنسو تھے جن کی تعداد آٹھ سو کے لگ بھگ تھی اور اس میں بھی ان کی مغفرت کی بشارت ہے۔

جن احادیث سے امی کی مغفرت متوقع ہے

حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو مسلمان بھی فوت ہو اور اس کی نماز جنازہ میں چالیس مسلمان ایسے ہوں جو اللہ سے بالکل شرک نہ کرتے ہوں اللہ تعالیٰ اس میت کے حق میں ان کی شفاعت کو قبول فرمائے گا۔(صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۴۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۱۷۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۴۸۹' مسند احمد ج ۱ص ۲۷۷ طبع قدیم' مسند احمد ج ۴ص ۳۰۷ طبع جدید' رقم الحدیث:۲۵۰۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۳۰۸۲' المعجم الکبیر رقم الحدیث:۱۲۱۵۸' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۴ص ۳۰' شعب الایمان رقم الحدیث:۹۲۴۹' شرح السنۃ رقم الحدیث:۱۵۰۵' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث:۳۱۱۳)

میری امی جمعہ کی شب تقریباً ساڑھے گیارہ بجے رات فوت ہوئیں اور جمعہ کی شب فوت ہونے میں بھی ان کی مغفرت کی بشارت ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان بھی جمعہ کے دن فوت ہوتا ہے یا جمعہ کی شب فوت ہوتا ہے' اللہ اس کو قبر کے فتنہ سے محفوظ رکھتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۷۴' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۵۵۹۴' مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۹ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۱ ص ۱۴۷' رقم الحدیث: ۶۵۸۲' مؤسسۃ الرسالۃ ۱۴۲۰ھ' الترغیب والترہیب للمنذری ج ۴ ص ۳۷۳' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۱۳۶۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۰۴۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص جمعہ کے دن فوت ہو جائے اس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ (المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۲۷۱' الکامل لابن عدی ج ۷ ص ۲۵۵۴)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جمعہ کے دن فوت ہو یا جمعہ کی شب فوت ہو اس کو عذابِ قبر سے محفوظ رکھا جاتا ہے اور وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس پر شہداء کی مہر ہو گی۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۸۱' رقم الحدیث: ۳۶۲۹' تقریب البغیۃ ج ۱ ص ۴۳۳' رقم الحدیث: ۱۲۱۶)

جن واقعات سے امی کے مقرب ہونے کا پتا چلتا ہے

اللہ تعالیٰ کے نزدیک میری امی کا بہت بڑا درجہ تھا' اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں کو قبول فرماتا تھا اور ان کی خواہشوں کو بھی پورا فرماتا تھا' کوئی دس سال پہلے کی بات ہے' آدھی رات کو میری اچانک آنکھ کھل گئی اور دل میں سخت بے چینی تھی' لگتا تھا کہ کسی کی یاد آرہی ہے' میں سوچتا رہا کہ مجھے کس کی یاد آرہی ہے' کئی نام لیے لیکن دل مطمئن نہیں ہوا' آخر میں سوچا کہ امی کی وجہ سے دل بے چین ہے' میں نے فیصلہ کیا کہ کل میں امی کے پاس جاؤں گا' پھر دل مطمئن ہو گیا اور میں سو گیا' دوسرے روز میں امی کے پاس پہنچا تو امی نے کہا: میں نے رات کو تہجد میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ کل نجمی (میرا گھریلو نام) کو میرے پاس بھیج دینا۔

امی کی ایک خواہش تھی کہ ان کو چلتے پھرتے موت آئے' کسی کی محتاج نہ ہوں' سو ایسا ہی ہوا' ان کی خواہش تھی کہ ان کی وفات کے وقت ان کی بڑی بیٹی بھی موجود ہوں' مجھے رات 12 بجے موبائل پر فون کر کے میری چھوٹی بہن نے بتایا کہ امی کا انتقال ہو گیا' میں بڑی بہن کو فون کرتا رہا لیکن ان کا فون خراب تھا' انہوں نے نیا گھر لیا تھا' وہ میرا دیکھا ہوا نہیں تھا' بڑی مشکل سے رات کو اڑھائی بجے میں نے اپنی خالہ زاد بہن کو فون کر کے ان کا پتا معلوم کیا اور میں اپنے ایک کرم فرما محترم محمد شمیم خان کے ساتھ اللہ پر بھروسا کر کے رات تین بجے ان کا گھر ڈھونڈنے نکلا' ہم اس علاقہ میں گھر ڈھونڈ رہے تھے کہ ایک شخص جو دس سال پہلے شمیم صاحب کے ساتھ سعودی عرب میں کام کر چکا تھا وہ ان کی آواز سن کر چونکا اور اس نے شمیم صاحب کو پہچان لیا' وہ اس علاقہ میں رہتا تھا' اس کے تعاون سے ہم نے گھر ڈھونڈ لیا اور اس طرح حیرت انگیز طریقہ سے امی کی یہ خواہش پوری ہوئی اور میں نے بڑی بہن کو امی کے پاس پہنچا دیا۔

اس سلسلہ میں دوسری انہونی یہ ہوئی کہ میں رات کو اپنا موبائل آف کر دیتا تھا' امی کی وفات سے ایک ہفتہ پہلے میری چھوٹی بہن صبیحہ نے مجھے فون کر کے کہا کہ آپ موبائل آف نہ کیا کریں' پھر میں نے موبائل آف نہیں کیا' اگر اس رات میرا موبائل آف ہوتا تو رات بارہ بجے صبیحہ بہن مجھے مدرسے کے فون پر اطلاع دیتیں اور رات بارہ بجے مدرسہ کے فون کو اٹینڈ کرنے والا کوئی نہ ہوتا اور شاید پھر میرے بہنوئی امی کی تجہیز و تکفین کرتے اور مجھے یہ سعادت نہ ملتی اور امی کی یہ خواہش پوری نہ ہوتی کہ ان کی تجہیز و تکفین ان کے بیٹے کریں' وہ بار بار کہتی تھیں اور دعا کرتی تھیں کہ میرے بیٹے میری تجہیز و تکفین اور تدفین کریں۔

اس سلسلہ میں تیسری انہونی یہ ہوئی کہ میرے چھوٹے بھائی محمد خلیل' ریاض میں تھے' امی کی خواہش یہ تھی کہ ان کی تدفین میں ہم دونوں شریک ہوں' جمعہ کی شب رات بارہ بجے میرے پاس صبیحہ بہن کا فون آیا تھا کہ امی فوت ہو گئی ہیں' اس کے دس منٹ بعد میرے بھائی محمد خلیل کا فون آیا کہ آپ تدفین مؤخر کر دیں' میں ہر صورت ہفتہ کو کراچی پہنچوں گا' اگلے دن جمعہ تھا' جمعہ کو سعودی عرب میں تمام دفاتر بند ہوتے ہیں اور جب تک ان کے پاسپورٹ پر ایگزٹ ری اینٹری ویزا نہ لگ جائے وہ

سعودی عرب سے نکل نہیں سکتے تھے' بھائی کا پاسپورٹ کمپنی کے آفس میں تھا' اس کے لیے ایک فارم بھرنا پڑتا ہے' وہ فارم بھی آفس میں تھا' آفس جمعہ کی وجہ سے بند تھا' اس فارم پر ان کی کمپنی کے ڈائریکٹر کے دستخط ہونا لازمی تھے' وہ ڈائریکٹر اس وقت جرمنی میں تھا' اس کا موبائل نمبر بھائی کے پاس نہیں تھا' اس کے سیکرٹری کے پاس اس کے موبائل کا نمبر تھا' وہ جمعہ کی چھٹی کی وجہ سے اردن روانہ ہو چکا تھا نیز اس دن ریاض سے کراچی کی کوئی فلائٹ نہیں تھی' بہ ظاہر یہ ایسے عوارض تھے کہ بھائی کا ہفتہ کے دن کراچی پہنچنا ناممکن تھا اور ہم تدفین میں زیادہ تاخیر کرنا نہیں چاہتے تھے' لیکن اللہ اپنے نیک بندوں کی خواہش پوری کرنے کے لیے بڑی سے بڑی رکاوٹ دور کر دیتا ہے' بھائی کو معلوم ہوا کہ ڈائریکٹر کے سیکرٹری کی فلائٹ کسی وجہ سے ملتوی ہوگئی ہے' وہ بس سے اردن جا رہا تھا' بھائی نے اس کو موبائل پر فون کیا' اس نے ڈائریکٹر کا فون نمبر لیا' پھر ڈائریکٹر سے بات کی' اس نے غیر معمولی تعاون کیا' بھائی نے متعلقہ یمنی شخص کی مدد سے آفس کھلوایا' اپنا پاسپورٹ نکلوایا اور وہ فارم نکلوا کر عربی میں بھروایا' ادھر ان کی کمپنی کے ڈائریکٹر نے اپنے ایک دوست کے ذمہ لگایا تو وہ جمعہ کی نماز کے بعد بھائی کا پاسپورٹ لے کر پاسپورٹ آفس گیا' پاسپورٹ آفس کھلوا کر اس پر ری اینٹری ایگزٹ ویزا لگوایا اور شام چار بجے بھائی کو پاسپورٹ جس پر ایگزٹ ری اینٹری ویزا لگا ہوا تھا دے دیا' ریاض سے کراچی کی کوئی فلائٹ نہیں تھی' جدہ سے تھی' بھائی نے جدہ اپنے دوست کو فون کیا' انہوں نے بھائی کا ٹکٹ لیا' بھائی ریاض سے جدہ پہنچے اور جدہ ائر پورٹ پر اپنے دوست سے ٹکٹ لے کر جہاز میں سوار ہو گئے اور ہفتہ کو صبح ساڑھے چار بجے کراچی پہنچ گئے اور ساڑھے آٹھ بجے میں نے امی کی نماز جنازہ پڑھائی اور دس بجے ہم تدفین سے فارغ ہو گئے۔

امی کی تعزیت کے لیے کراچی کے جو مشاہیر اور قابل ذکر علماء میرے پاس آئے ان کے اسماء یہ ہیں: قائد ملت اسلامیہ سینیٹر علامہ شاہ احمد نورانی' مفتی محمد حسن حقانی' شاہ فرید الحق' مفتی منیب الرحمٰن' مہتمم دار العلوم نعیمیہ' مولانا غلام محمد سیالوی' مولانا غلام دستگیر افغانی' مولانا غلام ربانی' مفتی محمد اطہر نعیمی' مولانا جمیل احمد نعیمی' علامہ خالد محمود سیالوی' مفتی محمد اسماعیل نورانی' مولانا سید ناصر علی قادری' مفتی رفیق حسنی' مفتی منظور احمد فیضی' مفتی ابوبکر صدیق' مفتی فیض رسول' مولانا محمد الیاس رضوی اور کراچی کے دینی مدارس کے دیگر علماء اور فضلاء' صاحب زادہ محمد حبیب الرحمٰن نے بریڈ فورڈ برطانیہ سے اور ثمینہ بہن اور مولانا عبد المجید نے برسٹل برطانیہ سے اور سید محسن اعجاز نے لاہور سے ٹیلی فون کے ذریعہ تعزیت کی' مولانا الیاس قادری بانی دعوت اسلامی نے دبئی سے مکتوب بھیجا' مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری' ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی' مولانا محب اللہ نوری نے بصیر پور سے' مولانا غلام نصیر الدین نے لاہور سے' مولانا محمد حفیظ نیازی ایڈیٹر ماہنامہ رضاء مصطفیٰ نے گوجرانوالہ سے' مولانا محمد عارف چشتی نے لندن سے اور دیگر احباب نے تعزیتی مکاتب لکھے' میں ان سب علماء اور احباب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میری غم گساری کی' میں اپنے قارئین سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ ایک بار سورۂ فاتحہ اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر میری امی کو ثواب پہنچائیں اور ان کے لیے دعائے مغفرت کریں۔

اور آخر میں مولانا محمد نصیر اللہ نقشبندی' محترم محمد شمیم خان اور مولانا محمد اعظم نورانی صاحب کے لیے دعا کرتا ہوں جو آدھی رات کو اٹھ کر نماز فجر تک امی کی تجہیز و تکفین کے سلسلہ میں میرے ساتھ رہے اور سید معراج بھائی کے لیے دعا کرتا ہوں جنہوں نے تدفین کے مراحل میں میری مدد کی اور خصوصاً شفیق بھائی کے لیے دعا گو ہوں جنہوں نے قدم قدم پر میری غم گساری کی۔ قاری عامر حسین' سید محمد علی' مولانا عبد المجید ہزاروی' مولانا وکیل حسین' حافظ اکرام اللہ' حافظ محمد اویس' حافظ محمد جمشید' حافظ محمد فاروق' بابر نفیس' سید امجد اور سید عمیر کے لیے دعا گو ہوں جنہوں نے اس سلسلہ میں بہت تعاون کیا۔

سُورَةُ المُؤمِن

(۴۰)

سُورَةُ حٰمٓ السَّجدَةِ

(۴۱)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

المؤمن

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کے دو مشہور نام ہیں: المومن اور الغافر' برصغیر کے مطبوعہ قرآن مجید کے نسخوں میں اس کا نام المؤمن ہے اور عرب ممالک کے مطبوعہ نسخوں میں اور عربی تفاسیر میں اس کا نام الغافر ہے۔ المومن کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت کی ایک آیت میں ہے:

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ.

آل فرعون میں سے وہ مرد مومن کہنے لگا جو اپنے ایمان کو مخفی رکھتا تھا کہ کیا تم ایک شخص کو اس لیے قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ (المومن:۲۸)

اور سورت کا نام الغافر رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں ایک آیت یہ ہے:

غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِى الطَّوْلِ. (المومن:۳)

گناہوں کو بخشنے والا اور توبہ کو قبول فرمانے والا' سخت عذاب والا' قدرت والا۔

ہر چند کہ المومن اور الغافر کے الفاظ دیگر سورتوں میں بھی ہیں' لیکن ہم کئی بار ذکر کر چکے ہیں کہ وجہ تسمیہ جامع مانع نہیں ہوتی۔ اس سورت کا نام المؤمن اور الغافر رکھنے کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ اس سورت میں یہ الفاظ آ گئے ہیں۔

المؤمن کے بعد چھ سورتیں ہیں' سب کی ابتداء حٰمٓ (حامیم) سے ہوئی ہے' سو سات سورتوں کی ابتداء حٰمٓ سے ہوئی ہے۔

وہ سورتیں یہ ہیں:

(۱) المومن (۲) حٰمٓ السجدہ (۳) الشوریٰ (۴) الزخرف (۵) الدخان (۶) الجاثیہ (۷) الاحقاف

المومن اور دیگر الحوامیم کے متعلق احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات الحوامیم مکہ میں نازل ہوئی ہیں۔

امام ابن مردویہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تورات کے بدلہ میں مجھے سات چیزیں عطا فرمائیں اور انجیل کے بدلہ میں ۱۴۱ الرا آت سے الطواسین تک عطا فرمائیں اور زبور کے بدلہ میں الطواسین سے الحوامیم تک عطا فرمائیں اور مجھے الحوامیم اور المفصل سے فضیلت دی اور مجھ سے پہلے ان کو کسی نبی نے نہیں پڑھا۔ (الدر المنثور ج ۷ ص ۲۳۲' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو اپنے اہل کے لیے کوئی گھر ڈھونڈنے کے لیے نکلا' وہ ایک سبزہ زار قطعہ کے پاس سے گزرا' وہ اس کی خوب صورتی پر تعجب کر رہا تھا کہ وہ سرسبز باغات سے گزرا' اس نے کہا: میں تو پہلی جگہ کی خوب صورتی پر تعجب کر رہا تھا' یہ تو اس سے بھی زیادہ خوب صورت ہے' تو اس سے کہا گیا کہ پہلا قطعہ زمین قرآن مجید کی مثل ہے اور یہ باغات قرآن مجید میں الحوامیم کی مثل ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۶۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

امام عبدالرحمان الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ نے کہا: یہ حدیث موضوع ہے۔ (الموضوعات ج ۱ ص ۲۴۰)

امام ابوعبید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ہر چیز کا ایک مغز ہوتا ہے اور قرآن کریم کا مغز الحوامیم ہیں۔ (فضائل القرآن ص ۲۵۴' الاتقان ج ۲ ص ۳۵۸' دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: الحوامیم قرآن کا دیباچہ ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۱۵۳' کراچی' مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۰۲۸۳ بیروت' فضائل القرآن ص ۲۵۵' مصنف عبد الرزاق ج ۳ ص ۳۸۱' رقم الحدیث: ۶۰۳۸۱' المستدرک ج ۲ ص ۴۳۷' شعب الایمان ج ۲ ص ۴۸۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص صبح اٹھ کر آیۃ الکرسی پڑھے اور ''حٰم تنزیل الکتاب من اللہ العزیز العلیم '' سے دو آیتیں پڑھے' اس دن صبح و شام تک اس کی حفاظت کی جائے گی اور اگر اس نے شام کو ان آیتوں کو پڑھا تو شام سے صبح تک اس کی حفاظت کی جائے گی۔ (شعب الایمان ج ۲ ص ۴۸۳' رقم الحدیث: ۲۴۷۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۰ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے صبح اٹھ کر آیۃ الکرسی اور حٰم سے لے کر ''الیہ المصیر '' (المؤمن: ۳۔۱) تک پڑھا اس کی صبح سے شام تک حفاظت کی جائے گی اور جس نے ان کو شام میں پڑھا اس کی صبح تک حفاظت کی جائے گی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۷۹' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۳۳۸۹' العقیلی ج ۲ ص ۳۲۵' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۱۹۸)

المؤمن کی الزمر سے مناسبت

سورۂ الزمر میں بھی زیادہ تر یوم قیامت کے احوال اور حشر کے دن کافروں کے عذاب کی کیفیت اور مؤمنوں کی جزاء کی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے اور اس سورت کا بھی یہی موضوع ہے۔

سورۂ الزمر کے آخر میں کفار کی سزا اور متقین کی جزاء کا ذکر ہے اور یہ سورت اس آیت سے شروع ہوتی ہے کہ اللہ گناہوں کو بخشنے والا ہے' تاکہ کافر کو ایمان لانے کی ترغیب ہو اور کفر کو ترک کرنے کی تحریص اور تحریک ہو۔

سورۃ المؤمن کے مشمولات

سورۂ المؤمن اور باقی الحوامیم مکی سورتیں ہیں اور ان میں دیگر مکی سورتوں کی طرح عقیدہ توحید پر زور دیا گیا ہے اور توحید کے منکروں کو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ جو کفار فرشتوں کی شفاعت کی امید پر بت پرستی پر جمے ہوئے تھے' ان کا رد فرمایا ہے۔

قیامت کے دن مشرکوں کا کیا حال ہوگا' وہ اپنے جرائم کا اعتراف کر لیں گے اور مشرکوں کی شفاعت کوئی نہیں کر سکے گا' گزشتہ اقوام کا تذکرہ جنہوں نے رسولوں کی تکذیب کی' پھر ان پر آسمانی عذاب آ کر رہا۔ اس میں قریش کو تنبیہ کی ہے کہ اگر تم نے بھی یہی روش برقرار رکھی تو تمہارا بھی یہی حال ہوگا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو یہ بتایا ہے کہ اسلام کی دعوت

کے سلسلہ میں آپ کو جو مشکلات پیش آ رہی ہیں ان کو صبر و استقلال کے ساتھ برداشت کریں' آپ اپنے مؤقف پر قائم رہیں' بالآخر کامیابی اور سرفرازی آپ کو ہی حاصل ہوگی' اسی کے ضمن میں خاندان فرعون کے ایک مرد مومن کا ذکر فرمایا' جب فرعون نے حضرت موسیٰ کو قتل کرنا چاہا تو اس نے تمام خطرات سے بے نیاز ہو کر واشگاف الفاظ میں کہا: کیا تم اس لیے ایک شخص کو قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے' اس میں ان لوگوں کو سرزنش ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو برحق جاننے کے باوجود آپ کا کھل کر اس لیے ساتھ نہیں دے رہے تھے کہ ان کو قریش کی طاقت سے خطرہ تھا' ایسے لوگوں کو آل فرعون کے اس مومن کی جرأت سے سبق حاصل کرنا چاہیے' قریش کا یہ جتھ فرعون سے زیادہ طاقت ور نہ تھا' آخر میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ذات و صفات پر دلائل پیش کیے گئے ہیں اور کافروں کو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

سورۃ المؤمن کا ترتیب مصحف کے اعتبار سے نمبر ۴۰ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ۶۰ ہے۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے سورۃ المؤمن کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔

الٰہ العٰلمین! اے میرے رب! مجھے اس سورت کی تفسیر میں حقائق اور معارف سے آگاہی بخشنا اور ان کو اس کتاب میں درج کرا دینا اور امور باطلہ کا بطلان مجھ پر منکشف کرنا اور ان کو اس کتاب میں درج کرنے سے مجھ کو مجتنب رکھنا اور محض اپنے فضل و کرم سے میری مغفرت فرما دینا۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين والصلوٰة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين قائد الغر المحجلين' شفيع المذنبين وعلى اله الطيبين واصحابه الراشدين وعلى ازواجه امهات المؤمنين وعلى جميع المسلمين الى يوم الدين۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ
۲۰ رجب ۱۴۲۴ھ/ ۱۸ ستمبر ۲۰۰۳ء
خادم الحدیث دار العلوم النعیمیہ' کراچی-۳۸
موبائل نمبر: ۰۳۰۰_۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۴۵_۲۱۲۰۶۱۷
۰۳۲۱_۲۰۲۱۷۴۴

رکوعاتها ۹ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ

سورۃ المومن مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے O اس میں پچاسی آیتیں اور نو رکوع ہیں

حٰمٓ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ② غَافِرِ الذَّنْۢبِ

حامیم O اس کتاب کو نازل کرنا اللہ کی طرف سے ہے جو بہت غلبہ والا' بے حد علم والا ہے O گناہوں کو بخشنے والا

وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

اور توبہ قبول فرمانے والا' بہت سخت عذاب دینے والا' صاحب فضل ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے'

اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ③ مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے O اللہ کی آیتوں میں صرف کفار جھگڑا کرتے ہیں' سو شہروں میں ان کے چلنے پھرنے سے

فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ④ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ

اے مخاطب! تم دھوکے میں نہ آنا O ان سے پہلے نوح کی قوم نے

وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۠ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ

اور ان کے بعد دیگر گروہوں نے تکذیب کی تھی اور ہر امت نے اپنے رسول پر قابو پانے

لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ

کا ارادہ کیا تھا اور باطل باتوں سے جھگڑا کیا تھا تاکہ وہ اس کے ذریعہ حق کو مغلوب کر دیں' پس میں نے ان کو اپنی

فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ⑤ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ

گرفت میں لے لیا تو کیسا تھا میرا عذاب O اور اسی طرح آپ کے رب کا فیصلہ کفار کے خلاف ثابت ہو گیا

كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ⑥ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ

کہ وہ دوزخی ہیں O وہ فرشتے جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گرد

حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ

ہیں وہ سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اس پر ایمان

وقف لازم

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ

رکھتے ہیں اور مؤمنوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں' اے ہمارے رب! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز کو محیط ہے سو تو ان

لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝۷

لوگوں کی مغفرت فرما جنہوں نے توبہ کی ہے اور تیرے راستہ کی اتباع کی ہے اور تو ان کو دوزخ کے عذاب سے بچا لے O

رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ

اے ہمارے رب! تو ان کو دائمی جنتوں میں داخل فرما دے جن کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور ان کے باپ دادا

مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ

اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے بھی جو مغفرت کے لائق ہوں' بے شک تو بہت غالب

الْحَكِيْمُ ۝۸ ۙ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ

اور بے حد حکمت والا ہے O اور تو ان کو گناہوں سے بچا اور اس دن تو جس کو گناہوں کے عذاب سے بچا لے گا

رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۹ ع

تو بے شک تو نے اس پر رحم فرمایا اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حامیم O اس کتاب کو نازل کرنا اللہ کی طرف سے ہے' جو بہت غلبہ والا بے حد علم والا ہے O گناہوں کو بخشنے والا اور توبہ قبول فرمانے والا' بہت سخت عذاب دینے والا' صاحب فضل ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' اسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے O (المومن: ۳۔۱)

حٰمٓ کا معنی

حٰمٓ کے معنی میں اختلاف ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: الٓر' حٰمٓ' ن کا مجموعہ الرحمٰن ہے۔

حضرت ابن عباس کی دوسری روایت ہے: حٰمٓ سے اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے اور یہ اللہ عزوجل کے اسماء میں سے ایک اسم ہے' قتادہ نے کہا: یہ حٰمٓ قرآن مجید کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ (جامع البیان جز ۲۴ ص ۵۱۔۵۰' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مہلب بن ابی صغرہ اس شخص سے روایت کرتے ہیں جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اگر دشمن تم پر شب خون مارے تو تم یہ کہو: "حٰمٓ لا ینصرون" (حٰمٓ اللہ کے دشمنوں کی مدد نہ کی جائے)۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۹۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۸۲' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۹۴۶۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۴۱۴' مسند احمد ج ۴ ص ۶۵' المنتقی رقم الحدیث: ۱۰۶۳' المستدرک ج ۲ ص ۱۰۷)

حم سے اللہ کی حمایت کی طرف اشارہ ہے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد میں فرمایا تھا: "حم لا ینصرون"۔ اللہ کی حمایت کی وجہ سے دشمنوں کی مدد نہیں کی جائے گی کیونکہ اللہ مؤمنین کا مولی اور مددگار ہے اور کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں ہے اس لیے مؤمنوں کو اللہ تعالیٰ کی عنایت اور حمایت حاصل ہوگی۔

امام ابومنصور ماتریدی متوفی ۳۳۵ھ نے کہا ہے کہ ح اور میم رحمٰن کے درمیانی حرف ہیں اور محمد میں بھی ح اور میم درمیانی حرف ہیں۔ سو حم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کے اسماء کے درمیانی حرف ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان وہ راز ہے جس تک کسی مقرب فرشتہ کی رسائی ہے نہ کسی نبی مرسل کی۔ (التاویلات النجمیہ)

العزیز اور العلیم کا معنیٰ

المومن :۲ میں العزیز اور العلیم کے الفاظ ہیں۔

العزیز کے دو معنیٰ ہیں: ایک معنیٰ ہے غالب یعنی ایسا قادر کہ کوئی شخص بھی قدرت میں اس کے مساوی نہ ہو اور دوسرا معنیٰ ہے: جس کی کوئی مثل نہ ہو اس کے بعد دوسری صفت العلیم کو ذکر فرمایا ہے اور یہ عالم کا مبالغہ ہے یعنی بہت بڑا عالم جو تمام معلومات کو محیط ہو اللہ تعالیٰ کے علم کی چھ خصوصیات ہیں: (۱) اس کا علم ذاتی ہے یعنی کسی سے حاصل شدہ نہیں ہے (۲) اس کا علم غنی ہے یعنی کسی آلہ کا یا غور و فکر کا محتاج نہیں ہے (۳) اس کا علم ازلی و ابدی ہے اس کی کوئی ابتداء ہے نہ انتہاء ہے (۴) اس کا علم واجب ہے یعنی اس کے علم کا ہونا ضروری ہے اور نہ ہونا محال ہے (۵) اس کا علم دائمی ہے اس میں تبدل و تغیر محال ہے (۶) اس کا علم انتہائی کامل ہے یعنی ہر معلوم کی ذات ذاتیات صفات لازمہ مفارقہ اضافیہ سب کا اسے تفصیلی علم ہے مثلاً ایک ذرہ کو کتنے انسانوں نے دیکھا کتنے پرندوں نے دیکھا کتنے چرندوں نے دیکھا اس پر کتنے ہوا کے جھونکے گزرے کتنے بارش کے قطرے برسے وہ کتنی چیزوں کے سامنے رہا کتنی چیزوں کے پیچھے رہا کتنی چیزوں کے اوپر کتنی چیزوں کے نیچے کتنی چیزوں کے دائیں اور کتنی چیزوں کے بائیں رہا۔ غرض اللہ تعالیٰ کو ایک ذرہ کا بھی غیر متناہی در غیر متناہی وجوہ سے علم ہے اور اس کا علم انسان کی عقل میں آ ہی نہیں سکتا اور ایک ذرہ کے علم میں بھی کوئی اللہ تعالیٰ کے علم کا مماثل نہیں ہے۔

المومن :۳ میں غافر الذنب ' قابل التوب ' شدید العقاب اور ذی الطول کے الفاظ ہیں۔

غافر الذنب قابل التوب اور شدید العقاب کے معانی

غافر کے معنیٰ ہیں: ساتر یعنی چھپانے والا ہر چند کہ یہ اسم فاعل کے وزن پر ہے لیکن یہ صفت مشبہ ہے۔ کیونکہ اسم فاعل کے معنیٰ میں حدوث ہوتا ہے اور صفت مشبہ کے معنیٰ میں ثبوت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت حادث نہیں ہے اس کی ہر صفت دائمی اور باقی ہے اللہ تعالیٰ مؤمنوں کی خطاؤں اور ان کے گناہوں کو چھپانے والا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

اور ذنب کے معنیٰ ہیں: اثم اور جرم ہر وہ فعل جو گرفت اور عذاب کا مستحق ہو اس کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو چھپانے والا ہے خواہ وہ گناہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ بندہ کی توبہ کی وجہ سے ان کو چھپالے یا مقربین کی شفاعت کی وجہ سے یا اپنے فضل محض سے اور جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے گناہوں کو چھپالے گا تو پھر وہ اپنے بندے کو قیامت کے دن شرمندہ ہونے نہیں دے گا۔

قابل کے معنیٰ ہیں: کسی چیز کو پکڑنے والا جیسے کوئی شخص کنوئیں سے ڈول کو نکال کر پکڑ لیتا ہے اور اس کا معنیٰ ہے: عذر قبول کرنے والا شریعت میں توبہ کا معنیٰ ہے: گناہ کے کام کو اس کے قبح کی وجہ سے ترک کر دینا اور گناہ کرنے پر نادم ہونا اور اس کام کے دوبارہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرنا اور اس گناہ کی بہ قدر امکان تلافی کرنا اور جب یہ چاروں شرائط پائی جائیں گی تو توبہ مکمل ہو جائے گی اور استغفار کا معنیٰ ہے: معصیت کی برائی سمجھنے کے بعد اس کے فعل پر مغفرت طلب کرنا اور معصیت سے اعراض

کرنا' پس استغفار توبہ کرنے کے بعد کیا جاتا ہے۔

شدید العقاب کا معنیٰ ہے بہت سخت عذاب دینے والا' اللہ تعالیٰ مؤمنوں کے لیے **غافر الذنب** اور **قابل التوب** ہے اور کفار کے لیے **شدید العقاب** ہے' اوران کے لیے جو اپنے گناہوں پر اصرار کرتے ہیں اور توبہ نہیں کرتے۔

ذی الطول کا معنیٰ ہے: بہت عظیم فضل والا' بندہ اپنے گناہوں کی وجہ سے عذاب کا مستحق ہوتا ہے' لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل کی وجہ سے اس کو معاف فرما دیتا ہے' اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے لیے غافر الذنب ہے' ان کی توبہ قبول فرمالیتا ہے اور ان کو ان کی توبہ میں اخلاص کی توفیق دیتا ہے' کیونکہ اس کے نیک بندے اس کے لطف کے مظاہر ہیں اور جو لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے اور اس کے حضور توبہ نہیں کرتے اور گناہوں پر اصرار کرتے ہیں ان کے لیے شدید العقاب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ کی آیتوں میں صرف کفار جھگڑا کرتے ہیں' سو شہروں میں ان کے چلنے پھرنے سے اے مخاطب! تم دھوکے میں نہ آناO ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور ان کے بعد دیگر گروہوں نے تکذیب کی تھی اور ہر امت نے اپنے رسول پر قابو پانے کا ارادہ کیا تھا اور باطل باتوں سے جھگڑا کیا تھا تاکہ وہ اس کے ذریعہ حق کو مغلوب کر دیں۔ پس میں نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا تو کیسا تھا میرا عذابO اور اسی طرح آپ کے رب کا فیصلہ کفار کے خلاف ثابت ہو گیا کہ وہ دوزخی ہیںO

(المومن: ٦۔٤)

جدال کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور جدال کی اقسام

المومن: ۴ میں فرمایا: ''اللہ کی آیتوں میں صرف کفار جدال کرتے ہیں''۔

جدل کا لغوی معنی ہے: ''رسی بٹنا اور عرف میں' اس کا معنی ہے: کسی شخص کی رائے کو دلائل الزامیہ سے اپنے موقف کی طرف پھیرنے کی کوشش کرنا' جھگڑا کرنے کو جدال کہتے ہیں۔ یعنی جب مباحثہ سنجیدگی کی حدود سے متجاوز ہو کر جھگڑے میں داخل ہو جائے تو یہ جدال ہے' اللہ تعالیٰ کی ذات میں اور قرآن مجید کی آیتوں میں جدال کرنا کفر ہے۔

قرآن مجید کی آیتوں میں جدال یہ ہے کہ جیسا کہ کفار نے کہا: قرآن مجید میں مکھی اور مکڑی کا ذکر ہے اور یہ بہت چھوٹی چھوٹی اور حقیر چیزیں ہیں اور ان کا ذکر کرنا اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں اور انہوں نے کہا: قرآن میں شجرۃ الزقوم کا ذکر ہے کہ وہ دوزخ میں درخت ہے اور درخت لکڑی کا ہوتا ہے تو لکڑی آگ میں کیسے رہ سکتی ہے اور انہوں نے قرآن مجید کو سحر اور شعر کہا اور قرآن مجید میں اس طرح جدال کرنا کفر ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**جدال فی القران کفر**'' قرآن مجید میں جدال کرنا کفر ہے۔ بخاری اور مسلم کی شرائط کے موافق اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ١٠ص ٥٢٩' مسند احمد ج ۲ص ۴۹۴ طبع قدیم' مسند احمد ج ١۲ص ۴٧٦' رقم الحدیث: ٧٥٠٨' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ١۴۲٠ھ' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ٥٨٩٧' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ٥٧۴)

اس طرح ایک اور حدیث میں حضرت ابوجہیم رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد روایت کیا ہے:

لا تماروا فی القران فان مراء فیه کفر. قرآن کریم میں بحث اور جھگڑا نہ کرو' کیونکہ قرآن کریم میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔

(مسند احمد ج ۴ص ١٧٠ قدیم' مسند احمد ج ۲۹ص ٨٥' رقم الحدیث: ١٧٥۴۲' مصنف ابن ابی شیبہ ج ١٠ص ٥۲٨' المعجم الکبیر ج ٥' رقم الحدیث: ۴۹١٦' مجمع الزوائد ج ١ص ١٥٧' حلیۃ الاولیاء ج ۹ص ۲١٦' کنز العمال رقم الحدیث: ۲٨٦٠)

اور جو جدال جائز بلکہ بعض اوقات مستحب اور بعض اوقات واجب ہے' وہ یہ ہے کہ حق کو ثابت کرنے کے لیے اور باطل کا رد کرنے کے لیے کافروں اور بے دینوں سے جدال کیا جائے' قرآن مجید میں ہے:

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ . (النحل: ۱۲۵) اور ان سے عمدہ طریقہ سے بحث کیجئے۔

اس کے بعد فرمایا: ''سو شہروں میں ان کے چلنے پھرنے سے اے مخاطب! تم دھوکے میں نہ آنا''۔

مشرکین مکہ تجارت اور کسب معاش کے لیے مکہ سے نکل کر دوسرے شہروں کا سفر کرتے ہیں اور بہت آرام اور اطمینان اور خوش حالی کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں اور انہیں کسی آفت اور مصیبت کا سامنا نہیں ہوا' اس سے اے مخاطب! تم یہ نہ سمجھنا کہ میں ان سے راضی اور خوش ہوں' بلکہ میں نے ان کو مہلت دی ہوئی ہے اور اگر یہ اپنی اسی روش پر قائم رہے تو میں وقت آنے پر ان کو اپنی گرفت میں لے لوں گا۔

المومن: ۵ میں فرمایا: ''ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور ان کے بعد دیگر گروہوں نے تکذیب کی تھی اور ہر امت نے اپنے رسول پر قابو پانے کا ارادہ کیا تھا اور باطل باتوں سے جھگڑا کیا تھا تاکہ وہ اس کے ذریعہ حق کو مغلوب کر دیں' پس میں نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا تو کیسا تھا میرا عذاب O''

یعنی پچھلی قوموں کے کافروں نے بھی اللہ تعالیٰ کے پیغام کے خلاف باطل شبہات پیش کر کے حق کی تکذیب کی تھی سو یہ بھی اس طرح کر رہے ہیں' پھر میں نے ان پر ایسا عذاب بھیجا جس نے ان کو جڑ سے اکھاڑ کر رکھ دیا' پس اگر کفار مکہ بھی اپنی اسی روش پر برقرار رہے اور قرآن مجید میں جدال کرنے پر اصرار کرتے رہے تو میں ان پر بھی ایسا ہی عذاب نازل کروں گا۔

المومن: ۶ میں فرمایا: ''اور اسی طرح آپ کے رب کا فیصلہ کفار کے خلاف ثابت ہو گیا کہ وہ دوزخی ہیں''۔

یعنی جس طرح سابقہ امتوں کے مسلسل انکار اور ان کی ہٹ دھرمی کی بناء پر ان کے متعلق آپ کے رب نے ان کے دوزخی ہونے کا فیصلہ فرما دیا تھا اسی طرح مشرکین مکہ میں سے جو مسلسل ہٹ دھرمی کر رہے ہیں اور آپ کی طرف رجوع نہیں کر رہے' آپ کے رب نے ان کے دوزخی ہونے کا بھی فیصلہ فرما دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ فرشتے جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو ان کے گرد ہیں وہ سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور مؤمنوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں: اے ہمارے رب! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز کو محیط ہے' سو تو ان لوگوں کی مغفرت فرما جنہوں نے توبہ کی ہے اور تیرے راستہ کی اتباع کی ہے اور تو ان کو دوزخ کے عذاب سے بچا لے O اے ہمارے رب! تو ان کو دائمی جنتوں میں داخل فرما دے جن کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور ان کے باپ دادا اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے بھی جو مغفرت کے لائق ہوں' بے شک تو بہت غالب اور بے حد حکمت والا ہے O اور تو ان کو گناہوں سے بچا اور اس دن تو جس کو گناہوں کے عذاب سے بچا لے گا تو بے شک تو نے اس پر رحم فرمایا اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے O (المومن: ۹۔۷)

ربط آیات

اس سے پہلی آیتوں میں یہ بتایا تھا کہ کفار اور مشرکین مومنوں سے بہت زیادہ عداوت اور دشمنی رکھتے ہیں اور ان کی بد خواہی میں لگے رہتے ہیں اور ان آیتوں میں یہ بتایا کہ ملائکہ مقربین اور حاملین عرش جو بہت افضل مخلوق ہیں' وہ مومنوں سے بہت الفت اور محبت رکھتے اور ان کی خیر خواہی میں مشغول رہتے ہیں گویا کہ یہ بتایا کہ اگر یہ مشرکین آپ کے متبعین کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتے ہیں تو آپ پرواہ نہ کریں کیونکہ افضل اور اعلیٰ مخلوق آپ کے پیروکاروں کو فائدہ پہنچانے کی کوشش

...گے رہتے ہیں۔

حاملین عرش کی صورت اوران کی تعداد

علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ حاملین عرش کے پیر سب سے نچلی زمین میں ہیں اوران کے سر عرش سے اوپر نکلے ہوئے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے ڈر سے نظریں اوپر نہیں اٹھا رہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم اپنے رب کی عظمت میں تفکر نہ کرو' لیکن اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ملائکہ میں تفکر کرو۔ کیونکہ ملائکہ میں سے ایک مخلوق ہے جس کو اسرافیل کہا جاتا ہے' عرش کے کونوں میں سے ایک کونا اس کی گدی پر ہے اوراس کے دونوں قدم سب سے نچلی زمین پر ہیں اوراس کا سر سات آسمانوں سے باہر نکلا ہوا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے بہت حقیر اور چھوٹا ہو جاتا ہے' حتیٰ کہ چڑیا کے برابر ہو جاتا ہے اور حدیث میں ہے:

اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ حاملین عرش کو سلام کیا کریں اورایک قول یہ ہے کہ عرش کے گرد ستر ہزار فرشتوں کی صفیں ہیں' انہوں نے اپنے کندھوں پر اپنے ہاتھ رکھے ہوئے ہیں اور وہ بہ آواز بلند لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر پڑھ رہے ہیں اور ان کے پیچھے اور ستر ہزار فرشتے صف باندھے ہوئے ہیں اوران میں سے ہر ایک ایسی تسبیح کر رہا ہے جو دوسرا نہیں کر رہا۔

(الکشاف ج ۴ص ۱۵۶۔۱۵۵' تفسیر کبیر ج ۹ص ۴۸۷' الجامع لا حکام القرآن جز ۱۵ص ۲۶۳' کتاب العظمۃ ص ۱۰۷' الکشف والبیان للثعلبی ج ۸ص ۲۶۶)

اس حدیث کی سند بہت ضعیف ہے' اس کا ایک راوی یحییٰ بن سعید الحمصی ہے' وہ متروک اور متہم ہے اوراس کا ایک راوی احوص بن حکیم ہے' وہ بھی متروک ہے۔ احادیث مرفوعہ میں اس متن کی کوئی اصل نہیں ہے۔

علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی متوفی ۹۰۲ ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

اس نوع کی متعدد احادیث ہیں اور سب کی اسانید ضعیف ہیں۔ (المقاصد الحسنۃ ص ۱۷۳' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی متوفی ۱۱۶۲ھ نے بھی یہی لکھا ہے۔ (کشف الخفاء ومزیل الالباس ج ۱ص ۳۱۱' مکتبۃ الغزالی' دمشق)

قرآن مجید اور حدیث صحیح میں یہ تصریح ہے کہ حاملین عرش کی تعداد آٹھ ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَّالْمَلَكُ عَلٰۤى اَرْجَآئِهَا ۚ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ؕ○ (الحاقہ: ۱۷)

آسمانوں کے کناروں پر فرشتے ہوں گے اور آپ کے رب کے عرش کو اس دن آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے○

اور حدیث میں ہے:

حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں بطحاء میں تھا' وہاں ایک جماعت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے' ناگاہ ایک بادل گزرا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھ کر پوچھا: تم اس کو کیا کہتے ہو؟ مسلمانوں نے کہا: سحاب' آپ نے فرمایا: اور مزن بھی کہتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں: مزن بھی کہتے ہیں۔ فرمایا: اور عنان بھی کہتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں! ہم عنان بھی کہتے ہیں' آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ آسمان اور زمین میں کتنا فاصلہ ہے؟ انہوں نے کہا: ہم نہیں جانتے' آپ نے فرمایا: ان کے درمیان اکہتر' بہتر یا تہتر سال کا فاصلہ ہے۔ پھر اس آسمان کے اوپر جو دوسرا آسمان ہے' ان کے درمیان بھی اتنا ہی فاصلہ ہے' حتیٰ کہ آپ نے سات آسمان گنوائے' پھر ساتویں آسمان کے اوپر ایک سمندر ہے' اس کی اوپری سطح اوراس کی گہرائی کے درمیان بھی اتنا ہی فاصلہ ہے' پھر اس کے اوپر آٹھ فرشتے پہاڑی بکروں کی صورت میں ہیں (حاملین عرش) جن کے کھروں سے ان کے گھٹنوں تک کا فاصلہ بھی اتنا ہی ہے اوران کی پیٹھوں کے اوپر عرش ہے' اس کی اوپر کی سطح اور

نچلی سطح کے درمیان بھی اتنا فاصلہ ہے جتنا ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک کا فاصلہ ہے' پھر عرش کے اوپر اللہ تعالیٰ ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۲۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۲۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۳' صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۱۰۲-۱۰۱' المستدرک ج ۲ ص ۵۰۱' السنۃ لابن ابی عاصم رقم الحدیث: ۵۷۷)

قرآن مجید اور حدیث صحیح میں حاملین عرش کی جو تعداد بیان کی گئی ہے وہ زمخشری اور ثعلبی وغیرہ کی بیان کردہ تعداد پر راجح ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ''وہ فرشتے مومنوں کے لیے استغفار کرتے ہیں: اے ہمارے رب! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز کو محیط ہے' سو تو ان لوگوں کی مغفرت فرما جنہوں نے توبہ کی ہے اور تیرے راستہ کی اتباع کی ہے اور تو ان کو دوزخ کے عذاب سے بچا لےO'' (المومن: ۷)

امام رازی کی طرف سے نبیوں کے اوپر فرشتوں کی فضیلت کی ایک دلیل

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

بہ کثرت علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ فرشتے بشر سے افضل ہوتے ہیں' کیونکہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ فرشتے جب اللہ کے ذکر اور اس کی حمد و ثناء سے فارغ ہوتے ہیں تو پھر وہ مومنوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں' اس سے معلوم ہوا کہ وہ خود اپنے لیے مغفرت طلب کرنے سے مستغنی ہوتے ہیں' کیونکہ اگر ان کو اپنے لیے بھی مغفرت طلب کرنے کی ضرورت ہوتی تو وہ سب سے پہلے اپنے لیے مغفرت طلب کرتے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے اپنے لیے مغفرت طلب کی' پھر اپنے والدین کے لیے اور سب مومنوں کے لیے' قرآن میں ہے:

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُO (ابراہیم: ۴۱) اے ہمارے رب! میری مغفرت کر اور میرے والدین کی اور تمام مومنوں کی جس دن حساب لیا جائےO

پس فرشتے اگر مغفرت طلب کرنے کے محتاج ہوتے تو سب سے پہلے اپنے لیے استغفار کرتے اور جب اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر نہیں کیا کہ انہوں نے اپنے لیے مغفرت طلب کی تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ فرشتے اپنے لیے مغفرت طلب کرنے کے محتاج نہیں ہیں اور انبیاء علیہم السلام مغفرت طلب کرنے کے محتاج ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ (محمد: ۱۹) اور آپ اپنے بہ ظاہر خلافِ اولیٰ کاموں کے لیے مغفرت طلب کیجئےO

اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ فرشتے اپنے لیے مغفرت طلب کرنے سے مستغنی ہیں تو فرشتوں کا بشر سے افضل ہونا ثابت ہو گیا۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۸۹ ملخصاً' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کی دلیل کا مصنف کی طرف سے جواب

امام رازی نے اکثر علماء کے حوالے سے جس نظریہ کا ذکر کیا ہے' یہ معتزلہ کا نظریہ ہے' وہ کہتے ہیں کہ فرشتے مطلقاً بشر سے افضل ہیں حتیٰ کہ نبیوں اور رسولوں سے بھی افضل ہیں' اس کے برعکس اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام تمام فرشتوں سے افضل ہیں' حتیٰ کہ رسل ملائکہ یعنی حضرت جبریل' اسرافیل' عزرائیل اور میکائیل علیہم السلام سے بھی افضل ہیں' امام رازی نے نبیوں پر فرشتوں کی افضلیت کی یہ دلیل قائم کی ہے کہ فرشتوں نے اپنے لیے استغفار نہیں کیا اور انبیاء علیہم السلام کو اپنے لیے استغفار کرنے کا حکم دیا ہے' سو فرشتے انبیاء سے افضل ہیں۔

میرے نزدیک امام رازی کی یہ دلیل کئی وجوہ سے مخدوش ہے۔

(۱) تمام انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں' ان سے کسی گناہ کا صدور نہیں ہوا' صغیرہ گناہ کا نہ کبیرہ گناہ کا' سہواً نہ عمداً' صورتاً نہ حقیقتاً' قبل از نبوت نہ بعد از نبوت' رہا انبیاء علیہم السلام کو مغفرت طلب کرنے کا حکم دینا اور ان کا اپنے لیے مغفرت طلب کرنا' سو یہ امر تعبدی ہے' اس میں عقل اور قیاس کا کوئی دخل نہیں ہے' جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کعبہ کی تعظیم کرنا اور کعبہ کا طواف کرنا' حالانکہ آپ کعبہ سے افضل ہیں اور جیسے موزوں کے اوپر کے حصہ کا مسح کرنا' حالانکہ گندگی لگنے کا احتمال تو موزوں کے نچلے حصہ پر ہے اور جیسے پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کرنا' حالانکہ چہرے اور ہاتھوں پر خاک اور مٹی ملنا صفائی کی ضد ہے لیکن یہ تمام احکام تعبدی ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے سو ہم یہ کام کریں گے خواہ ان کی کوئی وجہ اور حکمت ہماری عقل میں نہ آئے' ہماری بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اس کے ہر حکم کے سامنے سر جھکا دیں۔

(۲) انبیاء علیہم السلام کو استغفار کرنے کا حکم دیا اور باوجود معصوم ہونے کے انہوں نے استغفار کیا' سو اس حکم پر عمل کرنے کی وجہ سے ان کو اجر و ثواب ملے گا اور ان کے درجات بلند ہوں گے اور معصومین کا استغفار کرنا ان کے درجات میں بلندی اور اضافہ کے لیے ہی ہوتا ہے۔

(۳) فرشتوں نے اپنے لیے استغفار نہیں کیا' مومنوں کے لیے استغفار کیا۔ اپنے لیے فرشتوں کے استغفار نہ کرنے کی یہ وجہ نہیں ہے کہ ان کو اپنے لیے استغفار کرنے کی احتیاج نہیں ہے اور وہ اپنے لیے استغفار کرنے سے مستغنی ہیں جیسا کہ امام رازی نے ذکر فرمایا ہے۔ بلکہ انہوں نے اپنے لیے اس وجہ سے مغفرت طلب نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے لیے مغفرت طلب کرنے کا حکم نہیں دیا تھا اور مومنوں کے لیے اس وجہ سے مغفرت طلب کی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مومنوں کے لیے مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا تھا' فرشتے کوئی کام اپنی طرف سے اور اپنے اختیار سے نہیں کرتے' وہ صرف اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے ہیں' کسی کام کے کرنے اور نہ کرنے کا اختیار اللہ تعالیٰ نے صرف جنات اور انسانوں کو دیا ہے' اسی لیے ان کو جزاء اور سزا ملے گی' فرشتے اپنی طرف سے کچھ نہیں کرتے' یہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ○ (النحل: ۵۰)

فرشتے اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں جو ان کے اوپر ہے اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے ○

عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ○ (التحریم: ۶)

دوزخ کے اوپر سخت دل مضبوط فرشتے مقرر ہیں' اللہ انہیں جو حکم دیتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے ○

اگر اللہ تعالیٰ فرشتوں کو یہ حکم دیتا کہ تم اپنے لیے مغفرت طلب کرو تو وہ ضرور اپنے لیے مغفرت طلب کرتے' لہٰذا فرشتوں کا اپنے لیے مغفرت طلب نہ کرنا اس وجہ سے تھا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مغفرت طلب کرنے کا حکم نہیں دیا تھا اور انبیاء علیہم السلام کا اپنے لیے مغفرت طلب کرنا اس وجہ سے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا کرنے کا حکم دیا تھا' سو انبیاء کا اپنے لیے استغفار کرنے اور فرشتوں کا اپنے لیے استغفار نہ کرنے سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے کہ انبیاء اپنی مغفرت طلب کرنے کے محتاج ہیں اور فرشتے اپنی مغفرت طلب کرنے سے مستغنی ہیں لہٰذا فرشتے انبیاء سے افضل ہیں۔

میں جانتا ہوں کہ امام رازی کا یہ عقیدہ نہیں ہے۔ ان کا یہی عقیدہ ہے کہ انبیاء فرشتوں سے افضل ہیں' اللہ تعالیٰ امام رازی پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے' ان کو چاہیے تھا کہ وہ اس نظریہ کو دلائل سے رد کر دیتے لیکن شاید ان کی اس طرف توجہ نہیں ہو سکی کیونکہ قسام ازل نے یہ سعادت صرف میرے لیے لکھ دی تھی۔ فالحمد للہ رب العلمین

آیا فرشتوں کی شفاعت سے صرف ثواب میں اضافہ ہوتا ہے یا بغیر توبہ کے گناہ بھی معاف ہوتے ہیں؟

معتزلہ کا عقیدہ یہ ہے کہ فرشتوں کی شفاعت سے مؤمنوں کے ثواب میں تو اضافہ ہوگا لیکن بغیر توبہ کے فرشتوں کی شفاعت سے ان کے گناہ کبیرہ معاف نہیں ہوں گے' فرشتوں نے کہا: ''سو تو ان لوگوں کی مغفرت فرما جنہوں نے توبہ کی اور تیرے راستہ کی اتباع کی ہے'' اور جن مسلمانوں نے گناہ کبیرہ کیا اور اس پر توبہ نہیں کی وہ ان کی اس شفاعت میں داخل نہیں ہیں۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ حاملین عرش مؤمنوں کے لیے استغفار کرتے ہیں اور جو مومن گناہ کبیرہ پر توبہ کیے بغیر مر گیا وہ مؤمنین کے عموم میں داخل ہے اور فرشتوں کی شفاعت اس کو شامل ہے اور اس آیت میں جو فرمایا ہے: ''تو ان لوگوں کی مغفرت فرما جنہوں نے توبہ کی اور تیرے راستہ کی اتباع کی ہے'' اس سے مراد ہے جنہوں نے کفر سے توبہ کی ہے اور اسلام کے راستہ کی اتباع کی ہے اور یہ معنیٰ ان مؤمنوں کو بھی شامل ہے جو بغیر توبہ کے مر گئے اور اس توبہ سے یہ مراد نہیں ہے کہ انہوں نے گناہ کبیرہ سے توبہ کی ہو کیونکہ گناہ کبیرہ سے توبہ کے بعد تو معتزلہ کے نزدیک اس کی مغفرت واجب ہے' اس کے لیے شفاعت کی حاجت نہیں ہے' نیز معتزلہ کہتے ہیں کہ المومن: ۸ میں فرمایا ہے: ''فرشتے کہیں گے: تو ان کو ان دائمی جنتوں میں داخل فرما دے جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے'' اور جو مومن گناہ کبیرہ کر کے بغیر توبہ کے مر گیا' اس سے تو اللہ تعالیٰ نے دائمی جنتوں کا وعدہ نہیں کیا' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی دائمی جنتوں کا وعدہ فرمایا ہے' قرآن مجید میں ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (الزلزال: ۸۔۷)

پس جس شخص نے ایک ذرہ کے برابر بھی نیکی کی ہے وہ اس کی جزاء پائے گا اور جس شخص نے ایک ذرہ کے برابر بھی بُرا کام کیا ہے وہ اس کی سزا پائے گا۝

پس جو مومن گناہ کبیرہ کرنے کے بعد بغیر توبہ کے مر گیا اس سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اپنے ایمان کی جزاء پائے گا اور ایمان کی جزاء دائمی جنت ہے اور اس نے جو بُرائی کی ہے وہ اس کی سزا کا مستحق ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے گناہ گاروں کو بخشنے اور معاف کرنے کی بھی بشارت دی ہے' اس لیے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی سزا کو معاف کر دے اور وہ بغیر سزا پائے جنت میں چلا جائے اور اس آیت میں جو فرمایا ہے: ''جس نے ایک ذرہ کے برابر بھی بُرائی کی وہ اس کی سزا پائے گا'' اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر اللہ نے اس کو معاف نہ کیا تو وہ اپنی بُرائی کی سزا پائے گا اور سزا بھگت کر پھر جنت میں چلا جائے گا اور وہ اپنے ایمان کی وجہ سے ضرور جنت میں جائے گا' یہ اس سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور اغلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو معاف کر دے گا اور وہ بغیر سزا پائے جنت میں چلا جائے گا۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

مطرف بن عبد اللہ نے کہا: اللہ کے بندوں میں سے مؤمنوں کے سب سے بڑے خیر خواہ ملائکہ ہیں اور اللہ کی مخلوق میں سے مؤمنوں کا سب سے بڑا بد خواہ شیطان ہے اور یحییٰ بن معاذ رازی نے اپنے اصحاب سے اس آیت کی تفسیر میں کہا: کیا

لوگوں نے اس آیت کا معنیٰ سمجھ لیا ہے' اس آیت سے زیادہ امید افزاء اور کوئی آیت نہیں ہے' بے شک اگر ایک فرشتہ بھی تمام مؤمنوں کی مغفرت کی دعا کرے تو اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے گا تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی مغفرت کس قدر عام ہو گی جب تمام فرشتے اور حاملین عرش مل کر مؤمنین کے لیے استغفار کریں گے۔ خلف بن ہشام نے کہا: میں نے یہ آیت سلیم بن عیسیٰ کے سامنے پڑھی: ''ویستغفرون للذین امنوا'' تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے' انہوں نے کہا: اللہ اپنے بندوں پر کس قدر کریم ہے' مؤمنین اپنے بستروں پر سوئے ہوئے ہوتے ہیں اور فرشتے ان کے لیے مغفرت طلب کر رہے ہوتے ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ص ۲۶۴' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ فرشتوں کی دعا کی دو وجہوں سے قبولیت زیادہ متوقع ہے' ایک وجہ یہ ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کی ہر بات مانے اللہ بھی اس کی بات مانتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ. جب دعا کرنے والا مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو وہ بھی تو میری بات مانا کریں۔ (البقرہ: ۱۸۶)

فرشتے اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر عمل کرتے ہیں' اس لیے اللہ تعالیٰ بھی ان کی دعا ضرور قبول فرمائے گا' دوسری وجہ یہ ہے کہ فرشتے ہمارے پس پشت ہمارے لیے دعا کرتے ہیں اور جو غائب کے لیے دعا کی جائے اس کی قبولیت زیادہ متوقع ہے' حدیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی کی دعا اس قدر جلد قبول نہیں ہوتی جتنی جلدی ایک غائب کی دعا دوسرے غائب کے لیے قبول ہوتی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۸۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۳۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ص ۱۹۸' الادب المفرد رقم الحدیث: ۶۲۳)

حاملین عرش کی دعا کے نکات

حاملین عرش نے مؤمنوں کے لیے جو مغفرت کی دعا کی اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا میں یہ کہا: ''اے ہمارے رب! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز کو محیط ہے' سو تو ان لوگوں کی مغفرت فرما''۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعا کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے مطلوب کا ذکر کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی جائے' نیز فرشتوں نے اپنی دعا میں کہا: ''تو ان کو دوزخ کے عذاب سے بچالے اور ان کو دائمی جنتوں میں داخل فرما دے'' اس سے معلوم ہوا کہ جاہل صوفیاء کا یہ کہنا غلط ہے کہ دوزخ کے عذاب سے نجات اور حصول جنت کی دعا کرنا' کم درجہ کے لوگوں کی دعا ہے' حاملین عرش اللہ تعالیٰ کے مقربین ہیں' انہیں اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب حاصل ہوتا ہے اور وہ مؤمنین کے لیے دوزخ سے نجات اور جنت کے حصول کی دعا کرتے ہیں۔

فرشتوں نے انسان کی تخلیق سے پہلے انسان کے متعلق یہ کہا تھا کہ یہ زمین میں خون ریزی اور فساد کرے گا۔ اب اللہ تعالیٰ نے ان سے مؤمنوں کے لیے مغفرت کی دعا کرائی تاکہ تخلیق آدم پر ان کے اعتراض کا مداوا ہو جائے' فرشتوں نے دعا کے موقع پر ''اللھم'' نہیں کہا بلکہ ''ربنا'' کہا اور انبیاء علیہم السلام نے بھی زیادہ تر دعا کے مواقع پر ''ربنا'' ہی کہا ہے' کیونکہ ''اللھم'' کا معنیٰ ہے: اے اللہ! اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا ذکر ہے اور ''ربنا'' کا معنیٰ ہے: اے ہمارے رب! اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کا ذکر ہے' اے ہمیں پالنے والے! ہم اللہ تعالیٰ کو متوجہ کرتے ہیں کہ جس طرح تو نے ہمیں وجود عطا کیا' ہماری پرورش کی' ہمیں ضرر سے محفوظ رکھا اور ہمیں فوائد عطا کیے' ہماری اس دعا کو قبول فرمالے اور ہمیں دائمی ضرر سے بچالے اور دائمی فوائد عطا فرما دے۔

المومن: ۸ میں فرمایا: ''اے ہمارے رب! تو ان کو دائمی جنتوں میں داخل فرما دے جن کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور

ان کے باپ دادا اور ان کی بیویوں کو اور ان کی اولاد میں سے بھی جو مغفرت کے لائق ہوں' بے شک تو بہت غالب اور بے حد حکمت والا ہے O''

ہم اس سے پہلے لکھ چکے ہیں کہ ہر مومن سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ وہ اس کو دائمی جنت میں داخل فرمائے کیونکہ اس نے فرمایا ہے: ''جس نے ایک ذرہ کے برابر بھی نیکی کی وہ اس کی جزاء پائے گا'' اور آیت میں حاملین عرش کی یہ دعا بھی ہے کہ مؤمنوں کے نیک آباء' ان کی نیک بیویوں اور ان کی نیک اولاد کو بھی جنت میں داخل فرما کیونکہ جب انسان کے اقرباء بھی اس کے ساتھ ہوں تو اس کی راحت اور خوشی بہت زیادہ ہوتی ہے اور اس دعا کے آخر میں فرشتوں نے پھر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی کہ ''بے شک تو بہت غالب اور بہت حکمت والا ہے'' کیونکہ اگر غالب نہ ہو تو جزاء کیسے عطا فرمائے گا اور اگر وہ حکمت والا نہ ہو تو جنت میں درجات کس طرح مقرر فرمائے گا۔

المؤمن: ۹ میں فرمایا: ''اور تو ان کو گناہوں سے بچا' اس دن تو جس کو گناہوں کے عذاب سے بچالے گا تو بے شک تو نے اس پر رحم فرمایا اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے O''

یعنی جس کو تو دنیا میں گناہوں کے ارتکاب سے بچالے گا اسی پر تیرا آخرت میں رحم ہوگا' اس لیے بندہ کو ہر وقت یہ دعا کرنی چاہیے کہ اللہ اس کو گناہوں سے بچائے رکھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ وصیت کی کہ وہ ہر جمعہ کی شب چار رکعات نماز پڑھیں' پھر تشہد کے بعد اللہ تعالیٰ کی احسن حمد وثناء کریں اور تمام نبیوں اور خصوصاً آپ پر اچھی طرح درود شریف پڑھیں' پھر تمام اگلے اور پچھلے مؤمنین کے لیے استغفار کریں اور اس کے بعد یہ دعا کریں:

اللھم ارحمنی بترک المعاصی ابدا ما ابقیتنی۔ اے اللہ! جب تک تو مجھے زندہ رکھے مجھ پر اس طرح رحم فرما کہ میں ہمیشہ گناہوں کو ترک کروں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۷۰، مختصراً' دارالجیل' بیروت' ۱۹۹۸ء' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۱۷۳۳)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللَّهِ أَكْبَرُ مِن مَّقْتِكُمْ أَنفُسَكُمْ

بے شک (قیامت کے دن) کفار سے بہ آواز بلند کہا جائے گا کہ تمہیں اپنے اوپر جو غصہ آ رہا ہے اس سے کہیں سنگین اللہ کا غصہ ہے جو

إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيمَانِ فَتَكْفُرُونَ ﴿١٠﴾ قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَّنَا

تم پر اس وقت آتا تھا جب تمہیں (اللہ کی توحید پر) ایمان لانے کی دعوت دی جاتی تھی پھر تم کفر کرتے تھے O وہ کہیں گے: اے

اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَىٰ

ہمارے رب! تو نے ہمیں دوبار موت دی اور دوبار زندہ فرمایا' ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا' آیا اب دوزخ سے نکلنے کی کوئی

خُرُوجٍ مِّن سَبِيلٍ ﴿١١﴾ ذَٰلِكُم بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ

صورت ہے؟ O اس عذاب کی وجہ یہ ہے کہ جب صرف اللہ واحد کو پکارا جاتا تھا تو تم کفر کرتے تھے اور جب اس کے ساتھ

كَفَرْتُمْ ۚ وَإِن يُشْرَكْ بِهِۦ تُؤْمِنُوا ۚ فَالْحُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ ﴿١٢﴾

کسی کو شریک کر لیا جاتا تھا تو تم اس پر ایمان لاتے تھے، پس فیصلہ صرف اللہ ہی کا ہے جو بہت بلند اور بہت بڑا ہے O

هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ آيَاتِهِۦ وَيُنَزِّلُ لَكُم مِّنَ السَّمَاءِ رِزْقًا ۚ وَمَا

وہی تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور تمہارے لیے آسمان سے رزق نازل فرماتا ہے اور صرف وہی لوگ نصیحت

يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَن يُنِيبُ ﴿١٣﴾ فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ

قبول کرتے ہیں جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں O سو تم اللہ کی عبادت کرو، اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کرتے

وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿١٤﴾ رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي

ہوئے، خواہ کافروں کو بُرا لگے O (وہ) بلند درجات عطا فرمانے والا، عرش کا مالک ہے، وہ اپنے بندوں

الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِۦ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِۦ لِيُنذِرَ يَوْمَ

میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے وحی نازل فرماتا ہے تاکہ وہ ملاقات

التَّلَاقِ ﴿١٥﴾ يَوْمَ هُم بَارِزُونَ ۖ لَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ

کے دن سے ڈرائے O جس دن سب لوگ ظاہر ہوں گے، ان کی کوئی چیز اللہ سے چھپی ہوئی نہیں ہو گی،

شَيْءٌ ۚ لِّمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿١٦﴾ الْيَوْمَ

آج کس کی بادشاہی ہے؟ صرف اللہ کی جو واحد، سب پر غالب ہے O آج ہر شخص

تُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ

کو اس کی کمائی کا صلہ دیا جائے گا، آج کوئی ظلم نہیں ہو گا، بے شک اللہ بہت جلد حساب

الْحِسَابِ ﴿١٧﴾ وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْآزِفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ

لینے والا ہے O اور آپ ان کو بہت قریب آنے والے دن سے ڈرائیے جب وفورِ دہشت سے دل مونہوں کو آ جائیں گے،

كَاظِمِينَ ۚ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ ﴿١٨﴾ يَعْلَمُ

لوگ غم کے گھونٹ بھرے ہوئے خاموش ہوں گے، ظالموں کا نہ کوئی دوست ہو گا نہ ایسا سفارشی جس کی سفارش قبول کی جائے O خیانت

خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ﴿۱۹﴾ وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ؕ

کرنے والی آنکھوں کو اور سینہ میں چھپی ہوئی باتوں کو اللہ خوب جانتا ہے O اور اللہ ہی حق کے ساتھ فیصلہ فرماتا ہے

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ

اور اللہ کو چھوڑ کر یہ جن کی پرستش کرتے ہیں وہ کسی چیز کا فیصلہ نہیں کر سکتے' بے شک اللہ

السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۲۰﴾ ع

ہی بہت سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (قیامت کے دن) کفار سے بہ آواز بلند یہ کہا جائے گا کہ تمہیں اپنے اوپر جو غصہ آ رہا ہے اس سے کہیں سنگین اللہ کا غصہ ہے جو تم پر اس وقت آتا تھا جب تمہیں (اللہ کی توحید پر) ایمان لانے کی دعوت دی جاتی تھی پھر تم کفر کرتے تھے O وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو بار موت دی اور دو بار زندہ فرمایا' ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراض کرلیا' آیا اب دوزخ سے نکلنے کی کوئی صورت ہے؟ O اس عذاب کی وجہ یہ ہے کہ جب صرف اللہ واحد کو پکارا جاتا تھا تو تم کفر کرتے تھے اور جب اس کے ساتھ کسی کو شریک کرلیا جاتا تھا تو تم اس پر ایمان لاتے تھے' پس فیصلہ صرف اللہ ہی کا ہے جو بہت بلند اور بہت بڑا ہے O (المومن: ۱۲۔۱۰)

قیامت کے دن کفار کے اپنے اوپر غصہ کی وجوہ

اس سے پہلی آیتوں میں مؤمنوں کے مرتبہ اور مقام کا ذکر فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے حاملین عرش ان کی مغفرت کے لیے دعا کرتے ہیں اور ان آیتوں میں پھر کفار کے اخروی احوال بیان کیے جا رہے ہیں' کیونکہ ایک ضد کے احوال سے دوسری ضد کے احوال نکھر کر سامنے آ جاتے ہیں۔

المومن: ۱۰ میں فرمایا: ''قیامت کے دن کفار سے بہ آواز بلند یہ کہا جائے گا کہ تمہیں اپنے اوپر جو غصہ آ رہا ہے اس سے کہیں سنگین اللہ کا غصہ ہے جو تم پر اس وقت آتا تھا جب تمہیں (اللہ کی توحید پر) ایمان لانے کی دعوت دی جاتی تھی پھر تم کفر کرتے تھے''۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب کفار اپنے آپ کو دوزخ کی آگ میں جھلتے ہوئے دیکھیں گے تو انہیں اپنے اوپر سخت غصہ آئے گا' اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ جب دنیا میں تمہیں اللہ کی توحید پر ایمان کی دعوت دی جاتی تھی اور تم اس کا انکار کرتے تھے تو اللہ تم پر اس سے کہیں زیادہ ناراض ہوتا تھا جتنا آج تمہیں اپنے اوپر غصہ آ رہا ہے' یہ اللہ تعالیٰ کے غضب ہی کا ثمرہ ہے کہ آج تم دوزخ کی آگ میں جھلس رہے ہو۔

'کفار کو جو آخرت میں اپنے اوپر غصہ آئے گا' مفسرین نے اس کی حسب ذیل توجیہات بیان کی ہیں:

(۱) قیامت کے دن جب وہ جنت اور دوزخ کو دیکھیں گے تو انہیں اپنے اوپر غصہ آئے گا کہ کیوں انہوں نے دنیا میں اپنی تکذیب اور اپنے کفر پر اصرار کیا جس کے نتیجہ میں آج وہ دوزخ کی آگ میں جل رہے ہیں۔

(۲) کافر سرداروں کے پیروکار اپنے سرداروں پر غصہ کریں گے کہ کیوں انہوں نے ان کو شرک اور بت پرستی پر لگایا جس کی وجہ سے آج انہیں دوزخ میں عذاب ہو رہا ہے اور ان سرداروں کو اپنے پیروکاروں پر غصہ آئے گا کہ ان پیروکاروں نے ان

کی مخالفت کیوں نہ کی اور بت پرستی کو کیوں نہ ترک کیا' کیونکہ پیروکاروں کی پیروی کرنے کی وجہ سے آج انہیں دہرا عذاب ہو رہا ہے۔

(۳) جب دوزخ میں ابلیس کافروں سے یہ کہے گا: ''میں نے تم پر کفر کرنے کے لیے کوئی جبر نہیں کیا تھا سوا اس کے کہ میں نے تم کو کفر کرنے کی دعوت دی سو تم نے میری دعوت کو قبول کر لیا' لہٰذا تم مجھے ملامت نہ کرو' تم اپنے آپ کو ملامت کرو''۔ (ابراہیم: ۲۲) اس وقت کافروں کو اپنے اوپر شدید غصہ آئے گا کہ انہوں نے ابلیس کی دعوت کیوں قبول کی اور کیوں اس وجہ سے دوزخ کے عذاب میں گرفتار ہوئے۔

کفار سے بلند آواز میں یہ خطاب جہنم کے محافظ کریں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ غیب سے ان کو ندا کی جائے' باقی اس آیت میں یہ فرمایا ہے: ''اللہ کو ان پر جو غصہ ہو گا وہ ان کے غصہ سے کہیں زیادہ ہے'' غصہ کا معنیٰ ہے: خون کا جوش میں آنا اور یہ اللہ کے لیے محال ہے' اس لیے یہاں اس کا لازمی معنی مراد ہے یعنی ان پر انکار کرنا اور ان کو زجر و توبیخ کرنا اور ڈانٹ ڈپٹ کرنا۔

المومن: ۱۰ کے بعض تراجم

المومن: ۱۰ کا ترجمہ بہت مشکل اور پیچیدہ ہے اور بہت سے مترجمین کا کیا ہوا ترجمہ غیر واضح ہے' ہم قارئین کی علمی ضیافت کے لیے بعض تراجم نقل کر رہے ہیں اور آخر میں ایک بار پھر اپنا ترجمہ ذکر کریں گے کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے:

شیخ محمود حسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ لکھتے ہیں:

جو لوگ منکر ہیں ان کو پکار کر کہیں گے: اللہ بیزار ہوتا تھا زیادہ اس سے جو تم بیزار ہوئے ہو اپنے جی سے' جس وقت تم کو بلاتے تھے یقین لانے کو' پھر تم منکر ہوتے تھے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

بے شک جنہوں نے کفر کیا ان کو ندا کی جائے گی کہ ضرور تم سے اللہ کی بیزاری اس سے بہت زیادہ ہے جیسے تم آج اپنی جان سے بیزار ہو جب کہ تم ایمان کی طرف بلائے جاتے تو تم کفر کرتے۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ لکھتے ہیں:

جو لوگ کافر ہوئے (اس وقت) ان کو پکارا جاوے گا کہ جیسے تم کو (اس وقت) اپنے سے نفرت ہے اس سے بڑھ کر خدا کو (تم سے) نفرت تھی جب کہ تم (دنیا میں) ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے پھر تم نہیں مانا کرتے تھے۔

محدث اعظم ہند کچھوچھوی متوفی ۱۳۸۳ھ لکھتے ہیں:

بے شک جنہوں نے کفر کیا پکار دیئے جائیں گے کہ یقیناً اللہ کی بیزاری کہیں زیادہ بڑی ہے تمہاری خود اپنی ذات سے بیزاری سے کہ جب بلائے جاتے تم ایمان کی طرف تو انکار کر دیتے۔

علامہ احمد سعید کاظمی متوفی ۱۴۰۶ھ لکھتے ہیں:

بے شک (قیامت کے دن) کافروں کو پکار کر کہا جائے گا کہ ضرور اللہ کی خفگی بہت بڑی ہے تمہاری اپنی خفگی سے تمہاری جانوں پر جب تمہیں ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم کفر کرتے تھے۔

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی ۱۴۱۹ھ لکھتے ہیں:

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا انہیں ندا دی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی (تم سے) بیزاری بہت زیادہ ہے اس بیزاری سے جو

تمہیں اپنے آپ سے ہے۔ (یاد ہے) جب تم بلائے جاتے ایمان کی طرف تو تم کفر کیا کرتے۔

ہم نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح سے کیا ہے:

(قیامت کے دن) کفار سے بہ آواز بلند یہ کہا جائے گا کہ تمہیں اپنے اوپر جو غصہ آ رہا ہے اس سے کہیں سنگین اللہ کا غصہ ہے جو تم پر اس وقت آتا تھا جب تمہیں (اللہ کی توحید پر) ایمان لانے کی دعوت دی جاتی تھی پھر تم کفر کرتے تھے۔

الزمر: ۱۱ میں فرمایا: ''وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو بار موت دی اور دو بار زندہ فرمایا' ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا' آیا اب دوزخ سے نکلنے کی کوئی صورت ہے؟O''

دو موتوں اور دو حیاتوں کی تفسیر میں متقدمین کے اقوال

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو موتیں اور دو حیاتیں دی ہیں' اس کی متعدد تفسیریں ہیں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قتادہ اور ضحاک' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو مالک بیان کرتے ہیں کہ لوگ اپنے آباء کی پشتوں میں (نطفہ کی صورت میں) مردہ تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں زندہ کیا' پھر ان کو دنیا میں موت دی' پھر قیامت کے دن ان کو حساب کتاب کے لیے زندہ کرے گا۔

اور سدی نے بیان کیا: اس کو دنیا میں موت دی گئی' پھر ان کو قبر میں زندہ کیا گیا اور ان سے سوال کیا گیا اور خطاب کیا گیا' پھر اس کے بعد ان کو قبر میں موت دی جائے گی' پھر ان کو آخرت میں زندہ کیا جائے گا۔

ابن زید نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے لوگوں کو نکال کر ان کو موت دی' پھر ان کی ماؤں کے رحموں میں ان کو زندہ کیا پھر دنیا میں ان کو موت دی' پھر آخرت میں ان کو زندہ کرے گا۔

(جامع البیان جز ۲۴ ص ۶۱-۶۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ' علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی المتوفی ۶۶۸ھ اور دیگر مفسرین نے دو موتوں اور دو حیاتوں کے یہی محمل بیان کیے ہیں۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۱۴۶' الجامع لاحکام القرآن ص ۲۶۶-۲۶۵)

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ' حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ نے بھی بغیر کسی ترجیح اور بحث کے ان تین اقوال کا ذکر کیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۸۰' الدر المنثور ج ۷ ص ۲۴۰' روح البیان ج ۸ ص ۲۲۰)

ان اقوال میں قبر میں حیات کا ذکر آ گیا ہے' اس لیے ہم قبر میں حیات کے ثبوت میں ایک حدیث کا ذکر کر رہے ہیں۔

قبر میں حیات کے حصول پر دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے' اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

فتعاد روحه فی جسده فیاتیه ملکان فیجلسانه. الحدیث

پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جائے گی' پھر اس کے پاس دو فرشتے آئیں گے جو اس کو بٹھا دیں گے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۷۵۳' مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۷ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۰ ص ۵۰۳-۴۹۹' رقم الحدیث: ۱۸۵۳۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۸۲-۳۸۰' ۳۷۴-۳۱۰' ج ۱۰ ص ۱۹۴' صحیح ابن خزیمہ ص ۱۱۹' المستدرک ج ۱ ص ۳۸-۳۷' شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۹۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۴۹' الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۵۲۲۱' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۰-۴۹)

دوموتوں اور دوحیاتوں پر اعتراضات کے جوابات

اس آیت میں جو دو موتوں اور دو حیاتوں کا ذکر کیا گیا ہے اس پر ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ یہ کفار کا قول ہے' اس لیے یہ دو موتوں اور دو حیاتوں پر دلیل نہیں بن سکتا' اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ان کا یہ قول غلط ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کے اس قول کو وہیں رد فرما دیتا۔

اس پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ایک حیات دنیا میں ہے اور دوسری حیات قبر میں ہوگی اور تیسری حیات آخرت میں ہوگی' اس طرح تین حیاتیں ہوگئیں اور یہ اس آیت کے خلاف ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ قبر میں جو حیات ہوگی وہ غیر ظاہر اور غیر محسوس ہوگی' اس لیے کفار نے اس کا ذکر نہیں کیا۔

اس پر تیسرا اعتراض یہ ہے کہ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ مؤمنین جنت میں داخل ہونے کے بعد کہیں گے:

اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ۙ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ○ (الصّٰفّٰت: ۵۹-۵۸)

آیا ہم اب مرنے والے نہیں ہیں ○ سوا ہماری پہلی موت کے اور نہ ہم کو عذاب دیا جائے گا ○

پس سورۃ الصّٰفّٰت میں صرف ایک موت کا ذکر ہے اور سورۃ المؤمن میں دو موتوں کا ذکر ہے اور چونکہ الصّٰفّت میں مؤمنین کے قول کا ذکر ہے اور المؤمن میں کفار کے قول کا ذکر ہے' اس لیے مؤمنین کے قول کو ترجیح دینی چاہیے۔ لہٰذا قیامت سے پہلے صرف ایک موت کا ثبوت ہوگا اور دو موتوں کا ثبوت نہیں ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جنت میں مؤمنین صرف اس موت کا ذکر کریں گے جو ہر شخص پر الگ الگ طاری کی گئی اور وہ ایک ہی موت ہے اور قیامت میں صور پھونکنے کے بعد جو موت آئے گی وہ اجتماعی موت ہوگی اور ہر شخص کی الگ الگ موت نہیں ہوگی۔

ان جوابات سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ جو لوگوں پر دوبار موت طاری کرے گا اس سے مراد پہلی موت وہ ہے جو دنیا میں انسان کی روح قبض کیے جانے سے متحقق ہوتی ہے اور یہ ہر انسان کی انفرادی موت ہے اور دوسری موت وہ ہے جو قیامت کے دن صور پھونکنے سے عام لوگوں کی موت واقع ہوگی اور یہ تمام انسان کی اجتماعی موت ہے اور دو حیاتوں سے مراد ایک وہ حیات ہے جو انسان کے پیدا ہونے کے بعد ہوتی ہے اور یہ ہر انسان کی انفرادی حیات ہے اور دوسری حیات وہ ہے جب قیامت کے بعد سب لوگوں کو زندہ کیا جائے گا اور یہ تمام انسانوں کی اجتماعی حیات ہے۔

المؤمن: ۱۱ کی تفسیر میں امام رازی کا سدی کی تفسیر کو اختیار کرنا

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ نے سدّی کے قول کو ترجیح دی ہے' وہ لکھتے ہیں:

کفار نے اپنے لیے دو موتوں کو ثابت کیا ہے' کیونکہ انہوں نے کہا: ''اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو مرتبہ مارا'' ان دو موتوں میں ایک موت وہ ہے جس کا دنیا میں مشاہدہ کیا گیا' پس ضروری ہوا کہ ان کی دوسری حیات قبر میں ہو' حتیٰ کہ اس حیات کے بعد جو موت آئے وہ ان کی دوسری موت ہو۔ اب اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اکثر مفسرین نے یہ کہا ہے کہ پہلی موت سے انسان کی اس حالت کی طرف اشارہ ہوتا ہے جب انسان نطفہ اور علقہ (جما ہوا خون) ہوتا ہے اور دوسری موت سے اس موت کی طرف اشارہ ہے جو انسان کو دنیا میں پیش آتی ہے تو یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ ان دو موتوں سے یہی دو موتیں مراد ہوں (جیسا کہ حضرت ابن عباس اور قتادہ وغیرھما کا قول ہے) اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ

تم کیوں کر اللہ کا کفر کرو گے حالانکہ تم مردہ تھے' پس تم کو

ثُمَّ يُمِيتُكُمْ (البقرہ: ۲۸) زندہ کیا پھر تم کو مارے گا۔

''اور تم مردہ تھے'' اس سے مراد انسان کی وہ حالت ہے جب وہ نطفہ اور علقہ تھا۔

اس مسئلہ کی تحقیق اس طرح ہے کہ اماتت (مارنے' موت طاری کرنے) کے دو معنی ہیں: (۱) کسی چیز کو مردہ پیدا کرنا (۲) کسی چیز کو پہلے زندگی دینا پھر اس پر موت طاری کرنا' جیسے کوئی شخص کہے: درزی کے لیے اس کی گنجائش ہے کہ وہ ابتداء میرے کپڑے کو بڑا سی کر دے یا وہ پہلے اس کو چھوٹا سیئے پھر اس کو بڑا کر کے سیئے' پس اس طرح کیوں جائز نہیں ہے کہ اس آیت میں بھی یہی مراد ہو کہ اللہ تعالیٰ نے نطفہ کی حالت میں ان کو ابتداءً مردہ پیدا کیا اور یہ مراد نہ ہو کہ پہلے ان کو زندہ کیا' پھر بعد میں ان پر موت طاری کی۔

اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ''امـاتـت'' کا لفظ ہے' جس کا معنیٰ ہے: مارنا اور موت طاری کرنا اور یہ اس کو مستلزم ہے کہ موت سے پہلے حیات ہو کیونکہ اگر موت پہلے سے حاصل ہو اور پھر اس پر موت طاری کی جائے تو یہ تحصیل حاصل ہے اور ''کنتم امواتا'' کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ پہلے سے مردہ تھے' یہ معنیٰ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری کی ہے اور جس آیت کی ہم تفسیر کر رہے ہیں اس میں کفار کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر دوبار موت طاری کی اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ موت طاری کرنا اسی وقت صادق ہوگا جب اس سے پہلے حیات ہو۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۹۵۔۴۹۴ ملخصاً و محصلاً' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

دیگر مفسرین کا حضرت ابن عباس کی طرف منسوب تفسیر کو اختیار کرنا

قاضی بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ' علامہ ابوالبرکات نسفی متوفی ۷۱۰ھ' علامہ خازن متوفی ۷۲۵ھ' علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ' قاضی ثناء اللہ پانی پتی متوفی ۱۲۲۵ھ اور علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے حضرت ابن عباس اور قتادہ وغیرہما کے قول کو ترجیح دی ہے کہ لوگ اپنے آباء کی پشتوں میں (نطفہ کی صورت میں) مردہ تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں زندہ کیا' پھر ان کو دنیا میں موت دی' پھر ان کو قیامت کے دن حساب کتاب کے لیے زندہ فرمائے گا

اس پر امام رازی کا یہ اعتراض ہے کہ نطفہ کی حالت میں جو موت ہے اس پر موت کا معنیٰ تو صادق آتا ہے جیسا کہ ''کنتم امـواتـا'' میں ہے' لیکن اماتت (مارنا' موت طاری کرنا) کا معنیٰ صادق نہیں آتا' کیونکہ موت طاری کرنا اس کا تقاضا کرتا ہے کہ اس سے پہلے زندگی ہو' پس ''امتنا اثنتین'' المومن: ۱۱ میں اس کا معنیٰ ہے: ''دنیا کی زندگی کے بعد موت طاری کی''۔ اس کا جواب علامہ نسفی اور علامہ ابوالحیان اندلسی وغیرہ نے یہ دیا ہے کہ ''کـنـتـم امـواتـا'' اور نطفہ کی حالت میں جو موت ہے اس پر اماتت (موت طاری کرنے) کا معنیٰ مجازاً صادق آتا ہے' جیسے کہا جاتا ہے کہ سبحان ہے وہ ذات جس نے مچھر کا چھوٹا اور ہاتھی کا بڑا جسم بنایا اور جیسے کنواں کھودنے والے سے کہا جاتا ہے کہ کنویں کا منہ تنگ رکھنا اور اس کی تہ کو کشادہ رکھنا' اس کا یہ معنیٰ نہیں ہوتا کہ پہلے اللہ نے مچھر کا بڑا جسم بنایا پھر اس کو چھوٹا کیا یا ہاتھی کا پہلے چھوٹا جسم بنایا پھر اس کو بڑا کیا' بلکہ ابتداءً مچھر کا چھوٹا اور ہاتھی کا بڑا جسم بنایا۔

''امتـنـا اثـنـتـیـن'' میں (تو نے ہم پر دوبار موت طاری کی) موت طاری کرنے کا مجازی معنیٰ مراد ہے' یعنی تو نے ہمیں نطفہ کی صورت میں ابتداءً مردہ پیدا کیا۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ جب ایک مخلوق کو چھوٹا اور بڑا دونوں صفات کے ساتھ بنانا جائز ہے تو خالق اور صانع کی مرضی ہے کہ وہ اس کو ابتداءً خواہ چھوٹا بنا دے جیسے مچھر کو چھوٹا بنایا' خواہ ابتداءً بڑا بنا دے جیسے ہاتھی کو بڑا بنایا' اسی طرح کنواں کھودنے والا ابتداءً خواہ کنویں کا منہ تنگ کھودے خواہ فراخ کھودے' پس اسی طرح ''امتنا اثنتین'' (تو نے ہم پر دوبار موت طاری کی) میں موت طاری کرنے کا مجازی معنیٰ مراد ہے۔ یعنی تو نے نطفہ کی حالت میں ہمیں ابتداءً مردہ پید

کیا۔ (تفسیر بیضاوی مع الخفاجی ج ۸ص ۲۴۵-۲۴۴ مدارک التنزیل علی ھامش الخازن ج ۴ص ۶۸-۶۷ البحر المحیط ج ۹ص ۲۴۲-۲۴۱ تفسیر مظہری ج ۸ص ۲۴۷-۲۴۶ روح المعانی جز ۲۴ص ۸۱)

مذکورہ مفسرین کے جواب کا صحیح نہ ہونا

مذکورہ مفسرین کا یہ جواب صحیح نہیں ہے اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) ''امتنا اثنتین'' کا حقیقی معنی مارنا اور موت طاری کرنا ہے' جس کا تقاضا ہے کہ پہلے زندگی دی جائے پھر اس کو زائل کیا جائے' اس کو بلا وجہ ابتداءً مردہ پیدا کرنے کے مجازی معنیٰ پر محمول کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ مجاز پر اس وقت محمول کیا جاتا ہے جب حقیقت محال ہو اور یہاں حقیقت محال نہیں ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہم اس آیت کو حضرت ابن عباس اور قتادہ وغیرہ کے قول کے موافق کرنا چاہتے ہیں تو میں کہوں گا کہ اللہ کے کلام کو حضرت ابن عباس اور قتادہ وغیرہ کے قول کے تابع کرنا جائز نہیں ہے جب کہ اس قول کی حضرت ابن عباس کی طرف نسبت بھی سند صحیح سے ثابت نہیں ہے۔ نہ کسی حدیث کی کتاب میں اس کا ذکر ہے' اس لیے ان مفسرین کی یہ تاویل صحیح نہیں ہے۔

(۲) ''امتنا اثنتین'' کا معنیٰ ہے تو نے ہم کو دو بار مارا اور دوسری موت کا معنیٰ بالاتفاق ''زندگی دے کر مارنا'' اور ''زوال حیات'' ہے' اب اگر پہلی موت کا معنیٰ ابتداءً مردہ پیدا کرنا ہو تو اس آیت میں بہ یک وقت اماتت کے دو معنوں کا مراد لینا لازم آئے گا'' ابتداءً مردہ پیدا کرنا'' یہ مجازی معنیٰ ہے اور ''حیات کو زائل کرنا'' یہ حقیقی معنیٰ ہے اور ایک لفظ سے دو معنوں کا ارادہ کرنا اور حقیقت اور مجاز کو جمع کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لیے ان مفسرین کی یہ تاویل صحیح نہیں ہے۔

(۳) اگر یہ تکلف کیا جائے کہ ہم یہاں عموم مجاز مراد لیتے ہیں' یعنی مطلقاً موت خواہ ابتداءً ہو جیسے نطفہ کی صورت میں اور خواہ زوال حیات ہو جیسے دنیا کی موت ہے تو میں کہوں گا کہ جب اس تکلف بعید کے بغیر قرآن مجید کی اس آیت کا معنیٰ درست ہے تو اس بعید تکلف کرنے کی کیا ضرورت ہے' اس آیت میں فرمایا ہے: ''تو نے ہم پر دو بار موت طاری کی'' ایک بار دنیا میں زندگی دے کر موت طاری کی اور دوسری بار قبر میں زندہ کیا اور پھر صور قیامت سے موت طاری کی اور یہ اماتت کا حقیقی معنیٰ ہے اور دو بار زندہ کیا' ایک بار دنیا میں زندہ کیا اور دوسری بار قیامت کی موت کے بعد زندہ کیا اور اگر یہ کہا جائے کہ تم قبر کی زندگی بھی مانتے ہو اس طرح تین زندگیاں ہوگئیں اور قرآن مجید میں دو بار زندہ کرنے کا ذکر ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ قبر کی زندگی غیر ظاہر' غیر محسوس اور غیر مشاہد ہے' اس لیے کفار نے اس کا ذکر نہیں کیا۔

حضرت ابن عباس کی طرف منسوب' سدی اور ابن زید کی تفسیر کا صحیح نہ ہونا

میرے نزدیک دو بار مارنے اور دو بار زندہ کرنے کی تفسیر میں مذکورہ تینوں قول درست نہیں ہیں' حضرت ابن عباس کی طرف منسوب اور قتادہ وغیرہ کا قول اس لیے درست نہیں ہے کہ انہوں نے کہا: پہلی بار مارنا نطفہ کی حالت میں موت ہے' حالانکہ مارنے کا معنیٰ حیات کو زائل کرنا ہے' ابتداءً مردہ پیدا کرنا نہیں ہے' جیسا کہ تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے اور اس قول کے غلط ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں تین موتیں ہو جائیں گی' ایک موت نطفہ کی حالت میں' دوسری موت دنیا کی زندگی کے بعد طبعی موت اور تیسری موت صور اسرافیل سے قیامت کی موت حالانکہ قرآن مجید میں دو بار موت طاری کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔

امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں سدی کے قول کو اختیار کیا ہے' سدی نے کہا: ان کو دنیا میں موت دی گئی' پھر ان کو قبر میں زندہ کیا گیا' پھر اس کے بعد ان کو قبر میں موت دی جائے گی اور پھر ان کو آخرت میں زندہ کیا جائے گا۔

سدی کا یہ قول اس لیے صحیح نہیں ہے کہ انہوں نے دنیا میں زندہ کرنے کا شمار نہیں کیا اور قبر کی زندگی کا شمار کیا ہے' حالانکہ دنیا کی زندگی ظاہر اور مشاہد ہے اور قبر کی زندگی غیر ظاہر اور غیر مشاہد ہے اور اگر ان کے قول میں دنیا کی زندگی کا بھی اعتبار کر لیا جائے تو پھر تین بار زندہ کرنا لازم آئے گا اور یہ قرآن مجید کے خلاف ہے کیونکہ قرآن مجید میں دو بار زندہ کرنے کا ذکر ہے۔

ابن زید کا قول اس لیے درست نہیں ہے کہ انہوں نے کہا: ان کو زندہ کرنے کا معنیٰ ہے حضرت آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالنا اور ان سے اپنی ربوبیت کا عہد لینا' پھر اس کے بعد ان کو مارنا' پھر ان کو دنیا میں زندہ کرنا' پھر ان کو مارنا' پھر قیامت میں ان کو زندہ کرنا اور اس تفسیر کے اعتبار سے ان کو تین بار زندہ کرنا لازم آئے گا اور اگر قبر کی حیات کو بھی شامل کر لیا جائے تو پھر چار مرتبہ زندہ کرنا لازم آئے گا اور یہ قرآن مجید کے خلاف ہے کیونکہ قرآن مجید میں صرف دو بار زندہ کرنے کا ذکر ہے۔

المومن: ۱۱ کی تفسیر میں مصنف کا موقف

اس لیے اس آیت کی صحیح تفسیر نہ وہ ہے جو حضرت ابن عباس کی طرف منسوب ہے اور جس کو قاضی بیضاوی' علامہ ابو الحیان اور علامہ آلوسی وغیرہ نے اختیار کیا ہے اور نہ اس کی وہ تفسیر صحیح ہے جو سدی نے کی ہے اور جس کو امام رازی نے اختیار کیا ہے اور نہ ابن زید کی تفسیر صحیح ہے' (اس کو کسی نے اختیار نہیں کیا) اس کی صحیح تفسیر صرف یہ ہے کہ دو بار مارنے سے مراد ہے دنیا میں زندگی دے کر مارنا اور صور اسرافیل سے مارنا اور دو بار زندہ کرنے سے مراد ہے دنیا میں زندگی دینا اور قیامت کے بعد زندہ کرنا۔ میں نے عمیق غور و فکر کے بعد اس آیت کا یہی معنیٰ سمجھا ہے' اگر یہ صحیح ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کے رسول کا فیضان ہے اور اگر یہ غلط ہے تو یہ میری فکر کی غلطی ہے' اللہ اور اس کا رسول اس سے بَری ہیں۔ والحمد للہ رب العلمین

المومن: ۱۲ میں فرمایا: ''اس عذاب کی وجہ یہ ہے کہ جب صرف اللہ واحد کو پکارا جاتا تھا تو تم کفر کرتے تھے اور جب اس کے ساتھ کسی کو شریک کر لیا جاتا تھا تو تم اس پر ایمان لاتے تھے' پس فیصلہ صرف اللہ ہی کا ہے جو بہت بلند اور بہت بڑا ہے O''

خوارج کی تعریف اور ان کا مصداق

اس آیت میں فرمایا ہے: ''فیصلہ صرف اللہ کا ہے'' خوارج اس آیت کے ظاہر پر اعتقاد رکھتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ فیصلہ صرف اللہ کا ہے اور اگر کوئی اور فیصلہ کرے تو وہ کافر ہے۔

خوارج کوفہ کے زاہدوں کی ایک جماعت تھی' جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت سے اس وقت نکل گئے جب حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان دو فیصلہ کرنے والوں کو مقرر کیا گیا' اس کا سبب یہ تھا کہ جب حضرت علی اور حضرت معاویہ کے درمیان جنگ طول پکڑ گئی تو دونوں فریق اس پر متفق ہو گئے کہ خلافت کس کا حق ہے؟ اس کا فیصلہ کرنے کے لیے حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو مقرر کر دیا جائے اور دونوں فریق ان کے فیصلہ پر راضی ہوں گے' اس وقت خوارج نے کہا: ''حکم صرف اللہ کا ہے'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ کلمہ برحق ہے لیکن اس سے جس معنیٰ کا ارادہ کیا گیا ہے وہ باطل ہے' خوارج کی تعداد بارہ ہزار تھی' انہوں نے حضرت علی کی خلافت کا انکار کیا اور اپنی مخالفت کا جھنڈا نصب کر دیا اور خون ریزی اور ڈاکے مارنا شروع کر دیئے' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ لوگ اپنے فیصلہ سے رجوع کر لیں۔ مگر یہ لوگ جنگ کرنے کے سوا کسی بات سے راضی نہیں ہوئے۔ پھر حضرت علی نے نہروان کے علاقہ میں ان سے جنگ کی' نہروان بغداد کے قریب ایک شہر ہے' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان میں سے اکثر کو قتل کر دیا اور ان میں سے بہت کم زندہ بچے۔ خلاصہ یہ ہے کہ خوارج ایک گم راہ فرقہ ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ جو شخص گناہ صغیرہ کا مرتکب ہو یا مستحب کا تارک ہو وہ بھی کافر ہے' بعض احادیث میں ان کی بدعقیدگی اور گمراہی کی طرف اشارہ ہے اور بعض میں ان کی گم راہی میں تصریح ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کچھ تقسیم فرما رہے تھے' آپ کے پاس بنوتمیم کا ایک شخص آیا جس کو ذوالخویصرہ کہتے تھے' اس نے کہا: یا رسول اللہ! عدل کیجئے۔ آپ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے اگر میں عدل نہیں کروں گا تو پھر کون عدل کرے گا؟ اگر میں نے (بالفرض) عدل نہیں کیا تو پھر میں ناکام اور نامراد ہو جاؤں گا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں' آپ نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو کیونکہ اس کے ایسے اصحاب ہیں کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز کو ان کی نماز کے مقابلہ میں حقیر جانے گا اور اپنے روزے کو ان کے روزے کے مقابلہ میں حقیر جانے گا' یہ لوگ قرآن پڑھیں گے اور قرآن ان کے گلوں سے نیچے نہیں اترے گا' یہ لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے' اس تیر کے پھل کو دیکھا جائے گا تو اس میں کوئی چیز نہیں ہوگی' پھر اس کے پٹھے کو دیکھا جائے جو چھڑ میں اس کے پھل کے داخل ہونے کی جگہ سے اوپر لگایا جاتا ہے' تو وہاں بھی کچھ نہیں ملے گا۔ اسی طرح اگر اس کی نضی کو دیکھا جائے تو اس میں بھی کچھ نہیں ملے گا۔ (نضی تیر میں لگائی جانے والی لکڑی کو کہتے ہیں) اسی طرح اگر اس کے پَر کو دیکھا جائے تو اس میں بھی کچھ نہیں ملے گا' حالانکہ گوبر اور خون سے وہ تیر گزر چکا ہے' یہ لوگ مسلمانوں کے افضل طبقہ کے خلاف بغاوت کریں گے اور شر اور فساد پھیلائیں گے۔

خوارج کے متعلق احادیث

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان (خوارج) سے جنگ کی تھی۔ اس وقت میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو تلاش کرنے کا حکم دیا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گروہ کی علامت کے طور پر بیان فرمایا تھا' اس کو تلاش کیا گیا' پھر وہ لایا گیا۔ میں نے اس کو دیکھا تو اس کا پورا حلیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ اوصاف کے مطابق تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۱۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۶۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۶۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۷۸' جامع المسانید والسنن مسند ابی سعید الخدری رقم الحدیث: ۱۲۲۲)

عبیدہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے خوارج کا ذکر کر کے فرمایا: ان میں ایک ایسا شخص ہے جس کا ہاتھ ناقص ہے یا کٹا ہوا ہے اور اگر تم اس خوشی میں نیک اعمال کو ترک نہ کرو تو میں تمہیں وہ حدیث بیان کروں جس میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ان لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے' جو خوارج سے قتال کریں گے' میں نے پوچھا: کیا آپ نے خود سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اس حدیث کو سنا ہے؟ حضرت علی نے تین بار فرمایا: ہاں! رب کعبہ کی قسم!۔ (اس حدیث کی سند صحیح ہے) (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۷' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۸۶۵۲' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵ ص ۳۰۴-۳۰۳' مسند احمد ج ۱ ص ۸۳)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خوارج دوزخ کے کتے ہیں۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۳' اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخر زمانہ میں یا اس امت میں سے ایک قوم نکلے گی' وہ قرآن پڑھیں گے اور قرآن ان کے گلوں سے نیچے نہیں اترے گا' ان کی علامت سر (یا مونچھیں) منڈانا ہے' جب تم ان کو دیکھو تو تم ان کو قتل کر دو۔ (اس حدیث کی سند صحیح ہے)

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۶۶-۴۷۶۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۵' مسند احمد ج ۳ ص ۲۲۴-۱۹۷ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲۰ ص ۳۳۶' مؤسسۃ الرسالۃ' ۱۴۱۸ھ' المستدرک ج ۲ ص ۱۴۷' جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۲۶۱۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور تمہارے لیے آسمان سے رزق نازل فرماتا ہے اور صرف وہی لوگ نصیحت قبول کرتے ہیں جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں' سو تم اللہ کی عبادت کرو' اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کرتے ہوئے' خواہ کافروں کو برا لگے O (وہ) بلند درجات عطا فرمانے والا' عرش کا مالک ہے' وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے وحی نازل فرماتا ہے تاکہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرائے O جس دن سب لوگ ظاہر ہوں گے' ان کی کوئی چیز اللہ سے چھپی ہوئی نہیں ہوگی' آج کس کی بادشاہی ہے؟ صرف اللہ کی' جو واحد سب پر غالب ہے O (المومن: ۱۶۔۱۳)

آفاق اور انفس میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار پر وعید کی آیات کا ذکر فرمایا تھا اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور قدرت کا ذکر فرمایا ہے تاکہ یہ واضح ہو کہ جو ایسے غالب اور قوی کو چھوڑ کر اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کی عبادت کرتے ہیں وہ اسی وعید کے سزاوار ہیں۔

المومن: ۱۳ میں بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اپنے نفسوں میں اور آفاق میں اپنی توحید کے دلائل اور اپنی قدرت کے شواہد دکھاتا ہے اور تمہارے لیے آسمان سے پانی نازل فرماتا ہے جو تمہارے رزق کا سبب ہے' جس سے تمہارے بدن کے لیے غذا اور قوت فراہم ہوتی ہے' سواے مؤمنو! تم صرف خدائے واحد کی عبادت کرو اور اپنی اطاعت اور عبادت میں کسی اور کی رضا اور خوشنودی کو شامل نہ کرو۔ کیونکہ اخلاص ہی طیب ہے اور اللہ تعالیٰ طیب ہے' وہ طیب کے سوا کسی چیز کو قبول نہیں فرماتا۔

المومن: ۱۴ میں فرمایا: "(وہ) بلند درجات عطا فرمانے والا' عرش کا مالک ہے"۔

اللہ تعالیٰ خود بلند ہے اور مخلوق کے درجات بلند کرنے والا ہے

اس آیت میں "رفیع الدرجات" کا لفظ ہے' اس کے معنی میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ وہ بلند درجات عطا فرمانے والا ہے اور دوسرا یہ کہ وہ خود بلند شان والا ہے' اگر اس کا معنی یہ ہو کہ وہ بلند درجات عطا فرمانے والا ہے' تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام' اولیاء کرام' علماء عظام' عام لوگوں کو اور خصوصاً ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بلند درجات عطا فرمانے والا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرمایا:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ. (البقرہ: ۲۵۳)

یہ رسول ہیں جن میں ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے' ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام فرمایا اور بعض نبیوں کو ہم نے بہت درجات کی بلندی عطا فرمائی۔

اور علماء کے درجات بلند کرنے کے متعلق فرمایا:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ. (المجادلہ: ۱۱)

اللہ تم میں سے ایمان والوں کے اور علماء کے درجات بلند فرماتا ہے۔

اور اولیاء اللہ کے درجات بلند کرنے کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: جو لوگ میری جلال ذات سے محبت کرتے ہیں ان کے لیے نور کے ایسے منبر ہوں گے جن کی انبیاء اور شہداء تحسین کریں گے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۰' مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۶ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۶ ص ۳۸۴' رقم الحدیث: ۲۲۰۶۴' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۱ھ' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۷۷' المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۱۶۷' حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۱۲۱)

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ (الانعام:١٦٥)

اور وہی ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کا بعض پر درجہ بڑھایا تا کہ تمہاری ان چیزوں میں آزمائش کرے جو تم کو دی ہیں۔

اور خصوصاً ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا:

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ○ (الضحیٰ:۴)

اور آپ کی بعد والی ساعت ضرور پہلی ساعت سے افضل ہے○

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ○ (الم نشرح:۴)

اور ہم نے آپ کے لیے آپ کا ذکر بلند کر دیا○

وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ. (البقرہ:۲۵۳)

اور بعض نبیوں (سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو بہت درجات کی بلندی عطا فرمائی۔

اور اگر اس آیت کا معنی یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ خود بہت شان اور بہت بلند درجہ والا ہے تو اس میں کیا شک ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات' جمال اور جلال کے اعتبار سے تمام موجودات میں ہر لحاظ سے بلند اور برتر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وجود واجب اور قدیم ہے اور وہ ہر چیز سے غنی ہے اور اس کے ماسوا سب ممکن اور حادث ہیں اور سب اس کے محتاج ہیں' سب فانی ہیں اور وہ باقی ہے' وہ ازلی' ابدی اور سرمدی ہے' سب محدود ہیں وہ لامحدود ہے' ہر چیز کی ابتداء اور انتہاء ہے' اس کی نہ کوئی ابتداء ہے نہ انتہاء ہے' وہ عالم الغیب والشہادۃ ہے' اس کا علم ذاتی ہے اور باقی سب کا علم اس کی عطا سے ہے' وہ سب سے زیادہ قادر اور قدیر ہے' باقی سب کی قدرت اس کی عطا کردہ ہے' وہ واحد ہے' اس کا کوئی شریک اور نظیر نہیں ہے' وہ حی اور قیوم ہے' اس پر غفلت طاری ہوتی ہے نہ اس کو نیند آتی ہے' وہ اپنی ہر صفت میں بے مثل اور بے عدیل ہے' صرف وہی عبادت کا مستحق ہے اور وہی واحد حاجت روا ہے۔

اور فرمایا: ''وہ عرش کا مالک ہے'' اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مالک ہے' عرش کا ذکر اس لیے فرمایا کہ عالم اجسام میں عرش کا سب سے عظیم اور بلند جسم ہے' ہمیں جو چیز بلند معلوم ہوتی ہے' ان میں سب سے بلند چیز عرش عظیم ہے اور وہ بھی اللہ کی مملوک ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ''وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے وحی نازل فرماتا ہے تا کہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرائے''۔

روح کو وحی سے تعبیر کرنے کی وجہ

اس آیت میں وحی کے لیے روح کا لفظ ذکر فرمایا کیونکہ جس طرح جسم کی حیات روح سے حاصل ہوتی ہے اسی طرح علوم اور معارف کی حیات وحی سے حاصل ہوتی ہے' وحی کے ذریعہ انسان کو ایسا دستور عطا کیا گیا جس پر عمل کرنے سے انسان باقی مخلوقات میں معزز اور مشرف ہوا۔

اس آیت میں قیامت کے دن کو ملاقات کا دن فرمایا ہے اور اس کی حسب ذیل وجوہ بیان کی گئی ہیں:

(۱) لوگوں کی روحیں ان کے جسموں سے منفصل اور الگ ہو جائیں گی اور جب قیامت کا دن آئے گا تو روحوں کو دوبارہ ان کے جسموں میں ڈالا جائے گا اور اس دن بچھڑی ہوئی روحوں کی اپنے جسموں سے ملاقات ہوگی۔

(۲) اس دن تمام مخلوق ایک دوسرے سے ملاقات کرے گی اور ایک دوسرے کے احوال سے واقف ہوگی۔

(۳) اس دن فرشتوں کو نازل کیا جائے گا اور فرشتوں کی انسانوں ملاقات ہوگی۔

(۴) اس دن ہر انسان کو اس کے اعمال دکھائے جائیں گے اور اس کا صحیفۂ اعمال اس کے ہاتھ میں ہوگا اور ہر شخص اپنے عمل سے ملاقات کرے گا۔

(۵) اس دن انسان اپنے رب سے ملاقات کرے گا جیسا کہ قرآن مجید کی بہ کثرت آیات میں ہے:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ (الکہف:۱۱۰) پس جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہے۔

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ (الاحزاب:۴۴) جس دن وہ اللہ سے ملاقات کریں گے ان کا تحفہ سلام ہوگا۔

الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ (البقرہ:۴۶) جو لوگ یہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں۔

(۶) یہ وہ دن ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام اپنی تمام اولاد سے ملاقات کریں گے۔

(۷) یہ وہ دن ہے جس میں ہر انسان اپنے اعمال کی جزاء یا سزا سے ملاقات کرے گا۔

المومن:۱۶ میں فرمایا: ''جس دن سب لوگ ظاہر ہوں گے' ان کی کوئی چیز اللہ سے چھپی ہوئی نہیں ہوگی''۔

قیامت کے دن لوگوں کی مستور چیزوں کا ظاہر ہونا

اس آیت میں ''بارزون'' کا لفظ ہے' بارزون کا معنی ہے: ظاہرون' قیامت کے دن تمام مردے اپنی اپنی قبروں سے نکل کر ظاہر ہو جائیں گے اور کوئی چیز ان کو چھپا نہیں رہی ہوگی' وہ کسی پہاڑ یا ٹیلے کی اوٹ میں ہوں گے نہ ان کے بدن پر لباس ہوگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن جب تم کو جمع کیا جائے گا تم ننگے پیر' ننگے بدن اور غیر مختون ہو گے' حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں: میں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا مرد اور عورتیں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے ہوں گے' آپ نے فرمایا: اس دن معاملہ اس سے بہت زیادہ سخت ہوگا کہ ان کو ایسا خیال آئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۵۲۷' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۸۵۹)

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کو ''بارزون'' اس لیے فرمایا ہو کہ اس دن ان کے تمام اعمال ظاہر ہو جائیں گے اور تمام ڈھکی چھپی باتیں ظاہر ہو جائیں گی۔

ان کی کوئی چیز اللہ سے چھپی ہوئی نہیں ہوگی' یعنی جب وہ اپنی قبروں سے نکل کر کھڑے ہوں گے اور ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے اور اللہ تعالیٰ کو علم ہوگا کہ ان میں سے ہر شخص نے دنیا میں کیا کام کیے' پھر وہ ان کے اعمال کے حساب سے ان کو جزاء دے گا' اگر انہوں نے نیک اعمال کیے ہوں گے تو ان کو نیک جزاء دے گا اور اگر انہوں نے بُرے اعمال کیے ہوں گے تو ان کو سزا دے گا۔ جیسا کہ ان آیات میں ہے:

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۝ (الطارق:۹) جس دن پوشیدہ باتوں کی جانچ پڑتال ہوگی۝

اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِى الْقُبُوْرِ ۝ وَحُصِّلَ مَا فِى الصُّدُوْرِ ۝ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۝ (العادیات:۹۔۱۱) کیا اس کو یہ معلوم نہیں کہ جب ان کو نکال لیا جائے گا جو قبروں میں ہیں۝ اور سینوں کی چھپی ہوئی باتیں ظاہر کر دی جائیں گی۝ بے شک ان کا رب اس دن ان کے تمام احوال سے باخبر ہوگا۝

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قیامت کے دن کی کیا تخصیص ہے' اللہ تعالیٰ تو آج بھی ان کے تمام احوال سے باخبر ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا میں کفار کا یہ خیال تھا کہ جب وہ کسی پردے کے پیچھے چھپ جاتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کو پتا نہیں چلتا کہ وہ

کیا کررہے ہیں لیکن قیامت کے دن ان کو بھی یقین واثق ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی ہر ڈھکی چھپی بات کا علم ہے۔

قیامت کے دن صرف اللہ کی بادشاہی ہوگی

اس کے بعد فرمایا: ''آج کس کی بادشاہی ہے؟ صرف اللہ کی جو واحد' سب پر غالب ہے''۔ اس کی تفسیر میں دو قول ہیں: پہلا قول یہ ہے:

قیامت کے دن جب سب ہلاک ہو چکے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: آج کس کی بادشاہی ہے؟ اس وقت کوئی جواب نہیں دے تو خود ہی فرمائے گا' اللہ ہی کی بادشاہی ہے جو واحد' سب پر غالب ہے۔

اس کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ میدان محشر میں جب یہ ندا ہوگی: آج کس کی بادشاہی ہے؟ تو سب پکار کر کہیں گے: اللہ ہی کی ہے جو واحد سب پر غالب ہے' مؤمنین تو بہت خوشی سے اور کیف و سرور سے کہیں گے: اللہ ہی کی بادشاہی ہے جو واحد' سب پر غالب ہے اور کفار حسرت اور ندامت سے کہیں گے کہ اللہ ہی کی بادشاہی ہے جو واحد' سب پر غالب ہے۔

اس کی تفسیر میں تیسرا قول یہ ہے کہ بعض فرشتے سوال کریں گے کہ آج کس کی بادشاہی ہے اور دوسرے بعض فرشتے جواب دیں گے: آج اللہ ہی کی بادشاہی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ زمین کو اپنی مٹھی میں پکڑ لے گا اور آسمانوں کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا اور پھر فرمائے گا: بادشاہ میں ہوں' زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۵۱۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۴۵۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۸۸۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن زمین کو اپنی مٹھی میں پکڑ لے گا اور آسمان کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا' پھر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں' زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۱۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۸۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۴۵۵)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آسمانوں کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا اور تمام زمینوں کو اپنی بائیں مٹھی میں پکڑ لے گا' پھر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں' جبارین کہاں ہیں؟ متکبرین کہاں ہیں؟ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۴۱۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۸۸' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۷۳۲' جامع المسانید والسنن مسند عبد اللہ بن عمر رقم الحدیث: ۲۴۹۴)

محمد بن کعب نے کہا: اللہ تعالیٰ دو صوروں کے درمیانی وقفہ میں فرمائے گا: آج کس کی بادشاہی ہے؟ اور کوئی جواب نہیں دے گا کیونکہ سب مر چکے ہوں گے اور ایک قول یہ ہے کہ ایک منادی کہے گا: آج کس کی بادشاہی ہے؟ تو اہل جنت جواب دیں گے: اللہ واحد قہار کی اور ایک قول ہے کہ منادی کے جواب میں اہل محشر یہ کہیں گے کہ اللہ واحد قہار کی بادشاہی ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۲۶۹ ۔ ۲۶۸' الکشاف ج ۴ ص ۱۶۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آج ہر شخص کو اس کی کمائی کا صلہ دیا جائے گا' آج کوئی ظلم نہیں ہوگا' بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے O اور آپ ان کو بہت قریب آنے والے دن سے ڈرایئے' جب وفور دہشت سے دل مونہوں کو آجائیں گے' لوگ غم کے گھونٹ بھرے ہوئے خاموش ہوں گے' ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا نہ ایسا سفارشی جس کی سفارش قبول کی جائے O خیانت کرنے والی آنکھوں کو اور سینہ میں چھپی ہوئی باتوں کو اللہ خوب جانتا ہے O اور اللہ ہی حق کے ساتھ فیصلہ فرماتا ہے اور اللہ کو چھوڑ کر یہ جن کی پرستش کرتے ہیں وہ کسی چیز کا فیصلہ نہیں کر سکتے' بے شک اللہ ہی بہت سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے O

(المومن: ۲۰۔۱۷)

ظلم کی اقسام اور اللہ تعالیٰ سے ہر قسم کے ظلم کی نفی

المومن: ۱۷ میں قیامت کے دن انسانوں کے اعمال کی جزاء کا ذکر ہے' جس شخص نے جیسے عمل کیے ہوں گے اس کو اسی حساب سے جزاء دی جائے گی اور اس آیت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ اس دن کسی شخص پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

محققین نے کہا ہے کہ ظلم کی چار قسمیں ہیں: (۱) ایک شخص ثواب کا مستحق ہو اور اس کو ثواب نہ دیا جائے (۲) ایک شخص کو اس کا حق دیا جائے لیکن اس کو اس کا پورا حق نہ دیا جائے (۳) ایک شخص عذاب کا مستحق نہ ہو اور اس کو عذاب دیا جائے (۴) ایک شخص عذاب کا مستحق ہو لیکن اس کو اس کے جرم سے زیادہ عذاب دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کسی شخص پر ظلم کی ان اقسام میں سے کسی قسم کا ظلم نہیں کرے گا۔

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ تم یہ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان میں کفر پیدا کرتا ہے' پھر اس کو کفر پر عذاب دیتا ہے اور یہ عین ظلم ہے' ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسی شخص میں کفر کو پیدا کرتا ہے جو شخص کفر کا ارادہ کرتا ہے' انسان جس فعل کو بھی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں وہ فعل پیدا کر دیتا ہے اور انسان کو اس کے اختیار اور ارادہ کے اعتبار سے جزاء اور سزا ملتی ہے۔

''الازفة'' اور ''کاظمین'' کا معنیٰ

المومن: ۱۸ میں فرمایا: ''اور آپ ان کو بہت قریب آنے والے دن سے ڈرایئے' جب وفور دہشت سے دل مونہوں کو آ جائیں گے''۔

اس آیت میں ''آزفة'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: قریب پہنچنے والی' جس کے آنے کا بہت کم وقت رہ گیا ہو' اس سے مراد قیامت ہے' جیسا کہ ان آیتوں میں فرمایا ہے:

اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ۚ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ۝ (النجم: ۵۸۔۵۷)	آنے والی گھڑی قریب آ پہنچی ہے ۝ اللہ کے سوا اس کو اپنے وقت پر کوئی منکشف کرنے والا نہیں ہے ۝
اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ (القمر: ۱)	قیامت قریب آ گئی اور چاند شق ہو گیا ۝

اس سے مراد یہ ہے کہ کفار کے دوزخ میں داخل ہونے کا وقت قریب آ گیا' اس وقت یوں لگے گا جیسے خوف کی شدت سے ان کے دل سینے سے باہر نکل آئیں گے اور بعض مفسرین نے کہا: اس سے مراد موت کا وقت ہے۔ کیونکہ جب کفار موت کے وقت عذاب کے فرشتوں کو دیکھیں گے تو ان کو بہت زیادہ خوف ہو گا اور ان کو یوں لگے گا کہ ان کے دل اچھل کر ان کے حلق میں آ گئے ہیں اور شدت خوف کی وجہ سے وہ بالکل گم سم ہوں گے اور دنیا سے جدائی کے غم کو پی کر خاموش ہوں گے اور اس وقت اپنے رنج اور غم کو بیان کرنے کی ہمت نہیں پائیں گے' دلوں کا اچھل کر حلق میں آ جانا ایک محاورہ ہے اور اس سے یہ مراد لیا جاتا ہے کہ کسی اچانک افتاد پیش آنے سے انسان پر بہت زیادہ خوف اور دہشت طاری ہو جاتی ہے اور وہ فرط غم سے لب کشائی کی جرأت بھی نہیں کر سکتا' بعض مفسرین نے کہا: یہ آیت اپنے ظاہر پر محمول ہے' یعنی شدت خوف سے واقعہ میں ان کے دل ان کے سینوں سے نکل کر حلق تک پہنچ جائیں گے اور ان کی زبانیں گنگ ہو جائیں گی۔

اس آیت میں ''کاظمین'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: غصہ روکنے والے' غصہ پی جانے والے' کظوم کا اصل معنیٰ ہے: سانس روکنا' اس سے مراد ہوتا ہے: خاموش ہونا' کظم النھر کا معنیٰ ہے: نہر کا منہ بند کر دیا' کظم الوجل کا معنیٰ ہے: وہ

آدمی خاموش ہوگیا' اس آیت میں یہی معنی مراد ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۵۵۸ ملخصاً و محصلاً' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

مرتکب کبیرہ کی شفاعت پر معتزلہ کے اعتراض کا جواب

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ ظالموں کا کوئی ایسا شفاعت کرنے والا نہیں ہوگا جس کی شفاعت قبول کی جائے اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والے ظالم ہیں' سو اس آیت کے بہ موجب ان کا کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہوگا۔

اس استدلال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اس آیت میں فرمایا ہے: ''ولا شفیع یطاع'' ظالموں کا ایسا کوئی سفارشی نہیں ہوگا جس کی سفارش کی اطاعت کی جائے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ وہ کسی کی اطاعت کرے۔

(۲) اس آیت کا سیاق کفار اور مشرکین کے متعلق ہے' یعنی کفار اور مشرکین کا کوئی سفارش کرنے والا نہیں ہوگا۔

(۳) اس کے لیے سفارش قبول کی جائے گی جس کی مغفرت ممکن ہو اور مشرکین کی مغفرت ممکن نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم جو گناہ ہوگا اس کو بخش دے گا۔

اور گناہ کبیرہ شرک سے کم گناہ ہے' اس لیے اس کی مغفرت ممکن ہے' اس لیے اس کی شفاعت کی جائے گی اور شرک کی مغفرت ممکن نہیں ہے اس لیے اس کی شفاعت ممکن نہیں ہے اور اس آیت میں ظالموں سے مراد مشرکین ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ○ (لقمان: ۱۳)

بے شک شرک ظلم عظیم ہے ○

لہٰذا اس آیت میں مشرکین کی شفاعت کی نفی کی گئی ہے نہ کہ ان مسلمانوں کی جنہوں نے گناہ کبیرہ کر لیا ہے اور ان کو توبہ کرنے کا موقع نہ مل سکا ہو اور جب کہ حدیث میں ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کی شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۳۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۱۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۶۷' الشریعۃ للآجری ص ۳۳۸' المستدرک ج ۱ ص ۶۹' ج ۲ ص ۳۸۲' حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۲۰۰' جامع المسانید والسنن مسند جابر بن عبد اللہ رقم الحدیث: ۸۳۱)

المومن: ۱۹ میں فرمایا: ''خیانت کرنے والی آنکھوں کو اور سینہ میں چھپی ہوئی باتوں کو اللہ خوب جانتا ہے ○''

آنکھوں کی خیانت اور دل کی چھپی ہوئی باتیں

انسان جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اس کا تعلق ظاہری اعضاء سے بھی ہوتا ہے اور باطنی اعضاء سے بھی ہوتا ہے' ظاہری اعضاء سے نافرمانی وہ ہے جو نظر آتی ہے اور باطنی اعضاء سے جو نافرمانی ہوتی ہے وہ سینہ میں چھپی ہوئی ہوتی ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اس سے بندوں کی کوئی معصیت اور خیانت چھپی ہوئی نہیں ہے' خواہ وہ آنکھوں سے نظر آنے والی خیانت ہو خواہ سینہ میں چھپی ہوئی خیانت ہو۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ آنکھوں کی خیانت وہ ہے جو انسان اجنبی عورتوں کی طرف شہوت سے دیکھتا ہے' ہاں اگر اتفاقاً کسی طرف نظر پڑ جائے تو وہ انسان کے لیے معاف ہے لیکن اس کو دوسری نظر ڈالنے کی اجازت نہیں ہے' حدیث میں ہے:

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یا رسول اللہ! اگر کسی پر اچانک نظر پڑ جائے؟ آپ نے فرمایا: اپنی نظر ہٹالو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۵۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۴۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۷۶' جامع المسانید والسنن مسند جریر بن عبداللہ رقم الحدیث: ۱۵۹۱)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے علی! تم ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالنا' کیونکہ پہلی بار تمہیں معاف ہے اور دوسری بار کی تمہیں اجازت نہیں ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۴۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۷۷)

جب انسان کسی اجنبی عورت کی طرف دیکھتا ہے تو دراصل وہ اس کی نظر نہیں ہوتی بلکہ شیطان کی طرف سے چھوڑا ہوا ایک تیر ہوتا ہے' جو اس کے دل میں جا کر پیوست ہو جاتا ہے اور جب انسان کسی خوب صورت بے ریش لڑکے کی طرف دیکھتا ہے تو شیطان اس کو انسان کی نگاہ میں اجنبی عورت سے سوگنا زیادہ حسین بنا کر پیش کرتا ہے۔ کیونکہ جب کسی اجنبی عورت کی محبت اس کے دل میں گھر کر جائے تو اس سے اپنی خواہش پوری کرنے کا ایک شرعی جائز طریقہ ہے کہ وہ اس سے نکاح کرلے لیکن اگر وہ کسی بے ریش لڑکے پر فریفتہ ہو جائے تو سوائے گناہ کے اس سے اپنی خواہش پوری کرنے کا کوئی جائز راستہ نہیں ہے۔

انسان کے دل میں خواہشیں چھپی ہوئی ہوتی ہیں' اللہ تعالیٰ کو ان سب کی خبر ہے اور سب کا علم ہے خواہ وہ نیک خواہشیں ہوں یا بری خواہشیں ہوں لیکن اللہ انسان پر اسی وقت گرفت فرماتا ہے جب وہ اپنی کسی ناجائز خواہش کو پورا کرنے کا عزم مصمم کرلے۔

المومن: ۲۰ میں فرمایا: ''اور اللہ ہی حق کے ساتھ فیصلہ فرماتا ہے اور اللہ کو چھوڑ کر یہ جن کی پرستش کرتے ہیں وہ کسی چیز کا فیصلہ نہیں کر سکتے' بے شک اللہ ہی بہت سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے O''

اس آیت سے بھی اس طرف رہ نمائی فرمائی ہے کہ لوگوں کے دلوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہونا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چھوٹے اور بڑے جرم کا حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا اور جب مجرم اور گناہ گار کے دل میں یہ حقیقت جاگزین ہوگی تو اس کا خوف بہت زیادہ ہوگا۔ کفار کو اپنے باطل معبودوں اور بتوں پر بھروسا تھا کہ وہ ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھڑالیں گے تو اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمادیا کہ یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن کی پرستش کرتے ہیں یہ ان کے کسی کام نہیں آسکیں گے۔ اس کے بعد فرمایا: بے شک اللہ ہی بہت سننے والا' خوب دیکھنے والا ہے۔ یعنی کفار جو اپنے بتوں کی تعریف اور ستائش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو سن رہا ہے اور وہ جو اپنے بتوں کے آگے سجدے کر رہے ہیں اور ان کی عبادت کر رہے ہیں اس کو بھی اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے اور قیامت کے دن ان کی بت پرستی کی ان کو سخت سزا دے گا۔

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

کیا ان کافروں نے زمین میں سفر نہیں کیا تا کہ یہ اپنے سے پہلے لوگوں کا انجام دیکھ لیتے جو ان سے زیادہ طاقت ور

الَّذِينَ كَانُوا مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَآثَارًا

تھے اور زمین میں ان کے اثرات بھی بہت زیادہ تھے' اس کے باوجود اللہ نے ان کو ان کے گناہوں

فِي الْأَرْضِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ط وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنَ

کی وجہ سے پکڑ لیا اور ان کو اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہ

اللَّهِ مِنْ وَاقٍ ﴿٢١﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانَتْ تَأْتِيهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ

تھا O اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے پاس اللہ کے رسول واضح دلائل لے کر آئے تھے، پھر بھی انہوں نے کفر کیا

فَكَفَرُوا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ ط إِنَّهُ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢٢﴾

تو اللہ نے ان پر گرفت کی، بے شک وہ بہت قوت والا، سخت عذاب والا ہے O

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُبِينٍ ﴿٢٣﴾ لا إِلَىٰ

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور روشن معجزے دے کر بھیجا O فرعون

فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَقَارُونَ فَقَالُوا سَاحِرٌ كَذَّابٌ ﴿٢٤﴾

اور ہامان اور قارون کی طرف، تو انہوں نے کہا: یہ جادوگر ہے بہت جھوٹا O

فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوا أَبْنَاءَ

پھر جب موسیٰ ان کے پاس ہماری طرف سے برحق دین لے کر گئے تو انہوں نے کہا: جو لوگ ان پر ایمان لا چکے

الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ وَاسْتَحْيُوا نِسَاءَهُمْ ط وَمَا كَيْدُ

ہیں ان کے بیٹوں کو قتل کر دو اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رہنے دو اور کافروں کی سازش

الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ﴿٢٥﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِي أَقْتُلْ

محض گمراہی (پر مبنی) ہے O اور فرعون نے کہا: مجھے موسیٰ کو قتل کرنے دو

مُوسَىٰ وَلْيَدْعُ رَبَّهُ ج إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ

اور موسیٰ کو چاہیے کہ وہ اپنے رب سے دعا کرے، مجھے یہ خطرہ ہے کہ وہ تمہارے دین کو بدل ڈالے گا

أَنْ يُظْهِرَ فِي الْأَرْضِ الْفَسَادَ ﴿٢٦﴾ وَقَالَ مُوسَىٰ إِنِّي عُذْتُ

یا وہ اس ملک میں بڑا ہنگامہ کرے گا O اور موسیٰ نے کہا: میں ہر اس متکبر سے جو روزِ حساب

بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۷﴾

پر ایمان نہیں لاتا اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ میں ہوں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا ان کافروں نے زمین میں سفر نہیں کیا تاکہ یہ اپنے سے پہلے لوگوں کا انجام دیکھ لیتے جو ان سے زیادہ طاقت ور تھے اور زمین میں ان کے اثرات بھی بہت زیادہ تھے' اس کے باوجود اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ لیا اور ان کو اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہ تھاO اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے پاس اللہ کے رسول واضح دلائل لے کر آئے تھے' پھر بھی انہوں نے کفر کیا تو اللہ نے ان پر گرفت کی' بے شک وہ بہت قوت والا' سخت عذاب والا ہےO (المومن: ۲۲-۲۱)

کفار مکہ کو دنیا کے عذاب سے ڈرانا

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کو عذاب آخرت سے ڈرایا تھا اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کو دنیا کے عذاب سے ڈرایا ہے' کیونکہ کفار مکہ' مکہ کی سرزمین سے شام اور یمن کی طرف سفر کرتے رہتے تھے اور وہاں پچھلی کافر قوموں کی تباہی اور بربادی کے آثار تھے' عاد' ثمود اور ان جیسی دوسری قوموں کے' اور قریش ان اطراف سے اور ان راستوں سے گزرتے تھے۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کو یہ بتایا ہے کہ عقل مند وہ ہوتا ہے جو دوسروں سے عبرت حاصل کرے کیونکہ سابقہ کفار ان موجودہ کافروں سے جسمانی طور پر بھی بہت طاقت ور تھے اور ان کے علاقوں میں بھی ان کی شوکت اور سطوت کے بہت آثار اور نشانات تھے' انہوں نے بہت مضبوط اور مستحکم قلعے بنائے تھے اور بڑی بڑی عمارتیں بنائی تھیں' ان کے عظیم الشان محلات تھے اور ان کے پاس لشکر جرار تھے اور جب انہوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے آسمانی عذاب بھیج کر ان کو ہلاک کر دیا' حتیٰ کہ یہ موجودہ کفار بھی اپنے سفروں کے درمیان ان کی تباہی اور ہلاکت کے آثار کو دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کو ان کے احوال سے ڈرایا کہ اگر وہ اپنے کفر اور ہمارے نبی (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تکذیب سے باز نہ آئے تو ان کو بھی اسی طرح ہلاک کر دیا جائے گا جس طرح پچھلے زمانہ کے کافروں کو ہلاک کر دیا گیا تھا اور جب ان پر اللہ کا عذاب آیا تو ان کو اس عذاب میں کوئی بچانے والا نہ تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل کرنے کی وجہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر حجت تمام کر دی تھی اور اپنی توحید کا پیغام دے کر رسولوں کو ان کے پاس بھیجا تھا' پھر جب انہوں نے ان رسولوں کی تکذیب کی تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا عذاب نازل فرمایا اور وہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور روشن معجزے دے کر بھیجاO فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف تو انہوں نے کہا: یہ جادوگر ہے بہت جھوٹاO پھر جب ان کے پاس موسیٰ ہماری طرف سے برحق دین لے کر گئے تو انہوں نے کہا: جو لوگ ان پر ایمان لا چکے ہیں ان کے بیٹوں کو قتل کر دو اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رہنے دو اور کافروں کی سازش محض گمراہی (پر مبنی) ہےO (المومن: ۲۵-۲۳)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مخالفین کا قصہ بیان فرمانا

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پچھلی قوموں کی عمومی تکذیب کا حال سنا کر تسلی دی تھی اور ان آیتوں میں آپ کو بالخصوص حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حال سنا کر تسلی دے رہا ہے کہ ان کو قوم فرعون کی طرف

بھیجا گیا تھا اور فرعون اور اس کی قوم نے ان کے متعدد واضح معجزات دیکھنے کے باوجود ان کی تکذیب کی۔

اس آیت میں فرمایا ہے: ''ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور روشن معجزے دے کر بھیجا'' نشانیوں سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یہ معجزے ہیں (۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان کی گرہ کو کھول دینا' پھر وہ روانی سے بات کرنے لگے (۲) قوم فرعون یعنی قبطیوں پر طوفان کا آنا (۳) ان پر جوؤں کی کثرت (۴) ان پر مینڈکوں کی کثرت (۵) ان پر خون کی کثرت (۶) ان پر ٹڈیوں کی کثرت (۷) بنی اسرائیل کے لیے سمندر کو چیر دینا (۸) پتھر پر لاٹھی مارنا جس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے (۹) آل فرعون کو قحط اور پھلوں کی کمی میں مبتلا کرنا۔ اس کے بعد سلطان مبین کا ذکر فرمایا' اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہے' اس کا الگ ذکر فرمایا' کیونکہ یہ بہت عظیم معجزہ تھا' فرعون اور اس کی قوم اس معجزہ سے بہت خائف تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غلبہ میں اس کا بہت مؤثر کردار تھا۔

المومن: ۲۴ میں فرعون' ہامان اور قارون کا ذکر فرمایا۔ فرعون' مصر میں قوم عمالقہ کا فرماں روا تھا' اس نے اپنی حکومت اور بادشاہی کے گھمنڈ میں ربوبیت کا دعویٰ کر دیا تھا' ہامان فرعون کا وزیر تھا' حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا تھا لیکن اس آیت میں صرف فرعون اور ہامان کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ رعایا اپنے بادشاہ کے دین پر ہوتی ہے۔ قارون کا ذکر فرعون اور ہامان کے بعد فرمایا' کیونکہ قارون اسرائیلی تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عم زاد تھا' یہ ابتداء میں مومن تھا اور بنی اسرائیل میں سب سے بڑا عالم تھا اور تورات کا حافظ تھا' پھر مال و دولت کی فراوانی کی وجہ سے اس کا حال متغیر ہو گیا اور یہ سامری کی طرح منافق ہو گیا اور کفر کر کے فرعون اور ہامان کے ساتھ مل گیا اور ان ہی کے ساتھ ہلاک ہو گیا۔

المومن: ۲۵ میں فرمایا: ''پھر جب ان کے پاس موسیٰ ہماری طرف سے برحق دین لے کر گئے تو انہوں نے کہا: جو لوگ ان پر ایمان لا چکے ہیں ان کے بیٹوں کو قتل کر دو اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رہنے دو''۔

اس آیت میں بنو اسرائیل کے بیٹوں کے قتل کرنے کا جو ذکر ہے اس سے مراد ان کو دوسری بار قتل کرنے کا حکم دینا ہے' کیونکہ پہلی بار ان کو قتل کرنے کا حکم اس وقت دیا تھا جب نجومیوں نے فرعون کو یہ بتایا تھا کہ عنقریب بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہو گا جس کی وجہ سے فرعون کی حکومت جاتی رہے گی اور اس کی الوہیت کا دعویٰ باطل ہو جائے گا' پھر جب قبطیوں نے شکایت کی کہ اگر بنی اسرائیل کی نسل ختم ہو گئی تو پھر مشکل کام ان کو کرنے پڑیں گے' تو پھر اس نے یہ حکم موقوف کر دیا' پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا اور فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا علم ہوا اور اس کو یہ پتا چلا کہ کچھ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکے ہیں تو پھر اس نے غیظ و غضب میں آ کر یہ حکم دیا کہ جو لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکے ہیں ان کے بیٹوں کو قتل کر دیا جائے' کیونکہ اس کو یہ خطرہ تھا کہ اگر یہ بیٹے زندہ رہے تو اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت میں اضافہ ہو گا۔

اس کے بعد فرمایا: ''اور کافروں کی سازش محض گم راہی پر مبنی ہے''۔

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت کو کم کرنے اور ان کے دین کو نیچا دکھانے کے لیے جو تدبیریں اور سازشیں کر رہا تھا وہ انجام کار ناکام اور نامراد ہوں گی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فتح اور کامرانی حاصل ہو گی اور خود فرعون ہلاک ہو جائے گا' کیونکہ اللہ تعالیٰ جس پر رحمت فرمائے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور فرعون نے کہا: مجھے موسیٰ کو قتل کرنے دو اور موسیٰ کو چاہیے کہ وہ اپنے رب سے دعا کرے' مجھے یہ خطرہ ہے کہ وہ تمہارے دین کو بدل ڈالے گا یا وہ اس ملک میں بڑا ہنگامہ کرے گا O اور موسیٰ نے کہا: میں ہر اس متکبر سے جو روزِ

حساب پر ایمان نہیں لاتا اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ میں ہوں ○ (المومن: ۲۷-۲۶)

فرعون کی قوم فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل سے کیوں باز رکھنا چاہتی تھی؟

اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرعون حضرت موسیٰ کو قتل کرنا چاہتا تھا اور اس کی قوم اس کو اس اقدام سے روکتی تھی' فرعون کی قوم جو فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل سے روکتی تھی اس کی مفسرین نے حسب ذیل وجوہ بیان کی ہیں:

(۱) فرعون کی قوم میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن کا دل میں یہ اعتقاد تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے دعویٰ نبوت میں صادق ہیں' وہ مختلف حیلوں اور تدبیروں سے فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل سے باز رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔

(۲) فرعون کے مصاحبوں نے اس سے کہا: تم (حضرت موسیٰ علیہ السلام کو) قتل نہ کرو' وہ معمولی سے جادوگر ہیں' اگر تم نے ان کو قتل کر دیا تو عوام یہ سمجھیں گے کہ (حضرت) موسیٰ حق پر تھے اور تم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے' اس لیے تم نے ان کو قتل کرا دیا اور عوام تم سے بدظن ہو جائیں گے۔

(۳) فرعون کے ارکان دولت نے یہ سوچا کہ ابھی فرعون حضرت موسیٰ کے معاملہ میں الجھا ہوا ہے اور اس کی ہماری طرف توجہ نہیں ہے اور ہم ملک میں اپنی من مانی کر رہے ہیں' اگر یہ حضرت موسیٰ کو قتل کر کے اس مہم سے فارغ ہو گیا تو پھر اس کی توجہ ہماری طرف ہو گی اور یہ ہمیں اپنی من مانی نہیں کرنے دے گا' اس لیے وہ فرعون سے کہتے تھے کہ تم حضرت موسیٰ کو قتل نہ کرو۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ فرعون کو حضرت موسیٰ کو قتل کرنے سے کوئی منع تو نہیں کرتا تھا لیکن وہ یہ سوچتا تھا کہ اگر اس نے حضرت موسیٰ سے مقابلہ کر کے ان کو قتل کرنے کا اعلان کیا اور پھر دوران مقابلہ حضرت موسیٰ سے ایسے معجزات صادر ہوئے کہ وہ ان پر غالب نہ آ سکا تو وہ بہت ذلیل اور رسوا ہو گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس مقابلہ میں مارا جائے سو وہ خود اپنی موت سے ڈرتا تھا لیکن اس نے اپنا بھرم رکھنے کے لیے اور اپنا جعلی رعب ڈالنے کے لیے یہ کہا کہ ''مجھے (حضرت) موسیٰ کو قتل کرنے دو'' اور یہ ظاہر کیا کہ اس کی قوم اس کو حضرت موسیٰ کے قتل میں ہاتھ رنگنے سے منع کر رہی ہے' حالانکہ اس کو کوئی منع نہیں کر رہا تھا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرعون کا یہ قول نقل فرمایا: ''مجھے یہ خطرہ ہے کہ وہ تمہارے دین کو بدل ڈالے گا یا وہ اس ملک میں بڑا ہنگامہ برپا کرے گا''۔

فرعون کا اس کلام سے مقصود یہ تھا کہ وہ اپنے عوام کو یہ بتائے کہ وہ حضرت موسیٰ کو کیوں قتل کرنا چاہتا ہے' اس نے بتایا کہ حضرت موسیٰ سے اس کو یہ خطرہ ہے کہ وہ اس کی قوم کے دین کو فاسد کر دیں گے یا ان کی دنیا کو فاسد کر دیں گے' اس کے زعم میں دین کا فساد یہ تھا کہ اس کے نزدیک صحیح دین وہی تھا جس پر وہ اور اس کی قوم تھی اور چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی الوہیت کا انکار کرتے تھے اور اس کے عقائد اور نظریات کے مخالف تھے' اس لیے اس کو خطرہ تھا کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے مشن میں کامیاب ہو گئے تو اس کا اور اس کی قوم کا دین فاسد ہو جائے گا اور دنیا کے فساد کا خطرہ یہ تھا کہ اگر تم بنو اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آواز پر اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے فرعون کے خلاف بغاوت کر دی تو ملک میں شورش اور ہنگامہ ہو گا اور امن اور چین جاتا رہے گا اور ہو سکتا ہے کہ فرعون کی قوم کو جو اب اقتدار حاصل ہے وہ ان کے ہاتھ سے نکل جائے' بہر حال حضرت موسیٰ کے وجود سے خطرہ ہے' ان کے دین کو یا ان کی دنیا کو اور چونکہ ان کے نزدیک دین کا ضرر دنیا کے ضرر سے زیادہ خطرناک تھا اس لیے فرعون نے پہلے ان کو ان کے دین کے ضرر سے ڈرایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کے اسرار و رموز

المومن: ۲۷ میں فرمایا: ''اور موسیٰ نے کہا: میں ہر اس متکبر سے جو روزِ حساب پر ایمان نہیں لاتا اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ میں ہوں O''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا میں حسب ذیل نکات ہیں:

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا کا معنیٰ یہ ہے کہ دشمن کے شر سے صرف اللہ کی پناہ میں آ کر ہی نجات ملتی ہے سو میں اللہ کی پناہ میں آ رہا ہوں اور جو اللہ کے فضل پر اعتماد کرے اللہ اس کو ہر بلا سے محفوظ رکھتا ہے اور اس کی ہر آرزو کو پورا کرتا ہے۔

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا سے یہ معلوم ہوا کہ جس طرح مسلمان قرآن مجید پڑھنے سے پہلے ''**اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم**'' پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو شیطان کے وسوسوں سے محفوظ رکھتا ہے اور اس کے دین اور اس کے اخلاص کی حفاظت فرماتا ہے اسی طرح جب وہ آفات اور مصائب میں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ہر رنج اور پریشانی سے محفوظ رکھتا ہے۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں ہوں'' گویا کہ بندے کو یہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی مجھے اور تمہیں ہر شر سے محفوظ رکھا ہے اور ہر خیر تک پہنچایا ہے اور ہمیں بے شمار نعمتیں عطا کی ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی مالک اور مولیٰ نہیں ہے تو بندہ پر لازم ہے کہ جب بھی اسے کوئی مصیبت پیش آئے تو وہ اللہ کے سوا کسی اور سے اس مصیبت کو دور کرنے کے لیے نہ کہے اور جب بھی اسے کوئی مہم درپیش ہو تو اللہ کے سوا اور کسی سے مدد طلب نہ کرے۔

(۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں ہوں اور اپنی قوم کا ذکر فرمایا' اس قول میں انہوں نے اپنی قوم کو یہ ترغیب دی ہے کہ وہ بھی ہر شر اور ہر مصیبت میں صرف اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کیا کریں اور جب حضرت موسیٰ اور ان کی قوم سب مل کر اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کریں گے اور جب تمام نیک اور پاک روحیں مل کر ایک مطلوب کی دعا کریں گی تو اس دعا میں قبولیت کی تاثیر زیادہ قوی ہوگی اور باجماعت نمازیں ادا کرنے کا بھی یہی سبب ہے اور ''ایاک نعبد و ایاک نستعین'' کا بھی یہی نکتہ ہے۔

(۵) ہر چند کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خصوصیت کے ساتھ فرعون کی طرف سے آئی ہوئی مصیبت اور اس کے شر میں مبتلا تھے اس کے باوجود انہوں نے یوں نہیں فرمایا: میں فرعون کے شر سے اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں' بلکہ فرمایا: میں ہر اس متکبر سے جو روزِ حساب پر ایمان نہیں لاتا اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں ہوں' کیونکہ خصوصیت کے ساتھ فرعون کے شر سے نجات کی دعا کی بہ نسبت عمومی دعا زیادہ مفید تھی کہ میں ہر متکبر اور ہر منکر حساب کے شر سے اللہ کی پناہ میں ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ فرعون اللہ تعالیٰ کا دشمن تھا اور اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اپنی الوہیت کا دعویٰ دار تھا اور اپنے آپ کو رب اعلیٰ کہلواتا تھا اس لیے آپ نے اپنی دعا میں اس گستاخ بارگاہ صمدیت کا ذکر کرنا پسند نہیں فرمایا' بلکہ بالعموم فرمایا: میں ہر متکبر اور ہر منکر حساب سے تیری پناہ میں ہوں۔

(۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی دعا میں دو شخصوں سے پناہ طلب کی ہے' متکبر سے اور منکر حساب سے' اس لیے کہ جو شخص صرف متکبر ہو اور یوم حساب کا منکر نہ ہو' اس کا تکبر اس کو لوگوں کی ایذاء پر ابھارتا ہے لیکن قیامت اور روزِ حساب کا

خوف اس کو بعض اوقات تکبر کے تقاضے پورے کرنے سے باز رکھتا ہے' لیکن جس شخص کا قیامت اور یوم حساب پر ایمان نہ ہو وہ بالکل بے مہار اور بے لگام ہوتا ہے' اس کو اپنے تکبر کے تقاضے پورا کرنے سے کون سی چیز روک سکتی ہے' اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خصوصیت کے ساتھ متکبر اور منکر حساب سے پناہ میں رہنے کی دعا کی۔

(۷) فرعون نے جب کہا تھا کہ ''مجھے موسیٰ کو قتل کرنے دو اور موسیٰ کو چاہیے کہ وہ اپنے رب سے دعا کرے'' تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کرنے کے لیے استہزاءً کہا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور اپنے متبعین کے لیے پناہ کی دعا کر کے یہ ظاہر فرمایا: تو جس چیز کو بہ طریق استہزاء کہہ رہا ہے وہی تو اصل دین ہے اور صریح حق ہے' میں اپنے رب سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھ سے تیرے شر کو دور کر دے اور عنقریب تو دیکھ لے گا کہ میرا رب کس طرح تجھ پر قہر فرماتا ہے اور کس طرح مجھ کو غلبہ عطا فرماتا ہے۔

یہ عالی قدر نکات امام رازی نے بیان فرمائے ہیں' ان نکات کو لکھنے کے بعد امام رازی فرماتے ہیں کہ جس شخص کی عقل ان تمام نکات کا احاطہ کر لے گی وہ یہ سمجھ لے گا کہ دشمنوں کی سازشوں سے اور ان کے شر سے بچنے کا صرف یہی طریقہ ہے کہ وہ اللہ سے حفاظت اور اس کی پناہ طلب کرے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۰۸' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت عبد اللہ بن قیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی قوم سے خطرہ ہوتا تو آپ یہ دعا فرماتے تھے:

اللھم انا نجعلک فی نحورھم ونعوذ بک من شرورھم۔ اے اللہ! ان کے مقابلہ میں ہم تجھ کو لاتے ہیں اور ان کے شر اور فساد سے تیری پناہ میں آتے ہیں۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۵۴ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۲ ص ۴۹۵۔۴۹۴' موسسۃ الرسالۃ بیروت' ۱۴۲۰ھ' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۵۳۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۶۳۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۷۶۵' المستدرک ج ۲ ص ۱۴۲' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۲۵۳' اس حدیث کی سند حسن ہے۔)

دشمن کے خطرہ کے وقت اللہ کی پناہ طلب کرنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھی سنت ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی سنت ہے اور ہمیں یہ دعا آپ کی سنت کی نیت سے کرنی چاہیے کیونکہ ہمیں آپ ہی کی اتباع کرنے کا حکم دیا ہے اور ہمارے لیے اسی میں فوز و فلاح ہے۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ

فرعون کے متبعین میں سے ایک مرد مومن جو اپنا ایمان مخفی رکھتا تھا' اس نے کہا: کیا تم ایک مرد

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ

کو اس لیے قتل کر رہے ہو کہ اس نے کہا: میرا رب اللہ ہے' حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے

بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ

نشانیاں لا چکا ہے' اگر وہ (بالفرض) جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اس پر ہے

يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ

اور اگر وہ سچا ہے تو جس (عذاب) سے وہ ڈرا رہا ہے اس میں سے کچھ نہ کچھ (عذاب) تو تم پر آئے

مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿٢٨﴾ يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ

گا' بے شک جو حد سے تجاوز کرنے والا جھوٹا ہو' اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا O اے میری قوم! آج تمہاری حکومت ہے

فِي الْاَرْضِ ۫ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ؕ

کیونکہ تم اس ملک پر غالب ہو' لیکن اگر اللہ کا عذاب ہم پر آ گیا تو کون ہماری مدد کرے گا؟

قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ

فرعون نے کہا: میں تمہیں وہی (راستہ) دکھا رہا ہوں جو میں خود دیکھ رہا ہوں اور میں تمہیں صرف کامیابی کی راہ

الرَّشَادِ ﴿٢٩﴾ وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ

دکھا رہا ہوں O اور اس مرد مومن نے کہا: اے میری قوم! مجھے خطرہ ہے کہ تم پر سابقہ امتوں کی طرح

مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿٣٠﴾ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّ

عذاب آ جائے گا O جس طرح نوح کی قوم اور عاد اور ثمود

ثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا

اور ان کے بعد کے لوگوں کا طریقہ تھا اور اللہ بندوں پر ظلم کرنے کا ارادہ

لِّلْعِبَادِ ﴿٣١﴾ وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿٣٢﴾

نہیں فرماتا O اور اے میری قوم! مجھے تم پر چیخ و پکار کے دن کا خطرہ ہے O

يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَ

جس دن تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے' تمہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہو گا اور

مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿٣٣﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ

جس کو اللہ گم راہ کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے O اور بے شک اس سے پہلے

يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا

تمہارے پاس یوسف کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے' پس تم ان کی لائی ہوئی نشانیوں

جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ

میں شک ہی کرتے رہے حتیٰ کہ جب وہ وفات پا گئے تو تم نے کہا: اب اللہ ان کے بعد ہرگز کوئی

بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ

رسول نہیں بھیجے گا' اور اللہ اسی طرح اس کو گمراہ کرتا ہے جو حد سے متجاوز

مُّرْتَابُ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ

ہو' شک میں مبتلا ہو O جو لوگ بغیر کسی ایسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو جھگڑتے ہیں' اللہ کے نزدیک

اَتٰهُمْ ؕ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ كَذٰلِكَ

اور مومنوں کے نزدیک ایسا جھگڑا سخت غصہ کا موجب ہے

يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ

اللہ اسی طرح ہر جبار متکبر کے دل پر مہر لگا دیتا ہے O اور فرعون نے کہا:

يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾ اَسْبَابَ

اے ہامان! میرے لیے ایک بلند عمارت بنا دے شاید کہ میں ان راستوں تک پہنچ جاؤں O جو آسمانوں کے

السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَ

راستے ہیں' پھر میں موسیٰ کے خدا کو دیکھ لوں اور بے شک میں ضرور گمان کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے اور

كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ؕ

اسی طرح فرعون کے برے عمل کو اس کے نزدیک خوش نما بنا دیا گیا اور اس کو

وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾ ع

سیدھے راستے سے روک دیا گیا اور فرعون کی ہر سازش صرف ناکام ہونے والی تھی O

ع ۴ ۱۰ ۹

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرعون کے متبعین میں سے ایک مردِ مومن جو اپنا ایمان مخفی رکھتا تھا' اس نے کہا: کیا تم ایک مرد کو اس لیے قتل کر رہے ہو کہ اس نے کہا: میرا رب اللہ ہے' حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے نشانیاں لا چکا ہے' اگر وہ (بالفرض) جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر ہے اور اگر وہ سچا ہے تو جس عذاب سے وہ ڈرا رہا ہے اس میں سے کچھ نہ کچھ (عذاب) تو تم پر آئے گا' بے شک جو حد سے تجاوز کرنے والا جھوٹا ہو' اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا O اے میری قوم! آج تمہاری حکومت ہے' کیونکہ تم اس ملک پر غالب ہو' لیکن اگر اللہ کا عذاب ہم پر آ گیا تو کون ہماری مدد کرے گا؟ فرعون نے کہا: میں تمہیں وہی (راستہ) دکھا رہا ہوں جو میں خود دیکھ رہا ہوں اور میں تمہیں کامیابی کی راہ دکھا رہا ہوں O (المومن: ۲۹۔۲۸)

قوم فرعون کے مردِ مومن کا تعارف اور اس کی فضیلت اور اس کے ضمن میں حضرت ابوبکر کی فضیلت

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

المومن: ۲۸ میں جس مردِ مومن کا ذکر ہے' سدی نے کہا: وہ فرعون کا عم زاد تھا' لیکن وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا اور وہ اپنے ایمان کو فرعون اور اس کی قوم سے مخفی رکھتا تھا کیونکہ اس کو اپنی جان کا خطرہ تھا اور یہی وہ شخص تھا جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نجات حاصل کی تھی اور دوسرے مفسرین نے کہا: بلکہ وہ شخص اسرائیلی تھا' وہ اپنے ایمان کو فرعون اور آل فرعون سے مخفی رکھتا تھا۔ امام ابن جریر نے کہا: ان میں راجح قول سدی کا ہے۔

(جامع البیان جز ۲۴ ص ۴۷۔۳۷' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابواسحٰق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر علماء نے کہا: اس مردِ مومن کا نام حزبیل تھا' وہب بن منبہ نے کہا: اس کا نام حزیقال تھا' ابن اسحاق نے کہا: اس کا نام خبرل تھا' ابواسحاق نے کہا: اس کا نام حبیب تھا۔

(الکشف والبیان ج ۸ ص ۲۷۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

یہ شخص ابتداء میں فرعون اور اس کے درباریوں سے اپنے ایمان کو چھپاتا تھا' بعد میں جب ایمان کی حرارت اس کے خون میں چنگاریوں کی طرح گردش کرنے لگی تو اس نے فرعون کے غیظ و غضب کی پرواہ کیے بغیر برملا اپنے ایمان کا اظہار کر دیا اور جب وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے تو ان کو منع کیا اور وہ شخص اس حدیث کا مصداق تھا:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! کسی شخص کو جب حق بات کا علم ہو تو وہ لوگوں کے دباؤ اور ان کے خوف کی وجہ سے حق بیان کرنے کو ترک نہ کر دے' سنو! ظالم کے سامنے کلمہ حق کہنا سب سے افضل جہاد ہے۔ الحدیث (مسند احمد ج ۳ ص ۱۹ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۷ ص ۲۲۸' رقم الحدیث: ۱۱۱۴۳' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۱۰۱' المستدرک ج ۴ ص ۵۰۵' شعب الایمان رقم الحدیث: ۸۲۸۹' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۷۵۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۹۱' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۴۰۳۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۰۰' جامع المسانید والسنن مسند ابی سعید الخدری رقم الحدیث: ۱۲۸)

جس طرح قوم فرعون میں سے ایک مردِ مومن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حمایت کی تھی' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کی تھی' بلکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حمایت زیادہ قوی تھی' حدیث میں ہے:

عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کون سی سخت اذیت پہنچائی تھی؟ انہوں نے کہا: میں نے ایک دن دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نماز پڑھ رہے تھے' عقبہ بن ابی معیط آیا اور وہ اپنی چادر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن میں ڈال کر سختی کے ساتھ آپ کا گلا گھونٹنے لگا' اس وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آ گئے' انہوں نے اس کو دھکا دیا اور اس کو آپ سے دور کر دیا اور یہ کہا: کیا تم ایک شخص کو اس لیے قتل کر رہے ہو کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے' حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے نشانیاں لا چکا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۷۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۶۹۰۸' عالم الکتب' بیروت)

اس شخص نے کہا: "اگر وہ (بالفرض) جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر ہے اور اگر وہ سچا ہے تو جس عذاب سے وہ ڈرا رہا ہے اس میں سے کچھ نہ کچھ (عذاب) تو تم پر آئے گا"۔

مدعی نبوت کو قتل نہ کرنے پر ایک اعتراض اور امام رازی کی طرف سے اس اعتراض کا جواب

اس آیت پر بہر حال یہ اشکال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مرد مومن کا یہ کلام نقل فرمایا ہے کہ اگر یہ شخص جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال صرف اسی پر ہو گا یعنی اس کو قتل کرنے کی ضرورت نہیں ہے' اس آیت کے بہ موجب اگر کوئی جھوٹا نبی اپنے باطل دین کی تبلیغ کر رہا ہو تو اس کو چھوڑ دیا جائے حالانکہ جھوٹے نبی اور زندیق کو قتل کرنا واجب ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

ہم یہ نہیں مانتے کہ اس کے جھوٹ کا ضرر صرف اسی تک محدود رہے گا کیونکہ وہ لوگوں کو اپنے باطل دین کی دعوت دے گا اور لوگ اس کے باطل دین اور فاسد مذہب کو اپنا لیں گے اور اس سے بہت فتنہ اور فساد ہو گا' اس لیے اس فتنہ کا سد باب کرنے کے لیے علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جو زندیق لوگوں کو اپنے باطل دین کی دعوت دے رہا ہو اس کو قتل کرنا واجب ہے' دوسرا اشکال یہ ہے کہ اس طرح ہر زندیق اور ہر باطل کو اپنے عقائد باطلہ کی تبلیغ کی اجازت مل جائے گی اور تیسرا اشکال یہ ہے کہ اس طرح تو پھر کفار سے جہاد بھی نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اگر ان کا کفر جھوٹ ہے تو ان کے اس جھوٹ کا ضرر صرف ان ہی کو ہو گا' پھر امام رازی نے ان تینوں اشکالوں کا یہ جواب لکھا ہے: اس مرد مومن کے کلام کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر حضرت موسیٰ جھوٹے ہیں تو تم کو ان کے شر کو دور کرنے کے لیے ان کو قتل کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ تم ان کو تبلیغ کرنے سے روک دو' پھر ان کو قتل کرنے سے باز رہو' پس اگر یہ جھوٹے ہیں تو ان کے جھوٹ کا ضرر صرف ان ہی تک محدود رہے گا اور اگر یہ سچے ہیں تو تم ان سے نفع حاصل کرو' خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ جھوٹے ہیں تو تمہیں ان کو قتل کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ تم ان کو ان کے دین کے اظہار سے روک دو اور اس تقریر سے یہ تینوں اعتراض دور ہو جائیں گے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۱۰-۵۰۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اعتراض مذکور کا مصنف کی طرف سے جواب

میرے نزدیک اس تقریر سے یہ اعتراض دور نہیں ہوں گے کیونکہ اصل اور قوی اعتراض یہ ہے کہ جھوٹے نبی اور زندیق کو قتل کرنے کے وجوب پر تمام علماء اسلام کا اجماع ہے اور اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ جھوٹے نبی کو صرف تبلیغ سے روک دیا جائے اس کو قتل نہ کیا جائے' اسی طرح کفار اگر اپنے کفر کی تبلیغ نہ کریں اور اپنے کفر پر قائم رہیں تو ان کو بھی قتل نہ کیا جائے حالانکہ کفار کے خلاف مطلقاً جہاد کرنا فرض ہے خواہ وہ اپنے کفر کی تبلیغ کریں یا نہ کریں۔

میں نے نہیں دیکھا کہ امام رازی سے پہلے کسی کو یہ اشکال سوجھا ہو اور وہ اس کے جواب کے درپے ہوا ہو اور میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے یہ کہتا ہوں کہ اس آیت میں اس مرد مومن نے مطلقاً کسی زندیق' جھوٹے نبی یا کفار اور منافقین کے لیے یہ حکم اور یہ قاعدہ بیان نہیں کیا کہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے اور ان کو قتل نہ کیا جائے' اگر وہ جھوٹے ہیں تو ان

کے جھوٹ کا وبال صرف ان پر ہوگا اور اگر ایسا ہوتا تو قرآن مجید میں کفار اور منافقین سے جہاد کرنے کے متعلق اس قدر آیات کیوں نازل ہوتیں' بلکہ اس مرد مومن نے یہ حکم صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بیان کیا ہے' کیونکہ اس کا یہ ایمان تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں اور آپ اپنے دعویٰ نبوت میں صادق ہیں' لیکن فرعون اور اس کے درباری حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھوٹا سمجھتے تھے اور آپ کو قتل کرنے کے درپے تھے تو اس مرد مومن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جان بچانے کے لیے کہا کہ اگر حضرت موسیٰ بالفرض جھوٹے ہیں تو ان کے جھوٹ کا وبال صرف ان پر ہوگا' ان کو قتل کرنے کی کیا ضرورت ہے اور اگر وہ سچے ہیں تو جس عذاب سے وہ ڈرا رہے ہیں اس میں سے کچھ نہ کچھ عذاب تو تم پر آئے گا۔ اس مرد مومن کا یہ کلام قضیہ شخصیہ ہے اور صرف حضرت موسیٰ کے متعلق ہے' جن کے بارے میں اس مرد مومن کا یہ ایمان تھا کہ آپ صادق ہیں اور اس کا یہ کلام قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ جو شخص بھی دعویٰ نبوت کرے اس کو قتل مت کرو' اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو' اگر وہ اپنے دعویٰ نبوت میں جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اس پر ہوگا اور اگر وہ سچا ہے تو اس کی' کی ہوئی عذاب کی پیش گوئی ضرور پوری ہوگی۔ پھر اپنے کلام کے آخر میں اس مرد مومن نے کہا: بے شک جو حد سے تجاوز کرنے والا جھوٹا ہو' اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا۔ یعنی اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے دعویٰ نبوت میں جھوٹے ہوتے اور اپنی حد سے یعنی عام انسان کی حد سے تجاوز کر کے نبوت کا دعویٰ کرنے والے ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کو اس قدر دلائل اور معجزات پیش کرنے کی ہدایت کیوں دیتا؟ ان کو ید بیضاء اور عصا کیوں عطا فرماتا؟ ان کی مخالفت کرنے والوں پر جوئیں' مینڈکوں اور خون کیوں نازل فرماتا' اس سے واضح ہوگیا کہ اس مرد مومن کا یہ کلام بالخصوص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق تھا' بالعموم ہر مدعی نبوت کے متعلق نہیں تھا کہ جو شخص بھی نبوت کا دعویٰ کرے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو اور اس کو قتل نہ کرو' جیسا کہ امام رازی قدس سرہٗ نے خیال فرمایا ہے اور کہا ہے کہ اس پر یہ اعتراض ہوگا کہ کسی زندیق کو قتل کیا جائے نہ کسی کافر کے خلاف جہاد کیا جائے۔ یہ اعتراض اس وقت لازم آتے جب اس مرد مومن نے عمومی طور پر قاعدہ کلیہ بیان کیا ہوتا۔

اور قرآن مجید میں جس طرح قضایا کلیہ ہیں اسی طرح قضایا شخصیہ بھی ہیں' مثلاً قرآن مجید میں ہے:

تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكَ. (الاحزاب:۵۱)

(ان ازواج میں سے) جس کو چاہیں آپ اپنے سے دور رکھیں اور جس کو چاہیں اپنے پاس رکھیں اور جن ازواج کو آپ اپنے پاس سے الگ کر چکے ہیں ان میں سے کسی کو بھی آپ طلب کر لیں تو آپ پر کوئی حرج نہیں ہے۔

جن مسلمانوں نے ایک سے زیادہ بیویاں رکھی ہیں ان پر واجب ہے کہ ان میں عدل سے تقسیم کریں' ایک دن ایک بیوی کے پاس رہیں تو دوسرے دن دوسری بیوی کے پاس رہیں' ان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی ایک بیوی کو اپنے پاس رکھ لیں اور دوسری کو نہ رکھیں' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ حکم بیان فرمایا ہے کہ آپ اپنی ازواج میں سے جس کو چاہیں اپنے ساتھ رکھیں اور جس کو چاہیں اپنے ساتھ نہ رکھیں اور یہ حکم عام مسلمانوں کے لیے نہیں ہے' اب اگر اس آیت سے کوئی شخص یہ نتیجہ نکالے کہ عام مسلمانوں کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ جس بیوی کو چاہے اپنے پاس رکھے اور جس کو چاہے نہ رکھے تو اس کا یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا' جب اس نے ایک سے چار تک متعدد شادیاں کیں ہیں اور متعدد بیویاں رکھی ہیں تو اس کو انہیں باری باری انصاف سے رکھنا ہوگا' اسی طرح اس مرد مومن کا چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان تھا تو اس نے فرعون اور اس کے درباریوں سے کہا: تم ان کو قتل کیوں کرتے ہو؟ اگر بالفرض وہ جھوٹے ہیں تو ان کے

جھوٹ کا وبال صرف ان پر ہوگا اور اس مردِ مومن نے ہر مدعی نبوت کے لیے عام حکم نہیں بیان کیا تھا کہ جو شخص بھی نبوت کا دعویٰ کرے اس کو قتل مت کرو' اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال خود اسی پر ہوگا' نیز اس مردِ مومن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صادق اور ہدایت یافتہ ہونے پر یہ دلیل بھی قائم کی تھی کہ:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ○ بے شک جو حد سے تجاوز کرنے والا جھوٹا ہو اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا۔ (المومن: ۲۸)

وہ مردِ مومن اس جملہ سے یہ بیان کر رہا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں' اگر وہ اپنی حد سے تجاوز کر کے نبوت کا دعویٰ کرتے اور دعویٰ نبوت میں جھوٹے ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نہ دیتا اور دلائل و معجزات سے ان کی تائید نہ فرماتا اور اب آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا کہ اس مردِ مومن کے کلام میں حکم عام نہیں ہے۔

علامہ نظام الدین قمی نیشا پوری متوفی ۷۲۸ھ نے امام رازی کے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ ہر چند کہ اس مردِ مومن کے کلام سے یہ بات نکلتی ہے کہ مدعی نبوت اگر جھوٹا ہو تو اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے اور اس کو قتل نہ کیا جائے جب کہ علماء اسلام کا اجماع ہے کہ زندیق کو قتل کرنا واجب ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت اسلام کے احکام اس قدر واضح نہیں تھے جتنے اب واضح ہیں۔ (غرائب القرآن جز ۲۴ ص ۴۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس جواب کا مآل یہ ہے کہ اس مردِ مومن کا یہ کہنا صحیح نہیں تھا کہ جھوٹے نبی کو اس کے حال پر چھوڑ دو اور اگر ایسا ہی تھا تو اللہ تعالیٰ اس مردِ مومن کے اس کلام کو رد فرما دیتا کیونکہ اگر جھوٹے نبی کو قتل نہ کیا جائے تو ہدایت گمراہی کے ساتھ مشتبہ ہو جائے گی' جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس مردِ مومن کے کلام کی تحسین فرمائی ہے اور آلِ فرعون پر اس کے کلام کے متعدد جملوں کو بہ طور حجت اور نصیحت پیش فرمایا ہے۔ لہٰذا امام رازی کا جواب صحیح تھا نہ علامہ نیشا پوری کا جواب صحیح ہے' صحیح جواب وہی ہے جو ہم نے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے لکھا ہے۔ والحمد للہ رب العلمین

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئی کے بعض حصہ کے پورا نہ ہونے پر اعتراض کا جواب

اس مردِ مومن نے کہا: "اگر یہ سچے ہوئے تو جس عذاب سے یہ ڈرا رہے ہیں اس میں سے کچھ نہ کچھ (عذاب) تو تم پر آئے گا"۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ ایسا تو کاہنوں کی پیش گوئیوں میں ہوتا ہے کہ ان کی پیش گوئی میں سے کچھ نہ کچھ پورا ہو جاتا ہے' سچے نبی کی تو یہ شان ہے کہ وہ جو کچھ کہے وہ پورا کا پورا ہو جاتا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو دنیا کے عذاب سے بھی ڈرایا تھا اور آخرت کے عذاب سے بھی ڈرایا تھا' سو دنیا میں ان کی پیش گوئی کا ایک حصہ پورا ہوا اور فرعون اور اس کی قوم کو سمندر میں غرق کر دیا گیا اور ان کی پیش گوئی کا دوسرا حصہ آخرت میں پورا ہوگا جب ان کو دوزخ میں ڈالا جائے گا' اس لیے دنیا میں تو بہر حال موسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئی کا ایک حصہ ہی پورا ہوگا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس مردِ مومن کے قول کا یہ حصہ نقل فرمایا:

"اے میری قوم! آج تمہاری حکومت ہے' کیونکہ تم اس ملک پر غالب ہو' لیکن اگر اللہ کا عذاب ہم پر آ گیا تو کون ہماری مدد کرے گا؟ فرعون نے کہا: میں تمہیں وہی راستہ دکھا رہا ہوں جو میں خود دیکھ رہا ہوں اور میں تمہیں کامیابی کی راہ دکھا رہا ہوں ○" (المومن: ۲۹)

اس مرد مومن کی حضرت موسیٰ کو بچانے کی ایک اور کوشش

یعنی اے میری قوم! آج سرزمین مصر میں تمہارا اقتدار ہے اور اس وقت تمہاری ٹکر کی کوئی قوم نہیں ہے' لیکن اگر ہم پر اللہ کا عذاب آ گیا تو ہماری مدد کو کون آئے گا؟ سنو! تم حضرت موسیٰ کو قتل کر کے اپنے امن اور چین کو برباد نہ کرو' اس مرد مومن کے خطاب سے یہ معلوم ہو گیا کہ وہ اسرائیلی نہیں تھا قبطی تھا اور فرعون کی قوم سے تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر ان کی نبوت پر ایمان لا چکا تھا' اس نے اپنے اس قول میں ملک اور اقتدار کی نسبت اپنی قوم کی طرف کی' تاکہ اس کی قوم خوش ہو اور عذاب کا محل اور مورد بننے کی اپنی طرف نسبت کی تاکہ ان کے دل مطمئن ہوں اور وہ یہ سمجھیں کہ یہ شخص واقعی ہمارا خیر خواہ ہے اور ان کے لیے اسی نفع کے حصول کی کوشش کر رہا ہوں جو نفع اپنے لیے حاصل کرنا چاہتا ہے۔

فرعون نے اس مرد مومن کی نصیحت سن کر کہا: میں نے جو موسیٰ کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا تھا میرے نزدیک وہی بہتر ہے تاکہ اس فتنہ کا مادہ جڑ سے ختم ہو جائے اور میں نے تم سے جو کہا ہے تمہاری کامیابی اسی میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس مرد مومن نے کہا: اے میری قوم! مجھے خطرہ ہے کہ تم پر سابقہ امتوں کی طرح عذاب آ جائے گا O جس طرح نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد کے لوگوں کا طریقہ تھا اور اللہ بندوں پر ظلم کرنے کا ارادہ نہیں فرماتا O اور اے میری قوم! مجھے تم پر چیخ و پکار کے دن کا خطرہ ہے O جس دن تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے' تمہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہو گا اور جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے O (المومن: ۳۳۔۳۰)

مرد مومن کا قوم فرعون کو بار بار نصیحت کرنا

المومن: ۳۰ میں فرمایا: ''اور اس مرد مومن نے کہا: اے میری قوم! مجھے خطرہ ہے کہ تم پر سابقہ امتوں کی طرح عذاب آ جائے گا O''

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس مرد مومن کے کہے ہوئے کئی فقرے ذکر فرمائے ہیں جو اس نے فرعون سے کہے تھے' یعنی اگر تم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا تو تم پر بھی ان پچھلی امتوں کی طرح عذاب آ جائے گا جنہوں نے اپنے اپنے زمانوں میں انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی تھی۔

المومن: ۳۱ میں فرمایا: ''جس طرح نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد کے لوگوں کا طریقہ تھا''۔

اس سے پہلی آیت میں سابقہ امتوں کا اجمالاً ذکر فرمایا تھا اور اس آیت میں ان کی تفصیل فرمائی ہے کہ وہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور عاد اور ثمود ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: ''اور اللہ بندوں پر ظلم کرنے کا ارادہ نہیں فرماتا'' یعنی اللہ کسی بندہ پر ظلم نہیں فرماتا' جن کو عذاب دیتا ہے وہ اس کا عدل ہے اور جن کو ثواب عطا فرماتا ہے وہ اس کا فضل ہے۔

المومن: ۳۲ میں اس مرد مومن کا یہ قول ذکر فرمایا: ''اے میری قوم! مجھے تم پر چیخ و پکار کے دن کا خطرہ ہے O''

التنادی نداء کا باب تفاعل ہے اور اس کا معنٰی ہے: ایک دوسرے کو ندا کرنا' اور قیامت کے دن اہل جنت اور اہل دوزخ ایک دوسرے کو ندا کریں گے' قرآن مجید میں ہے:

وَنَادٰٓی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ ۔ اور اصحاب جنت نے اصحاب دوزخ کو ندا کی۔

(الاعراف: ۴۴)

وَنَادٰٓی اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۔ اور اصحاب دوزخ نے اصحاب جنت کو ندا کی۔

(الاعراف: ۵۰)

المومن: ۳۳ میں فرمایا: ''جس دن تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے' تمہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا اور جس کو اللہ گم راہ کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے''۔
جس دن کفار پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے' اس سے مراد بھی قیامت کا دن ہے' جس دن وہ ایک دوسرے کو پکاریں گے' پھر دوبارہ ان کو اس دن کے عذاب سے ڈراتے ہوئے فرمایا: ''تمہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا'' اور ان کی زبردست گم راہی اور پرلے درجہ کی جہالت پر متنبہ کرتے ہوئے فرمایا: ''اور جس کو اللہ گمراہ کردے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے O''
اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہی ان کو گمراہ کیا ہے تو پھر اس گمراہی میں ان کا کیا قصور ہے؟ اس کا جواب ہم اپنی اس تفسیر میں کئی بار لکھ چکے ہیں' ایک جواب یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے گم راہی کو اختیار کیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان میں گم راہی کو پیدا کردیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان میں ایسی گستاخیاں کیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی سزا کے طور پر ان کے اندر گم راہی کو راسخ کردیا۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک اس سے پہلے تمہارے پاس یوسف کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے' پس تم ان کی لائی ہوئی نشانیوں میں شک ہی کرتے رہے' حتیٰ کہ جب وہ وفات پا گئے تو تم نے کہا: اب اللہ ان کے بعد ہرگز کوئی رسول نہیں بھیجے گا اور اللہ اسی طرح' اس کو گمراہ کرتا ہے جو حد سے متجاوز ہو' شک میں مبتلا ہو O جو لوگ بغیر کسی ایسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو جھگڑتے ہیں' اللہ کے نزدیک اور مؤمنوں کے نزدیک ایسا جھگڑا سخت غصہ کا موجب ہے' اللہ اسی طرح ہر جبار متکبر کے دل پر مہر لگا دیتا ہے O (المومن: ۳۵۔۳۴)

حضرت یوسف اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے زمانہ کے کافروں میں مماثلت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل مصر سے خطاب فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے تمہارے پاس حضرت یوسف علیہ السلام دلائل اور معجزات لے کر آئے تھے' ان کا اہم معجزہ یہ تھا کہ وہ خواب کی تعبیر بتاتے تھے اور ان کے صدق اور ان کی عصمت پر ایک نوزائیدہ بچے نے شہادت دی تھی' مصر کے بادشاہ کے فوت ہونے کے بعد حضرت موسیٰ کو مبعوث کیا گیا تھا' اس میں اختلاف ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں جو مصر کا بادشاہ تھا یہ وہی فرعون تھا جو حضرت موسیٰ کے زمانہ میں تھا (مصر کے بادشاہوں کا لقب فرعون تھا) یا یہ فرعون اس کی اولاد میں سے تھا' ابن قتیبہ نے ''کتاب المعارف'' میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے درمیان نو سو سال کا عرصہ ہے اور حضرت یوسف اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے درمیان چار سو سال کا عرصہ ہے
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل مصر کو مخاطب کر کے فرمایا ہے: ''اور بے شک اس سے پہلے تمہارے پاس یوسف کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے''۔
اس زمانہ میں صرف ایک بوڑھی عورت تھی' جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کا زمانہ پایا تھا اور وہ ان کی قبر کو پہچانتی تھی' اس کے علاوہ اور کوئی شخص اس زمانہ کا نہ تھا' لہٰذا اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ تمہارے آباء واجداد کے پاس یوسف کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہودیوں سے خطاب کر کے فرمایا:

قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ O (البقرہ: ۹۱)

آپ کہیے: اگر تم واقعی گزشتہ (آسمانی) کتابوں پر ایمان رکھتے ہو تو تم اس سے پہلے اللہ کے نبیوں کو کیوں قتل کرتے تھے؟ O

اور اس آیت میں ان یہودیوں کے آباء واجداد مراد ہیں کیونکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو یہودی تھے

انہوں نے نبیوں کو قتل نہیں کیا تھا' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے اہل مصر قبطیوں کو مخاطب کر کے فرمایا: ''اور اس سے پہلے تمہارے پاس یوسف کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے'' حالانکہ حضرت یوسف علیہ السلام ان قبطیوں کے باپ دادا کے پاس آئے تھے۔ اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ اب یہ بھی لازم نہیں آتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جو فرعون تھا یہ وہی ہو جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں تھا۔

تمام اگلے اور پچھلے انسانوں کی یہ سرشت رہی ہے کہ جب بھی ان کے پاس کوئی نبی بھیجا گیا تو انہوں نے اس کا انکار کیا' ماسوا ان چند لوگوں کے جن کو اللہ نے اپنے فضل و کرم سے ہدایت دی' اسی وجہ سے مصر کے اکثر لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کی نبوت پر ایمان نہیں لائے تھے اور جب حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات ہو گئی تو انہوں نے کہا کہ اب ان کے بعد کوئی اللہ کا رسول نہیں آئے گا اور جس طرح یہ لوگ گمراہی میں مبتلا ہو گئے تھے اسی طرح ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کی گم راہی میں مبتلا رہنے دیتا ہے جو اس کی نافرمانی کرنے میں حد سے تجاوز کرنے والے ہوں اور اس کے برحق دین میں اور اس کے نبیوں کے معجزات دیکھنے کے باوجود ان کی نبوت میں شک کرتے ہوں۔

جبار اور متکبر کا معنیٰ اور ان کے متعلق احادیث

المومن: ۳۵ میں فرمایا: ''جو لوگ بغیر کسی ایسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو جھگڑتے ہیں' اللہ کے نزدیک اور مؤمنوں کے نزدیک ایسا جھگڑا سخت غصہ کا موجب ہے۔ اللہ اسی طرح ہر جبار متکبر کے دل پر مہر لگا دیتا ہے O''

اس آیت میں جبار متکبر کے الفاظ ہیں' جبر کے معنیٰ ہیں: نقصان کو پورا کرنا' جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ اس کو اللہ کی طرف سے کوئی درجہ حاصل ہے حالانکہ وہ اس درجہ کا مستحق نہ ہو اس کو جبار کہتے ہیں' اس اعتبار سے یہ لفظ بہ طور مذمت استعمال کیا جاتا ہے' بادشاہ کو جبار اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اپنی خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے لوگوں پر جبر اور قہر کرتے ہیں اور متکبر اس شخص کو کہتے ہیں جو حق کا انکار کرے اور لوگوں کو حقیر جانے اور فرعون کی قوم کے لوگ ایسے ہی تھے' وہ بنو اسرائیل پر قہر اور جبر کرتے تھے' ان کو حقیر جانتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کرتے تھے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: ''اللہ ہر جابر متکبر کے دل پر مہر لگا دیتا ہے'' ان کے دلوں پر مہر لگانے کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کے دلوں میں جو کجی' گمراہی اور کفر ہے وہ ان کے دلوں سے نہیں نکل سکتا اور باہر سے ان کے دلوں میں ہدایت' اخلاص اور ایمان داخل نہیں ہو سکتا۔ پس صاحب عقل کو چاہیے کہ وہ ان اسباب کا دامن تھام لے جو اس کا سینہ کھولنے کے موجب ہوں اور ان اسباب سے مجتنب رہے جو اس کے دل پر مہر لگانے کے موجب ہوں۔

بعض عارفین نے کہا ہے کہ قلب کی اصلاح پانچ چیزوں سے ہوتی ہے: (۱) کم کھانا (۲) کم سونا (۳) قرآن مجید اور احادیث میں غور و فکر کرنا اور ان کے تقاضوں پر عمل کرنا (۴) رات کے آخر پہر میں اٹھ کر اللہ سے توبہ اور استغفار کرنا (۵) اللہ کے نیک بندوں سے محبت کرنا اور ان کی رفاقت کو طلب کرنا۔ اس آیت میں جبار اور متکبر کی مذمت فرمائی ہے' احادیث میں بھی ان کی مذمت ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن بعض لوگوں کو چیونٹیوں کی جسامت میں اٹھایا جائے گا اور لوگ انہیں اپنے قدموں سے روندیں گے' پھر کہا جائے گا: یہ چیونٹیوں کی صورت میں کون لوگ ہیں؟ تو بتایا جائے گا: یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں تکبر کرتے تھے۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۲۹' امام بزار نے کہا: اس سند کے ساتھ حضرت جابر سے یہی حدیث مروی ہے' اس کی سند میں ایک راوی قاسم ہے'

وہ قوی نہیں ہے اور اہل علم نے اس سے حدیث کو روایت کیا ہے۔ حافظ الہیثمی نے کہا: القاسم بن عبد اللہ العمری متروک ہے۔ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۳۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن متکبرین کا حشر چیونٹیوں کی صورتوں میں کیا جائے گا۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۳۰ امام بزار نے کہا: ہم نے اس حدیث کا سماع صرف العقیلی از محمد بن راشد سے کیا ہے اور حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند میں بعض ایسے راوی ہیں جن کو میں نہیں پہچانتا' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۳۴)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی تکبر ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا اور آپ نے فرمایا: تکبر حق کا انکار کرنا ہے اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔ الحدیث

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۹۹۔ ۱۹۹۸' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۰۹۱' جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۴۷۹)

اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اگر کسی مومن کے دل میں تکبر ہو اور وہ جنت میں داخل نہ ہو تو پھر اس آیت کا کیا جواب ہوگا جس میں فرمایا ہے: ''جس نے ایک ذرہ کے برابر بھی نیکی کی وہ اس کی جزاء پائے گا''۔ (الزلزال: ۷) اور اس حدیث کا کیا جواب ہوگا جس میں آپ کا یہ ارشاد ہے: جس شخص کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۱' الایمان: ۱۴۸)

اس کا جواب یہ ہے کہ جس نے ایمان لانے سے ایک ذرہ کے برابر بھی تکبر کیا اور وہ کفر پر مر گیا وہ جنت میں بالکل داخل نہیں ہوگا' اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ جنت میں داخل کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ مؤمنین کے دلوں سے تکبر نکال لے گا' قرآن مجید میں ہے:

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ . اور ان کے دلوں میں جو کچھ کینہ ہوگا ہم اس کو دور کر دیں گے۔ (الاعراف: ۴۳)

اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ وہ تکبر کی سزا بھگت کر تکبر سے صاف ہو کر جنت میں داخل ہوں گے۔

اور اس کا چوتھا جواب یہ ہے کہ تکبر کی سزا یہ ہے کہ تکبر کرنے والے کو جنت میں داخل نہ کیا جائے لیکن ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دے اور تکبر کی سزا نہ دے۔

اور اس کا پانچواں جواب یہ ہے کہ تکبر کرنے والا ابتداءً متقین کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہوگا' ان کے بعد جنت میں داخل ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور فرعون نے کہا: اے ہامان! میرے لیے ایک بلند عمارت بنا دے شاید کہ میں ان راستوں تک پہنچ جاؤں O جو آسمانوں کے راستے ہیں' پھر میں موسیٰ کے خدا کو دیکھ لوں اور بے شک میں ضرور گمان کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے اور اسی طرح فرعون کے بُرے عمل کو اس کے نزدیک خوش نما بنا دیا گیا اور اس کو سیدھے راستہ سے روک دیا گیا اور فرعون کی ہر سازش صرف ناکام ہونے والی تھی O (المومن: ۳۷۔ ۳۶)

فرعون نے خدا کو دیکھنے کے لیے جو بلند عمارت بنوائی تھی اس کی توجیہ

ہامان فرعون کا وزیر تھا اور وہ قبطیوں میں سے تھا نہ بنی اسرائیل سے۔ فرعون نے اس سے کہا کہ میرے لیے ایک بلند محل بنا دو' فرعون نے کہا کہ میں یہ محل اس لیے بنوا رہا ہوں کہ میں موسیٰ کے خدا کو دیکھ لوں۔

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے آیا واقعی فرعون نے ایک بلند عمارت کے بنانے کا قصد کیا تھا تاکہ اس پر چڑھ کر آسمان

تک پہنچ جائے یا نہیں، بعض مفسرین نے اس آیت کی ظاہر کے موافق تفسیر کی ہے' امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سدی نے روایت کیا ہے: جب وہ بلند قلعہ بنالیا گیا تو فرعون اس قلعہ پر چڑھا اور آسمان کی طرف تیر پھینکے اور وہ تیر خون میں ڈوبے ہوئے واپس کر دیئے گئے تو فرعون نے کہا: میں نے موسیٰ کے معبود کو قتل کر دیا ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۰۹۱۴' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۶۹۲۱)

امام رازی نے لکھا ہے کہ فرعون نے لوگوں کو اس وہم میں مبتلا کیا تھا کہ وہ قلعہ بنائے گا لیکن اس نے بنایا نہیں تھا کیونکہ ہر صاحبِ عقل جانتا ہے کہ وہ بلند سے بلند پہاڑ پر چڑھے پھر بھی اس کو آسمان اتنی ہی دور بلند نظر آتا ہے جتنا زمین سے بلندی پر نظر آتا ہے' سو ایسی حرکت تو کوئی فاتر العقل اور مجنون ہی کر سکتا ہے اور سدی بہت ضعیف راوی ہے' اس کی مذکور الصدر روایت صحیح نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۶۰۰-۵۹۹' ملخصاً' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ نے اس آیت کی دو توجیہیں کی ہیں:

(۱) دراصل فرعون نے اپنے وزیر ہامان کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ ایک بلند رصد گاہ بنائے جس میں وہ آلات رصد سے ستاروں کو دیکھ سکے اور ان ستاروں کے احوال سے زمین میں ہونے والے حوادث پر استدلال کر سکے' پھر وہ اس پر غور کر سکے کہ آیا ان ستاروں میں کوئی ایسی چیز ہے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ آیا واقعی اللہ تعالیٰ نے کوئی رسول بھیجا ہے یا نہیں۔

(۲) وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول کے فساد کو دیکھنا چاہتا تھا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آسمان کی خبریں دیتے تھے' اس کا یہ خیال تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی خبریں اسی وقت موصول ہوں گی جب کسی عمارت کے ذریعہ وہ آسمان تک پہنچ سکیں' وہ ایک بلند عمارت بنا کر یہ تجربہ کرنا چاہتا تھا کہ آیا کسی ذریعہ سے آسمان تک پہنچا جا سکتا ہے یا نہیں اور جب اس نے ایک بلند عمارت بنا کر یہ تجربہ کر لیا کہ آسمان تک نہیں پہنچا جا سکتا تو اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ جب وہ اس بلند عمارت کے ذریعہ آسمان تک نہیں پہنچ سکے تو حضرت موسیٰ بغیر کسی عمارت کے آسمان تک کیسے پہنچ سکتے ہیں اور جب وہ آسمانوں تک پہنچ نہیں سکتے تو ان کی دی ہوئی آسمانوں کی خبریں کیسے صحیح ہوں گی اور اس سے اس لعین نے یہ نتیجہ نکالا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید کی خبریں دی ہیں وہ جھوٹی ہیں۔

اور یہ اس لعین کی حماقت اور جہالت تھی' حضرت موسیٰ نے اس لیے یہ نہیں فرمایا تھا کہ میں نے حواس کے ذریعہ اللہ کو جانا ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے سامنے عقلی دلائل پیش کیے تھے اور فرمایا تھا:

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا. (الشعراء: ۲۸) وہ مشرق اور مغرب اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے

اور بہ کثرت معجزات سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنی نبوت پر استدلال فرمایا تھا۔

وَقَالَ الَّذِيٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۝۳۸

اور اس مردِ مومن نے کہا: اے میری قوم! میری پیروی کرو' میں نیکی کے راستہ پر تمہاری رہنمائی کروں گا ○

يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۡ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ

اے میری قوم! یہ دنیا کی زندگی تو صرف عارضی فائدہ ہے اور بے شک آخرت ہی دائمی

دَارُ الْقَرَارِ ۝۳۹ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ

قیام کی جگہ ہے O جس نے برا کام کیا تو اس کو صرف اسی کے برابر سزا دی جائے گی اور جس نے

عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ

نیک کام کیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو وہ لوگ جنت میں

الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۴۰ وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ

داخل ہوں گے جس میں انہیں بے حساب رزق دیا جائے گا O اور اے میری قوم! مجھے کیا ہوا ہے کہ میں

اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ۝۴۱ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ

تمہیں نجات کی دعوت دے رہا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلا رہے ہو O تم مجھے اللہ کا کفر کرنے کی دعوت

وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۡ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ

دے رہے ہو اور یہ کہ میں اس چیز کو اللہ کا شریک قرار دوں جس کے شریک ہونے کا مجھے علم نہیں ہے اور میں تمہیں

الْغَفَّارِ ۝۴۲ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي

بہت غالب اور بے حد بخشنے والے کی دعوت دے رہا ہوں O اس میں کوئی شک نہیں کہ تم مجھے اس کی طرف دعوت دے رہے ہو

الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ

جو نہ دنیا میں عبادت کا مستحق ہے نہ آخرت میں اور بے شک ہم سب نے اللہ کی طرف لوٹنا ہے اور بے شک حد سے

هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝۴۳ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ۭ وَاُفَوِّضُ

تجاوز کرنے والے ہی دوزخی ہیں O پس عنقریب تم ان باتوں کو یاد کرو گے جو میں تم سے کرتا ہوں

اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝۴۴ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ

اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں بے شک اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے O سو اللہ نے اس کو ان کی

مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ

سازشوں (کے شر) سے محفوظ رکھا اور آل فرعون کو سخت عذاب نے گھیر لیا O صبح اور شام ان کو

عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ

دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے اور جس دن قیامت آئے گی (یہ حکم دیا جائے گا کہ) آل فرعون کو شدید ترین

اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾ وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِى النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا

عذاب میں ڈال دو O اور جب وہ دوزخ میں ایک دوسرے سے بحث کریں گے' پس کمزور لوگ

لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا

متکبرین سے کہیں گے: ہم دنیا میں تمہارے پیروکار تھے' کیا تم ہم سے آگ کا کوئی

نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ اِنَّ

حصہ دور کرنے والے ہو؟ O متکبرین کہیں گے: بے شک ہم سب دوزخ میں ہیں' بے شک اللہ

اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ فِى النَّارِ لِخَزَنَةِ

بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکا ہے O اور دوزخی جہنم کے محافظوں سے کہیں گے: تم اپنے

جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾ قَالُوْٓا

رب سے دعا کرو کہ کسی ایک دن تو ہم سے عذاب کم کر دے O محافظ کہیں گے:

اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۭ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ

کیا تمہارے پاس تمہارے رسول نشانیاں لے کر نہیں آئے تھے؟ دوزخی کہیں گے: کیوں نہیں' محافظ کہیں گے:

وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِىْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾ ع

پھر تم خود ہی دعا کرو اور کافروں کی دعا محض گم راہی میں ہوتی ہے O

ع ۵ / ۱۳ / ۱۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس مرد مومن نے کہا: اے میری قوم! میری پیروی کرو' میں نیکی کے راستہ پر تمہاری رہ نمائی کروں گا O اے میری قوم! یہ دنیا کی زندگی تو صرف عارضی فائدہ ہے اور بے شک آخرت ہی دائمی قیام کی جگہ ہے O جس نے برا کام کیا تو اس کو صرف اسی کے برابر سزا دی جائے گی اور جس نے نیک کام کیا' خواہ وہ مرد ہو یا عورت' بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو وہ

لوگ جنت میں داخل ہوں گے جس میں انہیں بے حساب رزق دیا جائے گاO اور اے میری قوم! مجھے کیا ہوا ہے کہ میں تمہیں نجات کی دعوت دے رہا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلا رہے ہوO تم مجھے اللہ کا کفر کرنے کی دعوت دے رہے ہو اور یہ کہ میں اس چیز کو اللہ کا شریک قرار دوں جس کے شریک ہونے کا مجھے علم نہیں اور میں تمہیں بہت غالب اور بے حد بخشنے والے کی دعوت دے رہا ہوںO اس میں کوئی شک نہیں کہ تم مجھے اس کی طرف دعوت دے رہے ہو جو نہ دنیا میں عبادت کا مستحق ہے نہ آخرت میں' اور بے شک ہم سب نے اللہ کی طرف لوٹنا ہے اور بے شک حد سے تجاوز کرنے والے ہی دوزخی ہیںO پس عنقریب تم ان باتوں کو یاد کرو گے جو میں تم سے کرتا ہوں اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں' بے شک اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہےO (المومن: ۴۴۔۳۸)

آل فرعون کے مرد مومن کی قوم فرعون کو توحید اور دنیا سے بے رغبتی کی نصیحتیں

اس سے پہلی آیتوں میں آل فرعون کے اس مرد مومن کے کلام کے ان حصوں کو نقل فرمایا تھا جن میں اس نے فرعون اور اس کی قوم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے سے منع کیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر دلیل قائم کی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت دی ہے اور اللہ تعالیٰ جھوٹے کو ہدایت نہیں دیتا اور ان کے سامنے پچھلی امتوں کے کافروں پر عذاب کا ذکر کیا تھا اور اس رکوع کی آیتوں میں ان کی مزید خیر خواہی کی ہے اور مزید نصیحتیں کی ہیں۔

المومن: ۳۸ میں ہے: ''اس مرد مومن نے کہا: اے میری قوم! تم میری پیروی کرو' میں تم کو نیکی کے راستہ کی ہدایت دوں گا'' اس میں یہ تعریض ہے کہ قوم فرعون گم راہی کے طریقہ پر ہے' اس میں یہ اشارہ ہے کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کے نبیوں اور اس کے ولیوں کے پاس ہوتی ہے اور ولی کی اتباع کرنے سے نبی کی اتباع نصیب ہوتی ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قوم فرعون کا وہ مرد مومن اللہ کا ولی تھا اور اس کا مقبول بندہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو حصول ہدایت کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

المومن: ۳۹ میں ہے: ''(اس مرد مومن نے کہا:) اے میری قوم! یہ دنیا کی زندگی تو صرف عارضی فائدہ ہے اور بے شک آخرت ہی دائمی قیام کی جگہ ہےO''

متاع اور متعہ کا معنی ہے: فائدہ اٹھانا' یعنی دنیا میں بہت کم فائدہ ہے' کیونکہ یہ بہت جلد زائل ہو جاتی ہے اور لازوال تو صرف آخرت ہے' حدیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر سو گئے تھے' آپ اٹھے تو اس چٹائی کے نشان آپ کے پہلو پر ثبت ہو گئے تھے' ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر ہم آپ کے لیے ایک بستر بنا دیں' آپ نے فرمایا: مجھے دنیا سے کیا لینا ہے' میں دنیا میں صرف ایک سوار کی طرح ہوں جو کسی درخت کے نیچے سائے کو طلب کرے' پھر اس درخت کے سائے کو چھوڑ کر روانہ ہو جائے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۷۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۰۹' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۲۱۷' مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۱' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۴۹۹۸' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۹۳۰۳' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۱۰۲' المستدرک ج ۱ ص ۳۱۰' دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۳۳۷' جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۴۷۰)

کثیر بن سلیم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے میرے بیٹے! قرآن کے پڑھنے سے غافل نہ ہو' کیونکہ قرآن قلب کو زندہ کرتا ہے اور بے حیائی اور برائی اور بغاوت سے روکتا ہے اور اے میرے بیٹے! موت کو بہ کثرت یاد کیا کرو' کیونکہ جب تم قرآن کو زیادہ یاد کرو گے تو دنیا سے بے رغبتی کرو گے اور آخرت میں رغبت کرو گے' کیونکہ آخرت دار قرار ہے اور دنیا والوں کے لیے دھوکا ہے۔ (کنز العمال ج ۲ ص ۲۹۱' رقم الحدیث: ۴۰۳۲)

بہ قدر جرم سزا دینا

المومن: ۴۰ میں ہے: ''جس نے بُرا کام کیا تو اس کو صرف اسی کے برابر سزا دی جائے گی اور جس نے نیک کام کیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت' بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے' جس میں انہیں بے حساب رزق دیا جائے گاO''

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر کافر نے صرف ایک گھنٹہ کفر کیا تو اس کو دوزخ میں دائمی عذاب ہوگا اور اگر مومن نے ایک گھنٹہ کوئی بُرا کام کیا مثلاً ایک گھنٹہ سودی کاروبار کیا تو اس کو دائمی عذاب نہیں ہوگا۔ تو پھر ہر شخص کو اس کے جرم کے برابر سزا تو نہیں ملی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کافر کی نیت یہ ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ کافر ہی رہے گا اس لیے اس کو دوزخ میں دائمی عذاب دیا جاتا ہے اور مومن کی نیت یہ ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ مومن رہے گا اس لیے اس کو جنت میں دائماً اجر و ثواب دیا جاتا ہے اور اگر وہ کبھی کوئی بُرا عمل کرتا ہے تو اس کی یہ نیت نہیں ہوتی کہ وہ تاحیات یہ بُرا کام کرتا رہے گا بلکہ اس کی نیت یہی ہوتی ہے کہ وہ عنقریب توبہ کرے گا اور بُرے کام کو ترک کر دے گا اور اگر اس کی یہ نیت بھی ہو کہ وہ ہمیشہ کسی بُرے کام کو کرتا رہے گا پھر بھی چونکہ اس کو اس کے ایمان کی دائمی جزاء دی جاتی ہے اس لیے اس کو کچھ عرصہ سزا دینے کے بعد پھر جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور یہ بھی اس وقت ہوگا جب اس نے موت سے پہلے اپنے گناہوں پر توبہ نہ کی ہو اور نہ اس کو کسی کی شفاعت ملی ہو اور نہ اللہ تعالیٰ کے فضل محض سے اس کی ابتداءً مغفرت ہوئی ہو اور اگر ان مراحل میں سے کوئی ایک مرحلہ بھی اس کو حاصل ہو گیا تو وہ ابتداءً بغیر کسی سزا کے جنت میں داخل ہو جائے گا۔

اعمال کے ایمان سے خارج ہونے کی دلیل

اس کے بعد اس آیت میں یہ ارشاد ہے: ''اور جس نے نیک کام کیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت' بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے''۔

آیت کے اس حصہ میں ایمان کو نیک اعمال کے لیے شرط قرار دیا ہے اور نیک اعمال کو مشروط قرار دیا ہے اور مشروط' شرط سے بالاتفاق خارج ہوتا ہے' جیسے نماز مشروط ہے اور وضو اس کے لیے شرط ہے اور نماز وضو سے خارج ہے' اسی طرح نیک اعمال بھی ایمان سے خارج ہیں اور یہ احناف کثرھم اللہ کی دلیل ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اعمال ایمان سے خارج ہیں' اس کے برخلاف ائمہ ثلاثہ اور محدثین یہ کہتے ہیں کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں۔

جنت کی نعمتیں اور جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار

اس کے بعد فرمایا: ''یہ نیک اعمال کرنے والے مؤمنین جنت میں داخل ہوں گے اور ان کو بغیر حساب کے جنت میں رزق دیا جائے گا'' جنت میں بے حساب رزق اور جنت کی نعمتوں کے متعلق یہ حدیث ہے:

سعید بن المسیب بیان کرتے ہیں کہ ان کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اللہ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ وہ مجھے اور تمہیں جنت کے بازار میں جمع کر دے' سعید نے کہا: کیا جنت میں بازار بھی ہوں گے؟ حضرت ابو ہریرہ نے کہا: ہاں! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ جنت میں جب جنتی داخل ہوں گے تو ان کو ان کے اعمال کے اعتبار سے فضیلت دی جائے گی' پھر جتنے عرصہ میں دنیا میں جمعہ کا دن آتا ہے اتنا عرصہ گزرنے کے بعد وہ اپنے رب کی زیارت کریں گے اور ان کے لیے اللہ کا عرش ظاہر کیا جائے گا اور وہ عرش جنت کے باغات میں سے ایک باغ میں ظاہر کیا جائے گا' پھر ان کے لیے اس میں کچھ نور کے منبر رکھے جائیں گے اور کچھ موتیوں کے منبر ہوں گے اور کچھ یاقوت کے منبر ہوں گے اور کچھ زمرد کے منبر ہوں گے اور کچھ سونے کے منبر ہوں گے اور کچھ چاندی کے منبر ہوں گے' ان میں

سے ادنیٰ درجہ کے جنتی مشک اور کافور کے ٹیلوں پر بیٹھیں گے حالانکہ ان میں کوئی ادنیٰ درجہ کا نہیں ہوگا اور وہ یہ نہیں سمجھیں گے کہ کرسیوں پر بیٹھنے والے ان سے افضل ہیں' حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم اپنے رب کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! کیا تمہیں سورج کو دیکھنے سے یا چودھویں رات میں چاند کو دیکھنے سے کوئی تکلیف ہوتی ہے؟ ہم نے کہا: نہیں' آپ نے فرمایا: اسی طرح تم کو اپنے رب کے دیکھنے سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی' اس مجلس کے ہر شخص سے اللہ تعالیٰ بلاحجاب گفتگو فرمائے گا' حتیٰ کہ ان میں سے ایک شخص سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے فلاں بن فلاں! کیا تجھ کو فلاں دن یاد ہے جب تو نے فلاں فلاں بات کہی تھی' پھر اللہ تعالیٰ اس کو اس کے بعض گناہ یاد دلائے گا' وہ شخص کہے گا: اے میرے رب! کیا تو نے مجھے بخش نہیں دیا تھا؟ اللہ فرمائے گا: کیوں نہیں' تم میرے بخشنے ہی کی وجہ سے تو اپنے اس درجہ تک پہنچے ہو' لوگ اسی کیفیت میں ہوں گے کہ ان پر ایک بادل چھا جائے گا اور ان پر ایسی خوشبو کی بارش ہوگی کہ اس جیسی خوشبو انہوں نے اس سے پہلے کبھی نہیں سونگھی ہوگی اور ہمارا رب تبارک وتعالیٰ فرمائے گا: اس انعام واکرام کی طرف اٹھو جو میں نے تمہارے لیے تیار کر رکھا ہے' پھر جس کی تمہیں خواہش ہو وہ لے لو' پھر ہم ایک بازار میں جائیں گے جس کو فرشتوں نے گھیرا ہوا ہوگا' اس بازار میں ایسی چیزیں ہوں گی جن کو اس سے پہلے آنکھوں نے نہیں دیکھا ہوگا اور نہ کانوں نے سنا ہوگا اور نہ دلوں میں ان کا خیال آیا ہوگا' پھر جس چیز کی ہمیں خواہش ہوگی وہ ہمیں دے دی جائے گی' اس بازار میں کوئی چیز فروخت کی جائے گی نہ خریدی جائے گی اور اس بازار میں اہل جنت ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے اور بلند درجہ والا خود آگے بڑھ کر اپنے سے کم درجہ والے سے ملے گا اور درحقیقت وہاں کوئی ادنیٰ نہیں ہوگا' کم درجہ والا بلند درجہ والے کا لباس دیکھ کر غمگین ہوگا' ابھی ان کی بات ختم نہیں ہوگی کہ وہ دیکھے گا کہ اس کے اوپر اس سے بھی عمدہ لباس ہے' اس کا سبب یہ ہے کہ جنت میں کوئی شخص غمگین نہیں ہوگا' پھر ہم اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹ جائیں گے' ہماری بیویاں ہم سے ملاقات کر کے کہیں گی: مرحبا خوش آمدید! جس وقت آپ یہاں سے گئے تھے اس وقت کی بہ نسبت آپ کا حسن و جمال اب بہت زیادہ ہے' ہم کہیں گے: آج ہمیں اپنے رب کے دربار میں بیٹھنا نصیب ہوا تھا لہٰذا ہمیں ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۴۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۳۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۴۳۸' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۷۱۴)

''لاجرم'' کا معنیٰ

المومن: ۴۳۔۴۱ میں ارشاد ہے: ''اور اے میری قوم! مجھے کیا ہوا ہے کہ میں تمہیں نجات کی دعوت دے رہا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلا رہے ہو O تم مجھے اللہ کا کفر کرنے کی دعوت دے رہے ہو اور یہ کہ میں اس چیز کو اللہ کا شریک قرار دوں جس کے شریک ہونے کا مجھے علم نہیں ہے اور میں تمہیں بہت غالب اور بے حد بخشنے والے کی دعوت دے رہا ہوں O اس میں کوئی شک نہیں کہ تم مجھے اس کی دعوت دے رہے ہو جو نہ دنیا میں عبادت کا مستحق ہے نہ آخرت میں اور بے شک ہم سب نے آخرت کی طرف لوٹنا ہے اور بے شک حد سے تجاوز کرنے والے ہی دوزخی ہیں O''

اس آیت میں قوم فرعون کو ملامت کی ہے کہ دیکھو یہ کیسا حال ہے کہ میں تمہیں خیر کی طرف بلا رہا ہوں اور تم مجھے شرک کی طرف بلا رہے ہو۔

مرد مومن نے اس سے براءت کا اظہار کیا کہ وہ بغیر علم اور دلیل کے کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک کہیں' اس میں یہ اشارہ ہے کہ بغیر یقینی علم اور بغیر دلیل قطعی کے کسی کے لیے الوہیت کو ثابت کرنا جائز نہیں ہے۔

اس آیت میں ''لا جرم'' کا لفظ ہے' لا سے اس کی نفی مطلوب ہے جو اس سے پہلے مذکور ہے یعنی ان کا مذعوم کفر اور شرک'

اور جرم فعل ماضی ہے جو ''حق'' اور ''ثبت'' کے معنیٰ میں ہے یعنی ان کا مزعوم کفر اور شرک منتفی ہے اور اس کا بطلان حق اور ثابت ہے اور بعض علماء نے کہا: لاجرم ''لابد'' کے معنیٰ میں ہے۔ قاموس میں مذکور ہے کہ ''لاجرم'' اصل میں لابد اور لامحالہ کے معنیٰ میں ہے' پھر اس کا کثیر استعمال قسم کے معنیٰ میں ہو گیا' اس وجہ سے اس کے جواب میں لام آتا ہے جیسے ''لاجرم لاتینک'' اللہ کی قسم! میں تیرے پاس ضرور آؤں گا۔ (القاموس المحیط ج ۴ ص ۱۲۳-۱۲۲' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۲ھ) اس آیت میں ''لاجرم'' اصل کے اعتبار سے تحقیق کے معنیٰ میں ہے یعنی تحقیق یہ ہے کہ تم مجھے اس چیز کی عبادت کی دعوت دے رہے ہو جو دنیا میں عبادت کی مستحق ہے نہ آخرت میں۔

تفویض کا معنیٰ

المومن: ۴۴ میں ارشاد ہے: ''پس عنقریب تم ان باتوں کو یاد کرو گے جو میں تم سے کرتا ہوں اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں' بے شک اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے O''

یعنی جب تم آخرت میں دوزخ کے عذاب کو دیکھو گے تو اس وقت تم ایک دوسرے سے میری کہی ہوئی باتوں کا ذکر کرو گے اور اس وقت تم میری نصیحتوں کو یاد کرو گے لیکن اس وقت اس سے کچھ فائدہ نہیں ہو گا۔

اس آیت میں مرد مومن کے اس قول کا ذکر ہے: ''میں نے اپنے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض کر دیا''۔ مفوض کا لفظ تفویض سے بنا ہے' اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے سامنے اپنے ارادہ کو معطل کر دینا اور کامل تفویض یہ ہے کہ کسی کام کے نفع اور ضرر میں اپنی قدرت کو ملحوظ رکھنا نہ کسی اور مخلوق کی قدرت کا خیال کرنا اور بعض علماء نے کہا کہ قضاء وقدر کے سامنے سر تسلیم خم کرنا دینا تفویض ہے۔

اور فرمایا: ''بے شک اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے'' یعنی وہ خوب جانتا ہے کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر ہے اور جو شخص مصائب میں اس کی پناہ طلب کرے اس کی مدد فرماتا ہے۔

تفویض کا جس طرح یہ معنیٰ ہے کہ اپنے معاملہ کو اللہ پر چھوڑ دیا جائے اسی طرح تفویض کا یہ بھی معنیٰ ہے کہ دوسروں کے معاملات کے انجام اور عاقبت کو اللہ پر چھوڑ دیا جائے۔ اگر کوئی شخص بُرا کام کر رہا ہے تو اس کو حتی الوسع برائی سے روکنے کی کوشش کی جائے' اگر وہ پھر بھی بُرائی سے باز نہیں آتا تو اس سے یہ نہ کہے کہ اللہ تمہیں دوزخ میں ڈال دے گا اور تم کو عذاب دے گا بلکہ اس کی عاقبت اور انجام کو اللہ پر چھوڑ دے' اللہ اس کے ساتھ کیا کرے گا وہ خود ہی جانتا ہے' بندہ اپنی عاقبت کو اور اس کی عاقبت کو اللہ کی طرف مفوض کر دے' اس معنیٰ میں یہ حدیث ہے:

ضمضم بن جوس الیمامی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے یمامی! کسی شخص سے یہ ہرگز نہ کہنا کہ اللہ کی قسم! تجھے اللہ نہیں بخشے گا اور نہ یہ کہنا کہ اللہ تجھے کبھی جنت میں داخل نہیں کرے گا' میں نے کہا: اے ابوہریرہ! ہمارا ایک ساتھی جب اپنے بھائی پر غضب ناک ہوتا ہے تو اس سے یہ کہتا ہے' حضرت ابوہریرہ نے کہا: تم نہ کہنا' کیونکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بنو اسرائیل میں دو شخص تھے' ان میں سے ایک عبادت میں بہت کوشش کرتا تھا اور دوسرا اپنے نفس پر بہت زیادتی کرتا تھا' عبادت میں کوشش کرنے والا اپنے بھائی کو ہمیشہ گناہوں پر ملامت کرتا رہتا تھا اور کہتا تھا کہ تم گناہ کم کیا کرو اور وہ کہتا تھا کہ تم مجھے میرے رب کے ساتھ چھوڑ دو' کیا تم میرے نگہبان مقرر کیے گئے ہو؟ ایک دن اس عبادت گزار نے اپنے بھائی کو ایک گناہ کرتے ہوئے دیکھا جو اس کے نزدیک بہت بڑا گناہ تھا' اس نے اپنے بھائی سے کہا: تم پر افسوس ہے' گناہ کم کرو' اس کے بھائی نے کہا: مجھے میرے رب کے ساتھ چھوڑ دو' کیا تم میرے ذمہ دار ہو؟ اس عبادت

گزار نے کہا: اللہ کی قسم! تجھے اللہ نہیں بخشے گا' یا کہا: اللہ تجھے کبھی جنت میں داخل نہیں کرے گا' پھر اللہ نے ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا جس نے دونوں کی روحوں کو قبض کر لیا' وہ دونوں رب العلمین کے سامنے حاضر ہوئے' اللہ تعالیٰ نے اس عابد سے فرمایا: کیا تجھ کو میرے فیصلہ کا علم تھا یا میرے قبضہ اور تصرف میں جو کچھ ہے تو اس پر قادر تھا اور اس گناہ گار سے فرمایا: جا میری رحمت سے جنت میں داخل ہو جا اور اس دوسرے شخص کے متعلق فرمایا: اس کو دوزخ میں لے جاؤ' حضرت ابو ہریرہ نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے' اس عابد نے ایسی بات کہی تھی جس سے اس نے اپنی دنیا اور آخرت دونوں برباد کر لی۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۹۰۱' مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۳ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۴ ص ۴۷۔ ۴۶' رقم الحدیث: ۸۲۹۲' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۷ھ' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۷۱۲' شعب الایمان رقم الحدیث: ۶۶۸۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو اللہ نے اس کو ان کی سازشوں (کے شر) سے محفوظ رکھا اور آل فرعون کو سخت عذاب نے گھیر لیاO صبح اور شام ان کو دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے اور جس دن قیامت آئے گی (یہ حکم دیا جائے گا کہ) آل فرعون کو شدید ترین عذاب میں ڈال دوO (المومن: ۴۶۔ ۴۵)

آل فرعون کے مرد مومن کو فرعون کے شر سے محفوظ رکھنا

اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلی آیتوں میں یہ بیان فرمایا تھا کہ اس مرد مومن نے بہت جرأت اور حوصلہ کے ساتھ حق کو بیان کیا اور کسی کے دباؤ میں آئے بغیر اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر دلائل بیان فرمائے اور المومن: ۴۵ میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مرد مومن کو فرعون اور اس کے درباریوں کی سازشوں کے شر سے محفوظ رکھا اور اللہ تعالیٰ اپنے نیک اور مقبول بندوں کی اسی طرح حفاظت فرماتا ہے' فرعون نے اس مرد مومن کو جو عذاب پہنچانا چاہا تھا اللہ تعالیٰ نے اس سے وہ عذاب دور رکھا۔

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ مرد مومن قبطی تھی اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سمندر پار کر گیا اور غرق ہونے سے محفوظ رہا اور فرعون اپنے لشکر سمیت سمندر میں غرق ہو گیا۔
(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۴۲۲' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے اس سلسلہ میں دوسرا قول یہ نقل کیا ہے:
آل فرعون کا وہ مرد مومن فرعون کے پاس سے بھاگ کر ایک پہاڑ پر گیا اور وہاں نماز پڑھ رہا تھا' فرعون نے اس کی تلاش میں اپنے سپاہیوں کو بھیجا' جس وقت اس کے سپاہی وہاں پہنچے تو وہ مرد مومن نماز میں تھا اور جنگل کے درندے اور وحشی جانور اس پر پہرہ دے رہے تھے' وہ سپاہی ان کے پہرے کی وجہ سے اس کے قریب نہ جا سکے' انہوں نے جا کر فرعون کو اس واقعہ کی خبر دی' فرعون ان کی ناکامی کی خبر سن کر غضب ناک ہوا اور اس نے ان سپاہیوں کو قتل کر دیا۔
(النکت والعیون ج ۵ ص ۱۵۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

امام رازی نے اس آیت کی یہ تفسیر بھی کی ہے کہ فرعون اور اس کے سرداروں نے یہ سازش کی تھی کہ اس مرد مومن کو حضرت موسیٰ سے برگشتہ کر کے فرعون کے دین کی طرف لایا جائے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی اس سازش کو ناکام کر دیا اور آل فرعون کا وہ مرد مومن تاحیات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر قائم رہا۔
(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۲۱' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

آل فرعون کو قبر میں اور آخرت میں عذاب پر پیش کرنا

المومن: ۴۶ میں ارشاد فرمایا: ''صبح اور شام ان کو دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے اور جس دن قیامت آئے گی (یہ حکم دیا جائے گا کہ) آل فرعون کو شدید ترین عذاب میں ڈال دو''۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اپنی سند کے ساتھ الهذیل بن شرحبیل سے روایت کیا ہے کہ:

آل فرعون کو دوزخ کی آگ پر پیش کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ آل فرعون کی روحیں سیاہ رنگ کے پرندوں کے پیٹوں میں ہیں' وہ ان کے ساتھ صبح اور شام دوزخ میں جاتے ہیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۴۲۴' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے لکھا ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں تین قول ہیں:

(۱) قتادہ نے کہا: دوزخ کی آگ میں جو ان کا ٹھکانا ہے وہ صبح اور شام ان پر پیش کیا جاتا ہے اور آل فرعون کو ڈانٹتے ہوئے کہا جاتا ہے: یہ تمہارے گھر ہیں۔

(۲) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: آل فرعون کی روحیں سیاہ پرندوں کے پیٹوں میں ہیں' وہ پرندے صبح اور شام جہنم پر وارد ہوتے ہیں اور ان کو آگ پر پیش کرنے کا یہی معنیٰ ہے۔

(۳) مجاہد نے کہا: ان کو صبح اور شام ان کی قبروں میں آگ کا عذاب دیا جاتا ہے اور یہ عذاب خصوصاً آل فرعون کے لیے ہے۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۱۵۹' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت)

امام محمد اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص مر جاتا ہے تو صبح اور شام اس پر اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے' اگر وہ اہل جنت میں سے ہو تو اہل جنت میں سے (اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے) اور اگر وہ اہل دوزخ میں سے ہو تو اس سے کہا جاتا ہے: یہ تیرا ٹھکانا ہے حتیٰ کہ تجھے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مبعوث فرمائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۷۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۶۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۷۲' مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۹۳)

عذاب قبر کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات

ہمارے علماء نے اس آیت سے عذاب قبر پر استدلال کیا ہے' کیونکہ اس آیت میں مذکور ہے کہ آل فرعون کو صبح اور شام دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ ان کو قیامت کے دن دوزخ کی آگ پر پیش کیا جائے گا کیونکہ اس عذاب پر عطف کر کے فرمایا: ''اور قیامت کے دن بھی انہیں دوزخ کی آگ پر پیش کیا جائے گا'' اور عطف تغایر کو چاہتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیامت سے پہلے بھی انہیں دوزخ کی آگ پر پیش کیا جا رہا ہے اور قیامت کے بعد بھی ان کو دوزخ کی آگ پر پیش کیا جائے گا' نیز آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ فرشتوں سے کہا جائے گا کہ آل فرعون کو زیادہ شدید عذاب میں داخل کرو' اس سے معلوم ہوا کہ نفس شدید عذاب انہیں پہلے دیا جا چکا ہے اور وہ قبر کا عذاب ہے۔

اس استدلال پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ عذاب قبر کے قائلین کے نزدیک عذاب قبر قیامت تک دائمی ہوگا اور اس آیت سے صرف صبح اور شام کے وقت عذاب قبر ثابت ہوتا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ دن کی دو طرفیں صبح اور شام ہیں' پس ان دو طرفوں کا ذکر فرما دیا اور اس سے مراد یہ ہے کہ ان کو قیامت تک دائمی عذاب ہوتا رہے گا۔

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافروں کے متعلق ارشاد ہے:

مِمَّا خَطِيٓـَٔـٰتِهِمْ أُغْرِقُوا فَأُدْخِلُوا نَارًا. یہ لوگ اپنے گناہوں کے سبب سے غرق کر دیئے گئے' پس ان کو فوراً دوزخ کی آگ میں داخل کر دیا گیا۔ (نوح:۲۵)

اس آیت میں جس دوزخ کی آگ کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد وہ آگ نہیں ہے جس میں کافروں کو قیامت کے بعد ڈالا جائے گا' کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے: ''ان کو غرق ہوتے ہی فوراً دوزخ کی آگ میں داخل کر دیا جائے گا'' اور آخرت میں جو عذاب ہوگا وہ فوراً نہیں ہوگا' غرق ہونے کے فوراً بعد جو عذاب ہوگا وہ قبر میں ہی ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی ان دو آیتوں میں عذاب قبر کی صاف تصریح ہے' اب ہم وہ احادیث پیش کر رہے ہیں جن میں عذابِ قبر کا ثبوت ہے۔

عذابِ قبر کے ثبوت میں احادیث

حضرت ام خالد بنت خالد رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے سنا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم عذابِ قبر سے پناہ طلب کر رہے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۶۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۰۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۰۹)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ پانچ کلمات پڑھنے کا حکم دیتے تھے اور ان کلمات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے تھے: (۱) اے اللہ! میں بخل سے تیری پناہ میں آتا ہوں (۲) اے اللہ! میں بزدلی سے تیری پناہ میں آتا ہوں (۳) اے اللہ! میں ارزل عمر (ناکارہ حیات) سے تیری پناہ میں آتا ہوں (۴) اے اللہ! میں دنیا کے فتنہ یعنی فتنۂ دجال سے تیری پناہ میں آتا ہوں (۵) اے اللہ! میں عذاب قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۶۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۴۴۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۶۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۵۶۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ یہود کی بوڑھی عورتوں میں سے دو بوڑھی عورتیں میرے پاس آئیں' وہ کہنے لگیں کہ قبر والوں کو ان کی قبروں میں عذاب دیا جاتا ہے' میں نے ان کی تکذیب کی اور ان کی تصدیق کرنے کو اچھا نہیں جانا' وہ چلی گئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے' میں نے آپ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! اور ان دو بوڑھی عورتوں کے آنے اور عذاب قبر کی خبر دینے کا تذکرہ کیا' آپ نے فرمایا: ان دونوں نے سچ کہا' قبر والوں کو اتنا عذاب دیا جائے گا کہ اس کو تمام جانور سنیں گے' پھر میں نے دیکھا کہ آپ جب بھی نماز پڑھتے تو عذابِ قبر سے پناہ طلب کرتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۴۹' ۶۳۶۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۸۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۶۳' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۲۸۷۶)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس سے پہلے آپ پر یہ وحی نہیں کی گئی تھی کہ مؤمنوں کو بھی عذابِ قبر ہوگا' آپ کو وحی سے صرف یہ علم تھا کہ یہود کو عذابِ قبر ہوتا ہے اور اس موقع پر آپ کے پاس یہ وحی آئی کہ مؤمنوں کو بھی عذابِ قبر ہوگا' تب آپ نے عذابِ قبر سے پناہ طلب کی۔ (فتح الباری ج ۱۲ص ۴۶۸' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں عاجزی سے' سستی سے' بزدلی سے اور بڑھاپے سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور عذاب قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور زندگی اور موت کے فتنہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۶۷_۲۸۲۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۴۴۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۰۶' جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۲۷۴۲)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مردوں کو قبر میں عذاب دیا جائے گا حتیٰ کہ جانور بھی ان کی آوازوں کو سنیں گے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۴۵۹، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم مردوں کو دفن کرنا نہ چھوڑ دو تو میں اللہ سے دعا کروں کہ وہ تمہیں عذاب قبر سنائے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۶۸، الترغیب والترہیب للمنذری رقم الحدیث: ۵۲۱۲، جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۲۵۳۷)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہانی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ آپ کی ڈاڑھی آنسوؤں سے بھیگ جاتی، آپ سے کہا گیا کہ آپ جنت اور دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو آپ نہیں روتے اور قبر کو یاد کرتے ہیں تو اس قدر روتے ہیں، آپ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آخرت کی منازل میں سے پہلی منزل قبر ہے، اگر انسان کو اس منزل سے نجات مل جائے تو اس کے بعد کی منازل زیادہ آسان ہوتی ہیں اور اگر اس منزل میں نجات نہ ہو تو بعد کی منازل زیادہ دشوار ہوتی ہیں اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ میں نے قبر سے زیادہ ڈراؤنا اور وحشت ناک منظر اور کوئی نہیں دیکھا، اس حدیث کی سند حسن ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۰۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۶۷)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کافر پر اس کی قبر میں ننانوے سانپ مسلط کیے جاتے ہیں جو اس کو کاٹتے ہیں اور بھنبھوڑتے رہیں گے حتیٰ کہ قیامت قائم ہوگی، اگر ان میں سے ایک سانپ زمین میں پھونک مارے تو زمین سبزہ نہیں اگائے گی۔ (اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۸ طبع قدیم، مسند احمد ج ۱۷ ص ۴۳۴، رقم الحدیث: ۱۱۳۳۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۱۷۵، جامع المسانید والسنن مسند ابی سعید الخدری رقم الحدیث: ۳۱۵، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۱۲۱، الشریعۃ للآجری، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۳۲۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کی قبر میں ضرور سرسبز باغ ہوتا ہے، اس کی قبر میں ستر ہاتھ وسعت کر دی جاتی ہے اور اس کی قبر کو چودھویں رات کے چاند کی طرح منور کر دیا جاتا ہے، کیا تم کو علم ہے کہ یہ آیت کس کے متعلق نازل ہوئی ہے؟

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ○ (طٰہٰ: ۱۲۴)

اور جو میری یاد سے اعراض کرے گا، اس کی زندگی تنگی میں گزرے گی اور اسے ہم قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھائیں گے۔

آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ تنگی میں زندگی گزارنے سے کیا مراد ہے؟ مسلمانوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی کو علم ہے، آپ نے فرمایا: اس سے مراد کافر کا عذاب قبر ہے اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے، اس (کافر) کے اوپر ننانوے تنین مسلط کیے جائیں گے، تم کو معلوم ہے تنین کیا چیز ہیں؟ وہ ستر سانپ ہیں، ہر سانپ کے سات سر ہیں، وہ اس کو قیامت تک کاٹتے اور ڈنک مارتے رہیں گے۔

(مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۶۴۴، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۱۲۲، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو سیاہ رو نیلی آنکھوں والے فرشتے آتے ہیں۔ ان میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے، وہ کہیں گے کہ تم اس شخص کے متعلق کیا کہتے تھے؟ پس وہ شخص وہی کہے گا: جو وہ زندگی میں کہتا تھا، وہ کہے گا: وہ اللہ کے

بندے اور اس کے رسول ہیں' وہ فرشتے کہیں گے کہ ہم کو معلوم تھا کہ تم یہی کہو گے' پھر اس کی قبر میں ستر ہاتھ در ستر ساتھ وسعت کر دی جائے گی' پھر اس کی قبر منور کر دی جائے گی' پھر اس سے کہا جائے گا: سو جاؤ! وہ کہے گا: میں اپنے گھر جا کر گھر والوں کو اس کی خبر دوں' فرشتے کہیں گے: تم اس دلہن کی طرح سو جاؤ جس کو وہی شخص بیدار کرتا ہے جو اس کو گھر والوں میں سب سے زیادہ محبوب ہوتا ہے حتیٰ کہ اللہ اس کو اس کی قبر سے اٹھائے گا اور اگر وہ منافق ہو تو وہ کہے گا: میں نے لوگوں کو ایک بات کہتے ہوئے سنا تو میں نے بھی اس کی مثل کہہ دیا' مجھے کچھ علم نہیں' فرشتے کہیں گے: ہم کو معلوم تھا کہ تم یہی کہو گے' پھر زمین سے کہا جائے گا: اس کو دباؤ' زمین اس کو دبائے گی تو اس کی پسلیاں ایک طرف سے دوسری طرف نکل جائیں گی' پھر اس کو مسلسل عذاب ہوتا رہے گا حتیٰ کہ اللہ اس کو اس کی قبر سے اٹھائے گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۷۱' السنۃ لابی عاصم رقم الحدیث: ۸۶۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۱۱۷' الشریعۃ للآجری رقم الحدیث: ۳۶۵)

امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ کو اس کی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی پیٹھ پھیر کر چلے جاتے ہیں تو وہ لوگوں کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے' اس کے پاس دو فرشتے آ کر اس کو بٹھا دیتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ تم اس شخص (سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق کیا کہا کرتے تھے؟ وہ کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے بندہ اور اس کے رسول ہیں' پھر اس سے کہا جاتا ہے: دیکھو اپنے دوزخ کے ٹھکانے کو' اللہ نے اس کو تمہارے لیے جنت کے ٹھکانے سے تبدیل کر دیا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ اپنے دونوں ٹھکانوں کو دیکھے گا اور رہا کافر یا منافق تو وہ کہتا ہے: میں نہیں جانتا' میں وہی کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے' اس سے کہا جائے گا: تم نے نہ کچھ جانا نہ کہا' پھر اس کے دو کانوں کے درمیان لوہے کے ہتھوڑے سے ضرب لگائی جاتی ہے جس سے وہ چیخ مارتا ہے اور جن و انس کے علاوہ سب اس کی چیخ کو سنتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۳۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۳۱_۴۷۵۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۵۱_۲۰۴۹)

امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ'' (ابراہیم: ۲۷) عذاب قبر کے متعلق نازل ہوئی ہے' اس سے پوچھا جائے گا: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہے گا: میرا رب اللہ ہے اور میرے نبی (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۱)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد متوفی ۳۶۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی مسلمان بندہ فوت ہو جاتا ہے تو اس کو اس کی قبر میں بٹھایا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ اور تیرا نبی کون ہے؟ پس اللہ اس کو ان کے جوابات میں ثابت قدم رکھتا ہے' پس وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے اور میرا دین اسلام ہے اور میرے نبی (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' پھر اس کی قبر میں وسعت کی جاتی ہے اور اس کے لیے اس میں کشادگی کی جاتی ہے' پھر حضرت عبداللہ بن مسعود نے یہ آیت پڑھی:

''یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَیُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِیْنَ ۔ (ابراہیم: ۲۷)

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۹۱۴۵' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۴' بیروت' الشریعہ للآجری رقم الحدیث: ۸۱۱)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے جنازہ میں گئے' ہم قبر تک پہنچے' جب لحد بنائی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے گرد بیٹھ گئے گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے ہیں' آپ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس کے ساتھ آپ زمین کو کرید رہے تھے' آپ نے اپنا سر (اقدس) اٹھا کر دویا تین بار فرمایا: عذاب قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرو اور فرمایا: جب لوگ پیٹھ پھیر کر جائیں گے تو یہ ضرور ان کی جوتیوں کی آواز سنے گا' جب اس سے یہ کہا جائے گا: اے شخص! تیرا رب کون ہے؟ اور تیرا دین کیا ہے؟ اور تیرا نبی کون ہے؟ ہناد نے کہا: اس کے پاس دو فرشتے آئیں گے اور اس کو بٹھا دیں گے اور اس سے کہیں گے: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہے گا: میرا رب اللہ ہے' پھر وہ کہیں گے: تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہے گا: میرا دین اسلام ہے' پھر وہ کہیں گے: وہ شخص کون تھا جو تم میں بھیجا گیا تھا؟ وہ کہے گا: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' پھر وہ کہیں گے: تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ وہ کہے گا: میں نے کتاب پڑھی' میں اس پر ایمان لایا اور میں نے اس کی تصدیق کی اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہے: '' یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ '' (ابراہیم: ۲۷) پھر آسمان سے ایک منادی یہ ندا کرے گا کہ میرے بندہ نے سچ کہا' اس کے لیے جنت سے فرش بچھا دو اور جنت سے لباس پہنا دو اور اس کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھول دو' پھر اس کے پاس جنت کی ہوائیں اور جنت کی خوشبو آئے گی اور اس کی منتہائے بصر تک اس کی قبر کھول دی جائے گی' پھر آپ نے کافر کی موت کا ذکر کیا اور فرمایا: اس کے جسم میں اس کی روح لوٹائی جائے گی اور اس کے پاس دو فرشتے آ کر اس کو بٹھائیں گے اور اس سے کہیں گے: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہے گا: افسوس! میں نہیں جانتا' پھر وہ اس سے کہیں گے: تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہے گا: افسوس! میں نہیں جانتا' پھر وہ کہیں گے: یہ شخص کون ہے جو تم میں بھیجا گیا تھا؟ وہ کہے گا: افسوس! میں نہیں جانتا۔ پھر آسمان سے ایک منادی ندا کرے گا: اس نے جھوٹ بولا' اس کے لیے دوزخ سے فرش بچھا دو اور اس کو دوزخ کا لباس پہنا دو اور اس کے لیے دوزخ سے ایک دروازہ کھول دو' پھر اس کے پاس دوزخ کی تپش اور دوزخ کی گرم ہوائیں آئیں گی اور اس پر اس کی قبر تنگ کر دی جائے گی' حتیٰ کہ اس کی ایک طرف کی پسلیاں دوسری طرف نکل جائیں گی' پھر اس پر ایک اندھا اور گونگا مسلط کیا جائے گا' اس کے پاس لوہے کا ایک گرز ہو گا جس کی ضرب اگر پہاڑ پر لگائی جائے تو وہ بھی مٹی کا ڈھیر ہو جائے' پھر وہ گرز اس پر مارے گا جس سے وہ کافر چیخ مارے گا جس کو جن و انس کے سوا سب سنیں گے اور وہ کافر مٹی ہو جائے گا اور اس میں پھر دوبارہ روح ڈال دی جائے گی۔

امام عبدالرزاق متوفی ۲۱۱ھ' امام احمد متوفی ۲۴۱ھ' امام آجری متوفی ۳۶۰ھ اور امام ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ نے اس حدیث کو بہت زیادہ تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۵۳' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۶۷۳۷' مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۷ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۷۳۳' الشریعہ للآجری رقم الحدیث: ۸۱۲' المستدرک ج ۱ ص ۳۷)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کو دفن کر کے فارغ ہوئے تو آپ اس کی قبر پر کھڑے رہے اور فرمایا: اس کے لیے ثابت قدم رہنے کی دعا کرو کیونکہ اب اس سے سوال کیا جائے گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۲۱' المستدرک ج ۱ ص ۳۷۰' شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۵۲۳' عمل الیوم واللیلہ لابن السنی رقم الحدیث: ۵۸۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میت کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اسے ڈوبتے ہوئے سورج کی مثل دکھائی جاتی ہے تو وہ آنکھیں ملتا ہوا بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے: مجھے نماز پڑھنے دو۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۷۲' موارد الظمآن رقم الحدیث: ۷۷۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۱۱۳' جامع المسانید والسنن مسند جابر رقم الحدیث: ۲۵۳)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر سوار ہو کر بنو نجار کے باغ میں جا رہے تھے، ہم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ ایک جگہ خچر نے ٹھوکر کھائی' قریب تھا کہ وہ آپ کو گرا دیتا' وہاں پر پانچ یا چھ یا چار قبریں تھیں' آپ نے فرمایا: ان قبر والوں کو کون پہچانتا ہے؟ ایک شخص نے کہا: میں پہچانتا ہوں۔ آپ نے پوچھا: یہ لوگ کب مرے تھے؟ اس نے کہا: یہ لوگ زمانہ شرک میں مرے تھے۔ آپ نے فرمایا: اس امت کو اپنی قبروں میں آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے' اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم مُردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں تم کو عذاب قبر سنواتا جس کو میں سن رہا ہوں' پھر آپ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: دوزخ کے عذاب سے اللہ کی پناہ طلب کرو' ہم نے کہا: ہم دوزخ کے عذاب سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں' پھر فرمایا: عذابِ قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرو' ہم نے کہا: ہم عذابِ قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں' پھر فرمایا: ظاہری اور باطنی فتنوں سے اللہ کی پناہ طلب کرو' ہم نے کہا: ہم ظاہری اور باطنی فتنوں سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں' پھر فرمایا: دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ طلب کرو' ہم نے کہا: ہم دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۶۷' مسند احمد ج ۳ ص ۲۳۳)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

حافظ ابن عبد البر نے کہا: اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس امت کو آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ قبر میں سوال اور جواب اس امت کے ساتھ مخصوص ہے۔

اور امام ابو عبد اللہ ترمذی نے نوادر الاصول میں کہا ہے کہ میت سے سوال کرنا اس امت کا خاصہ ہے کیونکہ ہم سے پہلی امتوں کے پاس جب رسول' اللہ کا پیغام لے کر آتے تھے اور قوم ان کے پیغام کا انکار کرتی تو رسول ان سے الگ ہو جاتے اور ان پر عذاب بھیج دیا جاتا اور جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت کے ساتھ بھیجا اور فرمایا: ''وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○'' (الانبیاء: ۱۰۷) تو ان سے عذاب روک لیا اور آپ کو جہاد کا حکم دیا' حتیٰ کہ جہاد کی برکت سے لوگ دینِ اسلام میں داخل ہو گئے اور اسلام ان کے دلوں میں راسخ ہو گیا' پھر ان کو مہلت دی گئی' یہاں سے نفاق کا ظہور ہوا اور بعض لوگ کفر کو چھپاتے اور ایمان کو ظاہر کرتے اور مسلمانوں کے درمیان ان پر پردہ رہتا اور جب وہ مر گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے قبر میں امتحان لینے والے بھیجے تاکہ سوال کے ذریعہ ان کا پردہ چاک ہو اور خبیث' طیب سے ممتاز ہو جائے' سو جو دنیا میں اسلام پر ثابت قدم تھا اللہ تعالیٰ اس کو قبر میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور ظالموں کو گمراہی پر برقرار رکھتا ہے۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں: امام ابو عبد اللہ ترمذی کی یہ تقریر اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ صرف مومن اور منافق سے قبر میں سوال ہو گا' حالانکہ احادیث میں تصریح ہے کہ کافر سے بھی سوال ہو گا۔ (التذکرہ ج ۱ ص ۲۳۰۔۲۲۹' مطبوعہ دار البخاری' المدینۃ المنورۃ' ۱۴۱۷ ھ)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دن اور ایک رات (مسلمانوں کی) سرحد کی حفاظت کرنا' ایک ماہ کے روزوں اور (نمازوں کے) قیام سے افضل ہے اور اگر وہ اسی حال میں فوت ہو گیا تو اس کا وہ عمل جاری رہے گا جس عمل کو وہ کیا کرتا تھا' اس کا رزق جاری رہے گا اور وہ قبر کے فتنوں سے محفوظ رہے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۱۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۶۵' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۹۶۱۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۳۲۷' مسند احمد ج ۵ ص ۴۴۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۶۲۳' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۰۷۷' المستدرک ج ۲ ص ۸۰' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۳۸' شرح السنہ رقم الحدیث: ۲۶۱۷)

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ کی عذاب قبر کے متعلق ایک طویل حدیث ہے جس کو ہم نے سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ٤٧٥٣ کے حوالے سے ذکر کیا ہے' مسند احمد میں اس حدیث کی بعض تفاصیل ہیں جو سنن ابو داؤد میں نہیں ہیں' اب ہم اس حدیث کے ان اجزاء کا ذکر کر رہے ہیں جو سنن ابو داؤد میں نہیں ہیں:

جب بندہ مومن کو قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے تو اس کے جسم میں اس کی روح لوٹائی جاتی ہے' پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اس کو بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے' پھر پوچھتے ہیں: تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے: میرا دین اسلام ہے' پھر پوچھتے ہیں: وہ کون شخص ہے جو تم میں مبعوث کیا گیا تھا؟ وہ کہتا ہے: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' فرشتے پوچھیں گے: تمہیں ان کے رسول ہونے کا علم کیسے ہوا؟ وہ کہے گا: میں نے کتاب اللہ کو پڑھا' اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی' پھر آسمان سے ایک منادی ندا کرے گا کہ میرے بندے نے سچ کہا' اس کے لیے جنت سے فرش بچھا دو اور اس کو جنت کا لباس پہنا دو اور اس کے لیے جنت کی طرف کھڑکی کھول دو' پھر اس کے پاس جنت کی ہوا اور اس کی خوشبو آئے گی اور منتہائے بصر تک اس کی قبر کو وسیع کر دیا جائے گا' پھر اس کے پاس ایک حسین و جمیل شخص آئے گا جس کا لباس بہت خوب صورت ہوگا اور اس کی خوشبو بہت پاکیزہ ہوگی اور وہ کہے گا: تم جس سے خوش ہو تم کو وہ مبارک ہو' یہ وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے' وہ مومن کہے گا: تم کون ہو؟ وہ شخص کہے گا: میں تمہارا نیک عمل ہوں' پس وہ شخص کہے گا: اے میرے رب! قیامت کو قائم کر دے تاکہ میں اپنے اہل اور مال کی طرف لوٹ جاؤں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور کافر کی روح کو بھی اس کے جسم میں لوٹایا جائے گا اور اس کے پاس دو فرشتے آ کر اس کو بٹھائیں گے اور اس سے پوچھیں گے: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہے گا: افسوس! میں نہیں جانتا' پھر وہ اس سے پوچھیں گے: تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہے گا: افسوس! میں نہیں جانتا' وہ پھر پوچھیں گے: وہ کون شخص ہے جو تم میں مبعوث کیا گیا تھا؟ وہ کہے گا: افسوس! میں نہیں جانتا' پھر آسمان سے ایک منادی ندا کرے گا' یہ جھوٹا ہے' اس کے لیے دوزخ سے فرش بچھا دو اور (اس کی قبر میں) دوزخ کی طرف کھڑکی کھول دو' پھر اس کے پاس دوزخ کی تپش اور گرم ہوائیں آئیں گی اور اس کی قبر اس قدر تنگ کر دی جائے گی کہ اس کی پسلیاں ایک طرف سے دوسری طرف نکل جائیں گی اور اس کے پاس ایک بہت بدصورت شخص آئے گا جس کے کپڑے بہت خراب ہوں گے' اس سے سخت بدبو آ رہی ہوگی' وہ اس سے کہے گا: تمہیں وہ چیز مبارک ہو جو تم کو غم ناک کرے گی' یہ تمہارا وہ دن ہے جس سے تم کو ڈرایا جاتا تھا' وہ کافر پوچھے گا: تم کون ہو؟ وہ آنے والا کہے گا: میں تمہارا خبیث عمل ہوں' وہ کافر کہے گا: اے میرے رب! قیامت قائم نہ کرنا۔ (مسند احمد ج ٤ ص ٢٨٨۔ ٢٨٧' ملخصاً و ملتقطاً طبع قدیم' مسند احمد ج ٣٠ ص ٥٠٣' رقم الحدیث: ١٨٥٣٤' ملتقطاً' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ١٤١٩ھ' مصنف ابن ابی شیبہ ج ٣ ص ٣٨٢۔ ٣٨٠۔ ٣٧٤۔ ٣١٠' ج ١٠ ص ١٩٤' کتاب الزہد لابن المبارک رقم الحدیث: ١٢١٩' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ٤٧٥٣' صحیح ابن خزیمہ ص ١١٩' الشریعۃ للآجری ص ٣٧٠۔ ٣٦٧' المستدرک ج ١ ص ٣٨۔ ٣٧' شعب الایمان رقم الحدیث: ٣٩٥' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ١٥٤٩' الترغیب والترہیب للمنذری رقم الحدیث: ٥٢٢١' مجمع الزوائد ج ٣ ص ٥٠۔ ٤٩)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب انسان اپنی قبر میں داخل ہوتا ہے تو اگر وہ مومن ہو تو اس کے نیک اعمال اس کا احاطہ کر لیتے ہیں' نماز اور روزہ وغیرہ' پھر فرشتہ نماز کی طرف سے آتا ہے تو نماز اس کو لوٹا دیتی ہے' پھر وہ روزہ کی طرف سے آتا ہے تو روزہ اسے لوٹا دیتا ہے' پھر فرشتہ اس کو پکار کر کہتا ہے: بیٹھ جاؤ تو وہ بیٹھ جاتا ہے' پھر وہ فرشتہ کہتا ہے کہ تم اس شخص یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا کہتے تھے؟ وہ کہے گا: کون' فرشتہ کہے گا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کہے گا: میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ میں اسی عقیدہ پر زندہ رہا' اسی پر مرا اور اسی عقیدہ پر

اٹھایا جاؤں گا اور اگر وہ انسان کافر یا فاجر ہو تو جب فرشتہ اس کے پاس آئے گا تو اس کے پاس کوئی ایسا نیک عمل نہیں ہوگا جو اس کو لوٹا سکے' وہ فرشتہ اس کو بٹھا کر اس سے سوال کرے گا کہ تم اس شخص کے متعلق کیا کہتے تھے؟ وہ کہے گا: کس شخص کے بارے میں؟ فرشتہ کہے گا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں' وہ کافر کہے گا: اللہ کی قسم! میں کچھ نہیں جانتا' میں ان کے متعلق وہی کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے' پھر فرشتہ کہے گا: تم اسی عقیدہ پر زندہ رہے' اسی پر مرے اور اسی پر اٹھائے جاؤ گے' پھر اس کی قبر پر ایک جانور مسلط کیا جائے گا جس کے پاس ڈول کی طرح ایک آگ کا کوڑا ہوگا جب تک اللہ چاہے گا وہ اس کو اس کوڑے سے مارے گا اور اس کافر کی آواز کو کوئی نہیں سنے گا جس کو اس پر ترس آئے۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۲۵۳_۲۵۲ طبع قدیم' مسند احمد ج ۴۴ ص ۵۳۶_۵۳۵' المعجم الکبیر ج ۲۴ ص ۱۰۵' رقم الحدیث: ۲۸۱' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ یا مکہ کے باغات میں سے کسی باغ میں گئے' آپ نے دو انسانوں کی آواز سنی جن کو ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کو عذاب ہو رہا ہے اور ان کو کسی بہت دشوار کام کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا' پھر فرمایا: کیوں نہیں' ان میں سے ایک شخص پیشاب کے قطروں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا شخص چغلی کھاتا تھا' پھر آپ نے درخت کی ایک شاخ منگا کر اس کے دو ٹکڑے کیے' پھر آپ نے ان قبروں میں سے ہر قبر پر ایک ٹکڑا رکھ دیا' آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا: جب تک یہ شاخیں خشک نہیں ہوں گی ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۱۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۷۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۲۱۹۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۱۲۲۶)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص بنونجار کے محلّہ میں گیا' وہاں اس نے بنونجار کے کچھ لوگوں کی آوازیں سنیں جو زمانہ جاہلیت میں فوت ہو چکے تھے اور ان کو ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھبرائے ہوئے باہر آئے اور آپ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ وہ عذاب قبر سے پناہ طلب کریں۔ (اس حدیث کی سند امام مسلم کی شرط کے موافق صحیح ہے' اس حدیث میں ایک شخص کے متعلق ذکر ہے کہ اس نے قبر سے آوازیں سنیں' یہ اس شخص کی کرامت ہے ورنہ عام لوگ یہ آوازیں نہیں سن سکتے)۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۶_۲۹۵ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲۲ ص ۵۸' رقم الحدیث: ۱۴۱۵۲' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۹ھ' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۶۷۴۲' مسند البزار رقم الحدیث: ۸۷۱' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۱۴۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کافر پر (قبر میں) دو سانپ بھیجے جائیں گے' ایک اس کے سر کی جانب اور دوسرا اس کے پیروں کی جانب' وہ اس کو کاٹتے رہیں گے' جب وہ اس کو کاٹ چکیں گے تو پھر دوبارہ کاٹیں گے' قیامت تک یونہی ہوتا رہے گا۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۱۵۲ طبع قدیم' مسند احمد ج ۴۲ ص ۱۰۶' رقم الحدیث: ۲۵۱۸۹' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۵)

حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھجوروں کے باغ میں تھے' وہ باغ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا تھا' آپ قضاء حاجت کے لیے گئے اور حضرت بلال آپ کے پیچھے چل رہے تھے' وہ آپ کی تعظیم کی وجہ سے آپ کے پہلو بہ پہلو نہیں چل رہے تھے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر کے پاس سے گزرے' آپ کھڑے ہوگئے اور بلال ایک کنارے ہوگئے' آپ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے اے بلال! کیا تم سن رہے ہو جو میں سن رہا ہوں؟ حضرت بلال نے کہا: میں کچھ نہیں سن

رہا' آپ نے فرمایا: اس قبر والے کو عذاب ہو رہا ہے' پھر اس قبر والے کے متعلق تفتیش کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ یہودی ہے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۱۵۱ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲۰ ص ۱۱-۱۰' مؤسسة الرسالة' بیروت' ۱۴۱۸ھ' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۶)

امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے۔

حضرت ام مبشر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میں اس وقت بنو نجار کے باغات میں سے ایک باغ میں تھی' اس میں ان لوگوں کی قبریں تھیں جو زمانۂ جاہلیت میں فوت ہو چکے تھے' آپ نے ان پر عذاب دیئے جانے کی آوازیں سنیں تو آپ یہ کہتے ہوئے باہر آئے: عذاب قبر سے پناہ طلب کرو' میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا ان کو ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اس عذاب کو وحشی جانور سن رہے ہیں۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۳۶۲ طبع قدیم' مسند احمد ج ۴۴ ص ۵۹۲' رقم الحدیث: ۲۷۰۴۴' مؤسسة الرسالة' بیروت' ۱۴۲۱ھ' المعجم الکبیر ج ۲۵ ص ۱۰۳' رقم الحدیث: ۲۶۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۷۴' السنة لابن ابی عاصم رقم الحدیث: ۸۷۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۱۲۵' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند کے تمام راوی صحیح ہیں' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۶)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک (بعض) مردوں کو ان کی قبروں میں عذاب دیا جاتا ہے' حتیٰ کہ جانور ان کی آوازوں کو سنتے ہیں۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۴۵۹' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۶)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سخت گرم دن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بقیع الغرقد کے پاس سے گزرے اور لوگ آپ کے پیچھے چل رہے تھے' جب آپ نے ان کی جوتیوں کی آہٹ سنی تو آپ ٹھہر گئے' حتیٰ کہ لوگوں کو اپنے آگے کر دیا تا کہ آپ کے دل میں تکبر کا کوئی ذرہ نہ آئے' حضرت ابو امامہ نے کہا: یہاں پر دو آدمیوں کی قبریں ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم نے آج کن لوگوں کو دفن کیا ہے؟ صحابہ نے کہا: یا نبی اللہ! فلاں فلاں ہیں' آپ نے فرمایا: ان کو اس وقت ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے' صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا: ان میں سے ایک شخص چغلی کھاتا تھا اور دوسرا شخص پیشاب کے قطروں سے نہیں بچتا تھا' پھر آپ نے ایک شاخ کے دو ٹکڑے کر کے ان کو ان قبروں پر گاڑ دیا' صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا: تا کہ ان کے عذاب میں تخفیف ہو جائے' صحابہ نے پوچھا: یا نبی اللہ! ان کو کب سے عذاب دیا جا رہا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ غیب ہے جس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اگر تمہارے دلوں میں وحشت نہ ہوتی تو میں تمہیں وہ آوازیں سنا دیتا جن کو میں سن رہا ہوں۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۸۶۹' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند میں ایک راوی مجروح ہے' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۶)

اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غایت درجہ کی تواضع فرماتے تھے حتیٰ کہ اپنے متبعین کو بھی اپنے سے آگے چلنے کے لیے فرماتے تھے' اور آپ برزخ کے احوال پر بھی نظر رکھتے تھے' آپ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ ان کو عذاب ہو رہا ہے اور آپ کو یہ بھی علم تھا کہ ان کو کس وجہ سے عذاب ہو رہا ہے' اور آپ نے ان کی مدد فرمائی اور ان کے عذاب میں تخفیف کر دی' اور اس کی فقہ یہ ہے کہ آپ دنیا میں رہتے ہوئے برزخ کے احوال سے غافل نہیں ہیں' اسی طرح جب آپ برزخ میں چلے جائیں گے تو دنیا والوں کے احوال سے غافل نہیں ہوں گے اور جس طرح دنیا میں رہتے ہوئے برزخ والوں کی مدد فرماتے ہیں اسی طرح برزخ میں جا کر دنیا والوں کی مدد فرماتے رہیں گے۔

عذاب قبر کی نفی پر قرآن مجید سے دلائل اور ان کے جوابات

عذابِ قبر کے منکرین نے قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا ہے:

لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰی. (الدخان:۵۶) اہل جنت جنت میں پہلی موت کے سوا اور کوئی موت نہیں چکھیں گے۔

منکرین کہتے ہیں کہ قبر میں حیات ہو تو حیات جنت سے پہلے دو موتیں ہوں گی' پہلی موت قبر میں جانے سے پہلے اور دوسری موت قبر میں جانے کے بعد' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں صرف پہلی موت کے چکھنے کا بیان کیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اہل جنت' جنت میں موت کو نہیں چکھیں گے اور جس طرح دنیا میں ان کی نعمتیں موت سے منقطع ہو گئی تھیں' جنت میں ان کی نعمتیں موت سے منقطع نہیں ہوں گی' لہٰذا اس آیت میں یہ دلیل نہیں ہے کہ دخول جنت سے پہلے ان پر کوئی اور موت نہیں آ سکتی' اور یہ جو فرمایا ہے کہ وہ جنت میں پہلی موت کے سوا اور کوئی موت نہیں چکھیں گے تو یہ جنت میں ان پر موت نہ آنے کی بہ طور تعلیق بالمحال تاکید ہے' یعنی اگر پہلی موت کا چکھنا ممکن ہوتا تو وہ جنت میں پہلی موت چکھ لیتے لیکن پہلی موت کا چکھنا تو ممکن نہیں ہے (کیونکہ وہ آ چکی) اس لیے اب موت کا چکھنا بھی ممکن نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ''الموتة الاولی'' میں جنس موت مراد ہے اور یہ موت کے تعدد کے منافی نہیں ہے' کیونکہ جنس متعدد کو بھی شامل ہوتا ہے' اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے زمانہ میں کئی مُردوں کو زندہ کیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ بعض جنتی جنت میں آنے سے پہلے کئی موتیں چکھ چکے تھے اس لیے ماننا پڑے گا کہ ''الموتة الاولی'' سے جنس موت مراد ہے' لہٰذا قبر میں حیات کے بعد دوبارہ موت آئی ہو اور دخول جنت سے پہلے جنتیوں نے دو موتیں چکھ لی ہوں تو یہ اس آیت کے منافی نہیں ہے۔

دوسری آیت کریمہ جس سے منکرین استدلال کرتے ہیں وہ یہ ہے:

وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ ○ (فاطر:۲۲) آپ ان کو سنانے والے نہیں ہیں جو قبروں میں ہیں ○

قبر والے اس لیے نہیں سن سکتے کہ وہ حیات سے عاری اور مُردہ ہیں اور جب وہ مُردہ ہیں تو عذابِ قبر ثابت نہ ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اہل قبور حاسۂ سمع یعنی کانوں سے نہیں سنتے کیونکہ جسم تو کچھ عرصہ بعد گل سڑ کر مٹی ہو جاتا ہے' صرف ہڈیاں رہ جاتی ہیں اور کچھ عرصہ بعد ہڈیاں بھی نہیں رہتیں۔ اس لیے اس آیت میں حواس سے سننے کی نفی ہے اور اہلِ قبور حواس سے نہیں روح کی قوت سے سنتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں آپ کے سنانے کی نفی ہے' قبر والوں کے سننے کی نفی نہیں ہے' یعنی جس طرح قبر والوں کے لیے ان کی موت کی وجہ سے آپ کی نصیحت کارگر نہیں ہے اسی طرح کفار مکہ پر بھی ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے آپ کی نصیحت کارگر نہیں ہے' تیسرا جواب یہ ہے کہ کفار کو قبر والوں سے تشبیہ دی گئی ہے اور یہاں مراد کفار ہیں اور اسماع کی نفی سے سماع کے خلق کی نفی مراد ہے' یعنی آپ کفار میں سماع کو پیدا نہیں کرتے' تو اگر کفار آپ کی نصیحت کو نہیں سنتے تو آپ رنجیدہ نہ ہوں۔ الغرض اس آیت سے قبر والوں کے سننے کی نفی نہیں ہے اس لیے یہ آیت عذاب قبر کے خلاف نہیں ہے۔

عذابِ قبر کے خلاف عقلی شبہات کے جوابات

علامہ اُبی مالکی لکھتے ہیں:

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ عذاب قبر ثابت ہے' اس کے برخلاف خوارج' جمہور معتزلہ' بعض مرجئہ (اور بعض روافض) عذاب قبر کے قائل نہیں ہیں' اہل حق کے نزدیک بعینہٖ جسم کو عذاب ہوتا ہے یا جسم کے کسی جز میں روح

کو لوٹانے کے بعد عذاب ہوتا ہے' محمد بن جریر اور عبداللہ بن کرام اس کے خلاف ہیں' وہ کہتے ہیں کہ میت کو عذاب دینے کے لیے روح کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے' یہ رائے فاسد ہے' کیونکہ درد کا احساس صرف زندہ کے لیے متصور ہے' اگر یہ اعتراض ہو کہ میت کا جسم اسی طرح بغیر کسی تغیر کے پڑا ہوتا ہے اور اس پر عذاب دیئے جانے کا کوئی اثر نہیں ہوتا' اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی نظیر یہ ہے کہ ایک آدمی خواب میں دیکھ رہا ہے کہ اس کو مار پڑ رہی ہے اور وہ خواب میں درد اور تکلیف بھی محسوس کرتا ہے' لیکن اس کے پاس بیٹھے ہوئے بیدار شخص کو کوئی علم نہیں ہوتا کہ وہ اس وقت کیا محسوس کر رہا ہے' اسی طرح ایک بیدار آدمی کسی خیال کی وجہ سے لذت یا تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے اور اس کے پاس بیٹھے ہوئے شخص کو پتا نہیں ہوتا کہ وہ لذت یا تکلیف کے کس عالم میں ہے اور اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی آتی تھی' آپ حضرت جبرائیل سے ہم کلام ہوتے تھے اور حاضرین کو اس کا کوئی ادراک نہیں ہوتا تھا۔

علامہ ابی کہتے ہیں کہ منکرین عذاب قبر کی دلیل یہ ہے کہ میت سے سوال کرنا اور اس کو عذاب دیا جانا عقل اور مشاہدہ کے خلاف ہے' کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کو قتل کیا گیا یا سولی پر چڑھایا گیا اور ایک مدت تک اس کی لاش پڑی رہتی ہے حتیٰ کہ اس کے اجزاء پھٹ جاتے ہیں اور ہم اس پر سوال و جواب یا عذاب دیئے جانے کے کوئی آثار نہیں دیکھتے' اسی طرح جس شخص کو درندے یا پرندے (مثلاً گدھ) کھا جاتے ہیں اور اس کے اجزاء ان کے پیٹ یا پوٹوں میں ہوتے ہیں اور سب سے زیادہ واضح یہ ہے کہ جو شخص جل کر راکھ ہو جاتا ہے تو ان کے متعلق سوال اور عذاب کا دعویٰ کرنا عقل کے خلاف ہے۔ ابن الباقلانی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ مستبعد نہیں ہے کہ جس شخص کو سولی پر چڑھایا گیا ہو اس میں دوبارہ روح لوٹا دی جائے' اگرچہ ہمیں اس کا مشاہدہ نہیں ہوتا جیسے حضرت جبرائیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے اور حاضرین اس کا مشاہدہ نہیں کر پاتے تھے۔ اسی طرح جو شخص درندے کے پیٹ یا پرندے کے پوٹے میں ہو یا جل گیا ہو اس کے کسی ایک جز میں روح لوٹا دی جائے تو یہ ممکن ہے اگرچہ ہمیں اس کا مشاہدہ نہیں ہوتا' زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ خرق عادت ہے اور تمام اُمور اخروی ایسے ہی ہیں۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۹ ص ۳۱۸' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ہم اس سے پہلے بہ کثرت احادیث کے حوالوں سے یہ بیان کر چکے ہیں کہ قبر میں بندہ کے جسم میں روح لوٹائی جاتی ہے' فرشتے اس کو بٹھاتے ہیں اور اس سے سوالات کرتے ہیں اور وہ بندہ جوابات دیتا ہے۔ نہ جانے کیوں علامہ ابی کی ان احادیث کی طرف توجہ نہیں ہوئی' اسی طرح دیگر علماء نے بھی قبر میں روح لوٹائے جانے کے مسئلہ میں تردد کیا ہے۔ حالانکہ مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۸۔ ۲۸۷ اور مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۸۱ میں اس کی صاف تصریح ہے۔

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

بہت سے اشاعرہ اور حنفیہ نے (قبر میں) روح لوٹانے میں تردد کیا ہے' انہوں نے کہا: حیات کے لیے روح لازم نہیں ہے' یہ صرف امر عادی ہے' بعض احناف میں سے جو معاد جسمانی کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ جسم میں روح رکھی جاتی ہے' وہ لذت اور الم کا ادراک کرتی ہے اور جن کا قول یہ ہے کہ جب بدن مٹی ہو جاتا ہے تو روح اس مٹی کے ساتھ متصل ہو جاتی ہے اور روح اور مٹی دونوں کو الم ہوتا ہے اس قول میں یہ احتمال ہے کہ روح ایک جسم (لطیف) ہے اور بدن سے مجرد ہے اور ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ بعض احناف مثلاً امام ماتریدی اور ان کے متبعین یہ کہتے ہیں کہ روح (جسم سے) مجرد ہے' لیکن امام ماتریدی نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! قبر میں گوشت کو روح کے بغیر کس طرح درد پہنچایا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: جس طرح تمہارے دانت میں درد ہوتا ہے حالانکہ اس میں روح نہیں ہوتی' اسی طرح موت کے بعد

جب روح جسم کے ساتھ متصل ہوگی تو اس میں درد ہوگا' اگر چہ اس میں روح نہیں ہوگی اور اس حدیث کے موضوع ہونے کے آثار بالکل واضح ہیں اور یہ مخفی نہ رہے کہ مٹی سے مراد جسم کے باریک اجزاء ہیں اور ان میں سے بعض اجزاء کے ساتھ بھی روح کا اتصال لذت اور الم کے ادراک کے لیے کافی ہے۔ (المسائرہ مع المسامرہ ص ۲۴۳۔۲۴۲' دار المعارف الاسلامیہ' مکران)

علامہ قاسم بن قطلو بغا حنفی متوفی ۸۸۱ھ لکھتے ہیں:

علامہ قونوی نے کہا کہ کفار کی روحیں ان کے جسموں کے ساتھ متصل ہوتی ہیں' ان کی روحوں کو عذاب دیا جاتا ہے اور ان کے جسموں کو الم ہوتا ہے' جیسے سورج آسمان میں ہوتا ہے اور اس کی روشنی زمین پر ہوتی ہے اور مؤمنین کی روحیں علیین میں ہوتی ہیں اور ان کا نور جسم کے ساتھ متصل ہوتا ہے' جیسے سورج آسمان پر ہے اور اس کا نور زمین پر ہے۔

(شرح المسائرہ مع المسامرہ ص ۲۴۳' مکران)

ملا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

انسان کے جسم کا جز اصلی وہ جز ہے جو اس کے جسم میں اوّل عمر سے لے کر آخر عمر تک باقی رہتا ہے اور اس کے بدن کی فربہی اور لاغری کے ہر دور میں وہ جز مشترک رہتا ہے' اسی کی حیات سے سارے بدن کی حیات ہوتی ہے اور جب انسان مر جائے تو خواہ اس کو قبر میں دفن کر دیا جائے یا اس کو درندے کھالیں اس کے بدن کا وہ جزء اصلی جس جگہ بھی ہو اس کی روح اس جز کے ساتھ متعلق کر دی جاتی ہے اور اس تعلق کی وجہ سے اس میں حیات آجاتی ہے تاکہ اس سے سوال کیا جائے' پھر اس کو ثواب یا عذاب دیا جائے اور اس امر میں کوئی استبعاد نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام جزئیات اور کلیات کا عالم ہے' اس لیے وہ بدن کے تمام اجزاء کو ان کی پوری تفاصیل کے ساتھ جانتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ کون سا جز کس جگہ واقع ہے اور کون سا جز اس کے بدن کا جزء اصلی ہے اور کون سا جز زائد ہے اور وہ جز اصلی اس کے مکمل بدن میں ہو یا کائنات میں کہیں اکیلا ہو' ہر حال میں اللہ تعالیٰ انسان کی روح کو اس جز کے ساتھ متعلق کرنے پر قادر ہے' بلکہ اگر ایک انسان کے بدن کے تمام اجزاء مشارق اور مغارب میں منتشر ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اس انسان کی روح کو ان تمام اجزاء کے ساتھ متعلق کرنے پر بھی قادر ہے۔

(مرقاۃ ج ۱ ص ۲۰۳' ملتان)

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ جس میت کو عذاب دینا چاہتا ہے اس کو عذاب دیتا ہے' خواہ اس کو قبر میں دفنایا جائے یا اس کو سولی پر لٹکایا جائے یا وہ سمندر میں غرق ہو جائے یا اس کو جانور کھالیں یا وہ جل کر راکھ ہو جائے اور اس کے ذرّات ہوا میں منتشر ہو جائیں' جس کو عذاب ہونا ہے ہر حال میں عذاب ہوگا اور اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ عذاب اور ثواب کا محل روح اور بدن دونوں ہیں۔

(شرح الصدور ص ۷۶۔۷۵' دار الکتب العربیہ الکبریٰ مصر)

عذابِ قبر کی مزید وضاحت

ایک سوال یہ ہے کہ بہت سے لوگوں کی قبر نہیں بنتی' پھر ان کے حق میں عذاب قبر کیسے ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قبر سے مراد وہ جگہ ہے جہاں میت کے اجزاء اصلیہ ہوں' خواہ وہ زمین کا گڑھا ہو یا سمندر کی تہ یا جانور کا پیٹ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے' دوسرا سوال یہ ہے کہ کچھ عرصہ بعد بدن گل سڑ کر مٹی ہو جاتا ہے' پھر بدن پر عذاب کیسے ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بدن کے اجزاء اصلیہ کو اللہ تعالیٰ بہر حال باقی رکھتا ہے جن کے ساتھ روح کا تعلق قائم رہتا ہے اور ان پر عذاب کی کیفیات وارد ہوتی ہیں۔ تیسرا سوال یہ ہے کہ بسا اوقات جنگلی جانور انسانوں کو کھا جاتے ہیں اور اگر ان پر آگ کا عذاب ہوتا ہے تو اس سے

جانوروں کو تکلیف کیوں نہیں ہوتی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جانور عالم دنیا میں ہے اور اس کے اندر میت کے اجزاء پر عالم برزخ میں عذاب کی کیفیات گزر رہی ہیں اور ایک عالم کے احوال دوسرے عالم پر منکشف نہیں ہوتے' مثلاً ہمارے پیٹ میں جب کیڑے ہوتے ہیں' ان پر زندگی اور موت اور درد و راحت کے تمام احوال گزرتے ہیں اور ہم کو پتا نہیں چلتا۔ چوتھا سوال یہ ہے کہ کہا جاتا ہے: میت کو گرز سے مارا جاتا ہے' وہ چیختا چلاتا ہے' اس کے سر کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں' جسم جل جاتا ہے' لیکن جب قبر کھود کر میت کو دیکھا جائے تو جسم اسی طرح پڑا ہوتا ہے۔ کسی چوٹ کا نشان نہ جلنے کا' کوئی اور ٹوٹ پھوٹ نہ مار کی وجہ سے جسم میں حرکت اور اضطراب ہوتا ہے' اس کا جواب بھی وہی ہے کہ یہ الگ الگ عالموں کے احوال ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنات اور فرشتوں سے باتیں کرتے تھے' اسی مجلس میں صحابہ ہوتے تھے انہیں پتا نہ چلتا' خواب میں کسی آدمی کو مار پڑتی ہے اور اسی عالم میں وہ درد و اذیت محسوس کرتا ہے لیکن اس کے پاس بیٹھے بیدار شخص کو پتا نہیں چلتا' اسی طرح برزخ کے احوال دنیا والوں پر منکشف نہیں ہوتے۔ پانچواں سوال ہے کہ قبر میں انسان زندہ رہ سکتا ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ کسی زندہ آدمی کو قبر میں دفن کر دیں اور وہ زندہ رہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں زندگیوں کی نوعیت میں فرق ہے' اونٹنی کے پیٹ میں بچہ زندہ ہوتا ہے لیکن اگر کسی انسان یا جانور کو اونٹنی کے پیٹ کا آپریشن کر کے اس میں ڈال دیا جائے تو وہ زندہ نہ رہ سکے گا۔

عذابِ قبر پر ہم نے اس قدر تفصیلی بحث اس لیے کی ہے کہ شیعہ' معتزلہ' منکرین حدیث اور بہت سے آزاد خیال لوگ عذاب قبر کا انکار کرتے ہیں' اس لیے میں نے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے تا کہ اس کا کوئی پہلو تشنہ نہ رہے' اللہ تعالیٰ میری اس محنت کو قبول فرمائے اور اس میں اثر آفرینی پیدا فرمائے۔ آمین یا رب العلمین بجاہ حبیبک سید المرسلین

دوزخ میں کافروں کا مباحثہ

المومن: ۴۷ میں ارشاد ہے: ''اور جب وہ دوزخ میں ایک دوسرے سے بحث کریں گے' پس کمزور لوگ متکبرین سے کہیں گے: ہم دنیا میں تمہارے پیروکار تھے' کیا تم ہم سے آگ کا کوئی حصہ دور کرنے والے ہو؟O''

یعنی اے سردارو! کیا تم اس پر قادر ہو کہ ہم سے اس عذاب کا کچھ حصہ کم کرا دو۔ ان پیروکاروں کو یہ علم تھا کہ ان کے کافر سردار اللہ تعالیٰ کے عذاب میں بالکل تخفیف نہیں کرا سکتے' اس سوال سے ان کا مقصود یہ تھا کہ کافر سرداروں کو زیادہ سے زیادہ شرمندہ کیا جا سکے اور ان کے دلوں کو تکلیف پہنچائی جائے کیونکہ ان کافر سرداروں نے ہی اپنے پیروکاروں کو انواع و اقسام کی گم راہیوں میں مبتلا کیا تھا اور جب پیروکار اپنے سرداروں سے یہ فرمائش کریں گے تو وہ جواب میں کہیں گے:

المومن: ۴۸ میں ارشاد ہے: ''متکبرین کہیں گے: بے شک ہم سب دوزخ میں ہیں' بے شک اللہ بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکا ہےO''

یعنی ہم سب دوزخ کے عذاب میں گرفتار ہیں' اگر تمہارے عذاب میں کمی کرانا ہماری قدرت میں ہوتا تو ہم اپنے عذاب میں نہ کمی کرا لیتے' اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ فرما چکا ہے اور جس کو اجر و ثواب دینا تھا اور جس کو جو سزا اور عذاب دینا تھا وہ دے چکا ہے' پھر جب پیروکار اپنے سرداروں سے مایوس ہو جائیں گے تو جہنم کے محافظوں سے کہیں گے:

المومن: ۴۹ میں فرمایا: ''اور دوزخی جہنم کے محافظوں سے کہیں گے: تم اپنے رب سے دعا کرو کہ کسی ایک دن تو ہم سے عذاب کم کر دےO''

جہنم کے جس حصہ میں انہیں عذاب دیا جائے گا وہاں پر سخت عذاب ہو رہا ہوگا اور وہ جہنم کا بہت ہولناک حصہ ہوگا' اسی

لیے وہ جہنم کے محافظوں سے فریاد کریں گے۔

المومن: ۵۰ میں فرمایا: ''محافظ کہیں گے: کیا تمہارے پاس تمہارے رسول نشانیاں لے کر نہیں آئے تھے؟ دوزخی کہیں گے: کیوں نہیں، محافظ کہیں گے: پھر تم خود ہی دعا کرو اور کافروں کی دعا محض گم راہی میں ہوتی ہے O''

محافظوں کے اس قول میں یہ دلیل ہے کہ انسان احکام کا اسی وقت مکلف ہوتا ہے جب اللہ کے رسول احکام شرعیہ لے کر آ جائیں اور رسولوں کے آنے سے پہلے انسان کے لیے ہر فعل مباح ہے اور کوئی کام اس کے لیے شرعاً ممنوع نہیں ہے کیونکہ ابھی احکام شرعیہ نازل ہی نہیں ہوئے' اس لیے کہا جاتا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔

آخرت میں کفار کی دعاؤں کو قبول نہ فرمانا آیا اللہ تعالیٰ کے رحیم و کریم ہونے کے منافی ہے یا نہیں؟

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے اس آیت پر ایک اعتراض کر کے اس کا جواب لکھا ہے' امام رازی لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کو ایذاء پہنچنا تو محال ہے' اس لیے یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ان کفار اور مشرکین کے جرائم سے اللہ تعالیٰ کو ایذاء پہنچی ہو اور اس ایذاء کا انتقام لینے کے لیے اللہ تعالیٰ ان کو اس قدر سخت اور دائمی عذاب دے' اس لیے ہم کہتے ہیں کہ ان مشرکین کو اس قدر عظیم عذاب دینا محض ان کو ضرر پہنچانا ہے' اس سے اللہ تعالیٰ کو کوئی فائدہ ہے نہ اس کے کسی بندہ کو' اور یہ ایسا ضرر ہے جس میں کسی اعتبار سے کوئی نفع نہیں ہے تو اس رحیم و کریم کے یہ کیسے لائق ہے کہ وہ ان مشرکین کو دائماً ابد الآباد تک درد اور ضرر پہنچائے اور ان کی کسی حاجت پر رحم نہ فرمائے اور ان کی کوئی دعا قبول نہ فرمائے اور ان کے گڑگڑانے اور عاجزی کرنے پر کوئی توجہ نہ فرمائے اور اگر انسانوں میں سے کوئی انتہائی سنگ دل اور شقی انسان بھی اپنے کسی غلام کو ایسی سخت سزا دیتا اور اس کا خادم اس سے رو رو کر معافی مانگتا تو وہ ضرور اس پر رحم کر کے اس کو معاف کر دیتا جب کہ اس انسان کو اپنے خادم کی خدمت سے نفع ہوتا ہے اور اس کی نافرمانی سے اس کو نقصان ہوتا ہے اور اس انسان کو اپنے اس خادم کی احتیاج بھی ہوتی ہے تو وہ اکرم الاکرمین جو اپنے بندوں سے بالکل بے نیاز ہے' جسے ان کی مطلقاً کوئی احتیاج نہیں ہے اس کو کب زیبا ہے کہ وہ ان مشرکین کو ابدالآباد تک سزا دیتا رہے اور ان کو درد پہنچاتا رہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی کوئی غرض نہیں ہوتی اور وہ اپنے کسی فعل پر جواب دہ نہیں ہے'' لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْـَٔلُوْنَ O ''(الانبیاء: ۲۳) اور جب اس نے اپنی اس کتاب میں یہ فیصلہ فرمادیا تو اس کا اقرار کرنا واجب ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۲۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ امام رازی پر رحمتیں نازل فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے' ان کی اس تقریر سے یہ تاثر ملتا ہے کہ مشرکین کے اس قدر گڑگڑا کر فریاد کرنے' آہ و زاری سے معافی مانگنے اور رو رو کر توبہ کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کا ان کو معاف نہ فرمانا اور ان کو مسلسل ابدالآباد تک درد اور اذیت میں مبتلا رکھنا اس کی شان کریمی کے لائق تو نہیں ہے' وہ بے نیاز ہے' اسے مشرکین کو سزا دینے سے کوئی فائدہ نہیں ہے' اس کے مقابلہ میں کوئی سخت سے سخت دل کا انسان ہوتا تو وہ بھی اپنے غلام کو معاف کر دیتا اور وہ اکرم الاکرمین ہو کر اپنے بندہ کو معاف نہیں کر رہا' سو ایسی بے مہری اس کے لائق تو نہیں ہے لیکن وہ حاکم مطلق ہے' اس پر کوئی اعتراض ہو نہیں سکتا' اس کی جناب میں کسی چون و چرا کی مجال نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ امام رازی نے اللہ تعالیٰ کی بے رحمی کی تصویر تو بہت تفصیل سے کھینچی ہے کفار اور مشرکین کے جرائم کی سنگینی نہیں بیان کی' اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا' ان کی ضرورت اور راحت کی ہر چیز ان کو مہیا کی' مسلمانوں اور اپنے فرماں بردار بندوں سے زیادہ ان کو نعمتیں عطا فرمائیں۔ دنیا میں ان کو بے پناہ مادی قوتوں سے نوازا' ہر طرح کے عیش و آرام میں رکھا اور ان

سے صرف اتنا چاہا کہ وہ اس عظیم محسن اور منعم کو مان لیں' صرف اتنا اقرار کرلیں کہ یہ تمام نعمتیں اس نے دی ہیں تو انہیں آخرت میں کوئی سزا نہیں ہوگی اور جنت کی دائمی نعمتیں ملیں گی۔ ''مَا یَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ '' (النساء:۱۴۷) لیکن ان مشرکوں نے یہ اقرار کر کے نہیں دیا کہ ان پر یہ انعام واکرام کرنے والا وہ واحد لاشریک ہے' بلکہ اس کے برعکس وہ کبھی ان نعمتوں کے دینے کی نسبت اپنے جیسے انسانوں کی طرف کرتے' کبھی ان کی تصویروں اور ان کے مجسموں کی طرف نسبت کرتے' کبھی اپنے ہاتھ سے تراشے ہوئے بتوں کی طرف نسبت کرتے' اللہ تعالیٰ ان سے بار بار فرماتا رہا کہ مجھے مانو' مجھ سے مدد طلب کرو' میرے آگے سر جھکاؤ' مگر یہ اوروں کو داتا اور منعم کہتے رہے' بتوں کے آگے گڑگڑاتے رہے' ان سے فریاد کرتے رہے' اس نے ان کو سمجھانے کے لیے بار بار نبیوں اور رسولوں کو بھیجا' انہوں نے ایک نہ سنی' اس نے ان کو نصیحت کرنے کے لیے کتابیں اور صحیفے نازل کیے' انہوں نے کوئی اثر قبول نہ کیا' اس نے بار بار کہا: یہاں اس دنیا میں توبہ کرو' یہاں معافی مانگو' مرنے سے پہلے زندگی میں صرف ایک بار شرک سے برأت کا اظہار کردو اور توحید کا اقرار کرلو' میں تم کو بخش دوں گا' پچھلے سارے گناہ معاف کر دوں گا' تم نے میرے نبیوں اور رسولوں کو ستایا ہو' میرے وفادار اور اطاعت گزار بندوں پر ظلم کیا ہو' ان کو قتل کیا ہو' آسمان کے ستاروں' ریت کے ذروں' درختوں کے پتوں اور سمندر کے قطروں سے زیادہ گناہ کیے ہوں' میں سب سے درگزر کرلوں' سب گناہوں کو معاف کردوں گا' بس زندگی میں مرنے سے پہلے صرف ایک بار توحید کا اقرار کرلو' دیکھو یہیں اس دنیا میں توبہ کرو' یہیں معافی مانگو' یہی توبہ کی جگہ ہے' آخرت میں توبہ قبول نہیں ہوگی' تم نے دنیا میں توبہ نہیں کی' اب آخرت میں توبہ کر رہے ہو' یہ چاہتے ہو کہ میں آخرت میں تمہاری توبہ قبول کر کے اپنی وعید کے خلاف کروں اور جھوٹا ہو جاؤں' سنو میں جھوٹا نہیں ہوں۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ

بے شک ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیا کی زندگی میں (بھی) مدد فرمائیں گے اور اس دن (بھی) جس دن

يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ

گواہ کھڑے ہوں گے O جس دن ظالموں کو ان کی معذرت سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا'

وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى

ان کے لیے لعنت ہو گی اور ان کے لیے بُرا گھر ہو گا O اور بے شک ہم نے موسیٰ کو (کتاب)

وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ﴿۵۳﴾ هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِي

ہدایت دی اور ہم نے بنی اسرائیل کو اس کتاب کا وارث بنایا O (وہ) عقل والوں کے لیے

الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ

ہدایت اور نصیحت ہے O سو آپ صبر کیجئے' بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے اور آپ اپنے بہ ظاہر

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ﴿۵۵﴾ إِنَّ الَّذِينَ

خلاف اولیٰ کاموں کے لیے بخشش طلب کیجئے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ صبح اور شام تسبیح کیجئے O بے شک جو لوگ

يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ إِنْ فِي صُدُورِهِمْ

بغیر کسی ایسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو اللہ کی آیتوں میں جھگڑا کر رہے ہیں ان کے دلوں

إِلَّا كِبْرٌ مَا هُمْ بِبَالِغِيهِ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ

میں صرف بڑا بننے کی ہوس ہے جس تک وہ پہنچنے والے نہیں ہیں' سو آپ اللہ سے پناہ طلب کیجئے' بے شک وہ خوب سننے والا'

الْبَصِيرُ ﴿۵۶﴾ لَخَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ

بہت دیکھنے والا ہے O آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنا لوگوں کو پیدا کرنے

النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۵۷﴾ وَمَا يَسْتَوِي

سے ضرور بہت بڑا ہے' لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O اور اندھا اور دیکھنے

الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَ

والا برابر نہیں ہے اور نہ مؤمنین صالحین بدکاروں کے برابر ہیں'

لَا الْمُسِيءُ قَلِيلًا مَا تَتَذَكَّرُونَ ﴿۵۸﴾ إِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ

تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو O بے شک قیامت ضرور

لَا رَيْبَ فِيهَا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۵۹﴾ وَقَالَ

آنے والی ہیں' اس میں کوئی شک نہیں ہے' لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے O اور تمہارے رب نے فرمایا:

رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ

تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول فرماؤں گا' بے شک جو لوگ میری عبادت سے

عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ﴿۶۰﴾ ع

ع ۶ / ۱۰ / ۱۱

تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلت سے جہنم میں داخل ہوں گے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیا کی زندگی میں (بھی) مدد فرمائیں گے اور اس دن (بھی) جس دن گواہ کھڑے ہوں گے O جس دن ظالموں کو ان کی معذرت سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا' ان کے لیے لعنت ہو گی اور ان کے لیے بُرا گھر ہوگا O اور بے شک ہم نے موسیٰ کو (کتاب) ہدایت دی اور ہم نے بنی اسرائیل کو اس کتاب کا وارث بنایا O (وہ) عقل والوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے O (المومن: ۵۴۔۵۱)

رسولوں اور مؤمنوں کی نصرت کے محامل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور آل فرعون کے مرد مومن کو فرعون کی سازشوں کے شر سے محفوظ رکھا اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کی اور ایمان والوں کی مدد فرمائے گا' اس آیت میں رسولوں سے اور ایمان والوں سے کون مراد ہیں؟ اس میں مفسرین کے دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ رسولوں سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اور ایمان والوں سے مراد آل فرعون کا مرد مومن ہے' یہ دونوں اگرچہ واحد ہیں لیکن ان کو تعظیماً جمع سے تعبیر فرمایا ہے' دوسرا قول یہ ہے کہ رسل سے مراد عام رسول ہیں اور ''الذین امنوا'' سے مراد عام مؤمنین ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی جو مدد فرمائے گا اس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ رسولوں اور ایمان والوں کی دلائل اور حجت سے مدد فرمائے گا کیونکہ دلائل اور حجت سے جو مدد کی جاتی ہے وہ ہمیشہ قائم رہتی ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ ان کی تعریف وتحسین سے مدد فرمائے گا' کیونکہ ظالم اس پر قادر نہیں ہے کہ لوگوں کی زبانوں سے ان کی تعریف و تحسین کو سلب کر لے۔

(۳) بعض اوقات مردان راہِ خدا کو حق کی راہ میں کچھ مشکلات پیش آتی ہیں لیکن وہ بالآخر ان کے لیے ترقی درجات کی موجب ہوتی ہیں۔

(۴) اہل باطل کے مرنے کے بعد ان کے آثار مٹ جاتے ہیں اور حق گو ہمیشہ لوگوں کے دلوں میں زندہ رہتے ہیں' لوگ ان کے نیک اعمال کی پیروی کرتے ہیں اور ان کے اجر وثواب میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

(۵) اس نصرت سے مراد انتصار اور انتقام بھی ہو سکتا ہے یعنی جن لوگوں نے رسولوں کو اور مؤمنوں کو اذیت پہنچائی اللہ تعالیٰ ان سے انتقام لے گا' خواہ ان کے سامنے یا ان کے پس پشت یا ان کی وفات کے بعد جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ' حضرت زکریا اور حضرت شعیا علیہم السلام کے اعداء اور قاتلوں سے انتقام لیا' اسی طرح نمرود کو اللہ تعالیٰ نے رسوا کیا اور جن یہودیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی پر لٹکایا تھا' ان پر اللہ تعالیٰ نے رومیوں کو مسلط کر دیا' جنہوں نے یہودیوں کی اہانت کی اور ان کو ذلیل کر دیا اور قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے' وہ عدل وانصاف سے فیصلے کریں گے اور مسیح دجال کو اور یہودیوں کو قتل کریں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے' صلیب کو توڑ دیں گے اور جزیہ کو موقوف کر دیں گے' اس وقت اسلام کے سوا کوئی مذہب قبول نہیں کیا جائے گا اور زمانۂ قدیم سے اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق میں یہی سنت ہے' اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کی مدد فرماتا ہے اور جن کو ایذاء دے اس سے انتقام لے کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: جس نے میرے ولی سے عداوت رکھی اس نے مجھ سے اعلان جنگ کر دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۰۲) اور

دوسری حدیث میں ارشاد ہے: میں اپنے اولیاء کے لیے اس طرح حملہ کرتا ہوں جس طرح شیر حملہ کرتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کو اور عاد اور ثمود کو اور اصحاب الرس کو اور قوم لوط کو اور اہل مدین کو اور ان جیسے دیگر دشمنان اسلام کو ہلاک کر دیا۔ جنہوں نے رسولوں کی تکذیب کی تھی اور ان کے درمیان جو مؤمنین تھے ان کو نجات دے دی' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی نصرت فرمائی اور جن لوگوں نے آپ کی تکذیب کی اور آپ سے عداوت رکھی ان سب کو مغلوب اور آپ کو ان سب پر غالب کر دیا' آپ کے دین کو تمام ادیان پر سر بلند کر دیا' آپ کو ہجرت کرنے کا حکم دیا' جب آپ مدینہ پہنچے تو وہاں کے لوگوں کو آپ کا اعوان اور انصار بنا دیا' پھر جنگ بدر کے دن آپ کی مدد فرمائی اور حملہ آور کافروں کو شکست دی' ان میں سے ستر کافر مارے گئے اور ستر قید کیے گئے' پھر کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے مکہ پر آپ کو اور مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور اپنے شہر میں پہنچ کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں اور اللہ تعالیٰ نے اس حرمت والے شہر کو کفر اور شرک سے پاک کر دیا اور تمام جزیرۂ عرب آپ کے زیر فرمان ہو گیا اور لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو گئے' پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح قبض فرمالی اور آپ کے بعد آپ کے اصحاب خلفاء ہوئے' انہوں نے اللہ عزوجل کے دین کی تبلیغ کی اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دی' حتیٰ کہ زمین کے تمام مشارق اور مغارب میں دین اسلام پھیل گیا اور یوں اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہو گیا کہ اللہ عزوجل اپنے رسولوں اور ایمان والوں کی مدد فرماتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۹۱' دار الفکر' ۱۴۱۹ھ)

کفار اور مشرکین کے اعذار کا نا قابل قبول ہونا

المومن: ۵۲ میں فرمایا: ''جس دن ظالموں کو ان کی معذرت سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا' ان کے لیے لعنت ہوگی اور ان کے لیے برا گھر ہوگا O''

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ مومنوں کے عظیم ثواب کی خبر دی جائے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ قیامت کے دن جب اولین اور آخرین جمع ہوں گے تو مؤمنین جنت میں بلند درجات پر فائز ہوں گے اور ان کے مخالف اور دشمن ذلت میں ہوں گے۔

اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین اپنے شرک پر عذر پیش کریں گے لیکن ان کے عذر سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور قرآن مجید میں دوسری جگہ فرمایا ہے:

وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ O (المرسلات: ۳۶) — اور ان کو عذر پیش کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی O

ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے' المومن: ۵۲ کا تقاضا ہے کہ وہ عذر پیش کریں گے اور المرسلات: ۳۶ کا تقاضا ہے کہ ان کو عذر پیش کرنے کی اجازت نہیں ہوگی' اس کا جواب یہ ہے کہ المومن: ۵۲ کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ عذر پیش کریں گے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے پاس کوئی ایسا عذر نہیں ہوگا جو انہیں فائدہ پہنچا سکے' اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ قیامت کے دن احوال مختلف ہوں گے' کسی وقت میں وہ عذر پیش کریں گے اور دوسرے وقت میں وہ عذر پیش نہیں کر سکیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی دنیا میں نصرت

المومن: ۵۳ میں فرمایا: ''اور بے شک ہم نے موسیٰ کو (کتاب) ہدایت دی اور ہم نے بنی اسرائیل کو اس کتاب کا وارث بنایا O وہ عقل والوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے O''

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا: ''اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں اور ایمان والوں کی دنیا اور آخرت میں نصرت فرماتا ہے'' سوال

دو آیتوں میں رسولوں اور ایمان والوں کی دنیا میں نصرت فرمانے کی ایک نوع بیان فرما رہا ہے کہ ہم نے موسیٰ کو ہدایت دی۔

اس ہدایت سے یہ بھی مراد ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو دنیا میں بہت زیادہ علوم نافعہ عطا فرمائے اور اس سے یہ بھی مراد ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت عطا فرمائی اور اس سے یہ بھی مراد ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت پر بہت دلائل اور معجزات عطا فرمائے اور اس سے یہ بھی مراد ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتاب ہدایت عطا فرمائی' جو تورات ہے۔

المومن: ۵۴ میں ایمان والوں کی نصرت کا ذکر فرمایا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو اس کتاب کا وارث بنایا۔

اس سے تورات کی وراثت بھی مراد ہوسکتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی تو بنی اسرائیل نے تورات میں مذکور احکام شرعیہ اور دیگر سورتوں اور آیتوں کا علم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حاصل کیا' پھر نسل در نسل یہ علم ان میں منتقل ہوتا رہا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے صرف تورات کی وراثت مراد نہ ہو بلکہ وہ تمام کتابیں مراد ہوں جو انبیاء بنی اسرائیل پر نازل ہوئی ہیں یعنی تورات' زبور اور انجیل۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: ''یہ کتاب عقل والوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے'' ہدایت اور نصیحت میں یہ فرق ہے کہ ہدایت کا معنیٰ ہے کہ ایک ایسی چیز بتائی جائے جو کسی دوسری چیز پر دلیل ہے اور اس کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ اس سے وہ چیز یاد آجائے جو پہلے بھول چکی ہو اور ذکری اور نصیحت سے مراد عام ہے یعنی انبیاء علیہم السلام کی سابقہ کتابوں کی وہ آیات جو عقائد صحیحہ اور احکام شرعیہ پر دلیل ہیں اور وہ آیات جن میں انہیں عقائد اور احکام کو یاد دلایا ہے اور ان کو اپنانے اور ان پر عمل کرنے کی نصیحت فرمائی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں یہ دونوں چیزیں ہیں' عقائد اور احکام پر دلائل بھی ہیں اور ان پر عمل کرنے کی نصیحتیں بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو آپ صبر کیجئے' بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے اور آپ اپنے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کی مغفرت طلب کیجئے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ صبح اور شام تسبیح کیجئے O بے شک جو لوگ بغیر کسی ایسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو' اللہ کی آیتوں میں جھگڑا کر رہے ہیں' ان کے دلوں میں صرف بڑا بننے کی ہوس ہے' جس تک وہ پہنچنے والے نہیں ہیں' سو آپ اللہ سے پناہ طلب کیجئے' بے شک وہ خوب سننے والا' بہت دیکھنے والا ہے O آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنا لوگوں کو پیدا کرنے سے ضرور بہت بڑا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O (المومن: ۵۷۔۵۵)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ کی نصرت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں اور ان پر ایمان لانے والوں کی مدد فرماتا ہے اور اس کی مثال میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا ذکر فرمایا' اب اس کے بعد ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرما رہا ہے کہ آپ صبر کیجئے' بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے' اللہ تعالیٰ آپ کی اس طرح مدد فرمائے گا جس طرح پہلے رسولوں کی مدد فرمائی تھی اور اللہ آپ سے کیا ہوا وعدہ اسی طرح پورا فرمائے گا جس طرح پہلے رسولوں سے کیا ہوا وعدہ پورا فرمایا تھا اور آپ سے فرمایا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف متوجہ رہیں جس سے آپ کو دنیا اور آخرت میں نفع ہوگا کیونکہ جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔ پھر جامع اطاعت یہ ہے کہ جو کام نہیں کرنے چاہئیں بندہ ان سے توبہ کرے اور جو کام کرنے چاہئیں بندہ ان میں مشغول رہے' اس لیے اوّل الذکر کے متعلق آپ سے فرمایا: ''اور آپ اپنے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کی مغفرت طلب کیجئے'' اور ثانی الذکر کے متعلق فرمایا: ''اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ صبح اور شام تسبیح کیجئے''۔

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کے حکم کی مفسرین کے نزدیک توجیہات

منکرین عصمت نبوت' آریہ سماج اور دیگر ملحدین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ المومن: ۵۵ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے: ''اور آپ اپنے ذنب کی مغفرت طلب کیجئے'' اور ذنب کا معنیٰ ہے: جرم اور اثم' یعنی گناہ اور گناہ کی مغفرت طلب کرنے کا اس کو حکم دیا جاتا ہے جس نے کوئی گناہ کیا ہو' اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ گناہ کیے تھے جبھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو گناہوں پر مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا ہے' ہمارے متقدمین مفسرین نے اس اعتراض کے متعدد جوابات دیئے ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ نے اس کے حسب ذیل جوابات دیئے ہیں:

(۱) ہم اس آیت کو ترک اولیٰ اور ترک افضل سے توبہ کرنے کے حکم پر محمول کرتے ہیں (اور افضل اور اولیٰ کو ترک کرنا گناہ نہیں ہے)۔

(۲) یہ حکم تعبدی ہے' یعنی ہر چند کہ آپ نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا اور آپ کو توبہ کرنے کا حکم دینا ماوراء عقل ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادت گزاری کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی حکم عقل میں آئے یا نہ آئے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے تو اس پر عمل کیا جائے۔

(۳) اس آیت میں مصدر کی مفعول کی طرف اضافت ہے یعنی ''واستغفر لذنب امتک فی حقک '' اس کا معنیٰ ہے: آپ کی امت کے آپ کے حق میں جو ذنب ہیں ان پر استغفار کیجئے۔ (تفسیر کبیرج ۹ص ۵۲۵' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ نے حسب ذیل جوابات ذکر کیے ہیں:

(۱) اس آیت کا معنیٰ ہے: آپ اپنی امت کے گناہوں کے لیے استغفار کیجئے' اس تاویل میں مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام کیا گیا ہے۔

(۲) آپ اپنے گناہ پر مغفرت طلب کیجئے' اس سے مراد صغیرہ گناہ ہیں' یہ تاویل ان کے لحاظ سے ہے جو انبیاء علیہم السلام کے لیے صغیرہ گناہوں کے قائل ہیں۔ (ہمارے نزدیک یہ جواب صحیح نہیں ہے)

(۳) یہ حکم تعبدی ہے جیسا کہ اللہ کے نیک بندوں نے یہ دعا کی:

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ. اے ہمارے رب! ہمیں وہ نعمتیں عطا فرما جس کا تو نے اپنے رسولوں کی زبانی ہم سے وعدہ فرمایا ہے۔ (آل عمران: ۱۹۴)

ظاہر ہے کہ جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے وہ اس کو ضرور عطا فرمائے گا خواہ وہ اس کی دعا کرتے یا نہ کرتے لیکن انہوں نے اپنی بندگی کا اظہار کرنے کے لیے یہ دعا کی۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں' آپ نے کوئی گناہ نہیں کیا لیکن آپ کو استغفار کرنے کا حکم اس لیے دیا کہ آپ اپنی بندگی کا اظہار کریں۔

(۴) آپ کو دعا کرنے کا حکم اس لیے دیا کہ آپ کے بعد طلب مغفرت کی دعا آپ کی سنت ہو جائے۔

(۵) قبل نبوت جو آپ سے گناہ صادر ہوئے آپ ان پر استغفار کیجئے (یہ جواب بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ نبی اعلان نبوت سے پہلے اور اعلان نبوت کے بعد ہر قسم کے گناہوں سے معصوم ہوتا ہے خواہ وہ گناہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ' صورتاً ہوں یا حقیقتاً)۔

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی ۶۸۵ ھ نے اس آیت کا حسب ذیل محمل بیان کیا ہے:

آپ اپنی عبادت اور احکام کی اطاعت کی طرف متوجہ رہیں اور آپ سے جو تقصیرات ہو گئی ہیں ان کا تدارک کریں مثلاً ترک اولیٰ۔

علامہ احمد بن محمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ نے اس عبارت کی شرح میں لکھا ہے:

قاضی بیضاوی کی ذکر کردہ تقصیرات سے مراد یہ ہے کہ جو کام آپ سے بغیر قصد اور عمد کے صادر ہو گئے' آپ ان پر استغفار کر کے ان کی تلافی کریں۔ (عنایۃ القاضی ج ۸ص ۲۷۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ محمد بن مصلح الدین القوجوی الحنفی المتوفی ۹۵۱ھ نے بیضاوی کی اس عبارت کی شرح میں لکھا ہے:

ظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ فرماتا ہے اور ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم آپ کی طرف گناہ کی نسبت کریں۔ (حاشیہ شیخ زادہ ج ۷ص ۳۳۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ نے اس آیت کے حسب ذیل محامل بیان کیے ہیں:

(۱) بعض اوقات جو آپ نے جلدی میں اولیٰ کاموں کو ترک کر دیا تو آپ استغفار کر کے ان کا تدارک کیجئے۔

(۲) اگر بالفرض آپ سے کوئی گناہ ہوا ہے تو آپ اس پر استغفار کیجئے۔

(۳) یہ حکم تعبدی ہے تا کہ اس پر عمل کر کے آپ کے درجات میں اضافہ ہو اور آپ کے بعد والوں کے لیے وہ عمل سنت ہو۔

(۴) یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد آپ کی امت کے گناہ ہیں۔

(۵) جس ذنب (گناہ) کی آپ کی طرف نسبت کی گئی ہے اس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا جس طرح کوئی شخص آپ کے سہو کی حقیقت کو نہیں جانتا' اس لیے کسی امتی کے لیے آپ کی طرف گناہ کی نسبت کرنا جائز نہیں ہے۔

(روح البیان ج ۸ص ۲۶۴' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے اس آیت کے تحت وہی جواب ذکر کیا ہے جس کو قاضی بیضاوی نے لکھا ہے۔

(روح المعانی جز ۲۴ص ۱۱۸' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کے حکم کی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے نزدیک توجیہات

آریہ سماج (ہندو پنڈتوں) نے ''وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ'' (المومن: ۵۵) سے مسلمانوں پر یہ اعتراض کیا کہ تمہارے نبی نے گناہ کیے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ کو استغفار کرنے کا حکم دیا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ العزیز کے پاس یہ سوال بھیجا گیا تو انہوں نے اس کے پندرہ جواب دیئے' ہم ان میں سے گیارہ جوابات کو پیش کر رہے ہیں' چوتھا جواب یہ ہے:

(۱) (۴) اس کے ترجمے میں بھی آریہ نے تحریف کی۔ عبارت یہ ہے: ''لتقصیر الشکر علی ما انعم اللہ علیک وعلی اصحابک''۔ یعنی اللہ عزوجل نے آپ پر اور آپ کے اصحاب پر جو نعمتیں فرمائیں اونکے شکر میں جس قدر کمی واقع ہوئی اوسکے لیے استغفار فرمایئے' کہاں کمی اور کہاں غفلت۔ نعمائے الٰہیہ ہر فرد پر بے شمار حقیقۃ غیر متناہی بالفعل ہیں' کماحققہ المفتی ابن السعود فی ارشاد العقل السلیم قال اللہ عزوجل '' وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا '' اگر اللہ کی نعمتیں گنا چاہو تو نہ گن سکو گے' جب اوسکی نعمتوں کو کوئی گن نہیں سکتا تو ہر نعمت کا پورا شکر کون ادا کر سکتا ہے۔ از دست وزباں کہ برآید کز عہدۂ شکرش بدر آید۔ شکر میں ایسی کمی ہرگز گناہ بمعنیٰ معروف نہیں بلکہ لازمۂ بشریت ہے' نعمائے الٰہیہ ہر وقت ہر لمحہ ہر آن ہر حال میں متزائد ہیں خصوصاً خاصوں پر خصوصاً اون پر جو سب خاصوں کے سردار ہیں اور بشر کو کسی وقت کھانے پینے سونے میں مشغولی ضرور اگرچہ خاصوں کے یہ افعال بھی عبادت ہی ہیں' مگر اصل عبادت سے تو ایک درجہ کم ہیں' اس کمی کو تقصیر اور اس تقصیر کو ذنب سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج۹ص ۷۵ مکتبہ رضویہ کراچی)

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں مجازاً شکر کی ادائیگی میں کمی کو ذنب فرمایا ہے اور وہ گناہ نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں غیر متناہی ہیں اور متناہی وقت میں غیر متناہی نعمتوں پر شکر ادا کرنا ممکن ہی نہیں ہے' یہ مجاز مرسل ہے۔

(۲) (۵) بلکہ خود نفس عبارت گواہ ہے کہ یہ جسے ذنب فرمایا گیا ہرگز حقیقۃ ذنب بمعنیٰ گناہ نہیں "ما تقدم" سے کیا مراد لیا وحی اترنے سے پیشتر کے اور گناہ کسے کہتے ہیں مخالفت فرمان کو اور فرمان کاہے سے معلوم ہوگا وحی سے تو جب تک وحی نہ اتری تھی فرمان کہاں تھا جب فرمان نہ تھا مخالفت فرمان کے کیا معنیٰ اور جب مخالفت فرمان نہیں تو گناہ کیا؟ (فتاویٰ رضویہ ج۹ص ۷۵)

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ الفتح: ۲ میں "ما تقدم" کو گناہ فرمایا ہے حالانکہ نزول وحی سے پہلے آپ نے جو کام کیے وہ گناہ ہو ہی نہیں سکتے' اس لیے ان پر گناہ کا اطلاق مجازی ہے' یہ بھی مجاز مرسل ہے۔

(۳) (۶) جس طرح "ما تقدم" میں ثابت ہولیا کہ حقیقۃ ذنب نہیں یوہیں "ما تاخر" میں نقد وقت ہے قبل ابتدائے نزول فرمان جو افعال جائزہ ہوئے کہ بعد کو فرمان اونکے منع پر اترا اور اونہیں یوں تعبیر فرمایا گیا حالانکہ اونکا حقیقۃ گناہ ہونا کوئی معنیٰ ہی نہ رکھتا تھا یوہیں بعد نزول وحی وظہور رسالت بھی جو افعال جائز فرمائے اور بعد کو اونکی ممانعت اوتری اوسی طریقے سے ان کو "ما تاخر" فرمایا کہ وحی بتدریج نازل ہوئی نہ کہ دفعۃً۔ (فتاویٰ رضویہ ج۹ص ۷۵)

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ الفتح: ۲ میں "ما تاخر" کو بھی گناہ فرمایا' حالانکہ جن کاموں کے کرنے کے بعد ان کی ممانعت نازل ہوئی وہ کیسے گناہ ہو سکتے ہیں لہٰذا "ما تاخر" پر بھی گناہ کا اطلاق مجازاً ہے' یہ بھی مجاز مرسل ہے۔

ساتواں ہندوؤں کی وید کی عبارات پر مشتمل الزامی جواب ہے اس کو ہم نے ترک کر دیا' آٹھواں جواب یہ ہے:

(۴) (۸) استدلال بڑی ذمہ داری کا کام ہے آریہ بیچارہ کیا کھا کر اوس سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے ۔

نباشد بہ آئین تحقیق دال　　　کچوری و پوری و بھجیا و دال

شرط تمامی استدلال قطع ہر احتمال ہے علم کا قاعدۂ مسلمہ ہے "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال" سورۂ مومن وسورۂ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آیت کریمہ میں کون سی دلیل قطعی ہے کہ خطاب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ مومن میں تو اتنا ہے "واستغفر لذنبک" "اے شخص! اپنی خطا کی معافی چاہ کسی کا خاص نام نہیں کوئی دلیل تخصیص کلام نہیں قرآن عظیم تمام جہاں کی ہدایت کے لیے اوترا نہ صرف اوس وقت کے موجودین بلکہ قیامت تک کے آنے والوں سے وہ خطاب فرماتا ہے "اقیموا الصلوٰۃ" نماز برپا رکھو یہ خطاب جیسا صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تھا ویسا ہی ہم سے بھی ہے اور تا قیام قیامت ہمارے بعد آنے والی نسلوں سے بھی اسی قرآن عظیم میں ہے "لانذرکم بہ ومن بلغ" کتب کا عام قاعدہ ہے کہ خطاب ہر سامع سے ہوتا ہے بداں اسعدک اللہ تعالیٰ میں کوئی خاص شخص مراد نہیں خود قرآن عظیم میں فرمایا: "ارایت الذی ینھی عبدا اذا صلی ارایت ان کان علی الھدی O او امر بالتقوی O" ابوجہل لعین نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز سے روکنا چاہا اوس پر یہ آیات کریمہ اوتریں کہ کیا تو نے دیکھا اوسے جو روکتا ہے بندے کو جب وہ نماز پڑھے بھلا دیکھ تو اگر وہ بندہ ہدایت پر ہو یا پرہیزگاری کا حکم فرمائے یہاں بندے سے مراد حضور اقدس ہیں صلی اللہ علیہ وسلم اور غائب کی ضمیریں حضور کی طرف ہیں اور مخاطب کی ہر سامع کی طرف بلکہ فرماتا ہے: "فما یکذبک بعد بالدین O" ان روشن دلیلوں کے بعد کیا چیز تجھے روز قیامت کے جھٹلانے پر باعث ہو رہی ہے یہ خطاب خاص کفار سے ہے بلکہ اون میں بھی خاص منکران قیامت مثل مشرکین آریہ و ہندو سے

یوہیں دونوں سورہء کریمہ میں کاف خطاب ہر سامع کے لیے ہے کہ اے سننے والے! اپنے اور اپنے سب مسلمان بھائیوں کے گناہ کی معافی مانگ۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۷۶)

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت (المومن: ۵۵) اور (محمد: ۱۹) میں بالخصوص سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب نہیں ہے بلکہ ہر سننے والے مسلمان سے خطاب ہے کہ تم اپنے اور سب مسلمانوں کے گناہوں کے لیے استغفار کرو۔ یہ تعریض ہے۔

(۵) (۹) بلکہ آیت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں تو صاف قرینہ موجود ہے کہ خطاب حضور سے نہیں' اس کی ابتداء یوں ہے "فاعلم انہ لا الہ الا اللہ واستغفر لذنبک وللمؤمنین والمومنت" جان لے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنی اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی معافی چاہ تو یہ خطاب اوس سے ہے جو ابھی لا الہ الا اللہ نہیں جانتا ورنہ جاننے والے کو جاننے کا حکم دینا تحصیل حاصل ہے تو معنیٰ یہ ہوئے کہ اے سننے والے! جسے ابھی توحید پر یقین نہیں کسے باشد توحید پر یقین لا اور اپنے اور اپنے بھائی مسلمانوں کے گناہ کی معافی مانگ' تتمۂ آیت میں اس عموم کو واضح فرما دیا کہ "واللہ یعلم متقلبکم ومثوکم O" اللہ جانتا ہے جہاں تم سب لوگ کروٹیں لے رہے ہو اور جہاں جہاں تم سب کا ٹھکانہ ہے اگر "فاعلم" میں تاویل کرے تو "ذنبک" میں تاویل سے کون مانع ہے اور اگر "ذنبک" میں تاویل نہیں کرتا تو "فاعلم" میں تاویل کیسے کر سکتا ہے دونوں پر ہمارا مطلب حاصل اور مدعی معاند کا استدلال زائل۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۷۷۔۷۶)

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ "وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ" (محمد: ۱۹) میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب نہیں ہے بلکہ کافر سے خطاب ہے کہ تو اللہ کی توحید پر ایمان لا' پھر اپنے لیے اور اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے استغفار کر۔ یہ بھی تعریض ہے۔

(۶) (۱۰) دونوں آیۂ کریمہ میں صیغۂ امر ہے اور امر انشا ہے اور انشا وقوع پر دال نہیں تو حاصل اس قدر کہ بفرض وقوع استغفار واجب نہ یہ کہ معاذ اللہ واقع ہوا جیسے کسی سے کہنا: "اکرم ضیفک" اپنے مہمان کی عزت کرنا اس سے یہ مراد نہیں کہ اس وقت کوئی مہمان موجود ہے نہ یہ خبر ہے کہ خواہی نخواہی کوئی مہمان آئیگا ہی بلکہ صرف اتنا مطلب ہے کہ اگر ایسا ہو تو یوں کرنا۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۷۷)

اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگر بہ فرض محال آپ سے گناہ ہو جائے تو آپ اپنے گناہ پر استغفار کریں اور یہ قضیہ واقعیہ نہیں ہے بلکہ غرضیہ انشائیہ ہے۔ یہ المومن: ۵۵ اور محمد: ۱۹ دونوں کا جواب ہے' یہ مجاز مرسل ہے۔

(۷) (۱۱) ذنب معصیت کو کہتے ہیں اور قرآن عظیم کے عرف میں اطلاق معصیت عمد ہی سے خاص نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ "وعصیٰ ادم ربہ" آدم نے اپنے رب کی معصیت کی حالانکہ خود فرماتا ہے: "فنسی ولم نجد لہ عزما O" آدم بھول گیا ہم نے اوسکا قصد نہ پایا لیکن سہو نہ گناہ ہے نہ اوس پر مواخذہ' خود قرآن کریم نے بندوں کو یہ دعا تعلیم فرمائی: "ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطانا" اے ہمارے رب! ہمیں نہ پکڑ اگر ہم بھولیں یا چوکیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۷۷)

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ المومن: ۵۵ اور محمد: ۱۹ میں مراد یہ ہے کہ جو گناہ بھولے سے ہو جائے اس پر آپ استغفار کریں اور گناہ کی حقیقت عمداً معصیت اور نافرمانی کرنا ہے سو ان دونوں آیتوں میں ذنب کا اطلاق مجازی ہے' یہ بھی مجاز مرسل ہے۔

(۸) (۱۲) جتنا قرب زائد اوسی قدر احکام کی شدت زیادہ ع جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے۔ بادشاہ جبار جلیل القدر ایک جنگلی گنوار کی جو بات سن لے گا جو برتاؤ گوارا کرے گا ہرگز شہریوں سے پسند نہ کرے گا شہریوں میں بازاریوں

سے معاملہ آسان ہوگا اور خاص لوگوں سے سخت اور خاصوں میں درباریوں اور درباریوں میں وزراء ہر ایک پر بار دوسرے سے زائد ہے اس لیے وارد ہوا "حسنات الابرار سیئات المقربین" نیکوں کے جو نیک کام ہیں مقربوں کے حق میں گناہ ہیں وہاں ترک اولیٰ کو بھی گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے' حالانکہ ترک اولیٰ ہرگز گناہ نہیں۔

(فتاویٰ رضویہ ج۹ص ۷۷)

اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں اسی طرح "لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ" (الفتح:۲) میں خلاف اولیٰ کاموں پر ذنب کا اطلاق فرمایا ہے اور خلاف اولیٰ گناہ نہیں ہوتا سو یہ اطلاق مجازی ہے' یہ بھی مجاز مرسل ہے۔

(۹) (۱۳) آریہ بیچارے جن کے باپ دادا نے بھی کبھی عربی کا نام نہ سنا اگر نہ جانے تو ہر ادنیٰ طالب علم جانتا ہے کہ اضافت کے لیے ادنیٰ ملابست بس ہے بلکہ یہ عام طور پر فارسی اردو ہندی سب زبانوں میں رائج ہے' مکان کو جس طرح اوسکے مالک کی طرف نسبت کریں یونہیں کرایہ دار کی طرف۔ یونہیں جو عاریت لے کر بس رہا ہے اوس کے پاس ملنے آئیگا یہی کہے گا کہ ہم فلانے کے گھر گئے تھے بلکہ پیمائش کرنے والے جن کھیتوں کو ناپ رہے ہوں ایک دوسرے سے پوچھے گا: تمہارا کھیت کئے جریب ہوا یہاں نہ ملک' نہ اجارہ' نہ عاریت اور اضافت موجود یونہیں بیٹے کے گھر سے جو چیز آئے گی باپ سے کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے یہاں سے یہ عطا ہوا تھا تو "ذنبک" سے مراد اہل بیت کرام کی لغزشیں ہیں اور اوس کے بعد "وللمؤمنين والمؤمنين" تعیم بعد تخصیص ہے یعنی شفاعت فرمائیے' اپنے اہل بیت کرام اور سب مسلمان مردوں عورتوں کے لیے اب آریہ کے اوس جنون کا بھی علاج ہوگیا کہ پیرؤوں کا ذکر تو بعد کو موجود ہے تعیم بعد تخصیص کی مثال خود قرآن عظیم میں ہے: "رب اغفرلي ولوالدي ولمن دخل بيتي مؤمنا وللمومنين والمومنت" اے میرے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ آیا اور سب مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو۔ (فتاویٰ رضویہ ج۹ص ۷۸۔۷۷)

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ "وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ" (محمد:۱۹) میں اہل بیت کی لغزشیں مراد ہیں "وللمؤمنين والمومنات" سے عام مسلمان مردوں اور عورتوں کی لغزشیں مراد ہیں اور یہ تعیم بعد تخصیص ہے' اس میں مجاز بالحذف ہے۔

(۱۰) (۱۴) اسی وجہ پر کریمہ سورۂ فتح میں لام لک تعلیل کا ہے اور "ما تقدم من ذنبک" تمہارے اگلوں کے گناہ اعنی سیدنا عبداللہ وسیدتنا آمنہ رضی اللہ عنہما سے منتہائے نسب کریم تک تمام آبائے کرام وامہات طیبات باستثنائے انبیائے کرام مثل آدم وشیث ونوح وخلیل واسمعیل علیہم الصلوۃ والسلام اور "ما تاخر" تمہارے پچھلے یعنی قیامت تک تمہارے اہل بیت وامت مرحومہ تو حاصل کریمہ یہ ہوا کہ ہم نے تمہارے لیے فتح مبین فرمائی تاکہ اللہ تمہارے سبب سے بخش دے تمہارے علاقہ کے سب اگلوں پچھلوں کے گناہ۔ والحمد للہ رب العٰلمین (فتاویٰ رضویہ ج۹ص ۷۸)

اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ الفتح:۲ میں "ما تقدم" سے آپ کے تمام آباء کرام کے گناہ اور "ماتاخر" سے آپ کے تمام اہل بیت کے گناہ مراد ہیں اور اس میں بھی مجاز بالحذف ہے۔

(۱۱) (۱۵) "ماتقدم وما تاخر" سے قبل وبعد نزول وحی کا ارادہ جس طرح عبارت تفسیر میں مصرح تھا آیت میں قطعاً محتمل اور ہم ثابت کر چکے ہیں کہ اب حقیقت ذنب خود مندفع وللہ الحمد وصلی اللہ تعالیٰ علی شفیع المذنبین وبارک وسلم الی یوم الدین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ ج۹ص ۷۸)

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح الفتح:۲ میں ذنب سے مراد نزول وحی سے پہلے یا نزول وحی کے بعد کے کام مراد

ہیں اسی طرح المومن: ۵۵ اور محمد: ۱۹ میں بھی یہ احتمال ہے کہ ان ہی کاموں پر مجازاً ذنب کا اطلاق ہو اور یہ بھی مجاز مرسل ہے۔

متقدمین مفسرین اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے جوابات کی بناء تعریض پر ہے یعنی ذکر آپ کا ہے اور مراد عام مخاطب ہے یا جوابات کی بناء مجاز مرسل پر ہے یعنی ذنب سے مراد بہ ظاہر خلاف اولیٰ کام ہیں یا مجاز بالحذف پر ہے یعنی بہ ظاہر ذنب کی اضافت آپ کی طرف ہے اور مراد آپ کے اقارب یا آپ کے اگلے پچھلے (آباء اور اقارب) ہیں اور ان کے ذکر کو حذف کر دیا گیا ہے۔

ہمارے نزدیک راجح جواب وہ ہے جس کی بناء مجاز مرسل پر ہے یعنی گناہ کی اضافت آپ کی طرف ہے اور گناہ سے مراد حقیقتاً گناہ نہیں ہیں بلکہ بہ ظاہر خلاف اولیٰ کام ہیں اور باقی دونوں جواب مرجوح ہیں فتاویٰ رضویہ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اس اعتراض کے اصل گیارہ جواب ذکر کیے ہیں جن میں سے دو کی بناء تعریض پر ہے دو کی بناء مجاز بالحذف پر ہے اور سات جوابات کی بناء مجاز مرسل پر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے نزدیک بھی مختار جواب یہی ہے اتفاق سے اعلیٰ حضرت کے ترجمہ قرآن کنز الایمان میں الفتح: ۲ المومن: ۵۵ اور محمد ۱۹ کا ترجمہ مجاز بالحذف کے طریقہ پر کیا گیا ہے اس وجہ سے عوام میں یہی جواب مشہور ہو گیا حالانکہ یہ اعلیٰ حضرت کا مختار جواب نہیں ہے۔ اسی لیے فتاویٰ رضویہ میں ان جوابوں کو بالکل آخر میں ذکر فرمایا ہے حالانکہ اعلیٰ حضرت کا مختار جواب وہ ہے جس کی بناء مجاز مرسل پر ہے اور ان آیات میں ذنب سے مراد مجازاً بہ ظاہر خلاف اولیٰ کام ہیں اور ہمارے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہٗ کا مختار بھی یہی جواب ہے اسی لیے آپ نے الفتح: ۲ المومن: ۵۵ اور محمد: ۱۹ آیات کا ترجمہ اسی اعتبار سے فرمایا ہے اور ہم نے بھی بہ غور تحقیق کرنے کے بعد شرح صحیح مسلم ج ۳ ج ۶ اور ج ۷ میں اس ترجمہ کو راجح قرار دیا ہے اور اس ترجمہ کی وجہ ترجیح بھی وہیں بیان کر دی ہے اور تبیان القرآن میں بھی اس ترجمہ اور اسی تحقیق کو برقرار رکھا ہے اور یہ لکھا ہے کہ جب ذنب کی نسبت آپ کی طرف ہو تو اس سے مراد خلاف اولیٰ ہے یا مکروہ تنزیہی ہے اور اعلیٰ حضرت نے فتاویٰ رضویہ میں متعدد جگہ یہ تصریح کی ہے کہ مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ گناہ نہیں ہے۔

دیکھئے فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۱۷۹۔۱۸۰۔۱۷۳ ج ۱۱ ص ۱۴۴ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی۔ اسی طرح فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۲۵۶ اور ج ۹ ص ۴۵۰۔۴۴۹ طبع رضا فاؤنڈیشن لاہور میں بھی اس کی تصریح ہے۔

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کرنے کا حکم دیا اور احادیث میں ذکر ہے کہ آپ ایک دن میں ستر بار اور بعض میں ہے کہ آپ دن میں سو بار توبہ فرماتے تھے اس توبہ اور استغفار سے مراد آپ کے درجات میں اضافہ اور ترقی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز کتنی بار استغفار کرتے تھے اور آپ کے استغفار کا محمل

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

وہ خود کثیر التوبہ ہیں۔ صحیح البخاری میں ہے: میں روز اللہ سبحانہٗ سے سو بار استغفار کرتا ہوں۔ شرح الشفا والمرقاۃ واللمعات والمجمع بہ رمز (ط) للطیبی والزرقانی ہر ایک کی توبہ اس کے لائق ہے۔ حسنات الابرار سیئات المقربین (نیکوں کی خوبیاں مقربین کے گناہ ہیں) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر آن ترقی مقامات قرب و مشاہدہ میں ہیں۔ "وللاخرة خير لك من الاولى" (آپ کے لیے ہر پہلی ساعت سے دوسری افضل ہے۔ ت) جب ایک مقام اجل و اعلیٰ پر ترقی فرماتے گزشتہ مقام کو بہ نسبت اس کے ایک نوع تقصیر تصور فرما کر اپنے رب کے حضور توبہ و استغفار لاتے تو وہ ہمیشہ ترقی اور ہمیشہ توبہ بے تقصیر میں ہیں صلی اللہ علیہ وسلم مطالع مع بعض زیادات منی۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۶۵۳۔۶۵۲ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے صحیح بخاری کے حوالے سے لکھا ہے کہ میں روز سو بار اللہ سبحانہٗ سے استغفار کرتا

ہوں لیکن صحیح بخاری میں سو بار استغفار کرنے کی حدیث نہیں ہے' صحیح بخاری میں یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں ایک دن میں ستر بار سے زیادہ اللہ سے استغفار کرتا ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۰۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۵۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۳۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۱۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۹۷' مسند احمد ج ۲ ص ۴۵۰۔ ۳۴۱۔ ۲۸۲ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۳ ص ۲۰۴' رقم الحدیث: ۷۷۹۳' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۷ھ' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۲۵' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۲۸۶' شعب الایمان رقم الحدیث: ۶۳۸' عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث: ۴۳۸)

ایک دن میں سو بار استغفار کرنے کی حدیث ان کتابوں میں ہے:

حضرت اغر مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے دل پر ضرور ایک حجاب آ جاتا ہے اور میں ایک دن میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۰۲' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۵۱۵)

نیز حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری زبان میں کوئی بیماری تھی جس کو میں کسی اور کے سامنے بیان نہیں کرتا تھا' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا' آپ نے فرمایا: اے حذیفہ! تم استغفار کیوں نہیں کرتے' میں ہر دن اور رات میں سو مرتبہ اللہ سے استغفار کرتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہے۔ (اس حدیث کی سند صحیح لغیرہ ہے)۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۹۴ طبع قدیم' مسند احمد ۳۸ ص ۳۶۵' رقم الحدیث: ۱۴۲۱' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۹۷۰' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۷۲۳' کتاب الدعاء للطبرانی رقم الحدیث: ۱۸۱۲' شعب الایمان رقم الحدیث: ۶۷۸۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۹۷' عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث: ۴۵۰' عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی رقم الحدیث: ۳۶۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۱۷' حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۷۶۔ ۲۶۷)

صحیح مسلم کی روایت میں مذکور ہے: میرے دل پر حجاب چھا جاتا ہے اس کی شرح میں علامہ نووی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں ہے لیغان اور غین اس چیز کو کہتے ہیں جو دل کو ڈھانپ لے' قاضی عیاض نے کہا: آپ کی شان یہ تھی کہ آپ دائماً اللہ کو یاد کرتے اور اس کا ذکر کرتے لیکن کبھی آپ پر سستی اور غفلت طاری ہو جاتی تو آپ (اپنے بلند مقام کے اعتبار سے) اس کو گناہ شمار کرتے اور اس پر استغفار کرتے اور ایک قول یہ ہے کہ آپ کو امت کی فکر رہتی تھی اور آپ کے بعد جو امت کے احوال تھے جب آپ ان پر مطلع ہوتے تو ان پر استغفار کرتے اور ایک قول یہ ہے کہ جب آپ امت کی اصلاح میں غور و فکر کرتے اور دشمن کے خلاف جہاد میں سوچ و بچار کرتے اور نو مسلموں کی تالیف میں تدبر فرماتے تو ان امور میں مشغول ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف سے توجہ ہٹ جاتی اور آپ کے دل میں جو اللہ تعالیٰ کی تجلیات تھیں ان پر حجاب آ جاتا' ہر چند کہ ان امور میں مشغول ہونا بھی عظیم عبادت ہے لیکن آپ اپنے بلند مقام کے اعتبار سے اس مشغولیت کو گناہ قرار دیتے اور اس پر توبہ اور استغفار کرتے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ کا استغفار کرنا اظہار عبودیت کے لیے ہوتا تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف احتیاج کو ظاہر کرنے کے لیے ہوتا تھا اور اس کی نعمتوں کا کماحقہٗ شکر ادا کرنے کی وجہ سے ہوتا تھا' محاسبی نے کہا کہ ہر چند کہ انبیاء علیہم السلام عذاب سے مامون ہیں' لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی جلال ذات سے ڈرتے رہتے ہیں اور اس پر استغفار کرتے ہیں۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۱۱ ص ۶۷۹۰' مکتبہ نزار مصطفیٰ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

نیک اعمال کا مشکلات سے بچانا اور عذاب سے چھڑانا

اس کے بعد فرمایا: ''اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ صبح اور شام تسبیح کیجئے''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی تسبیح کرتے رہتے تھے' دراصل اس آیت میں مسلمانوں کو

تعریف ہے اور ان کو اس طرح متوجہ کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حمد اور تسبیح کا حکم دے رہا ہے جو دائمی حمد اور تسبیح کرنے والے ہیں تو تم کو کتنی زیادہ حمد اور تسبیح کی ضرورت ہے۔

تسبیح کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ کی عیوب اور نقائص سے برأت بیان کرنا اور یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ ہر نقص اور ہر عیب سے بری ہے اور جب ہم اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں تو اس کا اثر ہم پر یہ ہوتا ہے کہ ہمارے عیوب اور نقائص کم ہو جاتے ہیں اور حمد کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ کو بیان کرنا کہ اللہ تعالیٰ ہر کمال کے ساتھ موصوف ہے بلکہ وہ ہر کمال کا خالق اور موجد ہے اور جب ہم اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ کا ذکر کرتے ہیں تو اس کا اثر ہم پر یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اندر بھی صفات کمالیہ کو پیدا فرما دیتا ہے۔

تسبیح کرنے اور حمد کرنے کا اثر یہ ہو گا کہ ہم بُرے کاموں سے باز رہیں گے اور نیک کاموں کو کریں گے اور نیک کاموں کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کریں اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آئیں اور ان پر شفقت کریں اور ان نیک اعمال کی برکت سے آخرت میں ہماری مغفرت متوقع ہے' حدیث میں ہے:

حضرت عبد الرحمان بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر آئے اور آپ نے فرمایا: آج رات میں نے بہت تعجب خیز چیز دیکھی' میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا جو فرشتوں سے بہت گھبرا رہا تھا' اس کا وضو آیا اور اس نے اس کو ان سے چھڑا لیا اور میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا' اس پر عذاب قبر مسلط کیا گیا' اس کی نماز آ گئی اور اس نے اس کو عذاب قبر سے چھڑا لیا اور میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا' اس کو شیاطین متوحش کر رہے تھے' اس کے پاس اللہ کا ذکر آیا اور اس نے اس کو ان سے چھڑا لیا اور میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا' اس کے آگے اندھیرا تھا اور اس کے پیچھے اندھیرا تھا اور اس کی دائیں طرف اندھیرا تھا اور اس کی بائیں طرف اندھیرا تھا اور اس کے اوپر اندھیرا تھا اور اس کے نیچے اندھیرا تھا' پھر اس کا حج اور عمرہ آیا اور اس کو اندھیرے سے نکال لیا اور میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا' اس کے پاس موت کا فرشتہ اس کی روح قبض کرنے کے لیے آیا تو اس کا رشتہ داروں سے تعلق جوڑنا آیا' اس نے اس فرشتہ سے بات کی اور اس کو اپنے ساتھ لے گیا' پھر میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا جو آگ کے شعلوں سے اپنے آپ کو بچا رہا تھا' تو اس کے پاس اس کا صدقہ آیا' وہ اس کے سر کے اوپر سایا ہو گیا اور اس کے چہرے کی ڈھال بن گیا اور میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا' اس کے پاس دوزخ کے عذاب کے فرشتے آئے تو اس کے پاس نیکی کے حکم دینے اور بُرائی سے روکنے کا عمل آیا اور اس نے اس کو عذاب سے چھڑا لیا' پھر میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا جو دوزخ میں گر گیا تھا' تو اس کے پاس اس کے وہ آنسو آئے جو خوفِ خدا سے نکلے تھے' انہوں نے اس کو دوزخ سے نکال لیا' پھر میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا جس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں تھا تو اس کا خوف خدا آیا اور اس نے اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں پکڑا دیا اور میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا' اس کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا تھا تو اس کا قرض دینے کا عمل آیا اور اس نے اس کی نیکیوں کے پلڑے کو بھاری کر دیا' پھر میں نے ایک شخص کو دیکھا جو بہت کپکپا رہا تھا' پھر اس کا اللہ کے ساتھ حسن ظن آیا تو وہ پر سکون ہو گیا' پھر میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا جو پل صراط پر گھسٹ گھسٹ کر چل رہا تھا تو اس کے مجھ پر درود پڑھنے کا عمل آیا اور اس نے اس شخص کو پل صراط سے پار کرا دیا اور میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا کہ جب وہ جنت کے نزدیک پہنچا تو اس کے دروازے بند ہو گئے' پھر اس کا کلمہ شہادت آیا اور اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو جنت میں داخل کر دیا۔ (حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کو امام طبرانی نے دو سندوں سے روایت کیا ہے' ایک سند میں سلیمان بن احمد الواسطی ہے اور دوسری سند میں خالد بن عبد الرحمان المخزومی ہے اور یہ دونوں ضعیف راوی ہیں۔ مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۸۰' حافظ سیوطی نے بھی اس حدیث کی سند کو ضعیف کہا ہے' الجامع الصغیر رقم

الحدیث: ۲۶۵۲' نوادر الاصول ج ۲ص ۳۶۷)

ہر چند کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے لیکن فضائل اعمال میں ضعیف السند احادیث معتبر ہوتی ہیں' اس لیے ہم نے اس حدیث کو یہاں ذکر کیا ہے' تاکہ مسلمانوں کو نیک اعمال کے بجالانے میں رغبت ہو' قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ. (ھود:۱۱۴) بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔

یعنی بُرے کاموں کے نتیجہ میں جس عذاب کا خطرہ ہوتا ہے وہ نیک کاموں سے زائل ہو جاتا اور اس حدیث میں بھی یہی فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ بغیر کسی ایسی دلیل کے جوان کے پاس آئی ہو' اللہ کی آیتوں میں جھگڑا کر رہے ہیں' ان کے دلوں میں صرف بڑا بننے کی ہوس ہے' جس تک وہ پہنچنے والے نہیں ہیں' سو آپ اللہ سے پناہ طلب کیجئے' بے شک وہ خوب سننے والا بہت دیکھنے والا ہے O آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنا لوگوں کو پیدا کرنے سے ضرور بہت بڑا ہے' لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O اور اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں ہے O اور نہ مؤمنین صالحین بدکاروں کے برابر ہیں' تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو O (المومن: ۵۸-۵۶)

فتنہ باز لوگوں سے اللہ کی پناہ طلب کرنا

اس سورت کے شروع میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا:

مَا یُجَادِلُ فِیْۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا. اللہ کی آیتوں میں صرف کفار ہی جھگڑتے ہیں۔

(المومن:۴)

اس کے بعد اسی سے مربوط کلام کا ذکر فرمایا اور اب المومن:۵۶ میں پھر ان کافروں کا ذکر فرمایا جو اللہ کی آیتوں میں بغیر کسی ایسی دلیل کے جھگڑتے ہیں جو ان کے پاس آ چکی ہو' اس کے بعد اس سے متصل یہ وجہ بیان فرمائی کہ وہ اللہ کی آیتوں میں کس مقصد کے لیے جھگڑتے ہیں۔ سو فرمایا: "ان کے دلوں میں صرف بڑا بننے کی ہوس ہے" کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر انہوں نے آپ کو نبی مان لیا تو انہیں آپ کے احکام کی اطاعت کرنی ہو گی' آپ کو مقتدا اور پیشوا ماننا ہو گا اور پھر آپ کے سامنے ان کی چودھراہٹ کا چراغ نہیں جلے گا اور کل تک جن لوگوں کے سامنے وہ بڑا بنتے چلے آئے تھے اب ان کے سامنے انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنی ہو گی تو وہ اس لیے آپ کو نبی نہیں مانتے تھے کہ اگر آپ کو نبی مان لیا تو ان کو بڑائی نصیب نہیں ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس بڑائی کی یہ ہوس کر رہے ہیں وہ کبھی ان کے ہاتھ نہیں آئے گی کیونکہ بالآخر مکہ مکرمہ آپ کے ہاتھوں فتح ہو گا اور آج جو لوگ چودھری اور وڈیرے بنے ہوئے ہیں کل وہ سب آپ کے ماتحت ہوں گے اور ان سب کی گردنیں آپ کی تلوار کے نیچے ہوں گی' سو آپ ان کی سازشوں کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کریں' بے شک اللہ ان کی باتوں کو خوب سننے والا ہے اور ان کے کاموں کو اچھی طرح دیکھنے والا ہے' پس وہ آپ کو ان کی سازشوں کے شر سے محفوظ اور مامون رکھے گا اور آپ کو ان کے اوپر غالب کر دے گا' اس کا وعدہ ہے:

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ O (المجادلہ:۲۱) اللہ لکھ چکا ہے کہ بے شک میں اور میرے رسول ضرور غالب ہوں گے' بے شک اللہ بہت قوی اور بے حد غالب ہے O

ہر چند کہ یہ آیت ان کافروں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو اپنی بڑائی کی ہوس میں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے لیکن دراصل یہ آیت ان تمام بد مذہب اور مبتدعین کو شامل ہے جن کے سامنے مذہب حق پر دلائل پیش کیے جاتے ہیں اور وہ

ان کو صرف اس لیے نہیں مانتے کہ اگر ان دلائل کو تسلیم کرلیا تو ان دلائل پر مبنی مذہب حق کو بھی ماننا ہوگا اور اس کو ماننے سے ان کی بڑائی میں فرق آئے گا اور ایسے ہٹ دھرم لوگ صرف مکہ کے کفار نہیں تھے بلکہ ہر دور میں ایسے ضدی‘ معاند اور جھگڑالو لوگ ہوتے رہے ہیں‘ خود مصنف کو ایسے ہٹ دھرم اور جھگڑالو لوگوں کا سامنا ہے‘ یہ بہت بڑا فتنہ ہیں‘ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ایسے لوگوں کے فتنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنے کا حکم دیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی ایسے فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی ہے اور ہم کو بھی ان سے پناہ طلب کرنے کا حکم دیا ہے‘ حدیث میں ہے:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنونجار کے ایک باغ میں خچر پر سوار ہو کر جا رہے تھے اور ہم بھی آپ کے ساتھ تھے‘ اچانک وہ خچر لڑکھڑایا‘ پس قریب تھا کہ وہ آپ کو گرادیتا‘ وہاں پر چھ‘ یا چار پانچ قبریں تھیں‘ آپ نے پوچھا: ان قبر والوں کو کون پہچانتا ہے؟ ایک شخص نے کہا: میں پہچانتا ہوں‘ آپ نے پوچھا: یہ لوگ کب مرے تھے؟ اس نے کہا: یہ زمانۂ شرک میں مر گئے تھے‘ آپ نے فرمایا: ان کی قبروں میں آزمائش ہوتی ہے‘ پس اگر تم (دہشت کی وجہ سے) مردوں کو دفن کرنا نہ چھوڑ دیتے تو میں تم کو بھی عذاب قبر کی وہ آوازیں سنوا دیتا جو میں سن رہا ہوں‘ پھر آپ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: آگ کے عذاب سے اللہ کی پناہ طلب کرو‘ مسلمانوں نے کہا: ہم عذاب قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں‘ پھر آپ نے فرمایا: ظاہری اور باطنی فتنوں سے اللہ کی پناہ طلب کرو‘ مسلمانوں نے کہا: ہم ظاہری اور باطنی فتنوں سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں‘ آپ نے فرمایا: دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ طلب کرو‘ مسلمانوں نے کہا: ہم دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۶۷‘ مکتبہ نزار مصطفیٰ‘ مکہ مکرمہ‘ ۱۴۱۷ھ)

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر دور کے ضدی‘ ہٹ دھرم اور معاند لوگ بہت بڑا فتنہ ہیں اور ان کا فتنہ دجال کے فتنہ سے کم نہیں ہے سو ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ان کے فتنوں سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

حشر ونشر پر دلیل

المومن: ۵۷ میں فرمایا: ”آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنا لوگوں کو پیدا کرنے سے ضرور بہت بڑا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتےO“

مشرکین مکہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے وقوع اور حشر ونشر کے متعلق بھی جھگڑا کرتے رہتے تھے اور وہ یہ کہتے تھے کہ انسانوں کے مرنے کے بعد ان کو دوبارہ پیدا کرنا ممکن نہیں ہے‘ وہ یہ مانتے تھے کہ آسمانوں اور زمینوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جو ایک چیز کے بنانے پر قادر ہو وہ اس جیسی دوسری چیز کے بنانے پر بھی قادر ہوتا ہے اور جو ایک چیز کے بنانے پر قادر ہو وہ اس سے کم درجہ کی چیز کے بنانے پر بہ طریق اولیٰ قادر ہوتا ہے اور یہ وہ اصول ہیں جو ہر صاحب عقل کے نزدیک مسلم ہیں اور ان اصولوں کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ ان کا رد کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنا لوگوں کو پیدا کرنے سے ضرور بڑا ہے اور آسمان اور زمین تم کو دوبارہ پیدا کرنے کی بہ نسبت ضرور بہت بڑے ہیں تو جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کر دیا تو تم کو دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے کیا مشکل ہے‘ تو تم اس مسئلہ میں کیوں جھگڑ رہے ہو؟

پھر فرمایا: ”اور اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں ہے“ یعنی جو شخص اس کائنات میں بکھری ہوئی نشانیوں سے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر اور قیامت اور حشر ونشر پر استدلال کرتا ہے وہ اس شخص کے برابر نہیں ہے جو اپنے مشرک آباء واجداد کی اندھی تقلید میں ان حقائق کا انکار کرتا ہے۔

المومن: ۵۸ میں فرمایا: ''اور نہ مؤمنین صالحین بدکاروں کے برابر ہیں' تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو O''
المومن: ۵۷ کے آخری حصہ سے مراد یہ ہے کہ عالم اور جاہل برابر نہیں ہیں' المومن: ۵۸ کے ابتدائی حصہ سے مراد یہ ہے کہ نیک عمل کرنے والے اور بُرے عمل کرنے والے برابر نہیں ہیں۔

پھر فرمایا: ''تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو'' یعنی ہر چند کہ انہیں معلوم ہے کہ علم اور استدلال' جہل اور اندھی تقلید سے بہتر ہے اور نیک عمل کرنا بُرے عمل کرنے سے بہتر ہے' پھر بھی یہ توحید کے دلائل اور رسالت کے معجزات سے ہدایت اور نصیحت حاصل نہیں کرتے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد اور بغض رکھنے کی وجہ سے اپنے گم راہ کن نظریات پر جمے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک قیامت ضرور آنے والی ہے' اس میں کوئی شک نہیں ہے' لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے O اور تمہارے رب نے فرمایا: تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول فرماؤں گا' بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں' وہ عنقریب ذلت سے جہنم میں داخل ہوں گے O (المومن: ۶۰-۵۹)

ایمان کامل کا معیار

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے امکان پر دلائل قائم فرمائے تھے اور اس آیت (المومن: ۵۹) میں قیامت کے وقوع کی خبر دی ہے' لیکن کفار اس کی تصدیق نہیں کرتے' کیونکہ یہ اپنے مشرک آباء واجداد کی تقلید میں اس قدر راسخ ہیں کہ محسوسات سے معقولات پر استدلال نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی توحید پر اور قیامت پر ایمان نہیں لاتے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: ''لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے'' کافروں میں تو اصلاً ایمان نہیں ہے' لیکن اکثر مسلمانوں میں ایمان کامل نہیں ہے' ہم یہاں پر ان احادیث کا ذکر کر رہے ہیں جن میں کمال ایمان کا معیار مذکور ہے' اس کسوٹی پر پرکھ کر ہمیں جانچنا چاہیے کہ آیا ہمارا ایمان کامل ہے یا نہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ پانچ چیزیں ایمان سے ہیں' جس شخص میں ان میں سے کوئی چیز نہ ہو اس میں ایمان بالکل نہیں ہے: (۱) اللہ کے حکم کو تسلیم کرنا (۲) اللہ کی قضاء (تقدیر) پر راضی رہنا (۳) اپنے معاملات کو اللہ کے سپرد کر دینا (۴) اللہ پر توکل کرنا (۵) جب پہلی بار صدمہ پہنچے تو اس پر صبر کرنا اور وہ شخص ایمان کی حقیقت کا ذائقہ نہیں چکھ سکتا جس سے لوگوں کی جانیں اور ان کے مال مامون اور محفوظ نہ ہوں۔ کسی شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ! ایمان کا کون سا وصف سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: جس شخص کی زبان اور اس کے ہاتھوں سے لوگ سلامت رہیں' جس طرح راستہ پر مینار علامت ہوتا ہے' اسی طرح ایمان کی علامت کے یہ مینار ہیں: (۱) لا الہ الا اللہ کی شہادت دینا (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوٰۃ ادا کرنا (۴) کتاب اللہ کے موافق حکم دینا (۵) نبی امی کی اطاعت کرنا (۶) جب بنو آدم سے ملاقات ہو تو ان کو سلام کرنا۔

(حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں سعید بن سنان راوی ہے جس کی روایات سے استدلال نہیں کیا جاتا' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۵۶' دار الکتاب العربی' بیروت)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص امانت دار نہ ہو اس کا کوئی دین نہیں اور جو شخص اپنے عہد کو پورا نہ کرے اس کا کوئی دین نہیں اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے' اس وقت تک کسی بندہ کا دین درست نہیں ہو سکتا جب تک اس کی زبان درست نہ ہو اور اس کی زبان اس وقت تک درست نہیں ہو گی جب تک اس کا دل درست نہ ہو اور اس وقت تک کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک اس کے بوائق سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو' آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! بوائق کیا ہیں؟ آپ نے

فرمایا: اس کا دھوکا دینا اور اس کا ظلم کرنا اور جس شخص نے حرام مال حاصل کیا اور اس کو خرچ کیا اس میں برکت نہیں ہوگی اور اگر اس سے صدقہ کیا تو وہ قبول نہیں ہوگا اور اس مال میں جو اضافہ کیا وہ دوزخ میں جائے گا اور خبیث چیز سے خبیث کام کا کفارہ نہیں ہوتا۔ لیکن طیب چیز سے کفارہ ہوتا ہے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۵۵۳، حافظ الہیثمی نے کہا: اس کی سند میں حصین بن مذعور ہے جو فرس تیمی سے روایت کرتا ہے، میں نے ان کا ذکر نہیں دیکھا۔ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۵۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی گلیوں میں ایک شخص سے ملے جس کا نام حارثہ بن مالک انصاری تھا، آپ نے اس سے پوچھا: اے حارثہ! تم نے کس حال میں صبح کی؟ اس نے کہا: میں نے اس حال میں صبح کی کہ میں برحق مومن تھا، آپ نے فرمایا: ہر ایمان کی حقیقت ہوتی ہے، تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے، اس نے کہا: میں نے دنیا سے اپنے نفس کا منہ موڑ لیا، میں نے دن میں پیاس کو برداشت کیا اور رات کو جاگتا رہا اور گویا کہ میں نے اپنے رب کے عرش کو بالکل سامنے دیکھا اور گویا کہ میں نے اہل جنت کو جنت کی نعمتوں میں دیکھا اور اہل دوزخ کو دوزخ کے عذاب میں دیکھا، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے درست کہا، تم اس پر لازم رہو، مومن کے دل کو اللہ نے منور کر دیا ہے۔

(حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے، اس کی سند میں یوسف بن عطیہ ہے جس کی روایات سے استدلال نہیں کیا جاتا، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۵۷)

(ہر چند کہ ان احادیث کی اسانید ضعیف ہیں، لیکن فضائل اعمال میں ضعاف معتبر ہوتی ہیں، نیز ان احادیث کی اصل احادیث صحیحہ میں موجود ہے)۔

المؤمن: ۶۰ میں دعا کا معروف معنیٰ مراد ہے یا دعا سے عبادت کرنے کا معنیٰ مراد ہے؟

المؤمن: ۶۰ میں ارشاد ہے: ''اور تمہارے رب نے فرمایا: تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول فرماؤں گا، بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلت سے جہنم میں داخل ہوں گے ○''

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ آیا اس سے مراد دعا ہے یا اس آیت میں دعا سے مراد عبادت ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں دعا سے مراد عبادت ہے ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ''وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ'' (المؤمن: ۶۰) کی تفسیر میں فرمایا: ہر عبادت دعا میں منحصر ہے اور آپ نے یہ آیت پڑھی (ترجمہ:) ''بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلت سے دوزخ میں داخل ہوں گے''۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۶۹، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۴۷۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۲۸، مسند احمد ج ۴ ص ۲۶۷ طبع قدیم، مسند احمد ج ۳۰ ص ۲۹۸، رقم الحدیث: ۱۸۳۵۲، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۹ھ، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۹۰۱، کتاب الدعا للطبرانی رقم الحدیث: ۴، المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۱۰۴۱، المستدرک ج ۱ ص ۴۹۱، حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۱۲۰)

میں کہتا ہوں کہ اگر دعا سے اس کا معروف معنیٰ مراد لیا جائے تو وہ بھی درست ہے اور اس حدیث کے منافی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا بھی اس کی عبادت کرنا ہے۔

دعا کرنے کی ترغیب اور اس کی فضیلت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

دعا کی ترغیب اور فضیلت میں احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے فرمایا: میں

اپنے بندے کے گمان کے موافق ہوتا ہوں اور جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۴۰۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۷۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک دعا سے زیادہ کسی چیز میں فضیلت نہیں ہے۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۲۹، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۸۶۷، المستدرک ج ۱ ص ۴۹۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جس شخص کے لیے دعا کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اس کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ یہ پسند ہے کہ اس سے عافیت کا سوال کیا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر کوئی مصیبت آئے یا نہ آئے دعا ہر حال میں تمہیں نفع دیتی ہے سوائے اللہ کے بندو! دعا کو لازم رکھو۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۴۸، المستدرک ج ۱ ص ۴۹۸، جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۲۷۸۴)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ بہت حیاء فرمانے والا بہت کریم ہے، جب بندہ اس کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے تو وہ ان ہاتھوں کو خالی اور ناکام لوٹانے سے حیاء فرماتا ہے۔
(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۴۸۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۵۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۶۵، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۸۷۳، المستدرک ج ۱ ص ۴۹۷)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تقدیر صرف دعا سے ٹلتی ہے، عمر میں صرف نیکی سے اضافہ ہوتا ہے اور انسان گناہ کرنے کی وجہ سے رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔
(صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۸۷۲، المستدرک ج ۱ ص ۴۹۳)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرو، کیونکہ اللہ سوال کرنے کو پسند فرماتا ہے اور سب سے افضل عبادت کشادگی کا انتظار کرنا ہے۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۷۱، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۲۸۔۱۲۷، جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۶۵۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دعا عبادت کا مغز ہے۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۱، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۲۲۰، جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۲

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ سے سوال نہیں کرتا، اللہ اس پر غضب ناک ہوتا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۲۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۰۰، مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۲، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۶۵۵، المستدرک ج ۱ ص ۴۹۱، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۳۸۹)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جو تمہیں تمہارے دشمنوں سے نجات دے اور تمہارے رزق کو زیادہ کرے، تم دن رات اللہ سے دعائیں کیا کرو کیونکہ دعا مومن کا ہتھیار ہے۔ (مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۸۱۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ اپنے رب عزوجل کے سب سے زیادہ قریب سجدہ میں ہوتا ہے، پس تم (سجدہ میں) بہ کثرت دعا کیا کرو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۸۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۷۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا رب ہر رات کو آسمان دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے، جب رات کا تیسرا حصہ باقی رہ جاتا ہے تو فرماتا ہے: کون مجھ سے دعا کرتا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں، کون مجھ سے سوال کرتا ہے کہ میں اس کو عطا کروں؟ کون مجھ سے مغفرت طلب کرتا ہے کہ میں اس کی مغفرت کر دوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۴۹۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۵۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹۸، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۶۱۹، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۹۶۵۳، مسند احمد ج ۲ ص ۲۶۴، سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۴۸۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۱۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۶۶، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۱۵۵، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۱۹)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! کس وقت کی دعا سب سے زیادہ مقبول ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا: رات کے آخری حصہ میں اور فرض نمازوں کے بعد۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹۹، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۳۹۴۸)

دعا قبول نہ ہونے کی وجوہات اور قبولیت دعا کی شرائط

اس آیت میں یہ ارشاد ہے: ''اور تمہارے رب نے فرمایا ہے: تم مجھ سے دعا کرو، میں تمہاری دعا کو قبول فرماؤں گا''۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کتنی مرتبہ لوگ دعا کرتے ہیں اور ان کی دعا قبول نہیں ہوتی، اس کا جواب یہ ہے کہ دعا کے قبول ہونے کی چند شرائط ہیں، جب ان شرائط کے مطابق دعا کی جائے تو پھر دعا ضرور قبول ہوتی ہے، وہ شرائط اور ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) دعا کرنے والے کا کھانا، پینا اور لباس رزق حلال سے ہونا چاہیے، اگر اس کا رزق حرام ہو تو پھر اس کی دعا قبول نہیں ہوگی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ طیب (پاک) ہے، وہ طیب کے سوا کسی چیز کو قبول نہیں کرتا۔ پھر آپ نے فرمایا: ایک آدمی لمبا سفر کرتا ہے، اس کے بال بکھرے ہوئے غبار آلود ہیں، وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے اور کہتا ہے: اے میرے رب! اے میرے رب! حالانکہ اس کا کھانا حرام ہوتا ہے اور اس کا پینا حرام ہوتا ہے اور اس کا لباس حرام ہوتا ہے اور اس کی غذا حرام ہوتی ہے، اس کی دعا کہاں سے قبول ہوگی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۸۹، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۸۸۳۹، مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۸، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۷۲۰، الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۲۶۴، سنن بیہقی ج ۳ ص ۳۴۶، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۲۰۲۸)

(۲) دعا کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے دل و دماغ کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ اور حاضر کر کے دعا کرے، قلب غافل سے دعا نہ کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اللہ سے اس طرح دعا کرو کہ تمہیں دعا کے قبول ہونے کا یقین ہو، یاد رکھو: اللہ اس دل کی دعا قبول نہیں فرماتا جو غافل ہو اور اس کا دھیان لہو و لعب میں ہو۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۷۹، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۱۰۵، الکامل لابن عدی ج ۴ ص ۱۳۸۰، المستدرک ج ۱ ص ۴۹۳، تاریخ بغداد ج ۴ ص ۳۵۶)

(۳) دعا کرنے والا راحت کے ایام میں بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کو اس سے خوشی ہو کہ اللہ مشکلات اور مصائب میں اس کی دعا قبول کرے اس کو چاہیے کہ وہ آسانی اور راحت کے ایام میں اس سے زیادہ دعا کرے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۸۲' المستدرک ج ۱ ص ۵۴۴)

(۴) بے نیازی سے دعا نہ کرے' بلکہ اصرار سے اور گڑگڑا کر دعا کرے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص دعا کرے تو پورے عزم کے ساتھ دعا کرے اور یہ ہرگز نہ کہے کہ اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے عطا فرما' کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کوئی مجبور کرنے والا نہیں ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۳۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۱۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۰۰۳' جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۱۸۶۰)

(۵) دعا کے قبول ہونے میں جلدی نہ کرے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کسی شخص کی دعا اس وقت قبول کی جاتی ہے جب وہ دعا کی قبولت میں جلدی نہ کرے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۴۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۳۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۸۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۸۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۵۳)

(۶) کسی گناہ کے حصول یا رشتہ منقطع کرنے کی دعا نہ کرے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: تم میں سے جو شخص بھی اللہ سے دعا کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو اس کا سوال عطا کر دیتا ہے یا اس سے کسی مصیبت کو ٹال دیتا ہے' بہ شرطیکہ وہ کسی گناہ کی دعا نہ کرے یا رشتہ منقطع کرنے کی دعا نہ کرے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۸۱' مسند احمد ج ۳ ص ۳۶۰)

(۷) گڑگڑا کر' عاجزی سے' ڈرتے ہوئے اور مسکین بن کر دعا کرے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو دو رکعت نماز پڑھو اور ہر دو رکعت کے بعد تشہد پڑھو' پھر گڑگڑاؤ' عاجزی کرو' مسکین بنو' پھر اپنے دونوں ہاتھ اللہ عزوجل کی طرف اس طرح اٹھا کر دعا کرو کہ ہتھیلیاں تمہاری طرف ہوں اور کہو: اے میرے رب! اے میرے رب! اور جو اس طرح نہیں کرے گا اس کی نماز ناقص ہوگی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۵' مسند احمد ج ۱ ص ۲۱۱' ج ۴ ص ۱۶۷' المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۲۹۵' کتاب الدعا رقم الحدیث: ۲۱۰)

(۸) دنیا میں کسی مصیبت کے نزول کی دعا نہ کرے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان شخص کی عیادت کی' جو چوزے کی طرح بہت کمزور ہو چکا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: کیا تم اللہ سے کوئی دعا یا کوئی سوال کرتے تھے؟ اس نے کہا: جی ہاں! میں یہ دعا کرتا تھا کہ اے اللہ! اگر تو مجھے آخرت میں کوئی سزا دینے والا ہے تو تُو مجھے دنیا میں ہی سزا دے دے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سبحان اللہ! تم اس کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے' تم یہ دعا کیوں نہیں کرتے: اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھی اچھائی عطا فرما اور آخرت میں بھی اچھائی عطا فرما اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا' پھر آپ نے اس کے لیے اللہ سے دعا کی تو اللہ نے اس کو شفا دے دی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۸۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۸۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۰۸۹۲' جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۱۱۹۰)

(۹) اپنے مسلمان بھائی کے لیے پس پشت دعا کرے تو جو دعا وہ اس مسلمان بھائی کے لیے کرے گا وہ اس کے حق میں بھی

قبول ہو جائے گی۔

حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان شخص اپنے بھائی کے پس پشت اس کے لیے دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے: اے اللہ! اس کو بھی اس کی مثل عطا فرما۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۳۲، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۵۳۴)

(۱۰) دعا کی ابتداء میں اللہ عزوجل کی حمد وثناء کرے تو اس کی دعا رد نہیں کی جاتی۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے یہ پانچ کلمات پڑھ کر دعا کی وہ اللہ سے جس چیز کا بھی سوال کرے گا اللہ اس کو وہ عطا فرمادے گا' (وہ پانچ کلمات یہ ہیں:) لا الہ الا اللہ واللہ اکبر' لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ 'لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر' لا الہ الا اللہ' ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ (المعجم الکبیر ج ۱۹ ص ۳۶۱' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۶۳۴' دار الکتب العلمیہ' ۱۴۲۰ھ' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۷۲۶۴)

(۱۱) دعا میں سب سے پہلے اللہ عزوجل کی حمد وثناء کرے' پھر ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھے' پھر اس کے بعد اپنے لیے دعا کرے تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔

امام عبد الرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب تم میں سے کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے کا ارادہ کرے تو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ایسی حمد وثناء کرے جو اس کے شایان شان ہے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے' پھر دعا کرے تو اس کا قبول ہونا اور کامیاب ہونا زیادہ متوقع ہے۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۱۰ ص ۴۴۱ طبع قدیم' مصنف عبد الرزاق ج ۱۰ ص ۵۲' رقم الحدیث: ۱۹۸۱۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۷۸۰' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کو حضرت ابو عبیدہ نے حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے اور ان کا سماع حضرت ابن مسعود سے ثابت نہیں ہے' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۷۱۲۵' میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن مسعود سے ان کا سماع ثابت ہے۔ عمدۃ القاری ج ۲ ص ۳۰۳' مصر)

(۱۲) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی وہیں تھے۔ جب میں (نماز پڑھ کر) بیٹھا تو میں نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا' پھر اپنے لیے دعا کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سوال کرو تم کو عطا کیا جائے گا' سوال کرو تم کو عطا کیا جائے گا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۹۳' شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۴۰۱' جلاء الافہام رقم الحدیث: ۱۴۰۱)

(۱۲) دعا کے اوّل اور آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے تو وہ دعا رد نہیں ہوتی۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دعا آسمان اور زمین کے درمیان موقوف رہتی ہے اور اس کا کوئی لفظ اوپر نہیں چڑھتا حتیٰ کہ تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ لو۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۸۶' جلاء الافہام رقم الحدیث: ۵۰' جامع المسانید والسنن مسند عمر بن الخطاب رقم الحدیث: ۱۲۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر دعا کے اور آسمان کے درمیان حجاب ہوتا ہے حتیٰ کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے اور جب نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ لیا جائے تو وہ حجاب پھٹ جاتا ہے اور دعا قبول ہو جاتی ہے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھا جائے تو وہ دعا قبول نہیں ہوتی۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۶۱۴۸' زہر الفردوس ج ۴ ص ۲۴' الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۶۰۴' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۵' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۰)

(۱۳) روزہ دار' امام عادل اور مظلوم کی دعا رد نہیں کی جاتی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں کی دعا رد نہیں کی جاتی' روزہ دار جب روزہ افطار کرتا ہے اور امام عادل اور مظلوم کی دعا' اللہ تعالیٰ ان دعاؤں کو بادلوں کے اوپر اٹھالیتا ہے اور ان کے لیے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور رب فرماتا ہے: مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! میں تیری ضرور مدد کروں گا' خواہ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۲۶ـ ۳۵۹۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۵۲' مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۵' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۹۰۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۴۱۹' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۱۱۹' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۵۱)

(۱۴) مسافر کی دعا اور والد کی اپنی اولاد کے لیے دعا بھی رد نہیں کی جاتی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں کی دعا قبول ہونے میں کوئی شک نہیں ہے (۱) مظلوم کی دعا (۲) مسافر کی دعا (۳) اور والد کی اپنی اولاد کے لیے دعا۔ (اس حدیث کی سند حسن ہے) (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۶۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۶۲)

(۱۵) جس دعا کے آخر میں آمین کہا جائے اس کی قبولیت پر مہر لگ جاتی ہے۔

حضرت ابو زہیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' ایک رات ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باہر نکلے' ہم ایک شخص کے پاس آئے جو بہت گڑگڑا کر دعا کر رہا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر اس کی دعا سننے لگے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اس نے دعا پر مہر لگا دی تو اس کی قبولیت واجب ہو جائے گی' ایک شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ! کس چیز سے مہر لگے گی؟ آپ نے فرمایا: آمین سے' اگر اس نے دعا کو آمین پر ختم کیا تو اس کی قبولیت واجب ہو جائے گی' پھر وہ آدمی چلا گیا جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا' پھر آپ اس شخص کے پاس آئے جو دعا کر رہا تھا' پس آپ نے فرمایا: اے فلاں! دعا کو آمین پر ختم کرو اور بشارت لو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۳۸)

(۱۶) دعا کی قبولیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ شخص دعا کرے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرتا ہو' قرآن مجید میں ہے:

اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا لِیۡ ۔ (البقرہ: ۱۸۶)

جب کوئی دعا کرنے والا مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو ان کو بھی تو چاہیے کہ یہ بھی میرا کہا مانا کریں۔

اللہ تعالیٰ ہم سے مستغنی ہے' وہ پھر بھی ہمارا کہا مان لیتا ہے اور ہم اس کے محتاج ہیں' سو ہم کو تو بہت زیادہ اس کا کہا ماننا چاہیے' ہونا تو یہ چاہیے تھے کہ ہم اس کا کہا مانتے رہتے خواہ وہ ہمارا کہا مانتا یا نہ مانتا' کیونکہ وہ مالک ہے اور ہم مملوک ہیں۔ لیکن یہ اس کا کرم ہے کہ اس نے کہا: آؤ برابر کا سلوک کر لو۔

فَاذۡکُرُوۡنِیۡۤ اَذۡکُرۡکُمۡ ۔ (البقرہ: ۱۵۲)

تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کرلوں گا۔

وَاَوۡفُوۡا بِعَہۡدِیۡۤ اُوۡفِ بِعَہۡدِکُمۡ ۔ (البقرہ: ۴۰)

تم میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا۔

اور تم میرا حکم مانو میں تمہاری دعا قبول کرلوں گا (البقرہ: ۱۸۶) اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم خواہ اس کا حکم مانیں یا نہ مانیں وہ ہماری دعائیں قبول کرتا رہے' گویا ہم اس کے ساتھ برابر کا سلوک کرنے پر بھی تیار نہیں ہیں۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ ۔ (الانعام: ۹۲) انہوں نے اللہ کی ایسی قدر نہ کی جیسی اس کی قدر کرنی چاہیے تھی۔

دعا قبول نہ ہونے کی وجوہات اور دعا کی شرائط اور اوقات کے متعلق علماء اور فقہاء کے اقوال

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

سہل بن عبد اللہ تستری نے کہا: دعا کی سات شرطیں ہیں (۱) گڑگڑانا (۲) خوف (۳) امید (۴) دوام یعنی ہمیشہ دعا کرنا (۵) خشوع (۶) عموم یعنی عموم کے صیغوں سے دعا کرنا (۷) حلال رزق کھانا۔

ابن عطاء نے کہا: دعا کے ارکان ہیں یا پر ہیں اور اسباب ہیں اور اوقات ہیں' اگر دعا اپنے ارکان کے موافق ہو تو وہ قوی ہوتی ہے اور اگر اپنے پروں کے موافق ہو تو آسمان پر اڑ کر پہنچتی ہے' اگر اپنے وقت کے موافق ہو تو کامیاب ہوتی ہے اور اگر اپنے اسباب کے موافق ہو تو ظفریاب ہوتی ہے' دعا کے ارکان یہ ہیں: حضور قلب' تواضع اور انکسار اور خشوع اور اس کے پر صدق ہیں اور اس کا وقت رات کا پچھلا پہر ہے اور اس کا سبب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ دعا کی چار شرطیں ہیں: (۱) تنہائی میں دل کی حفاظت کرنا (۲) لوگوں کے سامنے زبان کی حفاظت کرنا (۳) نظرم کی محارم سے حفاظت کرنا (۴) پیٹ کی لقمۂ حرام سے حفاظت کرنا۔

ابراہیم بن ادھم سے پوچھا گیا: کیا وجہ ہے کہ ہم دعا کرتے ہیں اور ہماری دعا قبول نہیں ہوتی' انہوں نے کہا: کیونکہ تم اللہ کو پہچانتے ہو پھر اس کی اطاعت نہیں کرتے اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتے ہو پھر آپ کی اتباع نہیں کرتے اور تم قرآن کریم کو پڑھتے ہو پھر اس پر عمل نہیں کرتے اور تم اللہ کی نعمتیں حاصل کرتے ہو اور ان کا شکر ادا نہیں کرتے اور تمہیں جنت کا علم ہے اور تم اس کو طلب نہیں کرتے اور تمہیں دوزخ کی معرفت ہے اور تم اس سے نہیں بھاگتے اور تم شیطان کو جانتے ہو پھر بھی تم اس سے جنگ کرنے کے بجائے اس کی موافقت کرتے ہو اور تمہیں موت پر یقین ہے پھر بھی تم اس کی تیاری نہیں کرتے اور تم مُردوں کو دفن کرتے ہو پھر بھی تم اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے اور تم اپنے عیوب کو نظر انداز کرتے ہو اور لوگوں کے عیوب میں مشغول رہتے ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نوف البکالی سے کہا: اے نوف! اللہ عزوجل نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف یہ وحی کی کہ آپ بنی اسرائیل سے کہئے: میرے گھر میں صرف پاک دل' خائف نظر اور صاف ہاتھوں کے ساتھ داخل ہوں اور جب تک کوئی شخص میری مخلوق میں سے کسی پر بھی ظلم کرنے سے بَری نہ ہو میں اس کی دعا قبول نہیں کرتا اور نوف! تم شاعر نہ بنو (یعنی جھوٹے' خیالی قصے اور لوگوں کی خوشامد پر مشتمل اشعار کہنے والا' اس سے اللہ اور رسول کی حمد اور نعت اور وعظ ونصیحت کے اشعار مستثنیٰ ہیں) اور نہ گری پڑی چیز کا اعلان کرنے والا اور نہ (ظالم) سپاہی اور نہ (ظالم) ٹیکس وصول کرنے والا اور نہ (ظالم) عشر وصول کرنے والا' کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام رات کی ایک ساعت میں کھڑے ہوئے اور کہا: اس ساعت میں اللہ تعالیٰ ہر بندے کی دعا قبول فرماتا ہے' سوا اس کے جو اعلان کرنے والا ہو یا سپاہی ہو یا ٹیکس وصول کرنے والا ہو یا عشر وصول کرنے والا ہو یا ڈھول بجانے والا ہو یعنی موسیقار۔

موطا امام مالک میں ہے جب تم میں سے کوئی دعا کرے' تو پورے عزم سے دعا کرے یہ نہ کہے: اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے اور اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم فرما۔ (صحیح البخاری: ۶۳۳۸' صحیح مسلم: ۲۶۷۸' موطا امام مالک: ۴۹۴۔۴۹۲) ہمارے علماء نے کہا ہے کہ آپ نے جو فرمایا ہے کہ پورے عزم سے سوال کرے اس میں یہ دلیل ہے کہ مومن کو دعا میں خوب کوشش کرنی چاہیے اور اس کو دعا کے قبول ہونے کی امید رکھنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ کریم سے دعا کر رہا ہے۔

سفیان بن عیینہ نے کہا: انسان اپنی کسی جائز خواہش کی دعا کرنے سے باز نہ رہے کیونکہ بدترین خلائق ابلیس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے حشر تک کی مہلت دے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو ان میں سے ہے جن کو مہلت دی گئی ہے اور دعا کے لیے ایسے اوقات اور احوال ہوتے ہیں جن میں دعا کے قبول ہونے کا ظن غالب ہوتا ہے اور وہ اوقات یہ ہیں: وقت سحر‘ وقت افطار‘ اذان اور اقامت کے درمیان کا وقت‘ بدھ کے دن ظہر اور عصر کا درمیانی وقت‘ اضطرار (مجبوری) کا وقت‘ حالت سفر‘ حالت مرض‘ بارش نازل ہونے کا وقت‘ جہاد کا وقت اور ان تمام اوقات کے متعلق آثار وارد ہیں۔ (ان اوقات میں ساعت جمعہ کو بھی ذکر کرنا چاہیے تھا)

شہر بن حوشب نے روایت کیا ہے کہ حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا نے کہا: اے شہر! کبھی خوف خدا سے تمہارے رونگٹے کھڑے ہوئے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں! انہوں نے کہا: اس وقت اللہ سے دعا کیا کرو کیونکہ یہ قبولیت کا وقت ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۲ ص ۲۹۱۔۲۹۰‘ دار الفکر‘ بیروت‘ ۱۴۱۵ھ)

بعض دعاؤں کے قبول نہ ہونے کے متعلق امام رازی کی توجیہ

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے: ”تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا“ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ بعض اوقات ہم دعا کرتے ہیں اور ہماری دعا قبول نہیں ہوتی۔ امام رازی فرماتے ہیں: میرے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ پس ہر وہ شخص جو اللہ سے دعا کرے اور اس کے دل میں اپنے مال‘ اپنے اقتدار‘ اپنے رشتہ داروں‘ اپنے دوستوں اور اپنی جدوجہد پر اگر ذرہ برابر بھی اعتماد ہو تو درحقیقت اس نے صرف زبان سے دعا کی ہے اور دل سے اس کا اعتماد ان چیزوں پر ہے جو اللہ کی غیر ہیں‘ تو اس شخص نے کسی وقت بھی اللہ سے ایسی دعا نہیں کی جس میں اس کے دل کی توجہ غیر اللہ کی طرف نہ ہو‘ پس ظاہر یہ ہے کہ انسان کی دعا اسی وقت قبول ہوگی جب اس کا دل غیر اللہ سے بالکلیہ منقطع ہو اور انسان کا دل غیر اللہ سے بالکلیہ اسی وقت منقطع ہوتا ہے جب اس کی موت قریب ہو‘ کیونکہ اس وقت انسان کو قطعی طور پر اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ اس کو اللہ کے فضل کے سوا کوئی چیز نفع نہیں دے گی‘ لہٰذا اس قاعدہ کے مطابق جس کو ہم نے ذکر کیا ہے اللہ کے نزدیک انسان کی دعا صرف اسی وقت قبول ہوگی جب اس کی موت قریب ہوگی اور ہم اللہ کے فضل اور احسان سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ جب موت کا وقت قریب ہوگا تو وہ ہمیں ایسی دعا کرنے کی توفیق دے گا جو اخلاص اور گڑگڑانے سے مقرون ہوگی۔ اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر زندگی میں بہت دفعہ ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں ہوتی کیونکہ ہم کو دوسری چیزوں پر بھی اعتماد ہوتا ہے اور اخلاص کے ساتھ ہماری دعا اس وقت ہوگی جب موت قریب ہوگی اور اس وقت ہماری دعا قبول ہو جائے گی۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۲۸۔۵۲۷‘ دار احیاء التراث العربی‘ بیروت‘ ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کے جواب پر مصنف کی نقد و نظر

میرے نزدیک امام رازی کا یہ جواب حسب ذیل وجوہ سے صحیح نہیں ہے:

(۱) یہ لازم نہیں ہے کہ انسان اخلاص کے ساتھ اللہ سے صرف اسی وقت دعا کر سکتا ہے جب اس کی موت کا وقت قریب ہو اگر ایسا ہوتا تو قرآن اور حدیث میں ہم کو صرف اسی وقت دعا کرنے کی ہدایت دی جاتی جب ہماری موت کا وقت قریب ہو۔

(۲) یہ قاعدہ اس لیے صحیح نہیں ہے کہ زندگی میں متعدد بار ایسی صورت پیش آتی ہے کہ جب انسان کے تمام سہارے ختم ہو جاتے ہیں اور وہ اخلاص کے ساتھ اللہ سے دعا کرتا ہے اور اللہ کے سوا اس کی اور کسی کی طرف نظر نہیں ہوتی۔

(۳) قرآن مجید میں ہے:

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْۤا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ. (الزمر: ۸)

اور انسان کو جب بھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب سے رجوع کرتے ہوئے دعا کرتا ہے' پھر جب اس کو اللہ اپنے پاس سے نعمت عطا فرما دیتا ہے تو وہ یہ بھول جاتا ہے کہ وہ اس سے پہلے کیا دعا کرتا رہا تھا۔

اس آیت میں انسان کے دعا کرنے اور اس دعا کے قبول کیے جانے کا ذکر ہے اور یہ قرب موت کا وقت نہیں ہے۔

(۴) وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ. (یونس: ۱۲)

اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہم کو لیٹے ہوئے بھی پکارتا ہے' بیٹھے ہوئے بھی اور کھڑے ہوئے بھی' پھر جب ہم اس سے اس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں تو وہ اس طرح گزر جاتا ہے گویا کہ اس نے ہمیں کبھی اس تکلیف میں پکارا ہی نہ تھا جو اسے پہنچی تھی۔

اس آیت میں بھی انسان کے دعا کرنے اور اس کی دعا کے قبول ہونے کا ذکر ہے اور یہ بھی قرب موت کے وقت کی دعا نہیں ہے۔

(۵) اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ. (النمل: ۶۲)

وہ کون ہے جو مجبور کی دعا کو قبول کرتا ہے جب وہ اس سے دعا کرتا ہے اور وہ کون ہے جو اس سے مصیبت کو دور کرتا ہے۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ جب کوئی شخص مجبور ہو کر اس سے دعا کرے تو وہ اس کی دعا کو قبول کرتا ہے اور وہ قرب موت کا وقت نہیں ہوتا۔

(۶) فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۝ (العنکبوت: ۶۵)

اور جب مشرکین کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے اللہ سے دعا کرتے ہیں' پھر جب اللہ انہیں خشکی کی طرف بچا کر لے آتا ہے تو پھر شرک کرنے لگتے ہیں ۝

اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ مشرکین بھی اخلاص کے ساتھ دعا کرتے ہیں اور اللہ ان کی دعا قبول فرماتا ہے اور کشتی میں سوار ہونے کا وقت قرب موت کا وقت نہیں ہے۔

(۷) وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَاۤ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۝ (الروم: ۳۳)

اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہوئے اس سے دعا کرتے ہیں' پھر جب اللہ ان کو اپنی رحمت کا ذائقہ چکھا دیتا ہے تو پھر ان میں سے ایک فریق اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے ۝

اس آیت میں اس بات کا واضح بیان ہے کہ جو انسان بھی تکلیف کے وقت اللہ سے دعا کرے اللہ اس پر رحم فرماتا ہے اور اس میں بھی قرب موت کا وقت نہیں ہے۔

(۸) وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ۝ (لقمان: ۳۲)

اور جب ان پر موجیں سائبانوں کی طرح چھا جاتی ہیں تو وہ اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے اللہ سے دعا کرتے ہیں' پھر جب اللہ انہیں خشکی کی طرف بچا کر لے آتا ہے تو ان میں سے

بعض اعتدال پر رہتے ہیں اور ہماری آیتوں کا انکار صرف وہی کرتے ہیں جو بدعہد اور ناشکرے ہوں○

جب سمندر میں موجوں کے اٹھنے کے وقت مشرکین بھی اللہ سے اخلاص کے ساتھ دعا کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو قبول فرمالیتا ہے اور یہ بھی قرب موت کا وقت نہیں ہوتا' موت اس وقت ان کے قریب ہوتی جب موجوں کے تھپیڑوں سے کشتی ان کے ہاتھ سے نکل جاتی اور وہ صرف لہروں کے رحم و کرم پر ہوتے اور ڈوب رہے ہوتے۔

(۹) وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا○ (بنی اسرائیل: ۶۷)

اور جب سمندر میں تم پر مصیبت آتی ہے تو اللہ کے سوا وہ سب گم ہو جاتے ہیں جن کو تم پکارا کرتے تھے پھر جب وہ تم کو بچا کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو تم اعراض کر لیتے ہو اور انسان بہت ناشکرا ہے○

اس آیت میں بھی یہ بتایا ہے کہ جب مشرک بھی مصیبت کے وقت اخلاص کے ساتھ اللہ سے دعا کریں تو وہ ان کی دعا قبول فرمالیتا ہے حالانکہ وہ بھی قرب موت کا وقت نہیں ہوتا۔

(۱۰) قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ○ (الانعام: ۶۳)

آپ کہیے کہ وہ کون ہے جو تم کو خشکی اور سمندر کے اندھیروں سے نجات دیتا ہے' تم اس سے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعا کرتے ہو کہ اگر تو نے ہمیں ان اندھیروں سے نجات دے دی تو ہم ضرور شکر کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے○

اندھیروں سے نجات کی دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ قبول فرمالیتا ہے' حالانکہ وہ قرب موت کا وقت نہیں ہے۔

(۱۱) قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ○ (الانعام: ۶۴)

آپ کہیے کہ اللہ ہی تم کو ان اندھیروں سے نجات دیتا ہے اور ہر مصیبت سے نجات دیتا ہے تم پھر بھی شرک کرتے ہو○

یعنی مشرکین جب مصائب سے نجات کی دعا کرتے ہیں تو اللہ قبول فرماتا ہے اور دعا قبول کرنے کے موقع پر ان دس آیتوں میں سے کسی آیت میں بھی قرب موت کا وقت بیان نہیں فرمایا' کسی قسم کی تکلیف ہو' مصیبت ہو' بیماری ہو' کشتیوں میں سوار ہونے کا وقت ہو' موجوں کا سامنا ہو' بحر و بر کے اندھیرے ہوں' جس وقت بھی اس سے اخلاص کے ساتھ دعا کی جائے وہ دعا قبول فرمالیتا ہے' خواہ دعا کرنے والا مومن ہو یا مشرک اور یہ ضروری نہیں ہے کہ اخلاص صرف موت کو سامنے دیکھ کر ہو' کسی بھی وقت اخلاص ہو سکتا ہے اور جب بھی اخلاص کے ساتھ دعا کی جائے گی اللہ تعالیٰ دعا قبول فرمالے گا' صرف وہ دعا قبول نہیں ہوگی جس میں اخلاص نہ ہو۔

ہم نے پہلے دس آیتوں سے امام رازی کے اس قول کا رد کیا ہے کہ صرف موت کو قریب دیکھ کر جو دعا کی جائے وہ قبول ہوتی ہے' اب ہم صحیح اور صریح احادیث سے اس قول کا رد کرتے ہیں۔ فنقول وباللہ التوفیق وبه الاستعانة یلیق.

(۱۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں کی دعا رد نہیں کی جاتی۔ (۱) روزہ دار جب روزہ افطار کرتا ہے اور (۲) امام عادل (۳) اور مظلوم کی دعا۔ الحدیث (سنن الترمذی: ۲۵۲۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین آدمیوں کی دعا کے قبول ہونے کی گارنٹی دی ہے اور ان میں سے کسی کی بھی دعا اس وقت نہیں ہے جب موت قریب ہوتی ہے۔

(۱۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں کی دعا قبول ہونے میں

کوئی شک نہیں ہے (۱) مظلوم کی دعا (۲) مسافر کی دعا (۳) والد کی اپنی اولاد کے لیے دعا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۶۲)

اس حدیث میں بھی یہ قید نہیں ہے کہ جب موت قریب ہو تو ان کی دعا قبول ہو گی بلکہ مطلقاً فرمایا: ان کی دعا قبول ہو گی۔

(۱۴) حضرت ابوزہیر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس دعا کے آخر میں آمین کہا جائے وہ دعا قبول ہوتی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۳۸)

اس حدیث میں بھی قرب موت کی قید نہیں ہے۔

(۱۵) حضرت عمر نے فرمایا: جس دعا کے اوّل اور آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے وہ ضرور قبول ہوتی ہے۔ (سنن ترمذی: ۴۸۶)

ان احادیث سے بھی واضح ہو گیا کہ امام رازی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ صرف وہی دعا قبول ہوتی ہے جو قرب موت کے وقت کی جائے۔

(۱۶) امام رازی نے یہ کہا ہے کہ اخلاص کے ساتھ توبہ اسی وقت ہو سکتی ہے جب موت قریب ہو' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ تلقین کی ہے کہ انسان سے جب گناہ سرزد ہو جائے وہ اسی وقت توبہ کرے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۗ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۗ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ (آل عمران: ۱۳۵)

اور جب لوگ کوئی بے حیائی کا کام کر گزریں یا اپنی جانوں پر ظلم کر لیں' پھر فوراً اپنے گناہوں کی معافی طلب کریں اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشے گا اور اپنے کاموں پر دانستہ اصرار نہ کیا ہو ○

(۱۷) اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○ (النساء: ۱۷)

اللہ پر صرف ان ہی لوگوں کی توبہ قبول کرنا ہے' جو ناواقفیت سے کوئی گناہ کر لیں پھر فوراً توبہ کر لیں' پس اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا اور اللہ بہت علم والا' بے حد حکمت والا ہے۔

امام رازی نے جو قرب موت کے وقت دعا کی تلقین کی ہے وہ ان آیات کے خلاف ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

(۱۸) وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ. (الشوریٰ: ۲۵)

وہی اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور ان کے گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔

(۱۹) وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ. (طٰہٰ: ۸۲)

اور بے شک میں اس کو ضرور بے حد بخشنے والا ہوں جو توبہ کرے۔

ان آیتوں کا تقاضا ہے کہ بندہ جس وقت بھی توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور اس کو معاف فرما دیتا ہے اور حدیث میں ہے:

(۲۰) حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل رات کو ہاتھ پھیلاتا ہے کہ دن میں گناہ کرنے والا توبہ کرے اور دن میں ہاتھ پھیلاتا ہے کہ رات میں گناہ کرنے والا توبہ کرے' حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۵۹' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۱۴۵)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ بندہ دن کے گناہ کی رات آنے سے پہلے توبہ کر لے اور رات کے گناہ کی دن آنے سے پہلے توبہ کر لے اور اگر اس نے بندہ کی توبہ اور اس کی دعا صرف قرب موت کے وقت قبول کرنی ہوتی

تو وہ بندوں کو جلد توبہ کرنے کی تلقین کیوں فرماتا جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو توبہ کرنے میں تاخیر کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ
اللہ پر ان کی توبہ قبول کرنا نہیں ہے جو گناہ کرتے رہیں حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی ایک کے سامنے موت آ جائے تو وہ کہے کہ میں اب توبہ کرتا ہوں۔ (النساء: ۱۸)

امام رازی نے جو اس آیت کی تفسیر کی ہے اور بعض دعاؤں کے قبول نہ ہونے کا یہ جواب دیا ہے کہ اخلاص سے توبہ صرف قرب موت کے وقت ہوتی ہے اور اسی وقت کی دعا قبول ہوتی ہے اور یہ کہا ہے کہ ہم اللہ کے فضل اور احسان سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ جب موت کا وقت قریب ہوگا تو وہ ہمیں ایسی دعا کرنے کی توفیق دے گا جو اخلاص کے ساتھ ہوگی۔ امام رازی کی یہ تقریر اور تلقین اور ان کی یہ توقع بہ کثرت آیات اور احادیث کے خلاف ہے اور اللہ ہی صحیح تفسیر کی ہدایت اور توفیق دینے والا ہے۔

ہم نے اس سے پہلے بھی دعا کے موضوع پر لکھا ہے اور اس کے یہ عنوانات ہیں:
اللہ سے دعا کرنے کے متعلق احادیث' ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے متعلق احادیث' فرض نمازوں کے بعد دعا کرنے کے متعلق احادیث' فرض نمازوں کے بعد دعا کرنے کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء' دعا قبول ہونے کی شرائط اور آداب۔
(تبیان القرآن ج ۱ ص ۷۳۶_۷۲۴)

مانعین دعا کے دلائل' مانعین دعا کے دلائل کے جوابات' دعا قبول نہ ہونے کے فوائد' دعا کی ترغیب اور فضیلت میں احادیث' آہستہ دعا کرنے کے فوائد اور نکات' خارج نماز دعا کے وقت دونوں ہاتھ اٹھانے کے متعلق مذاہب فقہاء' خارج نماز دعا کے وقت دونوں ہاتھ اٹھانے کے متعلق احادیث' ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے متعلق حرف آخر۔ (تبیان القرآن ج ۴ ص ۱۸۳_۱۶۹)

دعا کے موضوع پر تبیان القرآن میں جس قدر ابحاث آ گئی ہیں شاید کسی اور کتاب میں نہ مل سکیں اور یہ محض اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید ہے' والحمد للہ رب العلمین۔

اَللّٰهُ الَّذِىْ جَعَلَ لَـكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ
اللہ ہی نے تمہارے لیے رات بنائی ہے تاکہ تم اس میں سکون اور آرام پاؤ اور دیکھنے کے لیے دن بنا دیا'

اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰـكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر

لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَىْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا
لوگ شکر نہیں کرتے ○ یہی اللہ ہے جو تم سب کا رب ہے' ہر چیز کا خالق ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق

هُوَ ۫ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۲﴾ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ
نہیں ہے' پس تم کہاں بھٹک رہے ہو ○ اسی طرح وہ لوگ بھٹک رہے تھے جو اللہ کی آیتوں کا

اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿٦٣﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا

انکار کرتے تھے ○ اللہ ہی نے زمین کو تمہارے لیے ٹھہرنے کی جگہ بنایا اور آسمان

وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ

کو چھت بنایا اور تمہاری صورتیں بنائیں سو سب سے اچھی صورتیں بنائیں اور تم کو پاکیزہ

مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ

چیزوں سے رزق دیا' یہی اللہ ہے جو تمہارا رب ہے' سو اللہ بہت برکتوں والا ہے جو تمام

الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٤﴾ هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ

جہانوں کا رب ہے ○ وہی (ہمیشہ) زندہ ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' سو تم اسی کی اطاعت کرتے ہوئے

لَهُ الدِّيْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٥﴾ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ

اخلاص کے ساتھ اس سے دعا کرو' تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے ○ آپ کہیے کہ مجھے اس سے

اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِيَ

منع کیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے

الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ ؗ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٦﴾

ہو' جب کہ میرے پاس میرے رب کی دلیلیں آ چکی ہیں اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں رب العلمین کے سامنے جھک جاؤں ○

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ

وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا' پھر نطفہ سے' پھر جمے ہوئے خون سے' پھر وہ تم کو بچہ کی حالت میں (ماں کے پیٹ سے)

عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا

نکالتا ہے' پھر (تمہاری پرورش کرتا ہے) تاکہ تم جوانی کو پہنچو' پھر (تم کو زندہ رکھتا ہے) تاکہ تم بڑھاپے کو پہنچو

شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا

اور تم میں سے بعض اس سے پہلے فوت ہو جاتے ہیں اور (تمہیں اس لیے بھی زندہ رکھتا ہے) تاکہ تم اپنی

مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ هُوَ الَّذِىْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ

مقررہ میعاد تک پہنچ جاؤ اور تاکہ تم عقل سے کام لو ○ وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے' پس

فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۶۸﴾

جب وہ کسی چیز کا فیصلہ فرماتا ہے تو اس سے صرف یہ فرماتا ہے کہ "ہو جا" سو وہ جاتی ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ ہی نے تمہارے لیے رات بنائی ہے تاکہ تم اس میں سکون اور آرام پاؤ اور دیکھنے کے لیے دن بنایا' بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے' لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے ○ یہی اللہ ہے جو تم سب کا رب ہے' ہر چیز کا خالق ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' پس تم کہاں بھٹک رہے ہو ○ اسی طرح وہ لوگ بھٹک رہے تھے جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے ○ (المؤمن: ۶۳۔۶۱)

رات کو عبادت' غفلت اور معصیت میں گزارنے والے

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دعا کرنے کا حکم دیا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ اپنی ہر ضرورت کا سوال مجھ سے کرو' میں تمہارے سوال کو پورا کروں گا' اس آیت میں اور اس کے بعد کی آیات میں اس پر دلائل قائم فرمائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر سوال کو پورا کرنے پر قادر ہے' ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر' اس کی توحید پر اور اس کی قدرت پر دلائل ہیں۔ پہلی تین آیتوں کا تعلق آسمان سے ہے اور بعد کی آیتوں کا تعلق زمین اور زمین کی مخلوق سے ہے۔

المومن: ۶۱ میں فرمایا: "اللہ ہی نے تمہارے لیے رات بنائی ہے تاکہ تم اس میں سکون اور آرام پاؤ" کیونکہ رات میں ٹھنڈک اور تراوت ہوتی ہے اس وجہ سے انسان کی حرکت کرنے والی قوتیں رات میں ساکن ہو جاتی ہیں اور رات میں چونکہ اندھیرا ہوتا ہے اس لیے انسان کے حواس بھی کام کرنے سے رک جاتے ہیں اور یوں انسان کے اعصاب اور حواس کو آرام کا موقع مل جاتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: "اور دیکھنے کے لیے دن بنایا" انسان بالطبع تمدنی زندگی گزارتا ہے' اسے انسانی معاشرہ میں مل جل کر رہنے کی ضرورت ہے اور اپنی معاشی ضروریات کے حصول کے لیے کام کاج کرنے کی حاجت ہے' اس لیے اس کے کام کاج کی آسانی کے لیے دن کو روشن بنایا تاکہ وہ دن کی روشنی میں اپنے لیے رزق فراہم کر سکے۔

اللہ کے نیک بندے رات میں بہ قدر ضرورت آرام کرتے ہیں تاکہ دن کی مشقت سے جو اعصاب کو تھکاوٹ پہنچی ہے وہ زائل ہو جائے اور بہ قدر ضرورت آرام کے بعد وہ رات کے آخری حصہ میں پھر عبادت کے لیے کھڑے ہو جائیں' ایسے لوگوں کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ○ (الفرقان: ۶۴) اور جو لوگ اپنے رب کے لیے سجدہ اور قیام میں رات گزار دیتے ہیں ○

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ○ (الذّٰریٰت: ۱۷) (متقین) رات کو بہت کم سوتے تھے ○

وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ○ (الذّٰریٰت: ۱۸) اور سحری کے وقت اٹھ کر وہ استغفار کرتے تھے ○

اور غافل لوگ ساری رات سو کر یا اپنی ازواج کے ساتھ دادِ عیش میں گزار دیتے ہیں اور فساق اور فجار ساری رات لہو

لعب اور معصیت میں گزار دیتے ہیں' کراچی اور لاہور ایسے بڑے شہروں میں اوباش نوجوان اپنی راتیں کلبوں میں' جوئے کے اڈوں اور شراب خانوں میں گزار دیتے ہیں اور موسیقی کی دھنوں پر اپنے قماش کی لڑکیوں کے ساتھ ناچتے گاتے اور ناجائز لذت اندوزی میں گزارتے ہیں اور راتوں کی تھکاوٹ اتارنے کے لیے دن سکون آور گولیاں کھا کر گزارتے ہیں اور یوں وہ رات اور دن کے مقصد تخلیق کو بدل ڈالتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا فضل اور احسان کرتے ہوئے دن کام کرنے کے لیے اور رات آرام کے لیے بنائی تھی لیکن وہ اس نعمت کی ناشکری کرتے ہوئے رات لہو ولعب اور معصیت میں اور دن سونے میں گزارتے ہیں' اسی لیے فرمایا: ''بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے''۔

المومن: ۶۳۔۶۲ میں فرمایا: ''یہی اللہ ہے جو تم سب کا رب ہے' ہر چیز کا خالق ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' پس تم کہاں بھٹک رہے ہو O اسی طرح وہ لوگ بھٹک رہے تھے جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے O''

یعنی جس طرح مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کر رہے ہیں اور اپنے آباء واجداد کی اندھی تقلید میں بت پرستی کر رہے ہیں اسی طرح ان سے پہلی امتوں کے کفار بھی اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور توحید کی آیتوں میں غور وفکر نہیں کرتے تھے اور بے جا ضد' عناد اور ہٹ دھرمی سے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے' سو آپ ان کی تکذیب سے ملول خاطر اور افسردہ نہ ہوں' ایسا تو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ ہی نے زمین کو تمہارے لیے ٹھہرنے کی جگہ بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہاری صورتیں بنائیں سو سب سے اچھی صورتیں بنائیں اور تم کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا یہی اللہ ہے جو تمہارا رب ہے' سو اللہ بہت برکتوں والا ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے O وہی (ہمیشہ) زندہ ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' سو تم اسی کی اطاعت کرتے ہوئے اخلاص کے ساتھ اس سے دعا کرو' تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے O آپ کہیے کہ مجھے اس سے منع کیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو جب کہ میرے پاس میرے رب کی دلیلیں آ چکی ہیں اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں رب العلمین کے سامنے جھک جاؤں O (المومن: ۶۶۔۶۴)

اللہ تعالیٰ کی انسان پر تین قسم کی نعمتیں

المومن: ۶۴ میں فرمایا: ''اللہ ہی نے زمین کو تمہارے لیے ٹھہرنے کی جگہ بنایا اور آسمان کو چھت بنایا'' اس آیت میں ٹھہرنے کی جگہ قرار کا لفظ ہے اور اس سے مراد موضع قرار اور منزل ہے جہاں انسان زندگی میں بھی سکونت رکھے اور مرنے کے بعد اس کو وہاں رکھا جائے اور یہ زمین انسانوں کے لیے بالذات موضع قرار ہے اور باقی مخلوق کے لیے بالتبع موضع قرار ہے' اسی طرح آسمان کو تمہارے لیے بالذات چھت بنایا ہے اور باقی مخلوق کے لیے بالتبع چھت بنایا ہے' یہ پہلی نعمت کا ذکر ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ''اور تمہاری صورتیں بنائیں سو سب سے اچھی صورتیں بنائیں'' انسان کی صورت تمام مخلوق میں سب سے اچھی ہے کیونکہ انسان کی قامت سیدھی ہے' اس کے اعضاء متناسب ہیں' وہ سر اٹھا کے چلتا ہے اور اپنے ہاتھ سے لقمہ بنا کر اپنے منہ تک لے جاتا ہے' اپنے منہ کو کھانے تک نہیں پہنچاتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ O بے شک ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا۔

(التین: ۴)

انسان کے اعضاء کو نہایت تناسب کے ساتھ بنایا ہے' اس کے دو' دو عضو بنائے ہیں اور ان میں مناسب فاصلہ رکھا ہے اور انسان کو حواس خمسہ ظاہرہ کے علاوہ حواس خمسہ باطنہ بھی دیئے ہیں' اس میں عقل' تدبر اور فہم وفراست رکھی ہے' حدیث میں ہے:

ابن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کسی سے لڑے تو چہرے سے اجتناب کرے کیونکہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ (صحیح مسلم' کتاب البر والصلۃ رقم الحدیث: ۱۱۵' الرقم المسلسل: ۶۵۳۲)

اللہ تعالیٰ نے انسان کی صورت کی نسبت جو اپنی طرف کی ہے یہ تشریف' تکریم اور عزت افزائی کے لیے ہے' یہ دوسری نعمت کا ذکر ہے اور تم کو طیب اور پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا' یہ انسان کے اوپر تیسری نعمت کا ذکر ہے' طاہر اور طیب میں فرق ہے' طاہر اس چیز کو کہتے ہیں جس میں ظاہری نجاست نہ ہو اور طیب اس چیز کو کہتے ہیں: جس میں معنوی اور باطنی نجاست نہ ہو' اللہ تعالیٰ خود طیب ہے' اس نے ہم کو رزق بھی حلال اور طیب عطا فرمایا ہے۔

پھر فرمایا: ''یہی اللہ ہے جو تمہارا رب ہے' سو اللہ بہت برکتوں والا ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے''۔

یعنی جس ذات نے تمہیں یہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں وہی تمہارا رب ہے' وہ اپنی ذات اور صفات میں شرک سے منزہ ہے۔

المومن: ۶۵ میں فرمایا: ''وہی (ہمیشہ) زندہ ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے''۔

یعنی اس کی حیات منفرد ہے' وہ ازل سے ابد تک زندہ ہے' اس کی زندگی ذاتی ہے نہ کہ عطائی' وہ اپنی زندگی میں ہر قسم کے عرض اور نقص سے مبرا اور منزہ ہے۔

قرآن اور ذکر میں مشغول ہونا زیادہ افضل ہے یا دعا کرنے میں؟

اس کے بعد فرمایا: ''سو تم اس کی اطاعت کرتے ہوا خلاص کے ساتھ اس سے دعا کرو''۔

اس سے پہلے المومن: ۶۰ میں بھی دعا کی ترغیب دی تھی اور اس آیت میں بھی دعا کی ترغیب دی ہے' اس ترغیب پر ایک حدیث سے اعتراض ہوتا ہے' وہ حدیث یہ ہے:

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے کہ جس شخص کو قرآن اور میرے ذکر کی مشغولیت نے مجھ سے سوال کرنے سے باز رکھا اس کو میں سوال کرنے سے افضل عطا فرماؤں گا اور اللہ کے کلام کی باقی کلاموں پر ایسی فضیلت ہے جیسے اللہ کی تمام مخلوق پر فضیلت ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۲۶' سنن دارمی رقم الحدیث: ۳۳۵۹' کتاب الاسماء والصفات ج ا ص ۳۷۲' جامع المسانید والسنن مسند ابی سعید الخدری رقم الحدیث: ۷۰۰)

قرآن مجید کی آیات اور بہت احادیث میں دعا کرنے کی فضیلت ہے اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن اور ذکر میں مشغول رہنا دعا کرنے سے افضل ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کرنے پر ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اور دعا کرنے پر قبولیت کا وعدہ فرمایا ہے اور ذکر اور دعا دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ ذکر دعا ہے اور دعا ذکر ہے' کیونکہ جب جب کریم کی حمد و ثناء کی جائے تو وہ دراصل اس سے اس کے کرم کا سوال ہوتا ہے اور جب کوئی شخص کسی کریم سے سوال کرتا ہے تو وہ اس سے اس کا تعریف و توصیف کے ساتھ ذکر کرتا ہے اور اللہ کا ذکر کرنے سے بندہ کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ایک دن میں سو مرتبہ ''سبحان اللہ وبحمدہ'' پڑھا اس کے تمام گناہ مٹا دیئے جائیں گے' خواہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگ سے زیادہ ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۰۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۹۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۶۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۹۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۹۸)

''سبحان اللہ وبحمدہ'' اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور اس ذکر سے بندہ کے تمام گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں اور دعا سے بھی یہی مقصود ہوتا ہے کہ اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں' سو انسان اگر اللہ کا ذکر کرے اور اس میں مشغول ہونے کی وجہ سے دعا نہ کر

سکے پھر بھی اس کا مقصود پورا ہو جاتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کی ہے اور اس کا ذکر بھی کیا ہے اور دونوں عظیم مقام ہیں اور ان میں باہم کسی ایک کو افضل کہنا بہت مشکل ہے' پس بندہ کو چاہیے کہ وہ اللہ کا ذکر بھی کرے اور اللہ سے دعا بھی کرے اور ان شاء اللہ وہ ان دونوں پر کیے ہوئے وعدہ کو پالے گا۔ اس حدیث میں قرآن کی مشغولیت کو ذکر کی مشغولیت پر مقدم رکھا ہے اور قرآن میں مشغول ہونا عام ہے' خواہ قرآن پڑھنے میں مشغول ہو یا قرآن میں تدبر کرنے اور اس کی تفسیر میں مشغول ہو۔ یہ ناکارہ ۱۹۹۴ء سے قرآن مجید کی تفسیر میں مشغول ہے' دنیا میں تو اللہ تعالیٰ نے بہت نعمتیں عطا فرمائی ہیں' اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید واثق ہے کہ وہ آخرت میں بھی محروم نہیں فرمائے گا' تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

المومن: ۶۶ میں فرمایا: "آپ کہیے کہ مجھے اس سے منع کیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو جب کہ میرے پاس میرے رب کی دلیلیں آ چکی ہیں اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ رب العٰلمین کے سامنے جھک جاؤں"۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات جلال اور جمال بیان فرمائی تھیں اور مخلوق پر اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا جن کا تقاضا تھا کہ مشرکین اپنے بتوں کی پرستش چھوڑ کر اللہ واحد کی عبادت کرتے' کیونکہ ہر عقل والا جانتا ہے کہ پتھر کی جن مورتیوں کو کفار نے خود اپنے ہاتھوں سے تراش کر بنایا تھا وہ ان کا خدا نہیں ہو سکتا' پھر فرمایا کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ رب العٰلمین کے سامنے جھک جاؤں' کیونکہ ہر شخص یہ جانتا ہے کہ انسان اپنے لیے اسی چیز کو پسند کرتا ہے جو ہر لحاظ سے افضل اور اکمل ہو اور جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے خدائے واحد کی عبادت کو پسند کیا اور اسی کو اختیار کیا تو معلوم ہوا کہ اسی کی عبادت کرنا صحیح ہے' سو مشرکین پر لازم ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں جس کی آپ عبادت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا' پھر نطفہ سے' پھر جمے ہوئے خون سے' پھر وہ تم کو بچے کی حالت میں (ماں کے پیٹ سے) نکالتا ہے' پھر (تمہاری پرورش کرتا ہے) تاکہ تم جوانی کو پہنچو' پھر (تم کو زندہ رکھتا ہے) تاکہ تم بڑھاپے کو پہنچو اور تم میں سے بعض اس سے پہلے فوت ہو جاتے ہیں اور (تمہیں اس لیے بھی زندہ رکھتا ہے) تاکہ تم اپنی مقررہ میعاد تک پہنچ جاؤ اور تاکہ تم عقل سے کام لو O وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے' پس جب وہ کسی چیز کا فیصلہ فرماتا ہے تو اس سے صرف یہ فرماتا ہے کہ "ہو جا" سو وہ ہو جاتی ہے O (المومن: ۶۸-۶۷)

تخلیق انسان کے مراحل

المومن: ۶۷ میں فرمایا: "وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا' پھر نطفہ سے' پھر جمے ہوئے خون سے"۔ الآیۃ

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ہر انسان کو تو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا نہیں کیا؟ اس کا مفسرین نے یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت کے ضمن میں ہر انسان کو مٹی سے پیدا فرمایا' کیونکہ ہر انسان حضرت آدم کی اولاد ہے اور ان کی تمام اولاد ان کی پشت میں تھی۔ اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ہر انسان کو منی اور حیض کے خون سے پیدا کیا ہے اور منی اور خون' انسان کے جسم میں غذا میں بنتا ہے اور غذا زمین سے حاصل ہوتی ہے اور زمین مٹی ہے' اس سے واضح ہوا کہ ہر انسان کی اصل مٹی ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کے تین مراحل بیان کیے ہیں: ایک حالت طفولیت ہے' ایک حالت جوانی ہے اور ایک حالت بڑھاپا ہے۔

حالت طفولیت میں انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتیں وصول کرتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے کسی حکم کا مکلف نہیں کرتا اور بلوغت سے بڑھاپے تک وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا مکلف ہوتا ہے' جوانی میں وہ بہت آسانی سے عبادت کر سکتا ہے اور بڑھاپے میں

مشکل ہوتی ہے لیکن ہمارے ہاں لوگ جوانی کو غفلت میں گزار دیتے ہیں اور بڑھاپے میں مسجد کا رخ کرتے ہیں جب ان کی بیویوں، بہوؤں اور بیٹیوں پر ان کا وجود ناگوار ہونے لگتا ہے بڑھاپے میں انسان ویسے بھی چڑچڑا ہو جاتا ہے اور یہ بوڑھے لوگ مسجدوں میں آ کر بات بات پر امام اور مؤذن پر نکتہ چینی کرتے ہیں بڑھاپے میں انسان کے اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں اور اس کے چہرے سے کمزوری ظاہر ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑھاپے کے آثار

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے کہا: یا رسول اللہ! آپ بوڑھے ہو گئے آپ نے فرمایا: مجھے ھود الواقعہ والمرسلات اور "عم یتساء لون" نے اور "واذا الشمس کورت" نے بوڑھا کر دیا۔ (امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے) (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۹۷ جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۲۵۷۰)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑھاپے کا وقت آنے سے پہلے بڑھاپے کے آثار ظاہر ہو گئے تھے اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ آپ کے بال زیادہ سفید ہو گئے تھے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے گنا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی اور سر کے بالوں میں بیس (۲۰) سے بھی کم بال سفید تھے۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۷۵۳)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ بڑھاپے میں جس طرح خوف خدا کی شدت ہوتی ہے اور آدمی کا چہرہ خوف سے زرد رہتا ہے آپ پر وہ کیفیت بڑھاپے کا وقت آنے سے پہلے ہی طاری ہو گئی ہے آپ نے فرمایا: مجھے سورۂ ھود سورۂ الواقعہ والمرسلات عرفا عم یتساء لون اور "واذا الشمس کورت" نے بوڑھا کر دیا۔ یعنی ان سورتوں میں قیامت کے احوال اور قیامت کی سنگینیوں اور سختیوں کا ذکر ہے اور ان کے ذکر نے میرے اندر خوف خدا کی ایسی شدت پیدا کی جس نے مجھے کمہلا کر اور دہلا کر رکھ دیا اور وہ دن ایسا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ۝ (المزمل: ۱۷) وہ دن جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا ۝

المومن: ۶۸ میں فرمایا: "وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے پس جب وہ کسی چیز کا فیصلہ فرماتا ہے تو اس سے صرف یہ فرماتا ہے کہ "ہو جا" سو وہ ہو جاتی ہے"۔

اللہ تعالیٰ انسان کو پہلے دنیا میں زندہ کرتا ہے اور پھر مرنے کے بعد آخرت میں زندہ کرے گا اور ایک مرتبہ دنیا میں مارے گا اور دوسری بار صور قیامت سے مارے گا۔

اس آیت سے یہ بتانا مقصود ہے کہ کسی چیز کو وجود میں لانے کے لیے اللہ تعالیٰ کو کوئی مشکل پیش نہیں آتی وہ جب چاہتا ہے جس کو پیدا فرمانا چاہتا ہے اس کو پیدا فرما دیتا ہے تو پھر اس کے لیے مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے وہ قیامت کے بعد صرف ایک لفظ "کن" فرمائے گا اور تم سب جیتے جاگتے انسان بن کر کھڑے ہو جاؤ گے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ﴿۶۹﴾

کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑ رہے ہیں وہ کہاں پھیرے جا رہے ہیں ۝

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۛ فَسَوْفَ

جن لوگوں نے کتاب اللہ کی تکذیب کی اور اس پیغام کی تکذیب کی جس کے ساتھ ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا تھا پس

يَعْلَمُوْنَ ۙ﴿۷۰﴾ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ؕ يُسْحَبُوْنَ ۙ﴿۷۱﴾

عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا○ جب ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور ان کو زنجیروں کے ساتھ گھسیٹا جائے گا○

فِي الْحَمِيْمِ ۙ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ ج ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ

سخت گرم پانی میں، پھر ان کو دوزخ کی آگ میں جھونک دیا جائے گا○ پھر ان سے پوچھا جائے گا: اب وہ کہاں ہیں

مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۙ﴿۷۳﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا

جن کو تم (دنیا میں اللہ کا) شریک قرار دیتے تھے؟○ جو اللہ کے سوا تھے، وہ کہیں گے: وہ ہم سے گم ہو گئے بلکہ ہم

بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـًٔا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ

اس سے پہلے کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے، اسی طرح اللہ کافروں کو

اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾ ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ

گم راہ کرتا ہے○ (اے کافرو!) تمہارا یہ عذاب اس وجہ سے ہے کہ تم زمین میں

بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿۷۵﴾ ج اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ

اپنی عارضی کامیابی پر ناحق اتراتے تھے اور بے جا اکڑتے پھرتے تھے○ اب جہنم کے دروازوں میں

جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۶﴾

ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہو جاؤ، پس تکبر کرنے والوں کا کیسا برا ٹھکانا ہے○

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ

پس آپ صبر کیجئے، بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے، ہم نے ان کو جس عذاب سے ڈرایا ہوا ہے خواہ ہم اس میں سے آپ کو کچھ

الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۷۷﴾

دکھائیں یا ہم اس سے پہلے آپ کو وفات دے دیں، سو ان کو تو بہر حال ہماری طرف لوٹایا جائے گا○

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا

بے شک ہم نے آپ سے پہلے بھی بہت رسول بھیجے، ہم نے ان میں سے

عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ وَمَا كَانَ

بعض کے قصے آپ کے سامنے بیان کیے اور بعض کے قصے بیان نہیں کیے اور کسی رسول کے لیے

لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ

یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی معجزہ لے آئے' پھر جب اللہ کا حکم

اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۷۸﴾ ع

ہوگا تو حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور اس وقت باطل پرست نقصان اٹھانے والے ہوں گے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑ رہے ہیں' وہ کہاں پھیرے جا رہے ہیں O جن لوگوں نے کتاب اللہ کی تکذیب کی اور اس پیغام کی تکذیب کی جس کے ساتھ ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا تھا' پس عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا O (المومن: ۷۰۔۶۹)

المومن: ۶۹ میں مجادلین سے مراد مشرکین ہیں یا منکرین تقدیر؟

یعنی اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! کیا آپ نے ان معاندین اور مکذبین کی طرف نہیں دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی آیات کا رد کرنے کے لیے بے جا حجت بازی کر رہے ہیں' جب کہ یہ آیتیں اللہ تعالیٰ کی توحید اور آپ کی رسالت کے ثبوت میں بالکل واضح ہیں اور اگر انصاف سے ان آیات کو پڑھا جائے اور ان پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو انسان کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر کوئی چارہ نہیں رہے گا' اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جدال اور جھگڑا کرنے والوں کی اس سورت میں بھی کئی جگہ مذمت کی ہے اور اس کے علاوہ دیگر سورتوں میں بھی مذمت کی ہے' دوسری آیت میں یہ فرمایا کہ یہ آپ کی اور اللہ کے پیغام کی تکذیب کرتے ہیں اور چونکہ وہ آپ کے مکذب تھے' اسی لیے آپ سے جھگڑا کیا کرتے تھے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے' بعض نے کہا: اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں جدال اور جھگڑا کرنے والے منکرین تقدیر ہیں جن کو قدریہ کہتے ہیں اور بعض نے کہا: اس سے مراد مشرکین مکہ ہیں۔

ابن سیرین نے کہا: اگر یہ آیت قدریہ کے متعلق نازل نہیں ہوئی تو پھر مجھے معلوم نہیں کہ یہ کس کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب میری امت میں سے اہل کتاب اور اہل لین ہلاک ہو جائیں گے' حضرت عقبہ نے پوچھا: یارسول اللہ! اہل کتاب کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو کتاب اللہ کا علم حاصل کرتے ہیں اور مسلمانوں سے جدال اور بحث کرتے ہیں' پھر حضرت عقبہ نے پوچھا: یارسول اللہ! اہل لین کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی ہوائے نفس کی پیروی کرتے ہیں اور نمازوں کو ضائع کرتے ہیں' ابوقبیل نے کہا: میرا گمان یہ ہے کہ تقدیر کے منکرین وہی لوگ ہیں جو مسلمانوں سے جدال اور بحث کرتے ہیں اور اہل لین میرے گمان میں وہ لوگ ہیں جن کا کوئی امام جماعت ہوتا ہے اور نہ وہ رمضان کے مہینہ کو پہچانتے ہیں۔

اور ابن زید نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: مسلمانوں سے جدال اور بحث کرنے والے مشرکین تھے۔

(جامع البیان جز ۲۴ ص ۱۰۵۔۱۰۴‘ دارالفکر‘ بیروت‘ ۱۴۱۵ھ)

منکرین تقدیر کے متعلق احادیث اور ان سے تعلقات کا شرعی حکم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قدریہ (منکرین تقدیر) اس امت کے مجوس ہیں‘ اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کرو اور اگر وہ مر جائیں تو ان کے جنازہ میں نہ جاؤ۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۱‘ جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۶۳۲)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قدریہ کو مجوس اس لیے فرمایا کیونکہ مجوس دو خدا مانتے ہیں‘ یزداں اور اہرمن‘ یزداں نور ہے‘ وہ خیر کا خالق ہے اور اہرمن ظلمت ہے‘ وہ شر کا خالق ہے‘ اسی طرح قدریہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صرف خیر کا خالق ہے اور شر کا خالق کوئی اور ہے حالانکہ اللہ سبحانہ خیر اور شر دونوں کا خالق ہے اور اس نے شر کو کسی حکمت کی وجہ سے پیدا کیا ہے‘ نیز قدریہ یہ کہتے ہیں کہ انسان کے افعال کا خود انسان خالق ہے‘ ہم کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ انسان کا بھی خالق ہے اور اس کے افعال کا بھی خالق ہے‘ البتہ انسان کے افعال کا کسب اور قصد انسان کرتا ہے اور جس چیز کا انسان کسب اور قصد کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ پیدا کر دیتا ہے‘ پس اللہ تعالیٰ خالق ہے اور انسان کاسب ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر امت میں مجوس ہوتے ہیں اور اس امت کے مجوس وہ لوگ ہیں جو تقدیر کا انکار کرتے ہیں‘ ان میں سے جو مر جائے تم اس کے جنازہ پر نہ جاؤ اور جو ان میں سے بیمار ہو جائے تم اس کی عیادت نہ کرو‘ یہ دجال کا گروہ ہے اور اللہ پر حق ہے کہ وہ ان کو دجال کے ساتھ ملا دے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قدریہ کا جو حکم بیان فرمایا ہے کہ اگر یہ مر جائیں تو ان کے جنازہ پر نہ جاؤ اور اگر یہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کرو‘ تمام گمراہ فرقوں کا یہی حکم ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے پسند فرمالیا اور میرے لیے میرے اصحاب کو اور میرے سسرالی رشتہ داروں اور دامادوں کو پسند فرمالیا اور عنقریب کچھ لوگ آئیں گے جو ان کو بُرا کہیں گے اور ان کا نقص بیان کریں گے‘ تم ان کے ساتھ نہ بیٹھنا اور نہ ان کے ساتھ کھانا پینا اور نہ ان کے ساتھ نکاح کرنا۔ (کتاب الضعفاء الکبیر ج ۱ ص ۱۲۶‘ رقم الحدیث: ۱۵۳‘ دارالکتب العلمیہ‘ بیروت‘ ۱۴۱۸ھ‘ کنز العمال ج ۱۱ ص ۵۲۹‘ جمع الجوامع ج ۲ ص ۲۲۸‘ المستدرک ج ۳ ص ۶۳۲‘ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۷‘ السنۃ لابن ابی عاصم ج ۲ ص ۴۸۳‘ حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۱۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور ان کو زنجیروں کے ساتھ گھسیٹا جائے گا O سخت گرم پانی میں‘ پھر ان کو دوزخ کی آگ میں جھونک دیا جائے گا O پھر ان سے پوچھا جائے گا کہ اب وہ کہاں ہیں جن کو تم (دنیا میں اللہ کا) شریک قرار دیتے تھے؟ O جو اللہ کے سوا تھے‘ وہ کہیں گے: وہ ہم سے گم ہو گئے‘ بلکہ ہم اس سے پہلے کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے‘ اسی طرح اللہ کافروں کو گم راہ کرتا ہے O (اے کافرو!) تمہارا یہ عذاب اس وجہ سے ہے کہ تم زمین میں اپنی کامیابی پر ناحق اتراتے تھے اور بے جا اکڑتے پھرتے تھے O اب جہنم کے دروازوں میں ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہو جاؤ‘ پس تکبر کرنے والوں کا کیسا بُرا ٹھکانہ ہے O پس آپ صبر کیجئے‘ بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے‘ ہم نے ان کو جس عذاب سے ڈرایا ہوا ہے خواہ ہم اس میں سے کچھ آپ کو دکھائیں یا ہم اس سے پہلے آپ کو وفات دے دیں سو ان کو تو بہر حال ہماری طرف لوٹایا جائے گا O (المومن: ۷۷۔۷۱)

مشکل الفاظ کے معانی

المومن: ۷۱ میں ''اغلال'' کا لفظ ہے' یہ غُل کی جمع ہے' غُل اس چیز کو کہتے ہیں جس کے وسط میں اعضاء کو باندھا جاتا ہے' جس چیز سے اس کے ہاتھوں اور گردن کو باندھ دیا جائے اس کو غُل کہتے ہیں' اس کا معنیٰ طوق ہے۔ اعناق عنق کی جمع ہے' اس کا معنیٰ گردن ہے۔ السلاسل' سلسلۃ کی جمع ہے' اس کا معنیٰ زنجیر ہے'' یسحبون'' سحب سے بنا ہے' اس کا معنیٰ ہے: بختی کے ساتھ گھسیٹنا' اسی سے سحاب بنا ہے' جس کا معنیٰ بادل ہے کیونکہ ہوا بادل کو بختی کے ساتھ گھسیٹتی ہے۔ اس آیت کا معنیٰ اس طرح ہے کہ ان کے ہاتھوں کو ان کی گردنوں کے ساتھ ملا کر باندھ دیا جائے گا' پھر ان کو زنجیروں کے ساتھ باندھ کر گھسیٹا جائے گا۔

المومن: ۷۲ میں ''الحمیم'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: کھولتا ہوا گرم پانی'' یسجرون '' کا لفظ سجر سے بنا ہے' اس کا معنیٰ ہے: تنور میں ایندھن بھر کر اس کو گرم کرنا۔

المومن: ۷۵ میں ''تفرحون'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: خوشی سے اترانا'' تمرحون '' مرح سے بنا ہے' اس کا معنیٰ ہے: بہت زیادہ خوش ہو کر اکڑنا۔

آخرت میں کفار کا عذاب

المومن: ۷۲۔۷۱ کا معنیٰ ہے: مشرکین کے ہاتھوں کو ان کی گردنوں کے ساتھ ملا کر طوق میں جکڑ دیا جائے گا' پھر ان کو زنجیروں کے ساتھ باندھ کر کھولتے ہوئے پانی میں گھسیٹا جائے گا' پھر ان کو دوزخ کی آگ میں جھونک دیا جائے گا' قرآن مجید کی دیگر آیات میں بھی مشرکین کے عذاب کو بیان فرمایا ہے:

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِىْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ○ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِى النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ؕ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ○ (القمر: ۴۸۔۴۷)

بے شک مجرمین گم راہی اور عذاب میں ہوں گے ○ جس دن ان کو ان کے مونہوں کے بل دوزخ کی آگ میں گھسیٹا جائے گا (اور ان سے کہا جائے گا:) لو دوزخ کی آگ کا مزا چکھو ○

اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ؕ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ ؕ بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ○ (الکہف: ۲۹)

بے شک ہم نے ظالموں کے لیے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناطیں ان کا احاطہ کرلیں گی' اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی اس پانی سے کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا جو ان کے چہروں کو بھون ڈالے گا' وہ کیسا برا پانی ہے اور وہ کیسی بری آرام کی جگہ ہے ○

وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ○ (محمد: ۱۵)

ان کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا ○

المومن: ۷۷۔۷۳ کا خلاصہ یہ ہے کہ پھر مشرکین سے پوچھا جائے گا: اب وہ کہاں ہیں' جن کو تم دنیا میں اللہ کا شریک قرار دیتے تھے؟ وہ کہیں گے: اب وہ ہم کو دکھائی نہیں دے رہے کہ ہم ان کی سفارش کرائیں اور اب ہمیں معلوم ہو گیا کہ وہ کوئی چیز نہ تھے اور ہمارے کسی کام نہیں آ سکتے تھے اور اس وقت اس کا انکار کر دیں گے کہ وہ دنیا میں ان کی عبادت کرتے تھے اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے بتوں کو ان سے گمراہ کر دیا تھا یعنی ان کی آنکھوں سے دور کر دیا تھا اسی طرح اللہ ان کو بھی ان کے بتوں سے دور کر دے گا اور گم راہ کر دے گا' حتیٰ کہ اگر وہ ایک دوسرے کو طلب کریں تو اس کو نہیں پا سکیں گے اور ان کو آخرت میں ایک دوسرے سے اس لیے گم راہ کیا جائے گا کہ مشرکین دنیا میں اپنے شرک اور بت پرستی پر اتراتے تھے اور اکڑتے تھے۔

الحجر:۴۴ میں ہے: ”دوزخ کے سات دروازے ہیں‘ سو کافروں سے کہا جائے گا: تم ان سات دروازوں میں ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہو جاؤ‘ پس یہ تکبر کرنے والوں کا بُرا ٹھکانا ہے“۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑنے والوں کا عذاب بیان فرمایا ہے‘ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آپ ان جھگڑنے والوں کی ایذاء پر صبر کریں‘ اللہ تعالیٰ نے جو آپ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ آپ کی نصرت فرمائے گا اور ان جھگڑنے والوں کو سزا دے گا اس کا یہ وعدہ برحق ہے‘ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا دی اور غزوۂ بدر میں آپ کو فتح اور ان کو شکست سے دوچار کیا اور آخرت کا عذاب دکھانے سے پہلے ہم ان کو وفات دے دیں گے تو بہرحال انہوں نے ہماری طرف لوٹنا ہے اور ہم ان کو وہاں عذاب میں مبتلا کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے آپ سے پہلے بھی بہت رسول بھیجے‘ ہم نے ان میں سے بعض کے قصے آپ کے سامنے بیان کیے اور بعض کے قصے بیان نہیں کیے اور کسی رسول کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی معجزہ لے آئے‘ پھر جب اللہ کا حکم ہو گا تو حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور اس وقت باطل پرست نقصان اٹھانے والے ہوں گے O (المومن:۷۸)

مشرکین کے فرمائشی معجزات عطا نہ کرنے کی وجہ

مشرکین میں سے جو آپ کی نبوت میں جدال اور بحث کرتے تھے وہ آپ سے فرمائشی معجزات طلب کرتے تھے مثلاً آپ چشمے جاری کر دیں یا انگوروں اور دیگر پھلوں کے باغ کھلا دیں یا آسمانوں پر چڑھ جائیں وغیرہ وغیرہ‘ اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے پہلے جتنے نبی بھیجے ہیں خواہ ان کا قصہ آپ سے بیان کیا ہے یا نہیں‘ سب نبیوں کو اتنے ہی معجزات عطا کیے ہیں جتنے معجزات ان کی نبوت اور رسالت کو ثابت کرنے کے لیے کافی تھے اور کسی نبی کو اس کی کافر قوم کے فرمائشی معجزات عطا نہیں کیے اور نہ کسی نبی کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر ازخود کوئی معجزہ پیش کر دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کلی اور علم ما کان و ما یکون پر ایک اعتراض کا جواب

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ہم نے بہت رسول بھیجے ہیں اور بعض کے قصے آپ سے بیان کیے ہیں اور بعض کے قصے بیان نہیں کیے‘ بعض علماء اس آیت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ یہ آیت اس باب میں نص قطعی ہے کہ آپ کو کل رسولوں کا علم نہیں تھا‘ تو آپ کے حق میں علم کلی کا یا علم ما کان و ما یکون کا دعویٰ کرنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ ہم نے زمانہ ماضی میں آپ کے سامنے بعض رسولوں کے قصے بیان نہیں کیے‘ اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ اس کے بعد مستقبل میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ سے باقی رسولوں کے قصے بیان نہیں کیے‘ جب کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:

كُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ. ہم آپ کے سامنے تمام رسولوں کی خبریں بیان فرما رہے ہیں۔ (ھود:۱۲۰)

پس زمانہ ماضی میں آپ کو بعض رسولوں کی خبریں نہیں بیان فرمائیں اور مستقبل میں آپ کو تمام رسولوں کی خبریں بیان فرما دیں‘ سو المومن:۷۸ آپ کے علم کلی یا علم ما کان و ما یکون کے منافی نہیں ہے جب کہ ھود:۱۲۰ میں تمام رسولوں کے علم کا اثبات ہے۔

اور صحابہ کرام کو بھی اس پر اعتماد تھا کہ آپ کو تمام رسولوں کا علم ہے‘ اس لیے وہ آپ سے پوچھتے تھے کہ نبیوں اور رسولوں

کی تعداد کتنی ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

نبیوں' رسولوں' کتابوں اور صحیفوں کی تعداد کی تحقیق

امام ابونعیم اصبہانی نے اپنی سند کے ساتھ ایک بہت طویل حدیث روایت کی ہے' اس موضوع سے متعلق اس روایت کا درمیانی حصہ ہم پیش کر رہے ہیں:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! انبیاء کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! رسول کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تین سو تیرہ جم غفیر ہیں' میں نے کہا: بہت اچھے ہیں' میں نے کہا: یارسول اللہ! پہلا نبی کون ہے؟ آپ نے فرمایا: آدم' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا وہ نبی مرسل ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور ان میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی' پھر ان کو اپنے سامنے بنایا' پھر آپ نے فرمایا: اے ابوذر! چار نبی سریانی ہیں: آدم' شیث اور خنوخ' یہ ادریس ہیں جنہوں نے سب سے پہلے قلم سے خط کھینچا اور نوح اور چار نبی عرب ہیں: ھود' صالح' شعیب اور تمہارے نبی' اے ابوذر! میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے کتنی کتابیں نازل کیں' آپ نے فرمایا: سو صحیفے اور چار کتابیں' شیث پر پچاس صحیفے نازل کیے گئے' خنوخ پر تیس صحیفے نازل کیے گئے' ابراہیم پر دس صحیفے نازل کیے گئے اور موسیٰ پر تورات سے پہلے دس صحیفے نازل کیے گئے اور تورات' انجیل' زبور اور فرقان کو نازل کیا گیا۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۶۷' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اس حدیث کو امام ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(موارد الظمآن ص ۵۴-۵۲' مطبوعہ دار الکتاب العلمیہ' بیروت)

امام احمد نے بھی دو سندوں سے اس حدیث کو حضرت ابوذر سے روایت کیا ہے' مگر اس میں تین سو پندرہ رسولوں کا ذکر ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۶' ۱۷۹' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ' طبع قدیم)

(مسند احمد ج ۳۵ ص ۴۳۸-۴۳۵' رقم الحدیث: ۲۱۵۵۰' مسند احمد ج ۳۶ ص ۶۱۹-۶۱۸' رقم الحدیث: ۲۲۲۸۸' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۱ھ' اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۷' المستدرک ج ۲ ص ۲۷۴' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۳۸۱' مشکل الآثار للطحاوی رقم الحدیث: ۴۷۸' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۳۹۱-۴۲۰' ج ۲ ص ۲۹۶' ج ۴ ص ۲۰۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۹۱' المعجم الکبیر ج ۲۰ رقم الحدیث: ۲۶۹-۲۶۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۰۴' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۷۸۸)

امام ابن عساکر نے بھی اس حدیث کو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(تہذیب تاریخ دمشق ج ۶ ص ۳۵۷-۳۵۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

حافظ الہیثمی نے بھی امام احمد اور امام طبرانی کے حوالوں سے تین سو پندرہ رسولوں کا ذکر کیا ہے اور اس حدیث کو ضعیف لکھا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۵۹' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حافظ سیوطی نے الجامع الکبیر میں اس حدیث کو امام ابن حبان' امام اصبہانی اور امام ابن عساکر کے حوالوں سے لکھا ہے اور اس میں تین سو تیرہ رسولوں کا ذکر ہے۔

(جامع الاحادیث الکبیر ج ۷ ص ۲۰۶-۲۰۴' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ' جمع الجوامع ج ۱۵ ص ۵۴۶-۵۴۴' رقم الحدیث: ۱۵۰۷۶)

علامہ علی متقی نے بھی اس حدیث کا حافظ سیوطی کے حوالوں سے ذکر کیا ہے۔

(کنز العمال ج ۱۶ ص ۱۳۴-۱۳۳' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

حافظ سیوطی نے الدرالمنثور میں لکھا ہے: امام عبد بن حمید' امام حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں' امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں' امام حاکم اور امام ابن عساکر نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! انبیاء کتنے تھے؟ فرمایا: ایک لاکھ اور چوبیس ہزار نبی تھے' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ان میں سے رسول کتنے تھے؟ فرمایا: تین سو تیرہ کا جم غفیر تھا' اس حدیث کو امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں وارد کیا ہے اور امام ابن الجوزی نے موضوعات میں وارد کیا ہے اور یہ دونوں متضاد ہیں اور صحیح بات یہ ہے: یہ حدیث ضعیف ہے' نہ موضوع ہے نہ صحیح ہے' جیسا کہ میں نے مختصر الموضوعات میں بیان کیا ہے۔ (الدرالمنثور ج ۲ ص ۲۴۶' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران' الدرالمنثور ج ۲ ص ۶۹۱' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت دو جگہ ذکر کی ہے' اس میں ذکر ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں اور تین سو پندرہ رسول ہیں۔ (جامع المسانید والسنن رقم الحدیث: ۱۰۲۳۲-۱۱۴۰۴' دارالفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام ابویعلیٰ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار نبی مبعوث کیے۔ چار ہزار بنو اسرائیل کی طرف اور چار ہزار باقی لوگوں کی طرف۔

(مسند ابویعلیٰ ج ۴ ص ۱۵۷' مطبوعہ دارالمامون تراث' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

امام حاکم نے اس حدیث کو حضرت انس سے موقوفاً روایت کیا ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۵۹۷' مطبوعہ دارالباز' مکہ مکرمہ)

امام ابویعلیٰ اور امام حاکم نے جن سندوں سے اس حدیث کو روایت کیا ہے ان میں ابراہیم اور یزید رقاشی نام کے دو راوی ہیں۔ امام ذہبی نے ان دونوں کے متعلق لکھا ہے کہ یہ ضعیف راوی ہیں۔ (تلخیص المستدرک ج ۲ ص ۵۹۷' مطبوعہ دارالباز' مکہ مکرمہ)

علامہ بدرالدین عینی نے امام ابن حبان کی صحیح اور امام ابن مردویہ کی تفسیر کے حوالوں سے حضرت ابوذر کی حدیث ذکر کی ہے اور امام ابویعلیٰ اور حافظ ابوبکر اسماعیلی کے حوالوں سے حضرت انس کی روایت ذکر کی ہے اور کوئی محاکمہ نہیں کیا۔

(عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۲۰۴' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

حضرت ابوذر نے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں اور ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں' اس حدیث کو امام ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۶۱' مطبوعہ دارنشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

حافظ ابن حجر نے امام ابویعلیٰ اور امام حاکم کی روایت کا ذکر نہیں کیا' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ روایت ان کے نزدیک معتبر نہیں ہے اور امام ذہبی نے اس کے راویوں کی جو تضعیف کی ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور انہوں نے امام ابن حبان کی تصحیح کو بلاتبصرہ نقل کیا ہے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت ان کے نزدیک صحیح ہے اور حدیث کی تحقیق کے سلسلہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی بہت معتمد ہیں' اس لیے یہی صحیح ہے کہ انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں۔

علامہ تفتازانی نے لکھا ہے کہ ایک روایت میں ہے کہ دو لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ہیں۔

(شرح عقائد ص ۹۷' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز' کراچی)

علامہ پرہاروی نے لکھا ہے کہ میرا گمان ہے کہ حافظ سیوطی نے کہا ہے کہ میں اس روایت سے واقف نہیں ہوں۔

(نبراس ص ۴۴۷' مطبوعہ مکتبہ قادریہ' لاہور' ۱۳۹۷ھ)

میں نے اس سلسلہ میں تمام متداول کتب حدیث اور علماء کی تصانیف کو دیکھا ہے لیکن دو لاکھ کی روایت کہیں نہیں ملی'

حافظ ابن کثیر اور حافظ سیوطی نے اس سلسلہ میں تمام روایات کو جمع کیا ہے' لیکن دو لاکھ کی روایت ان میں نہیں ہے اور حافظ ابن کثیر اور حافظ سیوطی کے مقابلہ میں علم روایت حدیث پر علامہ تفتازانی کی نظر بہت کم ہے' بلکہ علامہ تفتازانی نے کئی ایسی احادیث ذکر کی ہیں جن کا کوئی وجود نہیں مثلاً یہ حدیث ''جس نے اپنے زمانہ کے امام کو نہیں پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا''۔

(شرح عقائد ص ۱۰۶' شرح مقاصد ج ۵ ص ۲۳۹)

حافظ ابن کثیر نے ان تمام احادیث کو تفصیل اور سندوں کے ساتھ لکھا ہے جن کے ہم نے حوالے دیئے ہیں اور ان سب کو ضعیف قرار دیا ہے' پھر اس کے آخر میں انہوں نے لکھا ہے کہ امام احمد اور امام ابو یعلیٰ نے حضرت ابو سعید سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ہزار یا اس سے زیادہ نبیوں کا خاتم ہوں' امام احمد کی یہ سند زیادہ صحیح ہے اور اس حدیث کو امام بزار نے بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۶۶۴' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ' تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۵۴' مطبوعہ ادارۂ اندلس' بیروت' ۱۳۸۵ھ)

ہر چند کہ حافظ ابن کثیر کی تحقیق یہی ہے لیکن زیادہ تر محدثین کا اعتماد حضرت ابو ذر کی اس روایت پر ہے کہ انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں۔

جن نبیوں کا قرآن مجید میں صراحتاً نام ہے اور جن کا اشارتاً نام ہے

بہرحال اس پر ایمان لانا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس قدر بھی رسول بھیجے وہ سب صادق اور برحق ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کو جو پیغام دے کر بھیجا وہ صحیح اور صادق ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے معجزات دے کر بھیجا جو ان کے صدق پر دلالت کرتے تھے' پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور آخری نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور باقی انبیاء پر اس طرح ایمان ہوگا کہ ان کی شریعت ان کے زمانہ میں نافذ العمل تھی اور اب ان کی شریعت منسوخ ہو چکی ہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ ایمان لانا ضروری ہے کہ آپ خاتم الانبیاء والرسل ہیں اور جو شخص آپ کے رسول ہونے پر ایمان لایا اور آپ کے خاتم الرسل ہونے پر ایمان نہیں لایا وہ مومن نہیں ہوگا۔

قرآن مجید میں اٹھائیس (۲۸) انبیاء علیہم السلام کے نام مذکور ہیں: (۱) حضرت آدم (۲) حضرت نوح (۳) حضرت ادریس (۴) حضرت صالح (۵) حضرت ہود (۶) حضرت ابراہیم (۷) حضرت اسماعیل (۸) حضرت اسحاق (۹) حضرت یعقوب (۱۰) حضرت یوسف (۱۱) حضرت لوط (۱۲) حضرت موسیٰ (۱۳) حضرت ہارون (۱۴) حضرت شعیب (۱۵) حضرت زکریا (۱۶) حضرت یحییٰ (۱۷) حضرت عیسیٰ (۱۸) حضرت داؤد (۱۹) حضرت سلیمان (۲۰) حضرت الیاس (۲۱) حضرت الیسع (۲۲) حضرت ذوالکفل (۲۳) حضرت ایوب (۲۴) حضرت یونس (۲۵) حضرت محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام' ان کے علاوہ تین ناموں کا اور ذکر ہے: ذوالقرنین' عزیر اور لقمان لیکن ان کی نبوت میں اختلاف ہے' بعض نبیوں کا قرآن مجید میں اشارۃً ذکر ہے ''وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ'' (البقرہ: ۲۴۷) اس میں اشمویل کی طرف اشارہ ہے ''اَوْ كَالَّذِىْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ'' (البقرہ: ۲۵۹) اس میں ارمیاہ کی طرف اشارہ ہے ''وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ'' (الکہف: ۶۰) اس میں حضرت یوشع کی طرف اشارہ ہے۔ ''فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا'' (الکہف: ۶۵) میں حضرت خضر کی طرف اشارہ ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾

اللہ ہی نے تمہارے لیے چوپائے پیدا کیے تاکہ ان میں سے بعض پر تم سواری کرو اور بعض کو تم کھاتے ہو○

وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً فِي صُدُورِكُمْ

اور تمہارے لیے ان چوپایوں میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور تاکہ تم ان کے ذریعے اپنی ان ضروریات کو پورا کرو

وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ﴿٨٠﴾ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ

جو تمہارے دلوں میں ہیں اور ان چوپایوں پر اور کشتیوں پر تم سوار کرائے جاتے ہو O اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں

فَأَيَّ آيَاتِ اللَّهِ تُنْكِرُونَ ﴿٨١﴾ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ

دکھاتا ہے پس تم اللہ کی کون کون سی آیتوں کا انکار کرو گے O کیا پس انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا

فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوا

کہ وہ دیکھتے ان سے پہلے لوگوں کا کیسا انجام ہوا' جو ان سے تعداد میں زیادہ تھے

أَكْثَرَ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَمَا أَغْنَى

اور قوت میں بھی بہت سخت تھے اور ان کی زمین میں یادگاریں بھی بہت تھیں' پس ان کے

عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨٢﴾ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

کارناموں نے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا O پس جب ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل

بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ

لے کر آئے تو وہ اس علم پر اترانے لگے جو ان کے پاس تھا اور اس عذاب نے انہیں گھیر لیا

مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٨٣﴾ فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا

جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے O پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہنے لگے:

آمَنَّا بِاللَّهِ وَحْدَهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ ﴿٨٤﴾ فَلَمْ

ہم اللہ پر ایمان لائے جو واحد ہے اور اب ہم ان کا انکار کرتے ہیں جن کو ہم اس کا شریک قرار دیتے تھے O پس

يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا سُنَّتَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ

ان کے ایمان نے ان کو اس وقت کوئی فائدہ نہیں پہنچایا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا' یہ اللہ کا

خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

اس کے بندوں میں قدیم دستور ہے اور اس وقت کافر بہت نقصان میں رہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ ہی نے تمہارے لیے چوپائے پیدا کیے تا کہ ان میں سے بعض پر تم سواری کرو اور بعض کو تم کھاتے ہو O اور تمہارے لیے ان چوپایوں میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور تا کہ تم ان کے ذریعہ اپنی ان ضروریات کو پورا کرو جو تمہارے دلوں میں ہیں اور ان چوپایوں پر اور کشتیوں پر تم سوار کرائے جاتے ہو O اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے' پس تم اللہ کی کون کون سی آیتوں کا انکار کرو گے O (المومن: ۸۱-۷۹)

اللہ تعالیٰ کے بندوں پر انعامات اور احسانات

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر انعام اور احسان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اس نے تمہارے لیے چوپائے پیدا کیے اور یہ اونٹ' گائے اور بکریاں ہیں' ان میں سے بعض پر تم سواری کرتے ہو اور بعض کو تم کھاتے ہو' پس اونٹنیوں پر سواری بھی کی جاتی ہے اور ان کا گوشت کھایا بھی جاتا ہے اور ان کا دودھ بھی دوہا جاتا ہے' اسی طرح گایوں اور بکریوں سے بھی یہ فوائد حاصل ہوتے ہیں اور اونٹوں پر دور دراز کا سفر کیا جاتا ہے اور ان پر بوجھ بھی لادا جاتا ہے اور بیلوں سے زمین میں ہل بھی چلایا جاتا ہے اور بھیڑوں سے اون حاصل کیا جاتا ہے' جس سے سردیوں کا گرم لباس بنایا جاتا ہے اور ان کے دودھ سے گھی' مکھن اور پنیر بھی حاصل کیا جاتا ہے' ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے دوسرے جانوروں کا بھی ذکر فرمایا ہے:

وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ۗ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ O (النحل: ۸)

اور اللہ نے گھوڑوں کو اور خچروں کو اور گدھوں کو پیدا کیا تا کہ تم ان پر سواری کرو اور وہ تمہارے لیے باعث زینت بھی ہیں' اور وہ ان چیزوں کو پیدا فرماتا ہے جو تم نہیں جانتے O

یعنی ان جانوروں کو پیدا کرنے کا اصل مقصد تو یہ ہے کہ تم ان پر سواری کرو تاہم یہ تمہاری زینت کا باعث بھی ہیں' اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے چوپایوں کا ذکر فرمایا تھا۔

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ O (النحل: ۵)

اور اس نے تمہارے فائدے کے لیے چوپائے پیدا کیے جن (کے اون) میں تمہارا گرمی کا لباس ہے اور دیگر فوائد ہیں اور تم ان میں سے بعض کو کھاتے ہو O

النحل: ۸ میں چوپایوں کا عمومی ذکر کرنے کے بعد گھوڑوں' خچروں اور گدھوں کا الگ ذکر کیا' اس سے بعض فقہاء نے یہ استدلال کیا ہے کہ گھوڑا بھی اسی طرح حرام ہے جس طرح گدھا اور خچر حرام ہے' لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں گھوڑوں کو نحر کیا (سینہ پر نیزہ مار کر ذبح کرنا) پھر ہم نے ان کو کھایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۱۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۴۰۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۹۰)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن پالتو گدھوں کے گوشت کو حرام فرمایا اور گھوڑوں کے گوشت کو کھانے کی اجازت دی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۲۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۴۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۸۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۹۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۳۲۷، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۴۴۸۳۹، جامع المسانید والسنن مسند ابن عبداللہ رقم الحدیث: ۸۶۲)

ان حدیثوں سے یہ واضح ہو گیا کہ النحل: ۸ میں جو خصوصیت کے ساتھ گھوڑوں کا الگ ذکر کیا گیا ہے اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ گھوڑوں کا کھانا حرام ہے' بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ پوری دنیا میں گھوڑوں کا غالب استعمال سواری کے لیے کیا جاتا ہے اور وہ اس قدر خوب صورت' مفید اور گراں قیمت جانور ہے کہ خوراک کے طور پر اس کا استعمال بہت نادر ہے اور بھیڑوں اور بکریوں کی طرح اس کو عام طور پر ذبح کر کے کھایا نہیں جاتا۔

توحید اور رسالت پر اللہ تعالیٰ کی نشانیاں

المومن: ۸۱ میں فرمایا: ''اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے' پس تم اللہ کی کون کون سی آیتوں کا انکار کرو گے O''

اللہ تعالیٰ کے وجود' اس کی توحید اور اس کی قدرت کی نشانیاں صرف آسمانوں اور زمینوں میں بکھری ہوئی نہیں ہیں بلکہ تمہارے اپنے وجود میں بھی یہ نشانیاں سمٹی ہوئی ہیں' اللہ تعالیٰ کی سب سے عظیم نشانیاں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی ذوات قدسیہ میں ہیں اور اس سے بڑھ کر منکر کون ہو گا جو ان چمکتی ہوئی واضح نشانیوں کا انکار کرے گا اور مسلمانوں کے لیے سب سے عظیم معجزہ قرآن مجید ہے' جس نے یہ چیلنج کیا کہ اس کی کوئی مثال نہیں لا سکتا اور آج چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود کوئی اس کی مثال نہیں لا سکا اور جس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی اور چودہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکی' حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا معجزہ ہو یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا معجزہ یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ ہو یہ تمام معجزات ان نبیوں کے ساتھ چلے گئے' آج کسی یہودی یا عیسائی کے پاس کوئی معجزہ نہیں ہے جس سے وہ اپنے دین کی صداقت منوا سکے' مگر ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ قرآن مجید ہے' وہ جس طرح کل اسلام کی صداقت کی دلیل تھا' آج بھی اسلام کی حقانیت پر دلیل ہے اور قیامت تک رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا پس انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا کہ وہ دیکھتے ان سے پہلے لوگوں کا کیسا انجام ہوا' جو ان سے تعداد میں زیادہ تھے اور قوت میں بھی سخت تھے اور ان کی زمین میں یادگاریں بھی بہت تھیں' پس ان کے کارناموں نے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا O پس جب ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آئے تو وہ اس علم پر اترانے لگے جو ان کے پاس تھا اور اس عذاب نے انہیں گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے O پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہنے لگے: ہم اللہ پر ایمان لائے جو واحد ہے اور اب ہم ان کا انکار کرتے ہیں جن کو ہم اس کا شریک قرار دیتے تھے O پس ان کے ایمان نے ان کو اس وقت کوئی فائدہ نہیں پہنچایا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا' یہ اللہ کا اس کے بندوں میں قدیم دستور ہے اور اس وقت کافر بہت نقصان میں رہے O (المومن: ۸۵۔۸۲)

کفار مکہ کو عبرت حاصل کرنے کی نصیحت

یعنی جب کفار مکہ سفر کرتے ہیں اور مکہ سے شام یا یمن کی طرف جاتے ہیں تو وہ پچھلی امتوں مثلاً عاد اور ثمود کی بربادی کے آثار اور ان کے کھنڈرات وغیرہ دیکھتے ہیں تو کیا وہ اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے' ان لوگوں کے پاس بہت مال تھا' ان کی اولاد بھی بہت زیادہ تھی' بڑے بڑے لشکر تھے اور بلند و بالا عمارتیں تھیں' لیکن جب ان کے کفر اور شرک اور رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے ان کے اوپر عذاب آیا تو ان میں سے کوئی چیز ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہ بچا سکی۔

المومن: ۸۳ میں فرمایا: ''پس جب ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آئے تو وہ اس علم پر اترانے لگے جو ان

کے پاس تھا''۔

یعنی انہوں نے اللہ کے رسولوں کے علم کے مقابلہ میں اپنے علم کو عظیم اور برتر خیال کیا اور رسولوں کے علم کو کم تر اور حقیر جانا' ان کے علم سے مراد ان کے باطل عقائد اور اندھی تقلید ہے جو دراصل جہل ہے اور اس کو استہزاءً علم فرمایا ہے' ان کا عقیدہ یہ تھا کہ ہم مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے نہیں جائیں گے اور نہ ہم کو عذاب دیا جائے گا' نہ قیامت قائم ہوگی یا ان کے علم سے مراد ہے: ان کو اپنے پیشوں اور اپنی صنعتوں کا علم تھا یا ان کو ستارہ شناسی کا علم تھا یا ان کو شعر و شاعری کا علم تھا اور وہ ان علوم کو بہت بڑی چیز سمجھتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے اور اپنے ان علوم کے مقابلہ میں علوم شرعیہ کو کم تر خیال کرتے تھے۔

موت کے فرشتہ یا آثار عذاب کو دیکھ کر توبہ قبول نہ ہونے کی تحقیق

المومن: ۸۴ میں فرمایا: ''پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہنے لگے: ہم اللہ پر ایمان لائے جو واحد ہے اور اب ہم ان کا انکار کرتے ہیں جن کو ہم اس کا شریک قرار دیتے تھے O''

یعنی جب انہوں نے ہمارے عذاب کا معائنہ اور مشاہدہ کر لیا تو عذاب کی شدت دیکھنے کے بعد کہنے لگے: ہم اللہ پر ایمان لاتے ہیں جو وحدہٗ لاشریک ہے اور جن بتوں کو ہم پہلے اللہ کی عبادت میں شریک کرتے تھے ان کا اب کفر اور انکار کرتے ہیں۔

المومن: ۸۵ میں فرمایا: ''پس ان کے ایمان نے ان کو اس وقت کوئی فائدہ نہیں پہنچایا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا' یہ اللہ کا اس کے بندوں میں قدیم دستور ہے اور اس وقت کافر بہت نقصان میں رہے O''

یعنی وہ اس وقت میں ایمان نہیں لائے جس وقت میں انہیں ایمان لانے کا حکم دیا گیا تھا اور ان سے پہلی امتوں میں اللہ تعالیٰ کا یہ دستور رہا ہے کہ جب کوئی قوم اللہ کا عذاب دیکھ کر اس پر ایمان لاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس ایمان کو قبول نہیں فرماتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایمان وہ معتبر ہے جو ایمان بالغیب ہو اور موت کے وقت کافر کو عذاب کے فرشتے دکھائی دیتے ہیں تو جو کافر عذاب کے فرشتوں کو دیکھ کر ایمان لاتا ہے اس کا ایمان قبول نہیں کیا جاتا' اسی وجہ سے فرعون جو مرتے وقت ایمان لایا تھا اس کا ایمان قبول نہیں فرمایا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَ جُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ O اٰٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ O (یونس: ۹۱-۹۰)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار گزار دیا' پس فرعون اور اس کے لشکر نے (ان پر) ظلم اور زیادتی کرنے کے ارادے سے ان کا پیچھا کیا' حتیٰ کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو اس نے کہا: میں اس پر ایمان لایا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں O (فرمایا:) اب ایمان لایا ہے حالانکہ اس سے پہلے تو نے نافرمانی کی اور تو فساد کرنے والوں میں سے تھا O

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً توبہ قبول کرنے کی خبر دی ہے' فرمایا ہے:

وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَیَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ ۔ (الشوریٰ: ۲۵)

اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ گناہوں کی توبہ کرنا موت سے پہلے پر محمول ہے' اللہ تعالیٰ نے یہ ضابطہ بیان فرما دیا ہے کہ اگر کوئی شخص موت کے وقت توبہ کرے گا تو اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی' قرآن مجید میں ہے:

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ (النساء:۱۸)

ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو مسلسل گناہ کرتے رہتے ہیں، حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی ایک پر موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں نے اب توبہ کی اور نہ ان لوگوں کی توبہ قبول ہوتی ہے جو حالت کفر پر مرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے درد ناک عذاب تیار کر رکھا ہے ۝

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو مسلمان مسلسل گناہ کرتا رہے اور مرتے وقت توبہ کرے یا جو شخص مسلسل کفر کرتا رہے اور مرتے وقت ایمان لائے اس کی توبہ قبول ہوتی ہے نہ اس کا ایمان قبول ہوتا ہے، حدیث میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندہ کی توبہ قبول فرماتا ہے جب تک غرغرہ موت نہ ہو۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۳۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۵۳، مسند احمد ج ۲ ص ۱۳۲۔۱۵۳ طبع قدیم، مسند احمد ج ۱۰ ص ۳۰۰، رقم الحدیث: ۶۱۶۰، مؤسسة الرسالة، بیروت، ۱۴۱۶ھ، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۶۰۹، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۲۸، الکامل لابن عدی ج ۴ ص ۱۵۹۲، حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۱۹۰، المستدرک ج ۴ ص ۲۵۷، شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۰۶۳، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۳۰۶، جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۸۷)

غرغرہ موت کا معنیٰ ہے: جب آدمی کی روح نکل کر اس کے حلقوم تک پہنچ جائے اور اس کو موت کا یقین ہو جائے، اس وقت آدمی کی توبہ قبول نہیں ہوتی، اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ جب آدمی ملک الموت کو دیکھ لے لیکن یہ اکثری حکم ہے کلی نہیں ہے، کیونکہ بعض لوگ ملک الموت کو نہیں دیکھتے اور بعض موت سے پہلے دیکھ لیتے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ جب انسان کی روح اس کے حلقوم تک پہنچ جائے یا وہ آثار عذاب کو دیکھ لے اس وقت اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔

اس پر اس حدیث سے اعتراض ہوتا ہے:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر میں بھیجا، ہم علی الصبح قبیلہ جہینہ کی بستیوں میں پہنچ گئے، میں نے ایک آدمی پر حملہ کیا، اس نے کہا: لا الہ الا اللہ، لیکن میں نے اس کو قتل کر دیا، پھر مجھے اپنے اس فعل کے متعلق کچھ تردد ہوا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے اس شخص کے کلمہ پڑھنے کے باوجود اس کو قتل کر دیا؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس شخص نے جان کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھا، جس سے تم کو پتا چل جاتا کہ اس نے دل سے کلمہ پڑھا تھا یا نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہی کلمات دہراتے رہے، حتیٰ کہ میں نے تمنا کی کہ کاش! میں اسی وقت اسلام لایا ہوتا (تاکہ اس شخص کا قتل زمانۂ جاہلیت کے افعال میں شمار کیا جاتا اور میرے اسلام لانے سے وہ گناہ معاف ہو جاتا)۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۲۶۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۵، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۶۴۳، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۵۹۴، مسند ابو عوانہ رقم الحدیث: ۱۹۲، مسند احمد ج ۵ ص ۲۰۷ طبع قدیم، مسند احمد ج ۳۶ ص ۱۳۳، رقم الحدیث: ۲۱۸۰۲، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۸۱، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۱۹۲۔۱۹، شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۳۱۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۲)

اعتراض یہ ہے کہ اس شخص پر جب حضرت اسامہ نے حملہ کیا اور اس نے موت کو اپنے سامنے دیکھا تو اس نے کلمہ پڑھ لیا اور جب موت کو سامنے دیکھ کر ایمان قبول نہیں ہوتا تو چاہیے تھا کہ اس کا ایمان بھی قبول نہ ہوتا، اس کا جواب یہ ہے کہ اس شخص نے ملک الموت کو دیکھا تھا نہ آثار عذاب دیکھے تھے اور اگر حضرت اسامہ اس کو کلمہ پڑھنے کا موقع دیتے تو اس کا ایمان بالغیب

ہی ہوتا' اس کو اپنی موت کا یقین نہیں تھا بلکہ اس کے برعکس اس کو یہ یقین تھا کہ اس کے کلمہ پڑھنے کی وجہ سے حضرت اسامہ اس کو قتل نہیں کریں گے۔

سورت المومن کا خاتمہ

آج ۲۲ شعبان ۱۴۲۴ھ/۱۹ اکتوبر ۲۰۰۳ء بہ روز ہفتہ بہ وقت صبح سورۃ المومن کی تفسیر ختم ہوگئی' فالحمدللہ رب العلمین۔ اس سورت کی ابتداء ۱۸ ستمبر کو ہوئی تھی گویا ایک ماہ میں اس کی تفسیر مکمل ہوگئی' رب العلمین! جس طرح آپ نے یہاں تک تفسیر مکمل کرا دی باقی تفسیر بھی مکمل کرا دیں اور اس تفسیر کو موافقین کے لیے موجب طمانیت و استقامت اور مخالفین کے لیے موجب ہدایت بنا دیں' میری' میرے والدین کی' اس کتاب کے معاونین' اس کے مصحح' ناشر اور اس کے قارئین کی مغفرت فرما دیں۔ ۷ اگست ۲۰۰۳ء شب جمعہ کو میری والدہ کا انتقال ہوگیا' قارئین سے درخواست ہے کہ وہ ایک بار سورۂ فاتحہ اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب میری والدہ کو پہنچا دیں اور ان کی مغفرت کی دعا کریں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین امام المرسلین شفیع المذنبین وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ واولیاء امتہ و علماء ملتہ وامتہ اجمعین۔
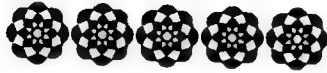
بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمده ونصلی ونسلم علی رسوله الکریم

حٰمٓ السجدہ

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

برصغیر اور دیگر مشرقی ممالک میں اس سورت کا نام حٰمٓ السجدۃ مشہور ہے' حٰمٓ کی وجہ یہ ہے کہ المومن سے الاحقاف تک سات سورتوں کی ابتداء حٰمٓ سے ہوئی ہے اور السجدۃ اس لیے کہ اس سورت میں ایک سجدہ قرآن ہے اور مغربی ممالک اور تونس میں اس سورت کا نام فصلت ہے کیونکہ اس سورت کی تیسری آیت میں ہے:

كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ. (حٰمٓ السجدۃ:۳) یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیات کی تفصیل کی گئی ہے۔

تا کہ یہ سورت ان دوسری سورتوں سے ممیز اور ممتاز رہے جن کی ابتداء حٰمٓ سے کی گئی ہے۔

یہ سورت بالاتفاق مکی ہے' ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۴۱ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۶۱ ہے' یہ سورت المومن کے بعد اور الزخرف سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

حٰمٓ السجدۃ کا زمانہ نزول

یہ سورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ابتدائی دورِ تبلیغ میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ حسب ذیل احادیث سے ظاہر ہوتا ہے:

امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ' امام ابویعلیٰ احمد بن علی متوفی ۳۰۷ھ' امام ابونعیم اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ' امام حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ' امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اور امام علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ اپنی اپنی سندوں کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن قریش اکٹھے ہوئے اور کہنے لگے کہ کسی بڑے جادوگر' کاہن اور شاعر کو ڈھونڈ کر لاؤ' وہ اس شخص کے پاس جائے جس نے ہماری جماعت میں تفرقہ ڈال دیا ہے اور ہمارے دین کی مذمت کی ہے' وہ ان سے بحث کرے اور دیکھے کہ وہ ان کو کیا جواب دیتے ہیں' انہوں نے کہا: ہمیں تو عتبہ بن ربیعہ کے سوا کوئی شخص نظر نہیں آتا' پھر عتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور کہا: اے محمد! آیا تم افضل ہو یا عبد اللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے' پھر اس نے کہا: تم افضل ہو یا عبد المطلب! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر خاموش رہے' اس نے کہا: اگر تم یہ کہتے ہو کہ یہ لوگ تم سے افضل ہیں تو ان لوگوں نے تو ان بتوں کی عبادت کی ہے جن کی تم مذمت کرتے ہو اور اگر تمہارا یہ زعم ہے کہ تم ان سے افضل ہو تو تم اپنی دلیل بیان کرو حتیٰ کہ ہم اس کو سنیں اور اللہ کی قسم! ہمارے علم میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو اپنی قوم کے

لیے تم سے زیادہ بے برکت ہو' تم نے ہماری جماعت کو منتشر کر دیا اور ہمارے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا اور تم نے ہمارے دین کی مذمت کی اور ہم کو تمام عرب میں رسوا کر دیا' حتیٰ کہ پورے عرب میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ قریش میں ایک جادوگر ہے اور قریش میں ایک کاہن ہے' اگر تمہیں کسی عورت سے شادی کرنے کی خواہش ہو تو تم ہمیں بتاؤ کہ تم قریش کی کسی عورت سے شادی کرنا چاہتے ہو' ہم تمہاری اس عورت سے شادی کر دیں گے اور اگر تمہیں مال و دولت کی خواہش ہو تو ہمیں بتاؤ' ہم تمہیں اتنا مال دیں گے کہ تم قریش کے سب سے زیادہ مال دار شخص بن جاؤ گے' آپ نے عتبہ سے پوچھا: کیا تمہاری تقریر ختم ہو گئی؟ اس نے کہا: ہاں! تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حٰمٓ السجدۃ کی آیتوں کو پڑھنا شروع کیا اور اس کی ابتدائی تیرہ آیتوں کی تلاوت کی (ان کا ترجمہ یہ ہے:)

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے O حٰمٓ یہ الرحمٰن الرحیم کی طرف سے نازل کیا ہوا کلام ہے O یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتوں کی تفصیل کی گئی ہے' علم والوں کے لیے عربی قرآن ہے O ثواب کی خوش خبری دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا' پس ان میں سے اکثر نے منہ پھیر لیا سو وہ نہیں سنیں گے O اور انہوں نے کہا: جس دین کی طرف آپ ہمیں بلا رہے ہیں' ہمارے دلوں میں اس پر پردے ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان حجاب ہے' سو آپ اپنا کام کیجئے' ہم اپنا کام کرنے والے ہیں O آپ کہیے میں محض تمہاری مثل بشر ہوں' میری طرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ بے شک تمہارا معبود واحد معبود ہے' تم اسی کی طرف مستقیم رہو اور اسی سے استغفار کرو اور مشرکین کے لیے ہلاکت ہے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور وہ آخرت کا انکار کرنے والے ہیں O بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے ایسا اجر ہے جو ختم نہیں ہو گا O آپ کہیے: کیا واقعی تم اس ذات کا انکار کر رہے ہو جس نے دو دنوں میں زمین کو پیدا کیا اور تم اس کے شرکاء قرار دے رہے ہو' حالانکہ وہی تمام جہانوں کا رب ہے O اور اس نے زمین میں بھاری پہاڑوں کو نصب کر دیا اور اس میں برکت رکھی اور اس نے چار دنوں میں اس کے رہنے والوں کے لیے غذائیں پیدا کیں جو تمام طلب گاروں کے لیے مساوی ہیں O پھر اس نے آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ اس وقت دھواں تھا' پھر اس (آسمان) سے اور زمین سے فرمایا: تم خوشی یا ناخوشی سے حاضر ہو' ان دونوں نے کہا: ہم خوشی سے حاضر ہیں O پس اس نے دو دنوں میں پورے سات آسمان بنا دیئے اور ہر آسمان میں اسی سے متعلق حکم بھیجا اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے مزین فرما دیا اور اسے محفوظ فرما دیا' یہ بہت غالب' بے حد علم والے کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے O پھر بھی اگر وہ اعراض کریں تو آپ کہیے کہ میں نے تمہیں ایسے ہولناک کڑک والے عذاب سے ڈرایا ہے جیسا ہولناک کڑک والا عذاب عاد اور ثمود پر آیا تھا O (حٰمٓ السجدۃ: ۱۳۔۱)

عتبہ نے ان آیات کو سن کر کہا: بس کریں' بس کریں' کیا آپ کے پاس اس کے سوا اور کوئی جواب نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں' پھر عتبہ قریش کے پاس واپس گیا' انہوں نے پوچھا: تم کیا جواب لائے ہو' عتبہ نے کہا: میں نے ان سے ہر وہ بات کہی جو تم خود ان سے اس موضوع پر کہہ سکتے تھے' انہوں نے پوچھا: پھر انہوں نے تم کو کیا جواب دیا؟ اس نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آسمان اور زمین کو قائم کیا' میں ان کی کوئی بات نہیں سمجھ سکا سوا اس کے کہ انہوں نے کہا: میں تم کو ایسے ہولناک کڑک والے عذاب سے ڈرا رہا ہوں جیسا ہولناک کڑک والا عذاب عاد اور ثمود پر آیا تھا' انہوں نے کہا: افسوس ہے' ایک شخص تم سے عربی زبان میں بات کرتا رہا اور تم نہیں سمجھ سکے کہ اس نے کیا کہا ہے' اس نے پھر کہا: نہیں' خدا کی قسم! میں اس کے سوا اور کچھ نہیں سمجھ سکا کہ انہوں نے ہولناک کڑک والے عذاب کا ذکر کیا تھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۲۹۷۔۲۹۴ طبع کراچی' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۸۱۸' دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۱۸۲' المستدرک ج ۲ ص

۲۵۴ طبع قدیم' مکہ مکرمہ' المستدرک رقم الحدیث: ۳۰۰۲ طبع جدید' المکتبۃ العصریہ' بیروت' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۲۰۵۔۲۰۴' دارالکتب العلمیہ' بیروت' تاریخ دمشق الکبیر ج ۴۰ ص ۱۷۸۔۱۷۷۔۱۸۱۔۱۷۹' رقم الحدیث: ۷۲۰۴' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حٰمٓ السجدۃ کے مشمولات

(۱) اس سورت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے تقاضے سے قرآن مجید نازل فرمایا ہے' جو نیک کام کرنے والوں کو ثواب کی بشارت دیتا ہے اور بُرے کام کرنے والوں کو عذاب سے ڈراتا ہے' چاہیے یہ تھا کہ مشرکین بُرے کاموں کو ترک کر کے عذاب سے بچ جاتے' وہ اس کے بجائے آپ سے نزول عذاب کا مطالبہ کر رہے ہیں' آپ کہیے کہ میں بشر ہوں خدا نہیں ہوں' عذاب کو نازل کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے۔

(۲) اس کائنات کو بنانا کوئی کھیل اور تماشا نہیں ہے' یہ اس عظیم الشان خالق کی حکمت کا ساختہ پرداختہ ہے' اس میں کسی دیوی یا دیوتا کا تعاون نہیں ہے' یہ صرف اس خدائے واحد کی تخلیق ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

(۳) کفار مکہ کو سرزنش کی ہے کہ اگر تم ہمارے رسول کی تکذیب سے باز نہ آئے تو تم پر بھی اسی طرح عذاب آئے گا جیسا عذاب تم سے پہلی تکذیب کرنے والی قوموں پر آتا رہا ہے۔

(۴) مشرکین اس امید پر بتوں کی پرستش کر رہے ہیں کہ وہ بت قیامت کے دن اللہ کے پاس ان کی شفاعت کریں گے یہ ان کا خیال خام ہے' ایسا کچھ نہیں ہوگا۔

(۵) اللہ تعالیٰ دوزخ میں کافروں کو جمع کرے گا' ان کافروں میں سردار بھی ہوں گے اور ان کے پیروکار بھی' وہ اپنے عذاب کا الزام ایک دوسرے پر عائد کریں گے اور ایک دوسرے کو لعنت کریں گے۔

(۶) جو لوگ کفار کی زیادتیوں اور ان کے ظلم کے باوجود توحید پر قائم رہیں گے' قیامت کے دن فرشتے ان کو رحمت کی بشارت دیں گے۔

(۷) کفار کی ریشہ دوانیوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کی تلقین اور شیطان کی وسوسہ اندازی پر اللہ کی پناہ طلب کرنے کی ہدایت۔

(۸) توحید' قیامت اور حشر و نشر پر دلائل۔

(۹) قرآن مجید کی عظمت کا بیان اور مخالفین کے اعتراضات کے جوابات۔

(۱۰) قیامت کا مذاق اڑانے والوں کو عذاب کی وعید۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی اعانت سے حٰمٓ السجدۃ کا ترجمہ اور اس کی تفسیر کو شروع کر رہا ہوں۔ الٰہ العٰلمین! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں حق پر قائم اور باطل سے گریزاں رکھنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

خادم الحدیث دارالعلوم نعیمیہ

بلاک-۱۵' فیڈرل بی ایریا' کراچی-۳۸

موبائل نمبر: ۰۳۰۰_۲۱۵۶۳۰۹/ ۰۳۲۱_۲۰۲۱۷۴۴/۰۳۴۵_۲۱۲۰۶۱۷

۲۳ شعبان ۱۴۲۴ھ/ ۲۰ اکتوبر ۲۰۰۳ء

سورۃ حٰمٓ السجدۃ ۴۱ | بسم اللہ الرحمٰن الرحیم | آیاتھا ۵۴ رکوعاتھا ۶

سورہ حم السجدۃ مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے O اس میں چون آیتیں اور چھ رکوع ہیں

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ﴿۲﴾ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ

حا میم O یہ الرحمن الرحیم کی طرف سے نازل کیا ہوا کلام ہے O یہ ایسی کتاب ہے جس کی

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُونَ ﴿۳﴾ بَشِيرًا وَّنَذِيرًا فَاَعْرَضَ

آیتوں کی تفصیل کی گئی ہے، علم والوں کے لیے عربی قرآن ہے O ثواب کی خوش خبری دینے والا اور عذاب

اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿۴﴾ وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِيٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا

سے ڈرانے والا، پس ان میں سے اکثر نے منہ پھیر لیا سو وہ نہیں سنیں گے O اور انہوں نے کہا: جس دین کی طرف آپ ہمیں

تَدْعُونَآ اِلَيْهِ وَفِيٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ

بلا رہے ہیں، ہمارے دلوں میں اس پر، پردے ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ

حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُونَ ﴿۵﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان حجاب ہے، سو آپ اپنا کام کیجئے، ہم اپنا کام کرنے والے ہیں O آپ کہیے:

يُوحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوٓا اِلَيْهِ وَ

میں محض تمہاری مثل بشر ہوں، میری طرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ بے شک تمہارا معبود واحد معبود ہے، تم اسی کی طرف

اسْتَغْفِرُوهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ ﴿۶﴾ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ

مستقیم رہو اور اسی سے استغفار کرو اور مشرکین کے لیے ہلاکت ہے O جو زکوٰۃ (خیرات) ادا نہیں کرتے

الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُونَ ﴿۷﴾ اِنَّ الَّذِينَ اٰمَنُوا

اور وہ آخرت کا انکار کرنے والے ہیں O بے شک جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴿۸﴾ ع

اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے ایسا اجر ہے جو ختم نہیں ہوگا O

الثلٰثۃ

ع ۱ ۸ ۱۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حامیمO یہ الرحمٰن الرحیم کی طرف سے نازل کیا ہوا کلام ہےO یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتوں کی تفصیل کی گئی ہے' علم والوں کے لیے عربی قرآن ہےO ثواب کی خوش خبری دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا' پس ان میں سے اکثر نے منہ پھیر لیا سو وہ نہیں سنیں گےO اور انہوں نے کہا: جس دین کی طرف آپ ہمیں بلا رہے ہیں' ہمارے دلوں میں اس پر پردے ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان حجاب ہے' سو آپ اپنا کام کیجئے ہم اپنا کام کرنے والے ہیںO (حمٓ السجدۃ: ۵۔۱)

حمٓ کے معانی

وہ سات سورتیں جن کو حمٓ سے شروع کیا گیا ان میں حمٓ السجدۃ دوسری سورت ہے' مفسرین نے کہا ہے کہ حمٓ اس سورت کا نام ہے اور بعض نے کہا ہے کہ حمٓ قرآن مجید کا نام ہے اور اس کا قرآن مجید پر اطلاق حقیقتاً ہے' ایک قول یہ ہے کہ ح سے حبیب کی طرف اور م سے محبوب کی طرف اشارہ ہے گویا کہ یوں فرمایا: یہ حبیب سے محبوب کی طرف خطاب ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ح سے حکمت کی طرف اور میم سے منت کی طرف اشارہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر منت اور احسان ہے کہ اس نے اپنی حکمت سے معمور کلام کو ان کی طرف نازل فرمایا' اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے اور اس کی رحمت ہر چیز کو محیط اور شامل ہے' اسی وجہ سے اس نے تمام موجودات کو پیدا فرمایا۔

قرآن مجید کی دس صفات

ہم نے حمٓ کے معانی میں ایک یہ معنیٰ بیان کیا ہے کہ حمٓ قرآن مجید کا نام ہے' پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تین آیتوں میں قرآن مجید کی دس صفات بیان فرمائی ہیں:

(۱) قرآن مجید کا نام حمٓ ہے اور اس کی صفت یہ ہے کہ یہ منزّل ہے یعنی اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے حسب ضرورت و مصلحت نازل کیا گیا ہے۔

(۲) اس کو نازل کرنے والا الرحمٰن اور الرحیم ہے اور جس طرح اس نے اپنی رحمت کے تقاضے سے صحت مند لوگوں کے لیے مقوی غذائیں پیدا فرمائی ہیں اور بیماروں کے لیے دوائیں پیدا فرمائی ہیں اسی طرح قرآن مجید میں اپنی رحمت کے تقاضے سے بندوں کو اس واحد ذات کی طرف ہدایت دی ہے جو ان کی اطاعت اور عبادت کا مستحق ہے اور دنیا میں صالح حیات گزارنے کے لیے جامع دستور عطا فرمایا ہے جس پر عمل کر کے انسان دنیا اور آخرت میں فوز و فلاح حاصل کر سکتا ہے۔

(۳) (ا) اس کلام کو کتاب فرمایا ہے اور کتاب اس چیز کو کہتے ہیں جو چند مضامین کی جامع ہو اور یہ کلام اوّلین اور آخرین کے اہم اور ضروری قصص اور واقعات کا جامع ہے (ب) یہ کلام ہدایت کی تمام انواع اور اقسام کا جامع ہے (ج) انسان کو اپنی دائمی فوز و فلاح کے حصول میں جن چیزوں سے مجتنب ہونا ضروری ہے اور جن چیزوں سے متصف ہونا ضروری ہے یہ کلام ان تمام چیزوں کا جامع ہے۔

(۴) اس کلام کی آیات کی تفصیل کی گئی ہے' یعنی اس کی آیات متعدد انواع کی ہیں: (ا) بعض آیات میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے وجود کا بیان ہے (ب) بعض آیات میں اللہ کی ان چیزوں سے تنزیہ بیان کی گئی ہے جو اس کے لیے موجب نقص ہیں اور اس کی شان کے لائق نہیں ہیں (ج) بعض آیات میں اللہ تعالیٰ کی صفات کمال کو بیان فرمایا ہے (د) بعض آیات میں اس کے وجود پر دلائل ہیں (ہ) بعض آیات میں اس کی توحید کے دلائل ہیں اور اس کے استحقاق عبادت کے

براہین ہیں (و) بعض آیات میں نبیوں اور رسولوں کی ضرورت اور ان کی صفات کا بیان ہے (ز) بعض آیات میں احکام شرعیہ کا ذکر ہے (ح) بعض آیات میں قیامت اور حشر و نشر کے دلائل ہیں (ط) بعض آیات میں گزشتہ امتوں کے صالحین اور فاسقین کے قصص ہیں (ی) بعض آیات میں اعمال کے حساب' میزان' شفاعت' جنت' دوزخ اور ثواب اور عذاب کی تفصیلات ہیں' سو یہ آیات کی دس انواع ہیں۔

(۵) حٰمٓ سے مراد قرآن مجید ہے اور اس کی ایک صفت یہ ہے کہ یہ قرآن ہے' قرآن لفظ قرء سے بنا ہے یا قرن سے' اگر قرء سے بنا ہو تو قرء کا معنیٰ ہے پڑھنا اور اس کو قرآن اس لیے فرمایا کہ یہ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے' قرآن مجید کے سوا دنیا میں کسی کتاب کا کوئی حافظ نہیں ہے' ایک بار پنڈت رام چند نے صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی سے کہا کہ مجھے تمہارے قرآن کے چودہ پارے حفظ ہیں' تم بتاؤ تمہیں ہمارا وید کتنا حفظ ہے؟ صدر الافاضل نے فرمایا: یہ تو میرے قرآن کا کمال ہے کہ وہ دشمن کے سینہ میں بھی چلا گیا اور یہ تمہارے وید کا نقص ہے کہ تمہیں خود بھی وید کی عبارت حفظ نہیں ہے' مکمل وید کو حفظ کرنا تو الگ رہا تم مجھے اس کے چند صفحات کی عبارت ہی زبانی سنا دو' یہ سن کر پنڈت رام چند لاجواب ہو گیا اور اگر قرآن کا لفظ قرن سے بنا ہو تو اس کا معنیٰ ہے ملنا اور ملانا' سو اس کو قرآن اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی تمام سورتیں اور آیتیں باہم مربوط اور ملی ہوئی ہیں اور یہ قرآن بندوں کو خدا سے ملا دیتا ہے۔

(۶) قرآن عربی زبان میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ. ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان میں مبعوث فرمایا ہے۔ (ابراہیم: ۴)

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں ''اِسْتَبْرَقٍ'' کا لفظ ہے (الکہف: ۳۱) اس کا معنیٰ ہے ریشم اور سونے کے تاروں کا بنا ہوا کپڑا اور یہ فارسی زبان کا لفظ ہے اور قرآن مجید میں ''سِجِّيْلٍ'' کا لفظ ہے (ھود: ۸۲) اس کا معنیٰ ہے کنکر اور یہ بھی فارسی کا لفظ ہے' اور قرآن مجید میں ''مِشْكٰوةٍ'' کا لفظ ہے (النور: ۳۵) اس کا معنیٰ ہے طاق اور یہ حبشی زبان کا لفظ ہے اور قرآن مجید میں ''الْقِسْطَاسِ'' کا لفظ ہے (بنی اسرائیل: ۳۵) اس کا معنیٰ ہے ترازو اور یہ رومی زبان کا لفظ ہے اور قرآن مجید میں ''الطُّوْرِ'' کا لفظ ہے (الطور: ۱) اس کا معنیٰ ہے پہاڑ اور یہ سریانی زبان کا لفظ ہے اور قرآن مجید میں ''التنور'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے تندور اور یہ ہندی زبان کا لفظ ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ الفاظ لغات متداخلہ میں سے ہیں' یعنی ان زبانوں میں بھی مستعمل ہیں اور عربی میں بھی مستعمل ہیں' دوسرا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ یہ الفاظ دوسری زبانوں کے تھے لیکن جب عربوں نے ان الفاظ کو قبول کر لیا اور عربوں میں یہ الفاظ بولے جانے لگے تو گویا کہ عربی زبان ہی کے الفاظ ہو گئے' بعض علماء نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ ''قرانا عربیا'' کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ یہ عربی زبان میں نازل ہوا ہے بلکہ اس کا یہ معنیٰ ہے کہ یہ عربی اسلوب پر نازل ہوا ہے لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے اور بعض علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ اس کے تمام الفاظ عربی ہیں بلکہ اس کا یہ معنیٰ ہے کہ اس کے اکثر الفاظ عربی ہیں' یہ جواب صحیح تو ہے لیکن عمدہ جواب نہیں ہے۔

(۷) علم والوں کے لیے عربی قرآن ہے' علم والوں کے لیے اس وجہ سے فرمایا کہ عربی اسلوب اور عربی قواعد کے اعتبار سے جو اس کے نکات ہیں ان کو علم والے ہی سمجھ سکتے ہیں' مثلاً مبتداء کسی جگہ مقدم ہوتا ہے' کسی جگہ مؤخر ہوتا' کہیں اسم ظاہر کو لایا جاتا ہے کہیں اسم ضمیر کو لایا جاتا ہے' کہیں حصر ہوتا ہے' کہیں فصل اور وصل ہوتا ہے' کہیں اجمال اور کہیں تفصیل ہوتی

ہے' کہیں کسی لفظ سے حقیقت مراد ہوتی ہے کہیں اس سے مجاز مرسل اور کہیں مجاز بالاستعارہ مراد ہوتا ہے' کہیں کسی چیز کو ذکر کیا جاتا ہے اور کہیں حذف کر دیا جاتا ہے' کہیں مقتضیٰ ظاہر حال کے موافق کلام ہوتا ہے کہیں خلاف مقتضیٰ ظاہر حال کلام ہوتا ہے' علیٰ ہٰذا القیاس اور یہ ایسے امور ہیں کہ ان کو فصاحت و بلاغت اور فنون عربیہ کے جاننے والے ہی سمجھ سکتے ہیں اسی لیے فرمایا ہے:

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ إِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ○ (العنکبوت:۴۳)

ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لیے بیان فرما رہے ہیں' ان کو صرف علماء ہی سمجھ سکتے ہیں ○

(۸) یہ قرآن بشارت دینے والا ہے' یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں اور بُرے کاموں سے بچتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں ان کے لیے قرآن مجید آخرت میں دائمی نعمتوں اور اجر و ثواب کی بشارت دینے والا ہے۔

(۹) یہ قرآن ڈرانے والا ہے' یعنی جو لوگ اللہ اور رسول پر ایمان نہیں لاتے' شرک اور کفر کرتے ہیں اور فسق و فجور کے کام کرتے ہیں اور لوگوں پر ظلم کرتے ہیں' ان کے لیے قرآن مجید آخرت میں دائمی عذاب اور دوزخ کی وعید سنانے والا ہے۔

(۱۰) کافروں نے قرآن مجید کے پیغام پر کان نہیں دھرا اور اس سے اعراض کیا' بہ ظاہر وہ قرآن مجید کو سنتے ہیں لیکن وہ اس میں غور و فکر نہیں کرتے اور اس کی ہدایت کو قبول نہیں کرتے اور ہدایت یافتہ وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے اور جس کو وہ گمراہی میں چھوڑ دے وہ گم راہ ہے' اس سے پہلے قرآن مجید کی جو نو صفات بیان فرمائی ہیں ان کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن مجید کے معانی میں غور و فکر کیا جائے' تدبر اور تفکر کیا جائے کیونکہ اس کو الرحمٰن اور الرحیم نے نازل کیا ہے' اس لیے اس میں لوگوں کی دائمی رحمت کا سامان ہے اور یہ عربی زبان میں ہے' اس لیے اس سے استفادہ کرنا آسان ہے اور اس میں ثواب کی خوشخبری اور عذاب کی وعید ہے' اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ ان احکام کو جانے جن پر عمل کرنے سے وہ ثواب کا مستحق ہوگا اور ان کاموں کی واقفیت حاصل کرے جن کے نتیجہ میں وہ عذاب کا مستحق ہوگا' اس کے باوجود انہوں نے قرآن مجید سے اعراض کیا اور اس کی طرف توجہ نہیں کی' اللہ تعالیٰ کو یہ شکوہ کافروں سے ہے' لیکن اب اکثر مسلمانوں نے بھی عملاً قرآن کریم سے اعراض کیا ہوا ہے' وہ قرآن کو اللہ کا کلام مانتے ہیں' اس کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں' مخمل کے غلاف میں اس کو لپیٹ کر رکھتے ہیں' لیکن اس کی تلاوت نہیں کرتے' کوئی عزیز فوت ہو جائے تو بس سورۂ یٰسین کی تلاوت کر لیتے یا کسی دینی مدرسہ سے کچھ طلبہ بلوا کر ختم قرآن کرا لیتے ہیں' اس کے معانی کو جاننے کی کوشش نہیں کرتے اس کے احکام پر عمل کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔

کفار کے دلوں پر پردوں اور کانوں میں ڈاٹ کا سبب

حٰمٓ السجدۃ: ۵ میں ہے: ''اور انہوں نے کہا: جس دین کی طرف آپ ہمیں بلا رہے ہیں' ہمارے دلوں میں اس پر پردے ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان حجاب ہے' سو آپ اپنا کام کیجئے ہم اپنا کام کرنے والے ہیں ○''

اس آیت میں ''اکنـہ'' کا لفظ ہے' یہ کنان کی جمع ہے' کنان اس پردے کو کہتے ہیں جو کسی چیز کو چھپا لیتا ہے یعنی اس کی حفاظت کرتا ہے اور اس تک دوسری چیزوں کے پہنچنے سے مانع ہوتا ہے' مشرکین کا کہنا یہ تھا کہ ہمارے دلوں پر ایسے پردے پڑے ہوئے ہیں جو آپ کی دعوت اور پیغام کی فہم اور اس کو سمجھنے سے مانع ہیں اور اس آیت میں ''وقر'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ

ہے ڈاٹ اور کارک، بوتل کے اوپر ایک مضبوط کارک لگا ہوا ہوتا ہے جو باہر کی کسی چیز کو بوتل کے اندر جانے نہیں دیتا، انہوں نے کہا: ہمارے کانوں میں بھی اسی طرح ڈاٹ اور کارک ہے جس کی وجہ سے آپ کی آواز ہمارے کانوں میں نہیں پہنچتی، دراصل ان کے دلوں پر دنیا کی گوناگوں رنگینیوں اور اس کی زیب و زینت کی محبت کے قفل لگے ہوئے تھے اس لیے وہ کوئی ایسی بات سننے اور سمجھنے کے لیے تیار نہیں تھے جس کی وجہ سے ان کی ناجائز خواہشوں کے پورا ہونے میں کوئی کمی آتی یا غیر شرعی لذت اندوزی میں کوئی فرق پڑتا، قرآن مجید میں ہے:

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ. اور انہوں نے کہا: بلکہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں، بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان پر لعنت کر دی ہے۔ (البقرہ: ۸۸)

اور اس آیت میں فرمایا: "اور ہمارے اور آپ کے درمیان حجاب ہے" یہ حجاب ان کی اندھی تقلید اور باطل خواہشوں کا ہے اور کفر اور شرک کے ساتھ ان کی شدید وابستگی اور سخت محبت کا ہے۔

اس آیت میں صرف ان کے دلوں اور کانوں کا ذکر فرمایا ہے اور دل سے مراد عقل ہے اور عقل ادراک کا اصل ذریعہ ہے اور کانوں کے ذریعہ کوئی بات عقل تک رسائی حاصل کرتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ادراک کے تمام ذرائع جو انہیں حاصل تھے وہ ان کی ناجائز خواہشوں اور اندھی تقلید کی وجہ سے معطل ہو چکے تھے اس لیے انہوں نے کہا: "آپ اپنا کام کیجئے ہم اپنا کام کر رہے ہیں"، یعنی ہم آپ کے پیغام پر عمل نہیں کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے میں محض تمہاری مثل بشر ہوں، میری طرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ بے شک تمہارا معبود واحد معبود ہے، تم اسی کی طرف مستقیم رہو اور اسی سے استغفار کرو اور مشرکین کے لیے ہلاکت ہے O جو زکوٰۃ (خیرات) ادا نہیں کرتے اور وہ آخرت کا انکار کرنے والے ہیں O بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا O (حٰمٓ السجدۃ: ۸-۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے کی تحقیق

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ ھ حٰمٓ السجدۃ: ۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

آپ یوں فرمائیں کہ میں اس پر قادر نہیں ہوں کہ میں تم کو جبر اور قہر سے ایمان کے ساتھ متصف کروں کیونکہ میں تمہاری مثل بشر ہوں اور میرے اور تمہارے درمیان صرف یہ امتیاز ہے کہ اللہ عزوجل نے میری طرف وحی نازل فرمائی ہے اور تمہاری طرف وحی نازل نہیں کی، پھر اگر اللہ تم کو توحید پر ایمان لانے کی توفیق دے تو تم ایمان لے آؤ اور اگر وہ تم کو اس توفیق سے محروم رکھے تو تم اس پر ایمان لانے کو رد کر دو۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۴۱، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

میں فرشتہ نہیں ہوں اولادِ آدم سے ہوں۔ حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس قول سے آپ کو تواضع کی تعلیم دی۔
(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۳۰۴، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

قاضی عبد اللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ ھ لکھتے ہیں:

میں فرشتہ یا جن نہیں ہوں کہ تمہارے لیے مجھ سے استفادہ کرنا ممکن نہ ہو اور نہ میں تمہیں کسی ایسی چیز کی دعوت دیتا ہوں جس سے عقل اور کان متنفر ہوں، میں تو تم کو صرف توحید کی اور نیک عمل کی دعوت دیتا ہوں، جن کی صحت پر عقل دلالت کرتی ہے اور نقل بھی اس کے درست ہونے پر شاہد ہے۔ (تفسیر بیضاوی مع الخفاجی ج ۸ ص ۲۹۳-۲۹۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ سید محمود آلوسی نے علامہ بیضاوی کی اس عبارت کو نقل کر دیا ہے۔ (روح المعانی جز ۲۴ ص ۱۴۹ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

میں دیکھا بھی جاتا ہوں اور میری بات سنی بھی جاتی ہے اور میرے اور تمہارے درمیان بہ ظاہر کوئی جنسی مغائرت بھی نہیں ہے' تو تمہارا یہ کہنا کس طرح درست ہو سکتا ہے کہ میری بات نہ تمہارے دل تک پہنچے نہ تمہارے سننے میں آئے اور میرے اور تمہارے درمیان کوئی روک ہو' بجائے میرے کوئی غیر جنس جن یا فرشتہ آتا تو تم کہہ سکتے تھے کہ نہ وہ ہمارے دیکھنے میں آئیں نہ ان کی بات سننے میں آئے' نہ ہم ان کے کلام کو سمجھ سکیں' ہمارے اور ان کے درمیان تو جنسی مخالفت ہی بڑی روک ہے' لیکن یہاں تو ایسا نہیں کیونکہ میں بشری صورت میں جلوہ نما ہوا' تو تمہیں مجھ سے مانوس ہونا چاہیے اور میرے کلام کے سمجھنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی بہت کوشش کرنی چاہیے کیونکہ میرا مرتبہ بہت بلند ہے اور میرا کلام بہت عالی ہے' اس لیے کہ میں وہی کہتا جو مجھے وحی ہوتی ہے

فائدہ: سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بہ لحاظ ظاہر "انا بشر مثلکم" فرمانا حکمت ہدایت وارشاد کے لیے بہ طریق تواضع ہے اور جو کلمات تواضع کے لیے کہے جائیں وہ تواضع کرنے والے کے علو منصب کی دلیل ہوتے ہیں' چھوٹوں کا ان کلمات کو اس کی شان میں کہنا یا اس سے برابری ڈھونڈنا' ترک ادب اور گستاخی ہوتا ہے تو کسی امتی کو روا نہیں کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مماثل ہونے کا دعویٰ کرے' یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ آپ کی بشریت بھی سب سے اعلیٰ ہے' ہماری بشریت کو اس سے کچھ نسبت نہیں۔ (خزائن العرفان بر کنز الایمان ص ۷۵۹' تاج کمپنی لمیٹڈ' کراچی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بشر ہونا بھی ایک معرکۃ الآراء مسئلہ ہے اور اس میں بہت تفریط کی گئی ہے۔ بعض لوگ اس میں غلو کرتے ہیں اور آپ کو نور محض مانتے ہیں اور آپ کے بشر ہونے کا انکار کرتے ہیں اور بعض اس مسئلہ میں تفریط کرتے ہیں اور آپ کو اپنا سا بشر کہتے ہیں۔ تحقیق یہ ہے کہ آپ بشر ضرور ہیں لیکن افضل البشر ہیں اور آپ کے کسی وصف میں آپ کا کوئی مماثل نہیں ہے۔

صدر الشریعہ علامہ امجد علی متوفی ۱۳۷۶ھ لکھتے ہیں:

عقیدہ: نبی اس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے وحی بھیجی ہو اور رسول بشر کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ ملائکہ بھی رسول ہیں۔

عقیدہ: انبیاء سب بشر تھے اور مرد' نہ کوئی جن نبی ہوا نہ عورت۔ (بہار شریعت ج ۱ ص ۹' مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز' لاہور)

صدر الافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

انبیاء وہ بشر ہیں جن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے یہ وحی کبھی فرشتہ کی معرفت آتی ہے کبھی بے واسطہ۔

(کتاب العقائد ص ۸' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی' کراچی)

ان حوالہ جات سے یہ واضح ہو گیا کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت بشر اور انسان ہے اور آپ کا مادہ خلقت چاند اور سورج کی طرح حسی نور نہیں ہے' آپ نور ہدایت ہیں اور نور ہدایت ہی حسی نور سے افضل ہے' ہاں بعض اوقات آپ کے دانتوں کی جھریوں سے حسی نور کی شعاعیں نظر آتی تھیں' آپ بشر ہیں اور بے مثل بشر ہیں' قرآن مجید میں جو ہے: "آپ کہیے: میں تمہاری مثل بشر ہوں"۔ تو یہ مماثلت کسی وجودی وصف میں نہیں ہے' یہ مماثلت صرف عدمی وصف میں ہے یعنی آپ صرف اس چیز میں ہماری مثل ہیں کہ نہ ہم خدا ہیں نہ آپ خدا ہیں اور پوری کائنات میں وجودی وصف میں کوئی آپ کا

مماثل نہیں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بشر ہونا بھی ایک اہم مسئلہ ہے' ہمارے زمانہ میں بعض واعظین نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت نور تھی اور بشریت آپ کا لباس تھی' جب کہ اس کے برخلاف قرآن مجید کی متعدد نصوص میں تصریح ہے کہ آپ بشر تھے اور نوع انسان سے تھے' اگر آپ کی حقیقت بشر اور انسان نہ ہوتی تو آپ انسانوں کے لیے اسوۂ اور نمونہ نہ ہوتے اور آپ کے اعمال انسانوں پر حجت نہ ہوتے اور انسانوں کے لیے آپ سے استفادہ کرنا ممکن نہ ہوتا۔

استقامت کا معنیٰ اور اس کی اہمیت

اس کے بعد فرمایا: ''تم اسی کی طرف مستقیم رہو اور اسی سے استغفار کرو''۔

اس آیت میں ہے: ''تم اسی کی طرف مستقیم رہو''۔ استقامت کا معنیٰ ہے: متوسط طریقہ پر دائم اور مستمر رہنا' یعنی تم عقیدہ توحید پر اور نیک اعمال پر مستقیم رہو اور اس سے سر مو انحراف نہ کرو' استقامت کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: استقامت پر رہو اور تم ہرگز نہ رہ سکو گے اور یاد رکھو تمہارا سب سے اچھا عمل نماز ہے اور وضو کی حفاظت صرف مومن ہی کر سکتا ہے (اس حدیث کی سند صحیح ہے)۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۷' مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۷ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۷ ص ۶۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۶۔ ۵' سنن دارمی رقم الحدیث: ۶۵۵' المستدرک ج ۱ ص ۱۳۰' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۸۲' المعجم الکبیر للطبرانی رقم الحدیث: ۶۲۷۰' کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۴ ص ۱۶۸' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۹۹۴' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۹۲۵)

علامہ شمس الدین محمد عبد الرؤف مناوی متوفی ۱۰۳۱ھ استقامت کی شرح میں لکھتے ہیں:

قاضی نے کہا: استقامت سے مراد ہے حق کی اتباع کرنا' نیک کام کرنا اور سیدھے راستے کو لازم رکھنا اور یہ بہت مشکل کام ہے' اس کو وہی شخص کر سکتا ہے جس کا قلب کدورات بشریہ اور ظلمات نفسانیہ سے صاف ہو اور تجلیات قدسیہ سے روشن ہو' اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس سے اس کی تائید کی ہو اور اس کو شیطان کی تحریکات' تحریصات اور ترغیبات سے محفوظ رکھا ہو۔

علامہ طیبی نے کہا ہے کہ کامل استقامت سے صرف وہی شخص متصف ہو سکتا ہے جس کا بہت ارفع اور بلند مقام ہو اور یہ انبیاء علیہم السلام کا مقام ہے۔ استقامت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر عمل کرے اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آئے' لوگوں سے خندہ پیشانی سے اور مسکراتے ہوئے ملاقات کرے اور ان کے ساتھ ایسے سلوک کے ساتھ پیش آئے جیسے سلوک کو وہ اپنے ساتھ پسند کرتا ہو' علامہ طیبی نے کہا ہے کہ استقامت کی دو قسمیں ہیں: ایک اللہ تعالیٰ کے ساتھ استقامت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اور دوسری بندوں کے ساتھ استقامت ہے یعنی بندوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آنا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: استقامت پر رہو اور تم ہرگز نہ رہ سکو گے' اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ استقامت کا حق ادا کرنا بہت مشکل ہے اور تم یہ حق ادا نہیں کر سکو گے' کیونکہ اس کا حق ادا کرنا بہت مشکل ہے اور تم اپنی پوری طاقت خرچ کرنے کے بعد بھی اس کا حق ادا نہیں کر سکتے' پس تم حتی الوسع نیک کام کرتے رہو اور نیکی کرنے کے قریب رہو' کیونکہ تم تمام نیک اعمال کا احاطہ نہیں کر سکتے اور مخلوق سے کوئی نہ کوئی تقصیر اور کوتاہی ضرور ہوتی ہے جس پر اسے بعد میں ملال ہوتا ہے اور اس سے آپ کا مقصد اس پر تنبیہ کرنا ہے کہ پوری کوشش کرنے کے باوجود تم سے کوئی نہ کوئی تقصیر ضروری ہوگی۔

قاضی نے کہا: آپ نے یہ اس لیے فرمایا ہے تاکہ تم اس سے غافل نہ ہو اور نیکی کے حصول میں حد سے زیادہ مشقت میں

نہ پڑو اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو تم اپنے عجز اور قصور کی بناء پر جو نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرمائے گا۔

علامہ طیبی نے کہا: آپ نے جو فرمایا ہے: تم ہرگز نہ کر سکو گے' یہ اس لیے ہے کہ اگر استقامت پر رہنا تمہارے لیے دشوار ہو تو سنو! اللہ تعالیٰ کی جو تم پر شفقت اور رحمت ہے وہ بے حساب ہے' جیسے اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ فرمایا تھا:

اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ. (آل عمران: ۱۰۲) اللہ سے اس طرح ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے۔

یعنی کماحقہٗ تقویٰ حاصل کرنا اور کماحقہٗ اس سے ڈرنا واجب ہے' پھر اس پر تنبیہ فرمائی کہ عام مسلمانوں کے لیے اس مرتبہ کو حاصل کرنا مشکل اور دشوار ہے' اس لیے ان پر آسانی کرتے ہوئے فرمایا:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ. (التغابن: ۱۶) سو تم اپنی طاقت کے مطابق اللہ سے ڈرو اور تقویٰ حاصل کرو۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: استقامت پر رہو اور چونکہ ہر چیز میں استقامت پر رہنا امت کے لیے مشکل اور دشوار تھا۔ اس لیے فرمایا: اور تم ہرگز نہ رہ سکو گے (اور امت کے لیے آسان حکم بیان فرمایا) اور یاد رکھو تمہارے لیے سب سے اچھا عمل نماز ہے' یعنی اگر ہر معاملہ میں تمہارے لیے استقامت پر رہنا دشوار ہو تو تم بعض کاموں میں استقامت کو لازم کر لو اور وہ کام نماز ہے جو عبادت کی تمام انواع کی جامع ہے' اس میں قرآن مجید کی تلاوت ہے' تسبیح تکبیر اور تہلیل ہے اور لوگوں سے بات چیت سے اپنے آپ کو روکنا ہے (نماز کے دوران کھانے پینے اور خواہش نفس سے رکنا ہے اور یہ روزہ کا ذائقہ ہے' پاکیزہ کپڑوں کے حصول کے لیے مال خرچ کرنا ہے اور یہ زکوٰۃ کی جھلک ہے' بیت اللہ کی طرف منہ کرنا ہے اور یہ حج کا نمونہ ہے' آرام' کاروبار اور دوستوں اور بیوی بچوں کی مجلس چھوڑ کر مسجد میں آنا ہے اور یہ نفس سے جہاد اور جہاد اکبر ہے) اور یہ مؤمنوں کی معراج ہے اور اللہ کی بارگاہِ اقدس کی طرف قریب کرنے والی ہے اور نماز کی حفاظت وہی کر سکتا ہے جس کا تقویٰ میں قدم راسخ ہو' سو تم نماز کو لازم رکھو اور اس کی حدود کو قائم کرو' خصوصاً نماز کے مقدمہ کو جو کہ وضو ہے اور نصف ایمان ہے اور آپ نے فرمایا: وضو کی حفاظت صرف مومن ہی کر سکتا ہے' ظاہری طہارت تو اعضاء وضو کو دھونا ہے اور باطنی طہارت ناجائز خواہشوں سے اپنے دل کو پاک رکھنا ہے اور اغیار کی محبت سے دل کو صاف رکھنا ہے اور استقامت کے حصول میں کوشش کبھی غالب ہوتی ہے اور کبھی مغلوب ہوتی ہے' یعنی اپنے باطن کو گناہوں کے میل کچیل سے صاف رکھنے کی کوشش اور اس میں استقامت کا کماحقہٗ حصول تمہارے لیے بہت مشکل اور دشوار ہے لیکن تم اپنے باطن کو صاف رکھنے کے لیے بار بار کوشش کرتے رہو جیسے تمہارا وضو ٹوٹ جاتا ہے تو تم پھر دوبارہ وضو کرتے ہو اسی طرح نیکی اور پاکیزگی کے حصول میں اگر تم سے لغزش ہو جائے تو پھر دوبارہ عزم صمیم سے اٹھ کھڑے ہو' پھر سہ بارہ کوشش کرو اور ہمت نہ ہارو اور شیطان سے شکست کو قبول نہ کرو اور استقامت کے حصول میں تادم مرگ لگے رہو' کیونکہ تم استقامت کے معاملہ میں بشریت کے عجز اور ربوبیت کی اعانت کے درمیان ہو اور غفلت اور تقصیر اور کوشش اور محنت کے مابین ہو جیسا کہ تم ہمیشہ باوضو رہنے کی لگن کے باوجود وضو توڑنے اور وضو کرنے کے درمیان رہتے ہو۔

علامہ ذہبی نے کہا: امام ابن ماجہ کی سند میں منصور اور سالم کے درمیان انقطاع ہے' حافظ عراقی نے کہا: اس کی سند کے راوی ثقہ ہیں' حافظ مغلطائی نے کہا: اس کی سند میں کوئی خامی نہیں' علامہ دمیری نے کہا: اس کی سند ثابت ہے' اس حدیث کو جوامع الکلم سے شمار کیا گیا ہے۔ (فیض القدیر ج ۲ ص ۹۷۸۔۹۷۶' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

استقامت کو استغفار پر مقدم کرنے کی توجیہ

اس کے بعد فرمایا: اور اسی سے استغفار کرو' پہلے فرمایا: تم اسی کی طرف مستقیم رہو یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت دائماً کرتے رہو'

پھر فرمایا: اور اسی سے استغفار کرو یعنی اسی سے اپنے گناہوں کی معافی چاہو' فائدہ یہ ہے کہ انسان پہلے رزائل سے خالی ہوتا ہے پھر فضائل سے متصف ہوتا ہے' اس لیے بہ ظاہر پہلے استغفار کا حکم دینا چاہیے تھے پھر مستقیم رہنے کا حکم دینا چاہیے تھے اور یہاں خلاف ظاہر اس لیے ہے کہ بندہ کو استقامت کا حکم دیا لیکن چونکہ استقامت پر رہنا بہت مشکل اور دشوار ہے اس لیے استقامت پر رہنے میں کوئی نہ کوئی خطا اور تقصیر ضرور ہوگی اس لیے یہ ہدایت دی کہ اگر استقامت پر رہنے میں تم سے کوئی کمی یا کوتاہی ہو جائے تو تم اس پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو' اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے کے لیے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی بہت استغفار کرتے تھے' ہر چند کہ آپ ہر نوع کی تقصیر سے مبرا اور منزہ تھے۔ حدیث میں ہے:

حضرت اغر مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (بعض مباح کاموں میں مشغول ہونے کی وجہ سے) میرے قلب پر حجاب چھا جاتا ہے اور میں ہر روز اللہ سے سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۵۱۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۰۲)

زکوٰۃ نہ دینے پر مشرکین کی مذمت کی توجیہ

حٰمٓ السجدۃ: ۷۔۶ میں فرمایا: ''اور مشرکین کے لیے ہلاکت ہے ○ جو زکوٰۃ (خیرات) ادا نہیں کرتے اور وہ آخرت کا انکار کرنے والے ہیں ○''

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ سورہ حٰمٓ السجدۃ مکی ہے' اور زکوٰۃ مدینہ منورہ میں دو ہجری کو فرض ہوئی تھی' پھر اس سورت میں جو مشرکین کی مذمت کی گئی ہے کہ وہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اس کی کیا توجیہ ہے؟ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) مجاہد اور ربیع نے کہا: اس آیت میں زکوٰۃ کا معروف اور اصطلاحی معنیٰ مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد تزکیہ نفس ہے یعنی وہ اپنے اعمال کا تزکیہ نہیں کرتے اور ایمان لا کر اپنے اعمال کو پاک اور صاف نہیں کرتے۔

(۲) حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ لا الہ الا اللہ نہیں کہتے' یعنی اپنے نفسوں کو شرک سے پاک نہیں کرتے۔

(۳) اس آیت میں زکوٰۃ سے مراد نفلی صدقات ہیں یعنی وہ صدقات اور خیرات نہیں کرتے۔

(۴) ہر چند کہ تفصیل کے ساتھ زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی ہے لیکن اجمالاً زکوٰۃ مکہ مکرمہ میں فرض ہوگئی تھی' جس طرح آغاز اسلام میں نماز فرض ہوگئی تھی اسی طرح اجمالاً زکوٰۃ بھی ابتداء اسلام میں فرض ہوگئی تھی' ابتداء میں زکوٰۃ کا لفظ صرف خیرات کا مترادف تھا' اس کی مقدار نصاب' سال گزرنے کی قید اور شرح زکوٰۃ کی تفصیلات مدینہ میں فرض کی گئیں۔ سورۂ مزمل ابتدائی سورت ہے' اس میں ہے:

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ. (المزمل: ۲۰) اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔

آیا کفار فروع کے مخاطب ہیں یا نہیں؟

شوافع کا مؤقف یہ ہے کہ کافر اور مشرک جس طرح ایمان لانے کے مکلّف ہیں اسی طرح وہ احکام شرعیہ پر عمل کرنے کے بھی مکلّف ہیں اور احناف کا مشہور مذہب اس کے خلاف ہے' اس آیت میں چونکہ مشرکین کی اس بات پر مذمت کی ہے کہ وہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین زکوٰۃ ادا کرنے کے بھی مکلّف ہیں اور یہی شافعیہ کا مذہب ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ ھ فرماتے ہیں:

ہمارے اصحاب نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ کفار بھی فروع اسلام کے مکلّف ہیں' وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مشرکین کے لیے ہلاکت ہے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور یہ وعید شدید ان کے شرک کی بناء پر بھی ہے اور ان کے

زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی وجہ سے بھی ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۳۴۲، دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

فقہاء احناف اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں:

کفار اس چیز کے مخاطب ہیں کہ وہ زکوٰۃ اور نماز کی فرضیت کا اعتقاد رکھیں نہ کہ زکوٰۃ ادا کرنے اور نماز پڑھنے کے مخاطب ہیں۔

اور بعض فقہاء احناف نے یہ کہا ہے کہ وہ اس چیز کے مکلف ہیں کہ ایمان لانے کے بعد نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں جیسے مسلمان نماز پڑھنے کے حکم کے مخاطب ہیں کہ وہ وضو کرنے کے بعد نماز پڑھیں۔

اس آیت میں مشرکین کے تین جرائم کی وجہ سے ان کو عذاب کی وعید سنائی ہے' ایک جرم ان کا شرک ہے' دوسرا جرم یہ ہے کہ وہ خیرات اور صدقات نہیں دیتے تھے اور تیسرا جرم یہ ہے کہ وہ آخرت کا انکار کرتے تھے

مومن کی صحت کے ایام کے نیک اعمال کا سلسلہ مرض اور سفر میں بھی منقطع نہیں ہوتا

حٰمٓ السجدۃ: ۸ میں فرمایا: ''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا''۔

اس سے پہلی آیت میں کافروں کی وعید بیان فرمائی تھی اور اس آیت میں مومنوں کے اجر و ثواب کا ذکر فرمایا ہے' مومن صحت کے ایام میں جو نیک عمل کرتا ہے اگر وہ مرض یا سفر کی وجہ سے وہ نیک عمل نہ کر سکے' اللہ تعالیٰ اس کو مرض اور سفر کے ایام میں بھی ان نیک اعمال کا اجر عطا فرماتا رہتا ہے اور اس کے اجر کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا' اس پر حسب ذیل احادیث میں دلیل ہے:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے جسم میں کوئی بیماری ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے اعمال کی حفاظت کرنے والے فرشتوں سے فرماتا ہے: میرا بندہ جو نیک عمل کرتا تھا' اس کے صحیفہ اعمال میں ہر روز وہ عمل لکھتے رہو۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۶' المعجم الکبیر ج ۱۷ ص ۲۸۴)

نیز حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ کسی اچھے طریقے سے عبادت کر رہا ہو پھر وہ بیمار ہو جائے تو جو فرشتہ اس پر مامور ہے اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تندرستی کے ایام میں جو عمل کرتا تھا اس کا وہ عمل لکھتے رہو حتیٰ کہ وہ تندرست ہو جائے۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ۶۸۹۵' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۰۳)

عون بن عبد اللہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن اور اس کی بیماری پر بے قراری تعجب خیز ہے' اگر اس کو معلوم ہو جائے کہ اس کی بیماری میں کتنا اجر ہے تو وہ یہ چاہے گا کہ وہ تاحیات بیمار ہی رہے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی طرف سر اٹھا کر ہنسنے لگے' آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کس وجہ سے آسمان کی طرف دیکھ کر ہنسے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے دو فرشتوں کو دیکھ کر تعجب ہوا' وہ ایک جائے نماز میں اس کے نمازی کو ڈھونڈ رہے تھے' اس جگہ وہ نمازی نہیں ملا تو وہ واپس چلے گئے' پھر انہوں نے عرض کیا: اے ہمارے رب! ہم تیرے فلاں بندہ کا نیک عمل دن رات لکھتے تھے' اب ہم کو معلوم ہوا تو نے اس کو اپنی (تقدیر کی) رسی سے باندھ لیا ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم میرے بندہ کے اسی عمل کو لکھتے رہو جو وہ دن رات کیا کرتا تھا اور اس میں کوئی کمی نہ کرو اور میں نے جتنے ایام اس کو روک لیا ہے ان ایام کا اجر میرے ذمہ ہے اور جو عمل وہ کیا کرتا تھا اس کا اجر اس کو ملتا رہے گا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۳۱۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ' مسند البزار ج ۲ ص ۳۶۵' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۰۷' اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی بندہ بیمار ہو جائے یا کسی سفر پر جائے تو اس کو اس کے ان نیک اعمال کا اجر ملتا رہے گا جو وہ صحت کے ایام میں حالت اقامت میں کیا کرتا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۹۶ 'سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰۹۱ 'مسند احمد رقم الحدیث: ۱۹۹۱۵ 'مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۵۳۳)

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ

آپ کہیے: کیا تم واقعی اس ذات کا کفر کر رہے ہو جس نے دو دنوں میں زمین کو پیدا کیا اور تم اس کے شرکاء

وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۚ﴿۹﴾ وَجَعَلَ فِیْهَا

قرار دے رہے ہو' حالانکہ وہی تمام جہانوں کا رب ہے۔ ○ اور اس نے زمین

رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا

کے اوپر بھاری پہاڑ نصب کر دیئے اور اس میں برکت رکھی اور زمین میں رہنے والوں کی غذا

فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ ﴿۱۰﴾ ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی

بھی چار دنوں میں مقدر کی' جو طلب کرنے والوں کے لیے مساوی ہے ○ پھر اس نے آسمان کی طرف قصد فرمایا

السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا

اور وہ اس وقت دھواں تھا' پھر اس نے آسمان اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی یا ناخوشی

اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ ﴿۱۱﴾ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ

سے حاضر ہو' ان دونوں نے کہا: ہم دونوں بہ خوشی حاضر ہیں ○ تو اس نے دو دن میں ان کو پورے

فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ

سات آسمان بنا دیا اور ہر آسمان میں اسی کے متعلق احکام بھیجے اور ہم نے آسمان دنیا کو

الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ ۖۗ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿۱۲﴾

چراغوں سے مزین فرما دیا اور اس کو محفوظ فرما دیا' یہ بہت غالب' بے حد علم والے کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے ○

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ

پھر بھی اگر وہ اعراض کریں تو آپ کہیے کہ میں نے تمہیں ایسے ہولناک کڑک والے عذاب سے

وَثَمُودَ ﴿١٣﴾ إِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ

ڈرایا ہے جیسا ہولناک کڑک والا عذاب عاد اور ثمود پر آیا تھا O جب ان سے پہلے زمانہ میں اور ان کے بعد کے زمانہ میں

خَلْفِهِمْ أَلَّا تَعْبُدُوٓا إِلَّا اللّٰهَ ۖ قَالُوا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَأَنْزَلَ

(متواتر) رسول آئے کہ تم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو، تو انہوں نے کہا: اگر ہمارا

مَلٰٓئِكَةً فَإِنَّا بِمَآ أُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُونَ ﴿١٤﴾ فَأَمَّا عَادٌ

رب چاہتا تو ضرور فرشتے نازل فرما دیتا سو تمہیں جو پیغام دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس کا انکار کرنے والے ہیں O پس رہے

فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ

عاد تو انہوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور کہا: ہم سے زیادہ قوت والا کون ہے؟

مِنَّا قُوَّةً ۖ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللّٰهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ

کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ جس نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ قوت

مِنْهُمْ قُوَّةً ۖ وَكَانُوا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُونَ ﴿١٥﴾ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ

والا ہے، اور وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے تھے O سو ہم نے (ان کے) منحوس

رِيحًا صَرْصَرًا فِيٓ أَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي

دنوں میں ان پر خوفناک آواز والی آندھی بھیجی، تاکہ ہم انہیں دنیا کی زندگی میں

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ أَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُونَ ﴿١٦﴾

ذلت کے عذاب کا مزا چکھائیں اور آخرت کا عذاب زیادہ رسوا کرنے والا ہے اور ان کی (بالکل) مدد نہیں کی جائے گی O

وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَأَخَذَتْهُمْ

اور رہے ثمود تو ہم نے ان کو ہدایت دی تھی، لیکن انہوں نے گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دی، سو ان کے کرتوتوں کے باعث سخت

صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُونِ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٧﴾ وَنَجَّيْنَا الَّذِينَ

ذلت کے عذاب کی کڑک نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا O اور ہم نے ان لوگوں کو

ع ۲ ۱۶

اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾

(اس عذاب سے) بچالیا جو ایمان لے آئے تھے اور وہ اللہ سے ڈرتے تھے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے: کیا تم واقعی اس ذات کا کفر کر رہے ہو جس نے دو دنوں میں زمین کو پیدا کیا اور تم اس کے شرکاء قرار دے رہے ہو حالانکہ وہی تمام جہانوں کا رب ہے O اور اس نے زمین کے اوپر بھاری پہاڑ نصب کر دیئے اور اس میں برکت رکھی اور زمین میں رہنے والوں کی غذا بھی چار دنوں میں مقدر کی جو طلب کرنے والوں کے لیے مساوی ہے O پھر اس نے آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ اس وقت دھواں تھا' پھر اس نے آسمان اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی یا ناخوشی سے حاضر ہو' ان دونوں نے کہا: ہم بہ خوشی حاضر ہیں O تو اس نے دو دن میں ان کو پورے سات آسمان بنا دیا اور ہر آسمان میں اسی کے متعلق احکام بھیجے اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے مزین فرما دیا اور اس کو محفوظ فرما دیا' یہ بہت غالب بے حد علم والے کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے O پھر بھی اگر وہ اعراض کریں تو آپ کہیے کہ میں نے تمہیں ایسے ہولناک کڑک والے عذاب سے ڈرایا ہے جیسا ہولناک کڑک والا عذاب عاد اور ثمود پر آیا تھا O (حم السجدۃ: ۱۳۔۹)

مشرکین کے کفر کی تفصیل

اس سے پہلے حم السجدۃ: ۶ میں فرمایا تھا: ''آپ کہیے میں محض تمہاری مثل بشر ہوں' میری طرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف واحد معبود ہے O'' اب اسی کے موافق یہ فرمایا ہے کہ عبادت کے استحقاق میں تمہارا ان بتوں کو اللہ کا شریک قرار دینا جائز نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اتنے عظیم الشان آسمانوں' زمینوں اور ان کے درمیان سب چیزوں کو بہت قلیل مدت یعنی چھ دنوں میں پیدا فرما دیا ہے' پس جس ذات کی یہ شان ہے اس کی عبادت کے استحقاق میں ان بے جان لکڑی اور پتھر کی مورتیوں کو اس کا شریک قرار دینا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔

حم السجدۃ: ۹ میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے کفر اور شرک دو گناہوں کا ذکر فرمایا ہے' ان کے کفر کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) مشرکین یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کرنا کفر ہے۔

(۲) وہ اللہ تعالیٰ کے مکلف ہونے کا انکار کرتے تھے' رسولوں کی بعثت کا انکار کرتے تھے' خصوصاً انسان اور بشر کے رسول ہونے کا انکار کرتے تھے اور یہ تمام چیزیں کفر ہیں۔

(۳) وہ اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی اضافت کرتے تھے اور فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے اور یہ تمام باتیں کفر ہیں۔

اور ان کا شرک واضح تھا' وہ اپنے ہاتھوں سے تراش کر بت بناتے تھے' پھر ان کو اللہ کا شریک کہتے تھے' اللہ تعالیٰ ان کا رد فرما رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہ عالم ہے کہ اس نے چھ دنوں میں یہ پوری جیتی جاگتی کائنات کھڑی کر دی' تم ایسے عظیم الشان خالق کو چھوڑ کر لکڑی اور پتھر کے بے جان اور حقیر جسموں کی پرستش کر رہے ہو۔

زمین' آسمان اور ان کے درمیان کی چیزوں کو پیدا کرنے کی تفصیل

حم السجدۃ: ۱۲۔۱۰ میں اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان اور اس میں رہنے والوں کی ضروریات کو پیدا کرنے کی تفصیل بیان فرمائی ہے کہ اس نے زمین کے اوپر بھاری پہاڑ نصب کر دیئے تاکہ وہ اپنے محور پر گردش کرتی رہے اور اپنے مرکز سے ادھر ادھر نہ ہو اور اس میں برکت رکھی' برکت کا معنیٰ ہے: کسی چیز میں خیر کثیر کا حاصل ہونا' یعنی اس نے زمین میں دریا پیدا کیے' درخت پیدا کیے اور درختوں میں پھل پیدا کیے اور مختلف قسم کے حیوانات پیدا کیے اور اس میں ہر وہ چیز پیدا کی جس کی جان داروں کو

زندگی گزارنے کے لیے ضرورت ہو سکتی ہے۔

نیز فرمایا: ''اور زمین میں رہنے والوں کی غذا بھی چار دنوں میں مقدر کی جو طلب کرنے والوں کے لیے مساوی ہے O''

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جانداروں کو اپنی زندگی میں جن چیزوں کی ضرورت پڑ سکتی ہے اللہ تعالیٰ نے وہ سب چیزیں پیدا کیں' اس نے زمین میں روئیدگی کی صلاحیت رکھی' نہروں اور دریاؤں سے پانی مہیا کیا' آسمان سے بارش نازل فرمائی' سورج کی تمازت اور حرارت سے غلہ' اناج اور پھلوں کو پکایا اور چاند کی کرنوں سے ان میں ذائقہ پیدا کیا اور یوں جانداروں کے لیے غذا فراہم کی۔

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ان آیتوں میں فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے دو دنوں میں زمین پیدا کی' چار دنوں میں زمین والوں کے لیے غذا پیدا کی اور دو دنوں میں آسمان پیدا کیے' اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے آٹھ دنوں میں پیدا کیا' حالانکہ دوسری آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے ان سب چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ . (السجدۃ:۴' الفرقان:۵۹' ق:۳۸)

اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ چار دنوں میں زمین والوں کے لیے غذا پیدا کرنے کا جو ذکر ہے اس میں وہ دو دن بھی شامل ہیں جن دو دنوں میں زمین پیدا کی گئی ہے۔

حٰمٓ السجدۃ:۱۱ میں فرمایا ہے: ''پھر اس نے آسمان کی طرف قصد فرمایا'' اس آیت سے معلوم ہوا کہ پہلے زمین بنائی گئی' پھر آسمان بنایا گیا' حالانکہ دوسری آیت میں ہے کہ پہلے آسمان بنایا پھر زمین بنائی' ارشاد ہے:

رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ۙ وَاَغْطَشَ لَیْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ۠ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ۝ (النّٰزعٰت:۳۰-۲۹-۲۸)

اللہ نے آسمان کو بلند کیا پھر اس کو برابر کیا O اس کی رات کو تاریک کیا اور اس کے روشن دن کو نکالا O اور اس کے بعد زمین کو ہموار کیا اور اس کو پھیلایا O

اس کا جواب یہ ہے کہ حٰمٓ السجدۃ:۱۱ میں جو زمین کو آسمان سے پہلے پیدا کرنے کا ذکر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ نفس زمین اور اس کے مادے کو آسمان سے پہلے بنایا اور النّٰزعٰت:۳۰ میں جو آسمان کے بعد زمین کے بنانے کا ذکر ہے اس سے مراد ہے زمین کو پھیلانا اور اس کو ہموار کرنا۔

نیز حٰمٓ السجدۃ:۱۱ میں فرمایا ہے: ''پھر اس نے آسمان اور زمین سے فرمایا: تم دونوں خوشی یا ناخوشی سے حاضر ہو' انہوں نے کہا: ہم خوشی سے حاضر ہیں'' اس سے زمین اور آسمان کا آنا جانا یا معروف طریقہ سے حاضر ہونا مراد نہیں ہے' بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان سے فرمایا: تم وجود میں آ جاؤ سو وہ وجود میں آ گئے' جیسے اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کے متعلق فرمایا: ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔

زمین' آسمان اور ان کے درمیان کی چیزوں کو پیدا کرنے کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اللہ عزوجل نے زمین کو ہفتہ کے دن پیدا فرمایا اور اتوار کے دن اس میں پہاڑوں کو پیدا کیا اور پیر کے دن درختوں کو پیدا فرمایا اور مکروہ چیزوں کو منگل کے دن پیدا فرمایا اور نور کو بدھ کے دن پیدا فرمایا اور جمعرات کے دن اس میں چوپایوں کو پھیلا دیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو سب کے بعد جمعہ کے دن عصر کے بعد پیدا فرمایا اور وہ ساعات جمعہ میں آخری ساعت تھی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۸۹ مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

اس روایت میں آسمانوں کے پیدا کرنے کا ذکر نہیں ہے' امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے جو حدیث روایت کی ہے اس میں پوری تفصیل ہے۔ وہ حدیث یہ ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے کے متعلق سوال کیا' آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اتوار اور پیر کے دن زمین کو پیدا کیا اور منگل کے دن پہاڑوں کو پیدا کیا اور ان نفع آور چیزوں کو پیدا کیا جو پہاڑوں میں ہیں اور بدھ کے دن درختوں کو اور پانی کو اور شہروں کو اور آبادیوں کو اور ویرانوں کو پیدا کیا' یہ وہ چار دن ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے: "آپ کہیے: کیا تم واقعی اس ذات کا کفر کر رہے ہو جس نے دو دنوں میں زمین کو پیدا کیا اور تم اس کے شرکاء قرار دے رہے ہو' حالانکہ وہی تمام جہانوں کا رب ہے O اور اس نے زمین کے اوپر بھاری پہاڑ نصب کر دیئے اور اس میں برکت رکھی اور زمین میں رہنے والوں کی غذا بھی چار دنوں میں مقرر کی جو طلب کرنے والوں کے لیے مساوی ہے O" (حم السجدۃ: ۱۰۔۹) اور اس نے جمعرات کے دن آسمان کو پیدا کیا اور جمعہ کے دن ستاروں' چاند' سورج اور فرشتوں کو تین ساعتوں تک پیدا کیا اور ان تین ساعتوں میں سے پہلی ساعت میں لوگوں کی مدت حیات مقرر فرمائی اور دوسری ساعت میں جن چیزوں سے لوگ نفع اٹھاتے ہیں ان پر آفت کو پیدا کیا اور تیسری ساعت میں حضرت آدم کو پیدا کیا اور ان کو جنت میں رکھا اور ابلیس کو حکم دیا کہ ان کو سجدہ کرے اور آخری ساعت میں اس کو جنت سے نکال دیا' یہود نے پوچھا: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! پھر کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا: پھر اللہ عرش پر جلوہ فرما ہوا' یہود نے کہا: اگر آپ پوری بات بتا دیتے تو آپ کی بات صحیح تھی' سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سخت غضب ناک ہوئے اور اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ○ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ

ہم نے آسمانوں کو اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور ہمیں کوئی تھکاوٹ نہیں ہوئی O سو جو کچھ یہ کہتے ہیں آپ اس پر صبر کیجئے۔ (قٓ: ۳۹۔۳۸)

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۴۷۸' کتاب العظمۃ ص ۲۹۱' رقم الحدیث: ۸۷۹' المستدرک ج ۲ ص ۵۴۳ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۳۹۹۷' المکتبۃ العصریہ ۱۴۲۰ھ' الدر المنثور ج ۷ ص ۱۷۱' کنز العمال ج ۶ ص ۱۲۴)

نیز اس آیت میں ہے: "جو طلب کرنے والوں کے لیے مساوی ہے" امام ابن جریر اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جس شخص کو بھی رزق کی حاجت ہو اور وہ اپنے رب سے اس کے متعلق سوال کرے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی ضرورت کے اعتبار سے زمین میں اس کی روزی کو مقدر کر دیا ہے اور اس کے پیدا ہونے سے پہلے اس کے رزق کو مقرر کر دیا ہے۔

(جامع البیان جز ۲۴ ص ۱۲۳)

زمین اور آسمان کو جو حاضر ہونے کا حکم دیا اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے آسمانوں سے فرمایا: میرے سورج اور چاند کو اور میرے ستاروں کو طلوع کرو اور زمین سے فرمایا: میرے دریاؤں کو جاری کرو اور میرے پھلوں کو نکالو تو انہوں نے کہا: ہم اطاعت کرتے ہیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۴۹۷)

حم السجدۃ: ۱۲ میں ہے: "اور ہر آسمان میں اسی کے متعلق احکام بھیجے اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے مزین فرما دیا اور اس کو محفوظ فرما دیا O"

قتادہ نے کہا: آسمان میں سورج' چاند' سیاروں اور ان کے محوروں کو پیدا کیا اور ہر آسمان میں فرشتوں کو پیدا کیا اور اولوں کو اور برف کو پیدا کیا' حضرت ابن عباس نے فرمایا: ہر آسمان میں ایک بیت ہے جس کے گرد فرشتے طواف کرتے ہیں اور وہ بیت کعبہ کی سمت پر ہے اور آسمان دنیا میں البیت المعمور ہے اور اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ فرماتا ہے اس کی آسمان میں وحی فرماتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ ہر آسمان میں روشن سیارے ہیں اور آسمان کو اللہ تعالیٰ نے ان شیطانوں سے محفوظ فرما دیا جو فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے آسمانوں پر جاتے تھے' ان کے اوپر آگ کے گولے مارے جاتے ہیں جو دور سے شہاب ثاقب دکھائی دیتے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۳۰۸' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

کفار مکہ کو آسمانی عذاب سے ڈرانے کی توجیہ

حٰم السجدہ: ۱۳ میں فرمایا: ''پھر بھی اگر وہ اعراض کریں تو آپ کہیے کہ میں نے تمہیں ایسے ہولناک کڑک والے عذاب سے ڈرایا ہے جیسا ہولناک کڑک والا عذاب عاد اور ثمود پر آیا تھا O''

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت میں کفار مکہ کو اس عذاب سے ڈرایا ہے جو عاد اور ثمود پر آیا تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے ''صاعقة العذاب'' فرمایا' یعنی بجلی کا ایک کڑکا آیا اور اس نے ان کو ہلاک کر دیا اور یہ آسمانی عذاب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس امت کے کافروں کو آسمانی عذاب سے مامون اور محفوظ کر دیا ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ O وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ O

(الانفال: ۳۳۔۳۲)

اور جب انہوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن آپ کی طرف سے برحق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر کوئی دردناک عذاب نازل کر دے O اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ آپ ان کے درمیان ہوں اور وہ ان پر عذاب نازل کر دے اور نہ اللہ کی یہ شان ہے کہ وہ انہیں اس حال میں عذاب دے جب وہ استغفار کر رہے ہوں O

ان آیات سے یہ واضح ہو گیا کہ اہل مکہ پر آسمانی عذاب آنے والا نہیں تھا' پھر ان کو عاد اور ثمود کے عذاب کی مثل سے کیوں ڈرایا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اس بات سے ڈرایا گیا ہے کہ کفار مکہ اپنے کفر اور تکبر کی وجہ سے اسی عذاب کے مستحق ہیں جو عاد اور ثمود پر آیا تھا اور ان کا کفر اور تکبر فی نفسہٖ اس عذاب کا موجب ہے۔ یہ اور بات ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے درمیان ہونا اس عذاب سے امان کا باعث ہے' نیز اس عذاب سے مانع یہ چیز ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان تشریف فرما ہیں تو کفار مکہ کو اس بات سے بے خوف نہیں ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان کے درمیان سے کہیں لے جائے اور پھر ان کے اوپر اس طرح کا آسمانی عذاب نازل کر دے' سو اللہ تعالیٰ کا کفار مکہ کو آسمانی عذاب سے ڈرانا بالکل بجا اور برمحل ہے۔

امام رازی کی توجیہ اور اس پر مصنف کا تبصرہ

امام فخر الدین رازی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ جب کفار مکہ نے یہ جان لیا کہ اس آسمانی عذاب کے استحقاق میں وہ عاد اور ثمود کی مثل ہیں تو انہوں نے اس بات کو جائز قرار دیا کہ ان پر بھی اس عذاب کی جنس سے کوئی چیز آ جائے خواہ وہ عاد اور ثمود کے عذاب سے کم درجہ کا عذاب ہو اور اتنی مقدار ان کو عاد اور ثمود کے عذاب سے ڈرانے کے لیے کافی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۵۴' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ ان کو عاد اور ثمود کے عذاب سے ڈرانے کے لیے اتنی مقدار کافی نہیں ہے۔ کیونکہ معترض یہ کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ان کو اس عذاب سے ڈرایا ہے جو عاد اور ثمود کے عذاب کی مثل ہے نہ کہ عاد اور ثمود سے کم درجہ کے عذاب سے ڈرایا ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ۝ (حٰمٓ السجدۃ: ۱۳)

پس اگر یہ آپ (کی دعوت) سے اعراض کریں تو آپ کہیے: میں تم کو عاد اور ثمود کے عذاب کی مثل عذاب سے ڈرا رہا ہوں ۝

اس لیے اس اعتراض کا صحیح اور مسکت جواب وہی ہے جس کو ہم نے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور تائید سے ذکر کیا ہے۔

اس امت سے صرف آسمانی عذاب اٹھایا گیا ہے' مسخ اور روسخ کا عذاب نہیں اٹھایا گیا

ہم نے جو الانفال: ۳۳۔۳۲ کو نقل کیا ہے اس سے یہ واضح ہو گیا کہ اس امت سے صرف آسمانی عذاب کو اٹھایا گیا ہے اور کسی اور نوع کے عذاب کو اٹھانے کی قرآن اور سنت میں تصریح نہیں کی گئی۔ ہمیں اس پر حیرت ہوتی ہے کہ عوام اور خواص میں یہ مشہور ہے کہ اس امت سے مسخ کے عذاب کو اٹھا لیا گیا ہے۔

قاضی ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ نے لکھا ہے:

اس امت میں مسخ موجود نہیں ہے اور یہ امت مسخ سے مامون ہے۔

(عارضۃ الاحوذی ج ۳ ص ۵۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اور علامہ محمد بن یوسف کرمانی متوفی ۷۸۶ھ نے لکھا ہے:

اس امت میں مسخ جائز نہیں ہے۔ (تحقیق الکواکب الدراری شرح البخاری ج ۵ ص ۴۷' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۱ھ)

حالانکہ احادیث صحیحہ میں یہ تصریح ہے کہ اس امت کے بعض لوگوں کی شکل مسخ کر دی جائے گی۔

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: میری امت میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زنا' ریشم' شراب اور باجوں (آلات موسیقی) کو حلال قرار دیں گے اور کچھ ایسے لوگ پہاڑ کے دامن میں رہیں گے کہ شام کو جب وہ اپنے مویشیوں کا ریوڑ لے کر لوٹیں گے اور ان کے پاس کوئی فقیر اپنی حاجت لے کر آئے گا تو کہیں گے: ''کل آنا'' اللہ تعالیٰ ان پر پہاڑ گرا کر ان کو ہلاک کر دے گا اور دوسرے لوگوں (شراب اور آلات موسیقی کے حلال کرنے والوں) کو مسخ کر کے قیامت تک کے لیے بندر اور خنزیر بنا دے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۹۰)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ جو لوگ زنا' ریشم' شراب اور آلاتِ موسیقی کو حلال قرار دیں گے ان کو مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنا دیا جائے گا' اسی طرح اس امت میں مسخ اور خسف کے ثبوت میں امام ترمذی نے تین حدیثیں روایت کی ہیں' ان میں سے ایک حدیث یہ ہے:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میری امت پندرہ کام کرے گی تو اس پر عذاب کا آنا جائز ہو جائے گا' آپ نے فرمایا: (۱) جب مال غنیمت کو ذاتی ملکیت بنا لیا جائے گا (۲) اور امانت کو مال غنیمت بنا لیا جائے گا (۳) اور جب زکوٰۃ کو جرمانہ سمجھا جائے گا (۴) اور جب مرد اپنی بیوی کی پیروی کرے گا (۵) اور ماں کی نافرمانی کرے گا (۶) اور جب اپنے دوسرے کے ساتھ نیکی کرے گا (۷) اور باپ کے ساتھ بے وفائی کرے گا (۸) اور جب مسجد میں آوازیں بلند کی جائیں گی (۹) اور کمینہ شخص کو قوم کا سردار بنایا جائے گا (۱۰) اور کسی شخص کے شر سے بچنے کے لیے اس کی تکریم کی جائے گی (۱۱) اور شرابیں پی جائیں گی (۱۲) اور ریشم پہنا جائے گا (۱۳) اور گانے والیوں کو رکھا

جائے گا (۱۴) اور آلاتِ موسیقی کا رواج ہوگا (۱۵) اور اس امت کے پچھلے لوگ اگلے لوگوں کو برا کہیں گے' ان حالات میں تم سرخ آندھیوں کا انتظار کرو یا خسف (زمین میں دھنسائے جانے) کا اور مسخ (شکل تبدیل کرنے) کا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۰' یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے' رقم الحدیث: ۲۲۱۱' اور حضرت عمران بن حصین سے بھی مروی ہے' رقم الحدیث: ۲۲۱۲' جامع المسانید والسنن مسند علی بن ابی طالب رقم الحدیث: ۷۸۹)

ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ اس امت سے صرف آسمانی عذاب اٹھایا گیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تم میں دو امانیں تھیں' ایک امان چلی گئی (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے درمیان سے چلے گئے) اور دوسری امان باقی ہے (یعنی تمہارا اپنے رب سے استغفار کرنا) وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ○ (الانفال: ۳۳)

(الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۶۴۵' المستدرک ج ۱ ص ۵۴۲' الدر المنثور ج ۴ ص ۵۲' امام ترمذی نے اس حدیث کو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' رقم الحدیث: ۳۰۸۲' اور امام حاکم نے بھی روایت کیا ہے' المستدرک ج ۱ ص ۵۴۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب ان سے پہلے زمانہ میں اور ان کے بعد کے زمانہ میں (متواتر) رسول آئے کہ تم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو تو انہوں نے کہا: اگر ہمارا رب چاہتا تو ضرور فرشتے نازل فرما دیتا سو تمہیں جو پیغام دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس کا انکار کرنے والے ہیں ○ پس رہے عاد تو انہوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور کہا: ہم سے زیادہ قوت والا کون ہے؟ کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ جس نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ قوت والا ہے اور وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے تھے ○ سو ہم نے (ان کے) منحوس دنوں میں ان پر خوفناک آواز والی آندھی بھیجی تاکہ ہم انہیں دنیا کی زندگی میں ذلت کے عذاب کا مزا چکھائیں اور آخرت کا عذاب زیادہ رسوا کرنے والا ہے اور ان کی (بالکل) مدد نہیں کی جائے گی ○ اور رہے ثمود تو ہم نے ان کو ہدایت دی تھی لیکن انہوں نے گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دی' سو ان کے کرتوتوں کے باعث سخت ذلت کے عذاب کی کڑک نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا ○ اور ہم نے ان لوگوں کو (اس عذاب سے) بچا لیا جو ایمان لے آئے تھے اور وہ اللہ سے ڈرتے تھے ○ (حٰم السجدۃ: ۱۸-۱۴)

قوم عاد کی طرف متعدد رسول آنے کے محامل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور اپنی قدرت پر دلائل قائم فرمائے تھے کہ جو ذات اتنی عظیم الشان قدرت والی ہے اس کو چھوڑ کر تم ان پتھر کی بے جان مورتیوں کی پرستش کر رہے ہو اور اب بھی اگر تم اپنی جہالت اور ہٹ دھرمی پر قائم رہو گے اور توحید سے اعراض کرو گے تو تم اسی طرح کے عذاب کے مستحق ہو جیسا عذاب عاد اور ثمود پر آیا تھا۔

حٰم السجدۃ: ۱۴ کا معنیٰ علامہ قرطبی نے اسی طرح کیا ہے جس طرح ہم نے اس کا ترجمہ کیا ہے یعنی جب ان سے پہلے زمانہ میں اور ان کے بعد کے زمانہ میں (متواتر) رسول آئے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۳۰۹) اور امام رازی نے کہا: اس کے معنی کے دو محمل ہیں:

(۱) جو رسول ان کی طرف بھیجے گئے تھے وہ ان کے پاس ہر جانب سے آئے اور انہوں نے ان کے ایمان کے لیے تمام جتن کیے لیکن ان رسولوں نے ان سے سرکشی اور ہٹ دھرمی کے سوا اور کوئی چیز نہیں دیکھی' اس کی نظیر قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ

پھر میں ان پر ضرور حملہ کروں گا ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے۔ (الاعراف: ۱۷)

یعنی میں ہر طرف سے ان پر حملہ کروں گا اور ان کو گمراہ کرنے کے لیے ہر حیلہ کو بہ روئے کار لاؤں گا۔

(۲) رسول ان کے پاس ان سے پہلے زمانہ میں بھی آئے اور ان کے بعد کے زمانہ میں بھی آئے۔

اگر اس معنیٰ پر یہ اعتراض کیا جائے کہ جو رسول ان سے پہلے زمانہ میں آئے اور ان کے بعد کے زمانہ میں آئے ان کے متعلق یہ کہنا کس طرح صحیح ہوگا کہ وہ ان کے پاس آئے' اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے پاس حضرت ھود اور حضرت صالح اسی پیغام کو لے کر آئے تھے جو پیغام ان سے پہلے اور ان کے بعد تمام رسول لے کر آتے رہے تھے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۵۱)

اس کے بعد فرمایا: ان رسولوں نے یہ پیغام دیا کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو' ان کو توحید پر ایمان لانے اور شرک کا انکار کرنے کا حکم دیا اور ان کافروں نے ان رسولوں کی تکذیب کی اور یہ کہا کہ "اگر ہمارا رب چاہتا تو ضرور فرشتے نازل فرما دیتا' سو تمہیں جو پیغام دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس کا انکار کرنے والے ہیں O" ان کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ تمہارے دعویٰ رسالت کی تکذیب کے لیے یہ کافی ہے کہ اگر اللہ نے واقعی کسی کو اپنا پیغام دے کر بھیجنا ہوتا تو فرشتوں کو بھیجتا اور جب تم بشر ہو اور فرشتے نہیں ہو تو پھر تم رسول بھی نہیں ہو' لہٰذا تمہارا کلام ہم پر حجت نہیں ہے اور ہم تمہاری رسالت کا انکار کرنے والے ہیں۔

سو اسی طرح کفار مکہ نے بھی ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کیا تھا اور پھر عتبہ بن ربیعہ کو آپ کے پاس مذاکرہ کرنے کے لیے بھیجا تھا جس کی تفصیل ہم متعدد حوالوں کے ساتھ اس سورت کے مقدمہ میں لکھ چکے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ بن ربیعہ کے دلائل کے جواب میں حٰم السجدۃ کی تیرہ آیتیں تلاوت فرمائیں اور ان کے آخر میں ہے: "پھر بھی اگر وہ اعراض کریں تو آپ کہیے کہ میں نے تمہیں ایسے ہولناک کڑک والے عذاب سے ڈرایا ہے جیسا ہولناک کڑک والا عذاب عاد اور ثمود پر آیا تھا O"

اس آیت میں "صاعقة مثل صاعقة عاد و ثمود" فرمایا ہے' صاعقۃ کا معنیٰ ہم حٰم السجدۃ: ۱۷ میں بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

قوم عاد کا تکبر

حٰم السجدۃ: ۱۵ میں فرمایا: "پس رہے عاد تو انہوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا' اور کہا: ہم سے زیادہ قوت والا کون ہے؟ O"

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قوم عاد اور قوم ثمود کا اجمالی طریقہ سے کفر بیان فرمایا تھا اور اب ان آیتوں میں تفصیلی طور پر ان کا کفر بیان فرما رہا ہے' پہلے قوم عاد کا کفر بیان فرمایا کہ انہوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا' ان کا تکبر یہ تھا کہ وہ اپنی بڑائی' طاقت اور شان و شوکت کا اظہار کرتے تھے اور اپنے مقابلہ میں دوسروں کو کچھ نہیں سمجھتے تھے اور دوسروں پر اپنا تفوق اور اپنی برتری ظاہر کرتے تھے' انہوں نے کہا: ہم سے زیادہ قوت والا کون ہے؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بہت قد آور اور جسیم تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا: "کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ جس نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ قوت والا ہے" یعنی ہر چند کہ وہ دوسروں سے زیادہ طاقت ور ہیں' لیکن اللہ بزرگ و برتر جس نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان سے کہیں زیادہ قوت والا ہے' پس اگر زیادہ طاقت ور ہونے کا یہ تقاضا ہے کہ اس سے کم طاقت والے زیادہ طاقت والے کی اطاعت اور اس کی بندگی کریں تو پھر چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ بہر حال ان سے زیادہ طاقت والا ہے بلکہ سب سے زیادہ طاقت والا ہے اور سب کو وہی طاقت دینے والا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اسم تفضیل میں دو شخصوں کے درمیان تقابل ہوتا ہے' یعنی اللہ ان سے زیادہ طاقت والا ہے حالانکہ ان کی طاقت اور تمام مخلوق کی طاقت متناہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طاقت غیر متناہی ہے اور متناہی اور غیر متناہی میں کوئی

تقابل ہی نہیں ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے کس طرح فرمایا: وہ ان سے زیادہ طاقت والا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کے مخاطب مشرکین ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی فہم کے اعتبار سے یہ کلام فرمایا ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ حقیقت کے اعتبار سے کسی وصف میں بھی اللہ تعالیٰ سے کوئی تقابل نہیں ہے' لیکن بعض اوقات صرف ظاہر کے اعتبار سے بھی کلام کیا جاتا ہے جیسے بہ کثرت احادیث اور آثار میں ہے اللہ اکبر' اللہ ہر چیز سے بڑا ہے۔

نیز فرمایا: ''اور وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے'' اچھے اخلاق کا مدار دو چیزوں پر ہے (۱) مخلوق پر شفقت کرنا (۲) خالق کی تعظیم کرنا' وہ ناحق تکبر کرتے تھے اس لیے مخلوق پر شفقت نہیں کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے' اس لیے خالق کی تعظیم نہیں کرتے تھے۔

ریح صرصر کا معنیٰ

حٰمٓ السجدۃ: ۱۶ میں فرمایا: ''سو ہم نے (ان کے) منحوس دنوں میں ان پر خوف ناک آواز والی آندھی بھیجی تاکہ ہم انہیں دنیا کی زندگی میں ذلت کے عذاب کا مزا چکھائیں اور آخرت کا عذاب زیادہ رسوا کرنے والا ہے اور ان کی (بالکل) مدد نہیں کی جائے گی''۔

چونکہ قوم عاد نے ناحق تکبر کیا اور اللہ کی آیتوں کا انکار کیا اور اپنی ہٹ دھرمی سے بالکل رجوع نہیں کیا اور یہ ایسے امور تھے جو نزول عذاب کا موجب تھے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر خوفناک آواز والی آندھی کا عذاب بھیجا۔

اس آیت میں ریح صرصر کے الفاظ ہیں' ریح کا معنیٰ ہے: ہوا یا آندھی اور صرصر کے معنیٰ میں تفصیل ہے: اس کا ایک معنیٰ یہ ہے کہ جب بہت تیز آندھی چلتی ہے تو کانوں میں صرصر کی آواز آتی ہے

اس لیے اس کا معنیٰ ہے: خوفناک آواز والی آندھی' ایک قول یہ ہے کہ یہ لفظ ''صرۃ'' سے ماخوذ ہے اور صرۃ کا معنیٰ ہے: چیخنا' اس لیے اس کا معنیٰ ہے: ایسی آندھی جس سے زبردست چیخ کی آواز سنائی دیتی ہو۔ اس کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ صرصر کا لفظ ''صر'' سے ماخوذ ہے اور صر کا معنیٰ ہے: سخت سردی اور ٹھنڈک یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر بہت زیادہ سرد اور ٹھنڈی ہوا بھیجی اور ان یخ بستہ ہواؤں نے ہر چیز کو منجمد کر دیا۔ ہر چیز سے زندگی کی حرارت زائل ہو گئی اور ہر چیز خاکستر ہو گئی' ہواؤں کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

قوم عاد پر آندھی کا عذاب بھیجنے کے متعلق احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری صبا سے مدد کی گئی ہے اور قوم عاد کو دبور سے ہلاک کر دیا گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۰۰' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۳۷۰)

جو ہوا مشرق سے مغرب کی طرف چلے اس کو باد صبا کہتے ہیں اور جو ہوا مغرب سے مشرق کی طرف چلے اس کو باد دبور کہتے ہیں۔ غزوۂ خندق میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی باد صبا سے مدد کی گئی تھی' جب شوال ۵ھ میں قریش کی متعدد جماعتوں اور یہودیوں نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا تھا' اس وقت مشرق کی طرف سے بہت زور کی آندھی آئی' جس سے کفار کے خیمے اکھڑ گئے' ان کی دیگچیاں اوندھی ہو گئیں اور ریت اور کنکروں کے تھپیڑوں سے ان کے چہرے خراب ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈال دیا کہ ان کو اپنی ہلاکت نظر آنے لگی' سب سے پہلے ابوسفیان واپسی کے لیے اپنی سواری پر سوار ہوا' پھر پورا لشکر وہاں سے کوچ کر گیا اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے رسول کی مدد تھی اور اس آندھی نے قوم عاد کو ہلاک کر دیا تھا'

قوم عاد پر آندھی کا عذاب اس لیے بھیجا تھا کہ اس قوم کو اپنے لمبے قد وقامت' عظیم جسم اور زیادہ قوت پر بہت غرور تھا اور ان کا یہ گمان تھا کہ جب جسم اتنا مضبوط اور قوی ہو تو وہ اپنی جگہ قائم اور ثابت رہتا ہے اور اس کو کوئی چیز اپنی جگہ سے ہلا نہیں سکتی' اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر سخت آندھی بھیجی اور وہ ہوا کے تند وتیز تھپیڑوں سے تنکوں کی طرح ادھر سے ادھر گر رہے تھے اور آندھی کی تاب نہ لا کر یونہی زمین پر اوندھے پڑے پڑے مر گئے' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی جانب سے آندھی آتے ہوئے دیکھتے تو آپ خوف زدہ ہو جاتے اور اس کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرتے' حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب تیز آندھی آتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے: اے اللہ! میں تجھ سے اس کی خیر کا اور جو کچھ اس میں ہے اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور جس چیز کو یہ ہوا لائی ہے اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور میں اس کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور جو کچھ اس میں ہے اس کے شر سے اور جس چیز کو یہ لائی ہے اس کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور جب آسمان پر بارش کے آثار ہوتے تو آپ کا چہرہ متغیر ہو جاتا' آپ کبھی گھر کے اندر آتے' کبھی گھر سے باہر جاتے اور جب بارش ہونے لگتی تو آپ کی یہ کیفیت ختم ہو جاتی۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: میں اس لیے خوف زدہ ہوتا ہوں کہ ایسا نہ ہو کہ جب قوم عاد نے آسمان پر گرد وغبار دیکھا تو کہا تھا:

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (الاحقاف: ۲۴)

جب قوم عاد نے اپنی وادیوں کی طرف بادلوں کو امنڈتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے: یہ بادل ہم پر برسنے والا نہیں ہے' بلکہ دراصل یہ وہ عذاب ہے جس کو تم جلد طلب کر رہے تھے' یہ آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے ۝

اور ایک روایت میں ہے کہ جب آپ بارش کو دیکھتے تو فرماتے: یہ اللہ کی رحمت ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۹۹' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۰۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر زیادہ ہنستے ہوئے نہیں دیکھا جس سے آپ کے حلق کا آخری حصہ دکھائی دے' آپ مسکرایا کرتے تھے اور جب آپ بادل یا آندھی کو دیکھتے تو آپ کے چہرے پر خوف کے آثار نظر آتے' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! لوگ جب آندھی کو دیکھتے ہیں تو اس توقع سے خوش ہوتے ہیں کہ بارش ہو گی اور میں دیکھتی ہوں کہ بادلوں کو دیکھ کر آپ کے چہرے پر ناگواری کے آثار ہوتے ہیں' آپ نے فرمایا: مجھے کون سی چیز یہ اطمینان دلا سکتی ہے کہ ان بادلوں میں عذاب نہیں ہے' ایک قوم کو آندھی سے عذاب دیا گیا تھا اور ایک قوم نے عذاب کو دیکھا تو کہا: یہ ہم پر برسنے والا بادل ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۲۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۹۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۹۸)

اطلاقات قرآن میں ریح اور ریاح کا معنوی فرق اور اس پر بحث ونظر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب بھی کبھی ریح (سخت آندھی) آتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو زانو بیٹھ کر یہ دعا کرتے:

اے اللہ! اس ریح کو رحمت بنا دے اور اس کو عذاب نہ بنا' اے اللہ! اس کو ریاح بنا دے' اس کو ریح نہ بنا' حضرت ابن عباس نے کہا: اللہ کی کتاب میں ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا. (القمر: ۱۹)

بے شک ہم نے ان پر خوفناک آواز والی آندھی بھیج دی۔

اور فرمایا:

وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً. (الحجر:۲۲)

اور ہم نے برسانے والی بوجھل ہوائیں بھیجیں پس ہم نے آسمان سے پانی برسایا۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيٰحَ مُبَشِّرٰتٍ. (الروم:۴۶)

اللہ کی نشانیوں میں سے خوش خبری دینے والی ہواؤں کو بھیجنا ہے۔

(مسند الشافعی ج ا ص ۱۷۵، رقم الحدیث: ۵۰۲، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۴۵۶، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۵۳۳، المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۱۱۵۳۳، اس کی سند میں العلاء بن راشد مجہول ہے، اس نے اس حدیث کو ابراہیم ابن ابی یحییٰ اسلمی سے روایت کیا ہے اور وہ متہم ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے)۔

علامہ ابو عبد اللہ فضل اللہ بن الصدر السعید الحسن التور پشتی المتوفی ۶۶۱ ھ لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ ریاح (ہوائیں) جب کثیر ہوں تو وہ بادلوں کو کھینچ لیتی ہیں اور پھر زیادہ بارش ہوتی ہے اور اس سے غلہ اور پھل وافر مقدار میں پیدا ہوتے ہیں اور جب ریاح (ہوائیں) زیادہ نہ ہوں تو ایک ریح (ہوا) ہوتی ہے اور وہ بانجھ ہوتی ہے، عرب کہتے ہیں کہ بادل کو صرف ریاح ہی بوجھل کرتی ہیں اور میں نے دیکھا کہ امام طحاوی نے ابوعبید سے روایت کیا ہے کہ ہم نے قرآن مجید میں ریح اور ریاح کے لفظ کا تتبع کیا تو جب ریح کی جمع ریاح کا لفظ ہو تو وہ رحمت کے معنیٰ میں ہوتا ہے اور جب یہ لفظ واحد ہو یعنی ریح تو یہ عذاب کے معنیٰ میں ہوتا ہے اور ہمارے نزدیک اس قاعدہ کی بنیاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا ہے کہ اے اللہ! اس ہوا کو ریاح بنانا، ریح نہ بنانا۔

اس کے بعد امام طحاوی نے کہا کہ ابوعبید نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ ضعیف ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ میں اس قاعدہ کی کوئی بنیاد نہیں ہے بلکہ اس کے برخلاف قرآن مجید میں ریح کا لفظ رحمت والی ہوا کے معنیٰ میں بھی ہے:

هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ. (یونس:۲۲)

وہی اللہ ہے جو تم کو خشکی اور سمندر میں سفر کراتا ہے، حتیٰ کہ جب تم کشتیوں میں سوار ہوتے ہو اور ان کشتیوں کو رحمت والی ہوا لے کر چلتی ہے۔

اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ریح (ہوا) کو برا نہ کہو، پس جب تم کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھو تو دعا کرو: اے اللہ! ہم تجھ سے اس ریح (آندھی) کی خیر کا سوال کرتے ہیں اور اس چیز کی خیر کا سوال کرتے ہیں جس کا تو نے حکم دیا ہے اور ہم اس ریح کے شر سے اور جس چیز کا تو نے حکم دیا ہے اس کے شر سے تیری پناہ طلب کرتے ہیں۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۵۲، مسند احمد ج ۵ ص ۱۲۳ طبع قدیم، مسند احمد ج ۳۵ ص ۷۵، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث: ۹۳۴، عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی رقم الحدیث: ۲۹۹)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب تیز ریح (آندھی) آتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے: اے اللہ! میں اس کی خیر کا تجھ سے سوال کرتا ہوں اور جس چیز کو اس کے ساتھ بھیجا گیا ہے اس کی خیر کا تجھ سے سوال کرتا ہوں اور میں اس کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور جس چیز کو اس کے ساتھ بھیجا گیا ہے اس کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۹۹، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۰۶)

امام ابوجعفر طحاوی متوفی ۳۲۱ھ فرماتے ہیں: ہم نے جو قرآن مجید کی آیت پیش کی ہے (یونس:۲۲) اور دیگر احادیث صحیحہ جو بیان کی ہیں ان سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید اور احادیث ثابتہ میں ریح اور ریاح کا ایسا فرق نہیں ہے کہ ریح کا لفظ عذاب کے ساتھ خاص ہو اور ریاح کا لفظ رحمت کے ساتھ خاص ہو بلکہ قرآن مجید اور احادیث ثابتہ میں ریح کا لفظ جس طرح عذاب کے لیے آیا ہے اسی طرح ریح کا لفظ رحمت کے لیے بھی آیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جس حدیث سے ریح اور ریاح میں فرق پر استدلال کیا گیا ہے اس کی سند ضعیف ہے۔

علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ امام ابوجعفر نے جو یہ فرمایا ہے کہ ریح اور ریاح میں یہ فرق نہیں ہے کہ ریح عذاب کے ساتھ خاص ہو اور ریاح رحمت کے ساتھ خاص ہو یہ بالکل بجا اور برحق ہے لیکن ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو رد کرنے کی جرأت نہیں کرتے اور اس حدیث کی سند کے ضعیف ہونے کے باوجود یہ حدیث ساقط الاعتبار نہیں ہے' اس کی تاویل ممکن ہے اور اس کا معنیٰ صحیح ہے۔

حضرت ابن عباس کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا ہے: اے اللہ! اس ریح کو رحمت بنا دے اور اس کو عذاب نہ بنا اور اے اللہ! اس کو ریاح بنا دے اور اس کو ریح نہ بنا۔ اس کی تاویل یہ ہے کہ آپ نے ہلاکت سے نجات کی دعا کی ہے' کیونکہ اگر یہ ریح ہلاک کرنے والی ہے تو اس کے بعد ادھر اُدھر سے اور ہوائیں نہیں چلیں گی اور اگر یہ ہوا ہلاک کرنے والی نہیں ہے تو اس کے بعد شمال اور جنوب سے اور اِدھر اور اُدھر سے اور ہوائیں آتی رہیں گی تو گویا کہ آپ نے یوں فرمایا: اے اللہ! ہمیں اس ریح سے ہلاک نہ کر دینا کہ اس کے بعد اور کسی طرف سے ہوا نہ چلے بلکہ ہمیں زندگی میں توبہ کرنے اور اپنی طرف رجوع کرنے کی مہلت اور توفیق دینا اور اس ریح کے بعد بھی ہم پر ریاح کثیرہ اور ہر طرف سے ہوائیں چلائے رکھنا۔

(کتاب المسیر فی شرح مصابیح السنہ ج۱ ص ۳۶۳۔۳۶۱' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۲۲ھ)

''ایام نحسات'' کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: ''سو ہم نے (ان کے) منحوس دنوں میں ان پر خوف ناک آواز والی آندھی بھیجی''۔

اس آیت میں ''ایام نحسات'' کے الفاظ ہیں یعنی ان کے منحوس ایام' منحوس کا معنیٰ ہے: بے برکت' اس کی حسب ذیل تفسیریں ہیں۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

نجومیوں نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ بعض ایام منحوس ہوتے ہیں اور بعض ایام مبارک ہوتے ہیں اور متکلمین نے اس استدلال کا یہ جواب دیا ہے کہ ''ایام نحسات'' کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ گرد و غبار والے ایام تھے اور بہ کثرت خاک اور مٹی اڑنے کی وجہ سے کوئی چیز دکھائی نہیں دے رہی تھی' نیز ''ایام نحسات'' کا یہ معنیٰ بھی ہے کہ ان ایام میں اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کو ہلاک کر دیا تھا تو ان کے حق میں یہ ایام منحوس ثابت ہوئے' نجومیوں نے کہا: منحوس کا معنیٰ لغت میں نامبارک اور بے برکت ہے کیونکہ اس کے مقابلہ میں سعد کا لفظ ہے اور سعد کا معنیٰ مبارک ہے اور متکلمین کے دوسرے جواب پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ اس نے منحوس دنوں میں ان پر عذاب نازل کیا' یہ نہیں فرمایا کہ چونکہ ان پر ان دنوں میں عذاب ہوا اس لیے وہ دن منحوس ہو گئے۔ (تفسیر کبیر ج۹ ص ۵۵۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

ایام نحسات (منحوس دنوں میں) کی تفسیر میں چار اقوال ہیں:

(۱) مجاہد اور قتادہ نے کہا: یہ ایام منحوس اور بے برکت تھے' ایک بدھ سے لے کر دوسرے بدھ تک ان پر عذاب آتا رہا تھا' قرآن مجید میں ہے:

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِیْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِیَةٍ ۝ سَخَّرَهَا عَلَیْهِمْ سَبْعَ لَیَالٍ وَّثَمٰنِیَةَ اَیَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِیْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِیَةٍ ۝ (الحاقۃ: ۷۔۶)

اور رہی قوم عاد تو اس کو سرکش اور بے قابو خوف ناک آواز والی آندھی سے ہلاک کر دیا گیا ۝ جس آندھی کو اللہ تعالیٰ نے ان پر لگاتار سات راتیں اور آٹھ دنوں تک مسلط رکھا' پس آپ اس قوم کو دیکھتے ہیں وہ زمین پر اس طرح گرے ہوئے تھے جیسے کھجور کے کھوکھلے تنے ہوں (یعنی بے جان) ۝

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہر قوم کو بدھ کے دن عذاب دیا گیا تھا۔

(۲) نقاش نے کہا: نحسات سے مراد ہے باردات' یعنی وہ موسم سرما کے سخت سرد ایام تھے اور سخت سردی کی وجہ سے وہ منجمد اور خاکستر ہو گئے تھے اور نحسات کا معروف معنیٰ جو بے برکت ہے وہ مراد نہیں ہے۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطیہ نے کہا: ایام نحسات سے مراد ہے ''ایام متتابعات'' یعنی ان ایام میں مسلسل ان پر آندھی کا عذاب آتا رہا' جیسا کہ الحاقۃ: ۷ میں فرمایا ہے: ''ثمانیۃ ایام حسوما'' حسوما کا معنیٰ متواتر ہے اور نحسات کا معروف معنیٰ مراد نہیں ہے' حافظ ابن کثیر نے بھی اس کی یہی تاویل کی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۰۳)

(۴) ایام نحسات سے مراد ہے کہ ان ایام میں بہت زیادہ گرد و غبار اڑ رہا تھا اور دیکھنے والوں کو کچھ نظر نہیں آتا تھا اور اس سے نحسات کا معروف معنیٰ مراد نہیں ہے کہ وہ ایام منحوس اور بے برکت تھے۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۱۷۵۔۱۷۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

بعض ایام کے منحوس ہونے کے ثبوت میں احادیث

ایام کے منحوس اور مبارک ہونے کے سلسلہ میں احادیث اور آثار مختلف ہیں' پہلے ہم وہ احادیث پیش کر رہے ہیں جن کا تقاضا ہے کہ بعض ایام منحوس ہوتے ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بدھ کے دن میں دائمی نحوست ہے۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۴۲۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۸۹۹۷' اس حدیث کی سند بہت ضعیف ہے' اس کی سند میں ایک راوی ہے ابراہیم بن ابی حیہ الیسع بن الاشعث' حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا: یہ متروک ہے۔ لسان المیزان ج ۱ ص ۵۲' میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے بدھ کے دن یا ہفتہ کے دن فصد لگوائی' پھر اس نے اپنے جسم میں برص کے داغ دیکھے تو وہ صرف اپنے نفس کو ملامت کرے۔ (المستدرک ج ۴ ص ۴۰۹' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۳۴۱' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۳۲۸' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۰۱۱۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۱۱۶)

حافظ ذہبی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں سلیمان ہے اور وہ متروک الحدیث ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے جمعرات کے دن فصد لگوائی اور بیمار ہو گیا تو وہ مر جائے گا۔ (علامہ سیوطی نے اس حدیث کے ضعف کی رمز کی ہے)

(الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۳۲۹' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۰۱۱۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۱۱۷)

کبشہ بنت ابی بکرہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منگل کا دن خون

بہنے کا دن ہے اور اس دن میں ایک ایسی ساعت ہے جس میں خون نہیں رکتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۶۲ السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۴۰)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہفتہ کا دن مکر اور دھوکے کا دن ہے اور اتوار کاشت کاری اور تعمیرات کا دن ہے اور پیر سفر اور طلب رزق کا دن ہے اور منگل لوہے کے کام کا دن ہے اور بدھ کے دن میں چیزیں جانے کا دن ہے' چیزیں ملنے کا دن نہیں ہے اور جمعرات کا دن سلطان کے پاس جانے اور ضروریات طلب کرنے کا دن ہے اور جمعہ کا دن خطبہ اور نکاح کا دن ہے۔ (اس حدیث کی سند میں ایک راوی یحییٰ بن العلاء ہے اور وہ متروک الحدیث ہے' سو یہ حدیث ضعیف ہے) (الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۸۹۹۶' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۶۱۲' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۲۳۳۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نہار منہ فصد لگوانا زیادہ بہتر ہے' اس سے عقل تیز ہوتی ہے اور قوت حفظ زیادہ ہوتی ہے' پس جو شخص فصد لگوائے وہ اللہ کا نام لے کر جمعرات کے دن فصد لگوائے اور جمعہ' ہفتہ اور اتوار کے دن فصد لگوانے سے احتراز کرو اور پیر اور منگل کے دن فصد لگواؤ اور بدھ کے دن فصد لگوانے سے احتراز کرو' کیونکہ یہی دن ہے جس میں حضرت ایوب علیہ السلام مرض میں مبتلا ہوئے تھے اور جذام اور برص کی ابتداء جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات سے ہوتی ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۸۸' جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۲۱۷۰' اس حدیث کی سند میں ایک ضعیف راوی ہے اور وہ عثمان بن عبدالرحمان الطرائفی ہے' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۹۳۸' الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۲۷۸۱' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۷۸۵' الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۳۰۸)

یہ وہ احادیث ہیں جن میں بعض ایام میں کسی کام کا موجب نقصان یا موجب مرض ہونا بیان فرمایا ہے اور اب ہم وہ احادیث بیان کر رہے ہیں جن میں بعض ایام میں کسی کام کو موجب شفا فرمایا ہے۔

بعض ایام کے مبارک ہونے کے ثبوت میں احادیث

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نہار منہ فصد لگوانا زیادہ بہتر ہے اور اس میں شفاء اور برکت ہے اور یہ عقل اور قوت حفظ کو زیادہ کرتی ہے پس اللہ کی برکت سے جمعرات کے دن فصد لگواؤ اور بدھ' جمعہ' ہفتہ اور اتوار کے دن فصد لگوانے سے احتراز کرو اور پیر اور منگل کے دن فصد لگواؤ' کیونکہ یہی وہ دن ہے جس میں اللہ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو مرض سے صحت عطا فرمائی اور بدھ کے دن ان کو مرض میں مبتلا فرمایا تھا' کیونکہ جزام اور برص کی ابتداء بدھ کے دن یا بدھ کی رات کو ہوتی ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۸۷' المستدرک ج ۴ ص ۴۰۹' جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۲۱۷۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ہفتہ کے دن ناخن کاٹے اس سے بیماری نکل جائے گی اور اس میں شفاء داخل ہوگی اور جس شخص نے اتوار کے دن ناخن کاٹے اس سے فقر و فاقہ نکل جائے گا اور تونگری داخل ہوگی اور جس نے پیر کے دن ناخن کاٹے اس سے جنون نکل جائے گا اور صحت داخل ہوگی اور جس نے منگل کے دن ناخن کاٹے اس سے مرض نکل جائے گا اور شفاء داخل ہوگی اور جس نے بدھ کے دن ناخن کاٹے اس سے وسوسہ اور خوف نکل جائے گا اور امن اور شفا داخل ہوگی اور جس نے جمعرات کے دن ناخن کاٹے اس سے جذام نکل جائے گا اور عافیت داخل ہوگی اور جس نے جمعہ کے دن ناخن کاٹے اس میں رحمت داخل ہوگی اور گناہ نکل جائیں گے۔

(اس حدیث کو امام دیلمی نے سند ضعیف کے ساتھ روایت کیا ہے' کشف الخفاء ج ۲ ص ۳۹۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے مہینہ کی سترہ اور انیس اور اکیس تاریخ کو فصد لگوائی اس کو ہر بیماری سے شفا حاصل ہوگی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۶۱' المستدرک ج ۴ ص ۲۱۰' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۳۴۰' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۳۲۶' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۰۱۱۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۱۱۴)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اتوار کے دن فصد لگوانا شفا ہے۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۲۷۷۸' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۷۸۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۱۱۲)

بعض ایام کی نحوست کے ثبوت میں پیش کی گئی احادیث کی تحقیق

علامہ شمس الدین عبدالروف المناوی المتوفی ۱۰۳۱ھ لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے: جس نے بدھ کے دن یا ہفتہ کے دن فصد لگوائی اور اس کے جسم میں برص کے داغ ہو گئے وہ صرف اپنے نفس کو ملامت کرے۔ (الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۵۹۰۵)

امام دیلمی نے ابوجعفر نیشا پوری سے روایت کیا ہے کہ میں نے ایک دن کہا: یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور میں نے بدھ کے دن فصد لگوائی تو مجھ کو برص ہو گیا' مجھے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تو میں نے آپ سے اس کی شکایت کی' آپ نے فرمایا: میری حدیث کی اہانت کرنے سے احتراز کیا کرو۔ اس حدیث کی بناء پر امام احمد نے ہفتہ اور بدھ کے دن فصد لگوانے کو مکروہ کہا ہے۔

امام حاکم نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے' حافظ ذہبی نے اس حدیث کو تلخیص میں رد کر دیا ہے کہ اس کی سند میں سلیمان بن ارقم متروک الحدیث ہے' مہذب میں لکھا ہے کہ سلیمان ضعیف راوی ہے' ابن الجوزی نے اس حدیث کو موضوعات میں ذکر کیا ہے' امام ابن حبان نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں ہے۔

نیز ایک اور حدیث میں ہے: جس نے جمعرات کے دن فصد لگوائی اور وہ بیمار ہو گیا تو وہ مر جائے گا۔ (الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۳۲۹) علامہ مناوی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: حافظ ابن حجر نے ان تمام احادیث کو ذکر کرنے کے بعد کہا: ان احادیث میں سے کوئی چیز صحیح نہیں ہے حنبل بن اسحاق نے کہا کہ امام احمد کا خون جس دن اور جس وقت بھی جوش میں آتا وہ فصد لگوا لیتے تھے۔ (فیض القدیر ج ۱۱ ص ۵۵۹۱' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی المتوفی ۱۱۶۲ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے کسی چیز سے بدفالی نکالی اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کو ترک کر دیا اور جس کا توکل کم ہو گیا اسی کو اس کے تصرفات میں نحوست ضرر دے گی' علامہ مناوی نے کہا: حاصل یہ ہے کہ جو شخص بدفالی کی وجہ سے بدھ کے دن فصد لگوانے کو ترک کرے گا اور نجومیوں پر اعتقاد رکھے گا تو یہ بہت شدید حرام ہے' کیونکہ تمام ایام اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور کوئی چیز اپنی ذات سے نفع اور ضرر نہیں پہنچاتی اور جس کا یہ یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی چیز کسی چیز میں اثر نہیں کرتی' اس پر کسی بدشگونی کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ (کشف الخفاء ج ۱ ص ۱۴۔۱۳' مکتبۃ الغزالی' دمشق)

بعض دنوں کے منحوس ہونے کے متعلق مصنف کی تحقیق

نجومی اور بعض غیر محقق علماء یہ کہتے ہیں کہ بعض دن نامبارک اور منحوس ہوتے ہیں' ہم اس کی تحقیق کرتے ہوئے پہلے نحس کا معنیٰ بیان کریں گے' پھر قرآن مجید سے یہ بیان کریں گے کہ کسی چیز کو منحوس اور نامبارک اعتقاد کرنا کفار اور جاہلیت کا طریقہ ہے' پھر اس کے عدم جواز پر احادیث پیش کریں گے اور فقہاء اسلام کی عبارات پیش کریں گے اور حم السجدۃ: ۱۵ میں ایام نحسات کے

جس لفظ سے نجومیوں نے بعض ایام کے منحوس ہونے پر استدلال کیا ہے اس کا محمل ہم بیان کر چکے ہیں اور اس سلسلے میں جو احادیث پیش کی گئی ہیں ان کا جواب بھی ہم ذکر کر چکے ہیں۔فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق

منحوس کا معنیٰ

امام خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۱۷۵ھ نے لکھا ہے: نحس خلاف سعد کو کہتے ہیں' یعنی بے برکت چیز۔

(کتاب العین ج ۳ص ۱۷۶۵' قم ایران' ۱۴۱۴ھ)

علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری التوفی ۳۹۸ھ نے لکھا ہے: نحس' سعد کی ضد ہے یعنی نامبارک۔

(الصحاح ج ۳ص ۹۸۱' دار العلم بیروت' ۱۴۰۴ھ)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

نحسات کا معنیٰ ہے: مشؤمات' یعنی وہ چیزیں جن سے بُرا شگون لیا جائے' ایک قول ہے: سخت ٹھنڈی چیزیں' نحس کی اصل یہ ہے کہ آسمان کے کنارے سرخ ہو جائیں' جیسے بغیر دھوئیں کے آگ کے شعلے ہوں' پھر یہ لفظ نحوست اور بدشگونی کے لیے ضرب المثل ہو گیا۔ (المفردات ج ۲ص ۶۲۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ محمد بن ابی بکر رازی متوفی ۶۶۰ھ نے لکھا ہے: نحس کا معنیٰ ہے سعد کی ضد' یعنی نامبارک۔

(مختار الصحاح ص ۳۷۴' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ محمد بن مکرم بن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ نے لکھا ہے: نحسات کا معنیٰ ہے: مشؤمات' یعنی جن چیزوں سے بُرا شگون لیا جائے۔ (نشر ادب الحوزۃ' ایران' ۱۴۰۵ھ)

علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ھ لکھتے ہیں: نحسات کا معنیٰ ہے: مشؤمات یعنی نامبارک اور بُرے شگون والی چیزیں۔

(مجمع بحار الانوار ج ۴ص ۶۸۹' مکتبہ دار الایمان' مدینہ منورہ' ۱۴۱۵ھ)

نحوست اور بدشگونی کے رد میں قرآن مجید کی آیات

ہم نے متعدد کتب لغت کے حوالوں سے بیان کیا ہے کہ منحوس کا معنیٰ ہے: مشؤم اور مشؤم اس چیز کو کہتے ہیں جس سے بدشگونی لی جائے' عربی میں اس کو طِیَرۃ' طائر اور تطیر کہتے ہیں اور قرآن مجید نے تطیر کا رد فرمایا ہے:

حضرت صالح علیہ السلام کے متعلق ان کی قوم ثمود نے کہا:

قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۚ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ○ (النمل: ۴۷)

ثمود نے کہا: ہم آپ سے اور آپ کے اصحاب سے بدشگونی لے رہے ہیں' صالح نے کہا: تمہاری بدشگونی اللہ کے پاس ہے بلکہ تم لوگ فتنہ پرور ہو○

ثمود کا مطلب تھا: آپ کی نحوست سے ہم پر قحط آ گیا اور آپ کے آنے کے بعد ہم پر قحط آ گیا' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ تمہاری بدشگونی کا سبب اللہ کے پاس ہے' یعنی حضرت صالح علیہ السلام کی مزعومہ نحوست کی وجہ سے تم پر قحط نہیں آیا' بلکہ تمہاری اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے تم پر قحط آیا ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ○ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ۭ

اور ہم نے آل فرعون کو قحط سالی اور پھلوں کی کم پیداوار میں مبتلا کیا تاکہ وہ نصیحت قبول کریں ○ پس جب ان کے پاس خوش حالی اور زرخیزی آتی تو کہتے: یہ ہماری محنت کا ثمرہ ہے اور جب ان

اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (الاعراف: ۱۳۱۔۱۳۰)

پر بدحالی آتی تو وہ اس کو موسیٰ اور ان کے اصحاب کی نحوست قرار دیتے' سنو ان کی نحوست کا سبب اللہ ہی کے پاس ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے ○

یعنی ان کی بدحالی اور تنگ دستی کا سبب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مزعومہ نحوست نہیں ہے۔ بلکہ ان کا کفر اور فسق ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا انکار کرنا ہے۔

قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ؕ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ○ (یٰسین: ۱۹۔۱۸)

اہل انطاکیہ نے رسولوں سے کہا: ہم تمہیں منحوس سمجھتے ہیں' اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے اور تمہیں ہم سے دردناک سزا پہنچے گی ○ رسولوں نے کہا: تمہاری نحوست تو تمہارے ساتھ ہے' کیا تم نصیحت کیے جانے کو نحوست کہتے ہو' بلکہ تم لوگ حد سے بڑھنے والے ہو ○

ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان سے بارش کو روک دیا تھا جس کو اہل انطاکیہ نے رسولوں کی نحوست کہا' رسولوں نے بتایا کہ تمہاری بدحالی تمہارے کفر کی وجہ سے ہے' جو تمہارے ساتھ ہے۔

ان آیات میں نحوست اور بدشگونی کے لیے تطیر اور طائر کا لفظ آیا ہے' اس کا مادہ طیر ہے جس کا معنیٰ اڑنا ہے' عرب جب کسی کام کا یا سفر کا ارادہ کرتے تو پرندے کو اڑاتے' اگر وہ دائیں جانب اڑتا تو اس سے وہ نیک شگون لیتے تھے اور وہ کام کر گزرتے یا سفر پر روانہ ہو جاتے اور اگر وہ بائیں جانب اڑتا تو اس سے وہ بدشگونی مراد لیتے اور اس کام سے رک جاتے' نیک شگون کو وہ تفاءل کہتے تھے اور بدشگون اور نحوست کو وہ تطیر' طائر اور تشاءم کہتے تھے' اسلام میں کسی چیز سے بدشگونی لینا یا کسی چیز کو منحوس قرار دینا جائز نہیں ہے' کیونکہ کسی چیز کو منحوس کہنا کفار اور جاہلیت کا طریقہ ہے' جیسا کہ مذکور الصدر احادیث سے واضح ہو گیا اور اسلام میں کسی دن کو یا کسی چیز کو منحوس قرار دینا جائز نہیں ہے' جیسا کہ عنقریب احادیث سے واضح ہو گا۔

نحوست اور بدشگونی کے رد میں احادیث اور ان کی شروح کی عبارات

امام محمد بن اسماعیل بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا عدوی ولا طیرة ولا هامة ولا صفر.

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۵۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۲۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۱۱)

کوئی مرض خود بہ خود متعدی نہیں ہوتا اور نہ بدشگونی اور نحوست کی کوئی تاثیر ہے اور نہ اُلو کی نحوست کی کوئی تاثیر ہے اور نہ صفر کے مہینہ کو آگے پیچھے کرنے کا کوئی فائدہ ہے۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عرب یہ سمجھتے تھے کہ ایک شخص بیمار ہو تو خود بہ خود اس سے بیماری دوسرے شخص کو لگ جاتی ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ تعلیم دی ہے کہ کوئی مرض خود بہ خود متعدی نہیں ہوتا اور آپ نے فرمایا: طیرہ کی کوئی تاثیر نہیں ہے' عرب جب پرندہ اڑاتے یا ہرن بھگاتے تو اگر وہ دائیں جانب اڑتا یا بھاگتا تو اسکو سوانح کہتے تھے اور اگر بائیں جانب اڑتا یا بھاگتا تو اس کو بوارح کہتے تھے اور اس سے بدشگونی لیتے اور اپنے مقصود کی طرف نہیں جاتے تھے' شریعت اسلام نے اس کی نفی کی' اس کو باطل قرار دیا اور اس سے منع فرمایا اور یہ بتایا کہ کسی نفع کو حاصل کرنے میں یا کسی ضرر کو دور کرنے میں اس مزعوم نحوست کے خلاف کرنے کی کوئی

تاثیر نہیں ہے اور آپ نے فرمایا: اور نہ الو کی نحوست کی کوئی تاثیر ہے' کیونکہ عرب والے الو کو منحوس کہتے تھے اور اس سے بدشگونی لیتے تھے اور عرب والے صفر کے مہینے کو بھی منحوس سمجھتے تھے اور محرم کو صفر تک مؤخر کر دیتے تھے اور محرم کو صفر قرار دیتے تھے' اسلام نے اس کو باطل کر دیا۔ (عمدة القاری ج ۲۱ ص ۳۶۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا عدوی ولا طیرة ویعجبنی الفال الصالح الکلمة الحسنة.

نہ کوئی مرض خود متعدی ہوتا ہے اور نہ بدشگونی کی کوئی تاثیر ہے اور مجھے اچھی فال پسند ہے اور وہ نیک الفاظ ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۵۶' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۹۱۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۳۷' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۶۱۵' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۹۶۱' جامع المسانید والسنن رقم الحدیث: ۲۴۷۸)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہر طیرہ (بدشگونی) میں کوئی خیر نہیں ہے اور نیک فال میں خیر ہوتی ہے' جب کوئی شخص کوئی اچھی بات سن کر اس سے مستقبل میں کوئی بات نکالے تو وہ فال ہے' طیرہ اور فال میں فرق یہ ہے کہ فال ایک خبر ہے جو غیب سے حاصل ہوتی ہے اور طیرہ میں کسی پرندے یا جانور کی حرکت ہوتی ہے اور اس میں کسی چیز کا بیان نہیں ہوتا' ایک اور فرق یہ ہے کہ فال میں اللہ کے ساتھ حسن ظن ہوتا ہے اور طیرہ میں بُرا گمان ہوتا ہے' اس لیے وہ مکروہ (تحریمی) ہے۔ علامہ نووی نے کہا ہے کہ فال عام ہے خیر اور شر دونوں میں مستعمل ہے اور طیرہ کا استعمال صرف بدشگونی میں ہوتا ہے اور شریعت میں فال خوشی کے لیے ہے اور طیرہ رنج اور افسوس کے لیے ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی فطرت میں یہ بات رکھ دی ہے کہ وہ نیک اور اچھی بات کو سن کر خوش ہوتے ہیں جیسا کہ وہ صاف پانی اور خوشگوار منظر کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں' سنن ترمذی میں یہ حدیث ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام سے جاتے تو آپ یہ سننا پسند کرتے تھے کہ کوئی شخص کہے: **یا نجیح یا راشد** (اے کامیاب! اے ہدایت یافتہ!) اور اس سے آپ کامیابی کی فال نکالتے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۱۶)

اور امام ابو داؤد نے سند حسن کے ساتھ حضرت بریدہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز سے بدشگونی نہیں لیتے تھے اور جب آپ کسی عامل کو بھیجتے تو اس سے اس کا نام پوچھتے' اگر آپ کو اس کا نام اچھا لگتا تو آپ خوش ہوتے اور اگر آپ کو اس کا نام ناپسند ہوتا تو آپ کے چہرے سے ناگواری ظاہر ہوتی۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۹۲۰)

امام بیہقی نے شعب الایمان میں حلیمی سے روایت کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے: زمانۂ جاہلیت میں عرب جب کسی کام کے لیے روانہ ہوتے' اس وقت کسی پرندے کو دھکیلا جاتا تو وہ اس سے بُرا شگون لیتے' اسی طرح وہ کوے کی آواز سے اور ہرن کے گزرنے سے بھی بُرا شگون لیتے تھے اور ان چیزوں کو منحوس قرار دیتے تھے اور ان سب کو وہ تطیر کہتے تھے اور عجم میں یہ رواج تھا کہ جب وہ کسی کام کے لیے جاتے اور اس وقت کوئی بچہ استاذ کے پاس پڑھنے کے لیے جا رہا ہوتا تو اس کو وہ نحوست سمجھتے اور اگر وہ استاذ کے پاس سے آ رہا ہوتا تو اس کو مبارک سمجھتے' بدشگونی لینا اس وقت منع ہے جب انسان اس بدشگونی کو مؤثر جانے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے مدبر ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے لیکن اس کو تجربہ سے معلوم ہے کہ اس کے کام کے وقت اگر فلاں چیز پیش آ جائے تو کام نہیں ہوتا (مثلاً اگر سفر کے وقت بلی راستہ کاٹ جائے تو سفر ناکام رہتا ہے) پس اگر ایسے مواقع پر وہ اپنے کام کو ترک کر دے (اور سفر پر نہ جائے) تو یہ مکروہ ہے اور اگر ایسے موقع پر وہ اللہ تعالیٰ سے خیر کا سوال کرے اور شر سے پناہ طلب

کرے اور اللہ پر توکل کرتے ہوئے اس کام کو کر گزرے' پھر خواہ اس کے دل میں یہ خیال آتا رہے کہ اب چونکہ وہ چیز پیش آ گئی ہے لہٰذا کام نہیں ہوگا تو اس سے اس کو ضرر نہیں ہوگا اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس سے مواخذہ ہوگا' (یعنی بلی کے راستہ کاٹنے کی وجہ سے سفر پر نہ جائے تو وہ عذاب کا مستحق ہوگا کیونکہ اس نے نحوست اور بدشگونی کو مؤثر جانا) اور کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی چیز کی نحوست کے اعتقاد کی وجہ سے اس کو وہ متوقع ضرر پیش آ جاتا ہے جیسا کہ اکثر جاہلوں کے ساتھ ایسا ہوتا ہے اور یہ دراصل اس کو نحوست کے اعتقاد کی وجہ سے اللہ کی طرف سے سزا ملتی ہے۔ علامہ حلیمی نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نیک فال اس لیے پسند تھی کہ بدفالی اور بدشگونی میں بغیر کسی تحقیقی سبب کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدگمانی ہے اور نیک فال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن ہے (مثلاً وہ تجارت کرنے جا رہا ہے' کوئی شخص اس سے ملنے آیا' پوچھا: آپ کا کیا نام ہے؟ اس نے کہا: نافع' تو وہ اس سے یہ فال نکالے کہ اللہ اس کو اس تجارت میں نفع دے گا) اور مومن کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھے۔

علامہ طیبی نے کہا ہے کہ نیک فال کی اجازت دینے اور بدشگونی سے منع کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر ایک شخص کوئی چیز دیکھے اور اس سے یہ نیک گمان کرے کہ اس کو دیکھنے کی وجہ سے اس کا مقصود حاصل ہو جائے گا تو اس کو وہ کام کر لینا چاہیے اور اگر اس نے کوئی ایسی چیز دیکھی جس کو دیکھ کر اس کے دل میں خیال آئے کہ اس کو دیکھنے یا اس کے سامنے آ جانے کی وجہ سے وہ ناکام ہو جائے گا تو اس کو اس بدگمانی کو قبول نہیں کرنا چاہیے بلکہ اپنے مقصود کے لیے جانا چاہیے اور اگر اس نے اس چیز کی نحوست کے اعتقاد کو قبول کر لیا اور اپنے مقصود پر جانے سے رک گیا تو یہی وہ بدفالی اور بدشگونی ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔

(الکاشف عن حقائق السنن للطیبی ج ۸ ص ۳۱۴-۳۱۳) (فتح الباری ج ۱۱ ص ۳۷۶' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا: الطیرہ شرک ہے (یعنی بدشگونی اور نحوست کا اعتقاد شرک ہے) حضرت ابن مسعود نے فرمایا: ہم میں سے ہر شخص بدشگونی کے اعتقاد میں مبتلا ہے' لیکن اللہ اس کی وجہ سے توکل لے جاتا ہے۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۶۵۵' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۶۱۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۳۶۹-۳۶۸' مسند احمد ج ۵ ص ۴۴۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۷۵۷' المستدرک ج ۴ ص ۱۱۶' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۱۵۳' شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۱۶۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۳۸' شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۱۶۷' جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۱۱۴)

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو شرک اس وجہ سے فرمایا ہے کہ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ جب بدشگونی کے تقاضے پر عمل کریں گے تو ان کو نفع حاصل ہوگا اور ان سے ضرر دور ہوگا' تو گویا انہوں نے اس کو اللہ کے ساتھ شریک کر لیا اور یہ شرک خفی ہے' شارح نے کہا: یعنی جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ اللہ کے سوا کوئی چیز بالذات نفع پہنچاتی ہے یا ضرر پہنچاتی ہے تو اس نے شرک جلی کیا' علامہ طیبی نے کہا: اس کو شرک اس لیے فرمایا کہ ان کا اعتقاد تھا کہ جس چیز کو وہ منحوس سمجھتے ہیں وہ نقصان دینے میں سبب مؤثر ہے اور فی نفسہٖ اسباب کو مؤثر جاننا شرک خفی ہے تو جب اس کے ساتھ بدعقیدگی اور جہالت بھی شامل ہو جائے تو وہ شرک کیوں نہ ہوگی۔ (شرح الطیبی ج ۹ ص ۳۲۰) (مرقات ج ۸ ص ۳۴۹' مکتبہ حقانیہ' پشاور)

حضرت قبیصہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: العیافۃ اور الطرق اور الطیرۃ جبت سے ہیں۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۹۵۰۲' مسند احمد ج ۳ ص ۴۷۷ طبع قدیم' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۷' موارد الظمآن رقم الحدیث: ۱۴۲۶)

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی المتوفی ۷۴۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
العیافۃ کا معنیٰ ہے: پرندے کو اڑانے یا بھگانے کی کوشش کرنا تاکہ دیکھا جائے کہ وہ دائیں طرف جاتا ہے یا بائیں طرف اور پھر اس سے نیک یا بدفال نکالی جائے' الطرق کا معنیٰ ہے: رمل یعنی لکیریں ڈال کر زائچہ کھینچنا اور اس سے غیب کی بات معلوم کرنا اور الطیرۃ کا معنیٰ ہے: نحوست اور بدشگونی کا اعتقاد رکھنا اور جبت کا معنیٰ ہے: جادو اور کہانت کا عمل کرنا' یا غیر اللہ کی عبادت کرنا۔ خلاصہ یہ ہے کہ الطیرۃ یعنی بدشگونی کا عمل کرنا غیر اللہ کی عبادت کے قبیل سے ہے' یا شرک ہے اور اس کی تائید سنن ابوداؤد کی اس حدیث سے ہوتی ہے' جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا: الطیرۃ شرک ہے۔
(الکاشف عن حقائق السنن ج ۸ ص ۳۱۹۔۳۱۸' ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۱۳ھ)

علامہ الحسن التورپشتی متوفی ۶۶۱ھ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ افعال کاہنوں کے افعال سے ہیں (یعنی حرام ہیں)۔ (کتاب المیسر فی شرح مصابیح السنۃ ج ۳ ص ۱۰۱۳' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۲۲ھ)

نحوست اور بدشگونی کے رد میں دیگر احادیث یہ ہیں:

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ سند حسن کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی چیز کو منحوس سمجھنے یا بدشگونی کی وجہ سے کسی کام سے رک گیا اس نے شرک کیا' مسلمانوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! اس کا کفارہ کیا ہے؟ فرمایا: یہ دعا کرے: اے اللہ! تیری خیر کے سوا اور کوئی خیر نہیں ہے اور تیری تقدیر کے سوا اور کوئی تقدیر نہیں ہے اور تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔
(مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۰ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۱ ص ۶۲۳' رقم الحدیث: ۷۰۴۵' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۰۴۶' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۰۵)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

عروہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے الطیرۃ (منحوس چیز) کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ان میں اچھی چیز نیک فال ہے اور وہ مسلمان کو کسی کام سے لوٹاتی نہیں ہے' پھر جب تم کوئی منحوس چیز دیکھو تو یہ دعا کرو:

اللھم لا یاتی بالحسنات الا انت ولا یدفع السیات الا انت ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

اے اللہ! صرف تو ہی اچھائیوں کو لانے والا ہے اور صرف تو ہی برائیوں کو دور کرنے والا ہے' گناہ سے پھرنا اور نیکی کی طاقت صرف اللہ کی مدد سے حاصل ہوگی۔

(الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۱۱۲۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۱۹' السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۱۳۹' مصنف عبدالرزاق ج ۱۰ ص ۴۰۶)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کہانت کا عمل کیا' یا فال کا تیر نکالا یا بدشگونی کی وجہ سے سفر پر نہیں گیا وہ قیامت کے دن جنت کے درجات کو نہیں دیکھ سکے گا۔
(الجامع لشعب الایمان ج ۲ ص ۴۰۲' رقم الحدیث: ۱۱۳۴)

عورت' گھوڑے اور مکان میں نحوست کی روایت کے جوابات

نحوست اور بدشگونی کی بحث میں یہ حدیث بھی قابل غور ہے' امام محمد بن اسماعیل متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ شوم

(نحوست) صرف تین چیزوں میں ہے: گھوڑے میں' عورت میں اور مکان میں۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۵۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۲۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۲۴)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کا صحیح معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے الطیرۃ (بدشگونی اور نحوست) کی بالکلیہ نفی فرمادی ہے اور آپ کا جو ارشاد ہے: شوم (نحوست) صرف تین چیزوں میں ہے اس ارشاد میں آپ نے زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کی حکایت کی ہے کیونکہ ان کا یہ اعتقاد تھا کہ نحوست ان تین چیزوں میں ہے اور اس حدیث کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ مسلمانوں کے اعتقاد میں بھی نحوست ان تین چیزوں میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نحوست کی بالکلیہ نفی کرتی تھیں۔ امام طحاوی نے اپنی سند کے ساتھ ابوحسان سے روایت کیا ہے کہ بنو عامر کے دو آدمی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور بتایا کہ حضرت ابو ہریرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ نحوست' عورت میں' گھر میں اور گھوڑے میں ہے' حضرت عائشہ یہ سن کر سخت غصہ ہوئیں' لگتا تھا کہ آپ کا ایک ٹکڑا زمین پر گرے گا اور ایک آسمان پر' پھر آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل کیا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بالکل نہیں فرمائی' حضرت عائشہ نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کا یہ قول نقل فرمایا ہے' آپ نے فرمایا تھا کہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ ان چیزوں کو منحوس جانتے ہیں' یہ بات آپ نے اپنی طرف سے نہیں فرمائی۔ (شرح مشکل الآثار ج ۱ ص ۲۳۳' رقم الحدیث: ۷۹۵' مسند احمد ج ۶ ص ۲۴۰' المستدرک ج ۲ ص ۴۷۹) امام ابن عبد البر نے بھی اس روایت کا ذکر فرمایا ہے' اس روایت کے آخر میں ہے: پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا:

مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِيۡبَةٍ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِىۡۤ اَنۡفُسِكُمۡ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّبۡرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرٌ ۞ (الحدید: ۲۲)

ہر وہ مصیبت جو دنیا میں آتی ہے یا تمہاری جانوں میں' اس سے پہلے کہ ہم اس مصیبت کو پیدا کریں وہ ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے' یہ کام اللہ پر بہت آسان ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مطلب یہ ہے کہ انسان پر جو مصائب آتے ہیں' بیماریاں آتی ہیں اور مقاصد میں ناکامی ہوتی ہے یا سفر میں نامرادی ہوتی ہے ان سب کا تعلق انسان کی تقدیر سے ہے اور ازل میں اللہ تعالیٰ کو ان سب چیزوں کا علم تھا' کسی چیز کی نحوست یا بدشگونی کی وجہ سے اس پر کوئی مصیبت نہیں آتی۔

ابوحسان کی اس روایت کی یحییٰ بن معین اور امام ابن حبان نے توثیق کی ہے اور ائمہ حدیث کی ایک جماعت نے بہ شمول امام بخاری' سب نے ابوحسان کی روایات سے استدلال کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ کی اس روایت کو حضرت عائشہ نے فرمایا: یہ جھوٹ ہے' یہ آپ نے تغلیظاً فرمایا ہے۔

اس روایت کا دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ نے جو فرمایا تھا کہ نحوست تین چیزوں میں ہے' یہ آپ نے ابتداء اسلام میں زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کے اعتقاد کی خبر دی تھی۔ پھر جب صریح قرآن اور سنت ثابتہ نے نحوست کا رد کر دیا تو اس حدیث سے جو حکم مستنبط ہوتا تھا وہ منسوخ ہو گیا نیز یہ حدیث خبر واحد ہے اور اخبار احاد باب عقائد میں حجت نہیں ہیں اور نحوست کے صحیح ہونے کا تعلق عقیدہ سے ہے۔

اس روایت کا تیسرا جواب یہ ہے کہ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہر عورت اور ہر گھوڑا اور ہر گھر منحوس ہوتا ہے' اس سے مراد

بعض عورتیں' بعض گھوڑے اور بعض گھر ہیں اور بعض عورتیں بد خلق' حریص' ناشکری یا بانجھ ہوتی ہیں' یہ عورتوں کی نحوست ہے اور بعض گھوڑے سرکش اور اکھڑ ہوتے ہیں' وہ اپنی پشت پر کسی کو سوار نہیں ہونے دیتے' یہ گھوڑوں کی نحوست ہے اور بعض مکان تنگ اور غیر ہوادار ہوتے ہیں یا ان مکانوں کے پڑوسی بداخلاق اور بے دین ہوتے ہیں' یہ گھروں کی نحوست ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض عورتوں' بعض گھوڑوں اور بعض مکانوں میں یہ عیوب اور نقائص ہوتے ہیں اور یہی ان کی نحوست ہے۔ اس نحوست سے یہ مراد نہیں ہے کہ ان چیزوں کو دیکھنے سے انسان پر کوئی آفت یا مصیبت آ جائے گی۔ نیز امام ترمذی نے حضرت حکیم بن معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو بھی روایت کیا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

لا شوم وقد یکون الیمن فی الدار والمرأۃ والفرس.

کوئی نحوست نہیں ہے اور کبھی مکان میں' عورت میں اور گھوڑے میں برکت بھی ہوتی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۲۴' ج ۴ ص ۵۱۵' دار الجیل' بیروت' ۱۹۹۸ء)

اس حدیث سے ہمارے اس جواب کی تائید ہوتی ہے کہ آپ نے بعض عورتوں کے متعلق نحوست (بہ معنی نقص اور عیب) کی خبر دی ہے نہ کہ کل عورتوں کے بارے میں۔

اس روایت کا چوتھا جواب درج ذیل حدیث سے واضح ہوتا ہے:

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کسی چیز میں (نحوست) ہوتی تو عورت' گھوڑے اور مکان میں ہوتی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۵۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۲۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۹۴)

اس حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو ان تین چیزوں میں نحوست ہوتی اور جب ان چیزوں میں نحوست نہیں ہے تو پھر کسی چیز میں نحوست نہیں ہے اور شوم اور طیرہ (نحوست اور بدشگونی) دونوں ایک چیز ہیں اور بدشگونی شرک ہے کیونکہ امام ابو داؤد نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا: الطیرہ (بدشگونی) شرک ہے' رہا یہ کہ اس پر کیا دلیل ہے کہ شوم اور طیرہ واحد ہیں' تو اس کی دلیل یہ ہے کہ صحیح مسلم میں ہے: اگر کسی چیز میں شوم ہو تو گھوڑے' مسکن اور عورت میں ہوگی۔ (صحیح مسلم کتاب السلام رقم الحدیث: ۱۱۹' رقم بلاتکرار: ۲۲۲۶۔۲۲۲۵) اور امام طحاوی کی روایت میں ہے کوئی مرض (فی نفسہٖ) متعدی نہیں ہوتا اور نہ کوئی طیرہ ہے' اگر کسی چیز میں طیرہ ہو تو عورت' گھوڑے اور مکان میں ہوگی۔

ایک حدیث میں ان تین چیزوں کے لیے شوم کا ثبوت ہے اور دوسری حدیث میں طیرہ کا ثبوت ہے پس ضروری ہوا کہ ان دونوں سے مراد واحد ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۲۱۳۔۲۱۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

نحوست اور بدشگونی کے مبحث میں خلاصہ کلام

نجومیوں کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ بعض ایام اپنی ذات میں منحوس ہوتے ہیں اور بعض ایام اپنی ذات میں مبارک ہوتے ہیں کیونکہ زمانہ کے اجزاء اپنی ذات میں مساوی ہیں' بعض ایام بعض لوگوں کے اعتبار سے منحوس ہوتے ہیں اور وہی ایام دوسرے لوگوں کے اعتبار سے مبارک ہوتے ہیں' مثلاً بدھ کے دن کسی شخص کو بار بار کوئی خوشی یا نعمت حاصل ہو تو وہ کہے گا: میرے لیے یہ مبارک دن ہے' جب بھی بدھ کا دن آتا ہے مجھے کوئی نعمت ملتی ہے اور کوئی خوشی حاصل ہوتی ہے اور دوسرے شخص کو بدھ کے دن بار بار کسی نقصان یا کسی مصیبت کا سامنا ہو تو وہ کہے گا: میرے لیے بدھ کا دن منحوس ہے' جب بھی یہ دن آتا ہے میرا کو

نقصان ہو جاتا ہے یا میرے ہاں کوئی مرگ ہو جاتی ہے۔ حالانکہ فی نفسہٖ اس دن میں کچھ نہیں ہے' ایک شخص کے لیے اللہ نے اس دن میں خوشیاں مقدر کر دیں اور دوسرے کے لیے اس دن میں غم مقدر کر دیئے' پس بعض ایام میں غم اور خوشی کا حاصل ہونا تقدیر کے اعتبار سے ہے' اس میں دنوں کی خصوصیت کا کوئی دخل نہیں ہے۔

اور دنوں کو منحوس قرار دینا قرآن مجید کی متعدد آیات کے خلاف ہے' بعض آیات ہم نے پہلے ذکر کی ہیں اور بعض آیات اب ذکر کر رہے ہیں' جو لوگ بعض دنوں کو منحوس کہتے ہیں وہ ان دنوں میں کام کرنے کو باعث ضرر اور ان دنوں میں کام نہ کرنے کو باعث نفع سمجھتے ہیں' حالانکہ نفع اور ضرر پہنچانے کا مالک صرف اللہ عزوجل ہے' قرآن مجید میں ہے:

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۔ آپ کہیے میں اپنی ذات کے لیے کسی ضرر اور نفع کا مالک نہیں مگر جتنا اللہ چاہے۔ (یونس: ۴۹)

نیز جب انسان بعض دنوں کو منحوس قرار دے کر ان دنوں میں کسی کام کو ترک کر دے گا تو اس کا اللہ تعالیٰ پر توکل نہیں رہے گا' حالانکہ مومن کو صرف اللہ پر توکل کرنا چاہیے' قرآن مجید میں ہے:

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ (التوبہ: ۵۱) اور مؤمنوں کو صرف اللہ پر توکل کرنا چاہیے ○

علامہ سید محمد امین بن عمر بن عبد العزیز شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ حامد آفندی سے سوال کیا گیا: کیا بعض دن اور راتیں منحوس یا مبارک ہوتی ہیں جو سفر اور دیگر کام کی صلاحیت نہیں رکھتیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ جو شخص یہ سوال کرے کہ کیا بعض دن منحوس ہوتے ہیں اس کے جواب سے اعراض کیا جائے اور اس کو جاہل اور بے وقوف قرار دیا جائے' ایسا سمجھنا یہود کا طریقہ ہے' مسلمانوں کا شیوہ نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو اس سلسلہ میں روایت منقول ہے وہ جھوٹ اور باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں پس ایسے عقیدے سے احتراز کرنا چاہیے۔ (العقود الدریہ تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ ج ۲ ص ۳۶۷' المکتبہ الحبیبیہ' کوئٹہ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ سے سوال کیا گیا:

جو شخص فال کھولتا ہو' لوگوں کو کہتا ہو: تمہارا کام ہو جائے گا یا نہ ہوگا' یہ کام تمہارے واسطے اچھا ہوگا یا برا ہوگا یا اس میں نفع ہوگا یا نقصان' اس کی امامت جائز ہے یا نہیں؟

اعلیٰ حضرت اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

اگر یہ احکام قطع ویقین کے ساتھ لگاتا ہو جب تو وہ مسلمان ہی نہیں' اس کی تصدیق کرنے والے کو صحیح حدیث میں فرمایا: "**فقد کفر بما نزل علی محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم**" اس نے اس چیز کے ساتھ کفر کیا جو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اتاری گئی اور اگر یقین نہیں کرتا جب بھی عام طور پر جو فال دیکھنا رائج ہے معصیت سے خالی نہیں' ایسے شخص کی امامت ناجائز۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ حصہ ۲ ص ۱۱۹' مکتبہ رضویہ' کراچی' ۱۴۱۲ھ)

صدر الشریعہ مولانا امجد علی متوفی ۱۳۷۶ھ لکھتے ہیں:

ابو داؤد نے عروہ بن عامر سے مرسلاً روایت کی' کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بدشگونی کا ذکر ہوا' حضور نے فرمایا: فال اچھی چیز ہے اور برا شگون کسی مسلمان کو واپس نہ کرے یعنی کہیں جا رہا تھا اور برا شگون ہوا تو واپس نہ آئے' چلا جائے' جب کوئی شخص ایسی چیز دیکھے جو ناپسند ہے یعنی برا شگون پائے تو یہ کہے: **اللھم لا یاتی بالحسنات الا انت ولا یدفع السیئات الا انت ولا حول ولا قوۃ الا باللہ**۔ (بہار شریعت حصہ ۱۶ ص ۸۵' ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور)

حم السجدة: ۱۶ میں ’’ایام نحسات ‘‘ کا لفظ وارد ہے اور اس لفظ سے نجومی یہ استدلال کرتے ہیں کہ بعض ایام منحوس ہوتے ہیں اور میں نے اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگوں سے سنا ہے کہ فلاں دن کپڑا نہیں سلوانا چاہیے اور فلاں دن سفر نہیں کرنا چاہیے اور فلاں دن علاج نہیں کرنا چاہیے وغیرہ وغیرہ‘ اس لیے میری خواہش تھی کہ اس موضوع پر تفصیل سے لکھوں سو اس آیت کی تفسیر میں یہ موقع آیا اور میں نے اس پر بسط سے لکھا: والحمد للہ رب العلمین۔

میرے عزیز محترم علامہ صاحبزادہ حبیب الرحمان محبوبی زید علمہم و علمھم نے مجھے بریڈفورڈ سے ایک مکتوب لکھ کر بتایا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا بھی یہی نظریہ ہے کہ کوئی دن منحوس نہیں ہوتا۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ العزیز کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے:

سورۂ حم السجدۃ: ۱۶ میں جو ’’ایام نحسات ‘‘ کا لفظ وارد ہے یہ گذشتہ امتوں کی بہ نسبت ہے اور فقیر کا عمل بھی یہی ہے‘ وہ کسی دن کو دوسرے دن پر ترجیح نہیں دیتا جب تک کہ شارع علیہ السلام سے اس کی ترجیح معلوم نہ ہو جیسا کہ جمعہ اور رمضان وغیرہ ہیں۔

(مکتوب ۲۵۶‘ دفتر اول حصہ چہارم ص ۶۷‘ دار المعرفۃ)

حم السجدۃ: ۱۷ میں فرمایا: ’’اور رہے ثمود تو ہم نے ان کو ہدایت دی تھی لیکن انہوں نے گم راہی کو ہدایت پر ترجیح دی‘ سو ان کے کرتوتوں کے باعث سخت ذلت کے عذاب کی کڑک نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا○‘‘

اس سوال کا جواب کہ قوم ثمود ہدایت پانے کے بعد کیسے گم راہ ہو گئی

ثمود اس قبیلہ کا نام ہے جس کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا تھا‘ اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت دے دی تھی تو پھر انہوں نے گم راہی کو ہدایت پر کیسے ترجیح دی‘ اللہ تعالیٰ کے ہدایت دینے کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ تا حیات ایمان پر قائم رہتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہدایت کے دو معنی ہیں:

(۱) ایسے راستے کو دکھانا جو انسان کو مطلوب تک پہنچا دے خواہ انسان اس راستے پر چل کر مطلوب تک پہنچے یا نہ پہنچے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ○ اور بے شک آپ ضرور سیدھا راستہ دکھاتے ہیں○

(الشوریٰ: ۵۲)

(۲) ایسی رہنمائی کرنا جو انسان کو مطلوب تک پہنچانے والی ہو‘ جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ○ (البقرہ: ۲۶۴) اور اللہ کافروں کو مطلوب تک نہیں پہنچاتا‘ یعنی ان کو صاحب ایمان نہیں بناتا○

اس تمہید کے بعد ہم یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں ہدایت کا دوسرا معنی مراد نہیں ہے‘ بلکہ پہلا معنی مراد ہے‘ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور صفات پر دلائل قائم کر دیئے تھے اور ان کو عقل عطا کی تھی جس سے وہ ان نشانیوں کو دیکھ کر منزل تک پہنچ سکتے تھے‘ پھر عقل کی مدد کے لیے رسولوں کو بھیجا اور ان کی معجزات سے تائید فرمائی لیکن انہوں نے اس ہدایت کو قبول کرنے کے بجائے اپنے آباء واجداد کی اندھی تقلید میں رہنا پسند کر لیا۔ اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم یہاں ہدایت کا دوسرا معنی بھی مراد لے سکتے ہیں‘ یعنی اللہ تعالیٰ کے ہدایت دینے سے وہ ایمان لے آئے تھے اور انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا معجزہ دیکھنے کے بعد ان کی تصدیق کر دی تھی لیکن بعد میں وہ شیطان کے بہکانے میں آ گئے اور انہوں نے حضرت صالح کی اطاعت پر ان کی نافرمانی کو ترجیح دی اور ان کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔

فرمایا: ''تو پھر سخت ذلت کے عذاب کی کڑک نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا'' اس آیت کے الفاظ ہیں: ''صاعقة العذاب الهون''۔ ھون کے معنیٰ ہیں: اہانت اور ذلت اور صاعقة کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

اجسام علویہ (جیسے بادل اور بجلی وغیرہ) سے جو سخت گڑگڑاہٹ کی آواز آئے اس کو صاعقہ کہتے ہیں' پھر اس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) صعق بہ معنیٰ موت جیسا کہ اس آیت میں ہے:

فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ. (الزمر:۶۸)

پس وہ سب ہلاک ہو گئے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہیں۔

(۲) صاعقہ بہ معنیٰ عذاب جیسا کہ اس آیت میں ہے:

اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ۝ (حٰم السجدة:۱۳)

میں نے تم کو ایسے عذاب سے ڈرایا ہے جو عاد اور ثمود کے عذاب کی مثل ہے ۝

(۳) صاعقة بہ معنیٰ آگ جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ. (الرعد:۱۳)

وہی آسمان سے آگ گراتا ہے اور جس پر چاہتا ہے ڈال دیتا ہے۔

یہ تمام چیزیں صاعقہ یعنی فضا سے آنے والی سخت گڑگڑاہٹ والی ہولناک آواز سے حاصل ہوتی ہیں۔ کبھی بجلی گرتی ہے تو اس سے فقط آگ حاصل ہوتی ہے جس کا ذکر الرعد:۱۳ میں ہے اور کبھی اس ہولناک آواز کے ساتھ عذاب دیا جاتا ہے جس کا ذکر حٰم السجدة:۱۳ میں ہے اور کبھی اس ہولناک آواز کے نتیجہ میں موت آتی ہے جس کا ذکر الزمر:۶۸ میں ہے۔

(المفردات ج ۲ ص ۳۶۹' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

حٰم السجدة:۱۸ میں فرمایا: ''اور ہم نے ان لوگوں کو (اس عذاب سے) بچالیا جو ایمان لے آئے تھے اور وہ اللہ سے ڈرتے تھے ۝''

اس سے مراد حضرت صالح علیہ السلام ہیں اور وہ لوگ جو ان پر ایمان لے آتے تھے' یعنی ہم نے ان کو کفار سے ممتاز اور ممیز کر دیا تھا' سو ان پر وہ عذاب نازل نہیں ہوا جو کفار پر نازل ہوا تھا۔ اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! ہم اسی طرح آپ کے متبعین کے ساتھ اور قوم کفار کے ساتھ معاملہ کریں گے' اگر کفار مکہ اپنی سرکشی اور ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے اور ان پر عذاب آنا ناگزیر ہو گیا تو ہم آپ کو اور آپ کے متبعین کو ان کے درمیان سے نکال لیں گے۔

وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ⑲ حَتّٰٓى اِذَا

اور جس دن اللہ کے دشمنوں کو آگ کی طرف لایا جائے گا' پھر ان کو جمع کیا جائے گا ۝ حتیٰ کہ جب وہ

مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا

دوزخ کی آگ تک پہنچ جائیں گے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے خلاف ان کاموں کی گواہی

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٠﴾ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ۗ قَالُوْٓا

دیں گے جو وہ دنیا میں کیا کرتے تھے ○ اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے: تم نے ہمارے خلاف

اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ

گواہی کیوں دی؟ وہ جواب دیں گی: ہمیں اسی اللہ نے گویائی بخشی جس نے ہر چیز کو گویا کر دیا اور اسی نے

مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢١﴾ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ

تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○ اور تم اس وجہ سے اپنے گناہ نہیں چھپاتے تھے کہ

عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ

تمہارے خلاف تمہارے کان، تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں گواہی دیں گی لیکن تمہارا یہ گمان

لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٢﴾ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ

تھا کہ تم جو کچھ کام کر رہے ہو ان کو اللہ نہیں جانتا ○ اور تمہارا اپنے رب کے ساتھ یہی گمان ہے جس نے

بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٢٣﴾ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ

تمہیں ہلاک کر دیا، پس تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گئے ○ اب اگر یہ صبر کریں تب بھی ان کا ٹھکانا دوزخ ہی ہے

مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿٢٤﴾ وَقَيَّضْنَا

اور اگر وہ اللہ کی ناراضگی دور کرنے کو طلب کریں تب بھی وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہوں گے جن سے ناراضگی دور کی جائے گی ○

لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ

اور ہم نے ان کے لیے کچھ ایسے ساتھی ان پر مسلط کر دیئے تھے جنہوں نے ان کے لیے ان کے سامنے

عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ

کے اور ان کے بعد کے امور کو ان کی نگاہوں میں خوش نما بنا دیا تھا اور ان کے حق میں اللہ کا وہ قول ثابت ہو گیا

اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿٢٥﴾ ع

جو ان سے پہلے جنات اور انسانوں کے گروہوں میں ثابت ہو چکا تھا اور بے شک وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس دن اللہ کے دشمنوں کو آگ کی طرف لایا جائے گا پھر ان کو جمع کیا جائے گاO حتیٰ کہ جب وہ دوزخ کی آگ تک پہنچ جائیں گے' تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے خلاف ان کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ دنیا میں کیا کرتے تھےO اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے: تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟ وہ جواب دیں گی: ہمیں اسی اللہ نے گویائی بخشی جس نے ہر چیز کو گویا کر دیا اور اسی نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گےO (حٰمٓ السجدۃ: ۲۱۔۱۹)

انسان کے اعضاء کے نطق کے ثبوت میں احادیث

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس عذاب کو بیان فرمایا تھا جو دنیا میں ان پر نازل کیا گیا تھا اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کفار کے اس عذاب کو بیان فرما رہا ہے جو آخرت میں ان پر نازل کیا جائے گا۔

حٰمٓ السجدۃ: ۱۹ میں فرمایا ہے: ''فھم یوزعون'' یہ لفظ وزع سے بنا ہے' اس کا معنیٰ ہے: باز رکھنا' یعنی تمام کافروں کو اوّل سے آخر تک روک لیا جائے گا اور پہلے آنے والے کافروں کو دوزخ کے پاس روک لیا جائے گا حتیٰ کہ بعد والے کافر بھی وہاں پہنچ جائیں اور اس سے مقصود یہ ہے کہ جب تمام کافر وہاں پہنچ جائیں تو پھر ان سے باز پرس کی جائے۔

حٰمٓ السجدۃ: ۲۱۔۲۰ میں فرمایا ہے: ''حتیٰ کہ جب وہ دوزخ کی آگ تک پہنچ جائیں گے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے خلاف ان کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ دنیا میں کیا کرتے تھے''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا: کیا تم دوپہر کے وقت جب بادل نہ ہوں تو سورج کو دیکھنے میں کچھ تنگی محسوس کرتے ہو؟ صحابہ نے کہا: نہیں' آپ نے فرمایا: جب چودھویں رات کو بادل نہ ہوں تو تم چاند کو دیکھنے میں کوئی تنگی محسوس کرتے ہو؟ صحابہ نے کہا: نہیں' آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے' تم اپنے رب کو دیکھنے میں صرف اتنے تنگ ہو گے جتنے سورج یا چاند کو دیکھنے میں تنگ ہوتے ہو' پھر اللہ اپنے بندہ سے ملاقات کرے گا اور اس سے فرمائے گا: اے فلاں شخص! کیا میں نے تجھ کو عزت نہیں دی تھی' کیا میں نے تجھ کو سرداری نہیں دی تھی' کیا میں نے تجھ کو بیوی نہیں دی تھی' کیا میں نے گھوڑے اور اونٹ تیرے تابع نہیں کیے تھے اور تجھ کو رئیسانہ ٹھاٹھ باٹھ میں نہیں چھوڑا تھا؟ وہ شخص کہے گا: کیوں نہیں' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھ کو مجھ سے ملاقات کی توقع تھی؟ وہ بندہ کہے گا: نہیں' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں بھی تجھے اس طرح بھلا دوں گا جس طرح آج تو نے مجھے بھلا دیا ہے' پھر اللہ تعالیٰ دوسرے شخص سے ملاقات کرے گا اور اس سے فرمائے گا: کیا میں نے تجھے عزت نہیں دی تھی اور کیا میں نے تجھے سرداری نہیں دی تھی اور کیا میں نے تجھے بیوی نہیں دی تھی اور کیا میں نے تیرے لیے گھوڑے اور اونٹ مسخر نہیں کیے تھے اور کیا میں نے تجھے رئیسانہ ٹھاٹھ باٹھ میں نہیں چھوڑا تھا؟ وہ کہے گا: کیوں نہیں' اے میرے رب! پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے یہ توقع تھی کہ تو مجھ سے ملاقات کرے گا؟ وہ کہے گا: نہیں' پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: بے شک میں تجھے اسی طرح بھلا دیتا ہوں جس طرح تو نے مجھے بھلا دیا تھا' پھر اللہ تعالیٰ تیسرے بندے سے ملاقات کرے گا اور اس سے بھی اسی طرح کلام فرمائے گا' وہ کہے گا: اے میرے رب! میں تجھ پر ایمان لایا اور تیری کتاب پر ایمان لایا اور تیرے رسول پر ایمان لایا اور میں نے نماز پڑھی اور روزہ رکھا اور صدقہ کیا اور جتنی اس کی طاقت ہو گی وہ اتنی حمد وثناء کرے گا' پھر اس بندے سے کہا جائے گا: ہم ابھی تیرے خلاف گواہ بھیجتے ہیں' وہ اپنے دل میں غور وفکر کرے گا کہ میرے خلاف کون گواہی دے گا' پھر اس کے منہ پر مہر لگائی جائے گی اور اس کی ران سے اور اس کے گوشت سے اور اس کی ہڈیوں سے کہا جائے گا: اب تم کلام کرو' پھر اس کی ران' اس کا

گوشت اور اس کی ہڈیاں بتائیں گی کہ اس نے کیا کام کیے تھے اور یہ اس لیے کہ وہ خود اپنا عذر بیان کرے اور یہ شخص منافق ہوگا اور اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۶۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۳۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ ہنسنے لگے، آپ نے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ میں کیوں ہنس رہا تھا؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جاننے والا ہے، آپ نے فرمایا: میں بندہ کی اس کے رب کے ساتھ بات چیت پر ہنس رہا تھا، بندہ کہے گا: اے میرے رب! کیا تو نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیوں نہیں، بندہ کہے گا: آج میں اپنے خلاف صرف اپنے نفس کی شہادت کی اجازت دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: آج صرف تیری ہی تیرے خلاف شہادت ہوگی اور کراماً کاتبین گواہ ہوں گے، آپ نے فرمایا: پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی، پھر اس کے اعضاء سے کہا جائے گا: اب تم کلام کرو، پھر اس کے اعضاء اس کے اعمال کو بیان کریں گے، پھر وہ بندہ اپنے اعضاء سے کہے گا: تم دور رہو، میں تمہارے لیے ہی تو جھگڑ رہا تھا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۶۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۳۰، جامع المسانید والسنن مسند انس بن مالک رقم الحدیث: ۱۷۳۳)

انسان کے اعضاء کے نطق کی کیفیت میں اقوال مفسرین

انسان کے اعضاء جو اس کے خلاف شہادت دیں گے اس کی تفسیر میں تین قول ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ ان اعضاء میں فہم، قدرت اور نطق پیدا کر دے گا اور وہ اس طرح شہادت دیں گے جس طرح انسان کسی ایسے واقعہ کی شہادت دیتا ہے جس کو وہ پہچانتا ہو۔

(۲) اللہ تعالیٰ ان اعضاء میں آوازیں اور حروف پیدا کر دے گا جو معانی پر دلالت کرتے ہیں جس طرح اللہ نے درخت میں کلام پیدا کر دیا تھا۔

(۳) اللہ تعالیٰ انسان کے اعضاء میں ایسی علامات پیدا کر دے گا جو انسان سے ان افعال کے صدور پر دلالت کریں گی۔

مؤخر الذکر دونوں قول ظاہر قرآن کے خلاف ہیں اور ہمارے نزدیک پہلا قول برحق ہے کیونکہ اعضاء سے جو تصرفات ظاہر ہوتے ہیں، ان میں اعضاء کی خصوصیت کا کوئی دخل نہیں ہے، مثلاً زبان جو نطق کرتی ہے تو اس کی یہ وجہ نہیں کہ زبان میں ایسی خاصیت ہے جس کی وجہ سے اس سے نطق صادر ہوتا ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زبان میں نطق پیدا کر دیا، اگر وہ چاہتا تو آنکھوں میں نطق پیدا کر دیتا، کیا تم نے یہ نہیں دیکھا کہ مکہ میں ایک پتھر تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کہتا تھا: السلام علیک یا رسول اللہ! (صحیح مسلم: ۲۲۷۷) اور جب آپ مکہ کے راستہ میں جاتے تھے تو جو پہاڑ یا درخت آپ کے سامنے آتا تھا وہ کہتا تھا: السلام علیک یا رسول اللہ! (سنن ترمذی: ۳۶۲۶) اور صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے طعام کی تسبیح سنتے تھے۔ (سنن ترمذی: ۳۶۳۳) تو جب اللہ تعالیٰ پتھروں میں، پہاڑوں میں اور درختوں میں کلام پیدا کر سکتا ہے تو انسان کے اعضاء میں کلام کا پیدا کر لینا کب زیادہ تعجب انگیز ہے۔

کان، آنکھ اور کھال کی خصوصیت کی توجیہ

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت میں کان، آنکھ اور کھال کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ کلام کریں گی اور باقی اعضاء کا ذکر نہیں فرمایا۔ اس تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حواس پانچ ہیں: قوت سامعہ، قوت باصرہ، قوت شامہ، قوت ذائقہ اور قوت لامسہ اور قوت لامسہ کا آلہ کھال ہے کیونکہ جب کھال سے کوئی چیز مس ہوتی ہے تو وہ ادراک کرتی ہے کہ یہ سرد ہے یا گرم، نرم ہے یا سخت وغیرہ۔ لہٰذا کھال میں قوت لامسہ آ گئی اور قوت ذائقہ کا ادراک بھی قوت لامسہ سے حاصل ہو جاتا ہے

ہر چند کہ کامل نہیں ہوتا اور قوت شامہ بہت کم زور حس ہے' اس کے مدرکات پر حلال اور حرام کا زیادہ تعلق نہیں ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا کہ وہ لوگ اعضاء سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی تو وہ کہیں گے: ہمیں اسی اللہ نے گویائی بخشی ہے جس نے ہر چیز کو گویا کر دیا اور اسی نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور تم کو پہلی بار گویائی دی تھی' پھر اس نے تم کو دوبارہ پیدا کیا اور دوبارہ تم کو گویائی دی تو اب اس نے تمہارے اعضاء کو گویائی دے دی ہے تو اس میں کون سی تعجب کی بات ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم اس وجہ سے اپنا گناہ نہیں چھپاتے تھے کہ تمہارے خلاف تمہارے کان' تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں گواہی دیں گی' لیکن تمہارا گمان یہ تھا کہ تم جو کچھ کام کر رہے ہو ان کو اللہ نہیں جانتا O اور تمہارا اپنے رب کے ساتھ یہی گمان ہے جس نے تمہیں ہلاک کر دیا' پس تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گئے O اب اگر یہ صبر کریں تب بھی ان کا ٹھکانا دوزخ ہی ہے اور اگر وہ اللہ کی ناراضگی دور کرنے کو طلب کریں تب بھی وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہوں گے جن سے ناراضگی دور کی جائے گی O اور ہم نے ان کے لیے کچھ ایسے ساتھی ان پر مسلط کر دیئے تھے جنہوں نے ان کے لیے ان کے سامنے کے اور ان کے بعد کے امور کو ان کی نگاہوں میں خوش نما بنا دیا تھا اور ان کے حق میں اللہ کا وہ قول ثابت ہو گیا جو ان سے پہلے جنات اور انسانوں کے گروہوں میں ثابت ہو چکا تھا اور بے شک وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے تھے O (حٰمٓ السجدۃ: ۲۵۔۲۲)

اللہ کے ساتھ اس گمان کی مذمت کہ اس کو بندوں کے اعمال کا علم نہیں ہو گا

حٰمٓ السجدۃ: ۲۲ میں فرمایا ہے: ''اور تم اس وجہ سے اپنے گناہ نہیں چھپاتے تھے کہ تمہارے خلاف تمہارے کان' تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں گواہی دیں گی لیکن تمہارا گمان یہ تھا کہ تم جو کچھ کام کر رہے ہو ان کو اللہ نہیں جانتا O''

اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ جب کفار کوئی بُرا اور شرم ناک کام کرنے لگتے تو وہ اپنے کام کو چھپاتے تھے لیکن ان کا چھپانا اس لیے نہیں ہوتا تھا کہ ان کو یہ خطرہ تھا کہ ان کے کان' ان کی آنکھیں اور ان کی کھال اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کے بُرے کاموں کی شہادت دیں گی کیونکہ وہ نہ قیامت کے قائل تھے اور نہ مرنے کے بعد اٹھنے کے اور نہ حساب اور کتاب کے معترف تھے' بلکہ ان کا چھپ کر گناہ کرنا اس لیے تھا کہ ان کا یہ گمان تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ان اعمال کا پتا نہیں چلتا جو چھپ کر کیے جائیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بیت اللہ کے پاس دو قرشی اور ایک ثقفی یا دو ثقفی اور ایک قرشی جمع ہوئے' یہ بہت موٹے اور جسیم تھے اور ان کے دلوں میں فقہ بہت کم تھی' پس ان میں سے ایک نے کہا: کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری باتیں سن رہا ہے' دوسرے نے کہا: اگر ہم زور سے باتیں کریں گے تو وہ سنے گا اور اگر آہستہ باتیں کریں گے تو وہ نہیں سنے گا' دوسرے نے کہا: اگر وہ ہماری زور سے کی ہوئی باتیں سن سکتا ہے تو وہ ہماری آہستہ سے کی ہوئی باتیں بھی سن سکتا ہے' تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: اور تم اس وجہ سے اپنے گناہ نہیں چھپاتے تھے۔ الخ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۱۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۴۸' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۴۶۸' جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۳۲۸)

حٰمٓ السجدۃ: ۲۳ میں فرمایا ہے: ''اور تمہارا اپنے رب کے ساتھ یہی گمان ہے جس نے تمہیں ہلاک کر دیا' پس تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گئے O''

اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھنے کے متعلق احادیث

یہ آیت اس باب میں نص صریح ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ گمان رکھتا ہے کہ اللہ کو اس کے کاموں کا علم نہیں ہو گا وہ ان لوگوں میں سے ہو گا جو ہلاک ہونے والے ہیں اور نقصان اٹھانے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ گمان کی دو قسمیں ہیں: ظن حسن اور ظن فاسد ظن فاسد کی ایک مثال یہی ہے جس کا اس آیت میں ذکر فرمایا ہے اور ظن حسن کی مثال یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے یہ گمان رکھے کہ وہ اس پر فضل اور رحمت فرمائے گا' اس کے گناہوں پر پردہ رکھے گا' اس کی توبہ قبول فرمائے گا' اس کو بخش دے گا اور اس کو دارین میں اجر و ثواب عطا فرمائے گا' حدیث میں ہے:

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوں وہ میرے متعلق جو چاہے گمان کرے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۴۹۱' ج ۴ ص ۱۰۶ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲۵ ص ۳۹۸' رقم الحدیث: ۱۶۰۱۶' ج ۲۸ ص ۱۸۷' رقم الحدیث: ۱۶۹۷۹' مؤسسۃ الرسالۃ' ۱۴۱۹ھ' المعجم الکبیر ج ۲۲ رقم الحدیث: ۲۱۱)

ایک اور سند سے یہ روایت ہے: میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوں' اگر وہ خیر گمان کرے تو خیر ہے اور اگر وہ شر گمان کرے تو شر ہے۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۴۰۳' ریاض' المعجم الکبیر ج ۲۲ رقم الحدیث: ۲۰۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۱)

یزید بن اسود بیان کرتے ہیں کہ میں سخت بیمار تھا' حضرت واثلہ میری عیادت کے لیے آئے اور پوچھا: تمہارا اللہ کے ساتھ کیا گمان ہے؟ میں نے کہا: جب میں اپنے گناہوں کو دیکھتا ہوں تو مجھے اپنی ہلاکت قریب نظر آتی ہے لیکن میں اللہ کی رحمت کی امید رکھتا ہوں' حضرت واثلہ نے کہا: اللہ اکبر اور گھر والوں نے بھی کہا: اللہ اکبر' حضرت واثلہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے: اللہ فرماتا ہے: میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوں' وہ میرے متعلق جو چاہے گمان کرے۔ (جامع شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۷۵' رسائل ابن ابی الدنیا حسن الظن باللہ رقم الحدیث: ۲' الادب للبیہقی رقم الحدیث: ۱۶۰' الزہد لابن المبارک رقم الحدیث: ۹۰۹' المستدرک ج ۴ ص ۲۴۰)

اسی طرح ایک اور حدیث ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تین دن پہلے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: تم میں سے کسی شخص پر ہرگز موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ وہ اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھتا ہو (اس حدیث کی سند صحیح ہے)۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۱۳' مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۳ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲۲ ص ۲۸' رقم الحدیث: ۱۴۱۲۵' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۹ھ' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۹۰۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۳۷' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۶۱۱۳' حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۸۷' سنن بیہقی ج ۳ ص ۳۷۷' شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۰۱۱' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۴۵۵' جامع المسانید والسنن مسند جابر رقم الحدیث: ۱۳۹۵)

اسی طرح اللہ کے ساتھ ظن رکھنے والوں کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم ان کی ہے جو نجات یافتہ ہیں جن کے متعلق فرمایا تھا:

الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ○ (البقرہ: ۴۶) جن لوگوں کا یہ ظن ہے کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ○

اور جو لوگ عذاب یافتہ ہیں ان کا اللہ کے ساتھ وہ ظن ہوتا ہے جس کا اس آیت میں ذکر فرمایا ہے۔

حٰم السجدة: ۲۴ میں فرمایا: ''اب اگر یہ صبر کریں تب بھی ان کا ٹھکانا دوزخ ہی ہے اور اگر وہ اللہ کی ناراضگی دور کرنے کو طلب کریں تب بھی وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہوں گے جن سے ناراضگی دور کی جائے گی''۔

عتاب کا معنیٰ اور دوزخ میں کفار کے عذاب کا لزوم

اس آیت میں ''یستعتبوا'' اور ''معتبین'' کے الفاظ ہیں' ان کا مادہ عتب ہے' عتب کے معنیٰ ہیں: ناراض ہونا' عتبہ دراصل اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں اترنے والے کو کچھ دکھ اور چبھن ہو' اسی لیے سیڑھی اور چوکھٹ کو عتبہ کہا جاتا ہے اور جب یہ باب افعال سے ہو تو اس میں ہمزہ سلب ماخذ کے لیے ہوتا ہے اور اس کا معنیٰ ہوتا ہے: ناراضگی اور عتاب دور کرنا' یعنی منانا اور

معتبین باب افعال کا اسم مفعول ہے اور ''**فما ھم من المعتبین**'' کا معنیٰ ہے: وہ ان لوگوں سے نہیں ہوں گے جن سے ناراضگی دور کی جائے گی اور اگر یہ باب استفعال سے ہو تو اس کا معنیٰ ہوگا: ناراضگی کے ازالہ کو طلب کرنا۔

(المفردات ج ۲ ص ۴۱۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اگر یہ دوزخ کے عذاب اور تکلیف کو ضبط کر لیں اور اس پر بے چینی اور اضطراب کا اظہار نہ کریں اور درد کی شدت سے آہ و بکا اور فریاد نہ کریں تب بھی ان کا ٹھکانا وہی دوزخ کی آگ ہے اور اگر یہ اس عذاب کے ازالہ کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے شرک اور کفر پر عذر پیش کریں اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے ازالہ کی کوشش کریں تو ان کی یہ کوشش رایگاں جائے گی اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی نہیں ہوگا سو ان سے عذاب دور نہیں کیا جائے گا' پس ان کا صبر کرنا اور بے صبری کا اظہار کرنا برابر ہے اس کی نظیر یہ آیت ہے' دوزخ میں کفار یہ کہیں گے:

سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ○ (ابراہیم: ۲۱) ہمارے لیے برابر ہے خواہ ہم بے قراری کا اظہار کریں یا صبر کریں' ہمارے لیے عذاب سے نجات کی کوئی سبیل نہیں ہے۔

قیض کا معنیٰ

حٰمٓ السجدة: ۲۵ میں فرمایا: ''اور ہم نے ان کے لیے کچھ ایسے ساتھی ان پر مسلط کر دیئے تھے جنہوں نے ان کے لیے ان کے سامنے کے اور ان کے بعد کے امور کو ان کی نگاہوں میں خوش نما بنا دیا تھا اور ان کے حق میں اللہ کا وہ قول ثابت ہو گیا جو ان سے پہلے جنات اور انسانوں کے گروہوں میں ثابت ہو چکا تھا اور بے شک وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے تھے ○''

''قیضنا'' کا مادہ قیض ہے' قیض کا معنیٰ ہے: انڈے کے اوپر والا چھلکا' جو انڈے کے ساتھ چپکا ہوا ہوتا ہے' اس مناسبت سے تقییض کا معنیٰ ہے: کسی کو کسی کے ساتھ لگا دینا' لازم کر دینا' چمٹا دینا' مسلط کر دینا' قیض کا معنیٰ بدل اور عوض بھی ہے۔ اسی مناسبت سے بیع مقایضہ کا معنیٰ ہے: وہ بیع جس میں سامان کا سامان کے عوض تبادلہ ہو۔

(المفردات ج ۲ ص ۵۳۶' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اس آیت کا معنیٰ ہے: ہم نے جنات اور انسانوں میں سے بعض شیاطین کو ان کافروں کا دوست بنا کر ان پر مسلط کر دیا جو ان کے لیے دنیا اور آخرت کی چیزوں کو خوش نما بنا کر دکھاتے ہیں' دنیا کی چیزوں میں سے گناہوں کی لذتوں کو اور آخرت کی چیزوں میں سے حشر و نشر اور حساب و کتاب کے انکار کو پیش کرتے ہیں' جیسے کسی ملحد نے کہا ہے: بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست' یعنی اے بابر! عیش و عشرت میں زندگی گزار و کہ یہ جہاں دوبارہ نہیں آئے گا۔ سامنے کے امور سے مراد دنیا ہے اور بعد کے امور سے مراد آخرت ہے۔

جہاد بالنفس اور جہاد اکبر کے متعلق احادیث

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے ساتھ ایسے خیر خواہ ساتھی مسلط کر دیتا ہے جو اس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں اور اس میں اس کی مدد کرتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کے ساتھ شر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے ساتھ ایسے بدخواہ ساتھی مسلط کر دیتا ہے جو اس کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کی دعوت دیتے ہیں اور فسق و فجور میں اس کی مدد کرتے ہیں اور ان بدخواہ ساتھیوں میں سے لمۂ شیطان (ہم زاد) ہے' جو اس کو بُرے کاموں کے وسوسے ڈالتا رہتا ہے اور گناہ کرنے کی ترغیب دیتا رہتا ہے تاکہ انسان بالآخر دوزخ کے عذاب کا مستحق ہو جائے اور اس سے نجات اس طرح حاصل ہو سکتی ہے کہ انسان اپنے نفس امارہ اور اس کے احکام اور اس کی خواہشات کی مخالفت

کرے اور اپنے نفس سے جہاد کرے۔

حدیث میں ہے' امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: کون سا جہاد افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اللہ عزوجل کی اطاعت میں اپنے نفس سے اور اس کی خواہشات سے جہاد کرو۔

علاء بن زیاد بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ مجاہدین میں سے کون افضل ہے؟ انہوں نے کہا: جو شخص اللہ عزوجل کی اطاعت میں اپنے نفس سے جہاد کرے' سائل نے کہا: یہ آپ کا قول ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے؟ انہوں نے کہا: بلکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۴۹ طبع قدیم' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۸۲' رقم الحدیث: ۲۲۳۳۔۲۲۳۲)

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے۔ ایک روایت میں ہے: جو اللہ کے لیے یا اللہ کی اطاعت میں اپنے نفس سے جہاد کرے۔ (مسند احمد) (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۶۲۱' مسند احمد ج ۶ ص ۲۲۔۲۰ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۹ ص ۳۷۵' رقم الحدیث: ۲۳۹۵۱' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۱ھ' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۶۲۴' المعجم الکبیر ج ۱۸ رقم الحدیث: ۸۰۳۔۸۰۲' المستدرک ج ۲ ص ۱۴۴۔۷۲' سنن سعید بن منصور رقم الحدیث: ۲۴۱۴' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۷۵۳)

اور اسی معنیٰ میں یہ حدیث مشہور ہے۔ علامہ علی متقی بن حسام الدین متوفی ۹۷۵ھ لکھتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مجاہدین کا ایک گروہ آیا تو آپ نے فرمایا:

قدمتم خیر مقدم قدمتم من الجهاد الاصغر الی الجهاد الاکبر مجاهدة العبد هواه. (الدیلمی)

تم آئے ہو' تمہارا آنا مبارک ہے' تم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف آئے ہو اور وہ بندہ کا اپنی خواہشات کے خلاف جہاد کرنا ہے' اس حدیث کو دیلمی نے روایت کیا ہے۔

(کنز العمال ج ۴ ص ۶۱۶' رقم الحدیث: ۱۱۷۷۹' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آزاد شدہ غلام بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا: جو شخص اللہ کی اطاعت میں اپنے نفس پر غضب ناک ہوا' اللہ اس کو اپنے غضب سے مامون رکھے گا۔

(کنز العمال ج ۴ ص ۶۱۶' رقم الحدیث: ۱۱۷۷۸)

مشرکین کے متعلق اللہ تعالیٰ کا جو قول ثابت ہے اس کا بیان

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اور ان کے حق میں اللہ کا وہ قول ثابت ہو گیا جو ان سے پہلے جنات اور انسانوں کے گروہوں میں ثابت ہو چکا تھا'' اس قول سے مراد یہ آیات ہیں:

وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ (ھود: ۱۱۹)

اور آپ کے رب کی یہ بات پوری ہے کہ میں جنات اور انسانوں سب سے دوزخ کو بھر دوں گا ۝

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّىْ لَأَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ (السجدۃ: ۱۳)

اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ضرور ہدایت یافتہ بنا دیتے' لیکن میرا یہ قول برحق ہے کہ میں ضرور بہ ضرور جہنم کو جنات سے اور انسانوں سے سب سے بھر دوں گا ۝

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ (الاعراف: ۱۸)

فرمایا: (اے ابلیس!) تو یہاں سے ذلیل و خوار ہو کر نکل جا' ان میں سے جو شخص تیری پیروی کرے گا تو میں ضرور بہ ضرور تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا ○

اللہ تعالیٰ کے گناہ کا ارادہ کرنے کے متعلق امام رازی اور ابو علی جبائی کی معرکہ آرائی

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں فرمایا ہے: ''اور ہم نے ان کے لیے کچھ ایسے ساتھی ان پر مسلط کر دیئے تھے جنہوں نے ان کے لیے ان کے سامنے کے اور ان کے بعد کے امور کو ان کی نگاہوں میں خوش نما بنا دیا تھا''۔

ہمارے اصحاب نے اس آیت سے اس پر استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کافر سے کفر کا ارادہ فرماتا ہے' انہوں نے کہا: اس موقف کی تقریر اس طرح ہے کہ اللہ کو علم تھا کہ جب وہ کافروں کے لیے ایسے ساتھیوں کو ان پر مسلط فرمائے گا تو وہ ان کے لیے باطل کو خوش نما بنا دیں گے اور ہر وہ شخص جو کوئی ایسا کام کرے جس پر لامحالہ ایک اثر مرتب ہو گا تو ضروری ہے کہ اس فعل کا فاعل اس اثر کا ارادہ کرنے والا ہو' پس ثابت ہو گیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے لیے ایسے ساتھیوں کو ان پر مسلط کیا تو اس نے ان کافروں سے کفر کا ارادہ کیا۔ اس کا جبائی نے یہ جواب دیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کا ارادہ کرے تو پھر کفار گناہ کر کے اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار ہوں گے' حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والے ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ کافروں سے ان کے کفر اور معصیت کا ارادہ کیسے کر سکتا ہے' جب کہ اس نے خود فرمایا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ (الذاریٰت: ۵۶)

اور میں نے جن اور انس کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں ○

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں سے صرف عبادت کا ارادہ کرتا ہے اور اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں سے کفر اور معصیت کا ارادہ نہیں کرتا اور رہی یہ آیت تو اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے کافروں کے لیے ان کے ساتھیوں کو ان پر اس لیے مسلط کیا ہے کہ وہ ان کے لیے دنیا اور آخرت کی چیزوں کو مزین اور خوش نما کریں' بلکہ یہ فرمایا ہے کہ ہم نے ان ساتھیوں کو ان کافروں پر مسلط کر دیا تو انہوں نے ان کے لیے دنیا اور آخرت کی چیزوں کو مزین کر دیا' بایں طور کہ ہر ایک نے دوسرے کی طرف اپنی جنس سے کوئی چیز نکالی۔ پس شوہر اور بیوی میں سے ایک کو دوسرے پر مسلط کر دیا اور غنی کو فقیر کے لیے اور فقیر کو غنی کے لیے مسلط کر دیا' پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ ان میں سے بعض نے بعض دوسروں کے لیے گناہوں کو مزین کر دیا۔

امام رازی نے جبائی کے رد میں پھر اپنی اس دلیل کو دہرایا ہے کہ جب ایک فاعل کو قطعی طور پر معلوم ہو کہ وہ کوئی کام کرے گا تو اس سے فلاں اثر برآمد ہو گا اور پھر وہ اس کام کو کرے تو اس کا لازماً یہی مطلب ہے کہ اس نے اس اثر کا ارادہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کو قطعی طور پر معلوم تھا کہ جب وہ کافروں پر ان کے ساتھیوں کو مسلط کرے گا تو وہ ساتھی ان کو کفر اور گمراہی میں مبتلا کریں گے تو اس کا لازماً یہی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر اور گمراہی کا ارادہ کیا ہے اور جبائی نے اس کے جواب میں جو یہ کہا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان سے معاصی کا ارادہ کیا اور انہوں نے وہ معاصی کر لیے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار ہو گئے' حالانکہ وہ اللہ کے نافرمان ہیں' جبائی کے اس جواب سے ہماری دلیل کا رد نہیں ہوتا' کیونکہ اگر کوئی شخص دوسرے کے ارادہ کے موافق کام کرنے سے اس کا اطاعت گزار ہو جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ جب اللہ تعالیٰ بندوں کے ارادہ

کے موافق افعال کو پیدا کرے تو اللہ تعالیٰ بندوں کا اطاعت گزار ہو جائے حالانکہ یہ بداہۃً باطل ہے' نیز ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ الزام لفظی ہے کیونکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اطاعت سے اگر یہ مراد ہے کہ ارادہ کے موافق فعل کیا جائے تو جس طرح یہ لازم آ رہا ہے کہ کافر اللہ کے اطاعت گزار ہو جائیں اسی طرح یہ بھی لازم آ رہا ہے کہ اللہ بندوں کا اطاعت گزار ہو جائے اور اگر اطاعت سے کوئی اور معنیٰ مراد ہے تو اس کو بیان کیا جائے تا کہ دیکھا جائے کہ وہ صحیح ہے یا نہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۵۸' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی اور ابوعلی جبائی کے درمیان مصنف کا محاکمہ اور اللہ تعالیٰ کی تنزیہ اور تعظیم

امام رازی نے جبائی کی اس دلیل کا کوئی جواب نہیں دیا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کے گناہ کرنے کا ارادہ کیسے کرسکتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خود فرمایا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ (الذاریٰت: ۵۶)

اور میں نے جن اور انس کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں ○

دوسری بات یہ ہے کہ امام رازی کا بیان کردہ یہ قاعدہ صحیح ہے کہ جب کوئی فاعل ایسا فعل کرے جس پر لامحالہ ایک اثر مرتب ہو اور وہ اس چیز کے علم کے باوجود ایسا فعل کرے تو اس کا لازماً معنیٰ یہ ہے کہ اس نے اس فعل کا ارادہ کیا ہے۔ لیکن حٰمٓ السجدۃ: ۲۵ پر اس قاعدہ کا اطلاق اور انطباق صحیح نہیں ہے' اس آیت میں فرمایا ہے: ''اور ہم نے ان کے لیے کچھ ایسے ساتھی مسلط کر دیئے تھے جنہوں نے ان کے لیے ان کے سامنے کے اور ان کے بعد کے امور کو ان کی نگاہوں میں خوش نما بنا دیا تھا''۔ کیونکہ اگر مثلاً شیطان یا اس کے چیلوں نے انسانوں کے لیے دنیا میں گناہوں کو اور آخرت میں حشر ونشر کے انکار کو مزین کر دیا ہے تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ انسان اس کے وسوسوں کو قبول کرلے' تمام انبیاء علیہم السلام اور اکثر صحابہ کرام' اولیاء اللہ اور اللہ کے نیک اور ثابت قدم بندوں کے لیے بھی شیطان دنیا کو اور اس کی پُر معصیت لذتوں کو خوشنما بنا کر دکھاتا ہے لیکن وہ اس کے دام فریب میں نہیں آتے اور شیطان ناکام رہتا ہے' اور شیطان نے خود اعتراف کیا کہ وہ لوگوں کے سامنے گناہوں کو مزین کرے گا اور انہیں خوش نما بنا کر دکھائے گا لیکن اس کے باوجود وہ اللہ کے نیک بندوں کو راہ استقامت سے نہیں ہٹا سکے گا' قرآن مجید میں ہے:

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ○ (الحجر: ۴۰-۳۹)

ابلیس نے کہا: اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھے گم راہ کیا ہے تو قسم ہے میں ضرور ان کے لیے زمین میں گناہوں کو مزین کروں گا اور ضرور ان سب کو گمراہ کروں گا ○ ان میں سے ماسوا تیرے ان بندوں کے جو اصحاب اخلاص ہیں ○

اس آیت سے یہ واضح ہو گیا کہ شیطان جب انسانوں کے لیے گناہوں کو مزین کرتا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انسان ضرور وہ گناہ کر بیٹھیں لہٰذا اللہ تعالیٰ نے جب کافروں کے لیے کچھ ایسے ساتھی مسلط کر دیئے تھے جنہوں نے ان کے لیے گناہوں کو خوش نما بنا دیا تھا تو یہ لازم اور ضروری نہیں تھا کہ وہ ان کے بہکانے میں آ کر کفر یا گناہ کر لیتے اور یہ ایسا فعل نہیں ہے کہ اس کے نتیجہ میں وہ لازماً کفر یا گناہ کریں حتیٰ کہ یہ کہا جائے کہ جب اللہ کو علم تھا کہ وہ اس فعل کے بعد کفر کریں گے تو ثابت ہوا کہ اللہ نے ان کے کفر کا ارادہ کرلیا تھا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے صرف کفر اور گمراہی کے داعی نہیں بھیجے' ایمان اور اطاعت کے داعی بھی بھیجے ہیں' اگر دنیا میں شیطان اور

اس کے چیلوں کو مسلط کیا ہے تو ان کے وسوسوں کے ازالہ کے لیے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو بھی مقرر کیا ہے اور ہر انسان کے ساتھ نیکی کی ترغیب دینے کی ایک روح پیدا کی اور برائی کی تحریک کے لیے بھی ایک روح پیدا کی ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۴)

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ (البلد: ۱۰)

اور ہم نے اس کو دونوں راستے دکھا دیئے ۝

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝

(الشمس: ۱۰۔۷)

اور قسم ہے نفس کی اور اس کو درست بنانے کی ۝ پس اس کو اس کے برے کاموں کی اور برے کاموں سے اجتناب کی فہم عطا کی ۝ جس نے اپنے باطن کو صاف کر لیا وہ کامیاب ہو گیا ۝ اور جس نے اپنے آپ کو اللہ کی اطاعت میں نہ لگایا وہ ناکام ہو گیا ۝

سو اللہ تعالیٰ نے صرف یہ نہیں کیا کہ کافر کے اوپر صرف شیطانی ساتھیوں کو مسلط کر دیا کہ وہ اس کو گمراہ کر ڈالیں بلکہ انبیاء علیہم السلام کو شیطانی وسوسوں کے ازالہ کے لیے بھی بھیجا ہے تاکہ وہ اس کو ہدایت دیں' اگر شیاطین انسان کے سامنے گناہوں کو مزین کر کے دکھاتے ہیں تو انبیاء علیہم السلام اس کے سامنے ایمان اور نیکیوں کو مزین کر کے دکھاتے ہیں اور جس طرح انبیاء علیہم السلام کے نیکیوں کو مزین کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ انسان ضرور مومن اور صالح ہو جائے اسی طرح شیطانوں کے گناہوں کو مزین کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ انسان ضرور کافر اور فاسق ہو جائے' اللہ تعالیٰ نے انسان کو خیر اور شر' ایمان اور کفر' اطاعت اور معصیت کے دونوں راستے دکھا دیئے اور اس کو عقل اور فہم عطا کر دی' وہ اپنے لیے جس چیز کو بھی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے وہی چیز پیدا کر دیتا ہے اور اسی اعتبار سے اس کو جزاء اور سزا ملتی ہے' بہر حال امام رازی نے اللہ تعالیٰ کے لیے گناہ کا ارادہ ثابت کرنے کے لیے جو بنیاد قائم کی تھی وہ منہدم ہو گئی' امام رازی نے جو یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے کفر اور ان کے گناہوں کا ارادہ کرتا ہے یہ اس لیے غلط ہے کہ پھر اس نے ہدایت دینے کے لیے انبیاء اور رسل کیوں بھیجے' گناہوں پر ملامت اور مذمت کیوں کی' جزاء اور سزا کا نظام کیوں قائم کیا' اللہ تعالیٰ امام رازی کی مغفرت فرمائے' ان کے درجات بلند فرمائے' انہوں نے بہت سنگین بات کہی ہے اور اللہ ہی کے لیے حمد ہے۔

ہم اس سے پہلے الزمر: ۶۲ میں ''اللہ خالق کل شیء'' کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں کہ اصول یہ ہے کہ ہر چند کہ ہر چیز کا خالق اللہ ہے۔ لیکن قبیح چیزوں کو خلق کرنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف اسناد کرنا جائز نہیں ہے' اس لیے یہ کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ایمان اور اطاعت کا خالق ہے' لیکن یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ کفر اور معصیت کا خالق ہے' نیز اگر یہ کہا جائے گا کہ کافر کے کفر کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا تھا تو اس سے منکروں اور ملحدوں کو یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ جب کافر کے کفر کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا تھا اور اس میں کفر اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تھا تو پھر کافر کے کفر کرنے میں اس کا کیا قصور ہے اور پھر اس کو کفر کی سزا دینے میں کیا اس پر ظلم نہیں ہے؟

اس لیے صحیح یہی ہے اور اسی میں سلامتی ہے کہ یہ کہا جائے گا کہ ہر انسان خواہ وہ مومن ہو یا کافر وہ اپنے افعال میں آزاد اور مختار ہے' وہ جس فعل کو اختیار کرتا ہے اور جس کام کا ارادہ کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس میں اسی فعل اور اسی کام کو پیدا کر دیتا ہے اور اسی اعتبار سے وہ انسان جزاء اور سزا کا مستحق ہوتا ہے اور ازل میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ جب بندوں کو اختیار دیا جائے گا تو وہ اپنے اختیار سے کیا کریں گے اور کیا نہیں کریں گے۔

میں نے اس آیت کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے اس سے امام رازی کی تغلیط یا تنقیص مقصود نہیں ہے۔ مقصود صرف احقاق

حق اور ابطال باطل ہے' اللہ تعالیٰ کی تنزیہ اور تعظیم کو بیان کرنا ہے۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم' والحمد للہ رب العلمین

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ

اور کافروں نے کہا: اس قرآن کو مت سنا کرو اور (اس کی قرأت کے وقت) لغو باتیں کیا کرو تاکہ تم

لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ

غالب آ جاؤ O بے شک ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا مزا چکھائیں گے

وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ

اور ان کو ہم ان کے بدترین کاموں کی سزا ضرور دیں گےO یہ ہے اللہ کے دشمنوں کی سزا (جو) دوزخ کی

اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ؕ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾

آگ ہے' اس میں ان کے لیے ہمیشہ رہنے کا گھر ہے' یہ اس چیز کی سزا ہے کہ یہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھےO

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ

اور کافر کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں جنات اور انسانوں میں سے وہ دونوں گروہ دکھا جنہوں نے ہمیں

وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾

گم راہ کیا تھا کہ ہم ان کو اپنے پاؤں تلے رکھ کر پامال کریں تاکہ وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ سے ہو جائیںO

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ

بے شک جن لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے' پھر وہ اس پر مستقیم رہے' ان پر فرشتے (یہ کہتے ہوئے)

الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ

نازل ہوتے ہیں کہ تم نہ خوف کرو اور نہ غم کرو اور اس جنت کی بشارت سنو جس کا تم

تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ

سے وعدہ کیا گیا ہےO ہم دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں تمہارے مددگار ہیں اور تمہارے لیے اس جنت میں

وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿٣١﴾ نُزُلًا

ہر وہ چیز ہے جس کو تمہارا دل چاہے اور تمہارے لیے اس میں ہر وہ چیز ہے جس کو تم طلب کرو O (یہ) بہت

مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿٣٢﴾

بخشنے والے' بے حد رحم فرمانے والے کی طرف سے مہمانی ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافروں نے کہا: تم اس قرآن کو مت سنا کرو اور (اس کی قراءت کے وقت) لغو باتیں کیا کرو تا کہ تم غالب آ جاؤ O بے شک ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا مزا چکھائیں گے اور ان کو ہم ان کے بدترین کاموں کی سزا دیں گے O یہ ہے اللہ کے دشمنوں کی سزا (جو) دوزخ کی آگ ہے' اس میں ان کے لیے ہمیشہ رہنے کا گھر ہے' یہ اس چیز کی سزا ہے کہ یہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے O اور کافر کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں جنات اور انسانوں میں سے وہ دونوں گروہ دکھا جنہوں نے ہمیں گم راہ کیا تھا کہ ہم ان کو اپنے پاؤں تلے رکھ کر پامال کریں تا کہ وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ سے ہو جائیں O

(حٰم السجدة: ۲۹-۲۶)

کفار کے جرائم اور ان کی سزا

اس آیت میں ''والغوا'' کا لفظ ہے' اس کا مادہ لغو ہے' اس کا معنی ہے: بے فائدہ کلام جو اس لائق ہو کہ اس کو ساقط کر دیا جائے' لغو کلام وہ ہوتا ہے جو نا قابل شمار ہو' بغیر غور و فکر کے جو کسی سے بات کی جائے اور وہ خرافات اور ہذیان پر مشتمل ہو' یا جھوٹے قصے کہانیاں جیسے کفار نے رستم اور اسفندیار کے قصے گھڑ رکھے تھے' جب مسلمان قرآن پڑھتے تھے تو وہ بلند آواز سے ایسی فضول باتیں سناتے' اشعار پڑھتے اور تالیاں بجاتے تا کہ قرآن پڑھنے والوں کو تشویش ہو' ان کا ذہن مضطرب ہو اور وہ بھول جائیں کہ وہ کیا پڑھ رہے تھے۔

ان کے لغو باتیں کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اہل مکہ کو یہ معلوم تھا کہ قرآن مجید لفظی اور معنوی اعتبار سے کامل ہے اور جو شخص بھی اس کے الفاظ کی فصاحت اور بلاغت میں غور کرے گا اور اس کے معانی میں تدبر کرے گا تو اس کی عقل یہ فیصلہ کرے گی کہ یہ برحق کلام ہے اور کسی انسان یا جن کے بس میں ایسا کلام پیش کرنا ممکن نہیں ہے' یہ انسان کا نہیں اللہ کا کلام ہے' پھر جو شخص یہ کلام سنے گا وہ اپنے کفر پر قائم نہیں رہے گا' بلکہ فوراً اللہ تعالیٰ کی توحید پر اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لے آئے گا۔

حٰم السجدة: ۲۷ میں فرمایا: ''بے شک ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا مزا چکھائیں گے O''

اس آیت میں بدترین عذاب چکھانے کا ذکر ہے' اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جس چیز کو چکھا جاتا ہے وہ بہت کم ہوتی ہے تو جب اللہ کے سخت عذاب کے چکھنے کا یہ عالم ہے کہ وہ ان کی برداشت سے باہر ہے تو جب ان کو اس سخت عذاب کی پوری مقدار میں مبتلا کیا جائے گا تو پھر اس کی شدت کا کیا عالم ہوگا۔

اس کے بعد فرمایا: ''اور ان کو ہم ان کے بدترین کاموں کی سزا دیں گے''۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کو ان کے زیادہ بُرے کاموں کی سزا دی جائے گی اور جو کام ان کے نسبتاً کم بُرے ہوں گے ان کی سزا نہیں دی جائے گی' بلکہ ان کو ان کے ہر قسم کے بُرے کاموں کی سزا دی جائے گی اور جو کام زیادہ بُرے ہوں گے ان میں عذاب کی کیفیت نسبتاً زیادہ شدید ہو گی اور دنیا

میں انہوں نے جو نیکی کے کام کیے ہوں گے' مثلاً غلاموں کو آزاد کرنا' بھوکوں کو کھانا کھلانا' مظلوموں کی مدد کرنا وغیرہ وہ تمام کام ضائع کر دیئے جائیں گے اور ان کو آخرت میں ان پر کوئی اجر وثواب نہیں ملے گا' کیونکہ توحید و رسالت پر ایمان لائے بغیر کوئی نیکی قبول نہیں ہوتی۔

حٰمٓ السجدۃ: ۲۸ میں فرمایا: ''یہ ہے اللہ کے دشمنوں کی سزا (جو) دوزخ کی آگ ہے' اس میں ان کے لیے ہمیشہ رہنے کا گھر ہے' یہ اس چیز کی سزا ہے کہ یہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے O''

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ ان کو ان کے بُرے کاموں کی سزا دی جائے گی' اس آیت میں اس سزا کا بیان ہے کہ وہ سزا دوزخ کی آگ ہے اور فرمایا: ''اس میں ان کے لیے ہمیشہ رہنے کا گھر ہے'' یعنی دوزخ میں ایک مخصوص طبقہ ہے جس میں ان لوگوں کو ہمیشہ عذاب دیا جائے گا' کیونکہ بعض فساق مؤمنین کو بھی تطہیر کے لیے دوزخ میں رکھا جائے گا' لیکن ان کا دوزخ میں عارضی قیام ہو گا' بعد میں ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا' اس کے برخلاف کفار کے لیے دوزخ میں دائمی عذاب کا گھر بنایا جائے گا۔

نیز فرمایا: ''یہ اس چیز کی سزا ہے کہ یہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے'' اس سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ قرآن مجید کی قرأت کے وقت بلند آواز سے لغو باتیں کرتے تھے' اس کو جحود اور انکار سے اس لیے تعبیر فرمایا کیونکہ ان کو یقین تھا کہ قرآن مجید معجز کلام ہے اور ان کو خطرہ تھا کہ جب لوگ اس کلام کو سن لیں گے تو اس پر ایمان لے آئیں گے' پس وہ جانتے تھے کہ قرآن مجید معجز کلام ہے لیکن وہ حسد' بغض اور عناد سے اس کے کلام اللہ ہونے کا انکار کرتے تھے۔

حٰمٓ السجدۃ: ۲۹ میں فرمایا: ''اور کافر کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں جنات اور انسانوں میں سے وہ دونوں گروہ دکھا جنہوں نے ہمیں گم راہ کیا تھا کہ ہم انہیں اپنے پاؤں تلے رکھ کر پامال کریں تا کہ وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقے سے ہو جائیں O''

اس آیت میں ماضی کے صیغے کا ذکر ہے: ''وقال الذین کفروا'' اور کفار نے کہا' اور اس سے مراد مستقبل کا زمانہ ہے یعنی کفار دوزخ میں یہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں جنات اور انسانوں میں سے وہ دونوں گروہ دکھا جنہوں نے ہمیں گم راہ کیا تھا' جنات میں سب سے پہلے جس نے گم راہ کیا تھا وہ ابلیس ہے اور ابن آدم میں سے جس نے سب سے پہلا گناہ کیا اور بعد کے لوگوں کو گمراہ کیا وہ قابیل ہے جس نے ھابیل کو قتل کیا تھا۔

حدیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جائے گا اس کے گناہ میں سے ایک حصہ قابیل کو بھی ملے گا کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کو ایجاد کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۳۵-۶۸۶۷-۷۳۲۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۷۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷۳' جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۷۴۴)

عارفین نے کہا ہے کہ جب انسان اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے اور اس کو معرفت حاصل ہوتی ہے اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی تجلیات منعکس ہوتی ہیں تو اس وقت وہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کی وہ صفات دکھائے جن میں جبلی طور پر شیطانیت اور حیوانیت کے تقاضے ہوتے ہیں اور وہ چاہتا ہے کہ وہ ان صفات کو فنا کر دے تا کہ جب وہ اس دنیا سے جائے تو بالکل پاک اور صاف ہو اور اس کے دل میں شیطانیت اور حیوانیت کے تقاضوں میں سے کوئی ذرہ نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جن لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے' پھر وہ اس پر مستقیم رہے' ان پر فرشتے (یہ کہتے ہوئے) نازل ہوتے ہیں کہ تم نہ خوف کرو اور نہ غم کرو اور اس جنت کی بشارت سنو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے O ہم دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں تمہارے مددگار ہیں اور تمہارے لیے اس جنت میں ہر وہ چیز ہے جس کو تمہارا دل چاہے اور اس میں تمہارے لیے ہر وہ چیز ہے جس کو تم طلب کرو O (یہ) بہت بخشنے والے' بے حد رحم فرمانے والے کی طرف سے مہمانی ہے O

(حٰم السجدۃ: ۳۲۔۳۰)

استقامت کا لغوی اور شرعی معنی

قرآن مجید کا اسلوب ہے کہ وہ دو ضدوں کا ساتھ ساتھ ذکر فرماتا ہے' کیونکہ ایک ضد کے ذکر سے دوسری ضد پہچانی جاتی ہے اور خوب واضح ہو جاتی ہے' اس سے پہلی آیتوں میں کفار کی وعید کا ذکر تھا اور اس آیت میں مسلمانوں سے وعد کا ذکر ہے۔

اس آیت میں ان لوگوں کی تحسین فرمائی ہے جنہوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے' پھر وہ اس پر مستقیم رہے' یعنی اس عقیدہ پر مضبوطی سے قائم رہے' جمے رہے اور ڈٹے رہے۔

مستقیم اس راستہ کو کہتے ہیں جو افراط اور تفریط کے درمیان متوسط ہو' مستقیم عقیدہ وہ ہے کہ نہ تو دہریوں کی طرح خدا کا انکار کیا جائے اور نہ مشرکین کی طرح متعدد خدا مانے جائیں' بلکہ کہا جائے کہ خدا ہے اور وہ ایک ہی ہے' نہ قدریہ کی طرح یہ کہا جائے کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے اور نہ جبریہ کی طرح یہ کہا جائے کہ انسان مجبور محض ہے۔ بلکہ یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے افعال کا خالق ہے اور انسان کاسِب ہے اور نہ برہموں کی طرح نبوت کا انکار کیا جائے اور نہ مرزائیہ کی طرح نبوت کو قیامت تک کے لیے جاری رکھا جائے' بلکہ یہ کہا جائے کہ نبی کا آنا ضروری ہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد یہ ضرورت ختم ہوگئی اور نہ رافضیہ کی طرح صحابہ کی مذمت کی جائے اور نہ ناصبیہ کی طرح اہل بیت کو بُرا کہا جائے' بلکہ صحابہ اور اہل بیت دونوں کی تکریم کی جائے۔ وعلی ھذا القیاس

اور استقامت کا معنیٰ ہے: انسان کا صراط مستقیم کو لازم رکھنا اور ہر حال میں اس پر جمے اور ڈٹے رہنا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استقامت کی تفسیر

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: ''ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا'' (فصلت: ۳۰) پھر آپ نے فرمایا: لوگوں نے یہ کہا: یعنی ہمارا رب اللہ ہے' پھر ان میں سے اکثر کافر ہو گئے' پس جو شخص اسی قول پر ڈٹا رہا حتیٰ کہ مر گیا' وہ ان لوگوں میں سے ہے جو اس قول پر مستقیم رہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۵۰' الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۱۲۸۸' جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۵۱۱)

حضرت سفیان بن عبد اللہ الثقفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے اسلام کے متعلق کوئی ایسی بات بتائیے کہ میں آپ کے بعد کسی اور سے سوال نہ کروں' آپ نے فرمایا: تم کہو: میں اللہ پر ایمان لایا' پھر اس پر مستقیم رہو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۷۲' مسند احمد ج ۳ ص ۴۱۳ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲۴ ص ۱۴۱' مؤسسۃ الرسالۃ' ۱۴۱۹ھ' شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۹۲۲)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کہو: میں اللہ پر ایمان لایا' اس کا معنیٰ ہے کہ تم زبان سے اللہ کی توحید کا اقرار کرو اور اپنے باقی اعضاء سے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرو اور فرمایا: پھر اس پر مستقیم رہو یعنی تادم مرگ توحید پر قائم رہو اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے رہو۔ نیز آپ کا یہ ارشاد تمام احکام شرعیہ کا جامع ہے' یعنی اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر عمل کرتے رہو اور ہر اس کام

سے اجتناب کرتے رہو جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے کسی ایک حکم پر بھی عمل نہیں کیا یا کسی ایک بھی ممنوعہ کام سے باز نہیں رہا تو وہ صراط مستقیم سے منحرف ہو گیا' پس جس نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے تو اس کے رب ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس کی رضا جوئی میں لگا رہے اور اس کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کرتا رہے۔

علامہ ابو العباس احمد بن عمر القرطبی المتوفی ۶۵۶ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں سائل کے لیے اسلام اور ایمان کے تمام معانی جمع کر دیئے ہیں' آپ نے سائل کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے ایمان کی تجدید کرے' اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کی توحید کی تصدیق کرے اور زبان سے اس کا ذکر کرے اور اس کو یہ حکم دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کی اطاعت پر مستقیم رہے اور ہر قسم کی نافرمانی اور حکم عدولی سے باز رہے کیونکہ اس وقت تک کسی چیز پر استقامت حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کی مخالف چیزوں سے رکا نہ جائے اور آپ کا یہ ارشاد قرآن مجید کی اس آیت سے مستنبط ہے: "اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا" (حٰم السجدۃ: ۳۰) یعنی اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کو واحد مانو پھر تادم مرگ اس عقیدہ پر اور اس کے احکام کی اطاعت پر جمے رہو جیسا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی اطاعت پر مستقیم رہو اور لومڑی کی طرح فریب دہی کرتے ہوئے جادہ استقامت سے منحرف نہ ہو' یعنی اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرتے رہو' اس کی توحید کا اقرار کرتے رہو اور اپنے اعضاء سے دائماً اس کی بندگی کرتے رہو۔

(المفہم ج ۱ ص ۲۲۲-۲۲۱' دار ابن کثیر' بیروت' ۱۴۲۰ ھ)

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سورۂ ہود میں فرمایا:

فَاسۡتَقِمۡ كَمَاۤ اُمِرۡتَ. (ہود: ۱۱۲) سو آپ اسی طرح مستقیم رہیں جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! آپ بوڑھے ہو گئے ہیں' آپ نے فرمایا: مجھے ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا۔

(المعجم الکبیر ج ۱۷ ص ۲۸۷-۲۸۶' رقم الحدیث: ۷۹۰' دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۳۵۸' شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۴۲)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ ھ لکھتے ہیں:

تمام قرآن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس سے زیادہ سخت اور دشوار آیت اور کوئی نازل نہیں ہوئی' اسی لیے جب آپ کے اصحاب نے آپ سے پوچھا کہ آپ پر بڑھاپا بہت جلد طاری ہو رہا ہے تو آپ نے فرمایا: مجھے سورۂ ہود اور اس جیسی دوسری سورتوں نے بوڑھا کر دیا۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۲ ص ۶۰۲' مکتبہ نزار مصطفیٰ' بیروت' ۱۴۱۷ ھ)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم مستقیم رہو اور تم مکمل استقامت ہرگز حاصل نہیں کر سکو گے اور یاد رکھو تمہارے اعمال میں سب سے افضل عمل نماز ہے اور صرف مومن (کامل) ہی دائماً باوضو رہ سکتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۸-۲۷۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۶' مسند احمد ج ۵ ص ۲۸۲-۲۷۶' سنن دارمی رقم الحدیث: ۶۶۱' المعجم الصغیر ج ۲ ص ۸۸' المستدرک ج ۱ ص ۱۳۰' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۴۵۷' جامع المسانید والسنن مسند عبد اللہ بن عمرو بن العاص رقم الحدیث: ۷۱۹)

صحابۂ کرام اور فقہاء تابعین سے استقامت کی تفسیر

حضرت ابوبکر نے یہ آیت پڑھی: "اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا". (حٰم السجدۃ: ۳۰) اور کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو

اللہ کے ساتھ بالکل شرک نہیں کرتے۔ایک اور روایت میں ہے: نہ کوئی اور معصیت کرتے ہیں۔

(جامع البیان جز ۲۴ص ۱۴۳' رقم الحدیث: ۲۳۵۵۲' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

زہری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے اس آیت کی منبر پر تلاوت کی اور کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی اطاعت پر مستقیم رہے اور لومڑی کی طرح فریب دہی سے صراط مستقیم سے اِدھر اُدھر نہیں نکلے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۵۵۸)

حسن بصری جب اس آیت کو پڑھتے تو دعا کرتے: اے اللہ! تو ہمارا رب ہے' ہمیں استقامت عطا فرما۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۵۵۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت کا تقاضا ہے کہ تم فرائض کی ادائیگی پر مستقیم رہو۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۵۶۰)

ابوالعالیہ نے کہا: دین میں اخلاص کے ساتھ عمل کرنے پر تادم مرگ مستقیم رہو۔

ایک قول ہے: جس طرح تم اپنے اقوال میں مستقیم ہو اسی طرح اپنے اعمال میں بھی مستقیم رہو۔

ایک اور قول ہے: جس طرح تم جلوت میں مستقیم ہو اسی طرح خلوت میں بھی مستقیم رہو۔

فضیل بن عیاض نے کہا: دنیا سے بے رغبتی کرو اور آخرت میں رغبت کرو۔

نیز ایک قول یہ ہے کہ اطاعت کے تمام افعال کے ساتھ ساتھ تمام گناہوں سے بھی مجتنب رہو' کیونکہ انسان ثواب کی رغبت میں اطاعت کرتا ہے اور عذاب کے خوف سے گناہوں سے اجتناب کرتا ہے۔ ربیع نے کہا: ماسوی اللہ سے اعراض کرو۔

(النکت والعیون ج ۵ص ۱۸۰۔۱۷۹' الجامع لاحکام القرآن ج ۱۵ص ۳۲۰' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

استقامت کے حصول کا دشوار ہونا

دو نقطوں کو ملانے والے سب سے چھوٹے خط کو لغت میں صراط مستقیم کہتے ہیں اور شریعت میں صراط مستقیم سے مراد وہ عقائد ہیں جو سعادت دارین تک پہنچاتے ہیں' یعنی وہ دین اسلام جس کو دے کر تمام انبیاء اور رسل کو مبعوث کیا گیا اور ان تمام کی نبوات اور رسالات کو حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت پر ختم کر دیا گیا' جس دین سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح معرفت ہو اور تمام احکام شرعیہ کا علم ہو وہ صراط مستقیم ہے۔ یہ صراط مستقیم کا خاص معنیٰ ہے اور اس کا عام معنیٰ یہ ہے: تمام اخلاق' اعمال اور امور میں افراط اور تفریط کے درمیان متوسط طریقہ۔

خواص مسلمین کے نزدیک صراط مستقیم کا معنیٰ یہ ہے:

کفر' فسق' جہل' بدعت اور ہوائے نفسانیہ کے جہنم کی پشت پر علم' عمل' خلق اور حال کے اعتبار سے شریعت پر استقامت کا پل۔

اس معنیٰ میں صراط مستقیم سے ذہن آخرت کے پل صراط کی طرف متوجہ ہوتا ہے' پل صراط کے متعلق احادیث میں ہے کہ وہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے اور شریعت پر استقامت بھی بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ مثلاً ہمارے ہاں عام طور پر دیور اور بھابھی میں پردہ نہیں ہوتا' حالانکہ شریعت میں ان کے درمیان پردہ کی سخت تاکید ہے' سرکاری ملازمتیں رشوت' سود اور بے ایمانی کی آمدنی کے بغیر ممکن نہیں' یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم مخلوط طریقہ تعلیم کے بغیر ناگزیر ہے' دکاندار اور ٹھیلے والے پولیس کو بھتہ دیئے بغیر اپنا کاروبار نہیں چلا سکتے۔ نجی اداروں اور دفاتر میں مردوں اور عورتوں کا مخلوط اسٹاف ہوتا ہے' استقبالیہ اور معلوماتی کاؤنٹر پر بے پردہ خواتین سے گفتگو کرنی پڑتی ہے' سرکاری ٹینڈرز پر کوئی ٹھیکہ رشوت کے

بغیر منظور نہیں ہو سکتا' پولیس اور دیگر سرکاری محکموں میں کوئی شخص رشوت میں ملوث ہوئے بغیر ملازمت نہیں کر سکتا' غرضیکہ پورا معاشرہ شریعت کی خلاف ورزیوں اور اخلاقی پستیوں میں ڈوبا ہوا ہے' ایسے معاشرہ میں اگر کوئی شخص شریعت پر مستقیم رہنا چاہے تو یہ صراط مستقیم بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے اور جو اس صراط مستقیم پر آسانی سے گزر گیا وہ آخرت کی پل صراط سے بھی آسانی سے گزر جائے گا۔

اور عوام مسلمین کے اعتبار سے صراط مستقیم کا یہ معنیٰ ہے:

اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو ماننا اور اس پر عمل کرنا اور ہر اس کام سے رکنا جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔

خواص جب **اھدنا الصراط المستقیم** کہتے ہیں تو اس کا معنیٰ یہ ہے: اے اللہ! ہمیں سیر الی اللہ کے بعد سیر فی اللہ عطا فرما اور ہم پر اپنے جمال اور جلال کی صفات غیر متناہیہ منکشف کر دے اور جب عوام **اھدنا الصراط المستقیم** کہتے ہیں تو اس کا معنیٰ ہے: اے اللہ! ہمیں اپنے تمام احکام پر عمل کی توفیق عطا فرما۔

اس کے بعد فرمایا: ''ان پر فرشتے (یہ کہتے ہوئے) نازل ہوتے ہیں کہ تم نہ خوف کرو اور نہ غم کرو اور اس جنت کی بشارت سنو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے' اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں:

مجاہد اور زید بن اسلم نے کہا: موت کے وقت ان کے اوپر فرشتے نازل ہوتے ہیں۔

ثابت اور مقاتل نے کہا: جب حشر کے میدان میں لے جانے کے لیے ان کو قبروں سے نکالا جائے گا اس وقت ان کے اوپر فرشتے نازل ہوتے ہیں۔

''ان سے کہا جائے گا: تم نہ خوف کرو اور نہ غم کرو' اس کی تفسیر میں بھی دو قول ہیں:

عکرمہ نے کہا: جو حالات تمہارے آگے پیش آنے ہیں تم ان کا اندیشہ نہ کرو اور جو کچھ تم پیچھے چھوڑ آئے ہو اس کا غم نہ کرو۔

مجاہد نے کہا: تم موت کے متعلق فکر مند نہ ہو اور اپنی اولاد کا غم نہ کرو۔

''اور جنت کی بشارت سنو' ایک قول یہ ہے کہ جنت کی بشارت تین مواقع پر دی جائے گی: موت کے وقت' قبر میں اور حشر میں۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۱۸۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

عباد صالحین پر اللہ تعالیٰ کے انعامات

میرے ایک محترم فاضل دوست علامہ عبد المجید نقشبندی (برسٹل' برطانیہ) زید علمہ وحبہ نے مجھے چند رجال صالحین کے تراجم لکھ کر ارسال کیے ہیں جن کو موت کے بعد بشارات دی گئیں یا کسی اور نوع کی عزت اور کرامت عطا کی گئی' قارئین کی علمی ضیافت کے لیے میں ان رجال کا یہاں باحوالہ تعارف پیش کر رہا ہوں۔ ان سب کا تذکرہ حافظ جمال الدین یوسف المزی المتوفی ۷۴۲ھ نے کیا ہے۔

(۱) وکیع بن جراح متوفی ۱۹۶ھ

امام احمد بن حنبل ان کے متعلق کہتے تھے کہ میں نے علم' حفظ اور اسناد میں اور خوف خدا میں وکیع کی مثل کوئی شخص نہیں دیکھا۔

داؤد بن یحییٰ بن یمان نے بیان کیا کہ مجھے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی' میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! ابدال کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: جنہوں نے اپنے ہاتھ سے کسی کو ضرب نہیں پہنچائی اور وکیع بھی ابدال

میں سے ہے۔
علی بن عثام بیان کرتے ہیں کہ وکیع بن جراح بیمار ہو گئے' ہم ان کے پاس ان کی عیادت کے لیے گئے' وکیع نے کہا کہ سفیان ثوری میرے پاس خواب میں آئے تھے اور انہوں نے مجھے اپنے جوار میں مدفون ہونے کی بشارت دی سو میں ان کی طرف سبقت کرنے والا ہوں۔ (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج۱۹ ص۴۰۴۔۴۰۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

(۲) ثابت بن اسلم البنانی المتوفی ۱۲۳ھ

حماد بن سلمہ نے کہا کہ ثابت یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! اگر تو کسی شخص کو قبر میں نماز پڑھنے کی نعمت عطا کرے تو مجھے قبر میں نماز پڑھنے کی نعمت عطا فرمانا' کہا جاتا ہے کہ یہ دعا ان کے حق میں قبول ہو گئی اور ان کی موت کے بعد ان کو قبر میں نماز پڑھتا ہوا دیکھا گیا۔ (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج۳ ص۲۲۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

(۳) وہب بن منبہ بن کامل متوفی ۳۶ھ

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں جس کا نام وہب ہوگا' اللہ تعالیٰ اس کو حکمت عطا فرمائے گا۔
المثنیٰ بن صباح نے کہا: وہب بن منبہ نے چالیس سال تک کسی کو بُرا نہیں کہا اور انہوں نے بیس سال تک نماز عشاء اور نماز فجر کے درمیان وضو نہیں کیا۔ (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج۱۹ ص۴۹۰۔۴۸۹ ملخصاً)

(۴) یحییٰ بن سعید القطان متوفی ۱۲۰ھ

زبیر بن نعیم بیان کرتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن سعید کو خواب میں دیکھا' انہوں نے جو قمیص پہنی ہوئی تھی اس کے کندھوں کے درمیان لکھا ہوا تھا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ اللہ العزیز الحکیم کی طرف سے مکتوب ہے کہ یحییٰ بن سعید القطان دوزخ کی آگ سے نجات یافتہ ہے۔
عفان بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید کی موت سے بیس سال پہلے ایک شخص نے خواب دیکھا کہ یحییٰ بن سعید کو بشارت دو کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو امان میں رکھے گا۔
علی بن مدینی بیان کرتے ہیں کہ ایک مدت سے مجھے خواہش تھی کہ میں یحییٰ بن سعید القطان کو خواب میں دیکھوں' وہ کہتے ہیں: ایک دن میں نے عشاء کی نماز پڑھی' پھر وتر پڑھے' پھر میں تکیہ پر سر رکھ کر لیٹ گیا' پھر خواب میں' میں نے خالد بن الحارث کو دیکھا' میں نے کھڑے ہو کر ان کو سلام کیا اور ان سے معانقہ کیا' پھر میں نے پوچھا: آپ کے ساتھ آپ کے رب نے کیا سلوک کیا؟ انہوں نے کہا: مجھے میرے رب نے بخش دیا' حالانکہ معاملہ بہت سخت تھا' میں نے کہا: معاذ کہاں ہیں؟ وہ بھی حدیث میں آپ کے ساتھی تھے؟ انہوں نے کہا: وہ محبوس ہیں' میں نے پوچھا: اور یحییٰ بن سعید القطان کا کیا ماجرا ہے؟ انہوں نے کہا: ہم ان کو اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح روشن ستارہ آسمان میں نظر آتا ہے۔ (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج۲۰ ص۱۰۰)

(۵) امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۱۵۰ھ

مزنی بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی' میں نے آپ سے امام شافعی کے متعلق سوال کیا' آپ نے فرمایا: جو شخص میری محبت اور میری سنت کا ارادہ رکھتا ہو وہ محمد بن ادریس شافعی کی مجلس کو لازم رکھے کیونکہ وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔
ربیع بن سلیمان بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام شافعی کی وفات کے بعد ان کو خواب میں دیکھا' میں نے پوچھا: اے

ابوعبداللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے سونے کی کرسی پر بٹھایا اور مجھ پر تر و تازہ موتی بکھیر دیئے۔ (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۱۶ ص ۵۳)

(۶) سلیمان بن طرخان تیمی البصری متوفی ۱۴۳ھ

رقیہ بن مصقلہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں رب العزت کی زیارت کی' فرمایا: میں ضرور سلیمان تیمی کا اکرام کروں گا' اس نے میرے لیے چالیس سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی۔

ابراہیم بن اسماعیل بیان کرتے ہیں کہ سلیمان تیمی نے ایک شخص سے عاریۃً پوستین لی اور پہننے کے بعد واپس کر دی' اس شخص نے کہا: مجھے اس سے مستقل مشک کی خوشبو آتی رہی۔ (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۸ ص ۷۱۔۷۰)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

زید بن اسلم اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں جو حالات تمہارے سامنے آنے والے ہیں ان کا اندیشہ نہ کرو اور جن چیزوں کو تم اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو ان کا غم نہ کرو اور اس جنت کی خوش خبری سنو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا' زید بن اسلم نے کہا: یہ خوش خبری تین مواقع پر دی جائے گی' موت کے وقت' قبر میں اور حشر میں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۱۹۹' رقم الحدیث: ۳۵۲۴۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

منہال بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا: ہر نفس پر دنیا سے نکلنا اس وقت تک حرام ہے جب تک کہ اس کو یہ نہ معلوم ہو جائے کہ اس کا ٹھکانا کہاں ہوگا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۲۴۲' رقم الحدیث: ۳۵۶۹۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

فرشتوں کا مؤمنین کے لیے معاون اور مددگار ہونا

حٰمٓ السجدۃ: ۳۲۔۳۱ میں فرمایا: ''ہم دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں تمہارے مددگار ہیں اور تمہارے لیے اس جنت میں ہر وہ چیز ہے جس کو تمہارا دل چاہے اور اس میں تمہارے لیے ہر وہ چیز ہے جس کو تم طلب کرو O یہ بہت بخشنے والے' بے حد رحم فرمانے والے کی طرف سے مہمانی ہے O''

اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ فرشتے مؤمنوں سے کہیں گے: ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے اولیاء تھے اور آخرت میں بھی تمہارے اولیاء ہیں۔

امام رازی فرماتے ہیں: یہ آیت حٰمٓ السجدۃ: ۲۵ کے مقابلہ میں ہے جس میں فرمایا تھا: ہم نے کفار کے لیے ان کے ساتھیوں کو ان پر مسلط کر دیا اور یہ جو فرمایا ہے کہ فرشتے مؤمنین کے لیے اولیاء (مددگار) ہوں گے' اس کا معنیٰ یہ ہے کہ فرشتے مومنوں میں الہامات' مکاشفات یقینیہ اور مقامات حقیقیہ کی تاثیرات کرتے ہیں' جس طرح شیاطین ارواح میں وسوسہ اندازی کرتے ہیں اور باطل خیالات کا القاء کرتے ہیں' خلاصہ یہ ہے کہ فرشتے متعدد جہات سے ارواح طیبہ طاہرہ کی مدد کرتے ہیں جس کا ارباب مکاشفات اور اصحاب مشاہدات کو علم ہوتا ہے' پس فرشتے یہ کہتے ہیں: جس طرح ان کی مدد دنیا میں مؤمنوں کو حاصل تھی اسی طرح ان کی مدد ان کو آخرت میں بھی حاصل رہے گی' بلکہ مؤمنوں کی موت کے بعد ان کی مدد زیادہ قوی ہو جائے گی کیونکہ جوہر نفس ملائکہ کی جنس سے ہے اور نفس اور ملائکہ کے درمیان وہ نسبت ہے جو شعلہ اور آفتاب میں ہے' یا قطرہ اور سمندر میں ہے' نفس انسان اور ملائکہ کے درمیان تعلقات جسمانیہ اور تدبیرات بدنیہ حائل ہوتی ہیں اور انسان کی موت کے بعد یہ حجاب اٹھ جاتا ہے' پھر اثر مؤثر کے ساتھ اور قطرہ سمندر کے ساتھ اور شعلہ آفتاب کے ساتھ متصل ہو جاتا ہے اور اس آیت میں فرشتوں کے جس قول کا ذکر ہے اس سے یہی مراد ہے۔

پھر فرشتوں نے مؤمنوں سے کہا: "اور تمہارے لیے اس جنت میں ہر وہ چیز ہے جس کو تمہارا دل چاہے اور اس میں تمہارے لیے ہر وہ چیز ہے جس کو تم طلب کرو O"

یعنی تم جس چیز کی بھی تمنا کرو گے وہ اللہ تعالیٰ تم کو عطا فرما دے گا' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت کے پہلے جملہ میں ہے: جس چیز کو تمہارا دل چاہے اور دوسرے جملہ میں ہے: جس چیز کو تم طلب کرو' ان میں کیا فرق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے جملہ سے مراد لذات جسمانیہ ہیں جیسے جنت کے پھل اور میوے اور حور وقصور اور دوسرے جملہ سے مراد لذات روحانیہ ہیں جیسے ذکر اذکار اور تسبیح اور تہلیل وغیرہ۔

اس کے بعد فرمایا: "یہ بہت بخشنے والے' بے حد رحم فرمانے والے کی طرف سے مہمانی ہے O"

اس میں یہ بتایا کہ یہ تمام نعمتیں جن کا ذکر کیا گیا ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمانی کے قائم مقام ہیں اور کریم جب کسی کی مہمانی کرتا ہے تو ضیافت کے بعد نفیس تحائف پیش کرتا ہے سو جنت میں اللہ تعالیٰ پہلے جسمانی اور روحانی لذتیں عطا فرمائے گا' پھر اس کے بعد اپنی ذات کی تجلیات دکھائے گا اور اپنا دیدار عطا فرمائے گا' میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے قارئین کو جنت کی ان تمام نعمتوں کا اہل بنا دے اور محض اپنے فضل اور کرم سے ہم کو یہ نعمتیں عطا فرمائے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۶۲۔۵۶۱' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ ان آیتوں کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مؤمنوں کی موت کے وقت فرشتے ان کے پاس آ کر کہیں گے: ہم دنیا میں بھی تمہارے معاون تھے' تم کو صحیح راہ دکھاتے تھے اور اللہ کے حکم سے تمہاری حفاظت کرتے تھے اور اسی طرح ہم تمہارے ساتھ آخرت میں رہیں گے اور قبروں کی وحشت اور گھبراہٹ میں تمہارا دل بہلائیں گے اور جس وقت صور پھونکا جائے گا اس وقت بھی تم کو تسلی دیں گے اور حشر کے دن تم کو مامون رکھیں گے اور تم کو آسانی کے ساتھ پل صراط سے گزاریں گے اور تم کو جنات النعیم میں پہنچائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تمہارے لیے اس جنت میں ہر وہ چیز ہے جس کو تمہارا دل چاہے گا' یعنی جس چیز کو بھی تم پسند کرو گے اور جس چیز سے بھی تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی اور فرمایا: اس جنت میں تمہارے لیے ہر وہ چیز ہے جس کو تم طلب کرو گے یعنی جس چیز کو بھی تم طلب کرو گے وہ تمہارے سامنے ہوگی اور جس چیز کو بھی تم پسند کرو گے اس چیز کو تم پا لو گے اور فرمایا: یہ بہت بخشنے والے' بے حد رحم فرمانے والے کی طرف سے مہمانی ہے' یعنی اس کی طرف سے ضیافت ہے اور عطاء ہے اور انعام ہے اور تمہارے گناہوں کی مغفرت ہے' وہ تم پر رؤف اور رحیم ہے' اس نے تمہارے گناہوں پر پردہ رکھا' تم کو بخش دیا اور تم پر لطف وکرم فرمایا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۰۸' مطبوعہ دار الفکر' ۱۴۱۹ھ)

فرشتے موت کے وقت مؤمنین کو جن انعامات کی بشارت دیتے ہیں

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ میری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو حضرت ابوہریرہ نے کہا: میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے اور تمہیں جنت کے بازار میں جمع کر دے' میں نے پوچھا: کیا جنت میں بازار ہوں گے؟ فرمایا: ہاں! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ اہل جنت جب جنت میں داخل ہو جائیں گے اور ان کو ان کے اعمال کی فضیلت کی وجہ سے جنت ملے گی' پھر ایام دنیا کے اعتبار سے جتنے عرصہ میں جمعہ کا دن آتا ہے اتنے عرصہ بعد وہ اپنے رب کی زیارت کریں گے اور ان کے لیے اللہ کا عرش ظاہر ہوگا اور جنت کے باغات میں ایک باغ ان کے سامنے ہوگا اور ان کے لیے

نور کے منبر رکھے جائیں گے اور یاقوت کے اور زمرد کے اور سونے کے اور چاندی کے منبر رکھے جائیں گے اور ان میں سے ادنیٰ درجہ کے شخص کو مشک اور کافور کے ٹیلے پر بٹھایا جائے گا' حالانکہ اس میں کوئی دناءت نہیں ہوگی اور ان کو یہ خیال نہیں آئے گا کہ جو لوگ کرسیوں پر بیٹھے ہیں ان کی نشست ان سے زیادہ افضل ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم اپنے رب کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! آپ نے فرمایا: کیا تم سورج کو دیکھنے میں اور چودھویں شب کو چاند کے دیکھنے میں کوئی تردد کرتے ہو؟ ہم نے کہا: نہیں' آپ نے فرمایا: اسی طرح تم اپنے رب کے دیکھنے میں کوئی تردد نہیں کرو گے اور اس مجلس میں ہر شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے بالمشافہ موجود ہوگا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ایک شخص سے فرمائے گا: اے فلاں بن فلاں! کیا تم کو یاد ہے کہ تم نے ایک دن فلاں فلاں بات کہی تھی؟ پھر اس کو اس کی دنیا میں کی ہوئی بعض عہد شکنیاں یاد دلائے گا' وہ شخص کہے گا: اے میرے رب! کیا تو نے مجھے بخش نہیں دیا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیوں نہیں' تو میری بخشش کی وسعت کی وجہ سے ہی تو اس مرتبہ کو پہنچا ہے' پھر جس وقت ان میں یہ گفتگو ہو رہی ہوگی' اہل جنت کو اوپر سے ایک بادل ڈھانپ لے گا' پھر ان پر ایسی خوشبو کی بارش ہوگی کہ انہوں نے اس سے پہلے ایسی خوشبو نہیں سونگھی ہوگی اور ہمارا رب تبارک وتعالیٰ فرمائے گا: اٹھو' ان اکرام وانعام کی چیزوں کی طرف جو میں نے تمہارے لیے تیار کی ہیں' پس جو چیز تمہیں پسند آئے وہ لے لو' پھر ہم ایک بازار میں آئیں گے جس کا فرشتوں نے احاطہ کر رکھا ہوگا' اس بازار میں ایسی چیزیں ہوں گی کہ آنکھوں نے ایسی چیزوں کو کبھی نہیں دیکھا ہوگا اور نہ کانوں نے کبھی سنا ہوگا اور نہ کبھی دلوں میں ان کا خیال آیا ہوگا' سو جو چیز ہمیں پسند آئے گی وہ ہمیں اٹھا کر دے دی جائے گی اور اس بازار میں کوئی خرید و فروخت نہیں ہوگی اور اس بازار میں اہل جنت ایک دوسرے سے ملیں گے' پھر جو شخص بلند درجہ والا ہوگا وہ کم درجہ والے شخص سے ملے گا حالانکہ اس شخص میں کوئی کمی نہیں ہوگی' وہ کم درجہ والا بلند درجہ والے شخص کے بہترین لباس کو دیکھ کر حیران ہوگا اور ابھی ان کی بات ختم نہیں ہوگی کہ وہ دیکھے گا اس کے اوپر اس سے بھی زیادہ بہترین لباس ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جنت میں کوئی شخص غمگین نہیں ہوگا' پھر ہم اپنے اپنے گھروں کی طرف چلے جائیں گے۔ پھر جب ہماری بیویاں ہم سے ملاقات کریں گے تو کہیں گی: مرحبا! خوش آمدید ہو! تم اس قدر حسن و جمال کے ساتھ آئے ہو کہ جب تم یہاں سے گئے تھے اس وقت اتنے حسین وجمیل نہیں تھے' وہ شخص کہے گا: آج ہم اپنے رب جبار کی مجلس سے ہو کر آئے ہیں اور ہمیں یہی چاہیے تھے کہ ہم ایسی ہی کیفیت سے واپس آئیں جیسی کیفیت سے ہم واپس ہو کر آئے ہیں۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۴۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۳۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۴۳۸' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۷۱۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ کی ملاقات سے محبت کرتا ہے اللہ بھی اس کی ملاقات سے محبت کرتا ہے اور جو شخص اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے' ہم نے کہا: یارسول اللہ! ہم سب موت کو ناپسند کرتے ہیں' آپ نے فرمایا: یہ موت کی ناپسندیدگی نہیں ہے' لیکن جب مومن کے پاس موت کا وقت آتا ہے تو اس کے پاس اللہ کی طرف سے ان انعامات کی بشارت دینے والا آتا ہے جن انعامات کی طرف وہ جانے والا ہے' پھر اس مومن کے نزدیک اللہ سے ملاقات کرنے کے مقابلہ میں کوئی چیز پسندیدہ نہیں ہوتی' سو وہ اللہ سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اور فاجر یا کافر کے پاس جب موت کا وقت آتا ہے تو اس کے پاس فرشتے آ کر اس عذاب کی خبر دیتے ہیں جس عذاب کی طرف وہ جانے والا ہوتا ہے سو وہ اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے (یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے)۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۷ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۹ ص ۱۰۳' رقم الحدیث: ۱۲۰۴۷' کتاب الزہد لابن المبارک رقم الحدیث: ۹۷۱' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۷۷۳)

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ

اور اس سے عمدہ کلام کس کا ہو سکتا ہے جو اللہ (کے دین) کی دعوت دے اور نیک کام کرے اور کہے کہ بے شک

اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ؕ

میں مسلمانوں میں سے ہوں O اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہے' سو آپ برائی کو اچھے طریقے سے دور کریں'

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ

پس اس وقت جس کے اور آپ کے درمیان دشمنی ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسے

كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴿۳۴﴾ وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ

وہ آپ کا خیر خواہ دوست ہے O اور یہ صفت ان ہی لوگوں کو دی جاتی ہے جو صبر کرتے ہوں اور یہ صفت

اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۳۵﴾ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ

ان ہی لوگوں کو دی جاتی ہے جو بڑے نصیب والے ہوں O اور (اے مخاطب!) جب کبھی شیطان کی طرف سے تمہارے دل میں

بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۶﴾ وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ

کوئی وسوسہ آئے تو اللہ کی پناہ طلب کرو' بے شک وہ بہت سننے والا' خوب جاننے والا ہے O اور اس کی نشانیوں میں سے رات اور

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا

دن اور سورج اور چاند ہیں اور تم نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو اور اللہ ہی کو سجدہ کرو

لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا

جس نے ان کو پیدا کیا ہے اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو O پھر بھی اگر یہ لوگ تکبر

فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ یُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا

کریں تو جو فرشتے آپ کے رب کے پاس ہیں وہ رات اور دن اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں

یَسْـَٔمُوْنَ ﴿۳۸﴾ السجدة وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ

اور وہ تھکتے نہیں O اور (اے مخاطب!) اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تو زمین کو خشک اور غیر آباد

أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۗ إِنَّ الَّذِيٓ أَحْيَاهَا لَمُحْيِ

دیکھتا ہے پھر جب ہم اس پر پانی نازل کرتے ہیں تو وہ تروتازہ ہو کر لہلہاتی ہے اور ابھرتی ہے، بے شک جس نے اس زمین کو

الْمَوْتٰى ۗ إِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ

زندہ کیا ہے وہی (قیامت کے دن) مردوں کو زندہ کرنے والا ہے، بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے O بے شک جو لوگ ہماری

فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۗ أَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ أَمْ

آیتوں میں الحاد کرتے ہیں وہ ہم سے مخفی نہیں ہیں، آیا جو شخص دوزخ کی آگ میں جھونک دیا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ شخص

مَّنْ يَّأْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ اعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ إِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

جو اطمینان سے قیامت کے دن آئے گا، تم جو چاہو کرو بے شک وہ تمہارے کاموں کو

بَصِيْرٌ ﴿۴۰﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ وَإِنَّهٗ لَكِتٰبٌ

خوب دیکھنے والا ہے O بے شک جن لوگوں نے قرآن کا اس وقت کفر کیا جب وہ ان کے پاس پہنچ چکا تھا (ان کو عذاب

عَزِيْزٌ ﴿۴۱﴾ لَّا يَأْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۗ

دیا جائے گا) بے شک یہ بہت معزز کتاب ہے O اس میں باطل کہیں سے نہیں آ سکتا نہ سامنے سے اور نہ پیچھے سے

تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴿۴۲﴾ مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ

یہ کتاب بہت حکمت والے، حمد کیے ہوئے کی طرف سے نازل شدہ ہے O (اے رسول مکرم!) آپ کے خلاف وہی باتیں کہی

لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۗ إِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ

جا رہی ہیں جو آپ سے پہلے رسولوں کے خلاف کہی جاتی رہی ہیں، بے شک آپ کا رب (مومنوں کے لیے) ضرور مغفرت

أَلِيْمٍ ﴿۴۳﴾ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا أَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ۗ

والا ہے اور (کافروں کے لیے) دردناک عذاب والا ہے O اور اگر ہم اس قرآن کو عجمی زبان میں کر دیتے

ءَأَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ۗ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ۗ وَالَّذِيْنَ

تو وہ ضرور کہتے کہ اس کی آیتیں تفصیل سے کیوں نہیں بیان کی گئیں، کیا کتاب کی زبان

لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ

عجمی ہو اور رسول کی زبان عربی ہو؟ آپ کہیے: یہ کتاب ایمان والوں کے لیے ہدایت اور شفا ہے اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے

مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۴۴﴾

ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے اور یہ ان پر اندھاپن ہے' ان لوگوں کو بہت دور سے ندا کی جارہی ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس سے عمدہ کلام اور کس کا ہوسکتا ہے جو اللہ (کے دین) کی دعوت دے اور نیک کام کرے اور کہے کہ بے شک میں مسلمانوں میں سے ہوں O اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہے' سو آپ بُرائی کو اچھے طریقہ سے دور کریں' پس اس وقت جس کے اور آپ کے درمیان دشمنی ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسے وہ آپ کا خیر خواہ دوست ہے O اور یہ صفت ان ہی لوگوں کو دی جاتی ہے جو صبر کرتے ہوں اور یہ صفت ان ہی لوگوں کو دی جاتی ہے جو بڑے نصیب والے ہوں O اور (اے مخاطب!) جب کبھی شیطان کی طرف سے تمہارے دل میں کوئی وسوسہ آئے تو اللہ کی پناہ طلب کرو' بے شک وہ بہت سننے والا' خوب جاننے والا ہے O (حٰمٓ السجدۃ: ۳۶-۳۳)

سابقہ آیات سے مناسبت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے ایسے اقوال نقل فرمائے تھے جن سے پتہ چلتا تھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے سخت اعراض کرتے ہیں' مثلاً انہوں نے کہا: آپ ہمیں جس دین کی طرف بلا رہے ہیں اس کے خلاف ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ (حٰمٓ السجدۃ: ۵) اور انہوں نے کہا: اس قرآن کو مت سنو اور اس کی قرأت میں لغو باتیں کرو۔ (حٰمٓ السجدۃ: ۲۶) اب گویا اللہ تعالیٰ نے ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمایا: ہر چند کہ اہل مکہ نے بہت دل آزار اور سنگین باتیں کہی ہیں لیکن آپ ان باتوں سے متاثر نہ ہوں اور ان کو اسی طرح پیہم تبلیغ کرتے رہیں کیونکہ دین حق کی دعوت دینا سب سے بڑی عبادت اور سب سے اہم اطاعت ہے' اس لیے فرمایا: اور اس سے عمدہ کلام اور کس کا ہوسکتا ہے جو اللہ (کے دین) کی دعوت دے اور نیک کام کرے۔

سابقہ آیات سے مناسبت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان کی فضیلت کا ایک مرتبہ یہ ہے کہ وہ بُری صفات کو ترک کر کے اور نیک صفات کو اپنا کر خود کامل ہو جائے اور اس سے بھی بڑی فضیلت یہ ہے کہ خود کامل ہونے کے بعد دوسروں کو کامل بنائے' تو اس سے پہلی آیت میں انسان کے کامل ہونے کا مرتبہ بیان فرمایا تھا کہ بے شک جن لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے' پھر وہ اس پر مستقیم رہے۔ (حٰمٓ السجدۃ: ۳۰) اور اس آیت میں انسان کے کامل گر ہونے کا ذکر فرمایا ہے اور یہ انسان کی زیادہ بڑی فضیلت ہے۔

واعظ اور مبلغ کے لیے ضروری ہے کہ اپنے وعظ پر خود بھی عمل کرے

اس آیت میں فرمایا ہے: ''جو اللہ (کے دین) کی دعوت دے'' یعنی اللہ پر ایمان لانے اور اس کے تمام احکام پر عمل کرنے کی دعوت دے' اس کے بعد فرمایا: ''اور نیک کام کرے'' کیونکہ جو شخص خود نیک کام نہ کرے اور لوگوں کو نیک کام کرنے کی دعوت دے' وہ اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضگی کا مستحق ہے' قرآن مجید میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ O

اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر تم خود عمل نہیں کرتے O (الصف: ۲)

كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللّٰهِ أَن تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝ اللہ کے نزدیک یہ بات سخت ناراضگی والی ہے کہ تم وہ بات کہو جس پر خود عمل نہیں کرتے ۝ (الصف: ۳)

اور جب انسان وعظ اور تبلیغ کرے اور خود اس پر عمل نہ کرے تو اپنے حکم کی نافرمانی کرنے والا سب سے پہلا شخص وہ خود ہوگا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے اللہ کے دین کی دعوت دینے والے کے ساتھ یہ ذکر فرمایا کہ وہ نیک کام کرے۔ حدیث میں ہے:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ایک شخص کو لا کر دوزخ میں جھونک دیا جائے گا' اس کی انتڑیاں اس کے پیٹ سے نکل کر بکھر جائیں گی اور وہ ان کے ساتھ اس طرح چکر کاٹ رہا ہوگا جس طرح گدھا چکی کے گرد چکر کاٹتا ہے' تمام دوزخی اس کے گرد اکٹھے ہو جائیں گے اور کہیں گے: اے فلاں شخص! کیا بات ہے؟ کیا تم ہم کو نیکی کا حکم نہیں دیتے تھے؟ اور برائی سے نہیں روکتے تھے؟ وہ کہے گا: کیوں نہیں' میں تم کو نیکی کا حکم دیتا تھا اور خود نیک عمل نہیں کرتا تھا اور میں بُرے کاموں سے روکتا تھا اور خود بُرے کام کرتا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۹۸-۳۲۶۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۸۹)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شب معراج میں ایسی قوم کے پاس سے گزرا جس کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جارہے تھے۔ میں نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ مجھے بتایا گیا: یہ دنیا دار خطباء ہیں جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے تھے اور اپنے آپ کو بھول جاتے تھے' حالانکہ وہ کتاب کی تلاوت کرتے تھے' کیا پس وہ عقل نہیں رکھتے تھے؟ (اس حدیث کی سند صحیح ہے)۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۰ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۹ ص ۲۴۴' رقم الحدیث: ۱۲۲۱۱' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۸ھ' کتاب الزھد لوکیع رقم الحدیث: ۲۹۷ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۹۹۶' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۴۱۵۹' شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۹۶۵' جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۲۶۳۴)

''میں ان شاء اللہ مومن ہوں'' یا ''میں بالیقین مومن ہوں'' کہنے کی تحقیق

اس آیت میں فرمایا ہے: ''اور کہے کہ بے شک میں مسلمانوں میں سے ہوں'' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جس قول کو سب سے عمدہ فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام کا داعی اور مبلغ کہے: میں بے شک مسلمانوں میں سے ہوں اور یہ شرط نہیں عائد کی کہ وہ کہے کہ ان شاء میں مسلمانوں میں سے ہوں' اس مسئلہ میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ آیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ میں بالیقین مسلمانوں میں سے ہوں یا نہیں بلکہ یہ ضروری ہے کہ وہ کہے: ان شاء اللہ میں مومن ہوں۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ اس مسئلہ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اکثر متقدمین کا یہ مذہب ہے اور امام شافعی بھی ان ہی میں سے ہیں اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے کہ یہ کہنا چاہیے کہ ان شاء اللہ میں مومن ہوں اور اکثر علماء نے منع کیا ہے' امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی مؤقف ہے' کیونکہ مومن وہ شخص ہے جس کو اللہ عزوجل کے واحد ہونے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق ہو اور یہ تصدیق ہر شخص کو معلوم ہوتی ہے اور اس کے تحقق میں کوئی شبہ نہیں ہوتا اور جس کو اس تصدیق کے حصول میں تردد ہو وہ مومن ہو ہی نہیں سکتا اور جب کسی شخص کو اپنے مومن ہونے میں کوئی شک نہیں ہے تو وہ یقین کے ساتھ کہے: بے شک میں مومن ہوں اور اس کے ساتھ ان شاء اللہ نہ کہے تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ وہ مومن نہیں ہے' کیونکہ ان شاء اللہ اس چیز کے متعلق کہا جاتا ہے جو اس وقت حاصل نہ ہو اور مستقبل میں اس کا حصول متوقع ہو' اس لیے اولیٰ یہ ہے کہ اس کے ساتھ ان شاء اللہ کہنے کو ترک کر دیا جائے۔

اور جو علماء یہ کہتے ہیں کہ ان شاء اللہ میں مومن ہوں' کہا جائے' ان کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) میں مومن ہوں کے ساتھ اللہ کا ذکر تبرک کے لیے کیا جاتا ہے اور ادب کا تقاضا یہی ہے کہ تمام کام اللہ کی مشیت کے حوالے کر دیئے جائیں اور خودستائی سے گریز کیا جائے اور رہا یہ کہ ان شاء اللہ کہنے سے شک اور تردد کا وہم ہوتا ہے تو وہ مستقبل کے اعتبار سے ہے یعنی جس طرح میں اب مومن ہوں ان شاء اللہ مستقبل میں بھی مومن رہوں گا' لیکن یہ دلیل صرف یہ فائدہ دیتی ہے کہ ان شاء اللہ میں مومن ہوں کہنا جائز ہے نہ یہ کہ یہ کہنا میں بے شک اور بالیقین مومن ہوں کہنے پر راجح ہے اور ''میں ان شاء اللہ مومن ہوں'' کہنے سے جو یہ وہم ہوتا ہے کہ وہ اس وقت مومن نہیں ہے' اس دلیل سے یہ وہم بھی دور نہیں ہوتا اور باقی رہا تبرک اور ادب کی وجہ سے ''میں ان شاء اللہ مومن ہوں'' کہنے کا جواز تو اس میں ایمان کی کیا تخصیص ہے دیگر اعمال اور طاعات کے ساتھ بھی یہ کہنا چاہیے' مثلاً ان شاء اللہ میں نمازی ہوں' ان شاء اللہ میں روزہ دار ہوں وغیرہ وغیرہ۔

(۲) جس تصدیق پر نجات کا مدار ہے وہ ایک مخفی چیز ہے اور شیطان اس کے زوال کے درپے رہتا ہے' اسی لیے انسان کو ہر چند کہ ایمان کے حصول کا یقین ہے لیکن اس کو یہ اطمینان نہیں ہے کہ اس کا ایمان سلامت رہے گا' ہوسکتا ہے کہ بے خبری میں اس کے منہ سے کوئی ایسی بات نکل جائے جو ایمان کے خلاف ہو' اس لیے اسے چاہیے کہ وہ ایمان کو اللہ کے حوالے کر دے اور یوں کہے: میں ان شاء اللہ مومن ہوں' اس دلیل میں یہ سقم ہے کہ اگر بے خبری میں اس کے منہ سے کوئی کلمہ کفر نکل گیا ہے تو ''میں ان شاء اللہ مومن ہوں'' کہنے سے اس کا تدارک نہیں ہوگا' اس کا تدارک صرف توبہ سے ہوگا اور کلمہ کفر نکلنے کے بعد ''میں ان شاء اللہ مومن ہوں'' کہنا تو صحیح ہوگا لیکن وہ فی الواقع مومن نہیں ہوگا۔

(۳) امام الحرمین نے کہا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ اس وقت مومن ہے لیکن جس ایمان پر نجات اور فوز و فلاح کا مدار ہے وہ یہ ہے کہ اس کا ایمان پر خاتمہ ہو' پس متقدمین کہتے ہیں کہ ایمان پر خاتمہ کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے حوالے کر دینا چاہیے خواہ بغیر کسی شک اور تردد کے وہ فی الحال مومن ہے' اور وہ ''ان شاء اللہ میں مومن ہوں'' اسی اعتبار سے کہے' یعنی مرتے وقت کا ایمان اللہ کی مشیت پر موقوف ہے نہ کہ اس وقت کا ایمان۔ اب اس پر یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ جب وہ اس وقت ایمان سے متصف ہے تو ''میں ان شاء اللہ مومن ہوں'' کہنا صحیح نہیں ہے' جیسا کہ اس وقت وہ زندہ ہے تو یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ان شاء اللہ میں زندہ ہوں' کیونکہ وہ ان شاء اللہ مومن ہوں جو کہہ رہا ہے وہ خاتمہ کے اعتبار سے کہہ رہا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس کو اس وقت ایمان کے تحقق اور حصول میں کوئی شک نہیں ہے لیکن اس پر یقین نہیں ہے کہ اس کا ایمان آخر عمر تک ثابت اور قائم رہے گا' وہ بُرے خاتمہ سے ڈرتا ہے اور ایمان پر خاتمہ کی امید رکھتا ہے' اس لیے جس ایمان پر اس کی عذاب سے نجات اور اخروی فوز و فلاح کا مدار ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے حوالے کر دیتا ہے تاکہ اس آیت کے تقاضے پر عمل ہو۔

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ (الکہف: ۲۴-۲۳)

اور آپ کسی کام کے متعلق ہرگز یوں نہ کہیں کہ میں اس کو کل کروں گا ۝ مگر اس کام کے ساتھ ان شاء اللہ کہیں۔

(شرح المقاصد ج ۵ ص ۲۱۷-۲۱۵' منشورات الرضی' قم ایران' ۱۴۰۹ھ' شرح عقائد ص ۹۶' کراچی)

واضح رہے کہ اس دلیل کا مفاد بھی صرف اتنا ہے کہ ایمان پر خاتمہ کی تاویل سے ''میں ان شاء اللہ مومن ہوں'' کہنا صحیح ہے نہ کہ مطلقاً ''میں ان شاء اللہ مومن ہوں'' کہنا صحیح ہے' کیونکہ جب وہ کہے گا: ''میں انشاء اللہ مومن ہوں'' تو اس سے متبادر یہی ہوگا کہ اس کو اس وقت ایمان کے حصول میں شک ہے اور اس آیت سے استدلال کرنا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت

میں مستقبل میں کیے جانے والے کاموں کے متعلق ان شاء اللہ کہنے کی ہدایت دی ہے نہ کہ ان کاموں کے متعلق جن سے وہ اس وقت متصف ہے۔

قرآن اور سنت سے انبیاء اور مرسلین کی دعوت کا ثبوت

اس آیت میں اللہ کے دین کی طرف دعوت دینے کا ذکر ہے اور اللہ کے دین کی طرف دعوت دینے والا سب سے پہلے (۱) انبیاء علیہم السلام کا گروہ ہے (۲) اس کے بعد علماء دین اللہ کے دین کی طرف دعوت دینے والے ہیں (۳) اور ان کے بعد حکام اللہ کے دین کی طرف دعوت دینے والے ہیں (۴) اور ان کے بعد مؤذنین ہیں (۵) اور آخری مرتبہ ہر مومن کا ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلائے' سو یہ کل پانچ اقسام ہیں: ہم قرآن اور حدیث کی روشنی میں ہر داعی الی الخیر کی تھوڑی تھوڑی تفصیل ذکر کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق.

(۱) انبیاء علیہم السلام لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف معجزات سے' دلائل سے اور جہاد کے ذریعہ دعوت دیتے ہیں' ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ (الاحزاب: ۴۶-۴۵)

اے نبی! بے شک ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے' گواہی دینے والا' ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا ۝ اور اللہ کے حکم سے اس کے دین کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر ۝

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ. (النحل: ۱۲۵)

لوگوں کو اپنے رب کی طرف حکمت کے ساتھ اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دیجئے اور ان کے سامنے بہترین طریقہ سے دلائل پیش کیجئے۔

اور اس سلسلہ میں بعض احادیث یہ ہیں:

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری مثال اور اللہ نے جس دین کو دے کر مجھے بھیجا ہے اس کی مثال ایسے ہے جیسے ایک شخص کسی قوم کے پاس گیا اور ان سے جا کر کہا: میں نے تمہارے خلاف ایک لشکر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور میں تمہیں کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں' سو نجات حاصل کرو' نجات حاصل کرو' پس ایک جماعت نے اس کی بات مان لی اور وہ اپنی سہولت سے کسی طرف نکل گئے اور انہوں نے نجات پالی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۸۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۸۲' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۳۳۶' عالم الکتب' بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری مثال اور لوگوں کی مثال اس طرح ہے جیسے ایک شخص نے آگ جلائی اور جب اس آگ سے اس کے اردگرد روشنی ہو گئی تو اس پر پروانے اور حشرات الارض ٹوٹ کر گرنے لگے اور آگ جلانے والا انہیں آگ میں گرنے سے روکنے لگا' لیکن وہ اس کے قابو میں نہیں آئے اور آگ میں گرتے رہے' اسی طرح میں تمہیں تمہاری کمر سے پکڑ کر تمہیں آگ سے نکالتا ہوں اور تم اس آگ میں گر رہے ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۸۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۸۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۷۴)

قرآن اور سنت سے علماء دین کی دعوت کا ثبوت

(۲) اللہ کے دین کی طرف دعوت دینے والوں میں دوسرا درجہ علماء کا ہے' علماء کی دعوت الی الخیر اور ان کی اطاعت کرنے کے

متعلق قرآن مجید کی یہ آیات ہیں:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ (النساء: ۵۹)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں صاحبان امر ہیں یعنی علماء کی۔

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۖ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَ اشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا یَشْتَرُوْنَ ○ (آل عمران: ۱۸۷)

اور جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب (کے علماء) سے یہ عہد لیا کہ تم اس کتاب (کے احکام) کو ضرور لوگوں کے سامنے بیان کرو گے اور اس میں سے کسی حکم کو نہیں چھپاؤ گے تو انہوں نے اس عہد کو اپنی پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور اس کتاب کے بدلے میں تھوڑی قیمت لے لی پس بُری ہے وہ چیز جس کو وہ خریدتے تھے ○

اور علماء دین کے ذمہ جو دین کی دعوت دینے کے فرائض ہیں اس کے متعلق یہ احادیث ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صرف دو شخصوں پر رشک کرنا مستحسن ہے: ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور اسے اس مال کو حق کے راستے میں خرچ کرنے پر مسلط کر دیا ہو اور ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے حکمت (علم) عطا کی ہو اور وہ اس حکمت سے لوگوں کے فیصلے کرے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۱۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۱۶، جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۷۰۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص سے کسی چیز کے علم کے متعلق سوال کیا گیا اور اس نے اس کے علم کو چھپا لیا' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈال دے گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۵۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۴۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم (احکام شرعیہ) سنتے ہو اور وہ تم سے بھی سنے جائیں گے اور جو تم سے (احکام شرعیہ) سنتے ہیں ان سے بھی سنے جائیں گے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۵۹، جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۵۴۸)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جو ہم سے کسی حدیث کو سنے' پھر اس کو یاد رکھے حتیٰ کہ اس حدیث کی تبلیغ کرے' پس بعض حامل فقہ اس حدیث کو اپنے سے زیادہ فقیہ تک پہنچا دیں گے اور بعض حامل فقہ خود فقیہ نہیں ہوتے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۶۰، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۵۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۳۰)

سنن ابن ماجہ میں ان الفاظ کے بعد یہ اضافہ ہے:

تین مسلمانوں کے دلوں میں کھوٹ نہیں آتا' جو اللہ کے لیے اخلاص سے عمل کرے' جو ائمہ مسلمین کی خیر خواہی کرے اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ لازم رہے۔

علماء دین کی اقسام

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

علماء کی تین اقسام ہیں: (۱) علماء باللہ (۲) علماء بصفات اللہ اور (۳) علماء باحکام اللہ۔

رہے علماء باللہ تو یہ وہ حکماء ہیں جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا (البقرہ: ۲۶۹) وہ جس کو چاہے حکمت عطا فرماتا ہے اور جس کو حکمت دی گئی اس کو خیر کثیر دی گئی۔

اور رہے علماء بصفات اللہ تو وہ علماء اصول ہیں (اصول سے مراد اصول فقہ' اصول تفسیر اور اصول حدیث ہے اور علم کلام بھی اسی میں داخل ہے)۔

اور رہے علماء باحکام اللہ تو اس سے مراد فقہاء ہیں (یعنی وہ علماء جو احکام شرعیہ کے عالم ہیں اور ہر پیش آمدہ مسئلہ کا حل قرآن اور سنت سے نکال سکتے ہیں اور اپنے امام کے اصول کے موافق اجتہاد کرنے اور مسائل کے استخراج پر قادر ہیں)۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۶۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

علماء کی تین اقسام ہیں: (۱) عالم باللہ غیر عالم بامر اللہ (۲) عالم بامر اللہ غیر عالم باللہ (۳) عالم باللہ و بامر اللہ۔

عالم باللہ غیر عالم بامر اللہ سے مراد وہ علماء ہیں جن کے دل پر معرفت الٰہیہ کا غلبہ ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی جلال ذات کے مشاہدہ میں مستغرق رہتے ہوں اور اس کی صفات کبریاء کے مطالعہ میں منہمک رہتے ہوں اور ان کو احکام شرعیہ کا تفصیلی علم حاصل کرنے کا موقع نہ ملے اور انہوں نے صرف قدر ضروری علم کے حصول پر اکتفاء کر لی ہو (جیسا کہ غوث عبد العزیز دباغ رحمہ اللہ' یہ امی بزرگ تھے)۔

عالم بامر اللہ غیر عالم باللہ سے مراد وہ علماء ہیں جن کو حلال اور حرام کی معرفت ہو اور وہ احکام شرعیہ کے اسرار اور دقائق کے جاننے والے ہوں' لیکن ان کو اللہ تعالیٰ کی جلال ذات کے اسرار کی معرفت نہ ہو اور نہ وہ اس کے جمال کے محرم ہوں' خواہ وہ عارفین کے ماننے والے ہوں یا ان کا انکار کرنے والے ہوں (ان کو ظاہر شریعت کا عالم کہا جاتا ہے جیسا کہ آج کل کے معروف علماء ہیں)۔

عالم باللہ و بامر اللہ سے مراد وہ علماء ہیں جو پہلی دونوں قسموں کے فضائل کے جامع ہوں' وہ کبھی اللہ کی محبت میں وارفتہ ہوتے ہیں اور کبھی مخلوق پر شفقت اور رحمت کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں' وہ جب اللہ کی یاد میں مشغول ہوتے ہیں تو گویا کہ مخلوق کو نہیں پہچانتے اور جب مخلوق کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں تو لگتا ہے ان ہی میں سے ایک ہیں' گویا کہ انہیں اللہ کی کوئی معرفت نہیں ہے' پس عارف مخلوق کو اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے اور ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے اسرار بیان کرتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں اللہ کی محبت ڈالتا ہے۔ پھر اس قدر کمال سے متصف ہونے کے باوجود تواضع اور انکسار سے کہتا ہے: بے شک میں مسلمانوں میں سے ایک مسلمان ہوں اور یہ مرسلین اور صدیقین کا طریقہ ہے۔

(روح البیان ج ۸ ص ۳۴۶' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

قرآن اور سنت سے امراء اور حکام کی دعوت کا ثبوت

(۳) اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دینے والوں میں تیسرا درجہ امراء اور حکام کا ہے' یہ قوت اور اقتدار سے اور ہر دور کے مروج اور مؤثر ہتھیاروں سے کفار کے خلاف جہاد کرتے ہیں اور اللہ کے دین کو سربلند کرتے ہیں اور اسلام کی نشر و اشاعت کرتے ہیں' اسلام کی سرحدوں کا دفاع کرتے ہیں اور اپنے ملک میں اسلامی نظام کو قائم کرتے ہیں' اللہ کی حدود کو نافذ کرتے ہیں' نمازوں کی ادائیگی اور زکوٰۃ کی وصولیابی کا نظام قائم کرتے ہیں' فوج کا محکمہ' عدالتیں اور دینی درسگاہیں قائم کرتے ہیں اور

بیت المال سے ناداروں' یتیموں' بیواؤں اور بے روزگاروں کے وظائف جاری کرتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

الَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ○ (الحج:۴۱)

یہ وہ لوگ ہیں اگر ہم ان کو زمین میں اقتدار عطا فرما دیں تو یہ نماز کی ادائیگی اور زکوٰۃ کی وصولیابی کا نظام قائم کریں گے اور نیک کاموں کا حکم دیں گے اور بُرے کاموں سے روکیں گے اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے○

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ (النور:۵۵)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے' اللہ ان سے وعدہ فرما چکا ہے کہ ضرور بہ ضرور ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا اور ضرور ان کے لیے اپنے پسندیدہ دین کو محکم کر دے گا اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔

حضرت زہیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عدل اور انصاف کرنے والے قیامت کے دن نور کے منبروں پر ہوں گے' اللہ کی دائیں جانب ہوں گے اور اس کی دونوں جانب دائیں ہیں' جو لوگ اپنی رعیت میں عدل کرتے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۸۲۷' سنن النسائی رقم الحدیث:۵۳۷۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل کے انبیاء ان کا نظام حکومت چلاتے تھے' جب ایک نبی فوت ہو جاتا تو اس کی جگہ دوسرا نبی اس کا خلیفہ ہو جاتا اور بے شک میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا' عنقریب میرے خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے' پس تم اوّل کی بیعت پوری کرو' پھر اوّل کی بیعت پوری کرو اور ان کے حقوق ادا کرو' وہ اپنے عوام کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں اس کا اللہ ان سے سوال کرے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۴۵۵' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۸۴۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۸۷۱)

قرآن اور سنت سے مؤذنین کی دعوت کا ثبوت

(۴) اللہ کے دین کی طرف دعوت دینے والوں میں چوتھا درجہ مؤذنین کا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب یہ اذان دیتے ہیں تو ہر چند کہ یہ بالذات نماز کی دعوت دیتے ہیں' لیکن اذان کے الفاظ اپنے اندر معانی کے وسیع سمندر کو سموئے ہوئے ہیں' اول تو نماز تمام عبادات کی جامع ہے' اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت ہے' نماز کے لیے صاف اور پاک کپڑا خریدنا اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا ہے اور یہ زکوٰۃ کے قریب ہے' حالت نماز میں کھانے پینے اور لذات نفسانیہ سے اجتناب ہے اور یہ روزے کے قریب ہے' قبلہ کی طرف منہ کرنا ہے اور اس میں حج بیت اللہ کی روح ہے' اپنے کاروبار اور آرام کو چھوڑ کر نماز پڑھنے کے لیے مسجد کی طرف جانا ہے اور یہ نفس کے ساتھ جہاد ہے اور یہ جہاد اکبر ہے' اس میں قرآن کی تلاوت ہے' تسبیحات کا پڑھنا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کا پڑھنا ہے' مسلمانوں کی اور فرشتوں کی خیر خواہی ہے' ذکر اذکار ہے' توبہ ہے' گناہوں سے استغفار ہے' اعتکاف ہے' اور دعا ہے' غرض اسلام کی تمام اہم عبادات کا خلاصہ نماز میں ہے' پس جب مؤذن نماز کی طرف بلاتا ہے تو وہ اسلام کی تمام عبادات کی طرف بلاتا ہے اور اذان میں مؤذن فلاح کی طرف بلاتا ہے اور دین اور دنیا کی فلاح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں ہے' سو مؤذن جب دعوت دیتا ہے تو وہ بھی دین کی ایک اہم دعوت ہے' قرآن اور سنت میں اس کا ذکر ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (الجمعہ:۹)

اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کی اذان کہی جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو' یہ تمہارے حق میں بہت بہتر ہے اگر تم کو علم ہے ○

اذان کی فضیلت میں احادیث

اذان اور مؤذنین کی فضیلت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ملک (خلافت) قریش میں ہے اور قضاء انصار میں ہے اور اذان حبشہ میں ہے اور امانت ازد میں ہے (یعنی یمن میں)۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۹۳۶' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ص ۱۷۲' مسند احمد ج ۲ص ۳۶۴ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۴ص ۳۶۸' رقم الحدیث: ۸۷۶۱' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن مؤذن سب سے لمبی گردن والے ہوں گے۔ (مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۸۶۱' مسند احمد ج ۳ص ۱۶۹ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲۰ص ۱۴۵' رقم الحدیث: ۱۲۷۲۹' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۸ھ' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۸۷' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۴۸۰۵' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۱۱۸)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ وہ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے منتظر ہوں گے' ایک قول یہ ہے کہ ان کی لمبی گردنیں اس لیے ہوں گی کہ جب قیامت کے دن زیادہ پسینہ آئے گا تو وہ پسینہ ان کے کندھوں سے متجاوز ہو کر ان کی گردنوں تک نہ پہنچ سکے' ایک قول یہ ہے کہ قیامت کے دن وہ رئیس اور سردار ہوں گے کیونکہ عرب سردار کو کنایۃً لمبی گردن والا کہتے تھے' ایک قول یہ ہے کہ ان کے متبعین سب سے زیادہ ہوں گے اور ایک قول یہ ہے کہ ان کے نیک اعمال سب سے زیادہ ہوں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امام ضامن ہے اور مؤذن امین ہے' اے اللہ! ائمہ کو ہدایت دے اور مؤذنین کی مغفرت فرما (اس حدیث کی سند صحیح ہے)۔ (مسند احمد ج ۲ص ۲۳۲ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۲ص ۸۹' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۹۶' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۳۴۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۰۴۷)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی۔ (مسند احمد ج ۳ص ۱۱۹ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۹ص ۲۳۴' رقم الحدیث: ۱۲۲۰۰' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۸ھ' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ص ۲۲۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۲' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۵۲۱' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۹۰۹' کتاب الدعاء للطبرانی رقم الحدیث: ۴۸۳' جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۲۳۶۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہاں تک مؤذن کی اذان کی آواز جاتی ہے وہاں تک اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے اور ہر تر اور خشک چیز اس کی اذان سن کر اس کی گواہی دیتی ہے اور اس کو پچیس نیکیاں ملتی ہیں۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۱ص ۴۸۳ طبع قدیم' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۸۶۴ جدید' مسند احمد ج ۲ص ۲۶۶' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۵۱۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۲۴)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر جن اور انس اور پتھر اور درخت مؤذن کی اذان کی گواہی دیتا ہے۔

(مصنف عبد الرزاق ج ۱ص ۴۸۴ طبع قدیم' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۸۶۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ' مسند احمد ج ۳ص ۶

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
زاذان نے کہا: اگر لوگوں کو اذان کی فضیلت کا علم ہو جائے تو وہ اذان دینے کے لیے ایک دوسرے سے تلواروں کے ساتھ لڑیں گے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۰۳' رقم الحدیث: ۲۳۳۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)
حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر مجھے اذان دینے کی طاقت ہو تو وہ میرے نزدیک حج' عمرہ اور جہاد سے زیادہ محبوب ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۰۳' رقم الحدیث: ۲۳۳۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میں مؤذن ہوتا تو مجھے حج کرنے یا جہاد کرنے کی پروانہ ہوتی۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۰۴' رقم الحدیث: ۲۳۴۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت)
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ'' الخ. (حٰمٓ السجدۃ: ۳۳) میری رائے میں صرف مؤذنین کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۰۴' رقم الحدیث: ۲۳۴۸۔۲۳۴۷)

اذان میں ''اشھد ان محمدا رسول اللہ'' سن کر انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھنا

علامہ شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی المتوفی ۹۶۲ھ لکھتے ہیں:
علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:
اذان کے کلمات سن کر ان کے جواب میں وہی کلمات کہنا مستحب ہے اور جب رسالت کی شہادت سنے تو پہلی شہادت سن کر کہے: ''صلی اللہ تعالی علیک یا رسول اللہ'' اور دوسری شہادت سن کر کہے: ''قرۃ عینی بک یا رسول اللہ'' پھر اپنے دونوں انگوٹھے چوم کر اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے: ''اللھم متعنی بالسمع و البصر'' (اے اللہ! میری سماعت اور بصارت سے مجھ کو فائدہ پہنچا)۔ (جامع الرموز ج ۱ ص ۱۲۵' ایچ ایم سعید کمپنی' کراچی)
علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ نے اس عبارت کو اپنی تفسیر میں علامہ قہستانی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔
(روح البیان ج ۸ ص ۳۴۹' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)
علامہ سید محمد امین بن عمر بن عبد العزیز ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے مذکور الصدر عبارت کو نقل کرنے کے بعد ''کنز العباد'' کے حوالے سے لکھا ہے جو انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھے گا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی جنت کی طرف قیادت کریں گے اور لکھا ہے کہ اسی طرح فتاویٰ صوفیہ میں بھی ہے اور کتاب الفردوس میں ہے: جس نے اذان میں ''اشھد ان محمدا رسول اللہ'' سننے کے بعد اپنے انگوٹھوں کو چوما میں اس کی قیادت کروں گا اور اس کو جنت کی صفوں میں داخل کروں گا۔
(رد المحتار ج ۲ ص ۶۳۔۶۲' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)
علامہ سید احمد بن محمد الطحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ نے ''کنز العباد'' اور قہستانی کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: امام دیلمی نے ''کتاب الفردوس'' میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یہ روایت ذکر کی ہے کہ جس نے اذان میں ''اشھد ان محمدا رسول اللہ'' سن کر انگشت شہادت کو چوم کر آنکھوں پر لگایا میں اس کی شفاعت کی شہادت کروں گا' اسی طرح حضرت خضر علیہ السلام سے بھی منقول ہے' اور فضائل میں اس قسم کی احادیث پر عمل کیا جاتا ہے۔ (حاشیۃ الطحطاوی ص ۲۰۶۔۲۰۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)
علامہ قہستانی' علامہ اسماعیل حقی' علامہ شامی اور علامہ طحطاوی نے ''کنز العباد'' اور امام دیلمی کی ''مسند الفردوس'' کے حوالے سے جس حدیث کا ذکر کیا ہے اس کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ شمس الدین محمد بن عبد الرحمن السخاوی المتوفی ۹۰۲ھ لکھتے ہیں:
امام دیلمی نے ''مسند الفردوس'' میں روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق نے مؤذن سے ''اشھد ان محمدا

رسول الله '' سنا تو اپنی دونوں انگشت شہادت کے باطن کو چوم کر اپنی آنکھوں پر رکھا اور پھر اپنی ان انگلیوں کو آنکھوں پر پھیرا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میرے دوست کے فعل کی مثل فعل کیا اس کے لیے میری شفاعت حلال ہو جائے گی' اس حدیث کی سند صحیح لذاتہ نہیں ہے (یعنی صحیح لغیرہ یا حسن ہے' زیادہ سے زیادہ ضعیف ہے) اسی طرح ابو العباس احمد بن ابی بکر الرداد الیمانی نے اپنی کتاب ''موجبات الرحمة وعزائم المغفرة '' میں ایسی سند سے روایت کیا ہے جس میں مجہول راوی ہیں اور وہ سند منقطع ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: جب مؤذن نے ''اشهد ان محمدا رسول الله '' کہا تو جس شخص نے اس کو سن کر یہ کہا: ''مرحبا بحبيبي وقرة عيني محمد بن عبد الله صلى الله عليه وسلم '' پھر اپنے انگوٹھوں کو چوم کر اپنی آنکھوں پر رکھا تو اس کو کبھی آشوب چشم نہیں ہوگا' پھر ایک غیر معروف سند کے ساتھ فقیہ محمد بن الباب سے روایت کیا کہ ایک مرتبہ آندھی سے ان کی آنکھ میں مٹی کا کوئی ذرہ پڑ گیا جس کی وجہ سے ان کی آنکھ میں شدید تکلیف ہوئی اور وہ باوجود کوشش کے اس کو اپنی آنکھ سے نہ نکال سکے' پھر جب انہوں نے مؤذن سے ''اشهد ان محمدا رسول الله '' سنا تو یہی دعا کی تو وہ ریزہ فی الفور نکل گیا' الرداد نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل میں سے ہے اور الشمس محمد بن صالح نے اپنی تاریخ میں بعض مصری قدماء سے نقل کیا ہے کہ جس شخص نے اذان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر سنا' پھر آپ پر درود پڑھا اور اپنی انگشت شہادت اور انگوٹھے کو چوم کر اپنی آنکھوں پر پھیرا تو اس کی آنکھیں کبھی دکھنے نہیں آئیں گی اور ابن صالح نے کہا: میں نے اس کو فقیہ محمد بن زرندی سے سنا ہے' وہ بعض شیوخ عراق سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی آنکھوں پر اپنی انگلیاں پھیرتے وقت کہا: ''صلى الله عليك يا سيدى يا رسول الله يا حبيب قلبي ويا نور بصرى ويا قرة عيني '' اور جب سے انہوں نے یہ عمل شروع کیا ان کی آنکھیں دکھنے نہیں آئیں' ابن صالح نے کہا: اس کو سننے کے بعد میں بھی یہ عمل کرتا ہوں اور میری آنکھیں دکھنے نہ آئیں اور فقیہ زاہد بلالی نے حضرت حسن علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ جس نے اذان میں ''اشهد ان محمدا رسول الله '' سن کر یہ کہا: ''مرحبا بحبيبي وقرة عيني محمد بن عبد الله صلى الله عليه وسلم '' اور اپنے انگوٹھوں کو چوم کر اپنی آنکھوں پر رکھا وہ اندھا ہوگا اور نہ اس کی آنکھیں کبھی دکھیں گی اور ابونصر خواجہ نے کہا کہ جس حدیث میں ہے: جس شخص نے مؤذن سے اذان میں ''اشهد ان محمدا رسول الله '' سن کر اپنے انگوٹھوں کو چوما اور ان کو اپنی آنکھوں پر پھیرا اور آنکھوں پر پھیرے وقت یہ دعا کی: اے اللہ! میری آنکھوں کی حفاظت فرما اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی برکت سے ان کو منور فرما' تو وہ اندھا نہیں ہوگا' ان احادیث میں سے کسی حدیث کا بھی سند مرفوع ہونا صحت کے ساتھ ثابت نہیں ہے۔ (المقاصد الحسنۃ ص ۳۸۴۔۳۸۳' رقم الحدیث: ۱۰۲۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ سخاوی نے حدیث مرفوع کے صحیح لذاتہ ہونے کی نفی کی ہے' یعنی اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سند صحیح لغیرہ' سند حسن یا سند ضعیف سے ہوسکتا ہے' نیز انہوں نے حدیث مرفوع کی صحت کی نفی کی ہے یعنی حدیث موقوف کی صحت کی نفی نہیں کی' یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ فعل سند صحیح سے ثابت ہے' ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ کی بھی یہی تحقیق ہے جس کو ان شاء اللہ ہم عنقریب نقل کریں گے۔

علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی المتوفی ۱۱۶۲ھ نے علامہ سخاوی کی مکمل عبارت من وعن نقل کی ہے۔

(کشف الخفاء ومزیل الالباس ج ۲ص ۲۰۷۔۲۰۶' مکتبۃ الغزالی)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ نے علامہ سخاوی کی عبارت کا خلاصہ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: میں کہتا ہوں کہ جب اذان میں ''اشهد ان محمدا رسول الله '' سن کر انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں پر پھیرنے کا عمل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ

عنہ سے ثابت ہے تو یہ عمل کے لیے کافی ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: تم پر میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنا لازم ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۶۷۶) ایک قول یہ ہے کہ نہ یہ عمل کیا جائے نہ اس سے منع کیا جائے اور اس قول کا غریب ہونا اصحاب فہم پر مخفی نہیں ہے۔ (الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ ص ۲۱۰ رقم الحدیث:۸۲۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

میں کہتا ہوں: علامہ قہستانی متوفی ۹۶۲ھ' علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ' علامہ سید احمد طحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ' علامہ شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے اس عمل کو مستحب کہا ہے اور ملا علی قاری نے کہا ہے کہ یہ حضرت ابوبکر کی سنت ہے اور ہمارے عمل کے لیے کافی ہے' نیز اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس عمل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت' آپ کے ادب اور اجلال کا اظہار ہے اور ہر وہ فعل جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب اور اجلال کا اظہار ہوتا ہو اس کا کرنا فقہاء کے نزدیک مستحسن ہے۔

علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

بعض لوگ مدینہ کے قریب سواری سے اتر جاتے ہیں اور پیدل چل کر مدینہ میں داخل ہوتے ہیں ان کا یہ فعل مستحسن ہے اور ہر وہ فعل جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب اور اجلال میں زیادہ دخل ہو اس کو کرنا مستحسن ہے۔

(فتح القدیر ج ۳ ص ۱۶۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

مدینہ کے قریب سواری سے اتر جانا اور پیدل چل کر مدینہ میں داخل ہونا اس فعل کی کسی حدیث میں اصل نہیں ہے' اس کے باوجود فقہاء کے نزدیک یہ فعل مستحسن ہے تو جس فعل کی احادیث میں اصل ہو اور اس فعل کا حضرت ابوبکر کی سنت ہونا ثابت ہو تو اس کا مستحسن ہونا کسی قدر زیادہ ہوگا۔

مسجد میں اذان دینے کا شرعی حکم

ہمارے بعض فقہاء نے مسجد میں اذان دینے کو مکروہ کہا ہے' اس سلسلہ میں پہلے ہم اذان دینے کی جگہ کے متعلق احادیث کا ذکر کریں گے' اس کے بعد عبارات فقہاء کا ذکر کریں گے۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عروہ بن الزبیر بیان کرتے ہیں کہ بنو نجار کی ایک عورت نے بیان کیا کہ مسجد (نبوی) کے گرد میرا گھر سب سے اونچا تھا' پس حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس کے اوپر فجر کی اذان دیتے تھے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۹)

السائب بن یزید بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر بیٹھ جاتے تو مسجد کے دروازے پر اذان دی جاتی تھی اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے دور میں بھی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۸۸)

اور مسجد میں اذان دینے کی کراہت کے متعلق فقہاء کی حسب ذیل تصریحات ہیں:

علامہ طاہر بن عبدالرشید بخاری حنفی متوفی ۵۴۲ھ لکھتے ہیں:

اذان مسجد کے مینار یا مسجد سے باہر دینی چاہیے اور مسجد میں اذان نہ دی جائے۔

(خلاصۃ الفتاوی ج ۱ ص ۴۹' مکتبہ رشیدیہ' کوئٹہ)

علامہ عثمان بن علی الزیلعی حنفی متوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں:

سنت یہ ہے کہ اذان منارہ میں ہو اور اقامت مسجد میں۔ (تبیین الحقائق ج ۱ ص ۲۴۶' ایچ۔ ایم سعید کمپنی' کراچی' پاکستان' ۱۴۲۱ھ)

علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

اذان مئذنۃ (مینار) میں دینی چاہیے اور اگر وہ نہ ہو تو فناء مسجد میں دینی چاہیے' فقہاء نے کہا ہے کہ مسجد میں اذان نہ دی

جائے۔ (فتح القدیر ج ا ص ۲۵۰ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی المتوفی ۹۶۲ھ لکھتے ہیں:

شریعت میں اصل یہ ہے کہ اذان بلند جگہ پر دی جائے تاکہ سب لوگوں کو خبر ہو جائے اور یہ سنت ہے جیسا کہ قنیہ میں مذکور ہے اور یہ کہ مسجد میں اذان نہ دی جائے کیونکہ یہ مکروہ ہے جیسا کہ نظم میں ہے لیکن جلابی میں مذکور ہے کہ مسجد میں اذان دی جائے گی یا اس جگہ میں جو مسجد کے حکم میں ہو اور مسجد سے بعید جگہ میں اذان نہ دی جائے۔

(جامع الرموز ج ا ص ۱۲۳ ایچ۔ ایم سعید کمپنی کراچی پاکستان)

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں:

سنت یہ ہے کہ اذان بلند جگہ پر دی جائے اور اقامت زمین پر کہی جائے۔ (البحر الرائق ج ا ص ۲۵۵ المکتبۃ الماجدیہ کوئٹہ)

علامہ سید احمد بن محمد الطحطاوی حنفی متوفی ۱۲۳۱ھ لکھتے ہیں:

اور ظاہر یہ ہے کہ مغرب کی اذان بھی بلند جگہ پر دی جائے جیسا کہ السراج میں مذکور ہے اور مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے جیسا کہ قہستانی نے النظم سے نقل کیا ہے اور اگر وہاں کوئی بلند جگہ اذان دینے کے لیے نہ ہو تو فناء مسجد میں اذان دی جائے جیسا کہ فتح القدیر میں مذکور ہے۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۹۸۔۱۹۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

ہر چند کہ فقہاء نے مسجد میں اذان دینے کو مکروہ کہا ہے لیکن اس پر ایک اشکال یہ ہے کہ سنن ابوداؤد کی حدیث میں یہ تو مذکور ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک اونچے مکان کی چھت پر چڑھ کر صبح کی اذان دیتے تھے لیکن کسی حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اذان دینے سے منع فرمایا ہو اور فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے کہ کوئی چیز اس وقت تک مکروہ تنزیہی نہیں ہو سکتی جب تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ اس چیز سے منع نہ فرمایا ہو۔

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں:

ولا یلزم من ترک المستحب ثبوت الکراھۃ اذلا بدلھا من دلیل خاص.

مستحب کو ترک کرنے سے کراہت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ ثبوت کراہت کے لیے خاص دلیل ضروری ہے۔

(البحر الرائق ج ۲ ص ۱۶۳ المکتبۃ الماجدیہ کوئٹہ)

دوسرا اشکال یہ ہے کہ بعض فقہاء نے یہ کہا ہے کہ سنت یہ ہے کہ اذان مسجد کے مینار میں دی جائے حالانکہ عہد رسالت میں مساجد میں مینار نہ تھے۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد میں مینار نہیں تھے نہ حضرت ابوبکر کے زمانہ میں نہ حضرت عمر کے زمانہ میں حضرت عثمان کے زمانہ میں مقام زوراء پر اذان دی جاتی تھی پھر بنو امیہ کے زمانہ میں مینار بنائے گئے حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں بھی چار مینار بنائے گئے۔ (شرح سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۴۲۷ مکتبۃ الرشید ریاض ۱۴۲۰ھ)

اس پر تیسرا اشکال یہ ہے کہ سنن ابوداؤد کی جس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت بلال ایک بلند مکان کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دیتے تھے وہ حدیث ضعیف ہے۔ امام ابوداؤد نے اس حدیث کو احمد بن محمد بن ایوب سے روایت کیا ہے علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن معین نے کہا: یہ کذاب ہے ابن الجوزی نے اس کا ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔

(شرح سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۴۲۷ مکتبۃ الرشید ریاض ۱۴۲۰ھ)

اس پر چوتھا اشکال یہ ہے کہ بعض احادیث سے ثابت ہے کہ اذان مسجد میں بھی دی گئی ہے:

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن هشام عن ابيه قال امر النبي صلى الله عليه وسلم بلالا ان يوذن يوم الفتح فوق الكعبة.

ہشام اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو فتح مکہ کے دن حکم دیا کہ وہ کعبہ کے اوپر چڑھ کر اذان دیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۰۳' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

علامہ سید محمد امین عمر بن عبدالعزیز ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

حافظ سیوطی نے ''اوائل'' میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس نے مسجد کے مینار پر چڑھ کر اذان دی وہ شرحبیل بن عامر المرادی تھا اور بنوسلمہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے اذان کے لیے مینار بنائے' اس سے پہلے مینار نہیں تھے' امام ابن سعد نے حضرت ام زید بن ثابت کی سند سے روایت کیا ہے' وہ بیان کرتی ہیں کہ مسجد کے گرد میرا گھر سب سے اونچا تھا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ ابتداء میں اس کے اوپر چڑھ کر اذان دیتے تھے' حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسجد تعمیر فرما لی' اس کے بعد حضرت بلال مسجد کی چھت کے اوپر اذان دیتے تھے اور چھت کے اوپر کوئی بلند چیز رکھ لیتے تھے۔

(ردالمحتار ج ۲ ص ۴۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

امام ابن سعد کی اس روایت کو علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ اور ''الفقہ الاسلامی'' کے مخرج نے بھی ذکر کیا ہے۔

(روح البیان ج ۸ ص ۳۵۰۔۳۴۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ' حاشیۃ الفقہ الاسلامی ج ۱ ص ۵۴۶)

امام ابن سعد کی جس روایت کا علامہ شامی وغیرہ نے ذکر کیا ہے' یہ روایت ہم کو ''الطبقات الکبریٰ'' میں نہیں ملی' لیکن امام ابن سعد کی اور بھی تصانیف ہیں مثلاً تاریخ اور الطبقات الصغریٰ' ہوسکتا ہے کہ یہ روایت ان میں سے کسی کتاب میں ہو

اس پر پانچواں اشکال یہ ہے کہ بعض فقہاء نے مسجد میں اذان دینے کو بلا کراہت جائز کہا ہے جیسا کہ علامہ قہستانی نے نقل کیا ہے۔

اس سلسلہ میں چھٹی اہم اور قابل غور بات یہ ہے کہ فقہاء نے جو بلند جگہ پر اور مینار پر اذان دینے کا طریقہ بتایا ہے اس سے ان کا مقصود یہ ہے کہ اذان کی آواز تمام جگہوں پر پہنچ جائے اور اب جب کہ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اذان کی آواز زیادہ آسانی سے دور دور تک پہنچ جاتی ہے تو مینار پر چڑھ کر اذان دینے کی ضرورت نہیں ہے جب کہ مینار بھی چالیس ہجری کے بعد بنائے گئے ہیں' آج کل عموماً مسجد کے محراب میں اذان دینے کے لیے ایک جگہ بنالی جاتی ہے اور وہاں لاؤڈ اسپیکر پر اذان دی جاتی ہے اور اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اذان دینے سے منع نہیں فرمایا' یہ ممانعت صرف چھٹی صدی ہجری اور بعد کے بعض فقہاء سے منقول ہے' جب کہ اس کے برخلاف احادیث سے مسجد میں اذان دینا ثابت ہے اور بعض فقہاء نے بھی مسجد میں اذان دینے کو بلا کراہت جائز کہا ہے' نیز اذان میں اللہ کا ذکر ہے اور مسجد میں اللہ کے ذکر سے روکنے پر سخت وعید ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ (البقرہ:۱۱۴)

اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ کی مساجد میں اللہ کے اسم کے ذکر کرنے سے منع کرے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مسجد میں آواز بلند کرنا منع ہے' اس لیے مسجد میں آواز بلند نہیں کرنی چاہیے اور اذان بلند آواز سے دی جاتی ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے رسول نے سب سے بڑی مسجد یعنی کعبہ کی چھت پر حضرت بلال سے اذان دلوائی'

مساجد میں دینی جلسے کیے جاتے ہیں جن میں بلند آواز سے تلاوت کی جاتی ہے' نعتیں پڑھی جاتی ہیں' نعرۂ تکبیر اور نعرۂ رسالت لگائے جاتے ہیں جن سے ساری مسجد گونج اٹھتی ہے' نمازوں کے بعد ذکر بالجہر کیا جاتا ہے' جلسوں میں اور ہر جمعہ کی نماز کے بعد بلند آواز سے صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا ہے' مذکور الصدر حدیث اور اہل سنت کے معمولات سے معلوم ہوا کہ مساجد میں اللہ کے نام اور اس کے ذکر کو بلند آواز سے کرنا ممنوع نہیں ہے البتہ مساجد میں بلند آواز سے جو ذکر ممنوع ہے وہ یہ ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو شخص یہ سنے کہ کوئی شخص اپنی گم شدہ چیز کا بلند آواز سے مسجد میں اعلان کر رہا ہے' اسے چاہیے کہ وہ یہ کہے کہ اللہ تیری گم شدہ چیز کو واپس نہ کرے' کیونکہ مساجد کو اس لیے نہیں بنایا گیا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۶۸' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۷۰۶)

اور ہمارے ہاں رواج ہے کہ گم شدہ چیزوں کا مساجد کے لاؤڈ اسپیکر سے اعلان کیا جاتا ہے' سو اگر خطرہ ہے تو ان اعلانات کو خطرہ ہے' اللہ کے نام کے ذکر اور اذان کو کیا خطرہ ہے' ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ متقدمین مسجد کے مینار میں اذان دینے کے لیے اس وجہ سے کہتے تھے کہ بلند جگہ پر اذان دینے سے آواز سب لوگوں تک پہنچ جاتی ہے اور اب لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ یہ مقصد زیادہ اچھے اور بہتر طریقہ سے پورا ہو جاتا ہے' اس لیے محراب مسجد میں جو لاؤڈ اسپیکر پر اذان دی جاتی ہے یہ بالکل شرعاً جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اذان کے مباحث میں سے ایک مبحث اذان کے بعد دعا ہے' اس کی تحقیق ہم نے تبیان القرآن ج ۳ ص ۱۷۵۔۱۷۴ میں کر دی ہے۔

ایک اور مبحث ہے: اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنا' اس کی تحقیق ہم نے شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۵۵۱۔۵۴۹ میں کر دی ہے' نیز ذکر بالجہر ص ۲۴۵۔۲۳۴ میں بھی ہم نے اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنے پر مفصل بحث کی ہے

(۵) قرآن اور سنت سے عام مومنین کی دعوت کا ثبوت

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۔ (آل عمران: ۱۱۰)

تم بہترین امت ہو جس کو لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے' تم نیک باتوں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور دائماً اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۔ (التحریم: ۶)

اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔

اور اس سلسلہ میں احادیث یہ ہیں:

طارق بن شہاب بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے سب سے پہلے نماز عید سے پہلے خطبہ پڑھا وہ مروان تھا' اس کی طرف ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: نماز خطبہ پر مقدم ہے' مروان نے کہا: وہ طریقہ ترک کر دیا گیا' حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: اس شخص نے اپنا فرض ادا کر دیا' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: تم میں سے جس شخص نے کسی برائی کو دیکھا وہ اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے اور اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھے تو زبان سے اس کو برا کہے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھے تو دل سے اس کو برا جانے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۴۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۷۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۰۰۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۱۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم

میں سے ہر شخص اپنے ماتحت لوگوں کا نگہبان ہے اور ہر شخص سے اس کے ماتحت لوگوں کے متعلق سوال ہوگا' سربراہ مملکت اپنے عوام کا نگہبان ہے اور اس سے اس کے عوام کے متعلق سوال ہوگا اور گھر کا سربراہ اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے اور اس سے اس کے گھر والوں کے متعلق سوال ہوگا اور بیوی اپنے خاوند کے گھر کی نگہبان ہے اور اس سے اس کے گھر کے متعلق سوال ہوگا اور نوکر اپنے مالک کے مال کا نگہبان ہے اور اس سے مالک کے مال کے متعلق سوال ہوگا اور بیٹا اپنے باپ کے مال کا نگہبان ہے' اس سے اس کے باپ کے مال کے متعلق سوال ہوگا اور تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور اس سے اس کے ماتحت لوگوں کے متعلق سوال ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۸۹۳' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۶۴۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۰۵' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۸۲۹' جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث:۱۴۹۸)

نیکی اور بدی کے متعلق مفسرین کے اقوال

حٰمٓ السجدۃ:۳۴ میں فرمایا: ''اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہیں' سو آپ بُرائی کو اچھے طریقہ سے دور کریں' پس اس وقت جس کے اور آپ کے درمیان دشمنی ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسے وہ آپ کا خیر خواہ دوست ہے O''

نیکی اور بدی کی تفسیر میں علامہ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی نے حسب ذیل اقوال نقل کیے ہیں:

(۱) ابن عیسیٰ نے کہا: نیکی سے مراد نرم بات ہے اور بدی سے مراد سخت اور تلخ بات ہے

(۲) نیکی سے مراد صبر کرنا ہے اور بدی سے مراد انتقام لینا ہے۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نیکی سے مراد ایمان ہے اور بدی سے مراد شرک اور کفر ہے۔

(۴) ابن عمیر نے کہا: نیکی سے مراد معاف کرنا ہے اور بدی سے مراد انتقام لینا ہے۔

(۵) ضحاک نے کہا: نیکی سے مراد حلم اور بردباری ہے اور بدی سے مراد تند خوئی' بدمزاجی اور فحش کلام ہے۔

(۶) حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: نیکی سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل سے محبت کرنا ہے اور بدی سے مراد ان سے بغض رکھنا ہے۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۱۸۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو شخص تمہارے ساتھ جہالت سے پیش آئے تم اس کے ساتھ بردباری سے پیش آؤ' امام ابو بکر بن العربی نے کہا: نیکی سے مراد مصافحہ کرنا ہے' حدیث میں ہے:

عطاء بن ابی مسلم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ایک دوسرے سے مصافحہ کرو' یہ کینہ کو دور کرتا ہے اور ایک دوسرے کو تحفے دو اور ایک دوسرے سے محبت رکھو اس سے بغض دور ہوتا ہے۔

(موطاء امام مالک رقم الحدیث:۱۷۳۱' ج ۲ ص ۴۰۷' دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب دو مسلمان ملاقات کرتے ہیں اور ان میں سے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر محبت اور خیر خواہی سے مصافحہ کرتا ہے تو ان کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۵۲۱۲' سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۷۲۷' مسند احمد رقم الحدیث:۱۸۵۷۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں یہ روایت بھی ہے کہ اگر کوئی شخص تم کو بُرا کہے تو تم اس سے کہو: اگر تم صادق ہو تو اللہ مجھے معاف کرے اور اگر تم کاذب ہو تو اللہ تمہیں معاف فرمائے' حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایک شخص نے بُرا کہا تو انہوں نے اس کو اسی طرح جواب دیا تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۳۲۳۔۳۲۲' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حسن اخلاق کے متعلق احادیث

اس کے بعد فرمایا: ''سو آپ برائی کو اچھے طریقہ سے دور کریں' پس اس وقت جس کے اور آپ کے درمیان دشمنی ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسے وہ آپ کا خیر خواہ دوست ہے''۔

اس آیت میں حسن اخلاق کی تلقین کی گئی ہے اور حسن اخلاق کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آخری وصیت اس وقت کی جب میں گھوڑے کی رکاب میں پیر رکھ رہا تھا' آپ نے فرمایا: اے معاذ بن جبل! لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔

(موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۷۱۶' ج ۲ ص ۴۰۳' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو کاموں کے درمیان اختیار دیا جاتا آپ ان میں سے آسان کام کو اختیار کرتے تھے' بہ شرطیکہ وہ گناہ نہ ہو' اگر وہ گناہ ہوتا تو آپ اس کام سے سب سے زیادہ دور ہونے والے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنی ذات کا انتقام نہیں لیا الا یہ کہ اللہ کی حدود توڑی جائیں' اگر اللہ کی حدود توڑی جاتیں تو آپ اللہ کے لیے انتقام لیتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۶۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۹۹۹' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۵' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۱۸۸۲)

حضرت علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ وہ فضول اور بے مقصد باتوں اور کاموں کو ترک کر دے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۱۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۷۶)

یحییٰ بن سعید بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ انسان اپنے حسن اخلاق سے رات کو نماز میں قیام کرنے والے اور دن میں روزہ رکھنے والے کے اجر کو پا لیتا ہے۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۷۹۸' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۷۲۱)

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں: کیا میں تم کو اس کام کی خبر نہ دوں جس میں نماز اور صدقہ سے بہت زیادہ خیر ہے؟ لوگوں نے کہا: کیوں نہیں' انہوں نے کہا: دو آدمیوں میں صلح کرانا اور تم بغض رکھنے سے اجتناب کرو' یہ نیکیوں کو کاٹ ڈالتا ہے۔

(موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۷۲۲' ج ۲ ص ۴۰۴' بیروت)

امام مالک فرماتے ہیں کہ ان کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم میں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ حسن اخلاق کو مکمل کر دوں۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۷۲۳' ج ۲ ص ۴۰۴)

حضرت عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے چند ایسی باتیں بتائیں جو زندگی میں میرے کام آئیں اور زیادہ باتیں نہ بتائیں ورنہ میں بھول جاؤں گا' آپ نے فرمایا: تم غصہ نہ کیا کرو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۱۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۲۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص زور آور نہیں ہے جو لوگوں کو پچھاڑ دے' زور آور وہ شخص ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۱۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۵۸۶)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کو تین راتوں سے زیادہ چھوڑے رکھے' وہ دونوں ایک دوسرے کے پاس سے گزریں' ایک اس

طرف منہ کرلے دوسرا اس طرف منہ کرلے ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام کے ساتھ ابتداء کرے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۷۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۱۱، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۳۲)

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اگر کسی شخص کو یہ خطرہ ہو کہ اگر وہ فلاں شخص سے گفتگو کرے گا اور اس سے راہ ورسم رکھے گا تو اس سے اس کے دین میں ضرر پہنچے گا' یا اس کے ساتھ میل ملاپ رکھنے سے اس کو کوئی دنیاوی نقصان پہنچے گا تو وہ تین دن کے بعد بھی اس سے قطع تعلق رکھ سکتا ہے' نیز قرآن اور سنت میں یہ حکم ہے کہ ظالموں' بدعتیوں اور فساق اور فجار سے قطع تعلق کرنا لازم ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو اور نہ حسد کرو اور نہ ناپسندیدگی سے ان سے پیٹھ موڑو اور اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ اور کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ ترک تعلق رکھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۷۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۱۰، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۳۵، جامع المسانید والسنن مسند انس بن مالک رقم الحدیث: ۳۰۸۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بدگمانی کرنے سے بچو' کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے اور لوگوں کے متعلق تجسس نہ کرو اور دنیا میں رغبت نہ کرو اور حسد نہ کرو اور بغض نہ کرو اور ایک دوسرے سے اعراض نہ کرو اور اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۶۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۱۷، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۷۳۰)

بدگمانی نہ کرنے کا محمل یہ ہے کہ بغیر کسی دلیل کے کسی کی دین داری میں بدگمانی نہ کرو اور تجسس نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے عیوب تلاش نہ کرو اور دنیا میں رغبت نہ کرو کا معنیٰ یہ ہے کہ دنیا کی نعمتوں کی وجہ سے دوسروں کو حقیر اور کم تر نہ جانو اور حسد نہ کرو کا معنیٰ ہے: کسی کے پاس دنیاوی نعمتیں دیکھ کر اس سے حسد نہ کرو' ہاں کسی کی دینی نعمتوں پر رشک کرنا مستحسن ہے کہ اس کے پاس یہ نعمت رہے اور مجھے بھی مل جائے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں کے اعمال ہر جمعہ کو دو بار پیش کیے جاتے ہیں اور پیر کو اور جمعرات کو' پھر ہر عبد مومن کی مغفرت کر دی جاتی ہے' سوا اس بندے کو جو اپنے بھائی سے (غیر شرعی) بغض رکھتا ہو (فرشتوں سے) کہا جاتا ہے: ان دونوں کو رہنے دو حتیٰ کہ یہ صلح کرلیں۔ (صحیح مسلم البر والصلۃ رقم الحدیث: ۳۲، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۸۳۳)

لوگوں کی زیادتی پر صبر کرنا اور انہیں جواب نہ دینا اولوالعزم لوگوں کا طریقہ ہے

حٰمٓ السجدۃ: ۳۵ میں فرمایا: ''اور یہ صفت ان ہی لوگوں کو دی جاتی ہے جو صبر کرتے ہوں اور یہ صفت ان ہی لوگوں کو دی جاتی ہے جو بڑے نصیب والے ہوںO''

عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ جب کسی شخص کا کوئی ماتحت اس کی نافرمانی کرے یا اس کے مزاج کے خلاف کوئی کام کرے تو وہ جوش غضب میں آ کر اس کو سخت سزا دیتا ہے' یا کوئی شخص کسی کے ساتھ کوئی زیادتی کرے تو وہ اس سے انتقام لینے پر تل جاتا ہے اور ایسے مواقع پر ضبط کرنا اور اپنے سرکش نفس کو صبر اور ضبط کے ساتھ قابو میں رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے' قرآن مجید میں ایک اور مقام پر ہے:

وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ ؕ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَO (الشوریٰ: ۴۰)

اور بُرائی کا بدلہ اسی کی مثل بُرائی ہے اور جو معاف کر دے اور اصلاح کرے اس کا اجر اللہ کے ذمۂ کرم پر ہے اور بے شک اللہ ظالموں سے محبت نہیں کرتاO

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○ (الشوریٰ: ۴۱) اور جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے تو بے شک یہ ہمت کے کاموں میں سے ایک کام ہے ○

اور صبر کا یہ عظیم مقام وہی لوگ پا سکتے ہیں جو بڑے نصیب والے ہوں۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ایک شخص نے گالی دی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی دیکھ رہے تھے' پہلی ساعت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے معاف کر دیا' پھر ان کا غضب جوش میں آیا اور انہوں نے بھی اس کو بُرا کہا' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اٹھ گئے' حضرت ابوبکر آپ کے پیچھے گئے اور کہا: اس شخص نے مجھے گالی دی تھی' پہلے تو میں نے اس کو معاف کر دیا اور درگزر کیا اس وقت آپ بھی تشریف فرما تھے' پھر جب میں اس سے بدلہ لینے لگا تو آپ اٹھ گئے یا نبی اللہ! تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری طرف سے ایک فرشتہ اس کو جواب دے رہا تھا اور جب تم بدلہ لینے لگے تو وہ فرشتہ چلا گیا اور شیطان آ گیا۔ پس اے ابوبکر! میں شیطان کے ہوتے ہوئے وہاں پر نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۵۷۹' دارالفکر' بیروت)

اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ جو شخص فضائل نفسانیہ اور قوت روحانیہ سے متصف ہو اور وہ صاحب نفس مطمئنہ ہو وہی غضب کے موقع پر صبر کر سکتا ہے کیونکہ وہی شخص انتقام لینے میں مشغول ہوگا جس کا نفس ضعیف ہو بلکہ جو صاحب نفس امارہ ہو کیونکہ جس کا نفس قوی ہوتا ہے اور وہ صاحب نفس مطمئنہ ہو وہ ایسے واقعات سے متاثر نہیں ہوتا جو موجب غضب ہوں' خلاصہ یہ ہے کہ انسان اپنے باطن کو صاف کرے حتیٰ کہ اس کے نزدیک تلخ اور شیریں اور پسندیدہ اور ناپسندیدہ امور برابر ہو جائیں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نفس قوی نہیں تھا اور وہ صاحب نفس مطمئنہ نہیں تھے' پھر انہوں نے بعد میں اس شخص کو جواب دینا کیوں شروع کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کا یہ فعل بہ ظاہر خلاف اولیٰ تھا لیکن حقیقت میں ہماری نیکیوں سے افضل تھا کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ فعل ہی اس کا سبب بنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مشاہدہ کیا کہ جب انسان کسی کی زیادتی پر صبر کرے اور خود بدلہ نہ لے تو فرشتہ اس کی طرف سے جواب دیتا رہتا ہے۔

بعض لوگوں نے بعض مسائل میں مجھ سے اختلاف کیا ہے اور اس اختلاف کی بناء پر وہ مجھے سب وشتم کرتے رہتے ہیں اور انہوں نے میرے خلاف مضامین شائع کیے اور مختلف کتابچے بھی لکھے جن میں مجھے جی بھر کر کوسا' میں نے ان میں سے کسی کو جواب نہیں دیا' میں صرف یہ دعا کرتا ہوں کہ اگر وہ اپنے غیظ وغضب میں برحق ہیں تو اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمائے اور اگر میں حق پر ہوں تو اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شیطان کے وسوسوں سے محفوظ رہنا

حٰمٓ السجدۃ: ۳۶ میں فرمایا: ''اور (اے مخاطب!) جب کبھی شیطان کی طرف سے تمہارے دل میں کوئی وسوسہ آئے تو اللہ کی پناہ طلب کرو' بے شک وہ خوب سننے والا' بہت جاننے والا ہے ○''

اس آیت میں ''نزغ'' کا لفظ ہے' علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ نے اس کے حسب ذیل معانی لکھے ہیں:

کسی چیز میں طعن کرنا' کسی کی غیبت کرنا' لوگوں کے درمیان فساد ڈالنا' کسی کو بہکانا اور ورغلانا اور کسی کو وسوسہ ڈالنا۔

(القاموس المحیط ج ۳ ص ۱۲۶' داراحیاء التراث الاسلامی' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

حمٓ السجدۃ:۳۶ میں اس کا معنیٰ ہے: انسان کے دل میں وسوسہ ڈالنا اور اس کو گناہ کرنے کے لیے بہکانا۔

(لسان العرب ج۸ص۴۵۴' نشر ادب الحوزۃ' ایران' ۱۴۰۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اے مخاطب! اگر شیطان تمہارے دل میں کوئی وسوسہ ڈالے اور تم کو اس حکم پر عمل کرنے سے روکے کہ تم بدی کا جواب نیکی سے اور بُرائی کا جواب اچھائی سے دو تو تم اس کے وسوسہ سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔

ہم نے اس آیت کو اس پر محمول کیا ہے کہ اس میں عام انسان سے خطاب ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب نہیں ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیطان کے وسوسہ ڈالنے سے محفوظ ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص کے ساتھ جنات میں سے ایک ساتھی مسلط کر دیا جاتا ہے' صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ کے ساتھ بھی؟ آپ نے فرمایا: میرے ساتھ بھی' مگر یہ کہ اللہ نے اس کے خلاف میری مدد فرمائی' وہ مسلمان ہو گیا اور وہ مجھے نیکی کے سوا اور کوئی مشورہ نہیں دیتا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۸۱۴' مسند احمد ج۱ص ۳۸۵ طبع قدیم' مسند احمد ج۶ص ۱۵۹' رقم الحدیث: ۳۶۴۸' موسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۶ھ' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۵۲۳' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۱۴۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۱۷' دلائل النبوۃ ج۷ص ۱۰۱' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۴۳۸' مجمع الزوائد ج۸ص ۲۲۵' جامع المسانید والسنن مسند عبد اللہ بن مسعود رقم الحدیث: ۸۳۳)

قاضی عیاض متوفی ۵۴۴ھ اور علامہ نووی متوفی ۶۷۶ھ نے لکھا ہے کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسم میں شیطان کے ڈالے ہوئے مرض سے اور اپنے دل میں اس کے وسوسہ سے اور اپنی زبان میں اس کے کلام سے معصوم ہیں۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج۸ص ۳۵۱' صحیح مسلم بشرح النووی ج۱۱ص ۷۰۰۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے حضرت آدم کے اوپر دو خصلتوں کی وجہ سے فضیلت دی گئی ہے (۱) میرا شیطان کافر تھا' اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف میری مدد کی' وہ مسلمان ہو گیا اور میری ازواج میری (نیکیوں میں) مددگار رہیں۔ (۲) حضرت آدم کا شیطان کافر تھا اور ان کی بیوی ان کی (ظاہری) معصیت پر ان کی مددگار تھیں۔ (دلائل النبوۃ ج۵ص ۴۸۸' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۴۷۹۶' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۵۸۸۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۳۶' تاریخ بغداد ج۳ص ۳۳۱)

غصہ نہ کرنے اور معاف کر دینے کی فضیلت میں قرآن اور سنت کی تصریحات

انسان جو کسی پر غضب ناک ہوتا ہے تو در اصل یہ بھی شیطان کے وسوسہ کی وجہ سے ہوتا ہے' انسان کو چاہیے کہ جب اسے کسی بات پر غصہ آئے تو وہ اپنے غصہ کو ضبط کرے اور صبر کرے اور جس پر غصہ آیا ہے اس کو معاف کر دے اور اس کی قرآن اور سنت میں بہت فضیلت ہے۔

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○ (آل عمران:۱۳۴)

غصہ کو ضبط کرنے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے ○

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ○ (الشوریٰ:۳۷)

اور جو لوگ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے اجتناب کرتے اور جب وہ (کسی بات پر) غضب ناک ہوں تو معاف کر دیتے ہیں ○

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص کو غصہ آئے

اور وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے' پھر اگر اس کا غصہ ختم ہو جائے تو فبہا ورنہ وہ لیٹ جائے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۲' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۶۵۹' جامع المسانید والسنن مسند ابی ذر رقم الحدیث: ۱۱۴۸۶)

حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو آدمی ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے' ان میں ایک غضب ناک ہوا' اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس کی گردن کی رگیں پھول گئیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا: مجھے ایک ایسے جملہ کا علم ہے کہ اگر وہ یہ جملہ کہہ دے تو اس کا غضب فرو ہو جائے گا' وہ جملہ یہ ہے: **اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم** 'ایک شخص جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی تھی وہ اس شخص کے پاس گیا اور اس سے کہا: تم جانتے ہو کہ ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا تھا؟ اس نے کہا: نہیں' اس نے کہا: آپ نے فرمایا تھا: مجھے ایسے جملہ کا علم ہے کہ اگر اس نے وہ جملہ کہہ دیا تو اس کا غصہ ختم ہو جائے گا' وہ جملہ ہے: **اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم** 'اس شخص نے کہا: کیا تم مجھے دیوانہ سمجھتے ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۴۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۱۰)

ابووائل بیان کرتے ہیں کہ ہم عروہ بن محمد کے پاس گئے' ان سے ایک شخص نے ایسی بات کہی جس سے وہ غضب ناک ہو گئے' پھر انہوں نے اٹھ کر وضو کیا اور کہا: میرے والد نے میرے دادا عطیہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک غضب شیطان کی جانب سے ہوتا ہے اور بے شک شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ صرف پانی سے بجھائی جاتی ہے' پس جب تم میں سے کوئی شخص غضب ناک ہو تو وہ وضو کرے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۴' مسند احمد ج ۴ ص ۲۲۶)

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے غصہ کے تقاضے کو پورا کرنے پر قادر ہو اس کے باوجود وہ اپنے غصے کو ضبط کر لے تو قیامت کے دن اللہ سبحانہ اس کو تمام مخلوق کے سامنے بلا کر فرمائے گا: تم بڑی آنکھوں والی حوروں میں سے جس حور کو چاہو لے لو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۷۷' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۲۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۸۶)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی' پھر آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور قیامت تک جو کچھ بھی ہونے والا تھا اس کی ہم کو خبر دے دی' اس کو یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور جو اس کو بھول گیا وہ بھول گیا' اس اثناء میں آپ نے فرمایا: بے شک دنیا سرسبز اور میٹھی ہے اور بے شک اللہ تم کو اس دنیا میں خلیفہ بنانے والا ہے' پھر وہ دیکھنے والا ہے کہ تم اس دنیا میں کیا کرتے ہو' سنو دنیا سے بچو اور عورتوں سے بچو' نیز آپ نے فرمایا: سنو کسی آدمی کا رعب تمہیں حق بات کہنے سے نہ روک دے' جب کہ تم کو اس کا علم ہو' پھر حضرت ابوسعید رونے لگے اور کہنے لگے: اللہ کی قسم! ہم نے بہت سی ایسی چیزیں دیکھیں جن سے ہم مرعوب ہو گئے' آپ نے مزید فرمایا: سنو! ہر عہد شکن کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا' جس کی مقدار اس کی عہد شکنی کے برابر ہو گی اور سربراہ مملکت سے عہد شکنی سے بڑی اور کوئی عہد شکنی نہیں ہے' اس کی عہد شکنی کا جھنڈا اس کی سرین کے پاس گاڑ دیا جائے گا اور اس کی احادیث میں ہم کو یاد ہے آپ نے فرمایا: سنو! بنو آدم کو مختلف طبقات میں پیدا کیا گیا ہے' سنو ان میں سے بعض وہ ہوتے ہیں جن کو دیر میں غصہ آتا ہے اور جلدی چلا جاتا ہے اور ان میں سے بعض وہ ہوتے ہیں جن کو جلد غصہ آتا ہے اور جلد چلا جاتا ہے اور یہ برابر سرابر ہے اور بعض وہ ہوتے ہیں جن کو جلد غصہ آتا ہے اور دیر سے جاتا ہے' سنو ان میں سب سے افضل وہ لوگ ہیں جن کو دیر میں غصہ آئے اور جلد چلا جائے اور سب سے بدتر وہ ہیں جن کو جلد غصہ آئے اور دیر میں جائے' سنو! بے شک غضب ابن آدم کے دل میں

ایک چنگاری ہے' کیا تم نے نہیں دیکھا کہ غضب ناک شخص کی آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں اور اس کی گردن کی رگیں پھول جاتی ہیں' پس جس شخص کی یہ کیفیت ہو اس کو چاہیے کہ وہ زمین پر لیٹ جائے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۹۱' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۷۵۲' مسند احمد ج ۳ ص ۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۸۷۳' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۱۰۱' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۹۱' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۳۱۷' جامع المسانید والسنن مسند ابوسعید الخدری رقم الحدیث: ۱۰۴۵)

غصہ کرنے کے دینی اور دنیاوی نقصانات

غصہ نہ کرنے اور غیظ وغضب کے تقاضوں کو ترک کرنے اور معاف کرنے کے حسب ذیل فوائد ہیں:

(۱) غصہ کرنے سے بلڈ پریشر بڑھتا ہے اور بلڈ پریشر کا مریض غصہ کرے تو اس کو فالج ہونے کا خطرہ ہے یا دماغ کی رگ پھٹ جانے کا' ہمارے علاقے میں ہائی بلڈ پریشر کے ایک مریض ہیں' وہ کسی بات پر غصہ ہوئے اور ان کے پورے جسم پر فالج ہو گیا' اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھے۔

(۲) جب آدمی غصہ کو ترک کرتا ہے اور انتقام نہیں لیتا تو وہ صبر کرنے کی اعلیٰ صفت سے متصف ہوتا ہے۔

(۳) غیظ وغضب میں وہی شخص آتا ہے جس میں تفاخر اور تکبر ہو اور یہ جاہلیت کی صفت ہے اور غصہ میں نہ آنا انسان کے منکسر المزاج اور متواضع ہونے کی دلیل ہے۔

(۴) شیطان انسان کے خون کو جوش میں لاتا ہے تاکہ انسان کو دینی اور دنیاوی نقصان ہو اور مسلمان اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھ کر غصہ کو دور کرتا ہے اور حلم اور صبر کے ساتھ متصف ہوتا ہے۔

(۵) غصہ روکنے پر اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم سے مدد حاصل کرنی چاہیے اور وضو کرنے سے' پانی پینے سے اور اپنی حالت بدلنے سے کہ اگر کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہو تو لیٹ جائے۔

(۶) وہ غصہ مذموم ہے جو دنیاوی امور اور اپنے ذاتی معاملات میں ہو اور جو غصہ اللہ اور اس کے رسول کے مخالفوں اور دشمنوں پر ہو اور اللہ کی حدود کے توڑنے پر ہو اور دین کی سربلندی اور احیاء سنت کے لیے ہو وہ غصہ محمود ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس کی نشانیوں میں سے رات اور دن اور سورج اور چاند ہیں اور تم نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو اور اللہ ہی کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے' اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو O پھر بھی اگر یہ لوگ تکبر کریں تو جو فرشتے آپ کے رب کے پاس ہیں وہ رات اور دن اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور وہ تھکتے نہیں O اور (اے مخاطب!) اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تو زمین کو خشک اور غیر آباد دیکھتا ہے پھر جب ہم اس پر پانی نازل کرتے ہیں تو وہ تروتازہ ہو کر لہلہاتی ہے اور ابھرتی ہے' بے شک جس نے اس زمین کو زندہ کیا ہے وہی (قیامت کے دن) مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے' بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے O (حم السجدۃ: ۳۹۔۳۷)

اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور توحید پر دلیل

حم السجدۃ: ۳۳ میں یہ بیان فرمایا تھا کہ "اور اس سے عمدہ اور کس کا کلام ہو سکتا ہے جو اللہ (کے دین) کی دعوت دے" اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ کے دین کی دعوت دینے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود' اس کی الوہیت' اس کی توحید' اس کی قدرت اور اس کی حکمت پر دلائل پیش کیے جائیں' رات اور دن اور سورج اور چاند وغیرہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی توحید پر دلالت کرتے ہیں اور اس کی تقریر یہ ہے کہ سورج اور چاند کا طلوع اور غروب ایک مقرر شدہ نظام کے تحت تسلسل سے وجود میں آ رہا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ سورج اور چاند کسی ناظم کے تابع ہیں اور چونکہ پوری کائنات میں یہ نظام واحد ہے' اس سے واضح ہوا کہ اس کا ناظم بھی واحد ہے اور اس پوری دنیا میں سورج سے عظیم اور قوی چیز ہمیں کوئی نظر نہیں آتی' وہ اگر اپنے

مقام سے ذرا نیچے ہوتا تو اس کی تپش سے روئے زمین پر کوئی زندہ نہ رہتا اور اگر اوپر ہوتا تو سب سردی سے منجمد ہو جاتے تو جس ذات نے اس عظیم سیارے کو اپنے نظام کا پابند کیا ہوا ہے وہی خلاق عالم ہے پھر وہ جب چاہتا ہے تو اس عظیم آفتاب کو گہن لگا کر بے نور کر دیتا ہے اور یہ اس کی قدرت کی بہت بڑی نشانی ہے اور اس میں اس پر متنبہ کرنا ہے کہ جو اتنے عظیم سورج کے نور کو سلب کرنے پر قادر ہے وہ ہماری آنکھوں سے بصارت کے نور کو اور ہمارے دلوں سے بصیرت کے نور کو زائل کرنے پر بہ طریق اولیٰ قادر ہے اس لیے سورج گہن کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صلوٰۃ کسوف پڑھنے کی تاکید فرمائی ہے' حدیث میں ہے:

سورج گہن کے وقت نماز پڑھنا

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سورج کو گہن لگ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف پڑھائی اور اس میں بہت طویل قیام کیا اور سورۂ بقرہ کے لگ بھگ قرأت کی' پھر آپ نے بہت طویل رکوع کیا' پھر رکوع سے سر اٹھا کر بہت دیر کھڑے رہے مگر یہ قیام پہلے قیام سے کم تھا' پھر آپ نے (دوبارہ) رکوع کیا اور بہت طویل رکوع کیا' پھر آپ نے سجدہ کیا' پھر دوسری رکعت میں بہت طویل قیام کیا اور یہ پہلی رکعت کے قیام سے کم تھا' پھر آپ نے بہت طویل رکوع کیا اور یہ پہلی رکعت کے رکوع سے کم تھا' پھر آپ نے رکوع سے کھڑے ہو کر قیام کیا' یہ بھی طویل قیام تھا مگر پہلے قیام سے کم تھا' پھر اس کے بعد دوبارہ رکوع کیا' پھر آپ نے سجدہ کیا' اس کے بعد آپ نماز سے فارغ ہو گئے اور سورج سے گہن دور ہو گیا اور سورج چمکنے لگا' پھر آپ نے فرمایا: سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں' ان کو کسی کی موت کی وجہ سے گہن لگتا ہے نہ کسی کی حیات کی وجہ سے' پس جب تم ان نشانیوں کو دیکھو تو اللہ کو یاد کرو' صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! ہم نے دیکھا کہ آپ اپنے مقام سے کسی چیز کو پکڑنے لگے تھے' پھر ہم نے دیکھا کہ آپ پیچھے ہٹے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے جنت کو دیکھا اور میں انگوروں کا ایک خوشا پکڑنے لگا اور اگر میں اس کو لے لیتا تو تم رہتی دنیا تک اس کو کھاتے رہتے اور مجھے دوزخ دکھائی گئی اور میں نے اس سے زیادہ دہشت ناک منظر آج تک نہیں دیکھا اور میں نے دوزخ میں زیادہ تر عورتوں کو دیکھا' صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! کس وجہ سے؟ آپ نے فرمایا: ان کی ناشکری کی وجہ سے' صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا وہ اللہ کی ناشکری کرتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ خاوند کی ناشکری کرتی ہیں اور اس کے احسان کا انکار کرتی ہیں' اگر تم ان کے ساتھ ساری عمر احسان کرتے رہو' پھر وہ تم سے کوئی معمولی کمی دیکھ لیں تو کہتی ہیں: میں نے تو تم سے کبھی کوئی خیر نہیں دیکھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۵۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۰۷' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۱۸۹' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۴۹۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۶۱' مسند احمد ج ۶ ص ۵۳)

سورج گہن کی نماز کے طریقہ میں مذاہب ائمہ

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نماز کسوف (سورج گہن کی نماز) میں رکوع کی تعداد میں مذاہب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہمارے مذہب میں نماز کسوف کی ہر رکعت میں دو رکوع اور دو سجدے ہیں (جیسا کہ مذکور الصدر حدیث میں ہے) اور امام مالک' امام احمد' اسحاق' ابو ثور اور داؤد ظاہری کا بھی یہی مذہب ہے اور ابراہیم نخعی' ثوری اور امام اعظم ابو حنیفہ نے کہا کہ نماز کسوف جمعہ کی نماز اور صبح کی نماز کی طرح دو رکعت ہے۔

(المجموع شرح المہذب ج ۶ ص ۱۳۲۔۱۲۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۳ھ)

فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ نماز کسوف میں رکوع کی تعداد میں اضطراب ہے' مذکور الصدر حدیث میں ہر رکعت میں

رکوع کرنے کا ذکر ہے اور بعض احادیث میں ایک رکعت میں تین رکوع کا ذکر ہے اور بعض احادیث میں ایک رکعت میں چار رکوع کا ذکر ہے اور بعض احادیث میں ایک رکعت میں پانچ رکوع کا ذکر ہے اور جو حدیث مضطرب ہو وہ لائق استدلال نہیں ہے اس لیے ہم نے ان مضطرب روایات کو ترک کر دیا اور اس حدیث پر عمل کیا جس حدیث میں اصل کے مطابق ایک رکعت میں ایک رکوع کا ذکر ہے۔

ایک رکعت میں تین رکوع کرنے کی حدیث یہ ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سورج کو گہن لگ گیا جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز میں چھ رکوع اور چار سجدے کیے۔ (صحیح مسلم :الکسوف :۱۰۔ رقم بلاتکرار:۹۰۴۔ الرقم المسلسل :۲۰۶۷' سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۱۱۷۸' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۸۶۳' جامع المسانید والسنن مسند جابر بن عبداللہ رقم الحدیث:۵۱۸)

ایک رکعت میں چار رکوع کرنے کی یہ حدیثیں ہیں:

طاؤس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب سورج کو گہن لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت میں آٹھ رکوع اور چار سجدے کیے۔

(صحیح مسلم :کسوف :۱۸' رقم بلاتکرار :۹۰۸' الرقم المسلسل :۲۰۷۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث :۱۱۸۳' سنن الترمذی رقم الحدیث :۵۶۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف پڑھائی' آپ نے قرأت کی' پھر رکوع کیا' پھر قرأت کی۔ پھر رکوع کیا' پھر قرأت کی پھر رکوع کیا' پھر قرأت کی' پھر رکوع کیا' پھر سجدہ کیا اور دوسری رکعت پھر اسی طرح پڑھی۔ (صحیح مسلم :الکسوف :۱۹۔ رقم بلاتکرار :۹۰۹۔ الرقم المسلسل :۲۰۷۷' سنن للنسائی رقم الحدیث :۱۴۶۷)

ایک رکعت میں پانچ رکوع کرنے کی یہ حدیث ہے:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز کسوف پڑھائی' آپ نے لمبی سورتوں میں سے قرأت کی اور ایک رکعت میں پانچ رکوع کیے اور دو سجدے کیے' پھر دوسری رکعت بھی آپ نے اسی طرح پڑھی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۱۸۲)

فقہاء احناف کے نزدیک سورج گہن کی نماز کا طریقہ

فقہاء احناف کا مسلک یہ ہے کہ نماز کسوف میں باقی نمازوں کی طرح دو رکعت میں سے ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے ہیں اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سورج کو گہن لگ گیا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں اتنا لمبا قیام کیا کہ لگتا تھا اب رکوع نہیں کریں گے' پھر آپ نے رکوع کیا اور اتنا لمبا رکوع کیا کہ لگتا تھا کہ اب رکوع سے سر نہیں اٹھائیں گے' پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا اور اتنی دیر کھڑے رہے کہ لگتا تھا کہ اب سجدہ نہیں کریں گے' پھر آپ نے اتنا لمبا سجدہ کیا کہ لگتا تھا کہ اب سجدہ سے سر نہیں اٹھائیں گے' پھر آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور اتنی دیر بیٹھے رہے کہ لگتا تھا اب دوسرا سجدہ نہیں کریں گے' پھر آپ نے دوسرے سجدہ سے سر اٹھایا اور اسی طرح دوسری رکعت پڑھی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث :۱۱۹۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث :۱۸۶۷' مسند احمد ج ۲ ص ۱۹۱' المستدرک ج ۱ ص ۳۲۹)

آیت سجدہ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اور نہ تم سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو اور اللہ ہی کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے O“
اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو سجدہ کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ ہر چند کہ وہ دو عظیم سیارے ہیں لیکن یہ ان کی ذاتی فضیلت نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ سجدہ کیے جانے کے مستحق ہوں' ان کا خالق تو اللہ عزوجل ہے' وہ جب چاہے سورج اور چاند کو فنا کر دے یا ان کی روشنی کو زائل کر دے اور تم اللہ کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے اور اپنے نظام قدرت کو مسخر کر دیا ہے' اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو۔

فرشتوں کی دائمی تسبیح پر ایک اشکال کا جواب

حٰمٓ السجدۃ: ۳۸ میں فرمایا: ”پھر بھی اگر یہ لوگ تکبر کریں تو جو فرشتے آپ کے رب کے پاس ہیں تو وہ رات اور دن اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور وہ تھکتے نہیں O“

یہ آیت سجدہ ہے اور فقہاء احناف کے نزدیک یہ قرآن مجید میں گیارہویں آیت سجدہ ہے۔
اس آیت میں فرشتوں کی صفت میں فرمایا ہے کہ وہ رات اور دن اللہ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور وہ تھکتے نہیں ہیں' اس سے معلوم ہوا کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں' اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب فرشتے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں تو وہ باقی کام کس وقت کرتے ہیں کیونکہ قرآن مجید نے ان کے اور کاموں کا بھی ذکر فرمایا ہے' مثلاً:

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ O عَلَىٰ قَلْبِكَ. (الشعراء: ۱۹۴ـ۱۹۳) جبریل امین نے قرآن مجید کو آپ کے قلب پر نازل کیا۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ. (النساء: ۹۷) بے شک فرشتوں نے جن لوگوں کی روح قبض کی۔

تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ. (القدر: ۴) فرشتے اور جبریل اپنے رب کی اجازت سے شب قدر میں نازل ہوتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جن فرشتوں کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ رات دن اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں وہ فرشتوں کی خاص نوع ہیں' وہ اکابر ملائکہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اور یہ اس کے خلاف نہیں ہے کہ دوسرے فرشتے ان کاموں میں مشغول رہتے ہوں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے ذمہ لگا دیئے ہیں۔

بشر اور فرشتوں میں باہمی افضلیت کی تحقیق اور امام رازی کی تفسیر پر بحث ونظر

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ فرماتے ہیں:
کیا یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ فرشتے بشر سے افضل ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں! کیونکہ اعلیٰ درجہ والوں سے ادنیٰ درجہ والوں کے حال پر استدلال کیا جاتا ہے' پس یوں کہا جائے گا کہ اگر یہ کفار اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں تو کیا فرق پڑتا ہے اکابر ملائکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور اس نوع میں اعلیٰ درجہ والوں کے حال کے حسن سے ادنیٰ درجہ والوں کے خلاف استدلال ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۶۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)
میں کہتا ہوں: اس دلیل سے مطلقاً فرشتوں کا بشر سے افضل ہونا لازم نہیں آتا' بلکہ فرشتوں کا کفار سے افضل ہونا لازم آ رہا ہے' باقی فرشتوں اور بشر کے درمیان افضلیت کی تحقیق اس طرح ہے:

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

معتزلہ' فلاسفہ اور اشاعرہ کا مسلک یہ ہے کہ فرشتے بشر سے افضل ہیں حتیٰ کہ نبیوں اور رسول سے بھی افضل ہیں اور جمہور اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ بشر فرشتوں سے افضل ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے:

رسل بشر' رسل ملائکہ سے افضل ہیں اور رسل ملائکہ عامۃ البشر سے افضل ہیں اور عامۃ البشر (یعنی مؤمنین نہ کہ کفار) عامۃ الملائکہ سے افضل ہیں اور رسل ملائکہ عامۃ البشر سے بالاجماع افضل ہیں' بلکہ بالضرورۃ افضل ہیں۔

رسل بشر کی رسل ملائکہ سے افضلیت اور عامۃ البشر کی عامۃ الملائکہ سے افضلیت پر حسب ذیل دلائل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی تعظیم اور تکریم کے لیے ان کو سجدہ کریں اور حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ادنیٰ کو اعلیٰ کی تعظیم کا حکم دیا جاتا ہے۔

(۲) جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اس نے حضرت آدم کو تمام چیزوں کے اسماء کی تعلیم دی تو اس سے مقصود صرف یہ تھا کہ حضرت آدم کی تعظیم اور تکریم کی وجہ استحقاق بیان کی جائے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىٓ اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ إِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (آل عمران: ۳۳)

بے شک اللہ نے آدم کو اور نوح کو اور آل ابراہیم کو اور آل عمران کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی ہے ۝

اور تمام جہان میں فرشتے بھی شامل ہیں۔

(۴) انسان میں شہوت اور غضب ہے اور اس کو کھانے پینے' رہنے اور لباس کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ چیزیں اس کو علمی اور عملی کمال کے حصول سے مانع ہوتی ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ان عوارض اور موانع کے باوجود عبادت کرنا اور علمی اور عملی کمال حاصل کرنا' ان کی عبادت سے بہت افضل ہے جن کو عبادت کرنے سے کوئی مانع اور رکاوٹ نہیں ہے' اس لیے انسان کا عبادت کرنا فرشتوں کی عبادت کرنے سے بہت افضل ہے۔ (شرح عقائد نسفی ملخصاً' ص ۱۲۶' کراچی)

حشر ونشر کے امکان پر ایک دلیل

حٰم السجدۃ: ۳۹ میں فرمایا: ''اور (اے مخاطب!) اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تو زمین کو خشک اور غیر آباد دیکھتا ہے پھر جب ہم اس پر پانی نازل کرتے ہیں تو وہ تروتازہ ہو کر لہلہاتی ہے اور ابھرتی ہے' بے شک جس نے اس زمین کو زندہ کیا ہے وہی (قیامت کے دن) مردوں کو زندہ کرنے والا ہے' بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے ۝''

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے رات اور دن اور سورج اور چاند سے اپنی الوہیت اور توحید پر استدلال فرمایا تھا اور اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت پر استدلال فرمایا ہے کہ جو ذات مردہ زمین کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے' وہ ذات مردہ انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے' اس لیے مشرکین کا حشر ونشر کا انکار کرنا باطل ہے' نیز جب اللہ تعالیٰ نے پہلی بار انسان کو بلکہ اس پوری کائنات کو پیدا کر دیا تو اس کے لیے دوبارہ اس انسان کو جیتا جاگتا کھڑا کر دینا کیا مشکل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ ہماری آیتوں میں الحاد کرتے ہیں وہ ہم سے مخفی نہیں ہیں' آیا جو شخص دوزخ کی آگ میں جھونک دیا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ شخص جو اطمینان سے قیامت کے دن آئے گا' تم جو چاہو کرو' بے شک وہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے ۝ بے شک جن لوگوں نے قرآن کا اس وقت کفر کیا جب وہ ان کے پاس پہنچ چکا تھا (ان کو عذاب دیا جائے گا) بے شک یہ بہت معزز کتاب ہے ۝ اس میں باطل کہیں سے نہیں آ سکتا' نہ سامنے سے اور نہ پیچھے سے' یہ کتاب بہت

حکمت والے حمد کیے ہوئے کی طرف سے نازل شدہ ہےO(حٰم السجدۃ: ۴۲-۴۰)

الحاد کا معنی اور اس کا مصداق

اس سے پہلے حٰم السجدۃ: ۳۳ میں یہ بتایا تھا کہ انسان کا سب سے عمدہ منصب اور مرتبہ اللہ کے دین کی دعوت دینا ہے' پھر حٰم السجدۃ: ۳۷ میں یہ بتایا کہ اللہ کے دین کی طرف دعوت دینے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ذات اور صفات پر دلائل قائم کیے جائیں اور ان آیات میں یہ بتایا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں شبہات ڈالتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہیں' پھر ان کو ڈراتے ہوئے اور دھمکاتے ہوئے فرمایا: ''تم جو چاہو کرو بے شک وہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے''۔

اس آیت میں کج بحثی کے لیے ''یلحدون'' فرمایا ہے' یلحدون الحاد سے ماخوذ ہے' علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ الحاد کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الحاد کا مادہ لحد ہے' لحد اس گڑھے کو کہتے ہیں جو درمیان سے بغلی جانب جھکا ہوا ہوتا ہے' الحاد کا معنی ہے: حق سے انحراف کرنا' الحاد کی دو قسمیں ہیں: (۱) کسی کو اللہ کا شریک قرار دینا (۲) ان اسباب کو ماننا جو شرک کی طرف پہنچائیں' پہلی قسم ایمان کے منافی ہے اور دوسری قسم ایمان کی گرہ کو کمزور کر دیتی ہے لیکن ایمان کو باطل نہیں کرتی' قرآن مجید میں ہے:

الَّذِیۡنَ یُلۡحِدُوۡنَ فِیۡۤ اَسۡمَآئِہٖ ۔ (الاعراف: ۱۸۰) جو لوگ اللہ کے اسماء میں الحاد کرتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الحاد کی دو قسمیں ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ کی ایسی صفت بیان کی جائے جو اس کے لیے جائز نہیں ہے' مثلاً یہ کہنا کہ مسیح اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے' یا فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں (۲) اللہ تعالیٰ کی ایسی صفات بیان کرنا جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں (مثلاً اللہ میاں یا اللہ سائیں کہنا)۔ (المفردات ج ۲ ص ۵۷۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اس آیت میں فرمایا ہے: ''جو لوگ ہماری آیتوں میں الحاد کرتے ہیں'' یہاں الحاد سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق مفسرین کے حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) قتادہ نے کہا: اس سے مراد ہے: جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں (۲) ابو مالک نے کہا: جو لوگ ہماری آیتوں سے انحراف کرتے ہیں (۳) ابن زید نے کہا: جو لوگ ہماری آیتوں کا کفر کرتے ہیں (۴) سدی نے کہا: جو لوگ ہمارے رسولوں سے عناد رکھتے ہیں (۵) مجاہد نے کہا: اس سے مراد ہے: جب مسلمان قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں تو کفار سیٹیاں بجاتے ہیں اور تالیاں پیٹتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: ''آیا جو شخص دوزخ کی آگ میں جھونک دیا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ شخص جو اطمینان سے قیامت کے دن آئے گا''۔

اس کی تفسیر میں مفسرین کے حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) عکرمہ نے کہا: جو شخص دوزخ کی آگ میں جھونک دیا جائے گا وہ ابو جہل ہے اور جو شخص قیامت کے دن اطمینان سے آئے گا وہ حضرت عمار بن یاسر ہیں۔

(۲) ابن زیاد نے کہا: جس کو دوزخ کی آگ میں جھونکا جائے گا وہ ابو جہل ہے اور جو قیامت کے دن اطمینان سے آئے گا وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔

(۳) مقاتل نے کہا: جن کو دوزخ کی آگ میں جھونکا جائے گا وہ ابو جہل اور اس کے ساتھی ہیں اور جو اطمینان کے ساتھ

قیامت کے دن آئیں گے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔
(۴) ابن بحر نے کہا: اس آیت میں عموم مراد ہے' دوزخ میں جھونکا جانے والا کافر ہے اور قیامت کے دن مطمئن ہو کر آنے والے مؤمنین ہیں۔ (النکت والعیون للماوردی ج ۵ ص ۱۸۵۔۱۸۴' دارالکتب العلمیہ' بیروت)
اور یہ جو فرمایا ہے: تم جو چاہو کرو' یہ دھمکانے کے لیے فرمایا ہے یعنی تمہارے کفر پر اصرار کی وجہ سے تمہارے لیے دوزخ کا عذاب واجب ہو چکا ہے' اب تم جو چاہو کرو' تمہاری کسی کوشش سے یہ عذاب ٹل نہیں سکتا۔

جعلی پیروں اور بناوٹی صوفیوں کا الحاد

اس آیت میں فرمایا ہے: ''جو لوگ ہماری آیتوں میں الحاد کرتے ہیں وہ ہم سے مخفی نہیں ہے'' اس سے ان لوگوں کو ڈرنا چاہیے جو علم اور معرفت سے خالی ہوتے ہیں اور زہد اور تقویٰ کا اظہار کرتے ہیں' وہ کشف اور الہام کا دعویٰ کرتے ہیں اور لوگوں کو بیعت کرتے ہیں اور اپنی روحانیت اور کرامتوں کا چرچا کرتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ اغنیاء اور حکام ان کے پاس آئیں اور ان کے زہد اور تقویٰ سے متاثر اور مرعوب ہوں' وہ علماء دین کی تحقیر کرتے اور لوگوں کو ان سے متنفر کرتے ہیں اور بغیر علم کے قرآن اور حدیث کی تفسیر کرتے ہیں اور وعظ اور تقریریں کرتے ہیں' لوگ ان سے مسائل معلوم کرتے ہیں اور وہ بغیر علم کے فتاویٰ جاری کرتے ہیں' لوگ ان کو بھاری بھاری نذرانے دیتے ہیں اور وہ مال و دولت سے اپنے مریدوں میں اضافہ کرتے ہیں' حدیث میں ہے:
حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ علم کو اپنے بندوں کے سینے سے نہیں نکالے گا لیکن اللہ تعالیٰ علماء کو اٹھا کر علم کو اٹھا لے گا' حتیٰ کہ جب کوئی عالم نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا پیر اور پیشوا بنا لیں گے' ان سے سوال کیا جائے گا اور وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے' پس وہ خود بھی گم راہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گم راہ کریں گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۰۰' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۶۷۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۵۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۵۲' جامع المسانید والسنن مسند عبد اللہ بن عمرو بن العاص رقم الحدیث:۶۱۰)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخر زمانہ میں ایسے لوگ نکلیں گے جو دین کے بدلہ میں دنیا کو طلب کریں گے' وہ لوگوں کے سامنے درویشی ظاہر کرنے کے لیے بھیڑ کی نرم کھال کا لباس پہنیں گے' ان کی زبانیں چینی سے زیادہ میٹھی ہوں گی اور ان کے دل بھیڑیوں کے دلوں کی طرح ہوں گے' کیا وہ (میری مہلت دینے سے) دھوکا کھا رہے ہیں یا وہ (میری مخالفت پر) جرأت کر رہے ہیں۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۰۵' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۸۶۵۰' مسند احمد ج ۱ ص ۱۱۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۸۴۴۳' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۳۲۳)
ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
یہ لوگ صوفیاء اور درویشوں کا لباس پہن کر اور ریا کاری سے عبادت کر کے لوگوں کو دھوکا دیں گے اور لوگوں کو اپنا معتقد اور مرید بنانے کے لیے اور دنیا کا مال بٹورنے کے لیے' زہد و تقویٰ کا اظہار کریں گے اور وہ نیک اور خدا ترس علماء سے عداوت رکھیں گے' ان پر حیوانی صفات اور شہوات کا غلبہ ہوگا اور وہ اپنے نام و نمود کے لیے کارروائی کریں گے۔
(مرقاۃ المفاتیح ج ۹ ص ۱۸۳۔۱۸۲' مکتبہ حقانیہ' پشاور)
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی مخلوق کو پیدا کیا ہے جن کی زبانیں شہد سے زیادہ میٹھی ہوں گی اور ان کے دل ایلوے سے زیادہ کڑوے ہوں گے' پس میں اپنی ذات اور

صفات کی قسم کھاتا ہوں کہ میں نے ان کے لیے ایسا فتنہ مقرر کر دیا ہے' جس میں مبتلا ہو کر بردبار آدمی بھی حیران ہو گا' کیا یہ لوگ مجھ پر دھوکا کھا رہے ہیں یا مجھ پر جرأت کر رہے ہیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۰۴' المسند الجامع رقم الحدیث: ۸۲۷۹' جامع المسانید والسنن مسند عبداللہ بن عمر رقم الحدیث: ۷۶۰)

ایلوے کا معنیٰ ہے: گھیکوار کے گودے کا خشک کیا ہوا رس۔ (قائد اللغات ص ۱۳۶' فیروز اللغات ص ۱۵۰)

گھیکوار ایک قسم کا پودا ہے' جس کے پتے بہت لمبے ہوتے اور ان سے لیس دار مادہ نکلتا ہے۔ (فیروز اللغات ص ۱۰۳۵)

حٰمٓ السجدۃ: ۴۱ میں فرمایا: ''بے شک جن لوگوں نے قرآن کا اس وقت کفر کیا جب وہ ان کے پاس پہنچ چکا تھا (ان کو عذاب دیا جائے گا) بیشک یہ بہت معزز کتاب ہےO''

اس آیت میں قرآن مجید کو عزیز فرمایا ہے' اس کا معنیٰ ہے: اس کتاب کی کوئی مثال نہیں ہے' یا اس کا معنیٰ ہے: یہ کتاب تمام کتابوں پر غالب ہے۔

حٰمٓ السجدۃ: ۴۲ میں فرمایا: ''اس میں باطل کہیں سے نہیں آ سکتا' نہ سامنے سے اور نہ پیچھے سے' یہ کتاب بہت حکمت والے حمد کیے ہوئے کی طرف سے نازل شدہ ہےO''

قرآن مجید کے سامنے اور پیچھے سے باطل نہ آنے کے محامل

اس آیت میں فرمایا ہے: ''اس کتاب کے سامنے اور پیچھے سے باطل نہیں آ سکتا'' اس کی متعدد تفسیریں ہیں:

(۱) نہ اس سے پہلی آسمانی کتابوں مثلاً تورات' زبور اور انجیل میں اس کی تکذیب ہے اور نہ اس کے بعد کوئی آسمانی کتاب آئے گی کہ اس کی تکذیب ہو سکے۔

(۲) قرآن مجید نے جس چیز کے حق ہونے کی تصریح کر دی ہے وہ باطل نہیں ہو سکتی اور قرآن مجید نے جس چیز کے باطل ہونے کی تصریح کر دی ہے وہ حق نہیں ہو سکتی۔

(۳) قرآن مجید محفوظ ہے' نہ اس سے کوئی آیت کم ہو سکتی ہے نہ اس میں کوئی اپنی طرف سے کسی آیت کا اضافہ کر سکتا ہے۔

(۴) پچھلے زمانہ میں کوئی ایسی کتاب تھی جو اس کا معارضہ کرتی اور نہ آئندہ کوئی ایسی کتاب آ سکے گی جو اس کا معارضہ کر سکے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول مکرم!) آپ کے خلاف وہی باتیں کہی جا رہی ہیں جو آپ سے پہلے رسولوں کے خلاف کہی جاتی رہی ہیں' بے شک آپ کا رب (مؤمنوں کے لیے) ضرور مغفرت والا ہے اور (کافروں کے لیے) دردناک عذاب والا ہےO اور اگر ہم اس قرآن کو عجمی زبان میں کر دیتے تو وہ ضرور کہتے کہ اس کی آیتیں تفصیل سے کیوں نہیں بیان کی گئیں' کیا (کتاب کی زبان) عجمی ہو اور (رسول کی زبان) عربی ہو؟ آپ کہیے: یہ کتاب ایمان والوں کے لیے ہدایت اور شفاء ہے اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے اور یہ ان پر اندھا پن ہے' ان لوگوں کو بہت دور سے ندا کی جا رہی ہےO

(حٰمٓ السجدۃ: ۴۳-۴۴)

کفار کی دل آزار باتوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ملحدین کو ڈرایا اور دھمکایا تھا' پھر قرآن مجید کی آیات کی عظمت اور شرف کو بیان فرمایا اور کتاب اللہ کے درجہ کی بلندی کا ذکر فرمایا' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے مضمون سابق کو دہرایا اور وہ یہ ہے:

''اور کافروں نے کہا: آپ ہمیں جس دین کی طرف بلا رہے ہیں' ہمارے دلوں میں اس پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان ایک حجاب ہے سو آپ اپنا کام کریں اور بے شک ہم اپنا کام کرنے

والے ہیں O'' (حٰمٓ السجدۃ:۵) پھر اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ آپ کے خلاف وہی باتیں کہی جارہی ہیں جو آپ سے پہلے رسولوں کے متعلق کہی جاتی رہی ہیں' یعنی جس طرح پہلے رسولوں پر طعن کیا جاتا تھا اور ان کے متعلق دل آزار باتیں کی جاتی تھیں سو ایسی ہی باتیں آپ کے متعلق بھی کی جارہی ہیں' لہٰذا آپ اس معاملہ کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیجئے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ اور دعوت میں مشغول رہیے۔

قرآن مجید کو غور سے نہ سننے کی وجہ سے کفار کا قرآن کی ہدایت سے محروم ہونا

حٰمٓ السجدۃ:۴۴ میں فرمایا: ''اور اگر ہم اس قرآن کو عجمی زبان میں کر دیتے تو وہ ضرور کہتے کہ اس کی آیتیں تفصیل سے کیوں نہیں بیان کی گئیں کیا (کتاب کی زبان) عجمی ہو اور (رسول کی زبان) عربی ہو؟''۔

جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی فصاحت اور بلاغت بیان کر دی اور اس کے احکام شرعیہ کو وضاحت سے بیان فرما دیا' اس کے باوجود کفار مکہ ایمان نہیں لائے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر متنبہ فرمایا کہ ان کا کفر محض ضد' عناد' سرکشی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہے' ان کے پاس ایمان نہ لانے کا کوئی منطقی جواز نہیں ہے' جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِیْنَ ۙ۝ فَقَرَاَهٗ عَلَیْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِیْنَ ۝ (الشعراء:۱۹۸)

اور اگر ہم اس قرآن کو کسی عجمی شخص پر نازل فرماتے O پھر وہ ان کے سامنے اس کی تلاوت کرتا تو یہ اس پر ایمان لانے والے نہ ہوتے O

اسی طرح اگر ہم پورا قرآن عجمی زبان میں نازل فرما دیتے تب بھی یہ کہتے کہ اس کی آیتیں تفصیل سے کیوں نہیں بیان کی گئیں۔ یعنی وہ یہ کہتے کہ پورے قرآن کو لغت عرب میں کیوں نہیں نازل کیا گیا اور وہ اس کا انکار کرتے اور یہ کہتے کہ عربی مخاطب کے اوپر عجمی قرآن کیوں نازل کیا گیا ہے جس کو وہ سمجھ ہی نہیں سکتا' حضرت ابن عباس' مجاہد اور عکرمہ وغیرھم نے اس آیت کی اسی طرح تفسیر کی ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ''آپ کہیے: یہ کتاب ایمان والوں کے لیے ہدایت اور شفاء ہے' یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کے دلوں کے لیے یہ قرآن ہدایت ہے اور ان کے سینوں سے شکوک اور شبہات دور کرنے کے لیے یہ قرآن شفاء ہے اور جو لوگ ایمان نہیں لائے ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے' وہ قرآن مجید کی آیات میں غور کرتے ہیں نہ ان کو سمجھتے ہیں اور یہ ان پر اندھا پن ہے' وہ اس سے ہدایت نہیں حاصل کر سکتے' جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۙ وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝ (بنواسرائیل:۸۲)

اور ہم جس قرآن کو نازل کر رہے ہیں وہ مؤمنین کے لیے شفاء اور رحمت ہے اور وہ ظالموں کے لیے صرف نقصان کو زیادہ کرتا ہے O

''اور ان لوگوں کو بہت دور سے ندا کی جارہی ہے O'' مجاہد نے کہا: یہ ندا ان کے قلوب سے بہت دور ہے' امام ابن جریر نے کہا: اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جو ان کو پکار رہا ہے اور ان سے خطاب کر رہا ہے وہ گویا کہ ان سے بہت دور ہے' ضحاک نے کہا: اس کا معنیٰ یہ ہے کہ قیامت کے دن ان کو ان کے بہت قبیح ناموں سے پکارا جائے گا۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِیْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی تو اس میں (بھی) اختلاف کیا گیا اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک میعاد پہلے سے مقرر نہ ہوتی تو

رَبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۴۵﴾ مَنْ عَمِلَ

ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا اور بے شک یہ لوگ اس قرآن کے متعلق سخت خلجان اور شک میں ہیں O جس نے کوئی نیک کام کیا ہے تو وہ اپنے

صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاۗءَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۴۶﴾

نفس کے فائدہ کے لیے کیا ہے اور جس نے کوئی برا کام کیا ہے تو اس کا ضرر (بھی) اسی کو ہوگا اور آپ کا رب اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی تو اس میں (بھی) اختلاف کیا گیا اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک میعاد پہلے سے مقرر نہ ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا اور بے شک یہ لوگ اس قرآن کے متعلق سخت خلجان اور شک میں ہیں O جس نے کوئی نیک کام کیا ہے تو وہ اپنے نفس کے فائدہ کے لیے کیا ہے اور جس نے کوئی برا کام کیا ہے تو اس کا ضرر (بھی) اسی کو ہوگا اور آپ کا رب اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے O

اہل مکہ کی دل آزار باتوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

یعنی جب ہم نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا کی تو اس میں بھی اختلاف کیا گیا' بعض لوگوں نے اس کی تصدیق کی اور بعض لوگوں نے اس کی تکذیب کی اور جب ہم نے آپ کے اوپر قرآن کریم کو نازل کیا تو یہی حال آپ کی قوم کا ہے' بعض لوگ اس پر ایمان لائے اور بعض لوگوں نے اس کا کفر کیا' سو اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تسلی دی گئی ہے کہ اگر آپ کی قوم کے کچھ لوگ قرآن مجید پر ایمان نہیں لائے تو آپ اس پر غم نہ کریں' ہر صاحب کتاب نبی کے ساتھ یہی ہوتا آیا ہے۔

کفار مکہ یہ کہتے تھے کہ اگر آپ حق پر ہیں اور ہم باطل پر ہیں تو ہماری مخالفت کی وجہ سے ہم پر عذاب کیوں نہیں آ جاتا' اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا: ''اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک میعاد پہلے سے مقرر نہ ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا''۔

کفار مکہ پر ایسا عذاب نہیں آیا جس سے پورا مکہ ملیامیٹ کر دیا جاتا اور کفار مکہ کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا جاتا اور شہر مکہ قوم عاد اور ثمود کی بستیوں کی طرح کھنڈرات اور ویرانوں میں تبدیل ہو جاتا' کیونکہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی رحمت ہیں اور مکہ وہ شہر ہے جس کی طرف انبیاء اور مرسلین نے ہجرت کی ہے اور ملائکہ مقربین اس شہر میں نازل ہوتے رہے' اس شہر میں اللہ نے اپنا گھر بنایا اور اس کے خلیل اور ذبیح نے اس شہر کو بسایا' اس کے خلیل نے اس شہر کے لیے دعا کی: اے اللہ! لوگوں کے دلوں کو اس شہر کی طرف پھیر دے' اس کے کعبہ کے متعلق فرمایا: جو اس میں داخل ہوگا وہ مامون ہو جائے گا' اس لیے اللہ کی رحمت کو یہ گوارا نہ ہوا کہ عاد اور ثمود کی بستیوں کی طرح اس شہر میں بھی عذاب نازل کر کے اس شہر کو تہس نہس کر دے۔

ظلم کی مذمت میں احادیث

حٰمٓ السجدۃ: ۴۶ میں فرمایا: ''جس نے کوئی نیک کام کیا ہے تو وہ اپنے نفس کے فائدہ کے لیے ہے اور جس نے کوئی برا کام کیا ہے تو اس کا ضرر (بھی) اسی کو ہوگا O''

قرآن مجید کی متعدد آیتوں کی طرح اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ہر شخص کو اس کے عمل کا صلہ ملے گا اور اللہ تعالیٰ کسی شخص پر ظلم نہیں کرے گا' اللہ سے ظلم کی نفی اور ظلم کی مذمت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: اے میرے بندو! بے شک میں نے اپنی ذات پر ظلم کو حرام کرلیا ہے اور تمہارے درمیان بھی آپس میں ظلم کو حرام کر دیا' سو تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث بلاتکرار: ۲۵۷۷' الرقم المسلسل: ۶۴۵۰' جامع المسانید والسنن مسند ابی ذر رقم الحدیث: ۱۱۳۵۷)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ظلم کرنے سے بچو' کیونکہ ظلم کرنے سے قیامت کے دن اندھیرے ہوں گے اور بخل کرنے سے بچو' بخل نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا کیونکہ بخل نے انہیں خونریزی کرنے پر اور حرام کاموں کو حلال کرنے پر ابھارا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث بلاتکرار: ۲۵۷۸' الرقم المسلسل: ۶۴۵۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ نے کہا: مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس کوئی درہم ہو نہ کوئی سامان ہو' آپ نے فرمایا: میری امت میں مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز' روزے اور زکوٰۃ لے کر آئے اور اس نے اس شخص کو گالی دی ہو اور اس شخص پر تہمت لگائی ہو اور اس شخص کا مال کھایا ہو اور اس شخص کا خون بہایا ہو اور اس شخص کو مارا ہو' پھر وہ اس کو اپنی نیکیاں دے' پھر جو اس پر حقوق ہیں ان کے ختم ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں تو ان کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے' پھر اس کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۱' الرقم المسلسل: ۶۴۵۷)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل ظالم کو ڈھیل دیتا رہتا ہے' پھر جب وہ اس کو اپنی گرفت میں لے گا تو پھر اس کو نہیں چھوڑے گا پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ۝ (ھود: ۱۰۲)

اور اسی طرح آپ کے رب کی گرفت ہے' جب وہ بستیوں پر اس حالت میں گرفت کرتا ہے کہ وہ ظلم کر رہی ہوتی ہیں بے شک اس کی گرفت سخت دردناک ہے ۝

حضرت اوس بن شرحبیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص ظالم کی مدد کرنے کے لیے اس کے ساتھ گیا جب کہ اس کو علم تھا کہ وہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔

(المعجم الکبیر ج ۱ ص ۶۱۹' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۹۰۴۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۷۵۹۶)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی ظالم کے ساتھ گیا' اس نے ظلم کیا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ۝ (السجدۃ: ۲۲)

بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں ۝

(جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۳۱۷۱)

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ؕ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ

قیامت کا علم اللہ ہی کی طرف لوٹایا جائے گا اور جو پھل اپنے شگوفوں سے نکلتے ہیں اور جس مادہ کو کوئی حمل ہوتا ہے

اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَيَوْمَ

اور اس کے ہاں جو بچہ ہوتا ہے' ان سب کا اس کو علم ہے اور جس دن اللہ ان سب (مشرکوں) کو بلا کر فرمائے گا: میرے

يُنَادِيهِمْ أَيْنَ شُرَكَاءِي قَالُوا آذَنَّاكَ مَا مِنَّا مِن شَهِيدٍ (٤٧)

شریک کہاں ہیں؟ وہ کہیں گے: ہم تجھے بتا چکے ہیں کہ ہم میں سے تو کوئی ان کو دیکھنے والا نہیں ہے O

وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَدْعُونَ مِن قَبْلُ وَظَنُّوا مَا لَهُم مِّن

اور ان سے وہ سب گم ہو جائیں گے جن کی اس سے پہلے وہ دنیا میں پرستش کرتے تھے اور وہ یہ سمجھ لیں گے کہ اب

مَّحِيصٍ (٤٨) لَّا يَسْأَمُ الْإِنسَانُ مِن دُعَاءِ الْخَيْرِ وَإِن مَّسَّهُ الشَّرُّ

ان کے لیے نجات کا کوئی راستہ نہیں ہے O انسان خیر کی دعا کرنے سے کبھی نہیں تھکتا اور اگر اسے کوئی شر پہنچ جائے تو وہ

فَيَئُوسٌ قَنُوطٌ (٤٩) وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِن بَعْدِ ضَرَّاءَ

مایوس اور ناامید ہو جاتا ہے O اگر ہم اس کو تکلیف پہنچنے کے بعد رحمت کا ذائقہ چکھائیں تو وہ یہ

مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ هَٰذَا لِي وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِن

ضرور کہے گا کہ میں بہر صورت اس کا حق دار تھا اور میں یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ قیامت قائم ہو گی اور اگر میں

رُّجِعْتُ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّ لِي عِندَهُ لَلْحُسْنَىٰ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِينَ

اپنے رب کے پاس لوٹایا بھی گیا تو بے شک اس کے پاس میری خیر ہو گی، پس ہم ضرور کافروں کو ان کے کاموں

كَفَرُوا بِمَا عَمِلُوا وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ (٥٠) وَإِذَا أَنْعَمْنَا

کی خبر دیں گے اور ہم ان کو ضرور سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے O اور جب ہم انسان پر کوئی انعام کرتے ہیں تو وہ منہ پھیر

عَلَى الْإِنسَانِ أَعْرَضَ وَنَأَىٰ بِجَانِبِهِ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُو دُعَاءٍ عَرِيضٍ (٥١)

لیتا ہے اور پہلو بچا کر (ہم سے) دور ہو جاتا ہے اور جب اس پر مصیبت آتی ہے تو وہ لمبی چوڑی دعائیں کرنے والا ہو جاتا ہے O

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِن كَانَ مِنْ عِندِ اللَّهِ ثُمَّ كَفَرْتُم بِهِ مَنْ

آپ کہیے کہ بھلا یہ بتاؤ کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہو اور تم نے اس کا کفر کیا ہو تو اس سے بڑھ کر اور کون

أَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ (٥٢) سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ

گم راہ ہو گا جو مخالفت میں حق سے بہت دور چلا جائے O ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں اطراف عالم میں بھی

وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ

دکھائیں گے اور خود ان کے نفسوں میں بھی حتیٰ کہ ان پر منکشف ہو جائے گا کہ یہ قرآن

اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۵۳﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَاۗءِ رَبِّهِمْ ۭ

برحق ہے‘ کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ آپ کا رب ہر چیز پر گواہ ہےO سنو بے شک ان کو اپنے رب سے

اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿۵۴﴾ ع

ملاقات کے متعلق شک ہے‘ سنو وہ ہر چیز پر محیط ہےO

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قیامت کا علم اللہ ہی کی طرف لوٹایا جائے گا اور جو پھل اپنے شگوفوں سے نکلتے ہیں اور جس مادہ کو کوئی حمل ہوتا ہے اور اس کے ہاں جو بچہ ہوتا ہے ان سب کا اس کو علم ہے اور جس دن اللہ ان سب (مشرکوں) کو بلا کر فرمائے گا: میرے شریک کہاں ہیں؟ وہ کہیں گے: ہم تجھے بتا چکے ہیں کہ ہم میں سے تو کوئی ان کو دیکھنے والا نہیں ہےO اور ان سے وہ سب گم ہو جائیں گے جن کی اس سے پہلے وہ دنیا میں پرستش کرتے تھے اور وہ یہ سمجھ لیں گے کہ اب ان کے لیے نجات کا کوئی راستہ نہیں ہےO انسان خیر کی دعا کرنے سے کبھی نہیں تھکتا اور اگر اسے کوئی شر پہنچ جائے تو وہ مایوس اور نا امید ہو جاتا ہےO اور اگر ہم اس کو تکلیف پہنچنے کے بعد رحمت کا ذائقہ چکھائیں تو وہ یہ ضرور کہے گا کہ میں بہرصورت اس کا حق دار تھاO اور میں یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر میں اپنے رب کے پاس لوٹایا بھی گیا تو بے شک اس کے پاس میری خیر ہوگی‘ پس ہم ضرور کافروں کو ان کے کاموں کی خبر دیں گے اور ہم ضرور ان کو سخت عذاب کا مزا چکھائیں گےO (حٰمٓ السجدۃ: ۵۰۔۴۷)

اللہ تعالیٰ کا علم غیب قطعی اور ذاتی ہے اور مخلوق کو بالواسطہ غیب کا علم ہو سکتا ہے

اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ قیامت کس وقت قائم ہوگی اس کا بالذات اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے‘ اسی طرح اس کائنات میں جو بھی حوادث رونما ہوتے ہیں کسی مادہ کو جب بھی حمل ہوتا ہے یا وضع حمل ہوتا ہے‘ جب بھی باغات میں پھل نکلتے ہیں اور پھول کھلتے ہیں‘ سب چیزوں کا اللہ کو علم ہوتا ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

کیا یہ بات نہیں ہے کہ نجومی اپنے حساب سے سال میں ہونے والے اکثر واقعات کو جان لیتے ہیں‘ اسی طرح رمل سے اور خواب کی تعبیروں سے مستقبل میں ہونے والے اکثر واقعات کا پیشگی علم ہو جاتا ہے اور غیب کی باتوں کا پتا چل جاتا ہے‘ اس کا جواب یہ ہے کہ ان علوم کے ماہرین کو یقینی اور قطعی طور پر کسی غیب کی بات کا علم نہیں ہوتا‘ زیادہ سے زیادہ بات یہ ہے کہ ان کو کمزور درجہ کا ظن ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا جو علم ہے وہ قطعی اور یقینی ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۷۱‘ داراحیاء التراث العربی‘ بیروت‘ ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ اسی طرح محکمہ موسمیات والے پیشگی بتا دیتے ہیں کہ بارش کب ہوگی اور کل موسم کا درجہ حرارت کیا ہوگا‘ لیکن یہ پیش گوئیاں ۹۰ فی صد درست ہوتی ہیں‘ اس لیے ان کے معاملہ میں امام رازی کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ یہ پیش گوئیاں قطعی اور یقینی نہیں ہوتیں۔ لیکن سورج گہن لگنے اور چاند گہن لگنے کی جو سالوں پہلے خبر دی جاتی ہے اور پوری دنیا میں ان کا نظام الاوقات بتا دیا جاتا ہے یہ پیش گوئیاں سو فی صد صحیح ہوتی ہیں اور آج تک ان کی کوئی خبر غلط ثابت نہیں ہوئی‘ اسی طرح

الٹراساؤنڈ کے ذریعے پیشگی بتا دیا جاتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں نر ہے یا مادہ اور یہ پیشگی خبر بھی سو فی صد صحیح ہوتی ہے' اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ علم آلات کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا جو علم ہے وہ بغیر کسی آلہ کے ہے' اسی طرح جو فرشتہ ماں کے رحم میں لکھتا ہے کہ یہ بچہ مذکر ہے یا مؤنث' اس کی مدت حیات کتنی ہے' اس کا رزق کتنا ہے اور یہ سعید ہے یا شقی ہے اس کا علم اللہ تعالیٰ کے عطا کرنے سے ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے' خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم یقینی اور قطعی ہے اور بغیر کسی آلہ اور سبب کے ہے اور بغیر تعلیم کے اور ذاتی ہے' اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو بھی وحی اور الہام کے ذریعہ غیب کا علم ہوتا ہے اور ان کے لیے بالواسطہ غیب کا علم ماننا ہمارے ایمان کا ایک حصہ ہے اور اس کا انکار کرنا عناد اور گم راہی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

انسان کی ناسپاسی اور ناشکری

حٰمٓ السجدۃ: ۴۹ میں فرمایا: ''انسان خیر کی دعا کرنے سے کبھی نہیں تھکتا اور اگر اسے کوئی شر پہنچ جائے تو وہ مایوس اور ناامید ہو جاتا ہےO''

سدی نے کہا: خیر سے اس آیت میں مال' صحت' سلطنت اور عزت مراد ہے اور انسان سے مراد کافر ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انسان سے ولید بن مغیرہ مراد ہے' ایک قول ہے: ربیعہ کے دو بیٹے عتبہ اور شیبہ مراد ہیں اور ایک قول ہے: امیہ بن خلف مراد ہے اور اس آیت میں جو شر کا ذکر کیا گیا اس سے فقر اور مرض مراد ہے۔

حٰمٓ السجدۃ: ۵۰ میں فرمایا: ''اور اگر ہم اس کو تکلیف پہنچنے کے بعد رحمت کا ذائقہ چکھائیں تو وہ یہ ضرور کہے گا کہ میں بہر صورت اس کا حق دار تھاO''

اس آیت میں ضرر اور تکلیف سے مراد بیماری' سختی اور فقر ہے اور رحمت سے مراد وسعت' کشادگی اور دولت ہے' وہ کہتا ہے کہ میں اپنے نیک اعمال کی وجہ سے اس رحمت کا مستحق تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ میرے اعمال سے راضی تھا اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ ان نعمتوں کا دینا اللہ تعالیٰ پر واجب تھا اور وہ یہ نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں دے کر اس کو امتحان میں مبتلا کیا ہے تاکہ مصائب پر اس کا صبر اور انعامات پر اس کے شکر کا اظہار ہو۔

اس کے بعد فرمایا: ''اور میں یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر میں اپنے رب کے پاس لوٹایا بھی گیا تو بے شک اس کے پاس میری خیر ہوگیO''

اس آیت میں حسنیٰ اور خیر سے مراد جنت ہے' وہ بغیر کسی نیک عمل کے جن کی تمنائیں کرتا ہے۔ حسن بن محمد بن علی بن ابی طالب نے کہا: کافر کی دو تمنائیں ہوں گی: دنیا میں اس کی یہ تمنا ہوگی کہ اگر میں اپنے رب کے پاس لوٹایا بھی گیا تو اس کے پاس میری خیر یعنی جنت ہوگی اور آخرت میں اس کی یہ تمنا ہوگی: اے کاش! ہمیں دنیا میں واپس بھیج دیا جائے اور ہم اپنے رب کی آیات کی تکذیب نہ کریں اور ہم مومنوں میں سے ہو جائیں۔ (الانعام: ۲۷)

پھر فرمایا: ''پس ہم ضرور کافروں کو ان کے اعمال کی خبر دیں گے'' یعنی کافروں کو ان کے اعمال کی سزا دیں گے' اس آیت میں لام قسمیہ ہے' یعنی اللہ تعالیٰ قسم کھا کر یہ بات فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ہم انسان پر کوئی انعام کرتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو بچا کر (ہم سے) دور ہو جاتا ہے اور جب اس پر مصیبت آتی ہے تو وہ لمبی چوڑی دعائیں کرنے والا ہو جاتا ہےO آپ کہیے کہ بھلا یہ بتاؤ کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہو اور تم نے اس کا کفر کیا ہو تو اس سے بڑھ کر اور کون گم راہ ہوگا جو مخالفت میں حق سے بہت دور چلا

جلائے O ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں اطراف عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کے نفسوں میں بھی، حتیٰ کہ ان پر منکشف ہو جائے گا کہ یہ قرآن برحق ہے، کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ ان کا رب ہر چیز پر گواہ ہے O سنو بے شک ان کو اپنے رب سے ملاقات میں شک ہے، سنو! وہ ہر چیز پر محیط ہے O (حم السجدة: ۵۴-۵۱)

حم السجدة: ۵۱ میں فرمایا ہے: ''اور جب ہم انسان (یعنی کافر) پر کوئی انعام کرتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو بچا کر ہم سے دور ہو جاتا ہے O''

حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس آیت میں انسان سے مراد عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف ہیں، جنہوں نے اسلام سے منہ پھیر لیا اور اس سے دور ہو گئے اور یہ جو فرمایا ہے: ''اور پہلو بچا کر (ہم سے) دور ہو جاتا ہے'' اس کا معنیٰ ہے: وہ حق کی اطاعت اور اتباع کرنے سے خود کو بلند سمجھتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے سامنے تکبر کرتا ہے اور جب اس پر کوئی مصیبت آتی ہے تو پھر لمبی چوڑی دعائیں کرتا ہے، یعنی عاجزی کا اظہار کرتا ہے اور گڑگڑاتا ہے اور فریاد کرتا ہے اور کافر مصیبت میں اپنے رب کو پہچانتا ہے اور راحت میں اپنے رب کو نہیں پہچانتا۔

قرآن پر ایمان لانے کی کافروں کو نصیحت

حم السجدة: ۵۳-۵۲ میں فرمایا: ''آپ کہیے! بھلا یہ بتاؤ کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہو اور تم نے اس کا کفر کیا ہو تو اس سے بڑھ کر اور کون گم راہ ہو گا جو مخالفت حق میں بہت دور چلا جائے O ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں اطراف عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کے اپنے نفسوں میں بھی حتیٰ کہ ان پر منکشف ہو جائے گا کہ یہ قرآن برحق ہے، کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ ان کا رب ہر چیز پر گواہ ہے O'' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین پر یہ حجت قائم کی ہے کہ تم لوگ جب بھی قرآن مجید کو سنتے ہو تو اس سے اعراض کر لیتے ہو اور اس میں غور و فکر نہیں کرتے اور توحید کو قبول کرنے سے گھبراتے ہو اور دور بھاگتے ہو اور یہ تو واضح بات ہے کہ بداہت عقل یہ نہیں کہتی کہ قرآن مجید منزل من اللہ نہیں ہو سکتا اور نہ بداہت عقل یہ کہتی ہیں کہ اللہ واحد نہیں ہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول نہیں ہیں، پس دلیل سے قطع نظر یہ بات صحیح ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی، پھر جب قرآن مجید کا اللہ کی طرف سے نزول ہو سکتا ہے تو پھر تم اس کا انکار کیوں کرتے ہو اور اس کے انکار پر اصرار کر کے اللہ تعالیٰ کے عظیم عذاب کے مستحق کیوں ہوتے ہو، پھر تم کو چاہیے کہ اس معاملہ میں غور و فکر کرو، اگر دلائل سے یہ ثابت ہو کہ قرآن مجید اللہ کا کلام نہیں ہے تو تم اس کو ترک کر دو اور اگر دلائل سے یہ ثابت ہو کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے تو پھر تم اپنی ضد چھوڑ دو اور اس سے اعراض کرنے کو اور اس کے ترک پر اصرار کرنے کو ترک کر دو۔

انسان کے اپنے نفسوں میں اور اس کائنات میں اللہ کی قدرت کی نشانیاں

اور اس آیت میں فرمایا ہے: ''ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفسوں میں بھی حتیٰ کہ ان پر منکشف ہو جائے گا کہ یہ قرآن برحق ہے''۔

امام رازی نے واحدی سے نقل کیا ہے کہ آفاق افق کی جمع ہے اور افق آسمان اور زمین کے کناروں کو کہتے ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۷۳، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

آفاق سے مراد ہے: آسمانوں اور ستاروں کی نشانیاں اور دن اور رات کی نشانیاں اور روشنیوں اور اندھیروں کی نشانیاں عالم عناصر اربعہ اور عالم موالید ثلاثہ کی نشانیاں اور ان میں سے اکثر کا قرآن مجید میں ذکر ہے اور اپنے نفسوں سے مراد یہ ہے انسان اپنی ماں کے رحم میں کس طرح نطفہ، مضغہ اور ہڈیوں کے تشکل کے مراحل سے گزر کر پیکر انسان میں ڈھلتا ہے، پھر کس

طرح دودھ پیتا بچہ ہوتا ہے' پھر کم سن لڑکا ہوتا ہے' پھر بالغ مرد' پھر جوان' پھر ادھیڑ عمر کا' پھر بوڑھا اور پھر خاک کا ڈھیر بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں میں جو عجائب اور اپنی قدرت کی نشانیاں رکھی ہیں وہ غیر متناہی ہیں اور اللہ تعالیٰ انسان کو ان عجائب پر یوماً فیوماً مطلع فرماتا رہتا ہے اور دن بہ دن انسان کو نئے نئے حقائق معلوم ہوتے رہتے ہیں' ایک زمانہ تھا جب یہ معلوم نہیں تھا کہ شوگر اور بلڈ پریشر کیا مرض ہے' یہ انسان کو کیسے لاحق ہوتا ہے اور اس کا کیا علاج ہے اور کیا پرہیز ہے' پھر رفتہ رفتہ یہ حقائق معلوم ہو گئے' پھر ایک زمانہ تھا جب تپ دق کا علاج معلوم نہ تھا' اب اس کا علاج دریافت ہو گیا ہے۔ پہلے چیچک کا علاج معلوم نہیں تھا' اب پاکستان سے چیچک ختم کر دی گئی ہے' اگر بچہ ماں کے پیٹ میں اڑا ہو تو پہلے وضع حمل کی کسی صورت کا علم نہیں تھا اور ماں اور بچہ دونوں مر جاتے تھے' اب سرجری کے ذریعہ اس کا علاج ہو رہا ہے' اگر دل کی چاروں شریانیں بلاک ہو جائیں تو پہلے اس کا علاج ممکن نہیں تھا' اب معلوم ہوا کہ انسان کی پنڈلیوں میں کچھ شریانیں زائد ہوتی ہیں جنہیں پنڈلیوں سے نکال کر دل کی شریانوں کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے' اس کو آپریشن بائی پاس کہتے ہیں اور ایسی بہت مثالیں ہیں۔ کینسر اور ایڈز کا علاج ابھی تک دریافت نہیں ہو سکا ہے۔ ہو سکتا ہے آئندہ اس کا علاج دریافت ہو جائے' اسی طرح پہلے یہ معلوم نہیں تھا کہ ہوا کہاں تک ہے اور چاند زمین سے کتنے فاصلہ پر ہے' اب یہ معلوم ہو گیا کہ دو سو میل تک ہوا ہے کہ اس کے بعد ہوا نہیں ہے' اسی وجہ سے خلانورد اپنے ساتھ آکسیجن کی تھیلیاں لے کر جاتے ہیں اور اب یہ معلوم ہو گیا کہ چاند زمین سے پونے دو لاکھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ پہلے لوگ سمجھتے تھے کہ خلا محال ہے' اب ثابت ہو گیا ہے کہ خلا ایک حقیقت ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اشیاء کا وزن زمین کی کشش کی وجہ سے ہوتا ہے اور خلا میں کسی چیز کا کوئی وزن نہیں ہوتا' زمین کی رفتار اور سورج اور چاند کی رفتار سے پہلے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ سورج یا چاند کو گرہن کس تاریخ کو لگے گا اور کتنی دیر گہن لگا رہے گا اور دنیا کے کس کس حصے میں اور کس کس شہر میں کتنی دیر تک دیکھا جا سکے گا' غرض یہ کہ زمین اور آسمان کے متعلق' سیاروں اور ستاروں کے متعلق جو پہلے ہمیں معلومات نہیں تھیں اب حاصل ہو چکی ہیں' انسان کے جسم کے بارے میں جو معلومات پہلے نہیں تھیں وہ اب حاصل ہو چکیں' سائنسی آلات کے ذریعہ بچے کے پیدا ہونے سے پہلے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ مذکر ہے یا مؤنث ہے' یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ لنگڑا' لولا یا اپاہج ہو گا یا کسی خطرناک بیماری کا حامل ہو گا۔ انسان کے جسم میں جو سیال خون ہے اس کے ٹیسٹ کے ذریعہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس میں کون کون سی بیماریاں ہیں' غرض ہمیں اس عالم کبیر (خارجی کائنات) اور عالم صغیر (خود نفس انسان) کے متعلق دن بہ دن نئے نئے حقائق معلوم ہو رہے ہیں۔

قرائن عقلیہ اور شواہد کے خلاف شہادت کا غیر معتبر ہونا

سائنسی علوم کے ذریعہ چاند کی رؤیت اور پہلی تاریخ کے تعین میں بھی مدد ملتی ہے اور اس سے ہمیں شہادتوں کے پرکھنے کا بھی موقع ملتا ہے کہ یہ شہادت سچی ہے یا جھوٹی ہے' جب سائنسی آلات کے ذریعہ یہ معلوم ہو جائے کہ آج چاند کی تولید نہیں ہوئی ہے اور اس کی رؤیت ممکن نہیں ہے اور مطلع بالکل صاف ہو اور پورے ملک میں کہیں چاند نظر نہ آیا ہو اور ایسے میں چند آدمی یہ گواہی دے دیں کہ ہم نے چاند دیکھا ہے تو ان کی گواہی جھوٹی ہو گی اور سائنسی تحقیقات کے خلاف ان کی گواہی کا شرعاً اعتبار نہیں کیا جائے گا کیونکہ قرائن اور شواہد کے خلاف جو گواہی دی جائے وہ شرعاً معتبر نہیں ہوتی۔

علامہ ابن قیم جوزیہ (متوفی ۷۵۱ھ) نے اس مسئلے پر کافی بحث کی ہے اور دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ عقلی شواہد اور دلائل کے خلاف گواہوں کی گواہی کا شرعاً اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ علامہ ابن قیم جوزیہ کی چند عبارات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ہمیشہ سے ائمہ اور خلفاء اس صورت میں چور کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کرتے رہے ہیں جب اس شخص سے مال برآمد ہو جائے

جس پر چوری کا الزام ہو اور یہ قرینہ گواہوں اور اقرار سے زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ گواہوں میں صدق اور کذب کا احتمال ہے اور جب چور کے پاس سے مال برآمد ہو جائے تو یہ نص صریح ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔

(الطرق الحکمیہ ص ٦' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤١٥ھ)

(٢) بہت سے قرائن اور علامتیں انکار قسم سے زیادہ قوی ہوتی ہیں تو ان کو معطل کرنا کس طرح جائز ہوگا۔ (الطرق الحکمیہ ص ٦)

(٣) اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ گواہوں کے علاوہ دوسرے دلائل گواہی سے زیادہ قوی ہوتے ہیں' جیسے وہ حال جو صدق مدعی پر دلالت کرتا ہو کیونکہ وہ گواہ کی خبر سے زیادہ قوی دلیل ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ امام ابو داؤد اور دیگر ائمہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' وہ کہتے ہیں کہ میں نے خیبر کی طرف سفر کا ارادہ کیا' جب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے عرض کیا کہ میرا خیبر کی طرف جانے کا ارادہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میرے وکیل کے پاس جاؤ تو اس سے ١٥ وسق کھجوریں لے لینا (ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع چار کلو کا ہوتا ہے) اور جب وہ تم سے کوئی نشانی طلب کرے تو تم اپنا ہاتھ اپنے گلے پر رکھ دینا۔ الحدیث

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ٣٦٣٢' سنن بیہقی ج ٦ ص ٨٠' مشکوۃ رقم الحدیث: ٢٩٣٥)

اس میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علامات اور قرائن کو گواہی کے قائم مقام قرار دیا ہے' پس شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرائن' علامات اور دلائل احوال کو لغو قرار نہیں دیا بلکہ ان پر احکام شرع کو مرتب کیا۔ (الطرق الحکمیہ ص ١٠)

(٤) نیز اس سلسلہ میں علامہ ابن قیم جوزیہ نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو قتل کرنے کا حکم دیا جس پر یہ الزام تھا کہ اس نے آپ کی ام ولد سے زنا کیا ہے اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ وہ خصی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم پر عمل کرنے کو ترک کر دیا۔ (الطرق الحکمیہ ص ١٠)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم محترم کا تہمت سے بری ہونا

علامہ ابن قیم جوزیہ نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ام ولد کے ساتھ متہم کیا جاتا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: جاؤ اس کی گردن اڑا دو' حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے پاس گئے تو وہ ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے ایک کنویں میں غسل کر رہا تھا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: نکلو اور اپنے ہاتھ سے پکڑ کر اس کو نکالا' دیکھا تو اس کا عضو تناسل کٹا ہوا تھا' پھر حضرت علی اس کو قتل کرنے سے رک گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر یہ واقعہ عرض کیا اور کہا: یا رسول اللہ! اس کا عضو تناسل تو کٹا ہوا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٧٧١' مسند احمد ج ٣ ص ٢٢١ طبع قدیم' مسند احمد ج ٢١ ص ٤٠٥' رقم الحدیث: ١٣٩٨٩' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ١٤١٩ھ' المستدرک ج ٤ ص ٤٠-٣٩)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس ام ولد کا ذکر ہے وہ حضرت ماریہ قبطیہ تھیں' جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔ (الطبقات الکبریٰ ج ٨ ص ١٧٢' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ٦٧٦ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

وہ شخص منافق تھا اور کسی وجہ سے قتل کا مستحق تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے نفاق یا کسی اور سبب سے اس کے قتل کا حکم دیا تھا نہ کہ زنا کے سبب سے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ سمجھ کر اس کے قتل سے رک گئے کہ آپ نے اس کے زنا کی وجہ سے اس کے قتل کا حکم دیا تھا اور ان کو یقین ہو گیا تھا کہ اس نے زنا نہیں کیا ہے۔ (شرح مسلم للنووی ج ٢ ص ٣٦٨' اصح المطابع' کراچی' ١٣٧٥ھ)

میں کہتا ہوں کہ علامہ نووی اور دیگر شارحین کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ آپ نے اس کے نفاق یا کسی اور سبب سے اس کے قتل کا حکم دیا تھا نہ کہ زنا کے سبب سے‘ کیونکہ اگر یہ وجہ ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کو دوبارہ اس کو قتل کرنے کے لیے بھیجتے اور صحیح یہی ہے کہ اس شخص پر یہ تہمت تھی کہ اس نے حضرت ماریہ سے زنا کیا ہے اور آپ کے نزدیک یہ بات گواہوں سے ثابت ہوگئی تھی‘ اس لیے آپ نے حضرت علی کو اس کو قتل کرنے کے لیے بھیجا۔

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ‘ علامہ ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ اور علامہ سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لوگوں نے اس شخص پر حضرت ماریہ قبطیہ کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا‘ اس تہمت کا بھی کوئی سبب ہونا چاہیے اور اس کو قتل کرنے کی بھی کوئی وجہ ہونی چاہیے‘ تہمت کی وجہ یہ ہے کہ وہ شخص قبطی تھا اور چونکہ حضرت ماریہ بھی قبطیہ تھیں اس لیے ہم جنس اور ہم زبان ہونے کی وجہ سے وہ دونوں ایک دوسرے سے ملتے جلتے تھے اور ایک دوسرے سے باتیں بھی کرتے تھے‘ اس وجہ سے لوگوں نے اس پر تہمت لگا دی اور رہی اس کو قتل کرنے کی وجہ تو امام رازی نے یہ کہا ہے کہ اس حدیث میں اس کو ساقط کر دیا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ممکن ہے آپ کے نزدیک گواہوں سے یہ ثابت ہو گیا ہو کہ اس شخص نے حضرت ماریہ کے ساتھ زنا کیا ہے‘ اس لیے آپ نے حضرت علی کو حکم دیا کہ وہ اس کو قتل کر دیں۔ لیکن جب حضرت علی نے یہ دیکھا کہ اس کا عضو کٹا ہوا ہے تو انہوں نے اس کو قتل نہیں کیا اور اس پورے واقعہ میں حکمت یہ تھی کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حرم اور آپ کی ام ولد اس تہمت سے بری ہیں (جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر منافقوں نے حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کے ساتھ تہمت لگائی تھی حالانکہ حضرت صفوان نے بعد میں بتایا کہ وہ نامرد ہیں اور اس فعل کے اہل ہی نہیں ہیں صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۵۷‘ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۳۸‘ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۷۰) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے حقیقتاً اس کو قتل کرنے کا حکم نہ دیا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم ہو کہ اس کا آلہ کٹا ہوا ہے اور آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس لیے اس کے قتل کا حکم دیا ہو تاکہ اس کا معاملہ منکشف ہو جائے اور آپ کے حرم سے تہمت دور ہو جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی طرف وحی کی گئی ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کو قتل نہیں کریں گے اور حضرت علی پر اس شخص کا نااہل ہونا منکشف ہو جائے گا‘ جیسا کہ اس کنویں میں اس کو برہنہ دیکھنے سے حضرت علی پر منکشف ہو گیا اور باوجود علم کے آپ نے حضرت علی کو اس لیے حکم دیا تھا تاکہ حضرت علی بھی اس چیز کو دیکھ لیں اور ان کے نزدیک بھی آپ کی حرم محترم حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کی اس تہمت سے برأت ثابت ہو جائے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۸ ص ۳۰۴‘ دار الوفاء بیروت‘ ۱۴۱۹ھ‘ اکمال اکمال المعلم ج ۹ ص ۲۱۷۔۲۱۶‘ معلم اکمال الاکمال علی ھامش شرح الابی ج ۹ ص ۲۱۷۔۲۱۶‘ دار الکتب العلمیہ‘ بیروت‘ ۱۴۱۵ھ)

قاضی عیاض مالکی کی شرح کی تائید امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ کی اس روایت میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیز تھیں ان کے بالا خانے میں ایک قبطی آیا کرتا تھا‘ وہ ان کو پانی اور لکڑیاں لا کر دیتا تھا‘ لوگ اس کے متعلق چہ مہ گوئیاں کرنے لگے کہ ایک عجمی مرد عجمی عورت کے پاس آتا ہے‘ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچی تو آپ نے حضرت علی بن ابی طالب کو بھیجا‘ اس وقت وہ قبطی ایک کھجور کے درخت پر چڑھا ہوا تھا‘ اس نے جب حضرت علی کے ہاتھ میں تلوار دیکھی تو وہ گھبرا گیا اور گھبراہٹ میں اس کا تہبند کھل کر گر گیا اور وہ عریاں ہو گیا‘ حضرت علی نے دیکھا‘ اس کا آلہ کٹا ہوا تھا‘ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ کو اس واقعہ کی خبر دی اور کہا: یا رسول اللہ! جب آپ ہم میں سے کسی شخص کو کسی

کام کا حکم دیں' پھر وہ شخص اس کام میں اس کے خلاف کوئی معاملہ دیکھے تو کیا وہ شخص آپ کے پاس (وہ کام کیے بغیر) واپس آ جائے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! پھر حضرت علی نے بتایا کہ انہوں نے دیکھا کہ اس قبطی کا تو آلہ کٹا ہوا تھا' حضرت انس نے کہا: پھر حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی' پھر حضرت جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: السلام علیک اے ابوابراہیم! تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مطمئن ہو گئے (کہ حضرت ماریہ پاک دامن ہیں اور ان سے آپ ہی کے بیٹے کا تولد ہوا ہے)۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۱۷۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

ہر چند کہ مسلم کی روایت میں ہے کہ وہ قبطی کنویں میں نہا رہا تھا اور امام ابن سعد کی روایت میں ہے کہ وہ کھجور کے درخت پر تھا' لیکن بنیادی چیز میں دونوں روایتیں متحد ہیں کہ اس قبطی کی وجہ سے لوگوں نے حضرت ماریہ کو متہم کیا تھا اور لوگوں نے اس کے خلاف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شہادت دی جیسا کہ شارحین نے ذکر کیا ہے اور اس وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو حکم دیا کہ وہ اس کو قتل کر کے آئیں اور اس موقع پر حضرت علی نے اس کو برہنہ دیکھ لیا اور معلوم ہو گیا کہ اس کا آلہ کٹا ہوا ہے اور اس سے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کی براءت ثابت ہو گئی۔

تاہم ان دونوں حدیثوں سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ جب کوئی شہادت قرائن اور شواہد کے خلاف ہو تو اس شہادت کا شرعاً اعتبار نہیں کیا جاتا' فقہاء اسلام بھی اس امر پر متفق ہیں کہ اگر گواہوں کی گواہی قرائن اور شواہد کے خلاف ہو تو اس کا شرعاً اعتبار نہیں ہوگا۔ فقہاء اسلام کی تصریحات حسب ذیل ہیں۔

قرائن عقلیہ اور شواہد کے خلاف شہادت کے غیر معتبر ہونے کے متعلق فقہاء اسلام کی تصریحات

علامہ ابن قدامہ حنبلی (متوفی ۶۲۰ھ) نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ' امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا یہ موقف ہے کہ اگر چار گواہ یہ گواہی دیں کہ فلاں عورت نے زنا کیا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ وہ عورت کنواری ہے تو اس پر حد نہیں لگائی جائے گی۔ اسی طرح اگر چار گواہ یہ گواہی دیں کہ فلاں شخص نے زنا کیا ہے لیکن بعد میں یہ معلوم ہوا کہ اس کا آلہ کٹا ہوا ہے تو اس پر حد نہیں لگائی جائے گی۔

(المغنی ج ۹ ص ۷۱' دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

فقہاء شافعیہ کی تصریحات حسب ذیل ہیں:

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

المزنی نے کہا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر چار آدمیوں نے کسی عورت کے خلاف زنا کی شہادت دی اور چار نیک عورتوں نے یہ بتایا کہ وہ کنواری ہے تو اس پر حد نہیں لگائی جائے گی۔ (الحاوی الکبیر ج ۱۷ ص ۸۱' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(روضۃ الطالبین ج ۷ ص ۳۱۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

فقہاء احناف نے اپنی متعدد کتب میں یہ لکھا ہے کہ کسی عورت کے خلاف چار مردوں نے گواہی دی کہ اس نے زنا کیا ہے پھر بعد میں ثابت ہو گیا کہ وہ کنواری ہے تو اس پر حد نہیں لگائی جائے گی۔ اسی طرح اگر کسی مرد کے خلاف چار مردوں نے گواہی دی کہ اس نے زنا کیا ہے پھر بعد میں ثابت ہوا کہ اس کا آلہ کٹا ہوا ہے تو اس پر حد نہیں لگائی جائے گی' یہ تصریحات فقہاء احناف کی درج ذیل کتب میں مذکور ہیں۔ (المبسوط ج ۱۰ ص ۵۷' ہدایہ اولین ص ۵۲۲' الفتاویٰ الولوالجیہ ج ۴ ص ۲۳۹' المحیط البرہانی ج ۵ ص ۱۴۶' فتح القدیر ج ۵ ص ۲۷۳' البحر الرائق ج ۵ ص ۲۲' تبیین الحقائق ج ۳ ص ۵۹۸' فتاویٰ شامی ج ۴ ص ۴۲' مجمع الانہر ج ۲ ص ۳۵۵' اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۶۵۴' النہر الفائق ج ۳ ص ۱۴۵' البنایہ ج ۶ ص ۲۸۷' حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ج ۲ ص ۴۰۰' عالم گیری ج ۲ ص ۱۵۳)

فقہاء اسلام کی ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ جب کوئی شہادت قرائن عقلیہ اور شواہد کے خلاف ہو تو اس کا شرعاً اعتبار نہیں ہوگا' اسی طرح اگر ماہرین فلکیات اور محکمہ موسمیات والے بتائیں کہ آج چاند کی تولید نہیں ہوئی ہے اور اس کی رؤیت ممکن نہیں ہے اور چند آدمی یہ گواہی دیں کہ ہم نے چاند دیکھا ہے تو ان کی گواہی مردود ہوگی۔

اسی طرح اس مسئلہ پر عقلی دلیل یہ ہے کہ:

اگر کسی مقتول کے پاس ایک شخص پستول بدست کھڑا ہو اور دو گواہ یہ گواہی دیں کہ اس نے اپنے پستول سے فائر کر کے اس کو ہلاک کیا ہے اور بعد میں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ یہ ہو کہ اس مقتول کے جسم سے جو گولی برآمد ہوئی ہے' وہ اس کے پستول سے نہیں چلائی گئی تو ان گواہوں کی گواہی جھوٹی قرار پائے گی اور اس شخص کو رہا کر دیا جائے گا۔

اس ضمنی بحث کے بعد اب ہم پھر اصل تفسیر کی طرف لوٹ رہے ہیں۔

آفاق اور انفس کی نشانیوں کا تجزیہ

اس آیت میں جو فرمایا ہے: ''ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں اور خود ان کے نفسوں میں''۔ اس آیت سے حسب ذیل مسائل معلوم ہوتے ہیں اور حسب ذیل فوائد مستنبط ہوتے ہیں:

(۱) مخلوق اس وقت تک اللہ کی نشانیوں کو از خود نہیں دیکھ سکتی جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نشانیاں نہ دکھائے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے آفاق کو پیدا کیا اور انسان کو اپنی آیات کا مظہر بنایا۔

(۳) انسان کا نفس اللہ تعالیٰ کی آیات کی مظہریت کے لیے آئینہ ہے اور جب اللہ تعالیٰ انسان کو اپنی نشانیاں دکھانا چاہتا ہے تو اس کے نفس میں اپنی نشانیاں دکھا دیتا ہے۔

(۴) عوام کے اعتبار سے جب انسان کائنات میں بار بار دن اور رات کے توارد کو دیکھتا ہے' اسی طرح اس کائنات میں واقع اور حادث ہونے والی چیزوں کو دیکھتا ہے اور اپنے اندر تغیرات کو دیکھتا ہے کہ وہ پیدا ہوا' پھر اس پر بچپن آیا' پھر جوانی آئی' پھر بڑھاپا آیا' اس سے اس پر یہ منکشف ہو جاتا ہے کہ وہ خود بھی حادث ہے اور یہ سارا جہان بھی حادث ہے اور ہر حادث کا کوئی پیدا کرنے والا ہوتا ہے اور انسان کی اپنی زندگی کا یکساں نظام اور اس کائنات کے نظام کی وحدت یہ بتاتی ہے کہ اس کائنات کا ناظم اور خالق بھی واحد ہے۔

(۵) خواص کے اعتبار سے جب وہ اپنے قلوب پر مشاہدہ حق کی مختلف تجلیات دیکھتے ہیں اور ان پر قبض اور بسط کی مختلف تجلیات وارد ہوتی ہیں' کبھی ان کے قلوب پر حجاب اور ستر ہوتا ہے اور کبھی تجلی اور انکشاف ہوتا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ ان پر غیب کے اسرار کھول دیتا ہے اور کبھی ان کو دلائل اور براہین کا مطالعہ کراتا ہے' تو ان کو اس میں شک نہیں رہتا کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔

(۶) اور اخص الخواص کے اعتبار سے نفس کا بشری حجابات کے اندھیروں سے اللہ تعالیٰ کی ذات کی تجلیات اور اس کی صفات کے جلال اور جمال کی روشنی کی طرف نکلنا ہے' اسی لیے فرمایا: ''کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ ان کا رب ہر چیز پر شہید (گواہ) ہے'' یعنی اس نے اپنی قدرت کی نشانیاں دکھا کر اپنی ذات اور صفات سے حجابات دور کر دیئے ہیں اور ہر چیز پر اللہ کے گواہ ہونے پر جو غفلت اور جہالت کے پردے پڑے ہوئے تھے ان پردوں کو اٹھا دیا ہے اور ان کو اس میں کوئی شک نہیں رہے گا کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے اور وہ ہر چیز کو محیط ہے اور حدیث میں ہے:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ کسی چیز کے لیے

تجلی فرماتا ہے تو وہ چیز اس کے سامنے عاجزی کرتی ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۶۲' مسند احمد ج ۴ ص ۲۶۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۹۳' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۴۰۳)

حٰمٓ السجدۃ: ۵۴ میں فرمایا: "سنو بے شک ان کو اپنے رب سے ملاقات میں شک ہے' سنو وہ ہر چیز پر محیط ہے O"

اس آیت میں شک کے لیے "مریۃ" کا لفظ ہے۔ مریۃ اس قوی شک کو کہتے ہیں جس سے تردد پیدا ہو جائے۔ کفار مکہ کو مر کر دوبارہ اٹھنے کے متعلق بہت شکوک اور شبہات تھے' قرآن مجید کی متعدد آیات میں ان شکوک اور شبہات کو اللہ تعالیٰ نے زائل فرما دیا ہے۔

نیز فرمایا: سنو وہ ہر چیز پر محیط ہے' یعنی وہ معلومات غیر متناہیہ کا عالم ہے' پس وہ کفار کے ظاہر اور باطن کو جاننے والا ہے اور ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق جزاء دے گا' اگر اس نے نیک عمل کیے ہوں گے تو اس کو نیک جزاء ملے گی اور اگر اس کے اعمال برے ہوں گے تو وہ سزا کا مستحق ہوگا۔

حٰمٓ السجدہ کا خاتمہ

آج بہ روز جمعہ ۲۵ رمضان ۱۴۲۴ھ/۲۱ نومبر ۲۰۰۳ء بہ وقت سحر سورۂ حٰمٓ السجدہ کی تفسیر ختم ہوگئی' فالحمد للہ رب العٰلمین۔

الٰہ العٰلمین! اس تفسیر کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرمانا اور قیامت تک اس کو اثر آفرین رکھنا اور موافقین کے لیے اس کو موجب طمانیت و استقامت بنانا اور مخالفین کے لیے اس کو موجب رشد و ہدایت بنانا اور محض اپنے فضل سے میری مغفرت فرما دینا۔

اس سال ۸ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ/۷ اگست ۲۰۰۳ء شب جمعہ کو میری والدہ رحمہا اللہ رحلت فرما گئیں (اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنا دے)۔ قارئین سے التماس ہے کہ ایک بار سورۂ فاتحہ اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب میری والدہ کو پہنچا دیں اور ان کی مغفرت کی دعا کریں۔ آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اے بار الٰہ! جس طرح آپ نے یہاں تک قرآن مجید کی تفسیر مکمل کرا دی ہے' باقی تفسیر بھی مکمل کرا دیں۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین سیدنا محمد
وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
کراچی-۳۸

سُوْرَةُ الشُّوْرٰى

(۴۲)

سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ

(۴۳)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمده ونصلي ونسلم على رسوله الكريم

الشوریٰ

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الشوریٰ ہے' شوریٰ کا معنی مشورہ ہے' اس سورت کی ایک آیت میں یہ بتایا ہے کہ مسلمان اپنے کام باہمی مشورے سے کرتے ہیں' وہ آیت یہ ہے:

وَالَّذِيۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِرَبِّهِمۡ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۖ وَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ ۖ وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ ۝ (الشوریٰ: ۳۸)

اور وہ لوگ جو اپنے رب کے احکام کو قبول کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور اپنے (ہر) کام کو باہمی مشورے سے کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے' اس میں سے خرچ کرتے ہیں ۝

اس آیت میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ مسلمانوں کو زندگی کا ہر اہم کام باہمی مشورہ سے کرنا چاہیے کیونکہ ہر شخص نہ عقل کل کا مالک ہوتا ہے اور نہ ہر شخص کی ہر رائے صائب اور صحیح ہوتی ہے' ایک گھرانے کے سربراہ کو گھر کے دوسرے بڑوں سے مشورہ کرنا چاہیے' ایک شہر کے سربراہ کو اور اسی طرح ایک ملک کے سربراہ کو دوسرے بڑوں سے مشورہ کرنا چاہیے اور جو کام اور جو مہم درپیش ہو اس کام میں اس کے ماہرین اور ارباب حل وعقد سے مشورہ کرنا چاہیے' جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلیفہ کے تقرر کے لیے ان چھ اصحاب کی کمیٹی مقرر فرما دی تھی جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وصال کے وقت راضی تھے' حدیث میں ہے:

عمرو بن میمون اودی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (زخمی ہونے کے بعد) فرمایا: میرے علم میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو اس خلافت اور حکومت کا ان سے زیادہ مستحق ہو جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے وقت راضی تھے' پس جس کو وہ لوگ خلیفہ مقرر کر دیں وہی شخص خلیفہ ہوگا' سو تم لوگ اس کے احکام کو غور سے سننا اور اس کی اطاعت کرنا' پھر حضرت عمر نے ان اصحاب کے نام لیے: حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت طلحہ' حضرت زبیر' حضرت عبد الرحمن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم۔ الحدیث (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۹۲)

اس آیت اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام میں حکومت کی تشکیل اور اجتماعی نظام کی اساس شورائیت پر ہے' خواہ یہ حکومت عام انتخابات کے ذریعہ وجود میں آئی ہو' جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو عام مسلمانوں نے منتخب کیا تھا یا سابق خلیفہ نے کسی اہل شخص کو نامزد کر دیا ہو جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ نامزد کر دیا تھا' یا ارباب حل وعقد نے کسی اہل شخص کو اپنا امیر اور سربراہ مقرر کر لیا ہو' جیسے ان چھ اصحاب نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا امیر اور سربراہ حکومت مان لیا تھا' اسلام میں حکومت کے تقرر کی یہی تین مستحسن صورتیں ہیں' تاہم ملوکیت اور بادشاہت کی بھی اسلام میں گنجائش ہے کہ کوئی مسلمان شخص اپنی طاقت سے غالب ہو کر اقتدار پر قابض ہو جائے اور مسلمان اس کو اپنا امیر اور سربراہ

حکومت تسلیم کرلیں تو اس کی اطاعت بھی واجب ہے اور اس کی حکومت بھی صحیح ہے' جیسے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے' اس سلسلہ میں یہ احادیث ہیں:

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خلافت نبوت تیس سال تک رہے گی پھر اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اپنا ملک عطا فرمادے گا (اور ملوکیت ہو جائے گی)۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۴۷-۴۶۴۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۲۶)

امام احمد کی روایت میں اس میں یہ اضافہ ہے:

حضرت سفینہ نے کہا: حضرت ابوبکر کی خلافت دو سال ہے' حضرت عمر کی خلافت دس سال ہے' حضرت عثمان کی خلافت بارہ سال ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی خلافت چھ سال ہے۔ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۰ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۶ ص ۲۴۸' رقم الحدیث: ۲۱۹۱۹' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۱ھ' السنۃ لابی عاصم رقم الحدیث: ۱۱۸۱' الاحاد والمثانی رقم الحدیث: ۱۱۳' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۸۲۸' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۸۶۵' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۶' المستدرک ج ۳ ص ۱۴۵' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۳۴۱)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

اہل مدینہ کے ایک شیخ سے روایت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں پہلا بادشاہ ہوں۔

(المصنف لابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۲۰۸' رقم الحدیث: ۳۰۷۰۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

عبدالملک بن عمیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے اس وقت سے خلافت کی خواہش رہی جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے متعلق یہ فرمایا: اے معاویہ! اگر تم بادشاہ بن جاؤ تو لوگوں سے اچھا سلوک کرنا۔

(المصنف ج ۶ ص ۲۰۸' رقم الحدیث: ۳۰۷۰۶' تاریخ دمشق الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۵۱۶)

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت معاویہ سے بڑا سردار کوئی نہیں دیکھا' حضرت معاویہ نے کہا: مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاویہ! جب تم بادشاہ بن جاؤ تو نرمی کرنا' حضرت معاویہ بیس سال تک تمام لوگوں کے بادشاہ رہے۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۲ ص ۴۲' رقم الحدیث: ۱۳۴۱۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

عبدالرحمان بن ابی عمیرہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ کے لیے دعا فرمائی: اے اللہ! اس کو علم عطا فرما اور اس کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنادے اور اس کو ہدایت دے اور اس کے سبب سے ہدایت دے۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۲ ص ۵۶' رقم الحدیث: ۱۳۴۴۳' بیروت)

رویم بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی نے آکر کہا: یا رسول اللہ! میرے ساتھ کشتی لڑیے' حضرت معاویہ اس کے سامنے کھڑے ہوئے اور کہا: اے اعرابی! میں تجھ سے کشتی لڑوں گا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معاویہ ہرگز کبھی بھی مغلوب نہیں ہوگا' پھر حضرت معاویہ نے اس اعرابی کو پچھاڑ دیا' پھر جب جنگ صفین ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر مجھ سے یہ حدیث ذکر کی جاتی تو میں حضرت معاویہ سے جنگ نہ کرتا۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۲ ص ۶۱' رقم الحدیث: ۱۳۴۶۵' بیروت)

حضرت حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ نے کہا: ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرا رہا تھا' آپ نے میری طرف نظر اٹھا کر فرمایا: اے معاویہ! عنقریب تم کو میری امت پر حکومت کرنے کا موقع ملے گا' پس جب یہ موقع ملے تو

نیکوں کی نیکیوں کو قبول کرنا اور بُروں کی بُرائیوں سے درگزر کرنا' حضرت معاویہ نے کہا: جب سے مجھے یہ توقع تھی کہ مجھے اقتدار ملے گا' حتیٰ کہ میں اس منصب پر فائز ہو گیا۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۴ ص ۶۷' رقم الحدیث: ۱۳۵۱۴' بیروت)

ہمارے زمانہ میں شورائیت اور ملوکیت کی بحث میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بہت زبان طعن دراز کی جاتی ہے اس لیے میں نے مناسب جانا کہ میں اس مقام پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں چند احادیث کا ذکر کروں۔

اس سورت کے شروع میں حٰمٓ ○ عٓسٓقٓ کے الفاظ ہیں' اس وجہ سے اختصاراً اس سورت کو ''عٓسٓقٓ'' بھی کہا جاتا ہے۔

الشوریٰ کا زمانۂ نزول

جمہور علماء اور مفسرین کے نزدیک یہ سورت مکی ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے ''**قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربی**'' (الشوریٰ: ۲۷-۲۳) کو مدنی آیات میں شمار کیا ہے۔ مقاتل نے کہا ہے کہ ''**ولو بسط الله الرزق لعباده**'' (الشوریٰ: ۲۷) مدنی ہے' نیز انہوں نے کہا ہے کہ ''**والذین اذا اصابهم البغی....**'' (الشوریٰ: ۴۰-۳۹) بھی مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے' الشوریٰ' سورۃ الکہف کے بعد اور سورۂ ابراہیم سے پہلے نازل ہوئی ہے' نزول قرآن کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۶۲ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۴۲ ہے۔

مقاتل نے کہا ہے کہ اس سورت کا نزول بعثت نبوی کے آٹھویں سال میں ہوا ہے' جب اہل مکہ سے بارش روک لی گئی تھی اور بعثت نبوی کے نویں سال تک اس کا نزول جاری رہا' اس وقت نقباء انصار مدینہ سے مکہ حاضر ہو کر لیلۃ العقبہ میں مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔

الشوریٰ کے مقاصد اور مباحث

اس سورت کے مقاصد اور مباحث حسب ذیل ہیں:

☆ اس سورت کے شروع میں حٰمٓ عٓسٓقٓ لا کر یہ اشارہ کیا ہے کہ یہ قرآن بھی ان ہی الفاظ سے مرکب ہے جن الفاظ سے تم کلام بناتے ہو' اگر تمہارے دعویٰ کے مطابق یہ قرآن کسی انسان کا بنایا ہوا کلام ہے اور اللہ کا کلام نہیں ہے تو تم بھی ایسا کلام بنا کر لے آؤ۔

☆ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرمائی ہے جیسا کہ اس سے پہلے رسولوں پر وحی نازل فرماتا رہا ہے تاکہ آپ مکہ اور اس کے گردونواح کے لوگوں کو قیامت سے ڈرائیں۔

☆ بے شک تمام آسمانوں اور تمام زمینوں کی چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت میں ہیں اور اسی کی زیر سلطنت ہیں اور اس کی قدرت کا کوئی مزاحم اور مخالف نہیں ہے اور نہ اس کی حکمت میں کوئی شک ہے اور تمام زمین و آسمان اس کے حکم کے تابع فرمان ہیں' پس وہ جس شخص کو چاہے اپنا پیغام پہنچانے کے لیے منتخب فرما لیتا ہے' سو جس طرح اس نے اس سے پہلے زمانوں میں رسولوں کو منتخب فرمایا تھا اسی طرح اس نے اس زمانہ کے لوگوں کے لیے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت کے لیے منتخب فرما لیا ہے' اس سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سے ہی رسول بھیجے تھے تو اگر اس نے اہل مکہ کے لیے ایک انسان اور بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے تو اس میں کون سی تعجب کی یا انہونی بات ہے۔

☆ مشرکین جو آپ کی دعوت سے اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان نہیں لا رہے' ان کے پاس سوائے اپنے آباء واجداد کی اندھی تقلید کے اور کوئی دلیل نہیں ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر دلائل قائم فرمائے کہ جب تم سطح سمندر پر کشتیوں کے ذریعہ سفر کرتے ہو تو وہی تمہاری کشتیوں

کورواں دواں رکھتا ہے اور تم کو سلامتی کے ساتھ ساحل پر پہنچاتا ہے اور انواع واقسام کی نعمتیں عطا فرماتا ہے۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ کفار کی تکذیب سے آپ پریشان نہ ہوں' ان کافروں کی تکذیب کا اللہ تعالیٰ حساب لے گا اور ان کی مخالفت کی ان کو سزا دے گا۔

☆ جو شخص آخرت کے لیے عمل کرے گا اور بُرے اور بے حیائی کے کاموں سے بچے گا اور انتقام پر قدرت کے باوجود معاف کردے گا اور اپنے رب کے احکام کو مانے گا اور نماز کو قائم کرے گا اور اہل علم سے خیر کے کاموں میں مشورہ کرے گا اور ظالموں اور سرکشوں کو سزا دے گا اور اگر بدلہ لینے کی نوبت آئی تو اس میں تجاوز نہیں کرے گا سو ایسے ہی لوگ دنیا اور آخرت میں فلاح پانے والے ہیں۔

☆ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے اور اس کے احکام کو قبول نہیں کرتے وہی دنیا اور آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں۔

سورۃ الشوریٰ کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے سورۃ الشوریٰ کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔

الٰہ العٰلمین! مجھے اس سورت کے ترجمہ اور تفسیر میں حق پر قائم اور باطل سے مجتنب رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۲ شوال ۱۴۲۴ھ/ ۲۷ نومبر ۲۰۰۳ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۴۵-۲۱۲۰۶۱۷
۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴

(۴۲) سُوْرَةُ الشُّوْرٰى مَكِّيَّةٌ (۶۲) | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ۵۳ رُكُوْعَاتُهَا ۵

سورۃ الشوریٰ مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ۝ اس میں ترپن آیتیں اور پانچ رکوع ہیں

حٰمٓ ۝١ عٓسٓقٓ ۝٢ كَذٰلِكَ يُوْحِيٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ

حٰمٓ ۝ عٓسٓقٓ ۝ اللہ بہت غالب اور بہت حکمت والا ہے' وہ اسی طرح آپ کی طرف اور آپ سے پہلے رسولوں

اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٣ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ

کی طرف وحی نازل فرماتا رہا ہے ۝ اسی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور وہ

الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝٤ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَ

بہت بلند اور بہت عظیم ہے ۝ عنقریب آسمان (اس کی ہیبت سے) اپنے اوپر پھٹ پڑیں گے اور فرشتے اپنے

الْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ

رب کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتے رہتے ہیں اور زمین والوں کے لیے مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں' سنو! بے شک اللہ ہی

اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝٥ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ

بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے ۝ اور جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا مددگار بنا لیا ہے'

اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ۡ ۖ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝٦ وَكَذٰلِكَ

اللہ ان سے خبردار ہے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں ۝ اور ہم نے اسی طرح

اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا

آپ کی طرف عربی میں قرآن کی وحی کی ہے' تاکہ آپ اہل مکہ اور اس کے گردونواح والوں کو عذاب

وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي

سے ڈرائیں اور اسی طرح آپ یوم حشر کے عذاب سے ڈرائیں' جس کے وقوع میں کوئی شک نہیں ہے' (اس دن) ایک گروہ

السَّعِيْرِ ۝٧ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ

جنت میں ہو گا اور ایک گروہ دوزخ میں ہو گا ۝ اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ایک گروہ بنا دیتا' لیکن اللہ جس کو

مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ⑧

چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور ظالموں کا نہ کوئی کارساز ہے اور نہ کوئی مددگار O

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ

کیا انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو مددگار بنا رکھا ہے' پس اللہ ہی مددگار ہے اور وہی

الْمَوْتٰى ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑨ ع

مُردوں کو زندہ فرمائے گا اور وہی ہر چیز پر قادر ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حٰمٓ O عٓسٓقٓ O اللہ بہت غالب اور بہت حکمت والا ہے' وہ اسی طرح آپ کی طرف اور آپ سے پہلے رسولوں کی طرف وحی نازل فرماتا رہا ہے O اسی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور وہ بہت بلند اور بہت عظیم ہے O (الشوریٰ: ۴۔۱)

حٰمٓ O عٓسٓقٓ کی تاویلات

الشوریٰ: ۲۔۱ میں جو حروف مقطعات ذکر کیے گئے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ کے اسماء کی طرف اشارہ ہے' ح سے حلیم' حافظ اور حکیم کی طرف اشارہ ہے' میم سے ملک' ماجد' مجید' منان' مومن اور مہیمن کی طرف اشارہ ہے اور حٰمٓ میں ان سب اسماء کے ابتدائی حروف ہیں اور عین سے عالم' علیم' عدل اور عالی کی طرف اشارہ ہے اور سین سے سید' سمیع اور سریع الحساب کی طرف اشارہ ہے اور قاف سے قادر' قدیر' قاہر' قریب اور قدوس کی طرف اشارہ ہے اور عٓسٓقٓ میں ان سب اسماء کے ابتدائی حروف کی طرف اشارہ ہے۔ (لطائف الاشارات ج ۳ ص ۱۵۸' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے ان حروف مقطعات کی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ اس روایت کا ذکر کیا ہے:

ایک شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا' اس وقت ان کے پاس حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے' اس شخص نے حضرت ابن عباس سے ان حروف کی تفسیر پوچھی' حضرت ابن عباس نے کچھ دیر سر جھکایا' پھر منہ پھیر لیا' اس شخص نے دوبارہ یہی سوال کیا' حضرت ابن عباس نے پھر اس سے منہ پھیر لیا اور اس کے سوال کو ناگوار جانا' اس شخص نے پھر تیسری بار سوال کیا' انہوں نے اس کو پھر کوئی جواب نہیں دیا' تب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے کہا: میں تم کو ان حروف کی تفسیر بتاتا ہوں اور یہ بھی بتاتا ہوں کہ حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر کے سوال کو کیوں بُرا جانا' دراصل یہ حروف مقطعات ان کے اہل بیت میں سے ایک شخص کے متعلق نازل ہوئے ہیں' اس شخص کو عبد الالٰہ یا عبد اللہ کہا جائے گا' وہ مشرق کے دریاؤں میں سے ایک دریا کے پاس اترے گا' وہ وہاں دو شہر بسائے گا' ان دو شہروں کے درمیان دریا بہتا ہوگا' جب اللہ تعالیٰ اس شخص کے ملک اور اس کی حکومت کے زوال کا ارادہ فرمائے گا تو ان دونوں شہروں میں سے ایک شہر پر رات کے وقت ایک آگ آئے گی جو اس شہر کو جلا کر راکھ کر دے گی' وہاں کے لوگ اس شہر کو دیکھ کر تعجب کریں گے' اسے دیکھ کر یوں لگے گا جیسے یہاں پر کبھی کچھ تھا ہی نہیں' اس شہر میں صبح کے وقت تمام سرکش اور متکبر لوگ جمع ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان متکبرین سمیت

اس شہر کے تمام لوگوں کو جلا کر خاکستر کر دے گا' حٰمٓ کا معنی یہ ہے کہ یہ عزیمت ہے اور ایسا ہونا ضروری ہے اور عٓسٓقٓ میں عین سے مراد عدل ہے' سین سے مراد ہے'' سیکون '' یعنی عنقریب ایسا ہوگا اور قاف سے مراد ہے یہ واقعہ۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان حروف مقطعات میں ان دو شہروں کی ہلاکت کی طرف اشارہ ہے۔ (جامع البیان جز ۲۵ ص ۱۱۔۱۰' رقم الحدیث: ۲۳۶۳۵' دار الفکر' بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابو اسحاق الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ' حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ' حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ اور علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی اس روایت کا ذکر کیا ہے۔

(الکشف والبیان ج ۸ ص ۳۰۲' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۱۵' الدر المنثور ج ۷ ص ۲۸۹' روح البیان ج ۸ ص ۳۸۱' روح المعانی جز ۲۵ ص ۱۷)

تاہم کسی مستند ماخذ سے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ کون سے دو شہر ہیں جن کی ہلاکت کا ان حروف میں اشارہ ہے اور نہ کسی اور معتبر ذریعہ سے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی اس روایت کی تائید مل سکی۔

علامہ اسماعیل حقی نے لکھا ہے کہ اس دریا سے مراد دریا دجلہ ہے' عراق میں دجلہ کے کنارے دخلہ اور دجیل نام کے دو شہر تھے' ان کو زمین میں دھنسا دیا گیا تھا' اس روایت میں وہی مراد ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

علامہ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

ان حروف مقطعات کی سات تاویلات ہیں:

(۱) قتادہ نے کہا: حٰمٓ ○ عٓسٓقٓ قرآن مجید کے اسماء میں سے اسم ہیں (۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ اللہ عزوجل کے اسماء میں سے وہ اسم ہیں جن کی اس نے قسم کھائی ہے (۳) مجاہد نے کہا: یہ اس سورت کے افتتاحی الفاظ ہیں (۴) عبد اللہ بن بریدہ نے کہا: یہ اس پہاڑ کا نام ہے جو تمام دنیا کو محیط ہے (۵) محمد بن کعب نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کے قطعات: ہیں حا اور میم رحمٰن کا قطعہ ہے' عین علیم کا' سین قدوس کا اور قاف قاہر کا قطعہ ہے (۶) عطاء نے کہا: ان حروف میں مستقبل کے حوادث کی طرف اشارہ ہے' حا سے حرب یعنی لڑائیوں کی طرف اشارہ ہے اور میم سے ملکوں کے منتقل ہونے کی طرف اشارہ ہے' عین سے عدو یعنی دشمنوں کی طرف اشارہ ہے' سین سے سنین یعنی قحطوں کے سال کی طرف اشارہ ہے اور قاف سے زمین کے بادشاہوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی طرف اشارہ ہے (۷) ان حروف سے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حکایت کی طرف اشارہ ہے کہ مشرق میں دریا کے کنارے ایک شہر ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ زمین میں دھنسا دے گا' حٰمٓ کی تاویل ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے عزیمت ہے یعنی ایسا ضرور ہوگا اور عین کی تاویل ہے کہ وہ اس کا عدل ہے' سین کی تاویل ہے سیکون' یعنی عنقریب ایسا ہوگا اور قاف کی تاویل ہے: یہ خبر واقع ہوگی۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۱۹۲۔۱۹۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

دراصل علماء کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ ہر لفظ کے اسرار اور اس کی گہرائی تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں' اس لیے ہر عالم نے اپنے ذوق اور مزاج کے مطابق ان حروف مقطعات کی حقیقت تک رسائی کی کوشش کی ہے اور میرا نظریہ یہ ہے کہ یہ حروف مقطعات' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان رمز ہیں اور ان کا علم ان ہی کو ہے۔

وحی کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ

الشوریٰ: ۳ میں فرمایا: '' اللہ بہت غالب اور بہت حکمت والا ہے' وہ اسی طرح آپ کی طرف اور آپ سے پہلے رسولوں کی طرف وحی نازل فرماتا رہا ہے''۔

یعنی جس طرح اس سورت میں آیات کو بیان کیا گیا ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ تمام سورتوں میں آیات کو بیان فرمائے گا اور اسی طرح اللہ تعالیٰ پہلے رسولوں کی طرف بھی اپنی آیات کی وحی نازل فرماتا رہا ہے۔

اس آیت میں وحی کا لفظ ہے' ہم اس کی تفسیر میں وحی کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ اور وحی کے متعلق احادیث ذکر کریں گے۔

وحی کا لغوی معنیٰ ہے: خفیہ طریقہ سے خبر دینا' نیز وحی کا معنیٰ ہے اشارہ کرنا' لکھنا' پیغام دینا' الہام کرنا اور پوشیدہ طریقہ سے کلام کرنا۔

اور اصطلاح شرع میں وحی کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ کا کلام جو اس نے اپنے انبیاء میں سے کسی نبی پر نازل فرمایا اور رسول اس نبی کو کہتے ہیں جس پر کتاب یا صحیفہ نازل کیا گیا ہو اور نبی اسے شخص کو کہتے ہیں جو اللہ کی طرف سے خبریں دے خواہ اس کے پاس کتاب نہ ہو' رسول کی مثال ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور نبی کی مثال ہے جیسے حضرت یوشع علیہ السلام۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۳۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

وحی کے متعلق احادیث

حضرت عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: یا رسول اللہ! آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کبھی کبھی میرے پاس وحی گھنٹی کی آواز کی طرح آتی تھی اور وہ مجھ پر بہت سخت ہوتی تھی' جب وہ وحی مجھ سے منقطع ہوتی تو میں اس کو یاد کر چکا ہوتا تھا اور کبھی میرے پاس فرشتہ آدمی کی شکل میں آتا تھا' وہ مجھ سے کلام کرتا رہتا اور میں اس کو یاد کرتا رہتا تھا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ سخت سردی کے دن بھی جب آپ پر وحی نازل ہوتی تھی تو وحی منقطع ہونے کے بعد آپ کی پیشانی سے پسینہ بہ رہا ہوتا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۳۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۷۶۶' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۱۸۱۸)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء سچے خوابوں سے ہوئی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو خواب دیکھتے اس کی تعبیر روشن صبح کی طرح ظاہر ہو جاتی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں تنہائی کی محبت پیدا کی گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں جا کر تنہائی میں عبادت کرنے لگے۔ کئی کئی راتیں غار میں رہتے اور خورد و نوش کا سامان ساتھ لے جاتے (جب کھانے پینے کی چیزیں ختم ہو جاتیں تو) حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) سے آ کر اور چیزیں لے جاتے۔ اسی دوران غار حرا میں اچانک آپ پر وحی نازل ہوئی۔ فرشتے نے آ کر آپ سے کہا: پڑھئے' آپ نے فرمایا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ پھر فرشتہ نے زور سے گلے لگا کر مجھے بھینچا' پھر مجھے چھوڑ کر کہا: پڑھئے' میں نے کہا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں' حضور فرماتے ہیں کہ فرشتہ نے دوبارہ مجھے پکڑ کر دبایا' حتیٰ کہ مجھے تھکا دیا' پھر مجھے چھوڑ کر کہا: پڑھئے' میں نے کہا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ فرشتہ نے تیسری بار مجھے پکڑ کر دبایا حتیٰ کہ مجھے تھکا دیا' پھر مجھے چھوڑ کر کہا: "اقرا باسم ربک الذی خلق ○ خلق الانسان من علق ○ اقرا و ربک الاکرم ○ الذی علم بالقلم ○ علم الانسان مالم یعلم" (اپنے رب کے نام سے پڑھئے جو خالق ہے جس نے انسان کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا' پڑھئے' آپ کا رب سب سے زیادہ کریم ہے جس نے قلم سے لکھنا سکھلایا اور انسان کو وہ باتیں بتائیں جو وہ نہیں جانتا تھا)۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وحی کو لے کر حضرت خدیجہ کے پاس اس حال میں پہنچے کہ آپ پر کپکپی طاری تھی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے کپڑا اڑھاؤ' مجھے کپڑا اڑھاؤ۔ گھر

والوں نے آپ کو کپڑے اوڑھائے' حتیٰ کہ آپ کا خوف دُور ہو گیا۔ پھر آپ نے حضرت خدیجہ کو تمام ماجرا سنایا اور فرمایا: اب میرے ساتھ کیا ہوگا' مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ حضرت خدیجہ نے عرض کیا: ہرگز نہیں' آپ کو یہ نوید مبارک ہو اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز رسوا نہیں کرے گا۔ خدا گواہ ہے کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں' سچ بولتے ہیں' کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں' نادار لوگوں کو مال دیتے ہیں' مہمان نوازی کرتے ہیں اور راہِ حق میں مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرتے ہیں' پھر حضرت خدیجہ حضور کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو زمانۂ جاہلیت میں عیسائی مذہب پر تھے اور انجیل کو عربی زبان میں لکھتے تھے' بہت بوڑھے ہو چکے تھے اور بینائی جاتی رہی تھی' حضرت خدیجہ نے ان سے کہا: اے چچا! اپنے بھتیجے کی بات سنیے' ورقہ بن نوفل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اے بھتیجے! آپ نے کیا دیکھا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وحی ملنے کا تمام واقعہ سنایا' ورقہ نے کہا: یہ وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ کے پاس وحی لے کر آیا تھا۔ کاش! میں جوان ہوتا' کاش! میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو وطن سے نکال دے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا وہ مجھ کو واقعی نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا: ہاں۔ جس شخص پر بھی آپ کی طرح وحی نازل ہوئی لوگ اس کے دشمن ہو جاتے تھے' اگر زمانہ نے مجھ کو موقع دیا تو میں اس وقت آپ کی انتہائی قوی مدد کروں گا' پھر کچھ دنوں بعد ورقہ فوت ہو گئے اور وحی رک گئی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۰' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۷۱۷' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۱۳۷۹)

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کی مثل اور وحی کی گئی ہے' سنو! عنقریب ایک شکم سیر آدمی اپنے تخت پر بیٹھا ہوا یہ کہے گا کہ اس قرآن کے احکام کو لازم رکھو' اس میں جن چیزوں کو حلال فرمایا ہے ان کو حلال قرار دو اور اس میں جن چیزوں کو حرام فرمایا ہے ان کو حرام قرار دو۔ حالانکہ جن چیزوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام فرمایا ہے وہ چیزیں اسی طرح حرام ہیں جس طرح اللہ نے حرام فرمایا ہے اور سنو میں تمہارے لیے پالتو گدھوں کو حلال نہیں کرتا اور نہ تمہارے لیے کچلیوں سے کھانے والے درندوں کو حلال کرتا ہوں اور نہ ذمی کی گری پڑی چیز کو حلال کرتا ہوں' ماسوا اس صورت کے کہ اس کا مالک اس سے مستغنی ہو اور جو شخص کسی علاقے کے لوگوں کے پاس جائے اس کی ضیافت کرنا ان لوگوں پر لازم ہے' اگر وہ اس کی ضیافت نہ کریں تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی ضیافت کی مقدار بہ طور سزا اس سے وصول کر لے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۰۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۶۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲' مسند احمد ج ۴ ص ۱۳۱۔۱۳۰)

یہ حدیث اس صورت پر محمول ہے جب وہ شخص حالت اضطرار میں ہو اور اس کو رمق حیات برقرار رکھنے کے لیے کھانے کی کوئی چیز نہ مل سکے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخر زمانہ میں دجال کذاب ہوں گے جو تم کو ایسی احادیث سنائیں گے جو تم نے اس سے پہلے نہیں سنیں ہوں گی' نہ تمہارے باپ دادا نے' تم ان سے مجتنب رہنا کہیں وہ تمہیں گم راہ نہ کر دیں' تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ (صحیح مسلم: المقدمہ ص ۷' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۱۵۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری امت کے فساد کے وقت میری سنت کو لازم رکھا اس کو سو شہیدوں کا اجر ملے گا۔

(الکامل لابن عدی ج ۱ ص ۱۴۷' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۰۰' الترغیب للمنذری ج ۱ ص ۸۰)

اللہ تعالیٰ علی الاطلاق عظیم اور بلند ہے

الشوریٰ: ۴ میں فرمایا: ''اسی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور وہ بہت بلند اور بہت عظیم ہے''۔ آسمانوں اور زمینوں میں جس قدر مخلوق ہے سب کا اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے اور وہی سب کا مالک ہے اور ہر ظاہر اور ہر خفی چیز کا عالم ہے اور وہ بہت بلند ہے یعنی لوگوں کے ادراک اور ان کی عقل اور فہم سے وہ بہت بلند ہے' کیونکہ کسی کی ذات اس کی ذات کی مثل ہے اور نہ کسی کی کوئی صفت اس کی صفات کی مثل ہے اور نہ کسی کا نام اس کے نام کی مثل ہے اور نہ کسی کا کوئی فعل اس کے افعال کی مثل ہے۔

نیز فرمایا کہ وہ عظیم ہے کیونکہ اس کے ذکر کے سامنے ہر چیز کا ذکر صغیر ہے' نبی اپنی امت میں عظیم ہوتا ہے اور شیخ اپنے مریدوں میں عظیم ہوتا ہے اور استاذ اپنے شاگردوں میں عظیم ہوتا ہے اور عظیم مطلق صرف اللہ عزوجل کی ذات ہے' اس کائنات میں ہر چیز کی عظمت اور بلندی اضافی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے علی الاطلاق عظیم اور بلند ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: عنقریب آسمان (اس کی ہیبت سے) اپنے اوپر پھٹ پڑیں گے اور فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتے رہتے ہیں اور زمین والوں کے لیے مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں' سنو بے شک اللہ ہی بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے O اور جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا مددگار بنا لیا ہے' اللہ ان سے خبردار ہے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں O اور ہم نے اسی طرح آپ کی طرف عربی میں قرآن کی وحی کی ہے تاکہ آپ اہل مکہ اور اس کے گرد و نواح والوں کو عذاب سے ڈرائیں اور اسی طرح آپ یوم حشر کے عذاب سے ڈرائیں جس کے وقوع میں کوئی شک نہیں ہے (اس دن) ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ دوزخ میں ہوگا O (الشوریٰ: ۷۔۵)

فرشتوں کا تسبیح اور حمد کرنا

الشوریٰ: ۵ میں ''یتفطرن'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر تفطر ہے' اس کا معنیٰ ہے: کسی چیز کا طول کی جانب پھٹنا' اس کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ کی عظمت' اس کے جلال اور اس کی خشیت سے عنقریب آسمان پھٹ پڑیں گے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۚ (الحشر: ۲۱)

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو (اے مخاطب!) تو دیکھتا کہ وہ اللہ کے خوف سے پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔

اس آیت میں فرمایا ہے: ''آسمان اپنے اوپر پھٹ پڑیں گے'' یعنی آسمان کے پھٹنے کی ابتداء اوپر کی جانب سے نیچے کی جانب ہوگی' اوپر کی جانب کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ اللہ کی عظمت اور جلال پر دلالت کرنے والی عظیم نشانیاں اوپر کی جانب ہیں' جیسے عرش' کرسی اور عرش کے گرد تسبیح' تہلیل' تکبیر' تحمید اور تہلیل کرنے والے فرشتے' جن کی حقیقت کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا' اس لیے مناسب یہ تھا کہ آسمانوں کے پھٹنے کی ابتداء اوپر کی جانب سے ہوتی' بایں طور کہ پہلے سب سے اوپر کا آسمان پھٹ کر نچلے آسمان پر گرتا علیٰ ہٰذا القیاس ترتیب وار سب آسمان ایک دوسرے پر ٹوٹ کر گرتے۔

اس کے بعد فرمایا: اور فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتے رہتے ہیں یعنی جو چیزیں اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہیں' مثلاً اللہ تعالیٰ کا شریک اور اس کی اولاد اور دیگر صفات جسمانیہ سے اس کی تنزیہ بیان کرتے رہتے ہیں اور اس کے ساتھ اس کی حمد بیان کرتے رہتے ہیں' تسبیح کو حمد پر اس لیے مقدم فرمایا ہے کہ نامناسب چیزوں سے خالی ہونا' مناسب چیزوں کے ساتھ متصف ہونے پر مقدم ہوتا ہے۔

فرشتے صرف مؤمنین کے لیے استغفار کرتے ہیں یا تمام روئے زمین والوں کے لیے؟

اس کے بعد فرمایا: ''اور زمین والوں کے لیے مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں'' زمین والوں میں تو مؤمنین اور کافرین سب داخل ہیں لیکن فرشتے صرف مؤمنین کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔ (المومن:۷) اور فرشتے مؤمنین کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں۔

اس لیے اس آیت میں زمین والوں سے مراد مؤمنین ہیں اور مطلق مقید پر محمول ہے' یا اس آیت سے مراد یہ ہے کہ فرشتے مؤمنین کے لیے تو مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور کافروں کے لیے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ مغفرت کے اہل ہو جائیں اور ایمان لے آئیں اور کافروں اور فاسقوں سے عذاب مؤخر ہو جائے اور اللہ تعالیٰ ان کو توبہ کی توفیق عطا کر دے اور یوں وہ تمام زمین والوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں' مؤمنین کے لیے طلب مغفرت کی دعا کرتے ہیں' فاسقوں کے لیے توبہ کی توفیق کی دعا کرتے ہیں اور کافروں کے لیے حصول ایمان کی دعا کرتے ہیں اور ہر ایک کے لیے حسب حال دعا کرتے ہیں' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید میں ہے کہ فرشتے کفار پر لعنت کرتے ہیں اور ان کے لیے حصول ایمان کی دعا تو لعنت کے منافی ہے' قرآن مجید میں ہے:

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ○ (البقرہ:۱۶۱) ان کافروں پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی ○

اس کا جواب یہ ہے کہ لعنت ان کافروں پر ہے جو کفر پر مر گئے' یہ پوری آیت اس طرح ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ○ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ کفر پر ہی مر گئے ان ہی پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی ○

(البقرہ:۱۶۱)

خلاصہ یہ ہے کہ مردہ کافروں پر فرشتے لعنت کرتے ہیں اور زندہ کافروں کے لیے حصول ایمان اور طلب توبہ کی دعا کرتے ہیں اور مؤمنین کے لیے طلب مغفرت کرتے ہیں اور اس اعتبار سے اس آیت میں فرمایا کہ فرشتے زمین والوں کے لیے استغفار کرتے ہیں۔

المومن:۷ میں فرمایا ہے: ''جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو فرشتے اس کے گرد ہیں وہ مؤمنین کے لیے استغفار کرتے ہیں'' اس آیت میں دو قیدیں ہیں اور الشوریٰ کی اس آیت میں مطلقاً فرمایا ہے: ''فرشتے زمین والوں کے لیے استغفار کرتے ہیں'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں ترقی ہے' پہلے فرمایا تھا کہ حاملین عرش استغفار کرتے ہیں' اس آیت میں فرمایا: ''تمام فرشتے مؤمنین کے لیے استغفار کرتے ہیں''۔

اور اس آیت کے آخر میں فرمایا: ''سنو! بے شک اللہ ہی بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے ○''

یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کے ساتھ اور بغیر توبہ کے بھی مؤمنوں کے گناہ بخش دیتا ہے اور ان پر رحم فرماتا ہے بایں طور کہ ان کو جنت عطا فرماتا ہے اور اپنی رحمت سے ان کو قرب اور وصال عطا فرماتا ہے اور فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ بنو آدم کے لیے استغفار کریں کیونکہ وہ بہت زیادہ گناہ کرتے ہیں اور ہر چند کہ کفار شرک کرتے ہیں اور بڑے بڑے گناہ کرتے ہیں' اس کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کا رزق منقطع نہیں کرتا اور نہ دنیا میں ان کے عیش اور آسائش کو ختم کرتا ہے اور دنیا میں ان سے عذاب مؤخر کر کے ان کو ڈھیل دیتا رہتا ہے اور آخرت میں ان کو عذاب دے گا۔

اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو مستقل مددگار بنا لینا گم راہی ہے

الشوریٰ:۶ میں فرمایا: ''اور جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو مددگار بنا لیا ہے' اللہ ان سے خبردار ہے اور آپ ان کے

ذمہ دار نہیں ہیں O"

اللہ تعالیٰ ان فاسقوں کے اعمال اور احوال پر مطلع ہے وہ ان سے غافل نہیں ہے اور عنقریب ان کو ان کے اعمال کی سزا دے گا' اسی طرح اس آیت میں ہے:

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى O (طٰہٰ: ۵۲)

فرمایا: ان کا علم میرے رب کے پاس کتاب میں موجود ہے میرا رب نہ غلطی کرتا ہے' نہ بھولتا ہے O

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ہر وہ شخص جو اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل نہیں کرتا اور اس سے کیے ہوئے عہد کو فراموش کر دیتا ہے' وہ شیاطین کو اپنا کارساز اور مددگار بنانے والا ہے اور شیاطین کے احکام پر عمل کرتا ہے اور ان کے طریقہ کی اتباع کرتا ہے' اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر اور باطن کی نگرانی فرما رہا ہے' اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں کہ ان کو ان کے بُرے اعمال سے جبراً روک دیں' پس صاحب عقل کو چاہیے کہ وہ صرف اللہ سے مدد چاہے اور اللہ کو چھوڑ کر کسی اور سے مدد طلب نہ کرے بلکہ خالص اللہ سے دوستی اور محبت رکھے' ہاں اللہ کے مقرب اور نیک بندوں کے وسیلہ سے دعا کے مقبول اور مستجاب ہونے کی دعا کرنی چاہیے' اولیاء اللہ کی تعظیم اور تکریم کرنا بھی ایمان کے تقاضوں سے ہے۔

الشوریٰ: ۷ میں فرمایا: "اور ہم نے اسی طرح آپ کی طرف عربی میں قرآن کی وحی کی تا کہ آپ اہل مکہ اور اس کے گرد و نواح والوں کو عذاب سے ڈرائیں اور اسی طرح آپ یوم حشر کے عذاب سے ڈرائیں جس کے وقوع میں کوئی شک نہیں ہے' (اس دن) ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ دوزخ میں ہوگا O"

مکہ کو ام القریٰ فرمانے کی توجیہ

اس آیت میں مکہ کو ام القریٰ فرمایا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب ہر چیز کی اصل کو ام کہتے ہیں اور مکہ کو ام القریٰ اس کی عظمت اور جلال کو ظاہر کرنے کے لیے فرمایا ہے کیونکہ مکہ مکرمہ بیت اللہ اور مقام ابراہیم پر مشتمل ہے کیونکہ روایت ہے کہ تمام زمین مکہ کے نیچے سے نکال کر پھیلائی گئی ہے' پس مکہ کے مقابلہ میں تمام شہر اس طرح ہیں جس طرح ماں کے مقابلہ میں اس کی بیٹیاں ہوتی ہیں اور اس کے گرد و نواح سے مراد ہے وہ تمام بستیاں اور متعدد قبائل جو مکہ کے گرد مکانات بنا کر رہتے تھے۔

یہ آیت پچھلی آیت سے مربوط ہے اور اس کا معنیٰ ہے: جس طرح ہم نے آپ کی طرف یہ وحی کی ہے کہ آپ ان لوگوں کے وکیل اور حفیظ نہیں جنہوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا مددگار بنا لیا ہے اسی طرح ہم نے آپ کی طرف عربی میں قرآن کی وحی کی ہے تا کہ آپ اہل مکہ اور اس کے گرد و نواح والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں۔

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا عموم

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اہل مکہ کی طرف مبعوث کیا گیا ہو اور آپ تمام جہان والوں کے لیے رسول نہ ہوں' اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے۔ جیسے محمد رسول اللہ کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ اللہ کے رسول نہیں ہیں' اس طرح جب یہ فرمایا کہ آپ اہل مکہ اور اس کے گرد و نواح والوں کو عذاب سے ڈرائیں تو اس کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ آپ باقی دنیا والوں کو عذاب سے نہ ڈرائیں' خصوصاً جب کہ قرآن مجید کی دیگر آیات اور احادیث میں یہ تصریح ہے کہ آپ کی بعثت تمام دنیا والوں کے لیے ہے اور آپ کو تمام جہان والوں کے ڈرانے کے لیے بھیجا ہے' قرآن مجید میں ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ

اللہ بہت برکت والا ہے جس نے اپنے مکرم بندے پر

نَذِیْرًا ۝ (الفرقان:۱) قرآن کو نازل کیا تا کہ وہ تمام جہان والوں کے لیے عذاب سے ڈرانے والے ہو جائیں ۝

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا (سبا:۲۸) اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے صرف ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ۝

قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (الاعراف:۱۵۸) آپ کہیے: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ (الانبیاء:۱۰۷) اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کی طرف صرف رحمت بنا کر بھیجا ہے ۝

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فضلت علی الانبیاء بست اعطیت جوامع الکلم ونصرت بالرعب واحلت لی الغنائم وجعلت لی الارض طھورا ومسجدا وارسلت الی الخلق کافۃ وختم بی النبیون. (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۳، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۵۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۶۷، مسند احمد ج ۲ ص ۴۱۲)

مجھے انبیاء پر چھ وجوہ سے فضیلت دی گئی ہے: مجھے مختصر اور جامع کلام دیا گیا ہے اور میری رعب سے مدد کی گئی ہے اور میرے لیے غنیمتوں کو حلال کر دیا گیا ہے اور میرے لیے تمام روئے زمین کو آلۂ طہارت اور مسجد بنا دیا گیا ہے اور مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اور مجھ پر نبیوں کو ختم کیا گیا ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اعطیت خمسا لم یعطھن احد قبلی، کان کل نبی یبعث الی قومہ خاصۃ وبعثت الی کل احمر واسود واحلت لی الغنائم ولم تحل لاحد قبلی وجعلت لی الارض طیبۃ وطھورا و مسجدا فایما رجل ادرکتہ الصلوۃ صلی حیث کان، ونصرت بالرعب بین یدی مسیرۃ شھر واعطیت الشفاعۃ. (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۱، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۳۰، جامع المسانید والسنن مسند جابر بن عبد اللہ رقم الحدیث: ۱۸۶۴)

مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں، ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور مجھے ہر گورے اور کالے کی طرف بھیجا گیا ہے اور میرے لیے غنیمتوں کو حلال کر دیا گیا ہے اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے غنیمتیں حلال نہیں تھیں اور میرے لیے تمام روئے زمین کو پاکیزہ اور آلۂ طہارت اور مسجد بنا دیا گیا ہے، پس جس شخص پر جس وقت اور جس جگہ بھی نماز کا وقت آئے وہ وہیں نماز پڑھ لے اور ایک ماہ کی مسافت سے میرا رعب طاری کر کے میری مدد کی گئی ہے اور مجھے شفاعت دی گئی ہے۔

نیز قرآن مجید اور دیگر معجزات سے ثابت ہے کہ آپ صادق القول ہیں اور ان احادیث میں آپ کا یہ ارشاد ہے کہ آپ تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں، پس ثابت ہوا کہ آپ تمام مخلوق کی طرف رسول ہیں۔

ایک فریق کے جنتی اور دوسرے فریق کے دوزخی ہونے کے ثبوت میں احادیث

نیز اس آیت میں فرمایا: "آپ یوم الجمع کے عذاب سے ڈرائیں" **یوم الجمع** سے مراد یوم الحشر ہے اور یوم الحشر کو یوم الجمع فرمانے کی کئی وجوہ ہیں: (۱) اس دن تمام مخلوق جمع ہو گی، جیسے فرمایا:

یَوۡمَ یَجۡمَعُکُمۡ لِیَوۡمِ الۡجَمۡعِ . (التغابن: ۹) جس دن تم سب کو اس جمع ہونے کے دن جمع کرے گا۔

اس دن اللہ تعالیٰ تمام آسمان والوں اور زمین والوں کو جمع فرمائے گا (۲) اس دن اللہ تعالیٰ روحوں اور جسموں کو جمع فرمائے گا (۳) اس دن اللہ تعالیٰ عمل کرنے والوں اور ان کے اعمال کو جمع فرمائے گا (۴) اس دن اللہ تعالیٰ ظالم اور مظلوم کو جمع فرمائے گا۔

اس کے بعد فرمایا: "(اس دن) ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ دوزخ میں ہوگا" ایک گروہ کے جنتی اور ایک گروہ کے دوزخی ہونے کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انصار کے ایک بچہ کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے بلایا گیا' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس بچہ کے لیے خوشی ہو'یہ تو جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا ہے' اس نے کوئی بُرا کام کیا نہ کسی بُرائی کو پایا' آپ نے فرمایا: اے عائشہ! اس کے سوا اور کوئی بات بھی ہو سکتی ہے' بے شک اللہ نے جنت کے لیے ایک گروہ کو پیدا کیا اور جس وقت ان کو جنت کے لیے پیدا کیا اس وقت وہ اپنے آباء کی پشتوں میں تھے اور دوزخ کے لیے ایک گروہ کو پیدا کیا اور جس وقت ان کو دوزخ کے لیے پیدا کیا اس وقت وہ اپنے آباء کی پشتوں میں تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۶۲' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۳۵۰۵)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر آئے' اس وقت آپ کے ہاتھ میں دو کتابیں تھیں' آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیسی دو کتابیں ہیں؟ ہم نے عرض کیا: نہیں یارسول اللہ! ماسوا اس صورت کے کہ آپ ہم کو اس کی خبر دیں' آپ کے دائیں ہاتھ میں جو کتاب تھی' آپ نے اس کے متعلق فرمایا: یہ رب العٰلمین کی طرف سے کتاب ہے' اس میں اہل جنت کے اسماء ہیں اور ان کے آباء اور قبائل کے اسماء ہیں' پھر ان کے آخر میں میزان کر دیا گیا ہے' اب ان میں کبھی بھی کوئی زیادتی ہوگی نہ کوئی کمی ہوگی' پھر اس کتاب کے متعلق فرمایا جو آپ کے بائیں ہاتھ میں تھی' یہ رب العٰلمین کی طرف سے کتاب ہے' اس میں اہل دوزخ کے اسماء ہیں اور ان کے آباء اور قبائل کے اسماء ہیں اور ان کے آخر میں میزان کر دیا گیا ہے' پس اس میں کوئی زیادتی ہوگی نہ کوئی کمی ہوگی' پھر آپ کے اصحاب نے کہا: یارسول اللہ! جب ہر چیز کو لکھ کر فراغت ہو گئی ہے تو پھر عمل کس لیے ہوگا؟ آپ نے فرمایا: تم درست کام کرو اور صحت کے قریب کرو کیونکہ جنتی شخص کا خاتمہ اہل جنت کے اعمال پر ہوگا' خواہ اس نے کیسے ہی عمل کیے ہوں اور دوزخی شخص کا خاتمہ اہل دوزخ کے اعمال پر ہوگا' خواہ اس نے کیسے ہی عمل کیے ہوں' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ جھاڑ دیئے' پھر فرمایا: تمہارا رب فارغ ہو چکا ہے' ایک فریق جنت میں ہوگا اور ایک فریق دوزخ میں ہوگا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۴۱' مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۷' جامع المسانید والسنن مسند جابر بن عبداللہ رقم الحدیث: ۴۴۷)

اللہ تعالیٰ نے ان ہی لوگوں کے اسماء اہل جنت کی کتاب میں لکھے ہیں جن کے متعلق اس کو ازل میں علم تھا کہ وہ اپنے اختیار سے اہل جنت کے کام کریں گے' علیٰ ہٰذا القیاس ان ہی لوگوں کے اسماء اہل دوزخ کی کتاب میں لکھے جن کے متعلق اس کو ازل میں علم تھا کہ وہ اپنے اختیار سے اہل دوزخ کے کام کریں گے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ نے حضرت آدم کو پیدا فرمایا تو ان کے دائیں کندھے پر ہاتھ مارا تو اس سے چیونٹیوں کی جسامت میں ان کی سفید اولاد کو نکالا اور ان کے بائیں کندھے پر ہاتھ مارا تو اس سے ان کی سیاہ اولاد کو نکالا گویا کہ وہ کوئلوں کی طرح تھے' پھر دائیں جانب والی اولاد کے متعلق فرمایا: یہ جنت کی طرف ہیں اور بائیں کندھے والی اولاد کے متعلق فرمایا: یہ دوزخ کی طرف ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۴۴۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۳۸' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۴۵۳-۳۴۵۲' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۱۴۳)

حضرت ابونضرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک شخص تھا جس کا نام ابوعبد اللہ تھا' اس کے اصحاب اس کی عیادت کے لیے گئے تو وہ رو رہا تھا' اس کے اصحاب نے پوچھا: تم کس وجہ سے رو رہے ہو؟ کیا تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا: تم اپنی مونچھیں کم کرو پھر ان کو برقرار رکھو' حتیٰ کہ تمہاری مجھ سے قیامت کے دن ملاقات ہو' اس نے کہا: کیوں نہیں' لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ عزوجل نے ایک مٹھی بند کی' پھر دوسری مٹھی بند کی اور فرمایا: یہ مٹھی اہل جنت کی ہے اور یہ مٹھی اہل دوزخ کی ہے اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے اور میں نہیں جانتا کہ میں ان دو مٹھیوں میں سے کون سی مٹھی میں ہوں گا۔ (اس حدیث کی سند صحیح ہے)

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۷۷۔۱۷۶' مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۹' المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۱۷۲)

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس آیت میں پہلے فرمایا ہے: اس دن وہ سب جمع ہوں گے' پھر فرمایا: ایک فریق جنت میں ہوگا اور ایک فریق دوزخ میں ہوگا اور یہ ان کے جمع ہونے کے خلاف ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے وہ حساب کے لیے میدان محشر میں جمع ہوں گے' پھر حساب کتاب کے بعد ایک فریق جنت میں چلا جائے گا اور ایک فریق دوزخ میں بھیج دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ایک گروہ بنا دیتا لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور ظالموں کا نہ کوئی کارساز ہوگا اور نہ کوئی مددگار O کیا انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو مددگار بنا رکھا ہے' پس اللہ ہی مددگار ہے اور وہی مُردوں کو زندہ فرمائے گا اور وہی ہر چیز پر قادر ہے O (الشوریٰ: ۹۔۸)

بتوں کو ولی اور کارساز بنانے کی مذمت

اس آیت میں الشوریٰ: ۶ کی تاکید ہے جس میں فرمایا تھا: ''اور جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو مددگار بنا رکھا ہے' اللہ ان سے خبردار ہے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں O'' اس کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ ان کو بہ زور اور جبراً مومن اور موحد بنانے والے نہیں ہیں' ہاں! اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو اپنی قدرت سے جبراً مومن اور موحد بنا دیتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے زیادہ قادر ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے بعض کو مومن بنایا اور بعض کو ان کے کفر پر چھوڑ دیا' اس لیے فرمایا: ''اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے'' اس قول میں یہ بتایا ہے: اللہ تعالیٰ ہی بندوں کو ایمان اور اطاعت میں داخل کرتا ہے اور اس کے بعد جو فرمایا ہے: ''اور ظالموں کا نہ کوئی کارساز ہوگا نہ کوئی مددگار O'' اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ظالموں کو اپنی رحمت میں داخل نہیں کیا اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلا گروہ جو اللہ تعالیٰ کی رحمت میں داخل ہے اس کے ولی اور نصیر ہیں' یعنی انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام ان کے دنیا اور آخرت میں کارساز اور مددگار ہیں جن کے وسیلہ سے ان کو دنیا میں نعمتیں حاصل ہوں گی اور ان کی دعائیں قبول ہوں گی اور آخرت میں ان کی شفاعت ان کے کام آئے گی اور ان کو عذاب سے نجات ملے گی اور جنت ملے گی اور دوسرا گروہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت میں داخل نہیں کیا وہ آخرت میں بے یار و مددگار رہو گا۔

الشوریٰ: ۹ میں فرمایا: ''کیا انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو مددگار بنا رکھا ہے' پس اللہ ہی مددگار ہے اور وہی مُردوں کو زندہ فرمائے گا اور وہی ہر چیز پر قادر ہے O''

پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ کافروں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کو مددگار بنا لیا ہے' پھر اس کے بعد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: آپ ان کے محافظ اور نگران نہیں ہیں اور نہ ان کو جبراً مومن بنانے والے ہیں اور آپ پر یہ واجب نہیں ہے کہ آپ ان کو مومن بنائیں خواہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں' کیونکہ اگر ان کا ایمان لانا ضروری ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کو مومن بنا دیتا' اللہ تعالیٰ آپ سے زیادہ ان پر قادر ہے۔ اور ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا ولی اور کارساز بنا لیا ہے اور اگر وہ حقیقی کارساز اور

ولی بنانے کا ارادہ کرتے تو حقیقی ولی اور کارساز تو اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے سوا کوئی حقیقی کارساز اور ولی نہیں ہے کیونکہ وہی مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اسی کو ولی بنایا جائے نہ کہ ان کو ولی اور کارساز بنایا جائے جو کسی چیز پر قادر نہیں ہیں' جیسا کہ کفار نے کیا ہے۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي

اور جس چیز میں تمہارا کچھ بھی اختلاف ہو تو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف راجع کرو' یہی اللہ (حاکم) ہے جو میرا رب ہے'

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴿١٠﴾ فَاطِرُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ جَعَلَ

اسی پر میں نے توکل کیا ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں O وہ آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے' اس نے

لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا ۖ يَذْرَؤُكُمْ

تمہارے لیے تم ہی میں سے جوڑے بنائے اور مویشیوں سے جوڑے بنائے' وہ تمہیں اس میں پھیلاتا ہے' اس کی

فِيهِ ۚ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿١١﴾ لَهُ مَقَالِيدُ

مثل کوئی چیز نہیں ہے' وہ ہر بات کو سننے والا' ہر چیز کو دیکھنے والا ہے O آسمانوں اور زمینوں

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهُ

کی کنجیوں کا وہی مالک ہے' وہ جس کے لیے چاہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہے رزق تنگ کر دیتا ہے' بے شک

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٢﴾ شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا

وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O اس نے تمہارے لیے اسی دین کو مشروع (مقرر) کیا ہے جس دین کی اس

وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ

نے نوح کو وصیت کی تھی اور جس دین کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور جس دین کی ہم نے ابراہیم اور موسیٰ

وَعِيسَىٰ ۖ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ۚ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ

اور عیسیٰ کو وصیت کی تھی کہ تم دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا' جس دین کی طرف آپ مشرکین کو دعوت دے رہے

مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ ۚ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ

ہیں وہ ان پر بہت شاق اور بھاری ہے' اللہ ہی اس دین کی طرف چن لیتا ہے جس کو چاہے اور اسی کو اس دین کی طرف

مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا

ہدایت دیتا ہے جو اس دین کی طرف رجوع کرتا ہے○ اور انہوں نے اسی وقت تفرقہ ڈالا تھا جب ان کے پاس علم آ

بَيْنَهُمْ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ

چکا تھا اور وہ تفرقہ بھی باہمی سرکشی کی وجہ سے تھا اور اگر آپ کے رب کی طرف سے (نزول عذاب کی)

بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ

ایک میعاد مقرر نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا اور بے شک جن لوگوں کو ان کے بعد

مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۴﴾ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا

کتاب دی گئی ہے وہ بھی اس کے متعلق الجھن میں ڈالنے والے شک میں ہیں○ پس اسی قرآن کی طرف آپ دعوت

تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ

دیں اور جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ اسی پر مستقیم (برقرار) رہیں اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کریں اور آپ کہیے:

وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۭ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ

میں ان تمام چیزوں پر ایمان لایا جو اللہ نے کتاب میں نازل کی ہیں اور مجھے تمہارے عدل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اللہ ہمارا

اَعْمَالُكُمْ ۭ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ

رب ہے اور تمہارا رب ہے، ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں، ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی

الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾ وَالَّذِيْنَ يُحَاۗجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ

ذاتی جھگڑا نہیں ہے، اللہ ہم سب کو جمع فرمائے گا اور اسی کی طرف (سب کو) لوٹنا ہے○ اور جو لوگ اللہ کی دعوت کے مقبول ہونے

لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ

کے باوجود اس میں جھگڑا کرتے ہیں ان کی کٹ حجتی ان کے رب کے نزدیک باطل ہے اور ان پر غضب ہے اور سخت عذاب

شَدِيْدٌ ﴿۱۶﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ۭ وَمَا

ہے○ اللہ ہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب کو نازل فرمایا اور میزان کو قائم فرمایا اور (اے مخاطب!)

يُدۡرِيۡكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيۡبٌ ﴿۱۷﴾ يَسۡتَعۡجِلُ بِهَا الَّذِيۡنَ لَا

تجھے کیا پتا شاید کہ قیامت قریب ہو O اس کے جلد آنے کا وہی مطالبہ کرتے ہیں جو اس پر ایمان

يُؤۡمِنُوۡنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مُشۡفِقُوۡنَ مِنۡهَا ۙ وَيَعۡلَمُوۡنَ اَنَّهَا

نہیں رکھتے اور جو لوگ قیامت کے آنے پر یقین رکھتے ہیں وہ اس کے آنے سے ڈرتے ہیں

الۡحَقُّ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الَّذِيۡنَ يُمَارُوۡنَ فِى السَّاعَةِ لَفِىۡ ضَلٰلٍ

اور ان کو یقین ہے کہ وہ برحق ہے' سنو! جو لوگ قیامت کے وقوع میں جھگڑتے ہیں وہ پرلے درجہ کی

بَعِيۡدٍ ﴿۱۸﴾ اَللّٰهُ لَطِيۡفٌ ۢ بِعِبَادِهٖ يَرۡزُقُ مَنۡ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الۡقَوِىُّ

گم راہی میں ہیں O اللہ اپنے بندوں پر بہت نرمی کرنے والا ہے' وہ جس کو چاہتا ہے رزق دیتا ہے اور وہ بہت

الۡعَزِيۡزُ ﴿۱۹﴾

قوت والا' بے حد غلبہ والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس چیز میں تمہارا کچھ بھی اختلاف ہو تو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف راجع کرو' یہی اللہ (حاکم) ہے جو میرا رب ہے' اسی پر میں نے توکل کیا ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں O وہ آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے' اس نے تمہارے لیے تم ہی میں سے جوڑے بنائے اور مویشیوں سے جوڑے بنائے' وہ تمہیں اس میں پھیلاتا ہے' اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے' وہ ہر بات کو سننے والا' ہر چیز کو دیکھنے والا ہے O (الشوریٰ: ۱۱-۱۰)

نزاعی اور اختلافی امور کو اللہ پر چھوڑ دینے کی متعدد تفسیریں

اس سے پہلی آیتوں میں یہ بتایا تھا کہ کافروں کو مومن بنا دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت اور اختیار میں نہیں ہے اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ مسلمانوں کو کافروں کے ساتھ کسی معاملہ میں بھی بحث نہیں کرنی چاہیے' ان کافروں کے ساتھ جس چیز میں بھی اختلاف ہو ان کو چاہیے کہ اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں' اللہ تعالیٰ ہی قیامت کے دن اہل حق کو جزاء دے گا اور اہل باطل کو سزا دے گا' اس آیت کے مفسرین نے حسب ذیل محامل بیان کیے ہیں:

(۱) مسلمانوں کا جس سے بھی کوئی اختلاف ہو تو وہ اس معاملہ میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرائیں' کسی اور سے فیصلہ نہ کرائیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِىۡ شَىۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ" (النساء: ۵۹) اگر تمہارا کسی چیز میں اختلاف ہو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔

(۲) جب تمہارا کسی ایسی چیز میں اختلاف ہو جس کے علم اور اس کی حقیقت تک رسائی کا تمہارے پاس کوئی ذریعہ نہ ہو تو اس چیز کے فیصلہ کو تم اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو جیسے روح کی حقیقت کو جاننے کا مسلمانوں کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَيَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الرُّوۡحِ ؕ قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّىۡ. اور یہ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں' آپ کہیے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے۔ (بنو اسرائیل:۸۵)

(۳) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ مسلمانوں سے یہ فرمائیں کہ جب تمہارا کسی معاملہ میں کفار سے اختلاف ہو تو ان سے بحث نہ کرو اور اس معاملہ کو اللہ پر چھوڑ دو۔

(۴) اس آیت میں علماء کو یہ ہدایت دی ہے کہ جب ان کے سامنے کوئی نیا مسئلہ آئے تو اس کا حل قرآن مجید' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور اجماع امت میں تلاش کریں۔

(۵) عام مسلمانوں کو جب کوئی مسئلہ درپیش ہو اور ان کو اس کا شرعی حکم معلوم نہ ہو تو وہ خود اپنی عقل سے اس کا حکم نہ تلاش کریں بلکہ اہل علم اور اہل فتویٰ علماء سے اس کا حل دریافت کریں' قرآن مجید میں ہے:

فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝ اگر تم کو کسی چیز کا علم نہ ہو تو اہل علم سے اس کو دریافت کرو ۝

(الانبیاء:۷)

کیونکہ عقل کے ساتھ وہم اور خیال کی آمیزش اور آویزش ہے اور شیطان انسان کی عقل میں شبہات ڈالتا رہتا ہے اور توحید میں اگر معمولی سا شبہ بھی پڑ جائے تو انسان کا دین اور ایمان خطرہ میں پڑ جاتا ہے' بدمذہب اور گمراہ فرقے اسی طرح وجود میں آئے کہ انہوں نے محض اپنی رائے اور سوچ سے نئے نئے نظریات اپنا لیے اور دین میں طرح طرح کی بدعات نکال لیں' ہمارے زمانہ میں بعض جاہل پیروں نے اپنی وضع اور اپنا تشخص قائم کرنے کے لیے مخصوص وضع کو دین میں لازم اور ضروری قرار دے دیا' خود ساختہ طریقوں کو رواج دیا۔ بعض مباحات اور مستحبات کے ساتھ فرض اور واجب کا معاملہ کیا' آج کل ان جہلاء کا غلبہ ہے اور ان کی طاقت کے سامنے اہل حق بہت کم زور دکھائی دیتے ہیں۔

قیاس کی نفی پر امام رازی کے نقل کردہ دلائل

اس آیت سے بعض علماء نے قیاس کی نفی پر استدلال کیا ہے' امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں دو احتمال ہیں یا تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہر مسئلہ کا حل اللہ تعالیٰ کے منصوص اور صریح حکم میں موجود ہے اور یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہر مسئلہ کا حل قیاس سے ثابت ہے' دوسرا احتمال تو باطل ہے کیونکہ ہم بداہۃً جانتے ہیں کہ ہر مسئلہ کا حل قیاس سے ثابت نہیں ہے' پس ضروری ہوا کہ ہر مسئلہ کا حل اور تمام احکام اللہ تعالیٰ کی نص اور صریح حکم سے ثابت ہوں اور اس سے قیاس کی نفی ہو جاتی ہے' اس دلیل پر یہ اعتراض ہے کہ ایسا کیوں نہیں ہو سکتا کہ ہر مسئلہ کا حل اللہ تعالیٰ کے بیان اور دلیل شرعی سے حاصل ہو خواہ وہ بیان اور دلیل شرعی نص صریح پر مشتمل ہو یا قیاس پر مشتمل ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں جو فرمایا ہے کہ تم اپنے اختلافات کا فیصلہ اللہ پر چھوڑ دو' اس سے مقصود اختلاف کو ختم کرنا ہے اور جب کسی معاملہ کے فیصلہ میں قیاس کی طرف رجوع کیا جائے گا تو اس سے اختلاف ختم نہیں ہوگا بلکہ اختلاف اور زیادہ قوی ہوگا' پس واجب ہے کہ ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی نصوص اور صریح احکام کی طرف رجوع کیا جائے (اور قیاس کی طرف رجوع نہ کیا جائے)۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۸۱' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

نفی قیاس کی امام رازی کی دلیل پر مصنف کا تبصرہ

امام رازی نے یہ فرمایا ہے کہ تمام احکام اور مسائل میں اللہ تعالیٰ کی نصوص کی طرف رجوع کرنا واجب ہے اور کسی مسئلہ میں قیاس نہیں کرنا چاہیے' بہ ظاہر یہ بہت مشکل ہے کیونکہ تمام مسائل اور معاملات میں اللہ تعالیٰ کے صریح احکام مذکور نہیں ہیں'

بلکہ تمام مسائل اور معاملات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح ارشادات بھی مذکور نہیں ہیں اور نہ تمام پیش آمدہ مسائل میں اجماع علماء کا ثبوت ہے اور نہ ہر تازہ مسئلہ میں فقہاء متقدمین کی تصریحات مذکور ہیں' زمانہ کی تیز رفتار ترقی اور سائنس کی ایجادات سے ایسے نئے نئے مسائل سامنے آ گئے ہیں جن کے صریح ذکر سے ہماری فقہ کا ذخیرہ خالی ہے' مثلاً ٹیلی فون پر نکاح کے جواز یا عدم جواز کا معاملہ' خاندانی منصوبہ بندی کی ناگزیر صورتیں' ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے ذریعہ پیدائش کا حصول' ریڈیو اور ٹی وی کے اعلان پر روزہ رکھنے اور عید کرنے کا جواز یا عدم جواز' پرائز بانڈز اور انشورنس کے احکام' چلتی ٹرین اور اڑتے ہوئے طیارہ میں نماز پڑھنے کا معاملہ' انجکشن سے روزہ ٹوٹنے یا نہ ٹوٹنے کا مسئلہ' انتقال خون' پوسٹ مارٹم اور ایسے بہت سے مسائل جن کے حل کا صراحت سے ذکر قرآن مجید میں ہے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں' نہ آثار صحابہ میں' نہ اجماع علماء میں' نہ فقہاء متقدمین کے فتاویٰ میں تو ایسے مسائل اور معاملات میں اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ ان تمام معاملات میں قیاس سے ان مسائل کا حل تلاش کیا جائے اور امت کی رہنمائی کی جائے اور قیاس کی مشروعیت پر حسب ذیل دلائل ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قیاس کی مشروعیت پر دلائل

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ○ (الحشر: ۲) اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو○

اس آیت میں قیاس کی دلیل ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اعتبار کرنے کا حکم دیا ہے اور اعتبار کا معنیٰ ہے: کسی چیز کو اس کی نظیر کی طرف لوٹانا' یعنی جو حکم اصل شئے کے لیے ثابت ہوگا' وہی حکم اس کی نظیر کے لیے ثابت ہوگا۔ اس آیت میں مسلمانوں کو عبرت پکڑنے کا حکم دیا ہے اور اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جس کام کے سبب سے کفار اہل کتاب پر عذاب نازل ہوا ہے تم وہ کام نہ کرنا' ورنہ تم پر بھی وہی عذاب نازل ہوگا اور یہی قیاس ہے کہ علت کے اشتراک کی وجہ سے حکم مشترک ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی: میری بہن فوت ہوگئی اور اس پر مسلسل دو ماہ کے روزے تھے۔ آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ' اگر تمہاری بہن پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرتیں؟ اس نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: تو اللہ کا حق ادائیگی کا زیادہ حق دار ہے۔

(صحیح البخاری ج ۲' رقم الحدیث: ۱۹۵۳' صحیح مسلم صیام ص ۱۵۴ (۱۱۴۸) ۲۶۵۱' سنن ترمذی ج ۲' رقم الحدیث: ۷۱۶' سنن ابوداؤد ج ۲' رقم الحدیث: ۳۳۱۰' سنن ابن ماجہ ج ۱' رقم الحدیث: ۱۷۵۹' سنن کبریٰ للنسائی ج ۲' رقم الحدیث: ۲۹۱۲' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۵۱۱)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حق کو بندے کے حق پر قیاس کیا ہے اور جس شخص پر روزے ہوں اور وہ فوت ہو جائے تو اس کا ولی اس کی طرف سے فدیہ دے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے حج کی نذر مانی' پھر وہ فوت ہوگئی۔ اس کا بھائی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور اس کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ' اگر تمہاری بہن پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرتے؟ اس نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: پھر اللہ کا حق ادا کرو' وہ ادائیگی کے زیادہ حق دار ہے۔ (صحیح البخاری ج ۲' رقم الحدیث: ۱۸۵۲' ج ۷' رقم الحدیث: ۶۶۹۹' ج ۸' رقم الحدیث: ۷۳۱۵' سنن النسائی ج ۵' رقم الحدیث: ۲۶۳۱' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۳۵۹)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ کو یمن کی طرف بھیجا اور فرمایا: تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے کہا: میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا: اگر (وہ مسئلہ) کتاب اللہ میں نہ ہو؟ انہوں نے کہا: پھر سنت رسول اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا: اگر (وہ مسئلہ) سنت رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم میں نہ ہو؟ انہوں نے کہا: میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ آپ نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول کو توفیق عطا فرمائی۔ (سنن الترمذی ج ۳ رقم الحدیث: ۱۳۳۲، سنن ابوداؤد ج ۲ رقم الحدیث: ۳۵۹۲، مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۶۔۲۳۰)

عبدالرحمٰن بن یزید بیان کرتے ہیں کہ ایک دن لوگوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بہت زیادہ سوالات کیے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: ایک زمانہ تھا کہ ہم بالکل فیصلہ نہیں کرتے تھے اور ہم اس مقام پر فائز نہ تھے۔ پھر اللہ عزوجل نے ہمارے لیے وہ چیز مقدر کر دی جو تم دیکھ رہے ہو۔ سو آج کے بعد جس شخص کو فیصلہ کرنا پڑے وہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرے۔ پھر اگر کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو جس کا حل کتاب اللہ میں نہ ہو تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق فیصلہ کرے اور اگر کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو جس کا حل نہ کتاب اللہ میں ہو اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مطابق فیصلہ کیا ہو تو جس طرح صالحین نے اس کا فیصلہ کیا ہو اس کے مطابق فیصلہ کرے اور اگر کوئی ایسا امر درپیش ہو جس کا حل نہ کتاب اللہ میں ہو اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا فیصلہ کیا ہو اور نہ صالحین نے اس کا فیصلہ کیا ہو تو پھر وہ اپنی رائے سے اجتہاد کرے اور یہ نہ کہے کہ میں ڈرتا ہوں اور میں خوف زدہ ہوں کیونکہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان کے درمیان کچھ امور مشتبہ ہیں تو جس چیز میں تمہیں شک ہو اس کو چھوڑ کر غیر مشکوک امر کو اختیار کرو۔ امام ابوعبدالرحمٰن نسائی نے کہا: یہ حدیث بہت جید (عمدہ) ہے۔ (سنن النسائی ج ۸ رقم الحدیث: ۵۴۱۲۔۵۴۱۳، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

اس حدیث میں تصریح ہے کہ مسائل کے استنباط اور احکام کے اثبات کے لیے کتاب سنت اجماع اور قیاس کی ترتیب کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

علاوہ ازیں اس آیت میں یہ معنیٰ متعین نہیں ہے کہ اے مسلمانو! تم ہر پیش آمدہ مسئلہ کے حل کے لیے اللہ کی طرف رجوع کرو بلکہ یہ معنیٰ اس آیت کے متعدد محامل میں سے ایک محمل ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اس سے پہلے کفار کا ذکر تھا تو اس کا محمل یہ ہے کہ جب تمہارا کفار سے کسی معاملہ میں اختلاف ہو تو تم ان سے بحث مت کرو بلکہ اس معاملہ کو اللہ پر چھوڑ دو اور اگر یہ آیت مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہو تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جب کسی آیت کی تاویل تم پر مشتبہ ہو جائے تو تم اپنی عقل سے اس کا معنیٰ تلاش نہ کرو بلکہ کتاب اور سنت کی طرف رجوع کرو یا آیات متشابہات کی تاویل نہ کرو اور ان کی مراد کو اللہ پر چھوڑ دو یا اگر تمہارا کسی سے جھگڑا ہو جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے کسی اور کو حاکم نہ بناؤ اس طرح اس آیت کے متعدد صحیح محامل ہیں اور اس آیت کا یہ معنیٰ معین نہیں ہے کہ اپنے ہر پیش آمدہ معاملہ میں صرف اللہ کی طرف رجوع کرو حتیٰ کہ پھر نہ احادیث حجت رہیں نہ اجماع نہ قیاس۔

اللہ تعالیٰ امام رازی پر رحم فرمائے انہوں نے کیسی عجیب بات کہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور آپ کے ہوتے ہوئے اجتہاد کرنے کی تحقیق

علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۳۸ھ اور ان کی اتباع میں علامہ نظام الدین حسین بن محمود نیشاپوری متوفی ۷۲۸ھ علامہ محمد بن مصلح الدین القوجوی التوفی ۹۵۱ھ اور علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ نے اسی آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اجتہاد جائز نہیں ہے۔

(الکشاف ج ۴ ص ۲۱۷، غرائب القرآن جز ۲۵ ص ۶۹، حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی ج ۷ ص ۴۰۹، روح البیان ج ۸ ص ۳۹۰)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں اختلاف ہے اکثر علماء نے کہا ہے کہ یہ اجتہاد عقلاً جائز ہے اور بعض علماء نے اس کو محال کہا ہے اور جن علماء

نے آپ کے زمانہ میں اجتہاد کو جائز کہا ہے ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ اس اجتہاد پر عمل کرنا جائز نہیں ہے' ابوعلی جبائی اور اس کے بیٹے ابو ہاشم اور زمخشری کا یہی مذہب ہے اور بعض علماء نے یہ دعویٰ کیا کہ اس اجتہاد پر عمل ہوا ہے' ایک قول یہ ہے کہ یہی صحیح ہے اور ایک قول توقف کا ہے اور ہمارا کہنا یہ ہے کہ اس آیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اجتہاد کی ممانعت پر استدلال کرنا قطعی نہیں ہے ہاں اس آیت میں یہ احتمال ہے۔ (روح المعانی جز ۲۵ ص ۲۶' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

عہدِ رسالت میں اجتہاد کے ثبوت پر احادیث

میں کہتا ہوں کہ ان تمام لوگوں کا کلام اندازوں پر مبنی ہے' ان کی احادیث پر نظر نہیں ہے' کیونکہ بہ کثرت احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور آپ کے عہد میں اجتہاد کرتے تھے' ہم اس سلسلہ میں چند احادیث پیش کر رہے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر (غزوہ تبوک) میں جا رہے تھے کہ زادِ راہ ختم ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال تھا کہ بعض اونٹ ذبح کر دیئے جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کاش! آپ لوگوں کے بچے کھچے کھانے کو جمع کر کے اس پر برکت کی دعا فرمائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔ پھر جس شخص کے پاس گندم تھی وہ گندم لے آیا اور جس کے پاس کھجوریں تھیں وہ کھجوریں لے آیا۔ مجاہد نے کہا: اور جس کے پاس گٹھلیاں تھیں' وہ گٹھلیاں لے آیا۔ راوی کہتا ہے: میں نے مجاہد سے پوچھا کہ گٹھلیوں کا وہ لوگ کیا کرتے تھے؟ مجاہد نے کہا: ان کو چوس کر پانی پی لیتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام چیزوں کو اکٹھا کر کے دعا فرمائی جس کی برکت سے وہ کھانا اس قدر زیادہ ہو گیا کہ تمام لوگوں نے اپنے برتنوں کو بھر لیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷' الرقم المسلسل: ۱۳۷' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۸۷۹۴)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور آپ کی مجلس میں اجتہاد کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے خلاف اپنی رائے پیش کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کی رائے پر عمل فرمایا اور اس میں یہ دلیل ہے کہ اکابر کو اپنی رائے کے خلاف اصاغر کے مشورہ پر عمل کرنا چاہیے اور اس کو اپنی انا کا مسئلہ نہیں بنانا چاہیے۔

حضرت ابو ہریرہ یا حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ غزوۂ تبوک کے سفر میں لوگوں کو سخت بھوک لگی ہوئی تھی' صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر آپ ہمیں اجازت دیں تو ہم پانی لانے والے اونٹوں کو ذبح کر کے کھالیں اور چربی کا تیل بنالیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی' اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ آ گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! اگر آپ نے ایسا کیا تو سواریاں کم ہو جائیں گی' البتہ آپ لوگوں کا بچا ہوا کھانا منگوا لیجئے اور اس پر برکت کی دعا کیجئے۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ برکت عطا فرمائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھیک ہے اور ایک دستر خوان بچھا دیا' پھر لوگوں کا بچا ہوا کھانا منگوایا' کوئی شخص اپنی ہتھیلی میں جوار اور کوئی کھجوریں اور کوئی روٹی کے ٹکڑے لیے چلا آ رہا تھا' یہ سب چیزیں مل کر بہت تھوڑی مقدار میں جمع ہوئیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا فرمائی' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب اپنے اپنے برتنوں میں کھانا بھر لیں۔ چنانچہ تمام لوگوں نے اپنے اپنے برتن بھر لیے یہاں تک کہ لشکر کے تمام برتن بھر گئے اور سب نے مل کر کھانا کھایا اور سیر ہو گئے اور کھانا پھر بھی بچ گیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور

جو شخص بھی اس کلمہ پر یقین کے ساتھ اللہ سے ملاقات کرے گا وہ جنتی ہوگا۔ (صحیح مسلم الرقم المسلسل: ۱۳۸)

اس حدیث میں بھی یہ تصریح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور آپ کی مجلس میں اجتہاد کیا اور آپ نے ان کے اجتہاد کو برقرار رکھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھے ہوئے تھے اور ہمارے ساتھ دیگر صحابہ کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر چلے گئے اور کافی دیر تک تشریف نہ لائے تو ہمیں خوف ہوا کہ کہیں خدانخواستہ آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچی ہو' اس خیال سے ہم سب کھڑے ہو گئے' سب سے پہلے میں گھبرا کر آپ کی تلاش میں نکلا اور انصار بنی نجار کے باغ تک پہنچ گیا' میں باغ کے چاروں طرف گھومتا رہا لیکن مجھے اندر جانے کے لیے کوئی دروازہ نہ ملا' اتفاقاً ایک نالہ دکھائی دیا جو باہر کے کنوئیں سے باغ کے اندر کی طرف جا رہا تھا' میں لومڑی کی طرح گھسٹ کر اس نالہ کے راستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو ہریرہ! میں نے عرض کیا: جی یا رسول اللہ! حضور نے فرمایا: کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے' پھر آپ اچانک اٹھ کر تشریف لے گئے' آپ کی واپسی میں دیر ہو گئی' اس وجہ سے ہمیں خوف دامن گیر ہوا کہ کہیں دشمن آپ کو تنہا دیکھ کر پریشان نہ کریں۔ ہم سب گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور سب سے پہلے میں آپ کی تلاش میں نکلا۔ پس میں اس باغ تک پہنچا اور لومڑی کی طرف گھسٹ کر باغ کے اندر آ گیا' باقی صحابہ میرے پیچھے آ رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نعلین مبارک مجھے عطا فرمائے اور فرمایا: اے ابو ہریرہ! میری یہ دونوں جوتیاں لے کر چلے جاؤ اور باغ کے باہر جو شخص تم کو اس حال میں ملے کہ وہ صدق دل سے یہ کہتا ہو کہ ''اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہٗ ورسولہ'' اس کو جنت کی بشارت دے دو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ باغ کے باہر سب سے پہلے میری ملاقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ انہوں نے پوچھا: اے ابو ہریرہ! یہ کیسی جوتیاں ہیں؟ میں نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیاں ہیں' جو حضور نے مجھے اس لیے دی ہیں کہ جو شخص بھی مجھے اس حال میں ملے کہ وہ صدق دل سے یہ کہتا ہو کہ ''اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہٗ ورسولہ'' اس کو میں جنت کی بشارت دے دوں۔ یہ سن کر حضرت عمر نے میرے سینہ پر ایک تھپڑ مارا جس کی وجہ سے میں پیٹھ کے بل گر پڑا' پھر حضرت عمر نے مجھ سے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس جاؤ۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر رونے لگا' ساتھ ہی حضرت عمر بھی پہنچ گئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا: سب سے پہلے میری ملاقات حضرت عمر سے ہوئی' میں نے ان کو آپ کا پیغام پہنچایا' انہوں نے میرے سینہ پر تھپڑ مار کر مجھے پیٹھ کے بل گرا دیا اور کہا: واپس چلے جاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے پوچھا: تم نے ایسا کیوں کیا؟ حضرت عمر نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا واقعی آپ نے ابو ہریرہ کو اپنی جوتیاں دے کر بھیجا تھا کہ جو شخص اسے اس حال میں ملے کہ وہ صدق دل سے یہ کہتا ہو کہ ''اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہٗ ورسولہ'' اس کو یہ جنت کی بشارت دے دے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! حضرت عمر نے عرض کیا: حضور ایسا نہ کریں' کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ لوگ پھر کلمہ پر ہی بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے' ان کو عمل کرنے دیجئے۔ آپ نے فرمایا: اچھا پھر انہیں عمل کرنے دو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۱' الرقم المسلسل: ۱۴۶' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۳۹)

اس حدیث میں بھی اس کی تصریح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور آپ کی

مجلس میں اجتہاد کیا۔

صریح حدیث پر عمل کرنے سے حضرت عمر کے منع کرنے کی توجیہات

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اجتہاد کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے خلاف اپنی رائے پیش کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کی رائے کی طرف رجوع فرمالیا' اس کی توضیح اور تشریح میں شارحین حدیث کی متعدد عبارات ہیں جن کو ہم سطور ذیل میں پیش کر رہے ہیں۔

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی بشارت پہنچانے سے منع کیا تھا اور حضور کو بھی یہی مشورہ دیا تھا' یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض نہیں تھا اور نہ انہوں نے آپ کے حکم کو رد کیا تھا' حضرت عمر کی رائے یہ تھی کہ اس بشارت کو عام لوگوں سے چھپانا ان کے حق میں زیادہ بہتر ہے اور ان کے اعمال کو زیادہ پاکیزہ کرنے والا ہے اور ان کے اجر وثواب کو زیادہ کرنے والا ہے' ورنہ یہ خدشہ ہے کہ لوگ اسی بشارت پر اعتماد کر کے نیک اعمال کو ترک کر دیں گے اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی یہ رائے پیش کی تو آپ نے اس رائے کو صحیح اور درست قرار دیا۔ حضرت عمر کی رائے عام لوگوں کے اعتبار سے تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بشارت دینے کا حکم دیا تھا وہ خاص لوگوں کے اعتبار سے تھا اور حضرت عمر کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں یہ بشارت خاص لوگوں سے نکل کر عام لوگوں تک نہ پہنچ جائے۔

اس حدیث سے یہ فقہی مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ علماء کو چاہیے کہ وہ امام اور سربراہ مملکت کو مشورہ دیا کریں اور اس کی خیر خواہی کیا کریں' خواہ امام اور سربراہ ان سے مشورہ نہ کریں اور امام اور سربراہ کو چاہیے کہ وہ علماء اور اہل خیر کے مشورہ پر عمل کر کے اپنی سابق رائے اور سابق حکم سے رجوع کرلیا کریں۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۱ ص ۳۶۵۔۳۶۴' دارالوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ ھ اور علامہ محمد بن محمد السنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ ھ نے بھی قاضی عیاض کی اس عبارت کا خلاصہ نقل کر کے اس پر اعتماد کیا ہے۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۱ ص ۲۰۵' مکمل اکمال الاکمال ج ۱ ص ۲۰۵' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر قرطبی مالکی ۶۵۶ ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مارا تھا وہ ان کو ایذاء دینے کے لیے نہ تھا بلکہ اس وقت تک ان کو اس بشارت دینے سے روکنے کے لیے تھا جب تک وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں مشورہ نہ کرلیں اور یہ حضرت عمر کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض نہ تھا اور نہ آپ کے حکم کو رد کرنا تھا' بلکہ وہ اس حکم کی مصلحت جاننے کی ایک کوشش تھی' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کا منشا اپنے اصحاب اور اپنی امت کے دلوں کو خوش کرنا تھا اور حضرت عمر کی رائے یہ تھی کہ اس بشارت سے سکوت کرنا امت کے حق میں زیادہ مفید ہے تاکہ وہ اسی بشارت پر اعتماد کر کے اپنے نیک اعمال کو کم نہ کرلیں اور اجر وثواب سے محروم نہ ہو جائیں اور ہوسکتا ہے کہ حضرت عمر نے اس بشارت سے سکوت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سن لیا ہو جب آپ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: جو شخص بھی صدق دل سے یہ شہادت دے گا کہ "ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ" اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کو حرام کر دے گا' حضرت معاذ نے پوچھا: میں لوگوں کو یہ بشارت نہ دے دوں؟ آپ نے فرمایا: پھر وہ اسی بشارت پر اعتماد کرلیں گے' تب حضرت معاذ نے موت سے پہلے یہ حدیث بیان کی تاکہ وہ علم

کو چھپانے کی وعید میں داخل نہ ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۲) تو گویا حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد دلایا کہ آپ تو خود عام لوگوں تک اس بشارت کے پہنچانے سے منع فرما چکے تھے کہ کہیں وہ اس بشارت پر اعتماد کر کے نیک اعمال کو ترک یا کم نہ کر دیں۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ کسی مصلحت کی وجہ سے عام میں تخصیص کرنا جائز ہے اور یہ کہ امام اور سربراہ کو مشورہ دینا چاہیے خواہ انہوں نے مشورہ طلب نہ کیا ہو۔ (المفہم ج ۱ ص ۲۰۸۔۲۰۷' دار ابن کثیر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ جب امام اور سربراہ کوئی حکم مطلق دے اور اس کے متبعین میں سے کسی شخص کی رائے اس کے خلاف ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ امیر اور سربراہ کے سامنے اپنی رائے پیش کرے تاکہ امیر اس پر غور کرے' پس اگر امیر پر یہ منکشف ہو کہ اس متبع کی رائے صحیح ہے تو وہ اس کی طرف رجوع کر لے ورنہ اس متبع کے شبہ کو زائل کرے اور اس کی تسلی کرے۔ (جیسے حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات سے واپس ہوتے ہوئے حضرت اسامہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز یاد دلائی تو آپ نے فرمایا: نماز آگے چل کر پڑھنی ہے یعنی مزدلفہ میں۔ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۹' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۹۲۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۱۹) (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۱ ص ۵۸۱' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وہ مخصوص لوگوں کو بشارت دیں جو اہل معرفت ہوں اور جن کے متعلق یہ اطمینان ہو کہ وہ اس بشارت پر اعتماد کر کے نیک اعمال کو ترک نہیں کریں گے اور اس بشارت سے دھوکا نہیں کھائیں گے۔ (الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج ج ۱ ص ۱۶۴' ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۱۲ھ)

علامہ حسین بن محمد بن عبد اللہ الطیبی الشافعی المتوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمر کا حضرت ابو ہریرہ کو روکنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی رائے پیش کرنا' آپ پر اعتراض نہیں تھا اور نہ آپ کے حکم کو رد کرنا تھا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ کو صرف اس لیے بھیجا تھا کہ اس بشارت کے پہنچانے سے آپ کی امت کے دل خوش ہوں اور حضرت عمر کی رائے یہ تھی کہ اس بشارت کو امت سے چھپانا امت کے حق میں زیادہ مفید ہے تاکہ وہ اس بشارت پر اعتماد کر کے نیک اعمال کو ترک نہ کر دیں۔

(الکاشف عن حقائق السنن (شرح الطیبی) ج ۱ ص ۱۷۶' ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۱۳ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ علامہ طیبی کی اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیونکہ رحمۃ للعٰلمین ہیں اور مؤمنین پر رحیم ہیں اور بہ طریق کمال مظہر جمال ہیں اور ہر حال میں اپنی امت کے طبیب ہیں اور آپ ان کے خوف اور شدید اضطراب پر مطلع تھے' تو آپ نے اس بشارت سے ان کے علاج کا ارادہ کیا تاکہ ان کا اضطراب اور خوف زائل ہو جائے' کیونکہ علاج ضد سے ہوتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جلال کے مظہر تھے اور ان کو یہ علم تھا کہ لوگوں پر سستی اور اعتماد غالب ہے' اس لیے ان کی رائے یہ تھی کہ لوگوں کے لیے زیادہ مفید معجون مرکب ہے' بلکہ لوگوں کے حال کے اعتبار سے خوف اور اضطراب ان کے حق میں زیادہ مفید ہے اور یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت ہے۔ (مرقاۃ ج ۱ ص ۲۰۶' مکتبہ حقانیہ' پشاور)

یہاں تک ہم نے احادیث اور شارحین احادیث کی عبارات سے یہ واضح کیا ہے کہ صحابۂ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے سامنے اجتہاد کرتے تھے' اب ہم عہد رسالت میں صحابہ کرام کے اجتہاد کرنے کے متعلق چند احادیث پیش کر رہے ہیں۔

عہدِ رسالت میں اجتہاد کرنے کے ثبوت میں مزید احادیث

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احزاب سے واپس آئے تو ہم سے فرمایا: تم میں سے ہر شخص بنو قریظہ میں پہنچ کر عصر کی نماز پڑھے' پس مسلمانوں کو راستہ میں عصر کی نماز کا وقت آ گیا' بعض نے کہا: ہم بنو قریظہ میں پہنچ کر ہی عصر کی نماز پڑھیں گے اور دوسروں نے کہا: بلکہ ہم یہیں نماز پڑھیں گے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے اس کا ارادہ نہیں کیا تھا' پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا' آپ نے ان میں کسی کو ملامت نہیں فرمائی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۴۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۷۰' جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۲۱۲۴)

اس حدیث میں صحابہ کرام کے دو گروہوں کے اجتہاد کا ذکر ہے' ایک گروہ نے کہا: حضور نے جو فرمایا ہے: تم بنو قریظہ میں پہنچنے سے پہلے عصر کی نماز نہ پڑھنا' اس سے آپ کا منشاء یہ تھا کہ تم جلدی روانہ ہونا اور آپ کا منشاء یہ نہیں تھا کہ عصر کی نماز مؤخر کی جائے' لہٰذا انہوں نے راستہ میں عصر کی نماز پڑھ لی اور دوسرے گروہ نے کہا: ہم حضور کے الفاظ کے پابند ہیں' ہم بنو قریظہ میں پہنچنے سے پہلے نماز نہیں پڑھیں گے' ہر ایک صحابی نے اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو ملامت نہیں فرمائی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ بیان کرتے ہیں:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ایک سرد رات میں جنبی ہو گئے' انہوں نے تیمم کیا اور یہ آیت پڑھی:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ اور تم اپنی جانوں کو قتل نہ کرو بے شک اللہ تم پر مہربان ہے ۝

(النساء: ۲۹)

پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے ان کو ملامت نہیں کی۔ (صحیح البخاری کتاب التیمم باب: ۷)

اس حدیث کی تفصیل یہ ہے:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ ذات السلاسل میں ایک رات کو مجھے احتلام ہو گیا' مجھے خطرہ تھا کہ اگر میں نے غسل کیا تو میں ہلاک ہو جاؤں گا' پس میں نے تیمم کر کے اپنے اصحاب کو نماز پڑھا دی' میرے اصحاب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا' آپ نے فرمایا: اے عمرو! کیا تم نے اپنے اصحاب کو حالت جنابت میں نماز پڑھا دی' پھر میں نے اپنے اس عذر کا ذکر کیا جس کی وجہ سے میں نے غسل نہیں کیا تھا اور میں نے کہا: میں نے اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ اور تم اپنی جانوں کو قتل نہ کرو بے شک اللہ تم پر مہربان ہے ۝

(النساء: ۲۹)

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے اور آپ نے کچھ نہیں فرمایا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۴)

اس حدیث میں بھی یہ تصریح ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اجتہاد کیا اور آپ نے اس کو مقرر رکھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم ایک سفر میں گئے' ہم میں سے ایک شخص کے ا[illegible] پتھر آ کر لگا اور اس کا سر پھٹ گیا' پھر اس کو احتلام ہو گیا' اس نے اپنے اصحاب سے پوچھا: کیا میرے لیے تیمم کی رخصت ہے؟ انہوں نے کہا: ہم تمہارے لیے تیمم کی رخصت نہیں پاتے' کیونکہ تم پانی کے حصول پر قادر ہو' اس شخص نے غسل کیا جس سے وہ فوت ہو گیا' جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو ہم نے آپ کو اس واقعہ کی خبر دی' آپ نے فرمایا: ان لوگوں نے ت[illegible]

کو قتل کر دیا' اللہ ان کو ہلاک کر دے' ان کو جب مسئلہ کا علم نہیں تھا تو انہوں نے کسی اور سے سوال کیوں نہیں کیا' کیونکہ لاعلمی کا علاج سوال کرنا ہے' اس کے لیے یہ کافی تھا کہ وہ تیمم کر لیتا یا اپنے زخم پر پٹی باندھ کر باقی جسم کو دھو لیتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۷۲' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۱۶۷۷)

اس حدیث میں بھی یہ تصریح ہے کہ عہد رسالت میں صحابہ کرام نے اجتہاد کیا اور ان کو اجتہاد میں خطا ہوئی اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر مجتہد کی خطاء سے کوئی مر جائے تو اس پر تاوان نہیں ہوتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر دیت لازم نہیں کی۔ بہر حال ان متعدد احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور آپ کے عہد میں اجتہاد ہوتا تھا۔

اسی طرح اس سلسلہ کی یہ حدیث ہے:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سات ہجری میں) ہمیں ایک لشکر میں بھیجا' ہم نے علی الصبح جہینہ کی بستیوں پر حملہ کیا' میں نے ایک شخص کو پکڑ لیا' اس نے کہا: لا الہ الا اللہ' میں نے اس کو نیزا گھونپ دیا' پھر میرے دل میں اضطراب ہوا' میں نے اس بات کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا اس نے لا الہ الا اللہ پڑھ لیا تھا' پھر تم نے اس کو قتل کر دیا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس نے حملہ کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا' آپ نے فرمایا: تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھا حتیٰ کہ تم جان لیتے کہ اس نے جان کے خوف سے کلمہ پڑھا ہے یا نہیں' آپ بار بار یہی بات فرماتے رہے' حتیٰ کہ میں نے یہ تمنا کی کہ کاش! میں اسی دن اسلام لایا ہوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۲۶۹۔۶۸۷۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۴۳' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۵۹۴)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ پر نہ قصاص کو واجب کیا نہ دیت کو نہ کفارہ کو' اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ یہ تمام چیزیں ساقط ہو گئیں لیکن کفارہ واجب ہے اور شبہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہے کیونکہ ان کا گمان یہ تھا کہ وہ کافر ہے اور اس نے جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھ لیا ہے' اس کلمہ پڑھنے سے وہ مسلمان نہیں ہوا اور دیت کے واجب ہونے میں امام شافعی کے دو قول ہیں۔ (صحیح مسلم بشرح النووی ج ۱ ص ۵۸۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

بہر حال ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ عہد رسالت میں صحابہ کرام اجتہاد کرتے تھے اور ان کا اجتہاد صحیح بھی ہوتا تھا اور غلط بھی۔

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ دلیل نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا آپ کے سامنے اجتہاد جائز نہیں تھا کیونکہ اصولیین کے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ اجتہاد واقع تھا۔ (حاشیۃ الشہاب ج ۸ ص ۳۳۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اس آیت (الشوریٰ: ۱۰) کی تفسیر بہت طویل ہو گئی' کیونکہ "فحکمہ الی اللہ" کی تفسیر میں امام رازی نے قیاس سے احکام ثابت کرنے کا انکار فرمایا' سو ہم نے قیاس کے حجت ہونے پر دلائل پیش کیے اور علامہ زمخشری' علامہ نیشا پوری' علامہ قوجوی وغیرہم نے اس آیت کی تفسیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور آپ کے سامنے اجتہاد کا انکار کیا تو ہم نے ان کے رد میں بہت احادیث پیش کیں۔

الشوریٰ: ۱۱ میں فرمایا: "وہ آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے' اس نے تمہارے لیے تم ہی میں سے جوڑے بنائے

اور مویشیوں سے جوڑے بنائے' وہ تمہیں اس میں پھیلاتا ہے' اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے' وہ ہر بات کو سننے والا' ہر چیز کو دیکھنے والا ہے O''

اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات سے مماثلت کی نفی

یعنی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی جنس میں سے جوڑے بنائے اور مویشیوں کی جنس میں سے بھی جوڑے بنائے' اس آیت میں فرمایا ہے: ''یذرؤکم'' اس کا معنیٰ ہے: وہ تم کو رحم میں پیدا کرتا ہے' ایک قول یہ ہے کہ وہ تم کو پیٹ میں پیدا کرتا ہے' الزجاج نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: وہ تمہاری کثرت کرتا ہے اور تم کو زمین میں پھیلاتا ہے' تمہارے جوڑے بنائے تاکہ تمہاری نسل اور افزائش میں اضافہ ہو۔

اور فرمایا: ''اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے'' یعنی اللہ عزوجل اپنی عظمت اور کبریاء میں اور اپنے اسماء کی بلندی میں اور اپنی صفات کی برتری میں بے مثل اور بے نظیر ہے اور مخلوق میں سے کوئی چیز اس کے مشابہ اور مماثل نہیں ہے' ہر چند کہ بعض صفات اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق میں بہ ظاہر مشترک ہیں' مثلاً اس آیت میں فرمایا: ''ھو السمیع البصیر'' اور انسان کے متعلق فرمایا: ''فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا O'' (الدھر: ۹) لیکن انسان کی سماعت اور بصارت حادث ہے اور اللہ تعالیٰ کی سماعت اور بصارت قدیم ہے' انسان کی سماعت اور بصارت کا زوال ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ کی سماعت اور بصارت کا زوال ممتنع ہے۔ انسان بھی دوسروں پر رحم کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی اپنی مخلوق پر رحم فرماتا ہے۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم ان پر رحم کرو جو زمین میں ہیں' تم پر وہ رحم کرے گا جو آسمان میں ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۵۰۲' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کے رجال صحیح ہیں' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۸۷' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۲۱۰' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۲۸۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۵۹۷۵' جامع المسانید والسنن مسند جریر ابن عبداللہ رقم الحدیث: ۱۵۸۷)

لیکن اللہ تعالیٰ بالذات اور بغیر واسطہ کے رحم فرماتا ہے اور لوگ بالعرض اور متعدد وسائط سے رحم کرتے ہیں' وہ بغیر کسی غرض اور بغیر کسی عوض کے رحم فرماتا ہے اور لوگ کسی نہ کسی غرض اور کسی نہ کسی عوض سے ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس کی ذات کی مثل کوئی ذات نہیں ہے اور اس کے اسم (اللہ) کی مثل کوئی اسم نہیں ہے اور اس کی صفت کی مثل کوئی صفت نہیں ہے اور اس کے فعل کی مثل کسی کا فعل نہیں ہے۔ سمیع' بصیر' ید' عین' وجہ اور رحم وغیرہ لفظ ایک جیسے ہیں لیکن ان کے معانی اور مصداق میں متعدد جہات سے فرق ہے۔

ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ ''لیس کمثلہ شیء'' کا لفظی معنی ہے اس کی مثل کے کوئی شیء مثل نہیں ہے' کیونکہ کاف کا معنیٰ بھی مثل ہے' تو یہ اللہ تعالیٰ سے مماثلت کی نفی نہیں ہے بلکہ اس کی مثل سے مماثلت کی نفی ہے۔ اس کا جواب بعض علماء نے یہ دیا ہے کہ اس آیت میں کاف زائد ہے' بعض نے کہا: یہ کاف تاکید کے لیے ہے' لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ عرب کے محاورہ کے موافق ہے' عرب کہتے ہیں: ''مثلک لا یبخل'' آپ جیسا شخص بخل نہیں کرتا اور مراد ہوتا ہے: آپ بخل نہیں کرتے' سو یہ آیت محاورہ عرب کے موافق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آسمانوں اور زمینوں کی کنجیوں کا وہی مالک ہے' وہ جس کے لیے چاہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہے رزق تنگ کر دیتا ہے' بے شک وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O اس نے تمہارے لیے اسی دین کو مشروع (مقرر) کیا ہے جس دین کی اس نے نوح کو وصیت کی تھی اور جس دین کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور جس دین کی ہم

نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو وصیت کی تھی کہ تم دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا' جس دین کی طرف آپ مشرکین کو دعوت دے رہے ہیں' وہ ان پر بہت شاق اور بھاری ہے' اللہ ہی اس دین کی طرف چن لیتا ہے جس کو چاہے اور اسی کو اس دین کی طرف ہدایت دیتا ہے جو اس دین کی طرف رجوع کرتا ہے O (الشوریٰ: ۱۳۔۱۲)

آسمانوں اور زمینوں کی چابیوں کے محامل اور رزق کی اقسام

اس آیت میں کنجیوں کے لیے ''مقالید'' کا لفظ ہے' یہ اقلید کی جمع ہے اور خلاف قیاس ہے اور کنجیاں یا چابیاں خزانوں سے کنایہ ہے اور اس سے مراد ہے: خزانوں پر قدرت اور اس کی حفاظت' اور خزانوں میں وہی تصرف کرتا ہے جس کے پاس خزانوں کی چابیاں ہوتی ہیں' رزق کی چابی اللہ کی ذات پر صحیح توکل ہے اور قلب کی چابی اللہ کی صحیح معرفت ہے اور علم کی چابی تواضع ہے۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ فرشتوں کے دلوں میں جو غیب کے احکام ہیں وہ آسمانوں کی چابیاں ہیں اور اولیاء اللہ کے دلوں میں جو عجائب ودیعت کیے گئے ہیں وہ زمین کی چابیاں ہیں۔

امام ابومنصور ماتریدی متوفی ۳۳۵ھ نے کہا ہے کہ دلوں کے آسمانوں کی چابیاں اللہ کے پاس ہیں اور اس میں اس کے لطف اور رحمت کے خزانے ہیں اور نفوس کی زمینوں کی چابیاں اس کے پاس ہیں اور اس میں اس کے قہر اور غلبہ کے خزانے ہیں' پس ہر قلب میں اس کے الطاف کی ایک نوع کے خزانے ہیں' بعض دلوں میں معرفت کے خزانے ہیں اور بعض دلوں میں محبت کے خزانے ہیں اور بعض دلوں میں شوق کے خزانے ہیں اور بعض دلوں میں ارادہ کے خزانے ہیں' اسی طرح احوال ہیں مثلاً توحید ہے اور ہیبت ہے اور انس ہے اور رضا ہے' اسی طرح ہر نفس میں اس کے قہر کے اوصاف کی ایک قسم ہے' بعض نفوس میں جہالت کے خزانے ہیں' بعض میں ضد اور کفر کے خزانے ہیں۔ اسی طرح مذموم اخلاق ہیں جیسے شرک اور نفاق ہے اور حرص اور تکبر ہے اور غضب اور شہوت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نفوس کے رزق کو وسیع کرتا ہے اور تنگ کرتا ہے' اسی طرح قلوب کے رزق کو وسیع کرتا ہے اور تنگ کرتا ہے اور مخلوق کی طاقت میں یہ نہیں ہے۔ ظاہری رزق کھانے پینے کے اور عیش و عشرت کے سامان ہیں اور باطنی رزق علوم حقیقیہ اور معارف الٰہیہ ہیں۔

الشوریٰ: ۱۳ میں فرمایا: ''اس نے تمہارے لیے اسی دین کو مشروع (مقرر) کیا ہے جس دین کی اس نے نوح کو وصیت کی تھی اور جس دین کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور جس دین کی ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو وصیت کی تھی کہ تم دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا''۔

تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہونا اور شریعتوں کا متعدد ہونا

جن انبیاء علیہم السلام پر وحی نازل کی گئی ان میں حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کا ذکر فرمایا ہے اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کا ذکر نہیں فرمایا' اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اکابر' مشاہیر اور اولوالعزم انبیاء علیہم السلام ہیں' یہ سب عظیم شریعتوں والے تھے اور ان کے متبعین اور پیروکار بہت زیادہ تھے' ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سمیت ان سب پر یہ وحی کی گئی تھی کہ وہ سب دین کو قائم رکھیں اور تفرقہ نہ ڈالیں۔

مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے: اے محمد! ہم نے آپ کو اور نوح کو دین واحد کی وحی کی ہے۔

(صحیح البخاری' کتاب الایمان باب: ۱)

اس کا معنی یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہے' اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَيْهِ ہم نے آپ سے پہلے جس قدر رسول بھیجے ہیں ان سب کی

اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ۝ (الانبیاء: ۲۵) طرف یہ وحی کی ہے کہ میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے سوتم سب میری ہی عبادت کرو۝

لہٰذا تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہے' البتہ ان کی شریعتیں مختلف ہیں جیسا کہ آیت سے ظاہر ہے:

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا. (المائدہ: ۴۸) ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ شریعت اور دستور بنایا ہے۔

اور اس کی تائید میں یہ حدیث ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الانبیاء اخوة لعلات امهاتهم شتی ودینهم واحد. (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۴۳) انبیاء آپس میں باپ شریک بھائی ہیں' ان کی مائیں مختلف ہیں اور ان کا دین واحد ہے۔

دین اور شریعت کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ

قرآن مجید کی آیات اور مذکور الصدر اثر اور حدیث سے واضح ہو گیا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہے اور ان کی شریعتیں مختلف ہیں' اس لیے ضروری ہے کہ دین اور شریعت کی تعریف کی جائے۔ دین کا لغوی معنیٰ ہے: اطاعت اور شریعت کا لغوی معنیٰ ہے: راستہ' دین ان اصول اور عقائد کو کہتے ہیں جو تمام انبیاء علیہم السلام میں مشترک رہے ہیں مثلاً اللہ کے وجود' اس کی توحید اور اس کی صفات پر ایمان لانا' تمام نبیوں' رسولوں' آسمانی کتابوں پر' فرشتوں پر' تقدیر اور قیامت پر اور حشر ونشر پر ایمان لانا' اللہ کے شکر اور اس کی عبادت کا فرض ہونا' شرک' کفر' قتل' زنا اور جھوٹ کا حرام ہونا یہ تمام امور دین ہیں۔

اور شریعت کا معنیٰ یہ ہے کہ ہر نبی نے اپنے زمانہ کی خصوصیات کے اعتبار سے عبادت کے جو طریقے مقرر کیے' چند چیزوں کو فرض کیا اور چند چیزوں کو حرام کیا اور چند چیزوں کو مستحب قرار دیا اور چند چیزوں کو مکروہ قرار دیا' مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں مال غنیمت حلال نہ تھا' ہماری شریعت میں حلال ہے' ان کی شریعت میں مسجد کے سوا نماز جائز نہ تھی' ہماری شریعت میں تمام روئے زمین پر نماز جائز ہے' ان کی شریعت میں تیمم کی سہولت نہ تھی' ہماری شریعت میں عذر کے وقت تیمم کرنا جائز ہے۔

دین اور شریعت کے علاوہ ملت' مذہب اور مسلک کی بھی اصطلاحات ہیں' ان کی مفصل بحث ہم نے الفاتحہ: ۴ میں بیان کر دی ہے' وہاں مطالعہ فرمائیں۔

اس کے بعد فرمایا: ''جس دین کی آپ مشرکین کو دعوت دے رہے ہیں وہ ان پر بہت شاق اور بھاری ہے' اللہ ہی اس دین کی طرف چن لیتا ہے جس کو چاہے اور اسی کو اس دین کی طرف ہدایت دیتا ہے جو اس دین کی طرف رجوع کرتا ہے۝''

مشرکین کے ایمان نہ لانے کی وجہ

مشرکین مکہ کے اوپر ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا بہت بھاری تھا کیونکہ اوّل تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر سمجھتے تھے اور ان کے لیے یہ بات باعث عار تھی کہ وہ اپنے جیسے انسان پر ایمان لے آئیں اور اس کی اطاعت کریں' ان کے خیال میں نبی کو انسان کی بجائے فرشتہ ہونا چاہیے تھے' دوسرے یہ کہ ان کا تکبر اس بات سے مانع تھا کہ وہ ایسے شخص کی اطاعت کریں جو بہت زیادہ دولت مند ہے نہ کسی قبیلہ کا سردار ہے۔ جب کہ ان میں بہت دولت مند اور چودھری اور وڈیرے قسم کے لوگ تھے' اس لیے وہ آپ کی دعوت کو قبول نہیں کرتے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے منصب رسالت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے اور لوگوں پر لازم ہے کہ وہ اس کے اس رسول کی اطاعت اور اتباع

کریں جس کو اللہ تعالیٰ نے اس منصب کے لیے منتخب فرمالیا۔

اجتباء کا معنیٰ

اس آیت میں فرمایا ہے: ''اللہ یجتبی الیہ من یشاء'' اس کا مصدر اجتباء ہے اور اس کا مادہ جبی ہے' جبی کا معنیٰ ہے: جمع کرنا' عرب کہتے ہیں: ''حبیبت الماء فی الحوض'' یعنی میں نے حوض میں پانی جمع کرلیا' اسی طرح کہا جاتا ہے: ''حبیبت الخراج'' میں نے ٹیکس جمع کرلیا اور ٹیکس کو جبایہ کہتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

یُجْبٰٓى اِلَیْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ (القصص: ۵۷) مکہ کی طرف ہر درخت کے پھل جمع کر کے لائے جاتے ہیں۔

اور الاجتباء کا معنیٰ ہے: کسی چیز کو چن کر اور منتخب کر کے جمع کرنا اور اپنے ساتھ ملانا' قرآن مجید میں ہے:

كَذٰلِكَ یَجْتَبِیْكَ رَبُّكَ (یوسف: ۶) اسی طرح تمہارا رب تم کو منتخب فرمائے گا۔

(المفردات ج ۱ ص ۱۱۴' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

لہٰذا اس آیت کا معنیٰ ہے: اللہ جس کو چاہے منتخب فرما کر اپنے ساتھ ملا لیتا ہے اور رحمت اور تکریم کے ساتھ اپنے قریب کر لیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اس کو اس دین کی طرف ہدایت دیتا ہے جو اس دین کی طرف رجوع کرتا ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ کی طرف ایک بالشت قریب ہوتا ہے اللہ اس کی طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے اور جو اللہ کی طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے' اللہ اس کی طرف چار ہاتھ قریب ہوتا ہے اور جو اللہ کی طرف چل کر آتا ہے اللہ اس کی طرف دوڑتا ہوا آتا ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۴۰' طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۷ ص ۴۵۵' رقم الحدیث: ۱۱۳۶۱' مؤسسۃ الرسالۃ' ۱۴۲۰ھ' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۶۴۶' تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۱۵' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۹۶)

مجذوب اور سالک کی تعریفات

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کی استعداد اور صلاحیت کے اعتبار سے منتخب فرما کر اپنی بارگاہ میں مشرف فرماتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کو ہدایت دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے منتخب فرمانے کا معنیٰ یہ ہے کہ بندہ کی کسی سعی اور استحقاق کے بغیر اللہ تعالیٰ اپنے فیض سے اس کو نعمتیں عطا فرماتا ہے' یہ مرتبہ انبیاء علیہم السلام کا ہے اور ان کے بعد صدیقین' شہداء اور عباد صالحین کا مرتبہ ہے۔ علامہ ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۳۵ھ فرماتے ہیں:

مجذوب اس خاص بندہ کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ ازل میں منتخب فرما لیتا ہے اور اس کو اپنے محبوبین کے راستہ پر چلاتا ہے اور اس کو اپنے ساتھ خاص کر لیتا ہے اور اس کو دارین (دنیا اور آخرت) سے کھینچ کر اپنے ساتھ ملا لیتا ہے۔

سالک ان عام بندوں میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ اپنے محبین کے راستہ پر چلاتا ہے جن کو ہدایت کی توفیق دی جاتی ہے' وہ اپنی لغزشوں سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہوتے ہیں۔ (روح البیان ج ۸ ص ۳۹۸)

خلاصہ یہ ہے کہ صاحب الاجتباء مجذوب ہے اور صاحب الانابت سالک ہے۔

علامہ عبد النبی بن عبد الرسول الاحمد نگری لکھتے ہیں:

مجذوب مجنون ہے اور صوفیاء کے نزدیک مجذوب وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے لیے پسند اور منتخب فرما لیتا ہے اور اس کو اپنی بارگاہ انس کے ساتھ خاص کر لیتا ہے اور اس کو اپنی جناب قدس پر مطلع فرماتا ہے تو اس کو کسب کی مشقت کے بغیر تمام مقامات اور مراتب حاصل ہو جاتے ہیں۔ (دستور العلماء ج ۳ ص ۱۵۴-۱۵۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ عبدالنبی نے یہ تعریف میر سید شریف متوفی ۸۱۶ھ کی کتاب "التعریفات" ص ۱۴۲ سے نقل کی ہے۔ البتہ میر سید شریف نے مجذوب کی تعریف میں مجنون کا لفظ نہیں لکھا۔

نیز علامہ عبدالنبی احمد نگری لکھتے ہیں:

سالک وہ شخص ہے جو اپنے حال کے سبب سے مقامات پر گامزن ہو نہ کہ اپنے علم کی وجہ سے' اس کو جو علم حاصل ہوتا ہے وہ مشاہدہ سے ہوتا ہے اور اس کے علم میں گم راہی میں ڈالنے والے شبہات نہیں ہوتے۔ (دستور العلماء ج ۲ ص ۱۱۵' بیروت)

علامہ عبدالنبی نے یہ تعریف بھی میر سید شریف کی کتاب "التعریفات" ص ۸۴ سے لفظ بہ لفظ نقل کی ہے۔

جذب اور سلوک کا معنیٰ سکر اور صحو کے قریب ہے' علامہ عبدالکریم قشیری متوفی ۴۶۵ھ نے سکر اور صحو کے معنیٰ بیان کیے ہیں' ہم ان کا خلاصہ لکھ رہے ہیں:

جب اللہ کے بندوں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت اور اس کے خوف کا غلبہ ہوتا ہے تو ان کے دل لوگوں سے دور ہو جاتے ہیں اور یہ حالت سکر ہے' نیز لکھتے ہیں: جب ان پر اللہ تعالیٰ کے جمال کا غلبہ ہوتا ہے اور ان کی روح خوش ہوتی ہے تو یہ حالت سکر ہے اور جب بندہ کے دل پر قوی واردات ہوں تو وہ لوگوں سے منقطع ہو جاتا ہے اور یہ حالت سکر ہے اور جب یہ کیفیت منقطع ہو جاتی ہے اور وہ لوگوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو یہ حالت صحو ہے اور بندہ حالت سکر میں حال کا مشاہدہ کرتا ہے اور حالت صحو میں علم کا مشاہدہ کرتا ہے۔ (الرسالۃ القشیریہ ص ۱۰۷۔۱۰۶' ملخصاً' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

شیخ شہاب الدین عمر بن محمد سہروردی لکھتے ہیں:

جب بندہ پر حال کا غلبہ اور اس کا تسلط ہو تو وہ سکر ہے اور جب وہ اپنے اقوال اور افعال کی ترتیب کی طرف لوٹ آئے تو وہ صحو ہے۔ محمد بن خفیف نے کہا: جب محبوب کے ذکر سے دل میں جوش پیدا ہو تو وہ سکر ہے اور الواسطی نے کہا: وجد کے چار مقام ہیں: (۱) ذہول (۲) حیرت (۳) سکر (۴) پھر صحو' جیسے ایک آدمی پہلے سمندر کے متعلق صرف سنتا ہے' پھر اس کے قریب ہوتا ہے' پھر اس میں داخل ہوتا ہے' پھر اس کو موجیں پکڑ لیتی ہیں' پس اس بناء پر جس شخص کے دل میں وجد کا اثر باقی رہے اس پر سکر کا اثر ہے اور جس کی ہر چیز اپنے مستقر کی طرف لوٹ آئے وہ صاحب صحو ہے۔

(عوارف المعارف ص ۲۴۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

امام رازی کے نزدیک اصول اور عقائد میں قیاس جائز نہیں اور فروع اور احکام میں قیاس جائز ہے

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ نے نفی قیاس پر ایک اور دلیل ذکر کی ہے' وہ لکھتے ہیں:

قیاس کا انکار کرنے والوں نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے الشوریٰ: ۱۳ میں یہ خبر دی ہے کہ تمام اکابر انبیاء علیہم السلام کا اس پر اتفاق ہے کہ دین کو اس طرح قائم کرنا واجب ہے کہ اس سے اختلاف اور تنازع نہ پیدا ہو اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر بہ طور احسان یہ ذکر فرمایا ہے کہ اس نے ان کی اس دین کی طرف رہ نمائی کی ہے جو تفرق اور مخالفت سے خالی ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ قیاس بہت زیادہ افتراق اور انتشار کا دروازہ کھولتا ہے' کیونکہ مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہے کہ جن لوگوں نے اپنے دین کی بنیاد قیاسی دلائل پر رکھی وہ مختلف فرقوں میں بٹ گئے اور قیامت تک ان کے درمیان اتفاق پیدا ہونے کی کوئی امید نہیں ہے' پس واجب ہوا کہ قیاس کرنا حرام اور ممنوع ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۸۷' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کی اس تفسیر سے یہ تاثر نہ لیا جائے کہ وہ مطلقاً قیاس کے منکر ہیں' وہ درحقیقت دین کے اصول اور عقائد میں قیاس کو باطل کہتے ہیں اور فروع اور احکام میں قیاس کو جائز کہتے ہیں' الحشر: ۲ کی تفسیر میں وہ لکھتے ہیں:

ہم نے اپنی کتاب ''المحصول من اصول الفقه'' میں یہ لکھا ہے کہ قیاس حجت ہے' سو ہم ان دلائل کو یہاں ذکر نہیں کریں گے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۵۰۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے ''المحصول'' میں قیاس کے حجت ہونے پر جو دلائل پیش کیے ہیں' ہم بہت اختصار کے ساتھ ان کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں تاکہ اس مسئلہ میں امام رازی کا موقف واضح ہو جائے۔

امام رازی فرماتے ہیں:

قاضی ابوبکر اور ہمارے جمہور محققین کے نزدیک قیاس کی مختار تعریف یہ ہے:

ایک معلوم کو دوسرے معلوم پر کسی حکم کے اثبات یا نفی کے لیے محمول کرنا جب کہ ان دونوں میں کوئی امر جامع اور مشترک ہو۔

اس کی دوسری تعریف حسن بصری سے منقول ہے کہ اصل کے حکم کو فرع پر لاگو کرنا کیونکہ مجتہد کے نزدیک دونوں میں حکم کی علت مشترک ہے۔ یہ تعریف زیادہ واضح ہے۔ (المحصول ج ۳ ص ۱۰۷۹۔۱۰۷۱' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

امام رازی نے حسب ذیل آیات سے قیاس کے حجت ہونے پر استدلال کیا ہے:

فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ ○ (الحشر: ۲) اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو ○

وجہ استدلال یہ ہے کہ اعتبار اور عبرت کا معنیٰ ہے: عبور کرنا اور تجاوز کرنا' یعنی اصل کے حکم سے فرع کے حکم کی طرف تجاوز کرو' اس کے علاوہ مزید یہ آیات ہیں:

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ○ (آل عمران: ۱۳' النور: ۴۴) بے شک اس میں آنکھوں والوں کے لیے عبرت ہے (یعنی نصیحت ہے) ○

اِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً. (النحل: ۶۶' النور: ۲۱) بے شک تمہارے لیے مویشیوں میں ضرور عبرت ہے یعنی نصیحت ہے۔

(المحصول ج ۲ ص ۱۰۹۰۔۱۰۸۹)

امام رازی نے حسب ذیل احادیث سے بھی قیاس کی مشروعیت پر استدلال کیا ہے:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: آیا روزہ دار بوسا لے سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: اگر تم پانی سے غرارے کرو' پھر کلی کرو تو کیا تم اس پانی کو پینے والے ہو؟ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۳۸۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۶۱۔ ۶۰' مسند احمد ج ۱ ص ۲۱' المستدرک ج ۱ ص ۴۳۱' سنن بیہقی ج ۴ ص ۲۶۱' جامع المسانید والسنن مسند عمر بن الخطاب رقم الحدیث: ۶۲)

وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غرارے کو بوسے پر قیاس فرمایا کہ جس طرح پانی کو نگلے بغیر غرارے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اسی طرح بغیر انزال کے بوسے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (المحصول ج ۳ ص ۱۱۰۴۔۱۱۰۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا کہ میری ماں فوت ہو گئی ہے اور اس پر ایک ماہ کے روزے تھے' کیا میں اس کی طرف سے روزے رکھوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اللہ کا قرض ادا کیے جانے کا زیادہ مستحق ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹۵۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۴۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۱۰' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۷۷۲)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حق کو بندہ کے حق پر قیاس کیا ہے۔ (المحصول ج ۳ ص ۱۱۰۵)

کیونکہ عبادات بدنیہ میں نیابت جائز نہیں ہے اس لیے یہ حدیث روزے کے فدیہ پر محمول ہے' عبادات بدنیہ میں نیابت جائز نہ ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام مالک بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا: کیا کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے روزہ رکھ سکتا ہے یا کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے نماز پڑھ سکتا ہے؟ انہوں نے کہا: کوئی شخص کسی کی طرف سے روزہ سکتا ہے اور نہ کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے نماز پڑھ سکتا ہے۔

(موطا امام مالک ج ۱ص ۲۷۹' کتاب الصیام رقم الحدیث: ۴۳' الرقم المسلسل: ۶۸۸' دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اور فدیہ کے وجوب پر دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص فوت ہو جائے اور اس پر ایک ماہ کے روزے ہوں تو اس کے ہر روزے کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۷۱۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۵۷' جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۲۷۱۴)

امام رازی فرماتے ہیں:

قیاس سے استدلال کرنے پر صحابہ کا اجماع ہے' کیونکہ بعض صحابہ نے قیاس پر عمل کیا ہے اور کسی صحابی نے اس پر انکار نہیں کیا' بعض صحابہ کے قیاس پر عمل کرنے کی دلیل یہ ہے: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا: اشباہ اور نظائر کی معرفت حاصل کرو اور اپنی رائے سے دوسرے امور کو ان پر قیاس کرو۔

(المحصول ج ۴ص ۱۱۰۶)

اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ امام رازی احکام شرعیہ فرعیہ میں قیاس سے استدلال کرنے کے قائل ہیں اور الشوریٰ: ۱۳ میں جو انہوں نے قیاس پر انکار کیا ہے اس سے مراد اصول اور عقائد میں قیاس سے استدلال کرنا ہے' البتہ انہوں نے الشوریٰ: ۱۰ میں جو قیاس کا رد کیا ہے اس کی توجیہ مشکل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے اسی وقت تفرقہ ڈالا تھا جب ان کے پاس علم آ چکا تھا اور وہ تفرقہ بھی باہمی سرکشی کی وجہ سے تھا اور اگر آپ کے رب کی طرف سے (نزول عذاب کی) ایک میعاد مقرر نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا اور بے شک جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب دی گئی ہے وہ بھی اس کے متعلق الجھن میں ڈالنے والے شک میں ہیں O پس اسی قرآن کے متعلق آپ دعوت دیں اور جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ اسی پر مستقیم (برقرار) رہیں اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کریں اور آپ کہیے: میں ان تمام چیزوں پر ایمان لایا جو اللہ نے کتاب میں نازل کی ہیں اور مجھے تمہارے درمیان عدل کرنے کا حکم دیا گیا ہے' اللہ ہمارا رب ہے اور تمہارا رب ہے' ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں' ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی ذاتی جھگڑا نہیں ہے' اللہ ہم سب کو جمع فرمائے گا اور اسی کی طرف (سب کو) لوٹنا ہے O

(الشوریٰ: ۱۵-۱۴)

انبیاء علیہم السلام کے بعد دین میں تفرقہ ڈالنے والے کون تھے؟ عرب یا اہل کتاب؟

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اس دین پر ایمان لائیں جو حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر تمام نبیوں اور رسولوں میں مشترک رہا ہے اور جن لوگوں نے بھی اس متفق علیہ دین کی مخالفت کی وہ جان بوجھ کر کی' حالانکہ انہیں اس بات کا علم تھا کہ یہی دین برحق ہے اور اس کی مخالفت گمراہی ہے' لیکن انہوں نے محض سرکشی اور اپنی ریاست

قائم کرنے کے۔ لیے اس دین کی مخالفت کی اور انہوں نے محض اپنا تفوق اور برتری ظاہر کرنے کے لیے اور لوگوں کو اپنے خود ساختہ نظریات کا پیروکار بنانے کے لیے اس دین کی مخالفت کی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ وہ اس دین کی مخالفت کرنے کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہو گئے' لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر فوراً عذاب نازل نہیں کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس عذاب کو نازل کرنے کی ایک میعاد مقرر ہے' نزول عذاب کی وہ میعاد کون سی ہے' یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دنیا میں عذاب نازل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی وقت مقرر ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دے۔

باقی رہا یہ کہ وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے اس اتفاقی دین کی مخالفت کی' بعض مفسرین نے کہا: اس سے مراد عرب ہیں' لیکن صحیح یہ ہے کہ اس سے اہل کتاب میں سے یہود اور نصاریٰ مراد ہیں جیسا کہ حسب ذیل آیات سے واضح ہے۔

وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ۔ (آل عمران:۱۹)

اور اہل کتاب نے آپس میں سرکشی کی وجہ سے اس کے بعد ہی اختلاف کیا ہے جب ان کے پاس علم آ چکا تھا۔

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ (البینۃ:۴)

اور اہل کتاب نے اس کے بعد ہی تفرقہ کیا ہے جب ان کے پاس کتاب آ چکی تھی ۝

اس لیے اس آیت (الشوریٰ:۱۳) سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے' وہ اس کتاب کے متعلق الجھن میں ڈالنے والے شک میں مبتلا تھے۔

الشوریٰ: ۱۵ سے دس مسائل کا استنباط

الشوریٰ: ۱۵ میں فرمایا: ''پس آپ اسی قرآن کے متعلق دعوت دیں اور جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ اسی پر مستقیم (برقرار) رہیں اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کریں اور آپ کہیے: میں ان تمام چیزوں پر ایمان لایا جو اللہ نے کتاب میں نازل کی ہیں اور مجھے تمہارے درمیان عدل کرنے کا حکم دیا گیا' اللہ ہمارا رب ہے اور تمہارا رب ہے' ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں' ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی ذاتی جھگڑا نہیں ہے' اللہ ہم سب کو جمع فرمائے گا اور اسی کی طرف (سب کو) لوٹنا ہے ۝''

یہ آیت کریمہ دس مستقل کلمات پر مشتمل ہے اور ہر کلمہ دوسرے سے منفصل ہے اور آیت الکرسی کے علاوہ اس آیت کی اور کوئی نظیر نہیں ہے' اس میں بھی دس فصول ہیں' اب ہم ان دس کلمات کی تفصیل کر رہے ہیں۔

(۱) پس آپ اسی قرآن کے متعلق دعوت دیں کیونکہ اہل کتاب نے اپنی ہوائے نفس سے دین میں مختلف فرقے بنا لیے ہیں' اس لیے آپ صرف ملت اسلام کی دعوت دیں' جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور آپ سے پہلے ان رسولوں کی طرف وحی کی ہے جن کی شرائع کی پیروی کی جاتی ہے اور تمام لوگوں کو اسی دین کی پیروی کی دعوت دیں۔

(۲) اور جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ اسی پر مستقیم (برقرار) رہیں۔ یعنی آپ اور آپ کے متبعین صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت پر مستقیم رہیں' جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے اور اس سے سرمو انحراف نہ کریں اور یہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے' آپ ہی اللہ تعالیٰ کے احکام پر اس طرح عمل کر سکتے ہیں کہ اس کے حکم سے بالکل ادھر ادھر نہ ہوں' ورنہ آپ نے امت کے لیے فرمایا:

استقیموا ولن تحصوا. مستقیم رہو اور تم ہرگز نہ رہ سکو گے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۷، المسند ج ۱۱ ص ۱۳۰، السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۸۲)

یعنی تم اللہ تعالیٰ کے احکام پر اس طرح جمے نہیں رہ سکتے جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے پس استقامت کی حقیقت کی طاقت صرف انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہے یا اکابر اولیاء کو۔

(۳) اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کریں۔ یعنی اہل کتاب کی باطل خواہشوں اور مشرکین کے کذب و افتراء کی پیروی نہ کریں۔ کیونکہ مشرکین کی خواہش تھی کہ آپ ان کے بتوں کی تعظیم کریں یا کم از کم ان کو بُرا نہ کہیں اور یہود و نصاریٰ کی خواہش تھی کہ آپ ان کے قبلہ کی پیروی کریں اور تورات اور انجیل کے احکام کو منسوخ نہ کریں اور سب سے بڑی مصیبت اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں اپنی خواہش پر عمل کرنا ہے' قرآن مجید میں ہے:

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ. (الفرقان: ۴۳) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ. (القصص: ۵۰) اور اس سے زیادہ گم راہ اور کون ہوگا جو اللہ کی طرف سے ہدایت کے بغیر اپنی خواہش کی پیروی کرے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دانائی کی آفت شیخی بگھارنا اور ڈینگ مارنا ہے اور بہادری کی آفت بغاوت ہے اور سخاوت کی آفت احسان جتلانا ہے اور جمال کی آفت تکبر ہے اور عبادت کی آفت سستی ہے اور باتوں کی آفت جھوٹ بولنا ہے اور علم کی آفت نسیان ہے اور حلم کی آفت جہالت ہے اور حسب و نسب کی آفت فخر ہے اور سخاوت کی آفت فضول خرچی ہے اور دین کی آفت نفسانی خواہشوں پر عمل کرنا ہے۔

(کنز العمال رقم الحدیث: ۴۴۱۲۱' یہ حدیث المعجم الکبیر' شعب الایمان' الجامع الصغیر اور جمع الجوامع میں بھی ہے' لیکن ان میں دین کی آفت کا ذکر نہیں ہے)

(۴) اور آپ کہیے: میں ان تمام چیزوں پر ایمان لایا جو اللہ نے کتاب میں نازل کی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں اور صحائف نازل کیے ہیں' میں ان سب پر ایمان لایا' ان لوگوں کی طرح نہیں جو بعض کتابوں پر ایمان لائے اور بعض پر نہیں۔

(۵) اور مجھے تمہارے درمیان عدل کرنے کا حکم دیا۔ یعنی احکام شرعیہ کو نافذ کرنے میں معزز لوگوں اور پست طبقہ کے لوگوں کے درمیان فرق نہ کیا جائے اور مقدمات کا فیصلہ کرنے میں کسی کی رو رعایت نہ کی جائے اور امیر اور غریب کا فرق نہ کیا جائے۔

(۶) اللہ ہمارا رب ہے اور تمہارا رب ہے۔ یعنی ہمارا خالق اور ہمارا مالک اور ہمارے تمام معاملات کا والی اللہ تعالیٰ ہے اور وہی ہماری عبادات کا مستحق ہے نہ کہ بت اور نفسانی خواہشیں۔

(۷) ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں' یعنی ہم نے جو نیک اعمال کیے ہیں ہم اللہ کے فضل سے ان کی جزاء کے امید وار ہیں اور ہم نے جو بُرے کام کیے ہیں ہم ان کی سزا کے مستحق ہیں' الا یہ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمادے اور تم نے جو اعمال کیے ہیں تم ان کے انجام کے مستحق ہو' ہمیں تمہاری نیکیوں سے کسی فیض کی توقع نہیں اور نہ تمہاری برائیوں سے ہمیں کوئی ضرر ہوگا۔

(۸) ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی ذاتی جھگڑا نہیں ہے۔ یعنی ہمارے اور تمہارے درمیان جو مخالفت ہے وہ صرف اللہ کے لیے ہے' اگر تم اللہ کی توحید کا اقرار کر لو تو تم ہمارے بھائی ہو۔ یہ حکم آیت جہاد کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے' اب

ہمارے اور ان کے درمیان تلوار ہے نیز اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب کفار کے سامنے دلائل نہیں پیش کیے جائیں گے' بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کفار دلائل سے آپ کا صدق جان چکے ہیں اور محض ہٹ دھرمی کر رہے ہیں' اس لیے اب ان کے سامنے دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۹) اللہ ہم سب کو جمع فرمائے گا۔ یعنی قیامت کے دن اور اس دن ان باتوں کا فیصلہ ہو جائے گا جن میں تم ہماری مخالفت کرتے ہو۔

(۱۰) اور اسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے' اس دن اللہ تعالیٰ ہی حاکم ہوگا اور وہی ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ اللہ کی دعوت کے مقبول ہونے کے باوجود اس میں جھگڑا کرتے ہیں ان کی کٹ حجتی ان کے رب کے نزدیک باطل ہے اور ان پر غضب ہے اور سخت عذاب ہے O اللہ ہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب کو نازل فرمایا اور میزان کو قائم فرمایا اور (اے مخاطب!) تجھے کیا پتا شاید کہ قیامت قریب ہو O اس کے جلد آنے کا مطالبہ وہی کرتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے اور جو لوگ قیامت کے آنے پر یقین رکھتے ہیں وہ اس کے آنے سے ڈرتے ہیں اور ان کو یقین ہے کہ وہ برحق ہے' سنو! جو لوگ قیامت کے وقوع میں جھگڑتے ہیں' وہ پرلے درجہ کی گم راہی میں ہیں O اللہ اپنے بندوں پر بہت نرمی کرنے والا ہے' وہ جس کو چاہتا ہے رزق دیتا ہے اور وہ بہت قوت والا' بے حد غلبہ والا ہے O (الشوریٰ ۱۹۔۱۶)

اسلام کے خلاف یہود کا اعتراض اور امام رازی کی طرف سے اس کا جواب

جب عام لوگوں نے دین اسلام کو قبول کر لیا اس کے باوجود یہودی اسلام پر اعتراض کرتے رہے اور یہ کہتے رہے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت پر سب کا اتفاق نہیں ہے' اس کے برعکس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر اور تورات کے آسمانی کتاب ہونے پر سب متفق ہیں اور مختلف فیہ کے بجائے متفق علیہ شخص کو نبی ماننا چاہیے اور اس کے دین اور اس کی کتاب کو تسلیم کرنا چاہیے' اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ یہود کی حجت باطل ہے' یہود کی حجت باطل ہونے کی ایک وجہ وہ ہے جو امام رازی نے بیان فرمائی ہے اور چند وجوہ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس ناکارہ کے ذہن میں القاء فرمائی ہیں' پہلے ہم امام رازی کی بیان کی ہوئی وجہ بیان کر رہے ہیں۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ بیان فرماتے ہیں:

تمام یہود اس پر متفق ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اس لیے ایمان لانا واجب ہے کہ انہوں نے معجزات پیش کیے تھے اور یہود نے ان معجزات کا مشاہدہ کیا' پس اگر معجزہ کا مشاہدہ نبی کے صدق کی دلیل ہے تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق بھی واجب ہے' کیونکہ آپ نے بھی معجزات پیش کیے ہیں' ورنہ حضرت موسیٰ کی تصدیق بھی ثابت نہیں ہوگی اور جب معجزہ نبی کے صدق کو مستلزم ہے تو جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت ثابت ہوگی تو اسی طرح معجزات کی بناء پر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بھی ثابت ہوگی (امام رازی کے جواب سے شریعت محمد کی شریعت موسیٰ پر ترجیح ثابت نہیں ہوتی بلکہ دونوں شریعتوں کا برابر ہونا ثابت ہوتا ہے)۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۹۰' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

یہود کے اعتراض کا جواب مصنف کی طرف سے

مصنف کے نزدیک یہود کی دلیل حسب ذیل وجوہ سے باطل ہے:

(۱) یہود نے یہ کہا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کی کتاب یعنی قرآن مجید مختلف فیہ ہے' اس کے برعکس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور ان کی کتاب یعنی تورات متفق علیہ ہے' ان کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے' کیونکہ تورات کا تو

نفس وجود اور ثبوت مختلف فیہ ہے۔ ہر چند سال بعد اس کے ایڈیشن میں ترمیم اور تحریف ہو جاتی ہے' تورات کے ۱۹۲۷ء کے ایڈیشن میں لکھا ہے: دس ہزار قدسیوں میں سے آیا۔ (استثناء باب: ۳۳ آیت: ۲ مطبوعہ لاہور) اور ۱۹۹۲ء کے ایڈیشن میں لکھا ہے: لاکھوں قدسیوں میں سے آیا۔ (مطبوعہ لاہور)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب میں خود تعارض اور اختلاف ہے' جس زبان میں یہ کتاب نازل ہوئی اب وہ زبان بھی موجود نہیں ہے' غرض یہ کہ یہ کتاب فی نفسہ مختلف فیہ ہے' اس کے برخلاف قرآن مجید متفق علیہ ہے' کوئی شخص نہیں بتا سکتا کہ قرآن مجید کی فلاں آیت پہلے اس طرح تھی اب اس طرح نہیں ہے اور تورات کی بہت سی آیات کے متعلق ثابت کیا جا چکا ہے کہ وہ بدل چکی ہیں' پس تورات کا تو اپنا وجود اختلافی ہے اور قرآن کا اپنا وجود اتفاقی ہے' لہٰذا تورات کے مقابلہ میں قرآن مجید پر ہی ایمان لانا چاہیے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے بجائے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر ایمان لانا چاہیے۔

(۲) موجودہ تورات میں لکھا ہے کہ: نوح نشہ میں اپنے ڈیرہ میں برہنہ ہو گیا۔ (پیدائش باب: ۱۰' آیت: ۲۰) لوط کی بیٹیوں نے اپنے باپ کو شراب پلائی اور اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں۔ (پیدائش' باب: ۱۹' آیت: ۳۸-۳۲) داؤد نے ایک عورت کو برہنہ دیکھا' اس پر عاشق ہوئے' اس کے خاوند کو لڑائی میں مروا دیا اور اس کو بیوی بنا لیا۔ (سموئیل' باب: ۱۱' آیت ۲۷-۲ ملخصاً) سلیمان اجنبی عورتوں سے محبت کرتا تھا۔ (سلاطین' باب: ۱۱' آیت: ۱) موجودہ تورات نے انبیاء علیہم السلام کو عیاش اور بدکردار بتایا ہے' سو تورات کی تعلیم سے لوگ کس طرح نیک بنیں گے' اس کے برخلاف قرآن مجید انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرماتا ہے: ''كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝'' (الانعام: ۸۵) تمام انبیاء صالح اور نیک ہیں' اس لیے ضروری ہے کہ موجودہ تورات کے مقابلہ میں قرآن مجید پر ایمان لایا جائے کہ اسی کی آیات نیکی کی تلقین میں مؤثر ہیں۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت صرف بنی اسرائیل کے لیے تھی' دنیا کے تمام لوگوں کے لیے نہ تھی' یہی وجہ ہے کہ اب بھی یہودی بنی اسرائیل کے علاوہ اور کسی شخص کو تبلیغ کرتے ہیں نہ اپنے دین میں داخل کرتے ہیں' اس کے برعکس سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت دنیا کے تمام لوگوں اور تمام بنی نوع انسان کے لیے ہے' اس لیے تورات کے بجائے قرآن مجید پر ایمان لانا واجب ہے۔

(۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بہت سخت احکام ہیں: اگر گناہ ہو جائے تو اس کی توبہ قتل کرنا ہے اور کپڑے پر نجاست لگ جائے تو پاک کرنے کے لیے اس حصہ کا کاٹنا ضروری ہے' مال غنیمت حلال نہیں ہے' پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کی سہولت نہیں' مسجد کے سوا کہیں نماز نہیں پڑھ سکتے۔ اس کے برعکس سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں توبہ کے لیے صرف صدقِ دل سے معافی مانگنا کافی ہے' کپڑے پر نجاست لگ جائے تو اسے پاک کرنے کے لیے صرف پانی سے دھو لینا کافی ہے' مال غنیمت حلال ہے' پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کرنا کافی ہے اور تمام روئے زمین پر نماز پڑھنا جائز ہے تو جس شریعت میں احکام آسان ہوں وہ اس شریعت پر راجح ہے جس کے احکام آسان نہ ہوں سو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شریعت پر ایمان لانا واجب ہے۔

(۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت جن معجزات سے ثابت ہوئی مثلاً عصا اور ید بیضاء آج دنیا میں وہ معجزات نہیں ہیں اور ہمارے نبی سیدنا محمد علیہ السلام کی نبوت قرآن سے ثابت ہوئی اور وہ جس طرح چودہ سو سال پہلے معجز تھا آج بھی معجز ہے' نہ چودہ سو سال پہلے اس کی کوئی نظیر لا سکا تھا نہ آج لا سکا' نہ چودہ سو سال پہلے اس میں کوئی کمی یا زیادتی ہوئی نہ آج تک

ہو سکی، نہ قیامت تک ہو سکے گی۔ سو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہی واجب الاتباع ہے۔

(۶) موجودہ تورات میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا حکم موجود ہے:

خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا، تم اس کی سننا۔ (استثناء باب:۱۸، آیت:۱۵)

اور حدیث میں ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل کتاب سے کسی چیز کا سوال نہ کرو وہ تم کو ہرگز ہدایت نہیں دیں گے وہ خود گم راہ ہو چکے ہیں، تم (ان کی اتباع میں) یا کسی باطل چیز کی تصدیق کرو گے یا کسی حق کا انکار کرو گے، پس بے شک اگر حضرت موسیٰ تمہارے سامنے زندہ ہوتے تو میری پیروی کے سوا ان کے لیے کوئی چیز جائز نہ تھی۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۸ طبع قدیم، مسند احمد ج ۲۲ ص ۴۶۸، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۹ھ، مسند البزار رقم الحدیث: ۱۲۴، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۱۳۵، سنن بیہقی ج ۲ ص ۱۱۔۱۰، شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۷۹، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۰۱۵۸، جامع المسانید والسنن مسند جابر: ۳۱۰، اس کی بعض اسانید میں جابر جعفی ہے اور وہ ضعیف راوی ہے لیکن امام بزار کی سند میں جابر جعفی نہیں ہے، اس میں بزار ہے لہٰذا اس سند پر کوئی اعتراض نہیں ہے)

بہر حال اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے بجائے، ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو قبول کرنا واجب ہے اور یہودیوں نے جو اسلام کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ کی شریعت کی ترجیح پر حجت قائم کی ہے وہ باطل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ. (الشوریٰ:۱۶) ان کی حجت زائل ہونے والی ہے۔

''داحضة'' کا معنیٰ

اس آیت میں ''داحضة'' کا لفظ ہے، یہ دحض سے بنا ہے، اس کا معنیٰ ہے: کسی چیز کا زائل ہونا اور پھسلنا۔ علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ نے لکھا ہے: ''دحض برجله'' کا معنیٰ ہے: اس کا پیر پھسل گیا اور ''والشمس زالت'' کا معنیٰ ہے: دھوپ زائل ہو گئی۔ ''والحجة دحوضاً'' کا معنیٰ ہے: دلیل باطل ہو گئی۔ (القاموس: ۶۴۲، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے: اس کے معنیٰ ہے: باطل ہونا، زائل ہونا، قرآن مجید میں ہے:

وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ. (الکہف:۵۶) کفار باطل کے سہارے جھگڑتے ہیں تاکہ اس سے حق کو ڈگمگا دیں۔

(المفردات ج ۱ ص ۲۲۱، مکتبہ نزار مصطفیٰ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ محمد بن مکرم بن منظور افریقی مصری متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں: دحض کا معنیٰ ہے: پھسلنا، حدیث میں ہے:

ان دون جسر جهنم طريقا ذا دحض. دوزخ کے پاس پھسلنے والا راستہ ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۹)

كرهت ان اخرجكم فتمشون فى الطين الدحض. (صحیح بخاری رقم الحدیث: ۹۰۱) میں نے تمہیں گھر سے نکالنے کو ناپسند کیا کہ تم کیچڑ اور پھسلن میں چلو گے۔

(لسان العرب ج ۵ ص ۲۲۳' دار صادر' بیروت' ۲۰۰۳ء)

علامہ ابن منظور کی نقل کردہ احادیث دراصل علامہ ابن اثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ نے پیش کی ہیں۔

(النہایہ ج ۲ ص ۹۹۔۹۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

الشوریٰ: ۱۸۔۱۷ کا خلاصہ

الشوریٰ: ۱۸۔۱۷ میں فرمایا: ''اللہ ہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب کو نازل فرمایا اور میزان کو قائم فرمایا اور (اے مخاطب!) تجھے کیا پتا شاید کہ قیامت قریب ہو O اس کے جلد آنے کا مطالبہ وہی کرتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے اور جو لوگ قیامت کے آنے پر یقین رکھتے ہیں وہ اس کے آنے سے ڈرتے ہیں O'' الایۃ

اللہ تعالیٰ نے جب اسلام کے برحق ہونے پر دلائل قائم فرما دیئے تو اسلام کے مخالفین کو قیامت کے وقوع سے ڈرایا' اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو نازل فرمایا ہے جس میں انواع واقسام کے دلائل اور براہین ہیں' سابقہ امتوں کے نیک لوگوں کے اعمال صالحہ اور بدکاروں اور منکروں کے عبرت ناک انجام کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ نے میزان کو نازل کیا ہے جس میں اعمال کا وزن کیا جائے گا اور کسی شخص کو یہ معلوم نہیں کہ قیامت کب آئے گی اور قیامت آنے کے بعد کسی شخص کو بُرے کاموں سے بچنے اور ان پر توبہ کرنے اور نیک کاموں کے کرنے کی مہلت نہیں ملے گی' اس لیے ہر صاحب عقل شخص پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بیان کی ہوئی آیات میں غور وفکر کرے' اپنے آباء واجداد کی اندھی تقلید اور روایت پرستی کے روگ کو ترک کرے اور اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لائے' بُرے کاموں اور رسم ورواج کے جھوٹے بندھنوں کو توڑ دے اور نیک کاموں کو اختیار کرے۔

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافروں اور مشرکوں کو عموماً قیامت کے اچانک واقع ہونے سے ڈراتے رہتے تھے اور اہل مکہ نے ابھی تک وقوع قیامت کی علامات سے کوئی علامت نہیں دیکھی تھی اس لیے وہ آپ کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے تھے کہ قیامت کب قائم ہوگی؟ کاش قیامت ہو جاتی حتیٰ کہ ہم کو بھی پتا چل جاتا کہ آیا ہم حق پر ہیں یا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حق پر ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: اس کے جلد آنے کا مطالبہ وہی کرتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے اور جو لوگ قیامت کے آنے پر یقین رکھتے ہیں وہ اس کے آنے سے ڈرتے ہیں۔

میزان کا لغوی اور شرعی معنیٰ

اس آیت میں ''میزان'' کا لفظ ہے' علامہ محمد بن یعقوب فیروز آبادی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں: میزان کا معنیٰ ہے: عدل اور مقدار۔ (القاموس المحیط ص ۱۲۳۸' موسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

علامہ محمد بن مکرم بن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

میزان اس آلہ کو کہتے ہیں جس سے چیزوں کا وزن کیا جاتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ — قیامت کے دن ہم انصاف کی میزانوں کو رکھیں گے۔

(الانبیاء: ۴۷)

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۭ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۭ — پس رہا وہ جس (کی نیکیوں) کے پلڑے بھاری ہوں گے O تو وہ پسندیدہ زندگی میں ہوگا O اور رہا وہ جس (کی نیکیوں) کے پلڑے ہلکے ہوں گے O تو وہ ھاویہ (دوزخ کی گہرائی' تہ)

(القارعۃ: ۹۔۶)

میں ہوگاO

زجاج نے کہا: قیامت کے دن جس میزان کا ذکر ہے اس کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے' ایک تفسیر یہ ہے کہ میزان کے دو پلڑے ہیں اور دنیا میں میزان (ترازو) کو اس لیے نازل کیا گیا ہے کہ لوگ اس کے ساتھ عدل کریں اور قیامت کے دن اس میں لوگوں کے اعمال کا وزن کیا جائے گا' بعض علماء نے کہا: میزان اس کتاب کا نام ہے جس میں مخلوق کے اعمال لکھے ہوئے ہیں۔ ابن سیدہ نے کہا: حدیث میں ہے کہ میزان کے دو پلڑے ہیں۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۰)

(لسان العرب ج ۱۵ ص ۲۰۵' دار صادر' بیروت' ۲۰۰۳ء)

میزان کا شرعی معنیٰ یہ ہے: وہ چیز جس میں حقوق واجبہ کا وزن کیا جائے عام ازیں کہ وہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد ہوں اور اس کا لغوی معنیٰ ہے: عدل کا آلہ اور وزن کا معنیٰ ہے: کسی چیز کی مقدار کی معرفت' اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر میزان عقل رکھ دی ہے جس سے خیر اور شر اور حسن اور قبح کا ادراک کیا جاتا ہے' اسی میزان عقل کو عرف میں ضمیر سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ہر مسلمان کے دل میں ایک میزان شرع ہوتی ہے جس سے وہ احکام شرعیہ کا وزن کرتا ہے اور کسی بھی کام کے ارادے کے وقت وہ میزان اس کو بتاتی ہے کہ وہ کام اس کے لیے شرعاً جائز ہے یا ناجائز' قرآن مجید میں ہے:

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ۙO وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗO (القیامۃ: ۱۵-۱۴)

بلکہ انسان کو اپنے نفس پر بصیرت حاصل ہےO خواہ وہ کتنی تاویلات کرےO

عجلت کی مذمت اور اطمینان سے کام کرنے کی فضیلت

الشوریٰ: ۱۸ میں فرمایا: ''اس (قیامت) کے جلد آنے کا مطالبہ وہی کرتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے''۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کام میں جلدی کرنا مذموم ہے' حدیث میں ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

التانی من اللہ والعجلۃ من الشیطان.

(مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۳۲۵۶' سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۱۰۴)

اطمینان سے کام کرنا اللہ کی جانب سے ہے اور عجلت شیطان کی طرف سے ہے۔

عجلت مذموم ہونے کے عموم سے چھ چیزیں مستثنیٰ ہیں: (۱) نماز کا مستحب وقت آنے کے بعد نماز پڑھنے میں جلدی کرنا (۲) جب جنازہ تیار ہو جائے تو اس کی تدفین میں جلدی کرنا (۳) جب کنواری لڑکی کا کفو میں رشتہ مل جائے تو اس کے نکاح میں جلدی کرنا (۴) جب قرض ادا کرنے کی گنجائش ہو تو اس کی ادائیگی میں جلدی کرنا (۵) جب مہمان آئے تو اس کو کھانا کھلانے میں جلدی کرنا (۶) شامت نفس سے اگر گناہ ہو جائے تو اس کے بعد توبہ کرنے میں جلدی کرنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حکمت کی وجہ سے وقوع قیامت کی خبر نہ دینا

اس آیت میں فرمایا ہے: ''اور (اے مخاطب!) تجھے کیا پتا شاید کہ قیامت قریب ہو''۔

قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ جب اس میں ''وما ادراک'' کا لفظ ہو تو اس چیز کا بیان متوقع ہوتا ہے اور جب ''وما یدریک'' کا لفظ ہو تو اس کا بیان متوقع نہیں ہوتا' قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا تَاْتِیْکُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ (الاعراف: ۱۸۷)

قیامت تمہارے پاس اچانک ہی آئے گی۔

اس لیے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں بیان فرمایا کہ قیامت کب آئے گی اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا اور جب بھی آپ سے قیامت کے متعلق سوال کیا جاتا تھا آپ طرح دے جاتے تھے اور ٹال جاتے تھے' اس سلسلہ

میں یہ احادیث ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے متعلق سوال کیا' پس کہا: قیامت کب واقع ہوگی؟ آپ نے فرمایا: تم نے قیامت کی کیا تیاری کی ہے؟ اس نے کہا: کچھ نہیں' سوا اس کے کہ میں اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں' آپ نے فرمایا: تم جس کے ساتھ محبت کرتے ہو اسی کے ساتھ رہو گے' حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں اور حضرت ابوبکر سے اور حضرت عمر سے اور مجھے امید ہے کہ میں ان ہی کے ساتھ ہوں گا کیونکہ میں ان سے محبت کرتا ہوں خواہ میں ان جیسے عمل نہ کروں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۸۸' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۳۱۷' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۰۹۹' عالم الکتب' مسند حمیدی رقم الحدیث: ۱۱۹۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۶۳۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۹۶۹' جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۸۱۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! قیامت کب واقع ہوگی؟ اس وقت آپ کے پاس انصار میں سے ایک لڑکا بھی تھا' آپ نے فرمایا: اگر یہ لڑکا زندہ رہا تو جب تک یہ بوڑھا نہیں ہوگا قیامت نہیں آئے گی (یعنی یہ لڑکا بوڑھا ہونے سے پہلے مر جائے گا)۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۹' جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۳۰۶' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

کون سا علم باعث فضیلت ہے؟

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: ''اور جو لوگ قیامت کے آنے پر یقین رکھتے ہیں وہ قیامت کے آنے سے ڈرتے ہیں' سنو! جو لوگ قیامت کے وقوع میں جھگڑتے ہیں وہ پرلے درجے کی گم راہی میں ہیں''۔

آیت کے اس حصہ میں علم یقین کی مدح اور فضیلت ہے اور تردد اور شک کی مذمت ہے' سو مسلمان کو چاہیے کہ وہ علم یقین کو حاصل کرے اور تردد اور شک سے نکل آئے' تاہم علم اس وقت قابل تعریف ہے جب اس کے ساتھ خوف خدا بھی ہو اور علم کے تقاضے پر عمل بھی ہو' ورنہ ابلیس کو حضرت آدم کی نبوت کا علم تھا' فرعون کو حضرت موسیٰ کی نبوت کا علم تھا' ابوجہل اور یہود کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا علم تھا' لیکن چونکہ ان کو خوف خدا نہ تھا اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے اور کتنے ہی خوف خدا سے خالی علماء قیامت کے دن عذاب میں گرفتار ہوں گے' کیونکہ وہ اپنے علم کے تقاضوں کے مطابق عمل نہیں کرتے تھے۔

الشوریٰ: ۱۹ میں فرمایا: ''اللہ اپنے بندوں پر بہت نرمی کرنے والا ہے' وہ جس کو چاہتا ہے رزق دیتا ہے اور وہ بہت قوت والا' بے حد غلبہ والا ہے O''

بندوں پر اللہ تعالیٰ کے لطیف ہونے کا معنیٰ

اس آیت میں فرمایا ہے: ''اللہ اپنے بندوں پر لطیف ہے''۔

علامہ عبد القادر رازی حنفی متوفی ۶۶۰ھ لکھتے ہیں: جو چیز باریک ہو اس کو لطیف کہتے ہیں اور کسی کام میں نرمی اور ملائمت کرنے کو لطیف عمل کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لطیف ہونے کا معنیٰ ہے: وہ نیکی کی توفیق دینے والا ہے اور گناہوں سے حفاظت فرمانے والا ہے۔ (مختار الصحاح ص ۳۴۷' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس آیت کا معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر شفیق ہے' عکرمہ نے کہا: وہ بندوں کے ساتھ نیکی کرنے والا ہے۔ سدی نے کہا: وہ ان کے ساتھ نرمی کرنے والا ہے۔ مقاتل نے کہا: وہ نیک اور بد دونوں کے ساتھ لطیف ہے' کیونکہ وہ بدکاروں کے گناہوں کی وجہ سے ان کو بھوکا نہیں مارتا' کیونکہ اس نے فرمایا ہے: وہ جس کو چاہتا

ہے رزق دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ مومن اور کافر میں سے جس کو چاہتا ہے رزق عطا فرماتا ہے۔ امام جعفر صادق نے فرمایا: اللہ تعالیٰ رزق عطا فرمانے میں دو اعتبار سے لطیف ہے' ایک یہ کہ اس نے تم کو طیبات سے رزق عطا فرمایا ہے' دوسرے یہ کہ اس نے تم کو ایک ہی بار سب رزق نہیں عطا فرمایا بلکہ وہ تم کو بہ تدریج رزق عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ قوی اور عزیز ہے' یعنی وہ ہر اس چیز پر قادر ہے جس کو چاہے اور وہ سب سے زیادہ اور سب پر غالب ہے۔

(اللباب فی علوم الکتاب ج ۱۷ ص ۱۸۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

امام غزالی نے فرمایا: لطیف وہ ہے جو اشیاء کی باریک ترین مصلحتوں کو جاننے والا ہو اور ہر مصلحت کو اس کے مستحق تک نرمی اور آسانی سے پہنچانے والا ہو' اللہ تعالیٰ کے لطف کے آثار میں سے یہ ہے کہ اس نے ماں کے پیٹ میں بچے کو رحم کے تین تاریک پردوں میں پیدا کیا اور پیٹ میں اس کی حفاظت فرماتا رہا اور ناف کے ذریعہ سے ماں کے پیٹ میں اس کو غذا پہنچاتا رہا' حتیٰ کہ وہ ماں کے پیٹ سے باہر آ گیا اور اپنے منہ کے ذریعہ غذا کو کھانے پر قادر ہو گیا' پھر اس کے اندر یہ بات ڈالی کہ وہ ماں کا دودھ پیتا رہا خواہ دن ہو یا رات ہو اور یہ کام اس بچہ کو کسی نے سکھایا تھا نہ اس نے کسی کو پہلے اس طرح دودھ پیتے ہوئے دیکھا تھا' اسی طرح مرغی کے انڈے سے جیسے ہی چوزہ باہر آتا ہے وہ دانہ دنکا چگنے لگتا ہے' کہتے ہیں کہ فطرت ہر جاندار کو جینے کے طور طریقے سکھا دیتی ہے' لیکن اس فطرت کا خالق کون ہے' انسان پر اللہ تعالیٰ کا پہلا کرم یہ ہے کہ اس نے انسان کو جمادات کے عالم سے نباتات کے عالم کی طرف منتقل کیا یعنی انسان اپنی خلقت کے پہلے مرحلہ میں قطرہ آب کی طرح جامد تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے اس میں نشو و نما رکھ کر اس کو نباتات کے عالم میں منتقل کیا۔ پھر عالم نباتات سے اس کو حیوانات کے عالم میں داخل کیا اور اس کے اندر حس اور حرکت ارادیہ رکھی' پھر اس میں نطق رکھ کر اس کو انسان بنایا' پھر اس کو قلیل مدت کی فانی اور متناہی زندگی دی اور اس قلیل مدت میں نیک اعمال کرنے کے بعد اس کو غیر متناہی اور لافانی زندگی کا حق دار بنایا اور یہ اللہ تعالیٰ کا انسان پر بے حد لطف و کرم ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ

جو شخص آخرت کی کھیتی کا ارادہ کرتا ہے ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کر دیتے ہیں اور جو شخص دنیا کی کھیتی کا ارادہ کرتا ہے

كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۙ وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ

ہم اس کو اس میں سے کچھ دے دیتے ہیں اور اس کے لیے آخرت میں

مِنْ نَّصِيْبٍ ۝۲۰ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ

کوئی حصہ نہیں ہے ۝ کیا ان کے لیے کچھ ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین کا ایسا راستہ مقرر کر دیا ہے

يَأْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ

جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی اور اگر (قیامت کا) فیصلہ مقرر نہ ہو چکا ہوتا تو ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور بے شک

الظّٰلِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۲۱﴾ تَرَى الظّٰلِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ مِمَّا

ظالموں کے لیے درد ناک عذاب ہے O آپ دیکھیں گے کہ ظالم اپنے کرتوتوں سے خوف زدہ ہوں گے

كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌ بِهِمْ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیْ

اور ان کے کرتوتوں کا وبال ان پر نازل ہو گا اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے

رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ

وہ جنتوں کے باغات میں ہوں گے، ان کے لیے ان کے رب کے پاس ہر وہ چیز ہو گی

الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ﴿۲۲﴾ ذٰلِكَ الَّذِیْ یُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِیْنَ

جس کی وہ خواہش کریں گے، یہی بہت بڑا فضل ہے O یہی وہ چیز ہے جس کی اللہ اپنے بندوں کو بشارت دیتا ہے جو

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ

ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے، آپ کہیے کہ میں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی اجرت

فِی الْقُرْبٰى ؕ وَمَنْ یَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِیْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ

طلب نہیں کرتا سوا قرابت کی محبت کے، اور جو شخص نیکی کرے گا ہم اس نیکی کے حسن کو اور بڑھا دیں گے، بے شک

اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ

اللہ بہت بخشنے والا اور بہت قدر کرنے والا ہے O کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ رسول نے اللہ پر جھوٹ بول کر بہتان تراشا ہے؟

یَّشَاِ اللّٰهُ یَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ؕ وَیَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَیُحِقُّ الْحَقَّ

پس اگر اللہ چاہے گا تو آپ کے دل پر مہر لگا دے گا اور اللہ باطل کو مٹا دیتا ہے اور حق کو اپنے کلام سے ثابت رکھتا ہے، بے شک وہ

بِكَلِمٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۴﴾ وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ

دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے O اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے

عَنْ عِبَادِهٖ وَیَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ وَیَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَ

اور گناہوں کو معاف فرماتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اس کو جانتا ہے O اور ایمان والوں

يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيدُهُمْ مِّنْ

کی اور نیک کام کرنے والوں کی دعا قبول فرماتا ہے اور اپنے فضل سے ان کی نعمتوں

فَضْلِهٖ ۚ وَالْكٰفِرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ

میں اضافہ فرماتا ہے اور کافروں کے لیے سخت عذاب ہے O اگر اللہ اپنے سب بندوں پر رزق

لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ ۚ إِنَّهٗ

کشادہ کر دیتا تو وہ ضرور زمین میں سرکشی کرتے' لیکن اللہ جتنا چاہے ایک اندازے سے رزق نازل فرماتا ہے' بے شک

بِعِبَادِهٖ خَبِيرٌۢ بَصِيرٌ ﴿۲۷﴾ وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا

وہ اپنے بندوں کی مکمل خبر رکھنے والا' خوب دیکھنے والا ہے O وہی ہے جو لوگوں کے مایوس ہونے کے بعد بارش نازل فرماتا ہے

قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ۚ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ ﴿۲۸﴾ وَمِنْ آيٰتِهٖ خَلْقُ

اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے اور وہی مددگار ہے' بہت حمد کیا ہوا O اور اس کی نشانیوں میں

السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ۚ وَهُوَ عَلٰى

سے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنا ہے اور ان جانداروں کو پیدا کرنا ہے جو اس نے آسمانوں اور زمینوں میں پھیلا دیئے

جَمْعِهِمْ إِذَا يَشَاءُ قَدِيرٌ ﴿۲۹﴾ ع

ہیں اور وہ جب چاہے ان کو جمع کرنے پر قادر ہے O

الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو شخص آخرت کی کھیتی کا ارادہ کرتا ہے ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کر دیتے ہیں اور جو شخص دنیا کی کھیتی کا ارادہ کرتا ہے ہم اس کو اس میں سے کچھ دے دیتے ہیں اور اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے O کیا ان کے لیے کچھ ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین کا ایسا راستہ مقرر کر دیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی اور اگر قیامت کا فیصلہ مقرر نہ ہو چکا ہوتا تو ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور بے شک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے O آپ دیکھیں گے کہ ظالم اپنے کرتوتوں سے خوف زدہ ہوں گے اور ان کے کرتوتوں کا وبال ان پر نازل ہو گا اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے' وہ جنتوں کے باغات میں ہوں گے' ان کے لیے ان کے رب کے پاس ہر وہ چیز ہو گی جس کی وہ خواہش کریں گے' یہی بہت بڑا فضل ہے O (الشوریٰ: ۲۲۔۲۰)

حرث کا معنی

الشوریٰ: ۲۰ میں ''حرث'' کا لفظ ہے جس کا ترجمہ ہم نے کھیتی کیا ہے' علامہ محمد بن مکرم بن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ ھ لکھتے

ہیں: حرث کا معنیٰ ہے: زمین میں اگانے کا عمل کرنا یعنی زمین میں بیج ڈالنا اور فصل اگانے کی تیاری کرنا اور اس کا اطلاق فصل اور کھیت پر بھی ہوتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَإِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ. (البقرہ:۲۰۵)

اور جب وہ پیٹھ پھیر کر جاتا ہے تو وہ زمین میں فساد کرنے اور کھیت اور نسل کو برباد کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔

اور حرث کا معنیٰ کسب کرنا بھی ہے یعنی کوئی کام کرنا اور حارث کا معنیٰ کاسب ہے' علامہ ابن منظور نے حرث کے اور بھی کئی معانی ذکر کیے ہیں۔ (لسان العرب ج ۴ ص ۶۷۳' دار صادر' بیروت' ۲۰۰۳ء)

علامہ المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں: حدیث میں ہے:

''احرث لدنیاک کانک تعیش ابدا' واعمل لاخرتک کانک تموت غدا''. دنیا میں اس طرح کھیتی باڑی کرو گویا کہ تم دنیا میں ہمیشہ زندہ رہو گے اور آخرت کے لیے اس طرح عمل کرو جیسے تم کل مر جاؤ گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر برانگیختہ کیا ہے کہ دنیا کو آباد کیا جائے اور لوگ اس میں باقی رہیں اور جو لوگ تمہارے بعد دنیا میں آئیں وہ تمہاری خدمت سے اس طرح استفادہ کریں جس طرح تم اپنے سے پہلے لوگوں کی خدمات سے استفادہ کر رہے ہو' کیونکہ جب انسان کو یہ معلوم ہوگا کہ اس کی زندگی طویل ہے تو وہ دنیا کی تعمیر میں حریص ہوگا اور آخرت کے معاملہ میں آپ نے اعمال میں اخلاص کی ترغیب دی اور زیادہ سے زیادہ نیک اعمال پر ابھارا' کیونکہ جب انسان کو یہ معلوم ہوگا کہ اس نے کل مر جانا ہے تو وہ زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کرنے کی کوشش کرے گا۔ بعض علماء نے کہا: اس حدیث کا یہ معنیٰ نہیں ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ تر دنیا سے زہد اور بے رغبتی کی ترغیب دی ہے اور اس حدیث کا بھی یہی معنیٰ ہے کیونکہ جب انسان کو یہ علم ہوگا کہ اس نے دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے تو اس کو دنیا کی حرص نہیں ہوگی وہ سوچے گا کہ دنیا کی فلاں چیز مجھے اگر آج نہیں ملی تو کل مل جائے گی' میں کون سا ابھی مر رہا ہوں اور آخرت کے لیے اس طرح عمل کرو جیسے کل مر جانا ہے سو نیک اعمال پر زیادہ سے زیادہ حرص کرو۔

(النہایہ ج ۱ ص ۳۴۷-۳۴۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

دنیا کے طالب اور آخرت کے طالب کا فرق

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ وہ اپنے بندوں پر لطیف ہے اور ان پر بہت زیادہ احسان کرنے والا ہے' اب اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ بندوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ نیک کاموں کی طلب میں بہت کوشش کریں اور بُرے کاموں سے بچنے کی کوشش کریں' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آخرت کے طالب اور دنیا کے طالب میں حسب ذیل وجوہ سے فرق کیا ہے۔

(۱) آخرت کے طالب کو دنیا کے طالب پر مقدم فرمایا۔

(۲) آخرت کے طالب کے متعلق فرمایا: ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کریں گے اور دنیا کے طالب کے متعلق فرمایا: ہم اس کی کھیتی میں سے اس کو کچھ حصہ دیں گے۔

(۳) آخرت کے طالب کے متعلق یہ نہیں بتایا کہ اس کو دنیا میں سے کچھ دیں گے یا نہیں' ہوسکتا ہے کہ اس کو دنیا میں سے کچھ حصہ دیا جائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کو دنیا میں سے کچھ بھی نہ دیا جائے اور دنیا کے طالب کے متعلق فرمایا کہ اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

(۴) دنیا کا حصہ نقد ہے اور آخرت کا حصہ ادھار ہے لیکن آخرت کے حصہ میں زیادتی اور دوام ہے اور دنیا کے حصہ میں نقصان

اور بطلان ہے۔

(۵) کھیتی سے جو حصہ حاصل ہوتا ہے اس میں مشقت کرنی پڑتی ہے' پہلے انسان زمین میں ہل چلاتا ہے' پھر اس میں بیج ڈالتا ہے' پھر پانی لگاتا ہے' پھر فصل پکنے کے بعد دانے کو بھوسے سے الگ کرتا ہے اور جو آخرت کی کھیتی میں مشقت کرتا ہے اس کو بقا حاصل ہوتی ہے اور جو دنیا کی کھیتی میں مشقت کرتا ہے اس کو فنا حاصل ہوتی ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ○ اور باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب کے نزدیک ثواب اور نیک توقع کے لحاظ سے بہتر ہیں ○ (الکہف: ۴۶)

اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: ''ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کریں گے'' اس کے دو معنی ہیں: (۱) ہم اس کو نیک کاموں کی زیادہ توفیق دیں گے (۲) ہم اس کے اجر و ثواب میں اضافہ کریں گے' قرآن مجید میں ہے:

لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ. تاکہ ہم ان کو پورے اجر دیں اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ دیں۔ (فاطر: ۳۰)

اس آیت میں دنیا کے حصول کے لیے مشقت اٹھانے کی مذمت کی ہے اور آخرت کے حصول کے لیے مشقت اٹھانے کی مدح فرمائی ہے' حسب ذیل احادیث میں بھی اس معنی کی تائید ہے۔

دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی طرف رغبت کے متعلق احادیث

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جو شخص (صرف) دنیا کی فکر میں رہتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کے معاملہ کو پراگندہ کر دیتا ہے اور اس کی آنکھوں کے سامنے فقر اور تنگ دستی کر دیتا ہے اور اس کو دنیا سے صرف اتنا ہی حصہ ملتا ہے جتنا حصہ اس کے لیے پہلے سے مقدر کر دیا گیا ہے اور جو آخرت کا قصد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے معاملہ کو مجتمع کر دیتا ہے اور اس کے دل میں غناء رکھ دیتا ہے اور دنیا اس کے پاس خاک آلودہ ہو کر آتی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۶۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۵۶' مسند احمد ج ۵ ص ۱۸۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۷' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۳۵' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۴۸۹۱۔۴۸۹۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس شخص نے اپنے تمام افکار کو صرف ایک فکر بنا دیا اور وہ آخرت کی فکر ہے' اللہ تعالیٰ اس کی دنیا کی فکر کے لیے کافی ہے اور جس کے افکار دنیا کے احوال میں مشغول رہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی پرواہ نہیں ہوگی کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہو رہا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۰۶' اس حدیث کی سند ضعیف ہے' جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۳۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: اے ابن آدم! میری عبادت کے لیے فارغ ہو جا میں تیرے دل کو غناء سے بھر دوں گا اور اگر تو ایسا نہیں کرے گا تو میں تیرے دل کو مشغولیات سے بھر دوں گا اور تیرے فقر کو دور نہیں کروں گا۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۰۷' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۶۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۹۳' مسند احمد ج ۲ ص ۳۵۸' المستدرک ج ۲ ص ۴۴۳' ج ۴ ص ۳۲۶)

الشوریٰ: ۲۱ میں فرمایا: ''کیا ان کے لیے کچھ ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین کا ایسا راستہ مقرر کر دیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی اور اگر قیامت کا فیصلہ مقرر نہ ہو چکا ہوتا تو ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور بے شک ظالموں کے لیے درد ناک عذاب ہے ○''

خود ساختہ شریعتوں کی مذمت

اس سے پہلی آیت میں دنیا اور آخرت کے لیے کوشش کرنے والوں کے احوال اور ان کے انجام بتائے۔ اس آیت میں گمراہی کی اصل بتائی ہے جس کی وجہ سے انسان آخرت کی بجائے دنیا کو اپنا مقصود بنالیتا ہے اور اس آیت میں کفار کے شرکاء کا ذکر فرمایا ہے اس کی تفصیل میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) شرکاء سے مراد کافروں کے وہ شیاطین ہیں جنہوں نے ان کے لیے شرک اور کفر کو قیامت کے انکار کو اور دنیا کی رنگینیوں اور زیب و زینت کو کھانے پینے اور جنس کی ناجائز لذات کو مزین کیا۔

(۲) شرکاء سے مراد ان کے وہ بت ہیں جن کو کفار استحقاق عبادت میں اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیتے ہیں' ان کی پرستش کرتے تھے' ان پر چڑھاوے چڑھاتے تھے' ان کے سامنے جانوروں کو قربان کرتے تھے اور مصائب اور شدائد میں ان کے نام کی دہائی دیتے تھے' رہا یہ کہ بت تو بے جان ہیں' ان کے متعلق یہ کہنا کس طرح صحیح ہوگا کہ انہوں نے ان کافروں کو گمراہ کر دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بت ان کے گمراہ ہونے کا سبب تھے' اس لیے ان کی طرف گمراہ کرنے کی نسبت کر دی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ. اے میرے رب! بے شک ان بتوں نے بہت لوگوں کو راستہ سے بھٹکا دیا ہے۔ (ابراہیم: ۳۶)

(۳) اہل مکہ کو قدیم زمانے کے کفار نے گمراہ کیا اور ان کے لیے ایک شریعت بنادی جس میں بتوں کی پرستش تھی' ان کو اللہ کی بارگاہ میں سفارشی قرار دینا تھا' اللہ کے نام پر ذبح کیے بغیر مردار جانوروں کو کھانا تھا اور بحیرہ' سائبہ' حام اور وصیلہ' بتوں کے لیے نامزد جانوروں کے کھانے اور ان سے کام لینے کو حرام قرار دینا تھا' کعبہ میں برہنہ طواف کرنا تھا' عام لوگوں کے لیے حج میں عرفات کو وقوف کے لیے مقرر کرنا اور قریش کے لیے مزدلفہ کو مقرر کرنا تھا اور حج کرنے کے بعد گھروں کے اصلی دروازوں کے بجائے پچھلے دروازوں سے یا مکان کی پچھلی دیوار کو پھاند کر آنا تھا' یہ وہ کام تھے جن کو ان کے بڑوں نے بہ طور شریعت کے اپنالیا تھا' اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم نہیں دیا تھا' بلکہ قرآن کریم کی متعدد آیات میں ان کاموں سے منع فرمایا ہے اور ان کی مذمت کی ہے۔

جب تک انسان بالغ نہیں ہوتا' اللہ تعالیٰ اس کو احکام شرعیہ کا مکلف نہیں کرتا' بلوغت سے پہلے انسان مختلف کاموں کا عادی ہو جاتا ہے' بالغ ہونے کے بعد اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی عادتوں کے خلاف اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرے' اگر انسان اپنی عادتوں اور نفسانی لذتوں میں مشغول رہا اور احکام شرعیہ پر عمل نہ کیا' برے کاموں کو ترک نہ کیا اور نیک کاموں کو اختیار نہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی مسلسل نافرمانی کر کے اپنی جان پر ظلم کرتا رہا تو وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مستحق ہوگا جیسا کہ اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے: اور بے شک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

ہمارے زمانہ میں بھی بعض گمراہ فرقوں نے اپنی طرف سے نئی نئی شریعتیں بنالی ہیں اور اپنے باطل نظریات کو دین میں داخل کر لیا ہے' بعض لوگوں نے مستحبات کو فرائض اور واجبات کا درجہ دے دیا ہے اور بعض لوگوں نے مباحات اور مستحبات کو حرام قرار دے دیا ہے۔

الشوریٰ: ۲۲ میں فرمایا: "آپ دیکھیں گے کہ ظالم اپنے کرتوتوں سے خوف زدہ ہوں گے اور ان کے کرتوتوں کا وبال ان پر نازل ہوگا اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے' وہ جنتوں کے باغات میں ہوں گے' ان کے لیے ان کے رب

کے پاس ہر وہ چیز ہوگی جس کی وہ خواہش کریں گے' یہی بہت بڑا فضل ہے O''

اپنی عبادات کے بجائے اللہ تعالیٰ کے فضل پر نظر رکھنا

اس آیت میں خصوصیت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے یا ہر دیکھنے والے کو' کہ گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے قیامت کے دن اپنے جرائم اور گناہوں سے خوف زدہ ہوں گے اور یہ جو فرمایا ہے کہ ''ان کے کرتوتوں کا وبال ان پر نازل ہوگا'' کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف دنیا میں اپنی خواہشوں اور اپنی شہوتوں کے تقاضوں پر عمل کرتے رہے اور باطل لذات میں ڈوبے رہے' اس کا وبال ان پر لازم ہوگا' یا تو دنیا میں بایں طور کہ ان پر مصائب اور شدائد کا نزول ہو گا اور مہلک بیماریاں ان پر حملہ آور ہوں گی یا آخرت میں ان کو اپنے جرائم کی سزا بھگتنی ہوگی' الایہ کہ اللہ اپنے فضل وکرم سے ان کو معاف فرمادے۔

ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے' اس لیے قرآن مجید کا اسلوب ہے کہ وہ کافروں کے انجام کے بعد مؤمنوں کے انجام کا ذکر فرماتا ہے' اس آیت کے پہلے حصہ میں کافروں یا بدکردار فاسقوں کا ذکر فرمایا تھا' اس لیے اب اس آیت کے آخری حصہ میں مؤمنوں کے نیک انجام کا ذکر فرما رہا ہے کہ وہ جنت کے باغات میں ہوں گے یعنی وہ جنت کے سب سے خوب صورت حصے میں ہوں گے' باغات میں سبزہ ہوتا ہے اور سبزہ کی طرف دیکھنے سے آنکھوں کو تراوت حاصل ہوتی ہے اور نظر تیز ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے: تین چیزیں نظر کو تیز کرتی ہیں (۱) سبزہ کی طرف دیکھنا' بہتے ہوئے پانی کی طرف دیکھنا اور خوب صورت چہرے کی طرف دیکھنا' حافظ سیوطی نے کہا: اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ (الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۴۸۶)

نیز فرمایا: ''ان کو جنت میں ہر وہ چیز حاصل ہوگی جس کی وہ خواہش کریں گے'' اہل جنت کو جس چیز میں سب سے زیادہ لذت حاصل ہوگی وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے' اس کے بعد ان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی تسبیح اور تہلیل سے لذت حاصل ہوگی اور کھانے پینے اور دیگر نفسانی خواہشوں کی حیثیت ثانوی ہوگی' پھر فرمایا: ''یہی بہت بڑا فضل ہے'' اس کا معنیٰ یہ ہے کہ مومن کو اپنی عبادتوں پر جو اجر وثواب ملے گا وہ اس کے استحقاق کی وجہ سے نہیں ملے گا محض اللہ تعالیٰ کے فضل کی وجہ سے ملے گا۔

انسان دنیا میں جو بھی نیک کام کرتا ہے اور جو بھی عبادت کرتا ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل کی وجہ سے کرتا ہے' ۱۹۸۵ء سے پہلے میں کمر کے شدید درد میں مبتلا تھا' اس وقت میں لاہور میں تھا اور مجھے کوئی امید نہیں تھی کہ میں کوئی تحریری کام کرسکوں گا' میں نے اپنی قابل ذکر کتابیں فروخت کر دی تھی۔ پھر چھ جولائی ۱۹۸۵ھ کو مفتی منیب الرحمٰن صاحب نے ٹیلی فون کر کے مجھے کراچی آنے کی دعوت دی تو میرا خیال تھا کہ میں وہاں زندگی کے باقی ماندہ دن پورے کروں گا' لیکن اللہ تعالیٰ نے وہاں مفتی منیب الرحمٰن کی وساطت سے ایسے اسباب اور سہولتیں فراہم کیں کہ مجھے تصنیف وتالیف کے کام کے لیے نشأۃ ثانیہ مل گئی اور آج ۱۹ دسمبر ۲۰۰۳ء تک اٹھارہ سال کے عرصہ میں' میں نے شرح صحیح مسلم کی سات ضخیم جلدیں لکھیں جو تقریباً آٹھ ہزار صفحات پر مشتمل ہیں اور اب میں تبیان القرآن کی دسویں جلد لکھ رہا ہوں اور اس کے بھی اب تک نو ہزار صفحات لکھے جا چکے ہیں اور یہ میرا کارنامہ نہیں ہے' میں تو زندگی ہار بیٹھا تھا' یہ اسی کا کام ہے اور اس کی شان ہے جو مُردوں میں جان ڈال دیتا ہے' قطرہ نیساں کو گہر بنا دیتا ہے' ایک نجس قطرہ کو انسان کے حسین وجمیل پیکر میں ڈھال دیتا ہے' تو اگر میں یہ کہوں کہ میرے اس کام کے عوض اللہ مجھے اجر وثواب عطا فرمائے تو یہ بہت غلط اور جھوٹی بات ہوگی' میں کیا ہوں' میرا کام کیا ہے' سب کچھ اسی کی توفیق سے اور اسی کے فضل سے ہوا ہے' میں اسی کے فضل سے صرف بخشش کا طلب گار ہوں' میں اجر وثواب کا اور جنت کا طالب نہیں ہوں' یہ تو بہت بڑی نعمتیں ہیں' میں کب ان کے لائق ہوں' وہ آخرت میں میرے گناہوں پر پردہ رکھ لے اور مجھے معاف فرمادے تو

یہی اس کا بہت بڑا کرم اور بہت عظیم فضل ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہی وہ چیز ہے جس کی اللہ اپنے بندوں کو بشارت دیتا ہے' جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے' آپ کہیے کہ میں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا سوا قرابت کی محبت کے' اور جو شخص نیکی کرے گا ہم اس کی نیکی کے حسن کو اور بڑھا دیں گے' بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بہت قدر کرنے والا ہے O یہ کہتے ہیں کہ رسول نے اللہ پر جھوٹ بول کر بہتان تراشا ہے' پس اگر اللہ چاہے تو آپ کے دل پر مہر لگا دے گا اور اللہ باطل کو مٹا دیتا ہے اور حق کو اپنے کلام سے ثابت رکھتا ہے' بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے O اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں کو معاف فرماتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اس کو جانتا ہے O (الشوریٰ: ۲۵۔۲۳)

تبلیغ رسالت پر قرابت سے محبت کے اجر کے سوال پر ایک اعتراض

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کو نازل کیا اور لوگوں کی ہدایت کے لیے اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور توحید کے متعلق آیات نازل کیں' اسی طرح نبوت اور رسالت کے متعلق آیات نازل کیں اور دیگر عقائد کے متعلق آیات نازل کیں' قیامت' حشر ونشر' حساب وکتاب اور جنت اور دوزخ کے متعلق آیات نازل کیں اور احکام شرعیہ کے متعلق آیات نازل کیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تمام آیات کی تبلیغ کرنے کا حکم دیا' ان آیات کی تبلیغ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سختیاں اور صعوبتیں برداشت کیں' ہو سکتا تھا کہ کوئی بدعقیدہ جاہل یہ گمان کرتا کہ شاید آپ کسی مالی منفعت یا اقتدار کے حصول کے لیے اس قدر مشقت اٹھا رہے ہیں' اس تہمت اور بدگمانی کے ازالہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ آیت نازل فرمائی: آپ کہیے کہ میں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا سوا قرابت کی محبت کے۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت میں بھی تبلیغ رسالت پر ایک نوع کی اجرت کا ذکر ہے اور وہ قرابت کی محبت ہے' جب کہ دیگر انبیاء علیہم السلام نے مطلقاً اجرت طلب کرنے کی نفی کی ہے' اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کا یہ قول ذکر فرمایا ہے:

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O (الشعراء: ۱۰۹)

میں تم سے اس (تبلیغ رسالت) پر کوئی اجر طلب نہیں کرتا' میرا اجر تو صرف رب العلمین (کے ذمہ کرم) پر ہے O

اسی طرح حضرت ہود علیہ السلام نے طلب اجر کی نفی کی۔ (الشعراء: ۱۲۷) اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام نے طلب اجر کی نفی کی۔ (الشعراء: ۱۴۵) اور حضرت لوط علیہ السلام نے طلب اجر کی نفی کی۔ (الشعراء: ۱۶۴) اور حضرت شعیب علیہ السلام نے طلب اجر کی نفی کی۔ (الشعراء: ۱۸۰)

بلکہ قرآن مجید میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ حکم دیا ہے کہ آپ طلب اجر کی نفی کریں:

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ O (ص: ۸۶)

آپ کہیے کہ میں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں O

نیز رسالت کی تبلیغ کرنا آپ پر واجب تھا اور جو چیز آپ پر واجب ہو آپ اس سے کیسے اجر لے سکتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۔ (المائدہ: ۶۷)

آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے جو وحی نازل ہوئی اس کی تبلیغ کیجئے اور اگر آپ نے یہ تبلیغ نہیں کی تو آپ نے اپنے کار رسالت کی تبلیغ نہیں کی۔

نیز پیغام رسالت کو پہنچانے پر اجرت اور معاوضہ کو طلب کرنا آپ کے منصب نبوت میں تہمت کا موجب ہے اور یہ آپ کی شان لائق نہیں ہے' ان وجوہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تبلیغ رسالت پر اجرت کو طلب کرنا آپ کے لیے جائز نہیں ہے اور الشوریٰ: ۲۳ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے تبلیغ رسالت پر اجرت کا سوال کیا ہے' اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

اعتراض مذکور کا یہ جواب کہ اس سے مراد رحم کی قرابت ہے اور اس کی تائید میں مستند احادیث

(ا) اس آیت میں قربیٰ سے مراد رحم کی قرابت ہے کیونکہ مکہ کے تمام قبائل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم کی قرابت تھی' اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ میں تم سے صرف یہ سوال کرتا ہوں کہ تم قرابت رحم کی وجہ سے مجھ سے محبت کرو اور مجھ پر جو تبلیغ رسالت کی ذمہ داری ہے اس سے عہدہ برآ ہونے میں میری مدد کرو' حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت: (الشوریٰ: ۲۳) کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ تمام قریش میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت تھی' جب قریش نے آپ کی رسالت کی تکذیب کی اور آپ کی اتباع کرنے سے انکار کر دیا تو آپ نے فرمایا: اے میری قوم! جب تم نے میری اتباع کرنے سے انکار کر دیا ہے تو تمہارے اندر جو میری قرابت ہے اس کی حفاظت کرو (یعنی اس قرابت کی وجہ سے مجھے اذیت نہ دو اور مجھے نقصان نہ پہنچاؤ) اور تمہارے علاوہ دوسرے عرب قبائل میری حفاظت کرنے میں اور میری مدد کرنے میں زیادہ راجح نہیں ہیں۔ (المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۱۹۷' رقم الحدیث: ۱۳۰۲۶' داراحیاء التراث العربی' بیروت)

ایک اور حدیث میں حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر یوں فرمائی ہے:

تم میری قرابت کی وجہ سے صلہ رحم کرو' یعنی مجھ سے میل جول رکھو اور میری تکذیب نہ کرو۔

(المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۲۷' رقم الحدیث: ۱۲۵۶۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۱۳۰۹)

نیز حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

قریش کے ہر قبیلہ میں آپ کی قرابت اور رشتہ داری تھی' اس لیے آپ کہیے کہ میں تم سے اس کے سوا کوئی اجر طلب نہیں کرتا کہ تم میری حفاظت کرو اور مجھ سے ضرر کو دور کرو کیونکہ میری تم سے قرابت ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۳۴۵' رقم الحدیث: ۱۲۲۳۸' داراحیاء التراث العربی' بیروت' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۴۹۶)

ایک اور حدیث میں فرمایا: میں تم سے اس کے سوا اور کوئی سوال نہیں کرتا کہ تمہارے ساتھ جو میری قرابت ہے اس قرابت کی وجہ سے تم مجھ سے محبت رکھو اور میرے اور تمہارے درمیان جو قرابت ہے اس کی حفاظت کرو۔

(المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۳۴۴' رقم الحدیث: ۱۲۲۳۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۴۷۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ان سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا' سعید بن جبیر نے کہا: قربیٰ سے مراد آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' حضرت ابن عباس نے فرمایا: تم نے جلدی کی ہے' قریش کے ہر رحم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت تھی' آپ نے فرمایا: میرے اور تمہارے درمیان جو قرابت ہے اس کی بناء پر تم میرے ساتھ ملاپ سے رہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۱۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۵۱' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۹۹' عالم الکتب' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۱۱۳۰)

اس جواب کی تقریر اس طرح ہے کہ قرآن مجید کی دیگر آیات میں جو تبلیغ رسالت پر اجر لینے کی نفی ہے اس اجر سے مراد معروف اجر ہے' جیسے مال و دولت' سونا چاندی اور دیگر قیمتی چیزیں اور جس اجر کو آپ نے طلب فرمایا ہے وہ آپ کی ذات سے محبت کرنا ہے' اس قرابت کی وجہ سے جو آپ کے اور قبائل عرب کے درمیان تھی اور ظاہر ہے کہ آپ کی ذات سے محبت کرنا شرعاً

مطلوب ہے' کیونکہ جب قبائل عرب آپ کی ذات سے محبت کریں گے اور آپ کی حفاظت کریں گے تو اس سے ان کے اسلام قبول کرنے میں آسانی ہو گی اور یہ معروف اجر نہیں ہے اور یہ وہ اجر نہیں ہے جس کو طلب کرنے کی دیگر آیات میں نفی کی گئی ہے۔

اعتراض مذکور کا یہ جواب کہ اس سے مراد اہل بیت کی محبت ہے اور فضائل اہل بیت میں احادیث صحیحہ

(۲) اس آیت میں قربیٰ سے مراد آپ کے قرابت دار ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت (الشوریٰ:۲۳) نازل ہوئی تو مسلمانوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ کے وہ قرابت دار کون ہیں جن سے محبت کرنا ہم پر واجب ہے؟ آپ نے فرمایا: علی اور فاطمہ اور ان کے دونوں بیٹے رضی اللہ عنہم۔ (المعجم الکبیر ج ۱۱ص ۳۵۱' رقم الحدیث: ۱۲۲۵۹' دار احیاء التراث العربی' بیروت' اس حدیث کی سند ضعیف ہے' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۳۰۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے محبت رکھنے کے متعلق حسب ذیل احادیث صحیحہ ہیں:

حضرت زر بن حبیش رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس نے دانہ کو چیرا اور روح کو پیدا کیا' بے شک نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے یہ عہد کیا ہے کہ مجھ سے صرف مومن محبت رکھے گا اور صرف منافق مجھ سے بغض رکھے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۳۶' سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۰۲۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۱۴)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں جس کا محبوب ہوں علی اس کے محبوب ہیں۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۱۳' مسند احمد ج ۴ص ۳۶۸' المستدرک ج ۳ص ۱۱۰۔۱۰۹' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۹۰۸۹)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غدیر خم کے مقام پر پہنچے تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: کیا تم کو معلوم نہیں کہ میں تمام مومنوں کی جانوں کی بہ نسبت ان سے زیادہ قریب ہوں؟ مسلمانوں نے کہا: کیوں نہیں' آپ نے فرمایا: کیا تم کو معلوم نہیں کہ میں ہر مومن کی جان پر اس سے زیادہ تصرف کرنے والا ہوں؟ مسلمانوں نے کہا: کیوں نہیں' آپ نے فرمایا: اے اللہ! میں جس کا محبوب ہوں سو علی اس کے محبوب ہیں' اے اللہ! اس سے محبت رکھ جو علی سے محبت رکھے اور اس سے عداوت رکھ جو علی سے عداوت رکھے' اس کے بعد حضرت عمر کی حضرت علی سے ملاقات ہوئی تو حضرت عمر نے فرمایا: اے علی! تم کو مبارک ہو' تم اس حال میں صبح اور شام کرتے ہو کہ تم ہر مومن مرد اور ہر مومن عورت کے محبوب ہوتے ہو۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۱۶' مسند احمد ج ۱ص ۲۱۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۳۴۲)

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاطمہ میرے جسم کا حصہ ہے' جس نے اس کو غضب ناک کیا اس نے مجھ کو غضب ناک کیا' ایک روایت میں ہے: جو چیز اس کو اذیت پہنچائے وہ مجھے اذیت پہنچاتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۳۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۴۹)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک رات کو کسی کام سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر آئے' آپ کے پاس کوئی چیز تھی' نہ جانے وہ کیا تھی' جب میں اپنے کام سے فارغ ہو گیا تو میں نے پوچھا:

یہ کیا چیز ہے؟ تو آپ نے اپنی چادر کھول کر دکھایا تو آپ کی گود میں حضرت حسن اور حضرت حسین تھے آپ نے فرمایا: یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں' اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان دونوں سے محبت کر اور اس سے محبت کر جو ان دونوں سے محبت رکھے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۶۹' المصنف لابن ابی شیبہ ج ۱۲ص ۹۸۔۹۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۹' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۵۵۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۹۶۷)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی' حضرت فاطمہ' حضرت حسن اور حضرت حسین کے متعلق فرمایا: جو ان سے جنگ کرے گا میں اس سے جنگ کروں گا اور جو ان سے صلح رکھے گا میں اس سے صلح رکھوں گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۷۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۵' موارد الظمآن رقم الحدیث: ۲۲۴۴' المستدرک ج ۳ ص ۱۴۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حج میں عرفہ کے دن اپنی اونٹنی قصواء پر بیٹھ کر خطبہ دے رہے تھے' آپ فرما رہے تھے: اے لوگو! میں تم میں ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم اس سے وابستہ رہے تو کبھی گم راہ نہیں ہو گے' کتاب اللہ اور میری عترت' میرے اہل بیت۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۸۶' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۶۸۰' المسند الجامع رقم الحدیث: ۲۴۴۰' جامع المسانید والسنن مسند جابر رقم الحدیث: ۸۳۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو کیونکہ وہ اپنی نعمتوں سے تم کو غذا دیتا ہے اور اللہ سے محبت کی وجہ سے مجھ سے محبت رکھو اور میری محبت کی وجہ سے میرے اہل بیت سے محبت رکھو۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۸۹' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۶۳۹' المستدرک ج ۳ ص ۱۵۰' الحلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۲۱۱' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۲۸۸۲)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! تم میں میرے اہل بیت کی مثال حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح ہے' جو اس میں سوار ہو گیا وہ نجات پا گیا اور جس نے اس کو چھوڑ دیا وہ ہلاک ہو گیا۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۲۶۱۴' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۶۳۷' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۳۹۱' اس حدیث کی سند ضعیف ہے' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۶۸)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی محبت کے وجوب میں یہ احادیث صحیحہ ہیں جن کو ہم نے الشوریٰ: ۲۳ میں درج کیا ہے۔

فضائل اہل بیت میں سابقین کی نقل کردہ موضوع احادیث

علامہ ابو اسحاق احمد بن ابراہیم ثعلبی متوفی ۴۲۸ھ' علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۳۸ھ' امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ' علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبی اور علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ نے اہل بیت کی محبت کے ثبوت میں حسب ذیل روایت بیان کی ہے۔ جس کی سند موضوع ہے' وہ روایت یہ ہے:

سنو! جو آل محمد کی محبت پر مرا وہ شہید ہے' سنو جو آل محمد کی محبت پر مرا وہ بخشا ہوا ہے' سنو! جو آل محمد کی محبت پر مرا وہ تائب ہے۔ سنو! جو آل محمد کی محبت پر مرا وہ کامل الایمان ہے' سنو! جو آل محمد کی محبت پر مرا اس کو ملک الموت نے جنت کی بشارت دی' پھر منکر نکیر نے بشارت دی۔ سنو! جو آل محمد کی محبت پر مرا اس کو جنت میں اس طرح بنا سنوار کر لے جایا جائے گا جس طرح دلہن کو خاوند کے گھر میں بنا سنوار کر لے جایا جاتا ہے۔ سنو! جو آل محمد کی محبت پر مرا اس کی قبر میں جنت کی طرف دو کھڑکیاں کھول دی جاتی ہیں' سنو! جو آل محمد کی محبت پر مرا اس کی قبر کو اللہ تعالیٰ رحمت کے فرشتوں کا مزار بنا دیتا ہے' سنو! جو آل محمد کی محبت پر مرا

وہ السنت والجماعت پر مرا' سنو! جو آل محمد سے بغض پر مراوہ جب قیامت کے دن آئے گا تو اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہو گا کہ وہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہے' سنو! جو آل محمد سے بغض پر مراوہ کفر پر مرا' سنو! جو آل محمد سے بغض پر مراوہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا۔

(الکشف والبیان ج ۸ص ۳۱۴' الکشاف ج ۴ص ۲۲۵' تفسیر کبیر ج ۹ص ۵۹۵' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ص ۲۳' روح البیان ج ۸ص ۳۱۶)

یہ روایت' حدیث کی کسی معروف اور مستند کتاب میں مذکور نہیں ہے' اس روایت کو علامہ ابو اسحاق ثعلبی نے اپنی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے' وہ سند یہ ہے: ابو محمد عبداللہ بن حامد اصبہانی از عبداللہ بن محمد بن علی بن حسین بلخی از یعقوب بن یوسف بن اسحاق از محمد بن اسلم طوسی از یعلیٰ بن عبید از اسماعیل بن ابی خالد از قیس بن ابی حازم از جریر بن عبداللہ بجلی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو!...... (الکشف والبیان ج ۸ص ۳۱۴' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے اس سند کو ذکر کر کے فرمایا ہے: یہ سند موضوع ہے' اس روایت کے من گھڑت ہونے کے آثار بالکل واضح ہیں' محمد بن اسلم اور اس کے اوپر کے راوی ثابت ہیں اور اس سند میں وجہ آفت ثعلبی اور محمد کے درمیان کے راوی ہیں اور اس میں علت بلخی ہے یا اس کا شیخ ہے اور میں نے ان دونوں کا ذکر اسماء الرجال کی کسی کتاب میں نہیں پایا' سو یہ روایت موضوع ہے۔

(الکاف الشاف فی تخریج احادیث الکشاف ج ۴ص ۲۲۰' ذیل حاشیۃ الکشاف ج ۴ص ۲۲۵' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ زمخشری نے اس روایت کو بغیر سند کے ذکر کیا ہے اور باقی مفسرین نے اس روایت کو کشاف کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور یہ سب لوگ اس روایت کی سند کی تحقیق کے بغیر نقل در نقل کرتے چلے گئے۔

فضائل اہل بیت میں علامہ زمخشری نے اس مقام پر ایک اور موضوع روایت ذکر کی ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ لوگ مجھ سے حسد کرتے ہیں' آپ نے فرمایا: کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ تم چار میں سے چوتھے ہو' سب سے پہلے جو جنت میں داخل ہوں گے' وہ میں ہوں اور تم ہو اور حسن اور حسین ہیں اور ہماری بیویاں' ہمارے دائیں اور بائیں ہوں گی اور ہماری اولاد ہماری بیویوں کے پیچھے ہوگی۔ (الکشاف ج ۴ص ۲۲۴' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں:

اس روایت کو کدیمی نے ابن عائشہ سے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی سے روایت کیا ہے' یہ سند ساقط الاعتبار ہے' کدیمی کا نام محمد بن یونس ہے۔ ابن عدی نے اس کو وضع سے متہم کیا ہے' ابن حبان نے کہا: اس نے ایک ہزار سے زائد احادیث وضع کی ہیں' ابو داؤد اور دارقطنی نے اس کو کذب سے متہم کیا ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۴ص ۷۵۔۷۴) یہ ان لوگوں میں سے ہے جو حدیث گھڑتے ہیں' اس حدیث میں دوسری علت عبید اللہ بن محمد بن ابی رافع ہے۔ امام بخاری نے کہا: یہ منکر الحدیث ہے' اسی طرح ابو حاتم نے کہا۔ (میزان الاعتدال رقم الحدیث: ۷۹۰۴) اور یہ روایت اس سند کے ساتھ باطل ہے' اس روایت کے موضوع ہونے کی علامات بالکل ظاہر ہیں۔

(الکاف الشاف فی تخریج احادیث الکشاف ج ۴ص ۲۲۰' ذیل حاشیۃ الکشاف ج ۴ص ۲۲۴' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

میں کہتا ہوں کہ جب فضائل اہل بیت میں احادیث صحیحہ موجود ہیں جن کو ہم نے ذکر کیا ہے تو پھر فضائل اہل بیت کو ثابت کرنے کے لیے ان موضوع روایات کو ذکر کرنے کی کیا ضرورت ہے حتیٰ کہ کسی طعن کرنے والے کو یہ کہنے کا موقع ملے کہ

فضائل اہل بیت تو صرف موضوع اور باطل روایات سے ثابت ہیں۔ ہم نے ان روایات کا موضوع ہونا اس لیے بیان کیا ہے کہ مبادا کوئی شخص سابقین کے ان بڑے ناموں کو دیکھ کر ان روایات کو صحیح گمان کرے اور سابقین پر اعتماد کر کے ان روایات کو آگے بیان کرے اور نادانستہ طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے کے جرم اور گناہ میں ملوث ہو جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے محبت کے وجوب کے ثبوت میں ہم نے احادیث صحیحہ بیان کی ہیں اور اس تمہید کے بعد جواب کا حاصل یہ ہے کہ اس آیت (الشوریٰ: ۲۳) میں اس اجر کو طلب کرنے کا ذکر نہیں ہے جس کی قرآن مجید کی دوسری آیت میں نفی فرمائی ہے' کیونکہ اس اجر سے مراد معروف اجر ہے یعنی مال و دولت وغیرہ اور اس آیت میں جس اجر کے سوال کرنے کا ذکر ہے اس سے مراد ہے: آپ کے قرابت داروں سے محبت کرنا' ان کی تعظیم کرنا اور ان کے ساتھ نیک سلوک کرنا' باقی رہا یہ کہ اپنے اقارب کے ساتھ محبت کرنے اور ان کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی تلقین کرنا اقرباء پروری ہے اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے لائق نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود یہ نہیں فرمایا بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے سو یہ آپ پر اعتراض نہیں ہے' اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف اور آپ کی فضیلت ہے' جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کے صحابہ کو یہ عزت اور خصوصیت عطا کی کہ بعد کا کوئی مسلمان کتنی ہی عبادت کیوں نہ کر لے وہ اس صحابی کا مرتبہ نہیں پا سکتا جس نے ایمان کے ساتھ آپ کو دیکھا ہو اور ایمان پر ہی اس کا خاتمہ ہوا ہو اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کی ازواج کو یہ عزت اور خصوصیت دی کہ کوئی خاتون خواہ کتنی عابدہ زاہدہ ہو وہ آپ کی ازواج کے مرتبہ کو نہیں پا سکتی' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کے اہل بیت کو یہ عزت اور خصوصیت عطا کی ہے کہ ان کی محبت کو امت پر واجب کر دیا' ان پر صدقہ واجبہ کو حرام کر دیا اور ہر نماز میں ان پر صلوٰۃ بھیجنے اور ان کے لیے برکت کی دعا کرنے کو مقرر کر دیا۔

اس اعتراض کا یہ جواب کہ قربیٰ سے مراد اللہ تعالیٰ کا قرب ہے

(۳) اس آیت میں فرمایا ہے: ''میں تم سے اس کے سوا اور کوئی سوال نہیں کرتا کہ تم قربیٰ سے محبت رکھو'' اس آیت میں قربیٰ سے مراد اللہ کا قرب ہے اور اس کی تائید اس حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے جو تمہارے لیے دلائل اور ہدایت کی تبلیغ کی ہے' میں اس پر تم سے اس کے سوا اور کوئی سوال نہیں کرتا کہ تم اللہ سے محبت رکھو اور اس کی اطاعت کر کے اس کا قرب حاصل کرو۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۸ طبع قدیم' مسند احمد ج ۴ ص ۲۳۸' مؤسسة الرسالة' ۱۴۲۰ھ' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۱۴۴' المستدرک ج ۲ ص ۴۴۴۔۴۴۳' حاکم نے کہا ہے: اس حدیث کی سند صحیح ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۳۲۲۸)

الشوریٰ: ۲۳ کی اس تفسیر پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا' نہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ دیگر آیات میں تبلیغ رسالت پر اجر طلب کرنے کی نفی ہے اور اس آیت میں اثبات ہے کیونکہ اللہ کے قرب کو امت سے طلب کرنا وہ اجر نہیں ہے جس کے طلب کی نفی کی گئی ہے اور نہ اس پر اقرباء پروری کا اعتراض ہوتا ہے اور اس آیت کی یہ سب سے عمدہ تفسیر ہے۔

حاصل یہ ہے کہ میں نے جو تمہیں اللہ کا پیغام پہنچایا اور تبلیغ کی مشقت اٹھائی ہے اس پر میں تم سے اس کے سوا کوئی اجر طلب نہیں کرتا کہ تم اللہ کی توحید اور اس کی اطاعت سے محبت رکھو اور ہمیشہ اس کے احکام پر عمل کرتے رہو اور جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے ان کے قریب نہ جاؤ اور جو شخص اللہ کی اطاعت کر کے اس کا قرب حاصل کرے اس سے محبت رکھو' انسان

اس سے محبت کرتا ہے جو اس کے محبوب سے محبت رکھے کیونکہ دونوں کا محبوب واحد ہوتا ہے' سو جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے والا ہوگا اور اس آیت کے عموم میں داخل ہوگا کہ میں تبلیغ رسالت کی مشقت پر صرف اس اجر کا طالب ہوں کہ تم اللہ کا قرب حاصل کرنے میں محبت رکھو۔

محبت اہل بیت اور تعظیم صحابہ کا عقیدہ صرف اہل سنت و جماعت کی خصوصیت ہے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے' سب سے زیادہ اللہ کی اطاعت کرنے والے اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے حصول قرب میں محبت کرنے والے تھے اور قربیٰ کی یہ تیسری تفسیر جو ہم نے کی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ صحابہ کرام کے ساتھ وابستہ رہا جائے اور قربیٰ کی جو دوسری تفسیر ہم نے ذکر کی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ اہل بیت کے ساتھ رہا جائے' خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کرام اور اہل بیت عظام دونوں کی تعظیم و تکریم کی جائے' دونوں سے محبت رکھی جائے اور دونوں سے وابستہ رہا جائے اور یہ صرف اہل سنت و جماعت کی خصوصیت ہے کہ وہ صحابہ کرام اور اہل بیت عظام دونوں سے عقیدت رکھتے ہیں' اس کے برخلاف شیعہ اور رافضی اہل بیت سے تو محبت رکھتے ہیں لیکن صحابہ پر تبرّا کرتے ہیں اور ان سے بغض رکھتے ہیں اور ناصبی صحابہ کرام کی تعظیم و توقیر کرتے ہیں اور اہل بیت کی مذمت کرتے ہیں اور خارجی صحابہ اور اہل بیت دونوں کی مذمت کرتے ہیں۔

ہمارے ایک کنارے پر دنیا ہے اور دوسرے کنارے پر آخرت ہے اور درمیان میں تاریک سمندر ہے اور اندھیری رات میں جب انسان نے سلامتی کے ساتھ دوسرے کنارے پہنچنا ہو تو اس کے پاس صحیح و سالم کشتی بھی ہونی چاہیے اور اس کی نظر ستاروں پر ہونی چاہیے تاکہ اندھیرے میں اس کو ستاروں کی رہ نمائی حاصل ہو' دونوں میں سے ایک چیز بھی حاصل نہ ہو تو وہ سلامتی سے دوسرے کنارے تک نہیں پہنچ سکتا' اس وقت ہم احکام شرعیہ کے سمندر میں سفر کر رہے ہیں اور شیطان اور نفس امارہ کی موجیں ہم سے ٹکرا رہی ہیں اور ان کی طوفانی لہروں کے تھپیڑے ہمیں سلامتی کے ساحل سے دور رکھنے کی پوری کوشش کر رہے ہیں' ایسے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے اخروی سفر کی سہولت اور آسانی کے لیے ہمیں اہل بیت سے محبت اور وابستگی کی کشتی فراہم کی اور معصیت کے اندھیروں میں رہ نمائی کے لیے صحابہ کرام کو ستارے قرار دے کر ان کی ہدایت کی روشنی فراہم کی۔

محبت اہل بیت اور تعظیم صحابہ کے متعلق احادیث

اہل بیت سے محبت کو کشتی اس حدیث میں قرار دیا ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! تم میں میرے اہل بیت کی مثال حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح ہے جو اس میں سوار ہو گیا وہ نجات پا گیا اور جس نے اس کو چھوڑ دیا وہ ہلاک ہو گیا۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۲۶۱۴' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۶۳۷' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۳۹۱' جامع الاحادیث والسنن رقم الحدیث: ۳۲۳۸)

اور صحابہ کرام کو ستارے قرار دینے کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو بردہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی' پھر ہم نے کہا: ہم یہاں بیٹھے ہیں تاکہ آپ کے ساتھ عشاء کی نماز بھی پڑھ لیں' ہم بیٹھے رہے حتیٰ کہ آپ تشریف لے آئے' آپ نے فرمایا: تم جب سے یہیں ہو؟ ہم نے کہا: یا رسول اللہ! ہم نے آپ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی' پھر ہم نے کہا: ہم یہاں ٹھہر جاتے ہیں حتیٰ کہ ہم آپ کے ساتھ عشاء کی نماز بھی پڑھ لیں' آپ نے فرمایا: تم نے اچھا کیا اور ٹھیک کیا'

پھر آپ نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور آپ اکثر آسمان کی طرف سر اٹھاتے تھے' پس آپ نے فرمایا: ستارے آسمان کی امان ہیں اور جب ستارے نہیں ہوں گے تو پھر آسمان بھی پھٹ جائے گا اور میں اپنے اصحاب کے لیے امان ہوں اور جب میں چلا جاؤں گا تو میرے اصحاب فتنوں میں مبتلا ہو جائیں گے اور میرے اصحاب میری امت کے لیے امان ہیں' جب میرے اصحاب چلے جائیں گے تو میری امت فتنوں اور بدعات میں مبتلا ہو جائے گی۔

(صحیح مسلم کتاب الفتن' رقم الحدیث: ۲۰۷' رقم الحدیث بلاتکرار: ۲۵۳۱' الرقم المسلسل: ۶۳۴۸)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ منزلہ ستارے اور امت کے لیے وجہ امان قرار دیا ہے۔ اس کی تائید میں ایک اور حدیث یہ ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں میرے اصحاب کی مثال اس طرح ہے جیسے ستاروں کی مثال ہے' لوگ ان سے ہدایت حاصل کرتے ہیں اور جب وہ غائب ہو جاتے ہیں تو لوگ حیران ہو جاتے ہیں۔ (المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۴۱۹۳' اتحاف السادۃ المھرۃ رقم الحدیث: ۷۸۶۲' حافظ ابن حجر نے کہا: اس کی سند ضعیف ہے' مگر ہم کو مضر نہیں کیونکہ ہم نے اس کو تائید کے طور پر ذکر کیا ہے)

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ' علامہ نظام الدین نیشا پوری متوفی ۷۲۸ھ اور علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے صحابہ کو ستارے قرار دینے کے متعلق یہ حدیث ذکر کی ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں' تم نے ان میں سے جس کی بھی اقتداء کی تم ہدایت پا جاؤ گے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۹۶' غرائب القرآن ج ۶ ص ۷۴' روح المعانی جز ۲۵ ص ۵۰)

ہم نے اس حدیث کو اس لیے درج نہیں کیا کہ اس حدیث کی سند پر بہت سخت جرح کی گئی ہے' حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

اس حدیث کی کوئی اصل نہیں' اس کی سند میں جعفر بن عبد الواحد ہے اور وہ کذاب ہے' ابوبکر بزار نے کہا: یہ روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح نہیں' ابن حزم نے کہا: یہ حدیث جھوٹی موضوع باطل ہے۔

(تلخیص الحبیر ج ۴ ص ۱۵۶۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

ہم نے اس حدیث کا ساقط الاعتبار ہونا اس لیے بیان کیا ہے کہ مفسرینِ سابقین کے ان بڑے ناموں کو دیکھ کر مبادا کوئی اس حدیث کو صحیح سمجھ لے اور اس حدیث کو بیان کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی باتوں کی نسبت کرنے والوں میں شامل ہو جائے۔

اس کے بعد فرمایا: ''اور جو شخص نیکی کرے گا ہم اس کی نیکی کے حسن کو اور بڑھا دیں گے' بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بہت قدر کرنے والا ہے O''

اقتراف اور شکر کا معنیٰ

اس آیت میں یہ الفاظ ہیں: ''ومن یقترف حسنة'' یعنی جو شخص نیکی کا کسب کرے گا' اقتراف کا معنیٰ ہے: اکتساب۔

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں: اقتراف کا اصل معنیٰ ہے: درخت کی کھال چھیلنا' زخم کی کھال کو کریدنا' اس مجازی معنیٰ ہے: کسب کرنا' خواہ کسب اچھا ہو یا بُرا' لیکن بُرے کسب میں اقتراف زیادہ مشہور ہے' کہا جاتا ہے: ''الاعتراف

یزیل الاقتراف ''اعتراف جرم' ارتکاب جرم کو زائل کر دیتا ہے' قرف کا معنیٰ ہے: تہمت لگانا' کسی بات کو گھڑ کر یوں ظاہر کرنا کہ اصل میں یوں ہی ہے' قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَیُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ ۝ (الانعام: ۱۲۱)

جو لوگ گناہ کماتے ہیں ان کو عنقریب ان کے کرتوتوں کی سزا دی جائے گی ۝

وَ لِیَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ۝ (الانعام: ۱۱۴)

اور تاکہ وہ بُرے کام کریں جن بُرے کاموں کو وہ کرنے والے ہیں ۝

(المفردات ج ۲ ص ۵۱۸' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ مجد الدین المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

قراف کا معنیٰ جماع کرنا بھی ہے۔ حدیث میں ہے: جب ام کلثوم رضی اللہ عنہا فوت ہو گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من کان منکم لم یقارف اھلہ اللیلۃ فلیدخل قبرھا.

تم میں سے جس شخص نے آج رات اپنی بیوی سے جماع نہ کیا ہو وہ اس کی قبر میں داخل ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۴۲' مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۶) (نہایہ ج ۴ ص ۴۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اس آیت کے اس حصہ کا معنیٰ یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اس کے عمل کا پورا پورا اجر دے گا اور اس حصہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو شکور فرمایا ہے' شکور کا معنیٰ ہے: بہت زیادہ شکر کرنے والا' اور شکر اس فعل کو کہتے ہیں جس سے منعم کی تعظیم ظاہر ہو اور اس معنیٰ میں اللہ تعالیٰ پر شکور کا اطلاق محال ہے' اس لیے یہاں شکور کا معنیٰ مجازی مراد ہے' یعنی شکر کی بہت زیادہ جزاء دینے والا' اس لیے ہم نے اس کا ترجمہ قدر دان کیا ہے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایک اعتراض کا جواب

الشوریٰ: ۲۴ میں فرمایا: ''یہ کہتے ہیں کہ رسول نے اللہ پر جھوٹ بول کر بہتان تراشا ہے' پس اگر اللہ چاہے تو آپ کے دل پر مہر لگا دے گا اور اللہ باطل کو مٹا دیتا ہے اور حق کو ثابت رکھتا ہے' بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے ۝''

اس آیت میں افتراء اور کذب کے دو لفظ ہیں' افتراء کا معنیٰ ہے: اپنی طرف سے بات گھڑ کر کسی کی طرف منسوب کرنا اور کذب کا معنیٰ ہے: خلاف واقع بات کو بیان کرنا خواہ کسی سے سن کر بیان کرے یا اپنی طرف سے گھڑ کر بیان کرے۔

کفار کا مطلب یہ تھا کہ آپ نے جو نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور آپ قرآن مجید کی آیات تلاوت کر کے یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے' سو آپ کا یہ کہنا جھوٹ ہے اور اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کا رد کرتے ہوئے فرمایا: پس اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ آپ کے دل پر مہر لگا دے گا' یعنی اگر اللہ چاہتا تو آپ کے دل پر ایسی مہر لگا دیتا کہ آپ کسی چیز کا ادراک نہ کر سکتے' نہ کسی حرف یا لفظ کا تلفظ کر سکتے حتیٰ کہ آپ کوئی بات نہ کر سکتے' پس اگر آپ بالفرض اللہ پر افتراء کرتے تو اللہ تعالیٰ آپ کے دل پر ایسی مہر لگا دیتا اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل پر ایسی مہر نہیں لگائی تو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ پر افتراء نہیں باندھا اور کفار کا یہ دعویٰ جھوٹا ہے۔

''اور اللہ باطل کو مٹا دیتا ہے اور حق کو اپنے کلام سے ثابت رکھتا ہے'' اس کے دو محمل ہے (۱) اگر بالفرض سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ پر افتراء باندھا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کو مٹا دیتا اور حق کو ثابت کر دیتا (۲) یہ کفار جو آپ کی نبوت پر طعن کرتے ہیں کہ آپ پر حقیقت میں وحی نازل نہیں ہوئی اور آپ نے اللہ تعالیٰ پر (العیاذ باللہ) افتراء باندھا ہے ان کا یہ طعن باطل ہے

اور آپ کی نبوت برحق ہے' اللہ تعالیٰ ان کے طعن کو مٹا دے گا اور آپ کی نبوت کو ثابت کر دے گا۔

اس کے بعد فرمایا: ''بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے'' حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نہ تمہارے جسموں کی طرف دیکھتا ہے نہ تمہاری صورتوں کی طرف دیکھتا ہے لیکن وہ تمہارے دلوں کی طرف دیکھتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۶۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۴۳' تمہ جامع المسانید والسنن مسند ابو ہریرہ رقم الحدیث: ۵۰۱۰)

الشوریٰ: ۲۵ میں فرمایا: ''اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں کو معاف فرماتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اس کو جانتا ہے O''

توبہ کا لغوی اور عرفی معنیٰ

اللہ تعالیٰ کے توبہ قبول کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ جس گناہ سے بندہ توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس گناہ کی سزا نہیں دیتا اور اس پر مواخذہ نہیں کرتا اور بندے کی توبہ کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ اس سے جو گناہ ہو گیا ہے اس پر نادم ہو اور دوبارہ اس گناہ کو نہ کرنے کا عزم صمیم کرے۔ اگر اس سے فرائض اور واجبات رہ گئے ہیں تو ان کو قضا کرے' اگر کسی کا مال غصب کر لیا تھا یا چوری کر لیا تھا تو اس کا مال اس کو واپس کر دے اور جس طرح پہلے اس نے گناہ میں کوشش کی تھی اسی طرح اب اطاعت اور عبادت میں کوشش کرے اور جس طرح اس کو پہلے گناہ میں لذت حاصل ہوئی تھی اب عبادت میں لذت حاصل کرے اور ہنسنا کم کر دے اور روئے زیادہ۔

توبہ کے متعلق احادیث

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن اپنے گناہوں کو اس طرح سمجھتا ہے گویا کہ وہ ایک پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہوا ہے اور اس کو یہ خطرہ ہے کہ وہ پہاڑ اس کے اوپر گر پڑے گا اور فاجر اپنے گناہوں کو اس طرح دیکھتا ہے جیسے اس کی ناک پر مکھی بیٹھی ہوئی ہے اور وہ ہاتھ جھٹک کر اس مکھی کو اڑا دے گا' پھر آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی توبہ پر اس شخص سے زیادہ خوشی ہوتی ہے جو اپنی سواری سے کسی مقام پر پہنچا اور اس سواری پر اس کے کھانے پینے کی چیزیں تھیں' اس نے سواری سے اتر کر اپنا سر رکھا اور سو گیا اور جب وہ بیدار ہوا تو اس کی سواری وہاں سے جا چکی تھی' گرمی بہت شدید تھی اور اس کو سخت پیاس لگی ہوئی تھی' وہ پھر اپنی جگہ لوٹ آیا اور پھر سو گیا' پھر سر اٹھا کر دیکھا تو اس کی سواری وہاں موجود تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۰۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۴۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۹۷' جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۶۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص یہ ہرگز نہ کہے کہ اے اللہ! اگر تو چاہے تو میری مغفرت فرما اور اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم فرما' اس کو چاہیے کہ پورے عزم اور اصرار سے سوال کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کوئی مجبور کرنے والا نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۳۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۷۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۹۷' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۴۸۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۵۴' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۳۱۸' دار الفکر' بیروت' تمہ جامع المسانید والسنن مسند ابی ہریرہ رقم الحدیث: ۴۸۸۲)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک تمہارا رب تبارک و تعالیٰ حیاء دار کریم ہے' جب اس کا بندہ اس کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے تو وہ اس کے ہاتھوں کو خالی لوٹانے سے حیاء فرماتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۸۸، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۵۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۶۶)

ابی الجون بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو توبہ کرنے والے کی توبہ سے اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے جتنی پیاسے کو پانی پر جانے سے خوشی ہوتی ہے اور جتنی بانجھ عورت کو بچہ کی پیدائش سے خوشی ہوتی ہے اور جتنی کسی شخص کو گم شدہ چیز کے ملنے سے خوشی ہوتی ہے، پس جو شخص اللہ تعالیٰ سے خالص توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ کراماً کاتبین سے اور اس کے اپنے اعضاء سے وہ گناہ بھلا دیتا ہے اور تمام روئے زمین سے اس کے گناہوں کے آثار مٹا دیتا ہے۔

(الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۱۹۴۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۰۲۷۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ایمان والوں کی اور نیک کام کرنے والوں کی دعا قبول فرماتا ہے اور اپنے فضل سے ان کی نیکیوں میں اضافہ فرماتا ہے اور کافروں کے لیے سخت عذاب ہے O اگر اللہ اپنے سب بندوں پر رزق کشادہ کر دیتا تو وہ ضرور زمین میں سرکشی کرتے لیکن اللہ جتنا چاہے ایک اندازے سے رزق نازل فرماتا ہے، بے شک وہ اپنے بندوں کی مکمل خبر رکھنے والا، خوب دیکھنے والا ہے O وہی ہے جو لوگوں کے مایوس ہونے کے بعد بارش نازل فرماتا ہے اور اپنی رحمت نازل فرماتا ہے اور وہی مددگار ہے بہت حمد کیا ہوا O اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنا ہے اور ان جان داروں کو پیدا کرنا ہے جو اس نے آسمانوں اور زمینوں میں پھیلا دیئے ہیں اور وہ جب چاہے ان کو جمع کرنے پر قادر ہے O (الشوریٰ: ۲۹۔۲۶)

مسلمانوں کی بعض دعائیں قبول نہ فرمانے کی حکمتیں

الشوریٰ: ۲۶ میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں اور نیک کام کرنے والوں کی دعا قبول فرماتا ہے، حالانکہ بعض اوقات مؤمنین صالحین کی دعائیں بھی قبول نہیں ہوتیں، اس کے مفصل جواب تو ہم "وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ" (المومن: ۶۰) میں بیان کر چکے ہیں اور اس کے بعض جوابات پر مشتمل احادیث کو ہم یہاں بیان کر رہے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ کی دعا کے بعد تین چیزوں میں سے کوئی ایک چیز ضرور حاصل ہوتی ہے یا تو اس کا کوئی گناہ معاف کر دیا جاتا ہے یا اس کے لیے کسی خیر کو ذخیرہ کر لیا جاتا ہے یا اس کو کسی نیک عمل کی توفیق دی جاتی ہے۔ (الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۴۹۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۶۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا سوال پورا کر دیتا ہے یا اس سے اس دعا کی مثل کوئی مصیبت دور کر دیتا ہے، بہ شرطیکہ وہ کسی گناہ یا قطع رحم کی دعا نہ کرے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۸۱، مسند احمد ج ۳ ص ۳۶۰، جامع المسانید والسنن مسند جابر بن عبداللہ رقم الحدیث: ۱۱۵۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب اللہ عزوجل کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو اس کے اوپر مصائب ڈال دیتا ہے اور جب بندہ اللہ سے دعا کرتا ہے تو جبریل عرض کرتے ہیں: اے رب! اس کی حاجت پوری کر دے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: رہنے دو مجھے اس کی آواز اچھی لگتی ہے، پھر جب وہ (دوبارہ) دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے بندے! لبیک! مجھے میری عزت کی قسم! تو مجھ سے جس چیز کا بھی سوال کرے گا میں تجھ کو وہ عطا کروں گا اور تو مجھ سے جس چیز کی بھی دعا کرے گا میں تیری وہ دعا قبول کروں گا، یا تو تجھ کو جلدی وہ چیز دے دوں گا یا تیرے لیے آخرت میں اس چیز کا ذخیرہ کر لوں گا۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۹۷۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۹۱۸)

اللہ تعالیٰ مومن کی دعا کیوں کر قبول نہیں فرمائے گا جب کہ وہ مومن کی دعا کرنے سے خوش ہوتا ہے اور اس کے دعا نہ کرنے سے ناراض ہوتا ہے، حدیث میں ہے:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے فضل سے سوال کرو' کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو پسند فرماتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے اور افضل عبادت کشادگی کا انتظار کرنا ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۷۱' جامع المسانید والسنن مسند عبداللہ بن مسعود رقم الحدیث: ۶۵۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ سے سوال نہیں کرتا اللہ اس پر غضب ناک ہوتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۲۷' المستدرک ج ۱ ص ۴۹۱' مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جس شخص کے لیے دعا کا دروازہ کھول دیا گیا اس کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیئے گئے اور اللہ تعالیٰ سے سب سے اچھا سوال یہ ہے کہ اس سے عافیت کا سوال کیا جائے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۴۸' جامع المسانید والسنن مسند عبداللہ ابن عمر رقم الحدیث: ۲۷۸۴)

اس آیت میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنین صالحین کی دعا قبول فرماتا ہے' اس وجہ سے اس میں اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی دعا قبول فرماتا ہے یا نہیں' بعض علماء نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی دعا قبول نہیں فرماتا کیونکہ دعا قبول کرنا دعا کرنے والے کی تعظیم ہے اور کافر تعظیم کے لائق نہیں ہے اور بعض علماء نے کہا کہ بعض اعتبار سے کافر کی دعا بھی قبول کرنا جائز ہے اور اس آیت میں قبولیت دعا کی مؤمنوں کے ساتھ اس لیے تخصیص فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کی دعا قبول فرما کر مؤمنین کو عزت اور شرف عطا فرماتا ہے اور کافروں کی دعا کو بہ طور استدراج قبول فرماتا ہے یعنی ان کو ان کی فریب خوردگی میں مبتلا رکھنے کے لیے ان کی دعا قبول فرمالیتا ہے اور آخرت میں ان کو سخت عذاب ہوگا۔

الشوریٰ: ۲۷ میں فرمایا: "اگر اللہ اپنے سب بندوں پر رزق کشادہ کر دیتا تو وہ ضرور زمین میں سرکشی کرتے' لیکن اللہ جتنا چاہے ایک اندازے سے رزق نازل فرماتا ہے' بے شک وہ اپنے بندوں کی مکمل خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا ہے O"

الشوریٰ: ۲۷ کا شانِ نزول

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کوفہ میں ہر شخص نعمت کے ساتھ صبح کو اٹھتا تھا اور اس کا ادنیٰ درجہ یہ تھا کہ ایک شخص دریائے فرات سے پانی پیتا تھا اور سائے میں بیٹھتا تھا اور گندم کی روٹی کھاتا تھا اور یہ آیت اہل صفہ کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ "وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ" (الشوریٰ: ۲۷) کیونکہ اہل صفہ نے کہا تھا: کاش! ہمارے لیے رزق کشادہ ہوتا اور انہوں نے دنیا کی تمنا کی تھی۔ (المستدرک ج ۲ ص ۴۴۵' المستدرک رقم الحدیث: ۳۶۶۳' الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۹۸۴۸)

فقراء مسلمین نے وسعت اور فراخ دستی کی تمنا کی تھی' اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اگر اللہ تعالیٰ ان پر رزق فراخ اور کشادہ کر دے گا تو یہ سرکشی کریں گے اور ان کے لیے جو حد مقرر کی گئی ہے اس سے تجاوز کریں گے۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس نے فرمایا: ان کی سرکشی یہ ہے کہ یہ ایک گھر ملنے کے بعد دوسرا گھر طلب کریں گے' ایک چوپائے کے بعد دوسرا چوپایا اور ایک سواری کے بعد دوسری سواری اور ایک لباس کے بعد دوسرا لباس طلب کریں گے۔

ایک قول یہ ہے کہ اگر ان کو کثیر چیزیں مل جائیں تو یہ اکثر کو طلب کریں گے' حدیث میں ہے:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ابن آدم کے لیے مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کو طلب کرے گا اور ابن آدم کے پیٹ کو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۵۰)

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱۶ ص ۲۷ 'دار الفکر' بیروت '۱۴۱۵ھ)

قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: بہترین رزق وہ ہے جو تمہارے اندر سرکشی پیدا نہ کرے اور نہ تمہیں اللہ کی عبادت سے غافل کرے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۷۱۶ 'دار الفکر' بیروت '۱۴۱۵ھ)

آیا ایک سے زائد لباس رکھنا سرکشی اور بغاوت ہے؟

علامہ قرطبی نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ایک گھر کے بعد دوسرا گھر' ایک سواری کے بعد دوسری سواری اور ایک لباس کے بعد دوسرا لباس طلب کرنا زمین میں سرکشی اور بغاوت کرنا ہے' اس آیت کی یہ تفسیر صحیح نہیں ہے' خصوصاً یہ کہنا کہ ایک سے زائد لباس رکھنا زمین میں سرکشی اور بغاوت ہے' عقلاً اور شرعاً صحیح نہیں ہے' کیونکہ اگر انسان کے پاس صرف ایک ہی لباس ہو تو اگر وہ ساری عمر اسی لباس کو پہنا رہے تو وہ بہت میلا اور گندا ہو جائے گا اور اس میں جوئیں پڑ جائیں گی اور میلے کپڑوں کو نہ دھونے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور اگر وہ اس کو دھو کر صاف کرے گا تو جب اس کے پاس صرف وہی ایک لباس ہے تو کیا وہ برہنہ ہو کر اپنے کپڑے دھوئے گا اور کپڑے سوکھنے تک کیا وہ برہنہ بیٹھا رہے گا' حالانکہ برہنہ رہنا شرعاً مذموم ہے' اسی طرح اگر رات کو کپڑا نجس ہو جائے تو اس کو کس طرح پاک کرے گا۔

نیز ایک سے زائد کپڑے رکھنے کے ثبوت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

ایک سے زائد لباس رکھنے کے ثبوت میں احادیث

محمد بن منکدر بیان کرتے ہیں کہ حضرت جابر نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی اور ان کے باقی کپڑے کھونٹی پر ٹنگے ہوئے تھے' انہوں نے اس کپڑے کو اپنی گدی پر باندھا ہوا تھا' ان سے کسی نے کہا: آپ ایک کپڑے کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں؟ حالانکہ آپ کے پاس اور کپڑے بھی ہیں' حضرت جابر نے کہا: میں نے عمداً ایسا کیا ہے تاکہ تم جیسے احمق کو بھی معلوم ہو جائے کہ ایک کپڑے کے ساتھ بھی نماز ہو جاتی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہمارے پاس کب دو کپڑے ہوتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۰_۳۶۱_۳۵۳_۳۵۲ 'سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۲۸)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے دیکھا کہ مسجد کے دروازے پر ایک ریشمی حلہ فروخت ہو رہا تھا' انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ یہ حلہ خرید لیتے اور جمعہ کے دن اس کو پہنتے اور جب لوگ آپ سے ملنے کے لیے آتے تو آپ اس کو پہنتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو وہ شخص پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ حلے آئے' تو آپ نے ان میں سے ایک حلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیا' حضرت عمر نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے مجھے یہ حلہ پہننے کو دیا ہے' حالانکہ آپ اس سے پہلے عطارد کے حلوں کے متعلق وہ فرما چکے ہیں جو آپ نے فرمایا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تم کو پہننے کے لیے یہ حلہ نہیں دیا' پھر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مکہ میں اپنے ایک مشرک بھائی کو وہ حلہ دے دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۸۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۶۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۷۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۸۲' جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۱۸۶۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نقش و نگار والی چادر اوڑھ کر نماز پڑھی' پھر آپ نے اس کے بیل بوٹوں کی طرف نظر ڈالی' نماز سے فارغ ہو کر آپ نے فرمایا: ابوجہم کی اس چادر کو لے جاؤ اور مجھے ان کی سادہ چادر لا دو۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث: ۳۷۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۵۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۱۴' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۱۹۱۶)

امام بخاری ذکر کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھاؤ اور پیو اور لباس پہنو اور صدقہ کرو اور اسراف نہ کرو اور

تکبر نہ کرو اور حضرت ابن عباس نے فرمایا: جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پہنو اور اسراف اور تکبر سے بچو۔

(صحیح البخاری کتاب اللباس باب: ۱)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف جو یہ روایت منسوب ہے کہ ایک کپڑے کے بعد دوسرے کپڑے کو طلب کرنا اللہ کے احکام سے بغاوت اور سرکشی ہے یہ ان کی طرف غلط منسوب ہے اور رزق میں جو کشادگی بغاوت اور سرکشی کا سبب ہے وہ یہ ہے کہ انسان کے پاس مال زیادہ ہو اور وہ اس مال کو اللہ کی نافرمانی میں خرچ کرے' مثلاً شراب پیے' جوا کھیلے' فلمیں بنائے اور غیر محرم عورتوں سے اور ناجائز ذرائع سے اپنی جنسی تسکین کرے یا اپنی شان و شوکت دکھانے اور نام و نمود کے لیے بے تحاشا خرچ کرے اور اگر کوئی اپنا شوق پورا کرنے کے لیے اور زیب و زینت کے قصد سے چالیس پچاس کپڑوں کے جوڑے بنائے اور سال میں دس بارہ جوڑے غریبوں میں تقسیم کر دے تو وہ اسراف ہے نہ تکبر ہے' سرکشی اور بغاوت تو بہت دور کی بات ہے' وہ محض جمال اور زیبائش کے قصد سے مستحسن کام ہے اور احادیث میں اس کی تائید ہے جیسا کہ ان شاء اللہ ہم ابھی بیان کریں گے۔

زیادہ خرچ کرنے کی تفصیل اور تحقیق

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: زیادہ خرچ کرنے کی تین صورتیں ہیں:

(ا) جو کام شرعاً مذموم ہیں ان میں مال خرچ کرنا' ناجائز ہے۔

(ب) جو کام شرعاً محمود ہیں ان میں زیادہ مال خرچ کرنا محمود ہے بشرطیکہ اس میں زیادہ خرچ کرنے سے اس سے زیادہ اہم دینی کام متاثر نہ ہو۔

(ج) مباح کاموں میں زیادہ خرچ کرنا' مثلاً نفس کے آرام اور آسائش اور اس کے التذاذ کے لیے خرچ کرنا' اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) خرچ کرنے والا اپنے مال اور اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے تو یہ اسراف نہیں ہے۔

(۲) خرچ کرنے والا اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کرے' اس کی پھر دو قسمیں ہیں: اگر وہ کسی موجود یا متوقع ضرر اور خطرہ کو دُور کرنے کے لیے زیادہ خرچ کرتا ہے تو جائز ہے اور اگر دفع ضرر کے بغیر اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کرتا ہے تو جمہور کے نزدیک یہ اسراف ہے اور بعض شافعیہ نے یہ کہا ہے کہ یہ اسراف نہیں ہے کیونکہ وہ اس سے بدن کے آرام اور آسائش کے حصول کا قصد کرتا ہے اور یہ غرض صحیح ہے اور جب کہ یہ کسی معصیت میں خرچ نہیں ہے تو مباح ہے۔ ابن دقیق العید' قاضی حسین' امام غزالی اور علامہ رافعی نے کہا ہے کہ یہ تبذیر ہے اور ناجائز ہے' محرر میں ہے کہ یہ تبذیر نہیں ہے' علامہ نووی کی بھی یہی رائے ہے اور زیادہ راجح یہ ہے کہ اگر زیادہ خرچ کرنے سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی' مثلاً لوگوں سے سوال کرنے کی نوبت نہیں آتی تو پھر زیادہ خرچ کرنا جائز ہے ورنہ ناجائز ہے۔

اپنے تمام مال کو راہِ خدا میں صدقہ کرنا اس شخص کے لیے جائز ہے جو تنگی اور فقر میں صبر کر سکتا ہو' علامہ باجی مالکی نے لکھا ہے کہ تمام مال کو صدقہ کرنا ممنوع ہے اور دنیاوی مصلحتوں میں زیادہ مال خرچ کرنا مکروہ ہے' البتہ کبھی کبھی زیادہ خرچ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسے عید یا ولیمہ کے موقع پر' اور اس پر اتفاق ہے کہ قدر ضرورت سے زیادہ مکان پر خرچ کرنا مکروہ ہے' اسی طرح آرائش اور زیبائش پر زیادہ خرچ کرنا بھی مکروہ ہے اور مال کو ضائع کرنا گناہ کے کاموں کے ساتھ خاص نہیں ہے' بلکہ مال کسی ناتجربہ کار کے حوالہ کر دینا اور جواہر نفیسہ پر مال خرچ کر دینا بھی اس میں داخل ہے۔

علامہ سبکی نے لکھا ہے کہ مال کو ضائع کرنے کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر مال خرچ کرنے سے کوئی دینی اور دنیاوی غرض نہ ہو تو اس میں مال خرچ کرنا حرام قطعی ہے اور اگر دینی یا دنیوی غرض ہو اور اس جگہ مال خرچ کرنا معصیت نہ ہو اور خرچ اس کی حیثیت کے مطابق ہو تو یہ قطعاً جائز ہے اور ان دونوں مرتبوں کے درمیان بہت ساری صورتیں ہیں جو کسی ضابطہ کے تحت داخل نہیں ہیں۔ بہر حال معصیت میں خرچ کرنا حرام ہے اور آرام اور آسائش اور نفسانی لذتوں کے حصول کے لیے مال خرچ کرنے میں تفصیل اور اختلاف ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۴۰۹۔۴۰۸ مطبوعہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

اسراف اور اقتار کا محمل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝ (الفرقان: ۶۷)

وہ لوگ جو خرچ کرتے وقت نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی سے کام لیتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا زیادتی اور کمی کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے ۝

امام رازی نے اس آیت کی تین تفسیریں ذکر کی ہیں:

(۱) خرچ کرنے میں اعتدال سے کام لیا جائے' غلو ہو نہ تقصیر' جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل: ۲۹)

اور اپنا ہاتھ اپنی گردن تک بندھا ہوا نہ رکھو اور نہ اس کو بالکل کھول دو کہ ملامت زدہ اور درماندہ بیٹھے رہو ۝

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' مجاہد' قتادہ اور ضحاک سے منقول ہے کہ اللہ کی معصیت میں خرچ کرنا اسراف ہے اور اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہ کرنا اقتار ہے' مجاہد نے کہا: اگر پہاڑ کے برابر سونا اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کرے تو اسراف نہیں ہے اور اگر صاع (چار کلو گرام) بھی اللہ کی معصیت میں خرچ کرے تو اسراف ہے۔ حسن بصری نے کہا: کبھی واجب کو ادا کرنا نہ تقتیر ہوتا ہے اور کبھی مستحب کو ادا نہ کرنا بھی تقتیر ہوتا ہے' مثلاً اگر مال دار آدمی اپنے غریب رشتہ داروں کی کفالت نہ کرے تو یہ بھی تقتیر ہے۔

(۳) دنیا کے عیش اور آسائش میں حد سے گزرنا اسراف ہے' خواہ یہ عیش مال حلال سے ہو پھر بھی مکروہ ہے' کیونکہ یہ تکبر اور اقتار کا سبب ہے۔ اگر کوئی شخص اس قدر زیادہ سیر ہو کر کھائے جس کی وجہ سے عبادت نہ کر سکے تو یہ اسراف ہے اور اگر بقدر ضرورت سے کم کھائے تو اقتار ہے اور اعتدال یہ ہے کہ بقدر ضرورت کھائے اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی صفت ہے جو لذت کے لیے نہیں کھاتے تھے اور نہ جمال اور زینت کے لیے پہنتے تھے' وہ بس اتنا کھاتے تھے جس سے بھوک دور ہو جاتی اور اس سے ان کو عبادت کرنے کی طاقت حاصل ہوتی اور اتنا لباس پہنتے جو ستر عورت کے لیے کافی ہوتا اور ان کو گرمی اور سردی سے بچا سکتا۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۴۵۶' دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

لذت اور آسائش کے لیے مال خرچ کرنا اسراف نہیں ہے

امام رازی نے جو لکھا ہے کہ صحابہ لذت کے لیے نہیں کھاتے تھے اور جمال اور زینت کے لیے نہیں پہنتے تھے یہ ان بعض صحابہ کا حال ہے جن پر زُہد کا غلبہ تھا۔ ورنہ تحقیق یہ ہے کہ صاحب حیثیت کے لیے رزق حلال سے لذیذ کھانے کھانا' قیمتی کپڑے پہننا اور دیگر زیبائش اور آرائش کی اشیاء حاصل کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ موجب اجر و ثواب ہے بشرطیکہ وہ ان نعمتوں کا شکر ادا کرے اور ان چیزوں کے حصول میں مال خرچ کرنے سے کوئی مالی عبادت فوت ہو نہ کسی کا حق تلف ہو' اللہ تعالیٰ کا

ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ. (البقرہ:۱۷۲)

اے ایمان والو! ان پاک چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ. (المائدہ:۸۷)

اے ایمان والو! ان پاک چیزوں کو حرام نہ کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کر دی ہیں۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ. (الاعراف:۳۲)

آپ فرمائیے کہ اللہ نے اپنے بندوں کے لیے جو زینت پیدا کی ہے اس کو کس نے حرام کیا ہے؟ اور اللہ کے رزق سے پاک اور لذیذ چیزوں کو کس نے حرام کیا ہے؟

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن عبد الله بن مسعود عن النبی ﷺ قال لا یدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال ذرة من کبر قال رجل ان الرجل یحب ان یکون ثوبه حسنا ونعله حسنة قال ان الله جمیل یحب الجمال الکبر بطر الحق وغمط الناس.

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے دل میں ایک ذرّہ کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ ایک شخص نے کہا: ایک آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کی جوتی اچھی ہو' آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حسین ہے اور حُسن کو پسند کرتا ہے' تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے

امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۹۹۹)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

ثم سأل رجل عمر فقال اذا وسع الله فاوسعوا. (صحیح البخاری ج۱ ص۵۳' مطبوعہ کراچی)

ایک شخص نے حضرت عمر سے (دو کپڑے پہن کر نماز پڑھنے کے متعلق) پوچھا تو حضرت عمر نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں وسعت دی ہے تو وسعت اختیار کرو۔

امام ابوداؤد متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

عن ابی الاحوص عن ابیه قال اتیت النبی صلی الله علیه وسلم فی ثوب دون فقال الک مال قال نعم قال من ای المال قال قد اتانی الله من الابل والغنم والخیل والرقیق قال فاذا اتاک الله مالا فلیر اثر نعمة الله علیک و کرامته.

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۰۶۳' سنن نسائی رقم الحدیث:۵۲۳۹)

ابو الاحوص کے والد (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں معمولی کپڑوں میں گیا' آپ نے فرمایا: تمہارے پاس مال ہے؟ میں نے کہا: جی! فرمایا: کون سا مال ہے؟ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اونٹ' بکریاں' گھوڑے اور غلام دیئے ہیں' آپ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے تم کو مال دیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نعمت اور کرامت کا اثر تم پر دکھائی دینا چاہیے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے

يحب ان يرى اثر نعمته على عبده.

بندے پر اپنی نعمت کا اثر دیکھنے کو پسند کرتا ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۱۹، مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۱)

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن جابر بن عبد الله قال اتانا رسول الله صلى الله عليه وسلم فراى رجلا شعثا قد تفرق شعره فقال اما كان هذا يجد ما يسكن به شعره وراى رجلا اخر عليه ثياب وسخة فقال اما كان هذا يجد ما يغسل به ثوبه.

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے ایک شخص کو دیکھا جس کے بال بکھرے ہوئے تھے آپ نے فرمایا: کیا اس شخص کو ایسی چیز نہیں ملتی جس سے اپنے بالوں کو ٹھیک کر سکے ایک اور شخص کو آپ نے دیکھا جس نے میلے کپڑے پہنے ہوئے تھے آپ نے فرمایا: کیا اس کو ایسی چیز دستیاب نہیں جس سے اپنے کپڑے دھو سکے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۰۶۲، سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۲۳۳، جامع المسانید والسنن مسند جابر ابن عبد اللہ رقم الحدیث: ۱۶۵۰)

ہم نے قرآن مجید کی آیات اور احادیث صحیحہ سے یہ واضح کر دیا ہے کہ رزق حلال سے لذیذ کھانے کھانا اور قیمتی کپڑے پہننا بھی مستحسن اور مستحب ہے بشرطیکہ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے اور مستحقین کے حقوق ادا کیے جائیں۔ باقی امام رازی نے جو یہ لکھا ہے کہ صحابہ لذت کے لیے نہیں کھاتے تھے اور زینت کے لیے کپڑے نہیں پہنتے تھے تو ہو سکتا ہے کہ یہ ان بعض صحابہ کا حال ہو جن پر زہد کا غلبہ تھا ورنہ عام صحابہ کرام سے یہ کیسے متصور ہو سکتا ہے کہ وہ قرآن مجید کی ان آیات اور صریح احادیث سے صرف نظر کر لیتے؟ اور اگر کسی شخص کو یہ وہم ہو کہ بھوک مٹانا اور شرم گاہ چھپانا تو ضروری ہے اس لیے بھوک مٹانے کے لیے کھانا اور ستر پوشی کے لیے پہننا تو اجر و ثواب کا باعث ہو گا لیکن لذت کے لیے اچھے کھانے کھانا اور زیبائش کے لیے قیمتی کپڑے پہننا کس طرح اجر و ثواب کا موجب ہو گا؟ کیونکہ مقصود رمق حیات کو برقرار رکھنا ہے حصول لذت تو مقصود نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رزق حلال سے کھانے کی لذت حاصل کرنا اور حلال مال سے زیبائش حاصل کرنا اس لیے موجب اجر و ثواب ہے کہ اگر اس لذت کو حرام مال سے حاصل کیا جاتا تو اس پر بندہ اخروی سزا کا مستحق ہوتا، سو اگر بندہ اس لذت کو حلال مال سے حاصل کرے گا تو اخروی اجر و ثواب کا مستحق ہو گا اور اس کی دلیل اس حدیث میں ہے:

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وفى بضع احدكم صدقة قالوا يا رسول الله اياتى احدنا شهوته ويكون له فيها اجر قال ارءيتم لو وضعها فى حرام اكان عليه وزر فكذلك اذا وضعها فى الحلال كان له اجر.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی شخص کا جماع کرنا بھی صدقہ ہے، صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم میں سے کوئی شخص اگر شہوت پوری کرنے کے لیے جماع کرے تو کیا پھر بھی اس کو ثواب ملے گا؟ آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر وہ حرام طریقے سے اپنی شہوت پوری کرتا تو اس کو گناہ ہوتا؟ سو اگر وہ حلال طریقے سے اپنی شہوت پوری کرے گا تو اس کو اجر ملے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۰۶)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی متعدد اسانید کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۱۶۸)

خلاصہ یہ ہے کہ رزق حلال سے لذیذ کھانے کھانا، قیمتی لباس پہننا، خوبصورت مکان بنانا اور دیگر زیب و زینت اور آرام اور آسائش کی چیزیں حاصل کرنا صاحب حیثیت کے لیے نہ صرف جائز ہے بلکہ اجر و ثواب کا موجب ہے بشرطیکہ ان لذتوں

کے حصول کی وجہ سے کسی مالی عبادت میں حرج ہو اور نہ کسی حق دار کا حق تلف ہو اور ان نعمتوں پر وہ شخص اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے۔

مال و دولت کی تقسیم میں مساوات کی خرابیاں

اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر تم لوگ رزق اور مال و دولت میں مساوی ہوتے تو نہ کوئی مزدور ہوتا نہ مستری ہوتا' نہ کوئی کاریگر ہوتا نہ انجینیر ہوتا' انسان کے جسم کے تمام اعضاء مساوی نہیں ہیں' ایک آنکھ کی جو قدر و قیمت ہے وہ ایک انگلی کی نہیں ہے' سر کی جو قدر و قیمت ہے وہ ایک ہاتھ یا پیر کی نہیں ہے' خون شریانوں میں ہوتا ہے اور پیشاب مثانہ میں ہوتا ہے' اگر اس کا الٹ ہو جائے اور کسی کا خون مثانہ میں پہنچ جائے اور پیشاب شریانوں میں چلا جائے تو جسم کا نظام فاسد ہو جائے گا تو جس طرح انسان کے اعضاء میں درجات کے اعتبار سے فرق ہے اسی طرح انسانوں کے طبقات میں فرق ہے' جس طرح ایک کار یا ایک جہاز کے تمام پرزے ایک درجہ کے نہیں ہوتے اسی طرح انسانوں کے تمام طبقات بھی ایک درجے کے نہیں ہیں اور سب انسانوں کے پاس برابر کا رزق ہوتا تو معیشت' کارخانے اور کاروبار معطل ہو جاتے۔

اس کی ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اگر ہمیشہ بارش ہوتی رہتی تو لوگ دعا نہ کرتے' اس لیے کبھی بارش نہیں ہوتی تاکہ لوگ دعا کریں اور کبھی بارش ہو جاتی ہے تاکہ لوگ شکر کریں۔

مال کی زیادتی کی خرابیاں

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے' ہم بھی آپ کے گرد بیٹھ گئے' آپ نے فرمایا: مجھے تمہارے متعلق اس بات کا خوف ہے کہ تم پر دنیا کی خوش حالی اور اس کی زیب و زینت کھول دی جائے گی' ایک شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا اچھائی برائی کا سبب بن جائے گی؟ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے' اس لیے اس شخص سے کہا گیا: تم نے ایسی کیا بات کہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم سے بات نہیں کر رہے' پھر ہم کو ایسا لگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہو رہی ہے' پھر آپ نے پسینہ صاف کیا' پھر آپ نے پوچھا کہ وہ سوال کرنے والا کہاں ہے؟ اور گویا کہ آپ نے اس سائل کی تعریف کی' پھر آپ نے فرمایا کہ اچھائی برائی کا سبب نہیں بنتی' لیکن موسم بہار میں ایسی گھاس بھی اگتی ہے جو جان لیوا ہوتی ہے' البتہ ہریالی چرنے والا وہ جانور بچ جاتا ہے جو خوب چرتا ہے' پھر جب اس کی دونوں کوکھیں بھر جاتی ہے تو وہ دھوپ میں جا کر لید یا پیشاب کرتا ہے اور پھر چرنا شروع کر دیتا ہے' اسی طرح یہ مال و دولت بھی ایک خوشگوار سبزہ زار ہے اور مسلمان کا وہ مال کس قدر عمدہ ہے جو مسکین' یتیم اور مسافر کو دیا جائے یا جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص مال کو ناحق طریقہ سے لے گا وہ اس شخص کی طرح ہے جو کھاتا رہتا ہے لیکن اس کا پیٹ نہیں بھرتا اور قیامت کے دن یہ مال اس کے خلاف ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۶۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۵۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۵۲)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مثالیں بیان فرمائی ہیں: ایک مثال اس شخص کی ہے جو حد سے زیادہ دنیا جمع کرتا ہے اور اس مال کا حق ادا نہیں کرتا ہے اور دوسری مثال اس شخص کی ہے جو اعتدال کے ساتھ مال دنیا جمع کرتا ہے۔ آپ نے جو یہ فرمایا کہ موسم بہار میں ایسی گھاس بھی اگتی ہے جو جان لیوا ہوتی ہے یہ اس شخص کی مثال ہے جو ناحق طریقہ سے مال جمع کرتا ہے کیونکہ موسم بہار میں خشک گھاس کی تاثیر گرم ہوتی ہے' مویشی اس کو کثرت سے کھاتے ہیں' حتیٰ کہ ان کے پیٹ پھول جاتے ہیں اور جب ان کا کھانا اعتدال سے تجاوز کر جاتا ہے تو ان کی انتڑیاں پھٹ جاتی ہیں اور وہ مویشی ہلاک ہو جاتے ہیں'

اسی طرح جو شخص ناحق مال دنیا جمع کرتا ہے اور حق دار کو اس کا حق نہیں دیتا تو وہ آخرت میں ہلاک ہو جاتا ہے اور دوزخ میں داخل ہوتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: البتہ ہریالی چرنے والا وہ جانور بچ جاتا ہے جو خوب چرتا ہے الخ' یہ اعتدال سے دنیا جمع کرنے والے کی مثال ہے کیونکہ سرسبز گھاس فصل بہار کی خشک گھاس کی طرح نہیں ہے' یہ وہ سبزہ ہے جس کو فصل پکنے کے بعد مویشی کھاتے ہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مثال اس شخص کی دی ہے جو اعتدال سے دنیا جمع کرتا ہے اور اس کو حرص اس بات پر برانگیختہ نہیں کرتی کہ وہ ناحق مال جمع کرے' اس لیے وہ ناحق مال جمع کرنے والے کے وبال سے نجات یافتہ ہے' جیسے سبزہ کھانے والے مویشی نجات یافتہ ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۹ ص ۵۸' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

بعض لوگوں کو امیر اور بعض لوگوں کو فقیر بنانے کی مصلحتیں

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

ہر چند کہ اللہ سبحانہ پر لوگوں کی صلاح اور منفعت کے لیے افعال کرنا واجب نہیں ہے پھر بھی اللہ تعالیٰ کے افعال حکمتوں اور مصلحتوں سے خالی نہیں ہیں' اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کے متعلق یہ علم ہوتا ہے کہ اگر اس پر دنیا کشادہ کر دی گئی تو اس کے اعمال فاسد ہو جائیں گے۔ اس لیے اس کی مصلحت اس میں ہے کہ اس پر رزق تنگ کر دیا جائے' پس کسی شخص پر رزق تنگ کرنا اس کی توہین نہیں ہے اور کسی پر رزق کشادہ کرنا اس کی فضیلت نہیں ہے' اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں پر رزق کشادہ کر دیا' حالانکہ اس کو علم تھا کہ وہ اس مال کو ناجائز کاموں میں صرف کریں گے اور اگر وہ اس کے خلاف کرتا تو وہ ان کے حق میں بہتر ہوتا اور یہ تمام معاملات اللہ تعالیٰ کی مشیت کی طرف مفوض ہیں اور یہ التزام نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے ہر فعل میں بندوں کی مصلحت ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ مالک علی الاطلاق ہے' وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور وہ اپنے کسی فعل پر جواب دہ نہیں ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۲۷' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: جس شخص نے میرے ولی کی اہانت کی اس نے مجھ سے اعلان جنگ کر دیا اور میں اپنے اولیاء کی مدد میں سب سے زیادہ جلدی کرتا ہوں اور میں ان کی خاطر اس طرح غضب ناک ہوتا ہوں جس طرح شیر غضب ناک ہوتا ہے اور میں جو کام کرنے والا ہوں اس میں کبھی اتنی تاخیر نہیں کرتا جتنی تاخیر اپنے بندہ مومن کی روح قبض کرنے میں کرتا ہوں' وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اسے رنجیدہ کرنے کو ناپسند کرتا ہوں' حالانکہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں اور بندہ مومن میرا سب سے زیادہ قرب فرائض کی ادائیگی سے حاصل کرتا ہے اور بندہ مومن نوافل سے میرا مزید قرب حاصل کرتا رہتا ہے' حتیٰ کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں اور جب میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کے کان' آنکھ' زبان اور ہاتھ ہو جاتا ہوں اور اس کا مؤید ہو جاتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو عطا کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا کو قبول کرتا ہوں اور بے شک میرے مومن بندوں میں کچھ وہ ہیں جو مجھ سے عبادت کے دروازہ کے کھولنے کا سوال کرتے ہیں اور میں جانتا ہوں کہ اگر میں اس کے لیے عبادت کا وہ دروازہ کھول دوں تو اس میں فخر اور تکبر پیدا ہو گا اور اس کی وہ عبادت بھی ضائع ہو جائے گی اور بے شک میرے بعض مومن بندے ایسے ہیں جن کی صلاح اور فلاح صرف غناء اور خوش حالی سے ہو سکتی ہے' اگر میں ان کو فقیر بنا دوں تو فقر ان کے حال کو فاسد کر دے گا اور بے شک میرے مومن بندوں میں سے بعض وہ ہیں کہ ان کی صلاح اور فلاں صرف فقر میں ہے' اگر میں ان کو غنی کر دوں تو غناء اور خوش حالی ان کے حال کو فاسد کر دے گی اور میں اپنے بندوں کی تدبیر کرتا رہتا ہوں کیونکہ

مجھے ان کے دلوں کا علم ہے' بے شک میں علیم (و) خبیر ہوں۔ پھر حضرت انس نے کہا: اے اللہ! بے شک میں تیرے ان مومن بندوں میں سے ہوں جن کی صلاح اور فلاح صرف غناء اور خوش حالی میں ہے۔

(رسائل ابن ابی الدنیا ج ۴' رسالۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۱' مؤسسۃ الکتب الثقافیہ' بیروت' ۱۴۱۴ھ' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۱۶۰' جامع العلوم والحکم لابن رجب الحنبلی ص ۳۳۸' حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۵۔۴' صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۵)

کشادگی رزق کی وجہ سے سرکشی کی وجوہات

رزق میں کشادگی حسب ذیل وجوہ سے طغیان اور سرکشی کا سبب ہے۔

(۱) اگر اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو رزق میں مساوی کر دیتا تو بعض لوگ دوسروں کے محتاج نہ ہوتے اور اس سے اس جہان کا کاروبار چل نہیں سکتا تھا اور تجارت' صنعت و حرفت' کارخانے' تعمیرات اور افواج وغیرہ کا نظام جاری نہ رہ سکتا۔

(۲) اگر سب لوگ سرمایہ دار ہوتے تو زکوٰۃ' صدقہ اور فطرہ لینے والا کوئی نہ ہوتا اور لوگ دین کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے مدارس دینیہ کی طرف رجوع نہ کرتے' کیونکہ زیادہ تر علم دین حاصل کرنے والے فقراء ہوتے ہیں۔

(۳) انسان فی نفسہ اپنی طبیعت کے لحاظ سے متکبر ہے' پس جب وہ غناء اور خوشحالی کو پائے گا تو اپنی خلقت اصلیہ کے تقاضے کی طرف لوٹ جائے گا اور فخر اور تکبر کرے گا اور جب وہ تنگ دستی اور فقر و فاقہ میں مبتلا ہوگا تو اس میں تواضع اور انکسار پیدا ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور تواضع کی طرف رجوع کرے گا۔

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ پھر چاہیے تھا کہ سب لوگ مفلس اور فقیر ہوتے تاکہ سب لوگ متواضع ہوتے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرتے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی وہ عبادات نہ ہو سکتیں جو مال و دولت پر موقوف ہیں' مثلاً پھر لوگ حج اور عمرہ نہ کر سکتے' قربانی نہ کر سکتے' زکوٰۃ' صدقات' خیرات اور فطرہ وغیرہ نہ ادا کر سکتے اور نصف ایمان صبر ہے اور نصف ایمان شکر ہے' تنگ دست لوگ مال نہ ہونے پر صبر کرتے ہیں اور خوش حال لوگ مال ہونے کی وجہ سے شکر کرتے ہیں' پس حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں میں فقر و فاقہ رکھتا اور کچھ لوگوں میں مال و دولت رکھتا۔

الشوریٰ: ۲۸ میں فرمایا: ''وہی ہے جو لوگوں کے مایوس ہونے کے بعد بارش نازل فرماتا ہے اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے اور وہی مددگار ہے بہت حمد کیا ہواO''

غیث اور قنوط کا معنی

اس آیت میں ''غیث'' کا لفظ ہے' غیث کا معنی ہے: بارش' بادل اور گھاس کو بھی غیث کہتے ہیں۔ (مختار الصحاح ص ۲۸۷)

اور اس آیت میں ''قنطوا'' کا لفظ ہے' قنوط کا معنی ہے: مایوس ہونا۔ (مختار الصحاح ص ۳۲۳)

قحط کے زمانہ میں جب لوگ بارش کے نازل ہونے سے مایوس ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ لوگوں پر اچانک بارش نازل فرما دیتا ہے اور مایوسی کے بعد بارش کو نازل کرنا لوگوں کے لیے زیادہ شکر ادا کرنے کا موجب ہے کیونکہ مصیبت کے بعد جب نعمت حاصل ہوتی ہے تو وہ زیادہ شکر کا موجب ہوتی ہے۔

بارش ہونے اور بارش نہ ہونے کی وجوہ کے متعلق احادیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں لوگ قحط میں مبتلا ہو گئے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ ایک اعرابی کھڑا ہوا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! مال مویشی ہلاک ہو گئے اور بچے بھوکے ہیں' آپ اللہ سے ہمارے لیے دعا کیجئے' آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی: ہم اس وقت آسمان میں کوئی بادل کا ٹکڑا نہیں

دیکھ رہے تھے' پس اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے' ابھی آپ نے اپنے اٹھے ہوئے ہاتھ نیچے نہیں کیے تھے' حتیٰ کہ پہاڑوں کی مانند بادل امنڈ آئے' پھر ابھی آپ منبر سے نیچے نہیں اترے تھے کہ آپ کی ڈاڑھی مبارک سے بارش کے قطرے ٹپک رہے تھے' پس اس دن بارش ہوتی رہی' پھر اگلے دن بارش ہوتی رہی' پھر اس کے اگلے دن بارش ہوتی رہی حتیٰ کہ دوسرا جمعہ آ گیا' پھر وہی اعرابی یا کوئی دوسرا اعرابی کھڑا ہوا اور اس نے کہا: یارسول اللہ! مکانات منہدم ہو گئے' مال مویشی غرق ہو گئے' سو آپ ہمارے لیے دعا کریں' پس آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی: اے اللہ! ہمارے اردگرد بارش نازل فرما' ہم پر بارش نہ نازل فرما' پس آپ جس طرف بھی اشارہ فرماتے تھے اس طرف سے بادل ہٹتے جاتے تھے اور مدینہ خالی زمین کے ٹکڑے کی طرح ہو گیا اور جو شخص بھی کسی طرف سے آتا تھا وہ زمین کی زرخیزی کی خبر دیتا تھا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۳۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۹۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۷۵' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۵۱۵_۱۵۱۴_۱۵۱۳' جامع المسانید والسنن مسند انس بن مالک رقم الحدیث: ۱۶۵۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے شہروں کے قحط اور بارش کے دیر سے ہونے کی شکایت کرتے ہو' حالانکہ اللہ عزوجل نے تم کو یہ حکم دیا ہے کہ تم اس سے دعا کرو اور اس نے تم سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ تمہاری دعا قبول فرمائے گا' تم یہ دعا کرو:

اللھم انت اللہ لا الہ الا انت الغنی ونحن الفقراء انزل علینا الغیث واجعل ما انزلت علینا قوۃ وبلاغا الی حین.

اے اللہ! تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' تو غنی ہے اور ہم محتاج ہیں' ہم پر بارش نازل فرما اور ہم پر جو بارش نازل فرمائے اس کو ہمارے لیے ایک مدت تک قوت اور رزق کا ذریعہ بنا دے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۷۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۵۸۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قحط سالی یہ نہیں ہے کہ بارش نہ ہو لیکن قحط سالی یہ ہے کہ تم پر بارش ہو پھر تم پر بارش ہو لیکن زمین کچھ نہ اگائے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۳۴۲ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۴ ص ۲۰۲' رقم الحدیث: ۸۵۱۱' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۷ھ' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۰۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۹۵)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کسی بھی قوم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سوا بارش نہیں ہوتی اور کسی بھی قوم پر قحط سالی اللہ کی ناراضگی کے سوا نہیں ہوتی۔ (جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۸۷۰۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۵۹۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صرف اسی قوم پر قحط مسلط کیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے سرکشی کرتی ہے۔ (جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۸۶۰۸' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۷۹۲۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۵۹۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر غضب ناک ہوتا ہے تو ان پر زمین میں دھنسانے کا عذاب نازل نہیں کرتا اور نہ ان کی شکلیں مسخ کرتا ہے' ان کے غلے کے نرخ مہنگے ہو جاتے ہیں اور ان سے بارشیں روک لی جاتی ہیں اور ان کے بدترین لوگ ان پر حاکم بنا دیئے جاتے ہیں۔

(جمع الجوامع رقم الحدیث: ۶۶۸۱' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۱۶۷۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۵۹۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انبیاء میں سے ایک نبی لوگوں کو لے کر اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا کرنے گئے تو ایک چیونٹی نے بھی اپنی ٹانگوں پر کھڑے ہو کر دعا کے لیے اپنے ہاتھ اٹھا لیے تو اس نبی نے لوگوں سے کہا: واپس چلو' اس چیونٹی کی وجہ سے تمہاری دعا قبول ہو گئی ہے۔ (المستدرک ج ۱ ص ۳۲۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۵۸۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے: اگر میرے بندے میری اطاعت کریں تو میں رات میں ان پر بارش نازل کروں گا اور دن میں ان کے لیے دھوپ نکالوں گا اور ان کو بادل کی گرج نہیں سناؤں گا۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۳۵۹ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۴ ص ۳۵۹' رقم الحدیث: ۸۷۰۸' مسند البزار رقم الحدیث: ۴۶۶' المستدرک ج ۴ ص ۲۵۶)

''ولی حمید'' کا معنیٰ

اور فرمایا: ''اور وہی ولی حمید ہے''۔ ولی کا معنیٰ ہے: وہ مالک ہے اور اپنے بندوں پر احسان اور اکرام کرنے کا والی ہے اور رحمت کو پھیلانے والا ہے اور حمید کا معنیٰ ہے: وہی حمد اور ستائش کا مستحق ہے' اس کے علاوہ اور کوئی تمام کمالات اور تمام نعمتوں پر تعریف کیے جانے کے لائق نہیں ہے اور ولی کا ایک اور معنیٰ یہ ہے کہ وہی بارش کو نازل کرنے کا مالک ہے اور بارش پر تصرف کرنے والا ہے' وہ جب چاہے بارش کو نازل فرماتا ہے اور جب چاہے بارش کو روک دیتا ہے اور وہی اس تکوینی نظام کو جاری رکھنے پر حمد کا مستحق ہے اور لوگ بارش کے نزول میں اس کے محتاج ہیں اور جب محتاج اور پریشان حال بارش کے حصول کے لیے اس کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے اور گڑگڑاتا ہے تو وہی اس کی دعا کو قبول فرماتا ہے' اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی امید اور یاس کے حال میں پرورش فرماتا ہے' جب بندوں پر مایوسی غالب ہو اور وہ خوف زدہ ہوں تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کو ان پر انڈیل دیتا ہے اور خشک سالی اور پانی کی فراوانی اور تنگی اور کشادگی انسان پر باری باری آتی رہتی ہے' انسان نہ ہمیشہ خوش حال رہتا ہے نہ ہمیشہ تنگ دست رہتا ہے' اسے چاہیے کہ کشادگی میں اس کا شکر ادا کرے اور تنگی میں صبر کرے اور صرف اسی سے فریاد کرے۔

الشوریٰ: ۲۹ میں فرمایا: ''اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنا ہے اور جان داروں کو پیدا کرنا ہے جو اس نے آسمانوں اور زمینوں میں پھیلا دیئے ہیں اور وہ جب چاہے ان کو جمع کرنے پر قادر ہے O''

مشکل الفاظ کے معانی

اس آیت میں ''دابۃ'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: چوپایا' اور زمینوں میں تو چوپایوں کو پھیلانا متصور ہے' آسمانوں میں چوپایوں کو پھیلانا کس طرح متصور ہوگا' اس لیے مفسرین نے کہا: اس آیت میں دابہ مجاز پر محمول ہے یعنی زندہ اور جان دار اور فرشتے بھی زندہ اور جان دار ہیں' وہ حرکات کرتے ہیں اور آسمانوں میں اڑتے ہیں اور زمین پر بھی چلتے ہیں۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: ''وما بث فیھما'' بث کا معنیٰ کسی چیز کو متفرق کرنا اور پھیلانا' جیسے ہوا مٹی کو اڑا کر پھیلا دیتی ہے اور انسان کے نفس میں غم اور خوشی کی کیفیات ظاہر ہوتی ہیں اور اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ جو چیز موجود نہ ہو وہ اس کو موجود کر دیتا ہے۔

الشوریٰ: ۲۹ کے اسرار

اس آیت میں سماوات سے ارواح کی طرف اشارہ ہے اور ارض سے اجسام کی طرف اشارہ ہے اور دابۃ (چوپایوں) سے نفوس اور قلوب کی طرف اشارہ ہے اور ان میں سے کسی کے درمیان کوئی مناسبت نہیں ہے' کیونکہ روحوں اور جسموں کے درمیان بہت فرق ہے' جسم اسفل السافلین میں سے ہے اور روح اعلیٰ علیین میں سے ہے اور نفس دنیاوی شہوات کی طرف مائل ہوتا ہے اور قلب اخروی ربانی شواہد کی طرف مائل ہوتا ہے' نفس دنیا اور اس کی زینت کو طلب کرتا ہے اور قلب اخروی درجات کو طلب کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جب چاہے ان کے حشر پر قادر ہے۔ جسموں کا حشر یہ ہے کہ ان کو قبروں سے نکال کر محشر کی طرف

جمع کیا جائے اور روحوں کا حشر یہ ہے کہ انسان کی زندگی میں روحوں کو عالم روحانیت کی طرف جمع کیا جائے' بایں طور کہ نفسانی لذتوں اور شہوتوں کے حجابات سے روح کو معرفت کے انوار کی طرف منتقل کیا جائے۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا

اور تم کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کا نتیجہ ہے اور بہت سی باتوں کو تو وہ معاف

عَنْ كَثِيْرٍ ﴿۳۰﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَا لَكُمْ مِّنْ

فرما دیتا ہے O اور تم روئے زمین میں کہیں پر بھی اس کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور اللہ کے سوا تمہارا

دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۳۱﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ

نہ کوئی حامی ہے نہ مددگار O اور اس کی نشانیوں میں سے سمندر میں رواں دواں پہاڑوں

كَالْاَعْلَامِ ﴿۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى

کی مانند جہاز ہیں O اور اگر وہ چاہے تو ہوا کو روک لے اور یہ جہاز سطح سمندر پر ٹھہرے کے ٹھہرے رہ جائیں'

ظَهْرِهٖ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۳﴾ اَوْ يُوْبِقْهُنَّ

بے شک اس میں ہر بڑے صابر (اور) شاکر کے لیے نشانیاں ہیں O یا وہ چاہے تو ان کشتیوں کو

بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ﴿۳۴﴾ وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْ

ان لوگوں کے کرتوتوں کی وجہ سے تباہ کر دے اور بہت سی خطاؤں سے وہ درگزر فرمالیتا ہے O اور جو لوگ ہماری آیتوں میں

اٰيٰتِنَا ۗ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۵﴾ فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ

جھگڑتے ہیں وہ جان لیں کہ ان کے لیے فرار کی کوئی جگہ نہیں ہے O سو تم کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ دنیا کی زندگی کا

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى

فائدہ ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ ایمان والوں کے لیے زیادہ اچھا اور زیادہ باقی رہنے والا ہے اور وہ اپنے رب

رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۳۶﴾ ۚ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ

پر ہی توکل کرتے ہیں O اور جو لوگ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں

وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ ﴿٣٧﴾ وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَ

اور وہ غضب کے وقت معاف کر دیتے ہیں O اور وہ لوگ جو اپنے رب کے حکم کو قبول کرتے ہیں اور

أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ

نماز قائم کرتے ہیں اور ان کے کام باہمی مشورے سے ہوتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے

يُنْفِقُونَ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ ﴿٣٩﴾ وَجَزَاءُ

اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں O اور ان لوگوں کے خلاف جب کوئی بغاوت کرے تو وہ صرف بدلہ لیتے ہیں O اور بُرائی کا

سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ

بدلہ اسی کی مثل بُرائی ہے، پس جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کر لی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر ہے

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿٤٠﴾ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ

بے شک وہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا O اور جس نے اپنے اوپر ظلم کیے جانے کا بدلہ لے لیا

مَا عَلَيْهِمْ مِنْ سَبِيلٍ ﴿٤١﴾ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ

تو اب اس سے مواخذہ کرنے کا کوئی جواز نہیں O مواخذہ کرنے کا جواز ان لوگوں کے خلاف ہے جو لوگوں

النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ

پر ظلم کرتے ہیں اور روئے زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں، ان لوگوں کے لیے درد ناک

أَلِيمٌ ﴿٤٢﴾ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿٤٣﴾

عذاب ہے O اور جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا تو بے شک یہ ضرور ہمت کے کاموں میں سے ہے O

ع ۴

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کا نتیجہ ہے اور بہت سی باتوں کو تو وہ معاف فرما دیتا ہے O اور تم روئے زمین میں کہیں پر بھی ہو اس کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی حامی ہے نہ مددگار O (الشوریٰ: ۳۱۔۳۰)

مؤمنوں کے مصائب کا ان کے لیے کفارہ ذنوب نہ ہونے پر امام رازی کے پیش کردہ دلائل اور ان کے جوابات

جمہور مفسرین اور شارحین حدیث کے نزدیک مؤمنین پر دنیا میں جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے سابقہ گناہوں کا کفارہ

ہو جاتے ہیں اور ان کی دلیل یہ آیت ہے (الشوریٰ: ۳۰)' اس کے برخلاف امام رازی کی یہ تحقیق ہے کہ مؤمنین پر دنیا میں جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے ایمان پر استقامت کا امتحان ہوتے ہیں اور ان کے نزدیک اس آیت کا یہی محمل ہے کیونکہ مصائب تو انبیاء علیہم السلام اور مقربین پر بھی آتے ہیں حالانکہ ان کا پہلے کوئی گناہ نہیں ہوتا' اس سے معلوم ہوا کہ مؤمنین پر مصائب ان کے امتحان کے لیے آتے ہیں' حدیث میں ہے:

مصعب بن سعد اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! سب سے زیادہ مصائب میں کون مبتلا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: انبیاء' پھر جو ان کے قریب ہو' پھر جو ان کے قریب ہو' ہر شخص اپنے دین کے اعتبار سے مصائب میں مبتلا ہوتا ہے' اگر وہ اپنے دین میں سخت ہو تو اس پر مصیبت بھی سخت ہوتی ہے اور اگر وہ اپنے دین میں کمزور ہو تو اس پر مصیبت بھی کم درجہ کی ہوتی ہے' بندہ مسلسل مصائب میں مبتلا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اس حال میں زمین پر چلتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۲۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۳۳' مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۲' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۷۸۶' مسند البزار رقم الحدیث: ۱۱۵۰' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۸۳۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۹۰۱' مستدرک ج ۱ ص ۴۱' حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۶۸' سنن بیہقی ج ۳ ص ۳۷۲' شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۷۷۵' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۴۳۴' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۳۰۶۹' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۱۰۵۴)

امام رازی کا اس آیت کو امتحان پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے: اور تم کو جو مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کا نتیجہ ہے' اس میں یہ تصریح ہے کہ یہ مصائب تمہارے گناہوں کی سزائیں ہیں نہ یہ کہ یہ ایمان پر تمہاری استقامت کا امتحان ہے

اور امام رازی نے اس حدیث سے جو استدلال کیا ہے وہ دو وجہوں سے صحیح نہیں ہے:

(۱) یہ حدیث ان مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے جنہوں نے گناہ کیے ہیں اور جنہوں نے گناہ نہیں کیے' جیسے انبیاء علیہم السلام وہ اس حدیث سے خارج ہیں' انبیاء علیہم السلام پر جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے درجات کی بلندی کے لیے ہوتے ہیں یا ان کے امتحان کے لیے ہوتے ہیں یا کسی اور حکمت کی وجہ سے آتے ہیں جو ہم سے مخفی ہے۔ اسی طرح بچوں اور مجنونوں پر جو مصائب آتے ہیں وہ بھی اس حدیث سے خارج ہیں کیونکہ یہ حدیث مکلفین کے لیے ہے اور وہ غیر مکلف ہیں یا بچوں پر مصائب کی وجہ سے ان کے والدین کو اجر ملتا ہے بہ شرطیکہ وہ صبر کریں۔

(۲) امام رازی نے بغیر حوالے کے اس حدیث کا صرف ابتدائی حصہ ذکر کیا ہے' وہ یہ ہے: مصائب کے ساتھ انبیاء مخصوص ہیں' پھر اولیاء' پھر جو ان کے قریب ہو' پھر جو ان کے قریب ہو۔ انہوں نے پوری حدیث ذکر نہیں کی جب کہ اس حدیث کے آخر میں ہے: بندہ مسلسل مصائب میں مبتلا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اس حال میں زمین پر چلتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ حدیث کے اس آخری حصہ سے معلوم ہوا کہ عام مؤمنین پر جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہوتے ہیں' اگر امام رازی پوری حدیث ذکر کر دیتے تو اول مرحلہ میں ہی بات صاف ہو جاتی۔

امام رازی کی تیسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَلْیَوْمَ تُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ؕ

آج ہر نفس کو اس کے کیے ہوئے کاموں کی جزاء دی جائے گی۔ (المومن: ۱۷)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جزاء اور سزا قیامت کے دن ہوگی' اگر دنیا میں گناہوں پر سزا دی جائے تو دنیا بھی دار جزاء ہو

جائے گی "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○" (الفاتحہ:۴) کا بھی یہی تقاضا ہے کہ جزاء اور سزا قیامت کے دن ہو گی اور دنیا دار تکلیف ہے' اگر دنیا میں گناہوں پر سزا دی جائے تو دنیا بھی دارِ جزاء وسزا بن جائے گی اور یہ محال ہے۔

(تفسیر کبیر ج۹ص۶۰۰' داراحیاء التراث العربی' بیروت)

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کہیں یہ نہیں فرمایا کہ تمام لوگوں کو ان کے تمام گناہوں کی سزا قیامت کے دن دی جائے گی اور کسی شخص کو اس کے کسی گناہ کی سزا دنیا میں نہیں دی جائے گی تو اگر بعض مسلمانوں کو ان کے گناہوں کی سزا دنیا میں دے کر ان کو گناہوں سے پاک کر دیا جائے تو اس میں کون سا استحالہ ہے۔

نیز امام رازی فرماتے ہیں:

دنیا میں مصائب صدیق پر بھی آتے ہیں اور زندیق پر بھی' اس لیے مصائب کے نزول کو گناہوں کا کفارہ قرار دینا محال ہے' ورنہ لازم آئے گا کہ کافروں اور زندیقوں پر بھی مصائب کا نزول ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کافروں اور زندیقوں پر مصائب کا نزول ان کے گناہوں کا کفارہ نہیں ہو گا' جس طرح آخرت میں بعض گناہ گار مسلمانوں کو پاک کرنے کے لیے عارضی طور پر دوزخ میں ڈالا جائے گا سو دوزخ کا عذاب مومنوں کے لیے گناہوں سے تطہیر کا باعث ہو گا اور کافروں کے لیے یہی عذاب تطہیر کا نہیں بلکہ توہین کا باعث ہو گا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ مؤمنوں کے لیے دنیا میں مصائب کا نزول ان کے گناہوں کا کفارہ ہو گا' اس کے ثبوت میں تو بہت احادیث ہیں' کافروں اور زندیقوں کے لیے مصائب ان کے گناہوں کا کفارہ ہوتے ہیں اس کے ثبوت میں کون سی احادیث ہیں؟

ہر چند کہ امام رازی نے یہ تصریح نہیں کی کہ ان کا یہ مختار ہے' بلکہ انہوں نے یہ لکھا ہے کہ بعض لوگوں نے اس کا انکار کیا ہے کہ مصائب کفارہ ہوتے ہیں' پھر ان کی طرف سے اس نظریہ پر دلائل قائم کیے اور ان دلائل کا جواب نہیں دیا اور یہ لکھا کہ مصائب کا کفارہ ہونا محال ہے' اس لیے ہم نے ان تمام دلائل کے جوابات ذکر کیے تاکہ امام رازی کے پیش کردہ دلائل سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہی نظریہ برحق ہے' اب ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے ان احادیث کو پیش کر رہے ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مؤمنین پر جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں۔

مؤمنوں کے مصائب کا ان کے لیے کفارہ ذنوب ہونے کے ثبوت میں احادیث اور آثار

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان پر جو مصیبت بھی آتی ہے اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے' حتیٰ کہ اس کانٹے سے بھی جو اس کو چبھتا ہے۔ امام مسلم کی روایت میں بیماری اور غم کا بھی ذکر ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۴۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۴۸۸' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۱۱۳۵)

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے' خواہ وہ تھکاوٹ ہو یا مرض ہو یا فکر ہو یا غم ہو یا اذیت ہو یا پریشانی ہو یا اس کو کوئی کانٹا چبھا ہو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۴۱-۵۶۴۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۹۶۶)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا میں تم کو اس آیت کی خبر نہ دوں جو اللہ کی کتاب میں سب سے افضل ہے' ہمیں رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''مَآ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ '' الآیۃ (الشوریٰ: ۳۰) کی تفسیر میں یہ بتایا: اے علی! تم پر جو بیماری آتی ہے یا کوئی سزا ملتی ہے' یا دنیا میں کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ تمہارے ہاتھوں کے کرتوتوں کی وجہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بہت زیادہ کریم ہے کہ وہ تم کو دوبارہ پھر آخرت میں سزا دے اور اللہ تعالیٰ نے جس گناہ کو دنیا میں معاف فرما دیا تو اللہ تعالیٰ اس سے بہت زیادہ حلیم ہے کہ وہ معاف کرنے کے بعد دوبارہ سزا دے۔ (مسند احمد ج۱ص ۸۵ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲ص ۸۷' رقم الحدیث: ۶۴۹' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۰۸-۴۵۳' اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مومن کو اس کے جسم میں جو بھی ایذاء پہنچتی ہے' اللہ تعالیٰ اس کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔

(مسند احمد ج ۴ص ۹۸ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲۸ص ۱۰۷' رقم الحدیث: ۱۶۸۹۹' المعجم الکبیر ج ۱۹' رقم الحدیث: ۸۴۱' مجمع الزوائد ج ۲ص ۳۰۱' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندے کے گناہ زیادہ ہوں اور اس کے ایسے اعمال نہ ہوں جن سے اس کے گناہوں کا کفارہ ہو سکے تو اللہ عزوجل اس کو غم میں مبتلا کر دیتا ہے تاکہ وہ غم اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔ (مسند احمد ج ۶ص ۱۵۷ طبع قدیم' مسند احمد ج ۴۲ص ۱۳۴' رقم الحدیث: ۲۵۲۳۷' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۲۶۰' حافظ الہیثمی نے کہا: امام احمد اور البزار کی سند حسن ہے' مجمع الزوائد ج ۱۰ص ۱۹۲' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۲۷۹۸)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کسی جسمانی بیماری میں مبتلا ہو گئے' انہوں نے کہا: میرا یہی گمان ہے کہ بیماری میرے کسی گناہ کے سبب سے ہے اور جن گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے وہ بہت ہیں اور پھر یہ آیت تلاوت کی: ''وَمَآ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ '' (الشوریٰ: ۳۰) (الجامع لشعب الایمان ج ۱۲ص ۲۵۳' رقم الحدیث: ۹۳۵۶' ابن ابی الدنیا' المرض والکفارات رقم الحدیث: ۱۴۹' المستدرک ج ۲ص ۴۴۶-۴۴۵' الدر المنثور ج ۷ص ۳۵۵)

ربیع بن زیاد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کہا: کتاب اللہ میں ایک آیت ہے جس نے مجھ کو غم زدہ کر دیا' انہوں نے پوچھا: وہ کون سی آیت ہے؟ میں نے کہا: وہ یہ ہے:

مَنۡ يَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا يُّجۡزَ بِهٖ ۙ (النساء: ۱۲۳) جس شخص نے کوئی بُرا کام کیا اس کو اس کی سزا دی جائے گی۔

انہوں نے کہا: میں تم کو فقیہ سمجھتا تھا' بے شک مومن پر جو مصیبت بھی آتی ہے خواہ اس کا قدم پھسلے یا اس کو کوئی پریشانی ہو یا اسے کسی لکڑی سے خراش آئے' وہ اس کے کسی نہ کسی گناہ کے سبب سے آتی ہے اور جن گناہوں کو اللہ تعالیٰ ویسے ہی معاف فرما دیتا ہے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

قتادہ نے ''وما اصابکم من مصیبۃ'' الآیہ کی تفسیر میں کہا: ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تفسیر میں فرماتے تھے کہ ابن آدم کو جب بھی کسی لکڑی سے خراش آئے یا اس کا قدم پھسلے یا اس کو کوئی پریشانی ہو تو وہ اس کے کسی گناہ کے سبب سے ہوتی ہے اور جن گناہوں کو اللہ تعالیٰ ویسے ہی معاف فرما دیتا ہے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

(الجامع لشعب الایمان ج ۱۲ص ۲۵۴-۲۵۳' رقم الحدیث: ۹۳۵۷' ابن ابی الدنیا' المرض والکفارات رقم الحدیث: ۲۲۸' کتاب الزہد للوکیع رقم الحدیث: ۹۳' اس حدیث کی سند متصلاً ضعیف اور مرسلاً ثقہ ہے)

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں ایک فاحشہ عورت تھی' اس کے پاس سے ایک مرد گزرا' اس نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا' اس عورت نے کہا کہ چھوڑو' بے شک اللہ تعالیٰ شرک کو لے گیا اور اسلام کو لے آیا' اس شخص نے اس عورت کو چھوڑ دیا اور پیٹھ موڑ کر چل دیا اور مڑ کر اس کو دیکھتا رہا حتیٰ کہ اس کا چہرہ دیوار سے ٹکرا گیا' پھر اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اس واقعہ کا ذکر کیا' آپ نے فرمایا: تم وہ بندے ہو جس کے ساتھ اللہ نے خیر کا ارادہ کیا ہے اور بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ جب کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اسے اس کے گناہ کی سزا جلدی دیتا ہے اور جب وہ کسی بندے کے ساتھ شر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے گناہ کو قائم رکھتا ہے' حتیٰ کہ قیامت کے دن اس کو اس کی پوری سزا دیتا ہے۔ (الجامع لشعب الایمان ج ۱۲ص ۲۵۵۔۲۵۴' رقم الحدیث: ۹۳۵۹' صحیح ابن حبان ج ۷ص ۲۵۰۔۲۴۹' الاسماء والصفات ص ۱۹۷' اس حدیث کی سند حسن ہے)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابو قلابہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (الزلزال: ۸۔۷)

پس جس شخص نے رائی کے دانے کے برابر نیکی کی وہ اس کی جزاء پائے گا ۝ اور جس شخص نے رائی کے دانے کے برابر بُرائی کی وہ اس کی سزا پائے گا ۝

تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھانا کھا رہے تھے' وہ رک گئے' انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے اچھا یا بُرا جو کام بھی کیا ہے میں اس کا صلہ ضرور پاؤں گا' آپ نے فرمایا: تم نے رائی کے دانے کے برابر جو بُرائی کی ہے تم نے اس کی سزا پا لی ہے اور تم نے جو بھی نیکی کی ہے تم نے اس کو ذخیرہ کر لیا ہے حتیٰ کہ تم کو وہ قیامت کے دن دی جائے گی' ابو ادریس نے کہا: اس کا مصداق اللہ کی کتاب میں یہ آیت ہے: ''وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝''۔ (الشوریٰ: ۳۰)

خلاصہ بحث

ان کثیر احادیث اور آثار سے واضح ہو گیا کہ عام بندہ مومن پر دنیا میں جو مصائب آتے ہیں وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں' البتہ انبیاء علیہم السلام پر جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے درجات میں ترقی کے لیے ہوتے ہیں اور صالحین پر جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے امتحان کے لیے ہوتے ہیں اور دیوانوں اور بچوں پر جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے والدین کے لیے اجر و ثواب کا باعث ہیں بہ شرطیکہ وہ صبر کریں اور کافروں اور زندیقوں پر جو مصائب آتے ہیں وہ ان کی توہین کے لیے ہوتے ہے۔

الشوریٰ: ۳۱ میں فرمایا: ''اور تم روئے زمین میں کہیں پر بھی ہو اس کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور اللہ کے سوا نہ تمہارا کوئی حامی ہے نہ مددگار ۝''

اس آیت میں جماعت مشرکین کو خطاب کر کے فرمایا ہے کہ تم روئے زمین پر کہیں بھی جاؤ مجھے عاجز نہیں کر سکتے' تو تم زمین پر کہیں بھی بھاگ کر جاؤ میری گرفت سے باہر نہیں ہو گے اور جن بتوں کی تم پرستش کرتے ہو یہ اللہ کے مقابلہ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس کی نشانیوں میں سے سمندر میں رواں دواں پہاڑوں کی مانند جہاز ہیں ۝ اور اگر وہ چاہے تو

ہوا کو روک لے اور یہ جہاز سطح سمندر پر ٹھہرے کے ٹھہرے رہ جائیں' بے شک اس میں ہر بڑے صابر (اور) شاکر کے لیے نشانیاں ہیں O یا وہ چاہے تو ان کشتیوں کو ان لوگوں کے کرتوتوں کی وجہ سے تباہ کر دے اور بہت سی خطاؤں سے وہ درگزر فرمالیتا ہے O (الشوریٰ: ۳۴-۳۲)

سمندر میں رواں دواں کشتیوں میں اللہ تعالیٰ کی صفات کی نشانیاں

الشوریٰ: ۳۲ میں "جـوارِی" کا لفظ ہے اس کا معنیٰ ہے: بڑے بڑے بحری جہاز' اس آیت سے مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود' اس کی قدرت' اس کی حکمت اور اس کی توحید پر استدلال کیا جائے' اس نے سمندر میں ایسی خاصیت رکھی ہے کہ بڑے بڑے بھاری اور وزنی جہاز اس کے سینے پر تیرتے رہتے ہیں' لکڑی کا بہت بھاری اور وزنی تنا اس میں نہیں ڈوبتا اور لوہے کا چھوٹا سا ٹکڑا اس میں ڈوب جاتا ہے' سمندر زمین سے تین حصہ بڑا ہے اور تمام سمندر میں یہی خاصیت ہے' اگر اس دنیا کو پیدا کرنے والے متعدد ہوتے تو اس میں متعدد خواص ہوتے اور جب تمام سمندر کی یہی ایک خاصیت ہے تو معلوم ہوا اس کا پیدا کرنے والا بھی ایک ہی ہے۔

الشوریٰ: ۳۳ میں فرمایا: "اور اگر وہ چاہے تو ہوا کو روک لے اور یہ جہاز سطح سمندر پر ٹھہرے کے ٹھہرے رہ جائیں' بے شک اس میں ہر بڑے صابر (اور) شاکر کے لیے نشانیاں ہیں O"

اس آیت میں "رواکد" کا لفظ ہے یہ راکدۃ کی جمع ہے' جو چیز اپنے مقام پر ثابت ہو اور ٹھہری ہوئی ہو اس کو راکد کہتے ہیں اور مراکد ان مقامات کو کہتے ہیں جہاں انسان قیام کرتا ہے اور ٹھہرتا ہے۔ اور اس آیت میں "صبار" کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: جو مصائب پر صبر کرے اور شکور اس کو کہتے ہیں جو بہت زیادہ شکر کرنے والا ہو' بہترین بندہ وہ ہے جو مصائب پر صبر کرے اور نعمتوں پر شکر کرے۔

الشوریٰ: ۳۴ میں فرمایا: "یا وہ چاہے تو ان کشتیوں کو ان لوگوں کے کرتوتوں کی وجہ سے تباہ کر دے اور بہت سی خطاؤں سے وہ درگزر فرمالیتا ہے O"

اس آیت کا عطف اس سے پہلی آیت پر ہے اور اس کا معنیٰ اس طرح ہے: اگر اللہ چاہے تو ہوا کو روک لے اور یہ کشتیاں کھڑی کی کھڑی رہ جائیں اور اگر اللہ چاہے تو ہواؤں کو چھوڑ دے اور تیز ہواؤں اور آندھیوں کی وجہ سے یہ کشتیاں تباہ ہو جائیں اور ان کشتیوں میں بیٹھنے والے ہلاک ہو جائیں اور وہ کشتی میں بیٹھنے والوں کی بہت سی خطاؤں سے درگزر فرمالیتا اور کشتی میں بیٹھنے والوں کو غرق ہونے سے بچالیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر دلائل

ان آیات کے حسب ذیل فوائد ہیں اور ان سے مذکور ذیل مسائل مستنبط ہوتے ہیں:

(۱) جس طرح کبھی اللہ تعالیٰ کشتی کو سلامتی کے ساتھ اس کی منزل پر پہنچا دیتا ہے اور کبھی اس کشتی کو غرق کر دیتا ہے' اس طرح انسان کو انواع واقسام کے مصائب اور فتنوں میں مبتلا کرتا ہے' پھر کبھی انسان کو ان فتنوں اور مصائب کے بھنور سے سلامتی کے ساتھ نکال لیتا ہے اور کبھی اس کو ان فتنوں اور مصائب میں ہلاک کر دیتا ہے' سو انسان کو چاہیے کہ جب وہ مصائب میں مبتلا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے مدد چاہے اور جب اللہ اس کو ان مصائب سے نجات دے دے تو وہ اللہ کا شکر ادا کرے۔

(۲) جو ہوائیں کشتیوں کو چلاتی ہیں وہ از خود نہیں چلتیں' ان کے لیے کوئی محرک ضروری ہے' وہ محرک کون ہے؟ اگر وہ محرک اللہ کے سوا کوئی اور ہے تو پھر اس کا محرک کون ہے اور یہ سلسلہ کہیں ختم نہیں ہوگا تو پھر عالم کا قِدم لازم آئے اور یا پھر یہ سلسلہ

اللہ تعالیٰ پر جا کر ختم ہوگا اور جس طرح ان کشتیوں کا چلانے والا اللہ تعالیٰ ہے جو واحد' واجب اور قدیم ہے اسی طرح اس ساری کائنات کے نظام کو چلانے والا بھی صرف اللہ تعالیٰ ہے' اس کے سوا کوئی اور اس نظام کو چلانے والا نہیں ہے۔

(۳) الشوریٰ: ۲۳ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ غفور اور شکور ہے اور اس آیت میں بندوں کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ صبار اور شکور ہیں' اللہ تعالیٰ کے شکور ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ شکر کی بہت زیادہ جزاء دینے والا ہے اور بندوں کے شکور ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ شکر ادا کرنے والے ہیں اور جب بندہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی صفت شکر سے متصف ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ ہماری آیتوں میں جھگڑتے ہیں وہ جان لیں کہ ان کے لیے فرار کی کوئی جگہ نہیں ہے O سو تم کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ دنیا کی زندگی کا فائدہ ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ ایمان والوں کے لیے زیادہ اچھا اور زیادہ باقی رہنے والا ہے اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں O اور جو لوگ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں اور وہ غضب کے وقت معاف کر دیتے ہیں O (الشوریٰ: ۳۷۔۳۵)

دنیا اور آخرت کی نعمتوں کا فرق

الشوریٰ: ۳۵ کا معنیٰ یہ ہے کہ جس طرح تیز آندھیاں چلیں اور تمہاری کشتی طوفانی موجوں کی زد میں ہو تو اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے جو تمہیں اس طوفان میں غرق ہونے سے بچا سکے' اسی طرح حشر کے دن بھی تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا' اس لیے اس دنیا میں یہ اعتراف کر لو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نفع پہنچانے والا ہے نہ نقصان پہنچانے والا ہے اور اسی کو اپنا کارساز اور حاجت روا مان لو۔

الشوریٰ: ۳۶ کا معنیٰ یہ ہے: اے لوگو! تم کو جو دنیا کے اموال اور اسباب دیئے گئے ہیں اور تمہیں اولاد کی نعمت دی گئی ہے' یہ سب چیزیں دنیا کا عارضی نفع ہے اور اگر تم ان نعمتوں میں منہمک اور مستغرق ہو کر اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت اور اس کی عبادت سے غافل رہے تو آخرت میں تم سزا کے مستحق ہو گے اور اگر تم نے دنیا کی اس متاع میں زیادہ دلچسپی نہ لی اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت میں زیادہ رغبت کی تو تمہیں اس پر جو اجر و ثواب ملے گا وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔

اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ دنیا کی راحتیں اور لذتیں' بہت جلد زائل ہو جانے والی ہیں اور عین لذت کے حال میں بھی انسان کو ان کے زوال کا خطرہ لگا رہتا ہے اور ایمان والے ہر حال میں اللہ پر توکل کرتے ہیں اور نعمت کے حال میں بھی ان کی نظر نعمت پر نہیں منعم پر ہوتی ہے' اس لیے اگر دنیا کی نعمت ان کے ہاتھوں سے نکل بھی جائے تو انہیں اس پر کوئی افسوس نہیں ہوتا اور جس شخص نے یہ جان لیا کہ دنیا کی نعمتیں عارضی اور فانی ہیں اور آخرت کی نعمتیں دائمی اور باقی ہیں وہ دنیا کو چھوڑ کر آخرت میں دلچسپی رکھتا ہے اور یہ اللہ کا فضل ہے' وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

الشوریٰ: ۳۷ میں فرمایا: "اور جو لوگ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں اور وہ غضب کے وقت معاف کر دیتے ہیں"۔

اثم' کبیرہ اور فحش کا معنیٰ

اس آیت میں کبیرہ گناہوں کے لیے "کبائر الاثم" کا لفظ ہے' علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ اثم کا معنیٰ بیان کرتے ہیں:
اثم اس فعل کے ارتکاب کو کہتے ہیں جو ثواب کو مؤخر کر دے' قرآن مجید میں ہے:

فِيهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ. (البقرہ: ۲۱۹) شراب پینے میں اور جوا کھیلنے میں بڑا اثم ہے اور لوگوں کے

لیے عارضی منافع ہیں۔

یعنی شراب پینا اور جوا کھیلنا انسان کی خیرات اور حسنات کو مؤخر کر دیتا ہے' نیز قرآن کریم میں ہے:

اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ. (البقرہ: ۲۰۶) یعنی اس کو اس کی دنیاوی عزت گناہ کے کاموں پر ابھارتی ہے۔

اٰثِمٌ قَلْبُهٗ. (البقرہ: ۲۸۳) اس کا دل اثم والا ہے۔

اِثم کا لفظ بر کے مقابلہ میں ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بر اس کام کو کہتے ہیں جس کے کرنے کے بعد تمہارا دل مطمئن ہو اور اثم اس کام کو کہتے ہیں جس کو کرنے کے بعد تمہارے دل میں قلق اور اضطراب ہو۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۲۲۸۔۲۲۷' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۵۳۳) اور قرآن مجید میں ہے:

یُسَارِعُوْنَ فِی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. (المائدہ: ۶۲) وہ اثم اور عدوان میں جلدی کرتے ہیں۔

اس آیت میں اثم کا اطلاق کفر پر ہے اور عدوان کا اطلاق معصیت کبیرہ پر ہے' اثم عام ہے' اس کا اطلاق کفر پر بھی ہوتا ہے اور معصیت کبیرہ پر بھی ہے اور عدوان کا لفظ خاص ہے' اس کا اطلاق صرف معصیت کبیرہ پر ہوتا ہے۔

(المفردات ج ۱ ص ۱۲۔۱۱' لسان العرب ج ۱ ص ۵۶' دار صادر' بیروت' ۲۰۰۳ء)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ کبیرہ کا معنیٰ بیان کرتے ہیں:

احادیث میں متعدد جگہوں میں کبائر کا ذکر ہے' کبیرہ اس قبیح کام کو کہتے ہیں جس سے شرعاً منع کیا گیا ہو اور اس کا کرنا بہت سنگین ہو' جیسے قتل کرنا' زنا کرنا' جہاد سے پیٹھ موڑ کر بھاگنا وغیرھا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے پوچھا: کیا کبائر سات ہیں؟ انہوں نے فرمایا: کبائر سات سو کے قریب ہیں اور توبہ کرنے کے بعد کوئی فعل کبیرہ نہیں ہے اور جس فعل کے ارتکاب کے بعد توبہ نہ کی جائے وہ صغیرہ نہیں ہے' جس فعل پر وعید ہو وہ کبیرہ اور واجب کے ترک اور مکروہ تحریمی کے ارتکاب کو کبیرہ کہتے ہیں۔ (لسان العرب ج ۱۳ ص ۱۲' دار صادر' بیروت' ۲۰۰۳ء)

نیز علامہ ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ فحش کا معنیٰ بیان کرتے ہیں:

جو کام اور بات معیوب اور قبیح ہو اس کو فحش کہتے ہیں' جو شخص عمداً اور تکلف سے لوگوں کو بُرا کہے اور گالیاں دے اس کو متفحش کہتے ہیں' حدیث میں فحش اور فاحشہ کا ذکر بہت ہے' ہر وہ شخص جس کے گناہوں کا قبح بہت زیادہ ہو اس کو فاحش کہتے ہیں' حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ فاحش متفحش سے بغض رکھتا ہے' فاحشہ زنا کو بھی کہتے ہیں' جواب میں حد سے بڑھنے کو بھی فحش کہتے ہیں اور ہر وہ خصلت جو معیوب اور قبیح ہو اس کو بھی فاحشہ کہتے ہیں۔ (لسان العرب ج ۱۱ ص ۱۳۴' دار صادر' بیروت' ۲۰۰۳ء)

چند کبائر کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کبیر الاثم' شرک ہے' امام رازی نے کہا: یہ بعید ہے' کیونکہ اس سے پہلے ایمان کی شرط کا ذکر ہو چکا ہے' اس لیے یہاں ''کبائر الاثم'' میں شرک داخل نہیں ہوگا' البتہ بدعات سیئہ اور وہ معاصی جن کا تعلق وفور شہوت یا زیادتی غضب سے ہو وہ کبائر الاثم میں داخل ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۶۰۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت)

میں کہتا ہوں کہ اگر شرک سے مراد شرک خفی لیا جائے یعنی ریاکاری تو پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر پر امام رازی کا یہ اعتراض وارد نہیں ہوگا اور حدیث میں ریاکاری پر بھی شرک کا اطلاق کیا گیا ہے۔

محمود بن لبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تم پر سب سے زیادہ شرک اصغر کا

خطرہ ہے' صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! شرک اصغر کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: ریا کاری' جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو ان کے اعمال کی جزاء دے چکے گا تو فرمائے گا: ان لوگوں کے پاس جاؤ جن کو دکھانے کے لیے تم دنیا میں عمل کرتے تھے' اب دیکھو' کیا تم کو ان سے کوئی جزاء ملتی ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۴۲۸ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۹ ص ۳۹' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۱ھ' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۴۱۳۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۸۱' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۹۳۷' سنن بیہقی ج ۲ ص ۲۹۱۔ ۲۹۰' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۴۳۰۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ''وَالَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ'' (الشوریٰ: ۳۷) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: (۱) سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا اللہ اس پر جنت کو حرام کر دے گا۔ (المائدہ: ۷۲) (۲) اور اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا گناہ کبیرہ ہے' اللہ نے فرمایا ہے: اللہ کی رحمت سے صرف کافر ہی مایوس ہوتے ہیں۔ (یوسف: ۸۷) (۳) اور والدین کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے' اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کی نافرمانی کرنے والے کو جباراً شقیا فرمایا ہے (۴) اور قتل ناحق گناہ کبیرہ ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ناحق قتل کرنے والا دوزخ کی سزا کا مستحق ہے۔ (النساء: ۹۳) (۵) اور یتیم کا مال کھانا گناہ کبیرہ ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ایسے لوگ اپنے پیٹوں میں صرف آگ بھر رہے ہیں اور وہ عنقریب دوزخ میں داخل ہوں گے۔ (النساء: ۱۰) (۶) اور پاک دامن عورت کو زنا کی تہمت لگانا گناہ کبیرہ ہے۔ (النور: ۲۳) (۷) میدان جہاد سے پیٹھ موڑ کر بھاگنا گناہ کبیرہ ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور جو شخص اس دن پیٹھ پھیرے گا' ماسوا اس کے جو جنگ میں محاذ بدل رہا ہو یا اپنی جماعت کی طرف آ رہا ہو (وہ مستثنیٰ ہے ان کے سوا جو بھاگے گا) وہ اللہ کے غضب سے لوٹے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور وہ بہت بُری جگہ ہے۔ (الانفال: ۱۶) (۸) اور سود کھانا گناہ کبیرہ ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن صرف اس طرح کھڑے ہوں گے جس طرح وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جس کو شیطان نے چھو کر خبطی بنا دیا ہو۔ (البقرہ: ۲۷۵) (۹) اور جادو کرنا گناہ کبیرہ ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بے شک وہ جانتے ہیں کہ جس نے جادو کو خریدا اس کے لیے آخرت میں (اجر کا) کوئی حصہ نہیں ہے۔ (البقرہ: ۱۰۲) (۱۰) اور زنا کرنا گناہ کبیرہ ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور جس نے زنا کیا وہ سخت عذاب سے ملاقات کرے گا ○ قیامت کے دن اس کا عذاب دگنا کیا جائے گا اور وہ ذلت وخواری کے ساتھ اس عذاب میں ہمیشہ گرفتار رہے گا۔ (الفرقان: ۶۹۔۷۰) (۱۱) اور جھوٹی قسم کھانا گناہ کبیرہ ہے' اللہ نے فرمایا ہے: جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت کے عوض فروخت کر دیتے ہیں ان کے لیے آخرت میں اجر کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ (آل عمران: ۷۷) (۱۲) اور خیانت کرنا گناہ کبیرہ ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہر خیانت کرنے والا خیانت کے مال کو قیامت کے دن لے کر حاضر ہوگا۔ (آل عمران: ۱۶۱) (۱۳) اور زکوٰۃ کا ادا نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس دن ان کے مال کو دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائے گا اور اس کے ساتھ ان کی پیشانیوں اور ان کے پہلوؤں کو اور ان کی پیٹھوں کو تپایا جائے گا۔ (التوبہ: ۳۵) (۱۴) اور گواہی کو چھپانا گناہ کبیرہ ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جو گواہی کو چھپاتا ہے اس کا دل گناہ گار ہے۔ (البقرہ: ۲۸۳) (۱۵) اور خمر (انگور کی شراب) پینا گناہ کبیرہ ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: شراب اور جوا اور بتوں کے لیے قربانی کی جگہ اور فال نکالنے کے تیر یہ سب نجس' شیطانی کام ہیں سو ان سے باز رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (المائدہ: ۹۰) (۱۶) اور فرض نماز کو عمداً ترک کرنا گناہ کبیرہ ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے عمداً نماز کو ترک کیا اس سے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ بری ہو گیا (۱۷) اور عہد شکنی گناہ کبیرہ ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور عہد پورا کرو' بے شک عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ (بنی اسرائیل: ۳۴) (۱۸) اور رحم کو قطع کرنا گناہ کبیرہ ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور تم سے یہ بھی بعید نہیں کہ اگر تم حاکم بن جاؤ تو تم زمین میں فساد برپا کرو اور رحم کے رشتوں کو توڑ ڈالو۔ (محمد: ۲۲)

(المعجم الکبیر ج ۱۲ص ۱۹۶-۱۹۵ رقم الحدیث: ۱۳۰۲۳ حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند حسن صحیح ہے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مذکور الصدر حدیث میں اٹھارہ کبائر کا ذکر فرمایا ہے' ان کبائر کے علاوہ علماء نے مزید کبائر کا بھی ذکر فرمایا ہے جن کو ہم اختصار کے ساتھ ذکر کر رہے ہیں:

(۱) شرک اصغر اور وہ ریا کاری ہے (۲) ناجائز غصب کرنا' کینہ رکھنا اور حسد کرنا (۳) تکبر کرنا اور اترانا (۴) ملاوٹ کرنا (۵) نفاق کرنا (۶) حاکم وقت کے خلاف بغاوت کرنا (۷) لوگوں کو حقیر جان کر ان سے اعراض کرنا (۸) غیر متعلق اور لایعنی باتوں میں مشغول رہنا (۹) حرص اور طمع (۱۰) فقر و فاقہ کا خوف رکھنا (۱۱) دولت مند لوگوں کی ان کی دولت کی وجہ سے تعظیم کرنا (۱۲) فقر کی وجہ سے فقراء کا مذاق اڑانا (۱۳) دنیا میں رغبت کرنا اور اس پر فخر کرنا (۱۴) حرام چیزوں سے بناؤ سنگھار کرنا (۱۵) مداہنت کرنا یعنی مال دنیا کی وجہ سے دنیاداروں کو حق نہ سنانا (۱۶) جو کام نہ کیا ہو اس پر تعریف و تحسین سننے کی خواہش رکھنا (۱۷) لوگوں کے عیوب تلاش کرنے میں مشغول رہنا (۱۸) قومیت اور زبان کی وجہ سے تعصب رکھنا (۱۹) شکر نہ کرنا (۲۰) تقدیر پر راضی نہ ہونا (۲۱) بندگان خدا کی تحقیر کرنا اور ان کا مذاق اڑانا (۲۲) خواہش نفس کی پیروی کرنا (۲۳) مکر اور سازش کرنا (۲۴) حق سے عناد رکھنا (۲۵) مسلمان سے بدگمانی رکھنا (۲۶) خواہش نفس کے خلاف حق کو قبول نہ کرنا (۲۷) گناہ پر خوش ہونا (۲۸) گناہ پر اصرار کرنا (۲۹) عبادات پر تحسین کی خواہش کرنا (۳۰) اللہ تعالیٰ اور آخرت کو بھول جانا (۳۱) اپنے نفس کے لیے غصہ کرنا اور معصیت پر تعاون کرنا (۳۲) اللہ کے عذاب سے بے خوف ہونا اور گناہوں میں مشغول رہنا (۳۳) اللہ سے بدگمانی رکھنا (۳۴) علم کو چھپانا (۳۵) علم پر عمل نہ کرنا (۳۶) علماء کی تخفیف اور توہین کرنا (۳۷) اللہ اور رسول پر جھوٹ باندھنا (۳۸) ظالموں اور فاسقوں سے محبت رکھنا اور صالحین سے بغض رکھنا (۳۹) زمانہ کو برا کہنا (۴۰) محسن کا شکر نہ ادا کرنا (۴۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر آپ پر درود نہ پڑھنا (۴۲) گناہ پر فخر ہونا (۴۳) سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا (۴۴) راستہ میں پاخانہ کرنا (۴۵) ہاتھوں کو گدوانا اور اس کی اجرت (۴۶) چہرے سے بالوں کو اکھڑوانا اور اس کی اجرت (۴۷) کسی عورت کا مسافت قصر سے زیادہ تنہا سفر کرنا (۴۸) بدفالی کی وجہ سے سفر پر نہ جانا یا لوٹ آنا (۴۹) بغیر عذر کے نماز جمعہ یا جماعت کو ترک کرنا (۵۰) مردوں کا عورتوں کی یا عورتوں کا مردوں کی مشابہت کرنا (۵۱) مرد کا سیاہ خضاب لگانا (۵۲) تکبر کی نیت سے ٹخنوں سے نیچے لباس لٹکانا یا قدموں سے گھسٹتا ہوا لباس رکھنا (۵۳) ستاروں کی تاثیر کا اعتقاد رکھنا (۵۴) منہ پر طمانچے مارنا یا گریبان پھاڑنا (۵۵) میت کی ہڈی توڑنا یا قبر پر بیٹھنا (۵۶) قبر پر سجدہ کرنا یا چراغ جلانا (۵۷) صدقہ کر کے احسان جتانا یا طعنہ دینا (۵۸) بلا عذر روزہ نہ رکھنا (۵۹) استطاعت کے باوجود حج نہ کرنا (۶۰) استطاعت کے باوجود قربانی نہ کرنا (۶۱) ذخیرہ اندوزی کرنا (۶۲) کسی کو پھنسانے کے لیے کسی چیز کی زیادہ قیمت لگانا (۶۳) باوجود وسعت کے قرض کی ادائیگی میں تاخیر کرنا (۶۴) پڑوسی کو ایذاء پہنچانا (۶۵) کسی کا مال ظلماً چھیننا (۶۶) مزدور سے کام لینے کے بعد اس کو اجرت نہ دینا (۶۷) کسی کا نام بگاڑنا (۶۸) کسی مسلمان کا مذاق اڑانا (۶۹) چغلی کرنا (۷۰) دو مونہوں والا ہونا یعنی ایک شخص کے سامنے اس کی موافقت میں اور دوسرے کے سامنے اس کی مخالفت میں باتیں کرنا (۷۱) کسی پر بہتان لگانا (۷۲) کسی شخص کا اپنی بیوی کے راز کی باتیں دوسروں کے سامنے بیان کرنا (۷۳) مہر ادا نہ کرنا (۷۴) کسی عورت کا خوشبو لگا کر گھر سے باہر نکلنا (۷۵) دو بیویوں میں عدل نہ کرنا (۷۶) عورت کا بغیر شرعی عذر کے خاوند کی نافرمانی کرنا (۷۷) کسی مسلمان کو گالی دینا یا اس کو بے عزت کرنا (۷۸) کسی کے نسب میں طعن کرنا (۷۹) کسی عورت کا عدت کے دوران گھر سے باہر نکلنا (۸۰) خاوند کی موت پر سوگ نہ کرنا (۸۱) خودکشی کرنا (۸۲) کسی نجومی یا کاہن سے غیب کی باتیں معلوم کرنا

(۸۳) فال نکلوانا (۸۴) بغیر شرعی عذر کے بیعت کر کے توڑنا (۸۵) امیر کا اپنی رعیت پر ظلم کرنا (۸۶) کسی کا ناحق مال کھانا (۸۷) رشوت لینا' معصیت پر رشوت دینا (۸۸) جانور سے خواہش پوری کرنا (۸۹) عورت کی پشت میں خواہش پوری کرنا (۹۰) ماہواری کے ایام میں دخول کرنا (۹۱) عورتوں کا عورتوں سے یا مردوں کا مردوں سے جنسی عمل کرنا (۹۲) متعہ کرنا (۹۳) چوری کرنا (۹۴) ڈاکا ڈالنا (۹۵) نشہ آور چیزوں کو کھانا یا پینا (۹۶) کسی کی مرضی کے خلاف اس کی باتیں سننا (۹۷) استطاعت کے باوجود نیکی کا حکم دینے اور بُرائی سے روکنے کو ترک کرنا (۹۸) سلام کا جواب نہ دینا (۹۹) اپنی عزت کرانے کے لیے یہ چاہنا کہ لوگ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں (۱۰۰) طاعون سے بھاگنا (۱۰۱) مسلمان ملک کی حفاظت میں رہنے والے غیر مسلم شہریوں یا پاسپورٹ اور ویزے کے حامل غیر مسلموں کو قتل کرنا یا ان سے عہد شکنی کرنا یا ان پر ظلم کرنا (۱۰۲) شرط لگا کر گھوڑے یا اونٹ دوڑانا یا کتے اور مرغ لڑانا (۱۰۳) جھوٹی قسم کھانا (۱۰۴) غیر ملت اسلام کی قسم کھانا' مثلاً میں نے فلاں کام کیا تو میں یہودی ہوں (۱۰۵) حانث ہونے کے قصد سے غیر اللہ کی قسم کھانا (۱۰۶) نذر مان کر پوری نہ کرنا (۱۰۷) کسی منصب کا اہل نہ ہو اور اس کو طلب کرے (۱۰۸) قاضی کا خلاف عدل فیصلہ کرنا (۱۰۹) قاضی کا تحائف قبول کرنا (۱۱۰) جھوٹی گواہی دینا یا اس کو قبول کرنا (۱۱۱) بلا عذر شہادت کو چھپانا (۱۱۲) کسی کو ضرر پہنچانے کے لیے جھوٹ بولنا (۱۱۳) بے ریش لڑکوں کے ساتھ مشغول رہنا (۱۱۴) مسلمان کی ہجو کرنا (۱۱۵) گناہ کبیرہ پر توبہ نہ کرنا (۱۱۶) گناہ صغیرہ پر اصرار کرنا (۱۱۷) صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بُرا کہنا یا ان سے بغض رکھنا (۱۱۸) علم کے باوجود کسی مسلمان کے خلاف ناحق دعویٰ کرنا۔

حالت غضب میں معاف کرنے کی فضیلت

نیز فرمایا: ''اور وہ غضب کے وقت معاف کر دیتے ہیں'' غصہ ٹھنڈا ہونے کے بعد عموماً لوگ معاف کر دیتے ہیں' جرأت اور ہمت کا کام یہ ہے کہ انسان عین حالت غضب میں معاف کر دے۔

اس آیت کے اس حصے کے شان نزول میں علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے حسب ذیل اقوال نقل کیے ہیں:

(۱) یہ آیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جب انہیں مکہ میں گالیاں دی گئیں اور انہوں نے اس پر صبر کیا۔

(۲) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب اپنا سارا مال راہِ خدا میں خرچ کر دیا تو لوگوں نے اس پر انہیں ملامت کی اور بُرا کہا تو انہوں نے اس پر صبر کیا۔

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس مال جمع ہو گیا' انہوں نے وہ سب مال نیکی کے راستے میں خرچ کر دیا' مسلمانوں نے ان کو ملامت کی اور کفار نے ان کی خطا نکالی' اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں:

''سوتم کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ دنیا کی زندگی کا فائدہ ہے' اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ ایمان والوں کے لیے زیادہ اچھا اور زیادہ باقی رہنے والا ہے اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں O اور جو لوگ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں اور وہ غضب کے وقت معاف کر دیتے ہیں O'' (الشوریٰ: ۳۷۔۳۶)

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ایک مشرک نے حضرت ابو بکر کو گالی دی تو آپ نے اس کو کوئی جواب نہیں دیا۔

یہ بہت عمدہ اخلاق ہیں' بلند ہمت والے' اپنے اوپر ظلم کرنے والوں پر بھی شفقت کرتے ہیں اور جو جہالت کے ساتھ ان

کے خلاف کارروائی کرے اس سے درگزر کرتے ہیں اور اپنے اس عمل کا ثواب صرف اللہ تعالیٰ سے طلب کرتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ لوگ جو اپنے رب کے حکم کو قبول کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ان کے کام باہمی مشورے سے ہوتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں O اور ان لوگوں کے خلاف جب کوئی بغاوت کرے تو وہ صرف بدلہ لیتے ہیں O اور برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے' پس جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کر لی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر ہے' بے شک وہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا O (الشوریٰ: ۴۰۔۳۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نائب مطلق ہیں

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت انصار کے متعلق نازل ہوئی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایمان لانے کی دعوت دی تو انہوں نے اس دعوت کو صمیم قلب کے ساتھ قبول کر لیا' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت میں تو یہ فرمایا ہے کہ "وہ اپنے رب کے حکم کو قبول کرتے ہیں" اور اس کا شان نزول یہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو قبول کیا' اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اطاعت دراصل اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت ہے' قرآن مجید میں ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (النساء: ۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کر لی۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نائب مطلق ہیں' آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا اللہ سے بیعت کرنا ہے' آپ کو خریدنا اللہ کا خریدنا ہے' آپ کو دھوکا دینا اللہ کو دھوکا دینا ہے اور آپ کو ایذاء پہنچانا اللہ کو ایذاء پہنچانا ہے' اسی طرح آپ کے حکم سے ایمان لانا' اللہ کے حکم سے ایمان لانا ہے۔

نماز نہ پڑھنے پر وعید

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: "اور نماز قائم کرتے ہیں" اس سے مراد ہے: پانچ نمازیں اور جو شخص بھی دن اور رات میں پانچ نمازوں کے اوقات کو پائے گا اس پر ان پانچ نمازوں کا پڑھنا فرض ہے' نمازوں کی فرضیت کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس چیز کا بندے سے سب سے پہلے حساب لیا جائے گا وہ اس کی نماز ہے' اگر اس کی نماز صحیح ہو تو وہ کامیاب اور کامران ہو جائے گا اور اگر اس کی نماز فاسد ہو تو وہ ناکام اور نامراد ہو گا اور اگر اس کے فرض میں کوئی کمی ہو تو رب تبارک وتعالیٰ فرمائے گا: دیکھو میرے بندہ کا کوئی نفل ہے تو اس کے فرض میں جو کمی ہو گی اس کو نفل سے مکمل کیا جائے گا' پھر باقی عمل بھی اسی طرح ہوں گے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۱۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۶۳۔۴۶۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۲۵' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۸۶۴' مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۰' مسند احمد ج ۲ ص ۴۲۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۱۴۶' المستدرک ج ۲ ص ۲۶۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بندے اور اس کے شرک اور کفر کے درمیان فرق نماز کو ترک کرنا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۷۸' جامع المسانید والسنن مسند جابر رقم الحدیث: ۱۵۷۱)

مکحول حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمداً نماز کو ترک نہ کرو کیونکہ جس نے عمداً نماز کو ترک کیا اس سے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ بری ہو گیا۔

(مسند احمد ج ٦ ص ۴۲۱ طبع قدیم، مسند احمد ج ۴۵ ص ۳۵۷ رقم الحدیث: ۲۷۳۶۴، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۲۱ھ، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۰۴، شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۸٦۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۳۴، اس حدیث کی سند ضعیف ہے، کیونکہ مکحول اور ام ایمن کے درمیان انقطاع ہے)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دس باتوں کی وصیت کی ہے، آپ نے فرمایا: (۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، خواہ تم کو قتل کیا جائے یا آگ میں جلایا جائے (۲) اور اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہ کرو خواہ وہ تم کو یہ حکم دیں کہ تم اپنے اہل اور مال سے نکل جاؤ (۳) اور فرض نماز کو عمداً ترک نہ کرو، کیونکہ جس نے فرض نماز کو عمداً ترک کیا اس سے اللہ کا ذمہ بری ہو گیا (۴) اور شراب ہرگز نہ پیو کیونکہ شراب نوشی ہر بیماری کی اصل ہے (۵) اور معصیت سے بچو کیونکہ معصیت سے اللہ عزوجل کی ناراضگی حلال ہو جاتی ہے (٦) اور میدان جہاد سے پیٹھ موڑ کر نہ بھاگو خواہ لوگ ہلاک ہو جائیں (۷) اور جب لوگوں پر طاعون آئے اور تم ان میں ہو تو ثابت قدم رہو (۸) اور اپنی اولاد پر اپنی کمائی سے خرچ کرو (۹) اور ان کو ادب سکھانے کے لیے لاٹھی سے نہ مارو (۱۰) اور ان کو اللہ کی نافرمانی کرنے سے ڈراؤ۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۸ طبع قدیم، مسند احمد ج ۳٦ ص ۳۹۳۔۳۹۲، رقم الحدیث: ۲۲۰۷۵، المعجم الکبیر ج ۲۰، رقم الحدیث: ۱۵٦، مسند الشامیین رقم الحدیث: ۲۲۰۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۷۱، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۲۴، المستدرک ج ۱ ص ۵۴، ج ۴ ص ۲۴۴، شعب الایمان رقم الحدیث: ۸۰۲۷، اس حدیث کی سند ضعیف ہے، کیونکہ عبد الرحمٰن بن جبیر بن نفیر اور حضرت معاذ کے درمیان انقطاع ہے)

شوریٰ کا معنیٰ

نیز الشوریٰ: ۳۸ میں فرمایا ہے: ''اور ان کے کام باہمی مشورے سے ہوتے ہیں'' اس آیت میں ''شوریٰ'' کا لفظ ہے، علامہ راغب اصفہانی الشوریٰ کے معنیٰ میں لکھتے ہیں:

تشاور، مشاورت اور مشوریٰ کا معنیٰ ہے: کوئی شخص کسی معاملہ میں دوسرے کی طرف رجوع کرے تو وہ اس معاملہ میں غور کر کے اپنی رائے بیان کرے اور جس معاملہ میں غور کیا جائے اس کو شوریٰ کہتے ہیں۔

(المفردات ج ۱ ص ۳۵٦، مکتبہ نزار مصطفیٰ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

مشورہ کرنے کے متعلق احادیث

مشورہ کرنے کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

استشار رسول الله صلى الله عليه وسلم فى الاسارى يوم بدر. (مسند احمد ج ۳ ص ۲۴۳)

جنگ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کے متعلق مشورہ طلب کیا۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا استشار احدكم اخاه فليشر عليه.

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۴۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے مشورہ طلب کرے تو وہ اس کو مشورہ دے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم المستشار موتمن.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس سے کسی بات کا مشورہ طلب کیا گیا ہو تو وہ اس بات کا امین ہے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۵۱۲۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۲۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۴۵، مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۴)

معدن بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن خطبہ دیا اور اس میں صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا اور کہا: میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک مرغ نے مجھ پر تین مرتبہ

ٹھونگیں ماریں اور میں نے اس کی صرف یہ تعبیر لی ہے کہ میری اجل قریب آ گئی ہے اور بے شک کچھ لوگ مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ میں اپنا جانشین مقرر کروں اور بے شک اللہ تعالیٰ اپنے دین کو ضائع کرنے والا نہیں ہے اور نہ اپنی خلافت کو اور نہ اس شریعت کو جسے دے کر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بھیجا ہے' اگر میری اجل جلد آ گئی تو خلافت ان چھ اصحاب کے مشورہ سے منعقد ہو گی جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے وقت راضی تھے۔ الحدیث (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۶۷' مسند احمد ج ۱ ص ۴۸۔ ۲۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارے حکام تم میں سے بہترین لوگ ہوں اور خوش حال لوگ سخی ہوں اور تمہارے معاملات باہمی مشورہ سے چل رہے ہوں تو تمہارے لیے زمین کے اوپر کا حصہ اس کے نچلے حصہ سے بہتر ہے اور جب تمہارے حکام تم میں سے بدترین لوگ ہوں اور تمہارے خوش حال لوگ بخیل ہوں اور تمہارے معاملات تمہاری عورتوں کی طرف مفوض ہوں تو زمین کے نیچے کا حصہ تمہارے لیے زمین کے اوپر کے حصہ سے بہتر ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۶۶)

الشوریٰ: ۳۸ کا شان نزول

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں: اس آیت کی تفسیر میں چار قول ہیں:

(۱) نقاش نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ میں آمد سے پہلے انصار جب کوئی کام کرتے تھے تو باہم مشورہ کرتے تھے' پھر مشورہ کے بعد اس کام کو کرتے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کے اس کام کی تحسین فرمائی۔

(۲) جو چیز مشورہ سے طے ہو جائے وہ اتفاق سے اس پر عمل کرتے تھے اور اس سے اختلاف نہیں کرتے تھے' حسن بصری نے کہا: جو لوگ کسی کام میں مشورہ کرتے ہیں وہ اس کام میں ہدایت پر پہنچ جاتے ہیں۔

(۳) الضحاک نے کہا: جب انصار کو یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہو گیا ہے اور نقباء ان کے پاس آ گئے ہیں' حتیٰ کہ وہ اس پر متفق ہو گئے کہ وہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان میں جمع ہو کر آپ پر ایمان لائیں گے اور آپ کی نصرت کریں گے۔

(۴) ان کو جو مہم درپیش ہوتی تھی وہ اس میں ایک دوسرے سے مشورہ کرتے تھے اور نیک کام میں کسی کو دوسرے پر ترجیح نہیں دیتے تھے۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۲۰۶' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا باہمی مشاورت سے اہم کاموں کو انجام دینا

اللہ تعالیٰ نے انصار کی اس بات پر مدح فرمائی کہ وہ باہمی مشورہ سے کام کرتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دینی اور دنیاوی امور میں اپنے اصحاب سے مشورہ کرتے تھے' دینی امور کی مثال یہ ہے کہ آپ نے اپنے اصحاب سے مشورہ کے بعد اذان کا طریقہ مقرر فرمایا اور دنیاوی امور کی مثال یہ ہے کہ آپ نے جنگ بدر میں قیدیوں کے متعلق اپنے اصحاب سے مشورہ کیا' آیا ان کو قتل کر دیا جائے یا فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے اور جنگ احد میں مشورہ کیا کہ شہر کے اندر رہ کر کفار سے مقابلہ کیا جائے یا شہر سے باہر نکل کر ان کا مقابلہ کیا جائے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جب منافقین نے تہمت لگائی تو آپ نے ان کے متعلق اپنے اصحاب سے مشورہ کیا۔ البتہ احکام شرعیہ میں آپ کسی سے مشورہ نہیں کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق آپ جس چیز کو چاہتے فرض یا واجب یا حرام یا مکروہ قرار دیتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام باہمی مشورہ سے کتاب اور سنت سے احکام مستنبط کرتے تھے اور سب سے پہلا کام جو انہوں نے باہمی مشورہ سے کیا وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرنا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم اس شخص کو اپنے دنیاوی معاملات میں امام بنانے پر کیوں نہ راضی ہوں جس کو ہمارے دینی معاملات میں امام بنانے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہو گئے تھے۔

اسی طرح حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے زیر کمان لشکر بھیجنے میں انہوں نے مشورہ کیا اور مانعین زکوٰۃ اور مرتدین سے قتال کرنے میں انہوں نے مشورہ کیا اور تمام اصحاب نے بحث و تمحیص کے بعد حضرت ابو بکر کی رائے سے اتفاق کر لیا' اسی طرح قرآن کریم کو ایک مصحف میں جمع کرنے کے متعلق انہوں نے مشورہ کیا اور حضرت عمر کی رائے سے حضرت ابو بکر متفق ہو گئے اور خمر (انگور کی شراب) کی حد بھی باہمی مشورہ سے اسّی (۸۰) کوڑے طے کی گئی اور حضرت علی کی رائے سے سب نے اتفاق کر لیا' پہلے قرآن مجید کو سات لغات پر پڑھنے کی اجازت تھی اور ناواقف نو مسلم ایک دوسرے کی قرأت پر اعتراض کرتے تھے' پھر حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے قرآن مجید کو صرف لغت قریش پر باقی رکھا گیا اور باقی تمام لغات کو ختم کر دیا گیا۔

اس کے بعد فرمایا: ''اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں'' یعنی زکوٰۃ اور صدقات ادا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی چیزوں میں سے صدقہ کرنا صرف مال سے صدقہ کرنے میں منحصر نہیں ہے' بلکہ ہر نیکی صدقہ ہے' جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نیک کام صدقہ ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۲۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۰۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۷۰) خلاصہ یہ ہے کہ جس مال کو خرچ کرنے میں یا جس بات کو کہنے میں یا جس کام کو کرنے میں اللہ تعالیٰ کی رضا معلوم ہو اس کام کو کرنا صدقہ ہے' لہٰذا مقربین کا لوگوں کے دلوں میں معرفت کے انوار کو پہنچانا بھی صدقہ ہے۔

بدلہ لینے اور بدلہ نہ لینے کی آیتوں میں بہ ظاہر تعارض کا جواب

الشوریٰ: ۳۹ میں فرمایا: ''اور ان لوگوں کے خلاف جب کوئی بغاوت کرے تو وہ صرف بدلہ لیتے ہیں O''

ہجرت سے پہلے مکہ میں جب مسلمان کفار کے مظالم کا شکار ہو رہے تھے تو ان کو کافروں سے بدلہ لینے کی اجازت نہ تھی اور ہجرت کے بعد مسلمانوں کو کفار سے بدلہ لینے کی اجازت دی گئی' لہٰذا جنگ بدر' جنگ احد اور جنگ خندق میں جب مشرکین نے مسلمانوں پر حملہ کیا تو مسلمانوں نے جوابی کارروائی کی اور کفار کے دانت کھٹے کر دیئے' ان کو قتل کیا گیا اور ان کو گرفتار کیا گیا۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت میں ظلم اور بغاوت کا بدلہ لینے کی تعریف اور تحسین کی گئی ہے' حالانکہ اس سے پہلی آیت میں یہ فرمایا تھا: ''اور وہ غضب کے وقت معاف کر دیتے ہیں'' (الشوریٰ: ۳۷) اسی طرح اور دیگر آیات میں بھی ظلم اور زیادتی پر معاف کر دینے کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور وہ درج ذیل آیات ہیں:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ O (النحل: ۱۲۶)

اور اگر تم سزا دو تو اتنی ہی سزا دو جتنی تم کو سزا دی گئی ہے اور اگر تم صبر کرلو تو وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہت بہتر ہے O

وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا O (الفرقان: ۷۲)

اور جب وہ کسی لغو چیز کے پاس سے گزرتے ہیں تو شرافت سے گزر جاتے ہیں۔

علامہ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

(۱) ابن جریج نے کہا: مشرکین نے جو مسلمانوں پر ظلم کیا تھا اس کا بدلہ لینے کے لیے مسلمانوں کو ان کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت مل گئی۔

(۲) ابراہیم نخعی نے کہا کہ باغیوں نے جو مسلمان حکومت کے خلاف کارروائی کی اس کی ان کو سزا دینی واجب ہے' ورنہ اگر ان

کو سزا نہ دی اور ان سے بدلہ نہ لیا گیا تو اس سے یہ تاثر قائم ہوگا کہ مسلمان حکومت کمزور ہے اور وہ اپنے خلاف سازشوں اور فتنوں کی سرکوبی پر قادر نہیں ہے اور اس سے دیگر حکومت کے مخالفوں کی حوصلہ افزائی ہوگی اور وہ جرائم پر دلیر ہوں گے۔

(۳) جب مسلمانوں پر کوئی ظلم کرے تو وہ اس سے بدلہ لیں حتیٰ کہ ظالموں کی قوت کمزور اور مضمحل ہو جائے۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۲۰۶ دار الکتب العلمیہ بیروت)

خلاصہ یہ ہے کہ جب مسلمانوں کے خلاف اجتماعی طور پر کوئی بغاوت کرے یا ظلم کرے تو اس کو کیفر کردار تک پہنچانا واجب ہے اور اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان پر انفرادی طور پر کوئی ظلم یا زیادتی کرے اور بعد میں اس پر نادم ہو اور اپنی زیادتی پر معافی کا خواستگار ہو تو اس کو معاف کر دینا اور اس سے بدلہ نہ لینا افضل ہے قرآن مجید میں ہے:

وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى . (البقرہ: ۲۳۷)

اور تمہارا معاف کرنا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ .

(المائدہ: ۴۵)

جان کا بدلہ جان ہے اور آنکھ کا بدلہ آنکھ ہے اور ناک کا بدلہ ناک ہے اور کان کا بدلہ کان ہے اور دانت کا بدلہ دانت ہے اور مخصوص زخموں کا بدلہ ہے پھر جو شخص اس کو معاف کر دے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے۔

وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِى الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (النور: ۲۲)

اور تم میں سے جو لوگ صاحب حیثیت اور خوش حال ہیں انہیں اپنے رشتہ داروں مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں پر خرچ نہ کرنے کی قسم نہیں کھانی چاہیے ان کو معاف کرنا اور درگزر کرنا چاہیے کیا تم اس کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ۝

قرض خواہ اپنا حق مقروض کی لاعلمی میں بھی لے سکتا ہے

الشوریٰ: ۴۰ میں فرمایا: "اور برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے پس جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کر لی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر ہے بے شک وہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا ۝"

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ظالموں کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں: ایک وہ قسم ہے جو اپنے اوپر کیے جانے والے ظلم کا بدلہ نہیں لیتی اس کا ذکر ان آیتوں میں ہے: اور وہ غضب کے وقت معاف کر دیتے ہیں۔ (الشوریٰ: ۳۷) اور دوسری قسم وہ ہے جو اپنے اوپر کیے جانے والے ظلم کا بدلہ لیتی ہے لیکن ان پر یہ پابندی ہے کہ وہ صرف اتنا بدلہ لیں جتنا ان پر ظلم کیا گیا ہے بدلہ لینے میں حد سے تجاوز نہ کریں فرمایا: اور برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے۔ (الشوریٰ: ۴۰) مقاتل وغیرہ نے کہا ہے کہ بدلہ لینا اس صورت پر محمول ہے جب کسی شخص پر حملہ کر کے اس کو زخمی کر دیا جائے یا اس کو برا کہا جائے یا گالی دی جائے۔

ان آیات سے یہ مسئلہ مستنبط کیا گیا ہے کہ اگر کسی شخص کا دوسرے شخص پر حق واجب ہو اور وہ اس کا حق اس کو نہ دے رہا ہو تو اس کے مال سے وہ اپنا حق لے سکتا ہے مثلاً کوئی مالک اپنے نوکر کو تنخواہ نہ دے رہا ہو یا مزدور کی اجرت نہ دے رہا ہو یا کسی نے اس کا مال غصب کر لیا ہو یا خیانت کی ہو یا چوری کی ہو یا ڈاکا ڈالا ہو یا بیوی کو اس کا شوہر خرچ نہ دے رہا ہو یا اس کا مہر نہ دے رہا ہو یا مقروض اس کا قرض واپس نہ کر رہا ہو تو حق دار کے لیے جائز ہے کہ وہ بہ قدر حق اس کے مال سے اتنی مقدار جس

طرح بھی لے سکتا ہو وصول کر لے اور ان کے موقف کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ھند بن عتبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ابوسفیان بخیل آدمی ہے' وہ مجھے اتنا خرچ نہیں دیتا جو میرے لیے اور میری اولاد کے لیے کافی ہو' سوا اس صورت کے کہ میں خفیہ طور پر اس کے مال سے لے لوں اور اس کو پتا نہ چلے' آپ نے فرمایا: تم اس کے مال سے اتنی مقدار لے لو جو تمہارے لیے اور تمہاری اولاد کے لیے دستور کے مطابق کافی ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۶۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۳۲' سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۴۳۴' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۲۲۱۷)

اس کے بعد فرمایا: ''پس جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کر لی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر ہے'' اس آیت کے پہلے جز میں ظلم کا بدلہ لینے کے جواز کو بیان فرمایا' بہ شرطیکہ بدلہ لینے میں حد سے تجاوز نہ کیا جائے اور اس آیت کے دوسرے جز میں ظلم کا بدلہ نہ لینے اور معاف کرنے کی ترغیب دی ہے' ہم پہلے ظلم کا بدلہ لینے کے جواز کے متعلق احادیث بیان کریں گے' پھر ظلم کو معاف کرنے کے متعلق احادیث بیان کریں گے۔

بدلہ لینے کے جواز میں احادیث

ابن عون بیان کرتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اس وقت ہمارے پاس حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بھی تھیں' اس وقت آپ اپنے ہاتھ سے کوئی کام کر رہے تھے' میں نے آپ کو اشارہ سے بتایا کہ اس وقت حضرت زینب بھی موجود ہیں' آپ اس کام سے رک گئے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سخت اور ناگوار باتیں کہنے لگیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع فرمایا لیکن وہ سخت باتیں کہنے سے نہیں رکیں' تب آپ نے مجھ سے فرمایا: تم بھی ان کی سخت باتوں کا جواب دو' پھر میں نے ان کو جواب دیا تو میں ان پر غالب آ گئی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۹۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے دو گروہ تھے' ایک گروہ میں حضرت عائشہ' حضرت حفصہ' حضرت صفیہ اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہن تھیں اور دوسرے گروہ میں حضرت ام سلمہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری ازواج تھیں اور مسلمانوں کو معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تھی۔ پس مسلمانوں میں سے جب کوئی آپ کو کوئی ہدیہ پیش کرنا چاہتا تو انتظار کرتا حتیٰ کہ جب حضرت عائشہ کی باری آتی اور آپ ان کے گھر جاتے تو وہ آپ کو ہدیہ پیش کرتا' پھر حضرت ام سلمہ کے گروہ نے حضرت ام سلمہ سے کہا: آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں کہ آپ لوگوں سے فرمائیں: جس نے مجھے کوئی ہدیہ دینا ہو تو وہ مجھے وہ ہدیہ دے دیا کرے خواہ میں کسی زوجہ کے گھر ہوں۔ حضرت ام سلمہ نے آپ سے یہ بات کی تو آپ نے ان کو کوئی جواب نہیں دیا' جب ان ازواج نے حضرت ام سلمہ سے پوچھا کہ آپ نے کیا فرمایا؟ تو حضرت ام سلمہ نے کہا: آپ نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا' انہوں نے کہا: آپ دوبارہ حضور سے بات کریں' حضرت ام سلمہ نے دوبارہ بات کی' آپ نے پھر کوئی جواب نہیں دیا۔ انہوں نے آپ کے جواب کے متعلق پوچھا' حضرت ام سلمہ نے بتایا: آپ نے پھر کوئی جواب نہیں دیا' ازواج نے کہا: آپ سہ بارہ بات کریں حتیٰ کہ وہ آپ کو جواب دیں' جب حضرت ام سلمہ نے سہ بارہ بات کی تو آپ نے فرمایا: مجھے عائشہ کے معاملہ میں اذیت نہ دو' کیونکہ عائشہ کے علاوہ کسی زوجہ کے بستر پر میرے پاس وحی نہیں آتی۔ حضرت ام سلمہ نے کہا: میں آپ کو اذیت دینے کے عمل سے اللہ سے توبہ کرتی ہوں' پھر ان ازواج نے حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا' پس انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کو بلا کر کہا: آپ کی ازواج آپ کو قسم دیتی ہیں کہ آپ حضرت ابو بکر کی بیٹی کے معاملہ میں عدل کریں' آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے میری بیٹی! کیا تم اس سے محبت نہیں کرتیں جس سے میں محبت کرتا ہوں؟ حضرت سیدہ فاطمہ نے کہا: کیوں نہیں' پھر حضرت سیدہ نے ان ازواج کے پاس جا کر بتا دیا' انہوں نے کہا: آپ دوبارہ جائیں' حضرت سیدہ نے دوبارہ جانے سے انکار کر دیا' پھر ازواج نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو بلایا' وہ آپ کے پاس گئیں اور سخت کلام کیا اور کہا کہ آپ کی ازواج آپ کو قسم دیتی ہیں کہ آپ حضرت ابو بکر کی بیٹی کے معاملہ میں انصاف کریں' ان کی آواز بلند ہو گئی حتیٰ کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی بُرا کہا' اس وقت حضرت عائشہ بیٹھی ہوئی تھیں اور حضرت زینب ان کو سخت سست کہہ رہی تھیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کی طرف دیکھا کہ آیا وہ کوئی جواب دیتی ہیں' پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دینے شروع کیے' حتیٰ کہ حضرت زینب کو لاجواب اور ساکت کر دیا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کی طرف دیکھ کر فرمایا: یہ ابو بکر کی بیٹی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۸۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۴۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۹۴۴' مسند احمد ج ۶ ص ۱۳۰ طبع قدیم' مسند احمد ج ۴۱ ص ۴۵۲۔ ۴۵۱' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۱ھ' مسند احمد ج ۲ ص ۸۸ طبع قدیم' مسند احمد ج ۴۱ ص ۱۲۴۔ ۱۲۳' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۱۷۸۸)

بدلہ نہ لینے اور معاف کر دینے کے متعلق احادیث

حضرت ابو الیسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس نے کسی تنگ دست کو مہلت دی یا اس کا قرض معاف کر دیا' اللہ تعالیٰ اس کو اپنے سائے میں رکھے گا۔

(صحیح مسلم: کتاب الزہد' رقم الحدیث: ۷۴' رقم الحدیث بلا تکرار: ۳۰۰۶' الرقم المسلسل: ۷۴۷۷)

حضرت علی بن الحسین زین العابدین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب قیامت کا دن ہو گا تو ایک منادی ندا کرے گا کہ اہل فضل کھڑے ہو جائیں' پھر کچھ لوگ کھڑے ہوں گے' ان سے کہا جائے گا کہ جنت کی طرف چلے جاؤ' راستہ میں ان کو فرشتے ملیں گے اور کہیں گے: تم کہاں جا رہے ہو؟ وہ کہیں گے: جنت کی طرف' فرشتے کہیں گے: حساب سے پہلے؟ وہ کہیں گے: ہاں' فرشتے پوچھیں گے: تم کون ہو؟ وہ کہیں گے: ہم اہل فضل ہیں' فرشتے پوچھیں گے: تمہاری کیا فضیلت ہے؟ وہ کہیں گے: جب کوئی ہم سے جاہلانہ بات کرتا تو ہم بردباری سے کام لیتے اور جب کوئی ہم پر ظلم کرتا تو ہم معاف کر دیتے اور جب کوئی ہمارے ساتھ زیادتی کرتا تو ہم معاف کر دیتے ہیں۔ فرشتے کہیں گے: تم جنت میں داخل ہو جاؤ' نیک کام کرنے والوں کے لیے کیا خوب اجر ہے' پھر ایک منادی ندا کرے گا کہ صبر کرنے والے کھڑے ہو جائیں' پھر کچھ لوگ کھڑے ہوں گے۔ ان سے کہا جائے گا کہ جنت کی طرف چلے جاؤ' ان کو راستہ میں فرشتے ملیں گے' ان سے بھی اسی طرح مکالمہ ہو گا' وہ کہیں گے: ہم اہل صبر ہیں' فرشتے پوچھیں گے: تم نے کس چیز پر صبر کیا؟ وہ کہیں گے: ہم نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی مشقت پر صبر کیا اور ہم صبر کر کے اللہ کی معصیت سے بچے' فرشتے کہیں گے: تم جنت میں داخل ہو جاؤ' نیک عمل کرنے والوں کا کیا خوب اجر ہے' پھر ایک منادی ندا کرے گا کہ اللہ کے گھر کے پڑوسی کھڑے ہو جائیں' پھر کچھ لوگ کھڑے ہوں گے اور وہ بہت کم ہوں گے' ان سے کہا جائے گا: جنت کی طرف چلو' راستہ میں ان کو فرشتے ملیں گے' ان سے اسی طرح مکالمہ ہو گا' فرشتے پوچھیں گے: تم کس سبب سے اللہ کے پڑوسی بنے؟ وہ کہیں گے: ہم اللہ عزوجل کی رضا کے لیے لوگوں سے ملتے تھے' ہم اللہ کی رضا کے لیے مجلس میں شریک ہوتے تھے اور ہم اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتے تھے' فرشتے کہیں گے: تم جنت میں داخل ہو جاؤ' پس نیک عمل کرنے والوں کا کیا خوب اجر ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۴۰۔ ۱۳۹' دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ' حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۶۴۔ ۱۶۳'

الحدیث: ۳۵۶۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ ہر چند کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے مگر فضائل اعمال کے لیے کافی ہے۔)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے غضب کے تقاضوں کو پورا کرنے پر قادر تھا اور اس نے اپنے غصہ کو پی لیا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کے سامنے اس کو بلا کر فرمائے گا کہ وہ جس حور کو چاہے اختیار کر لے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۷۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۲۱' مساوی الاخلاق للخرائطی رقم الحدیث: ۳۳۷' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۴۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۸۶' مسند احمد ج ۳ ص ۴۳۸' المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۱۸۹۔۱۸۸' رقم الحدیث: ۴۱۶۔۴۱۵' السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۱۶۱' اس حدیث کی سند صحیح ہے' الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۷۹۵۰)

حسن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص غصہ ضبط کر کے اس کا گھونٹ پیتا ہے اللہ تعالیٰ کو اس گھونٹ سے بڑھ کر کوئی گھونٹ پسند نہیں ہے' یا جو شخص مصیبت کے وقت صبر کا گھونٹ پیتا ہے اور اللہ کے خوف سے جس شخص کی آنکھ سے آنسو کا قطرہ گرتا ہے اس سے بڑھ کر کوئی قطرہ پسند نہیں ہے یا خون کا وہ قطرہ جو اللہ کی راہ میں گرتا ہے۔

(مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۲۸۹' الزہد لابن المبارک رقم الحدیث: ۶۷۲' الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۷۹۵۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: باوقار لوگوں کی لغزشوں کو معاف کر دو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۷۵' مسند احمد ج ۶ ص ۱۸۱' الادب المفرد رقم الحدیث: ۱۶۷' مسند ابویعلیٰ ج ۸ ص ۲۶۳' حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۴۳' الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۱۹۴۵' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۳۵۶۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی مسلمان کی لغزش کو معاف کیا قیامت کے دن اللہ اس کی لغزش کو معاف کر دے گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۴۶۰' مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۹۹' المستدرک ج ۲ ص ۴۵' الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۷۹۵۷)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنی زبان پر قابو رکھا اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کی پردہ پوشی کرے گا اور جس نے اپنے غصہ کو روکا' قیامت کے دن اللہ اس سے اپنے عذاب کو روک لے گا اور جس نے اللہ کے سامنے اپنے عذر کو پیش کیا اللہ اس کے عذر کو قبول کر لے گا۔

(تاریخ بغداد ج ۵ ص ۳۰۸' الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۷۹۵۸' اس حدیث کی سند حسن ہے)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (قیامت کے دن) ایک منادی دوبار ندا کرے گا: جس شخص کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے وہ جنت میں داخل ہو جائے' تو جس شخص نے اپنے بھائی کو معاف کر دیا ہو گا وہ اٹھ کھڑا ہو گا' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ" جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کی اس کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر ہے۔ (الشوریٰ: ۴۰) (الضعفاء الکبیر للعقیلی ج ۳ ص ۴۷۷' الدر المنثور ج ۷ ص ۳۵۹' الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۷۹۶۰' اس حدیث کی سند ضعیف لیکن فضائل اعمال میں معتبر ہے)

امام عبد الرزاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی بن الحسین زین العابدین کی باندی ان کو وضو کرا رہی تھی تا کہ وہ نماز کی تیاری کریں' ناگاہ پانی کا لوٹا اس کے ہاتھ سے گر کر ان کے چہرے پر گر گیا اور ان کا چہرہ زخمی ہو گیا' انہوں نے نظر اٹھا کر اس باندی کی طرف دیکھا' اس نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "والکاظمین الغیظ" (غصہ کو پینے والے) آپ نے اس سے فرمایا: میں نے غصہ کو پی لیا۔ اس نے کہا: "والعافین عن الناس" (لوگوں کو معاف کر دینے والے) آپ نے فرمایا: اللہ تم کو معاف کرے' اس نے کہا: "وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ" (اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے) (آل عمران: ۱۳۴)' آپ نے

فرمایا: جاؤ تم آزاد ہو۔ (الجامع لشعب الایمان ج ۱۰ ص ۵۴۵ رقم الحدیث: ۷۹۶۴ مکتبۃ الرشید ریاض ۱۴۲۳ھ)

عبید بن عمیر بیان کرتے ہیں کہ پڑوسی کے حقوق میں سے یہ ہے کہ تم اپنی نیکی میں اس کو یاد رکھو اس سے تکلیف دہ چیز کو دور کرو اور قرابت کے حقوق میں سے یہ ہے کہ جب رشتہ دار تم سے تعلق توڑے تو تم اس سے تعلق جوڑو وہ تم کو محروم رکھے تو تم اس کو عطا کرو اور وہ شخص معاف کرنے کا زیادہ مستحق ہے جو سزا دینے پر زیادہ قادر ہو اور جو شخص اپنے سے کمزور پر ظلم کرے اس کی عقل بہت کم ہے۔ (الجامع لشعب الایمان ج ۱۰ ص ۵۴۸ رقم الحدیث: ۷۹۷۰ اس حدیث کی سند جید ہے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! تیرے بندوں میں سب سے زیادہ عزت والا کون ہے؟ فرمایا: جو شخص باوجود قدرت کے معاف کر دے۔

(الجامع لشعب الایمان ج ۱۰ ص ۵۵۰ رقم الحدیث: ۷۹۷۴ اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

اس کے بعد فرمایا: ''بے شک وہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا''۔

اس آیت میں ظالم سے مراد وہ شخص ہے جو بدلہ لینے میں حد سے تجاوز کرتا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس نے اپنے اوپر ظلم کیے جانے کا بدلہ لے لیا تو اب اس سے مواخذہ کرنے کا کوئی جواز نہیں O مواخذہ کرنے کا جواز ان لوگوں کے خلاف ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور روئے زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے O اور جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا تو بے شک یہ ضرور ہمت کے کاموں میں سے ہے O

(الشوریٰ: ۴۳-۴۱)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

مسلمان جب کافر سے بدلہ لے لے تو اس بدلہ لینے پر اس مسلمان کو ملامت کرنے کا کوئی جواز نہیں بلکہ اس کافر سے بدلہ لینے کی وجہ سے اس مسلمان کی تعریف اور تحسین کی جائے گی اور اگر مسلمان کسی ظالم مسلمان سے بدلہ لے پھر بھی اس کو ملامت نہیں کی جائے گی پس کافر سے بدلہ لینا واجب ہے اور مسلمان سے بدلہ لینا مباح ہے اور مسلمان کو معاف کر دینا مستحب ہے۔

عام مسلمان اپنے اوپر زیادتی کرنے والے کو خود سزا دے سکتا ہے یا نہیں؟

اگر حکومت کے بجائے مسلمان خود اپنا بدلہ لے تو اس کی تین صورتیں ہیں:

(۱) اگر مسلمان کے بدن میں کوئی زخم آیا ہو یا اس کا کوئی عضو ضائع ہوا ہو اور قاضی کے نزدیک یہ ثابت ہو گیا ہو کہ یہ شخص اپنا قصاص لینے کا مجاز ہے تاہم قاضی اس کو منع کرے گا کہ وہ از خود قصاص نہ لے اور قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی جرأت نہ کرے تاکہ کہیں خون ریزی کا دروازہ نہ کھل جائے اور اگر حکام کے نزدیک اس کے قصاص لینے کا حق ثابت نہ ہو اور وہ قصاص لے لے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا قصاص لینا جرم نہیں ہوگا اور حکام اور قانون کے نزدیک یہ جرم ہوگا اور اس کو گرفتار کر کے قرار واقعی سزا دی جائے گی۔

(۲) اگر کسی کے جرم کی سزا حد ہو جیسے زنا کی حد یا چوری کی حد تو کسی عام آدمی کو یہ سزا دینے کا حق نہیں ہے اگر حاکم کے نزدیک اس کا جرم ثابت نہیں ہوا اور عام آدمی نے اس کو سزا دی تو اس کو پکڑ کر سزا دی جائے گی کیونکہ عام آدمی کو اپنے ہاتھ میں قانون لینے کا حق نہیں ہے اور نہ عام آدمی کو حد جاری کرنے کا حق ہے اور اگر حاکم کے نزدیک اس کا جرم ثابت ہو اور کسی نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا ہو تو اب دوبارہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ اب اس کا وہ محل قائم نہیں رہا جس

پر حد جاری ہوسکتی ہے اور اگر اس کی حد کوڑے مارنا تھی تو پھر اس کو کوڑے مارے جائیں گے کیونکہ اس پر حد جاری ہونے کا محل باقی ہے۔

(۳) اگر کسی مسلمان کا دوسرے مسلمان پر مالی حق ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس سے بہ زور اپنا حق وصول کرلے' مثلاً اس کی طرف تنخواہ نکلتی ہو یا اس کا اس پر قرض ہو یا دَین ہو' یہ اس صورت میں ہے کہ مقروض یا مدیون کو اس کے حق کا علم ہو اور اگر اس کو علم نہ ہو تو اگر صرف اس سے مطالبہ کرنے سے اس کا حق مل سکتا ہو تو پھر اس کو پکڑنا یا گرفتار کرنا جائز نہیں ہے اور اگر محض مطالبہ سے اس کو حق نہ مل سکتا ہو کیونکہ مقروض یا مدیون اس کے حق کا انکار کرتا ہو اور اس کے پاس اپنے حق پر گواہ نہ ہوں تو امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک اب بھی اس کو پکڑنا یا اس کو گرفتار کرنا جائز ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس صورت میں اس کو گرفتار کرنا جائز نہیں ہے (مقروض سے مراد ہے جس نے اپنی ضرورت کے لیے نجی قرضہ لیا ہو اور مدیون سے مراد ہے جس نے مدت معین کے ادھار پر کوئی چیز خریدی ہو)۔

ظلم اور ناحق سرکشی کرنے والوں کے مصادیق

الشوریٰ: ۴۲ میں فرمایا: ''مواخذہ کرنے کا جواز ان لوگوں کے خلاف ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور روئے زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں' ان لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے O''

یعنی جو لوگ اسلحہ کے زور پر لوگوں کا مال چھین لیتے ہیں اور جبراً بھتہ لیتے ہیں' حکومت پر لازم ہے کہ ایسے لوگوں سے مواخذہ کرے اور ان لوگوں کو ڈاکا ڈالنے اور جبراً بھتہ لینے سے روکے۔

مقاتل نے کہا: ظلم اور بغاوت سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ علانیہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں' کھلے عام شراب پیتے ہیں اور جوا کھیلتے ہیں اور دیگر گناہ کرتے ہیں' حکومت پر لازم ہے کہ ان کو لگام دے اور ان کی ناک میں نکیل ڈالے۔

مقاتل نے کہا: اس سے مراد مشرکین ہیں جو ہجرت سے پہلے مکہ میں مسلمانوں پر ظلم کرتے تھے اور ناحق سرکشی کرتے تھے۔

قتادہ نے کہا: یہ آیت ہر قسم کے ظلم کرنے والوں کے لیے عام ہے۔

انکم ٹیکس اور دیگر ٹیکسوں کی تحقیق

علامہ قرطبی مالکی فرماتے ہیں: علامہ ابوبکر بن العربی نے کہا ہے کہ یہ آیت: ''مواخذہ کرنے کا جواز ان لوگوں کے خلاف ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں'' (الشوریٰ: ۴۲) سورہ توبہ: ۹۱ کے مقابلہ میں ہے جس میں فرمایا ہے:

مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ. نیکی کرنے والوں کے خلاف مواخذہ کا کوئی جواز نہیں ہے۔

پس جس طرح اللہ تعالیٰ نے نیکی کرنے والوں کے خلاف مواخذہ کی نفی فرمائی ہے اسی طرح ظلم کرنے والوں کے خلاف مواخذہ کو ثابت فرمایا ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ اگر سربراہ مملکت کسی ملک کے عوام پر ان کی آمدنی پر ٹیکس لگادے اور کوئی شخص اس پر قادر ہو کہ وہ ٹیکس نہ ادا کرے تو آیا اس کے لیے ٹیکس ادا نہ کرنا جائز ہے یا نہیں' ہمارے علماء میں سے علامہ سحنون مالکی نے کہا: اگر وہ ٹیکس ادا نہ کرنے پر قادر ہے تو اس کے لیے ٹیکس ادا نہ کرنا جائز نہیں ہے اور علامہ ابوجعفر احمد بن نصر مالکی نے کہا: اس کے لیے ٹیکس ادا نہ کرنا جائز ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۴۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں: حکومت ٹیکس اس لیے لگاتی ہے کہ اس کو اسلحہ خریدنے کے لیے' سڑکیں اور پل بنانے کے لیے سرمایہ چاہیے' اسی طرح فوج کو تنخواہیں دینے کے لیے' سرکاری ہسپتالوں' سرکاری اسکولوں' کالجوں اور یونیورسٹیوں کے سٹاف اور اساتذہ کو تنخواہیں دینے کے لیے عدالتوں اور ججوں کے اخراجات اور تنخواہوں کے لیے سرمایہ چاہیے۔ اسی طرح اور دیگر ملکی اور قومی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے سرمایہ چاہیے اور یہ حکومت کی مجبوری اور اس کی جائز ضرورت ہے' اس ضرورت کو اموال ظاہرہ (تجارت کی خام اشیاء اور مصنوعات وغیرہ) پر زکوٰۃ اور عشر کی آمدنی سے پورا کیا جا سکتا ہے' لیکن ہمارے ہاں المیہ یہ ہے کہ اموال ظاہرہ سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جاتی بلکہ اموال باطنہ یعنی بینک اکاؤنٹ سے زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے۔

دوسرا المیہ یہ ہے کہ ملکی اور قومی ضروریات کے علاوہ مرکزی اور صوبائی وزراء اور ان کے بے تحاشا شاف کے اخراجات' ان کے سرکاری غیر ملکی دوروں اور ان کے تعیش اور اللّوں تللّوں کے اخراجات بھی ٹیکس کی آمدنی سے پورے کیے جاتے ہیں' ان کی تنخواہیں اور ان کی مراعات کے اخراجات لاکھوں سے متجاوز ہیں اور مہنگائی کے اس دور میں جس شخص کی آمدنی چھ ہزار روپے ماہانہ ہو اور اس پر پورے کنبہ کی کفالت کا بوجھ ہو اس کو بھی ان وزیروں اور مشیروں کی شاہ خرچیوں کے لیے ٹیکس دینا پڑتا ہے' جب کہ دوائیوں سے لے کر کھانے پینے کی اور دیگر ضروریات کی چیزوں پر اس کے علاوہ دہرا تہرا ٹیکس لگا ہوا ہے اور یوں عوام اپنی رگوں سے خون کو کشید کر کے سرکاری عملہ کی عیاشیوں کے لیے رقم فراہم کرتے ہیں' ایک وقت تھا کہ ۱۹۶۸ء-۱۹۵۸ء تک مشرقی اور مغربی پاکستان کے کل ملا کر نو مرکزی وزراء تھے' اس وقت مشیر وغیرہ نہیں ہوتے تھے' اب مغربی پاکستان چار صوبوں پر مشتمل ہے اور ہر صوبہ میں ساٹھ سے زیادہ صوبائی وزراء ہیں' مشیروں کی تعداد الگ ہے' پھر ان کا سٹاف ہے اور پاکستان کے بجٹ کا بہت بڑا حصہ سرکاری عملہ کی عیاشیوں اور شاہ خرچیوں کی نذر ہو جاتا ہے

ہونا یہ چاہیے کہ ملک کی جائز اور واقعی ضروریات کو اموال ظاہرہ سے زکوٰۃ وصول کر کے پورا کیا جائے' پھر بھی اگر ضرورت پڑے تو سرمایہ داروں سے مناسب حد تک ٹیکس لگا کر اس خرچ کو پورا کیا جائے اور تنخواہ دار طبقہ سے انکم ٹیکس بالکل وصول نہ کیا جائے اور اگر ان سے بھی ٹیکس لینا ناگزیر ہو تو ان سے انکم ٹیکس لیا جائے جن کی ماہانہ آمدنی چالیس ہزار روپے سے زائد ہو اور جن ملازمین کی ماہانہ تنخواہ چھ سات ہزار روپے ہو ان سے بالکل ٹیکس نہ لیا جائے۔ اسی طرح کھانے پینے کی اشیاء' دواؤں اور روز مرہ کی ضرورت کی چیزوں پر بالکل ٹیکس نہ لگایا جائے' لیکن یہ تبھی ہو سکتا ہے جب وزیروں اور مشیروں کی بے تحاشا بھرتی نہ کی جائے' ان کے غیر ضروری اسٹاف اور شاہ خرچیوں کو ختم کیا جائے' صدر اور وزیر اعظم کے سرکاری دوروں پر ان کے ساتھ جو بے تحاشا ان کے ٹاؤٹ جاتے ہیں اور ان کو شاپنگ کے لیے جو بے دریغ زر مبادلہ دیا جاتا ہے اس سلسلہ کو ختم کیا جائے۔ ایک غریب ملک جو سود کے قرضوں سے چل رہا ہے' جس کے عوام کی فی کس آمدی چار پانچ ہزار روپے ماہانہ ہے' اس کو یہ اللّے تللّے کب زیب دیتے ہیں۔

اپنے مال کے حق اور عزت کے حق کو معاف کرنے کے سلسلہ میں علماء کے نظریات

اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے کہ کسی مسلمان کا مال کسی دوسرے مسلمان پر نکلتا ہو یا اس کی عزت کسی نے مجروح کی ہو تو آیا وہ اپنے مال یا اپنی عزت کا حق معاف کر سکتا ہے یا نہیں' امام مالک کے نزدیک وہ اپنے مال کا حق تو معاف کر سکتا ہے' اپنی عزت کا حق معاف نہیں کر سکتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ. (الشوریٰ: ۴۲) مواخذہ کرنے کا جواز ان لوگوں کے خلاف ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔

مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ۚ (التوبہ:۹۱) نیکی کرنے والوں کے خلاف مواخذہ کا کوئی جواز نہیں ہے۔

پس اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان پر اپنے مالی حق کو معاف کر دیتا تو یہ اس کی نیکی ہے اور اس سے مواخذہ کرنا جائز نہیں ہے اور اگر کوئی اس کی عزت کو مجروح کرتا ہے تو یہ اس کا ظلم ہے اور ظلم کرنے والے پر گرفت کرنا لازم ہے تا کہ وہ ظلم پر دلیر نہ ہو۔

سعید بن مسیب نے کہا: نہ وہ اپنا مال چھوڑے اور نہ اپنی بے عزتی کا بدلہ لینا ترک کرے' کیونکہ کسی مسلمان کے مال کو غصب کرنا اور اس کو بے عزت کرنا حرام ہے اور جب اس سے مواخذہ نہیں کیا جائے گا تو جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اس کو حلال کرنا لازم آئے گا اور یہ اللہ کے حکم کو تبدیل کرنا ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔

ابن سیرین نے کہا: وہ اپنے مال کے حق کو بھی معاف کر سکتا ہے اور عزت کے حق کو بھی معاف کر سکتا ہے' کیا تم نہیں دیکھتے کہ انسان اپنے قصاص کے حق کو معاف کر سکتا ہے

امام مالک نے مال کے حق کو معاف کرنے پر اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے:

عبادہ بن الولید بن عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور میرے والد علم کی طلب میں انصار کے قبیلہ میں گئے' ہماری سب سے پہلے حضرت ابوالیسر سے ملاقات ہوئی' جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے اور ان کے ساتھ ایک غلام تھا جس کے پاس صحائف کا ایک گٹھا تھا' حضرت ابوالیسر اور ان کے غلام دونوں نے ایک قسم کی دھاری دار چادر اور معافری کپڑا پہنا ہوا تھا۔ میں نے ان سے کہا: اے چچا! میں آپ کے چہرے پر غم وغصہ کے آثار دیکھ رہا ہوں' انہوں نے کہا: بنو حرام کے فلاں بن فلاں شخص پر میرا مال تھا' میں اس کے گھر گیا' سلام کیا' پھر میں نے پوچھا: وہ شخص کہاں ہے؟ گھر والوں نے کہا: وہ یہاں نہیں ہے' پھر اچانک اس کا نوجوان بیٹا گھر سے نکلا' میں نے اس سے پوچھا: تیرا باپ کہاں ہے؟ اس نے کہا: اس نے آپ کی آواز سنی تو وہ میری ماں کے چھپر کھٹ (پردوں والا پلنگ) میں چھپ گیا' میں نے کہا: اب نکل آؤ' مجھے پتا چل گیا ہے تم کہاں ہو؟ وہ باہر نکل آیا' میں نے پوچھا: تم مجھ سے کیوں چھپے تھے؟ اس نے کہا: میں قسم کھا کر بیان کرتا ہوں اور میں آپ سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔ اللہ کی قسم! میں اس بات سے ڈرتا تھا کہ میں آپ سے بات کروں اور جھوٹ بولوں اور میں آپ سے کوئی وعدہ کروں اور اس کے خلاف کروں حالانکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اور اللہ کی قسم! میں ایک غریب آدمی ہوں' میں نے کہا: اللہ کی قسم! اس نے کہا: اللہ کی قسم! پھر میں نے اس کے قرض کی دستاویز منگا کر اس کو اپنے ہاتھ سے مٹا دیا اور کہا: اگر تم ادا کر سکو تو ادا کر دینا ورنہ تم بری الذمہ ہو' پھر حضرت ابوالیسر نے اپنی دونوں آنکھوں پر انگلیاں رکھ کر کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا اور میرے کانوں نے سنا اور دل کی جگہ ہاتھ رکھ کر کہا: میرے اس دل نے یاد رکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی مقروض کو مہلت دی یا اس کا قرض معاف کر دیا اللہ تعالیٰ اس کو اپنے سائے میں رکھے گا۔ الحدیث

(صحیح مسلم: الزہد' رقم الحدیث: ۷۴' رقم الحدیث بلا تکرار: ۳۰۰۶' الرقم المسلسل: ۷۳۷۷)

یہ تو اس مقروض کے ساتھ نیکی ہے جو زندہ تھا اور جو قرض کی حالت میں مر گیا وہ اس نیکی کے زیادہ لائق ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۴۱۔۴۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ہمارے نزدیک ان اقوال میں صحیح قول ابن سیرین کا ہے کہ انسان اپنے مال کا حق بھی معاف کر سکتا اور جان اور عزت کا حق بھی معاف کر سکتا ہے' مال کے حق کو معاف کرنے کی دلیل یہ آیت ہے: نیکی کرنے والوں کے خلاف مواخذہ کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے (التوبہ: ۹۱) اور حضرت ابوالیسر کی حدیث مذکور الصدر ہے اور جان اور عزت کے حق کو معاف کرنے کی دلیل یہ

آیت ہے: پس جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر ہے (الشوریٰ: ۴۰) اور حق قصاص کو معاف کرنے کی آیات ہیں اور بہ کثرت احادیث میں ہے "واعف عمن ظلمک" جو تم پر ظلم کرے اس کو معاف کر دو۔
(الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۷۹۷۰)

عزم' عزیمت اور رخصت کا معنیٰ

الشوریٰ: ۴۳ میں فرمایا: "اور جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا تو بے شک یہ ضرور ہمت کے کاموں میں سے ہے"۔
یعنی جس نے اذیت اور تکلیف برداشت کرنے پر صبر کیا اور اس کو معاف کر دیا جس نے اس کے اوپر ظلم کیا تھا اور اس سے بدلہ نہیں لیا اور اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا تو اس کا یہ صبر کرنا عزائم امور سے ہے اور یہ ایسا کام ہے جس کا بندہ کو عزم کرنا چاہیے' کیونکہ یہ ایسا کام ہے جس کی دنیا میں تعریف اور تحسین کی جاتی ہے اور آخرت میں اس پر اجر عظیم ملتا ہے۔
اس آیت میں "عزم" کا لفظ ہے' علامہ حسین بن راغب اصفہانی اس کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
عزم کا معنیٰ ہے: دل میں کسی کام کا پکا اور پختہ ارادہ کر لینا' خواہ کوئی اس کام سے کتنا ہی روکے میں یہ کام ضرور کروں گا' اسی لیے جن کاموں کو اللہ تعالیٰ نے اصالۃً فرض کیا ہے ان کو عزیمت کہتے ہیں اور کسی پیش آمدہ مشکل یا عارضہ کی بناء پر اس فرض میں جو آسانی کر دی جاتی ہے اس کو رخصت کہتے ہیں جیسے وطن میں ظہر' عصر اور عشاء میں چار رکعات فرض ہیں' یہ عزیمت ہے اور سفر کی مشقت کی وجہ سے ان اوقات میں دو رکعات فرض ہیں' اس کو رخصت کہتے ہیں۔
(المفردات ج ۲ ص ۴۳۴' ملخصاً وموضحاً' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ مجد الدین المبارک بن محمد الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:
عزم کا معنیٰ ہے: وہ فرائض جن کو تمہارے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے عزم کیا ہے' ایک قول یہ ہے کہ جس کام کے کرنے پر تمہاری رائے پختہ اور مؤکد ہو گئی اور تم نے اس کام کو کرنے کا اللہ تعالیٰ سے عہد کر لیا۔ حدیث میں ہے:
لیعزم المسئلة. اسے چاہیے کہ وہ پوری کوشش اور قطعیت سے سوال کرے۔
(صحیح البخاری: الدعوات: ۲۱' صحیح مسلم الذکر: ۸' مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۳)

حضرت ام سلمہ نے فرمایا: "فعزم الله لی". اللہ نے میرے لیے قوت اور صبر کو پیدا کر دیا۔ (صحیح مسلم' الجنائز: ۵)
ایک اور حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تم وتر کب پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا: رات کے اول حصہ میں' پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تم وتر کب پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا: رات کے آخری حصہ میں' آپ نے حضرت ابوبکر سے فرمایا: تم نے احتیاط پر عمل کیا اور حضرت عمر سے فرمایا: تم نے عزیمت پر عمل کیا۔
(سنن ابوداؤد' الوتر: ۷' سنن بیہقی ج ۳ ص ۳۶۔۳۵' مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۹)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ حضرت ابوبکر کو خدشہ تھا کہ کہیں نیند کے غلبہ سے وتر فوت نہ ہو جائیں' اس لیے انہوں نے احتیاط سے کام لیا اور وتر کو پہلے پڑھ لیا اور حضرت عمر کو اعتماد تھا کہ ان کو تہجد کی نماز پڑھنے کی قوت ہے' اس لیے انہوں نے اصل کے مطابق وتر رات کے آخری حصہ میں پڑھے اور بغیر احتیاط کے عزم میں کوئی خیر نہیں ہے کیونکہ جب تک قوت کے ساتھ احتیاط نہ ہو تو انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔
ایک اور حدیث میں ہے: "الزكوة عزمة من عزمات الله" یعنی زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے ایک حق ہے اور اس کے واجبات میں سے ایک واجب ہے۔ (سنن ابوداؤد' الزکوٰۃ: ۵' سنن النسائی' الزکوٰۃ: ۷۔۴' مسند احمد ج ۵ ص ۴۔۲)

ایک اور حدیث میں ہے: اللہ رخصت پر عمل کرنے کو بھی اسی طرح پسند کرتا ہے جس طرح عزیمت پر عمل کرنے کو پسند کرتا ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۰۸' النہایہ ج ۳ ص ۲۱۰۔۲۰۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

عزم کا معنیٰ ہے: کوشش کرنا اور عزم کا معنیٰ ہے: تم نے اپنے دل میں جس کام کی گرہ باندھ لی اور عزم کا معنیٰ ہے: تم نے کسی کام کو کرنے کی قسم کھالی' ''اولو العزم من الرسل'' کا معنیٰ ہے: وہ رسول جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرنے کا عزم کیا' تفسیر میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام' حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت سیدنا محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام اولو العزم رسل ہیں اور عزم کا معنیٰ صبر ہے' حدیث میں ہے: حضرت سعد نے کہا: ''فلما اصابنا البلاء اعتزمنا لذالک'' ہم پر جب مصیبت آئی تو ہم نے اس پر عزم کیا یعنی صبر کیا اور اس مصیبت کو برداشت کیا۔ ابن منظور نے عزم کے اور بھی بہت معانی لکھتے ہیں۔ (لسان العرب ج ۱۰ ص ۱۴۰' دار صادر' بیروت' ۲۰۰۳ء)

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ

اور جسے اللہ گم راہ کر دے اس کے لیے اس کے بعد کوئی کارساز نہیں ہے اور آپ دیکھیں گے کہ ظالم لوگ

لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ۚ﴿۴۴﴾ وَ

جب عذاب کو دیکھیں گے تو کہیں گے: کیا (دنیا میں) واپس جانے کی کوئی صورت ہے O اور

تَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ

آپ ان کو دیکھیں گے کہ جب ان کو دوزخ پر اس حال میں پیش کیا جائے گا کہ وہ ذلت سے سر جھکائے ہوئے

طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ

ہوں گے' کن انکھیوں سے دیکھ رہے ہوں گے اور ایمان والے کہہ رہے ہوں گے کہ بے شک

خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ

نقصان زدہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو اور گھر والوں کو قیامت کے دن نقصان میں ڈال دیا'

عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ

سنو! بے شک ظلم کرنے والے دائمی عذاب میں ہیں O اور اللہ کے سوا ان کے کوئی حمایتی نہیں ہیں جو ان کی مدد کر سکیں

دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ﴿۴۶﴾ اِسْتَجِيْبُوْا

اور جسے اللہ گم راہ کر دے اس کے لیے کوئی سیدھی راہ نہیں ہے O تم اپنے رب کا

لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۭ مَا لَكُمْ

حکم مان لو اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جو اللہ کی طرف سے ٹلنے والا نہیں ہے' اس دن تمہارے لیے نہ کوئی جائے پناہ

مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَىِٕذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿۴۷﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ

ہو گی اور نہ تمہارے لیے انکار کی گنجائش ہو گی ○ پس اگر یہ اعراض کریں تو ہم نے آپ کو ان کا

اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۭ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا

نگران بنا کر نہیں بھیجا' آپ کے ذمہ تو صرف پیغام کو پہنچا دینا ہے اور بے شک جب ہم انسان

الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ

کو اپنے پاس سے کوئی رحمت چکھاتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتا ہے اور اگر ان کے گناہوں کی وجہ سے ان پر کوئی

اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿۴۸﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

مصیبت آئے تو بے شک انسان بہت ناشکرا ہے ○ تمام آسمانوں اور زمینوں میں اللہ ہی کی حکومت ہے

يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ

وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے' وہ جس کو چاہے بیٹیاں دے اور جس کو چاہے بیٹے

الذُّكُوْرَ ﴿۴۹﴾ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاۗءُ

عطا فرمائے ○ یا جس کو چاہے بیٹے اور بیٹیاں عطا کر دے اور جس کو چاہے بے اولاد کر دے

عَقِيْمًا ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا

وہ بے حد علم والا' بہت قدرت والا ہے ○ اور کسی بشر کے لیے ممکن نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے ماسوا

وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَاۗئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ

وحی کے یا پردے کی اوٹ سے' یا اللہ کسی فرشتہ کو بھیج دے پس' وہ اللہ کے حکم سے جو اللہ چاہے

مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ

وہ وحی کرے' بے شک وہ بہت بلند' بے حد حکمت والا ہے ○ اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف روح

أَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ

(قرآن) کی وحی کی ہے' اس سے پہلے آپ از خود یہ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کیا ہے' لیکن ہم نے اس

نُوْرًا نَّهْدِىْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِىْٓ اِلٰى

کتاب کو نور بنا دیا جس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں ہدایت دیتے ہیں اور بے شک آپ ضرور صراط مستقیم کی

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۲﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِىْ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا

طرف ہدایت دیتے ہیں O اللہ کے راستے کی طرف جو آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز کا مالک ہے

فِى الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾

سنو! اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹتے ہیں O

ع ۵ / ۶

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جسے اللہ گم راہ کر دے اس کے لیے اس کے بعد کوئی کارساز نہیں ہے اور آپ دیکھیں گے کہ ظالم لوگ جب عذاب کو دیکھیں گے تو کہیں گے: کیا دنیا میں واپس جانے کی کوئی صورت ہے O اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ جب ان کو دوزخ پر اس حال میں پیش کیا جائے گا کہ وہ ذلت سے سر جھکائے ہوئے ہوں گے' کن انکھیوں سے دیکھ رہے ہوں گے اور ایمان والے کہہ رہے ہوں گے کہ بے شک نقصان زدہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو اور گھر والوں کو قیامت کے دن نقصان میں ڈال دیا' سنو بے شک ظلم کرنے والے دائمی عذاب میں ہیں O اور اللہ کے سوا ان کے کوئی حمایتی نہیں ہیں جو ان کی مدد کر سکیں اور جسے اللہ گم راہ کر دے اس کے لیے کوئی سیدھی راہ نہیں ہے O (الشوریٰ: ۴۶۔۴۴)

اللہ تعالیٰ کی طرف ہدایت دینے کی نسبت کرنی چاہیے اور گمراہ کرنے کی نسبت شیطان کی طرف کرنی چاہیے

الشوریٰ: ۴۴ کا معنیٰ ہے: اور جس کے لیے اللہ گم راہی کو پیدا کر دے اس کا کوئی مددگار نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کے گم راہ کرنے کے بعد اس کو سیدھی راہ پر لے آئے ماسوا اس کے جس کو اللہ تعالیٰ گم راہ کرنے کے بعد از خود ہدایت دے دے۔

امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ گم راہ کرنا اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۶۰۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

بندہ کے لیے اللہ تعالیٰ اسی چیز کو پیدا فرماتا ہے جس کو بندہ اختیار کرتا ہے ورنہ جزاء اور سزا بے معنیٰ ہوں گے اور بندہ جب کفر اور شرک کو اختیار کرتا ہے یا فحش اور بُرے کاموں کو اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ویسے افعال پیدا کر دیتا ہے' تاہم ہمارے نزدیک یہ کہنا مناسب نہیں ہے کہ گم راہ کرنا اللہ کی طرف سے ہے' اللہ تعالیٰ کی طرف اچھائی کی نسبت کرنی چاہیے اور بُرائی کی نسبت بندہ کو اپنے نفس کی طرف کرنی چاہیے' ہر چند کہ ہدایت اور گم راہی دونوں اللہ کی طرف سے ہیں لیکن کہنا یوں چاہیے کہ ہدایت اللہ کی طرف سے ہے اور گم راہی انسان کے اپنے اختیار اور اس کے نفس کے شر کی طرف سے ہے۔

اس کے بعد فرمایا: "اور آپ دیکھیں گے کہ ظالم لوگ جب عذاب کو دیکھیں گے تو کہیں گے: کیا دنیا میں واپس جانے کی

کوئی صورت ہے؟"

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جب کفار آخرت میں عذاب کی شدت کو دیکھیں گے تو اس وقت وہ دوبارہ دنیا میں واپس جانے کو طلب کریں گے اور اس قسم کی آیات قرآن مجید میں بہت ہیں لیکن ان کو دنیا میں واپس نہیں بھیجا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ اگر ان کو دنیا میں واپس بھیج دیا جائے تو وہ پھر وہی کام کریں گے جو وہ اس سے پہلے کرتے رہے تھے۔

الشوریٰ: ۴۵ میں فرمایا: "اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ جب ان کو دوزخ پر اس حال میں پیش کیا جائے گا کہ وہ ذلت سے سر جھکائے ہوئے ہوں گے' کن انکھیوں سے دیکھ رہے ہوں گے"۔

اس سوال کا جواب کہ قرآن مجید کی ایک آیت میں قیامت کے دن کفار کے بینا ہونے کا ذکر ہے اور دوسری آیت میں نابینا ہونے کا ذکر ہے

یعنی وہ پوری طرح آنکھیں کھول کر نہیں دیکھ رہے ہوں گے جس طرح کوئی شخص اس چیز کو دیکھتا ہے جو اس کو بہت پسند اور مرغوب ہو اور جس چیز سے انسان بہت خوف زدہ اور دہشت زدہ ہو اس کو تھوڑی سی پلکیں اٹھا کر دیکھتا ہے' خصوصاً اس چیز کو جس کا منظر بہت خوفناک اور بہت دہشت ناک ہو۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں ایک جگہ پر ہے:

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّ صُمًّا. (بنی اسرائیل: ۹۷) اور اللہ قیامت کے دن ان کو مونہوں کے بل اٹھائے گا' اس وقت یہ اندھے' بہرے اور گونگے ہوں گے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ کفار قیامت کے دن جب اٹھیں گے تو وہ اندھے ہوں گے اور الشوریٰ: ۴۵ سے یہ معلوم ہوا کہ اس وقت وہ بینا ہوں گے اور کن انکھیوں سے دیکھ رہے ہوں گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے ابتداء میں وہ بینا ہوں اور بعد میں ان کی بینائی سلب کر کے ان کو اندھا کر دیا جائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کفار کا ایک گروہ بینا ہو اور دوسرا گروہ اندھا ہو۔

نیز اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے: "سنو! بے شک ظلم کرنے والے دائمی عذاب میں ہیں"۔

معتزلہ یہ کہتے ہیں: جس طرح کفار ظالم ہیں اسی طرح فساق بھی ظالم ہیں' پس اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو مسلمان گناہ کبیرہ کر کے بغیر توبہ کے مر گیا اس کو دائمی عذاب ہوگا' اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں جب ظالم کا لفظ مطلقاً آئے تو اس سے کافر مراد ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ (البقرہ: ۲۵۴) ظلم کرنے والے کافر ہی ہیں ○

کیونکہ جب مسند اور مسند الیہ دونوں معرفہ ہوں اور ان کے درمیان ضمیر فصل ہو تو پھر مسند کا مسند الیہ میں حصر ہوتا ہے۔ اور اس کی تاکید اس کے بعد والی آیت سے ہوتی ہے:

الشوریٰ: ۴۶ میں فرمایا: "اور اللہ کے سوا ان کے کوئی حمایتی نہیں ہیں جو ان کی مدد کر سکیں اور جسے اللہ گم راہ کر دے اس کے لیے کوئی سیدھی راہ نہیں ہے ○"

اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ کفار جن بتوں کی اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ وہ قیامت کے دن ان کی اللہ تعالیٰ کے پاس شفاعت کریں گے وہ قیامت کے دن ان کی شفاعت نہیں کر سکیں گے اور ان کا مقصد ناکام ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم اپنے رب کا حکم مان لو اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جو اللہ کی طرف سے ٹلنے والا نہیں ہے' اس

دن نہ تمہارے لیے کوئی جائے پناہ ہوگی اور نہ تمہارے لیے انکار کی کوئی گنجائش ہوگی O پس اگر یہ اعراض کریں تو ہم نے آپ کو ان کا نگران بنا کر نہیں بھیجا' آپ کے ذمہ تو صرف پیغام کو پہنچا دینا ہے اور بے شک جب ہم انسان کو اپنے پاس سے کوئی رحمت چکھاتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتا ہے اور اگر ان کے گناہوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آئے تو بے شک انسان بہت ناشکرا ہے O تمام آسمانوں اور زمینوں میں اللہ ہی کی حکومت ہے' وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے' وہ جس کو چاہے بیٹیاں دے اور جس کو چاہے بیٹے عطا فرمائے O یا جس کو چاہے بیٹے اور بیٹیاں عطا کر دے اور جس کو چاہے بے اولاد کر دے' وہ بے حد علم والا' بہت قدرت والا ہے O (الشوریٰ: ۴۷-۵۰)

وعد اور وعید سنانے کے بعد انسان کو اللہ پر ایمان لانے کی دعوت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور اعمال صالحہ اور آخرت میں اجر و ثواب کی بشارت دی تھی اور ایمان نہ لانے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی پر قیامت کے دن عذاب کی وعید سنائی تھی اور ان خبروں سے مقصود یہ تھا کہ انسان اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے' اس لیے یہاں فرمایا ہے کہ تم اس دن کے آنے سے پہلے ایمان لے آؤ جو ٹلنے والا نہیں ہے' اس دن سے مراد موت کا دن ہے' یا قیامت کا دن ہے اور یہ دونوں دن ٹلنے والے نہیں ہیں اور موت کے وقت انسان عذاب کے فرشتوں کو دیکھ لیتا ہے اور قیامت کے دن بھی غیب کی خبروں کے وقوع کا مشاہدہ کر لیتا ہے' اس لیے موت کے وقت ایمان لانا مفید ہوگا اور نہ قیامت کے دن اور اس دن اللہ کے عذاب سے انسان کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہوگی اور نہ قیامت کے دن کوئی جائے پناہ ہوگی اور اگر انسان اس دن' دنیا میں کیے ہوئے بُرے کاموں کا انکار کرے تو اس کا یہ انکار کرنا بھی اس کے لیے کچھ مفید نہیں ہوگا' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو آپ کو اس سے کوئی خوف اور خطرہ نہیں ہے' ہم نے آپ کو ان کے اوپر نگران اور محافظ بنا کر نہیں بھیجا' آپ کے ذمہ تو صرف دین اسلام کو پہنچا دینا تھا سو وہ آپ نے پہنچا دیا۔

انسان کے کفر کا سبب

اس کے بعد فرمایا: ''اور بے شک جب ہم انسان کو اپنے پاس سے کوئی رحمت چکھاتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتا ہے اور اگر ان کے گناہوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آئے تو بے شک انسان بہت ناشکرا ہے O''

آیت کے اس حصہ میں یہ بتایا ہے کہ کفار کی اپنے مذاہب باطلہ پر اصرار کرنے کی وجہ کیا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو دنیا میں وافر مقدار میں نعمتیں حاصل ہوئیں' خوش حالی اور آسودگی ملی اور بہت سے لوگوں پر ان کو ریاست حاصل ہوئی' جس کی وجہ سے ان میں تکبر اور غرور پیدا ہو گیا اور حق کی پیروی کرنے میں ان کو عار محسوس ہونے لگا' اس لیے فرمایا: ''اور بے شک جب ہم انسان کو اپنے پاس سے رحمت چکھاتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتا ہے'' چکھانے کا لفظ اس لیے فرمایا کہ آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں یہ بہت معمولی نعمت ہے' جیسے سمندر کے سامنے ایک قطرہ ہو' پھر فرمایا: اور جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے' مثلاً کوئی بیماری یا تنگ دستی تو بے شک انسان بہت ناشکرا ہے' یعنی جب ہم اس کو نعمتیں اور راحتیں عطا فرماتے ہیں تو یہ ہمارا شکر ادا نہیں کرتا بلکہ ان نعمتوں کو اپنی عقل اور فہم کا نتیجہ سمجھتا ہے اور جب ہم اس پر کوئی مصیبت نازل کرتے ہیں تو یہ اس مصیبت میں توبہ اور استغفار کر کے ہماری طرف رجوع نہیں کرتا۔

الشوریٰ: ۵۰-۴۹ میں فرمایا: ''تمام آسمانوں اور زمینوں میں اللہ ہی کی حکومت ہے' وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے' وہ جس کو چاہے بیٹیاں دے اور جس کو چاہے بیٹے عطا فرمائے یا جس کو چاہے بیٹے اور بیٹیاں عطا کر دے اور جس کو چاہے بے اولاد کر

دے وہ بے حد علم والا' بہت قدرت والا ہےO"

مذکر اور مؤنث کی پیدائش کی علامات

ان آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ تمام آسمانوں اور زمینوں میں اللہ ہی کی حکومت ہے اور ہر چیز اس کے زیر قدرت اور زیر تصرف ہے اور اس کی قدرت کے آثار میں سے یہ ہے کہ وہ جس کو چاہے اولاد کی نعمت سے نوازتا ہے اور جس کو چاہے محروم رکھتا ہے' اگر شوہر اور بیوی دونوں بانجھ ہوں اور وہ یہ چاہیں کہ ان کے اپنے نطفہ اور نسوانی انڈے سے اولاد ہو تو کسی طریقہ سے بھی ان کی اولاد نہیں ہو سکتی' ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعہ نہ کلوننگ کے ذریعہ' اس لیے اولاد کا حصول اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

ان آیتوں میں انسان کے ہاں اولاد کے مذکر یا مؤنث ہونے کا ذکر ہے' اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی کے سوال کے جواب میں فرمایا: مرد کا پانی سفید ہوتا ہے اور عورت کا پانی زرد ہوتا ہے' جب یہ دونوں پانی جمع ہو جائیں تو اگر مرد کا پانی عورت کے پانی پر غلبہ پا لے تو اللہ کے حکم سے مذکر پیدا ہوتا ہے اور اگر عورت کا پانی مرد کے پانی پر غلبہ پا لے تو اللہ کے حکم سے مؤنث پیدا ہوتی ہے' پھر وہ یہودی آپ کی تصدیق کر کے چلا گیا۔ (صحیح مسلم' کتاب الحیض رقم الحدیث: ۳۱۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۰۷۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: جب عورت کو احتلام ہو جائے اور وہ پانی کو دیکھ لے تو کیا وہ بھی غسل کرے گی؟ آپ نے فرمایا: ہاں! حضرت عائشہ نے اس عورت سے کہا: تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو رہنے دو' بچہ جو کسی کے مشابہ ہوتا ہے تو اسی وجہ سے ہوتا ہے' جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب ہو تو بچہ اپنے ماموؤں کے مشابہ ہوتا ہے اور جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب ہو تو بچہ اپنے چچاؤں کے مشابہ ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۱۳' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۲۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۹۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۰۰' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۱۲۶۲)

انبیاء علیہم السلام کو اولاد عطا فرمانے کی تفصیل

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں کہ نقاش نے کہا ہے کہ:

ہر چند کہ اس آیت کا حکم عام ہے لیکن یہ آیت بالخصوص انبیاء علیہم السلام کے متعلق نازل ہوئی ہے' حضرت لوط علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے صرف بیٹیاں دیں' ان کو بیٹے نہیں دیئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صرف بیٹے دیئے' ان کو بیٹیاں نہیں دیں اور حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہ السلام کو بیٹے اور بیٹیاں دیں' اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹے اور بیٹیاں دیں' آپ کو تین بیٹے دیئے: حضرت قاسم' حضرت عبد اللہ ان کو الطیب اور الطاہر بھی کہا جاتا ہے' یہ دونوں صاحبزادے حضرت خدیجہ سے ہوئے اور حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہم یہ حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے ہوئے اور چار بیٹیاں دیں: حضرت زینب' حضرت ام کلثوم' حضرت رقیہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن' یہ سب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئیں اور بعض انبیاء علیہم السلام سے اولاد نہیں ہوئی' جیسے حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام۔

خلاصہ یہ ہے کہ اولاد ہونے یا نہ ہونے یا مذکر یا مؤنث ہونے میں ہر شخص کے لیے کسی نہ کسی نبی کی زندگی میں نمونہ ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱۶ ص ۴۶' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

بیٹی کے ذکر کو بیٹے کے ذکر پر مقدم کرنے کی وجہ

الشوریٰ: ۴۹ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "وہ جس کو چاہے بیٹیاں دے اور جس کو چاہے بیٹے عطا فرمائے" اس آیت میں

بیٹیاں دینے کو بیٹے دینے پر مقدم فرمایا ہے' امام رازی نے اس تقدیم کی حسب ذیل وجوہ بیان فرمائی ہیں:

(۱) بیٹے کا پیدا ہونا خوشی کا باعث ہے اور بیٹی کا پیدا ہونا غم کا باعث ہے' اگر پہلے بیٹے کا ذکر فرماتا اور پھر بیٹی کا تو انسان کا ذہن خوشی سے غم کی طرف منتقل ہوتا اور جب پہلے بیٹی دینے کا ذکر فرمایا اور پھر بیٹا دینے کا تو انسان کا ذہن غم سے خوشی کی طرف منتقل ہوگا اور یہ کریم کی عطا کے زیادہ لائق ہے۔

(۲) جب اللہ تعالیٰ پہلے بیٹی دے گا تو بندہ اس پر صبر اور شکر کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور جب اس کے بعد اللہ تعالیٰ بیٹا دے گا تو بندہ جان لے گا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا احسان ہے' پھر اس کا شکر اور اس کی اطاعت زیادہ کرے گا۔

(۳) عورت کم زور اور ناقص العقل اور ناقص الدین ہوتی ہے' اس لیے عورت کے ذکر کے بعد مرد کے ذکر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ جب عجز اور حاجت زیادہ ہو تو اللہ کی عنایت اور اس کا فضل زیادہ ہوتا ہے۔

(۴) عموماً ماں باپ کے نزدیک بیٹی کا وجود حقیر اور ناگوار ہوتا ہے' زمانہ جاہلیت میں عرب بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے' اللہ تعالیٰ نے بیٹیوں کے ذکر کو بیٹوں کے ذکر پر مقدم کر کے یہ ظاہر فرمایا کہ لوگوں کے نزدیک بیٹی حقیر اور ناگوار ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک بیٹی مرغوب اور پسندیدہ ہے' اس لیے اس نے بیٹی کے ذکر کو بیٹے کے ذکر پر مقدم فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کسی بشر کے لیے ممکن نہیں ہے کہ اللہ اس سے کلام کرے ماسوا وحی کے یا پردہ کی اوٹ سے' یا اللہ کسی فرشتے کو بھیج دے پس وہ اللہ کے حکم سے جو اللہ چاہے وہ وحی کرے' بے شک وہ بہت بلند' بے حد حکمت والا ہے O اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف روح (قرآن) کی وحی کی ہے' اس سے پہلے آپ از خود یہ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کیا ہے' لیکن ہم نے اس کتاب کو نور بنا دیا جس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں ہدایت دیتے ہیں اور بے شک آپ ضرور صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیتے ہیں O اللہ کے راستے کی طرف جو آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز کا مالک ہے' سنو! اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹتے ہیں O (الشوریٰ: ۵۳-۵۱)

اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کی تین صورتیں

علامہ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

نقاش نے بیان کیا کہ اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ یہود نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو آپ اللہ سے کلام کیوں نہیں کرتے اور اللہ کی طرف کیوں نہیں دیکھتے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے کلام کیا اور اس کی طرف دیکھا' اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت میں فرمایا ہے: ''اور کسی بشر کے لیے یہ ممکن نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے ماسوا وحی کے'' یہاں وحی کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) مجاہد نے کہا: اس کے قلب میں کسی معنیٰ کو ڈال دیا جاتا ہے' پس وہ الہام ہے۔

(۲) زہیر بن محمد نے کہا: اس کو خواب میں کوئی چیز دکھائی جاتی ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ''یا پردہ کی اوٹ سے''۔ زہیر نے کہا: جیسے اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوا۔

پھر فرمایا: ''یا اللہ کسی فرشتے کو بھیج دے پس وہ اللہ کے حکم سے جو اللہ چاہے وہ وحی کرے'' زہیر نے کہا: اس سے مراد حضرت جبریل ہیں اور اس وحی کے ذریعہ انبیاء علیہم السلام سے خطاب ہوتا ہے' انبیاء علیہم السلام بالمشافہہ فرشتے کو دیکھتے ہیں اور اس کا کلام سنتے ہیں اور اسی طرح حضرت جبریل علیہ السلام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لاتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حضرت جبریل علیہ السلام ہر نبی پر نازل ہوئے لیکن ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ اور حضرت زکریا صلوات اللہ علیہم اجمعین کے سوا ان کو کسی نے نہیں دیکھا اور ان کے علاوہ دوسرے نبیوں پر وحی الہام کی صورت میں نازل ہوتی تھی۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۲۱۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

یہ اس آیت (الشوریٰ: ۵۱) کی مختصر تفسیر ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے ہم کلام ہونے کی تین صورتیں بیان فرمائی ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ وحی فرمائے، پردہ کی اوٹ سے کلام فرمائے، یا فرشتہ کے ذریعہ کوئی پیغام بھیجے، اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے وحی پر مفصل بحث کی ہے، ہر چند کہ ہم تبیان القرآن کی جلد اول میں اس پر بحث کر چکے ہیں لیکن آیت کی مناسبت سے یہاں بھی کچھ ضروری امور بیان کرنا چاہتے ہیں، اس بحث میں ہم وحی کا لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کریں گے، ضرورت وحی اور ثبوت وحی کو بیان کریں گے اور وحی کی اقسام بیان کریں گے۔ **فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق**

وحی کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ

علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں:

حدیث میں وحی کا بہ کثرت ذکر ہے، لکھنے، اشارہ کرنے، کسی کو بھیجنے، الہام اور کلام خفی پر وحی کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

(نہایہ ج ۴ ص ۱۶۳، مطبوعہ مؤسسۃ مطبوعاتی ایران، ۱۳۶۴ھ)

علامہ مجد الدین فیروز آبادی لکھتے ہیں:

اشارہ، لکھنا، مکتوب، رسالۃ، الہام، کلام خفی، ہر وہ چیز جس کو تم غیر کی طرف القاء کرواسے اور آواز کو وحی کہتے ہیں۔

(قاموس ج ۴ ص ۵۷۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۲ھ)

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

وحی اس کلام کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کی طرف نازل فرماتا ہے۔ ابن الانباری نے کہا: اس کو وحی اس لیے کہتے ہیں کہ فرشتہ اس کلام کو لوگوں سے مخفی رکھتا ہے اور وحی نبی کے ساتھ مخصوص ہے جس کو لوگوں کی طرف بھیجا جاتا ہے، لوگ ایک دوسرے سے جو خفیہ بات کرتے ہیں وہ وحی کا اصل معنیٰ ہے، قرآن مجید میں ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۔ (الانعام: ۱۱۲)

اور اس طرح ہم نے سرکش انسانوں اور جنوں کو ہر نبی کا دشمن بنا دیا جو خفیہ طور سے ملمع کی ہوئی جھوٹی بات (لوگوں کو) دھوکا دینے کے لیے ایک دوسرے کو پہنچاتے ہیں۔

اور ابو اسحٰق نے کہا ہے کہ وحی کا لغت میں معنیٰ ہے: خفیہ طریقہ سے خبر دینا، اسی وجہ سے الہام کو وحی کہتے ہیں، ازہری نے کہا ہے: اسی طرح سے اشارہ کرنے اور لکھنے کو بھی وحی کہتے ہیں، اشارہ کے متعلق یہ آیت ہے:

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ○ (مریم: ۱۱)

سو زکریا اپنی قوم کے سامنے (عبادت کے) حجرہ سے باہر نکلے پس ان کی طرف اشارہ کیا کہ تم صبح اور شام (اللہ کی) تسبیح کیا کرو ○

اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جو خفیہ طریقہ سے کلام کیا گیا اس کے متعلق ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۔ (الشوریٰ: ۵۱)

اور کوئی بشر اس لائق نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے، مگر وحی سے یا پردے کے پیچھے سے، یا کوئی فرشتہ بھیج دے جو اس کے حکم سے وہ پہنچائے جو اللہ چاہے۔

بشر کی طرف وحی کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بشر کو خفیہ طور سے کسی چیز کی خبر دے' یا الہام کے ذریعہ' یا خواب کے ذریعہ' یا اس پر کوئی کتاب نازل فرمائے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کتاب نازل کی تھی' یا جس طرح سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل کیا اور یہ سب اعلام (خبر دینا) ہیں' اگرچہ ان کے اسباب مختلف ہیں۔

(تاج العروس ج ۱۰ ص ۳۸۵' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ' مصر' ۱۳۰۶ھ)

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: وحی کا اصل معنیٰ سرعت کے ساتھ اشارہ کرنا ہے' یہ اشارہ کبھی رمز اور تعریض کے ساتھ کلام میں ہوتا ہے اور کبھی محض آواز سے ہوتا ہے' کبھی اعضاء اور جوارح سے ہوتا ہے اور کبھی لکھنے سے ہوتا ہے' جو کلمات انبیاء اور اولیاء کی طرف القاء کیے جاتے ہیں ان کو بھی وحی کہا جاتا ہے' یہ القاء کبھی فرشتہ کے واسطے سے ہوتا ہے جو دکھائی دیتا ہے اور اس کا کلام سنائی دیتا ہے' جیسے حضرت جبرئیل علیہ السلام کسی خاص شکل میں آتے تھے۔ اور کبھی کسی کے دکھائی دیئے بغیر کلام سنا جاتا ہے' جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا اور کبھی دل میں کوئی بات ڈال دی جاتی ہے۔ جیسے حدیث میں ہے: جبرئیل نے میرے دل میں بات ڈال دی' اس کو نفث فی الروح کہتے ہیں اور کبھی یہ القاء اور الہام کے ذریعہ ہوتا ہے' جیسے اس آیت میں ہے:

وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّ مُوْسٰۤى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ (القصص: ۷)

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو الہام فرمایا کہ ان کو دودھ پلاؤ۔

اور کبھی یہ القاء تسخیر ہوتا ہے' جیسے اس آیت میں ہے:

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۝ (النحل: ۶۸)

اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ ڈالا کہ پہاڑوں میں' درختوں میں اور ان چھپریوں میں گھر بنا جنہیں لوگ اونچا بناتے ہیں ۝

اور کبھی خواب میں القاء کیا جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: نبوت منقطع ہوگئی ہے اور سچے خواب باقی رہ گئے ہیں۔

(المفردات ص ۵۱۶۔ ۵۱۵' ملخصاً' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ' ایران' ۱۳۴۲ھ)

علامہ ابن منظور افریقی نے بھی وحی کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے کم و بیش یہی لکھا ہے۔

(لسان العرب ج ۱۵ ص ۳۸۱۔ ۳۷۹' مطبوعہ نشر ادب الحوذۃ' قم ایران)

علامہ بدر الدین عینی نے وحی کا اصطلاحی معنیٰ یہ لکھا ہے:

اللہ کے نبیوں میں سے کسی نبی پر جو کلام نازل کیا جاتا ہے وہ وحی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۴' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

اور علامہ تفتازانی نے الہام کا معنیٰ یہ بیان کیا ہے:

دل میں بہ طریق فیضان کسی معنیٰ کو ڈالنا' یہ الہام ہے۔ (شرح عقائد نسفی ص ۱۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی)

ضرورت وحی اور ثبوت وحی

انسان مدنی الطبع ہے اور مل جل کر رہتا ہے اور ہر انسان کو اپنی زندگی گزارنے کے لیے خوراک' کپڑوں اور مکان کی ضرورت ہوتی ہے اور افزائش نسل کے لیے نکاح کی ضرورت ہے۔ ان چار چیزوں کے حصول کے لیے اگر کوئی قانون اور ضابطہ نہ ہو تو ہر زور آور اپنی ضرورت کی چیزیں طاقت کے ذریعہ کمزور سے حاصل کرلے گا۔ اس لیے عدل اور انصاف کو قائم

کرنے کی غرض سے کسی قانون کی ضرورت ہے اور یہ قانون اگر کسی انسان نے بنایا تو وہ اس قانون میں اپنے تحفظات اور اپنے مفادات شامل کرے گا' اس لیے یہ قانون مافوق الانسان کا بنایا ہوا ہونا چاہیے تاکہ اس میں کسی کی جانب داری کا شائبہ اور وہم و گمان نہ ہو اور ایسا قانون صرف خدا کا بنایا ہوا قانون ہو سکتا ہے۔ جس کا علم خدا کے بتلانے اور اس کے خبر دینے سے ہی ہو سکتا ہے اور اسی کا نام وحی ہے۔

انسان عقل سے خدا کے وجود کو معلوم کر سکتا ہے' عقل سے خدا کی وحدانیت کو بھی جان سکتا ہے' قیامت کے قائم ہونے' حشر و نشر اور جزاء و سزا کو بھی عقل سے معلوم کر سکتا ہے لیکن وہ عقل سے اللہ تعالیٰ کے مفصل احکام کو معلوم نہیں کر سکتا۔ وہ عقل سے یہ جان سکتا ہے کہ اللہ کا شکر ادا کرنا اچھی بات ہے اور ناشکری بُری بات ہے لیکن وہ عقل سے یہ نہیں جان سکتا کہ اس کا شکر کس طرح ادا کیا جائے' اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے خبر دینے سے ہوگا اور اسی کا نام وحی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں عبث اور بے مقصد نہیں بھیجا بلکہ اس لیے بھیجا ہے کہ وہ اپنی دنیاوی ذمہ داریوں کو پورا کرنے اور حقوق اور فرائض ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس کی دی ہوئی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرے۔ بُرے کاموں اور بُری خصلتوں سے بچے اور اچھے کام اور نیک خصلتیں اپنائے اور اللہ تعالیٰ کی عبادات کیا کیا ہیں؟ اور وہ کس طرح ادا کی جائیں' وہ کون سے کام ہیں جن سے بچا جائے اور وہ کون سے کام ہیں جن کو کیا جائے' اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے بتلانے اور خبر دینے سے ہی ہو سکتا ہے اور اسی کا نام وحی ہے۔

انسان کو بنیادی طور پر کھانے پینے کی اشیاء' کپڑوں اور مکان کی حاجت ہے اور اپنی نسل بڑھانے کے لیے ازدواج کی ضرورت ہے' لیکن اگر کسی قاعدہ اور ضابطہ کے بغیر ان چیزوں کو حاصل کیا جائے تو یہ نری (خالص) حیوانیت ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ سے ان کو حاصل کیا جائے تو یہ محض عبادت ہے اور اس قاعدہ اور ضابطہ کا علم اللہ تعالیٰ کے بتلانے اور اس کی خبر دینے سے ہی ہو سکتا ہے اور اسی کا نام وحی ہے۔

بعض چیزوں کو ہم حواس کے ذریعہ جان لیتے ہیں جیسے رنگ' آواز اور ذائقہ کو اور بعض چیزوں کو عقل سے جان لیتے ہیں جیسے دو اور دو کا مجموعہ چار ہے یا مصنوع کے وجود سے صانع کے وجود کو جان لیتے ہیں' لیکن کچھ ایسی چیزیں جن کو حواس سے جانا جا سکتا ہے نہ عقل سے' مثلاً نماز کا کیا طریقہ ہے' کتنے ایام کے روزے فرض ہیں' زکوٰۃ کی کیا مقدار ہے اور کس چیز کا کھانا حلال ہے اور کس چیز کا کھانا حرام ہے۔ غرض عبادات اور معاملات کے کسی شعبہ کو ہم حواس خمسہ اور عقل کے ذریعہ نہیں جان سکتے' اس کو جاننے کا صرف ایک ذریعہ ہے اور وہ ہے وحی۔

بعض اوقات حواس غلطی کرتے ہیں مثلاً ریل میں بیٹھے ہوئے شخص کو درخت دوڑتے ہوئے نظر آتے ہیں اور بخار زدہ شخص کو میٹھی چیز کڑوی معلوم ہوتی ہے اور حواس کی غلطیوں پر عقل تنبیہ کرتی ہے۔ اسی طرح بعض اوقات عقل بھی غلطی کرتی ہے' مثلاً عقل یہ کہتی ہے کہ کسی ضرورت مند کو مال نہ دیا جائے' مال کو صرف اپنے مستقبل کے لیے بچا کے رکھا جائے اور جس طرح حواس کی غلطیوں پر متنبہ کرنے کے لیے عقل کی ضرورت ہے' اسی طرح عقل کی غلطیوں پر متنبہ کرنے کے لیے وحی کی ضرورت ہے۔

وحی کی تعریف میں ہم نے یہ ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کو جو چیز بتلاتا ہے وہ وحی ہے اور نبوت کا ثبوت معجزات سے ہوتا ہے' اب یہ بات بحث طلب ہے کہ وحی کے ثبوت کے لیے نبوت کیوں ضروری ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر نبوت کے بغیر وحی کا ثبوت ممکن ہوتا تو اس دنیا کا نظام فاسد ہو جاتا' مثلاً ایک شخص کسی کو قتل کر دیتا اور کہتا: مجھ پر وحی اتری تھی کہ اس شخص کو قتل

کردو۔ ایک شخص بہ زور کسی کا مال اپنے قبضہ میں کر لیتا اور کہتا کہ مجھ پر وحی نازل ہوئی تھی کہ اس کے مال پر قبضہ کر لو' اس لیے ہر کس و ناکس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ وحی کا دعویٰ کرے۔ وحی کا دعویٰ صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت پر فائز کیا ہو۔ لہٰذا وحی کا دعویٰ صرف نبی ہی کر سکتا ہے اور نبوت کا دعویٰ تب ثابت ہوگا جب وہ اس کے ثبوت میں معجزات پیش کرے گا۔

ایک سوال یہ ہوا کہ جب نبی کے پاس فرشتہ وحی لے کر آتا ہے تو نبی کو کیسے یقین ہوتا ہے کہ یہ فرشتہ ہے اور یہ اللہ کا کلام لے کر آیا ہے' امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ فرشتہ نبی کے سامنے اپنے فرشتہ ہونے اور حامل وحی الٰہی ہونے پر معجزہ پیش کرتا ہے اور امام غزالی کی بعض عبارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کو ایسی صفت عطا فرماتا ہے جس سے وہ جن' فرشتہ اور شیطان کو الگ الگ پہچانتا ہے جیسے ہم انسانوں' جانوروں اور نباتات اور جمادات کو الگ الگ پہچانتے ہیں کیونکہ ہماری رسائی صرف عالم شہادت تک ہے اور نبی کی پہنچ عالم شہادت میں بھی ہے اور عالم غیب میں بھی ہے۔

وحی کی اقسام

بنیادی طور پر وحی کی دو قسمیں ہیں: وحی متلو' اور وحی غیر متلو' اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر الفاظ اور معانی کا نزول ہو تو یہ وحی متلو ہے اور یہی قرآن مجید ہے اور اگر آپ پر صرف معانی نازل کیے جائیں اور آپ ان معانی کو اپنے الفاظ سے تعبیر کریں تو یہی وحی غیر متلو ہے اور اس کو حدیث نبوی کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کی متعدد صورتیں ہیں جن کا احادیث صحیحہ میں بیان کیا گیا ہے

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت حارث بن ہشام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور کہا: یارسول اللہ! آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کبھی کبھی وحی گھنٹی کی آواز کی طرح (مسلسل) آتی ہے اور یہ مجھ پر بہت شدید ہوتی ہے' یہ وحی (جب) منقطع ہوتی ہے تو میں اس کو یاد کر چکا ہوتا ہوں اور کبھی میرے پاس فرشتہ انسانی شکل میں آتا ہے' وہ مجھ سے کلام کرتا ہے اور جو کچھ وہ کہتا جاتا ہے میں اس کو یاد کرتا جاتا ہوں۔ حضرت عائشہ نے کہا: میں نے دیکھا ہے کہ سخت سردی کے دنوں میں آپ پر وحی نازل ہوتی اور جس وقت وحی ختم ہوتی تھی تو آپ کی پیشانی سے پسینہ بہہ رہا ہوتا تھا۔ (صحیح البخاری ج۱ ص۲' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث پر یہ سوال ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول وحی کی صرف دو صورتیں بیان کی ہیں' اس کی کیا وجہ ہے؟ علامہ بدرالدین عینی نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت، جاریہ یہ ہے کہ قائل اور سامع میں کوئی مناسبت ہونی چاہیے تاکہ ان میں تعلیم اور تعلم اور افادہ اور استفادہ متحقق ہو سکے اور یہ انصاف یا تو اس طرح ہوگا کہ سامع پر قائل کی صفت کا غلبہ ہو اور وہ قائل کی صفت کے ساتھ متصف ہو جائے اور صلصلة الجرس (گھنٹی کی آواز) سے یہی پہلی قسم مراد ہے' اور یا قائل سامع کی صفت کے ساتھ متصف ہو جائے اور یہ دوسری قسم ہے جس میں فرشتہ انسانی شکل میں متشکل ہو کر آپ سے کلام کرتا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کی پہلی قسم کی تشبیہ گھنٹی کی آواز کے ساتھ دی ہے' جس کی آواز مسلسل سنائی دیتی ہے اور اس کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا' اس میں آپ نے یہ متنبہ کیا ہے کہ جس وقت یہ وحی قلب پر نازل ہوتی ہے تو آپ کے قلب پر خطاب کی ہیبت طاری ہوتی ہے اور وہ قول آپ کو حاصل ہو جاتا ہے لیکن اس قول کے ثقل کی وجہ سے اس وقت آپ کو اس کا پتا نہیں

چلتا اور جب اس کے جلال کی ہیبت زائل ہو جاتی ہے تو پھر آپ کو اس کا علم ہوتا ہے اور وحی کی یہ قسم ایسی ہے جیسے ملائکہ پر وحی نازل ہوتی ہے' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ آسمان پر کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو فرشتے عاجزی سے اپنے پروں کو جھڑ جھڑاتے ہیں جیسے پتھر پر زنجیر ماری جائے اور جب ان کے دلوں سے وہ ہیبت زائل ہوتی ہے تو وہ آپس میں کہتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں: حق فرمایا اور وہ عظیم اور کبیر ہے اور اس حدیث میں ہم پر یہ ظاہر ہوا ہے کہ وحی کی پہلی قسم دوسری سے شدید ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم حالت بشری سے فرشتہ کی حالت کی طرف منتقل ہوتے تھے' پھر آپ پر اس طرح وحی کی جاتی تھی جس طرح فرشتوں پر وحی کی جاتی ہے اور یہ آپ کے لیے مشکل تھا اور دوسری قسم میں فرشتہ انسانی شکل میں آتا تھا اور یہ قسم آپ کے لیے آسان تھی۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۴۴' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ گھنٹی کی آواز میں ہر چند کہ عام لوگوں کے لیے کوئی معنیٰ اور پیغام نہیں ہوتا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس آواز میں کوئی معنی اور پیغام ہوتا تھا جیسا کہ اس ترقی یافتہ دور میں ہم دیکھتے ہیں جب ٹیلی گرام دینے کا عمل کیا جاتا ہے تو ایک طرف سے صرف ٹک ٹک کی آواز ہوتی ہے اور دوسرے طرف اس سے پورے پورے جملے بنا لیے جاتے ہیں' اسی طرح یہ ہو سکتا ہے کہ وحی کی یہ آواز بہ ظاہر صرف گھنٹی کی مسلسل ٹن ٹن کی طرح ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس میں پورے پورے فصیح و بلیغ جملے موجود ہوں۔

علامہ بدر الدین عینی نے نزول وحی کی حسب ذیل اقسام بیان کی ہیں:

(۱) کلام قدیم کو سننا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا' جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا' جس کا ذکر آثار صحیحہ میں ہے۔

(۲) فرشتہ کی رسالت کے واسطہ سے وحی کا موصول ہونا۔

(۳) وحی کو دل میں القاء کیا جائے' جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: روح القدس نے میرے دل میں القاء کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف اسی طرح وحی کی جاتی تھی اور انبیاء علیہم السلام کے غیر کے لیے جو وحی کا لفظ بولا جاتا ہے وہ الہام یا تسخیر کے معنیٰ میں ہوتا ہے۔

علامہ سہیلی نے الروض الانف (ج ۱ ص ۱۵۴۔۱۵۳' مطبوعہ ملتان) میں نزول وحی کی یہ سات صورتیں بیان کی ہیں:

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند میں کوئی واقعہ دکھایا جائے۔

(۲) گھنٹی کی آواز کی شکل میں آپ کے پاس وحی آئے۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں کوئی معنیٰ القاء کیا جائے۔

(۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فرشتہ انسانی شکل میں آئے اور حضرت جبرئیل آپ کے پاس حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آئیں' حضرت دحیہ کی شکل میں آنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ حسین ترین شخص تھے' حتیٰ کہ وہ اپنے چہرے پر نقاب ڈال کر چلا کرتے تھے' مبادا عورتیں ان کو دیکھ کر فتنہ میں مبتلا ہوں۔

(۵) حضرت جبرائیل آپ کے پاس اپنی اصلی صورت میں آئیں' اس صورت میں ان کے چھ سو پر تھے جن سے موتی اور یاقوت جھڑتے تھے۔

(۶) اللہ تعالیٰ آپ سے یا تو بیداری میں پردہ کی اوٹ سے ہم کلام ہو جیسا کہ معراج کی شب ہوا' یا نیند میں ہم کلام ہو' جیسے

جامع ترمذی میں ہے: اللہ تعالیٰ میرے پاس حسین صورت میں آیا اور فرمایا: ملاء اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں۔
(۷) اسرافیل علیہ السلام کی وحی' کیونکہ شعبی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت اسرافیل کے سپرد کر دیا گیا تھا اور وہ تین سال تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے رہے اور وہ آپ کے پاس وحی لاتے تھے' پھر آپ کو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے سپرد کر دیا گیا اور مسند احمد میں سند صحیح کے ساتھ شعبی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث کیا گیا اور تین سال تک آپ کی نبوت کے ساتھ حضرت اسرافیل علیہ السلام رہے اور وہ آپ کو بعض کلمات اور بعض چیزوں کی خبر دیتے تھے' اس وقت تک آپ پر قرآن مجید نازل نہیں ہوا تھا اور جب تین سال گزر گئے تو پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس رہے' پھر بیس سال آپ پر آپ کی زبان میں قرآن مجید نازل ہوا' دس سال مکہ میں اور دس سال مدینہ میں اور تریسٹھ سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا۔ البتہ واقدی وغیرہ نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے علاوہ آپ کو اور کسی فرشتہ کے سپرد نہیں کیا گیا۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۴۰' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

اللہ تعالیٰ کے دیدار کے ساتھ اس سے ہم کلام ہونے کے متعلق شارحین حدیث کی تحقیق

مفسرین نے اس چیز میں بحث کی ہے کہ آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا تھا' آیا اس وقت آپ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے تھے یا نہیں؟ صاحب کشاف اور بعض دیگر مفسرین نے کہا: آپ نے اللہ تعالیٰ سے کلام فرمایا' لیکن حجاب کی اوٹ سے کلام فرمایا' کیونکہ قرآن مجید میں فرمایا ہے: ''اور کسی بشر کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ اس سے کلام کرے ماسوا وحی کے یا پردہ کی اوٹ سے یا اللہ کسی فرشتے کو بھیج دے''۔ الآیۃ (الشوریٰ: ۵۱)

قرآن مجید کی اسی آیت کی بناء پر حضرت عائشہ نے اس بات کا انکار کیا کہ شب معراج سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۸۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۷' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۰۶۸)

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

متقدمین اور متاخرین کا اس میں اختلاف ہے آیا اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے یا نہیں' اکثر مبتدعین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا میں ممکن ہے نہ آخرت میں ممکن ہے' پھر اس میں اختلاف ہے کہ آیا ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے یا نہیں' اس میں بھی متقدمین اور متاخرین کا اختلاف ہے' حضرت عائشہ' حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا مؤقف یہ ہے کہ آپ نے اپنے رب کو نہیں دیکھا اور متکلمین اور محدثین کی ایک جماعت کا بھی یہی موقف ہے اور متقدمین کی ایک جماعت کا موقف یہ ہے کہ آپ نے اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی مسلک ہے' انہوں نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کلام کے ساتھ مخصوص ہیں' حضرت ابراہیم خلیل ہونے کے ساتھ مخصوص ہیں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم دیدار کے ساتھ مخصوص ہیں' حضرت ابوذر' حضرت کعب اور امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مؤقف ہے' حضرت ابن مسعود اور حضرت ابوہریرہ کا بھی ایک قول اسی طرح ہے' امام ابوالحسن اشعری اور ان کے اصحاب کی ایک جماعت سے بھی یہی قول منقول ہے اور مشائخ کی ایک جماعت نے اس میں توقف کیا ہے' انہوں نے کہا ہے کہ اس مسئلہ کے ثبوت میں کوئی دلیل قطعی ہے نہ اس کی نفی میں کوئی دلیل قطعی ہے اور یہی قول صحیح ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ممکن ہے' جیسا کہ دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے ثابت ہے' دلائل عقلیہ علم کلام میں مذکور ہیں اور دلائل نقلیہ میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے رب سے دیدار کا سوال کرنا ہے۔ ''رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡکَ'' (الاعراف: ۱۴۳) اے رب! مجھے اپنی ذات دکھا' میں تیری طرف

دیکھوں گا۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم تھا کہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کا سوال کرنا جائز ہے' اگر ان کو معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا محال ہے تو وہ اس کو دیکھنے کا سوال نہ کرتے۔

نیز قرآن مجید میں ہے:

وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۚ ○ (القیامۃ: ۲۳۔۲۲)

کچھ چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے ○ اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے ○

وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر یہ احسان قرار دیا ہے کہ وہ آخرت میں اس کی طرف دیکھیں گے اور جب بندوں کا آخرت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ممکن ہے تو دنیا میں بھی دیکھنا ممکن ہے' کیونکہ احکام عقلیہ کے لحاظ سے دونوں وقتوں میں کوئی فرق نہیں ہے' اسی طرح احادیث صحیحہ متواترہ سے ثابت ہے کہ مؤمنین آخرت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور جب آخرت میں دیکھنا ثابت ہے تو پھر دنیا میں بھی دیکھنا ثابت ہوگا۔

پھر اس میں بحث ہے کہ شب معراج ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے یا نہیں' اس میں بھی کسی جانب دلیل قطعی نہیں ہے' نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ شب معراج آپ نے اللہ تعالیٰ سے بلاواسطہ کلام کیا ہے یا نہیں' حضرت ابن مسعود' حضرت ابن عباس' جعفر بن محمد اور ابوالحسن اشعری کا مؤقف ہے کہ آپ نے اپنے رب سے بلاواسطہ کلام کیا ہے اور متکلمین کی ایک جماعت کا بھی یہی مسلک ہے اور ایک جماعت نے اس کا انکار کیا ہے اور اس میں بھی اسی طرح طرفین کے دلائل ہیں جس طرح دیدار کے مسئلہ میں دلائل ہیں۔

بلکہ بعض مشائخ نے الشوریٰ: ۵۱ سے اس پر استدلال کیا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور اس سے بلاواسطہ کلام کیا ہے' انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے کی تین قسمیں ہیں: (۱) حجاب کی اوٹ سے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلام کیا (۲) فرشتوں کو بھیج کر جس طرح تمام انبیاء علیہم السلام نے کلام کیا (۳) اس کے بعد صرف ایک قسم رہ گئی اور وہ ہے کہ مع المشاہدہ کلام ہو' تاہم اس استدلال پر نظر ہے۔

(المفہم ج۱ ص ۴۰۵۔۴۰۱' ملخصاً' دار ابن کثیر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اور اس حدیث کی شرح میں علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

اس بحث میں اصل چیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو حضرت ابن عباس کے پاس بھیجا اور ان سے اس مسئلہ میں استفسار کیا' حضرت ابن عباس نے فرمایا: حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے انکار سے اس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا' کیونکہ حضرت عائشہ نے یہ نہیں کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے "میں نے اپنے رب کو نہیں دیکھا" حضرت عائشہ نے اپنے طور سے قرآن مجید سے استدلال کر کے یہ نتیجہ نکالا اور جب صحابی کوئی مسئلہ بیان کرے اور دوسرا اصحابی اس کی مخالفت کرے تو اس کا قول حجت نہیں ہوتا اور جب صحیح روایات کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے تو ان روایات کو قبول کرنا واجب ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا واقعہ ان مسائل میں سے نہیں ہے جن کو عقل سے مستنبط کیا جا سکے یا ان کو ظن سے بیان کیا جائے' یہ صرف اسی صورت پر محمول کیا جا سکتا ہے کہ کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو اور کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضرت ابن عباس نے اپنے ظن اور قیاس سے یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے' علامہ معمر بن راشد نے کہا: اس مسئلہ میں حضرت عائشہ اور حضرت

ابن عباس کا اختلاف ہے اور حضرت عائشہ' حضرت ابن عباس سے زیادہ عالم نہیں ہیں' حضرت ابن عباس کی روایات رویت باری کا اثبات کرتی ہیں اور حضرت عائشہ وغیرھا کی روایات رؤیت کی نفی کرتی ہیں اور جب مثبت اور منفی روایات میں تعارض ہو تو مثبت روایات کو منفی پر ترجیح دی جاتی ہے۔

حاصل بحث یہ ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک راجح یہ ہے کہ شب معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کی آنکھوں سے اپنے رب تبارک وتعالیٰ کو دیکھا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کسی حدیث کی بناء پر رؤیت کا انکار نہیں کیا' اگر اس سلسلہ میں ان کے پاس کوئی حدیث ہوتی تو وہ اس کا ذکر کرتیں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس مسئلہ کا قرآن مجید کی آیات سے استنباط کیا ہے' اس کے جواب کو ہم واضح کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ. (الانعام:۱۰۴) نگاہیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں اور وہ سب آنکھوں کا ادراک کرتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کیونکہ ادراک سے مراد احاطہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا اور جب قرآن مجید میں احاطہ کی نفی کی گئی ہے تو اس سے بغیر احاطہ کے رؤیت کی نفی لازم نہیں آتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دوسرا استدلال اس آیت سے ہے:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا (الشوریٰ:۵۱) اور کسی بشر کے لائق نہیں ہے کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی سے یا پردہ کے پیچھے سے یا اللہ کوئی فرشتہ بھیج دے۔

اس آیت سے استدلال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اس آیت میں رؤیت کے وقت کلام کی نفی کی گئی ہے تو یہ جائز ہے کہ جس وقت آپ نے اللہ کا دیدار کیا ہو اس وقت اس سے کلام نہ کیا ہو۔

(۲) یہ آیت عام مخصوص عنہ البعض ہے اور اس کا مخصص وہ دلائل ہیں جن سے رؤیت ثابت ہے' خلاصہ یہ ہے کہ عام قاعدہ یہی ہے' لیکن سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔

(۳) مشاہدہ کے وقت جس وحی کی نفی کی گئی ہے وہ بلاواسطہ وحی ہے اور ہوسکتا ہے کہ دیدار کے وقت آپ پر کسی واسطہ سے وحی کی گئی ہو۔

جمہور مفسرین کا یہ مختار ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ اسراء اپنے رب سبحانہ وتعالیٰ کا دیدار کیا' پھر ان کا اس میں اختلاف ہے کہ آپ نے دل کی آنکھوں سے دیدار کیا یا سر کی آنکھوں سے' امام ابوالحسن الواحدی نے بیان کیا: مفسرین نے کہا: ان احادیث میں یہ بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اپنے رب کا دیدار کیا' حضرت ابن عباس' حضرت ابوذر اور حضرت ابراہیم تیمی نے یہ کہا کہ آپ نے دل سے دیدار کیا' امام ابوالحسن نے کہا: اس رائے کے مطابق آپ نے صحیح طریقہ سے اپنے رب کو دل کی آنکھوں سے دیکھا اور وہ طریقہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی آنکھ آپ کے دل میں رکھ دی' یا آپ کے دل میں ایک آنکھ پیدا کردی حتیٰ کہ آپ نے اس طرح رؤیت صحیحہ کے ساتھ اپنے رب کو دیکھا جس طرح سر کی آنکھ سے دیکھا جاتا ہے' امام ابوالحسن نے کہا اور مفسرین کی ایک جماعت کا یہ نظریہ ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے دیکھا' یہ حضرت انس' عکرمہ' حسن اور ربیع کا قول ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج اص ۹۸۵-۹۷۴ ملخصاً' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں جس رؤیت کی نفی کی گئی ہے وہ رؤیت علیٰ وجہ الاحاطہ ہے' نیز علامہ قرطبی نے مفہم شرح مسلم میں یہ لکھا ہے کہ الابصار جمع معرف باللام ہے اور یہ تخصیص کو قبول کرتی ہے' اس لیے اس (لا تدرکہ الابصار الانعام: ۱۰۳) کا معنیٰ یہ ہے کہ کفار کی آنکھیں اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتیں اور اس تخصیص پر یہ دلیل ہے کہ قرآن مجید میں کافروں کے متعلق ہے:

كَلَّآ اِنَّهُمۡ عَنۡ رَّبِّهِمۡ يَوۡمَئِذٍ لَّمَحۡجُوۡبُوۡنَ ○ (المطففین: ۱۵)

حق یہ ہے کہ بے شک وہ (کفار) اس دن وہی اپنے رب کے دیدار سے ضرور محروم ہوں گے ○

اور قرآن مجید میں مؤمنوں کے متعلق ہے:

وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ○ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ○ (القیامۃ: ۲۳-۲۲)

کتنے ہی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے ○ اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے ○

اور جب آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت جائز ہے تو دنیا میں بھی جائز ہے کیوں کہ دونوں وقتوں میں بہ حیثیت امکان کوئی فرق نہیں' علامہ قرطبی کا یہ استدلال بہت عمدہ ہے' قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو عقلاً دیکھنا جائز ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ مؤمنین آخرت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے' امام مالک نے کہا: مومن دنیا میں اللہ تعالیٰ کو اس لیے نہیں دیکھ سکتے کہ دنیا میں مومن فانی ہیں اور اللہ تعالیٰ باقی ہے اور فانی باقی کو نہیں دیکھ سکتا اور آخرت میں مؤمنین کو بقا عطا کی جائے گی تو پھر وہ باقی آنکھوں سے بقاء کا جلوہ دیکھ لیں گے اور اس کی تائید صحیح مسلم کی اس حدیث میں ہے: جب تک تم پر موت نہ آئے تم ہرگز اپنے رب کو نہیں دیکھ سکتے۔ تو اگرچہ عقلاً دنیا میں رؤیت جائز ہے لیکن شرعاً ممتنع ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رؤیت کے ثبوت کی دلیل یہ ہے کہ متکلم اپنے کلام کے عموم میں داخل نہیں ہوتا (یا یہ قاعدہ عام مخصوص عنہ البعض ہے)۔

متقدمین کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے' حضرت عائشہ اور حضرت ابن مسعود رؤیت کا انکار کرتے ہیں' حضور ابوذر سے روایات مختلف ہیں اور ایک جماعت کے نزدیک رؤیت ثابت ہے' امام عبد الرزاق روایت کرتے ہیں کہ حسن بصری قسم کھا کر کہتے ہیں تھے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے' کعب احبار' زہری' معمر اور دوسروں نے اسی پر وثوق کیا ہے۔ امام ابو الحسن اشعری اور ان کے اکثر متبعین کا بھی یہی قول ہے۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ آپ نے اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا یا دل کی آنکھوں سے دیکھا؟ اس میں امام احمد کے دو قول ہیں' بعض احادیث میں حضرت ابن عباس نے مطلقاً کہا کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا اور بعض روایات میں ہے: آپ نے اپنے دل سے دیکھا اور مطلق روایت کو مقید پر حمل کرنا واجب ہے' امام نسائی نے سند صحیح کے ساتھ اور امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے' حضرت ابن عباس نے فرمایا: کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو کہ خلت حضرت ابراہیم کے لیے ہو' کلام حضرت موسیٰ کے لیے ہو اور رؤیت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہو' اس حدیث کو امام ابن خزیمہ نے بھی روایت کیا ہے اور امام ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر نے کسی شخص کو حضرت ابن عباس کے پاس بھیجا اور یہ پوچھا: آیا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو حضرت ابن عباس نے جواب دیا: ہاں! اور امام مسلم نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے: ''آپ نے اپنے رب کو دو بار اپنے دل سے دیکھا'' اور امام ابن مردویہ نے صراحت کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ آپ نے سر کی آنکھوں سے اپنے رب کو نہیں دیکھا' اپنے دل سے دیکھا ہے اور اب حضرت عائشہ کی نفی اور حضرت ابن عباس کے اثبات کو جمع کرنا ممکن ہے' بایں طور کہ حضرت عائشہ کی نفی کو رؤیت بصری پر محمول کیا جائے اور حضرت ابن عباس کے اثبات کو رؤیت قلبی پر محمول کیا جائے

اور رؤیت قلبی سے فقط حصول علم مراد نہیں ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا دائماً علم تھا' بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کے قلب کو اس طرح رؤیت حاصل ہوئی جس طرح دوسروں کو آنکھ سے رؤیت حاصل ہوتی ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۶۰۹-۶۰۷' ملخصاً' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

اکثر علماء کے نزدیک راجح یہ ہے کہ شب معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے' جیسا کہ حضرت ابن عباس وغیرہ کی حدیث میں ہے اور اس چیز کا اثبات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع کے بغیر ممکن نہیں ہے' حضرت عائشہ نے جو کہا ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث پر اس کی بنیاد نہیں رکھی' ان کا استدلال قرآن مجید کی آیات سے ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں جس ادراک کی نفی ہے وہ ادراک **علی وجہ الاحاطہ** ہے اور اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا اور جب قرآن مجید میں احاطہ رؤیت کی نفی کی گئی ہے تو اس سے بلا احاطہ رؤیت کی نفی لازم نہیں آتی۔ (الدیباج ج ۱ ص ۲۴۷' ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۱۲ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رؤیت کی نفی کرتی ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رؤیت باری کا اثبات کرتے ہیں' ان میں کیسے موافقت ہوگی' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رؤیت بصری کا انکار کرتی ہیں اور حضرت ابن عباس رؤیت قلبی کا اثبات کرتے ہیں' امام ابن خزیمہ نے کتاب التوحید میں بہت تفصیل سے شب معراج میں رؤیت باری کو ثابت کیا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے' ایک مرتبہ سر کی آنکھوں سے اور ایک مرتبہ دل کی آنکھوں سے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۹۹' ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

علامہ شہاب الدین احمد خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی زیادہ مشہور روایت یہ ہے کہ آپ نے شب اسراء اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے' یہ حدیث حضرت ابن عباس سے متعدد اسانید کے ساتھ مروی ہے اور یہ حدیث حضرت ابن عباس کی اس روایت کے منافی نہیں ہے کہ آپ نے اپنے رب کو دل سے دیکھا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ○ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ○ (النجم: ۱۷-۱۱)

آپ کی آنکھ نے جو جلوہ دیکھا دل نے اس کی تکذیب نہیں کی ○ آپ کی نظر ایک طرف مائل ہوئی نہ حد سے بڑھی ○

امام حاکم' امام نسائی اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے (بلا واسطہ) کلام کے ساتھ حضرت موسیٰ کو خاص کر لیا اور حضرت ابراہیم کو خلیل ہونے کے ساتھ خاص کر لیا اور حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رؤیت کے ساتھ خاص کر لیا' اس سے مراد رؤیت بصری ہے نہ کہ رؤیت قلبی' کیونکہ رؤیت قلبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص نہیں ہے' بلکہ ہر نبی کو حاصل ہے' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ خلیل ہونا اور ہم کلام ہونا بھی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہیں' پھر ہم کلام ہونا حضرت موسیٰ کی اور خلیل ہونا حضرت ابراہیم کی خصوصیت کیسے رہی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مقام اعلیٰ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہوئے اور آپ خلیل ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے محبوب بھی ہیں' لیکن حضرت موسیٰ کا کلیم ہونا اور حضرت ابراہیم کا خلیل ہونا ایک وصف مشہور تھا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت

موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے زمین پر ہم کلام ہوا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ عرش پر ہم کلام ہوا۔ (نسیم الریاض ج ۲ص ۲۸۸۔ ۲۸۷' دار الفکر' بیروت)

ملا علی قاری حنفی نے بھی اختصار کے ساتھ یہی لکھا ہے۔ (شرح الشفاء علی حاشیہ نسیم الریاض ج ۲ص ۲۸۸۔ ۲۸۷' دار الفکر' بیروت)

اللہ تعالیٰ کے دیدار کے ساتھ اس سے ہم کلام ہونے کے متعلق مفسرین کی تحقیق

قاضی عبد اللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ الشوریٰ: ۵۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے کہ بغیر وحی کے کسی شخص کا اللہ سے ہم کلام ہونا ممکن نہیں ہے' یعنی وحی کے ذریعہ ہم کلام ہونا ممکن ہے اور یہ وحی اس سے عام ہے کہ اللہ تعالیٰ بالمشافہہ اور بالمشاہدہ بندہ سے ہم کلام ہو جیسا کہ معراج کی حدیث میں ہے یا اس صورت میں ہم کلام ہو کہ اس کا کلام تو سنائی دے اور اس کی ذات دکھائی نہ دے جیسا کہ وادی طویٰ اور پہاڑ طور میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔

(تفسیر بیضاوی مع الخفاجی ج ۸ص ۳۶۷۔ ۳۶۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اس عبارت کی شرح میں علامہ خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

بالمشافہہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے بلا واسطہ مخاطب ہوا ہو جیسا کہ حدیث معراج میں ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۱۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۲) اللہ تعالیٰ نے آپ پر تجلی فرمائی اور آپ سے کلام فرمایا اور آپ پر نمازیں فرض کیں اور آپ سے یہ وعدہ کیا کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت سے بالمشافہہ کلام فرمائے گا۔ (عنایۃ القاضی ج ۸ص ۳۶۷' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ علی بن محمد خازن متوفی ۷۲۵ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت اس پر محمول ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں کسی سے بالمشافہہ کلام نہیں فرمائے گا' اس کی تفصیل سورۂ والنجم میں آئے گی۔

(تفسیر الخازن ج ۴ص ۱۰۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اور سورۂ والنجم میں لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک راجح یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو شب معراج سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے' کیونکہ حضرت ابن عباس اور حضرت انس سے روایت ہے کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور یہ بات وہ اپنی رائے سے نہیں کہہ سکتے' سو یہ حدیث آپ سے سماع پر محمول ہے (اور معراج کا واقعہ امور آخرت سے ہے' اس لیے الشوریٰ: ۵۱ میں جو بالمشافہہ کلام کی نفی ہے وہ دنیا میں ہے اور وہ شب معراج بالمشافہہ کلام کرنے کے منافی نہیں ہے)۔

(تفسیر الخازن ج ۴ص ۲۰۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اکثر علماء اس پر متفق ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سبحانہ کو شب معراج دیکھا ہے کیونکہ اکثر روایات میں دیکھنے کی تصریح ہے' ہاں ان روایات میں یہ تصریح نہیں ہے کہ آپ نے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے' لیکن دیکھنے سے ظاہر یہی ہے کہ آپ نے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے' امام اشعری اور متکلمین کی ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ اللہ عزوجل نے ہمارے نبی سے اس رات بلا واسطہ کلام فرمایا اور جعفر بن محمد الباقر' حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے بھی یہی روایت ہے اور احادیث صحیحہ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے جن میں یہ مذکور ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے پچاس نمازیں فرض کیں' پھر کم کرتے کرتے آخر میں پانچ نمازیں فرض کر دیں۔ (روح المعانی جز ۲۵ص ۸۶' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

نزول قرآن سے پہلے آپ کو اجمالی طور پر قرآن عطا کیا جانا

الشوریٰ: ۵۳-۵۲ میں فرمایا: ''اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف روح (قرآن) کی وحی کی ہے اس سے پہلے آپ از خود یہ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کیا ہے' لیکن ہم نے اس کتاب کو نور بنا دیا جس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں ہدایت دیتے ہیں اور آپ بے شک ضرور صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیتے ہیں O اللہ کے راستے کی طرف جو آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز کا مالک ہے' سنو اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹتے ہیں O''

اس آیت میں فرمایا ہے کہ ہم نے آپ کی طرف روح کی وحی کی ہے۔ روح سے مراد قرآن ہے کیونکہ جس طرح روح بدن کی حیات کا سبب ہے' اسی طرح قرآن مجید قلب کی حیات کا سبب ہے۔

اور اس وحی سے مراد عام ہے' خواہ آپ کے قلب میں کسی معنیٰ کا القاء کیا جائے' یا حضرت جبریل آپ کے پاس اللہ کا پیغام لائیں یا اللہ تعالیٰ آپ سے بالمشافہ اور بالمشاہدہ کلام فرمائے۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

علامہ عبد الوہاب شعرانی التوفی ۹۷۳ھ نے ''الکبریت الاحمر'' میں ''الفتوحات المکیہ'' کے باب ثانی سے نقل کیا ہے کہ حضرت جبریل کے آپ پر قرآن مجید نازل کرنے سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اجمالی طور پر قرآن کریم عطا کیا گیا تھا اور اس میں آیتوں اور سورتوں کی تفصیل نہیں تھی۔ (الکبریت الاحمر ص ۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

(روح المعانی جز ۲۵ ص ۸۹' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اس اشکال کے جوابات کہ نزول قرآن سے پہلے آپ کو کتاب کا پتا تھا نہ ایمان کا

اس آیت پر یہ اشکال ہے کہ اس میں یہ فرمایا ہے کہ نزول قرآن سے پہلے آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کیا ہے' حالانکہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ ہر نبی پیدائشی مومن ہوتا ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے بھی نبی تھے' حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ نے فرمایا: اس وقت حضرت آدم جسم اور روح کے درمیان تھے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۹' المستدرک ج ۲ ص ۶۰۹' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۱۳۰)

حضرت عرباض بن ساریہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں اللہ کے پاس خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اور اس وقت حضرت آدم اپنی مٹی کے پتلے میں تھے۔ الحدیث (شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۶۲۶)

اس لیے اس آیت کا محمل تلاش کرنا ضروری ہے جس میں فرمایا ہے: آپ نزول قرآن سے پہلے نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کیا ہے۔ مفسرین نے اس آیت کے حسب ذیل محامل تلاش کیے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کتاب اور ایمان کے علم کی نفی کی دیگر مفسرین کی طرف سے توجیہات

(۱) اس آیت میں ایمان سے مراد ایمان کامل ہے' یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کی خبروں کی تصدیق' اقرار اور تمام احکام شرعیہ پر عمل اور ظاہر ہے کہ نزول قرآن سے پہلے تمام احکام شرعیہ پر عمل کرنا متحقق نہیں ہوسکتا تھا۔

(۲) اس آیت میں ایمان سے مراد ہے: دعوت ایمان اور لوگوں کو کس طرح ایمان کی دعوت دی جائے اور ان کو ہدایت دی جائے اس کا علم آپ کو نزول کتاب کے بعد ہوا۔

(۳) ایمان سے مراد ہے: اہل ایمان اور نزول کتاب کے بعد آپ کو معلوم ہوا کہ آپ پر ایمان لانے والے کون ہیں اور کون ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

اشکال مذکور کی مصنف کی طرف سے توجیہات

اس اشکال کے اور بھی جوابات دیئے گئے ہیں لیکن ان میں اکثر جواب کمزور ہیں' مصنف کے ذہن میں اس اشکال کا یہ جواب ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''ما کنت تدری'' اور ''ما کنت تعلم'' نہیں فرمایا' یعنی علم کی نفی نہیں کی' درایت کی نفی کی ہے اور درایت کا معنیٰ ہے: اپنی عقل سے کسی چیز کو جاننا' اسی لیے ہم نے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے: آپ ازخود نہیں جانتے یعنی نزول قرآن سے پہلے آپ ازخود نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کیا ہے' ہاں اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے آپ نزول قرآن سے پہلے بھی اپنی رسالت کو جانتے تھے جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں مکہ میں ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو میری بعثت (اعلان نبوت) سے پہلے مجھ پر سلام پڑھا کرتا تھا' میں اس کو اب بھی پہچانتا ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۷)

ہم نے کہا ہے کہ درایة کے معنیٰ ہیں: محض اپنی عقل اور قیاس سے کسی چیز کو جاننا' سو علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے:

الدراية المعرفة المدركة بضرب من الختل.

حیلہ کی ایک قسم سے جو معرفت حاصل کی گئی ہو اس کو درایت کہتے ہیں۔

(المفردات ج ۱ ص ۲۲۴' القاموس ص ۱۲۸۲ (قاموس میں ختل کی جگہ حیل کا لفظ ہے)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ ھ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا. (لقمان: ۳۴)

کوئی شخص (ازخود) نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کسب (کام) کرے گا۔

اس آیت میں اللہ کی طرف علم کی نسبت کی ہے اور بندہ کی طرف درایت کی نسبت کی ہے' کیونکہ درایت میں حیلہ کا معنیٰ ہے یعنی حیلہ سے کسی چیز کو جاننا اور دونوں علموں میں فرق ہے' جب کوئی شخص حیلہ سے کوئی عمل کرے اور اس میں پوری کوشش صرف کرے تب بھی اس کو اپنے کسب کے حق ہونے کا علم ہوگا نہ اس کے انجام کا علم ہوگا' پس اس کے بغیر اسے اپنے کسب کا کیسے علم ہوگا جب اس پر کوئی شرعی یا عقلی دلیل قائم نہ ہو' اس لیے فرمایا: کوئی شخص (ازخود) نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کسب (کام) کرے گا۔ (تفسیر بیضاوی مع الخفاجی ج ۷ ص ۴۳۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ ھ)

علامہ شہاب الدین احمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ ھ اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

درایت اس جملہ سے ماخوذ ہے ''دری رمی الدریة'' یہ وہ چھلہ ہے جس کو پھینکنے کا تیر انداز قصد کرتے ہیں اور وہ چیز جس کے پیچھے شکاری شکار سے چھپ کر کھڑا ہوتا ہے اور اس حیلہ سے اس کو تیر مار کر شکار کرتا ہے اور ان میں سے ہر چیز حیلہ ہے' اس وجہ سے درایت علم سے خاص ہے' کیونکہ درایت حیلہ اور تکلف سے کسی چیز کا علم ہے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے علم کو درایت نہیں کہتے۔ (عنایۃ القاضی ج ۷ ص ۴۳۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ ھ)

علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ ھ نے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی لکھا ہے۔ (روح المعانی جز ۲۱ ص ۱۶۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ ھ)

اس اعتبار سے ''ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان'' کا معنیٰ ہوگا: آپ حیلہ اور تکلف سے یعنی ازخود نہیں

جانتے کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کیا ہے' ہاں! اللہ کی وحی اور اس کی تعلیم سے جانتے ہیں کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کیا ہے؟ اسی طرح حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام العلاء الانصاریہ سے فرمایا:

واللہ ما ادری وانا رسول اللہ ما یفعل بی. اور اللہ کی قسم! میں (ازخود) نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۲۴۳)

علامہ علی بن خلف ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے: "میں نہیں جانتا" اس کا محمل یہ ہے کہ آپ نے یہ اس وقت فرمایا تھا جب آپ کو علم نہیں تھا کہ آپ کے اگلے اور پچھلے (ظاہری) ذنب کی مغفرت کردی گئی ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی چیز کا علم ہوتا ہے جس کی آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے۔

(شرح البخاری ج ۳ ص ۲۴۲' مکتبۃ الرشید' ریاض' ۱۴۲۰ھ' عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۴' دار الکتب العلمیہ)

علامہ ابن بطال اور علامہ عینی کی اس شرح سے بھی یہ معلوم ہوا کہ درایت کا معنیٰ ہے: وحی کے بغیر کسی چیز کو اپنی عقل اور قیاس سے ازخود جاننا۔ اور اب الشوریٰ: ۵۱ کا معنیٰ اس طرح ہوا کہ آپ بغیر وحی کے ازخود نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کیا ہے۔

علامہ طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ھ نے لکھا ہے: اس حدیث میں درایت تفصیلیہ کی نفی ہے' یعنی آپ کو اس وقت تفصیلی علم نہیں تھا کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ (مجمع بحار الانوار ج ۲ ص ۱۷۴' مکتبۃ دار الایمان' مدینہ منورہ' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی یہی جواب لکھا ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۴۵۲' دار الفکر' ۱۴۲۰ھ)

اور اس صورت میں الشوریٰ: ۵۱ کا معنیٰ اس طرح ہے کہ آپ نزول کتاب سے پہلے کتاب اور ایمان کے تفصیلی علم کو نہیں جانتے تھے گو کہ اس کا اجمالی علم آپ کو حاصل تھا۔

سورۃ الشوریٰ کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین آج ۲۴ ذوالقعدہ ۱۴۲۴ھ/ ۱۷ جنوری ۲۰۰۴ء' بہ روز ہفتہ بعد از نماز ظہر سورۃ الشوریٰ کی تفصیل مکمل ہوگئی۔ ۲۷ نومبر کو یہ تفسیر شروع کی گئی تھی' اس طرح ایک ماہ اور بیس دن میں یہ تفسیر مکمل ہوگئی' یہ تفسیر اس سے پہلے بھی ختم ہو جاتی لیکن دسمبر اور جنوری میں کراچی میں سردی پڑتی ہے اور میرا مزاج بہت سرد ہے اور مجھے عام لوگوں کی بہ نسبت بہت زیادہ سردی لگتی ہے' میں اپنے معمول کے مطابق جب نماز فجر سے پہلے اپنی کلاس میں تفسیر لکھنے کے لیے آتا تو مجھے بے تحاشا چھینکیں آتیں' ناک بہنے لگتی اور زکام کی شدت سے مجھے بخار چڑھ جاتا' میں ہر وقت دو سوئیٹر پہنے رہتا تھا۔

بہر حال ان عوارض کی وجہ سے سردی کے ایام میں میرے لکھنے کی رفتار ہر سال کم ہو جاتی ہے اور جوں جوں عمر زیادہ ہو رہی ہے' ضعف بڑھتا جا رہا ہے' جسم کی قوت مدافعت کمزور ہو رہی ہے اور بیماری اور زیادہ شدت سے اپنے پنجے گاڑ رہی ہے' اس دوران ۱۶ شوال ۱۴۲۴ھ/ ۱۱ دسمبر ۲۰۰۳ء کو یہ سانحہ ہوا کہ حضرت العلامہ الحافظ الشاہ احمد نورانی صدر جمعیۃ العلماء پاکستان' صدر متحدہ مجلس عمل' قائد ملت اسلامیہ' صدر ورلڈ اسلامک مشن' سینیٹر وقائد حزب اختلاف سینٹ آف پاکستان جمعرات کو دوپہر کے وقت حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اسی دن پاک فضائیہ کے خصوصی طیارہ C-30 کے ذریعہ آپ کی میت اسلام آباد سے کراچی لائی گئی اور اگلے روز نشتر پارک میں آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی' آپ کی نماز جنازہ میں کراچی کی تاریخ کا سب سے بڑا اجتماع تھا' آپ کی ۷۸ سالہ حیات ملی اور دینی خدمات سے

بھر پور ہے لیکن آپ کی نمایاں خدمات میں سے یہ ہے کہ آپ نے ۱۹۷۳ھ کے آئین میں متفقہ طور پر مسلمان کی تعریف شامل کی اور اس میں یہ لکھا ہے کہ مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی مانتا ہو اور آپ ہی نے پاکستان کی قومی اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے متعلق قرارداد پیش کی اور اس سلسلہ میں پورے ملک میں دورے کیے اور بالآخر ے ستمبر ۱۹۷۴ء کو پاکستان کی پارلیمینٹ نے بالاتفاق قادیانیوں (بہ شمول قادیانی و لاہوری گروپ) کو غیر مسلم قرار دے دیا۔ آپ بہت سادہ تھے' بڑے وضع دار تھے' احسان کر کے نہ جتاتے تھے اور نہ ہی بتاتے تھے' انہوں نے مجھے اسلامی نظریاتی کونسل کا رکن بنوایا اور بڑے عرصے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ آپ ہی کی سفارش سے مجھے یہ منصب ملا تھا' مجھے تاریخ دمشق کی ضرورت تھی' اس وقت اس کی قیمت ۴۵ ہزار روپے تھی اور میرے پاس اتنی گنجائش نہ تھی' آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے مجھے ۴۵ ہزار روپے کا ڈرافٹ بھجوا دیا اور اس کے ساتھ اپنے نوازش نامہ میں لکھا: آپ کو اور بھی جس کتاب کی ضرورت ہو تو حکم فرمائیں' جو مخالفین شرح صحیح مسلم پر اپنے بغض وعناد سے بے سروپا اعتراضات کرتے تھے وہ ہمیشہ ان کے سامنے میری وکالت کرتے تھے اور میری طرف سے انہیں مسکت جوابات دیا کرتے تھے' وہ میرے مشن کے بہت بڑے حامی اور ناصر تھے' اللہ تعالیٰ ان کا آخرت میں حامی و ناصر ہو' جب ہندوستان میں شرح صحیح مسلم چھپی تو آپ نے بے ساختہ فرمایا: **الفضل ما شهدت به الاعداء** ۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے اور آپ کی قبر انور کو جنت کے باغات میں سے ایک باغ بنا دے اور ایسے ولی کامل کی محبت کے توسل سے تبیان القرآن کو مکمل کرا دے۔ **آمین بجاه سيد المرسلين سيدنا محمد خاتم النبيين وعلى آله واصحابه وازوجه وعترته وامته اجمعين.**

غلام رسول سعیدی غفرلہ
خادم الحدیث' دار العلوم نعیمیہ' کراچی-۳۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

الزخرف

سورت کا نام

اس سورت کا نام الزخرف ہے' کیونکہ اس سورت کی ایک آیت میں زخرف کا لفظ آیا ہے اور یہ کُل کا نام جز کے نام پر رکھنے کے قبیل سے ہے' درج ذیل آیتوں میں زخرف کا لفظ ہے:

لَوْلَآ اَنْ یَّکُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ یَّکْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَیْهَا یَظْهَرُوْنَ ○ وَلِبُیُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَیْهَا یَتَّکِـُٔوْنَ ○ وَزُخْرُفًا. (الزخرف: ۳۵۔۳۳)

اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام لوگ ایک ہی نظریہ کے حامل ہو جائیں گے تو ہم رحمٰن کا کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتوں اور ان کے بالاخانوں کی ان سیڑھیوں کو جن سے وہ چڑھتے ہیں چاندی کی بنا دیتے ○ اور ان کے گھروں کے دروازوں اور ان تختوں کو جن پر وہ ٹیک لگاتے ہیں ان کو بھی چاندی کا بنا دیتے ○ (چاندی کے علاوہ) سونے کا بھی بنا دیتے۔

علامہ مجدالدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں:

زخرف کا معنیٰ ہے: سونا' کسی چیز کے کمال حسن کو بھی زخرف کہتے ہیں اور کسی چیز پر سونے کی ملمع کاری کی جائے تو اس کو مزخرف کہتے ہیں' زمین پر رنگ بہ رنگ کا سبزہ اور پھول کھلے ہوں تو اس کو بھی مزخرف کہتے ہیں۔

(القاموس المحیط ص ۸۱۵' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابوالسعادت المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

زخرف کا اصل میں معنیٰ ہے: سونا اور کسی چیز کے حسن کا کمال' حدیث میں ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

لتزخرفنها كما زخرفت اليهود والنصارى. (صحیح البخاری: باب الصلوٰۃ: ۶۲' سنن ابوداؤد: ۱۲)

تم ضرور مساجد میں سونے کے نقش ونگار بناؤ گے جیسے یہود و نصاریٰ نے مساجد میں سونے کے نقش ونگار بنائے تھے۔

مسجد میں سونے کے بیل بوٹے بنانے سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ پھر نمازیوں کی توجہ اس طرف ہوگی اور اس سے ان کے خضوع اور خشوع میں کمی ہوگی۔ (النہایہ ج ۲ ص ۲۷۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

سورت الزخرف مکی ہے' ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ۶۳ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ۴۳ ہے۔

سورت کے مقاصد

☆ اس سورت کے اہم مقاصد میں سے مشرکین کو بت پرستی سے روکنا ہے اور ان لوگوں کے حال پر تعجب کا اظہار فرمایا ہے جو

یہ اعتراف کرتے تھے کہ ان کا خالق اور مالک اور ان کا اور تمام مخلوقات کا منعم اللہ تعالیٰ ہے' اس کے باوجود وہ بتوں کو اللہ کا شریک قرار دے کر ان کی عبادت کرتے تھے۔

☆ مشرکین کی اس پر مذمت کہ وہ بیٹیوں کو بیٹوں سے کم درجہ کا قرار دیتے تھے' اس کے باوجود وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔

☆ سابقہ امتوں کو ان کے رسولوں کے ساتھ احوال اور اہل مکہ کو سابقہ امتوں کے انجام سے ڈرانا اور ان کو یہ بتانا کہ اللہ تعالیٰ جوان کو ڈھیل دے رہا ہے اس سے وہ دھوکا نہ کھائیں۔

☆ رسولوں میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنا' حضرت ابراہیم علیہم السلام کا اس لیے کہ انہوں نے اپنی نسل میں عقیدہ توحید کو باقی رکھا اور ان کو قیامت کے بعد آخرت کے عذاب سے ڈرایا اور کفار مکہ حضرت ابراہیم کی اولاد ہونے پر فخر کیا کرتے تھے اور حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کا اس لیے ذکر فرمایا کہ اہل کتاب ان کی طرف منسوب ہونے پر فخر کیا کرتے تھے۔

☆ ان آیات کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کے پیدا کرنے' بارش کو نازل فرمانے' مختلف چیزوں کے جوڑے بنانے اور دریاؤں اور سمندروں میں کشتیوں کو رواں دواں رکھنے سے اپنی الوہیت اور توحید پر استدلال فرمایا۔

☆ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اعراض کرنے سے ڈرایا اور لوگوں کو آخرت کی دائمی نعمتوں کی طرف رغبت دلائی اور ان پر اپنے اس احسان کو یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے نبی پر جو قرآن نازل فرمایا ہے وہ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف اور آپ کی فضیلت ہے اسی طرح اہل مکہ کا بھی شرف ہے اور ان کی بھی فضیلت ہے۔

☆ سورت کے آخر میں جنت کی فضیلت بیان کی ہے اور قیامت کی ہولناکیاں بیان کی ہیں اور بتایا ہے کہ جس طرح جنت اہل ایمان کے ساتھ خاص ہے اسی طرح دوزخ اہل کفر کے ساتھ خاص ہے۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں سورۃ الزخرف کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں' اے اللہ! مجھے اس سورت کے ترجمہ اور تفسیر میں صراط مستقیم پر قائم رکھنا اور وہی لکھوانا جو حق اور صواب ہو اور جو چیزیں غلط اور باطل ہوں ان سے مجھے محفوظ رکھنا۔

آمین یا رب العلمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوۃ والسلام وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وعترتہ وامتہ اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۲۵ ذوالقعدہ ۱۴۲۴ھ/ ۱۸ جنوری ۲۰۰۴ء
خادم الحدیث دارالعلوم النعیمیہ'
بلاک نمبر ۱۵- فیڈرل بی ایریا' کراچی- ۳۸
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹/ ۰۳۴۵-۲۱۲۰۶۱۷/ ۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴

سورة الزخرف مكية ٤٣ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | آياتها ٨٩ ركوعاتها ٧

سورۃ الزخرف مکی ہے — اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہےO اس میں نواسی آیتیں اور سات رکوع ہیں

حٰمٓ ۚ﴿١﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿٢﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ

حا میم O اور اس وضاحت کرنے والی کتاب کی قسم! O بے شک ہم نے اس کتاب کو عربی قرآن بنا دیا

تَعْقِلُوْنَ ﴿٣﴾ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿٤﴾ اَفَنَضْرِبُ

تاکہ تم سمجھ سکوO بے شک یہ لوح محفوظ میں ہمارے نزدیک بہت بلند مرتبہ' بہت حکمت والی ہےO تو کیا ہم اس

عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ﴿٥﴾ وَكَمْ اَرْسَلْنَا

وجہ سے تم کو نصیحت کرنے سے اعراض کریں کہ تم حد سے گزرنے والے لوگ ہو O اور ہم (تم سے) پہلے

مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ

لوگوں میں کئی نبی بھیج چکے ہیں O اور ان کے پاس جو نبی بھی آتا تھا وہ اس کا مذاق

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٧﴾ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ

اڑاتے تھے O سو ہم نے ان میں سے ان کو ہلاک کر دیا جن کی گرفت بہت سخت تھی اور پہلے لوگوں

الْاَوَّلِيْنَ ﴿٨﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

کی مثال گزر چکی ہے O اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے

لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿٩﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ

تو وہ ضرور یہ کہیں گے کہ ان کو اس نے پیدا کیا ہے جو بہت غالب اور بے حد علم والا ہےO جس نے تمہارے لیے زمین کو (آرام

الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۚ﴿١٠﴾

کا) گہوارہ بنا دیا اور تمہارے لیے اس میں متعدد راستے بنا دیئے تاکہ تم ہدایت پا سکو O

وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ

اور جس نے آسمان سے معین مقدار میں پانی نازل کیا' پھر ہم نے اس سے مردہ شہر کو زندہ کر دیا' اسی طرح

معانقہ ١١ عند المتقدمین ١٢

كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَالَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ

تم (زندہ کر کے) نکالے جاؤ گے ○ اور جس نے تمام چیزوں کے جوڑے بنائے اور تمہارے لیے کشتیاں اور چوپائے پیدا کیے

مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿۱۲﴾ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ

جن پر تم سوار ہوتے ہو ○ تاکہ تم ان کی پیٹھوں پر جم کر سوار ہو سکو' پھر تم اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو

تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَیْتُمْ عَلَیْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِیْ

جب تم اس پر سیدھے بیٹھ جاؤ اور تم یہ کہو کہ وہ ذات ہر عیب اور نقص سے پاک ہے جس نے اس سواری کو ہماری قدرت میں

سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾

کر دیا اور ہم از خود اس پر قادر ہونے والے نہیں تھے ○ اور بے شک ہم اپنے رب کی طرف ضرور لوٹنے والے ہیں ○

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۵﴾ ع ۵

اور انہوں نے بعض اللہ کے بندوں کو اس کا جز قرار دے دیا' بے شک انسان ضرور کھلا ہوا ناشکرا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حامیم ○ اور اس وضاحت کرنے والی کتاب کی قسم! ○ بے شک ہم نے اس کتاب کو عربی قرآن بنا دیا تاکہ تم سمجھ سکو ○ بے شک یہ لوح محفوظ میں ہمارے نزدیک بہت بلند مرتبہ' بہت حکمت والی ہے ○ تو کیا ہم اس وجہ سے تم کو نصیحت کرنے سے اعراض کریں کہ تم حد سے گزرنے والے لوگ ہو ○ اور ہم (تم سے) پہلے لوگوں میں کئی نبی بھیج چکے ہیں ○ اور ان کے پاس جو نبی بھی آتا تھا وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے ○ سو ہم نے ان میں سے ان کو ہلاک کر دیا جن کی گرفت بہت سخت تھی اور پہلے لوگوں کی مثال گزر چکی ہے ○ (الزخرف: ۸۔۱)

"حٰم ٓ والکتب المبین" کی تفسیریں

"حٰم ٓ ○ والکتب المبین" کے مفسرین نے حسب ذیل معانی کیے ہیں:

(۱) حا' اللہ تعالیٰ کی حیات پر دلالت کرتی ہے اور میم اللہ تعالیٰ کے مجد اور بزرگی پر دلالت کرتی ہے اور یہ قسم ہے اور اس کا معنیٰ ہے: میری حیات اور میرے مجد کی قسم! یہ قرآن جس میں میں نے اپنے مومن بندوں پر رحمت کی خبر دی ہے' حق اور صدق ہے اور ہم نے اس کو عربی قرآن اس لیے بنایا ہے کہ تمہارے لیے اس کا معنیٰ آسان ہو جائے۔

(لطائف الاشارات للقشیری ج ۳ ص ۲۷۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حا اور میم سے اللہ تعالیٰ کے دو اسموں کی طرف اشارہ ہے: حنان اور منان۔ علامہ فیروز آبادی نے کہا: الحنان' اللہ تعالیٰ کا اسم ہے' اس کا معنیٰ ہے: رحیم' یا وہ جو ایسے شخص کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو اس سے اعراض کرتا ہے۔ (القاموس: ۱۱۹۱) اور المنان بھی اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے' منان کا معنیٰ ہے: جو ابتداءً عطا کرنے والا ہو۔ (القاموس: ۱۲۳۵)

حٰم ٓ قسم ہے اور "والکتب المبین" کا عطف حٰم ٓ پر ہے یعنی حٰم ٓ کی قسم اور کتاب مبین کی قسم' کتاب سے مراد قرآن

مجید ہے اور اس کو مبین فرمانے کی تین تفسیریں ہیں: (۱) ابو معاذ نے کہا: قرآن مجید کے حروف واضح ہیں (۲) قتادہ نے کہا: اس کی ہدایت' رشد اور برکت بالکل واضح ہے (۳) مقاتل نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس کے احکام یعنی حلال اور حرام وضاحت سے بیان فرما دیئے ہیں۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۲۱۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

کتاب کو قرآن عربی فرمانے کی وجوہ

الزخرف: ۳ میں فرمایا: ''بے شک ہم نے اس کو عربی قرآن بنا دیا تا کہ تم سمجھ سکو''۔

یہ قسم کا جواب ہے اور اس کی تفسیر میں تین قول ہیں: (۱) سدی نے کہا: ہم نے اس کو عربی میں نازل کیا ہے (۲) مجاہد نے کہا: ہم نے عربی میں کہا ہے (۳) سفیان ثوری نے کہا: ہم نے اس کو عربی میں بیان کیا ہے' یہ تینوں تفسیریں متقارب ہیں۔

عربی کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ عربی زبان میں ہے اس کی تفسیر میں دو قول ہیں: (۱) مقاتل نے کہا: اس کو عربی زبان میں اس لیے نازل کیا کہ آسمان والوں کی زبان عربی ہے (۲) سفیان ثوری نے کہا: ہر نبی پر اس زبان میں کتاب نازل کی گئی جو اس کی قوم کی زبان ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ''تا کہ تم سمجھ سکو'' اس کی تفسیر میں بھی دو قول ہیں:

(۱) ابن عیسیٰ نے کہا: اگر یہ آیت خصوصیت سے اہل عرب کے متعلق ہے تو اس کا معنیٰ ہے: تا کہ تم سمجھ سکو۔

(۲) ابن زید نے کہا: اگر یہ عرب اور عجم دونوں سے خطاب ہے تو اس کا معنیٰ ہے: تا کہ تم غور و فکر کر سکو۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۲۱۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

ان آیتوں پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ''حٰم والکتب المبین'' قسم ہے اور ''انا جعلنه قرآنا عربیا'' مقسم بہ ہے اور قسم اور مقسم بہ میں تغایر ہوتا ہے اور یہاں دونوں سے مراد ایک ہے کیونکہ قسم میں کتاب کا ذکر ہے اور وہ قرآن ہے اور مقسم بہ میں ''قرآنا عربیا'' کا ذکر ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ قسم میں قرآن مجید کی ذات مراد ہے اور مقسم بہ میں اس کا وصف عربی ہونا مراد ہے' لہٰذا دونوں متغائر ہو گئے۔

لوح محفوظ میں قرآن مجید اور مخلوق کے اعمال کا ثابت ہونا

الزخرف: ۴ میں فرمایا: ''بے شک یہ لوح محفوظ میں ہمارے نزدیک بہت بلند مرتبہ' بہت حکمت والی ہے O''

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں: ایک تفسیر یہ ہے کہ یہ قرآن لوح محفوظ میں ہے اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ مخلوق کے اعمال لوح محفوظ میں ہیں۔ اگر یہ مراد ہو کہ یہ قرآن لوح محفوظ میں ہے تو اس کے بلند مرتبہ ہونے کا معنیٰ یہ ہے: یہ بہت محکم اور منضبط ہے' اس میں کوئی اختلاف اور تناقض نہیں ہے اور حکیم کا معنیٰ ہے: اس میں حکمت آمیز کلام ہے۔ اور اس کے لوح محفوظ میں ہونے کی تائید میں یہ آیتیں ہیں:

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌۙ○ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ○ بے شک یہ قرآن بہت عزت والا ہے O یہ محفوظ کتاب میں درج ہے O (الواقعہ: ۷۷-۷۸)

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌۙ○ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ○ بلکہ یہ عظمت والا قرآن ہے O لوح محفوظ میں مندرج ہے O (البروج: ۲۱-۲۲)

اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ مخلوق کے تمام اعمال خواہ وہ ایمان اور کفر ہوں یا اطاعت اور معصیت ہوں' وہ سب لوح محفوظ میں ثابت ہیں اور اب بلند مرتبہ کا یہ معنیٰ ہے کہ وہ اعمال ایسی جگہ لکھے ہوئے ہیں جو اس سے بلند ہے کہ کوئی شخص اس

میں ردو بدل کر سکے اور حکیم کا معنیٰ ہے: وہ محکم ہے' اس میں کوئی کمی اور اضافہ نہیں ہو سکتا۔ لوح محفوظ میں مخلوق کے اعمال لکھے جانے کی تفصیل اس حدیث میں ہے:

عبدالواحد بن سلیم کہتے ہیں کہ میں مکہ میں آیا تو میری ملاقات عطاء بن ابی رباح سے ہوئی' میں نے ان سے کہا: اے ابو محمد! اہل بصرہ تقدیر کے متعلق بحث کرتے ہیں' انہوں نے پوچھا: اے بیٹے! تم قرآن مجید پڑھتے ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں! انہوں نے کہا: سورۃ الزخرف پڑھو' جب میں نے یہ آیت پڑھی: "وَاِنَّهٗ فِیْۤ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَیْنَا لَعَلِیٌّ حَكِیْمٌ ○". (الزخرف: ۴) تو انہوں نے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ ام الکتاب کیا چیز ہے؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے' انہوں نے کہا: یہ وہ کتاب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے پہلے لکھا اور اس کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ فرعون اہل دوزخ سے ہے اور اس کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ "تَبَّتْ یَدَاۤ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ○"۔ عطاء کہتے ہیں کہ پھر حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے بیٹے ولید سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تمہارے والد نے موت کے وقت کیا وصیت کی تھی؟ اس نے کہا: انہوں نے مجھے بلا کر فرمایا: اے میرے بیٹے! اللہ سے ڈرو اور تم اس وقت تک اللہ سے نہیں ڈر سکو گے حتیٰ کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور ہر خیر اور شر کے اللہ سے وابستہ ہونے پر ایمان لاؤ' اگر تم اس کے خلاف عقیدہ پر مر گئے تو دوزخ میں داخل ہو گے' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: بے شک سب سے پہلے اللہ نے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا: لکھو' اس نے کہا: کیا لکھوں؟ فرمایا: تقدیر کو لکھو اور جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ابد تک ہونے والا ہے اس کو لکھو۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۵۵' مسند احمد ج ۵ ص ۳۱۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۰)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ لوح محفوظ تو ایک قسم کی یادداشت اور نوٹ بک ہے' جس میں آدمی ضروری چیزیں لکھ لیتا ہے اور جب کوئی بات بھول جائے تو پھر اس میں دیکھ لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو علام الغیوب ہے اور اس کے لیے کسی چیز کو بھولنا محال ہے' پھر اس نے لوح محفوظ میں تمام چیزوں کو کیوں لکھا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتے لوح محفوظ کا مطالعہ کرتے ہیں اور ان کو پتا چل جاتا ہے کہ دنیا میں کیا ہونے والا ہے' پھر جب وہ دیکھتے ہیں کہ لوح محفوظ میں لکھے ہوئے کے مطابق حوادث واقع ہو رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے متعلق ان کا ایمان اور تازہ ہو جاتا ہے' نیز انبیاء علیہم السلام اور اکابر اولیاء کرام بھی لوح محفوظ کا مطالعہ کرتے ہیں اور ان کو غیب کا علم ہو جاتا ہے' انبیاء علیہم السلام کے حق میں یہ معجزہ ہے اور اولیاء اللہ کے حق میں یہ کرامت ہے۔

اور چونکہ اس آیت کا ایک محمل یہ ہے کہ یہ قرآن کریم ہے' اس کا سبب یہ ہے کہ قرآن مجید بھی لوح محفوظ میں ثابت ہے' پھر اس کو آسمان دنیا کی طرف نقل کیا گیا' پھر اس کو حسب ضرورت اور مصلحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر نازل کیا گیا۔

کفار مکہ کی شقاوت اور ایذاء رسانی

الزخرف: ۵ میں فرمایا: "تو کیا ہم اس وجہ سے تم کو نصیحت کرنے سے اعراض کریں کہ تم حد سے گزرنے والے ہو○"

اس آیت میں "افنضرب" ہے' اس کا معنیٰ ہے: کیا ہم تم کو چھوڑ دیں اور اس میں "ذکر" کا لفظ ہے' اس سے مراد ہے: وعظ اور نصیحت اور قرآن اور اس میں "مسرفین" کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: حد سے تجاوز کرنے والے۔

اور اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ کیا ہم تمہارے سامنے نیکی کا حکم نہ دیں اور برائی سے منع نہ کریں' یا تمہارے کفر پر آخرت کے عذاب کا ذکر نہ کریں یا تمہارے سامنے قرآن مجید کی آیات کو نازل نہ کریں۔ محض اس لیے کہ تم حد سے گزرنے والے ہو یعنی تمہارے حد سے گزرنے کی وجہ سے ہم قرآن مجید کے نزول کو اور تمہیں نصیحت کرنے کے سلسلے کو موقوف نہیں کریں گے۔

قتادہ نے کہا: اس امت کے پہلے لوگوں کے کہنے کی وجہ سے اگر اس قرآن کو اٹھا لیا جاتا تو یہ امت ہلاک ہو جاتی' لیکن اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے قرآن مجید کو بار بار نازل فرماتا رہا اور لگاتار تئیس سال تک انہیں اسلام کی طرف بلاتا رہا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو زجر و توبیخ کرنے میں مبالغہ کیا ہے' یعنی کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ تمہارے نصیحت سے بیزار ہونے کی وجہ سے ہم تمہیں نصیحت کرنا بند کر دیں گے' ہرگز نہیں' بلکہ ہم تمہیں دین کی طرف بلاتے رہیں گے اور تم پر اعمال صالحہ کو لازم کرتے رہیں گے اور تم کو یہ بتاتے رہیں گے کہ اگر تم نے نیک کام نہیں کیے یا بُرے کاموں کا ارتکاب کیا تو تمہیں آخرت میں عذاب کا سامنا ہوگا۔

الزخرف: ۸۔۶ میں فرمایا: ''اور ہم (تم سے) پہلے لوگوں میں کئی نبی بھیج چکے ہیں O اور ان کے پاس جو بھی نبی آتا تھا وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے O سو ہم نے ان میں سے ان کو ہلاک کر دیا جن کی گرفت بہت سخت تھی اور پہلے لوگوں کی مثال گزر چکی ہے O''

یعنی پچھلی امتوں کا اپنے نبیوں کے ساتھ یہ طریقہ رہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں کو دین حق کی دعوت دیتے تھے اور ان سے فرماتے تھے کہ تم اللہ کی توحید پر اور ہماری نبوت پر ایمان لاؤ اور ان کی امتیں اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرتی تھیں اور انبیاء علیہم السلام کا مذاق اڑاتی تھیں اور اس میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتایا کہ اگر کفار مکہ اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرتے ہیں اور آپ کی نبوت کا مذاق اڑاتے ہیں تو آپ اس سے ملول خاطر نہ ہوں' یہ آپ کے ساتھ کوئی نیا معاملہ نہیں ہے' کیونکہ انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس پر جو مصیبت آئی ہے وہ دوسروں پر بھی آتی رہی ہے تو پھر اس کو وہ مصیبت اتنی شدید نہیں معلوم ہوتی۔

الزخرف: ۸ میں ''بطشا'' کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: کسی چیز کو شدت سے پکڑنا' یا کسی پر حملہ کر کے اس کو پکڑنا۔

نیز اس میں فرمایا ہے: اور پہلے لوگوں کی مثال گزر چکی ہے' یعنی قرآن مجید میں ان قوموں کا تذکرہ کئی مرتبہ گزر چکا ہے اور وہ قوم نوح' عاد' ثمود اور بنو اسرائیل وغیرہ ہیں۔

انسان کا ظلم اور اللہ تعالیٰ کا کرم

ان آیات میں یہ اشارہ ہے کہ انسان بہت ظالم اور جاہل ہے اور اللہ تعالیٰ بہت حلیم اور کریم ہے اور یہ اس کی ربوبیت کا فضل ہے کہ کفار اپنے مذموم اوصاف اور اپنے قبیح اخلاق کا بہت زیادہ اظہار کرتے ہیں اور انبیاء اور مرسلین کی تکذیب کرتے ہیں اور ان کو بہت ایذاء پہنچاتے ہیں' ان کا استہزاء کرتے ہیں' ان کو جسمانی اذیتیں پہنچاتے ہیں حتیٰ کہ ان کو قتل کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے' اسی طرح وہ اولیاء کرام کو بھی اذیتیں دیتے ہیں' اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنے رحم اور فضل کو منقطع نہیں کیا' ان کی طرف اپنے نبیوں کو مبعوث فرماتا رہا اور ان پر اپنی آسمانی کتابیں اور صحائف نازل فرماتا رہا اور ان کو اپنی طرف بلاتا رہا اور اپنی مغفرت اور اپنے عفو سے ان کو نوازتا رہا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ ان کو اس نے پیدا کیا ہے جو بہت غالب اور بے حد علم والا ہے O جس نے تمہارے لیے زمین کو (آرام کا) گہوارہ بنا دیا اور تمہارے لیے اس میں متعدد راستے بنا دیئے تاکہ تم ہدایت پا سکو O اور جس نے آسمان سے معین مقدار میں پانی نازل کیا' پھر ہم نے اس سے مردہ شہر کو زندہ کر دیا' اسی طرح تم زندہ کر کے نکالے جاؤ گے O (الزخرف: ۱۱۔۹)

انسان کی فطرت میں اللہ کی معرفت کا ہونا

یعنی اے رسول مکرم! اگر آپ کفار مکہ سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمینوں کو اور تمام اجرام علویہ اور سفلیہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ ضرور اعتراف کرتے ہوئے یہ کہیں گے کہ ان سب کو اس نے پیدا کیا ہے جو اپنے ملک میں اپنے حکم کو نافذ کرنے پر قادر ہے اور جو اپنی مخلوق کے تمام احوال کو جاننے والا ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ کفار یہ کہیں گے کہ "خلقھن العزیز العلیم". ان کو اس نے پیدا کیا ہے جو بہت غالب اور بے حد علم والا ہے۔ آیا کفار نے بعینہ یہ کہا تھا یا اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب کو اپنے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے' اس میں مفسرین کی دو رائیں ہیں: ایک رائے یہ ہے کہ کفار ایسا فصیح و بلیغ کلام کہنے پر قادر نہیں ہے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام سے ان کے قول کو تعبیر کیا ہے اور یہی رائے برحق ہے اور دوسری رائے یہ ہے کہ انہوں نے اسی طرح کہا تھا جس طرح اللہ نے اس کو نقل فرمایا ہے۔

اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ انسان کی فطرت میں اللہ تعالیٰ کی معرفت مرکوز ہے' یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے پوچھا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب نے کہا: کیوں نہیں! اس سے معلوم ہوا کہ سب انسانوں کی فطرت میں اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی توحید مرکوز ہے' لیکن اس دنیا میں اللہ تعالیٰ ان ہی لوگوں کو اپنی ذات کی طرف رہ نمائی کرتا ہے جنہوں نے اس معرفت کو سلامت رکھا ہے اور اس معرفت کو جہالت' اندھی تقلید اور عناد سے ضائع نہیں کیا۔

الزخرف: ۱۰ میں فرمایا: "جس نے تمہارے لیے زمین کو (آرام کا) گہوارہ بنا دیا اور تمہارے لیے اس میں متعدد راستے بنا دیئے تاکہ تم ہدایت پا سکو O"

زمین کے پیدا کرنے میں بندوں کے لیے نعمتیں

اس کا معنیٰ ہے کہ زمین کو تمہارے لیے پھیلا دیا تاکہ تم اس پر استقرار کر سکو اور زمین کو تمہارے لیے مسکن بنا دیا تاکہ تم اس پر بیٹھ سکو اور سو سکو اور تم اس پر اس طرح کروٹیں بدل سکو جس طرح تم اپنے بستر پر کروٹیں بدلتے ہو اور اس زمین میں تمہارے لیے متعدد راستے بنا دیئے' تاکہ جب تم کسی جگہ سفر پر روانہ ہو تو سہولت سے اپنی منزل تلاش کر سکو اور اپنے مقاصد کو حاصل کر سکو۔

الزخرف: ۱۱ میں فرمایا: "اور جس نے آسمان سے معین مقدار میں پانی نازل کیا' پھر ہم نے اس سے مردہ شہر کو زندہ کر دیا' اسی طرح تم زندہ کر کے نکالے جاؤ گے O"

بارش نازل کرنے سے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر استدلال

اس کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ نے اتنی مقدار میں آسمان سے بارش نازل فرمائی ہے جس سے اس کے بندوں اور شہروں کو فائدہ پہنچے اور ان کو نقصان نہ ہو' جیسے حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں آسمان سے بہت سخت بارش نازل ہوئی تھی' جس سے بہت مہیب طوفان آیا اور اس میں تمام کافر غرق ہو گئے اور عام اور غالب اوقات میں اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ ہے کہ وہ اتنی مقدار میں بارش نازل فرماتا ہے جس سے عام بندگان خدا اور مویشی فائدہ اٹھا سکیں اور کبھی بہت زیادہ بارش ہوتی ہے جس سے دریاؤں میں سیلاب آ جاتے ہیں اور اس سے فصلوں کو نقصان پہنچتا ہے اور کئی شہر زیر آب آ جاتے ہیں' بارش کا زیادہ ہونا' طوفانوں کا اٹھنا' زلزلوں کا آنا اور اسی طرح کی اور قدرتی آفات دراصل بندوں کے گناہوں کی وجہ سے آتی ہیں اور یہ فطرت

کے تازیانے ہیں جو ان کی اجتماعی کوتاہیوں اور اللہ تعالیٰ کے احکام سے مسلسل روگردانی اور بغاوت کی وجہ سے ظہور میں آتی ہیں۔

اس آیت میں ''انشرنا'' کا لفظ ہے' علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں:

النشر کا معنی ہے: پاکیزہ ہوا' عورت کے منہ کی ہوا اور نیند کے بعد سانس چھوڑنا اور میت کو زندہ کرنا اور نشور اور انشار کا معنی حیات ہے' خشک گھاس پر گرمیوں میں جب بارش ہو اور وہ گھاس سرسبز ہو جائے تو اس کو بھی نشر کہتے ہیں۔ (القاموس المحیط ص ۴۸۲' مؤسسة الرسالة' ۱۴۲۴ھ) یعنی بارش کے پانی سے ہم نے زمین کو زندہ کر دیا اور جس طرح بارش کے پانی سے زمین زندہ ہو جاتی ہے اسی طرح قیامت کے دن اللہ تعالیٰ قبروں سے مُردوں کو نکال کر ان کو زندہ فرمائے گا۔

اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روح کے آسمان سے ہدایت کا پانی نازل کیا اور اس سے مردہ دل کے شہر کو زندہ کر دیا' اسی طرح اللہ تعالیٰ بندہ کو اس کے وجود کی زمین کے اندھیروں سے نکال کر اللہ کے نور کی طرف نکال کر لاتا ہے اور جب تک ہدایت کے پانی سے اس کے مردہ دل کو زندہ نہ کر دیا جائے اس وقت تک وہ اپنے وجود کی زمین کے اندھیروں سے نہیں نکل سکتا اور جس طرح جب تک زمین کے اندر دبے ہوئے بیج تک بارش کا پانی نہ پہنچ جائے اس وقت تک اس میں روئیدگی کے آثار ظاہر نہیں ہوتے اسی طرح جب تک ہدایت اور رشد سے بندہ کا دل زندہ نہ ہو اس پر اللہ تعالیٰ کے نور کا فیضان نہیں ہوتا۔

حسن بصری کی والدہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین کی باندی تھیں' ایک دفعہ وہ کسی کام سے گئی ہوئیں تھیں۔ حسن بصری رو رہے تھے' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو بہلانے کے لیے اپنا پستان مبارک ان کے منہ میں دے دیا' وہ اس کو چوسنے لگے' اسی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں علم اور حکمت سے نوازا۔

(تہذیب الکمال ج ۴ ص ۲۹۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ' نبراس ص ۴۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس نے تمام چیزوں کے جوڑے بنائے اور تمہارے لیے کشتیاں اور چوپائے پیدا کیے جن پر تم سوار ہوتے ہو O تاکہ تم ان کی پیٹھوں پر جم کر سوار ہو سکو' پھر تم اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو جب تم اس پر سیدھے بیٹھ جاؤ اور تم یہ کہو کہ وہ ذات ہر عیب اور نقص سے پاک ہے جس نے اس سواری کو ہماری قدرت میں کر دیا اور ہم از خود اس پر قادر ہونے والے نہیں تھے O اور بے شک ہم اپنے رب کی طرف ضرور لوٹنے والے ہیں O اور انہوں نے بعض اللہ کے بندوں کو اس کا جز قرار دے دیا' بے شک انسان ضرور کھلا ہوا ناشکرا ہے O (الزخرف: ۱۵۔۱۲)

ازواج کی تخلیق سے توحید پر استدلال

الزخرف: ۱۲ میں فرمایا: ''اور جس نے تمام چیزوں کے جوڑے بنائے'' اس آیت کی تین تفسیریں کی گئی ہیں:

(۱) سعید بن جبیر نے کہا: ازواج سے مراد اقسام ہیں' یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی چیزوں کو پیدا فرمایا ہے۔

(۲) ابن عیسیٰ نے کہا: اس سے مراد ہے: حیوانات میں سے مذکر اور مؤنث پر مشتمل جوڑے پیدا فرمائے۔

(۳) حسن بصری نے کہا: ہر چیز کا اپنے مقابل سے مل کر ایک جوڑا ہے' جیسے سردی اور گرمی' رات اور دن' آسمان اور زمین' سورج اور چاند' جنت اور دوزخ وغیرہ۔

ایک چوتھی صورت بھی ہو سکتی ہے اور اس سے مراد انسانوں کے وہ احوال اور صفات ہیں جن میں وہ منتقل ہوتے رہتے ہیں' مثلاً خیر اور شر اور ایمان اور کفر' خوش حالی اور تنگ دستی اور صحت اور بیماری وغیرہ۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۲۱۷' بیروت)

بعض محققین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا ہر چیز زوج ہے' کیونکہ کسی چیز کا زوج (جوڑا) ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ فی نفسہ ممکن ہے اور اس کے وجود سے پہلے اس کا عدم ہے اور اللہ سبحانہ فرد ہے' وہ اس سے پاک ہے کہ کوئی اس کا مساوی یا اس کا مقابل ہو اور یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ سبحانہ فرد ہے اور زوجیت سے منزہ ہے' علماء نے اس پر دلائل قائم کیے ہیں کہ فرد (طاق) زوج (جوڑے) سے افضل ہے۔

(۱) کم سے کم زوج (جوڑا) دو ہے اور دو کا عدد دو وحدتوں سے حاصل ہوتا ہے' پس زوج اپنے تحقق میں فرد کا محتاج ہوتا ہے اور فرد اپنے تحقق میں زوج سے مستغنی ہوتا ہے اور مستغنی محتاج سے افضل ہوتا ہے۔

(۲) زوج دو مساوی قسموں میں بلا کسر منقسم ہو جاتا ہے اور فرد بلا کسر منقسم نہیں ہوتا اور تقسیم کو قبول کرنا انفعال اور تاثر ہے اور تقسیم کو قبول نہ کرنا قوت' شدت اور مقاومت ہے۔ پس فرد زوج سے افضل ہے۔

(۳) زوج کی دو قسمیں ذات' صفت اور مقدار میں مساوی ہوں گی اور ایک قسم میں جو کمال اور خوبی ہوگی وہ دوسری قسم میں بھی ہوگی اور فرد چونکہ دو قسموں پر منقسم نہیں ہوگا اس لیے اس میں جو کمال اور خوبی ہوگی وہ بے نظیر اور بے مثال ہوگی اور جو کمال بے نظیر اور بے مثال ہو وہ اس کمال سے افضل ہے جس کی نظیر اور مثال بھی ہو لہٰذا فرد' زوج سے افضل ہے۔

چوپایوں اور کشتیوں کی تخلیق سے توحید پر استدلال

اس کے بعد فرمایا: ''اور تمہارے لیے کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو O''

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ توحید پر دلائل قائم فرما رہا ہے اور بندوں کو نعمتیں عطا فرمانا بھی توحید کی دلیل ہے' کیونکہ انسان اپنی تمدنی اور معاشی ضروریات کی وجہ سے ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کی طرف سفر کرتا ہے اور یہ سفر خشکی میں ہوتا ہے یا سمندر میں اور خشکی میں سفر کے لیے اس نے چوپائے مثلاً گھوڑے اور اونٹ وغیرہ پیدا کیے اور سمندری سفر کے لیے اس نے کشتیاں اور بحری جہاز پیدا کیے اور چونکہ تمام دنیا میں سفر کا یہی واحد نظام رائج ہے اس سے معلوم ہوا کہ ان کا خالق بھی واحد ہے' کیونکہ نظام کی وحدت ناظم کے واحد ہونے کی دلیل ہے' ہر چند کہ سائنس کی تیز رفتار ترقی کی وجہ سے اب سفر کے اور ذرائع اور وسائل بھی حاصل ہو گئے ہیں' جیسے ٹرین اور طیارے لیکن بنیادی طور پر سفر کے اب بھی یہی ذرائع اور وسائل ہیں خصوصاً سمندری سفر کا عام اور ہمہ گیر ذریعہ اب بھی بحری جہاز ہی ہیں۔

الزخرف: ۱۴۔۱۳ میں فرمایا: ''تاکہ تم ان کی پیٹھوں پر جم کر سوار ہو سکو' پھر تم اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو جب تم اس پر سیدھے بیٹھ جاؤ اور تم یہ کہو کہ وہ ذات ہر عیب اور نقص سے پاک ہے جس نے اس سواری کو ہماری قدرت میں کر دیا اور ہم ازخود اس پر قادر ہونے والے نہیں تھے O اور بے شک ہم اپنے رب کی طرف ضرور لوٹنے والے ہیں O''

سفر پر روانہ ہونے کے وقت سواری پر بیٹھنے کے بعد کی دعا

اس آیت میں فرمایا ہے: پھر تم اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو' نعمت کو یاد کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس نعمت کا اپنے دل میں ذکر کرو اور اس پر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے فائدہ کے لیے سمندر کو پیدا کیا اور ہواؤں کو پیدا کیا اور ان چیزوں کو پیدا کیا جن سے تم کشتیاں اور جہاز بناتے ہو اور تمہارے دماغ میں ایسی سوچ اور فکر رکھی جس سے وہ جہاز بنا سکے اور ان تمام امور پر غور کرنے کے بعد ہر ایک کے دل میں بے اختیار یہ داعیہ اور باعثہ پیدا ہو کہ ایسے عظیم محسن کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اس کی اطاعت کرنی چاہیے۔

اور سواری پر سوار ہونے کے بعد یہ کہو کہ وہ ذات ہر عیب اور نقص سے پاک ہے جس نے اس سواری کو ہماری قدرت میں

کر دیا اور ہم از خود اس پر قادر ہونے والے نہیں تھے۔

عن علی ازدی ان ابن عمر علمهم رضی الله تعالی عنهما ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان اذا استوی علی بعیره خارجا الی سفر کبر ثلاثا ثم قال سبحان الذی سخرلنا هذا وما کنا له مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون اللهم نسئلک فی سفرنا هذا البر والتقوی ومن العمل ما ترضی اللهم هون علینا سفرنا هذا واطوعنا بعده اللهم انت الصاحب فی السفر والخلیفة فی الاهل اللهم انی اعوذ بک من وعثاء السفر وکابة المنظر وسوء المنقلب فی المال والاهل واذا رجع قالهن وزاد فیهن ائبون تائبون عابدون لربنا حامدون. (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۴۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۹۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۴۷)

علی ازدی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے انہیں بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کہیں سفر پر جانے کے لیے اونٹ پر سوار ہو جاتے تو تین بار اللہ اکبر فرماتے اور پھر یہ دعا پڑھتے: (ترجمہ:) سبحان ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے لیے مسخر کر دیا' ہم اس کو مسخر کرنے والے نہ تھے اور ہم اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ! ہم تجھ سے اپنے اس سفر میں نیکی اور پرہیزگاری کا سوال کرتے ہیں اور ان کاموں کا سوال کرتے ہیں جن سے تو راضی ہو۔ اے اللہ! ہمارے لیے اس سفر کو آسان کر دے اور اس کی مسافت تہہ کر دے' اے اللہ! اس سفر میں تو ہی ہمارا رفیق ہے اور ہمارے گھر میں نگہبان ہے۔ اے اللہ! میں سفر کی تکلیفوں سے' رنج و غم سے اور اپنے اہل اور مال سے بُرے انجام سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور جب آپ سفر سے لوٹ کر آتے تب بھی یہ دعا پڑھتے اور ان میں ان کلمات کا اضافہ کرتے: ہم واپس آنے والے ہیں' اللہ سے توبہ کرنے والے ہیں' اس کی عبادت کرنے والے ہیں اور اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں۔

اس دعا کے بعد قرآن مجید میں مذکور اس دعا کو بھی پڑھے:

رَبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ○ (المؤمنون: ۲۹)

اے میرے رب! مجھے برکت والی جگہ اتارنا اور تو بہترین اتارنے والا ہے ○

سفر سے واپسی کی دعا

عن عبد الله قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا قفل من الجیوش او السرایا او الحج او العمرة اذا اوفی علی ثنیة او فد فد کبر ثلثا ثم قال لا اله الا الله وحده لا شریک له له الملک وله الحمد وهو علی کل شیء قدیر. ائبون تائبون عابدون ساجدون لربنا حامدون صدق الله وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده. (جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۲۱۴۱)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر' جہاد' حج یا عمرہ سے واپس آتے اور کسی ٹیلے یا ہموار میدان پر پہنچتے تو تین بار اللہ اکبر کہنے کے بعد فرماتے: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' وہ ایک ہے' اس کا کوئی شریک نہیں' اسی کی حکومت ہے اور اسی کے لیے ستائش ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے' ہم لوٹ کر آنے والے ہیں' توبہ کرنے والے ہیں' عبادت کرنے والے ہیں' سجدہ کرنے والے ہیں اور اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں' اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کیا' اپنے بندے کی مدد کی اور تنہا تمام لشکروں کو شکست دی۔

جمال کا معنیٰ اور مویشیوں کا جمال

ہر چند کہ سائنس کی تیز رفتار ترقی کی وجہ سے اب طیاروں' ٹرینوں' بسوں اور کاروں کے ذریعہ سفر ہوتا ہے اور پہلے زمانہ کی طرح اب اونٹوں' گھوڑوں اور خچروں پر سفر کرنا متروک ہوگیا ہے لیکن اب بھی دیہاتوں میں' دشوار گزار پہاڑی علاقوں میں اور ریگستانوں میں ان مویشیوں پر سفر کیا جاتا ہے' اس لیے ہم مویشیوں کے بعض احکام بیان کر رہے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے النحل: ۹ میں فرمایا: ''ان مویشیوں میں تمہارے لیے جمال ہے'' حدیث میں ہے: اللہ جمیل ہے اور جمال سے محبت کرتا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۱) علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ بہت زیادہ حسن کو جمال کہتے ہیں اور جمال کی دو قسمیں ہیں: ایک جمال وہ ہے جو اس کے نفس یا اس کے بدن یا اس کے افعال میں ہو اور جمال کی دوسری قسم وہ حسن ہے جس کو وہ دوسروں تک پہنچائے' حدیث میں جو ارشاد ہے: اللہ جمیل ہے اور جمال سے محبت کرتا ہے' اس میں بھی اس امر پر متنبہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ دوسروں تک خیر اور خوبی کو پہنچاتا ہے اور ان ہی لوگوں سے محبت کرتا ہے جو دوسرے لوگوں تک نیکیوں اور اچھائیوں کو پہنچائیں۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۲۷' طبع مکہ مکرمہ)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے: جس چیز سے حسن اور زیبائش حاصل ہو وہ جمال ہے اور جمال حسن کو کہتے ہیں' ہمارے علماء نے کہا ہے کہ جمال جسمانی بناوٹ اور صورت میں بھی ہوتا ہے اور اخلاق باطنہ اور افعال میں بھی ہوتا ہے' شکل وصورت کا جمال وہ ہے جس کو آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے اور دل میں وہ صورت نقش ہو جاتی ہے اور اخلاق باطنہ کا جمال یہ ہے کہ انسان کی صفات خوب صورت ہوں' اس میں علم اور حکمت ہو' عدل اور عفت (پاک دامنی) ہو' وہ غصہ ضبط کرتا ہو اور ہر شخص کے ساتھ اچھائی کرتا ہو اور افعال کا جمال یہ ہے کہ اس کے افعال سے مخلوق کو فائدہ پہنچتا ہو اور وہ لوگوں کی مصلحتیں تلاش کرنے میں کوشاں رہتا ہو اور ان سے ضرر اور نقصان کو دور کرنے کے درپے رہتا ہو۔

مویشیوں کا جمال یہ ہے کہ ان کی جسمانی بناوٹ اور ان کی شکل وصورت دیکھنے میں اچھی لگتی ہو اور مویشیوں کی تعداد کا زیادہ ہونا بھی ان کے جمال میں داخل ہے کہ لوگ دیکھ کر یہ کہیں کہ یہ فلاں کے مویشی ہیں' کیونکہ جب مویشی زیادہ تعداد میں اکٹھے ہو کر چلتے ہیں تو اچھے لگتے ہیں' اسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اور ان میں تمہارے لیے حسن اور زیبائش ہے جب تم شام کو انہیں چرا کر واپس لاتے ہو اور جب صبح کو انہیں چراگاہ میں چھوڑتے ہو''۔

بکریوں' گایوں اور اونٹوں کے مقاصد اور وظائف خلقت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور وہ چوپائے تمہارا سامان لاد کر اس شہر تک لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر مشقت کے خود نہیں پہنچ سکتے تھے''۔

اللہ سبحانہ نے مویشی پیدا کرنے کا بالعموم احسان فرمایا اور ان میں سے اونٹوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا' کیونکہ وہ دوسرے جانوروں کی بہ نسبت بار برداری اور بوجھ اٹھانے کے زیادہ کام آتے ہیں' بکریوں کا دودھ دوہا جاتا ہے اور ان کو ذبح کر کے کھایا جاتا ہے اور بھیڑوں سے اون بھی حاصل کیا جاتا ہے اور ان کے چمڑے سے بہت کارآمد اور مفید چیزیں بنائی جاتی ہیں اور گائے اور بیلوں سے ان فوائد کے علاوہ ہل بھی چلایا جاتا ہے اور اونٹنیوں سے ان کے علاوہ ان پر بوجھ بھی لادا جاتا ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص گائے کو لے کر جا رہا تھا جس پر اس نے سامان لادا ہوا تھا' گائے نے اس کی طرف مڑ کر کہا: میں اس لیے پیدا نہیں کی گئی' لیکن میں ہل چلانے کے لیے پیدا کی گئی ہوں۔ لوگوں نے کہا: سبحان اللہ! اور انہوں نے تعجب اور خوف سے کہا: کیا گائے نے کلام کیا' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اور ابوبکر

اور عمر اس پر ایمان لے آئے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۸۸، السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۱۴۱۴)

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ گائے کو اس لیے نہیں پیدا کیا گیا کہ اس کے اوپر سواری کی جائے یا اس پر سامان لادا جائے وہ صرف ہل چلانے، نسل بڑھانے، اس کا دودھ پینے اور اس کو ذبح کر کے اس کا گوشت کھانے کے لیے پیدا کی گئی ہے۔

جانوروں کے ساتھ نرمی کرنے کی ہدایت

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ مویشیوں پر سواری کر کے سفر کرنا اور ان پر سامان لادنا جائز ہے، لیکن ان کی قوت برداشت سے زیادہ ان پر سامان نہ لادا جائے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کے ساتھ بھی نرمی اور ملائمت سے پیش آنے کا حکم دیا ہے اور ان کے چارہ اور دانہ کا خیال رکھنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم فصلوں کے سرسبز اور زرخیز ہونے کے زمانہ میں سفر کرو تو اونٹوں کو بھی زمین کی پیداوار سے حصہ دو اور جب تم قحط کے ایام میں سفر کرو تو سفر جلدی طے کرو اور جب تم رات کے پچھلے حصہ میں ہو تو راستہ میں قیام کرنے سے احتراز کرو کیونکہ رات میں وہ زمین کیڑے مکوڑوں کی آماجگاہ ہوتی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۲۶، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۸۱۴)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ مسیب بن آدم بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا: حضرت عمر بن الخطاب نے ایک شتربان کو مارا اور فرمایا: اونٹ پر اس کی طاقت سے زیادہ سامان نہ لادا کرو۔

جانوروں کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک میں یہ بھی داخل ہے کہ جب وہ کسی جانور سے ساری عمر کام اور خدمت لیں اور جب وہ جانور بوڑھا ہو جائے اور کام کے قابل نہ رہے تو اس کی دیکھ بھال میں کمی نہ کریں جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

یعلیٰ بن مرہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں تین چیزیں دیکھی ہیں جن کو مجھ سے پہلے کسی نے نہیں دیکھا، میں آپ کے ساتھ مکہ کے راستے میں تھا، آپ ایک عورت اور اس کے بیٹے کے پاس سے گزرے، اس کے بیٹے پر جنون کی کیفیت تھی، میں نے اس سے زیادہ جنون کسی میں نہیں دیکھا۔ اس عورت نے کہا: یا رسول اللہ! آپ میرے بیٹے کی حالت دیکھ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں اس کے لیے دعا کروں، آپ نے اس کے لے دعا کی، پھر وہاں سے چلے گئے، آپ کے پاس سے ایک اونٹ گزرا، وہ اپنی گردن دراز کر کے آپ سے بڑبڑا رہا تھا، آپ نے فرمایا: اس اونٹ کے مالک کو لاؤ، وہ آیا تو آپ نے فرمایا: یہ اونٹ کہہ رہا ہے: میں ان کے گھر میں پیدا ہوا اور یہ مجھ سے کام لیتے رہے، حتیٰ کہ اب جب میں بوڑھا ہو گیا ہوں تو یہ مجھے ذبح کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں، پھر آپ چلے گئے، آپ نے دو الگ الگ درخت دیکھے۔ آپ نے مجھ سے کہا: جاؤ ان درختوں سے جا کر کہو کہ آپس میں مل جائیں، وہ درخت مل گئے، آپ نے قضاء حاجت کی، آپ نے مجھ سے فرمایا: ان درختوں سے کہو کہ پھر الگ الگ ہو جائیں، پھر آپ چلے گئے، جب واپس اس بچہ کے پاس سے لوٹے تو وہ بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا اور اس کی ماں نے چھ مینڈھے مہیا کیے تھے جس میں سے دو مینڈھے آپ کو ہدیہ کیے اور کہنے لگی کہ اس کے بچہ کو پھر جنون نہیں ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من شیء الا یعلم انی رسول اللہ الا کفرۃ الجن والانس.

کافر جنات اور انسانوں کے سوا ہر چیز کو علم ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

(المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۲۶۲-۲۶۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

الزخرف: ۱۵ میں فرمایا: "اور انہوں نے بعض اللہ کے بندوں کو اس کا جز قرار دے دیا، بے شک انسان ضرور کھلا ہوا ناشکرا

ہے O"

اس آیت کی دو تفسیریں کی گئی ہیں: ایک یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بعض بندوں کو اللہ تعالیٰ کا جز یعنی اس کی اولاد قرار دے دیا۔ جیسے یہودیوں نے کہا: عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائیوں نے کہا: مسیح اللہ کے بیٹے ہیں اور مشرکین نے کہا: فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور عرب میں اولاد کے اوپر جز کا اطلاق کیا جاتا ہے' جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برسرِ منبر فرمایا: بنو ہشام بن المغیرہ نے مجھ سے اجازت طلب کی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح علی بن ابی طالب سے کر دیں' میں (اس کی) اجازت نہیں دیتا' میں پھر اجازت نہیں دیتا' میں پھر اجازت نہیں دیتا' سوا اس کے کہ علی بن ابی طالب میری بیٹی کو طلاق دے دیں اور وہ ان کی بیٹی سے نکاح کر لیں' کیونکہ فاطمہ میرے جسم کا جز ہے' جو چیز اس کو اذیت دے وہ مجھ کو اذیت دیتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۳۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۷۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۶۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۹۸' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۳۷۰)

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ مشرکین نے جب اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی معبود مان لیے تو انہوں نے تمام بندوں کو اللہ کے لیے نہیں مانا بلکہ انہوں نے کہا کہ بعض بندے ان کے خود ساختہ معبودوں کے ہیں اور بعض بندے اللہ کے ہیں' گویا اللہ کے بندوں کا ایک جز یا ایک حصہ تو اللہ کے لیے ہے اور باقی جز ان کے خود ساختہ خداؤں کا ہے۔

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا یَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّ اَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِیْنَ ﴿۱۶﴾ وَ اِذَا بُشِّرَ

تو کیا اس نے اپنی مخلوق میں سے اپنے لیے بیٹیاں بنائیں اور تمہارے لیے بیٹے مختص کر دیئے O حالانکہ ان میں سے کسی کو

اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ

جب اس کی بشارت دی جائے جس کے ساتھ اس نے رحمٰن کو متصف کیا ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غصہ پیتا

كَظِیْمٌ ﴿۱۷﴾ اَوَ مَنْ یُّنَشَّؤُا فِی الْحِلْیَةِ وَ هُوَ فِی الْخِصَامِ غَیْرُ مُبِیْنٍ ﴿۱۸﴾

رہتا ہے O اور کیا وہ جو زیورات میں پلتی ہو اور دورانِ بحث اپنا موقف واضح نہ کر سکے (وہ لڑکی اللہ کی اولاد ہو سکتی ہے؟) O

وَ جَعَلُوا الْمَلٰٓىِٕكَةَ الَّذِیْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ

اور انہوں نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیا جو رحمٰن کے بندے ہیں' کیا یہ لوگ ان کی پیدائش کے وقت گواہ تھے' ان کی

سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَ یُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ قَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا

یہ گواہی لکھ لی جائے گی اور عنقریب اس کے متعلق باز پرس ہو گی O اور انہوں نے کہا: اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان کی عبادت

عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۗ اِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ﴿۲۰﴾ ؕ اَمْ اٰتَیْنٰهُمْ

نہ کرتے' انہیں اس کا کچھ علم نہیں' وہ محض اٹکل پچو سے باتیں کرتے ہیں O کیا ہم نے اس سے

كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۱﴾ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا

پہلے انہیں کوئی کتاب دی ہے جس کو یہ مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں O نہیں! بلکہ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا

عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ

کو ایک دین پر پایا اور ہم ان ہی کے قدموں کے نشانات پر چل کر ہدایت پانے والے ہیں O اور اسی طرح ہم نے

قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا

آپ سے پہلے جس بستی میں بھی کوئی عذاب سے ڈرانے والا بھیجا تو وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے

عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ

باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم ان ہی کے قدموں کے نشانات کی پیروی کرنے والے ہیں O (اس نبی نے) کہا: خواہ

بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ

میں اس کی بہ نسبت ہدایت دینے والا دین لے کر آیا ہوں جس دین پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے انہوں نے کہا: جس دین کو دے کر

كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۵﴾ ع النصف

تمہیں بھیجا گیا ہے ہم اس کا کفر کرنے والے ہیں O پھر ہم نے ان سے انتقام لیا' سو دیکھئے تکذیب کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا O

ع ۲/۸ النصف

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو کیا اس نے اپنی مخلوق میں سے اپنے لیے بیٹیاں بنائیں اور تمہارے لیے بیٹے مختص کر دیئے O حالانکہ ان میں سے کسی کو جب اس کی بشارت دی جائے جس کے ساتھ اس نے رحمٰن کو متصف کیا ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غصہ پیتا رہتا ہے O اور کیا وہ جو زیورات میں پلتی ہو اور دوران بحث اپنا موقف واضح نہ کر سکے (وہ لڑکی اللہ کی اولاد ہو سکتی ہے؟) O (الزخرف: ۱۸-۱۶)

اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیوں کا ہونا محال ہے

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ان مشرکین کا رد فرمایا ہے جو فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے اور اس رد کے دو حصے ہیں: ایک حصہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا ہونا مطلقاً محال ہے کیونکہ اولاد والد کی جنس سے ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ واجب اور قدیم ہے' اگر اللہ تعالیٰ کی اولاد ہو تو وہ بھی واجب اور قدیم ہوگی اور اولاد والد سے مؤخر ہوتی ہے اور واجب اور قدیم کسی چیز سے مؤخر نہیں ہو سکتا' جو مؤخر ہو وہ حادث اور ممکن ہوتا ہے' نیز اس صورت میں تعدد وجباء لازم آئیں گے اور یہ بھی محال ہے' نیز ولد والد کا جز ہوتا ہے اور اس سے منفصل ہوتا ہے' پس اگر اللہ تعالیٰ کی اولاد ہو تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ ذو اجزاء ہو اور پہلے اس سے کوئی جز متصل ہو اور پھر منفصل ہو جائے اور جس چیز کے اجزاء ہوں اور وہ اتصال اور انفصال کا محل ہو وہ مرکب ہوتا ہے' پس اللہ تعالیٰ کا مرکب ہونا لازم آئے گا اور ہر مرکب حادث اور ممکن ہوتا ہے' پس اگر اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد مانی جائے تو

اس کا حادث اور ممکن ہونا لازم آئے گا اور یہ محال ہے' پس اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا ہونا بھی محال ہے۔

اور اس دلیل کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ اگر بہ فرض محال اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا ہونا ممکن ہو تب بھی اس کے لیے بیٹیوں کا ہونا محال ہے' کیونکہ بیٹا بیٹیوں سے افضل ہے' پس اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بیٹیاں بنائی ہوں اور مخلوق کے لیے بیٹے بنائے ہوں تو لازم آئے گا کہ مخلوق خالق سے افضل ہو اور یہ بداہت عقل کے نزدیک محال ہے' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنْثَىٰ ○ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ ○ (النجم: ٢٢-٢١) کیا تمہارے لیے لڑکے ہوں اور اللہ کے لیے لڑکیاں ہوں ○ یہ تو بہت ظالمانہ تقسیم ہے ○

عورتوں کے ناقص ہونے کی وجوہ

الزخرف: ١٧ میں فرمایا: ''حالانکہ ان میں سے کسی کو جب اس کی بشارت دی جائے جس کے ساتھ اس نے رحمٰن کو متصف کیا ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غصہ پیتا رہتا ہے ○''

اس آیت میں بھی بیٹیوں کی کمی اور ان کا نقص بیان فرمایا ہے کہ جیسے ہی کسی شخص کو یہ معلوم ہو کہ اس کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی ہے اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے' بعض اوقات وہ اپنا گھر چھوڑ کر نکل جاتا ہے اور بعض اوقات وہ بیٹی کو زندہ درگور کر دیتا ہے' وہ اس میں عار محسوس کرتا ہے کہ وہ کسی کے ہاتھ میں اپنی بیٹی کا رشتہ دے اور کسی کو اپنا داماد بنائے' وہ سمجھتا ہے کہ بیٹی کی وجہ سے اس کا سر ہمیشہ جھکا ہوا رہے گا' پھر بیٹی کے ناقص ہونے کی ایک اور وجہ یہ ہے:

الزخرف: ١٨ میں فرمایا: ''اور کیا وہ جو زیورات میں پلتی ہو اور دوران بحث اپنا مؤقف واضح نہ کر سکے (وہ لڑکی اللہ کی اولاد ہو سکتی ہے؟) ○''

عورت کے ناقص الخلقت ہونے پر یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ یا عید الفطر پڑھانے کے لیے عید گاہ میں گئے' آپ کا عورتوں کے پاس سے گزر ہوا تو آپ نے فرمایا: اے عورتوں کے گروہ! صدقہ کیا کرو' کیونکہ مجھے تمہاری بڑی تعداد دوزخ میں دکھائی گئی ہے' انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! کس وجہ سے؟ آپ نے فرمایا: میں نے تم سے زیادہ کوئی ناقص عقل اور ناقص دین ایسی نہیں دیکھی جو کسی ہوشیار مرد حاذق کی عقل کو سلب کرنے والی ہو' انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہمارے دین کا نقصان کیا ہے اور ہماری عقل کا نقصان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا یہ بات نہیں ہے کہ عورت کی گواہی مرد کی گواہی کے نصف کی مثل ہے' انہوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: یہ عورت کی عقل کا نقصان اور اس کی کمی ہے اور کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب عورت کی ماہواری کے ایام ہوتے ہیں تو وہ نماز پڑھتی ہے نہ روزہ رکھتی ہے' انہوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: یہ اس کے دین کا نقصان اور اس کی کمی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٠٤' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٨٠-٧٩' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ٤٦٧٩' سنن النسائی رقم الحدیث: ١٥٧٦-١٥٧٩' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤٠٠٣-١٢٨٨' جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ٧٣٩)

الزخرف: ١٨ میں فرمایا ہے کہ عورت اپنے مؤقف کو وضاحت سے نہیں بیان کر سکتی' حالانکہ بعض عورتیں بہت ذہین ہوتی ہیں اور بہت فصاحت اور بلاغت سے اپنا مؤقف بیان کرتی ہیں اور بحث مباحثہ میں غالب رہتی ہیں' احنف نے کہا: میں نے حضرت ابو بکر' حضرت عمر' حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے خطبات سنے ہیں لیکن اللہ کی قسم! میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی کو بلیغ نہیں پایا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: گفتگو کے جس دروازہ کو حضرت عائشہ نے بند کر دیا ہو اس دروازہ کو ان کے سوا اور کوئی نہیں کھول سکتا اور جب ایک مجلس میں حضرت عائشہ نے حضرت زینب کو لاجواب

کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ابو بکر کی بیٹی ہے۔(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۸۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۴۴۲)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ بہت ذہین ہیں اور ان کی فصاحت و بلاغت بہت قوی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید نے تمام عورتوں کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ وہ اپنا موقف وضاحت سے نہیں بیان کر سکتیں' بلکہ یہ حکم اکثر عورتوں کے متعلق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیا جو رحمٰن کے بندے ہیں' کیا یہ لوگ ان کی پیدائش کے وقت گواہ تھے' ان کی یہ گواہی لکھ لی جائے گی اور عنقریب اس کے متعلق باز پرس ہو گی O اور انہوں نے کہا: اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے' انہیں اس کا کچھ علم نہیں وہ محض اٹکل پچو سے باتیں کرتے ہیں O کیا ہم نے اس سے پہلے انہیں کوئی کتاب دی ہے جس کو یہ مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں O نہیں! بلکہ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم ان ہی کے قدموں کے نشانات پر چل کر ہدایت پانے والے ہیں O (الزخرف: ۲۲۔۱۹)

کفار کے اس قول کا رد کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں

اس آیت میں فرشتوں کے متعلق فرمایا ہے: جو رحمٰن کے بندے ہیں' اس میں کفار کا رد ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ رحمٰن کے بندے ہیں اور جو بیٹا یا بیٹی ہو اس کو غلام یا باندی نہیں بنایا جا سکتا' اگر کوئی شخص ناواقفی میں کسی غلام یا باندی کو خرید لے اور بعد میں پتا چلے کہ وہ اس کا بیٹا یا بیٹی ہے تو وہ فوراً آزاد ہو جائے گا' اس لیے کفار کا فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہنا غلط ہے کیونکہ درحقیقت وہ اللہ کے بندے ہیں۔

دوسرا رد یہ ہے کہ فرشتے اللہ کے پاس ہیں نہ کہ کفار کے پاس' پھر ان کو کیسے معلوم ہوا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار سے پوچھا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں؟ انہوں نے کہا: ہم نے یہ بات اپنے باپ دادا سے سنی ہے اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا اس قول میں جھوٹے نہیں ہیں کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کی شہادت لکھ لی جائے گی اور ان سے اس شہادت کے متعلق آخرت میں سوال کیا جائے گا۔(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ص ۶۸۔۶۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

کفار کے اس اعتراض کا جواب کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم بتوں کی عبادت نہ کرتے

الزخرف: ۲۰ میں فرمایا: ''اور انہوں نے کہا: اگر رحمان چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے' انہیں اس کا کچھ علم نہیں وہ محض اٹکل پچو سے باتیں کرتے ہیں O''

مشرکین نے اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہوئے یہ بات کہی' اللہ تعالیٰ کسی انسان کو جبراً ہدایت یافتہ بنانا نہیں چاہتا' اگر وہ جبراً ہدایت یافتہ بنانا چاہتا تو تمام انسانوں کو ہدایت یافتہ بنا دیتا' قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى (الانعام: ۳۵)
اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔

وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِىْ مَآ اٰتٰكُمْ (المائدہ: ۴۸)
اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا' لیکن وہ چاہتا ہے کہ جو کچھ تمہیں دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔

وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ؕ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ (الانعام: ۱۰۸)
اور اگر اللہ چاہتا تو یہ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان کے اوپر نگران نہیں بنایا۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا (یونس:۹۹)

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو روئے زمین کے لوگوں میں سے سب کے سب ایمان لے آتے۔

ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں یہ تھا کہ اگر وہ جبراً ہدایت دینا چاہتا تو سب کو ہدایت یافتہ بنا دیتا' یہ چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تو ہے لیکن اس کی حکمت میں نہیں ہے' اس کی حکمت کا منشاء یہ تھا کہ لوگ اپنے اختیار سے ایمان لائیں' اس نے تمام انسانوں کو اختیار دیا ہے اور جو انسان جس چیز کو اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس چیز کو پیدا کر دیتا ہے' وہ ایمان کو اختیار کرتا ہے تو اللہ اس کے لیے ایمان کو پیدا کر دیتا ہے اور اگر وہ کفر کو اختیار کرتا ہے تو اللہ اس کے لیے کفر کو پیدا کر دیتا ہے' تو یہ کفار بھی اگر ایمان کو اختیار کرتے اور ایمان لانے کا ارادہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کے لیے ایمان کو پیدا کر دیتا' اس لیے آخرت میں ان کا یہ قول غلط اور باطل ہے کہ اگر رحمان چاہتا تو ہم بتوں کی عبادت نہ کرتے' کیونکہ رحمان کسی کو جبراً مومن بنانا نہیں چاہتا۔

معتزلہ کا جبریہ پر اعتراض اور امام رازی کا جبریہ کی طرف سے جواب

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

معتزلہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ آیت جبریہ کے قول کے فساد پر دلالت کرتی ہے' جبریہ یہ کہتے ہیں کہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہوتا ہے اور اس آیت میں مذکور ہے کہ کفار نے کہا: اگر رحمان چاہتا تو ہم بتوں کی عبادت نہ کرتے' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ ان کو کچھ علم نہیں ہے' وہ صرف اٹکل پچو سے باتیں کرتے ہیں' اس آیت کا مفاد یہ ہے کہ گویا کفار نے کہا: ہم نے اللہ کے چاہنے اور اس کے ارادہ کی وجہ سے بتوں کی عبادت کی اور یہی جبریہ کا مذہب ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کو صراحتاً رد کر دیا کہ ان کو کچھ علم نہیں ہے' وہ محض اٹکل پچو سے باتیں کر رہے ہیں' لہٰذا جبریہ کا مسلک باطل ہو گیا۔ اس آیت کی نظیر سورۃ الانعام کی یہ آیت ہے:

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ○ (الانعام:۱۴۹)

عنقریب مشرکین یہ کہیں گے: اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا شرک کرتے اور نہ ہم کسی چیز کو حرام قرار دیتے' اسی طرح ان سے پہلوں نے تکذیب کی تھی حتیٰ کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزا چکھ لیا' آپ کہیے: کیا تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل ہے تو اس کو ہمارے سامنے لاؤ' تم لوگ صرف اپنے گمان کی پیروی کر رہے ہو اور تم محض اٹکل پچو سے باتیں کر رہے ہو○

امام رازی فرماتے ہیں: معتزلہ کے اس اعتراض کا برحق جواب وہ ہے جس کو ہم نے سورۃ الانعام کی تفسیر میں ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ کفار نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے کفر کا ارادہ کیا اور جب اس نے ان سے کفر کا ارادہ کیا تو اب اس کا ان کو ایمان لانے کا امر کرنا اور ایمان لانے کا حکم دینا جائز نہیں اور کفار کا اعتقاد یہ تھا کہ امر اور ارادہ کو مطابق ہونا چاہیے اور ہمارے نزدیک کفار کا یہ استدلال باطل ہے' پس کفار صرف اس وجہ سے مذمت کے مستحق نہیں ہوئے کہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کافر سے کفر کا ارادہ کرتا ہے' بلکہ وہ اس وجہ سے مذمت کے مستحق ہوئے کہ انہوں نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے ان سے کفر کا ارادہ کر لیا تو اب ان کو ایمان لانے کا حکم دینا اس کے لیے قبیح ہے اور جائز نہیں ہے اور جب ہم نے کفار کی مذمت کرنے کو اس طرف راجع کیا تو اب معتزلہ کا جبریہ پر جو اعتراض تھا وہ ساقط ہو گیا اور اس کی پوری تقریر سورۃ الانعام میں ہے۔

(تفسیر کبیر ج۹ص ۶۲۷-۶۲۶ ملخصاً داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

جبریہ کی حمایت میں سورۃ الانعام کی تقریر

سورۃ الانعام میں امام رازی نے جو تقریر کی ہے وہ اس طرح ہے:

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار سے یہ حکایت کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے انبیاء علیہم السلام کی نبوت کے باطل ہونے پر استدلال کرتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ ان کا استدلال باطل اور فاسد ہے کفار کے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ اگر تمام امور اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادہ سے ہوتے ہیں تو پھر انسانوں کو احکام شرعیہ سے مکلف کرنا عبث ہوگا اور انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کرنا بھی بے فائدہ ہوگا کیونکہ جب سب کام اللہ تعالیٰ کے چاہنے اور اس کے ارادہ سے ہو رہے ہیں تو پھر انبیاء علیہم السلام تبلیغ کریں یا نہ کریں لوگ وہی عمل کریں گے جو اللہ تعالیٰ چاہے گا پھر انبیاء علیہم السلام کا دعویٰ نبوت کرنا باطل ہوگا۔ بلکہ ان کی نبوت اور رسالت بھی باطل ہوگی پھر اللہ تعالیٰ نے یہ باطل فرمایا کہ کفار کا اس طریقہ سے انبیاء علیہم السلام کی نبوت کو باطل کرنا بجائے خود باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ معبود ہے وہ جو چاہے کرے اور جس چیز کا ارادہ کرے وہ حکم دے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کافر سے کفر کا ارادہ کرتا ہے اس کے باوجود وہ انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرماتا ہے اور کافر کو ایمان لانے کا حکم دیتا ہے اور ارادہ کے خلاف حکم دینا ممتنع نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار سے یہ نقل کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے استدلال کر کے انبیاء علیہم السلام کی نبوت کو باطل کرتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ ان کا استدلال باطل اور فاسد ہے کیونکہ تمام کاموں کا اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہونا انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو باطل نہیں کرتا پس معتزلہ کا جبریہ کے خلاف استدلال ساقط ہو گیا۔

(تفسیر کبیر ج۵ص۱۷۴ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

جبریہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل

اس کے بعد امام رازی اسی بحث میں یہ فرماتے ہیں:

پس ثابت ہو گیا کہ ظاہر قرآن اس پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کافر سے ایمان کا ارادہ نہیں کرتا اور عقلی دلیل بھی اسی پر دلالت کرتی ہے اور یہ جو کہا گیا ہے کہ اس آیت سے یہ مراد ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو کفار کو جبراً مومن بنا دیتا تو یہ کئی وجوہ سے باطل ہے:

(۱) ہم یہ کہتے ہیں کہ اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر اللہ ہدایت دینا چاہتا تو تم کو ہدایت دے دیتا اور تم یہ کہتے ہو کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر اللہ جبراً ہدایت دینا چاہتا تو تم کو ہدایت دے دیتا سو تم اس آیت کا معنیٰ کرنے کے لیے اس میں جبراً کا لفظ محذوف مانتے ہو لہٰذا تمہارا کیا ہوا معنیٰ مرجوح ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کافر کے ایمان اختیاری کا ارادہ کرتا ہے اور جبر سے جو ایمان حاصل ہوگا وہ ایمان غیر اختیاری ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہے اور اس صورت میں یہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مراد کے حصول پر قادر نہیں ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کا عاجز ہونا لازم آئے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مراد ایمان اختیاری ہے اور وہ اس کو حاصل کرنے پر قادر نہیں ہے پھر اللہ تعالیٰ کے عجز کا قول کرنا لازم ہوگا۔

(۳) اس بحث کا سمجھنا اس پر موقوف ہے کہ ایمان بالاختیار اور ایمان بالجبر کے درمیان فرق کیا جائے اور متکلمین نے ان کے درمیان جو فرق کیا ہے وہ یہ ہے کہ ایمان بالاختیار کے لیے بندہ کے دل میں ایمان کے داعی اور محرک کا ہونا ضروری ہے

اور یہ داعی اور محرک یا تو اس حیثیت سے ہوگا کہ اس کے بعد ایمان کا حصول واجب اور ضروری ہوگا یا اس داعیہ کے بعد ایمان کا حصول واجب نہیں ہوگا' اگر اس داعی کے بعد ایمان کا حصول واجب نہیں ہے تو اس داعی اور محرک کے بعد کبھی ایمان حاصل ہوگا اور کبھی ایمان حاصل نہیں ہوگا' پھر ایمان کے حصول کے لیے ایک اور داعی اور محرک کے وجود کو فرض کرنا پڑے گا اور اس سے تسلسل لازم آئے گا اور اگر اس داعی اور محرک کے بعد ایمان کا حصول واجب ہو تو پھر وہ داعی اور محرک اختیاری نہیں رہے گا بلکہ واجب اور ضروری ہو جائے گا اور متکلمین نے جو داعی ضروری اور داعی اختیاری میں فرق کیا ہے وہ فرق باطل ہو جائے گا۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۱۷۶' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

انسانوں کے لیے اختیار کے ثبوت میں مصنف کی تقریر

اس مقام پر تین چیزیں ہیں: ایک مشیت ہے' دوسری چیز اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور تیسری چیز اللہ تعالیٰ کا امر اور اس کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ اس وقت راضی ہوتا ہے جب اس کے امر اور اس کے حکم پر عمل کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کا ارادہ اس کی رضا اور اس کے حکم سے عام ہے۔

اس کائنات میں ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادہ سے ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ ہر چیز سے راضی نہیں ہوتا اور نہ ہر چیز کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے۔

جہاں تک انسانوں کے افعال کا تعلق ہے' انسانوں کے افعال کو اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے' لیکن اللہ تعالیٰ انسان کے اسی فعل کو پیدا کرتا ہے جس فعل کو انسان خود اختیار کرتا ہے' اور اسی اختیار کی بناء پر اس کو جزاء اور سزا دی جاتی ہے' اگر انسان کو اختیار نہ دیا گیا ہوتا تو پھر رسولوں کو بھیجنا' حساب اور کتاب لینا' میزان قائم کرنا' جزاء اور سزا دینا یہ تمام امور عبث اور بے کار ہو جائیں گے۔ قرآن مجید کی حسب ذیل آیات میں اس پر دلیل ہے کہ انسان کو اچھے اور بُرے کاموں اور ایمان اور کفر کا اختیار دیا گیا ہے اور اس کے نیک کاموں پر اس کو جزاء ملے گی اور بُرے کاموں پر وہ سزا کا مستحق ہوگا۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝ (الشمس: ۱۰۔۷)

قسم ہے نفس کی اور اس کو صحیح بنانے کی ۝ پھر اللہ نے اس نفس میں اس کی بُرائی اور بھلائی کا ادراک پیدا کر دیا ۝ جس نے نفس کو (گناہوں سے) پاک رکھا وہ کامیاب ہو گیا ۝ اور جس نے نفس کو ضائع کر دیا وہ ناکام ہو گیا ۝

اگر انسان کے نیک کام کرنے یا بُرے کام کرنے میں اس کا کوئی دخل اور اختیار نہ ہو تو یہ آیات عبث قرار پائیں گی۔

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ (البلد: ۱۰۔۸)

کیا ہم نے انسان کی دو آنکھیں نہیں بنائیں ۝ اور زبان اور دو ہونٹ نہیں بنائے ۝ اور کیا ہم نے اس کو (نیکی اور بدی کے) دونوں راستے نہیں دکھائے ۝

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ (العنکبوت: ۲)

کیا لوگوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ وہ کہیں گے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور ان کو چھوڑ دیا جائے گا اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی ۝

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۔ (البقرہ: ۲۸۶)

اللہ تعالیٰ ہر نفس کو اس کی طاقت کے مطابق مکلف فرماتا ہے۔

اور کسی بھی شخص کو مکلف کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کو کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا ہے' اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنے احکام کا مکلف کیا ہے' وہ اس کے احکام پر عمل کریں گے تو ان کو اجر و ثواب ملے گا اور اس کے احکام کی خلاف ورزی کریں گے تو ان کو اس کی سزا ملے گی' اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں اور درختوں کو اختیار نہیں دیا تو ان کو اپنے احکام کا مکلف بھی نہیں فرمایا اور انسانوں کو اختیار دیا ہے تو ان کو مکلف بھی فرمایا ہے۔

انسان کے با اختیار ہونے کی واضح مثال یہ ہے کہ جو انسان رعشہ میں مبتلا ہوتا ہے وہ چاہے نہ چاہے اس کے ہاتھ حرکت کرتے رہتے ہیں اور لرزتے اور کپکپاتے رہتے ہیں اور تندرست انسان اپنے اختیار سے اپنے ہاتھوں کو حرکت دیتا ہے' اسی طرح جس انسان کے ہاتھوں پر فالج ہو اس کے ہاتھ ساکت رہتے ہیں' وہ اپنے اختیار سے اپنے ہاتھوں کو حرکت نہیں دے سکتا اور تندرست انسان کا معاملہ اس طرح نہیں ہوتا۔

قرآن مجید کی مذکور الصدر آیات اور عقلی دلائل سے یہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو نیک اور بد افعال کرنے کا اختیار عطا فرمایا ہے اور وہ جس فعل کو اختیار کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ ان میں وہی فعل پیدا کر دیتا ہے اور انسانوں کو جمادات کی طرح بے اختیار اور مجبور پیدا نہیں فرمایا اور اس تقریر سے یہ معلوم ہو گیا کہ جبریہ کی حمایت میں امام رازی کا یہ فرمانا درست نہیں ہے کہ کافر کے کفر کا اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے اور اس کے چاہنے سے کافر کفر کرتا ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ کافر کفر کو اختیار کرتا ہے اور کفر کا ارادہ اور کسب کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے اختیار اور ارادہ کے مطابق کفر کو پیدا کرتا ہے' پس کفر کا' کاسِب کافر ہے اور کفر کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور تمام اعمال کا اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے لیکن ایمان اور اعمال صالحہ کے خلق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنی چاہیے اور کفر اور فسق کے خلق کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت نہیں کرنی چاہیے۔ اگرچہ دونوں کو اللہ تعالیٰ ہی خلق کرتا ہے۔

جبریہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے جوابات

اب ہم امام رازی کے عقلی دلائل کا جائزہ لیتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ○ (الانعام: ۱۴۹) پس اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا○

ہم کہتے ہیں کہ اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر اللہ جبراً ہدایت دینا چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا' امام رازی فرماتے ہیں: تم اس میں جبراً کا لفظ محذوف مانتے ہو اور ہم اس میں جبراً کا لفظ محذوف نہیں مانتے اور جو معنیٰ بغیر حذف مانے کیا جائے وہ بہتر ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ بعض اوقات قرآن مجید کی کسی آیت میں کوئی لفظ محذوف ہوتا ہے اور جب تک اس لفظ کو محذوف نہ مانا جائے تو معنیٰ صحیح نہیں بنتا' جیسے فرمایا ہے: ''وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ'' (یوسف: ۸۲) آپ اس بستی سے سوال کیجیے' یعنی بستی والوں سے۔

امام رازی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

یہاں مراد ہے: اھل قریۃ (بستی والوں) سے سوال کیجئے اور یہاں اختصار کی بناء پر مضاف کو حذف کر دیا گیا ہے اور مجاز کی یہ قسم لغت عرب میں مشہور ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۴۹۵' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سو اسی طرح الانعام: ۱۴۹ میں جبراً کا لفظ محذوف ہے' ورنہ ان تمام آیات کا خلاف لازم آئے گا جن میں انسان کے لیے اختیار ثابت فرمایا ہے۔

امام رازی کی دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافر کے ایمان اختیاری کا ارادہ کرتا ہے اور جبر سے جو ایمان حاصل ہوگا

وہ غیر اختیاری ہوگا' اس سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مراد کے حصول پر قادر نہ ہو اور عاجز ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مراد ایمان اختیاری ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ ایمان بالاختیار اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہے' بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوتا ہے کہ بندے اپنے اختیار سے اس پر ایمان لائیں اور وہ اپنے بندوں کے کفر سے راضی نہیں ہوتا' قرآن مجید میں ہے:

وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ (الزمر: ۷) اللہ اپنے بندوں کے کفر سے راضی نہیں ہوتا۔

یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ کی مراد حاصل نہ ہو البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس کی رضا حاصل نہ ہو۔

امام رازی کی تیسری دلیل یہ ہے کہ ایمان اختیاری داعیہ جازمہ اور ارادہ لازمہ پر موقوف ہے الخ' ہم کہتے ہیں کہ اس داعی اور محرک سے کیا مراد ہے' اللہ کے لیے داعی اور محرک ہو تو یہ صحیح نہیں ہے' اللہ تعالیٰ کو اپنے افعال کے لیے کسی داعی اور محرک کی ضرورت نہیں ہے اور اگر مخلوق کا داعی اور اس کا ارادہ جازمہ مراد ہے تو مخلوق اپنے افعال کی خالق نہیں ہے' وہ صرف اپنے افعال کی کاسِب ہے اور کسب کا معنیٰ ہے: ارادہ کرنا' مخلوق جس فعل کا ارادہ کرتی ہے اللہ اس میں وہ فعل پیدا کر دیتا ہے' اس کے لیے ایسے داعیہ جازمہ اور ارادہ لازمہ کی ضرورت نہیں ہے جس کے بعد فعل کا حصول واجب ہو کیونکہ یہ علت تامہ کی شان ہے اور مخلوق اپنے افعال کے لیے علت تامہ نہیں ہے' وہ صرف کاسِب ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ''فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ O'' کا یہی معنیٰ ہے کہ اگر اللہ جبراً ہدایت دینا چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا' لیکن اللہ انسانوں کو جبراً ہدایت دینا نہیں چاہتا کیونکہ اس نے انسان کو فاعل مختار بنایا ہے اور اس کی رضا اس میں ہے کہ انسان اپنے اختیار سے اس پر ایمان لائیں' اس آیت کی تفسیر میں گفتگو طویل ہو گئی لیکن میں یہ چاہتا تھا کہ جبریہ کی تائید میں جو کچھ بھی کہا جا سکتا ہے' اس کا مکمل جواب آ جائے۔

''مستمسکون'' کا معنیٰ

الزخرف: ۲۱ میں فرمایا: ''کیا ہم نے اس سے پہلے انہیں کوئی کتاب دی ہے جس کو یہ مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں O''

یعنی نزول قرآن سے پہلے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کو ایمان کی دعوت دینے سے پہلے کیا ہم نے ان کو ایسی کوئی کتاب دی تھی جس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ بتوں کی عبادت کرنا برحق ہے یا فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں تو وہ اس کتاب سے استدلال کر کے یا اس پر اعتماد کر کے بتوں کی عبادت کر رہے ہیں یا فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہہ رہے ہیں۔

اس آیت میں ''مستمسکون'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر استمساک ہے اور اس کا مادہ مسک ہے' مستمسکون کا معنیٰ ہے: چنگل سے پکڑنے والے اور اس سے مراد ہے: استدلال کرنے والے اور کسی چیز سے سند لانے والے' مسک میں رکنے یا روکنے کا معنیٰ ہوتا ہے' مسکة کا معنیٰ ہے: پانی رکنے کی جگہ' ممسک کا معنیٰ ہے: کنجوس یعنی مال کو روکنے والا' امساک کا معنیٰ ہے: رکنا' بند رکھنا' تمسک کا معنیٰ ہے: پنجہ میں پکڑنا اور استمساک کا معنیٰ ہے: مضبوطی سے پکڑنا' سند لانا' استدلال کرنا۔

(القاموس المحیط ص ۹۵۳' مؤسسة الرسالة' ۱۴۲۴ھ)

امت کے معانی

الزخرف: ۲۲ میں فرمایا: ''نہیں' بلکہ انہوں نے کہا: ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم ان ہی کے قدموں کے نشانات پر چل کر ہدایت پانے والے ہیں O''

اس آیت میں امت کا لفظ ہے جس کا ترجمہ ہم نے دین کیا ہے۔

امام راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

امت ہر اس گروہ اور جماعت کو کہتے ہیں جو کسی چیز میں مجتمع ہو اور اس کا کوئی جامع ہو' خواہ اس کا جامع دین واحد ہو یا زمان واحد ہو یا مکان واحد ہو' خواہ کسی چیز نے ان کو تسخیراً اور جبراً جمع کیا ہو یا اختیاراً جمع کیا ہو۔ تسخیراً جمع کرنے کی مثال یہ آیت ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ (الانعام: ۳۸) زمین پر چلنے والا ہر جاندار اور فضا میں اپنے پروں سے اڑنے والا ہر پرندہ تمہاری مثل ایک امت (گروہ) ہے۔

یعنی ان میں سے ہر گروہ کو اللہ تعالیٰ نے ایک مخصوص طبیعت میں مسخر کیا ہوا ہے' جیسے مکڑیوں کا گروہ بالطبع جالا بنانے والا ہے' یا بالطبع خوراک کا ذخیرہ بنانے والا ہے جیسے چیونٹیاں' یا گھونسلا بنانے والا ہے جیسے چڑیا اور اس طرح کے اور پرندے یا پھلوں اور پھولوں کا رس چوس کر ایک چھتے میں جمع کرنے والا ہے جیسے شہد کی مکھیاں۔

اور یا وہ گروہ اپنے اختیار سے ایک نظریہ پر قائم ہونے والا ہو' اس کی مثال یہ آیت ہے:

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ (البقرہ: ۲۱۳) یعنی سب لوگوں کا ایک ہی دین اور ایک ہی عقیدہ اور نظریہ تھا' وہ سب کفر اور گم راہی میں متفق اور مجتمع تھے' اسی طرح یہ آیت ہے:

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً (ھود: ۱۱۸) اور اگر آپ کا رب چاہتا تو سب لوگوں کو ایک امت بنا دیتا۔

یعنی سب لوگوں کو اللہ پر ایمان لانے میں مجتمع اور متحد کر دیتا۔

اور زمانے اور مدت کی مثال یہ آیت ہے:

وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ (یوسف: ۴۵) رہا ہونے والے قیدی کو ایک مدت کے بعد یاد آیا۔

(المفردات ج ۱ ص ۲۸' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے جس بستی میں بھی کوئی عذاب سے ڈرانے والا بھیجا تو وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم ان ہی کے قدموں کے نشانات کی پیروی کرنے والے ہیں O (اس نبی نے) کہا: خواہ میں اس کی بہ نسبت ہدایت دینے والا دین لے کر آیا ہوں جس دین پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے' انہوں نے کہا: جس دین کو دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے ہم اس کا کفر کرنے والے ہیں O پھر ہم نے ان سے انتقام لیا' سو دیکھئے تکذیب کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا O (الزخرف: ۲۵۔۲۳)

دنیاوی مال ومتاع کا مذموم ہونا

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ کفار اپنے آباء واجداد کی گم راہی اور کفر میں اندھی تقلید کر رہے ہیں اور اس کے سوا ان کے پاس اور کوئی دلیل نہیں ہے' نیز یہ فرمایا کہ اس بستی کے خوش حال اور آسودہ حال لوگوں نے اپنے کفر پر اپنے آباء واجداد کی تقلید کو دلیل بنایا' یعنی ان کی خوش حالی اور مال و دولت کی کثرت نے ان کو دنیا کی لذتوں اور شہوتوں میں اس قدر بدمست کر دیا کہ وہ آخرت سے بالکل بے بہرہ ہو گئے اور احادیث میں بھی اس کا بیان ہے کہ دنیا کی رنگینیوں اور عیش ونشاط سے انسان آخرت سے غافل ہو جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان لوگوں کا کیا حال ہے جو دولت مندوں کی تکریم کرتے ہیں اور عبادت گزاروں کی تخفیف کرتے ہیں اور قرآن مجید کی ان آیات پر عمل کرتے ہیں جو ان

کی خواہشوں کے موافق ہوں اور جو آیات ان کی خواہشوں کے خلاف ہوں ان کو چھوڑ دیتے ہیں اور ایسی صورت میں وہ قرآن کی بعض آیات پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا کفر کرتے ہیں اور اس چیز کے حصول کے لیے کوشش کرتے ہیں جو ان کو بغیر محنت کے حاصل ہو جائے' وہ ان کی تقدیر ہو یا رزق مقسوم ہو اور اس چیز کے حصول کے لیے کوشش نہیں کرتے جس میں محنت کرنی پڑتی ہے جو کہ آخرت میں ان کی وافر جزاء ہے اور ان کا وہ شکر ہے جس پر اجر ملتا ہے اور یہ وہ تجارت ہے جس میں گھاٹا نہیں ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۴۳۲' حافظ الہیثمی نے کہا: اس کی سند میں ایک راوی عمر بن یزید الرفاء ضعیف ہے' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۷۷۰۴)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص پر بھی دنیا کھول دی جاتی ہے' اللہ تعالیٰ ان پر قیامت تک کے لیے بغض اور عداوت ڈال دیتا ہے' حضرت عمر نے کہا: میں اس سے ڈرتا ہوں۔ (مسند احمد رقم الحدیث: ۹۳' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۶۰۹' امام بزار کی سند میں ابن لہیعہ نام کا ضعیف راوی ہے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تم پر فقر کا خطرہ نہیں ہے' لیکن مجھے تم پر مال کی کثرت کا خوف ہے اور مجھے تم پر خطاء کا خطرہ نہیں ہے لیکن مجھے تم پر عمد کا خطرہ ہے۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ۸۰۶۰' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۷۷۴۲)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلے لوگوں کو صرف دینار اور درہم نے ہلاک کر دیا اور یہ تم کو بھی ہلاک کرنے والے ہیں۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۳۶۱۳' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۱۰۲' امام بزار کی سند جید ہے۔ جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۵۵۸)

الزخرف: ۲۵۔۲۴ میں فرمایا: "(اس نبی نے) کہا: خواہ میں اس کی بہ نسبت ہدایت دینے والا دین لے کر آیا ہوں جس دین پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے' انہوں نے کہا: جس دین کو دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے ہم اس کا کفر کرنے والے ہیں O پھر ہم نے ان سے انتقام لیا' سو دیکھئے تکذیب کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا O"

"اھدی" کے معنیٰ میں مترجمین کی آراء

اس آیت میں "اھدی" کا لفظ ہے اور یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے' اس کا معنیٰ ہے: زیادہ ہدایت دینے والا' اسی لیے مترجمین نے اس کا معنیٰ اسم تفضیل کے اعتبار سے کیا ہے۔

شیخ محمود حسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

وہ بولا اور جو میں لا دوں تم کو اس سے زیادہ سوجھ کی راہ جس پر پایا تم نے اپنے باپ دادوں کو۔

اور شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

ان کے پیغمبر نے کہا کہ کیا (رسم آباء ہی کا اتباع کیے جاؤ گے) اگرچہ میں اس سے اچھا مقصود پر پہنچا دینے والا طریقہ تمہارے پاس لایا ہوں کہ جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔

اور ہم نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح لکھا ہے اور اسم تفضیل کو مجازاً صفت مشبہ پر محمول کیا ہے:

"(اس نبی نے) کہا: خواہ میں اس کی بہ نسبت ہدایت دینے والا دین لے کر آیا ہوں جس دین پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے"۔

تھانوی صاحب اور شیخ محمود حسن کے ترجموں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کافروں کے آباء واجداد کا دین بھی ہدایت دینے والا تھا لیکن پیغمبروں کا دین زیادہ ہدایت دینے والا ہے' جب کہ ہمارے ترجمہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ہدایت دینے والا وہی دین

ہے جس کو انبیاء علیہم السلام نے پیش کیا ہے اور کافروں کے دین میں ہدایت نہیں ہے۔

دوسری آیت میں فرمایا ہے: ''ہم نے ان سے انتقام لیا''۔ یعنی ان پر قحط مسلط کیا اور ان پر عبرت ناک عذاب نازل کیا جس سے ان کافروں کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا اور فرمایا: ''سو دیکھئے! تکذیب کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا''۔

تکذیب سے مراد ہے: رسولوں کی تکذیب' یعنی جن کافروں نے رسولوں کی تکذیب کی تھی اور ان کے لائے ہوئے دین کا مذاق اڑایا تھا اور اس کو قبول کرنے سے انکار کیا تھا' ان پر کیسا عبرت ناک عذاب آیا۔

تقلید کی تحقیق

ان آیات میں تقلید کی مذمت کی گئی ہے' تقلید کی تعریف ہے: کسی دوسرے شخص کے قول کو بلا دلیل قبول کرنا' یہ تقلید احکام فرعیہ اور عملیات میں جائز ہے اور اصول دین اور اعتقادات میں جائز نہیں ہے بلکہ اصول دین اور اعتقادات میں غور و فکر کرنا اور دلائل سے کام لینا ضروری ہے' البتہ فقہاء احناف اور غیر مقلدین دونوں کے نزدیک مقلد کا ایمان صحیح ہے' مثلاً مقلد کا ایمان ہے کہ یہ جہان ممکن اور حادث ہے اور اللہ تعالیٰ واجب الوجود' قدیم اور واحد ہے اور تمام رسول صادق ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے جو پیغام لے کر آئے وہ پیغام برحق ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیہاتیوں کا' بچوں کا' عورتوں کا اور غلاموں اور باندیوں کا ایمان قبول فرمایا اور ان کو دلیل کی تعلیم نہیں دی اور نہ ان سے اللہ کے واحد ہونے کی یا اپنے رسول ہونے کی دلیل پوچھی' حدیث میں ہے:

حضرت عمر بن الحکم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری ایک باندی میری بکریاں چراتی تھی' میں اس کے پاس گیا تو میری بکریوں میں سے ایک بکری کم تھی' میں نے اس سے اس کے متعلق سوال کیا' اس نے کہا: اس بکری کو بھیڑیا کھا گیا' مجھے اس کا افسوس ہوا اور میں بھی بنو آدم سے ہوں' میں نے اس کو ایک تھپڑ مارا' مجھ پر ایک غلام کو آزاد کرنا ہے' کیا میں اس باندی کو آزاد کر دوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باندی سے پوچھا: اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا: آسمان میں' آپ نے پوچھا: میں کون ہوں؟ اس نے کہا: آپ رسول اللہ ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو آزاد کر دو۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۵۳۴' دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سیاہ فام باندی لے کر آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! مجھ پر ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا لازم ہے' آپ دیکھیں' اگر یہ باندی مومن ہے تو میں اس کو آزاد کر دوں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باندی سے کہا: کیا تم یہ شہادت دیتی ہو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: کیا تم یہ شہادت دیتی ہو کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: کیا تم کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا یقین ہے' اس نے کہا: جی ہاں! تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو آزاد کر دو۔

(موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۵۳۵' دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

ان دونوں حدیثوں میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باندی کا ایمان قبول فرمایا اور اس سے اللہ اور اس کے رسول کے ماننے اور مرنے کے بعد اٹھنے کے ایمان پر کسی دلیل کو طلب نہیں فرمایا۔

البتہ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اگر مقلد اپنے عقائد پر غور و فکر کر کے ان پر دلیل قائم نہ کر سکے تو وہ گنہ گار ہو گا' کیونکہ اس پر غور و فکر کرنا واجب ہے' اسے چاہیے کہ وہ اثر سے موثر پر اور مصنوع سے صانع پر استدلال کرے اور جو شخص مسلمانوں کے شہر

میں پیدا ہوا اور اس نے اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی عجیب و غریب چیزوں کو دیکھ کر سبحان اللہ کہا' وہ تقلید کی حد سے نکل گیا اور وہ دلیل اور حجت سے اللہ پر ایمان لانے والا ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖۤ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور یاد کیجئے جب ابراہیم نے اپنے (عرفی) باپ اور اپنی قوم سے کہا: بے شک میں ان سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو O

اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ﴿۲۷﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ

سوا اس ذات کے جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے عنقریب (مزید) ہدایت دے گا O اور انہوں نے اس (عقیدہ توحید)

عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلْ مَتَّعْتُ هٰۤؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى

کو اپنی نسل میں باقی رکھا تاکہ ان کی اولاد اسی عقیدہ کی طرف رجوع کرے O بلکہ میں نے ان کو اور ان کے باپ دادا

جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۹﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا

کو (دنیاوی) فائدہ پہنچایا حتیٰ کہ ان کے پاس حق آ گیا اور صاف صاف بیان کرنے والا رسول O اور جب ان کے پاس حق پہنچ

سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ

گیا تو انہوں نے کہا: یہ جادو ہے اور ہم اس کا کفر کرنے والے ہیں O اور انہوں نے کہا: یہ قرآن ان دو شہروں (مکہ

مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ

اور طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل ہوا O کیا یہ (کفار) آپ کے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں؟ ہم نے ان کی

قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ

دنیاوی زندگی میں ان کی روزی تقسیم کی ہے اور ہم نے دنیاوی روزی میں بعض کو بعض پر کئی درجے فوقیت

بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ

دی ہے کہ انجام کار یہ ایک دوسرے کا مذاق اڑائیں اور آپ کے رب کی رحمت اس مال سے بہت بہتر ہے

خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً

جس کو یہ جمع کر رہے ہیں O اور اگر ایسا نہ ہوتا کہ تمام لوگ کافروں کا گروہ بن جاتے تو ہم

لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّ

رحمٰن کا کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھت چاندی کی بنا دیتے اور ان

مَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا

کی وہ سیڑھیاں جن پر وہ چڑھتے ہیں O اور ان کے گھروں کے دروازے اور جن تختوں پر وہ ٹیک

يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿٣٤﴾ وَزُخْرُفًا ۭ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ

لگاتے ہیں ان کو بھی چاندی کا بنا دیتے O (چاندی کے علاوہ) سونے کا بھی بنا دیتے اور یہ سب دنیاوی زندگی کا عارضی سامان

وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٣٥﴾ ع

ہے اور آخرت کا اجر آپ کے رب کے پاس (صرف) متقین کے لیے ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یاد کیجئے جب ابراہیم نے اپنے (عرفی) باپ اور اپنی قوم سے کہا: بے شک میں ان سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو O سوا اس ذات کے جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے عنقریب (مزید) ہدایت دے گا O اور انہوں نے اس (عقیدہ توحید) کو اپنی نسل میں باقی رکھا تا کہ ان کی اولاد اسی عقیدہ کی طرف رجوع کرے O (الزخرف: ۲۸-۲۶)

کفار مکہ کی بت پرستی کے خلاف اسوۂ ابراہیم سے استدلال

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ کفار اور مشرکین کی بت پرستی اور ان کے شرک کا سبب ان کے آباء و اجداد کی اندھی تقلید ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ اصول اور عقائد میں تقلید کرنا باطل ہے اور عقائد کو دلائل سے ماننا چاہیے اور اب اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ ایک اور طریقہ سے بیان فرما رہا ہے۔

عرب کے لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا جد امجد مانتے تھے اور ان کی اولاد ہونے پر فخر کرتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عرفی باپ یعنی ان کے چچا آزر شرک کرتے تھے' اگر عقائد میں تقلید کرنا برحق ہوتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام آزر کی اور اپنی قوم کے آباء و اجداد کی تقلید کرتے اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عقائد میں تقلید نہیں کی اور ان کے شرک اور ان کی بت پرستی سے اعراض کیا اور بیزاری کا اظہار کیا تو واضح ہو گیا کہ عقائد میں باپ دادا کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے بلکہ دلیل اور حجت کے ساتھ عقائد کو اپنانا چاہیے۔

الزخرف: ۲۷ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے خالق کا استثناء فرمایا اور کہا: جن کی تم عبادت کرتے ہو ان سے میں بیزار ہوں' سوا اللہ عزوجل کے اور یہ استثناء منقطع ہے' نیز فرمایا: اور وہی مجھے عنقریب (مزید) ہدایت دے گا' حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے ہی ہدایت یافتہ تھے' لیکن اللہ تعالیٰ کی معرفت کے مراتب غیر متناہی ہیں' یعنی اللہ تعالیٰ ان کو ایک مرتبہ کے بعد دوسرے مرتبہ کی طرف ہدایت دے گا۔

الزخرف: ۲۸ میں فرمایا: ''اور انہوں نے اس (عقیدہ توحید) کو اپنی نسل میں باقی رکھا تا کہ ان کی اولاد اس عقیدہ کی طرف رجوع کرے''۔

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں قیامت تک ضرور ایسے لوگ رہیں گے جو عقیدہ توحید پر قائم ہوں گے اور جو ان میں سے مشرک ہو گیا اس کے متعلق بھی توقع ہے کہ وہ عقیدہ توحید کی طرف رجوع کرے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے متعلق یہ دعا کی تھی کہ:

وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ O (ابراہیم: ۳۵) — اور مجھے اور میرے بیٹوں کو اس سے محفوظ رکھنا کہ ہم بتوں کی عبادت کریں O

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو یہ وصیت کی تھی کہ تم تادم مرگ اسلام پر قائم رہنا' قرآن مجید میں ہے:

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ O — ابراہیم اور یعقوب نے اپنے بیٹوں کو یہ وصیت کی کہ اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لیے اس دین کو پسند فرمالیا ہے' پس تم تادم مرگ اسلام پر ہی قائم رہنا O (البقرہ: ۱۳۲)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کی برکت سے قیامت تک ان کی نسل میں ایسے لوگ آتے رہیں گے جو عقیدہ توحید پر قائم ہوں گے۔ اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ جو شخص محض اپنی عقل سے اللہ تعالیٰ کی معرفت کا دعویٰ کرے اور انبیاء علیہم السلام کی وساطت کے بغیر اللہ تعالیٰ تک رسائی کا دعویٰ کرے اس کا دعویٰ جھوٹا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بلکہ میں نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو (دنیاوی) فائدہ پہنچایا حتیٰ کہ ان کے پاس حق آ گیا اور صاف صاف بیان کرنے والا رسول O اور جب ان کے پاس حق پہنچ گیا تو انہوں نے کہا: یہ جادو ہے اور ہم اس کا کفر کرنے والے ہیں O اور انہوں نے کہا: یہ قرآن ان دو شہروں (مکہ اور طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل ہوا O کیا یہ کفار اپنے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں' ہم نے ان کی دنیاوی زندگی میں ان کی روزی تقسیم کی ہے اور ہم نے دنیاوی روزی میں بعض کو بعض پر کئی درجے فوقیت دی ہے کہ انجام کار یہ ایک دوسرے کا مذاق اڑائیں اور آپ کے رب کی رحمت اس مال سے بہت بہتر ہے جس کو یہ جمع کر رہے ہیں O (الزخرف: ۳۲۔۲۹)

اہل مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور ان کا کفر اور استہزاء

الزخرف: ۲۹ میں کلام سابق سے اضراب ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ توقع پوری نہیں ہوئی کہ ان کی تمام اولاد عقیدہ توحید اور اسلام پر قائم رہے' اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو اہل مکہ تھے وہ نسل ابراہیم سے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو دنیاوی نعمتیں اور آسائشیں دیں' وہ ان نعمتوں اور ان کی لذتوں میں ڈوب کر عقیدۂ توحید اور اسلام کے احکام سے غافل ہو گئے حتیٰ کہ جب ان لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کا برحق کلام یعنی قرآن مجید آ گیا اور قرآن مجید کے احکام کو صاف صاف بیان کرنے والا رسول آ گیا جس کی رسالت اس کے پیش کردہ معجزات کی وجہ سے بالکل ظاہر تھی اور جو اللہ تعالیٰ کی توحید کو دلائل سے بیان کرنے والا تھا تو۔۔۔۔۔

الزخرف: ۳۰ میں فرمایا: ''اور جب ان کے پاس حق پہنچ گیا تو انہوں نے کہا: یہ جادو ہے اور ہم اس کا کفر کرنے والے ہیں O'' یہ لوگ عقیدۂ توحید سے غافل ہو چکے تھے اور جب ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کو خواب غفلت سے جگانے کے لیے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف رہ نمائی کرنے کے لیے آئے تو انہوں نے آپ کا اور آپ کے پیغام کا اور قرآن مجید کا انکار کیا اور کہا: ''یہ جادو ہے اور ہم اس کا انکار کرنے والے ہیں''۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنا اور اللہ تعالیٰ کا کفر کرنا اہل دوزخ کی صفت ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے قہر کے آثار سے

ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا یہ اہل جنت کی صفت ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے لطف کے آثار سے ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا: میرا ہر امتی جنت میں داخل ہوگا' سوا اس کے جو انکار کرے گا' صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! انکار کرنے والا کون ہے؟ آپ نے فرمایا: جو میری نافرمانی کرے گا وہ میرا انکار کرے گا۔

(المستدرک ج ۱ ص ۵۵ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۱۸۲' المکتبۃ العصریہ' ۱۴۲۰ھ' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۲۸۰' مسند احمد ج ۲ ص ۳۶۱)

صحیح بخاری کی روایت میں یہ اضافہ ہے: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فرشتے آئے' اس وقت آپ سو رہے تھے' بعض نے کہا: یہ سوئے ہوئے ہیں اور بعض نے کہا: ان کی آنکھیں سوئی ہوئی ہیں اور دل بیدار ہے' پھر انہوں نے کہا: اپنے اس صاحب کی کوئی مثال بیان کرو' پھر بعض نے کہا: یہ سوئے ہیں اور بعض نے کہا: ان کی آنکھیں سوئی ہوئی ہیں اور دل بیدار ہے' پھر انہوں نے کہا: ان کی مثال اسی طرح ہے جیسے کسی شخص نے ایک گھر بنایا اور اس میں ایک دستر خوان بچھا دیا اور ایک دعوت دینے والے کو بھیجا' پس جس شخص نے اس داعی کی دعوت قبول کی وہ گھر میں داخل ہوا اور اس نے دستر خوان سے کھایا اور جس نے دعوت قبول نہیں کی وہ گھر میں داخل نہیں ہوا اور اس نے دستر خوان سے نہیں کھایا۔ پھر فرشتوں نے کہا: اس مثال کی وضاحت کرو تا کہ یہ اس کو سمجھیں۔ پس بعض فرشتوں نے کہا: یہ سوئے ہوئے ہیں اور بعض نے کہا: ان کی آنکھیں سوئی ہوئی ہیں اور دل بیدار ہے' تب انہوں نے کہا: دار سے مراد جنت ہے اور داعی (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' پس جس نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کر لی اور جس نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۲۸۱' جامع المسانید والسنن مسند جابر بن عبد اللہ رقم الحدیث: ۱۰۶)

کفار کے اس اعتراض کا جواب کہ قرآن کسی بڑے آدمی پر نازل ہونا چاہیے تھا

الزخرف: ۳۱ میں فرمایا: "اور انہوں نے کہا: یہ قرآن دو شہروں (مکہ اور طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل ہوا O"

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے لکھا ہے کہ ان دو شہروں سے مراد مکہ اور طائف ہیں اور مکہ کے بڑے آدمی کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد الولید بن المغیرہ ہے۔

(۲) مجاہد نے کہا: اس سے مراد عتبہ بن ربیعہ ہے۔

اور طائف کے بڑے آدمی کے متعلق چار قول ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد حبیب بن عمر ثقفی ہے۔

(۲) مجاہد نے کہا: اس سے مراد عمیر بن عبد یالیل ثقفی ہے۔

(۳) قتادہ نے کہا: اس سے مراد عروہ بن مسعود ہے۔

(۴) السدی نے کہا: اس سے مراد کنانہ عبد بن عمرو ہے۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۲۲۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

الزخرف: ۳۲ میں فرمایا: ''کیا یہ کفار اپنے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں؟ ہم نے ان کی دنیاوی زندگی میں ان کی روزی تقسیم کی ہے اور ہم نے دنیاوی روزی میں بعض کو بعض پر کئی درجہ فوقیت دی ہے کہ انجام کار یہ ایک دوسرے کا مذاق اڑائیں اور آپ کے رب کی رحمت اس مال سے بہتر ہے جس کو یہ جمع کر رہے ہیںO''

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجا تو عرب نے اس کا انکار کیا' ان میں سے بعض نے کہا: اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے کہ اس کا رسول (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مثل بشر ہو' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ. (یونس: ۲)

کیا لوگوں کو اس پر تعجب ہے کہ ہم نے ان ہی میں سے ایک شخص پر وحی کی کہ آپ تمام لوگوں کو ڈرایئے۔

اور فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِىٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَO (النحل: ۴۳)

ہم نے آپ سے پہلے بھی صرف مردوں کو رسول بنا کر بھیجا ہے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے' پس اگر تم نہیں جانتے تو علم والوں سے دریافت کر لوO

یعنی اہل کتاب سے دریافت کر لو کہ آیا تمہارے پاس بشر رسول بن کر آئے تھے یا فرشتے' پس اگر تمہارے پاس فرشتے آئے تھے خواہ وہ بشر ہوں تو تم کیوں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رسول ہونے کا انکار کرتے ہو اور نیز فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِىٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى. (یوسف: ۱۰۹)

اور ہم نے آپ سے پہلے بستیوں والوں میں جس قدر رسول بھیجے وہ صرف مرد ہی تھے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔

یعنی وہ سب رسول بستیوں والوں میں سے تھے' ان میں سے کوئی رسول آسمان والوں میں سے نہ تھا جیسا کہ تمہارا زعم ہے کہ رسول کو فرشتہ ہونا چاہیے' جب ان کے رد میں یہ متواتر آیات نازل ہوئیں تو انہوں نے یہ اعتراض کیا کہ اگر رسول کو بشر ہی ہونا ہے تو (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے علاوہ دوسرے لوگ رسالت کے زیادہ مستحق ہیں' انہوں نے کہا:

لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍO (الزخرف: ۳۱)

یہ قرآن ان دو شہروں (مکہ اور طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل ہواO

ان کی مراد یہ تھی کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے زیادہ اشرف مکہ کا ولید بن مغیرہ مخزومی ہے اور طائف کا مسعود بن عمرو ثقفی ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی: کیا آپ کے رب کی رحمت یعنی اس کی رسالت کو یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں؟ بلکہ اپنی رحمت اور کرامت کو ہم ہی تقسیم کرتے ہیں' پس ہم جس کو چاہتے ہیں رسول بنا دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں صدیق بنا دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں خلیل بنا دیتے ہیں' جس طرح ہم دنیاوی زندگی میں جس کو چاہتے ہیں جتنی چاہتے ہیں اس کو اتنی روزی عطا فرماتے ہیں اور ہم نے دنیاوی روزی میں بعض کو بعض سے زیادہ بلند درجہ عطا فرمایا ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۸۴۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

دنیاوی زندگی کی معیشت میں بعض فاضل ہیں اور بعض مفضول ہیں' بعض رئیس ہیں بعض مرؤوس ہیں' بعض غنی ہیں اور بعض فقیر ہیں' بعض حکام ہیں اور بعض عوام ہیں۔

نیز فرمایا: ''اور آپ کے رب کی رحمت اس سے بہتر ہے جس کو یہ جمع کر رہے ہیں'' ایک تفسیر یہ ہے کہ اس رحمت سے مراد نبوت ہے اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس رحمت سے مراد جنت ہے اور تیسری تفسیر یہ ہے کہ تمام فرائض کی ادائیگی بہ کثرت نوافل پڑھنے سے بہتر ہے' چوتھی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بندوں کو جو اجر عطا فرمائے وہ اس سے بہتر ہے جو بندے اس سے اپنے اعمال کی جزاء کو طلب کریں۔

کفار مکہ نے یہ کہا تھا کہ قرآن کسی عظیم آدمی پر نازل ہونا چاہیے تھا' ان کا یہ کہنا اس لیے غلط اور باطل تھا کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ عظیم آدمی وہ ہوتا ہے کہ جس کے پاس مال اور دولت زیادہ ہو اور جس کے ماتحت زیادہ آدمی ہوں اور جس کے پاس اسلحہ اور ہتھیار بہت ہوں' ان کا یہ سمجھنا غلط اور باطل تھا' ان چیزوں سے کوئی شخص بڑا آدمی نہیں بنتا' بڑا آدمی اور عظیم انسان وہ شخص ہوتا ہے جس کا کردار عظیم ہو' جس کے اخلاق بلند ہوں' جس کو دنیا صادق اور امین کے نام سے پہچانتی ہو' جو یتیموں اور بیواؤں کی پرورش کرتا ہو' جو کمزوروں کا سہارا ہو' جو پاک باز اور عفت مآب ہو' جو مہمانوں کی تکریم کرتا ہو' مظلوموں کی دادرسی کرتا ہو' جو جان کے دشمنوں پر بھی قابو پانے کے بعد ان کو معاف کر دیتا ہو' جو حق بات کہتا ہو' جو اس قدر بہادر ہو کہ حق بات کے خلاف بڑی سے بڑی طاقت اس کو جھکا نہ سکتی ہو اور مکہ اور طائف کی دو پہاڑیوں کے درمیان سیدنا محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا ان صفات کا حامل اور کوئی نہیں تھا' ریگ زار عرب کا ذرہ ذرہ ان پر شاہد عادل ہے کہ ایسا عظیم انسان اور اتنا بڑا آدمی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا تو پھر قرآن مجید آپ پر ہی نازل ہونا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر ایسا نہ ہوتا کہ تمام لوگ کافروں کا گروہ بن جاتے تو ہم رحمٰن کا کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھت چاندی کی بنا دیتے اور ان کی وہ سیڑھیاں جن پر وہ چڑھتے ہیں O اور ان کے گھروں کے دروازے اور جن تختوں پر وہ ٹیک لگاتے ہیں ان کو بھی چاندی کا بنا دیتے O (چاندی کے علاوہ) سونے کا بھی بنا دیتے اور یہ سب دنیاوی زندگی کا عارضی سامان ہے اور آخرت کا اجر آپ کے رب کے پاس صرف متقین کے لیے ہے O (الزخرف: ۳۵-۳۳)

دنیا کی زیب وزینت کفار کے لیے ہے

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا بہت حقیر ہے اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ دنیا کی محبت کی وجہ سے لوگ کفر کو اختیار کر لیتے تو اللہ تعالیٰ کافروں کے گھر اور ان کے گھروں کا ساز وسامان چاندی اور سونے کا بنا دیتا۔

ان آیات کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات ناپسندیدہ نہ ہوتی کہ جب لوگ کافروں کے گھروں میں انواع واقسام کی نعمتیں اور عیش وعشرت کا سامان دیکھ کر کفر کی طرف رغبت کریں گے اور یہ وہم کریں گے کہ فضیلت کفر میں ہے اور پھر سب لوگ کفر کو اختیار کر لیں گے تو اللہ تعالیٰ ضرور کافروں کے گھر اور ان کا ساز وسامان چاندی اور سونے کا بنا دیتا۔

اس آیت میں ''بیوت'' کا لفظ ہے' اس کا واحد بیت ہے' اس کے معنیٰ گھر اور رہنے کی جگہ ہے اور ''باب'' کا لفظ ہے۔ کسی گھر میں داخل ہونے کی جگہ کو باب کہتے ہیں اور ''سرر'' کا لفظ ہے' یہ سریر کی جمع ہے' سریر اس جگہ کو کہتے ہیں جس پر امیر اور عیاش لوگ سرور اور خوشی سے بیٹھتے ہیں۔ میت کے تخت کو بھی سریر کہتے ہیں اور اس میں یہ نیک شگون ہے کہ اس پر میت کو لٹا کر اسے اللہ کے پاس لے جائیں گے تو اس کو اللہ کی جانب سے سرور حاصل ہوگا اور اس میں ''زخرف'' کا لفظ ہے' اس کا اصل میں معنیٰ سونا ہے اور اس کو استعارہ زینت سے بھی کیا جاتا ہے' پھر ہر نقش ونگار والی مزین چیز کو زخرف کہا جانے لگا۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کا حقیر ہونا

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر دنیا کی قدر اللہ کے نزدیک

مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۲۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۱۰ المستدرک ج ۴ ص ۳۰۶ شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۹۲۲)

المستورد بن شداد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ان لوگوں کی جماعت میں تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک مرے ہوئے بکری کے بچے پر کھڑے ہوئے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دیکھ رہے ہو کہ یہ بکری کا بچہ اس کے مالکوں کے نزدیک کتنا حقیر تھا جب انہوں نے اس کو ڈال دیا تھا' ان لوگوں نے کہا: اس کے حقیر ہونے کی وجہ سے ہی انہوں نے اس کو ڈال دیا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا اس سے بھی زیادہ حقیر ہے جتنا یہ مرا ہوا بکری کا بچہ اس کے مالکوں کے نزدیک حقیر تھا۔ (شرح السنۃ رقم الحدیث: ۲۹۲۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۲۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۱۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۵۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۶' مسند احمد ج ۱ ص ۳۲۹' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۵۹۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ مومن پر ظلم نہیں کرتا' اس کی نیکی اس کو دنیا میں دی جاتی ہے اور اس پر اس کو آخرت میں اجر دیا جائے گا اور کافر کو اس کی نیکیوں کا اجر دنیا میں ہی دے دیا جاتا ہے اور جب وہ آخرت میں پہنچتا ہے تو اس کی کوئی نیکی باقی نہیں ہوتی جس کا اجر اس کو آخرت میں دیا جائے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۰۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۷۷' مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۳ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۹ ص ۲۶۶' رقم الحدیث: ۱۲۲۳۷' جامع المسانید والسنن مسند انس بن مالک رقم الحدیث: ۲۸۱۸)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فقر کو پسند کرنے کی وجوہ

اس جگہ پر ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کافروں پر تمام نعمتوں کے دروازے کھول دیتا تو یہ تمام لوگوں کے کفر پر مجتمع ہونے کا سبب بن جاتا' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام نعمتوں کے دروازے مسلمانوں پر کیوں نہ کھول دیئے تاکہ یہ تمام لوگوں کے اسلام پر مجتمع ہونے کا سبب بن جاتا' اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں لوگ دنیا کو طلب کرنے کے لیے اسلام کو قبول کرتے اور یہ منافقین کا ایمان ہے' اس لیے حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ مسلمانوں کے اوپر دنیا تنگ کر دی جائے حتیٰ کہ جو شخص بھی اسلام کو قبول کرے وہ اسلام کی حقانیت کی وجہ سے اسلام کو قبول کرے اور محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اور اب اس کو عظیم ثواب ملے گا' کیونکہ اب اس کا اسلام اخلاص پر مبنی ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فقر کو پسند کیا غنا کو پسند نہیں کیا' اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اغنیاء کی زندگی گزارتے تو لوگ مال دنیا کی وجہ سے آپ کا قصد کرتے اور جب کہ آپ نے فقر و فاقہ کی زندگی گزاری ہے تو لوگ آخرت اور عقبیٰ کی وجہ سے آپ کا قصد کرتے ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے فقر کو اس لیے پسند کیا تاکہ فقراء کو تسلی ہو کہ اگر ہم فقر و فاقہ کی زندگی گزار رہے ہیں تو کیا ہوا' دو عالم کے مختار نے فقر و فاقہ کی زندگی گزاری ہے

(۳) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فقر کو اس لیے اختیار کیا ہے کہ اس کے نزدیک مال دنیا بہت حقیر ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک مال دنیا کے حقیر ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ مال دنیا مقصود بالذات نہیں ہے' مقصود بالذات تو آخرت ہے اور مال دنیا اجر آخرت کا وسیلہ ہے' یہ دنیا دائمی قیام کی جگہ ہے نہ نیک اعمال کی جزاء ہے' یہ دنیا تو امتحان کی جگہ ہے اور سفر کی جگہ ہے' دنیا میں وہی لوگ دل لگاتے ہیں جو علم اور ایمان سے خالی ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں اور ولیوں کو دنیا کی محبت سے محفوظ اور مامون رکھتا ہے۔

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾

اور جو شخص رحمٰن کی یاد سے (غافل ہو کر) اندھا ہو جاتا ہے' ہم اس کے لیے ایک شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں' سو وہی اس کا ساتھی ہے O

وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور بے شک وہ شیاطین انہیں اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں O

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِىْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ

حتیٰ کہ جب وہ (اندھا کافر) ہمارے پاس آئے گا تو وہ (شیطان سے) کہے گا: اے کاش! میرے اور تیرے درمیان مشرق اور

فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِى

مغرب کی دوری ہوتی سو وہ کیسا بُرا ساتھی ہے! O اور (اے کافرو!) تمہیں آج اس (پشیمانی) سے ہرگز کوئی فائدہ نہیں ہوگا

الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِى الْعُمْىَ

کیونکہ تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے' تم سب عذاب میں شریک ہو O کیا آپ بہروں کو (وعظ) سنائیں گے اور اندھوں کو (سیدھی راہ) دکھائیں

وَمَنْ كَانَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۰﴾ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ

گے اور ان لوگوں کو جو کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں O پس اگر ہم آپ کو (دنیا سے) لے جائیں تو بے شک ہم پھر بھی ان سے انتقام

مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِىْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾

لینے والے ہیں O یا ہم آپ کو وہ (عذاب) دکھا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے سو بے شک ہم ان پر بہت قدرت رکھنے والے ہیں O

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِىْٓ اُوْحِىَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾

سو آپ اس چیز کو مضبوطی سے تھامے رہیں جس کی آپ کی طرف وحی کی گئی ہے' بے شک آپ صراط مستقیم پر قائم ہیں O

وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَسْئَلْ مَنْ

اور بے شک یہ قرآن آپ کے اور آپ کی قوم کے لیے ضرور شرف عظیم ہے اور عنقریب تم سب لوگوں سے سوال کیا جائے گا O

اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ ۟ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ

اور آپ ان رسولوں سے پوچھیے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا' کیا ہم نے رحمٰن کے سوا

اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾

کچھ اور معبود مقرر کیے تھے جن کی عبادت کی جائے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو شخص رحمٰن کی یاد سے (غافل ہو کر) اندھا ہو جاتا ہے ہم اس کے لیے ایک شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں' سو وہی اس کا ساتھی ہے O اور بے شک وہ شیاطین انہیں اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں O حتیٰ کہ جب وہ (اندھا کافر) ہمارے پاس آئے گا تو وہ (شیطان سے) کہے گا: اے کاش! میرے اور تیرے درمیان مشرق اور مغرب کی دوری ہوتی سو وہ کیسا بُرا ساتھی ہے O اور اے کافرو! تمہیں آج اس (پشیمانی) سے ہرگز کوئی فائدہ نہیں ہوگا' کیونکہ تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے' تم سب عذاب میں شریک ہو O (الزخرف: ۳۹۔۳۶)

اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہونے کا وبال

الزخرف: ۳۶ میں ''یعشو'' کا لفظ ہے' عشا یعشو کا معنیٰ ہے: آنکھوں کی بیماری' رتوندیا اس کی وجہ سے اندھا پن ہونا' جب اس کا صلہ ''الی'' ہو تو اس کا معنیٰ ہے: قصد کرنا اور جب اس کا صلہ ''عن'' ہو تو اس کا معنیٰ ہے: اعراض کرنا' اور جب اس کا صلہ ''علی'' ہو تو اس کا معنیٰ ہے: ظلم کرنا۔ (المفردات ج ۲ ص ۴۳۶' لسان العرب ج ۱۰ ص ۱۶۳)

اس آیت سے دنیا کی آفتوں پر تنبیہ کرنا مراد ہے کہ جس شخص کے پاس زیادہ مال و متاع ہوتا ہے اور وہ کسی اونچے منصب پر بھی فائز ہوتا ہے' وہ طاقت اور اقتدار کے نشہ میں کسی بدمست ہاتھی کی طرح کمزوروں اور غریبوں کو روندتا چلا جاتا ہے اور وہ اللہ کی یاد سے بالکل غافل ہو جاتا ہے اور جس شخص کا یہ حال ہو وہ شیطان کے ہم نشینوں کی طرح ہو جاتا ہے' خود بھی گم راہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی گم راہ کرتا ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ شیطان اس کا ساتھی ہو جاتا ہے' حضرت ابن عباس نے فرمایا: شیطان اس کا دنیا میں ساتھی ہو جاتا ہے' اس کو فرائض' واجبات اور سنن کی ادائیگی سے روکتا ہے اور اس کو اللہ کی اطاعت اور عبادت سے منع کرتا ہے اور حرام اور ممنوع کاموں کی اس کو ترغیب دیتا ہے۔

سعید الجریری نے کہا: شیطان آخرت میں اس کا قرین بن جاتا ہے' جب وہ قبر سے اٹھتا ہے تو شیطان اس کے ساتھ ہوتا ہے۔

اور قشیری نے یہ کہا کہ شیطان اس کا دنیا اور آخرت میں قرین ہوتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے ساتھ شر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی موت سے ایک سال پہلے اس کے لیے ایک شیطان مسلط کر دیتا ہے' وہ جب بھی کسی نیک چیز کو دیکھتا ہے تو وہ اس کو بُری معلوم ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ اس پر عمل نہیں کرتا اور وہ جب بھی کسی بُری چیز کو دیکھتا ہے تو وہ اس کو اچھی معلوم ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ اس پر عمل کرتا ہے۔ (الفردوس بماثور الخطاب ج ا ص ۲۴۵' رقم الحدیث: ۹۴۸)

یہ شیطان اس شیطان کا غیر ہوتا ہے جو ہر انسان کا قرین ہے' جس کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص پر ایک شیطان کو قرین بنا کر مسلط کیا گیا اور ایک فرشتہ کو قرین بنا کر مسلط کیا گیا ہے' صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ پر بھی؟ آپ نے فرمایا: ہاں! مجھ پر بھی' لیکن اللہ نے میری مدد فرمائی' میرا وہ قرین مسلمان ہو گیا اور وہ مجھے نیکی کے سوا اور کوئی مشورہ نہیں دیتا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۴، جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۸۳۳)

اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ جو شخص ہمیشہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا رہتا ہے شیطان اس کے قریب نہیں جاتا اور جو شخص فرائض اور واجبات کی ادائیگی کے وقت اللہ تعالیٰ کے حکم کو یاد نہیں رکھتا اور معصیت اور گناہ کے ارتکاب کے وقت اللہ تعالیٰ سے حیاء نہیں کرتا' تو اس پر اللہ تعالیٰ شیطان کو مسلط کر دیتا ہے اور وہ اس کا قرین اور ساتھی بن جاتا ہے اور اس کو ناجائز خواہشوں کی طلب پر اکساتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کی عقل اور اس کے علم پر حاوی اور غالب ہو جاتا ہے اور یہ اس کی سزا ہے جو قرآن اور سنت سے اعراض کرتا ہے۔

معصیت میں شیطان کی اتباع دوزخ میں شیطان کی اتباع کو مستلزم ہے

الزخرف: ۳۷ میں فرمایا: ''اور بے شک وہ شیاطین انہیں اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں O''

اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی یاد سے غافل رہتے ہیں اور ان پر شیاطین مسلط ہو چکے ہیں وہ ان لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ سیدھے راستے پر گام زن ہیں اور جب ان لوگوں سے قیامت کے دن ان شیاطین کی ملاقات ہوگی تو وہ لوگ ان شیاطین سے کہیں گے کہ کاش! ہمارے اور تمہارے درمیان اتنی دوری ہو جتنی مشرق اور مغرب کے درمیان دوری ہے۔

الزخرف: ۳۸ میں فرمایا: ''اور (اے کافرو!) تمہیں آج اس (پشیمانی) سے ہرگز کوئی فائدہ نہیں ہوگا' کیونکہ تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے' تم سب عذاب میں شریک ہو''۔

یعنی تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا کیونکہ تم نے شیطان کی اتباع میں کفر کیا تھا اور جس طرح تم دنیا میں شیطان کی اتباع کرتے ہوئے کفر اور معصیت کر رہے تھے اسی طرح آج تم شیطان کی اتباع کرتے ہوئے دوزخ میں جاؤ گے۔

پس عقل والوں کو چاہیے کہ وہ اپنے اعمال کا جائزہ لیں اور شیطان کی اتباع میں ان سے جو گناہ ہو چکے ہیں ان کا تدارک کریں اور شیطان سے بھاگیں اس سے قبل کہ وہ وقت آئے جب شیطان ان سے بھاگ رہا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ بہروں کو (وعظ) سنائیں گے اور اندھوں کو (سیدھی راہ) دکھائیں گے اور ان لوگوں کو جو کھلی ہوئی گم راہی میں ہیں O پس اگر ہم آپ کو (دنیا سے) لے جائیں تو بے شک ہم پھر بھی ان سے انتقام لینے والے ہیں O یا ہم آپ کو وہ (عذاب) دکھا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے' سو بے شک ہم ان پر بہت قدرت رکھنے والے ہیں O

(الزخرف: ۴۲۔۴۰)

کفار مکہ کی ضد اور عناد پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

الزخرف: ۳۶ میں یہ فرمایا تھا کہ ان کی آنکھوں میں رتوند ہے یعنی ضعف بصر ہے اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ یہ اندھے اور بہرے ہیں اور واقع میں اسی طرح ہوتا ہے' جب انسان ابتداء میں دنیا کی طرف مائل ہوتا ہے تو یوں لگتا ہے کہ اس کی بینائی کمزور ہے' پھر جب وہ دنیا کی زیب و زینت میں زیادہ محو ہو جاتا ہے اور نیک اعمال کو ترک کر کے شہوانی لذتوں کے حصول میں زیادہ سرگرم ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کو ترک کر دیتا ہے اور جب وہ اسی حال پر مستمر رہتا ہے تو وہ ضعف بصر سے عدم بصر کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفار اور مشرکین کو دن رات اسلام کی طرف بلانے کی جدوجہد میں لگے رہتے تھے اور وہ اپنی گم راہی

اور سرکشی میں اور زیادہ پختہ ہو رہے تھے‘ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا آپ بہروں کو سنائیں گے یعنی ان لوگوں کے کانوں پر کفر اور گم راہی کی ڈاٹ لگ چکی ہے اور فرمایا: کیا آپ اندھوں کو ہدایت دیں گے۔ یعنی یہ آپ سے اور آپ کے دین سے بہت دور ہو چکے ہیں‘ جب آپ انہیں قرآن سناتے ہیں تو لگتا ہے یہ بہرے ہیں اور جب آپ انہیں معجزات دکھاتے ہیں تو لگتا ہے یہ اندھے ہیں‘ پھر اللہ نے بتایا کہ ان کا بہرا ہونا اور اندھا ہونا اس وجہ سے ہے کہ یہ کھلی ہوئی گم راہی میں ہیں۔

الزخرف: ۴۱ میں فرمایا: ”پس اگر ہم آپ کو (دنیا سے) لے جائیں تو بے شک ہم پھر بھی ان سے انتقام لینے والے ہیں O“

جب اللہ تعالیٰ نے یہ بتا دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کو دین کی طرف بلانے کا ان پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تو فرمایا کہ جب ہم آپ کو دنیا سے لے جائیں گے تو اگر اس وقت ہم نے ان سے انتقام نہیں لیا ہو گا تو ہم آپ کے بعد ان سے انتقام لیں گے یا ہم آپ کی حیات میں ان کی ذلت اور رسوائی دکھائیں گے کہ متعدد جنگوں میں ان کو قید کیا جائے گا یا ان کو قتل کیا جائے گا‘ سو ایسا ہی ہوا‘ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مکہ فتح ہو گیا اور آپ کے وصال کے بعد پورا جزیرۃ العرب مشرکین سے خالی ہو گیا اور بعد ازاں مسلمانوں کی فتوحات کا سیلاب بڑھتا رہا حتیٰ کہ دنیا کے تین براعظموں میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گئی‘ براعظم ایشیا‘ براعظم افریقہ اور براعظم یورپ‘ یہ اور بات ہے کہ مسلمانوں کی ناعاقبت اندیشی اور طوائف الملوکی کی وجہ سے بعض علاقے مسلمانوں کے ہاتھوں سے جاتے رہے۔

الزخرف: ۴۲ میں فرمایا: ”یا ہم آپ کو وہ (عذاب) دکھا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے‘ سو بے شک ہم ان پر بہت قدرت رکھنے والے ہیں O“

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے منکروں اور دشمنوں سے انتقام لے گا‘ آپ کی زندگی میں یا آپ کے وصال کے بعد۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے متعلق احادیث

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل جب اپنے بندوں میں سے کسی امت پر رحمت کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس امت سے پہلے اس نبی کی روح کو قبض فرما لیتا ہے‘ پھر اس نبی کو اس امت کے سامنے مہربان پیش رو بنا دیتا ہے اور جب کسی امت کی ہلاکت کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے نبی کی زندگی میں اس کو عذاب میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیتا ہے اور وہ نبی اس کو عذاب میں دیکھتا ہے‘ پھر ان کی ہلاکت سے اس نبی کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا ہے کیونکہ انہوں نے اس نبی کو جھٹلایا تھا اور اس کے احکام کی نافرمانی کی تھی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۸۸)

بکر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری حیات تمہارے لیے بہتر ہے‘ تم احادیث بیان کرتے ہو اور تمہارے لیے احادیث بیان کی جاتی ہیں اور جب میں وفات پا جاؤں گا تو میری وفات بھی تمہارے لیے بہتر ہو گی‘ تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کیے جائیں گے‘ پس اگر میں نے نیک اعمال دیکھے تو میں اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا اور اگر میں نے بُرے اعمال دیکھے تو میں تمہارے لیے استغفار کروں گا۔ حافظ سیوطی نے کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے۔

(الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۷۷۱‘ الطبقات الکبریٰ: ج ۲ص ۱۴۹‘ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۰۳)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جبریل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: یا محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ جب تک چاہیں زندہ رہیں کیونکہ آپ بہر حال فوت ہونے والے ہیں اور آپ جو چاہے عمل کریں کیونکہ آپ کو جزاء دی جائے گی اور آپ جس سے چاہیں محبت کریں‘ کیونکہ آپ اس سے جدا ہونے والے ہیں اور یاد رکھیے! مومن

کا شرف رات کے قیام میں ہے اور اس کی عزت لوگوں سے مستغنی رہنے میں ہے۔

(المعجم الاوسط ج ۵ ص ۱۵۱' مطبوعہ ریاض' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند میں زافر بن سلیمان ہے' اس کی امام احمد' ابن معین اور امام ابوداؤد نے توثیق کی ہے اور ابن عدی اور ابن حبان نے اس میں کلام کیا ہے لیکن وہ مضر نہیں ہے' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۵۳۔۲۵۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو آپ اس چیز کو مضبوطی سے تھامے رہیں جس کی آپ کی طرف وحی کی گئی ہے' بے شک آپ صراط مستقیم پر قائم ہیں O اور بے شک یہ قرآن آپ کے اور آپ کی قوم کے لیے ضرور شرف عظیم ہے اور عنقریب تم سب لوگوں سے سوال کیا جائے گا O اور آپ ان رسولوں سے پوچھئے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا' کیا ہم نے رحمٰن کے سوا کچھ اور معبود مقرر کیے تھے جن کی عبادت کی جائے O (الزخرف: ۴۵۔۴۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قوم کے لیے قرآن مجید کا شرف عظیم ہونا

الزخرف: ۴۳ کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ اس قرآن کو مضبوطی سے پکڑے رہیے جس کو ہم نے آپ کے اوپر نازل کیا ہے اور اس کے احکام پر عمل کیجئے' آپ بہر حال سیدھے راستے پر ہیں جس میں کوئی کجی نہیں ہے اور وہ عقیدہ توحید ہے اور دین اسلام کے باقی عقائد اور احکام ہیں۔ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے' آپ اس کو پکڑے رہیے اور قرآن نے جو اخلاق بتائے ہیں آپ ان اخلاق سے متصف رہیں۔

الزخرف: ۴۴ میں فرمایا: ''اور بے شک یہ قرآن آپ کے اور آپ کی قوم کے لیے ضرور شرف عظیم ہے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: یہ قرآن آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے باعث شرف ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۸۸۲' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۰۳۰' الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۱۵۰۲)

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا' آپ نے فرمایا: سنو! اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ مجھے اپنی قوم سے کتنی محبت ہے' اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی قوم میں یہ شرف عطا کیا کہ فرمایا: ''وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ O'' (الزخرف: ۴۴) اس قرآن میں آپ کا ذکر ہے اور آپ کی قوم کا ذکر ہے اور عنقریب تم سے سوال کیا جائے گا' پس اللہ کی کتاب میں میری قوم کا ذکر اور اس کا شرف ہے' اور فرمایا: ''وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ O'' (الشعراء: ۲۱۴) اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایئے اور فرمایا: ''وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ O'' (الشعراء: ۲۱۵) جو ایمان والے آپ کی پیروی کریں ان کے ساتھ تواضع سے پیش آئیں یعنی میری قوم کے ساتھ' پس تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے میری قوم سے صدیق بنایا اور میری قوم سے شہید بنایا' اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں کے ظاہر اور باطن کو پلٹ دیا' تو عرب میں سے بہتر قریش تھے اور یہی وہ مبارک درخت ہے جس کے متعلق اللہ نے اپنی کتاب میں فرمایا: ''مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ'' (ابراہیم: ۲۴) پاکیزہ کلمہ کی مثال پاکیزہ درخت ہے' اس سے مراد قریش ہے' اس کی اصل ثابت ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کو دین اسلام کے ساتھ مشرف کیا' ان کو ہدایت دی اور ان کو حضرت ابراہیم کا خاندان بنایا' پھر ان کے متعلق کتاب اللہ میں ایک سورت نازل کی: ''لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ O'' (قریش: ۴۔۱) حضرت عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قریش کا ذکر نیکی کے ساتھ کیا جاتا تو آپ خوش ہو جاتے تھے اور آپ اس آیت کی بہت زیادہ تلاوت کرتے تھے: ''وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ O'' (الزخرف: ۴۴)

(الدر المنثور ج ۷ ص ۳۳۰۔۳۲۹' حافظ سیوطی نے اس حدیث کو امام طبرانی اور امام ابن مردویہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔)

اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے: "اور عنقریب تم سب لوگوں سے سوال کیا جائے گا" اس کا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید آپ کے اور آپ کی امت کے شرف اور عظمت کا ذریعہ ہے تو تم سب سے یہ سوال کیا جائے گا کہ تم نے اس کا حق ادا کیا اور تم نے اس کا شکر ادا کرنے کے لیے کیا کوششیں کیں یا تم اس قرآن کے ذریعہ صرف دنیا کماتے رہے اور مطالب نفسانیہ کی تحصیل کرتے رہے۔

عارفین کا علم کشف اور مشاہدہ پر مبنی ہوتا ہے اور علماء ظاہر کا علم ان کی ذہنی قوت پر مبنی ہوتا ہے' عارفین کی ابتداء تقویٰ اور نیک اعمال سے ہوتی ہے اور علماء ظاہر کی ابتداء کتابوں کے مطالعہ سے ہوتی ہے۔

الزخرف: ۴۵ میں فرمایا: "اور آپ ان رسولوں سے پوچھئے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا' کیا ہم نے رحمٰن کے علاوہ کچھ اور معبود مقرر کیے تھے جن کی عبادت کی جائے O"

گزشتہ رسولوں سے سوال کرنے کی توجیہات

کفار مکہ جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کرتے تھے اس کا سبب قوی یہ تھا کہ وہ اس وجہ سے آپ سے سخت بغض رکھتے تھے کہ آپ ان کو بتوں کی عبادت سے منع کرتے تھے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ بتوں کی عبادت سے منع کرنا صرف (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ تمام انبیاء اور رسل بتوں کی عبادت سے منع کرنے پر متفق اور مجتمع تھے' اس لیے فرمایا کہ آپ ان رسولوں سے پوچھئے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا' کیا ہم نے رحمٰن کے علاوہ کچھ اور معبود مقرر کیے تھے جن کی عبادت کی جائے؟

اس مقام پر یہ سوال ہوتا ہے کہ جو رسول آپ سے پہلے گزر چکے ہیں ان سے آپ کے سوال کرنے کی کیا توجیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مفسرین نے اس آیت کی متعدد توجیہات کی ہیں' ایک یہ ہے کہ گزشتہ رسولوں سے سوال کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ گزشتہ رسولوں کی امتوں سے سوال کیا جائے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ نے فرمایا: آپ اہل تورات اور اہل انجیل سے سوال کیجئے' آیا ان کے پاس ان کے رسول صرف توحید کا پیغام لے کر آئے تھے کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے یا اس کے علاوہ کسی اور خدا کی عبادت کا بھی پیغام لے کر آئے تھے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۸۸۶' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ' علامہ ابوعبداللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ' علامہ بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ' حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ' علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ اور علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی اس توجیہ کا ذکر کیا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۶۳۵' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۸۸' تفسیر بیضاوی مع الخفاجی ج ۸ ص ۳۹۴' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۴۰' روح البیان ج ۸ ص ۵۰۱' روح المعانی جز ۲۵ ص ۱۳۲)

اس سوال کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ شب معراج اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ تک تمام نبیوں اور رسولوں کو مسجد اقصیٰ میں جمع فرمایا اور وہاں جبریل نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: یا محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ سے پہلے جن رسولوں کو بھیجا گیا ہے آپ ان سے سوال کیجئے: کیا اللہ تعالیٰ نے رحمٰن کے علاوہ کچھ اور معبود مقرر کیے تھے جن کی عبادت کی جائے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس کے متعلق سوال نہیں کروں گا کیونکہ مجھے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن زید الزخرف: ۴۵ کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں: شب معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تمام انبیاء علیہم السلام کو جمع کیا گیا' آپ نے تمام انبیاء علیہم السلام کی امامت فرمائی اور ان کو نماز پڑھائی' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ ان سے سوال کیجئے اور آپ کا اللہ تعالیٰ پر بہت کامل اور بہت پختہ یقین تھا اور آپ کو اس مسئلہ میں کوئی شک نہیں تھا' اس لیے آپ نے انبیاء علیہم السلام سے کوئی سوال نہیں کیا اور نہ آپ نے ان کی امتوں سے کوئی سوال کیا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۸۸۸' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ' علامہ ابوعبداللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ' علامہ بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ' حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ' علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ اور علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ اور علامہ زمخشری نے بھی اس جواب کا ذکر کیا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۶۳۵' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۸۸۔۸۷' تفسیر بیضاوی مع الخفاجی ج ۸ ص ۳۹۴' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۴۰' روح البیان ج ۸ ص ۵۰۱' روح المعانی جز ۲۵ ص ۱۳۲' الکشاف ج ۴ ص ۲۵۸)

علامہ محمد بن مصلح الدین القوجوی الحنفی المتوفی ۹۵۱ھ نے اس جواب کو مزید وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب راتوں رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد اقصیٰ لے جایا گیا تو وہاں آپ کے لیے حضرت آدم اور ان کی اولاد سے تمام رسولوں کو جمع کیا گیا' پھر حضرت جبریل نے اذان دی اور اقامت کہی اور کہا: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! آگے بڑھئے اور ان سب کو نماز پڑھائیے' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء اور مرسلین کو نماز پڑھا کر فارغ ہو گئے تو آپ سے حضرت جبریل نے کہا: اے محمد! آپ ان رسولوں سے پوچھئے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا' کیا ہم نے رحمٰن کے علاوہ کچھ اور معبود مقرر کیے تھے جن کی عبادت کی جائے۔ (الزخرف: ۴۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں سوال نہیں کرتا کیونکہ مجھے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں وہ نہیں ہوں جو شک کروں اور میں وہ نہیں ہوں جو سوال کروں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سوال کرنے کا حکم دیا گیا تھا اس کے باوجود آپ نے سوال نہیں فرمایا' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ اس آیت کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ آپ پر سوال کرنا واجب ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ سوال کسی شک اور شبہ کو دور کرنے کے لیے کیا جاتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معاملہ میں کوئی اشتباہ نہیں تھا کہ بتوں کی عبادت کرنی جائز نہیں ہے اور عبادت صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی کرنی واجب ہے' اس سے معلوم ہو گیا کہ اس آیت سے صرف یہ مراد ہے کہ مشرکین قریش وغیرھم کو یہ باور کرایا جائے کہ کسی رسول نے یہ کہا ہے نہ کسی کتاب میں یہ مذکور ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کی جائے۔

(حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی ج ۷ ص ۴۷۱۔۴۷۰' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس سوال کا تیسرا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو انبیاء سابقین سے سوال کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس سے حقیقتاً سوال کرنا مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مجازاً انبیاء سابقین کی شریعتوں میں غور و فکر کرنا مراد ہے' آیا کسی سابق نبی کی شریعت میں غیر اللہ کی عبادت کرنے کا حکم تھا یا نہیں۔

علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی متوفی ۵۳۸ھ لکھتے ہیں:

الزخرف: ۴۵ میں انبیاء سابقین سے حقیقتاً سوال کرنا مراد نہیں ہے کیونکہ ان سے آپ کا سوال کرنا محال ہے بلکہ اس سے مجازاً ان کی ملتوں اور شریعتوں میں غور و فکر کرنا مراد ہے کہ آیا کسی شریعت سابقہ میں بتوں کی عبادت کرنے کا حکم ہے یا نہیں' اور ان کی ملتوں اور شریعتوں میں غور و فکر کرنا کافی ہے۔ اور آپ کے اوپر جو کتاب نازل کی گئی ہے جس کا صادق ہونا معجزہ سے

ثابت ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ یہ مشرکین غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادت پر کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ (الحج: ۷۱) اور یہ آیت فی نفسہا کافی ہے' کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں ہے' اس سے واضح ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام سے حقیقتاً سوال کرنا مراد نہیں ہے' بلکہ اس سے مجازاً ان کی شریعتوں میں غور وفکر کرنا مراد ہے اور کتنی مرتبہ شعراء کہتے ہیں کہ گھروں اور ٹیلوں سے سوال کرو' جیسے کہتے ہیں کہ تمہارے اندر دریاؤں کو کس نے جاری کیا اور نہروں کو کس نے کھودا اور درختوں کو کس نے اگایا اور تمہارے پھلوں کو کس نے پیدا کیا؟ پھر وہ زمین حیرت سے زبان سے کوئی جواب نہیں دے گی' وہ تمہیں اعتبار اور قیاس سے جواب دے گی۔ (الکشاف ج ۴ ص ۲۵۸' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

امام رازی' علامہ قرطبی اور علامہ اسماعیل حقی نے بھی اس تفسیر کا کشاف کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔

اس سوال کا یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ سابقہ رسولوں کی لائی ہوئی کتابوں سے معلوم کرو جس طرح قرآن مجید میں ہے:

فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ. اگر تمہارا کسی چیز میں اختلاف ہو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔ (النساء: ۵۹)

اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی معاملہ میں اگر تمہارا اختلاف ہو تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لے جاؤ' بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس معاملہ میں اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کی طرف رجوع کرو' اسی طرح اس آیت میں بھی گزشتہ رسولوں سے سوال کرنے کا یہ معنی نہیں ہے کہ جو سابقین رسول دنیا سے پردہ فرما چکے ہیں' ان سب کے پاس جا کر ان سے سوال کرو' بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے رسول دنیا میں جو اپنی کتابیں اور اپنی تعلیمات چھوڑ گئے ہیں ان سب میں تلاش کر کے دیکھو کہ آیا کسی رسول نے یہ تعلیم دی تھی کہ اللہ عزوجل کے سوا اور کوئی بھی عبادت کا مستحق ہے۔

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۠ئِهٖ فَقَالَ اِنِّىۡ

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا' پھر انہوں نے کہا: میں اس کا رسول

رَسُوۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمۡ بِاٰيٰتِنَاۤ اِذَا هُمۡ مِّنۡهَا يَضۡحَكُوۡنَ ﴿۴۷﴾

ہوں جو تمام جہانوں کا رب ہے O سو جب وہ ہماری نشانیاں لے کر ان کے پاس پہنچے تو اسی وقت وہ ان نشانیوں پر ہنسنے لگے O

وَمَا نُرِيۡهِمۡ مِّنۡ اٰيَةٍ اِلَّا هِىَ اَكۡبَرُ مِنۡ اُخۡتِهَا ۚ وَاَخَذۡنٰهُمۡ

اور ہم ان کو جو نشانی بھی دکھاتے تھے وہ اس سے پہلے دکھائی ہوئی نشانیوں سے بڑی ہوتی تھی اور ہم نے ان کو (بار بار)

بِالۡعَذَابِ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۴۸﴾ وَقَالُوۡا يٰۤاَيُّهَ السّٰحِرُ ادۡعُ لَنَا

عذاب سے پکڑا تا کہ وہ باز آ جائیں O اور انہوں نے کہا: اے جادوگر! آپ ہمارے لیے اس عہد کے وسیلے سے

رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنۡدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهۡتَدُوۡنَ ﴿۴۹﴾ فَلَمَّا كَشَفۡنَا عَنۡهُمُ الۡعَذَابَ

دعا کیجیے جو آپ کے پاس ہے' بے شک ہم ضرور ہدایت پانے والے ہیں O پھر جب ہم نے ان سے عذاب دور کر دیا

اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَ نَادٰى فِرْعَوْنُ فِىْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ

تو وہ اسی وقت اپنے عہد کو توڑنے والے تھے O اور فرعون نے اپنی قوم میں ندا کی اور کہا: اے میری قوم! کیا یہ مصر کا ملک

لِىْ مُلْكُ مِصْرَ وَ هٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِىْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾ ؕ

میرا نہیں ہے اور یہ دریا جو میرے محل کے کنارے بہہ رہے ہیں کیا تم نہیں دیکھ رہے O

اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِىْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّ لَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿۵۲﴾

(کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ) میں اس شخص سے بہتر ہوں جو بہت بے وقعت ہے اور جو اپنا مافی الضمیر صاف طرح بیان نہیں کر سکتا O

فَلَوْ لَاۤ اُلْقِىَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ

(اگر یہ واقعی رسول ہے تو) اس کو سونے کے کنگن کیوں نہیں پہنائے گئے یا اس کے پاس متواتر

مُقْتَرِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا

فرشتے آتے O فرعون نے اپنی قوم کو بے وقوف بنا لیا اور انہوں نے اس کی اطاعت کر لی' بے شک وہ نافرمان

فٰسِقِيْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَمَّاۤ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۵﴾ ۙ

لوگ تھے O پھر جب انہوں نے ہمیں ناراض کیا' تو ہم نے ان سے انتقام لیا' پھر ہم نے ان سب کو غرق کر دیا O

فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّ مَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ ع

ع ۵ ۱۱ ۱۱

پھر ہم نے ان کو قصہ پارینہ بنا دیا اور بعد کے لوگوں کے لیے ضرب المثل بنا دیا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا O پھر انہوں نے کہا: میں اس کا رسول ہوں جو تمام جہانوں کا رب ہے O سو جب وہ ہماری نشانیاں لے کر ان کے پاس پہنچے تو اسی وقت وہ ان نشانیوں پر ہنسنے لگے O اور ہم ان کو جو نشانی بھی دکھاتے تھے وہ اس سے پہلے دکھائی ہوئی نشانیوں سے بڑی ہوتی تھی اور ہم نے ان کو (بار بار) عذاب سے پکڑا تاکہ وہ باز آ جائیں O (الزخرف: ۴۸۔۴۶)

حضرت موسیٰ اور فرعون کے قصہ کو یہاں ذکر کرنے کے مقاصد اور فوائد

اس مقام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ جو ذکر کیا گیا ہے' اس سے اس مضمون کی تاکید کرنا مقصود ہے جو اس سے پہلے گزر چکا ہے کیونکہ کفار مکہ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض کیا تھا کہ آپ کے پاس مال کی کثرت نہیں ہے اور نہ معاشرہ میں آپ کو کوئی بڑا منصب حاصل ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے ایسے قوی معجزات پیش کیے جن کے صحیح ہونے میں کوئی شک اور شبہ نہ تھا تو اس وقت فرعون نے بھی حضرت موسیٰ پر

ایسا ہی اعتراض کیا تھا جیسا کہ کفار مکہ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا تھا' اس نے کہا: میں غنی ہوں اور میرے پاس بہت مال ہے اور میرے ماتحت بہت بڑی فوجیں ہیں اور تمام مصر کے ملک پر میری حکومت ہے اور محل کے کنارے دریا بہہ رہے ہیں اور رہے موسیٰ تو وہ فقیر ہیں اور معاشرہ میں کم حیثیت ہیں' ان کو اپنے مافی الضمیر کے اظہار پر قدرت نہیں ہے اور جو شخص فقیر اور کم حیثیت ہو اس کو اتنے بڑے بادشاہ کے دربار میں سفیر بنا کر کیسے بھیجا جا سکتا ہے اور یہ ایسا ہی شبہ ہے جیسا کہ کفار مکہ نے کہا تھا کہ یہ قرآن ان دو شہروں کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل ہوا۔ (الزخرف: ۳۱) اور ایسا ہی اعتراض فرعون نے حضرت موسیٰ پر کیا تھا' پھر ہم نے فرعون سے انتقام لیا اور فرعون اور اس کی قوم کو سمندر میں غرق کر دیا اور اس قصہ کو یہاں ذکر کرنے سے تین چیزوں کی تاکید کرنا ہے:

(۱) کفار اور مشرکین ہمیشہ سے انبیاء علیہم السلام پر اس قسم کے رکیک اعتراضات کرتے چلے آئے ہیں' لہٰذا ان اعتراضات کی پرواہ نہ کی جائے۔

(۲) فرعون روئے زمین کا بہت بڑا بادشاہ تھا' اس کے باوجود وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں خائب و خاسر اور ناکام اور نامراد ہوا' اسی طرح مکہ میں آپ کے مخالف کفار اور مشرکین ناکام اور نامراد رہیں گے۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مخالف فرعون بہت بڑا بادشاہ تھا اور اس کے ماتحت بہت بڑا لشکر تھا اور اس کے درباری اور معاون اس زمانہ کے بہت بڑے جادوگر تھے اور اس کی پوری قوم اس کی خدائی کو مانتی تھی اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جو مخالفین تھے وہ فرعون کی طرح طاقت ور نہ تھے۔ وہ سب مختلف قبائل اور گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ان کے پاس کوئی فوج تھی نہ طاقت اور اقتدار تھا تو جب فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں پسپا ہو گیا تو یہ کفار مکہ تو فرعون کی طرح اقتدار والے نہ تھے' ان کا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں پسپا ہونا بہت یقینی ہے اور یہ بہت جلد اپنے انجام کو پہنچنے والے ہیں۔

الزخرف: ۴۷ میں فرمایا کہ فرعون اور اس کے درباری حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیش کردہ معجزات پر ہنسنے لگے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنا عصا زمین پر ڈالتے تو وہ اژدھا بن جاتا' پھر اس کو ہاتھ میں لے کر پکڑتے تو وہ پھر لاٹھی بن جاتا۔ وہ اپنا ہاتھ اپنی بغل کے اندر ڈالتے تو وہ چمکنے لگتا اور دوبارہ جب اس کو بغل میں ڈالتے تو وہ پھر اصلی حالت پر آ جاتا' فرعون اور اس کے درباری حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑانے کے لیے ان پر ہنستے تھے اور وہ ان کا مذاق اڑا کر اپنے متبعین کو یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ حضرت موسیٰ کے یہ افعال جادو ہیں' انہوں نے لوگوں کے خیالوں پر اثر کیا ہے اور وہ بھی اس کا مقابلہ کرنے پر قادر ہیں۔

الزخرف: ۴۸ میں فرمایا: ''حضرت موسیٰ کی دکھائی ہوئی ہر نشانی پہلی نشانی سے بڑی ہوتی تھی''۔

اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہر معجزہ پہلے معجزہ سے بڑا ہوتا تھا' ایک قول یہ ہے کہ بعد کا معجزہ پہلے معجزہ سے مل کر بڑا ہوتا تھا' کیونکہ پہلا معجزہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر دلیل ہوتا تھا اور بعد کا معجزہ بھی ان کی نبوت پر دلیل ہوتا تھا اور کثرت دلائل زیادہ علم اور زیادہ یقین کے حصول کو مستلزم ہوتے ہیں' اس آیت میں فرمایا ہے: ہر بعد کا معجزہ اپنی بہن سے بڑا ہوتا تھا' معجزوں کو ایک دوسرے کی بہن اس لیے فرمایا ہے کہ ہر معجزہ خلاف عادت ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کی مثل تھا۔

نیز فرمایا: ''ہم نے ان کو بار بار عذاب سے پکڑا تاکہ وہ باز آ جائیں''۔

عذاب سے پکڑنے سے مراد یہ ہے کہ اذیت ناک چیزیں ان پر مسلط کر دیں' ان پر طوفان بھیجا' ان پر ٹڈیاں اور جوئیں برسائیں' مینڈکوں اور خون کو ان پر مسلط کیا تاکہ وہ اپنے کفر کو ترک کر کے ایمان کی طرف رجوع کر لیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا: اے جادوگر! آپ ہمارے لیے اس عہد کے وسیلہ سے دعا کیجئے جو آپ کے پاس ہے' بے شک ہم ضرور ہدایت پانے والے ہیں O پھر جب ہم نے ان سے عذاب دور کر دیا تو وہ اسی وقت اپنے عہد کو توڑنے والے تھے O اور فرعون نے اپنی قوم میں ندا کی اور کہا: اے میری قوم! کیا یہ مصر کا ملک میرا نہیں ہے اور یہ دریا جو میرے محل کے کنارے بہہ رہے ہیں' کیا تم نہیں دیکھ رہے O (الزخرف: ۵۱۔۴۹)

جب قوم فرعون نے عذاب کا معائنہ کر لیا تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اے جادوگر! اور وہ چونکہ پہلے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر کہتے تھے تو اب بھی انہوں نے آپ کو اپنی عادت کے مطابق جادوگر کہا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ علماء کو جادوگر کہتے تھے تو بر سبیل تعظیم کہا: اے جادوگر! حضرت ابن عباس نے فرمایا: اے جادوگر کا معنیٰ ہے: اے عالم! اور ان کے دور میں جادوگر بہت عظیم شخص ہوتا تھا اور وہ اس کی تعظیم کرتے تھے اور ان کے نزدیک جادو کرنا مذمت کی صفت نہیں تھی' اس کی ایک اور توجیہ یہ ہے کہ ان کی مراد یہ تھی کہ اے وہ شخص جو ہم پر اپنے جادو کی وجہ سے غالب آ گیا۔

انہوں نے کہا: آپ ہمارے لیے اس عہد کے وسیلہ سے دعا کیجئے جو آپ کے پاس ہے' یعنی آپ ہمیں یہ بتائیے کہ اگر ہم ایمان لے آئیں تو یہ عذاب ہم سے دور ہو جائے گا اور اس عہد کی بناء پر آپ اپنے رب سے سوال کیجئے کہ وہ ہم سے یہ عذاب دور کر دے' پھر بے شک آئندہ ہدایت پر قائم رہیں گے۔

الزخرف: ۵۰ میں فرمایا: ''پھر جب ہم نے ان سے عذاب دور کر دیا تو وہ اسی وقت اپنے عہد کو توڑنے والے تھے O''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے دعا کی سو اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کو دور کر دیا' تو انہوں نے فوراً اپنے عہد کو توڑ دیا اور عذاب دور ہو جانے کے بعد وہ ایمان نہیں لائے۔

الزخرف: ۵۱ میں فرمایا: ''اور فرعون نے اپنی قوم میں ندا کی اور کہا: اے میری قوم! کیا یہ مصر کا ملک میرا نہیں ہے اور یہ دریا جو میرے محل کے کنارے بہہ رہے ہیں' کیا تم نہیں دیکھ رہے O''

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا معاملہ ہوا' اب یہ بتا رہا ہے کہ فرعون کا اپنی قوم کے ساتھ کیا معاملہ ہوا اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اپنی معرکہ آرائی کو کس طرح اپنی قوم کے سامنے پیش کیا۔

اس نے کہا: کیا دریائے نیل میرے محل کے نیچے نہیں بہہ رہا' یا اس کا مطلب تھا کہ دریائے نیل سے چار نہریں نکال کر میرے محل کے ساتھ ساتھ جاری نہیں کی گئیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس نے اپنے مال کی کثرت اور اپنے عیش و عشرت کی فراوانی سے اپنی فضیلت پر استدلال کیا اور اس کا مطلب یہ تھا کہ جب میں افضل ہوں تو حضرت موسیٰ کے مقابلہ میں' میں ہی حق پر ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ) میں اس شخص سے بہتر ہوں جو بہت بے وقعت ہے اور جو اپنا مافی الضمیر صاف طرح بیان نہیں کر سکتا O (اور اگر یہ واقعی رسول ہے تو) اس کو سونے کے کنگن کیوں نہیں پہنائے گئے یا اس کے پاس متواتر فرشتے آتے O فرعون نے اپنی قوم کو بے وقوف بنا لیا اور انہوں نے اس کی اطاعت کر لی' بے شک وہ نافرمان لوگ تھے O پھر جب انہوں نے ہمیں ناراض کیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا' پھر ہم نے ان سب کو غرق کر دیا O پھر ہم نے ان کو قصہ پارینہ بنا دیا اور بعد کے لوگوں کے لیے ضرب المثل بنا دیا O (الزخرف: ۵۶۔۵۲)

فرعون نے اپنی قوم سے کہا: بلکہ میں اس شخص سے بہتر ہوں جس کا اس ملک میں کوئی غلبہ اور اقتدار نہیں ہے' جو اپنی کم مائیگی کی وجہ سے اپنی ضروریات بھی پوری نہیں کر سکتا اور نہ اپنا مافی الضمیر آسانی سے اور صاف طرح بیان کر سکتا ہے' فرعون کا مطلب یہ تھا کہ دعویٰ نبوت سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں گرہ تھی جس کی وجہ سے آپ کو بولنے میں مشکل پیش آتی تھی' پھر آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس گرہ کو کھول دیا تھا' فرعون آپ کے پچھلے حال کے اعتبار سے طعنہ دے رہا تھا۔

الزخرف: ۵۳ میں فرمایا: ''(اگر یہ واقعی رسول ہے تو) اس کو سونے کے کنگن کیوں نہیں پہنائے گئے' یا اس کے پاس متواتر فرشتے آتے O'' اس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ جو شخص قوم کا رئیس ہوتا تھا اس کو سونے کے کنگن پہنائے جاتے' فرعون نے حضرت موسیٰ پر یہ اعتراض کیا کہ اگر حضرت موسیٰ اپنے دعویٰ کے مطابق نبی ہیں تو چاہیے تھا کہ ان کے ہاتھوں میں بھی سونے کے کنگن ہوتے' فرعون کا یہ اعتراض بالکل لغو تھا کیونکہ ہاتھوں میں سونے کے کنگن ہونا نبوت کی دلیل نہیں ہے' امیر اور دولت مند لوگ چاہیں تو جتنے سونے کے زیورات پہن لیں اس سے وہ نبی نہیں بن جائیں گے' سونے کے کنگن پہننا امارت اور دولت کی دلیل ہے' نبوت کی دلیل نہیں ہے' نبوت کی دلیل یہ ہے کہ کوئی ایسا خلاف عادت کام کر کے دکھایا جائے جس کی نظیر کوئی دوسرا پیش نہ کر سکے' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی کو اژدھا بنا کر دکھایا جس سے فرعون اور اس کے تمام درباری خوف زدہ ہو گئے اور ان کو اپنی جانوں کے لالے پڑ گئے' پھر آپ نے اس اژدھے پر اپنا ہاتھ ڈالا تو وہ پھر لاٹھی بن گیا' پھر آپ نے ید بیضاء دکھایا' پھر جب یہ لوگ اپنے کفر پر مصر رہے تو ان پر مینڈکوں کی' جوؤں کی اور ٹڈیوں کی بارش ہوئی اور ان پر طوفان آیا اور ان تمام آسمانی آفتوں سے نجات کے لیے انہوں نے حضرت موسیٰ سے دعا کی درخواست کی۔ کیا یہ امور نبوت کی دلیل ہیں یا ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہننا؟

پھر فرعون نے حضرت موسیٰ کے خلاف دوسری دلیل یہ دی کہ اگر یہ واقعی نبی ہیں تو ان کے پاس بہ کثرت فرشتے کیوں نہیں آئے' اگر ان کے پاس فرشتے آتے اور وہ ان کی نبوت کا اعلان کرتے تو سب کو پتہ چل جاتا کہ یہ واقعہ نبی ہیں۔ فرعون کا یہ اعتراض بھی غلط تھا کیونکہ فرشتوں کو ان کی اصل صورت میں عام انسان دیکھ نہیں سکتے اور اگر وہ انسانی پیکر میں آتے تو وہ لوگ یہ یقین نہ کرتے کہ یہ فرشتے ہیں۔

الزخرف: ۵۴ میں فرمایا: ''فرعون نے اپنی قوم کو بے وقوف بنا لیا اور انہوں نے اس کی اطاعت کر لی' بے شک وہ نافرمان لوگ تھے'' فرعون کے متبعین کم عقل اور جاہل لوگ تھے' ان کی کم عقلی اور جہالت کی وجہ سے فرعون نے ان کو اپنا ہم نوا بنا لیا اور ویسے بھی وہ لوگ فاسق تھے' یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے خارج تھے۔

الزخرف: ۵۵ میں فرمایا: ''پھر جب انہوں نے ہمیں ناراض کیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا' پھر ہم نے ان سب کو غرق کر دیا O''

اس آیت میں ''اسفونا'' کا لفظ ہے' علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ اس کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اسف کا معنیٰ ہے: غم و غصہ اور کبھی یہ صرف غم اور صرف غضب کے معنیٰ میں بھی آتا ہے اور اس کا حقیقی معنیٰ ہے: انتقام لینے کے لیے خون کا جوش میں آنا' اگر انسان کو اپنے سے کم مرتبہ اور کم زور شخص پر غصہ آئے تو اس کو غضب کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور اگر اپنے سے طاقت ور شخص پر افسوس ہو تو اس کو غم کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں' اسف کا حقیقت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ پر اطلاق محال ہے' اس لیے یہاں پر اسف کا معنیٰ ہے: کراہت کا اظہار کرنا اور کسی چیز کو ناپسند کرنا اور اس سے ناراض ہونا' سو اس آیت کا معنیٰ ہے: پس جب انہوں نے ہمیں ناراض کیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا یعنی ان کو سزا دی۔ اور اس کی دوسری توجیہ

یہ ہے کہ جب انہوں نے حضرت موسیٰ کو غضب ناک کیا اور ان کو متاسف کیا اور اللہ کے محبوب بندے کو غضب ناک کرنا درحقیقت اللہ کو غضب ناک کرنا ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۱' مکتبہ نزار مصطفی الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

الزخرف: ۵۶ میں فرمایا: ''پھر ہم نے ان کو قصہ پارینہ بنا دیا اور بعد کے لوگوں کے لیے ضرب المثل بنا دیا''۔

یعنی فرعون اور ان کے متبعین کو ہم نے بھولا بسرا واقعہ بنا دیا اور بعد کے لوگوں کے لیے عبرت اور نصیحت بنا دیا۔

سَلَف ان متقدم لوگوں کو کہتے ہیں جن کے اعمال نیک ہوں اور اس کی جمع اسلاف ہے اور سُلُف ان متقدم لوگوں کو کہتے ہیں جن کے بُرے اعمال ہوں اور اس کی جمع سلوف ہے اور اس آیت میں سَلَف بہ معنی سُلُف ہے۔

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴿۵۷﴾

اور جب ابن مریم کی مثال بیان کی گئی تو آپ کی قوم (خوشی سے) چلانے لگی O

وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ؕ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ

اور انہوں نے کہا: آیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ؟ ان کا اس مثال کو بیان کرنا محض جھگڑنے کے لیے ہے

قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ

بلکہ وہ ہیں ہی جھگڑالو لوگ O ابن مریم محض ہمارے (مقدس) بندے ہیں' ہم نے ان پر انعام فرمایا ہے اور ہم نے ان کو

اِسْرَآءِيْلَ ؕ ﴿۵۹﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ

بنی اسرائیل کے لیے اپنی قدرت کی نشانی بنا دیا ہے O اور اگر ہم چاہتے تو تمہاری جگہ فرشتے پیدا کر دیتے جو تمہارے بعد

يَخْلُفُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ؕ

زمین میں رہتے O اور بے شک وہ (ابن مریم) ضرور قیامت کی نشانی ہیں' سو (اے مخاطب!) تم قیامت میں شک نہ کرنا

هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ

اور میری پیروی کرتے رہنا' یہی صراط مستقیم ہے O اور شیطان تم کو روکنے نہ پائے' بے شک وہ تمہارا

عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۲﴾ وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ

کھلا ہوا دشمن ہے O اور جب عیسیٰ واضح معجزات لے کر آئے (تو انہوں نے) کہا: بے شک میں تمہارے پاس

بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا

حکمت لے کر آیا ہوں اور تاکہ میں تمہارے لیے بعض ان چیزوں کا بیان کر دوں جن میں تم اختلاف کرتے ہو' پس تم اللہ سے

اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا

ڈرتے رہو اور میری اطاعت کرتے رہو O بے شک اللہ ہی میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے سو تم

صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۴﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ

اسی کی عبادت کرو' یہی صراط مستقیم ہے O پھر (بنی اسرائیل کے) گروہوں نے آپس میں اختلاف کیا'

لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۶۵﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا

پس ظالموں کے لیے دردناک دن کے عذاب کی ہلاکت ہے O وہ صرف قیامت کا انتظار کر رہے ہیں

السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۭ

کہ وہ ان پر اچانک آ جائے اور ان کو پتا بھی نہ چلے O اس دن گہرے دوست

بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۷﴾ ؑ ط

ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے ماسوا متقین کے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ابن مریم کی مثال بیان کی گئی تو آپ کی قوم خوشی سے چلانے لگی O اور انہوں نے کہا: آیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ' ان کا اس مثال کو بیان کرنا محض جھگڑنے کے لیے ہے' بلکہ وہ ہیں ہی جھگڑالو لوگ O ابن مریم محض ہمارے (مقدس) بندے ہیں' ہم نے ان پر انعام فرمایا ہے اور ہم نے ان کو بنی اسرائیل کے لیے اپنی قدرت کی نشانی بنا دیا ہے O (الزخرف: ۵۹-۵۷)

الزخرف: ۵۷ کے شان نزول میں پہلی روایت

اس آیت کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی مثال بیان کی گئی تو آپ کی قوم خوشی سے چلانے لگی اور بہ آواز بلند نعرے لگانے لگی' حضرت عیسیٰ ابن مریم کی کیا مثال بیان کی گئی تھی اور کفار مکہ نے اس سے کیا مطلب نکالا تھا جس پر وہ خوشی سے بغلیں بجانے لگے تھے' مفسرین نے اس کی کئی توجیہات بیان کی ہیں اور کئی محامل ذکر کیے ہیں' ہم ان کا ترتیب سے ذکر کر رہے ہیں:

امام عبد الرحمان بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے قریش کی جماعت! اللہ کو چھوڑ کر جس کی بھی عبادت کی گئی اس میں کوئی خیر نہیں ہے' تو کفار مکہ نے یہ کہا: کیا آپ یہ نہیں کہتے کہ حضرت عیسیٰ نبی تھے اور اللہ کے بندوں میں سے ایک صالح بندے تھے اور ان کی بھی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کی گئی ہے' تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ جب بھی ابن مریم کی مثال بیان کی گئی تو آپ کی قوم خوشی سے چلانے لگی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۲۸۴' رقم الحدیث: ۱۸۵۱۴' النکت والعیون ج ۵ ص ۲۳۳' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۴۳-۱۴۲)

حضرت ابن عباس کی اس حدیث کو امام احمد نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور دوسرے ائمہ حدیث نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۳۱۸ طبع قدیم' مسند احمد ج ۵ ص ۸۶ رقم الحدیث: ۲۹۱۸' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ' المعجم الکبیر للطبرانی رقم الحدیث: ۱۲۷۴۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۸۱۷)

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اللہ کو چھوڑ کر جس کی بھی عبادت کی گئی ہے اس میں کوئی خیر نہیں ہے تو کفار مکہ نے اس پر یہ معارضہ کیا کہ حضرت عیسیٰ کی بھی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کی گئی ہے تو اس میں بھی کوئی خیر نہیں ہے۔ پھر خوشی سے چلانے لگے اور شور مچانے لگے کہ ہم نے آپ کو لاجواب کر دیا اور ہمارے معارضہ کا آپ کے پاس کوئی جواب نہیں ہے' حالانکہ یہ کوئی لا ینحل معارضہ نہیں تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ غیر اللہ کی عبادت میں کوئی خیر نہیں ہے اور بے شک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت میں بھی کوئی خیر نہیں ہے' اس پر عبادت کرنے والوں کو کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ جس کی عبادت کی گئی ہے اس سے بھی مواخذہ ہوگا اور اس کی گرفت ہوگی' اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کوئی زد نہیں پڑتی اور کفار قریش کا اس پر شور مچانا اور بغلیں بجانا بالکل فضول اور لایعنی تھا' قرآن مجید میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائے گا کہ کیا آپ نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو معبود بناؤ؟ حضرت عیسیٰ عرض کریں گے: تو سبحان ہے' میرے لیے یہ جائز نہیں تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے حق نہیں ہے' اگر میں نے ایسا کہا ہوتا تو تجھ کو اس کا علم ہوتا' تو جانتا ہے کہ میرے دل میں کیا ہے اور میں نہیں جانتا کہ تیرے دل میں کیا ہے' بے شک تو تمام غیوب کا بہت جاننے والا ہے ○ (المائدہ: ۱۱۶)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس سے زائد کوئی معاملہ نہیں کیا کہ ان سے صرف دریافت فرمایا۔

الزخرف: ۵۷ کے شان نزول میں دوسری روایت

اس آیت کے متعلق جو دوسرا شان نزول ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ○ (الانبیاء: ۹۸)

بے شک تم خود اور جن چیزوں کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو (وہ سب) دوزخ کا ایندھن ہیں' تم (سب) اس میں داخل ہونے والے ہو ○

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن الزبعری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ یہ کہتے ہیں کہ آپ کے اوپر یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ: ''بے شک تم خود اور جن چیزوں کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو (وہ سب) دوزخ کا ایندھن ہیں''۔ (الانبیاء: ۹۸) ابن الزبعری نے کہا: بے شک سورج اور چاند کی اور فرشتوں کی اور عزیر کی اور عیسیٰ ابن مریم کی عبادت کی گئی ہے تو یہ سب بھی ہمارے بتوں کے ساتھ دوزخ میں داخل کیے جائیں گے' اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: اور جب ابن مریم کی مثال دی گئی تو آپ کی قوم خوشی سے چلانے لگی ○ اور انہوں نے کہا: آیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ؟ ان کا اس مثال کو بیان کرنا محض جھگڑے کے لیے ہے' بلکہ وہ ہیں ہی جھگڑالو لوگ ○ (الزخرف: ۵۸۔۵۷) اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: بے شک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے اچھی جزاء پہلے سے مقرر ہو چکی ہے وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے۔ (الانبیاء: ۱۰۱)

حافظ عبد اللہ نے اس حدیث کو اپنی کتاب ''الاحادیث المختارہ'' میں ذکر کیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۲۰)

اس حدیث کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے:

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ امام ابن اسحاق سے روایت کرتے ہیں:

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الولید بن المغیرہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے تو النضر بن الحارث دیگر کفار قریش کے ساتھ آ کر آپ کے سامنے بیٹھ گیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے یہ آیت پڑھی: "اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ" (الانبیاء: ۹۸) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مجلس سے اٹھ کر چلے گئے اور وہاں عبد اللہ بن الزبعری آ گیا اور الولید بن المغیرہ نے عبد اللہ بن الزبعری سے کہا: عبد المطلب کے بیٹے یہ کہتے ہیں کہ ہم جن بتوں کی عبادت کرتے ہیں وہ جہنم کا ایندھن ہیں' عبد اللہ بن الزبعری نے کہا: سنو اللہ کی قسم! اگر مجھے وہ مل جاتے تو میں ان سے بحث کرتا' پس (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے یہ سوال کرو کہ کیا ہر وہ شخص جس کی اللہ کو چھوڑ کی عبادت کی گئی ہے وہ اپنی عبادت کرنے والوں کے ساتھ جہنم میں ہوگا؟ ہم فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں اور یہود عزیر کی عبادت کرتے ہیں اور نصاریٰ عیسیٰ ابن مریم کی عبادت کرتے ہیں۔ تب ولید بن مغیرہ اور تمام اہل مجلس عبد اللہ بن زبعری کے کلام سے حیران ہوئے اور ان کو یہ یقین تھا کہ ابن الزبعری نے لاجواب کلام کیا ہے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ابن الزبعری کا اعتراض ذکر کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں جو شخص یہ پسند کرتا ہو کہ اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کی جائے تو وہ اپنی عبادت کرنے والوں کے ساتھ جہنم میں ہو گا' یہ لوگ صرف شیطان کی عبادت کرتے ہیں اور جن کی عبادت کرنے کا شیطان حکم دیتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "بے شک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے اچھی جزاء پہلے سے مقرر ہو چکی ہے' وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے"۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۷۷۶' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۲۰' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۷۳۹' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۲۴۹' روح المعانی جز ۱۷ ص ۱۴۰۔۱۳۹' السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج ۱ ص ۳۹۷)

اس آیت کے شان نزول میں جامع البیان' المعجم الکبیر اور السیرۃ النبویہ میں ابن الزبعری کا (قبل از اسلام) جو اعتراض ذکر کیا گیا اس کا جواب قرآن مجید کی آیات میں آ گیا ہے' اس کے اعتراض کے جواب کی مفصل تقریر اس طرح ہے:

شرک کے رد اور بتوں کی بے وقعتی اور بے بسی ظاہر کرنے کے لیے جب مشرکین مکہ سے یہ کہا گیا کہ تم خود اور جن چیزوں کی تم عبادت کرتے ہو' دوزخ کا ایندھن ہیں۔ (الانبیاء: ۹۸) تو ان چیزوں سے مراد پتھر کے وہ بت تھے جن کی وہ عبادت کرتے تھے نہ کہ انبیاء علیہم السلام اور دیگر صالحین جو اپنی تمام زندگی لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے رہے' مگر ان کی وفات کے بعد ان کے معتقدین نے ان کو معبود سمجھنا شروع کر دیا۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ وہ دوزخ سے دور رہیں گے۔ (الانبیاء: ۱۰۱) کیونکہ ان کی جو پرستش کی گئی تھی اس میں ان کا کوئی قصور نہیں تھا' اسی لیے قرآن نے اس کے لیے جو لفظ استعمال کیا ہے وہ لفظ "ما" ہے جو غیر عاقل کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس سے اس آیت کے عموم (لفظ ما) سے انبیاء علیہم السلام اور وہ صالحین نکل گئے جن کو لوگوں نے از خود معبود بنا لیا تھا' لیکن مشرکین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے حضرت مسیح علیہ السلام کا ذکر سن کر یہ مجادلہ اور کٹ حجتی کرتے تھے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام لائق مدح ہیں حالانکہ عیسائی ان کی عبادت کرتے ہیں تو پھر ہمارے بت کیوں قابلِ مذمت ہیں آیا وہ بھی بہتر نہیں ہیں' اگر ہمارے معبود دوزخ میں جائیں گے تو پھر حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام بھی دوزخ میں جائیں گے' اللہ تعالیٰ نے سورۂ زخرف کی ان آیتوں میں فرمایا: ان کا خوشی سے چلانا محض ان کا جدل' کٹ حجتی اور ہٹ دھرمی ہے۔

کیونکہ قرآن مجید میں ہے: "انکم وما تعبدون" "بے شک تم اور جن چیزوں کی تم عبادت کرتے ہو" یہاں پر بالعموم یہ

نہیں فرمایا کہ اللہ کے سوا جن کی بھی عبادت کی گئی ہے وہ دوزخ کا ایندھن ہیں' بلکہ بالخصوص اہل مکہ کو خطاب ہے اور وہ صرف بتوں کی عبادت کرتے تھے اور عیسیٰ اور عزیر علیہما السلام کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا وہ اس آیت میں داخل نہیں ہیں۔ ثانیاً اس آیت میں ''ما'' کا لفظ ہے جو غیر عقلاء کے لیے وضع کیا گیا ہے اور حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام ذوی العقول ہیں' لہٰذا وہ اس آیت کے عموم میں داخل نہیں ہیں اور عربی زبان جاننے والے کے لیے یہ امور بالکل واضح اور بدیہی ہیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ امور مخفی ہوں جو افصح العرب ہیں اور اہل عرب بھی زبان دان اور فصیح تھے لہٰذا ان کا یہ اعتراض کرنا اور اس اعتراض کو لاینحل سمجھنا محض ان کا جدل اور ہٹ دھرمی ہے۔

ہم نے اس آیت کے دو شان نزول ذکر کیے ہیں: ایک شان نزول مسند احمد' المعجم الکبیر اور صحیح ابن حبان کے حوالے سے ذکر کیا ہے' جن میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کو چھوڑ کر جس کی بھی عبادت کی گئی تو اس میں کوئی خیر نہیں ہے' اس پر کفار نے یہ اعتراض کیا کہ حضرت عیسیٰ کی بھی تو عبادت کی گئی ہے اور دوسرا شان نزول یہ بیان کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: تم جن چیزوں کی عبادت کرتے ہو وہ دوزخ کا ایندھن ہیں۔ (الانبیاء:۹۸) اس پر ابن الزبعری نے یہ اعتراض کیا کہ پھر حضرت عیسیٰ ابن مریم کی بھی عبادت کی گئی ہے' اس اعتراض کو ہم نے معجم طبرانی' السیرۃ النبویہ' ابن جریر اور ابن کثیر کے حوالوں سے بیان کیا ہے' خلاصہ یہ ہے کہ کفار کا ایک اعتراض حدیث پر ہے اور ایک اعتراض قرآن مجید کی آیت پر ہے اور ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے' ہو سکتا ہے کہ عام کفار نے آپ کی حدیث پر کیا ہو اور ابن الزبعری نے قرآن مجید کی آیت پر کیا ہو اور الزخرف: ۵۸۔۵۷ میں دونوں اعتراضوں کا جواب ہے کہ ان لوگوں کا یہ اعتراض کرنا محض ان کا جدل اور ہٹ دھرمی ہے اور ہم نے دونوں اعتراضوں کے جوابوں کی الگ الگ تقریر بھی کر دی ہے۔

سید مودودی کا شان نزول میں حدیث وضع کرنا

سید مودودی نے اپنی طرف سے الزخرف: ۵۸۔۵۷ کا شان نزول وضع کیا ہے اور گھڑ لیا ہے' انہوں نے اپنی طرف سے جو صورت واقعہ بنائی ہے اس کا ذکر کسی حدیث کی کتاب میں ہے نہ کسی تفسیر میں' وہ ان کی خالص خود ساختہ پرداختہ ہے۔

سید مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

اس سے پہلے آیت ۴۵ میں یہ بات گزر چکی ہے کہ تم سے پہلے جو رسول ہو گزرے ہیں ان سب سے پوچھ دیکھو' کیا ہم نے خدائے رحمٰن کے سوا کچھ دوسرے معبود بھی مقرر کیے تھے کہ ان کی بندگی کی جائے؟ یہ تقریر جب اہل مکہ کے سامنے ہو رہی تھی تو ایک شخص نے جس کا نام روایات میں عبداللہ بن الزبعری آیا ہے' اعتراض جڑ دیا کہ کیوں صاحب' عیسائی مریم کے بیٹے کو خدا کا بیٹا قرار دے کر اس کی عبادت کرتے ہیں یا نہیں؟ پھر ہمارے معبود کیا برے ہیں؟ اس پر کفار کے مجمع سے ایک زور کا قہقہہ بلند ہوا اور نعرے لگنے شروع ہو گئے کہ وہ مارا' پکڑے گئے۔ اب بولو اس کا کیا جواب ہے۔ لیکن ان کی اس بیہودگی پر سلسلۂ کلام توڑا نہیں گیا' بلکہ جو مضمون چلا آ رہا تھا' پہلے اسے مکمل کیا گیا اور پھر اس سوال کی طرف توجہ کی گئی جو معترض نے اٹھایا تھا (واضح رہے کہ اس واقعہ کو تفسیر کی کتابوں میں مختلف طریقوں سے روایت کیا گیا ہے جن میں بہت کچھ اختلاف ہے لیکن آیت کے سیاق و سباق اور ان روایات پر غور کرنے کے بعد ہمارے نزدیک واقعہ کی صحیح صورت وہی ہے جو ابھی ہم نے بیان کی ہے)۔

(تفہیم القرآن ج ۴ص ۵۴۶' طبع لاہور' مارچ ۱۹۸۳ء)

کتب حدیث اور کتب تفاسیر میں مذکور ہے کہ ابن الزبعری نے ''اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ'' (الانبیاء:۹۸) پر یہ اعتراض کیا تھا اور سید مودودی نے لکھا ہے کہ اس نے یہ اعتراض الزخرف: ۴۵ پر کیا تھا اور حدیث اور تفسیر کی

کسی کتاب میں یہ مذکور نہیں ہے کہ ابن الزبعری کا یہ اعتراض الزخرف: ۴۵ پر تھا' یہ محض سید مودودی کا مفروضہ اور ایجاد بندہ ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ کتب حدیث اور کتب تفسیر میں یہ مذکور ہے کہ ابن الزبعری نے الانبیاء: ۹۸ پر یہ اعتراض کیا کہ کیا ہر وہ شخص جس کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کی گئی ہے وہ اپنی عبادت کرنے والوں کے ساتھ جہنم میں ہوگا؟ تو ہم فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں اور یہود حضرت عزیر کی عبادت کرتے ہیں اور نصاریٰ عیسیٰ ابن مریم کی عبادت کرتے ہیں (یعنی اگر عیسیٰ اور عزیر علیہما السلام دوزخ میں جائیں تو ہمارے بتوں کے دوزخ میں جانے سے کیا خرابی ہوگی؟)۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۷۳۹' السیرۃ النبویہ ج۱ص ۳۹۷)

اور سید مودودی نے جو اپنی طرف سے حدیث بنا کر لکھی۔ ہے وہ یہ ہے کہ ابن الزبعری نے الزخرف: ۴۵ پر اعتراض کیا۔ الزخرف: ۴۵ میں مذکور ہے کہ آپ ان رسولوں سے پوچھئے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا: کیا ہم نے رحمٰن کے سوا کچھ اور معبود مقرر کیے تھے جن کی عبادت کی جائے؟ اس آیت پر ابن الزبعری نے یہ اعتراض کیا: کیوں صاحب! عیسائی مریم کے بیٹے کو خدا کا بیٹا قرار دے کر اس کی عبادت کرتے ہیں یا نہیں' پھر ہمارے معبود کیا بُرے ہیں؟ (تفہیم القرآن ج ۴ص ۵۴۶)

اگر کسی مسئلہ میں مختلف احادیث ہوں تو ایک محقق کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ دلائل کی بناء پر کسی ایک حدیث کو راجح اور دوسری حدیث کو مرجوح قرار دے یا سند کی قوت اور ضعف کے اعتبار سے ایک حدیث کو راجح اور دوسری کو مرجوح قرار دے لیکن کسی بھی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی مسئلہ کے متعلق اپنی طرف سے کوئی نئی حدیث وضع کرے' سید مودودی نے صرف یہی نہیں کیا کہ اپنی طرف سے ایک حدیث وضع کر لی بلکہ انہوں نے اپنی من گھڑت حدیث کو مسند احمد' معجم طبرانی اور صحیح ابن حبان کی روایت کردہ احادیث پر ترجیح بھی دی اور ان کی احادیث کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا ہے کہ آیت کے سیاق و سباق پر غور کرنے کے بعد واقعہ کی صحیح صورت وہی ہے جس کو انہوں نے وضع کیا ہے نہ کہ وہ روایات جو کتاب احادیث اور کتب تفسیر میں درج ہیں۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس سلسلہ میں مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ '' اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ '' (الانبیاء: ۹۸) کی تفسیر میں سید مودودی نے اسی روایت کو بیان کیا ہے جس کو الزخرف: ۵۷ کی تفسیر میں وہ رد کر چکے ہیں' سید مودودی لکھتے ہیں:

روایات میں آیا ہے کہ اس آیت پر عبداللہ بن الزبعری نے اعتراض کیا کہ اس طرح تو صرف ہمارے ہی معبود نہیں' مسیح اور عزیر اور ملائکہ بھی جہنم میں جائیں گے کیونکہ دنیا میں ان کی بھی عبادت کی جاتی ہے' اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' نعم کل من احب ان یعبد من دون اللہ فھو مع من عبدہ '' ہاں ہر وہ شخص جس نے پسند کیا کہ اللہ کے بجائے اس کی بندگی کی جائے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جنہوں نے اس کی بندگی کی۔ (تفہیم القرآن ج ۳ص ۱۸۷' مطبوعہ لاہور' مارچ ۱۹۸۳ء)

سید مودودی نے جو یہ روایت ذکر کی ہے یہ وہی روایت ہے جس کو ہم نے جامع البیان' المعجم الکبیر اور السیرۃ النبویہ کے حوالوں سے ذکر کیا ہے' غالباً الزخرف میں پہنچ کر سید مودودی بھول گئے تھے کہ وہ الانبیاء میں کیا لکھ چکے ہیں۔اس سے پہلے سورۃ الکہف کے دیباچہ میں بھی سید مودودی نے ایک روایت وضع کی ہے۔اس کی تفصیل تبیان القرآن ج ۷ص ۳۵۔۳۴' میں ملاحظہ فرمائیں۔

مشرکین کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کی بہ نسبت اپنے بتوں کی عبادت کو افضل قرار دینا

الزخرف: ۵۸ میں فرمایا: '' اور انہوں نے کہا: آیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ' ان کا اس مثال کو بیان کرنا محض جھگڑے کے لیے ہے' بلکہ وہ ہیں ہی جھگڑالو لوگ O ''

مشرکین کے اس قول کی متعدد تقریریں ہیں: علامہ ابو عبداللہ مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

(۱) ہمارے معبود بہتر ہیں یا عیسیٰ اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث کرتے ہوئے کہا: ہر وہ جس کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کی گئی وہ دوزخ میں ہوگا تو ہم اس بات سے راضی ہیں کہ ہمارے معبود بھی' عیسیٰ' ملائکہ اور عزیر کے ساتھ دوزخ میں چلے جائیں۔

(۲) قتادہ نے کہا: ہمارے معبود بہتر ہیں یا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)' قتادہ نے کہا: ان کا مطلب یہ تھا کہ ان کے معبود بہتر ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۹۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

قتادہ نے کہا: حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت میں ہے ''الھتنا خیر ام ھذا''۔ ان کی مراد تھی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم' قریش یہ کہتے تھے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف یہ ارادہ کرتے ہیں کہ ہم ان کی اس طرح عبادت کریں جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان کی عبادت کی تھی' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ صرف جدل اور جھگڑا کرنا چاہتے ہیں' امام احمد نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو قوم بھی ہدایت کے بعد گمراہ ہوئی اس کو وراثت میں جھگڑا دیا گیا۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۶) اور حضرت ابوامامہ سے ایک اور روایت ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو امت بھی اپنے نبی کے بعد گمراہ ہوئی اس کی پہلی گم راہی تقدیر کی تکذیب کرنا ہے اور جو امت بھی اپنے نبی کے بعد گم راہ ہوئی اس کو جدل اور جھگڑا دیا گیا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۴۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

کفار مکہ نے کہا: ہمارے معبود افضل ہیں یا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)' انہوں نے یہ اس لیے کہا کہ وہ کہتے تھے کہ (سیدنا) محمد ہم کو اپنی عبادت کی دعوت دیتے ہیں اور ہمارے آباء واجداد یہ کہتے ہیں کہ ان بتوں کی عبادت واجب ہے اور جب دو باتوں میں سے ایک بات ہوئی ہے تو ان بتوں کی عبادت افضل ہے کیونکہ ہمارے آباء اور اسلاف کا اسی طریقہ پر اتفاق ہے اور رہے (سیدنا) محمد تو ہمارے معاملہ میں ان کی عبادت پر تہمت ہے' لہٰذا بتوں کی عبادت کرنا زیادہ افضل ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۶۳۹' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

آیا کفار نے اپنے بتوں کو بہتر قرار دیا تھا یا حضرت عیسیٰ کو؟

ایک بحث یہ ہے کہ مشرکین نے جو کہا تھا کہ ہمارے معبود بہتر ہیں یا عیسیٰ' اس سے ان کی مراد اپنے معبودوں کو حضرت عیسیٰ سے افضل قرار دینا تھا' یا حضرت عیسیٰ کو اپنے معبودوں سے افضل قرار دینا تھا' اس کے متعلق مفسرین کی حسب ذیل تصریحات ہیں:

علامہ ابو الحسن علی بن احمد الواحدی النیشا پوری المتوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں:

یعنی ہمارے معبود حضرت عیسیٰ سے بہتر نہیں ہے' پس اگر حضرت عیسیٰ دوزخ میں ہوں کہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کی گئی ہے تو اسی طرح ہمارے معبود ہوں گے۔ (الوسیط ج ۴ ص ۷۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو القاسم محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۳۸ھ لکھتے ہیں:

ان کی مراد یہ تھی کہ ہمارے معبود آپ کے نزدیک حضرت عیسیٰ سے بہتر نہیں ہیں تو جب حضرت عیسیٰ (العیاذ باللہ) دوزخ کا ایندھن بنیں گے تو ہمارے معبودوں کا معاملہ تو آسان ہے۔ (الکشاف ج ۴ ص ۲۶۲' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں:

ان کی مراد یہ تھی: ہمارے معبود حضرت عیسیٰ سے بہتر نہیں ہیں' پس حضرت عیسیٰ (العیاذ باللہ) دوزخ کا ایندھن بنیں گے تو ہمارے معبودوں کا معاملہ تو آسان ہے۔ (مدارک التنزیل علی ہامش الخازن ج ۴ ص ۱۰۸' مطبوعہ پشاور)

قاضی ابوسعود محمد بن محمد مصطفیٰ العمادی الحنفی المتوفی ۹۸۲ھ لکھتے ہیں:

یعنی حضرت عیسیٰ ہمارے معبودوں سے بہتر ہیں' پس جب وہ دوزخ میں ہوں گے تو کوئی حرج نہیں ہے اگر ہم بھی اپنے معبودوں کے ساتھ دوزخ میں ہوں۔ (تفسیر ابوسعود ج ۶ ص ۳۹' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ شیخ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ ہمارے معبودوں سے بہتر ہیں' پس جب وہ دوزخ میں ہوں گے تو کوئی حرج نہیں ہے کہ ہم بھی اپنے معبودوں کے ساتھ دوزخ میں ہوں۔ (روح البیان ج ۸ ص ۵۱۲' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمارے بتوں سے بہتر ہیں' پس جب وہ دوزخ میں ہوں گے تو کوئی حرج نہیں ہے کہ ہمارے معبود اور ہم بھی دوزخ میں ہوں۔

(روح البیان جز ۲۵ ص ۱۴۳' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین حنفی مراد آبادی لکھتے ہیں:

مطلب یہ تھا کہ آپ کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہتر ہیں تو اگر وہ (معاذ اللہ) جہنم میں ہوئے تو ہمارے معبود یعنی بت بھی ہوا کریں کچھ پرواہ نہیں۔ (خزائن العرفان بر کنز الایمان ص ۷۸۵)

الزخرف: ۵۹ میں فرمایا: ''ابن مریم محض ہمارے (مقدس) بندے ہیں' ہم نے ان پر انعام فرمایا ہے اور ہم نے ان کو بنی اسرائیل کے لیے اپنی قدرت کی نشانی بنا دیا ہے''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے تھے' خدا یا خدا کے بیٹے نہ تھے

اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا یا اس کے بیٹے نہ تھے' وہ ہمارے بندوں میں سے ایک بندے تھے اور بہت مقدس اور مقرب بندے تھے' ہم نے ان کو شرف نبوت سے سرفراز کیا' ان کو کتاب عطا فرمائی اور وہ جہاں کہیں بھی ہوں ان کو برکت والا بنایا' ان کو پالنے اور پنگوڑے میں لوگوں سے کلام کرنے والا بنایا اور ان کو ہم نے اور بہت انعامات عطا کیے اور بنی اسرائیل کے لیے ہم نے ان کو اپنی قدرت کا نمونہ بنا دیا' اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا' پھر ان کو ایسے معجزات عطا فرمائے جو اس سے پہلے اور کسی کو عطا نہیں فرمائے تھے۔ وہ مٹی کا پرندہ بنا کر اس میں پھونک مارتے تو وہ جیتا جاگتا پرندہ بن کر فضا میں اڑنے لگتا' وہ مادر زاد اندھے کو بینا کر دیتے تھے اور کوڑھی کو تندرست کر دیتے تھے' انہوں نے دو قدیم اور دو جدید مُردوں کو زندہ کیا' انہوں نے جس طرح بچپن میں کلام کیا تھا اسی طرح آسمان سے نازل ہونے کے بعد ادھیڑ عمر میں کلام کریں گے' تاہم ان عظیم الشان معجزات کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عبدیت کے مقام سے اٹھا کر الوہیت کے مقام پر فائز کرنا صحیح نہیں ہے اور نہ ان کی عبادت کرنا درست ہے' البتہ ان معجزات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے انتہائی مکرم اور مقرب بندے اور عظیم الشان رسول تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر ہم چاہتے تو تمہاری جگہ فرشتے پیدا کر دیتے جو تمہارے بعد زمین میں رہتے ○ اور بے شک وہ

(ابن مریم) قیامت کی نشانی ہیں سو (اے مخاطب!) تم قیامت میں شک نہ کرنا اور میری پیروی کرتے رہنا' یہی صراط مستقیم ہے O اور شیطان تم کو روکنے نہ پائے' بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے O (الزخرف: ٦٢_٦٠)

فرشتوں کے اللہ کی بیٹیاں نہ ہونے کی ایک اور دلیل

اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر ہم چاہتے تو تمہاری جگہ زمین پر فرشتوں کو آباد کر دیتے جو تمہارے بعد زمین میں رہتے' بستے اور فرشتوں کے آسمانوں پر رہنے میں کوئی فضیلت نہیں ہے حتیٰ کہ ان کی عبادت کی جائے یا یہ کہا جائے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ١٦ص ٩٦' دارالفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

اس کا دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ اگر ہم چاہتے تو اے مردو! ہم تم سے فرشتوں کو پیدا کر دیتے اور تمہارے بعد زمین پر فرشتے اس طرح رہتے جس طرح تمہاری اولاد تمہارے بعد رہتی ہے اور جس طرح ہم نے عیسیٰ کو عورت سے بغیر مرد کے پیدا کر دیا تاکہ تم ہماری عظیم قدرت کو پہچانو اور تم یہ جان لو کہ فرشتوں کا بھی اسی طرح پیدا ہونا ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے کہ فرشتے اس کی بیٹیاں ہوں۔ (تفسیر کبیر ج ٩ص ٦٤٠' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ١٤١٥ھ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نازل ہونے کی تحقیق

الزخرف: ٦٣_٦٢ میں فرمایا: ''اور بے شک وہ (ابن مریم) قیامت کی نشانی ہیں' سو (اے مخاطب!) تم قیامت میں شک نہ کرنا اور میری پیروی کرتے رہنا یہی صراط مستقیم ہے O اور شیطان تم کو روکنے نہ پائے' بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے O''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' مجاہد' ضحاک اور قتادہ سے روایت ہے کہ اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خروج مراد ہے کیونکہ وہ قیامت کی علامتوں میں سے ہیں' وقوع قیامت سے پہلے اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ کو آسمان سے نازل فرمائے گا' جیسا کہ خروج دجال بھی قیامت کی علامتوں میں سے ہے اور اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عیسیٰ کے آسمان سے نزول کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے' عنقریب تم میں ابن مریم نازل ہوں گے' احکام نافذ کرنے والے' عدل کرنے والے' وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے' خنزیر کو قتل کریں گے' جزیہ موقوف کر دیں گے اور اس قدر مال لٹائیں گے کہ اس کو قبول کرنے والا کوئی نہیں ہوگا' حتیٰ کہ ایک سجدہ کرنا دنیا اور مافیہا سے بہتر ہوگا اور تم چاہو تو اس کی تصدیق میں یہ آیت پڑھو: ''اہل کتاب میں سے ہر شخص حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئے گا''۔ (النساء: ١٥٩)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٤٤٨' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٤٢' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٢٤٠' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤٠٧٨)

حضرت نواس بن سمعان کلابی رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث بیان کرتے ہیں' اس میں ہے کہ ایک صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے تذکرہ میں فرمایا: حضرت عیسیٰ ابن مریم جامع مسجد دمشق کے سفید مشرقی منارہ پر اس حال میں اتریں گے کہ انہوں نے ہلکے زرد رنگ کے دو حلے پہنے ہوئے ہوں گے اور انہوں نے دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہوں گے' جب آپ سر نیچا کریں گے تو پانی کے قطرے ٹپک رہے ہوں گے اور جب آپ سر اوپر اٹھائیں گے تو موتیوں کی طرح سفید چاندی کے دانے جھڑ رہے ہوں گے۔ الحدیث

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٩٣٧' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٤٣٢١' سنن ترمذی رقم الحدیث: ٢٢٤٧' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤٠٧٥)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے اور عیسیٰ علیہ السلام کے

درمیان کوئی نبی نہیں ہے اور وہ (آسمان سے) نازل ہوں گے' جب تم ان کو دیکھو گے تو پہچان لو گے' ان کا رنگ سرخی آمیز سفید ہوگا' قد متوسط ہوگا' وہ ہلکے زرد حلے پہنے ہوئے ہوں گے' ان پر تری نہیں ہوگی' لیکن گویا ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہوں گے اور وہ لوگوں سے اسلام پر قتال کریں گے' صلیب کو توڑ دیں گے' جزیہ موقوف کر دیں گے' اللہ ان کے زمانہ میں اسلام کے سوا باقی تمام مذاہب کو مٹا دے گا' وہ مسیح دجال کو ہلاک کریں گے' چالیس سال زمین میں قیام کرنے کے بعد وفات پائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۲۴' مسند احمد ج ۲ ص ۴۳۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: میں لوگوں کی بہ نسبت ابن مریم کے سب سے زیادہ قریب ہوں اور انبیاء باپ شریک بھائی ہیں' میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۴۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۷۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تمہاری کیا شان ہوگی جب ابن مریم تم میں نازل ہوں گے اور امام تم میں سے ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۴۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۵' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۳۳)

حضرت عیسیٰ کے آسمان سے نزول کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ ۚ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ○ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ○ (النساء: ۱۵۸۔۱۵۷)

(اور یہود کا کفر) ان کے اس قول کی وجہ سے ہے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا' حالانکہ انہوں نے اس کو قتل نہیں کیا اور نہ انہوں نے اس کو سولی دی لیکن ان کے لیے (کسی شخص کو عیسیٰ کا) مشابہ بنا دیا گیا تھا اور بے شک جنہوں نے اس کے معاملہ میں اختلاف کیا وہ ضرور اس کے متعلق شک میں ہیں' انہیں اس کا بالکل یقین نہیں ہے' ہاں وہ اپنے گمان کے مطابق کہتے ہیں اور انہوں نے اس کو یقیناً قتل نہیں کیا ○ بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ بہت غالب نہایت حکمت والا ہے ○

یہود کا کفر کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ کے قتل کا دعویٰ کیا

اس آیت میں یہود کے ایک اور کفریہ قول کا ذکر فرمایا ہے اور وہ ان کا یہ کہنا ہے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ان کا بہت بڑا کفر ہے' کیونکہ اس قول سے یہ معلوم ہوا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے میں دلچسپی رکھتے تھے اور اس میں بہت کوشش کرتے تھے' ہر چند کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قاتل نہیں تھے لیکن چونکہ وہ فخریہ طور پر یہ کہتے تھے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا ہے' اس لیے ان کا یہ قول کفریہ قرار پایا۔

یہود کا حضرت عیسیٰ کے مشابہ کو قتل کرنا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''انہوں نے (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) کو قتل نہیں کیا نہ انہوں نے ان کو سولی دی لیکن ان کے لیے کسی شخص کو (عیسیٰ کا) مشابہ بنا دیا گیا تھا''۔

امام ابوجعفر ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ سترہ حواریوں کے ساتھ ایک گھر میں اس وقت داخل ہوئے جب یہودیوں

نے ان کو گھیر لیا تھا' جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کی صورت حضرت عیسیٰ کی صورت کی طرح بنا دی' یہودیوں نے ان سے کہا: تم نے ہم پر جادو کر دیا ہے' تم یہ بتلاؤ کہ تم میں سے عیسیٰ کون ہے ورنہ ہم سب کو قتل کر دیں گے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے کہا: تم میں سے کون آج اپنی جان کو جنت کے بدلہ میں فروخت کرتا ہے؟ ان میں سے ایک حواری نے کہا: میں! وہ یہودیوں کے پاس گیا اور کہا: میں عیسیٰ ہوں' اس وقت اللہ تعالیٰ نے اس کی صورت حضرت عیسیٰ کی طرح بنائی ہوئی تھی' انہوں نے اس کو پکڑ کر قتل کر دیا اور سولی پر لٹکا دیا' اس وجہ سے وہ شخص ان کے لیے حضرت عیسیٰ کے مشابہ کر دیا گیا تھا' یہودیوں نے گمان کیا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا ہے اور عیسائیوں نے بھی یہی گمان کر لیا' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو اسی دن اٹھا لیا تھا۔ (جامع البیان جز ۶ ص ۱۷' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

ابو علی جبائی نے کہا ہے کہ یہودی سرداروں نے ایک انسان کو پکڑ کر قتل کر دیا اور اس کو ایک اونچی جگہ پر سولی دے دی اور کسی شخص کو اس کے قریب جانے نہیں دیا حتیٰ کہ اس کا حلیہ متغیر ہو گیا اور ان یہودیوں نے کہا: ہم نے عیسیٰ کو قتل کر دیا تاکہ ان کے عوام اس وہم میں رہیں' کیونکہ یہودیوں نے جس مکان میں حضرت عیسیٰ کو بند کر رکھا تھا جب وہ اس میں داخل ہوئے تو وہ مکان خالی تھا اور ان کو یہ خدشہ ہوا کہ کہیں یہ واقعہ یہودیوں کے ایمان لانے کا سبب نہ بن جائے' اس لیے انہوں نے ایک شخص کو قتل کر کے یہ مشہور کر دیا کہ ہم نے عیسیٰ کو قتل کر دیا اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے ایک حواری منافق تھا' اس نے یہودیوں سے تیس درہم لے کر یہ کہا کہ میں تم کو بتا دوں گا کہ عیسیٰ کہاں چھپے ہیں' وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گھر میں داخل ہوا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھا لیا گیا اور اس منافق کے اوپر حضرت عیسیٰ کی شبہ ڈال دی گئی' یہودیوں نے اس کو اس گمان میں قتل کر دیا کہ وہ حضرت عیسیٰ ہے۔

(امام ابن جریر نے جامع البیان جز ۶ ص ۱۸ اور حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر کی ج ۲ ص ۴۳۱-۴۳۰ پر اس روایت کو وہب بن منبہ سے بہت تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے) (روح المعانی جز ۶ ص ۱۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

''بل رفعه الله الیه'' پر مرزائیہ کے اعتراض کے جوابات

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا'' مرزائی اس آیت سے استدلال کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں رفع سے مراد ہے: روح کا اٹھا لینا' ان کا یہ کہنا اس لیے غلط اور باطل ہے کہ ''بل رفعه الله الیه'' میں کلام سابق سے اضراب ہے' کلام سابق میں جس چیز کی نفی کی ہے ''بل'' سے اضراب کر کے اس چیز کا اثبات کیا ہے' کلام سابق میں مذکور ہے کہ یہود نے کہا تھا کہ ہم نے عیسیٰ کو قتل کیا ہے اور ان کو سولی دی ہے' ان کا دعویٰ یہ تھا کہ ہم نے حضرت عیسیٰ کے جسم مع روح کو قتل کیا ہے اور ان کے جسم مع روح کو سولی دی ہے' کیونکہ روح کو قتل کرنا اور اس کو سولی دینا غیر معقول ہے اور نہ یہ یہود کا دعویٰ تھا۔ پس ''بل'' سے پہلے جسم مع روح کو قتل کرنے کا ذکر تھا تو ''بل'' کے بعد جسم مع روح کے رفع اور اس کے اٹھانے کا ذکر ہے اور اس کو صرف روح کے رفع اور اٹھانے پر محمول کرنا سیاق و سباق اور قواعد نحو کے خلاف ہے اور غلط اور باطل ہے۔ لہٰذا اس آیت سے واضح ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ کے جسم مع روح کو آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا۔

اس آیت سے استدلال پر مرزائیہ کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ حدیث میں ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من تواضع لله رفعه الله. جس نے اللہ کے لیے تواضع کی اللہ اس کا مرتبہ بلند فرماتا ہے۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۱۲۹ العلل المتناہیہ ج ۲ ص ۳۲۵ مشکوۃ رقم الحدیث: ۵۱۱۹)

سو جس طرح اس حدیث میں رفع کا معنیٰ رفع درجات ہے اسی طرح ''بل رفعه الله الیه'' کا معنیٰ بھی یہ ہے: اللہ نے حضرت عیسیٰ کے درجات بلند کیے' نہ کہ یہ کہ ان کو زندہ آسمان کی طرف اٹھالیا۔

اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

اس حدیث کی سند بہت رقیق ہے' اس میں ایک راوی ہے سعید بن سلام' ابن نمیر نے کہا: یہ کذاب ہے' امام بخاری نے کہا: یہ حدیث وضع کرتا تھا۔ امام نسائی نے کہا: یہ ضعیف ہے' امام احمد بن حنبل نے کہا: یہ کذاب ہے۔

(میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۰۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت کے سیاق وسباق سے یہ متعین ہے کہ ''بل رفعه الله الیه'' کا معنیٰ یہ ہے: اللہ تعالیٰ نے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھالیا نہ یہ کہ ان کے درجہ کو بلند فرمایا۔

اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ ''بل رفعه الله الیه'' کا معنیٰ ان کا درجہ بلند کرنا مجاز ہے اور مجاز پر اس وقت محمول کیا جاتا ہے جب حقیقت محال ہو اور یہاں حقیقت محال نہیں ہے' نیز ''بل رفعه الله'' کے ساتھ ''الیه'' بھی مذکور ہے' اگر اس کا معنیٰ درجہ بلند کرنا ہوتا تو پھر الیہ کی ضرورت نہ تھی۔

مرزائیہ کا اس استدلال پر تیسرا اعتراض یہ ہے کہ ''بل رفعه الله الیه'' کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھالیا حالانکہ تمہارا مدعیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں کی طرف اٹھالیا۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آسمان والے سے تعبیر کیا گیا ہے' قرآن مجید میں ہے:

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ۝ (الملک: ۱۶)

کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ آسمان والا تم کو زمین میں دھنسا دے اور زمین اچانک لرزنے لگے ۝

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب وحی کے منتظر ہوتے تو آسمان کی طرف دیکھتے تھے:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ (البقرہ: ۱۴۴)

بے شک ہم آپ کے چہرہ کو بار بار آسمان کی طرف اٹھتا ہوا دیکھ رہے تھے۔

اس لیے زیر بحث آیت میں بھی اللہ تعالیٰ کی ذات سے آسمانوں کا کنایہ ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں کی طرف اٹھالیا اور اس کی تائید اور تقویت ان احادیث سے ہوتی ہے جن میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں کی طرف اٹھالیا اور قرب قیامت میں وہ آسمان سے نازل ہوں گے اور اس پر اجماع امت ہے' مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی براہین احمدیہ میں یہی لکھا ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

''انی متوفیک ورافعک الی'' سے حضرت عیسیٰ کے نزول پر استدلال

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (آل عمران: ۵۵)

(اے رسول مکرم! یاد کیجئے) جب اللہ نے فرمایا: اے عیسیٰ! بے شک میں آپ کی عمر پوری کرنے والا ہوں اور آپ کو اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور آپ کو کافروں (کے بہتان) سے پاک کرنے والا ہوں۔

اس آیت میں "متوفیک" کا لفظ ہے' اس کا مصدر "توفی" ہے اور اس کا مادہ وفات ہے۔ وفات کے معنیٰ ہیں: پورا کرنا' موت کو بھی وفات اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے ذریعہ عمر پوری ہو جاتی ہے۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

وافی اس چیز کو کہتے ہیں جو تمام اور کمال کو پہنچ جائے' قرآن مجید میں ہے:

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ ۔ (بنو اسرائیل: ۳۵) اور جب تم ناپو تو پورا ناپو۔

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ ۔ (الزمر: ۷۰) اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

موت پر وفات کا اطلاق کیا جاتا ہے کیونکہ موت کے ذریعہ زندگی کی مدت پوری ہو جاتی ہے اور نیند بھی موت کی بہن ہے' کیونکہ نیند میں بھی اعصاب ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور حواس اور مشاعر معطل ہو جاتے ہیں' اس لیے نیند پر بھی وفات کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔ (المفردات ص ۵۲۹-۵۲۸' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ' ایران' ۱۳۴۲ھ)

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۔ (الزمر: ۴۲) اللہ جانوں کو ان کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے اور جنہیں موت نہیں آئی انہیں ان کی نیند میں۔

امام رازی نے ذکر کیا ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اے عیسیٰ! میں آپ کی عمر پوری کرنے والا ہوں اور آپ کو زمین پر نہیں چھوڑوں گا تاکہ وہ آپ کو قتل کر دیں بلکہ اپنی طرف اٹھا لوں گا۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۵۷' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر نے بھی اپنی سند کے ساتھ اس آیت کے متعدد محامل بیان کیے ہیں:

ربیع بیان کرتے ہیں کہ اللہ آپ پر نیند کی وفات طاری کرے گا اور آپ کو نیند میں آسمان پر اٹھا لے گا۔

کعب احبار نے بیان کیا کہ اللہ نے آپ کی طرف یہ وحی کی کہ میں آپ کو جسم مع روح کے قبض کر لوں گا اور آپ کو اپنی طرف اٹھا لوں گا اور میں عنقریب آپ کو کانے دجال کے خلاف بھیجوں گا' آپ اس کو قتل کریں گے' پھر اس کے بعد آپ چوبیس سال تک زندہ رہیں گے۔ پھر میں آپ پر موت طاری کروں گا۔ کعب احبار نے کہا: یہ معنیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی تصدیق کرتا ہے' آپ نے فرمایا: وہ امت کیسے ہلاک ہو گی جس کے اول میں' میں ہوں اور جس کے آخر میں عیسیٰ ہیں۔ اور بعض علماء نے کہا: واؤ مطلق جمع کے لیے آتی ہے' ترتیب کا تقاضا نہیں کرتی' اس لیے اس آیت کا معنیٰ یہ ہے: اے عیسیٰ! میں تمہیں اپنی طرف اٹھاؤں گا اور میں تمہیں کافروں (کی تہمت) سے پاک کروں گا اور اس کے بعد دنیا میں نازل کر کے تم پر وفات طاری کروں گا۔

امام ابو جعفر طبری کہتے ہیں کہ ان اقوال میں میرے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ میں آپ کو روح مع جسم کے قبض کر لوں گا' پھر آپ کو اپنی طرف اٹھاؤں گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر احادیث میں ہے کہ عیسیٰ بن مریم زمین پر نازل ہو کر دجال کو قتل کریں گے' پھر ایک مدت تک زمین پر رہیں گے' پھر وفات پائیں گے' پھر مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھ کر ان کو دفن کریں گے۔ پھر امام ابو جعفر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام انبیاء علاتی (باپ کی طرف سے) بھائی ہیں۔ ان کی مائیں مختلف ہیں اور ان کا دین واحد ہے اور میں عیسیٰ بن مریم کے سب سے زیادہ قریب ہوں کیونکہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے اور وہ میری امت پر میرے خلیفہ ہوں گے' وہ زمین پر نازل ہوں گے' جب تم ان کو دیکھو گے تو ان کو پہچان لو گے۔ وہ متوسط الخلق ہیں' ان کا رنگ سرخی مائل سفید ہو گا' ان کے بال سیدھے ہوں گے گویا ان سے

پانی ٹپک رہا ہے اگرچہ وہ بھیگے ہوئے نہیں ہوں گے۔ وہ صلیب توڑ ڈالیں گے' خنزیر کو قتل کریں گے' فیاضی سے مال تقسیم کریں گے' اسلام کے لیے لوگوں سے جہاد کریں گے حتیٰ کہ ان کے زمانہ میں تمام باطل دین مٹ جائیں گے اور اللہ ان کے زمانہ میں مسیح الدجال کو ہلاک کر دے گا اور تمام روئے زمین پر امن ہو گا' اونٹ سانپوں کے ساتھ چر رہے ہوں گے' بیل چیتوں کے ساتھ چر رہے ہوں گے اور بکریاں بھیڑیوں کے ساتھ' اور بچے سانپوں کے ساتھ کھیل رہے ہوں گے اور کوئی کسی کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ وہ چالیس سال تک زمین میں رہیں گے' پھر وفات پائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھ کر ان کو دفن کر دیں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عیسیٰ بن مریم ضرور زمین پر نازل ہوں گے وہ برحق فیصلہ کریں گے اور نیک امام ہوں گے' صلیب کو توڑ ڈالیں گے' خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ موقوف کریں گے وہ بڑی فیاضی سے مال تقسیم کریں گے حتیٰ کہ کوئی شخص اس مال کا لینے والا نہیں ہو گا اور وہ مقام روحاء پر حج یا عمرہ کرنے کے لیے جائیں گے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۰۴۔۲۰۲' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

''انی متوفیک ورافعک الی'' پر مرزائیہ کے اعتراض کا جواب

مرزائی اس آیت سے استدلال پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس آیت سے پہلے ''انی متوفیک'' کا ذکر ہے اور پھر ''رافعک الی'' کا ذکر ہے یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو پہلے وفات یعنی موت دے گا' پھر آپ کی روح کو اپنی طرف اٹھائے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ وفات کا معنیٰ ہے: پورا کرنا اور اس کا معنیٰ موت نہیں ہے اور یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ میں آپ کی عمر پوری کرنے والا ہوں اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ میں آپ سے اپنا وعدہ پورا کرنے والا ہوں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ آپ کو دشمنوں سے بچائے گا اور اگر بالفرض ''انی متوفیک'' کا معنیٰ یہ ہو کہ میں آپ کو وفات دینے والا ہوں' تب اس آیت کا معنیٰ یوں ہو گا کہ میں آپ کو اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور آپ کو وفات دینے والا ہوں' یعنی پہلے آسمان کی طرف آپ کو اٹھاؤں گا اور پھر وفات دوں گا' رفع پہلے ہے اور وفات بعد میں ہے لیکن ذکر میں وفات کو مقدم کیا ہے اور رفع کو موخر کیا کیونکہ واؤ مطلقاً جمع کے لیے آتی ہے ترتیب کے لیے نہیں آتی' جیسے واقع میں رکوع پہلے ہے اور سجدہ بعد میں ہے لیکن قرآن مجید میں ایک جگہ ہے ''واسجدی وارکعی'' (آل عمران: ۴۳) سجدہ کر اور رکوع کر۔

''ومکروا ومکر الله'' سے حضرت عیسیٰ کے نزول پر استدلال

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے (ان کے خلاف) خفیہ تدبیر فرمائی ۝ (آل عمران: ۵۴)

اللہ کی خفیہ تدبیر کے مطابق ایک شخص پر حضرت عیسیٰ کی شبہ ڈالنا

مکر اس فعل کو کہتے ہیں کہ جس کے سبب سے کسی شخص کو مخفی طریقہ سے ضرر پہنچایا جائے یا ضرر رسانی کو ملمع کاری سے نفع رسانی بنایا جائے اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف مکر کی نسبت ہو تو اس سے مراد خفیہ تدبیر ہے۔ فراء نے بیان کیا ہے کہ کافروں کا مکر یہ تھا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی سازش کی اور اللہ کا مکر یہ تھا کہ اللہ نے ان کو ڈھیل دی۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: جب بھی وہ کوئی گناہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کو ایک نئی نعمت دیتا۔ زجاج نے کہا: اللہ کے مکر سے مراد انہیں ان کے مکر کی سزا دینا ہے' جس طرح قرآن مجید میں ہے: ''الله یستهزیء بهم'' یعنی اللہ ان کو ان کے استہزاء کی سزا دیتا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سدی بیان کرتے ہیں کہ بنو اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے انیس (۱۹) حواریوں کو ایک گھر میں بند کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تم میں سے کون شخص میری صورت کو قبول کرے گا؟ سو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اس کو جنت مل جائے گی' ان میں سے ایک شخص نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت کو قبول کر لیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان کی طرف چڑھ گئے اور یہ اس کا معنیٰ ہے کہ کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے خلاف خفیہ تدبیر فرمائی۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۲۰۲' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی شبہ کسی اور پر ڈال دی گئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھا لیا اور یہ واقعہ اس طرح ہوا کہ جب یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے پر متفق ہو گئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان سے بچنے کے لیے بھاگ کر ایک گھر میں آئے' حضرت جبریل نے اس گھر کے روشن دان سے ان کو آسمان کی طرف اٹھا لیا۔ ان کے بادشاہ نے ایک خبیث شخص یہوذا سے کہا: جاؤ گھر میں داخل ہو اور ان کو قتل کر دو۔ وہ روشن دان سے گھر میں داخل ہوا تو وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ پایا اور اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبہ ڈال دی۔ جب وہ گھر سے باہر نکلا تو لوگوں نے اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت پر پایا' انہوں نے اس کو پکڑ کر قتل کیا اور سولی پر چڑھا دیا' پھر انہوں نے کہا کہ اس کا چہرہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہے اور اس کا بدن ہمارے ساتھی کے مشابہ ہے' اگر یہ ہمارا ساتھی ہے تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہاں گئے اور اگر یہ عیسیٰ ہے تو ہمارا ساتھی کہاں گیا' پھر ان کے درمیان لڑائی ہوئی اور بعض نے بعض کو قتل کر دیا اور یہ اس آیت کی تفسیر ہے کہ انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے خلاف خفیہ تدبیر فرمائی۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۴ ص ۹۹' ایران' ۱۳۸۷ھ)

"یکلم الناس فی المهد و کهلا" سے حضرت عیسیٰ کے نزول پر استدلال

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ○ (آل عمران: ۴۶)

وہ (مسیح ابن مریم) لوگوں سے گہوارے میں بھی کلام کرے گا اور پختہ عمر میں بھی' اور نیکوں میں سے ہوگا○

"کہل" کا معنیٰ ہے: جب شباب پختہ اور تام ہو جائے اور یہ چالیس سے ساٹھ سال کی عمر کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس آیت پر یہ سوال ہے کہ پنگوڑے میں باتیں کرنا تو قابل ذکر امر ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے۔ پختہ عمر میں بات کرنا کون سی خصوصیت ہے جس کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ذکر کیا ہے' اس سوال کے متعدد جوابات ہیں: ایک یہ کہ اس آیت سے مقصود نجران کے عیسائی وفد کا رد کرنا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے مدعی تھے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ بچپن سے کہولت تک کا زمانہ گزاریں گے اور اس زمانہ میں ان پر جسمانی تغیرات آتے رہیں گے اور خدا وہ ہوتا ہے جس پر کوئی تغیر اور تبدل نہ آ سکے کیونکہ تغیر حدوث کو مستلزم ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تینتیس سال کی عمر میں آسمانوں پر اٹھا لیا گیا' پھر کئی ہزار سال بعد جب وہ آسمان سے اتریں گے تو وہ کہولت اور پختہ عمر کے ہوں گے اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے کہ کئی ہزار برس گزرنے کے بعد چالیس سال کے ہوں گے' سو ان کا پنگوڑے میں باتیں کرنا بھی معجزہ ہے اور پختہ عمر میں باتیں کرنا بھی معجزہ ہے کیونکہ لیل و نہار کی گردش اور ہزاروں سال کا گزرنا ان کی جسمانی ساخت پر اثر انداز نہیں ہوا اور جس طرح پختہ عمر میں وہ اٹھائے گئے تھے آسمانوں سے اترنے کے بعد بھی وہ اسی طرح پختہ عمر کے ہوں گے۔

''وان من اھل الکتب الا لیومنن بہ'' سے حضرت عیسیٰ کے نزول پر استدلال

وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ‌ ۚ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يَكُوۡنُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا ۝ (النساء: ۱۵۹)

اور (نزول مسیح کے وقت) اہل کتاب میں سے ہر شخص اس کی موت سے پہلے ضرور اس پر ایمان لے آئے گا اور قیامت کے دن عیسیٰ ان پر گواہ ہوں گے ۝

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا بیان

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ''قبل موتہ'' کی ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ہیں: ایک احتمال یہ ہے کہ یہ ضمیر اہل کتاب کی طرف راجع ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ ضمیر حضرت عیسیٰ کی طرف راجع ہے۔

پہلی صورت میں اس آیت کا معنیٰ ہوگا: اہل کتاب میں سے ہر شخص اپنی موت سے پہلے ضرور حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آئے گا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی مختار ہے' امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

علی بن ابی طلحہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: کوئی یہودی اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک حضرت عیسیٰ پر ایمان نہ لے آئے۔ (جامع البیان ج۶ ص ۲۷' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی یہودی محل کے اوپر سے گرے تو وہ زمین پر پہنچنے سے پہلے حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آئے گا۔

سدی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: ہر یہودی اور نصرانی اپنے مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ بن مریم پر ایمان لے آئے گا' ان پر ان کے ایک شاگرد نے اعتراض کیا: جو شخص ڈوب رہا ہو یا آگ میں جل رہا ہو' یا اس پر اچانک دیوار گر جائے' یا اس کو درندہ کھا جائے' وہ مرنے سے پہلے کیسے ایمان لائے گا؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس کے جسم سے اس کی روح اس وقت تک نہیں نکلے گی جب تک کہ وہ حضرت عیسیٰ پر ایمان نہ لائے۔

(جامع البیان ج۶ ص ۲۸۔ ۲۷' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

یہ تفسیر مرجوح ہے کیونکہ جو یہودی یا نصرانی لڑائی میں اچانک دشمن کے حملہ سے مر جاتا ہے یا خودکشی کر لیتا ہے یا وہ کسی بھی حادثہ میں اچانک مر جاتا ہے اس کو کب حضرت عیسیٰ پر ایمان لانے کا موقع ملے گا اور راجح دوسری تفسیر ہے جس میں یہ ضمیر حضرت عیسیٰ کی طرف راجع ہے' امام ابن جریر نے بھی اسی تفسیر کو راجح قرار دیا ہے اور اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ قیامت سے پہلے آسمان سے زمین پر نازل ہوں گے' واضح رہے کہ مرزائی پہلی تفسیر کو راجح قرار دیتے ہیں' تاکہ نزول مسیح نہ ثابت ہو' بہر نوع اس صورت میں معنیٰ یہ ہے: ''اور (نزول مسیح کے وقت) اہل کتاب میں سے ہر شخص عیسیٰ کی موت سے پہلے ضرور ان پر ایمان لے آئے گا''۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم کی موت سے پہلے۔

ابو مالک نے اس کی تفسیر میں کہا: جب حضرت عیسیٰ بن مریم کا زمین پر نزول ہوگا تو اہل کتاب میں سے ہر شخص ان پر ایمان لے آئے گا۔

حسن نے اس کی تفسیر میں کہا: حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے' بہ خدا وہ اب بھی زندہ ہیں لیکن جب وہ زمین پر نازل ہوں گے تو ان پر سب ایمان لے آئیں گے۔

ابن زید نے کہا: جب عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے تو دجال کو قتل کر دیں گے اور روئے زمین کا ہر یہودی حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آئے گا۔ (جامع البیان جز ۶ ص ۲۶۔۲۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی حکمتیں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان سے نازل کرنے کی حسب ذیل حکمتیں ہیں:

(۱) یہود کے اس زعم اور دعویٰ کا رد کرنا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا ہے' اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نازل کر کے ان کے جھوٹ کو ظاہر فرما دے گا۔

(۲) جب ان کی مدت حیات پوری ہونے کے قریب ہو گی تو زمین پر ان کو نازل کیا جائے گا تا کہ ان کو زمین میں دفن کیا جائے کیونکہ جو مٹی سے بنایا گیا ہو اس میں یہی اصل ہے کہ اس کو مٹی میں دفن کیا جائے۔

(۳) جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات اور آپ کی امت کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ آپ کو ان میں سے کر دے' اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ کو باقی رکھا حتیٰ کہ آپ آخر زمانہ میں نازل ہوں گے' احکام اسلام کی تجدید کریں گے اور آپ کا نزول دجال کے خروج کے زمانہ کے موافق ہو گا' سو آپ اس کو قتل کریں گے۔

(۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے نصاریٰ کے جھوٹے دعووں کا رد ہو گا جو وہ حضرت عیسیٰ کے متعلق کرتے رہے' وہ ان کو خدا یا خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور یہ کہ یہودیوں نے ان کو سولی دی اور وہ مرنے کے بعد تین دن بعد زندہ ہو گئے۔

(۵) نیز حضرت عیسیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی بشارت دی تھی اور مخلوق کو آپ کی تصدیق اور اتباع کی دعوت دی تھی' اس لیے خصوصیت کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نازل فرمایا۔

مذکورہ استدلال پر مرزائیہ کے اعتراض کا جواب

قرآن مجید میں ہے:

اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَیَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ جَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَیْنَكُمْ فِیْمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ○ (آل عمران: ۵۵)

(اے رسول مکرم! یاد کیجئے) جب اللہ نے فرمایا: اے عیسیٰ! بے شک میں آپ کی عمر پوری کرنے والا ہوں اور آپ کو اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور آپ کے پیروکاروں کو (دلائل کے ذریعہ) قیامت تک کافروں پر فوقیت دینے والا ہوں' پھر تم سب کو میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے' پھر میں تمہارے درمیان اس چیز کا فیصلہ کروں گا' جس میں تم اختلاف کرتے تھے ○

اس آیت سے دو چیزیں معلوم ہوتی ہیں: ایک یہ کہ قیامت تک کفار رہیں گے' تبھی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کو قیامت تک کفار پر فوقیت حاصل رہے گی اور دوسری چیز یہ ہے کہ قیامت تک اہل کتاب ایک دوسرے سے اختلاف کرتے رہیں گے' حالانکہ آپ نے النساء: ۱۵۹ کے ترجمہ میں یہ بیان کیا ہے کہ: ''اور (نزول مسیح کے وقت) اہل کتاب میں سے ہر شخص اس کی موت سے پہلے ضرور اس پر ایمان لے آئے گا اور قیامت کے دن عیسیٰ ان پر گواہ ہوں گے''۔ پس اعتراض یہ ہے کہ جب سب مومن ہو جائیں گے تو حضرت عیسیٰ کے پیروکاروں کا غلبہ کن کافروں پر ہو گا۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ آل عمران: ۵۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب میں قیامت تک اختلاف رہے گا حتیٰ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کے

درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ اور النساء: ۵۹ کی جو آپ نے تقریر کی ہے اس کا مفاد یہ ہے کہ قیامت سے پہلے سب مومن ہو جائیں گے' پھر ان میں اختلاف نہیں رہے گا اور یہ آل عمران: ۵۵ کے خلاف ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ پر سب لوگوں کے ایمان لانے سے پہلے اہل کتاب میں اختلاف بھی ہوگا اور ان میں کفار بھی ہوں گے جن پر اہل ایمان دلائل کے اعتبار سے غالب رہیں گے اور یہ واقعہ قیامت سے کچھ پہلے ہوگا' اس لیے اس کو مجازاً قیامت تک سے تعبیر کر دیا' جیسا کہ آل عمران: ۵۵ میں ہے اور بعد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد ان کی موت سے پہلے تمام اہل کتاب ان کے عبد ہونے اور ان کے رسول ہونے پر ایمان لے آئیں گے۔

''وما محمد الا رسول'' سے مرزائیہ کے اعتراض کا جواب

قرآن مجید میں ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ○ (آل عمران: ۱۴۴)

اور محمد (خدا نہیں ہیں) صرف رسول ہیں' ان سے پہلے اور رسول گزر چکے ہیں' تو اگر وہ فوت ہو جائیں یا شہید ہو جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے تو جو اپنی ایڑیوں پر پھر جائے گا سو وہ اللہ کا کچھ نقصان نہیں کرے گا اور عنقریب اللہ شکر کرنے والوں کو جزاء دے گا ○

مرزائی اس آیت کا یہ معنیٰ کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تمام رسول فوت ہو چکے ہیں' اس لیے عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کا عقیدہ رکھنا اور قرب قیامت میں ان کے نزول کا عقیدہ رکھنا اس آیت کے خلاف ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے: ''ان سے پہلے اور رسول گزر چکے ہیں'' یہ نہیں فرمایا کہ ان سے پہلے اور رسول فوت ہو چکے ہیں اور اگر بالفرض اس کا یہ معنیٰ ہو کہ ان سے پہلے اور رسول فوت ہو چکے ہیں' تب بھی اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ ان سے پہلے تمام رسول فوت ہو چکے ہیں' حتیٰ کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی فوت ہونا لازم آئے اور اگر بالفرض اس کا یہ معنیٰ ہو کہ: ''اور ان سے پہلے تمام رسول فوت ہو چکے ہیں'' تب بھی اس عمومی قاعدہ سے حضرت علیہ السلام مستثنیٰ ہوں گے اور استثناء کی دلیل قرآن مجید کی وہ متعدد آیات اور احادیث ہیں جن سے حیات مسیح اور نزول مسیح ثابت ہے جن کو ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں' اس کی نظیر یہ آیت ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ (الحجرات: ۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم سب کو مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو خاندان اور قبیلے بنا دیئے تا کہ تم ایک دوسرے کی شناخت کرو۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۚ (الدھر: ۲)

بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مرد اور عورت کے مخلوط پانی سے پیدا کیا ہے' لیکن اس قاعدہ کلیہ سے حضرت عیسیٰ مستثنیٰ ہیں کہ ان کو بغیر مرد کے پیدا کیا اور حضرت حواء مستثنیٰ ہیں کہ ان کو بغیر عورت کے پیدا کیا اور حضرت آدم بھی مستثنیٰ ہیں کہ ان کو مرد اور عورت دونوں کے بغیر پیدا کیا اور اس استثناء کی قرآن مجید میں اور بھی بہت نظائر ہیں' پس اگر ''وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ'' (آل عمران: ۱۴۴) کا یہ معنیٰ ہو کہ آپ سے پہلے تمام انبیاء علیہم السلام فوت ہو چکے ہیں تب بھی اس عموم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مستثنیٰ ہیں' کیونکہ قرآن مجید کی دیگر آیات اور احادیث صحیحہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور ان کا آسمان سے نزول ثابت ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی عبارات سے حیاتِ مسیح اور نزولِ مسیح پر استدلال

مرزا غلام احمد قادیانی متوفی ۱۹۰۸ھ نے لکھا ہے:

سو حضرت مسیح تو انجیل کو ناقص ہی ناقص چھوڑ کر آسمانوں پر جا بیٹھے۔

(حاشیہ در حاشیہ براھین احمدیہ ص ۳۶۱' طبع قدیم' ص ۷۷-۴۳ طبع جدید' نظارت اشاعت ربوہ' ۱۲۹۷ھ)

اس عبارت میں غلام احمد قادیانی نے یہ تصریح کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں کی طرف اٹھالیا گیا۔

نیز مرزا غلام احمد قادیانی نے لکھا ہے:

اور فرقانی اشارہ اس آیت میں ہے: "هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ" (الفتح: ۲۸) یہ آیت جسمانی اور سیاست ملکی کے طور پر حضرت مسیح کے حق میں پیش گوئی ہے اور جس غلبہ کاملہ دین اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے وہ غلبہ مسیح کے ذریعہ سے ظہور میں آئے گا اور جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق اور اقطار میں پھیل جائے گا۔

(حاشیہ در حاشیہ براہین احمدیہ ص ۴۹۹ طبع قدیم' ص ۵۳۹ طبع جدید' نظارت اشاعت' ربوہ' ۱۲۹۷ھ)

اس عبارت میں غلام احمد قادیانی نے یہ تصریح کی ہے کہ قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں سے زمین کی طرف نزول ہوگا اور اس سے بھی زیادہ صراحت مرزا غلام احمد قادیانی کی ان عبارات میں ہے' مرزا نے لکھا ہے:

عسی ربکم ان یرحم علیکم ' وان عدتم عدنا' وجعلنا جهنم للکافرین حصیرا ○ (یہ مرزا کی خود ساختہ عبارت ہے کیونکہ قرآن مجید میں "ان یرحمکم" ہے۔منہ) خدا تعالیٰ کا ارادہ اس بات کی طرف متوجہ ہے جو تم پر رحم کرے اور اگر تم نے گناہ اور سرکشی کی طرف رجوع کیا تو ہم بھی سزا اور عقوبت کی طرف رجوع کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لیے قید خانہ بنا رکھا ہے' یہ آیت اس مقام میں حضرت مسیح کے جلالی طور پر ہونے کا اشارہ ہے۔ یعنی اگر طریق رفق اور نرمی اور لطف احسان کو قبول نہیں کریں گے اور حق محض جو دلائل واضحہ اور آیات بینہ سے کھل گیا ہے اس سے سرکش رہیں گے تو وہ زمانہ بھی آنے والا ہے کہ جب خدا تعالیٰ مجرمین کے لیے شدت اور عنف اور قہر اور سختی کو استعمال میں لائے گا اور حضرت مسیح علیہ السلام نہایت جلالیت کے ساتھ دنیا پر اتریں گے اور تمام راہوں اور سڑکوں کو خس و خاشاک سے صاف کر دیں گے اور کج اور ناراست کا نام ونشان نہ رہے گا اور جلال الٰہی گمراہی کے تخم کو اپنی تجلی قہری سے نیست و نابود کر دے گا۔

(حاشیہ در حاشیہ براھین احمدیہ ص ۵۰۶-۵۰۵ طبع قدیم' ص ۵۴۸-۵۴۷ طبع جدید' نظارت اشاعت' ربوہ' ۱۲۹۷ھ)

مرزا غلام احمد قادیانی نے چالیس سال کی عمر میں "براھین احمدیہ" لکھی تھی' پھر وہ بارہ سال تک حیات مسیح اور نزول مسیح کے عقیدہ پر جما رہا' پھر باون سال کی عمر میں اس نے اپنا پرانا عقیدہ تبدیل کیا جو در اصل تمام دنیا کے مسلمانوں کا عقیدہ تھا چنانچہ اس نے لکھا ہے:

پھر میں قریباً بارہ سال تک جو ایک زمانہ دراز ہے' بالکل اس سے بے خبر اور غافل رہا کہ خدا نے مجھے بڑی شد و مد سے "براہین احمدیہ" میں مسیح موعود قرار دیا ہے اور میں حضرت عیسیٰ کی آمد ثانی کے رسمی عقیدہ پر جما رہا اور جب بارہ برس گزر گئے تب وہ وقت آ گیا کہ مجھ پر اصل حقیقت کھول دی جائے۔ تب تواتر سے اس بارہ میں الہامات شروع ہوئے کہ تو ہی مسیح موعود ہے۔

(اعجاز احمدی ص ۷ طبع قدیم' ص ۹ طبع جدید' نومبر ۱۹۰۲ء)

اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ مرزا غلام احمد قادیانی نے لکھا ہے:

میں نے براہین احمدیہ میں یہ اعتقاد ظاہر کیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پھر واپس آئیں گے، مگر یہ بھی میری غلطی تھی جو اس الہام کے مخالف تھی جو "براہین احمدیہ" میں ہی لکھا گیا تھا' کیونکہ اس الہام میں خدا تعالیٰ نے میرا نام عیسیٰ رکھا اور مجھے اس قرآنی پیش گوئی کا مصداق ٹھہرایا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے خاص تھی' وہ آیت یہ ہے: "هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ"۔ (ایام الصلح ص ۴۶' خزائن ج ۱۴ ص ۲۷۲)

نیز مرزا غلام احمد قادیانی متوفی ۱۹۰۸ء نے لکھا ہے:

اور مجھے یہ کب خواہش تھی کہ میں مسیح موعود بنتا اور اگر مجھے یہ خواہش ہوتی تو "براہین احمدیہ" میں اپنے پہلے اعتقاد کی بنا پر کیوں لکھتا کہ مسیح آسمان سے آئے گا؟ حالانکہ اسی براہین میں خدا نے میرا نام عیسیٰ رکھا ہے' پس تم سمجھ سکتے ہو کہ میں نے پہلے اعتقاد کو نہیں چھوڑا تھا جب تک خدا نے روشن نشانوں اور کھلے کھلے الہاموں کے ساتھ نہیں چھڑایا۔

(تتمہ حقیقت الوحی ص ۱۶۳۔۱۶۲' مطبع میگزین قادیان' ۱۹۰۷ء)

نیز مرزا غلام احمد قادیانی متوفی ۱۹۰۸ء نے لکھا ہے:

میں بھی تمہاری طرح بشریت کے محدود علم کی وجہ سے یہی اعتقاد رکھتا تھا کہ عیسیٰ بن مریم آسمان سے نازل ہو گا اور باوجود اس بات کے کہ خدا تعالیٰ نے "براہین احمدیہ" کے حصص سابقہ میں میرا نام عیسیٰ رکھا اور جو قرآن شریف کی آیتیں پیش گوئی کے طور پر حضرت عیسیٰ کی طرف منسوب تھیں وہ سب میری طرف منسوب کر دیں اور یہ بھی فرمایا کہ تمہارے آنے کی خبر قرآن اور حدیث میں موجود ہے' مگر پھر بھی میں متنبہ نہ ہوا اور براہین احمدیہ حصص سابقہ میں میں نے وہی غلط عقیدہ اپنی رائے کے طور پر لکھ دیا اور شائع کر دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے۔

اور میری آنکھیں اس وقت تک بالکل بند رہیں جب تک کہ خدا نے بار بار کھول کر مجھ کو نہ سمجھایا کہ عیسیٰ بن مریم اسرائیلی تو فوت ہو چکا ہے اور وہ واپس نہیں آئے گا' اس زمانہ اور اس امت کے لیے تو ہی عیسیٰ بن مریم ہے۔

(براھین احمدیہ حصہ پنجم ص ۸۵' نظارت اشاعت' ربوہ' دسمبر ۱۹۷۸ء)

مرزا غلام احمد قادیانی نے تسلیم کر لیا ہے کہ "براھین احمدیہ" کے پہلے چار حصص میں اس نے تمام مسلمانوں کی طرح یہ عقیدہ رکھا اور اس کو شائع کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وفات نہیں آئی اور وہ آسمانوں پر زندہ ہیں (واضح رہے کہ اس نے چالیس سال کی عمر میں یہ کتاب لکھی) اور پھر لکھا ہے کہ بارہ سال تک وہ اسی عقیدہ پر جما رہا اور بارہ سال بعد اس کو یہ الہام ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اور یہ اس کے کلام میں صریح تناقض ہے اور اس کو خود بھی یہ اعتراف ہے کہ اس کے کلام میں تناقض ہے' اس نے لکھا ہے:

میں نے ان متناقض باتوں کو براھین میں جمع کر دیا ہے۔ (اعجاز احمدی ص ۸ طبع قدیم' ص ۱۰ طبع جدید)

اور مرزا غلام احمد قادیانی نے عبد الحکیم خان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

ہر ایک کو سوچنا چاہیے کہ اس شخص کی حالت ایک مخبط الحواس انسان کی حالت ہے کہ ایک کھلا کھلا تناقض اپنے کلام میں رکھتا ہے۔ (حقیقت الوحی ص ۱۸۴' مطبع میگزین قادیان' ۱۹۰۷ء)

مرزا غلام احمد قادیانی کے کلام میں تناقض ہے اور اس کے نزدیک جس انسان کے کلام میں تناقض ہو وہ مخبوط الحواس ہے' تو اپنے تحریری اقرار کی وجہ سے مرزا غلام احمد قادیانی مخبوط الحواس ضرور ہوا۔

اس تناقض سے جان چھڑانے کے لیے مرزائی یہ کہہ دیتے ہیں کہ جس طرح قرآن اور حدیث میں ناسخ اور منسوخ آیات

اور احادیث ہیں اسی طرح مرزا کی عبارات میں بھی ناسخ اور منسوخ ہیں اور براہین احمدیہ کے پہلے چار حصوں کی وہ عبارات جن سے حیات مسیح ثابت ہے بعد کی عبارات سے منسوخ ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ نسخ احکام میں مثلاً امر اور نہی میں ہوتا ہے' اخبار اور عقائد میں نسخ نہیں ہوتا' مثلاً پہلے مسجد اقصیٰ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم تھا بعد میں اس کو منسوخ کر دیا یا پہلے کافروں سے نرمی کرنے کا حکم تھا بعد میں اس کو منسوخ کر کے جہاد کا حکم دے دیا' عقائد میں نسخ نہیں ہوتا کہ پہلے یہ عقیدہ ہو کہ مسیح آسمانوں پر زندہ ہیں اور بعد میں یہ عقیدہ ہو کہ نہیں وہ وفات پا چکے ہیں' خود مرزا غلام احمد نے بھی اس کو نسخ نہیں کہا بلکہ یہ لکھا ہے کہ یہ میری غلطی تھی اور میرے کلام میں تناقض ہے۔

نیز مرزا قادیانی نے لکھا ہے:

یہ اسی قسم کا تناقض ہے کہ جیسے ''براہین احمدیہ'' میں میں نے یہ لکھا تھا کہ مسیح بن مریم آسمان سے نازل ہوگا' مگر بعد میں یہ لکھا کہ آنے والا مسیح میں ہی ہوں۔ اس تناقض کا بھی یہی سبب تھا کہ اگرچہ خدا تعالیٰ نے ''براہین احمدیہ'' میں میرا نام عیسیٰ رکھا اور یہ بھی مجھے فرمایا کہ تیرے آنے کی خبر خدا اور رسول نے دی تھی' مگر چونکہ ایک گروہ مسلمانوں کا اس اعتقاد پر جما ہوا تھا اور میرا بھی یہی اعتقاد تھا کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر سے نازل ہوں گے' اس لیے میں نے خدا کی وحی کو ظاہر پر حمل نہ کرنا چاہا' بلکہ اس وحی کی تاویل کی اور اعتقاد وہی رکھا جو عام مسلمانوں کا تھا اور اسی کو براہین احمدیہ میں شائع کیا لیکن بعد اس کے اس بارہ میں بارش کی طرح وحی الٰہی نازل ہوئی کہ وہ مسیح موعود جو آنے والا تھا تو ہی ہے اور ساتھ اس کے صدہا نشان ظہور میں آئے اور زمین و آسمان دونوں میری تصدیق کے لیے کھڑے ہو گئے اور خدا کے چمکتے ہوئے نشان میرے پر جبر کر کے مجھے اس طرف لے آئے کہ آخری زمانہ میں مسیح آنے والا میں ہی ہوں' ورنہ میرا اعتقاد تو وہی تھا جو میں نے ''براہین احمدیہ'' میں لکھ دیا تھا اور پھر میں نے اس پر کفایت نہ کر کے اس وحی کو قرآن شریف پر عرض کیا تو آیات قطعیۃ الدلالت سے ثابت ہوا کہ درحقیقت مسیح ابن مریم فوت ہو گیا ہے اور آخری خلیفہ مسیح موعود کے نام پر اسی امت سے آئے گا (الیٰ ان قال) اسی طرح صدہا نشانوں اور آسمانی شہادتوں اور قرآن شریف کی قطعیۃ الدلالت آیات اور نصوص صریحہ حدیثیہ نے مجھے اس بات کے لیے مجبور کر دیا کہ میں اپنے تئیں مسیح موعود مان لوں۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۴۹۔۱۴۸' مطبع میگزین قادیان ۱۵ مئی' ۱۹۰۷ء)

اس کتاب کے آخر میں مرزا قادیانی نے اس کتاب کی تصنیف کی تاریخ ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء لکھی ہے اور ۱۹۰۸ء میں مرزا قادیانی کی موت واقع ہوئی' گویا یہ کتاب اس کی آخری تصانیف میں سے ہے اور مرزا قادیانی نے لکھا ہے کہ وہ باون سال تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر زندہ مانتا رہا اور باون سال کے بعد اس کو الہام ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو چکی ہے اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس کو قرآن مجید کی آیات قطعیۃ الدلالت سے ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ مسیح موعود اور دعویٰ نبوت کا ابطال

اب صورت حال یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات قطعیۃ الدلالت کا انکار کفر ہوتا ہے اور مرزا قادیانی ان آیات قطعیۃ الدلالت کے برخلاف باون سال تک عام مسلمانوں کے اعتقاد کے مطابق آسمانوں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات پر جما رہا' لہٰذا یہ خود اپنے قول اور اپنی تصریح کے مطابق باون سال تک کفر پر جما رہا' بعد میں اسے الہام ہوا کہ وہ خود مسیح موعود اور دیگر کتب میں لکھا کہ وہ نبی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کافر کا الہام کب معتبر ہوتا ہے اور کیا کافر کے دل میں جو بات ڈالی جائے اس کو الہام کہنا صحیح ہے؟ کافر کے دل میں جو بات ڈالی جائے وہ شیطان کا وسوسہ ہوتا ہے اور شیطان کے وسوسے سے قرآن مجید

کی آیات قطعیہ اور احادیث صریحہ کے خلاف مسیح موعود یا نبوت کا دعویٰ کرنا محض باطل ہے۔ لہٰذا مرزا قادیانی جو اپنے قول کے مطابق قرآن مجید کی آیات قطعیۃ الدلالت کے خلاف عقیدہ رکھ کر کافر ہو چکا تھا اس کا بعد میں یہ دعویٰ کرنا کہ مجھے الہام ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ وفات پا چکے ہیں اور خود کے لیے مسیح موعود اور نبوت کے الہام اور وحی کا دعویٰ کرنا بالکل باطل ہے کیونکہ کافر کو الہام نہیں ہوتا' اس کو وسوسہ شیطان ہوتا ہے۔

نوٹ: ہمارے نزدیک سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبی یا رسول ماننا کفر ہے اور حیات مسیح اور نزول مسیح کا انکار کرنا شدید ترین گمراہی ہے' البتہ غلام احمد قادیانی کو مسیح موعود ماننا کفر ہے بلکہ اس کو مسلمان ماننا بھی کفر ہے۔

میں حضرت مولانا عبد المجید صاحب مدظلہ وزیدحبہ وعلمہ ولطفہ واسعدہ اللہ تعالیٰ فی الدارین کا ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھے مرزا غلام احمد قادیانی کی وہ کتابیں مہیا کیں جن کی مدد سے میں نے یہ مضمون مکمل کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب عیسیٰ واضح معجزات لے کر آئے تو (انہوں نے) کہا: بے شک میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں اور تاکہ میں تمہارے لیے بعض ان چیزوں کو بیان کردوں جن میں تم اختلاف کرتے ہو' پس تم اللہ سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت کرتے رہو O بے شک اللہ ہی میرا رب ہے سو تم اسی کی عبادت کرو یہی صراط مستقیم ہے O (الزخرف: ۶۴۔۶۳)

حضرت عیسیٰ کا اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دینا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان معجزات سے مراد ہے: مردوں کو زندہ کرنا' مادر زاد اندھوں کو بینا کرنا' مٹی کے پرندے بنا کر ان کو فضا میں اڑا دینا اور آسمان سے دستر خوان نازل کرنا اور غیب کی خبریں دینا۔ قتادہ نے کہا: ''بینات'' سے مراد انجیل ہے اور سدی کی روایت ہے: اس سے مراد ہے نیک کاموں کا حکم دینا اور بُرے کاموں سے روکنا۔

نیز اس میں فرمایا: ''اور تاکہ میں تمہارے لیے بعض ان چیزوں کا بیان کروں جن میں تم اختلاف کرتے ہو''۔

زجاج نے کہا: وہ لوگ اس میں اختلاف کرتے تھے کہ تورات میں تبدیلی ہوئی ہے یا نہیں۔

بعض نے کہا: وہ تورات کے اور احکام کے متعلق سوال کرتے تھے اور حضرت عیسیٰ ان کو جواب دیتے تھے۔

بعض نے کہا: وہ اکثر ایسی چیزوں کا سوال کرتے تھے جن کے جاننے میں کوئی فائدہ نہیں ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کو ان ہی چیزوں کا جواب دیتے تھے جن کے جاننے میں ان کا فائدہ تھا۔

الزخرف: ۶۴ میں فرمایا: ''بے شک اللہ ہی میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے' سو تم اسی کی عبادت کرو''۔

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو یعنی میری عبادت نہ کرو' اس آیت سے ان عیسائیوں کا رد کرنا مقصود ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر (بنی اسرائیل کے) گروہوں نے آپس میں اختلاف کیا' پس ظالموں کے لیے دردناک دن کے عذاب کی ہلاکت ہے O وہ صرف قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ ان پر اچانک آجائے اور ان کو پتا بھی نہ چلے O اس دن گہرے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے ماسوا متقین کے O (الزخرف: ۶۷۔۶۵)

اس آیت میں ''احزاب'' کا لفظ ہے' یہ حزب کی جمع ہے' حزب کا معنیٰ ہے: لوگوں کی جماعت اور گروہ' یہاں مراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کے تین سو سال بعد انہوں نے آپس میں اختلاف کیا' یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہا: وہ زنا سے پیدا ہوئے تھے اور عیسائیوں میں سے بعض نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ کا عین ہیں اور بعض نے کہا: وہ اللہ کے بیٹے ہیں اور بعض نے کہا: وہ تین میں کے تیسرے ہیں اور بعض مومن تھے جنہوں نے کہا: حضرت عیسیٰ

اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول تھے' اس آیت میں جو دردناک عذاب کے دن کی وعید ہے وہ پہلے فرقوں کے متعلق ہے یعنی ان یہودیوں کے بارے میں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں کمی کرتے تھے اور ان عیسائیوں کے متعلق ہے جو حضرت عیسیٰ کو خدا یا خدا کا بیٹا کہتے تھے۔

الزخرف:٦٦ میں فرمایا:''وہ صرف قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ ان پر اچانک آ جائے اور ان کو پتا بھی نہ چلے O''

جس وقت قیامت آئے گی تو وہ اچانک آئے گی اور اس سے پہلے قیامت کے آنے کا کسی کو علم نہیں ہوگا اور سب لوگ اس سے غافل ہوں گے' اس لیے اس وقت کے آنے سے پہلے ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ اپنے گناہوں سے توبہ کر لے' قیامت کا اطلاق تین چیزوں پر ہوتا ہے:

(۱) ہر انسان کی موت پر' اس کے حق میں قیامت ہے' یہ قیامت صغریٰ ہے' حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص فوت ہو جاتا ہے تو اس کی قیامت قائم ہو جاتی ہے' سو تم اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اس سے ہر وقت استغفار کرتے رہو۔ (الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث:٢٨٥' جمع الجوامع رقم الحدیث:٢٥٨٠' کنز العمال رقم الحدیث:٤٢٧٤٨)

اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

(الترغیب والترہیب ج٤ص ٢٣٨' مجمع الزوائد ج٣ص ٢٤٦)

(۲) جب قیامت قائم ہوگی تو ہر شخص فوت ہو جائے گا' یہ قیامت لوگوں پر اچانک آئے گی' کسی کو اس کے وقوع کا وقت معلوم نہیں ہے' یہ قیامت وسطیٰ ہے' اس کا علم ان علامات سے ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ علم کم ہو جائے گا' جہل کا غلبہ ہوگا' کھلے عام زنا ہوگا' عورتیں زیادہ ہوں گی' مرد کم ہوں گے' حتیٰ کہ پچاس عورتوں کا کفیل ایک مرد ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:٨١' سنن الترمذی رقم الحدیث:٢٢٠٥' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:٤٠٤٥' جامع المسانید والسنن مسند انس بن مالک رقم الحدیث:٢٣٨٨)

حضرت حذیفہ بن اسید الغفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دیکھا ہم اس وقت قیامت کا ذکر کر رہے تھے' آپ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو (۱) دھواں (۲) دجال (۳) دابۃ الارض (۴) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا (۵) حضرت عیسیٰ بن مریم کا نزول (٦) یاجوج ماجوج (۷) تین دفعہ زمین کا دھنسنا' ایک دفعہ مشرق میں' ایک دفعہ مغرب میں اور ایک دفعہ جزیرۃ العرب میں (۱۰) اور اس کے آخر میں یمن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو میدان محشر کی طرف لے جائے گی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:٢٩٠٧)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مال غنیمت کو ذاتی دولت بنا لیا جائے اور امانت کو مال غنیمت بنا لیا جائے اور زکوٰۃ کو جرمانہ قرار دیا جائے اور دین کے علاوہ علم حاصل کیا جائے اور مرد اپنی بیوی کی اطاعت کرے اور ماں کی نافرمانی کرے' اپنے دوست کو قریب رکھے اور اپنے باپ کو دور رکھے اور مسجدوں میں آوازیں بلند کی جائیں اور قبیلہ کا سردار ان میں سب سے بڑا فاسق ہو اور قوم کا سردار رزیل ترین شخص ہو اور

کسی شخص کے شر کے خطرہ سے اس کی عزت کی جائے اور فاحشہ عورتیں موسیقی کا اظہار کریں اور شرابیں پی جائیں اور اس امت کے آخری لوگ پہلے لوگوں پر لعنت کریں تو تم اس وقت سرخ آندھی کا انتظار کرو اور زلزلہ کا اور زمین کے دھنسنے کا اور شکلوں کے مسخ ہونے کا اور آسمان سے پتھر برسنے کا اور ان بڑی بڑی نشانیوں کا جو پے در پے آئیں گی جیسے وہ نشانیاں ایک ڈوری میں پروئی ہوئی ہوں۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۱ المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۵۲۳۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت قائم ہو گی جب زمین میں اللہ اللہ کہنے والا کوئی نہ رہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۸ جامع المسانید والسنن مسند انس بن مالک رقم الحدیث: ۹۰۱)

(۳) قیامت کبریٰ اس کا اطلاق یوم حشر پر ہے جس دن تمام مردوں کو محشر کی طرف جمع کیا جائے گا اس کا ذکر ان آیات میں ہے:

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ. (البقرہ: ۸۵)

اور قیامت کے دن ان کو زیادہ سخت عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا۔

فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○ (البقرہ: ۱۱۳)

سو اللہ قیامت کے دن ان کے درمیان ان چیزوں کا فیصلہ فرمادے گا جن میں وہ ایک دوسرے سے اختلاف کرتے تھے ○

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (البقرہ: ۱۷۴)

اور اللہ قیامت کے دن ان سے کلام نہیں فرمائے گا اور نہ ان کے باطن کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا ○

خلیل کے معانی

الزخرف: ۶۷ میں فرمایا: "اس دن گہرے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے ماسوا متقین کے"۔

اس آیت میں "الاخلاء" کا لفظ ہے یہ خلیل کی جمع ہے خلیل کا معنیٰ ہے: وہ دوست جس کی محبت دل کی گہرائی میں جا گزین ہو یہ خلۃ سے بنا ہے اور خلۃ خلال سے مشتق ہے اس کا معنیٰ اندرون اور درمیان ہوتا ہے اور خلۃ اس محبت کو کہتے ہیں جو نفس کے اندر پیوست ہو یا یہ لفظ خلل سے مشتق ہے کیونکہ جب دو شخص ایک دوسرے کے گہرے دوست ہو گئے تو ہر ایک دوسرے کے خلل کو روکتا ہے یا یہ لفظ "خل" سے مشتق ہے اس کا معنیٰ ریگستانی راستہ ہے کیونکہ جو دو شخص ایک دوسرے کے گہرے دوست ہوں وہ راستہ میں ایک دوسرے کے رفیق ہوتے ہیں یا یہ لفظ خَلّۃ سے بنا ہے جس کا معنیٰ خصلت اور عادت ہے اور جو دو شخص ایک دوسرے کے گہرے دوست ہوں ان کی خصلتیں اور عادتیں ایک دوسرے سے بہت ملتی جلتی ہیں حضرت ابراہیم کو خلیل اس لیے فرمایا ہے کہ ان کے دل میں اللہ کی محبت پیوست ہو چکی تھی اور خلت کا ایک معنیٰ حاجت ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اس لیے فرمایا کہ انہوں نے اپنی تمام حاجات اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دی تھیں اور تمام مخلوق سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کے ہو چکے تھے اور جب خلیل کے لفظ کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق ہو تو اس کا معنیٰ ہے: احسان کرنے والا یا اکرام اور افضال کرنے والا۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۰۵-۲۰۴ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

دنیاوی تعلق کا ناپائیدار ہونا

جن لوگوں کے درمیان دنیاوی رشتوں اور تعلق کی وجہ سے محبت تھی قیامت کے دن وہ رشتے اور تعلقات منقطع ہو جائیں گے اور وہ ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ۝ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ۝ (العبس: ۳۷-۳۴)

جس دن ہر مرد اپنے بھائی سے بھاگے گا ۝ اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے ۝ اور اپنی بیوی اور اولاد سے (بھاگے گا) ۝ اور اس دن ہر شخص کو صرف ایسی فکر ہوگی جو اس کو عذاب سے دور کر سکے ۝

اس کے برعکس جو متقین ہیں ان کی جس کے ساتھ گہری دوستی ہوتی ہے وہ صرف اللہ کے لیے ہوتی ہے' اس لیے ان کی وہ گہری دوستی آخرت میں بھی قائم رہے گی اور وہ ایک دوسرے کو نفع پہنچاتے رہیں گے' جو مسلمان اللہ کے لیے ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں ان کے فضائل میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات آدمی اللہ کے سائے میں ہوں گے جس دن اللہ کے سائے کے سوا اور کسی کا سایہ نہیں ہوگا (۱) امام عادل (۲) اور وہ شخص جو اپنے رب کی عبادت کرتے ہوئے پروان چڑھا (۳) اور وہ شخص جس کا دل مسجد میں معلق رہتا ہو (۴) اور وہ دو شخص جو اللہ کی محبت میں ملتے ہوں اور اللہ کی محبت میں الگ ہوتے ہوں (۵) اور وہ شخص جس کو کسی مقتدر اور حسین عورت نے گناہ کی دعوت دی اور اس نے کہا: میں اللہ سے ڈرتا ہوں (۶) اور وہ شخص جس نے اس طرح صدقہ کیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو پتا نہیں چلا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا (۷) اور وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۳۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۱' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۰۰۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۴۸۶' سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۸۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا: وہ مسلمان کہاں ہیں جو محض میری ذات کی وجہ سے آپس میں محبت کرتے تھے؟ آج میں ان کو اپنے سائے میں رکھوں گا جس دن میرے سائے کے سوا اور کسی کا سایا نہیں ہوگا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۶۶)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل فرمائے گا: جو مسلمان میری ذات کی وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے ان کے لیے نور کے منبر ہوں گے' ان کی انبیاء اور شہداء تحسین کریں گے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۰' مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۷۷' المعجم الکبیر ج ۲۰' رقم الحدیث: ۱۶۸-۱۶۷' حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۱۲۱)

يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ أَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝۶۸ الَّذِيْنَ

اے میرے بندو! آج نہ تم پر کوئی خوف ہے اور نہ تم غمگین ہو گے ۝ وہ بندے جو ہماری

اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝۶۹ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ

آیتوں پر ایمان لائے اور وہ ہمارے اطاعت گزار رہے ۝ تم اور تمہاری بیویاں ہنسی خوشی جنت میں

تُحْبَرُوْنَ ۝۷۰ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ

داخل ہو جاؤ ۝ ان کے گرد سونے کی پلیٹوں اور گلاسوں کو گردش میں لایا جائے گا

وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ ۖ وَأَنتُمْ فِيهَا

اور جنت میں ہر وہ چیز ہو گی جس کو ان کا دل چاہے گا اور جس سے ان کی آنکھوں کو لذت ملے گی اور تم جنت میں

خَالِدُونَ ﴿٧١﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٧٢﴾

ہمیشہ رہو گے O اور یہ وہ جنت ہے جس کے تم اپنے اعمال کی وجہ سے وارث کیے گئے ہو O

لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِّنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٧٣﴾ إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي

اور اس جنت میں تمہارے لیے بہ کثرت پھل ہیں جن کو تم کھاتے رہو گے O بے شک جرم کرنے والے ہمیشہ دوزخ

عَذَابِ جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ﴿٧٤﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿٧٥﴾

کے عذاب میں مبتلا رہیں گے O ان سے وہ عذاب کم نہیں کیا جائے گا اور وہ اس میں مایوسی سے پڑے رہیں گے O

وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ ﴿٧٦﴾ وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ

ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرنے والے تھے O اور وہ (دوزخ کے نگران فرشتے سے) پکار کر کہیں گے: اے

عَلَيْنَا رَبُّكَ ۖ قَالَ إِنَّكُم مَّاكِثُونَ ﴿٧٧﴾ لَقَدْ جِئْنَاكُم بِالْحَقِّ وَلَٰكِنَّ

مالک! چاہیے کہ تمہارا رب ہمیں ختم کر دے وہ کہے گا: تم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو O بے شک ہم تمہارے پاس حق لے کر آئے

أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ ﴿٧٨﴾ أَمْ أَبْرَمُوا أَمْرًا فَإِنَّا مُبْرِمُونَ ﴿٧٩﴾

تھے لیکن تم میں سے اکثر حق کو ناپسند کرنے والے تھے O کیا انہوں نے کسی کام کو پکا کر لیا ہے؛ بے شک ہم بھی پکا کام کرنے والے ہیں O

أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُم ۚ بَلَىٰ وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ

یا ان کا یہ گمان ہے کہ ہم ان کی خفیہ باتوں اور سرگوشیوں کو نہیں سنتے' کیوں نہیں! (ہم سن رہے ہیں) اور ان کے پاس

يَكْتُبُونَ ﴿٨٠﴾ قُلْ إِن كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ ﴿٨١﴾

ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لکھ رہے ہیں O آپ کہیے: اگر رحمان کا بیٹا ہوتا تو میں سب سے پہلے (اس کی) عبادت کرنے والا ہوتا O

سُبْحَانَ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿٨٢﴾ فَذَرْهُمْ

آسمانوں اور زمینوں کا رب جو عرش کا رب ہے وہ ان عیوب سے پاک ہے جن کو یہ بیان کرتے ہیں O آپ ان کو ان کے

يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتّٰى يُلٰقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿٨٣﴾ وَهُوَ

مشغلوں اور لغویات میں پڑے رہنے دیں' حتیٰ کہ ان کا سابقہ اس دن سے پڑ جائے جس دن سے ان کو ڈرایا گیا ہے ○ وہی

الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿٨٤﴾

آسمان میں عبادت کا مستحق ہے اور وہی زمین میں عبادت کا مستحق ہے اور وہی بہت حکمت والا اور بے حد علم والا ہے ○

وَتَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ

اور بہت برکت والا ہے وہ جس کی آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی ہر چیز پر حکومت ہے

وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٨٥﴾ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ

اور اسی کے پاس قیامت کا علم ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○ اور جن کی یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر

يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ

عبادت کرتے ہیں وہ شفاعت کرنے کا اختیار نہیں رکھتے' ہاں وہ لوگ شفاعت کا اختیار رکھتے ہیں جو حق کی شہادت دیں

يَعْلَمُوْنَ ﴿٨٦﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى

اور انہیں اس کا یقین ہو ○ اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے' تو پھر

يُؤْفَكُوْنَ ﴿٨٧﴾ وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٨﴾ فَاصْفَحْ

وہ کہاں بھٹک رہے ہیں ○ اور قسم ہے رسول مکرم کے اس قول کی کہ اے میرے رب! یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لائیں گے ○

عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۭ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٨٩﴾

آپ ان سے درگزر کیجئے اور کہیے: بس ہمارا اسلام! پس یہ عنقریب جان لیں گے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے میرے بندو! آج نہ تم پر کوئی خوف ہے اور نہ تم غمگین ہو گے ○ وہ بندے جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور وہ ہمارے اطاعت گزار رہے ○ تم اور تمہاری بیویاں ہنسی خوشی جنت میں داخل ہو جاؤ' ان کے گرد سونے کی پلیٹوں اور گلاسوں کو گردش میں لایا جائے گا اور جنت میں ہر وہ چیز ہو گی جس کو ان کا دل چاہے گا اور جس سے ان کی آنکھوں کو لذت ملے گی اور تم جنت میں ہمیشہ رہو گے ○ اور یہ وہ جنت ہے جس کے تم اپنے نیک اعمال کی وجہ سے وارث کیے گئے ہو ○ اور اس جنت میں تمہارے لیے بہ کثرت پھل ہیں جن کو تم کھاتے رہو گے ○ (الزخرف: ۶۸-۷۳)

وقف لازم

ع ۷ ۱۴

مسلمانوں کے لیے جنت کی نعمتیں

مقاتل نے بیان کیا ہے کہ میدان حشر میں ایک منادی یہ ندا کرے گا: اے میرے بندو! آج نہ تم پر کوئی خوف ہے اور نہ تم غمگین ہو گے O جب اہل محشر یہ ندا سنیں گے تو سب سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھیں گے' پھر جب منادی یہ کہے گا: وہ بندے جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور وہ ہمارے اطاعت گزار رہے O یہ سن کر مسلمانوں کے سوا تمام مذاہب والے اپنے سروں کو جھکا لیں گے اور محاسبی نے ذکر کیا ہے کہ حدیث میں ہے کہ جب منادی قیامت کے دن یہ ندا کرے گا: اے میرے بندو! آج نہ تم پر کوئی خوف ہے اور نہ تم غمگین ہو گے تو تمام لوگ اپنے سر اٹھا کر کہیں گے: ہم اللہ کے بندے ہیں' وہ پھر دوسری بار ندا کرے گا: وہ بندے جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور وہ ہمارے اطاعت گزار رہے O تو کفار اپنے سروں کو جھکا لیں گے اور موحدین اسی طرح سر اٹھائے ہوئے ہوں گے' پھر وہ منادی تیسری بار ندا کرے گا: جو لوگ ایمان لائے اور وہ متقی رہے تو تمام کبیرہ گناہ کرنے والے اپنے سروں کو جھکا لیں گے اور اہل تقویٰ اسی طرح اپنے سروں کو اٹھائے ہوئے دیکھ رہے ہوں گے' اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے مطابق ان سے خوف اور حزن کو دور کر دے گا کیونکہ وہ اکرم الاکرمین ہے' وہ اپنے اولیاء کو شرمندہ ہونے نہیں دے گا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۱۰۲۔۱۰۱)

الزخرف: ۷۰۔۶۹ میں فرمایا: ''تم اور تمہاری بیویاں ہنسی خوشی جنت میں داخل ہو جاؤ' ان کے گرد سونے کی پلیٹوں اور گلاسوں کو گردش میں لایا جائے گا اور جنت میں ہر وہ چیز ہوگی جس کو ان کا دل چاہے گا اور جس سے ان کی آنکھوں کو لذت ملے گی اور تم جنت میں ہمیشہ رہو گے O''

حضرت ابن عباس نے فرمایا: ان کو عزت والے مقامات پر ٹھہرایا جائے گا' حسن نے کہا: ان کے دل خوش رہیں گے۔ قتادہ نے کہا: ان کو جسمانی لذتیں حاصل ہوں گی' مجاہد نے کہا: وہ خوش ہوں گے اور ان کی آنکھوں سے خوشی ظاہر ہوگی۔

سونے اور چاندی کے برتنوں کا حرام ہونا

جنت میں ان کو انواع واقسام کے کھانے اور مشروبات پیش کیے جائیں گے۔ جنت میں سونے اور چاندی کے برتنوں کا ان احادیث میں ذکر ہے:

ابن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ مدائن میں تھے' ان کو پیاس لگی تو ایک دہقان ان کے لیے چاندی کے ایک پیالے میں پانی لے کر آیا' انہوں نے وہ پیالہ اٹھا کر پھینک دیا' پھر انہوں نے کہا کہ میں نے یہ پیالہ اس لیے اٹھا کر پھینکا ہے کہ میں نے اس کو کئی مرتبہ چاندی کے برتن استعمال کرنے سے منع کیا ہے لیکن یہ باز نہیں آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ریشم اور دیباج پہننے سے منع فرمایا ہے اور سونے اور چاندی کے برتنوں میں پینے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا: یہ ان کے لیے دنیا میں ہیں اور تمہارے لیے آخرت میں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۳۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۶۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۳۰۱)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ ادنیٰ درجہ کے جنتی کے پاس بھی ستر ہزار غلام' ستر ہزار سونے کے گلاس لے کر گھومیں گے اور ہر گلاس میں الگ الگ ذائقہ کا مشروب ہوگا اور اعلیٰ درجہ کے جنتی کے پاس سات لاکھ غلام سات لاکھ سونے کے پیالے لے کر گردش کریں گے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۱۰۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں جو پہلا گروہ داخل ہوگا وہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوگا' وہ اس میں تھوکیں گے نہ ناک صاف کریں گے اور نہ وہ جنت میں رفع حاجت کریں گے۔ ان کے برتن اور کنگھیاں سونے اور چاندی کے ہوں گے' ان کی انگیٹھیوں میں عود ہندی (خوشبودار لکڑی) سلگتی ہوگی' ان کا

پسینہ مشک کی طرح (خوشبودار) ہوگا' ان میں ہر ایک کی دو بیویاں ہوں گی' ان کی پنڈلیوں کا مغز حسن کی وجہ سے گوشت کے اندر سے نظر آئے گا' ان میں کوئی اختلاف نہ ہوگا نہ بغض' سب کے دل ایک دل جیسے ہوں گے' وہ صبح اور شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کریں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۸)

حضرت ام سلمہ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص چاندی کے برتن میں پیتا ہے اس کے پیٹ میں دوزخ کی آگ گڑگڑاتی رہے گی۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۵۶۳۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۶۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۱۳)

قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

برتنوں کے علاوہ سونے اور چاندی کی مصنوعات کے استعمال میں علماء کا اختلاف ہے' صحیح یہ ہے کہ مردوں کے لیے سونے اور چاندی کا استعمال مطلقاً جائز نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے اور ریشم کے متعلق فرمایا: یہ دونوں میری امت کے مردوں کے لیے حرام ہیں اور عورتوں کے لیے جائز ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۴۳) اور سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانے اور پینے کی ممانعت ان کے استعمال کے حرام ہونے پر دلالت کرتی ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی متاع ہے' اس لیے ان کا استعمال مطلقاً جائز نہیں ہے' اس لیے ان کا ہر قسم کا استعمال جائز نہیں ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ چیزیں ان کے لیے دنیا میں ہیں اور ہمارے لیے آخرت میں ہوں گی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۳۳)

سونے اور چاندی کے ظروف آرائش اور چار انگل سونے' چاندی اور ریشم کے کام والے کپڑوں کا جواز

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

''مجتبیٰ'' میں مذکور ہے کہ مرد کے لیے جائز ہے کہ اپنے گھر کو ریشم کے ساتھ مزین کرے اور سونے اور چاندی کے برتنوں سے گھر کو سجائے اور اس میں تفاخر کی نیت نہ ہو اور ''شرح وہبانیہ'' میں منتقی سے منقول ہے: قمیص کا گریبان اور اس کا بٹن ریشم کا ہو تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ وہ کپڑے کے تابع ہے اور تاتارخانیہ میں سیر کبیر سے منقول ہے کہ ریشم اور سونے کے بٹن بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اسی میں مختصر الطحاوی سے منقول ہے: چاندی کے تاروں سے کپڑے پر نقش و نگار بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور سونے کے تاروں سے نقش و نگار بنانا مکروہ ہے' فقہاء نے کہا: اس میں اشکال ہے کیونکہ شریعت میں کف پر کام کرانے کی رخصت ہے اور کف پر بھی سونے کا کام کیا جاتا ہے۔

(الدر المختار علی ہامش الرد ج ۹ ص ۴۳۲' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس کی شرح میں علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ اشکال کی وجہ یہ ہے کہ کپڑے پر نقش و نگار بنائے جائیں یا کپڑے کے کف پر ریشم سے کام کیا جائے وہ اس لیے جائز ہے کہ وہ قلیل اور تابع ہے اور غیر مقصود ہے اور سونا' چاندی اور ریشم حرام ہونے میں سب برابر ہیں' پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا جبہ پہنا ہے جس کے گریبان اور کفوں پر ریشم سے کام کیا ہوا تھا۔ (صحیح مسلم: لباس' رقم الحدیث: ۱۰) تو پھر کفوں پر سونے اور چاندی سے بھی کام کرانا جائز ہے' کیونکہ ان کا حکم برابر ہے اور ان میں فرق نہ ہونے کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ جو کپڑا چار انگل کی مقدار سونے کے تاروں سے بنا ہوا ہو وہ جائز ہے۔ (صحیح مسلم: لباس' رقم الحدیث: ۱۵) اسی طرح اتنی مقدار میں سونے اور چاندی کے پانی سے کپڑے اور برتن پر لکھنا بھی جائز ہے۔

سونے اور چاندی کے ظروف کی تفصیل

صدر الشریعہ مولانا امجد علی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:
مسئلہ: سونے چاندی کے برتن میں کھانا پینا اور ان کی پیالیوں سے تیل لگانا یا ان کے عطردان سے عطر لگانا یا ان کی انگیٹھی سے بخور کرنا منع ہے اور یہ ممانعت مرد و عورت دونوں کے لیے ہے' عورتوں کو ان کے زیور پہننے کی اجازت ہے زیور کے سوا دوسری طرح سونے' چاندی کا استعمال مرد و عورت دونوں کے لیے ناجائز ہے۔ (درمختار) مسئلہ: سونے چاندی کے چمچے سے کھانا' ان کی سلائی یا سرمہ دانی سے سرمہ لگانا' ان کے آئینہ میں مونھ دیکھنا' ان کی قلم دوات سے لکھنا' ان کے لوٹے یا طشت سے وضو کرنا' یا ان کی کرسی پر بیٹھنا مرد و عورت دونوں کے لیے ممنوع ہے۔ (درمختار رد المحتار) مسئلہ: سونے چاندی کی آرسی پہننا عورت کے لیے جائز ہے مگر اسی آرسی میں مونھ دیکھنا عورت کے لیے بھی ناجائز ہے۔ مسئلہ: سونے چاندی کی چیزوں کے استعمال کی ممانعت اس صورت میں ہے کہ ان کو استعمال کرنا ہی مقصود ہو اور اگر یہ مقصود نہ ہو تو ممانعت نہیں' مثلاً سونے چاندی کی پلیٹ یا کٹورے میں کھانا رکھا ہوا ہے' اگر یہ کھانا اسی میں چھوڑ دیا جائے تو اضاعت مال ہے' اس کو اس میں سے نکال کر دوسرے برتن میں لے کر کھائے یا اس میں سے پانی چلو میں لے کر پیا یا پیالی میں تیل تھا سر پر پیالی سے تیل نہیں ڈالا' بلکہ کسی برتن میں یا ہاتھ پر تیل اس غرض سے لیا کہ اس سے استعمال ناجائز ہے لہٰذا تیل کو اس میں سے لے لیا جائے اور اب استعمال کیا جائے یہ جائز ہے اور اگر ہاتھ میں تیل کا لینا بغرض استعمال ہو جس طرح پیالی سے تیل لے کر سر یا ڈاڑھی میں لگاتے ہیں اس طرح کرنے سے ناجائز استعمال سے بچنا نہیں ہے کہ یہ بھی استعمال ہی ہے۔ (درمختار رد المحتار) مسئلہ: چائے کے برتن سونے چاندی کے استعمال کرنا ناجائز ہے' اسی طرح سونے چاندی کی گھڑی ہاتھ میں باندھنا بلکہ اس میں وقت دیکھنا بھی ناجائز ہے کہ گھڑی کا استعمال یہی ہے کہ اس میں وقت دیکھا جائے۔ (رد المحتار) مسئلہ: سونے چاندی کی چیزیں محض مکان کی آرائش و زینت کے لیے ہوں مثلاً قرینہ سے یہ برتن و قلم و دوات لگا دیئے کہ مکان آراستہ ہو جائے اس میں حرج نہیں۔ یونہی سونے چاندی کی کرسیاں یا میز یا تخت وغیرہ سے مکان سجا رکھا ہے' ان پر بیٹھتا نہیں ہے تو حرج نہیں۔ (درمختار رد المحتار)

مسئلہ: بچوں کو بسم اللہ پڑھانے کے موقع پر چاندی کی دوات قلم تختی لا کر رکھتے ہیں' یہ چیزیں استعمال میں نہیں آتیں بلکہ پڑھانے والے کو دے دیتے ہیں' اس میں حرج نہیں۔ مسئلہ: سونے چاندی کے سوا ہر قسم کے برتن کا استعمال جائز ہے' مثلاً تانبے' پیتل' سیسہ' بلور وغیرہ مگر مٹی کے برتنوں کا استعمال سب سے بہتر ہے کہ حدیث میں ہے کہ جس نے اپنے گھر کے برتن مٹی کے بنوائے فرشتے اس کی زیارت کو آئیں گے' تانبے اور پیتل کے برتنوں پر قلعی ہونی چاہیے' بغیر قلعی ان کے برتن استعمال کرنا مکروہ ہے۔ (درمختار رد المحتار) مسئلہ: جس برتن میں سونے چاندی کا کام بنا ہوا ہے اس کا استعمال جائز ہے جبکہ موضع استعمال میں سونا چاندی نہ ہو مثلاً کٹورے یا گلاس میں چاندی کا کام ہو تو پانی پینے میں اس جگہ مونھ نہ لگے جہاں سونا یا چاندی ہے اور بعض کا قول یہ ہے کہ وہاں ہاتھ بھی نہ لگے اور قول اول اصح ہے۔ (درمختار رد المحتار) مسئلہ: چھڑی کی موٹھ سونے چاندی کی ہو تو اس کا استعمال ناجائز ہے کیونکہ استعمال کا طریقہ یہ ہے کہ موٹھ پر ہاتھ رکھا جاتا ہے' لہٰذا موضع استعمال میں سونا چاندی ہوئی اور اگر اس کی شام سونے چاندی کی ہو دستہ سونے چاندی کا نہ ہو تو استعمال میں حرج نہیں' کیونکہ ہاتھ رکھنے کی جگہ پر سونا چاندی نہیں ہے' اسی طرح قلم کی نب اگر سونے چاندی کی ہو تو اس سے لکھنا ناجائز ہے کہ وہی موضع استعمال ہے اور اگر قلم کے بالائی حصہ میں ہو تو ناجائز نہیں۔ مسئلہ: چاندی سونے کا کرسی یا تخت میں کام بنا ہوا ہے یا زین میں کام بنا ہوا ہے تو اس پر بیٹھنا جائز ہے جبکہ سونے چاندی کی جگہ سے بچ کر بیٹھے' محصل یہ ہے کہ جو چیز خالص سونے چاندی کی ہے اس کا استعمال مطلقاً ناجائز ہے

اوراگراس میں جگہ جگہ سونا ہے تو اگر موضع استعمال میں ہے تو ناجائز ورنہ جائز' مثلاً چاندی کی انگیٹھی سے بخور کرنا مطلقاً ناجائز ہے اگرچہ دھونی لیتے وقت اس کو ہاتھ بھی نہ لگائے' اسی طرح اگر حقہ کی فرشی چاندی کی ہے تو اس سے حقہ پینا ناجائز ہے اگرچہ یہ شخص فرشی پر ہاتھ نہ لگائے' اسی طرح حقہ کی موہنہ نال سونے چاندی کی ہے تو اس سے حقہ پینا ناجائز ہے اور اگر نیچہ پر جگہ جگہ چاندی سونے کا تار ہو تو اس سے حقہ پی سکتا ہے جب کہ استعمال کی جگہ پر تار نہ ہو۔ کرسی میں استعمال کی جگہ بیٹھنے کی جگہ ہے اور اس کا تکیہ ہے جس سے پیٹھ لگاتے ہیں اور اس کے دستے ہیں جن پر ہاتھ رکھتے ہیں' تخت میں موضع استعمال بیٹھنے کی جگہ ہے اسی طرح زین میں اور رکاب بھی سونے چاندی کی ناجائز ہے اور اس میں کام بنا ہوا ہو تو موضع استعمال میں نہ ہو یہی حکم لگام اور دمچی کا ہے۔ (ہدایہ درمختار ردالمحتار) مسئلہ: برتن پر سونے چاندی کا ملمع ہو تو اس کے استعمال میں حرج نہیں۔ (ہدایہ) مسئلہ: آئینہ کا حلقہ جو بوقت استعمال پکڑنے میں نہ آتا ہو اس میں سونے چاندی کا کام ہو اس کا بھی وہی حکم ہے۔ (ہدایہ درمختار)

(بہارِ شریعت حصہ ۱۶ ص ۳۵۔۳۴' ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور)

چار انگل ریشم کے کام کے جواز کی مزید تفصیل

مسئلہ: عورتوں کو ریشم پہننا جائز ہے اگرچہ خالص ریشم ہو اس میں سوت کی بالکل آمیزش نہ ہو۔ (عامہ کتب) مسئلہ: مردوں کے کپڑوں میں ریشم کی گوٹ چار انگل تک جائز ہے اس سے زیادہ ناجائز یعنی اس کی چوڑائی چار انگل تک ہو' لمبائی کا شمار نہیں' اسی طرح اگر کپڑے کا کنارہ ریشم سے بنا ہو جیسا کہ بعض عمامے یا چادروں یا تہبند کے کنارے اس طرح کے ہوتے ہیں اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر چار انگل تک کا کنارہ ہو تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔ (درمختار ردالمحتار) یعنی جب کہ اس کی کنارہ کی بناوٹ بھی ریشم کی ہو اور اگر سوت کی بناوٹ ہو تو چار انگل سے زیادہ بھی جائز ہے' عمامہ یا چادر کے پلو ریشم سے بنے ہوں تو چونکہ بانا ریشم کا ہونا ناجائز ہے لہٰذا یہ پلو بھی چار انگل تک کا ہی ہونا چاہیے زیادہ نہ ہو۔ مسئلہ: آستین یا گریبان یا دامن کے کنارہ پر ریشم کا کام ہو تو وہ بھی چار انگل ہی تک ہو صدری یا جبہ کا ساز ریشم کا ہو تو چار انگل تک جائز ہے اور ریشم کی گھنڈیاں بھی جائز ہیں۔ ٹوپی کا طرہ بھی چار انگل کا جائز ہے' پائجامہ کا نیفہ بھی چار انگل تک کا جائز ہے' اچکن یا جبہ میں شانوں اور پیٹھ پر ریشم کے پان یا کیری چار انگل تک کے جائز ہیں۔ (ردالمحتار) یہ حکم اس وقت ہے کہ پان وغیرہ مغرق ہوں کہ کپڑا دکھائی نہ دے اور اگر مغرق نہ ہوں تو چار انگل سے زیادہ بھی جائز ہے۔ مسئلہ: ریشم کے کپڑے کا پیوند کسی کپڑے میں لگایا' اگر یہ پیوند چار انگل تک کا ہو جائز ہے اور زیادہ ہو تو ناجائز' ریشم کو روئی کی طرح کپڑے میں بھر دیا گیا مگر ابرا اور استر دونوں سوتی ہوں تو اس کا پہننا جائز ہے اور اگر ابرا یا استر دونوں میں سے کوئی بھی ریشم ہو تو ناجائز ہے اسی طرح ٹوپی کا استر بھی ریشم کا ناجائز ہے اور ٹوپی میں ریشم اور کنارہ چار انگل تک جائز ہے۔ (ردالمحتار) مسئلہ: ٹوپی میں لیس لگائی گئی یا عمامہ میں گوٹا لچکا لگایا گیا' اگر یہ چار انگل سے کم چوڑا ہے جائز ہے ورنہ نہیں۔ مسئلہ: متفرق جگہوں پر ریشم کا کام ہے تو اس کو جمع نہیں کیا جائے گا یعنی اگر ایک جگہ چار انگل سے زیادہ نہیں ہے مگر جمع کریں تو زیادہ ہو جائے گا یہ ناجائز نہیں لہٰذا کپڑے کی بناوٹ میں جگہ جگہ ریشم کی دھاریاں ہوں تو جائز ہے جب کہ ایک جگہ چار انگل سے زیادہ چوڑی کوئی دھاری نہ ہو۔ یہی حکم نقش و نگار کا ہے کہ ایک جگہ چار انگل سے زیادہ نہ ہونا چاہیے اور اگر پھول یا کام اس طرح بنایا ہے کہ ریشم ہی ریشم نظر آتا ہے جس کو مغرق کہتے ہیں جس میں کپڑا نظر ہی نہیں آتا تو اس کام کو متفرق نہیں کہا جا سکتا' اس قسم کا ریشم یا زری کا کام ٹوپی یا اچکن یا صدری یا کسی کپڑے پر ہو اور چار انگل سے زائد ہو تو ناجائز ہے۔ (در مختار ردالمحتار) مسئلہ: دھاریوں کے لیے چار انگل سے زیادہ نہ ہونا اس وقت ضروری ہے کہ بانے میں دھاریاں ہوں اور اگر تانے میں ہوں اور بانا سوت ہو تو چار انگل سے زیادہ ہونے کی صورت میں بھی جائز ہے۔ مسئلہ: کپڑا اس طرح بنایا گیا کہ ایک تاگا

سوت اور ایک ریشم مگر دیکھنے میں بالکل ریشم معلوم ہوتا ہے یعنی سوت نظر نہیں آتا یہ ناجائز ہے۔ (ردالمحتار)

(بہار شریعت حصہ ۱۶ ص ۴۲۔۴۱ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

مرد کے زیور پہننے کی تفصیل

مرد کو زیور پہننا مطلقاً حرام ہے صرف چاندی کی ایک انگوٹھی جائز ہے جو وزن میں ایک مثقال یعنی ساڑھے چار ماشہ سے کم ہو اور سونے کی انگوٹھی بھی حرام ہے' تلوار کا حلیہ چاندی کا جائز ہے یعنی اس کے نیام اور قبضہ یا پرتلے میں چاندی لگائی جاسکتی ہے' بشرطیکہ وہ چاندی موضع استعمال میں نہ ہو۔ (درمختار ردالمحتار) مسئلہ: انگوٹھی صرف چاندی ہی کی پہنی جاسکتی ہے دوسری دھات کی انگوٹھی پہننا حرام ہے' مثلاً لوہا' پیتل' تانبا' جست وغیرہا ان دھاتوں کی انگوٹھیاں مرد وعورت دونوں کے لیے ناجائز ہیں فرق اتنا ہے کہ عورت سونا بھی پہن سکتی ہے اور مرد نہیں پہن سکتا۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص حضور کی خدمت میں پیتل کی انگوٹھی پہن کر حاضر ہوئے' فرمایا: کیا بات ہے کہ تم سے بت کی بُو آتی ہے' انہوں نے وہ انگوٹھی پھینک دی' پھر دوسرے دن لوہے کی انگوٹھی پہن کر حاضر ہوئے' فرمایا: کیا بات ہے کہ تم پر جہنمیوں کا زیور دیکھتا ہوں' انہوں نے اس کو بھی اتار دیا اور عرض کی: یارسول اللہ! کس چیز کی انگوٹھی بناؤں؟ فرمایا کہ چاندی کی اور اس کو ایک مثقال پورا نہ کرنا۔ (درمختار ردالمحتار) مسئلہ: بعض علماء نے یشب اور عقیق کی انگوٹھی جائز بتائی اور بعض نے ہر قسم کے پتھر کی انگوٹھی کی اجازت دی اور بعض ان سب کی ممانعت کرتے ہیں' لہٰذا احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ چاندی کے سوا ہر قسم کی انگوٹھی سے بچا جائے' خصوصاً جب کہ صاحب ہدایہ جیسے جلیل القدر کا میلان ان سب کے عدم جواز کی طرف ہے۔ مسئلہ: انگوٹھی سے مراد حلقہ ہے نگینہ نہیں' نگینہ ہر قسم کے پتھر کا ہوسکتا ہے عقیق' یاقوت' زمرد' فیروزہ وغیرہ سب کا نگینہ جائز ہے۔ (درمختار) مسئلہ: جب ان چیزوں کی انگوٹھیاں مرد وعورت دونوں کے لیے ناجائز ہیں تو ان کا بنانا اور بیچنا بھی ممنوع ہوا کہ یہ ناجائز کام پر اعانت ہے' ہاں بیع کی ممانعت ویسی نہیں جیسی پہننے کی ممانعت ہے۔ (درمختار ردالمحتار) مسئلہ: لوہے کی انگوٹھی پر چاندی کا خول چڑھا دیا کہ لوہا بالکل نہ دکھائی دیتا ہو' اس انگوٹھی کے پہننے کی ممانعت نہیں۔ (عالمگیری) اس سے معلوم ہوا کہ سونے کے زیوروں میں جو بہت لوگ اندر تانبے یا لوہے کی سلاخ رکھتے ہیں اور اوپر سے سونے کا پتر چڑھا دیتے ہیں اس کا پہننا جائز ہے۔ مسئلہ: انگوٹھی کے نگینہ میں سوراخ کر کے اس میں سونے کی کیل ڈال دینا جائز ہے۔ (ہدایہ) مسئلہ: انگوٹھی انہیں کے لیے مسنون ہے جن کو مہر کرنے کی حاجت ہوتی ہے جیسے سلطان وقاضی اور علماء جو فتویٰ پر مہر کرتے ہیں' ان کے سوا دوسروں کے لیے جن کو مہر کرنے کی حاجت نہ ہو مسنون نہیں مگر پہننا جائز ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: مرد کو چاہیے کہ اگر انگوٹھی پہنے تو اس کا نگینہ ہتھیلی کی طرف رکھے اور عورتیں نگینہ ہاتھ کی پشت کی طرف رکھیں کہ ان کا پہننا زینت کے لیے ہے اور زینت اسی صورت میں زیادہ ہے کہ نگینہ باہر کی جانب رہے۔ (ہدایہ) مسئلہ: داہنے یا بائیں جس ہاتھ میں چاہیں انگوٹھی پہن سکتے ہیں اور چھنگلیا میں پہنی جائے۔ (درمختار ردالمحتار) مسئلہ: انگوٹھی پر اپنا نام کندہ کرا سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک بھی کندہ کرا سکتا ہے مگر محمد رسول اللہ یعنی یہ عبارت کندہ نہ کرائے کہ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگشتری پر تین سطروں میں کندہ تھی' پہلی سطر محمد' دوسری رسول' تیسری اسم جلالت اور حضور نے فرمادیا تھا کہ کوئی دوسرا شخص اپنی انگوٹھی پر یہ نقش کندہ نہ کرائے' نگینہ پر انسان یا کسی جانور کی تصویر کندہ نہ کرائے۔ (درمختار ردالمحتار) مسئلہ: انگوٹھی وہی جائز ہے جو مردوں کی انگوٹھی کی طرح ہو یعنی ایک نگینہ کی ہو اور اگر اس میں کئی نگینے ہوں تو اگرچہ وہ چاندی ہی کی ہو مرد کے لیے ناجائز ہے۔ (ردالمحتار) اسی طرح مردوں کے لیے ایک سے زیادہ انگوٹھی پہننا یا چھلے پہننا بھی ناجائز ہے کہ یہ انگوٹھی نہیں' عورتیں چھلے پہن سکتی ہیں۔

مسئلہ: ہلتے ہوئے دانتوں کو سونے کے تار سے بندھوانا جائز ہے اور اگر کسی کی ناک کٹ گئی ہو تو سونے کی ناک بنوا کر لگا سکتا ہے' ان دونوں صورتوں میں ضرورت کی وجہ سے سونے کو جائز کہا گیا' کیونکہ چاندی کے تار سے دانت باندھے جائیں یا چاندی کی ناک لگائی جائے تو اس میں تعفن پیدا ہو گا۔ (عالمگیری) مسئلہ: دانت گر گیا' اسی دانت کو سونے یا چاندی کے تار سے بندھوا سکتا ہے۔ دوسرے شخص کا دانت اپنے مونھ میں نہیں لگا سکتا۔ (عالمگیری) مسئلہ: لڑکوں کو سونے چاندی کے زیور پہنانا حرام ہے اور جس نے پہنایا وہ گنہگار ہو گا' اسی طرح بچوں کے ہاتھ پاؤں میں بلا ضرورت مہندی لگانا ناجائز ہے' عورت خود اپنے ہاتھ پاؤں میں لگا سکتی ہے' مگر لڑکے کو لگائے گی تو گنہگار ہو گی۔ (درالمختار ردالمحتار)

(بہارِ شریعت حصہ ۱۶ ص ۴۹۔ ۴۸' ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور)

جنت کی وراثت کی توجیہ

الزخرف: ۷۳۔ ۷۲ میں فرمایا: ''اور یہ وہ جنت ہے جس کے تم اپنے نیک اعمال کی وجہ سے وارث کیے گئے ہو ○ اور اس جنت میں تمہارے لیے بہ کثرت پھل ہیں جن کو تم کھاتے رہو گے ○''

اہل جنت سے جنت میں یہ کہا جائے گا: یہ وہ جنت ہے جس کا تم سے دنیا میں ذکر کیا جاتا تھا' انسان عموماً اس چیز کا وارث کیا جاتا ہے جو کوئی اس کے لیے چھوڑ جاتا ہے' سو اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے جو جنتیں بنائی تھیں وہ ان جنتوں کو چھوڑ کر دوزخ میں چلے جائیں گے اور ان کی جنتیں وراثت میں مسلمانوں کو دے دی جائیں گی' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے لیے جنت اور دوزخ بنائی ہے' پس کافر مسلمان کی دوزخ کا وارث ہو گا اور مسلمان کافر کی جنت کا وارث ہو گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے لیے ایک مسکن جنت میں بنایا ہے اور ایک مسکن دوزخ میں بنایا ہے' پس مومنوں کو اپنے مساکن بھی ملیں گے اور کفار کے مساکن کے وہ وارث ہوں گے اور کفار کو ان کے مساکن دوزخ میں ملیں گے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۴۱)

اس آیت میں فرمایا ہے: تم اپنے (نیک) اعمال کی وجہ سے جنت کے وارث کیے گئے ہو اور ایک اور جگہ فرمایا ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝ (النساء: ۷۰۔ ۶۹)

اور جو شخص اللہ کی اطاعت کرتا ہے اور رسول کی' وہ ان لوگوں کے ساتھ ہو گا جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے جو نبی ہیں' صدیق ہیں' شہید ہیں اور صالح ہیں اور یہ بہترین رفیق ہیں ○ یہ اللہ کی طرف سے فضل ہے اور اللہ کافی ہے' بہت جاننے والا ○

ان آیتوں میں اس طرح موافقت ہے کہ جنت میں دخول کا حقیقی سبب تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اس کا ظاہری سبب بندہ کے نیک اعمال ہیں۔

الزخرف: ۷۳ میں جن پھلوں کا ذکر فرمایا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد ہر قسم کے پھل ہیں خواہ وہ تروتازہ پھل ہوں یا خشک پھل ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جرم کرنے والے ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں مبتلا رہیں گے ○ ان سے وہ عذاب کم نہیں کیا جائے گا اور وہ اس میں مایوسی سے پڑے رہیں گے ○ ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرنے والے تھے ○ اور وہ (دوزخ کے نگران فرشتے سے) پکار کر کہیں گے: اے مالک! چاہیے کہ تمہارا رب ہمیں ختم کر دے' وہ کہے گا: تم اس

میں ہمیشہ رہنے والے ہو O بے شک ہم تمہارے پاس حق لے کر آئے تھے لیکن تم میں سے اکثر حق کو ناپسند کرنے والے تھے O
(الزخرف: ۷۸۔۷۴)

دوزخ کے نگران فرشتے مالک سے اہل دوزخ کا کلام

اس سے پہلی آیتوں میں اہل جنت کے احوال بیان فرمائے تھے اور اب وہ آیتیں ذکر فرمائی ہیں جن میں اہل دوزخ کے احوال بیان فرمائے ہیں کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے اور قرآن مجید کا اسلوب ہے کہ ترغیب اور ترہیب کی آیتیں ساتھ ساتھ ذکر فرماتا ہے تاکہ نیک اعمال کی طرف رغبت ہو اور بُرے کاموں سے نفرت ہو اور اطاعت گزار کی نافرمان پر فضیلت ظاہر ہو۔

نیز فرمایا: اور ان سے وہ عذاب کم نہیں کیا جائے گا' اور وہ عذاب میں کمی سے مایوس ہو جائیں گے' اللہ تعالیٰ کافروں اور بدکاروں کو سزا دے گا' اوّل تو یہ ہے کہ کافر ہوں یا مومن اور بدکار ہوں یا نیکوکار' سب اللہ تعالیٰ کے بندے اور مخلوق ہیں اور خالق اپنی مخلوق کے ساتھ یا مالک اپنی مملوک کے ساتھ جو معاملہ بھی کرے وہ ظلم نہیں ہے' دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اختیار عطا فرمایا اور ان کو حکم دیا کہ وہ کفر اور معصیت سے اجتناب کریں ورنہ ان کو دوزخ میں عذاب ہوگا' اس حکم کے باوجود جنہوں نے اپنے اختیار سے کفر اور معصیت کا ارتکاب کیا تو یہ خود ان کا اپنے اوپر ظلم ہے' اللہ تعالیٰ کا ان پر ظلم نہیں ہے۔

مالک دوزخ کے نگران فرشتے کا نام ہے' اس سے کفار کہیں گے اور دوزخ کے عذاب کی شکایت کریں گے' محمد بن کعب قرظی بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچائی گئی ہے کہ کفار دوزخ کے نگران سے فریاد کریں گے اور ہر روز اس سے شکایت کریں گے' جب وہ مایوس ہو جائیں گے تو کہیں گے: اے مالک! اپنے رب سے کہو کہ ہم کو موت ہی دے دے' تو مالک اسّی سال تک ان کو جواب نہیں دے گا اور ایک سال تین سو تریسٹھ دن کا ہوگا اور اور ایک دن ہزار سال کا ہوگا' پھر اس کے بعد ان سے کہے گا: تم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو۔ (الجامع لاحکام القرآن ج۱۶ص ۱۰۸)

امام ترمذی نے اعمش کا قول نقل کیا ہے کہ ان کافروں کے سوال اور مالک کے جواب کے درمیان ایک ہزار سال کا عرصہ لگے گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۸۶)

الزخرف: ۷۸ میں فرمایا ہے: "(مالک یا دوسرے فرشتوں نے) کہا: بے شک ہم تمہارے پاس حق لے کر آئے تھے لیکن تم میں سے اکثر حق کو ناپسند کرنے والے تھے O"

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ مالک کا قول ہو اور اس نے کافروں کو یہ جواب دیا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے کفار سے خود فرمایا ہو کہ ہم نے تمہارے پاس نشانیاں نازل کی تھیں اور ہم نے تمہاری طرف اپنے رسول بھیجے تھے' لیکن تم میں سے اکثر حق کو ناپسند کرنے والے تھے' اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ تمام اہل دوزخ ہی حق کو ناپسند کرنے والے تھے لیکن اس آیت میں اکثر کا ذکر فرمایا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں اکثر اہل دوزخ سے مراد تمام اہل دوزخ کے سردار اور نمائندے ہیں' گویا کہ یہ کل اہل دوزخ سے خطاب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انہوں نے کسی کام کو پکا کرلیا ہے' بے شک ہم بھی پکا کام کرنے والے ہیں O یا ان کا یہ گمان ہے کہ ہم ان کی خفیہ باتوں اور سرگوشیوں کو نہیں سنتے' کیوں نہیں! (ہم سن رہے ہیں) اور ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لکھ رہے ہیں O آپ کہیے: اگر رحمان کا بیٹا ہوتا تو میں سب سے پہلے (اس کی) عبادت کرنے والا ہوتا O آسمانوں اور

زمینوں کا رب جو عرش کا رب ہے وہ ان عیوب سے پاک ہے جن کو یہ بیان کرتے ہیں O آپ ان کو ان کے مشغلوں میں پڑے رہنے دیں' حتیٰ کہ ان کا سابقہ اس دن سے پڑ جائے جس دن سے ان کو ڈرایا گیا ہے O (الزخرف: ۸۳-۷۹)

آپ کے خلاف سازش کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ کا انتقام لینا

اس آیت میں ''ابــرمــوا'' کا لفظ ہے' ابرام کا معنیٰ ہے: کسی چیز کو پکا کرنا اور مستحکم اور مضبوط بنا دینا' مقاتل نے کہا: یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی تھی جب کفار مکہ نے دار الندوہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف خفیہ سازش کی تھی کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک فرد مل کر اچانک سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر کے آپ کو قتل کر دے' تاکہ تمام قبائل آپ کو قتل کرنے میں مشترک ہوں اور کسی ایک قبیلہ پر الزام نہ آئے اور آپ کی دیت اور خون بہا کا مطالبہ کمزور ہو جائے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم بھی پکا کام کرنے والے ہیں' یعنی ان تمام لوگوں کو چن چن کر غزوۂ بدر میں قتل کرنے والے ہیں' اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے: ہم نے ان کے پاس پیغام حق بھیجا لیکن انہوں نے اس کو نہیں سنا یا اس کو سن کر اس سے اعراض کیا' کیونکہ انہوں نے اپنے دلوں میں بات پکی کر لی تھی اور وہ سمجھتے تھے کہ اس پکی بات سے ان سے اس عذاب کا خطرہ ٹل جائے گا جو عذاب کفر اور انکار کی صورت میں آخرت میں ان پر پیش آنے والا تھا۔

الزخرف: ۸۰ کا شانِ نزول

الزخرف: ۸۰ میں فرمایا: ''یا ان کا یہ گمان ہے کہ ہم ان کی خفیہ باتوں اور سازشوں کو نہیں سنتے اور جو وہ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں''۔ روایت ہے کہ یہ آیت تین ان آدمیوں کے متعلق نازل ہوئی جو کعبہ کے پردوں میں چھپے ہوئے تھے ان میں سے ایک نے کہا: تمہارا کیا عقیدہ ہے کہ اللہ ہمارا کلام سن رہا ہے؟ دوسرے نے کہا: اگر تم زور سے بولو گے تو وہ سن لے گا اور اگر تم آہستہ بولو گے تو وہ نہیں سن سکے گا' تیسرے نے کہا: جب وہ تمہاری یہ آواز بلند باتوں کو سن سکتا ہے تو وہ تمہاری سرگوشیوں کو بھی سن سکتا ہے۔

الزخرف: ۸۱ میں فرمایا: ''آپ کہیے: اگر رحمٰن کا بیٹا ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والا ہوتا O''

اللہ تعالیٰ کی توحید اور شرک کی مذمت اور اس پر وعید

اس آیت کی حسب ذیل تفسیریں کی گئی ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس' حسن بصری اور سدی نے کہا: اس آیت کا معنیٰ یہ ہے: رحمٰن کا بیٹا نہیں ہے اور یہاں پر یہ آیت مکمل ہو گئی' پھر فرمایا: میں رحمٰن کا سب سے پہلا عبادت گزار ہوں اور سب سے پہلا موحد ہوں اور اہل مکہ میں سب سے پہلے یہ کہنے والا ہوں کہ رحمٰن کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔

(۲) اگر رحمان کا کوئی بیٹا ثابت ہوتا تو سب سے پہلے میں اس بیٹے کی عبادت کرنے والا ہوتا کیونکہ بیٹے کی تعظیم باپ کی تعظیم ہے۔

(۳) مجاہد نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: اگر رحمٰن کا بیٹا ہوتا تو سب سے پہلے میں صرف اس بیٹے کی عبادت کرتا اور جب کہ میں نے اس کی عبادت نہیں کی تو واضح ہوا کہ اس کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔

الزخرف: ۸۲ میں فرمایا: ''آسمانوں اور زمینوں کا رب جو عرش کا رب ہے وہ ان عیبوں سے پاک ہے جن کو یہ بیان کرتے ہیں O'' یعنی اللہ سبحانہٗ ان چیزوں سے بَری' منزہ اور پاک ہے جن کا یہ اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتے ہیں کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور عیسیٰ اور عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور بت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اس کے شریک ہیں۔

الزخرف: ۸۳ میں فرمایا: "آپ ان کو ان کے مشغلوں میں پڑے رہنے دیں' حتیٰ کہ ان کا سابقہ اس دن سے پڑ جائے جس دن سے ان کو ڈرایا گیا ہے O"

آپ ان کو ان کی باطل کارروائیوں میں مصروف رہنے دیں اور دنیا کے لہو ولعب میں مشغول رہنے دیں' تا کہ آخرت میں یہ اس کے نتیجہ میں عذاب میں مبتلا ہوں' ایک تفسیر یہ ہے کہ جہاد کی آیتوں سے اس آیت کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ یہ حکم اس وقت تھا جب ابتداء میں مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کی کوئی جمعیت نہیں تھی' ان کی ریاست تھی اور نہ کوئی حکومت تھی اور جب مسلمانوں کی ریاست قائم ہوگئی تو انہیں حکم دیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے باغیوں اور سرکشوں کے خلاف جہاد کریں اور کلمہ حق بلند کریں۔

اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ آیت محکم ہے اور اس میں اہل مکہ کو آخرت کے عذاب سے ڈرایا ہے کہ اگر تم یونہی اپنی باطل کارروائیوں میں مشغول رہے تو وہ دن آنے والا ہے کہ تمہیں ان تمام باطل کارروائیوں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے کی سزا بھگتنی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی آسمان میں عبادت کا مستحق ہے اور وہی زمین میں عبادت کا مستحق ہے اور وہی بہت حکمت والا' بے حد علم والا ہے O اور بہت برکت والا ہے وہ جس کی آسمانوں اور زمینوں میں اور ان کے درمیان کی ہر چیز پر حکومت ہے اور اس کے پاس قیامت کا علم ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O اور جن کی یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے ہاں وہ لوگ شفاعت کا اختیار رکھتے ہیں جو حق کی شہادت دیں اور انہیں اس کا یقین ہو O (الزخرف: ۸۶-۸۴)

اس پر دلائل کہ حضرت عیسیٰ' حضرت عزیر اور فرشتے اللہ تعالیٰ کی اولاد نہیں ہیں

آسمان اور زمین میں سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ کا ظرف نہیں ہے' اللہ تعالیٰ زمین میں مستقر ہے نہ آسمان میں مستقر ہے' بلکہ زمین میں بھی وہی عبادت کا مستحق ہے اور آسمان میں بھی وہی عبادت کا مستحق ہے' آسمانوں میں فرشتے اس کی عبادت کرتے ہیں اور زمین میں تمام نبیوں اور رسولوں نے اس کی عبادت کی ہے' حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر سمیت سب مقدس انسان اس کی عبادت کرنے والے تھے' اس سے واضح ہوا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں نہ حضرت عیسیٰ اور عزیر اللہ کے بیٹے ہیں۔ نیز نصاریٰ حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دینے پر ایک یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو کسی مرد کے واسطے کے بغیر محض کلمہ کن سے پیدا فرمایا' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانوں اور زمینوں کو ابتداءً بغیر کسی واسطے کے محض کلمہ کن سے پیدا فرمایا اور جب اس بلاواسطہ تخلیق سے یہ آسمان اور زمینیں اللہ کی اولاد نہیں ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے کیسے ہو سکتے ہیں۔

الزخرف: ۸۵ میں فرمایا: "اور بہت برکت والا ہے وہ جس کی آسمانوں میں اور زمینوں میں اور ان کے درمیان کی ہر چیز پر حکومت ہے اور اسی کے پاس قیامت کا علم ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O"

اس آیت میں بھی اس پر دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے بیٹے نہیں ہیں' کیونکہ اس آیت اللہ تعالیٰ نے میں فرمایا ہے: وہ بہت برکت والا ہے اور یہاں برکت سے مراد دو معنیٰ ہو سکتے ہیں: ایک معنیٰ ہے ثبوت اور بقاء اور دوسرا معنیٰ ہے: کثرت خیر۔ اگر پہلا معنیٰ مراد ہو یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ ثابت ہے اور باقی ہے تو اس کو اولاد کی ضرورت نہیں ہے' کیونکہ اولاد کی ضرورت اس کو ہوتی ہے جو فانی ہو اور مرنے والا ہو' وہ چاہتا ہے کہ اس کے بعد اس کی اولاد اس کے مشن کو جاری رکھے اور جب

وہ ہمیشہ ثابت اور باقی ہے اور لافانی اور لازوال ہے تو اس کو اولاد کی کیا ضرورت ہے نیز بیٹا باپ کی جنس سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ واجب اور قدیم ہے' اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہوتے تو وہ بھی واجب اور قدیم ہوتے حالانکہ حضرت عیسیٰ ممکن اور حادث ہیں پہلے نہ تھے اور پھر پیدا ہوئے اور عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق ان کو موت آ چکی ہے اور مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق قیامت سے پہلے ان پر موت آئے گی اور اگر برکت کا معنیٰ کثرت خیر ہو تو اس آیت کا معنیٰ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بذاتہ بہت خیر کثیر کا مالک ہے' اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہوتے تو وہ بھی بذاتہ خیر کثیر کے مالک ہوتے' حالانکہ وہ اپنی تمام ضروریات میں اللہ تعالیٰ کی طرف محتاج تھے۔ اور فرمایا: ''اور اسی کے پاس قیامت کا علم ہے''۔ یعنی جس طرح اس کی قدرت کامل ہے اسی طرح اس کا علم بھی کامل ہے۔

غیر اللہ کی عبادت کا باطل ہونا

الزخرف: ۸۶ میں فرمایا: ''اور جن کی یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے' ہاں وہ لوگ شفاعت کا اختیار رکھتے ہیں جو حق کی شہادت دیں اور انہیں اس کا یقین ہو O''

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اولاد کی نفی فرمائی تھی اور اس آیت میں اللہ سبحانہ اپنے شرکاء کی نفی فرما رہا ہے' اس آیت کی دو تفسیریں ہیں: ایک تفسیر یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر حضرت عیسیٰ' حضرت عزیر اور فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں وہ سن لیں کہ قیامت کے دن وہ ان ہی لوگوں کی شفاعت کریں گے جو حق کی شہادت دیں گے یعنی جو یقین کے ساتھ اس بات کی شہادت دیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر کسی کی بھی عبادت کرتے ہیں خواہ وہ عیسیٰ ہوں یا عزیر ہوں' یا فرشتے ہوں' یا دوسرے خود ساختہ معبود ہوں' مثلاً ستارے ہوں یا درخت ہوں یا پتھر کے تراشیدہ بت ہوں' ان میں سے کوئی بھی از خود کسی کی شفاعت کرنے کا مالک نہیں ہے' مگر جو یقین کے ساتھ اللہ کے واحد ہونے کی شہادت دے اور وہ فرشتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام ہیں اور اولیاء کرام اور علماء عظام ہیں کیونکہ ان کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت اور وجاہت ہے اور سب سے زیادہ کرامت اور وجاہت ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور وہی سب سے زیادہ شفاعت فرمائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے' تو پھر وہ کہاں بھٹک رہے ہیں O اور قسم ہے رسول مکرم کے اس قول کی کہ اے میرے رب! یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لائیں گے O آپ ان سے درگزر کیجئے اور کہیے: بس ہمارا سلام! پس یہ عنقریب جان لیں گے O (الزخرف: ۸۹۔۸۷)

مشرکین کو بت پرستی پر ملامت کرنا

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزخرف: ۹ کے شروع میں بھی فرمایا تھا:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ O (الزخرف: ۹)

اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ ان کو بے حد غالب اور بہت جاننے والے نے پیدا کیا ہے O

اور اب اس سورت کے آخر (الزخرف: ۸۷) میں بھی یہی فرمایا ہے: ''اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے' تو پھر وہ کہاں بھٹک رہے ہیں O''

اور اس سے مقصود اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ جب ان کا یہ اعتقاد ہے کہ ان کو اور تمام جہانوں کو اللہ نے پیدا کیا ہے تو وہ

اس اعتقاد کے باوصف کیوں پتھر کے بے جان بتوں کے آگے سر جھکا رہے ہیں اور اپنا ماتھا ٹیک رہے ہیں اور اپنی حاجتوں اور مرادوں کو کیوں ان کے سامنے پیش کر رہے ہیں اور آفات اور مصائب میں کیوں ان کو پکار رہے ہیں اور کیوں ان کے نام کی دہائی دے رہے ہیں۔

نیز فرمایا: ''وہ کہاں بھٹک رہے ہیں'' یعنی وہ کیوں جھوٹ بولتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے ان بتوں کی عبادت کا حکم دیا ہے۔

الزخرف: ۸۸ کی نحوی تراکیب

الزخرف: ۸۸ میں فرمایا: ''اور قسم ہے رسول مکرم کے اس قول کی کہ اے میرے رب! یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لائیں گے O''

اس کے شروع میں یہ الفاظ ہیں ''وقیلہ'' ہے اور اس پر تین اعراب ہیں: جر' نصب اور رفع' وقیلِہ' وقیلَہ و وقیلُہ۔ پہلی صورت میں اس کا عطف ''علم الساعۃ'' پر ہے یعنی ''وعندہ علم الساعۃ وعلم قیلہ'' اسی کے پاس قیامت کا علم ہے اور اسی کو اپنے نبی کے قول کا علم ہے اور دوسری صورت میں اس کا عطف ''انا لا نسمع سرھم ونجواھم'' پر ہے یعنی وقیلَہ ان کافروں کا یہ گمان ہے کہ ہم ان کی خفیہ باتوں اور سرگوشیوں کو نہیں سنتے اور نہ اپنے نبی کی بات کو سنتے ہیں اور تیسری صورت میں یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے یعنی ''وامانۃ اللہ قیلہ'' یا ''ویمین اللہ قیلہ''. اللہ کی امانت یا اللہ کی قسم اس کے نبی کا قول ہے۔ علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ بہترین صورت اس طریقہ پر جر یا نصب کی ہے' یعنی حرف قسم مقدر ہے' قسم ہے اللہ کے نبی کے اس قول کی۔ پھر قول کا ذکر ہے: اے میرے رب! یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لائیں گے' ہم نے اسی ترکیب کے موافق اس آیت کا ترجمہ کیا ہے۔

کافروں کو سلام کرنے کا مسئلہ

الزخرف: ۸۹ میں فرمایا: ''آپ ان سے درگزر کیجئے اور کہیے: بس ہمارا اسلام! پس یہ عنقریب جان لیں گے O''

اس آیت میں کفار کی زیادتیوں کا بدلہ لینے سے منع فرمایا ہے اور ان سے درگزر کرنے کا حکم دیا ہے' لیکن مدینہ منورہ میں ہجرت کرنے کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا اور کفار سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا۔

بعض علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ کفار کو سلام کرنا جائز ہے لیکن صرف سلام کہا جائے یہ نہ کہا جائے کہ سلام علیکم اور مسلمانوں کو سلام کرتے وقت کہا جائے: السلام علیکم یا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

الزخرف کا خاتمہ

الحمد للہ رب العلمین آج ۴ محرم ۱۴۲۵ھ/۲۵ فروری ۲۰۰۴ء بہ روز بدھ بعد نماز ظہر' سورۃ الزخرف کی تفسیر مکمل ہو گئی' اس تفسیر کی ابتداء ۱۸ جنوری ۲۰۰۴ء کو ہوئی تھی' اس طرح ۳۸ دنوں میں اس سورت کی تفسیر مکمل ہو گئی' فالحمد للہ حمدا کثیرا والشکر للہ شکرا جزیلا۔

الٰہ العلمین! جس طرح آپ نے محض اپنے کرم اور فضل سے یہاں تک تفسیر مکمل کرا دی ہے اپنے لطف اور عنایت سے باقی تفسیر بھی مکمل کرا دیں اور اس کتاب کو اپنی بارگاہ میں مقبول بنا دیں اور قیامت تک اس کتاب کو فیض آفریں رکھیں' مجھے جملہ امراض سے شفا عطا فرمائیں اور مجھے ارزل عمر سے محفوظ رکھیں اور جب میرا وقت پورا ہو تو اسلام اور ایمان پر میرا خاتمہ فرمائیں' مجھے صحت اور عافیت کے ساتھ چلتے پھرتے اپنے پاس بلائیں' میری والدہ محترمہ اور میرے والد گرامی کی مغفرت فرمائیں اور ان کی قبروں کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنا دیں' میرے اساتذہ مولانا محمد نواز اویسی' مولانا مفتی محمد حسین نعیمی' مولانا ولی

النبی' مولانا مختار احمد' استاذ العلماء مولانا عطاء محمد بندیالوی اور میرے مرشد گرامی علامہ سید احمد سعید کاظمی کی مغفرت فرمائیں' ان سب کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائیں۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین والصلوة والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین قائد الغر المحجلین امام الانبیاء والمرسلین وعلی اصحابه الراشدین واله الطیبین وعلی ازواجه الطاهرات امهات المؤمنین وعلی جمیع اولیاء امته وعلماء ملته وسائر المسلمین.

سُورَةُ الدُّخَانِ

(۴۴)

سُورَةُ الجَاثِيَةِ

(۴۵)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمده ونصلی ونسلم علی رسوله الکریم

الدخان

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الدخان ہے اور اس کا نام الدخان رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت کی ایک آیت میں الدخان کا لفظ ہے وہ آیت یہ ہے:

فَارۡتَقِبۡ یَوۡمَ تَاۡتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیۡنٍ ۝ (الدخان: ۱۰) سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان واضح دھواں لائے گا ۝

الدخان کا لفظ قرآن میں صرف دو جگہ آیا ہے ایک اس سورت میں اور دوسرا اس آیت میں:

ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَ ہِیَ دُخَانٌ (حٰمٓ السجدۃ: ۱۱) پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ اس وقت دھواں تھا۔

سورۃ الدخان مکی ہے ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر چونسٹھ (۶۴) ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر چوالیس (۴۴) ہے اس سورت کے مضامین کے اعتبار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت آپ کی مکی زندگی کے وسط میں نازل ہوئی ہے۔

سورۃ الدخان کی فضیلت میں احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے صبح اٹھ کر حٰمٓ الدخان کی تلاوت کی اس کے لیے ستر ہزار فرشتے استغفار کرتے ہیں۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۲۸ الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۱۷۲۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے جمعہ کی شب حٰمٓ الدخان کی تلاوت کی اس کی مغفرت کردی جائے گی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۸۹ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۲۳۲-۶۲۲۴)

عبد اللہ بن عیسیٰ بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ جس شخص نے ایمان اور تصدیق کے ساتھ جمعہ کی شب حٰمٓ الدخان پڑھی وہ صبح کو بخشا ہوا اٹھے گا ابورافع کی روایت میں ہے: اس کی بڑی آنکھوں والی حور سے شادی کردی جائے گی۔
(سنن دارمی رقم الحدیث: ۳۴۲۲-۳۴۲۱ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز میں حٰمٓ الدخان کی تلاوت کی۔ (الدر المنثور ج ۷ ص ۳۴۵ دار احیاء التراث العربی بیروت)

سورۃ الدخان کے مقاصد اور مسائل

اس سورت کی ابتداء سورۃ الزخرف کی ابتداء کے مشابہ ہے' کیونکہ دونوں سورتوں کے شروع میں قرآن مجید کی عظمت اور شان بیان کی گئی ہے اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور اس میں یہ دلیل ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

اس سورت میں یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید لیلۃ القدر میں نازل کیا گیا ہے' اس رات میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے تمام اہم کام تقسیم کیے جاتے ہیں' قرآن مجید کو نازل کرنے کا یہ مقصد ہے کہ جو لوگ غفلت اور لہو ولعب میں زندگی گزار رہے ہیں ان کو جگایا جائے کہ وہ روز حساب کی تیاری کرلیں۔ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے لیے یہ شرط عائد کرتے تھے کہ ان کو عذاب دکھا دیا جائے' ان کو یہ بتایا ہے کہ عذاب دیکھنے کے بعد جو ایمان لایا جائے وہ ایمان بالغیب نہیں ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر نہیں ہے۔ کفار مکہ کی عبرت کے لیے فرعون اور اس کی قوم کی مثال دی ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا لیکن وہ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے' انجام کار ان سب کو غرق کر دیا گیا اور بنی اسرائیل ان کی غلامی سے نجات پاکر دنیا کی ایک عظیم قوم بن گئے۔

قریش کے کفر اور ان کی ہٹ دھرمی کا سبب یہ تھا کہ وہ آخرت پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے آخرت کا تفصیل سے بیان فرمایا' اس دن کافروں کو ان کے کفر پر عذاب دیا جائے گا اور مومنوں کو ان کے ایمان اور ان کے اعمال صالحہ کی بہترین جزاء دی جائے گی۔

آخر میں پھر قرآن مجید کا ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ کفار مکہ اس سے نصیحت حاصل کرسکیں۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں سورۃ الدخان کے ترجمہ اور تفسیر کو اس دعا کے ساتھ شروع کرتا ہوں کہ اے مولائے کریم! آپ کی توفیق اور عنایت سے میں نے اس عظیم کام کو شروع کیا ہے' آپ اس میں میری مدد فرمائیں اور اس کام میں مجھے غلطی میں پڑنے سے محفوظ رکھیں اور مجھ سے وہی بات لکھوائیں جو حق اور صواب ہو۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ خادم الحدیث
دار العلوم النعیمیہ' بلاک نمبر ۱۵' فیڈرل بی ایریا' کراچی
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۴۵-۲۱۲۰۶۱۷
۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴
۶ محرم' ۱۴۲۵ھ/ ۲۷ فروری' ۲۰۰۴ء

سورۃ الدخان مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ۞ اس میں انسٹھ آیتیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿١﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿٢﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ﴿٣﴾ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ﴿٤﴾ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿٥﴾ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦﴾ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿٧﴾ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٨﴾ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ﴿٩﴾ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٠﴾ يَّغْشَى النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١١﴾ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢﴾ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿١٤﴾ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا

حامیم ۞ اس واضح کتاب کی قسم! ۞ بے شک ہم نے اس کتاب کو برکت والی رات میں نازل فرمایا' بے شک ہم عذاب سے ڈرانے والے ہیں ۞ اس رات میں ہر حکمت والے کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے ۞ ہمارے پاس سے ایک حکم (کا فیصلہ کیا جاتا ہے) بے شک ہم ہی (رسولوں کو) بھیجنے والے ہیں ۞ آپ کے رب کی رحمت سے' بے شک وہی بہت سننے والا' بے حد جاننے والا ہے ۞ جو آسمانوں' زمینوں اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے' اگر تم یقین کرنے والے ہو ۞ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' وہ زندہ کرتا ہے اور موت طاری کرتا ہے' وہی تمہارا رب ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا ۞ بلکہ وہ شک میں ہیں' کھیل رہے ہیں ۞ سو آپ اس دن کا انتظار کیجیے جب آسمان واضح دھواں لائے گا ۞ جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا' یہ ہے دردناک عذاب ۞ (اس دن وہ کہیں گے:) اے ہمارے رب! ہم سے اس عذاب کو دور کر دے بے شک ہم ایمان لانے والے ہیں ۞ اب ان کے نصیحت قبول کرنے کا وقت کہاں ہے' حالانکہ ان کے پاس واضح ہدایت دینے والے رسول آ چکے تھے ۞ پھر انہوں نے اس رسول سے اعراض کیا اور کہا: یہ سکھائے ہوئے دیوانے ہیں ۞ (اگر) ہم کچھ وقت کے لیے عذاب دور کر دیں تو

إِنَّكُمْ عَائِدُونَ ﴿١٥﴾ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ ۚ إِنَّا مُنتَقِمُونَ ﴿١٦﴾

بے شک تم پھر (کفر کی طرف) لوٹنے والے ہو O جس دن ہم بہت سخت گرفت کے ساتھ پکڑیں گے، بے شک ہم انتقام لینے والے ہیں O

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ ﴿١٧﴾ أَنْ

بے شک ہم اس سے پہلے فرعون کی قوم کو آزما چکے ہیں، ان کے پاس معزز رسول آئے تھے O کہ اللہ کے بندوں

أَدُّوا إِلَيَّ عِبَادَ اللَّهِ ۖ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٨﴾ وَأَن لَّا تَعْلُوا عَلَى

(بنو اسرائیل) کو میرے سپرد کر دو، بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں O اور یہ کہ تم اللہ کے مقابلہ میں

اللَّهِ ۖ إِنِّي آتِيكُم بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿١٩﴾ وَإِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ

سرکشی نہ کرو، بے شک میں تمہارے پاس واضح دلیل لایا ہوں O اور بے شک میں تمہارے سنگسار کرنے سے اپنے رب

أَن تَرْجُمُونِ ﴿٢٠﴾ وَإِن لَّمْ تُؤْمِنُوا لِي فَاعْتَزِلُونِ ﴿٢١﴾ فَدَعَا

اور تمہارے رب کی پناہ میں آ چکا ہوں O اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہو جاؤ O پس انہوں نے اپنے رب

رَبَّهُ أَنَّ هَٰؤُلَاءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُونَ ﴿٢٢﴾ فَأَسْرِ بِعِبَادِي لَيْلًا

سے دعا کی کہ یہ مجرم لوگ ہیں O (ہم نے حکم دیا کہ) تم میرے بندوں کو راتوں رات لے جاؤ، بے شک

إِنَّكُم مُّتَّبَعُونَ ﴿٢٣﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۖ إِنَّهُمْ جُندٌ مُّغْرَقُونَ ﴿٢٤﴾

تمہارا تعاقب کیا جائے گا O آپ سمندر کو یوں ہی ساکن چھوڑ کے چلے جائیں، بے شک ان کا لشکر غرق کر دیا جائے گا O

كَمْ تَرَكُوا مِن جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٢٥﴾ وَزُرُوعٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿٢٦﴾ وَ

وہ کتنے ہی باغات اور چشمے چھوڑ گئے O اور کھیت اور خوش رنگ عمارتیں O اور

نَعْمَةٍ كَانُوا فِيهَا فَاكِهِينَ ﴿٢٧﴾ كَذَٰلِكَ ۖ وَأَوْرَثْنَاهَا قَوْمًا آخَرِينَ ﴿٢٨﴾

وہ نعمتیں جن میں وہ عیش کر رہے تھے O اسی طرح ہوا اور ہم نے ان سب چیزوں کا دوسروں کو وارث بنا دیا O

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنظَرِينَ ﴿٢٩﴾

سو ان کی بربادی پر نہ آسمان رویا نہ زمین اور نہ ہی انہیں مہلت دی گئی O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حامیم O اس واضح کتاب کی قسم! O بے شک ہم نے اس کتاب کو برکت والی رات میں نازل فرمایا' بے شک ہم عذاب سے ڈرانے والے ہیں O اس رات میں ہر حکمت والے کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے O ہمارے پاس سے ایک حکم (کا فیصلہ کیا جاتا ہے) بے شک ہم ہی (رسولوں کو) بھیجنے والے ہیں O (الدخان: ۵۔۱)

حامیم کا معنیٰ

الدخان: ۱ میں فرمایا: حامیم O اس کا معنیٰ ہے: یہ حامیم ہے۔ حامیم کی تفسیر اس سے پہلے المومن' حٰمٓ السجدۃ' الشوریٰ اور الزخرف میں گزر چکی ہے' خلاصہ یہ ہے کہ یہ قرآن مجید کا اسم ہے' حٰمٓ اور الکتٰب المبین دونوں قرآن مجید کے عنوان ہیں اور ان کا معنون واحد ہے' ایک قول یہ ہے کہ حا سے مراد ہے وحی اور میم سے مراد ہے محمد یعنی یہ وہ خاص وحی ہے جو (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف نازل ہوئی ہے جیسے کہ اس آیت میں فرمایا:

فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی O (النجم: ۱۰) پس اس نے اپنے مکرم بندہ کی طرف وحی کی جو وحی کی O

''لیلۃ مبارکۃ'' سے لیلۃ القدر مراد ہونے کے ثبوت میں آثار

الدخان: ۳۔۲ میں فرمایا: ''اس واضح کتاب کی قسم! O بے شک ہم نے اس کتاب کو برکت والی رات میں نازل فرمایا' بے شک ہم عذاب سے ڈرانے والے ہیں O''

اس آیت میں فرمایا ہے: ہم نے اس کتاب کو ''لیلۃ مبارکۃ'' میں نازل فرمایا ہے' لیلہ مبارکہ کا مصداق رمضان کی شب قدر ہے یا شعبان کی پندرھویں شب' اس میں مفسرین کا اختلاف ہے' بیشتر مفسرین کا رجحان یہ ہے کہ اس سے مراد رمضان کی شب قدر ہے اور بعض کا مختار ہے کہ اس سے مراد شعبان کی پندرھویں شب ہے' ہم ان دونوں تفسیروں کو تفصیل سے بیان کریں گے۔ (ان شاء اللہ) پہلے ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ اس رات سے مراد رمضان کی شب قدر ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اس سلسلہ میں حسب ذیل روایات بیان کی ہیں:

قتادہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں: حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے صحائف رمضان کی پہلی شب میں نازل ہوئے اور تورات چھ رمضان کو نازل ہوئی اور زبور سولہ رمضان کو نازل ہوئی اور انجیل اٹھارہ رمضان کو نازل ہوئی اور قرآن مجید چوبیس رمضان کو نازل ہوا۔ نیز قتادہ نے کہا: لیلہ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۹۹۸)

ابن زید نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: یہ رات لیلۃ القدر ہے' اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کو لوح محفوظ سے لیلۃ القدر میں نازل فرمایا' پھر لیلۃ القدر کے علاوہ دوسری راتوں اور دنوں میں دوسرے انبیاء علیہم السلام پر نازل فرمایا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۹۹۹)

اور دوسروں نے کہا: اس سے مراد شعبان کی پندرھویں شب ہے۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی التوفی ۴۵۰ھ نے بھی ان دونوں روایتوں کا ذکر کیا ہے۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۲۴۴)

علامہ الحسین بن مسعود البغوی الشافعی التوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

قتادہ اور ابن زید نے کہا: اس رات سے مراد لیلۃ القدر ہے' اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف اس قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل کیا' پھر بیس سال تک حضرت جبریل نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا کر کے قرآن نازل کرتے رہے اور دوسروں نے کہا: اس سے مراد شعبان کی پندرھویں شب ہے۔

(معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۷۴' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام عبدالرحمن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی

تفسیر میں فرمایا: لیلۃ القدر میں لوح محفوظ سے نقل کر کے لکھ دیا جاتا ہے کہ اس سال میں کتنا رزق دیا جائے گا' کتنے لوگ مریں گے' کتنے لوگ زندہ رہیں گے' کتنی بارشیں ہوں گی' حتیٰ کہ لکھ دیا جاتا ہے کہ فلاں فلاں شخص حج کرے گا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۲۸۷' رقم الحدیث: ۱۸۵۲۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

امام ابواسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی متوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:

قتادہ اور ابن زید نے کہا: یہ لیلۃ القدر ہے' اللہ سبحانہ نے لیلۃ القدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف قرآن مجید کو نازل فرمایا' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر راتوں اور دنوں میں قرآن مجید کو نازل فرماتا رہا اور دوسروں نے کہا: اس سے مراد شعبان کی پندرھویں شب ہے۔ (الکشف والبیان ج ۸ ص ۳۴۸' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

اس رات سے مراد لیلۃ القدر ہے' عکرمہ سے روایت ہے کہ یہ شعبان کی پندرھویں شب ہے' ان کی یہ حدیث مرسل ہے جب کہ قرآن مجید میں یہ تصریح ہے کہ یہ شب 'لیلۃ القدر ہے۔ عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شعبان سے دوسرے شعبان تک زندگی کی مدتیں منقطع ہو جاتی ہیں' حتیٰ کہ ایک شخص نکاح کرتا ہے اور اس کے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہے اور اس کا نام مردوں میں لکھا ہوا ہوتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۴۹' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

''لیلۃ مبارکۃ'' سے لیلۃ القدر مراد ہونے پر دلائل

امام فخر الدین محمد عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ نے بہ کثرت دلائل سے ثابت کیا ہے کہ لیلہ مبارکہ رمضان کی لیلۃ القدر ہے' وہ لکھتے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ ۝ (القدر: ۱) — بے شک ہم نے قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل کیا ہے ۝

اور یہاں فرمایا ہے:

إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةٍ مُّبَٰرَكَةٍ (الدخان: ۳) — بے شک ہم نے قرآن کو لیلہ مبارکہ میں نازل کیا ہے۔

اسی لیے ضروری ہے کہ لیلۃ القدر اور لیلہ مبارکہ سے مراد واحد شب ہو تا کہ قرآن مجید میں تضاد اور تناقض لازم نہ آئے۔

(۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ ٱلَّذِىٓ أُنزِلَ فِيهِ ٱلْقُرْءَانُ — رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن کو نازل کیا گیا ہے۔

(البقرہ: ۱۸۵)

اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ قرآن مجید کو نازل کرنا رمضان کے مہینہ میں واقع ہوا ہے اور یہاں فرمایا ہے: ''انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ''۔ بے شک ہم نے قرآن کو لیلہ مبارکہ میں نازل کیا ہے۔ پس ضروری ہوا کہ یہ رات بھی رمضان کے مہینہ میں واقع ہو اور اسی طرح جس شخص نے بھی کہا کہ لیلہ مبارکہ رمضان کے مہینہ میں واقع ہے' اس نے یہ کہا کہ یہ لیلہ مبارکہ ہی لیلۃ القدر ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر کی صفت میں فرمایا:

تَنَزَّلُ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ وَٱلرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ۝ سَلَٰمٌ هِىَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ ٱلْفَجْرِ ۝ (القدر: ۴-۵) — اس رات میں فرشتے اور جبریل اپنے رب کے حکم سے ہر کام کے لیے نازل ہوتے ہیں ۝ وہ رات سلامتی ہے' طلوع فجر

ہونے تک O

اور سورۃ الدخان کی اس آیت میں فرمایا:

فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ O. (الدخان: ۴) اس رات میں ہر حکمت والے کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

اور یہ اس آیت کے مناسب ہے:

تنزل الملائكة والروح. اس رات میں فرشتے اور جبریل نازل ہوتے ہیں۔

نیز یہاں الدخان: ۵ میں فرمایا:

امرا من عندنا. ہمارے پاس ایک حکم کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

اور سورۃ القدر میں فرمایا:

باذن ربهم من كل امر. اپنے رب کے حکم سے ہر کام کے لیے اترتے ہیں۔

اور اس سورت کی آیات میں فرمایا:

امرا من عندنا. ہمارے پاس سے ایک حکم کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

اس سورت میں فرمایا ہے:

رحمة من ربك. آپ کے رب کی رحمت سے۔

اور سورۃ القدر میں فرمایا ہے:

سلم هي حتى مطلع الفجر. وہ رات طلوع فجر ہونے تک سلامتی ہے۔

(۴) امام محمد بن جریر طبری نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ صحائف ابراہیم رمضان کی پہلی شب میں نازل ہوئے' تورات رمضان کی چھٹی شب میں نازل ہوئی' زبور رمضان کی بارھویں شب میں نازل ہوئی اور انجیل رمضان کی اٹھارویں شب میں نازل ہوئی اور قرآن رمضان کی چوبیسویں شب میں نازل ہوا اور لیلۃ المبارکۃ یہی لیلۃ القدر ہے۔

(۵) لیلۃ القدر کا معنیٰ ہے: قدر والی شب اور اس کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس کی قدر اور اس کا شرف اللہ کے نزدیک بہت عظیم ہے اور ظاہر ہے کہ اس کی قدر اور اس کا شرف زمانہ کے اس مخصوص جز اور اس مخصوص شب کی وجہ سے نہیں ہے۔ کیونکہ زمانہ اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے متصل واحد چیز ہے' اس لیے یہ نہیں ہوسکتا کہ زمانہ کے بعض اجزاء دوسرے اجزاء کے اعتبار سے افضل ہوں۔ پس اگر زمانہ کا کوئی ایک جز دوسرے جز سے افضل ہو تو اس کی یہی وجہ ہوتی ہے کہ زمانہ کے اس جز میں کوئی ایسی افضل چیز حاصل ہوتی ہے جو دوسرے جز میں حاصل نہیں ہوتی اور یہ واضح ہے کہ دین کی چیزوں کا مرتبہ دنیا کی چیزوں سے زیادہ شرف اور مرتبہ والا ہے اور دین کی چیزوں میں سب سے زیادہ مرتبہ قرآن کریم کا ہے کیونکہ وہ اللہ سبحانہٗ کا کلام ہے اور اسی سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت ہوئی ہے اور اسی سے حق اور باطل کا فرق معلوم ہوا ہے اور اسی سے منکشف ہوا کہ اصحاب سعادات کے مراتب اصحاب شقاوات سے بہت بلند ہیں' اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کا مرتبہ اور شرف ہر چیز سے بلند اور بالا ہے' سو جس رات میں قرآن مجید نازل ہوا اس رات کا مرتبہ ہر رات سے بلند اور بالا ہوگا اور جب اس پر اتفاق ہے کہ لیلۃ القدر رمضان میں ہے تو ہمیں یقین ہوگیا کہ قرآن مجید بھی اسی شب میں نازل ہوا ہے اور یہی لیلہ مبارکہ ہے۔

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس سورت میں جس لیلہ مبارکہ کا ذکر ہے وہ شعبان کی پندرھویں شب ہے میں نے ان کی

کوئی ایسی دلیل نہیں دیکھی جس پر اعتماد کیا جا سکے' ان لوگوں نے بعض اقوال پر قناعت کر لی ہے' اگر اس کے ثبوت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث صحیح ہے تو پھر لیلہ مبارکہ سے شعبان کی پندرھویں شب کا مراد ہونا متعین ہے اور اگر اس کے ثبوت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے تو پھر حق یہ ہے کہ اس سورت میں جس لیلہ مبارکہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ لیلۃ القدر ہی ہے نہ کہ کوئی اور شب۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۶۵۳-۶۵۲' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

لیلہ مبارکہ سے نصف شعبان کی شب مراد ہونے کے متعلق روایات

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ یہ نصف شعبان کی شب ہے' اس میں ایک سال کے معاملات پختہ کر دیئے جاتے ہیں اور زندوں کا نام مردوں سے لکھ دیا جاتا ہے اور حج کرنے والوں کا نام لکھ دیا جاتا ہے پس اس میں کوئی زیادتی ہوگی نہ کوئی کمی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۰۰۸' تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۲۸۷' رقم الحدیث: ۱۸۵۳۱' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ' کنز العمال ج ۱۲ ص ۳۱۴' رقم الحدیث: ۳۵۱۷۷' معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۷۳' الکشف والبیان ج ۸ ص ۳۴۹)

عثمان بن محمد بن المغیرہ الاخنس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (لوگوں کی) زندگیاں ایک شعبان سے دوسرے شعبان میں منقطع ہوتی ہیں' حتیٰ کہ ایک آدمی نکاح کرتا ہے اور اس کی اولاد ہوتی ہے اور اس کا نام مردوں میں لکھا ہوا ہوتا ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۰۰۹' الکشف والبیان ج ۸ ص ۳۴۹' کنز العمال ج ۱۵ ص ۶۹۴' رقم الحدیث: ۴۲۷۸۰' شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۸۳۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی لوگوں کے درمیان چل رہا ہوتا ہے' حالانکہ وہ مردوں میں اٹھایا ہوا ہوتا ہے' پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تلاوت کی: "اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِیْنَ ○ فِیْهَا یُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ ○" (الدخان: ۴-۳) پھر حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس رات میں ایک سال سے دوسرے سال تک دنیا کے معاملات کی تقسیم کی جاتی ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۰۱۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ' الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۳۳۸۸)

ابو الضحیٰ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات کو معاملات کے فیصلے فرماتا ہے اور لیلۃ القدر میں ان فیصلوں کو ان کے اصحاب کے سپرد کر دیتا ہے۔

(معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۷۴' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

نصف شعبان کی شب میں کثرت مغفرت سے متعلق صحاح کی احادیث

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گم پایا' میں باہر نکلی تو دیکھا کہ آپ بقیع کے قبرستان میں تھے' آپ نے فرمایا: کیا تم کو یہ خطرہ تھا کہ اللہ اور اس کا رسول تم پر ظلم کریں گے؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے یہ گمان کیا تھا کہ شاید آپ اپنی دوسری ازواج کے پاس گئے ہیں' آپ نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نصف شعبان کی شب کو آسمان دنیا کی طرف (اپنی شان کے مطابق) نازل ہوتا ہے اور قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے زیادہ لوگوں کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۷۳۹' مسند احمد ج ۶ ص ۲۳۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۸۹' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۹۹' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۷۳۷' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۲۳۴۶)

امام محمد بن یزید قزوینی ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب نصف شعبان کی

رات ہو تو اس رات میں قیام کرو اور اس کے دن میں روزہ رکھو' کیونکہ اللہ سبحانہٗ اس رات میں غروب شمس سے آسمان دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے' پس فرماتا ہے: سنو! کوئی بخشش طلب کرنے والا ہے تو میں اس کو بخش دوں' سنو! کوئی رزق طلب کرنے والا ہے تو میں اس کو رزق دوں' سنو! کوئی مصیبت زدہ ہے تو میں اس کو عافیت میں رکھوں' سنو کوئی' سنو کوئی (وہ یونہی فرماتا رہتا ہے) حتیٰ کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۸۸' شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۸۳۶' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۷۳۵' جامع المسانید والسنن مسند علی رقم الحدیث: ۴۰۷' اس حدیث کی سند بہت ضعیف ہے لیکن فضائل اعمال میں معتبر ہے)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ سبحانہٗ شعبان کی شب کو متوجہ ہوتا ہے اور تمام مخلوق کو بخش دیتا ہے' ماسوا مشرک اور کینہ پرور کے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۹۰' شعب الایمان ج ۲ص ۲۱' المعجم الکبیر ج ۲۰ص ۱۰۹' حلیۃ الاولیاء ج ۵ص ۱۹۱' صحیح ابن حبان ج ۷ص ۴۷۰' اس حدیث کی سند بھی ضعیف ہے)

نصف شعبان کی شب میں کثرت مغفرت سے متعلق امام بیہقی کی احادیث

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب نصف شعبان کی شب ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے' مومنوں کو بخش دیتا ہے اور کافروں کو مہلت دیتا ہے اور کینہ رکھنے والوں کو ان کے کینہ کے ساتھ چھوڑ دیتا ہے' حتیٰ کہ وہ اپنے کینہ کو ترک کر دیں۔

(شعب الایمان ج ۲ص ۲۱' مجمع الزوائد ج ۸ص ۶۵' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۷۳۴' الترغیب للمنذری ج ۲ص ۱۱۹)

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب نصف شعبان کی شب ہوتی ہے تو ایک منادی ندا کرتا ہے کہ کوئی بخشش طلب کرنے والا ہے تو میں اس کو بخش دوں' کوئی سائل ہے تو میں اس کو عطا کروں' پس جو شخص بھی سوال کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے ماسوا فاحشہ رنڈی کے یا مشرک کے۔

(شعب الایمان ج ۲ص ۲۱' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۷۳۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۱۷۸)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نصف شعبان کی شب ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے بستر سے نکل جاتے' پھر حضرت عائشہ نے کہا: اللہ کی قسم! ہمارے بستر کی چادر ریشمی تھی نہ سُوتی تھی۔ ہم نے کہا: سبحان اللہ! پھر وہ کس چیز کی تھی؟ آپ نے فرمایا: وہ اونٹ کے بالوں کی تھی' آپ نے فرمایا: مجھے یہ خدشہ ہوا کہ شاید آپ اپنی دوسری ازواج کے پاس چلے گئے ہیں' میں آپ کو گھر میں ڈھونڈ رہی تھی کہ میرا پیر آپ کے پیروں سے ٹکرایا' اس وقت آپ سجدہ ریز تھے' اس وقت جو آپ دعا پڑھ رہے تھے میں نے اس کو یاد رکھا' وہ یہ دعا تھی: میرا جسم اور ذہن تجھے سجدہ کر رہا ہے اور میرا دل تجھ پر ایمان لا چکا ہے' میں تیری نعمتوں کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے بڑے بڑے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں' میں نے اپنی جان پر ظلم کیا سو تو مجھے بخش دے' بے شک تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخشے گا' میں تیری سزا سے تیری معافی کی پناہ میں آتا ہوں اور تیرے غضب سے تیری رحمت کی پناہ میں آتا ہوں اور تیری ناراضگی سے تیری رضا کی پناہ میں آتا ہوں اور تجھ سے تیری ہی پناہ میں آتا ہوں' میں تیری ایسی حمد وثناء نہیں کر سکا جیسی تو خود اپنی حمد وثناء کرتا ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر نماز پڑھتے رہے حتیٰ کہ صبح ہو گئی اور آپ کے مبارک پاؤں سوج گئے تھے۔ میں آپ کے پیر دبا رہی تھی اور میں نے کہا: آپ پر میرے ماں اور باپ فدا ہوں' آپ نے اپنے آپ کو بہت تھکایا ہے' کیا یہ بات نہیں ہے کہ اللہ سبحانہٗ آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب کو معاف فرما چکا ہے' آپ نے فرمایا: کیوں نہیں' اے عائشہ! تو کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ

بنو' کیا تم جانتی ہو کہ اس رات میں کیا ہوتا ہے؟ میں نے کہا: یا رسول اللہ! اس رات میں کیا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: اس رات میں اس سال اولاد آدم سے ہر پیدا ہونے والے کا نام لکھ لیا جاتا ہے اور اس سال اولاد آدم سے ہر مرنے والے کا نام لکھ لیا جاتا ہے اور اس رات میں لوگوں کے اعمال اوپر لے جائے جاتے ہیں اور اس سال ان کا رزق نازل کیا جاتا ہے' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا کوئی شخص بھی اللہ سبحانہ' کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہوگا؟ آپ نے فرمایا: کوئی شخص بھی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ بھی نہیں؟ آپ نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھ کر تین مرتبہ فرمایا: میں بھی نہیں' الا یہ کہ اللہ سبحانہ' مجھے اپنی رحمت کے ساتھ ڈھانپ لے۔ (فضائل الاوقات رقم الحدیث: ۲۶' الدر المنثور ج ۷ ص ۳۵۰۔۳۴۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ نصف شعبان کی شب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرے میں تھے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم آ کر میرے بستر میں داخل ہو گئے' رات کے کسی وقت جب میں بیدار ہوئی تو میں نے آپ کو بستر میں نہیں پایا' پھر میں اٹھ کر آپ کی ازواج کے حجروں میں ڈھونڈتی پھری' آپ مجھے وہاں نہیں ملے' میں نے سوچا کہ شاید آپ اپنی باندی ماریہ قبطیہ کے پاس چلے گئے ہیں' میں پھر نکلی اور مسجد میں سے گزری' پھر میرا پیر آپ کے پیروں سے ٹکرایا' اس وقت آپ سجدہ میں یہ دعا کر رہے تھے: میرا جسم اور ذہن تیرے لیے سجدہ ریز ہے اور میرا دل تجھ پر ایمان لا چکا ہے اور یہ میرا وہ ہاتھ ہے جس سے میں نے اپنے اوپر زیادتی کی ہے' سوائے عظیم! عظیم گناہ کو تو عظیم رب ہی معاف کر سکتا ہے' پس تو میرے عظیم گناہ کو معاف فرما دے۔ حضرت عائشہ نے کہا: پھر آپ اپنا سر اٹھا کر یہ فرما رہے تھے: اے اللہ! تو مجھے ایسا دل عطا فرما جو پاکباز ہو' برائی سے بری ہو' نہ کافر ہو نہ شقی ہو' پھر آپ دوبارہ سجدہ میں گئے اور یہ دعا کی: میں تجھ سے اس طرح دعا کرتا ہوں جس طرح میرے بھائی داؤد نے دعا کی تھی: اے میرے مالک! میں اپنا چہرہ خاک آلود کرتا ہوں اور تمام چہروں کا حق یہی ہے کہ وہ اس کے چہرے کے سامنے خاک آلودہ ہوں' پھر آپ نے اپنا سر اٹھایا تو میں نے کہا: آپ پر میرے باپ اور ماں فدا ہوں' آپ کس وادی میں ہیں؟ اور میں کس وادی میں تھی؟ آپ نے فرمایا: اے حمیراء! کیا تم جانتی ہو کہ یہ رات نصف شعبان کی رات ہے اور بے شک اس رات میں اللہ کے لیے قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ لوگ دوزخ سے آزاد ہونے والے ہیں' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا: عرب کے قبائل میں سے کسی قبیلہ کی بکریوں کے بال ان سے زیادہ نہیں ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: چھ آدمیوں کی اس رات بھی بخشش نہیں ہو گی عادی شرابی' ماں باپ سے قطع تعلق کرنے والا' زنا پر اصرار کرنے والا' رشتہ داروں سے تعلق توڑنے والا' تصویر بنانے والا اور چغل خور۔ (فضائل الاوقات رقم الحدیث: ۲۷' الدر المنثور ج ۷ ص ۳۵۰)

امام بیہقی فرماتے ہیں: جن احادیث میں وارد ہے کہ اللہ سبحانہ' آسمان دنیا پر نازل ہوتا ہے' یہ صحیح احادیث ہیں' اسانید صحیحہ سے منقول ہیں اور ان کی تائید قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ○ (الفجر: ۲۲) اور آپ کا رب (خود) آ جائے گا اور فرشتے بھی صف بستہ آ جائیں گے۔

اور آسمان سے نازل ہونا اور آنا اگر حرکت کے ساتھ ہو اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونے کی کیفیت کے ساتھ ہو تو ایسی صفات اللہ سبحانہ' سے منتفی ہیں بلکہ یہ اللہ عزوجل کی ایسی صفات ہیں جو مخلوق کی کسی صفت کے ساتھ مماثل اور مشابہ نہیں ہیں اور نہ ان صفات کی کوئی تاویل ہے جیسا کہ معطلہ کہتے ہیں بلکہ اللہ سبحانہ' اس طرح آتا ہے جس طرح آنا اس کے شایان شان ہے اور اس طرح نزول فرماتا ہے جو اس کو زیبا ہے۔ (فضائل الاوقات ص ۱۳۴۔۱۳۳' مکتبۃ المنارۃ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۰ھ)

نصف شعبان کی شب کے فضائل میں حافظ سیوطی کی روایات

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ٩١١ ھ متعدد کتب احادیث کے حوالوں سے بیان کرتے ہیں:

امام الدینوری نے ''المجالسۃ'' میں حضرت راشد بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف شعبان کی رات کے متعلق فرمایا: اللہ تعالیٰ اس سال جس بندہ کی روح قبض کرنا چاہتا ہے ملک الموت کو اس رات اس کی روح قبض کرنے کا حکم دیتا ہے۔

امام ابن ابی الدنیا عطاء بن یسار سے روایت کرتے ہیں کہ جب نصف شعبان کی رات آتی ہے تو ملک الموت کو ایک صحیفہ دیا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے: اس صحیفہ کو پکڑ لو' ایک بندہ بستر پر لیٹا ہوگا اور ازواج سے نکاح کرے گا اور گھر بنائے گا اور اس کا نام مردوں میں لکھا جا چکا ہوگا۔

خطیب بغدادی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے' وہ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ چار راتوں میں خیر کو کھولتا ہے بقر عید کی رات' عید الفطر کی رات' نصف شعبان کی رات جس میں لوگوں کی زندگیوں اور رزق کے متعلق لکھا جاتا ہے' اور اس میں حج کرنے والے کا نام لکھا جاتا ہے اور عرفات کی شب میں فجر کی اذان تک۔ (الدر المنثور ج ٧ ص ٣٤٩ ـ ٣٤٨' ملتقطاً' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ١٤٢١ ھ)

کثرت مغفرت کے متعلق قرآن مجید کی آیات

متعدد احادیث میں یہ بشارت گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب میں قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ مسلمانوں کے گناہ معاف فرما دیتا ہے' ہم اس کی تائید اور توثیق میں قرآن مجید سے مغفرت کے عموم کی آیات اور دیگر احادیث ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ (الزمر: ٥٣)

آپ کہیے: اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے' اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو' بے شک اللہ تمام گناہوں کو معاف فرما دے گا' بے شک وہ بہت معاف کرنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ۝

وَسَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝ (آل عمران: ١٣٢)

اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کا عرض آسمانوں اور زمینوں کے برابر ہے جو متقین کے لیے تیار کی گئی ہے ۝

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝ (الرعد: ٦)

بے شک آپ کا رب لوگوں کے ظلم کے باوجود بھی ان کی مغفرت کرنے والا ہے اور بے شک آپ کا رب سخت سزا دینے والا بھی ہے ۝

کثرت مغفرت کے متعلق احادیث صحیحہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے' اگر تم لوگ گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تم کو لے جائے گا اور ایسے لوگوں کو لائے گا جو گناہ کریں گے اور اللہ

سبحانہٗ سے مغفرت طلب کریں گے تو اللہ عزوجل ان کو بخش دے گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۴۹)

اس حدیث سے مقصود اللہ تعالیٰ کے عفو اور مغفرت کا بیان کرنا ہے کیونکہ جب مغفرت کا سبب ہوگا تو مغفرت ہوگی اور اس سے مقصود گناہ کرنے کی ترغیب دینا نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے گناہ کرنے سے منع فرمایا ہے اور انبیاء کو بھی اسی لیے بھیجا ہے واضح رہے کہ بندہ گناہوں سے بچتا رہے اور نیکیاں کرتا رہے پھر بھی یہ سمجھتا رہے کہ اس نے کما حقہ عبادت نہیں کی اور اللہ تعالیٰ کا پورا شکر ادا نہیں کیا اور اس پر اپنے آپ کو گناہ گار قرار دیتا رہے اور اللہ تعالیٰ سے کامل شکر ادا نہ کرنے پر معافی مانگتا رہے اور یہی اس حدیث کا مطلب ہے اور اگر وہ گناہوں سے باز رہ کر اور نیکیاں کر کے اپنے آپ کو اللہ سے استغفار کرنے سے مستغنی سمجھے گا تو ایسے لوگوں کے لیے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو لے جائے گا اور ایسے لوگوں کو لائے گا جو گناہوں سے اجتناب کرنے اور نیکیاں کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے ڈریں گے اور اس سے استغفار کرتے رہیں گے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور اولیاء کاملین کا طریقہ تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک ایک بندہ گناہ کرتا ہے' پھر کہتا ہے کہ اے میرے رب! میں نے گناہ کرلیا تو مجھ کو معاف کردے' تو اس کا رب فرماتا ہے: کیا میرے بندہ کو معلوم ہے کہ اس کا رب ہے جو اس کا گناہ معاف بھی کرتا ہے اور اس کے گناہ پر گرفت بھی کرتا ہے۔ میں نے اپنے بندہ کو معاف کردیا' پھر جب تک اللہ چاہتا ہے وہ بندہ ٹھہرا رہتا ہے' پھر وہ کوئی گناہ کرتا ہے' پس وہ کہتا ہے: اے میرے رب! میں نے گناہ کرلیا تو اس کو معاف کردے' اس کا رب فرماتا ہے: کیا میرے بندہ کو معلوم ہے کہ اس کا رب ہے جو اس کا گناہ معاف بھی کرتا ہے اور اس کے گناہ پر گرفت بھی کرتا ہے' میں نے اپنے بندہ کو معاف کردیا' پھر جب تک اللہ چاہتا ہے وہ بندہ ٹھہرا رہتا ہے۔ پھر وہ کوئی گناہ کر بیٹھتا ہے' پھر کہتا ہے: اے میرے رب! میں نے ایک اور گناہ کرلیا ہے تو مجھے معاف فرمادے۔ پس اللہ فرماتا ہے: کیا میرے بندہ کو معلوم ہے کہ اس کا رب ہے جو اس کا گناہ معاف بھی کرتا ہے اور اس کے گناہ پر گرفت بھی کرتا ہے' میں نے اپنے بندہ کو معاف کردیا' پس وہ جو چاہے کرے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۰۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۵۸)

یہ جو فرمایا ہے: پس وہ جو چاہے کرے اس میں اس بندہ کو گناہ کرنے کی کھلی چھٹی نہیں دی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان خواہش نفس یا اغواء شیطان سے مغلوب ہو کر جب بھی گناہ کرے گا پھر اس پر نادم ہو کر توبہ کرے گا تو میں اس کو بخشتا رہوں گا۔

توبہ اور استغفار کے متعلق احادیث صحیحہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک جب بندہ گناہ کا اعتراف کر لیتا ہے' پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ سبحانہٗ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۴۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۷۰)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے گناہ سے توبہ کر لی اس نے گناہ پر اصرار نہیں کیا خواہ وہ ایک دن میں ستر بار گناہ کرے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۵۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۱۴' جامع المسانید والسنن مسند ابی بکر رقم الحدیث: ۱۱۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے توبہ کرنے کو لازم کرلیا' اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر تنگی سے ایک راستہ نکال دیتا ہے اور ہر غم سے ایک خوشی نکال دیتا ہے اور اس کو وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۱۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۱۹، جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۳۳۸۸)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ (الطلاق: ۲-۳)

جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے مشکل سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے اور اس کو وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔

اس حدیث میں گناہوں پر توبہ کرنے والوں کے لیے تسلی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو متقین کے مرتبہ میں رکھے گا' یا یہ بشارت ہے کہ گناہوں پر توبہ کرنے والے متقین میں شمار ہیں اور جو شخص دائماً توبہ اور استغفار کرے وہ گویا متقین میں سے ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بنی آدم خطا کار ہے اور بہترین خطا کار وہ ہیں جو گناہوں پر توبہ کرتے ہیں۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۸، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۹۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۵۱، جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۲۶۲۱)

اس حدیث میں فرمایا ہے: ہر بنی آدم خطا کار ہے' اس عموم سے انبیاء علیہم السلام مستثنیٰ ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے جن کاموں پر قرآن مجید میں ذنب اور خطاء کا اطلاق کیا گیا ہے اس سے مراد بہ ظاہر ترک اولیٰ یا خلاف اولیٰ ہے یا ان کی اجتہادی خطاء ہے' گناہ اس کو کہتے ہیں کہ قصداً معصیت کی جائے' انبیاء علیہم السلام کبھی قصداً اللہ جل مجدہٗ کی نافرمانی نہیں کرتے۔

والدین اور اعزہ کے لیے استغفار کے متعلق احادیث صحیحہ

برأت کے معنیٰ ہیں: نجات' شب برأت کا معنیٰ ہے: گناہوں سے نجات کی رات اور گناہوں سے نجات توبہ سے ہوتی ہے' سو اس رات میں اللہ سبحانہٗ سے بہت زیادہ توبہ اور استغفار کرنا چاہیے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ اس رات میں اپنے گناہوں پر بھی توبہ کریں اور اپنے والدین کے لیے بھی استغفار کریں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: وہ ایک نیک بندہ کا جنت میں درجہ بلند کرے گا' وہ بندہ کہے گا: اے میرے رب! مجھے یہ درجہ کہاں سے ملا' اللہ سبحانہٗ فرمائے گا: تیرے بیٹے کے تیرے لیے استغفار کرنے کی وجہ سے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۳۶۳، ج ۲ ص ۵۰۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۶۰، الادب المفرد للبخاری رقم الحدیث: ۳۶)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبر میں مردہ اس طرح ہوتا ہے جس طرح دریا میں ڈوبنے والا اپنے بچاؤ کے لیے فریاد کر رہا ہو' وہ مردہ قبر میں باپ' ماں' بھائی یا دوست کی دعا کا انتظار کر رہا ہوتا ہے کہ کوئی اس کے لیے (مغفرت کی) دعا کرے' پھر جب اسے کسی کی دعا پہنچ جاتی ہے تو اس کو وہ دعا دنیا اور مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ زمین والوں کی دعاؤں سے قبر والوں پر پہاڑوں کی مثل (ہدیے) داخل فرماتا ہے اور مردوں کے لیے زندوں کا ہدیہ ان کے لیے مغفرت کی دعا کرنا ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۲۹۵)

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کو مبارک ہو جس کے نامہ اعمال میں بہ کثرت استغفار ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۱۸، الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۹۳۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے تھے: اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے بنا

دے جو کوئی نیک کام کرتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور جب کوئی بُرا کام کرتے ہیں تو استغفار کرتے ہیں۔(مسند احمد ج ۶ ص ۱۲۹_۱۴۵_۱۸۸_۲۳۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۲۶_۳۷۴۴_۲۷۴۴' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۳۵۷' جمع الجوامع: ۹۸۰۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۲۰)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے اللہ سبحانہٗ سے اس حال میں ملاقات کی کہ اس نے دنیا میں کسی چیز کو اللہ کے برابر قرار نہیں دیا تھا' پھر اگر اس پر گناہوں کے پہاڑ بھی ہوں تو اللہ عزوجل ان کو معاف فرمادے گا۔

(کتاب البعث والنشور' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۳۶۲)

توبہ پر اصرار کرنے اور استغفار کو لازم رکھنے کے متعلق احادیث صحیحہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مثل ہے جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۵۰' شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۱۹۶' جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۸۹۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص سوال کرے تو پورے عزم اور وثوق سے سوال کرے اور یہ ہرگز نہ کہے: اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے عطا فرما کیونکہ کوئی شخص اللہ سبحانہٗ کو مجبور کرنے والا نہیں ہے۔(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۳۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۱۸' جامع المسانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۱۸۶۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے: اے اللہ! مجھے معاف کردے' اے اللہ! مجھے معاف کردے اگر تو چاہے' اس کو چاہیے کہ پورے عزم اور زور سے سوال کرے' کیونکہ اللہ پر کوئی جبر کرنے والا نہیں ہے۔(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۳۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۷۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی شخص کی دعا اس وقت قبول ہوتی ہے جب وہ دعا قبول ہونے میں جلدی نہ کرے' وہ کہے: میں نے دعا کی تھی اور میری دعا قبول نہیں ہوئی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۴۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۳۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۸۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۸۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۵۳)

حضرت سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھولے سے شجر ممنوع سے کھا لیا' پھر تین سو سال تک اس پر روتے رہے اور استغفار کرتے رہے' تب جا کر اللہ تعالیٰ نے انہیں مغفرت کی نوید سنائی' حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں مبعوث فرمانے کے لیے یہ دعا کی تھی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۝ (البقرہ: ۱۲۹)

اے ہمارے رب! ان میں ایک (عظیم) رسول بھیج دے جو ان پر تیری آیتوں کی تلاوت کرے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا باطن صاف کرے' بے شک تو بہت غالب' بے حد حکمت والا ہے۝

حضرت ابراہیم کی اس دعا کو دو ہزار سے زیادہ برس گزر گئے' اس کے بعد مکہ میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی' یہ تو مقبولان بارگاہ کی دعائیں ہیں جو اس قدر طویل عرصہ گزر جانے کے بعد قبول ہوئیں تو ہماری اور آپ کی کیا حیثیت ہے' اس لیے دعا کرنے کے فوراً بعد یہ توقع نہیں کرنی چاہیے کہ ہماری دعا قبول ہو جائے گی اور اگر دعا جلد قبول نہ ہو تو پھر دعا کرنے کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:
صحیح مسلم اور سنن ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: بندہ کی دعا ہمیشہ قبول ہوتی رہتی ہے جب تک وہ گناہ کی دعا نہ کرے یا قطع رحم کی دعا نہ کرے یا جب تک جلدی نہ کرے' کہا گیا کہ جلدی کا کیا معنی ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ وہ کہے کہ میں نے دعا کی اور دعا کی اور میری دعا قبول نہیں ہوئی۔ پھر اس کو افسوس ہو اور وہ دعا کرنا چھوڑ دے۔ اس حدیث میں دعا کے آداب کی تعلیم ہے کہ وہ بار بار طلب کرتا رہے اور مایوس نہ ہو۔ علماء نے کہا ہے کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں نے دعا کی اور میری دعا قبول نہیں ہوئی اس کے متعلق اندیشہ ہے کہ وہ دعا کے قبول ہونے سے محروم ہو جائے گا۔

(فتح الباری ج ۱۲ ص ۴۲۸' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

دعا قبول نہ ہونے سے نہ اکتائے نہ مایوس ہو بلکہ مسلسل دعا کرتا رہے

ایک عارف نے کہا: میری دعا قبول ہو جائے پھر بھی میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اگر میری دعا قبول نہ ہو پھر بھی میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں' کسی نے کہا: اگر آپ کی دعا قبول ہو پھر تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی وجہ سمجھ آتی ہے اور اگر آپ کی دعا قبول نہ ہو تو پھر کس لیے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں؟ عارف نے کہا: ہر چند کہ میری دعا قبول نہیں ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ کا مجھ پر یہ کرم کم تو نہیں ہے کہ اس نے مجھے اپنے در کا منگتا بنایا ہوا ہے' کسی اور کے دروازہ پر گدائی کرنے کے لیے نہیں چھوڑا ہوا۔

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

ایک بوڑھا آدمی ایک نوجوان کے ساتھ حج کرنے کے لیے گیا' بوڑھے نے احرام باندھ کر کہا: لبیک (میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں) غیب سے آواز آئی: لا لبیک (تیری حاضری قبول نہیں)' نوجوان نے بوڑھے سے کہا: کیا تم یہ جواب نہیں سن رہے؟ بوڑھے نے کہا: میں تو ستر سال سے یہ جواب سن رہا ہوں' میں ہر بار کہتا ہوں: لبیک' جواب آتا ہے: لا لبیک' نوجوان نے کہا: پھر تم کیوں آتے ہو اور سفر کی مشقت برداشت کرتے ہو اور تھکتے ہو؟ وہ بوڑھا رو کر کہنے لگا: پھر میں کس کے دروازہ پر جاؤں؟ مجھے رد کیا جائے یا قبول کیا جائے میں نے تو یہیں آنا ہے' اس گھر کے سوا میری اور کہیں پناہ نہیں ہے' پھر غیب سے آواز آئی: جاؤ تمہاری ساری حاضریاں قبول ہو گئیں۔ (روح البیان ج ۸ ص ۴۵۲' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

سو شب برأت کے عبادت گزاروں اور توبہ کرنے والوں کو چاہیے کہ اس رات بار بار اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے رہیں اور اپنے گناہوں پر معافی چاہتے رہیں' اشک ندامت بہاتے رہیں' یہ وہی رات ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری رات سجدہ میں گزارتے تھے' اس رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم بقیع کے قبرستان جاتے تھے اور مردوں کے لیے مغفرت طلب کرتے تھے اور امت کی بخشش کے لیے دعائیں کرتے تھے' سو اس رات ہمیں بھی زیادہ سے زیادہ استغفار کرنا چاہیے۔ اپنے لیے بھی' اپنے والدین کے لیے بھی' دیگر قرابت داروں کے لیے بھی اور عامۃ المسلمین کے لیے بھی اور اس شب میں قبرستان جا کر اپنے اعزہ کی قبروں کی زیارت کرنی چاہیے اور ان کے لیے بخشش کی دعائیں کرنی چاہئیں۔ اس سے پہلے احادیث میں آ چکا ہے کہ بعض گناہوں کی وجہ سے شب برأت میں مسلمانوں کی مغفرت نہیں ہوتی اور ان کی دعائیں قبول ہونے سے محروم رہتی ہیں' وہ گناہ یہ ہیں: شرک' زنا' قتل ناحق' کینہ اور بغض' والدین کی نافرمانی' قطع رحم' عادۃً شراب پینا' چغلی کھانا اور تصویریں بنانا' اب ہم ان میں سے ہر گناہ کی سنگینی کو تفصیل سے بیان کر رہے ہیں۔

شرک' زنا اور قتل ناحق کی وجہ سے شب برأت میں دعا کی قبولیت سے محروم ہونا

مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان گناہوں سے اجتناب کریں جن کی وجہ سے اس رات بھی بندہ کی مغفرت نہیں ہوتی حالانکہ

اس رات اللہ تعالیٰ کی عطا و نوال بہت عام ہوتی ہے اور غروب آفتاب سے لے کر طلوع فجر تک اس کی رحمت کی برسات ہوتی رہتی ہے۔

ان گناہوں میں شرک ہے' قتل ناحق ہے اور زنا ہے اور ان تینوں گناہوں کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ (الفرقان: ۶۸)

اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور نہ کسی شخص کو ناحق قتل کرتے ہیں جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اور نہ زنا کرتے ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم کسی کو اللہ کا شریک قرار دو حالانکہ اللہ نے تمہیں پیدا کیا ہے' انہوں نے سوال کیا: پھر کون سا گناہ بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اپنے بیٹے کو اس خوف سے قتل کر دو کہ وہ تمہارے ساتھ کھانا کھائے گا' انہوں نے کہا: پھر کون سا گناہ بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۷۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۶' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۳۱۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۰۱۳' جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۱۹۹)

کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت رنج ہوتا ہے' حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت لاڈلے صحابی تھے' انہوں نے اجتہادی خطا سے ایک مسلمان کو قتل کر دیا تو آپ حضرت اسامہ پر بہت ناراض ہوئے اور آپ کو بہت رنج ہوا' حدیث میں ہے:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جہینہ کے ایک قبیلہ کی طرف جہاد کے لیے روانہ کیا' ہم نے صبح کو ان پر حملہ کر کے ان کو شکست دے دی' میرا اور ایک انصاری کا ان میں سے ایک شخص سے ٹکراؤ ہوا' جب ہم اس پر چھا گئے تو اس نے کہا: لا الہ الا اللہ' یہ سن کر انصاری تو رک گیا' میں نے اس کو نیزہ گھونپ کر قتل کر دیا' جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ تک یہ خبر پہنچ چکی تھی' آپ نے فرمایا: اے اسامہ! تم نے اس کے لا الہ الا اللہ پڑھنے کے بعد بھی اس کو قتل کر دیا' میں نے عرض کیا: اس نے جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا تھا' (مسلم کی روایت میں ہے: تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا کہ اس نے اخلاص سے کلمہ پڑھا ہے یا جان بچانے کے لیے) آپ بار بار یوں ہی فرماتے رہے حتیٰ کہ میں نے تمنا کی کہ میں آج سے پہلے اسلام نہ لایا ہوتا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۲۶۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۶' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۶۴۳)

اس حدیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کو اگر خطاء سے بھی ناحق قتل کیا جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنا رنج ہوتا ہے' ہمارے دور میں مسلمان محض زبان اور علاقے کے اختلاف کی وجہ سے یا مذہبی اختلاف کی وجہ سے ایک دوسرے کو ناحق قتل کرتے رہتے ہیں اور آئے دن بوری میں بند لاشیں ملتی رہتی ہیں' مساجد اور مدارس میں نمازیوں پر گھات لگا کر فائرنگ کی جاتی ہے' سوچئے! اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر رنج ہوتا ہوگا' آپ کی قبر انور میں آپ کے سامنے امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں' جب آپ کے سامنے یہ قتل ناحق پیش کیے جائیں گے تو آپ کو ان پر کس قدر رنج ہوگا' مکہ کے کافر تو آپ کو زندگی میں رنجیدہ کرتے تھے ہم آپ کو قبر میں بھی دکھ پہنچا رہے ہیں۔

کینہ اور بغض کی وجہ سے شب برأت میں دعا کی قبولیت سے محروم ہونا

جو گناہ شب برأت میں مغفرت سے مانع ہیں ان میں ایک گناہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے کینہ اور بغض رکھنا ہے' یعنی ایک مسلمان محض اپنی نفسانی خواہش کی بناء پر یا نفسانی عداوت کی بناء پر دوسرے مسلمان سے کینہ اور بغض رکھے۔ اس

سلسلہ میں یہ احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پیر اور جمعرات کو جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور ہر اس بندہ کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کیا ہو' ماسوا اس شخص کے جو اپنے بھائی کے خلاف اپنے دل میں بغض اور کینہ رکھتا ہو' پس کہا جائے گا: ان دونوں کو ٹھہراؤ حتیٰ کہ یہ ایک دوسرے سے صلح کر لیں' یہ آپ نے تین دفعہ فرمایا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۶۵' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۹۱۶' مسند احمد ج ۲ ص ۳۸۹)

اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ یہ دعا کرتے ہیں:

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ (الحشر: ۱۰)

اے ہمارے رب! ہماری مغفرت فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرما جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے خلاف کینہ نہ رکھنا' اے ہمارے رب! بے شک تو بہت شفیق اور مہربان ہے ○

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے تین دن یہ فرمایا: اب تمہارے پاس اہل جنت میں سے ایک شخص آئے گا' پھر ایک شخص آیا' حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کو مہمان بنایا' سو وہ تین دن ان کے پاس رہا' حضرت عبد اللہ بن عمرو اس کے عمل کو دیکھتے رہے' انہوں نے اپنے گھر میں اس کا کوئی خاص بڑا عمل نہیں دیکھا' انہوں نے اس شخص سے پوچھا: اس نے کہا: واقعہ اسی طرح ہے' مگر میں اس حال میں رات گزارتا ہوں کہ میرے دل میں کسی مسلمان کے خلاف بغض یا کینہ نہیں ہوتا' حضرت عبد اللہ بن عمرو نے کہا: اسی وجہ سے یہ شخص اس مرتبہ کو پہنچا ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۶' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۵۳۵)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! لوگوں میں کون سب سے زیادہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: ہر وہ شخص جس کا دل مخموم ہو اور اس کی زبان صادق ہو' صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! زبان صادق ہو اس کا معنیٰ تو ہم جانتے ہیں اور دل کے مخموم ہونے کا کیا معنیٰ ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ دل ہے جو بالکل صاف اور اجلا ہو' اس میں کوئی گناہ نہ ہو' کوئی سرکشی نہ ہو' کینہ نہ ہو اور حسد نہ ہو۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۱۶' جامع المسانید والسنن مسند عبد اللہ بن عمرو بن العاص رقم الحدیث: ۷۷۰)

بعض اسلاف نے یہ کہا ہے کہ افضل عمل یہ ہے کہ سینہ کو صاف اور سالم رکھا جائے' نفس میں سخاوت ہو اور تمام مسلمانوں کے لیے خیر خواہی کی جائے۔ ان گناہوں سے بچا جائے جو بندہ کو اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے اس رات میں محروم رکھتے ہیں جس رات میں اس کی رحمت عام ہوتی ہے اور وہ بہ کثرت گناہوں کو بخش دیتا ہے۔

والدین کی نافرمانی کی وجہ سے شب برأت میں دعا کی قبولیت سے محروم ہونا

شب برأت میں مسلمان جن گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت سے محروم رہتے ہیں' ان گناہوں میں سے ایک بڑا گناہ ماں باپ کی نافرمانی کرنا ہے۔ ہم اس سے پہلے قرآن مجید سے والدین کی اطاعت کی اہمیت میں آیات پیش کریں گے اور اس کے بعد اس سلسلہ میں احادیث پیش کریں گے:

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ

اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ (نیک سلوک کی) وصیت کی' اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اس کو حمل

الْمَصِيْرُ ○ (لقمان: ۱۴)

میں رکھا اور اس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہے' (ہم نے یہ وصیت کی کہ) میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو' تم سب نے میری ہی طرف لوٹنا ہے ○

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ (الاحقاف: ۱۵)

اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے' اس کی ماں نے دکھ جھیل کر اس کو پیٹ میں رکھا اور دکھ برداشت کر کے اس کو جنا۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ إِلَّا اللّٰهَ ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۔ (البقرہ: ۸۳)

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے پکا وعدہ لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: نماز کو اپنے وقت پر پڑھنا' میں نے پوچھا: پھر کون سا عمل ہے؟ آپ نے فرمایا: ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا' میں نے پوچھا: پھر کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ حضرت ابن مسعود نے کہا: آپ نے مجھے یہ احکام بیان فرمائے' اگر میں اور پوچھتا تو آپ اور بتا دیتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۶۱۰' جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۶۳۴)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کو جہاد پر مقدم کیا ہے۔

ماں باپ کی خدمت اور ان کی اطاعت کا یہ تقاضا ہے کہ نہ براہِ راست ان کی گستاخی کرے اور نہ کوئی ایسا کام کرے جو ان کی گستاخی کا موجب ہو۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام کبیرہ گناہوں میں سے بڑا کبیرہ گناہ یہ ہے کہ انسان اپنے والدین کو گالی دے یا لعنت کرے۔ کہا گیا: یا رسول اللہ! کوئی شخص اپنے ماں باپ پر کیسے لعنت کرے گا' فرمایا: ایک شخص دوسرے شخص کے ماں باپ کو گالی دے گا تو وہ دوسرا شخص اس کے ماں باپ کو گالی دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۷۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۰' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۵۱۴۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۰۲' جامع المسانید والسنن مسند عبد اللہ بن عمرو رقم الحدیث: ۴۹)

اغراض صحیحہ: جائز کاموں میں ماں باپ کی نافرمانی کرنا حرام ہے اور جائز کاموں میں ان کی اطاعت کرنا واجب ہے جب کہ ان کا حکم کسی معصیت کو مستلزم نہ ہو۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا میں جہاد کروں؟ آپ نے پوچھا: تمہارے ماں باپ ہیں' اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: پھر تم ان کی خدمت میں جہاد کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۷۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۴۹' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۵۲۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۷۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۰۳' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۳۲۸۴' مسند حمیدی رقم الحدیث: ۵۸۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۶۵۴۴' عالم الکتب' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۴۷۳' جامع المسانید والسنن مسند عبد اللہ بن عمرو رقم الحدیث: ۸۱)

معاویہ بن جاہمہ السلمی بیان کرتے ہیں کہ حضرت جاہمہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے اور عرض کیا:

میں جہاد کے لیے جانا چاہتا ہوں اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں' آپ نے پوچھا: کیا تمہاری ماں ہے؟ اس نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: پھر اس کے ساتھ لازم رہو کیونکہ جنت اس کے پیروں کے پاس ہے' وہ پھر دوبارہ کسی اور وقت گئے' پھر سہ بارہ کسی اور وقت گئے تو آپ نے یہی جواب دیا۔

(سنن النسائی رقم الحدیث:۳۱۰۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۷۸۱' مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۹ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث:۱۵۶۲۳' عالم الکتب' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۲۶' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۹۲۹۰' مشکوٰۃ رقم الحدیث:۴۹۳۵' تاریخ بغداد ج ۳ ص ۳۳۴)

ایک روایت میں ہے: جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ (سنن النسائی رقم الحدیث:۳۱۰۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔

(کنز العمال رقم الحدیث:۴۵۴۳۹' بہ حوالہ تاریخ بغداد)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے' پھر فرمایا: آمین' آمین' آمین' آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! آپ نے کس چیز پر آمین کہی؟ آپ نے فرمایا: میرے پاس ابھی جبرائیل آئے تھے انہوں نے کہا: یا محمد! اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے آپ کا ذکر کیا گیا اور اس نے آپ پر درود نہیں پڑھا' آپ کہیے: آمین تو میں نے کہا: آمین! پھر اس نے کہا: اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس پر رمضان کا مہینہ داخل ہوا اور اس کی مغفرت کے بغیر وہ مہینہ گزر گیا' آپ کہیے: آمین تو میں نے کہا: آمین' پھر اس نے کہا: اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس نے اپنے ماں باپ یا دونوں میں سے کسی ایک کو بڑھاپے میں پایا اور انہوں نے اس کو جنت میں داخل نہیں کیا' آپ کہیے: آمین تو میں نے کہا: آمین۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۵۴۵' مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۴' مسند احمد رقم الحدیث:۷۴۴۴' عالم الکتب' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۰۸' المستدرک ج ۱ ص ۵۴۹)

سلیمان بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنی ماں کو اٹھائے ہوئے خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا' اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: کیا میں نے اپنی ماں کا حق ادا کر دیا؟ آپ نے فرمایا: نہیں' یہ تو اس کی ایک بار خندہ پیشانی کا بھی بدل نہیں ہے۔

(مسند البزار رقم الحدیث:۱۸۷۲' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے۔ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۳۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کے ماں باپ یا ان میں سے کوئی ایک جس وقت فوت ہوتے ہیں وہ اس وقت ان کا فرمان ہوتا ہے' پھر وہ ان کے لیے مسلسل مغفرت کی دعا کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اللہ اس کو نیکوکار لکھ دیتا ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث:۷۹۰۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس حال میں صبح کرتا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا اطاعت گزار ہوتا ہے' اس کے لیے جنت کے دو دروازے کھلے ہوئے ہوتے ہیں اور اگر وہ ایک کا اطاعت گزار ہوتا ہے تو ایک دروازہ کھلا ہوا ہوتا ہے اور جو شخص شام کے وقت اس حال میں ہوتا ہے کہ وہ اپنے باپ کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہوتا ہے تو صبح کے وقت اس کے لیے دوزخ کے دو دروازے کھلے ہوئے ہوتے ہیں اور اگر وہ ایک کا نافرمان ہوتا ہے تو ایک دروازہ کھلا ہوا ہوتا ہے۔ ایک شخص نے کہا: خواہ اس کے ماں باپ اس پر ظلم کریں' فرمایا: اگرچہ وہ اس پر ظلم کریں' اگرچہ وہ اس پر ظلم کریں' اگرچہ وہ اس پر ظلم کریں۔

(شعب الایمان رقم الحدیث:۷۹۱۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو نیک شخص اپنے ماں باپ کی طرف رحمت کی نظر سے دیکھے' اللہ تعالیٰ اس کو ہر نظر کے بدلہ میں حج مبرور عطا فرماتا ہے' صحابہ نے پوچھا: خواہ وہ ہر روز سو مرتبہ رحمت کی نظر کرے؟ آپ نے فرمایا: اللہ بہت بڑا اور بہت پاک ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۸۵۹)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماں باپ کی نافرمانی کے سوا اللہ ہر گناہ میں سے جس کو چاہے گا معاف فرما دے گا اور ماں باپ کی نافرمانی کی سزا انسان کو زندگی میں موت سے پہلے مل جائے گی۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۸۹۰)

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' آپ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا: ایک جوان آدمی قریب المرگ ہے' اس سے کہا گیا کہ لا الہ الا اللہ پڑھو تو وہ نہیں پڑھ سکا' آپ نے فرمایا: وہ نماز پڑھتا تھا؟ اس نے کہا: ہاں! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور ہم بھی آپ کے ساتھ اٹھے' آپ اس جوان کے پاس گئے اور فرمایا: کہو لا الہ الا اللہ' اس نے کہا: مجھ سے نہیں پڑھا جا رہا' آپ نے اس کے متعلق پوچھا' کسی نے کہا: یہ اپنی والدہ کی نافرمانی کرتا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا اس کی والدہ زندہ ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: اس کو بلاؤ' وہ آئی' آپ نے پوچھا: یہ تمہارا بیٹا ہے؟ اس نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر آگ جلائی جائے اور تم سے کہا جائے کہ اگر تم شفاعت کرو تو اس کو چھوڑ دیتے ہیں ورنہ اس کو آگ میں ڈال دیتے ہیں تو کیا تم اس کی شفاعت کرو گی؟ اس نے کہا: یا رسول اللہ! اس وقت میں اس کی شفاعت کروں گی' آپ نے فرمایا: تب تم اللہ کو گواہ کرو اور مجھ کو گواہ کر کے کہو کہ تم اس سے راضی ہو گئی ہو' اس عورت نے کہا: اے اللہ! میں تجھ کو گواہ کرتی ہوں اور تیرے رسول کو گواہ کرتی ہوں کہ میں اپنے بیٹے سے راضی ہو گئی ہوں' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لڑکے! اب کہو: لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ تو اس لڑکے نے کلمہ پڑھا' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے جس نے اس کو میری وجہ سے آگ سے نجات دی۔

(الترغیب والترہیب للمنذری ج ۳ ص ۳۳۲' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۴۸' شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۸۹۲)

قطع رحم کی وجہ سے شب برأت میں دعا کی قبولیت سے محروم ہونا

جن گناہوں کی وجہ سے مسلمان شب برأت میں دعا کے قبول ہونے سے محروم ہو جاتے ہیں ان گناہوں میں سے ایک بڑا گناہ رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنا ہے' قطع رحم پر حسب ذیل احادیث میں وعید ہے:

وَيَقْطَعُونَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ. اور اللہ نے جن رشتوں کو جوڑنے کا حکم دیا ہے وہ ان کو کاٹ دیتے ہیں۔ (البقرہ: ۲۷)

قطع رحم کی مذمت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قطع رحم کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۰۹' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۲۳۸' مسند احمد ج ۴ ص ۸۰' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۸۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس شخص کو اس سے خوشی ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی کی جائے اور اس کی عمر دراز کی جائے وہ صلہ رحم کرے (رشتہ داروں سے میل جول اور ملاپ رکھے)۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۸۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۹۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو پیدا کر کے فارغ ہو چکا تو رحم نے کہا: یہ اس کی جگہ ہے جو قطع رحم سے تیری پناہ طلب کرے' اللہ عزوجل نے فرمایا: کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ میں اس سے ملاپ رکھوں جو تم سے ملاپ رکھے اور اس سے قطع تعلق کروں جو تم سے قطع تعلق کرے۔ رحم نے کہا: کیوں نہیں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سو یہ تمہارے لیے ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم چاہو تو اس آیت کو پڑھو:

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ○ (محمد: ۲۲)

پس تم سے یہ بعید نہیں ہے کہ اگر تم کو اقتدار حاصل ہو جائے تو تم زمین میں فساد کرو گے اور رشتوں کو توڑ دو گے ○

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۸۷)

عادی شرابی کا شب برأت میں دعا کی قبولیت سے محروم ہونا

جن گناہوں کی وجہ سے مسلمان شب برأت میں دعا کے قبول ہونے سے محروم ہو جاتے ہیں ان گناہوں میں سے ایک بڑا گناہ دائماً شراب نوشی کرنا ہے' دائماً شراب نوشی پر حسب ذیل احادیث میں وعید ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ہر نشہ آور چیز خمر (شراب) ہے اور ہر نشہ لانے والی چیز حرام ہے اور جو دنیا میں شراب نوشی کرتے ہوئے مر گیا اور اس نے دائماً شراب نوشی سے توبہ نہیں کی وہ آخرت میں شراب نہیں پی سکے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۷۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۰۳' جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۱۴۶۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص یمن سے آیا' اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ وہ لوگ اپنے علاقے میں جوار کی شراب پیتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا وہ شراب نشہ لاتی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: اللہ سبحانہ نے یہ عہد کیا ہوا ہے کہ جو شخص نشہ لانے والی چیز پیئے گا اللہ تعالیٰ اس کو طینۃ الخبال سے پلائے گا' صحابہ کرام نے پوچھا: یا رسول اللہ! طینۃ الخبال کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ دوزخیوں کا پسینہ ہے یا ان کا نچڑا ہوا عرق ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۰۲' جامع المسانید والسنن مسند جابر رقم الحدیث: ۱۴۶۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سبحانہ' شراب پر لعنت فرماتا ہے اور اس کے پینے والے پر اور اس کے پلانے والے پر اور اس کی فروخت کرنے والے پر اور اس کے خریدنے والے پر اور اس کے نچوڑنے والے پر اور اس کے نچڑوانے والے پر اور اس کے اٹھانے والے پر اور جس کے پاس وہ اٹھا کر لائی جائے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۷۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۸۰' جامع المسانید والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۲۹۹۱)

چغلی کھانے کی وجہ سے شب برأت میں دعا کی قبولیت سے محروم ہونا

جن گناہوں کی وجہ سے مسلمان شب برأت میں دعا کے قبول ہونے سے محروم ہو جاتے ہیں ان گناہوں میں سے ایک بڑا گناہ چغلی کھانا ہے۔

غیبت اور چغلی میں فرق ہے' کسی مسلمان کو رسوا کرنے کے لیے اس کے پس پشت اس کا عیب بیان کرنا غیبت ہے اور دو مسلمانوں میں فساد ڈالنے یا ان کو لڑانے کے لیے ایک کی بات دوسرے کو پہنچانا چغلی ہے۔ چغلی پر وعید ان آیتوں میں ہے:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ○ (الہمزۃ: ۱)

ہر اس شخص کے لیے ہلاکت ہو جو عیب جو اور چغل خور ہے ○

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ ○ (القلم: ۱۱)

کمینہ' عیب جو' چغل خور ○

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو یہ نہ بتاؤں کہ تم میں سب سے اچھے کون لوگ ہیں؟ صحابہ نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جب یہ دکھائی دیتے ہیں تو خدا یاد آ جاتا ہے' پھر فرمایا: کیا میں تم کو یہ نہ بتاؤں کہ تم میں سب سے بُرے لوگ کون ہیں' یہ وہ لوگ ہیں جو چغلی کھاتے ہیں اور دوستوں میں فساد ڈالتے ہیں اور جو لوگ بے قصوروں کے خلاف غم وغصہ پیدا کرتے ہیں۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۴۵۹ طبع قدیم' مسند احمد ج ۴۵ ص ۵۷۵' رقم الحدیث: ۲۷۵۹۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۱۹' المعجم الکبیر ج ۲۴ ص ۴۲۳' شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۱۱۰۸)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چغل خور جنت میں نہیں جائے گا۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۱۱۰۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ یا مکہ کے کسی باغ سے گزرے تو آپ نے دو انسانوں کی آوازیں سنیں جنہیں قبر میں عذاب ہو رہا تھا' آپ نے فرمایا: انہیں کسی ایسی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا جس سے بچنا بہت دشوار ہو' پھر فرمایا: کیوں نہیں! ان میں سے ایک پیشاب کے قطروں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کھاتا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۱۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۲' جامع المسانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۱۲۲۶)

تصویریں بنانے کی وجہ سے شب برأت میں دعا کی قبولیت سے محروم ہونا

جن گناہوں کی وجہ سے مسلمان شب برأت میں دعا کے قبول ہونے سے محروم ہو جاتے ہیں ان میں سے ایک بڑا گناہ تصویریں بنانا ہے' تصویریں بنانے کی تحریم کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے ایک تصویروں والا گدا خریدا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا تو آپ دروازے پر کھڑے رہے' میں نے آپ کے چہرے پر ناپسندیدگی کو پہچان لیا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف توبہ کرتی ہوں' میں نے کیا گناہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ گدا کیسا ہے؟ میں نے عرض کیا: میں نے اس کو اس لیے خریدا ہے کہ آپ اس پر بیٹھیں اور اس پر ٹیک لگائیں' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان تصویروں والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا: ان کو زندہ کرو جن کو تم نے پیدا کیا تھا اور فرمایا: جس گھر میں تصویر ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۶۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۰۷' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۲۷۴۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب ان لوگوں کو دیا جائے گا جو تصویر بنانے والے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۵۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۰۹' جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۲۷۳۲)

یہ حدیث ان مصوروں پر محمول ہے جو بت بناتے ہیں تاکہ ان کی عبادت کی جائے اور عام مصورین فاسق ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۵۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۰۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اس شخص سے بڑا ظالم کون ہو گا جو میری تخلیق کی مثل تخلیق کرتا ہے' وہ ایک جوار پیدا کریں یا ایک دانہ پیدا کریں یا جو پیدا

کریں۔(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۹۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۱۱)

شب برأت میں شب بیداری کرنا اور مخصوص عبادات کرنا

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ ''قوت القلوب'' سے نقل فرماتے ہیں:

پندرہ راتوں میں شب بیداری مستحب ہے (آگے چل کر فرمایا:) ان میں ایک شعبان المعظم کی پندرھویں رات ہے کہ اس میں شب بیدار رہنا مستحب ہے کہ اس میں مشائخ کرام سو رکعت ہزار مرتبہ **قل ھو اللہ احد** کے ساتھ ادا کرتے' ہر رکعت میں دس دفعہ **قل ھو اللہ احد** پڑھتے' اس نماز کا نام انہوں نے صلوٰۃ الخیر رکھا تھا' اس کی برکت مسلمہ تھی' اس رات (یعنی پندرہ شعبان) میں اجتماع کرتے اور احیاناً اس نماز کو باجماعت ادا کرتے تھے۔(ت)

(فتاویٰ رضویہ ج ۷ ص ۴۱۸' طبع جدید لاہور' قوت القلوب ج ۱ ص ۶۲' دار صادر' بیروت)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی' علامہ ابن رجب حنبلی متوفی ۷۹۵ھ کی ''لطائف المعارف'' سے نقل فرماتے ہیں:

یعنی اہل شام میں ائمہ تابعین مثل خالد بن معدان و امام مکحول و لقمان بن عامر وغیرھم شب برأت کی تعظیم اور اس رات عبادت میں کوشش عظیم کرتے اور انہیں سے لوگوں نے اس کا فضل ماننا اور اس کی تعظیم کرنا اخذ کیا ہے' کوئی کہتا ہے: انہیں اسباب میں کچھ آثار اسرائیلی پہنچے تھے' خیر جب ان سے یہ امر شہروں میں پھیلا علماء اس میں مختلف ہو گئے' ایک جماعت نے اسے قبول کیا اور تعظیم شب برأت کے موافق ہوئے' ان میں سے ایک گروہ عابدین اہلِ بصرہ وغیرھم ہیں اور اکثر علماء نے اس کا انکار کیا' ان میں سے ہیں: امام عطاء و ابن ابی ملیکہ و عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم فقہائے مدینہ سے ہیں اور یہ قول مالکیہ وغیرھم کا ہے کہ یہ سب نو پیدا ہے' علمائے اہل شام اس رات کی شب بیداری میں کہ کس طرح کی جائے دو قول پر مختلف ہوئے' ایک قول یہ ہے کہ مسجدوں میں جماعت کے ساتھ مستحب ہے' خالد بن معدان و لقمان بن عامر وغیرھما اکابر تابعین اس رات اچھے سے اچھے کپڑے پہنتے' بخور کا استعمال کرتے' سرمہ لگاتے اور شب کو مسجدوں میں قیام فرماتے' امام مجتہد اسحٰق بن راہویہ نے بھی اس بارے میں ان کی موافقت فرمائی الخ' دوسرا قول یہ کہ مساجد میں اس کی جماعت مکروہ ہے اور یہ قول شام کے امام و فقیہ و عالم امام اوزاعی کا ہے۔(فتاویٰ رضویہ ج ۷ ص ۴۳۳ طبع جدید لاہور' لطائف المعارف ج ۱ ص ۲۲۷۔۲۲۶' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا متوفی ۱۳۴۰ھ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح سے نقل فرماتے ہیں:

اہل حجاز میں سے اکثر علماء نے اس کا انکار کیا ہے' ان میں سے ہیں: امام عطاء و ابن ابی ملیکہ و فقہاء مدینہ اور اصحاب امام مالک وغیرھم۔ یہ علماء کہتے ہیں: یہ سب نو پیدا ہے' نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عیدین کی دونوں راتوں کی باجماعت شب بیداری منقول ہے اور نہ ہی صحابہ کرام سے مروی ہے اور علماء شام بیداریٔ شبِ برأت میں کہ کس طرح کی جائے دو قول پر مختلف ہوئے: ایک قول یہ ہے کہ مسجدوں میں جماعت کے ساتھ بیداری مستحب ہے یہ قول اکابر تابعین مثل خالد بن معدان اور لقمان بن عامر کا ہے' امام مجتہد اسحٰق بن راہویہ نے بھی اس بارے میں ان کی موافقت فرمائی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مساجد میں اس کی جماعت مکروہ ہے' یہ قول اہل شام کے امام و فقیہ و عالم امام اوزاعی کا ہے۔(ت)

(فتاویٰ رضویہ ج ۷ ص ۴۳۴' طبع جدید لاہور' حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح' ص ۲۲۰۔۲۱۹' طبع کراچی)

شب برأت میں صلوٰۃ التسبیح اور دیگر نوافل کو باجماعت پڑھنا

برصغیر میں معمول یہ ہے کہ شب برأت میں صلوٰۃ التسبیح باجماعت پڑھی جاتی ہے' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ نوافل کی جماعت مکروہ ہے' اعلیٰ حضرت نے باحوالہ لکھا ہے کہ یہ کراہت تحریمی نہیں ہے صرف تنزیہی ہے اور اگر دوام کے ساتھ نوافل کی

جماعت نہ کرائی جائے تو پھر یہ مکروہ تنزیہی بھی نہیں ہے' اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فرماتے ہیں:

اس مسئلہ کی اصل یہ ہے کہ جب نوافل کی جماعت علیٰ سبیل التداعی ہو تو صدر شہید کی "اصل" میں ہے کہ یہ مکروہ ہے لیکن اگر مسجد کے گوشے میں بغیر اذان و تکبیر نفل کی جماعت ہوئی تو کراہت نہیں اور شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا کہ اگر امام کے علاوہ تین افراد ہوں تو بالاتفاق کراہت نہیں اور اگر مقتدی چار ہوں تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے اور اصح کراہت ہے۔ (ت)

(فتاویٰ رضویہ ج ۷ ص ۴۳۱ طبع جدید' خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۵۴ مکتبہ رشیدیہ' کوئٹہ)

پھر اظہر یہ کہ یہ کراہت صرف تنزیہی ہے یعنی خلاف اولیٰ لمخالفة التوارث (کیونکہ یہ طریقہ توارث کے خلاف ہے۔ ت) نہ تحریمی کہ گناہ و ممنوع ہو' ردالمحتار میں ہے:

"حلیہ" میں ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ نفل میں جماعت مستحب نہیں' پھر اگر کبھی کبھی ایسا ہو تو یہ مباح ہے مکروہ نہیں اور اس میں دوام ہو تو طریقہ متوارث کے خلاف ہونے کی وجہ سے بدعت مکروہہ ہے اھ کی تائید بدائع کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ جماعت' قیام رمضان کے علاوہ نوافل میں سنت نہیں اھ کیونکہ نفی سنیت کراہت کو مستلزم نہیں' پھر اگر اس میں دوام ہو تو یہ بدعت و مکروہ ہوگی' خیر رملی نے حاشیہ بحر میں کہا کہ ضیاء اور نہایہ میں کراہت کی علت یہ بیان کی ہے کہ وتر من وجہ نفل ہیں اور نوافل کی جماعت مستحب نہیں کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے رمضان کے علاوہ وتر کی جماعت نہیں کرائی اھ یہ گویا اس بات کی تصریح ہی ہے کہ جماعت مکروہ تنزیہی ہے تامل اھ اھ اختصاراً۔ (ت)

(فتاویٰ رضویہ ج ۷ ص ۴۳۲۔ ۴۳۱' لاہور' ردالمحتار ج ۲ ص ۴۳۷۔ ۴۳۶' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

فرائض کی قضاء کو نوافل کی ادائیگی پر مقدم کرنا

ہر چند کہ شب برأت اور دیگر شب ہائے مقدسہ میں نفلی عبادات کرنا بلا کراہت جائز ہیں بلکہ مستحسن اور مستحب ہیں' تاہم جن لوگوں کی کچھ فرض نمازیں چھوٹی ہوئی ہوں وہ ان مقدس راتوں میں اپنی قضاء نمازوں کو پڑھیں' اسی طرح نفلی روزوں کے بجائے جو فرض روزے چھوٹ گئے ہوں ان روزوں کی قضاء کریں' اصل یہ ہے کہ مسلمان کو چاہیے کہ اس کی جتنی نمازیں قضاء ہوں ان کا حساب کر کے تمام کاموں سے مقدم ان نمازوں کی قضاء کرے اور کم از کم درجہ یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے ساتھ ایک قضاء نماز پڑھے اور اس کی نیت یوں کرے: میں آخری نماز فجر کی نیت کرتا ہوں جس کو میں نے ادا نہیں کیا' پھر اسی طرح آخری ظہر اور آخری عصر کی نیت کرے' ہر روز وتر کی بھی قضاء کرے اور جب بھی اس کو عبادت کرنے کا موقع ملے زیادہ سے زیادہ فرض نمازوں کی قضاء کرے' خصوصاً جب حج یا عمرہ کے لیے جائے' اسی طرح جو روزے چھوٹ گئے ہوں' ان روزوں کو بھی جلد از جلد قضاء کرلے اور بہر حال ترک کیے ہوئے فرائض کی قضاء کو نوافل کی ادا پر مقدم کرے' کیونکہ اگر وہ نوافل نہیں پڑھے گا تو اس سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی اور نہ اسے کسی عذاب کا خطرہ ہوگا اور اگر اس کے ذمہ فرائض رہ جائیں گے تو اس سے باز پرس ہوگی اور اس کو بہر حال عذاب کا خطرہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کے رب کی رحمت سے' بے شک وہی بہت سننے والا' بے حد جاننے والا ہے O جو آسمانوں' زمینوں اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے' اگر تم یقین کرنے والے ہو O اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' وہ زندہ کرتا ہے اور موت طاری کرتا ہے' وہی تمہارا رب ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا O بلکہ وہ شک میں ہیں' کھیل رہے ہیں O (الدخان: ۹۔ ۶)

کفار کا اللہ کو خالق ماننا محض ان کا مشغلہ اور دل لگی ہے

نقاش نے کہا: اس آیت میں امر سے مراد قرآن ہے‘ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس سے نازل کیا ہے اور ابن عیسیٰ نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مبارک رات میں اپنے بندوں کے متعلق جو احکام نازل کیے ہیں وہ سب احکام اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہیں اور فراء نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سبحانہ کی رحمت ہیں‘ زجاج نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: آپ کو رحمت کرنے کے لیے بھیجا ہے‘ زمخشری نے کہا: اس آیت کا معنیٰ ہے: جو امر (حکم) ہمارے پاس سے حاصل ہوا ہے وہ ہمارے علم اور ہماری تدبیر کے موافق ہے اور وہ امر بہت عظیم ہے۔

الدخان: ۷ میں فرمایا: ''جو آسمانوں‘ زمینوں اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے O''

اس آیت کا ایک محمل یہ ہے کہ یہ کلام از سرِ نو کیا گیا ہے‘ یعنی آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب وہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس آیت میں ان لوگوں سے خطاب ہو جو اس کے معترف ہوں کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے‘ یعنی اگر تم اس کا یقین کرنے والے ہو تو جان لو کہ اللہ سبحانہ‘ اس پر قادر ہے کہ وہ رسولوں کو بھیجے اور کتابوں کو نازل فرمائے۔

الدخان: ۸ میں فرمایا: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے‘ وہی تمام جہانوں کا خالق ہے‘ لہٰذا اس کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا جائز نہیں ہے‘ جو کسی چیز کو پیدا کرنے پر قادر نہیں ہیں۔ وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور زندوں پر موت طاری کر دیتا ہے‘ وہ تمہارا بھی رب اور مالک ہے اور تم سے پہلوں کا بھی رب اور مالک ہے اور تم ہمارے نبی (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تکذیب کرنے سے ڈرو کہیں تم پر بھی عذاب نازل نہ ہو۔

الدخان: ۹ میں فرمایا: ''بلکہ وہ شک میں ہیں‘ کھیل رہے ہیں O''

یعنی مشرکین مکہ اور کفار جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا خالق ہے‘ اس پر ان کو یقین نہیں ہے‘ وہ محض اپنے آباء و اجداد کی تقلید میں ایسا کہتے ہیں‘ لہٰذا ان کا یہ قول شک پر مبنی ہے اور اگر ان کو یہ وہم ہو کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے پر ایمان ہے تو ان کا یہ ایمان محض مشغلہ اور دل لگی کے طور پر ہے‘ وہ اپنے دین سے کھیل رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان واضح دھواں لائے گا O جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا‘ یہ ہے دردناک عذاب O (اس دن وہ کہیں گے:) اے ہمارے رب! ہم سے اس عذاب کو دور کر دے‘ بے شک ہم ایمان لانے والے ہیں O اب ان کے نصیحت قبول کرنے کا وقت کہاں ہے‘ حالانکہ ان کے پاس واضح ہدایت دینے والے رسول آ چکے تھے O پھر انہوں نے اس رسول سے اعراض کیا اور کہا: یہ سکھائے ہوئے دیوانے ہیں O (الدخان: ۱۴-۱۰)

آسمان کے دھواں لانے سے مراد ہے: قربِ قیامت میں دھویں کا ظاہر ہونا

قتادہ نے کہا: اس آیت کا معنیٰ ہے: یا محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ ان کافروں کے ساتھ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان پر واضح دھواں چھا جائے گا۔

ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنیٰ ہے: آپ کافروں کے اقوال کو یاد رکھئے تاکہ آپ ان کے خلاف اس دن شہادت دے سکیں جس دن آسمان پر واضح دھواں چھا جائے گا اور ارتقاب کا معنیٰ یاد رکھنا بھی آتا ہے‘ اسی لیے حافظ کو نگرانی کرنے والا اور رقیب بھی کہتے ہیں۔ اس آیت میں دخان (دھواں) کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت علی' حضرت ابن عباس' حضرت ابن عمر' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اور زید بن علی' حسن اور ابن ابی ملیکہ وغیرھم فرماتے ہیں: دخان (دھواں) قیامت کی علامتوں میں سے ہے' یہ ابھی تک ظاہر نہیں ہوا' یہ قرب قیامت میں چالیس روز تک ظاہر ہوگا اور آسمان اور زمین کی فضاء کو بھر لے گا' مومن پر اس کا اثر زکام کی صورت میں ظاہر ہوگا اور کافر و فاجر کی ناکوں میں داخل ہو کر ان کے کانوں کے سوراخوں سے نکلے گا' ان کا دم گھٹنے لگے گا اور یہ دھواں جہنم کے آثار سے ہے اور حضرت ابو سعید خدری نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دھواں قیامت کے دن لوگوں میں ہیجان پیدا کرے گا۔ مومن پر اس کا اثر زکام کی صورت میں ظاہر ہوگا اور کافر کے جسم میں داخل ہو کر اس کے کانوں کے سوراخوں سے نکلے گا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۲۸۷' رقم الحدیث: ۱۸۵۳۳' النکت والعیون ج ۵ ص ۲۴۷)

حضرت حذیفہ بن اسید الغفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے' ہم اس وقت مذاکرہ کر رہے تھے' آپ نے پوچھا: تم کس چیز میں بحث کر رہے ہو؟ صحابہ نے کہا: ہم قیامت کا ذکر کر رہے ہیں' آپ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ تم اس سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھ لو' پھر آپ نے ان چیزوں کا ذکر فرمایا: (۱) دھواں (۲) دجال (۳) دابۃ الارض (۴) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا (۵) حضرت عیسیٰ بن مریم کا نازل ہونا (۶) یاجوج اور ماجوج کا نکلنا (۷) تین بار زمین کا دھنسنا' مشرق میں دھنسنا (۸) مغرب میں (۹) اور جزیرۃ العرب میں (۱۰) اور اس کے آخر میں ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو ہانک کر میدان محشر کی طرف لے جائے گی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۰۱' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

دوسری روایت میں ہے: آسمان کے دھواں لانے سے مراد ہے کفار کی بھوک کی کیفیت

(۲) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دخان (دھوئیں) سے مراد کفار کی بھوک کی کیفیت ہے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مسلسل سرکشی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ان کے خلاف دعا کی تو ان پر قحط آ گیا' بھوک کی شدت میں جب وہ آسمان کی طرف دیکھتے تو وہ ان کو دھوئیں کی طرح نظر آتا' پھر اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ان سے وہ کیفیت دور کر دی' اگر اس سے مراد قیامت کا دھواں ہوتا تو وہ ان سے دور نہ ہوتا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ دھواں اس لیے ظاہر ہوا کہ قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلسل نافرمانی کی' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف دعا کی کہ اے اللہ! ان پر ایسے قحط کے سال مسلط کر دے جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں قحط آیا تھا' پھر ان پر قحط آ گیا اور ان پر سخت مصیبت آ گئی' حتیٰ کہ انہوں نے ہڈیاں کھالیں' ان میں کا ایک شخص آسمان کی طرف دیکھتا تو اس کو آسمان دھوئیں کی طرح نظر آتا' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۝ يَّغْشَى النَّاسَ ۖ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (الدخان: ۱۱-۱۰)

سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان واضح دھواں لائے گا ۝ جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا' یہ ہے دردناک عذاب ۝

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ لوگ لائے گئے اور آپ سے کہا گیا: یا رسول اللہ! مضر کے لیے بارش کی دعا کیجئے' یہ لوگ ہلاک ہو رہے ہیں' آپ نے فرمایا: مضر کے لیے؟ تم تو بہت جری ہو' پھر آپ نے بارش کی دعا کی تو بارش نازل ہو گئی' پھر یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ۝ (الدخان: ۱۵)

بے شک تم کفر کی طرف لوٹنے والے ہو ۝

پھر جب یہ (بارش ہونے سے) مطمئن ہو گئے تو پھر کفر کی طرف لوٹ گئے' پھر اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰىۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ○ جس دن ہم بہت سخت گرفت کے ساتھ پکڑیں گے' بے شک ہم انتقام لینے والے ہیں ○ (الدخان:۱۶)

حضرت ابن مسعود نے فرمایا: اس سے مراد یوم بدر کا انتقام ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۸۲۱' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۷۹۸' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۲۵۴)

امام بخاری کی اس سلسلہ میں ایک اور روایت یہ ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا کہ مشرکین آپ کے پیغام توحید سے اعراض کررہے ہیں تو آپ نے ان کے خلاف دعا کی کہ اے اللہ! ان پر قحط کے ایسے سال مسلط کردے' جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کے لوگوں پر قحط کے سات سال مسلط کیے تھے' پھر ان پر قحط آ گیا' ان کے تمام کھیت جل گئے' حتیٰ کہ انہوں نے جانوروں کی کھالوں کو' مردہ جانوروں کو اور مردہ انسانوں کو کھایا' ان میں سے کوئی شخص آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتا تو اسے بھوک کی شدت سے آسمان دھوئیں کی طرح دکھائی دیتا تھا' پھر آپ کے پاس ابوسفیان آیا اور کہنے لگا: یا محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ اللہ کی اطاعت کرنے اور صلہ رحم کا حکم دیتے ہیں اور آپ کی قوم (قحط سے) ہلاک ہورہی ہے' آپ اللہ سبحانہ سے ان کے حق میں دعا کیجئے' تب یہ آیت نازل ہوئی: ''فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِى السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ○'' الآیۃ (الدخان:۱۰۔۱۶)

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۰۰۷' السنن الکبریٰ رقم الحدیث:۱۱۸۱)

آسمان کو دھوئیں سے تعبیر کرنے کی توجیہ

اس دھویں سے مراد یہ ہے کہ بھوک کی شدت سے آنکھوں کے آگے جو اندھیرا چھا جاتا ہے اس اندھیرے کو دھویں سے تعبیر فرمایا ہے اور ابن قتیبہ نے دھویں کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ قحط کے ایام میں بارش نہ ہونے کی وجہ سے زمین خشک ہوجاتی ہیں اور گرد و غبار اڑنے کی وجہ سے فضا مٹیالی اور مکدر ہوجاتی ہے اور اندھیرا سا لگتا ہے اس کو مجازاً دھویں سے تعبیر فرمایا ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ عرب کے لوگ جو شر پھیل جائے اس کو دھویں سے تعبیر کرتے ہیں۔

دونوں روایتوں میں اصح روایت کا بیان

پہلی روایت کے مطابق آسمان کے دھواں لانے کا محمل یہ ہے کہ قرب قیامت میں آسمان پر دھواں ظاہر ہوگا اور یہ قرب قیامت کی علامت ہے اور دوسری روایت کے مطابق ایام قحط میں کفار کی بھوک کی کیفیت کو مجازاً دھوئیں سے تعبیر فرمایا ہے' اس لیے پہلی روایت راجح ہے کیونکہ وہ حقیقت پر محمول ہے اور دوسری مجاز پر' ثانیاً اس لیے کہ پہلی روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اور متعدد صحابہ اور فقہاء تابعین کا نظریہ ہے اور دوسری روایت صرف حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس کے بعد کی آیتوں میں ہے کہ کفار نے دھوئیں کو دیکھ کر کہا: اے اللہ! ہم سے اس عذاب کو دور کردے' ہم ایمان لانے والے ہیں' اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا: ہم تم سے اس عذاب کو دور کردیں تو تم پھر کفر کی طرف لوٹ جاؤ گے اور قیامت کے وقت کفار کا یہ کہنا اور اللہ تعالیٰ کا ان سے جواب میں اس طرح فرمانا متصور نہیں ہے' امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ایسا کیوں نہیں ہوسکتا کہ یہ علامت قیامت کی باقی علامتوں کے قائم مقام ہو اور اس علامت کے ظہور کے وقت بندوں سے تکلیف منقطع نہ ہو' تاہم اگر اس آیت کی تفسیر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مطابق کی جائے تو پھر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

الدخان:۱۲ میں فرمایا: ''(اس دن وہ کہیں گے:) اے ہمارے رب! ہم سے اس عذاب کو دور کردے' بے شک ہم ایمان

لانے والے ہیںO"

کفار یہ کہیں گے: اگر تو ہم سے یہ عذاب دور کر دے تو ہم تجھ پر ایمان لے آئیں گے' ایک قول یہ ہے کہ قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا: اگر اللہ نے ہم سے اس عذاب کو دور کر دیا تو ہم اسلام لے آئیں گے' پھر انہوں نے اپنے وعدہ کے خلاف کیا' قتادہ نے کہا: اس عذاب سے مراد دھواں ہے' نقاش نے کہا: اس سے مراد ان کی بھوک ہے۔

ان دونوں قولوں میں کوئی تضاد نہیں ہے' کیوں کہ دھوئیں سے مراد وہ اندھیرا ہے جو بھوک کی وجہ سے ان کے آگے چھا گیا تھا اور بھوک اور قحط کو دھوئیں سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے۔

الدخان: ۱۴۔۱۳ میں فرمایا: "اب ان کے نصیحت قبول کرنے کا وقت کہاں ہے' حالانکہ ان کے پاس واضح ہدایت دینے والے رسول آ چکے ہیںO پھر انہوں نے اس رسول سے اعراض کیا اور کہا: یہ سکھائے ہوئے دیوانے ہیںO"

عذاب آ چکنے کے بعد نصیحت کے قبول کرنے کا موقع نہیں ہوتا' کیونکہ ایمان وہ معتبر ہوتا ہے جو بن دیکھے ہو اور جب غیب مشاہد ہو جائے تو پھر ایمان کا اعتبار نہیں ہوتا اور ان کے پاس رسول آ چکے ہیں اور انہوں نے رسول سے اعراض کیا تھا۔

حضرت ابن عباس نے کہا: وہ کب نصیحت کو قبول کریں گے' اللہ تعالیٰ نے ان کو نصیحت قبول کرنے سے دور کر دیا' کیونکہ انہوں نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے پیغام سے اعراض کیا اور آپ کی تکذیب کی اور جب کل وہ اس عذاب کا ظہور دیکھ لیں گے یا قیامت کی علامت کو دیکھ لیں گے تو پھر کہیں گے: بے شک ہم ایمان لانے والے ہیں لیکن جب عذاب یا قیامت کی علامتوں کو دیکھ لیا جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کی معرفت ضروری اور بدیہی ہو جاتی ہے اور اس میں انسان کی آزمائش کا کوئی دخل نہیں ہوتا اور ایسا ایمان اللہ سبحانہٗ کے نزدیک مقبول نہیں ہے اور ان کافروں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہا کہ یہ سکھائے ہوئے ہیں اور لوگوں نے ان کو سکھایا اور پڑھایا ہے' تب ہی یہ قرآن مجید کی آیتیں بناتے ہیں یا جنات اور کاہنوں نے سکھایا پڑھایا ہے' پھر یہ دیوانے ہیں اور یہ رسول نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر ہم کچھ وقت کے لیے عذاب دور کر دیں تو بے شک تم (پھر کفر کی طرف) لوٹنے والے ہوO جس دن ہم بہت سخت گرفت کے ساتھ پکڑیں گے' بے شک ہم انتقام لینے والے ہیںO بے شک ہم اس سے پہلے فرعون کی قوم کو آزما چکے ہیں' ان کے پاس معزز رسول آئے تھےO کہ اللہ کے بندوں (بنی اسرائیل) کو میرے سپرد کر دو' بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوںO اور یہ کہ تم اللہ کے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو' بے شک میں تمہارے پاس واضح دلیل لایا ہوںO اور بے شک میں تمہارے سنگسار کرنے سے اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ میں آ چکا ہوںO (الدخان: ۲۰۔۱۵)

دھوئیں کی دو تفسیروں کے محامل

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ سبحانہٗ کو علم ہے کہ انہوں نے جو عذاب دیکھتے وقت وعدہ کیا ہے کہ اگر ان سے عذاب دور کر دیا جائے تو وہ ایمان لے آئیں گے یہ اپنا وعدہ پورا نہیں کریں گے بلکہ عذاب کے ٹلتے ہی پھر کفر کی طرف پلٹ جائیں گے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: جب کفار قریش پر قحط کا عذاب مسلط کیا گیا تو انہوں نے وعدہ کیا کہ اگر ان سے یہ قحط کا عذاب دور کر دیا گیا اور بارش نازل ہو گئی تو وہ ایمان لے آئیں گے' لیکن جیسے ہی ان سے قحط دور ہوا اور بارش ہو گئی تو وہ اپنے سابق کفر کی طرف لوٹ گئے۔

اور جنہوں نے یہ کہا کہ دھوئیں سے مراد قیامت کی نشانی ہے اور قیامت آنے سے پہلے آسمان پر دھواں چھا جائے گا انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: اگر بالفرض ہم تم سے عذاب دور کر دیں تو تم پھر کفر کی طرف پلٹ جاؤ گے۔ ایک قول

ہے کہ اس کا معنیٰ ہے: بے شک تم مرنے کے بعد ہماری طرف لوٹنے والے ہو اور ایک قول یہ ہے کہ تم دوزخ کے عذاب کی طرف لوٹنے والے ہو۔

سخت گرفت کے ساتھ پکڑنے کی متعدد تفسیریں

الدخان: ۱۶ میں فرمایا: ''جس دن ہم بہت سخت گرفت کے ساتھ پکڑیں گے' بے شک ہم انتقام لینے والے ہیں O''

اس آیت کا ایک محمل یہ ہے کہ اگر تم عذاب دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے اور تم نے اپنے وعدہ کو پورا نہ کیا تو ہم تم سے اس دن انتقام لیں گے جس دن ہم بہت سخت گرفت کے ساتھ پکڑیں گے' اسی وجہ سے اس قصہ کو فرعون کے قصہ کے ساتھ متصل ذکر فرمایا ہے کیونکہ جب قوم فرعون پر انواع واقسام کے عذاب نازل کیے گئے تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا کہ اگر ان سے یہ عذاب دور کر دیا گیا تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے' پھر وہ ایمان نہیں لائے حتیٰ کہ انہیں غرق کر دیا گیا۔

دوسرا محمل یہ ہے کہ جس دن ہم سخت گرفت کے ساتھ پکڑیں گے اس دن ہم تمام کافروں سے انتقام لیں گے۔

ایک قول یہ ہے کہ آپ دھوئیں کا انتظار کیجئے اور سخت گرفت والے دن کا انتظار کیجئے۔

حضرت ابن عباس' حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابن مسعود نے کہا ہے کہ سخت گرفت والے دن سے مراد جنگ بدر کا دن ہے اور حسن اور عکرمہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد قیامت کے دن جہنم کا عذاب ہے۔

الماوردی نے کہا ہے کہ دھواں دنیا میں ہوگا یا بھوک اور قحط قیامت سے پہلے ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سخت گرفت والے دن سے مراد قیامت کا وقوع ہو کیونکہ وہ دنیا میں گرفت کا آخری دن ہے۔

انتقام سے مراد سزا ہے' اسی طرح عقوبت سے مراد بھی سزا ہے۔

الدخان: ۱۷ میں فرمایا: ''بے شک ہم اس سے پہلے فرعون کی قوم کو آزما چکے ہیں' ان کے پاس معزز رسول آئے تھے O''

قوم فرعون کو آزمائش میں ڈالنے کی توجیہ

اس آیت میں فرمایا ہے: ہم نے قوم فرعون کی آزمائش کی تھی' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ امتحان اور آزمائش تو وہ شخص لیتا ہے جس کو عواقب امور کا پتہ نہ ہو کہ آیا وہ شخص کامیاب ہوگا یا ناکام' اللہ سبحانہٗ تو علام الغیوب ہے' اس کو معلوم تھا کہ جب وہ فرعون اور اس کی قوم کو اپنے احکام کی اطاعت کا حکم دے گا تو وہ اس کی اطاعت کریں گے یا نہیں کریں گے' پھر اللہ تعالیٰ کے انہیں آزمانے کی کیا توجیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے قوم فرعون کے ساتھ وہ عمل کیا جو کسی قوم کے ساتھ اس کا امتحان لینے والا کرتا ہے' ہم نے ان کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا' انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو غرق کر کے ہلاک کر دیا' سو اسی طرح اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! اگر آپ کی قوم آپ پر ایمان نہیں لائی تو ہم اس کو بھی ہلاک کر دیں گے۔

باقی رہا یہ کہ اللہ سبحانہٗ کو تو پہلے معلوم تھا کہ فرعون کی قوم ایمان نہیں لائے گی' وہ اس قوم کو ویسے ہی ہلاک کر دیتا' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیج کر اس کا امتحان اس لیے لیا تا کہ قیامت کے دن وہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس کسی نبی کو بھیجا ہی نہیں' اگر ہمارے پاس کسی نبی کو بھیجا جاتا تو ہم اس پر ایمان لے آتے اور دنیا میں غرق کیے جانے اور آخرت میں دوزخ کے عذاب سے بچ جاتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قوم فرعون کا ماجرا

الدخان: ۱۹۔۱۸ میں فرمایا: ''(اس معزز رسول نے کہا:) کہ اللہ کے بندوں (بنی اسرائیل) کو میرے سپرد کر دو' بے شک

میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں O اور یہ کہ تم اللہ کے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو' بے شک میں تمہارے پاس واضح دلیل لایا ہوں O"

مجاہد نے کہا: اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ تم میرے ساتھ اللہ کے ان بندوں کو بھیج دو اور تم نے ان کو غلام بنا کر ان کو جس جسمانی مشقت اور عذاب میں ڈال رکھا ہے اس سے ان کو نجات دے دو' ایک قول یہ ہے کہ تم غور کے ساتھ میری بات سنو حتیٰ کہ میں تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچاؤں اور کہا: میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں' یعنی میں اللہ سبحانہٗ کے پیغام اور اس کی وحی پر امین ہوں' سو تم میری نصیحت کو قبول کرو۔

اس کے بعد فرمایا: اور تم اللہ کے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو اور اس کی اطاعت کرنے سے اعراض نہ کرو۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: تم اللہ کے خلاف بغاوت نہ کرو' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنیٰ ہے: تم اللہ کے خلاف افتراء نہ کرو اور بغاوت اور افتراء میں یہ فرق ہے کہ بغاوت فعل سے ہوتی ہے اور افتراء قول سے ہوتا ہے۔ ابن جریج نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: اللہ کے مقابلہ میں اپنے آپ کو بڑا نہ قرار دو' یحییٰ بن سلام نے کہا: اللہ کی عبادت کرنے سے تکبر نہ کرو' تعظیم اور تکبر میں یہ فرق ہے کہ تعظیم کا معنیٰ ہے: خود کو بڑا سمجھنا اور تکبر کا معنیٰ ہے: دوسروں کو حقیر جاننا اور اس رسول نے کہا: بے شک میں تمہارے پاس واضح دلیل لایا ہوں' یعنی معجزات لایا ہوں۔

الدخان: ۲۰ میں فرمایا: "اور بے شک میں تمہارے سنگسار کرنے سے اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آ چکا ہوں O"

قوم فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دھمکی دی تھی کہ ہم تمہیں قتل کر دیں گے' قتادہ نے کہا: انہوں نے کہا تھا کہ ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں کہا: تم مجھے بُرا کہو گے اور یہ کہو گے کہ یہ جادوگر اور جھوٹا ہے' میں تمہارے اس سب وشتم اور قتل کرنے کی دھمکیوں سے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دے چکا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اس معزز رسول نے کہا:) اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہو جاؤ O پس انہوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ یہ مجرم لوگ ہیں O (ہم نے حکم دیا کہ) تم میرے بندوں کو راتوں رات لے جاؤ' بے شک تمہارا تعاقب کیا جائے گا O آپ سمندر کو یونہی ساکن چھوڑ کر چلے جائیں' بے شک ان کا لشکر غرق کر دیا جائے گا O (الدخان: ۲۴-۲۱)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم فرعون سے کہا: اگر تم میری تصدیق نہیں کرو گے اور میرے دلائل اور معجزات دیکھنے کے باوجود مجھ پر ایمان نہیں لاؤ گے تو مجھ کو چھوڑ کر الگ ہو جاؤ' یعنی مجھ کو برابر سرابر چھوڑ دو' مقاتل نے کہا: اس کا معنیٰ یہ ہے کہ تم مجھ سے الگ رہو اور میں تم سے الگ رہتا ہوں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے' ایک قول یہ ہے کہ تم میرا راستہ چھوڑ دو اور مجھے اذیت پہنچانے سے باز رہو۔

الدخان: ۲۲ میں فرمایا: "پس انہوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ یہ مجرم لوگ ہیں O"

جب قوم فرعون نے کفر کیا اور اپنے کفر پر اصرار کیا تو حضرت موسیٰ نے ان کے خلاف دعا کی کہ یہ لوگ مجرم اور مشرک ہیں' انہوں نے ایمان لانے سے اور بنی اسرائیل کو آزاد کرنے سے انکار کر دیا۔

الدخان: ۲۳ میں فرمایا: "(ہم نے حکم دیا کہ) تم میرے بندوں کو راتوں رات لے جاؤ' بے شک تمہارا تعاقب کیا جائے گا O"

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول کر لی اور ان کی طرف یہ وحی کی کہ تم میرے بندوں کو راتوں رات لے جاؤ' یعنی بنو اسرائیل میں سے ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ پر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکے ہیں اور راتوں رات کا

مطلب ہے: صبح ہونے سے پہلے یہاں سے نکل جاؤ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ تم رات کو روانہ ہو اور عموماً رات کا سفر کسی خوف کی وجہ سے کیا جاتا ہے اور خوف دو وجہوں سے ہوتا ہے: ایک تو دشمن کا خوف ہوتا ہے تو رات کا اندھیرا اس کے لیے ساتر اور حجاب ہو جاتا ہے یا دن میں گرمی کی شدت ہوتی ہے تو اس سے بچنے کے لیے رات کی ٹھنڈک میں سفر کو اختیار کیا جاتا ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی بعض اوقات رات کے سفر کو اختیار کرتے تھے' بنی اسرائیل اگر دن میں سفر کرتے تو قوم فرعون کو پتا چل جاتا اور وہ بنی اسرائیل سے مزاحمت کرتے بلکہ بنی اسرائیل پر قوم فرعون کی اس قدر دہشت تھی کہ وہ دن میں سفر کرنے پر ہرگز تیار ہی نہ ہوتے۔

الدخان: ۲۴ میں فرمایا: ''آپ سمندر کو یونہی ساکن چھوڑ کر چلے جائیں' بے شک ان کا لشکر غرق کر دیا جائے گاO''

اس آیت میں ''رھو'' کا لفظ ہے' رھو کے معنیٰ میں حسب ذیل اقوال ہیں:

کعب اور حسن نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ''رھواً'' کا معنیٰ ہے: راستہ اور حضرت ابن عباس سے ایک روایت یہ ہے کہ اس کا معنیٰ ہے: سمت اور ضحاک اور ربیع نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: سہل اور عکرمہ سے روایت ہے کہ اس کا معنیٰ ہے: خشک کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا. (طٰہٰ:۷۷) ان کے لیے سمندر میں خشک راستہ بنا لیجئے۔

ایک قول یہ ہے کہ ان کے لیے سمندر میں متفرق راستے بنائیں' مجاہد نے کہا: کشادہ راستے بنائیں اور ان سے ایک روایت ہے: خشک راستے بنائیں اور ان سے ایک روایت ہے: ساکن راستہ بنائیں اور لغت میں ''رھواً'' کا یہی معنی معروف ہے' قتادہ اور ہروی کا بھی یہی قول ہے اور دوسروں نے کہا: کشادہ راستہ بنائیں اور ان کا مآل ایک ہی ہے کیونکہ جب سمندر ساکن ہو تو وہ کشادہ ہوتا ہے اور اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے سمندر ساکن اور کشادہ ہو گیا تھا اور اہل عرب کے نزدیک الرھو کا معنیٰ الساکن ہے۔

الرھو کا معنیٰ آہستہ آہستہ اور نرمی سے چلنا بھی ہے نیز الرھو اور الرھوۃ کا معنیٰ بلند جگہ بھی ہے اور جس نشیب میں پانی جمع ہو جائے اس کو بھی الرھو کہتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یمنع نقع ماء ولا رھو بئر. صاف پانی سے منع کیا جائے اور نہ کنویں کے نشیب سے۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ۲۴۸۶۵' دار الفکر' بیروت)

لیث نے کہا کہ رھو کا معنیٰ سکون سے چلنا بھی ہے' اس صورت میں معنیٰ ہے: آپ بغیر کسی خوف' دہشت اور گھبراہٹ کے سکون کے ساتھ سفر پر روانہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ کتنے ہی باغات اور چشمے چھوڑ گئےO اور کھیت اور خوش رنگ عمارتیںO اور وہ نعمتیں جن میں وہ عیش کر رہے تھےO اسی طرح ہوا اور ہم نے ان سب چیزوں کا دوسروں کو وارث بنا دیاO سو ان کی بربادی پر نہ آسمان رویا اور نہ زمین اور نہ ہی انہیں مہلت دی گئیO (الدخان: ۲۹۔۲۵)

الدخان: ۲۸۔۲۵ کی تفسیر الشعراء: ۵۷ میں گزر چکی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دریائے نیل کے دونوں طرف باغات اور کھیتوں کی کثرت تھی' بلند و بالا عمارتیں اور خوش حالی کے آثار تھے' وہ یہ تمام نعمتیں یہیں دنیا میں چھوڑ کر چلے گئے اور بہ طور نشان عبرت کے صرف فرعون اور اس کی قوم کا نام رہ گیا۔

الدخان: ۲۹ میں فرمایا: ''سوان کی بربادی پر نہ آسمان رویا نہ زمین اور نہ ہی انہیں مہلت دی گئی''۔

نیک آدمی کی موت پر آسمان اور زمین کا رونا

عرب میں دستور ہے کہ جب کسی قبیلہ کا سردار مر جائے تو کہتے ہیں کہ اس کی موت پر آسمان اور زمین رو رہے ہیں' یعنی اس کی موت ایسی مصیبت ہے جو تمام چیزوں پر چھا گئی ہے حتیٰ کہ اس مصیبت پر آسمان اور زمین اور ہوا اور فضا سب چیزیں رو رہی ہیں اور گرم اور سرد راتیں بھی اس پر رو رہی ہیں اور یہ مقولہ اس چیز کو ظاہر کرنے کے لیے ہے کہ اس کی موت پر گریہ وزاری کرنا واجب ہے اور اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ قوم فرعون ہلاک ہوگئی اور کسی نے بھی اس کی موت کو کوئی بڑا حادثہ نہیں سمجھا اور ان کے نہ ہونے سے لوگوں کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا اور اس آیت میں مضاف مقدر ہے جیسے ''واسئل القریة'' (یونس: ۸۲) میں ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ ان کے غرقاب ہونے پر اور ان کے مرنے پر نہ آسمان والے فرشتے روئے اور نہ زمین والے انسان روئے' بلکہ ان کی ہلاکت پر خوش ہوئے البتہ مومن کی موت پر آسمان روتا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مومن کے لیے آسمان میں دو دروازے ہوتے ہیں' ایک دروازے سے اس کا رزق نازل ہوتا ہے اور دوسرے دروازے سے اس کا کلام اور اس کا عمل داخل ہوتا ہے پس جب وہ فوت ہو جاتا ہے تو یہ دونوں دروازے اس پر روتے ہیں' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ''فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ'' (الدخان: ۲۹)

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۵۵' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۱۳۳' حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۵۳' ج ۸ ص ۳۲۷' تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۲۱۲)

یعنی قوم فرعون نے زمین میں ایسے نیک اعمال نہیں کیے تھے کہ ان کے مرنے کے بعد زمین ان نیک اعمال کے فراق پر روتی اور نہ آسمان کی طرف ان کے نیک اعمال لے جائے جاتے تھے کہ ان کے مرنے کے بعد ان نیک اعمال کے فراق پر آسمان روتا۔

مجاہد نے کہا: مومن کے مرنے پر آسمان اور زمین چالیس روز تک روتے رہتے ہیں' ابویحییٰ نے کہا: مجھے ان کے اس قول پر تعجب ہوا تو انہوں نے کہا: تم اس پر کیوں تعجب کرتے ہو' زمین اس شخص کی موت پر کیوں نہ روئے جب کہ بندہ مومن زمین پر رکوع اور سجود کر کے اس کو آباد رکھتا ہے اور آسمان اس کی موت پر کیوں نہ روئے جب کہ اس کی تسبیح اور تکبیر کی آوازیں آسمان تک پہنچتی تھیں' حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: زمین پر مومن جس جگہ نماز پڑھتا تھا وہ جگہ اس کی موت پر روتی ہے اور آسمان کی جس جگہ پر اس کے نیک اعمال پہنچتے تھے وہ جگہ اس کی موت پر روتی ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۱۳۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

شریح بن عبید الحضرمی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام ابتداء میں اجنبی تھا اور وہ اجنبیت ہی میں لوٹ جائے گا' سنو! مومن پر کوئی اجنبیت نہیں ہے' جو مومن بھی کسی سفر میں مرتا ہے جہاں اس پر کوئی رونے والا نہ ہو تو اس پر آسمان اور زمین روتے ہیں' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: ''فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ'' (الدخان: ۲۹) پھر فرمایا: زمین اور آسمان کافر پر نہیں روتے۔ (جامع البیان جز ۲۵ ص ۱۶۲' رقم الحدیث: ۲۴۰۷۸)

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۳۰﴾ مِنْ فِرْعَوْنَ ط

اور بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو ذلت والے عذاب سے نجات دی تھی O (وہ عذاب) فرعون کی جانب

إِنَّهُ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿٣١﴾ وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ

سے تھا' بے شک وہ متکبر اور حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے تھا O اور ہم نے بنی اسرائیل کو دانستہ

عَلَى الْعٰلَمِينَ ﴿٣٢﴾ وَاٰتَيْنٰهُم مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِينٌ ﴿٣٣﴾

(اس وقت) تمام جہانوں پر فضیلت عطا کی تھی O اور ہم نے ان کو ایسی نشانیاں دیں تھیں جن میں صریح آزمائش تھی O

إِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُولُونَ ﴿٣٤﴾ إِنْ هِيَ إِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُولٰى وَمَا نَحْنُ

بے شک یہ لوگ ضرور کہیں گے O ہماری صرف یہی موت ہے جو دنیا میں پہلی بار آئی تھی اور ہمارا حشر نہیں

بِمُنشَرِينَ ﴿٣٥﴾ فَاْتُوا بِاٰبَآئِنَآ إِن كُنتُمْ صٰدِقِينَ ﴿٣٦﴾ أَهُمْ خَيْرٌ

کیا جائے گا O اگر تم سچے ہو تو ہمارے (مرے ہوئے) باپ دادا کو لے کر آؤ O کیا یہ لوگ بہتر ہیں

أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ وَّالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ أَهْلَكْنٰهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿٣٧﴾

یا قوم تبع کے لوگ اور وہ جوان سے بھی پہلے تھے' ہم نے ان کو ہلاک کر دیا تھا' بے شک وہ مجرمین تھے O

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِينَ ﴿٣٨﴾ مَا خَلَقْنٰهُمَآ

اور ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو بہ طور کھیل کے نہیں پیدا کیا O ہم نے ان کو

إِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٩﴾ إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ

صرف حق کے ساتھ پیدا کیا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O بے شک فیصلہ کا دن ان سب کے لیے

مِيقٰتُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٠﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلًى عَن مَّوْلًى شَيْئًا وَّلَا

مقرر کیا ہوا ہے O جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کام نہیں آسکے گا

هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٤١﴾ إِلَّا مَن رَّحِمَ اللّٰهُ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٤٢﴾ إِنَّ

اور نہ ان کی مدد کی جائے گی O سوا ان کے جن پر اللہ رحم فرمائے' بے شک وہ بہت غالب' بے حد رحم فرمانے والا ہے O بے شک

شَجَرَتَ الزَّقُّومِ ﴿٤٣﴾ طَعَامُ الْأَثِيمِ ﴿٤٤﴾ كَالْمُهْلِ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ ﴿٤٥﴾

تھوہر کا درخت O گنہ گاروں کا کھانا ہے O جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح پیٹوں میں جوش مارے گا O

كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ﴿٤٦﴾ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿٤٧﴾ ثُمَّ

جیسے کھولتا ہوا پانی جوش مارتا ہے O (اللہ فرمائے گا:) اس کو پکڑو پس اس کو گھسیٹتے ہوئے جہنم کے وسط کی طرف لے جاؤ O پھر

صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ﴿٤٨﴾ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ

اس کے سر کے اوپر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب ڈالو O لے چکھ تو بہت معزز

الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴿٤٩﴾ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿٥٠﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ

مکرم بنتا تھا O بے شک یہ ہے وہ عذاب جس میں تم شک کیا کرتے تھے O بے شک متقین مقام

فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ﴿٥١﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿٥٢﴾ يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ

امن میں ہوں گے O جنتوں اور چشموں میں O وہ باریک اور دبیز ریشم کا لباس

وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿٥٣﴾ كَذٰلِكَ ۟ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿٥٤﴾

پہنے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے O ایسا ہی ہو گا' اور ہم بڑی آنکھوں والی حوروں کو ان کی بیویاں بنائیں گے O

يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ﴿٥٥﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا

وہ وہاں سکون سے ہر قسم کے میووں کو طلب کریں گے O وہ جنت میں دنیا کی پہلی موت

الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿٥٦﴾ فَضْلًا

کے سوا اور کوئی موت نہیں چکھیں گے اور اللہ انہیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے گا O آپ کے

مِّنْ رَّبِّكَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٥٧﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ

رب کے فضل سے یہی بڑی کامیابی ہے O ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں ہی آسان کیا ہے تاکہ

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٥٨﴾ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿٥٩﴾ ع

ع ٣ ١٧ ١٦

وہ نصیحت حاصل کریں O سو آپ انتظار کیجئے' بے شک وہ (بھی) انتظار کرنے والے ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو ذلت والے عذاب سے نجات دی تھی O (وہ عذاب) فرعون کی جانب سے تھا' بے شک وہ متکبر اور حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے تھا O اور ہم نے بنی اسرائیل کو دانستہ (اس وقت) تمام جہانوں پر فضیلت عطا کی تھی O اور ہم نے ان کو ایسی نشانیاں دی تھیں جن میں صریح آزمائش تھی O (الدخان: ۳۳-۳۰)

بنی اسرائیل کی فضیلت اور ان کی آزمائش

فرعون کے حکم سے قبطی بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کر دیتے تھے اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور ان سے نہایت مشقت اور ذلت والے کام کراتے تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو قبطیوں اور فرعون دونوں سے نجات دے دی اور فرعون بہت ظالم اور سرکش تھا' وہ مشرکین میں سے تھا بلکہ خود خدائی کا دعویٰ دار تھا اور حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے تھا۔

اللہ کو چونکہ علم تھا کہ بنی اسرائیل سے کثیر نبیوں کو اس نے مبعوث کرنا ہے' اس لیے اس نے بنی اسرائیل کو ان کے زمانہ کے لوگوں پر فضیلت دی' ان کے زمانہ کی قید اس لیے ہے کہ اس زمانہ میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سب سے افضل ہے' قرآن مجید میں ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ. تم سب سے بہترین امت ہو جس کو لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے۔ (آل عمران: ۱۱۰)

اور بنو اسرائیل کے بعد سب سے افضل سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے۔

اور اللہ نے بنو اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے سرفراز کیا' وہ معجزات یہ ہیں: بنو اسرائیل کو فرعون سے نجات دینا اور ان کے لیے سمندر کو چیر کر ان کے لیے اس میں بارہ راستے بنا دینا' میدان تیہ میں ان پر بادل کا سایہ کرنا اور ان پر من اور سلویٰ نازل کرنا' حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لاٹھی اور ید بیضاء عطا کرنا اور اس طرح کے اور بہت معجزات عطا فرمائے جو بنی اسرائیل کے لیے باعث فخر اور فضیلت تھے اور ان میں ان کے لیے صریح آزمائش تھی' کیونکہ ہر نعمت میں آزمائش ہوتی ہے' بندہ اگر نعمتوں کا شکر ادا کرے اور وہ نعمتیں جس لیے دی گئی ہیں ان مصارف میں ان نعمتوں کو خرچ کرے تو اللہ سبحانہٗ ان نعمتوں میں اور اضافہ فرماتا ہے اور اگر ان نعمتوں کی ناشکری اور ان کو بے جا محل میں خرچ کرے تو اللہ تعالیٰ نہ صرف یہ کہ ان نعمتوں کو واپس لے لیتا ہے بلکہ مزید عذاب میں مبتلا کرتا ہے

مسلمانوں نے جب حصول پاکستان کے لیے جدوجہد کی تو یہ نعرہ لگایا تھا: پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ اور یہ کہا تھا کہ ہمیں اسلام کے احکام نافذ کرنے کے لیے ایک الگ ریاست چاہیے' اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک الگ ریاست دے دی' لیکن جب تیس سال گزرنے کے بعد بھی انہوں نے اسلامی احکام نافذ نہیں کیے تو آدھا پاکستان ان کے ہاتھ سے جاتا رہا اور باقی ماندہ پاکستان کی بقا بھی خطرہ میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک یہ لوگ ضرور کہیں گے ○ ہماری صرف یہی موت ہے جو دنیا میں پہلی بار آئی تھی اور ہمارا حشر نہیں کیا جائے گا ○ اگر تم سچے ہو تو ہمارے (مرے ہوئے) باپ دادا کو لے کر آؤ ○ کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا قوم تبع کے لوگ اور وہ جو ان سے بھی پہلے تھے' ہم نے ان کو ہلاک کر دیا تھا بے شک وہ مجرمین تھے ○ اور ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو بہ طور کھیل کے نہیں پیدا کیا ○ ہم نے ان کو صرف حق کے ساتھ پیدا کیا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ○ (الدخان: ۳۹۔۳۴)

یہ کہنے والے کفار قریش تھے جو صرف اسی دنیا کی زندگی کے قائل تھے اور اسی دنیا میں آنے والی موت کے قائل تھے اور حشر اور نشر کا اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے اور میدان محشر میں جمع کیے جانے کا انکار کرتے تھے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے تھے کہ اگر لوگ واقعی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جائیں گے تو آپ ہمارے مرے ہوئے باپ دادا کو زندہ کر کے دکھائیں۔

کفار کے مطالبہ پر ان کے مرے ہوئے باپ دادا کو کیوں نہیں زندہ کیا گیا' الماوردی اور القرطبی کا جواب

علامہ علی بن محمد الماوردی التوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:
اس قول کا قائل ابوجہل تھا' اس نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! اگر آپ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو ہمارے مرے ہوئے آباء میں سے دو آدمیوں کو زندہ کر کے دکھائیں' ان میں سے ایک قصی بن کلاب ہے وہ سچا آدمی تھا' ہم اس سے پوچھیں گے کہ مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے؟ ابوجہل کا یہ کہنا بہت ضعیف شبہ تھا' کیونکہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا جزاء اور سزا کے لیے ہوتا ہے' مکلف کرنے کے لیے نہیں ہوتا اور اس کے قول کا منشاء یہ تھا کہ اگر آپ مُردوں کو زندہ کرنے کے دعویٰ میں سچے ہیں تو ان کو مکلف کرنے کے لیے زندہ کریں اور یہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ اگر ہمارے بعد ہمارے بیٹے دنیا میں آئیں گے تو پھر ہمارے مرے ہوئے باپ دادا ہی واپس کیوں نہیں آ جاتے اس جواب کو علامہ قرطبی نے بھی نقل کیا ہے۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۲۵۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۱۳۴)

اعتراض مذکور کا جواب مصنف کی جانب سے

اس شبہ کے جواب میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگر کفار کے مطالبہ پر ان کے فرمائشی مُردوں کو زندہ کر دیا جاتا تو پھر ان کا ایمان بالغیب نہ رہتا اور مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خبروں پر بن دیکھے ایمان لایا جائے' دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر ان کے پچھلے آباء واجداد کو زندہ کر دیا جاتا اور وہ آ کر ان کو موت کے بعد کے احوال بتاتے تو پھر اللہ کی خبروں پر ایمان لانے میں ان کی عقل کی کوئی آزمائش اور امتحان نہ ہوتا اور مقصود یہ ہے کہ انسان اپنی عقل سے اللہ تعالیٰ کو پہچانے اور اس کی دی ہوئی خبروں کی تصدیق کرے' اسی لیے قرآن مجید میں بار بار بیان فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابتداءً اس ساری کائنات کو پیدا فرمایا ہے تو پھر وہ دوبارہ انسانوں کو کیوں نہیں پیدا فرما سکتا اور کسی چیز کا ابتداءً پیدا کرنا مشکل ہوتا ہے اور اس کو دوبارہ پیدا کرنا کچھ مشکل نہیں ہوتا' بلکہ نسبتاً آسان ہوتا ہے تو جب تم یہ مانتے ہو کہ اس کائنات کو ابتداءً اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو یہ کیوں نہیں مانتے کہ وہ دوبارہ بھی اس کائنات کو پیدا کرنے پر قادر ہے اور اس شبہ کا تیسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ قدیمہ یہ ہے کہ جب وہ کافروں کی فرمائش پر کسی معجزہ کو ظاہر فرماتا ہے اور پھر بھی وہ قوم ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ اس قوم پر عام عذاب نازل کر کے اس قوم کو جڑ سے اکھاڑ دیتا ہے اور اس قوم کا نام ونشان تک مٹا دیتا ہے جیسا کہ قوم ثمود کی فرمائش پر ایک چٹان سے اونٹنی نکالی اور جب انہوں نے اس اونٹنی کو ہلاک کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر عام اور ہمہ گیر عذاب نازل فرما کر اس قوم کو ہلاک کر ڈالا اور اللہ تعالیٰ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرما چکا ہے کہ آپ کے ہوتے ہوئے ان لوگوں پر عام عذاب نازل نہیں فرمائے گا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ (الانفال: ۳۳) اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ اللہ اس حال میں ان پر عذاب نازل فرمائے کہ آپ ان میں موجود ہوں۔

الدخان: ۳۷ میں فرمایا: ''کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا قوم تبع کے لوگ اور وہ جو ان سے بھی پہلے تھے' ہم نے ان کو ہلاک کر دیا تھا' بے شک وہ مجرمین تھے O''

یہ استفہام انکار ہے' یعنی وہ قوم تبع سے بہتر نہیں ہیں اور وہ اپنے اس قول کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں کیونکہ وہ قوم تبع اور دیگر ہلاک شدہ اقوام سے بہتر نہیں ہیں اور جب ہم ان قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں تو ان کو ہلاک کر دینا بھی مستبعد

نہیں ہے۔ اس آیت کی دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ کیا ان کے پاس دنیا کی نعمتیں اور مال و اسباب زیادہ ہیں یا قوم تبع زیادہ نعمتوں والی تھی یا یہ زیادہ طاقت ور اور مستحکم ہیں یا قوم تبع زیادہ طاقت ور اور قوی تھی۔

تبع اور اس کی قوم کا بیان

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ قتادہ سے روایت کرتے ہیں:

ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ تبع قبیلہ حمیر کا ایک شخص تھا' وہ اپنے لشکر کے ساتھ روانہ ہوا حتیٰ کہ اس نے یمن کو عبور کر لیا' پھر شہروں کو فتح کرتا ہوا اور تخت و تاراج کرتا ہوا سمر قند تک پہنچا اور اس کو بھی منہدم کر دیا اور ہمیں بتایا گیا ہے کہ جب یہ کوئی چیز لکھتا تو اس کے نام سے لکھتا جو بہت بلند ہے اور بحر و بر کا مالک ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ تبع کو بُرا نہ کہو' وہ نیک آدمی تھا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۰۸۹' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حافظ ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ ھ لکھتے ہیں:

تبع کا پورا نام اس طرح ہے: تبع بن حسان بن ملکی کرب بن تبع بن الاقرن۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تبع کو بُرا نہ کہو بے شک وہ مسلمان ہو چکے تھے۔ (تاریخ دمشق رقم الحدیث: ۲۶۵۸۔۲۶۵۷۔۲۶۵۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ (تاریخ دمشق رقم الحدیث: ۲۶۵۹)

قتادہ نے الدخان: ۳۷ کی تفسیر میں کہا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تبع نیک آدمی تھا' کعب نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس کی قوم کی مذمت کی ہے' اس کی مذمت نہیں کی۔ (تاریخ دمشق ج ۱۱ص ۷۲)

کعب احبار نے الدخان: ۳۷ کی تفسیر میں کہا: قرآن مجید میں تبع کی قوم کا ذکر ہے اور تبع کا ذکر نہیں ہے' انہوں نے کہا: تبع بادشاہ تھا اور اس کی قوم کاہن تھی اور اس کی قوم میں اہل کتاب بھی تھے اور کاہن اہل کتاب کے خلاف سرکشی کرتے رہتے تھے۔ اہل کتاب نے تبع سے کہا: یہ ہم پر جھوٹ بولتے ہیں' تبع نے کہا: اگر تم سچے ہو تو دونوں فریق قربانی پیش کریں' جو فریق بھی سچا ہوگا آگ اس کی قربانی کو کھا لے گی' پھر اہل کتاب اور کاہنوں دونوں نے قربانی پیش کی' پھر آسمان سے ایک آگ نازل ہوئی اور اس نے اہل کتاب کی قربانی کو کھا لیا' پھر تبع اہل کتاب کے تابع ہو کر مسلمان ہو گیا' سو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تبع کی قوم کا ذکر کیا ہے اور تبع کا ذکر نہیں کیا۔ (تاریخ دمشق ج ۱۱ص ۷۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ تبع کعبہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے نکلا حتیٰ کہ جب وہ کراع الغمیم پر پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک زبردست آندھی بھیج دی جس کے زور سے لوگ ایک دوسرے پر گر رہے تھے' پھر تبع نے اپنے دو عالموں کو بلا کر پوچھا کہ یہ میرے خلاف کیا چیز مسلط کی گئی ہے' انہوں نے کہا: اگر تم ہمیں جان کی امان دو تو ہم تمہیں بتاتے ہیں' تبع نے کہا: تم کو امان ہے' انہوں نے کہا: تم اس گھر پر حملہ کرنے آئے ہو جس کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے ذمہ لے رکھا ہے اور جو شخص اس گھر پر حملہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے جنگ کرے گا' تبع نے کہا: پھر مجھے اس کے قہر سے کیا چیز بچا سکتی ہے؟ انہوں نے کہا: تم احرام باندھ کر اس کے گھر میں اللھم لبیک کہتے ہوئے داخل ہو اور اس کے گھر کا طواف کرو' جب تم نے اخلاص سے اس پر عمل کیا تو یہ آندھی کا طوفان فرو ہو جائے گا' تبع نے اسی طرح کیا' پھر آندھی کا طوفان وہاں سے گزر گیا۔

(تاریخ دمشق ج ۱۱ص ۷۳۔۷۲)

تبع نے کہا: میری نیت تھی کہ میں اس گھر کو ویران کر دوں گا' اس شہر کے مردوں کو قتل کروں گا اور عورتوں کو قید کروں گا' اس

کے بعد وہ ایسے مرض میں مبتلا ہو گیا کہ تمام دنیا کے حکماء سر توڑ کوشش کے باوجود اس کا علاج نہ کر سکے' پھر اس کے پاس ایک عالم نے آ کر کہا: تمہاری بیماری کی ساری جڑ تمہاری اس نیت کے فساد میں ہے' اس گھر کا مالک بہت قوی ہے' دلوں کی باتیں جانتا ہے' پس ضروری ہے کہ تم اس گھر کو نقصان پہنچانے کا ارادہ اپنے دل سے نکال دو' تبع نے کہا: میں نے ایسی تمام باتیں دل سے نکال دیں اور میں نے یہ عزم کر لیا کہ میں ہر قسم کی خیر اور نیکی اس گھر کے ساتھ اور یہاں کے رہنے والوں کے ساتھ کروں گا' ابھی وہ نصیحت کرنے والا عالم اس کے پاس سے اٹھ کر نہیں گیا تھا کہ وہ بالکل تندرست ہو گیا اور اللہ عزوجل نے اس کو شفایاب کر دیا' اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کو قبول کر لیا اور صحت و سلامتی کے ساتھ اپنے گھر پہنچ گیا اور تبع وہ پہلا شخص ہے جس نے کعبہ کو غلاف پہنایا اور اہل مکہ کو کعبہ کی حفاظت کرنے کا حکم دیا۔ (تاریخ دمشق ج ۱۱ص ۷۵۔۷۴)

پھر تبع مدینہ منورہ گیا اور وہاں سے ہندوستان کے کسی شہر میں چلا گیا اور وہیں فوت ہو گیا اور تبع کی وفات کے ٹھیک ایک ہزار سال بعد ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی اور جن اہل مدینہ نے ہجرت کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کی تھی وہ سب ان علماء کی اولاد سے تھے جو مدینہ میں تبع کے بنائے ہوئے گھروں میں رہتے تھے' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچے تو وہ لوگ آپ کی اونٹنی کے گرد آ کر اکٹھے ہو گئے اور آپ کو اپنے گھر لے جانے پر اصرار کرنے لگے' آپ نے فرمایا: اس اونٹنی کو چھوڑ دو' یہ اللہ سبحانہٗ کے حکم کی پابند ہے' حتیٰ کہ وہ اونٹنی حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر میں قیام پذیر ہوئے اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ' اس عالم کی اولاد سے تھے جس نے خیر خواہی کے جذبہ سے تبع کو نصیحت کی تھی اور اس کو کعبہ کو منہدم کرنے کے ارادہ سے باز رکھا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ایوب کے جس گھر میں ٹھہرے تھے یہ تبع ہی کا بنایا ہوا تھا۔ (رقم الحدیث: ۲۶۶۱)

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۱ص ۷۷۔۶۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

تبع سے مراد ایک معین شخص نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یمن کے بادشاہ ہیں اور یمن کے لوگ اپنے بادشاہ کو تبع کہتے تھے۔ پس تبع ان کے بادشاہ کا لقب ہے' جیسے مسلمانوں کے بادشاہ کو خلیفہ کہتے ہیں اور ایران کے بادشاہ کو کسریٰ کہتے ہیں اور روم کے بادشاہ کو قیصر کہتے ہیں اور قرآن مجید کی آیات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تبع ایک معین شخص کا نام ہے' امام احمد نے حضرت سہل بن سعد سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: تبع کو بُرا نہ کہو' وہ مومن تھا۔ (مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۹۴۳' دارالفکر) اس نے پہلے مدینہ منورہ کو برباد کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن جب اس کو معلوم ہوا کہ یہ ایک نبی کی ہجرت کی جگہ ہے' جس کا نام احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہو گا تو یہ واپس ہو گیا۔ زجاج' ابن ابی الدنیا اور زمخشری وغیرہم نے کہا ہے کہ صنعاء میں اس کی قبر ہے' امام ابن اسحاق وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ اس نے اپنے وارثوں کے پاس جو کتاب رکھوائی تھی اس میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھا تھا: میں آپ پر ایمان لایا اور آپ کی کتاب پر ایمان لایا اور آپ کے دین پر ایمان لایا اور آپ کی سنت پر اور آپ کے رب پر ایمان لایا' جو ہر چیز کا رب ہے اور شرائع اسلام میں سے ہر اس چیز پر ایمان لایا جو آپ کے رب کے پاس سے آئی ہے' اگر میں نے آپ کو پا لیا تو فبہا اور اگر میں آپ کو نہ پا سکا تو آپ میری شفاعت کریں اور قیامت کے دن مجھ کو نہ بھولیں کیونکہ میں آپ کی پہلی امت سے ہوں اور آپ کی بعثت سے پہلے میں نے آپ کی بیعت کر لی ہے اور میں آپ کی ملت پر ہوں اور آپ کے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر ہوں' پھر اس مکتوب کو ختم کر کے اس پر اپنی مہر لگا دی اور اس مکتوب کے شروع میں بہ طور عنوان لکھا تھا'' (سیدنا) محمد بن عبد اللہ نبی اللہ و رسول اللہ' خاتم النبیین و رسول رب العلمین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب تبع

الاول کی طرف سے'' اہل یمن الدخان: ۳۷ کی وجہ سے فخر کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل یمن کو قریش سے بہتر قرار دیا ہے' اس نے لشکر کے ساتھ مشرق کی جانب سفر کیا اور حیرہ کو عبور کر کے سمرقند تک پہنچا اور بہت سے شہروں کو منہدم کیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ٹھیک ایک ہزار سال پہلے اس کی وفات ہوئی تھی (یہ احوال تاریخ دمشق میں بھی مذکور ہیں)۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ص ۱۳۶۔۱۳۴' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

الدخان: ۳۹۔۳۸ میں فرمایا: ''اور ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو بہ طور کھیل کے نہیں پیدا کیاO ہم نے ان کو صرف حق کے ساتھ پیدا کیا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتےO''

کھیل کود میں انسان دوسری چیزوں سے غافل ہو جاتا ہے' سو اس آیت کا معنیٰ ہے: ہم نے ان چیزوں کو غفلت کے ساتھ پیدا نہیں کیا۔ اس کی تفسیر ان آیتوں سے ہوتی ہے:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا. (ص: ۲۷)
ہم نے آسمان اور زمین کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو بے فائدہ پیدا نہیں کیا۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا. (المومنون: ۱۱۵)
کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ ہم نے تم کو بے مقصد پیدا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک فیصلہ کا دن ان سب کے لیے مقرر کیا ہوا ہےO جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کام نہیں آسکے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گیO سوا ان کے جن پر اللہ رحم فرمائے' بے شک وہ بہت غالب' بے حد رحم فرمانے والا ہےO (الدخان: ۴۲۔۴۰)

روزِ قیامت کو فیصلہ کا دن فرمانے کی توجیہات

اللہ تعالیٰ نے الدخان: ۳۸ میں فرمایا ہے: ''اور ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو بہ طور کھیل کے پیدا نہیں کیا'' اس آیت میں قیامت کا اور حشر ونشر کا اثبات ہے' اس لیے اس آیت کے بعد فرمایا: بے شک فیصلہ کا دن سب کے لیے مقرر کیا ہوا ہے اور قیامت کے دن کو فیصلہ کا دن حسب ذیل وجوہ سے فرمایا ہے:

(۱) اس دن اللہ تعالیٰ جنتیوں اور دوزخیوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔

(۲) یہ دن مؤمنوں کے حق میں اس لیے فیصلہ کا دن ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ مؤمنوں اور ان کی ناپسندیدہ چیزوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا اور کفار کے حق میں اس لیے فیصلہ کا دن ہے کہ اس دن اللہ سبحانہٗ ان کے اور ان کے ارادوں کے درمیان فیصلہ فرمادے گا۔

(۳) اس دن ہر شخص کا حال جیسا ہے وہ ظاہر ہو جائے گا اور کسی شخص کے حال میں کوئی شک اور شبہ نہیں رہے گا اور ہر شخص کے خیالات اور شبہات اس سے الگ ہو جائیں گے اور حقائق اور دلائل باقی رہ جائیں گے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اس دن اللہ سبحانہٗ لوگوں کے درمیان فصل کر دے گا اور نیک اور بد کو الگ الگ کر دے گا' جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَO (یٰسین: ۵۹)
اے مجرمو! آج (نیکوں سے) الگ ہو جاؤO

الدخان: ۴۱ میں فرمایا: ''جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کام نہیں آسکے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گیO''

اس سے مراد یہ ہے کہ دوست خواہ قریب ہو یا بعید وہ اس کے کسی کام نہیں آسکے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی' یعنی ان کا

کوئی مددگار نہیں ہوگا‘ اس کا معنی یہ ہے کہ جس سے مدد متوقع ہوتی ہے وہ یا دین میں قریب ہوتا ہے یا نسب میں قریب ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کو مولیٰ اور مددگار کہا جاتا ہے اور جب قیامت کے دن کسی کو ان کی مدد نہیں حاصل ہو سکے گی تو ان کے علاوہ دوسروں کی مدد تو بہ طریق اولیٰ حاصل نہیں ہوگی‘ یہ آیت اس آیت کے مشابہ ہے:

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ○ (البقرہ: ۱۲۳)

اس دن سے ڈرو جس دن کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکے گا اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی فدیہ (جرمانہ) قبول کیا جائے گا اور نہ اسے کوئی شفاعت نفع دے سکے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی○

الدخان: ۴۲ میں فرمایا: ”سوا ان کے جن پر اللہ رحم فرمائے‘ بے شک وہ بہت غالب‘ بے حد رحم فرمانے والا ہے○“

جن پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے گا ان کے متعلق انبیاء علیہم السلام کو شفاعت کرنے کی اجازت دے گا‘ سب سے پہلے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمائیں گے‘ پھر دیگر انبیاء علیہم السلام شفاعت فرمائیں گے‘ پھر اولیاء کرام شفاعت کریں گے اور مومنین ایک دوسرے کی شفاعت کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک تھوہر کا درخت○ گنہ گاروں کا کھانا ہے○ جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح پیٹوں میں جوش مارے گا○ جیسے کھولتا ہوا پانی جوش مارتا ہے○ (اللہ فرمائے گا) اس کو پکڑو پس اس کو گھسیٹتے ہوئے جہنم کے وسط کی طرف لے جاؤ○ پھر اس کے سر کے اوپر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب ڈالو○ لے چکھ تو بہت معزز مکرم بنتا تھا○ بے شک یہ ہے وہ عذاب جس میں تم شک کرتے تھے○ (الدخان: ۵۰-۴۳)

آخرت میں کفار کے عذاب کی وعید

شجرۃ الزقوم (تھوہر کا درخت) کا ذکر [illegible] میں آچکا ہے جس کو دوزخیوں کا طعام فرمایا ہے‘ اثیم کا معنی گنہ گار ہے یعنی یہاں گناہ سے مراد کفر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اگر جہنم کے زقوم کا ایک قطرہ دنیا میں ڈال دیا جائے تو وہ تمام لوگوں کی زندگی خراب کر دے گا۔ ([illegible])

الدخان: ۴۵ میں فرمایا: ”کالمھل“ مہل کا معنی ہے پگھلا ہوا تانبا‘ آگ میں پگھلی ہوئی چیز یا تیل وغیرہ کے نیچے جو تلچھٹ [illegible] بیٹھ جاتی ہے۔

الدخان: ۴۶ میں فرمایا: ”جیسے کھولتا ہوا پانی جوش مارتا ہے“ یعنی زقوم کی خوراک کھولتے ہوئے پانی کی طرح پیٹ میں جوش مارتی ہوگی۔

اس آیت میں [illegible] وہ شخص ہے جو اپنی خواہش سے نفس کی پرستش کرتا ہو اور حرص کے درخت کا کھاتا ہو [illegible] آخرت میں وہ [illegible] خوراک ہوگی۔

الدخان: ۴۷ میں فرمایا: ”(اللہ فرمائے گا) اس کو پکڑو پس اس کو گھسیٹتے ہوئے جہنم کے وسط کی طرف لے جاؤ“۔

[illegible] اس کو پکڑ کر اس کی پیشانی اس کے قدموں سے [illegible] ”فاعتلوہ“ [illegible] عتل کا معنی ہے کسی کو [illegible] گھسیٹتے ہوئے اس [illegible] جہنم کے وسط میں لے جائیں گے جس جگہ

دوزخ کے سب راستے جارہے ہوں گے۔

الدخان:۴۸ میں فرمایا:''پھراس کے سر کے اوپر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب ڈالو''۔

کافر جب دوزخ میں داخل ہوگا تو اس کو زقوم کا طعام کھلایا جائے گا' پھر دوزخ کا داروغہ اس کے سر کے اوپر گرز مارے گا جس سے اس کا دماغ اس کے جسم کے اوپر بہنے لگے گا' پھر اس کے سر کے اوپر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا' جو اس کے پیٹ تک نفوذ کر جائے گا اور اس کی آنتوں اور پیٹ کے دیگر اجزاء کو کاٹتا ہوا اس کے قدموں تک پہنچ جائے گا۔

الدخان:۴۹ میں فرمایا:''لے چکھ تو بہت معزز مکرم بنتا تھاO ''

اس عذاب کو چکھ جو بہت ذلیل کرنے والا ہے' تو اپنی نظروں میں بہت معزز تھا اور اپنی قوم کے نزدیک بہت مکرم تھا' فرشتے اس سے استہزاءً یہ قول کہیں گے: تو اپنے آپ کو بہت معزز سمجھتا تھا حالانکہ تو بہت ذلیل وخوار ہو رہا ہے۔

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اور ابوجہل کی ملاقات ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھ سے یہ کہوں:'' اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰیO ''(القیامۃ:۳۴) تیری موت کے وقت خرابی ہو' پھر قبر میں تیری خرابی ہو' ابوجہل نے کہا: آپ کس وجہ سے مجھے دھمکا رہے ہیں' اللہ کی قسم! آپ اور آپ کا رب دونوں مل کر میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتے' بے شک میں اس وادی میں ان دو پہاڑوں کے درمیان سب سے مکرم ہوں' اللہ سبحانہٗ نے جنگ بدر میں اس کو ہلاک کر دیا اور اس کو ذلیل وخوار کر دیا' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی' اس وجہ سے فرشتے اس سے کہیں گے: لے چکھ یہ کھولتا ہوا پانی تو اپنے گمان میں بہت معزز اور مکرم بنتا تھا' فرشتوں کا اس سے یہ کلام کرنا اس کی توہین اور اس کے استخفاف کے لیے ہوگا اور اس کو جھڑکنے کے لیے اور اس کی تنقیص کرنے کے لیے ہوگا۔(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ص ۱۴۰' جامع البیان جز ۲۵ص ۱۷۴)

الدخان:۵۰ میں فرمایا:''بے شک یہ ہے وہ عذاب جس میں تم شک کیا کرتے تھےO ''

یعنی یہ عذاب جو آج تم کو دیا جا رہا ہے یہ وہی عذاب ہے جس کا تم دنیا میں انکار کرتے تھے اور اس میں شک کرتے تھے اور اس کے وقوع کے متعلق بحثیں اور جھگڑے کیا کرتے تھے اور اس پر یقین نہیں کرتے تھے اور اب تم نے یہ عذاب دیکھ لیا ہے سو تم اس عذاب کو چکھو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک متقین مقام امن میں ہوں گےO جنتوں اور چشموں میںO وہ باریک اور دبیز ریشم کا لباس پہنے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گےO ایسا ہی ہوگا' اور ہم بڑی آنکھوں والی حوروں کو ان کی بیویاں بنائیں گےO وہ وہاں سکون سے ہر قسم کے میووں کو طلب کریں گےO وہ جنت میں پہلی موت کے سوا اور کوئی موت نہیں چکھیں گے اور اللہ انہیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے گاO آپ کے رب کے فضل سے یہی بڑی کامیابی ہےO ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں ہی آسان کیا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریںO سو آپ انتظار کیجئے' بے شک وہ (بھی) انتظار کرنے والے ہیںO

(الدخان:۵۹۔۵۱)

آخرت میں متقین کے اجر وثواب کی بشارت

متقین سے مراد ہے: جو لوگ کفر سے اور کبیرہ گناہوں سے بچتے ہیں اور وہ مؤمنین صالحین ہیں اور مقام کا معنیٰ ہے: موضع قیام یعنی جگہ' اس مقام کی صفت ''امین'' فرمائی ہے یعنی یہ وہ جگہ ہے جہاں پر رہنے والا آفات اور بلیات سے' عذاب اور تکلیف دہ چیزوں سے مامون اور محفوظ رہے گا' اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ جو شخص دنیا میں اللہ کی نافرمانی اور معصیت سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کو ایسی جگہ رکھے گا جہاں وہ ہر قسم کے ڈر اور خوف سے مامون اور محفوظ ہوگا۔

مقام امین وہ جگہ ہے جہاں انبیاء' اولیاء' صدیقین اور شہداء کی مجلس ہوتی ہے' خواہ دنیا میں خواہ آخرت میں' دنیا میں اس لیے کہ ان کی مجلس میں معصیت اور نافرمانی سے امن ہوتا ہے اور جو شخص ان کی مجلس میں آ کر بیٹھ جائے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے محروم نہیں ہوتا اور آخرت میں اس لیے کہ ان کی مجلس میں عذاب سے امن ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے:

لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۭ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ (الانبیاء: ۱۰۳)

حشر کے دن کی بڑی گھبراہٹ بھی انہیں غمگین نہ کر سکے گی' فرشتے ان سے مل کر کہیں گے: یہی تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ○

امام رازی کا فاسق کو جنت کی بشارت میں داخل کرنا اور مصنف کا اس سے اختلاف

امام رازی محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

ہمارے اصحاب نے کہا ہے: ہر وہ شخص جو شرک کو ترک کر دے متقی کا مصداق ہے' پس واجب ہے کہ فاسق بھی اس بشارت میں داخل ہو۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۶۶۵' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

میں کہتا ہوں کہ یہ درست ہے کہ وصف کے اعتبار سے مطلق اپنے اطلاق پر رہتا ہے اور اس آیت میں متقین کا ذکر مطلقاً ہے خواہ وہ شرک سے متقی (مجتنب) ہوں یا گناہ کبیرہ سے متقی ہوں یا گناہ صغیرہ سے متقی ہوں یا خلاف سنت اور خلاف اولیٰ ہر قسم کے ممنوع کام سے متقی اور مجتنب ہوں' لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہاں پر متقین سے مراد وہ مسلمان ہیں جو گناہ کبیرہ سے متقی ہوں یا جنہوں نے موت سے پہلے اپنے تمام کبیرہ گناہوں سے توبہ کر لی ہو اور وہ مسلمان مراد نہیں ہیں جن کو اس حال میں موت آئے کہ وہ اصرار اور دوام کے ساتھ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کر رہے ہوں ورنہ لازم آئے گا کہ صالحین اور فاسقین دونوں کے لیے یہ بشارت ہو کہ وہ دونوں مقام مامون میں ہوں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ○ (ص: ۲۸)

کیا ہم ایمان لانے والوں اور اعمال صالحہ کرنے والوں کو ان کی مثل کر دیں گے جو زمین میں فساد کرنے والے ہیں یا ہم متقین کو فاسقین کی مثل کر دیں گے ○

ہاں یہ درست ہے کہ جن مسلمانوں کا بغیر توبہ کے فسق پر خاتمہ ہوا اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو ان کی بھی مغفرت فرما دے گا اور اس کی کئی صورتیں ہیں' ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا دیگر انبیاء اور صالحین کی شفاعت سے ان کی مغفرت ہو جائے یا اللہ تعالیٰ اپنے فضل محض سے ان کی مغفرت فرما دے یا میدان محشر میں آخر وقت تک ان کو روکے رکھے اور پھر ان کو جنت میں داخل فرما دے یا کچھ عرصہ دوزخ میں داخل کرنے کے بعد ان کو جنت میں داخل فرما دے۔ بہر حال ابتداءً فاسقین کا جنت میں اور اس بشارت میں داخل ہونا واجب نہیں ہے اور مؤمنین صالحین کا جنت میں اور اس بشارت میں ابتداءً داخل ہونا قطعی اور ضروری ہے۔

اہل جنت کے درمیان بغض اور کینہ کا نہ ہونا

الدخان: ۵۳ میں فرمایا: "وہ باریک اور دبیز ریشم کا لباس پہنے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے ○"

اس آیت میں "سندس" اور "استبرق" کے الفاظ ہیں' سندس باریک ریشم کو کہتے ہیں اور استبرق دبیز ریشم کو کہتے ہیں' ہو سکتا ہے کہ سندس متقین کے اندر کا لباس ہو اور استبرق ان کے اوپر کا لباس ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سندس مقربین کا لباس ہو

اور استبرق عام اہل جنت کا لباس ہو۔

وہ آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے یعنی ایک دوسرے کے مقابل ہوں گے' ایک دوسرے کی طرف محبت سے دیکھ رہے ہوں گے اور ایک دوسرے کی طرف پشت کر کے نہیں بیٹھے ہوں گے کیونکہ ایک دوسرے کے خلاف ان کے دلوں میں کینہ اور بغض نہیں ہوگا' کیونکہ جنت میں دخول کے وقت اللہ تعالیٰ ان کے دلوں سے ایک دوسرے کے خلاف کینہ اور بغض نکال لے گا' سو جنت میں ان شاء اللہ حضرت علی اور حضرت معاویہ' حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن العاص سب ایک دوسرے کی طرف محبت سے دیکھ رہے ہوں گے' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے لشکر کے شہداء اور معاویہ کے لشکر کے شہداء دونوں جنت میں ہوں گے اور جب آپ نے جنگ جمل میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کی لاشوں کو دیکھا تو روتے ہوئے فرمایا: کاش! میں اس سانحہ سے بیس سال پہلے مرگیا ہوتا۔

حور کا معنیٰ اور جنت میں حوروں سے عقد کا محمل

الدخان: ۵۴ میں فرمایا: ''ایسا ہی ہوگا' اور ہم بڑی آنکھوں والی حوروں کو ان کی بیویاں بنائیں گے O''

علامہ محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

جس سفید عورت کی آنکھوں کی پتلیاں سیاہ ہوں اس کو حور کہتے ہیں۔ (لسان العرب ج ۴ ص ۲۶۵' دار صادر' بیروت)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

حور کا معنیٰ ہے: حسین وجمیل' روشن چہرے والی عورت' حضرت ابن مسعود نے فرمایا: حور کی پنڈلی کا مغز ستر حلوں اور گوشت اور ہڈی کے پار سے بھی نظر آتا ہے جیسے سفید شیشے کے جگ میں سرخ مشروب ہو تو وہ دور سے نظر آتا ہے' مجاہد نے کہا: حور کو حور اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کے گورے رنگ' صاف اور شفاف چہرے اور اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر آنکھیں حیران ہو جاتی ہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کو حور اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی آنکھیں بہت سفید ہوتی ہیں اور پتلی بہت سیاہ ہوتی ہے جیسے ہرن اور گائے کی آنکھیں ہوتی ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ ص ۱۴۲' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بڑی آنکھوں والی حور کا مہر چند مٹھی کھجوریں ہیں اور روٹی کے ٹکڑے ہیں۔ (الکشف والبیان للثعلبی رقم الحدیث: ۲۱۷' ج ۸ ص ۳۵۶)

(اس حدیث کی سند میں ابان بن محبر ہے' ابوحاتم بن حبان نے کہا: اس کی حدیث باطل ہے اور دارقطنی نے کہا: ابان متروک ہے' ابن جوزی نے کہا: یہ حدیث موضوع ہے' کتاب الموضوعات ج ۳ ص ۲۵۳)

ابوقرصافہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسجد سے چیچڑیوں کو نکال کر صاف کرنا بڑی آنکھوں والی حوروں کا مہر ہے۔

(الکشف والبیان للثعلبی رقم الحدیث: ۲۱۸' ج ۳ ص ۲۵۳)

اس حدیث کی سند میں عبدالواحد بن زید ہے' یحییٰ بن معین نے کہا: یہ ثقہ نہیں ہے۔ امام بخاری' فلاس اور امام نسائی نے کہا: یہ متروک الحدیث ہے' ابن جوزی نے کہا: یہ حدیث موضوع ہے۔ (کتاب الموضوعات ج ۳ ص ۲۵۴۔۲۵۳)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ سعدی المفتی نے کہا ہے کہ جنت میں عقد نکاح نہیں ہوگا' کیونکہ اس کا فائدہ ایک عورت کے اعضاء کو حلال کرنا ہے اور جنت دار تکلیف نہیں ہے اور وہاں حلال اور حرام کے احکام نہیں ہیں۔

علامہ اسماعیل حقی فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں حضرت حواء کا مہر یہ مقرر کیا تھا کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر دس مرتبہ درود پڑھا جائے اور مہر اس وقت رکھا جاتا ہے جب عقد نکاح ہو' لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ عقد نکاح دنیاوی عقود کی طرح نہیں تھا اور اس سے مقصود صرف ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم اور آپ کا تعارف کرانا تھا اور اس مہر کے عوض حضرت حواء کو حضرت آدم علیہ السلام پر حلال کرنا نہیں تھا اور اس عقد سے مقصود صرف حضرت آدم اور حضرت حواء کے درمیان انس پیدا کرنا تھا اور ان کے درمیان دنیا کی طرح جماع نہیں تھا۔

(روح البیان ج ۸ ص ۵۷۸ 'دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

دنیاوی عورتیں افضل ہیں یا حوریں؟

اس میں اختلاف ہے کہ دنیا کی مسلمان عورتیں افضل ہیں یا حوریں افضل ہیں؟ امام ابن المبارک نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جو عورتیں جنت میں داخل ہوں گی وہ اپنے نیک اعمال کی وجہ سے حوروں سے افضل ہوں گی اور حدیث میں ہے:

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز جنازہ پڑھائی' میں نے یاد رکھا تھا' آپ نے اس کی دعا میں فرمایا تھا: اے اللہ! اس کی مغفرت کر دے' اس پر رحم فرما' اس کو عافیت میں رکھ' اس کو معاف فرما' اس کو اچھی مہمانی عطا فرما' اس کی قبر کو وسیع فرما' اس کے گناہوں کو (رحمت کے) پانی' برف اور اولوں سے دھو ڈال اور اس کو گناہوں سے اس طرح پاک کر دے جس طرح سفید کپڑا میل کچیل سے صاف ہو جاتا ہے اور اس کو دنیا کے گھر سے اچھا گھر عطا فرما اور اس کی دنیاوی بیوی سے اچھی بیوی عطا فرما اور اس کو جنت میں داخل کر دے اور اس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھ' عوف کہتے ہیں کہ حتیٰ کہ میں نے یہ تمنا کی: کاش! میں وہ میت ہوتا جس کے لیے یہ دعائیں فرمائی تھیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۶۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۲۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۹۸۲' مسند احمد ج ۶ ص ۲۸)

اس حدیث میں آپ نے فرمایا ہے: اس کی دنیاوی بیوی سے اچھی بیوی عطا فرما' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑی آنکھوں والی حوریں دنیاوی عورتوں سے افضل ہوں گی۔

حافظ جلال الدین سیوطی نے حوروں کی فضیلت میں حسب ذیل احادیث بیان کی ہیں:

امام ابن ابی حاتم اور امام طبرانی نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بڑی آنکھوں والی حوریں زعفران سے پیدا کی گئیں ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۵۵۹)

امام ابن ابی الدنیا اور امام ابن ابی حاتم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ایک حور کسی کڑوے پانی کے سمندر میں تھوک دے تو اس کے لعاب کی مٹھاس سے پورا سمندر میٹھا ہو جائے گا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۵۵۸)

امام ابن ابی شیبہ نے حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بڑی آنکھوں والی حور کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت سے آتی ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۵۶۰)

امام ابن المبارک نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بڑی آنکھوں والی حوروں کو مٹی سے پیدا نہیں کیا' ان کو مشک' کافور اور زعفران سے پیدا کیا ہے۔

امام ابن مردویہ اور امام دیلمی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بڑی آنکھوں والی حوروں

کو فرشتوں کی تسبیح سے پیدا کیا ہے۔ (الدر المنثور ج ۷ ص ۳۶۵۔۳۶۴ 'دار احیاء التراث العربی' بیروت '۱۴۲۱ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

ایک حدیث میں ہے کہ حوروں کو مشک' کافور اور زعفران سے پیدا کیا ہے اور دوسری حدیث میں ہے: ان کو فرشتوں کی تسبیح سے پیدا کیا ہے' ان میں تعارض نہیں ہے' اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی تسبیح کو مشک' کافور اور زعفران سے ڈھال دیا ہو اور پھر اس سے حوروں کو پیدا کر دیا ہو۔

ایک قول یہ ہے کہ حوروں سے مراد یہاں دنیا کی بیویاں ہیں اور یہی جنت میں حوریں ہوں گی جو کہ مشک' زعفران اور کافور سے بنی ہوں گی' بلکہ یہ دنیاوی بیویاں بڑی آنکھوں والی حوروں سے زیادہ حسین ہوں گی اور انسان کی جو دنیا میں بیویاں ہوں گی وہ اس کو جنت میں مل جائیں گی اور ان کے علاوہ حوریں بھی ملیں گی اور اگر کافر کی بیوی جنت میں گئی تو اللہ تعالیٰ اس کو جس مسلمان کو چاہے گا عطا فرما دے گا اور حدیث میں ہے کہ فرعون کی بیوی آسیہ جنت میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہوگی۔ (روح المعانی جز ۲۵ ص ۲۰۷ 'دار الفکر' بیروت '۱۴۱۷ھ)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ مسلمان جنتی عورت بڑی آنکھوں والی حوروں سے ستر درجہ افضل ہوگی۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۴۳ 'دار الفکر' بیروت '۱۴۱۵ھ)

یہ حدیث مجھ کو نہیں ملی اور صحیح مسلم کی جو حدیث ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اس میں یہ تصریح ہے کہ حور دنیاوی عورت سے افضل ہے۔

اہل جنت کی دائمی نعمتیں

الدخان: ۵۵ میں فرمایا: ''وہ وہاں سکون سے ہر قسم کے میووں کو طلب کریں گے O''

جس قسم کے پھلوں اور میووں کو کھانے کی اہل جنت کی خواہش ہوگی وہ اس کو طلب کریں گے اور وہ پھل یا میوہ فوراً ان کے سامنے حاضر کر دیا جائے گا اور کوئی پھل کسی وقت یا کسی جگہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہوگا' بلکہ ہر پھل ہر وقت اور ہر جگہ دستیاب ہوگا' دنیا کی طرح نہیں ہوگا کہ ہر پھل کا ایک موسم ہوتا ہے اور وہ مخصوص علاقے میں پیدا ہوتا ہے' مثلاً آم گرمیوں میں پیدا ہوتے ہیں اور سنترے اور مالٹے سردیوں میں پیدا ہوتے ہیں' چلغوزے' اخروٹ اور بادام وغیرہ بلوچستان اور کشمیر میں پیدا ہوتے ہیں اور اناناس بنگلہ دیش میں پیدا ہوتے ہیں لیکن جنت میں ایسا نہیں ہوگا وہاں ہر قسم کا پھل ہر جگہ دستیاب ہوگا۔

اور جنتی ہر وقت امن اور چین سے ہوں گے' ان کو کسی وقت بھی نہ کوئی بیماری ہوگی نہ پریشانی ہوگی' دنیا میں انسان بعض بیماریوں میں بعض پھل نہیں کھا سکتا' مثلاً جس کو شوگر کا مرض ہو وہ کیلا' آم' کھجور اور انگور وغیرہ نہیں کھا سکتا اور جس کو نمونیا یا دمہ ہو یا کالی کھانسی ہو وہ سنترہ' موسمی اور فروٹر وغیرہ نہیں کھا سکتا لیکن جنتی بغیر کسی پریشانی اور تشویش کے ہر وقت ہر قسم کے پھل کھا سکے گا۔ ان کو یہ خوف نہیں ہوگا کہ ان کو کوئی بیماری ہوگی یا موت آئے گی یا ان کے پاس سے یہ نعمتیں زائل ہو جائیں گی' جس طرح دنیا میں ان کو یہ خطرہ رہتا تھا۔ وہ کبھی کھانے پینے کی چیزوں سے لذت حاصل کریں گے' کبھی حوروں سے التذاذ حاصل کریں گے اور کبھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل میں ہوں گے اور سب سے زیادہ ان کو اللہ تعالیٰ کے دیدار سے سرور حاصل ہوگا اور وہ ذوق و شوق سے اس کے مشاہدہ میں منہمک اور مستغرق ہوں گے۔

الدخان: ۵۶ میں فرمایا: ''وہ جنت میں پہلی موت کے سوا اور کوئی موت نہیں چکھیں گے اور اللہ انہیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے گا O''

اس کی تحقیق کہ موت وجودی ہے یا عدمی

اس آیت میں ''الموتة'' کا لفظ ہے' موت اور الموتة دونوں مصدر ہیں' الموتة میں تا وحدت کی ہے' اس کا معنیٰ ہے: ایک موت اور موت جنس ہے اور ایک موت کے معنیٰ میں زیادہ بلاغت ہے' یعنی جنت میں انہیں ایک مرتبہ بھی موت نہیں آئے گی۔

اس میں اختلاف ہے کہ موت عدمی ہے یعنی زوال حیات ہے یا موت وجودی ہے اور وہ میت کے ساتھ قائم ہوتی ہے اور میت کو اس کا احساس ہوتا ہے' قرآن مجید کی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ موت وجودی ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ. (الملک: ۲) جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا۔

خلق کا معنیٰ ہے: کسی چیز کو وجود عطا کرنا' اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موت کو وجود عطا کیا۔ سو موت وجودی ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ. (آل عمران: ۱۸۵) ہر نفس موت کو چکھنے والا ہے۔

اور چکھا وجودی چیز کو جاتا ہے اور زیر تفسیر آیت میں بھی فرمایا ہے: اور وہ جنت میں پہلی موت کے سوا (جو دنیا میں آ چکی تھی) اور کوئی موت نہیں چکھیں گے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا: یا رسول اللہ! کیا اہل جنت کو نیند آئے گی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیند موت کی بہن ہے اور اہل جنت کو نیند نہیں آئے گی۔
(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۸۱۶' ۹۱۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

الدخان: ۵۷ میں فرمایا: ''آپ کے رب کے فضل سے یہی بڑی کامیابی ہے O''

یہ سب سے بڑی کامیابی ہے' اس سے بڑی اور کوئی کامیابی نہیں ہے' کیونکہ جنت میں ہونا تمام ناپسندیدہ اور تکلیف دہ چیزوں سے خالی ہونا ہے اور جب کہ موت اس عظیم کامیابی کا وسیلہ اور دروازہ ہے' اسی لیے کہا جاتا ہے کہ موت مومن کا تحفہ ہے' ہرچند کہ موت ایک وجہ سے ہلاکت ہے' تو دوسرے طریقہ سے کامیابی ہے' اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ موت میں ہر شخص کے لیے خیر ہے' رہا مومن تو اس کے لیے اس وجہ سے خیر ہے کہ وہ دنیا کے قید خانہ سے آزاد ہو کر جنت کی دائمی راحتوں اور نعمتوں میں پہنچ جائے گا' رہا کافر تو اس کے لیے موت میں اس لیے خیر ہے کہ جب تک وہ دنیا میں رہے گا گناہ کرتا رہے گا اور اس وجہ سے زیادہ عذاب میں گرفتار ہوگا' قرآن مجید میں ہے:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِىْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِىْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ O (آل عمران: ۱۷۸)

کفار یہ نہ گمان کریں کہ ہمارا ان کو ڈھیل دینا ان کے حق میں خیر ہے' ہم ان کو صرف اس لیے ڈھیل دیتے ہیں کہ وہ زیادہ گناہ کریں اور ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے O

الدخان: ۵۸ میں فرمایا: ''ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں آسان کیا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں O''

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے قرآن مجید کو آپ کی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ اہل مکہ اس قرآن کو آسانی سے سمجھ سکیں اور اس کے احکام اور اس کے پیغام پر عمل کریں اور اگر وہ اس کے پیغام پر عمل نہیں کرتے تو۔۔۔۔

الدخان: ۵۹ میں فرمایا: سو آپ انتظار کیجئے بے شک وہ (بھی) انتظار کرنے والے ہیں O

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار اور کفار مکہ کے انتظار کے الگ الگ محمل

آپ انتظار کیجئے کہ کفار کے لیے جو سزا مقدر کی گئی ہے وہ ان کو کب ملتی ہے' کیونکہ ان کی سزا سے متقین کو نصیحت حاصل ہوگی اور وہ بھی انتظار کر رہے ہیں کہ آپ کے اوپر آفات اور مصائب نازل ہوں' پس عنقریب آپ کی امید پوری ہوگی اور ان

کو سزا ملے گی اور آپ پر کوئی آفت اور مصیبت نازل نہیں ہو گی اور وہ جس چیز کا انتظار کر رہے ہیں وہ ان کو حاصل نہیں ہو گی اور وہ ناکام اور نامراد ہوں گے۔

اس آیت کی یہ تفسیر بھی کی گئی: آپ نے تبلیغ اسلام اور اللہ تعالیٰ کے پیغام اٹھانے پر جو مشقت اٹھائی ہے آپ اس پر اجر و ثواب کا انتظار کیجئے اور انہوں نے اللہ سبحانہٗ کے پیغام کو مسترد کر کے جس ہٹ دھرمی کا اظہار کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وعید کو جھٹلایا ہے اور بار بار کہا ہے کہ وہ عذاب کب نازل ہو گا سو وہ اس عذاب کا انتظار کرنے والے ہیں۔

قرآن مجید کے آسان ہونے پر ایک اعتراض کا جواب

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ الدخان: ۵۸ میں فرمایا ہے: ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں آسان کیا ہے اور المزمل: ۵ میں فرمایا ہے:

اِنَّا سَنُلۡقِیۡ عَلَیۡکَ قَوۡلًا ثَقِیۡلًا ○ (المزمل: ۵) بے شک ہم آپ پر بہت بھاری بات نازل کریں گے۔

بہ ظاہر ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید بہت آسان بھی ہے اور بہت ثقیل اور دشوار بھی ہے' قرآن مجید پڑھنے میں آسان ہے اور چونکہ اس کے احکام پر عمل کرنا نفس پر بہت دشوار ہے اس لیے یہ عمل کے لحاظ سے ثقیل ہے۔

امام جعفر صادق نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ نے مخلوق پر قرآن مجید کا پڑھنا آسان نہ کر دیا ہوتا تو مخلوق میں اتنی طاقت کہاں تھی کہ وہ خالق لم یزل کا کلام اپنی زبان پر لا سکتی۔

سورۃ الدخان کا خاتمہ

الحمد للہ رب العلمین! آج مورخہ ۲۱ محرم ۱۴۲۵ھ/ ۱۳ مارچ ۲۰۰۴ء بہ روز ہفتہ بعد نماز ظہر' سورۃ الدخان کی تفسیر ختم ہو گئی' الہ العلمین! جس طرح آپ نے یہاں تک تفسیر مکمل کرادی ہے' قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرادیں اور اس تفسیر کو موافقین کے لیے موجب استقامت اور مخالفین کے لیے موجب ہدایت بنا دیں اور محض اپنے فضل و کرم سے میری' میرے والدین اور میرے اساتذہ کی مغفرت فرمائیں' اس کتاب کو تاروز قیامت فیض آفریں رکھیں۔

واخر دعونا ان الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام
على سيدنا محمد خاتم النبيين وعلى آله واصحابه
وازواجه وعترته اجمعين.
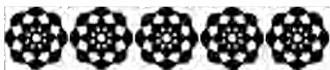
بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

الجاثیہ

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ وغیرہ

جثا یجثوا کا معنیٰ ہے: دوزانو اور گھٹنوں کے بل بیٹھنا' جاثیۃ اسم فاعل کا صیغہ ہے' اس کا معنیٰ ہے: دوزانو یا گھٹنوں کے بل بیٹھنے والی۔ اس سورت کا نام الجاثیۃ اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس سورت کی ایک آیت میں یہ لفظ ہے' وہ آیت یہ ہے:

وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۗ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ۗ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (الجاثیہ: ۲۸)

اور آپ دیکھیں گے کہ ہر امت گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہو گی' ہر گروہ اپنے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا' آج تمہیں اپنے کیے ہوئے کاموں کا بدلہ دیا جائے گا ○

یعنی قیامت کے دن' اس دن کے خوف کی شدت سے ہر امت گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوئی ہو گی اور اس انتظار میں ہو گی کہ اللہ تعالیٰ حساب لینا شروع کر دے اور جو نیک لوگ ہیں وہ جنت میں چلے جائیں اور جو کفار اور بدکار ہیں وہ دوزخ میں چلے جائیں۔

یہ سورت مکی دور کے وسط میں نازل ہوئی ہے' ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر پینسٹھ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر پینتالیس ہے اور یہ سورت الدخان کے بعد اور الاحقاف سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

یہ سورت الدخان کے مشابہ ہے' الدخان اس مضمون پر ختم ہوئی ہے کہ قرآن مجید کو اہل مکہ کی زبان میں نازل کیا گیا ہے تا کہ ان پر اس کا پڑھنا آسان ہو جائے اور اس سورت کی ابتداء بھی قرآن مجید کے تعارف سے کی گئی ہے:

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ○ (الجاثیہ: ۲)

اس کتاب کا نازل کرنا اللہ کی جانب سے ہے جو بہت غالب' بے حد حکمت والا ہے ○

دوسری مشابہت یہ ہے کہ سورۃ الدخان میں بھی اس کائنات کی تخلیق سے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر استدلال کیا گیا تھا اور مشرکین کے عقائد فاسدہ کا رد کیا گیا تھا اور اس سورت میں بھی ان ہی مضامین کو بیان کیا گیا ہے۔

سورۃ الجاثیہ کے مشمولات

جس طرح مکی سورتوں کا موضوع ہوتا ہے' اسی طرح اس سورت کا بھی موضوع ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے کی دعوت اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کرنا اور یہ تسلیم کرنا کہ قرآن مجید اللہ سبحانہٗ کا کلام ہے اور اس کی طرف سے نازل ہوا ہے اور اس کا اعتراف کرنا کہ قیامت آنے والی ہے اور سب مُردوں کو زندہ کیا جائے گا اور میدان حشر

میں جمع کیا جائے گا' پھر ان کا حساب لیا جائے گا اور ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق جزاء یا سزا دی جائے گی۔

آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے اور حیوانوں اور مویشیوں کی تخلیق اور دن کے بعد رات لانے' بارش کو نازل کرنے اور ہواؤں کو فضا میں جاری کرنے سے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کے واحد ہونے پر استدلال فرمایا ہے اور ان لوگوں کو دوزخ کے عذاب سے ڈرایا ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرتے ہیں اور ان پر ایمان لانے سے تکبر کرتے ہیں اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔

جاہلیت مشرکین کے مقابلہ میں اسلام کی ملت بیضاء اور شریعت معتدلہ ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پاس سے لے کر آئے اور ایمان والوں کو حکم دیا کہ وہ صرف اس شریعت کی اتباع کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کریں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس جو دستور حیات بھیجا ہے اس پر عمل کریں' جس میں فطرت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے قوانین ہیں اور حکیمانہ نظام ہے اور وہ قرآن مجید ہے جو سراپا نور اور ہدایت ہے اور مؤمنین کے لیے شفاء ہے اور جو شخص عمداً اندھا ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی آیات کو نہ دیکھے اور نہ ان پر غور و فکر کرے اور اپنے اوپر ہدایت کے تمام منافذ اور ذرائع کو بند کر دے اور اپنے کانوں اور دل پر ڈاٹ لگالے اور زبان سے کلمۂ حق نہ کہے وہ دنیا اور آخرت میں اپنے نقصان کا خود ذمہ دار ہے۔

اور اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا رد کیا ہے جو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کے منکر تھے اور حشر و نشر اور حساب و کتاب کا شدت سے انکار کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ عظیم الشان قدرت کا مالک ہے' آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی ہر چیز کا مالک ہے اس نے جب ابتداءً ان سب چیزوں کو پیدا کیا ہے تو اس کے لیے دوبارہ ان سب چیزوں کو پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔

اس سورت کے اختتام میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ قیامت کے دن اللہ سبحانہٗ سب لوگوں کو جمع فرمائے گا اور حق اور عدل کے ساتھ دنیا میں ایمان لانے والوں اور نیک کام کرنے والوں کو بہترین جزاء عطا فرمائے گا اور کفر اور شرک کرنے والوں اور بُرے کام کرنے والوں کو ان کے اعمال کی سزا دے گا' اس دن مؤمنین اور صالحین جنت میں جائیں گے اور اللہ سبحانہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کفر اور انکار کرنے والے دوزخ میں جائیں گے اور اللہ ہی کے لیے حمد ہے جو آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والا ہے' اسی کے لیے عظمت ہے اور اسی کا غلبہ ہے اور وہ بے حد حکمت والا ہے۔

السورۃ الجاثیہ کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اللہ رب العزت سے دعا کرتا ہوں کہ اس سورت کے ترجمہ اور تفسیر میں اللہ تعالیٰ مجھے استقامت عطا فرمائے اور ہدایت پر برقرار رکھے' مجھے حق کی حقانیت پر مطلع فرمائے اور وہی مجھ سے لکھوائے اور باطل کے بطلان سے مجھے آگاہ فرمائے اور مجھے اس سے مجتنب رکھے اور اس کا رد کرنے کی توفیق اور ہمت دے۔ آمین

والحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين امام الانبياء والمرسلين قائد الغر المحجلين وعلى آله الطيبين واصحابه الراشدين وازواجه امهات المومنين واولياء امته وعلماء ملته وسائر امته اجمعين.

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم النعیمیہ' ۱۵- فیڈرل بی ایریا' کراچی-۳۸
موبائل نمبر: ۰۳۰۰_۲۱۵۶۳۰۹/ ۰۳۲۱_۲۰۲۱۷۴۴/ ۰۳۴۵_۲۱۲۰۶۱۷

۲۲ محرم ۱۴۲۵ھ/ ۱۴ مارچ ۲۰۰۴ء

سورۃ الجاثیہ مکیۃ ۔ آیاتہا ۳۷ ۔ رکوعاتہا ۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ الجاثیہ مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے O اس میں سینتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۲﴾ اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ

حامیم O اس کتاب کا نازل کرنا اللہ کی جانب سے ہے جو بہت غالب' بے حد حکمت والا ہے O بے شک آسمانوں

وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۳﴾ وَ فِیۡ خَلۡقِکُمۡ وَ مَا یَبُثُّ مِنۡ

اور زمینوں میں مؤمنوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O اور تمہاری تخلیق میں اور ان جانداروں میں جن کو زمین

دَآبَّۃٍ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۴﴾ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ وَ

میں پھیلایا گیا ہے یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں O اور رات اور دن کے اختلاف میں اور اللہ نے

مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ رِّزۡقٍ فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ

آسمان سے جو رزق نازل کیا ہے' پھر اس (پانی) سے زمین کے مردہ ہونے کے بعد اس کو زندہ کیا (اس میں)

بَعۡدَ مَوۡتِہَا وَ تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۵﴾ تِلۡکَ

اور ہواؤں کو چلانے میں اصحاب فہم و فراست کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O یہ اللہ کی

اٰیٰتُ اللّٰہِ نَتۡلُوۡہَا عَلَیۡکَ بِالۡحَقِّ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَ اللّٰہِ

آیتیں ہیں جن کی ہم آپ کے سامنے حق کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں' سو اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد وہ کس کتاب پر ایمان

وَ اٰیٰتِہٖ یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۶﴾ وَیۡلٌ لِّکُلِّ اَفَّاکٍ اَثِیۡمٍ ﴿۷﴾ یَّسۡمَعُ اٰیٰتِ اللّٰہِ

لائیں گے O ہر بہتان تراشنے والے بدکار کے لیے ہلاکت ہے O وہ اللہ کی ان آیتوں کو سنتا ہے جو اس پر تلاوت کی جاتی

تُتۡلٰی عَلَیۡہِ ثُمَّ یُصِرُّ مُسۡتَکۡبِرًا کَاَنۡ لَّمۡ یَسۡمَعۡہَا ۚ فَبَشِّرۡہُ بِعَذَابٍ

ہیں' پھر تکبر کرتے ہوئے (اپنے کفر پر) ڈٹا رہتا ہے جیسے اس نے ان آیتوں کو سنا ہی نہیں' سو (اے رسول مکرم!) آپ

اَلِیۡمٍ ﴿۸﴾ وَ اِذَا عَلِمَ مِنۡ اٰیٰتِنَا شَیۡئَۨا اتَّخَذَہَا ہُزُوًا ؕ اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ

اس کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیجئے O اور جب اسے ہماری آیتوں میں سے کسی آیت کا علم ہوتا ہے تو وہ اسے مذاق بنا

عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝٩ مِنْ وَرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِي عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوا

لیتا ہے ان ہی کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے O ان کے پیچھے دوزخ ہے اور ان کے کیے ہوئے عمل ان کے کسی کام نہیں

شَيْئًا وَّلَا مَا اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ أَوْلِيَآءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝١٠

آئیں گے اور نہ وہ ان کے کام آسکیں گے جن کو انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنا مددگار بنالیا ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے O

هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ

یہ (کتاب) ہدایت ہے اور جن لوگوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا ہے ان کے لیے شدید

أَلِيمٌ ۝١١ ع

دردناک عذاب ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حامیم O اس کتاب کا نازل کرنا اللہ کی جانب سے ہے جو بہت غالب' بے حد حکمت والا ہے O بے شک آسمانوں اور زمینوں میں مؤمنوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O اور تمہاری تخلیق میں اور ان جانداروں میں جن کو زمین میں پھیلایا گیا ہے' یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں O اور رات اور دن کے اختلاف میں اور اللہ نے آسمان سے جو رزق نازل کیا ہے' پھر اس (پانی) سے زمین کے مردہ ہونے کے بعد اس کو زندہ کیا (اس میں) اور ہواؤں کے چلانے میں' اصحاب فہم وفراست کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O یہ اللہ کی آیتیں ہیں' جن کی ہم آپ کے سامنے حق کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں' سو اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد وہ کس کتاب پر ایمان لائیں گے O (الجاثیہ: ۶-۱)

حدیث ''کنت کنزا مخفیا'' کی تحقیق

الجاثیہ: امیں فرمایا: حامیم' اس کا معنیٰ ہے: اس سورت کی ابتداء حامیم سے ہے بعض مفسرین نے کہا ہے کہ حٰم کی حا سے اللہ تعالیٰ کی حیات کی طرف اشارہ ہے اور اس کی میم سے اس کی مؤدت اور محبت کی طرف اشارہ ہے' گویا کہ فرمایا: مجھے اپنی حیات اور اپنی محبت کی قسم! مجھے اپنے اولیاء اور احباء سے ملاقات کی بہ نسبت اور کوئی چیز محبوب نہیں ہے۔

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ حا سے حب ازلی کی طرف اشارہ ہے جو مقدم ہے اور میم سے معرفت ابدیہ کی طرف اشارہ ہے جو مؤخر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا تھا:

کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق. میں ایک مخفی خزانہ تھا' پس میں نے پسند کیا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔

اس حدیث قدسی سے معلوم ہوتا ہے کہ محبت معرفت پر مقدم ہے۔ (روح البیان ج ۸ ص ۵۸۴' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اس حدیث کے متعلق حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں: اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔

(الدرر المنتثرۃ فی الاحادیث المنتشرۃ ص ۲۲۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ملاعلی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

ابن تیمیہ نے کہا: یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے بالکل نہیں ہے' اس کی کوئی سند معروف نہیں ہے' صحیح نہ ضعیف' علامہ زرکشی اور علامہ عسقلانی نے بھی اس کی اتباع کی ہے لیکن اس کا معنی صحیح ہے اور قرآن مجید کی اس آیت سے مستفاد ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ میں نے جن اور انسان کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں ۝ (الذاریات: ۵۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ وہ میری معرفت حاصل کریں۔

(الاخبار الموضوعہ ص ۱۷۹' رقم الحدیث: ۶۹۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی المتوفی ۱۱۶۲ھ' ملا علی قاری کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اکثر صوفیاء کے کلام میں یہ حدیث ہے' انہوں نے اس حدیث پر اعتماد کیا ہے اور اس پر اپنے قواعد کی بنیاد رکھی ہے۔

(کشف الخفاء ومزیل الالباس ج ۲ ص ۱۳۲' مکتبۃ الغزالی دمشق)

تنزیل قرآن کے مقاصد

الجاثیہ: ۲ میں فرمایا: ''اس کتاب کا نازل کرنا اللہ کی جانب سے ہے جو بہت غالب' بے حد حکمت والا ہے ۝''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں ذکر کی ہیں: (۱) بہت غالب (۲) بہت حکمت والا' اللہ تعالیٰ کا بہت غالب ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ تمام ممکنات پر قادر ہے اور اس کا بہت حکمت والا ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ تمام معلومات کا عالم ہے اور جو ہر چیز پر قادر اور ہر چیز کا عالم ہو وہ کوئی بے فائدہ اور فضول کام نہیں کرتا اور اس نے جب قرآن مجید کو نازل کیا ہے تو اس سے مقصود سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلیل فراہم کرنا ہے اور قیامت تک کے لوگوں کو توحید کا پیغام سنانا ہے اور ان کی بدعقیدگیوں کا رد کرنا ہے' انسانی زندگی کے ہر شعبہ کے لیے ہدایت دینا ہے اور ان کی صالح حیات کے لیے ایک دستور عطا کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق سے استدلال

الجاثیہ: ۳ میں فرمایا: ''بے شک آسمانوں اور زمینوں میں مؤمنوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ۝''

کیونکہ آسمانوں اور زمینوں کے ایسے احوال ہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر دلالت کرتے ہیں' آسمان اور زمین دونوں اجسام مخصوصہ ہیں' ان کی جسامت کی مقدار معین ہے' ان کی وضع اور سمت معین ہے' ان کی حرکت معین ہے' اب ضروری ہے کہ اس مخصوص مقدار' مخصوص وضع اور سمت اور مخصوص حرکت کا کوئی مخصص ہو' کیونکہ ترجیح بلا مرجح محال ہے اور ضروری ہے کہ وہ مرجح ممکن نہ ہو واجب ہو' کیونکہ اگر وہ مخصص ممکن ہوا تو اس کے وجود کے لیے پھر کسی مرجح کی ضرورت ہوگی اور اس سے تسلسل لازم آئے گا اور تسلسل محال ہے اس لیے ضروری ہے کہ وہ مرجح واجب اور قدیم ہو اور ضروری ہے کہ وہ مرجح واحد ہو ورنہ تعدد وجباء لازم آئے گا اور ہم کئی بار بیان کر چکے ہیں کہ تعدد وجباء محال ہے۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ آسمانوں میں سورج' سیارے (چاند اور مریخ وغیرہ) اور ستارے ہیں اور زمینوں میں پہاڑ' سمندر' درخت اور انواع واقسام کے حیوانات ہیں اور یہ تمام کے تمام ایک نظام کے تحت ہیں' ہزاروں سال سے سورج کا طلوع اور غروب ہو رہا ہے۔ کچھ لوگ حضرت عیسیٰ کو خدا کہتے ہیں' کچھ لوگ حضرت عزیر کو خدا کہتے ہیں' کچھ لوگ دیوی اور دیوتاؤں کو خدا کہتے ہیں مگر سورج اور چاند کا طلوع اور غروب تو ان کے وجود اور ظہور سے بہت پہلے تھا تو وہ اس نظام کے خالق نہیں ہو سکتے' پھر

ہم دیکھتے ہیں کہ اس تمام کائنات کا نظام ایک نہج پر چل رہا ہے' سورج اور چاند ایک مخصوص جانب سے طلوع ہوتے ہیں اور اس کی مقابل جانب میں غروب ہو جاتے ہیں' گلاب کے پھولوں کے درخت میں گلاب ہی لگتے ہیں کبھی چنبیلی کے پھول نہیں کھلتے' آم کے درخت سے آم ہی پیدا ہوتا ہے کیلا یا انناس پیدا نہیں ہوتا' اس تمام کائنات کا نظام واحد ہے اور یہ نظام کی وحدت زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ ہمارا ناظم اور خالق بھی واحد ہے۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں مؤمنوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں' در اصل یہ نشانیاں تو مومن اور کافر سب کے لیے ہیں لیکن ان نشانیوں سے صاحب نشان تک پہنچنے کی کوشش صرف مؤمنین ہی کرتے ہیں اور ان نشانیوں سے فائدہ صرف مؤمنین ہی اٹھاتے ہیں' اس لیے فرمایا: ان میں مؤمنین کے لیے ضرور نشانیاں ہیں' اس کی نظیر یہ ہے کہ فرمایا: ''هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ○'' (البقرہ:۲) یہ قرآن متقین کے لیے ہدایت ہے حالانکہ قرآن مجید تو سب کے لیے ہدایت ہے جیسے فرمایا ہے: ''هُدًى لِّلنَّاسِ'' (البقرہ:۱۸۵) یعنی قرآن مجید فی نفسہ تو سب کے لیے ہدایت ہے مگر اس کی ہدایت سے فائدہ متقین ہی اٹھاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی توحید پر انسانوں' حیوانوں اور درختوں سے استدلال

الجاثیہ:۴ میں فرمایا: ''اور تمہاری تخلیق میں اور ان جانداروں میں جن کو زمین میں پھیلایا گیا ہے یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں ○''

تخلیق سے مراد ہے: انسانوں کی تخلیق میں' اور ان جانداروں میں جن کو زمین میں پھیلایا گیا ہے' اس سے مراد تمام حیوانوں کی تخلیق ہے اور اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر دلیل ہے' کیونکہ انسان اور حیوان دونوں حیوان ہیں' پھر ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کے جسم میں مختلف جسامت کے اعضاء ہیں' اسی طرح حیوانوں کے اجسام میں بھی مختلف جسامت کے اعضاء ہیں' پھر ان اعضاء کی قوت کار بھی الگ الگ ہے' اب جب کہ جسم ہونے میں یہ تمام اجسام مساوی ہیں تو پھر ہر جسم میں ان مختلف اعضاء اور ان کی مختلف قوت کار کی تخصیص کا موجب کون ہے؟ پس اسی بیان سابق سے ضروری ہے کہ یہ مخصص واحد ہو اور واجب الوجود اور قدیم ہو۔

امام ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۳۵ھ نے فرمایا ہے: جب انسان اپنی ظاہری اور باطنی استعداد کے حسن پر غور کرے اور اس پر غور کرے کہ اس کو احسن تقویم میں پیدا کیا گیا ہے اور اپنی قامت کی استقامت کو دیکھے اور اپنی صورت اور سیرت کے حسن کو دیکھے اور اپنی عقل اور سوجھ بوجھ پر غور کرے اور اپنے اعضاء کی خصوصیات پر غور کرے' پھر اس کے مقابلہ میں حیوانوں کے اعضاء' ان کی ساخت' ان کے اوصاف اور ان کی طبائع پر غور کرے تو اس پر یہ منکشف ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں سے اس کو بہت امتیاز اور شرف عطا فرمایا ہے اور جیسی اس کو عقل اور فہم عطا فرمائی ہے کسی اور مخلوق کو عطا نہیں فرمائی' پھر انسان کو فرشتوں پر بھی فضیلت عطا فرمائی ہے' اس کو اپنا خلیفہ بنایا ہے اور مسجود ملائکہ مقربین بنایا ہے اور انسانوں میں سے جو اہل اصفیاء ہیں ان کو انواع و اقسام کے مکاشفات' مشاہدات اور تجلیات عطا فرمائی ہیں تو اس کو یقین ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو تمام مخلوقات میں مکرم اور مشرف بنایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی توحید پر رات اور دن کے اختلاف' بارش سے روئیدگی اور ہواؤں سے استدلال

الجاثیہ:۵ میں فرمایا: ''اور رات اور دن کے اختلاف میں اور اللہ نے آسمان سے جو رزق نازل کیا ہے''۔الآیۃ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دن اور رات کے اختلاف کا بھی ذکر فرمایا ہے اور اس میں بھی اللہ سبحانہٗ کی توحید کی دلیل ہے کیونکہ کبھی دن رات سے لمبا ہوتا ہے اور کبھی رات دن سے لمبی ہوتی ہے اور ضروری ہے کہ اس اختلاف کا کوئی مرجح ہو اور وہ

مرجح واجب ہے اور واحد ہے جیسا کہ ہم پہلے اس کی تقریر کر چکے ہیں۔

اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بارش کو نازل کرنے کا بھی ذکر فرمایا ہے اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کی دلیل ہے' کیونکہ اس بارش سے زمین میں پودے اگتے ہیں اور درخت بن جاتے ہیں اور درخت میں تنا ہوتا ہے' شاخیں ہوتی ہیں اور پتے ہوتے ہیں اور پھول اور پھل ہوتے ہیں' ان سب کی جسامت مختلف ہوتی ہے' رنگ مختلف ہوتا ہے اور خوشبو مختلف ہوتی ہے اور ہر ایک کی الگ الگ خصوصیات ہوتی ہیں' پس ضروری ہے کہ ان خصوصیات کا کوئی موجد ہو اور ضروری ہے کہ وہ موجد واجب اور واحد ہو جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں۔

اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہواؤں کے چلانے کا بھی ذکر فرمایا ہے اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کی دلیل ہے کیونکہ ہوائیں کبھی مشرق سے مغرب کی جانب چلتی ہیں اور کبھی مغرب سے مشرق کی جانب چلتی ہیں' پس ضروری ہے کہ اس اختلاف کا کوئی مرجح ہو اور ضروری ہے کہ وہ مرجح واجب اور واحد ہو۔

یومنون' یوقنون اور یعقلون فرمانے کی توجیہ

اللہ تعالیٰ نے الجاثیہ:۳ میں فرمایا: ''آسمانوں اور زمینوں میں مؤمنوں کے لیے نشانیاں ہیں'' اور الجاثیہ:۴ میں فرمایا: ''تمہاری اور حیوانوں کی تخلیق میں یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں'' اور الجاثیہ:۵ میں فرمایا: ''رات اور دن کے اختلاف' بارش اور ہواؤں میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں'' پہلے ایمان والوں کا ذکر فرمایا' پھر یقین کرنے والوں کا ذکر فرمایا اور پھر عقل والوں کا ذکر فرمایا' اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر تم مومن ہو تو ان دلائل میں غور کرو اور اگر تم مومن نہیں لیکن حق کے متلاشی اور یقین کے طالب ہو تو ان دلائل کو سمجھ لو اور اگر تم حق کے متلاشی اور یقین کے طالب نہیں ہو تو کم از کم تم عقل تو رکھتے ہو' تو تم اپنی عقل سے ان دلائل میں غور کرو اور ان نشانیوں سے صاحب نشان تک پہنچنے کی کوشش کرو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی توحید' سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلائل' قیامت' مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے' حشر ونشر' حساب وکتاب' مؤمنوں کے لیے شفاعت' کفار کی شفاعت سے محرومی' مؤمنین اور صالحین کے جنت میں دخول' کفار اور فجار کے عذاب اور ان کے دوزخ میں دخول تمام عقائد کا ذکر ہے اور فقہی احکام کے اصول اور کلیات کا بیان ہے' سابقہ امتوں اور ان کے نبیوں کے احوال کا ذکر ہے' فرشتوں اور جنات کا ذکر ہے' غرض اسلام کے تمام عقائد اور احکام شرعیہ کا بیان ہے' لیکن قرآن مجید تمام دنیا کی معلومات کا انسائیکلو پیڈیا نہیں ہے' نہ قرآن مجید تاریخ اور جغرافیہ کی کتاب ہے نہ سائنس کی کتاب ہے اور یہ جو بعض علماء نے لکھا ہے کہ قرآن مجید میں تمام علوم مذکور ہیں بلکہ بعض نے کہا: اس میں ابتداء آفرینش سے لے کر قیامت تک کے تمام واقعات مذکور ہیں اور اس میں ہر حادثہ اور ہر واقعہ کا ذکر ہے یہ صحیح نہیں ہے' قرآن مجید صرف ہدایت کی کتاب ہے اور عقائد اور احکام شرعیہ سے متعلق اس میں تمام احکام مذکور ہیں اور غیب کی خبریں ہیں۔

عقل کی تعریف' عقل کی اقسام اور عقل کے متعلق احادیث

اس آیت میں عقل کا ذکر ہے کہ عقل والوں کے لیے ان چیزوں میں توحید کی نشانیاں ہیں' اس لیے یہاں ہم عقل کی تعریف کر رہے ہیں: عقل اس قوت کو کہتے ہیں جو علم کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور جس علم کو انسان اس قوت سے حاصل کرتا ہے اس کو بھی عقل کہتے ہیں۔ اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ منقول ہے کہ عقل کی دو قسمیں ہیں: ایک عقل طبعی ہے اور ایک عقل سمعی ہے اور جب تک عقل سمعی نہ ہو عقل طبعی سے فائدہ نہیں ہوتا' عقل طبعی سے مراد وہ قوت ہے جو انسان کے دماغ میں مرکوز ہے جس سے انسان اچھے اور برے اور نیک اور بدکام میں تمیز کرتا ہے اور عقل سمعی سے مراد وہ علوم ہیں جو

انسان کو لوگوں سے سن کر اور کتابوں میں پڑھ کر حاصل ہوتے ہیں' مثلاً سچ بولنا اچھا ہے اور جھوٹ بولنا بُرا ہے' محنت سے کما کر روزی حاصل کرنا اچھا ہے اور چوری' ڈکیتی' لوٹ مار اور بھتوں سے روزی حاصل کرنا بُرا ہے' نکاح سے اولاد کا حصول اچھا ہے اور زنا سے اولاد کا حصول بُرا ہے۔

عقل کے پہلے معنیٰ کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا تو اس سے فرمایا: کھڑی ہو' وہ کھڑی ہوگئی' پھر اس سے فرمایا: پیٹھ پھیر تو اس نے پیٹھ پھیر لی' پھر اس سے فرمایا: سامنے ہو تو وہ سامنے ہوگئی' پھر فرمایا: بیٹھ جا تو وہ بیٹھ گئی' پھر اس سے فرمایا: میں نے تجھ سے عمدہ اور تجھ سے افضل اور تجھ سے اچھی کوئی مخلوق پیدا نہیں کی' میں تیرے سبب سے لیتا ہوں اور تیرے سبب سے عطا کرتا ہوں اور تیرے سبب سے پہچانا جاتا ہوں اور تیرے سبب سے ناراض ہوتا ہوں اور تیرے سبب سے ہی ثواب ہے اور تجھ پر ہی عقاب ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۶۳۴' الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۴۳۱۳' الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۷۹۸' کتاب العقل لابن ابی الدنیا ص ۱۲' اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

اس عقل سے مراد عقل طبعی ہے جو انسان کے دماغ میں مرکوز ہے اور عقل سمعی کی طرف اشارہ ان احادیث میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان اپنی عقل کی مقدار کے مطابق ہی اہل جہاد سے ہوتا ہے اور اہل صلوٰۃ سے اور اہل صیام سے اور اپنی عقل کے مطابق ہی نیکی کا حکم دیتا ہے اور بُرائی سے روکتا ہے اور قیامت کے دن اس کی عقل کے مطابق ہی اس کو جزاء دی جائے گی۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۶۳۶' الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۴۳۱۵' تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۸۰۔۷۹' کتاب العقل لابن ابی الدنیا ص ۱۲' الموضوعات لابن الجوزی ج ۱ ص ۱۷۲' اللآلی المصنوعۃ ج ۱ ص ۱۲۴' اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان نے عقل کی مثل کسی چیز کو حاصل نہیں کیا جو اس کو نیکی طرف ہدایت دیتی ہے اور بُرائی سے روکتی ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۶۶۰' الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۴۳۳۸' المعجم الصغیر ج ۱ ص ۲۴۱' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۲۱' اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: توفیق بہترین قائد ہے' حسن خلق بہترین قرین ہے' عقل سب سے عمدہ صاحب ہے' ادب بہترین میراث ہے' تکبر سے زیادہ کسی چیز میں وحشت نہیں۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۶۶۱' الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۴۳۳۹' تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۱۷۱۔۱۷۰' اس حدیث کی سند حسن ہے)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عاقل وہ ہے جو اللہ کے حکم سے کسی بُرے کام سے رک گیا اور جس نے زمانہ کے مصائب پر صبر کیا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۶۸۳' الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۴۳۵۹' اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں)

ابو بکر بن عیاش کہتے ہیں: زبان کو روکنا اور نرم گفتاری عقل مندی ہے اور بدزبانی اور سخت کلامی بے عقلی ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۶۸۵' الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۴۳۶۱' اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں)

ان لوگوں کی مذمت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے قرآن سننے کے باوجود ایمان نہیں لائے اور ان لوگوں کی مدح جو آپ سے قرآن سنے بغیر ایمان لے آئے

الجاثیہ: ۶ میں فرمایا: "یہ اللہ کی آیتیں ہیں جن کی ہم آپ کے سامنے حق کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں' سو اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد وہ کس کتاب پر ایمان لائیں گے O"۔

اس آیت میں فرمایا ہے: ان آیتوں کی ہم آپ کے سامنے تلاوت کرتے ہیں' اس کا معنیٰ ہے: ہم جبرئیل کے واسطے سے آپ کے سامنے ان آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں کیونکہ آپ کے سامنے ان آیتوں کی حضرت جبریل نے تلاوت کی تھی اور یہ آیات حق اور صدق کے ساتھ مقرون ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس آیت میں ان دلائل توحید کی طرف اشارہ ہو جن کا ذکر ان آیات میں ہے۔

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ تمام آسمانی کتابوں میں سب سے آخری کتاب قرآن مجید ہے اور اس کتاب کی عبارت اور اس کے احکام قیامت تک محفوظ اور غیر منسوخ ہیں اور اس کے بعد کوئی کتاب نازل ہونی ہے نہ کوئی وحی آنی ہے تو جب تم اس کتاب پر ایمان نہیں لائے تو پھر کس کتاب پر ایمان لاؤ گے' کیونکہ ہمارے نبی (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور قرآن مجید آخری کتاب ہے اور اس کتاب کے بعد کوئی کتاب نازل نہیں ہوگی اور اس نبی کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا' پس اگر تم اس نبی پر ایمان نہیں لائے اور اس کتاب پر ایمان نہیں لائے تو پھر کس کتاب پر ایمان لاؤ گے۔

اس آیت میں حدیث کا لفظ ہے جس کا ترجمہ ہم نے کتاب کیا ہے کیونکہ قرآن مجید میں کتاب پر حدیث کا اطلاق کیا گیا ہے:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ. (الزمر: ۲۳) اللہ نے سب سے عمدہ حدیث (کتاب) نازل کی ہے۔

اس آیت میں کفار مکہ کی مذمت کی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کی تلاوت سنتے تھے اور اس پر ایمان نہیں لاتے تھے' اس کا مطلب یہ ہے: وہ لوگ باعث فضیلت اور لائق حمد ہیں جو قرآن مجید کو سن کر ایمان لائے' فرشتے قرآن مجید سن کر ایمان لائے لیکن ان کا ایمان لانا اس قدر قابل تعریف نہیں ہے کیونکہ وہ امور غیب کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب قرآن مجید کو سن کر اس پر ایمان لائے لیکن ان کا ایمان لانا بھی اس قدر باعث تحسین اور موجب حیرت نہیں ہے' کیونکہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے قرآن مجید کو سنا' آپ کے بے شمار معجزات کا مشاہدہ کیا' کمال تو ان کا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بن دیکھے ایمان لائے' جنہوں نے نبوت کو چلتے پھرتے نہیں دیکھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے قرآن نہیں سنا اس کے باوجود قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے پر ایمان لے آئے' اس معنیٰ پر حسب ذیل احادیث میں دلیل ہے۔

ان لوگوں کی مدح میں احادیث جو آپ کو بن دیکھے آپ پر ایمان لے آئے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں مجھ سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے وہ لوگ ہیں جو میرے بعد آئیں گے' ان میں سے ایک شخص یہ چاہے گا کہ کاش! اس کا سارا مال اور اس کے سارے اہل جاتے رہیں اور وہ مجھے ایک نظر دیکھ لے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۳۲' مسند احمد ج ۲ ص ۴۱۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے' کوئی از خود نہیں جانتا کہ اس کے اول میں خیر ہے یا اس کے آخر میں خیر ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۶۹' مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۰)

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ سے) پوچھا: تمہارے نزدیک مخلوق میں سب سے عمدہ ایمان لانے والے کون ہیں؟ صحابہ نے کہا: فرشتے' آپ نے فرمایا: وہ ایمان کیوں کر نہیں لائیں گے حالانکہ وہ اپنے رب کے پاس ہیں' صحابہ نے کہا: پھر انبیاء علیہم السلام ہیں' آپ نے فرمایا: وہ ایمان کیوں کر نہیں لائیں گے حالانکہ ان کے اوپر وحی نازل ہوتی ہے' صحابہ نے کہا: پھر ہم ہیں' آپ نے فرمایا: تم

ایمان کیوں کرنہیں لاؤ گے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے نزدیک تمام مخلوق میں سب سے عمدہ ایمان لانے والے وہ لوگ ہیں جو میرے بعد ہوں گے' وہ ان صحیفوں کو پائیں گے جن میں اللہ کی کتاب ہوگی اور وہ اس پوری کتاب پر ایمان لائیں گے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ج۶ ص ۵۳۸)

عبد الرحمٰن بن العلاء الحضرمی روایت کرتے ہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع کرنے والے ایک شخص نے مجھ سے کہا: اس امت کے آخر میں ایسے لوگ ہوں گے جن کو پہلوں کی طرح اجر ملے گا' وہ نیکی کا حکم دیں گے اور بُرائی سے منع کریں گے اور فتنہ باز لوگوں سے قتال کریں گے۔ (دلائل النبوۃ ج۶ ص ۵۱۳)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس شخص کے لیے ایک خوشی ہو جس نے مجھ کو دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اور اس شخص کے لیے سات خوشیاں ہوں جس نے مجھ کو نہیں دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا۔

ابو محیریز بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک صحابی رسول ابی جمعہ سے کہا: ہمیں ایسی حدیث سنائیں جس کو آپ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو' انہوں نے کہا: ہاں! میں تم کو ایک جید حدیث سناتا ہوں' ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ناشتہ کیا اور ہمارے ساتھ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح بھی تھے' انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم سے افضل بھی کوئی ہے' ہم اسلام لائے اور ہم نے آپ کے ساتھ جہاد کیا' آپ نے فرمایا: ہاں! جو لوگ تمہارے بعد آئیں گے وہ مجھ پر ایمان لائیں گے حالانکہ انہوں نے مجھ کو دیکھا نہیں ہوگا۔ (مسند احمد ج۴ ص ۱۰۶' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۷۴۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہر بہتان تراشنے والے بدکار کے لیے ہلاکت ہے O وہ اللہ کی ان آیتوں کو سنتا ہے جو اس پر تلاوت کی جاتی ہیں' پھر تکبر کرتے ہوئے (اپنے کفر پر) ڈٹا رہتا ہے' جیسے اس نے ان آیتوں کو سنا ہی نہیں' سو (اے رسول مکرم!) آپ اس کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیجئے O اور جب اسے ہماری آیتوں میں سے کسی آیت کا علم ہوتا ہے تو وہ اسے مذاق بنا لیتا ہے' ان ہی کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے O ان کے پیچھے دوزخ ہے اور ان کے کیے ہوئے عمل ان کے کسی کام نہیں آئیں گے اور نہ وہ ان کے کام آسکیں گے جن کو انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنا مددگار بنا لیا ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے O یہ (کتاب) ہدایت ہے اور جن لوگوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا ہے ان کے لیے شدید دردناک عذاب ہے O

(الجاثیہ: ۱۱۔۷)

ویل کا معنیٰ

''ویل'' فارسی زبان کا لفظ ہے' اس کا معنیٰ ہے: سخت عذاب۔ امام ابن جریر نے کہا: ویل دوزخ کی ایک وادی ہے جس میں دوزخیوں کی پیپ بہتی ہے۔ (جامع البیان جز ۲۵ ص ۱۸۴) ''افاک'' افک سے بنا ہے' اس کا معنیٰ ہے: کسی پر تہمت لگانا' اس پر بہتان تراشنا' ''اثیم'' مبالغہ کا صیغہ ہے اس کا معنیٰ ہے: بہت زیادہ اثم (گناہ) کرنے والا۔

الجاثیہ: ۸ میں فرمایا: ''وہ اللہ کی ان آیتوں کو سنتا ہے جو اس پر تلاوت کی جاتی ہیں' پھر تکبر کرتے ہوئے (اپنے کفر پر) ڈٹا رہتا ہے' جیسے اس نے ان آیتوں کو سنا ہی نہیں' سو (اے رسول مکرم!) آپ اس کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیجئے O''

اصرار کا معنیٰ

الجاثیہ: ۸ میں فرمایا: ''وہ اللہ کی ان آیتوں کو سنتا ہے جو اس پر تلاوت کی جاتی ہیں' پھر تکبر کرتے ہوئے (اپنے کفر پر) ڈٹا رہتا ہے O'' الآیۃ

اس آیت میں ''یصر'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر اصرار ہے' اس کا معنیٰ ہے: گناہ کو منعقد کرنا اور اس پر ڈٹے رہنا اور اس

گناہ سے توبہ اور اس سے رجوع کرنے سے انکار کرنا' اس کی اصل صَـــرٌّ ہے' جس کا معنیٰ ہے: رقم اور دینار و درہم کی تھیلی کو باندھنا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ کفار قرآن مجید کی تلاوت کو سنتے ہیں اور اس کے انکار پر اصرار کرتے ہیں' اس کو اللہ کا کلام نہیں مانتے اور اپنے اس قول پر جمے اور ڈٹے رہتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے۔

علامہ علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے کہا: یہ آیت النضر بن الحارث کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۲۶۲' مؤسسة الکتب الثقافیة' بیروت)

النضر بن الحارث عجم کے شہروں میں جاتا اور وہاں سے قصہ کہانیوں کی کتابیں خرید کر لاتا تھا' مثلاً رستم اور سہراب کے قصے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو قرآن مجید سناتے تو وہ اس کے مقابلہ میں مجمع لگا کر ان قصوں کو سناتا تھا۔

الجاثیہ: ۹ میں فرمایا: ''اور جب اسے ہماری آیتوں میں سے کسی آیت کا علم ہوتا ہے تو وہ اسے مذاق بنا لیتا ہے' ان ہی کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہےO'' جب اس شخص کو ہماری نازل کی ہوئی ان آیات میں سے کسی آیت کا علم ہوتا ہے جو ہم نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی ہیں تو یہ قرآن مجید کی تمام آیات کا مذاق اڑانے کے درپے ہو جاتا ہے اور صرف اس ایک آیت کے مذاق اڑانے پر اقتصار نہیں کرتا گویا وہ پورے قرآن مجید کا مخالف ہے۔

الجاثیہ: ۱۰ میں فرمایا: ''ان کے پیچھے دوزخ ہے اور ان کے کیے ہوئے عمل ان کے کسی کام نہیں آئیں گے اور نہ وہ ان کے کام آسکیں گے جن کو انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنا مددگار بنا لیا ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہےO''

اس آیت میں ''الوراء'' کا لفظ ہے' وراء اس جانب کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے انسان کے سامنے یا پیچھے کی چیزیں چھپی ہوئی ہوتی ہیں۔ (الکشاف ج ۴ ص ۲۹۰) یعنی جہنم ان کے سامنے ہے کیونکہ یہ اس عذاب کی طرف متوجہ ہوں گے جو ان کے لیے تیار کیا گیا ہے' یا ان کے پیچھے جہنم ہوگا کیونکہ یہ جہنم سے اعراض کر کے دنیا کی طرف متوجہ ہوں گے۔

ان کا کوئی عمل ان کو دوزخ کے عذاب سے بچا نہیں سکے گا' اور یہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن بتوں کی یا جن شخصیات کی عبادت کرتے تھے ان میں سے کوئی بھی ان کو دوزخ کے عذاب سے نجات نہیں دلا سکے گا اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہوگا۔

الجاثیہ: ۱۱ میں فرمایا: ''یہ (کتاب) ہدایت ہے اور جن لوگوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا ہے ان کے لیے شدید دردناک عذاب ہےO''

آیات مذکورہ کے اشارات

یہ قرآن مجید انتہائی ہدایت دینے والی کتاب ہے گویا کہ یہ عین ہدایت ہے اور جن لوگوں نے اپنے رب کی آیات کا کفر کیا ہے ان کے لیے بہت سخت درد پہنچانے والا عذاب ہے' ان آیات میں حسب ذیل اشارات ہیں:

(۱) بعض لوگوں کے سامنے جب قرآن مجید کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ بہ ظاہر ان آیات کو سن رہے ہوتے ہیں لیکن وہ غفلت کی وجہ سے یا قرآن مجید کو غیر اہم سمجھنے کی وجہ سے حقیقت میں قرآن مجید کو نہیں سنتے' ان لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے' کیونکہ وہ تکبر کی وجہ سے حق کو قبول نہیں کرتے اور ان آیات کے تقاضوں پر عمل نہیں کرتے' اس آیت کی وعید کے خطرہ میں وہ لوگ بھی ہیں جو حضور قلب کے بغیر بے توجہی اور بے دھیانی سے قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں یا قرآن مجید کی تلاوت کو سنتے ہیں۔

(۲) جب کوئی عالم ربانی قرآن مجید کی کسی آیت سے کوئی نکتہ بیان کرے تو اس کو قبول کرنا چاہیے اور عناد سے اس کو رد

نہیں کرنا چاہیے اور جب کوئی عالم دین قرآن مجید اور احادیث سے کوئی نظریہ پیش کرے تو اس کو محض تعصب اور ہٹ دھرمی سے یا اندھی تقلید کی بناء پر رد نہیں کرنا چاہیے کیونکہ جب عالم دین قرآن اور حدیث کے حوالے سے کوئی بات کہے تو اس کو رد کرنا درحقیقت قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کو رد کرنا ہے۔

(۴) قرآن مجید ہدایت ہے لیکن ان کے لیے ہدایت ہے جو قرآن مجید کو مانتے ہیں' نہ کہ ان کے لیے جو قرآن مجید کا انکار کرتے ہیں' پس جو شخص قرآن مجید کی عبارات اور اس کے اشارات کا اقرار کرتا ہے وہ دوزخ کے عذاب کی رسوائی سے نجات پائے گا اور جو اس کا انکار کرے گا وہ دوزخ کے رسوا کرنے والے عذاب میں گر جائے گا۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَ لِتَبْتَغُوْا

اللہ ہی نے سمندر کو تمہارے تابع کر دیا ہے' اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلتی ہیں تاکہ تم اس کے فضل

مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ

کو تلاش کر سکو اور تاکہ تم شکر ادا کرو ○ اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ

وَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ

زمینوں میں ہے' سب کو اس نے اپنی طرف سے تمہارے فوائد کے تابع کر دیا ہے' بے شک اس میں غور و فکر کرنے والے

یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ قُلْ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا لِلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ اَیَّامَ

لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ○ آپ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ وہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ کے

اللّٰهِ لِیَجْزِیَ قَوْمًۢا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ

دنوں کی امید نہیں رکھتے تاکہ اللہ ایک قوم کو اس کے کیے ہوئے کاموں کا بدلہ دے ○ جس شخص نے کوئی نیکی کی تو اس کا

وَ مَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَا ۫ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا

نفع اس کو ملے گا اور جس شخص نے کوئی برائی کی تو اس کا وبال اس پر ہوگا' پھر تم سب لوگ اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○ اور بے شک

بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ

ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکومت اور نبوت دی اور ان کو پاک چیزوں سے رزق دیا اور ہم نے ان کو

وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶﴾ وَ اٰتَیْنٰهُمْ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا

(اس زمانہ کے) تمام جہان والوں پر فضیلت دی ○ اور ہم نے ان کو اس دین کے متعلق واضح دلائل عطا فرمائے' اس کے

اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ

باوجود انہوں نے (اس دین میں) اپنی سرکشی کی بناء پر اسی وقت اختلاف کیا جب ان کے پاس (اس کا) علم آ چکا تھا'

یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ

بے شک آپ کا رب قیامت کے دن ان کے درمیان اس چیز کا فیصلہ فرما دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے O پھر ہم نے

عَلٰى شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا

آپ کو اس دین کی شریعت (راہ) پر گامزن کر دیا' سو آپ اس شریعت کی اتباع کیجئے اور جاہل لوگوں کی خواہشوں کی

یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهُمْ لَنْ یُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَیْــٴًـا ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ

پیروی نہ کیجئے O بے شک یہ لوگ اللہ کے مقابلہ میں آپ کے کسی کام نہ آ سکیں گے اور بے شک ظالم لوگ ایک دوسرے

بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۚ وَ اللّٰهُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۹﴾ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ

کے حامی ہیں اور اللہ متقین کا حامی ہیں O یہ (قرآن) لوگوں کے لیے بصیرت

وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا

افروز دلائل پر مشتمل ہے اور یقین کرنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے O جن لوگوں نے (برسرعام) گناہ کیے ہیں

السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً

کیا انہوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم ان کی زندگی اور موت کو مؤمنین اور صالحین کے برابر کر دیں گے'

مَّحْیَاهُمْ وَ مَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾ ع

یہ کیسا بُرا فیصلہ کر رہے ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ ہی نے سمندر کو تمہارے تابع کر دیا ہے' اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلتی ہیں تاکہ تم اس کے فضل کو تلاش کر سکو اور تاکہ تم شکر ادا کرو O اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے سب کو اس نے اپنی طرف سے تمہارے فوائد کے تابع کر دیا ہے O بے شک اس میں غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O آپ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ وہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ کے دنوں کی امید نہیں رکھتے تاکہ اللہ ایک قوم کو اس کے کیے ہوئے کاموں کا بدلہ دے O جس شخص نے کوئی نیکی کی تو اس کا نفع اس کو ملے گا اور جس شخص نے کوئی برائی کی تو اس کا وبال اس پر ہو گا' پھر تم سب لوگ اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے O (الجاثیہ: ۱۵-۱۲)

بحری جہازوں کا سمندر میں چلنا اللہ تعالیٰ کی کن نعمتوں پر موقوف ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اس نے سمندر میں کشتیوں کو رواں دواں رکھنے کے لیے سمندر کو تمہارے فوائد کے لیے مسخر کر دیا ہے اور اس کام کی تسخیر مزید حسب ذیل کاموں کی تسخیر پر موقوف ہے:

(۱) ہواؤں کو اس سمت پر چلانا جس سمت کشتی جا رہی ہو کیونکہ اگر ہوا مخالف ہو تو کشتی کا سفر دشوار ہو گا۔

(۲) پانی کو اس کیفیت پر برقرار رکھنے کہ کشتی پانی کی سطح پر ٹھہر سکے اور سفر کر سکے' کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ لوہے کا معمولی سا ٹکڑا پانی میں ڈوب جاتا اور سینکڑوں بلکہ ہزاروں ٹن کے بحری جہاز سطح سمندر پر سفر کرتے رہتے ہیں' پس سبحان ہے وہ ذات جو لوہے کے معمولی سے ٹکڑے کو سطح آب پر ٹھہرنے نہیں دیتا اور ہزاروں ٹن وزنی بحری جہازوں کو سمندر میں رواں دواں رکھتا ہے۔

(۳) اللہ نے ہی وہ ایندھن پیدا کیا جس سے دخانی کشتیوں کا انجن اور موٹر چلتا ہے' اس نے زمین میں قدرتی گیس پیدا کی اور تیل پیدا کیا جس سے بحری جہاز کے انجن چلتے ہیں اور اس نے یورینیم پیدا کیا جس سے ایٹمی بحری جہاز چلتے ہیں۔

(۴) اس نے انسان کو ایسی عقل اور فہم عطا کی جس نے بحری جہازوں کے انجن بنائے اور قدرتی گیس' تیل اور یورینیم کو بہ طور ایندھن استعمال کرنے کی استعداد اور صلاحیت عطا کی' ایک دور میں انسان چپوؤں سے کشتی چلاتے تھے' پھر ہوا کی طاقت سے اور اس کے زور سے بادبانی جہاز چلانے لگے' پھر اللہ نے انسانی دماغ کو مزید ترقی کی راہ پر ڈالا' وہ انجن سے جہاز چلانے لگے اور تیل اور گیس کو بہ طور ایندھن استعمال کرنے لگے اور اب یورینیم کی طاقت سے ایٹمی انجن سے بحری جہاز چلائے جاتے ہیں' پس سبحان ہے وہ ذات جس نے زمین میں ان چیزوں کو پیدا کیا اور انسان کو ان چیزوں سے فائدہ اٹھانے کی سمجھ اور صلاحیت عطا کی۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۔ (آل عمران: ۱۹۱)

آسمانوں اور زمینوں میں اللہ کی نعمت

الجاثیہ: ۱۳ میں فرمایا: ''اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے سب کو اپنی طرف سے تمہارے فوائد کے تابع کر دیا ہے O''

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں سورج کو اور چاند کو اور ان کی گردش کو ہمارے فوائد کے لیے مسخر کر دیا ہے' اگر سورج سے دن کی روشنی حاصل نہ ہوتی تو ہم کاروبارِ حیات کو کیسے انجام دیتے' پھر اگر سورج اپنے مقام سے زیادہ اونچا ہوتا تو ہم سردی سے منجمد ہو جاتے اور اگر زیادہ نیچے ہوتا تو جل کر بھسم ہو جاتے' اگر سورج کی حرارت نہ ہوتی تو فصلیں کیسے پکتیں اور اب شمسی توانائی کے حصول کا دور ہے اور شمسی توانائی سے مشینیں چلائی جا رہی ہیں۔

چاند کی کرنوں سے غلہ میں اور پھلوں میں ذائقہ پیدا ہوتا ہے اور دور افتادہ دیہاتوں میں جہاں بجلی نہیں پہنچی وہاں چاند کی روشنی سے ہی رات کو گزارا کیا جاتا ہے۔

زمین اللہ تعالیٰ نے مٹی کی بنائی ہے اور اس کو قابل کاشت بنایا ہے' اس میں یہ صلاحیت رکھی ہے کہ اس میں بیج ڈال کر کھیت اور باغ تیار کیے جاسکتے ہیں' مٹی کے اجزاء سے مکان بنائے جاسکتے ہیں' فرض کیجئے' اگر اللہ تعالیٰ سونے' چاندی یا لوہے کی زمین بنا دیتا تو اس سے یہ فوائد کیسے حاصل کیے جاسکتے تھے' پس سبحان ہے وہ ذات جس نے آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی چیزوں میں ایسی استعداد اور صلاحیت رکھی کہ وہ ہمارے کام آسکیں اور ہم ان سے فائدے اٹھاسکیں۔

پھر فرمایا کہ یہ سب چیزیں اس کی طرف سے ہیں یعنی ان سب چیزوں کو اس نے اپنی قدرت سے اور اپنی حکمت سے پیدا کیا ہے اور ان کو ایسے نظام کا پابند کر دیا ہے جس سے اس کی مخلوق فائدہ اٹھاسکے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کی صفات میں غور و فکر کے متعلق احادیث

اس کے بعد فرمایا: "اس میں غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O"
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زمینوں اور آسمانوں میں اور ان کے درمیان کی چیزوں میں غور و فکر کرنے کی ترغیب دی ہے
اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی عظمت میں اور جنت اور دوزخ میں ایک ساعت غور و فکر کرنا ایک رات کے قیام سے افضل ہے اور تمام لوگوں سے افضل وہ ہیں جو اللہ کی نعمتوں میں غور و فکر کرتے ہیں اور سب سے بدتر لوگ وہ ہیں جو اللہ سبحانہ کی نعمتوں میں غور و فکر نہیں کرتے۔

(جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۰۷۱۶' اتحاف ج ۱ص ۱۶' تنزیہ الشریعۃ ج ۱ص ۱۴۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۵۷۱۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مخلوق میں غور و فکر کرو' خالق میں غور و فکر نہ کرو' کیونکہ تم اس کی قدر کا اندازہ نہیں کر سکتے۔

(کتاب العظمۃ رقم الحدیث: ۱' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۳۴۶' الصحیحۃ للالبانی رقم الحدیث: ۱۷۸۸' اس کی سند ضعیف ہے)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی مخلوق میں غور و فکر کرو' اللہ میں غور و فکر نہ کرو۔ (کتاب العظمۃ رقم الحدیث: ۳' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۳۴۷' الصحیحۃ للالبانی رقم الحدیث: ۱۷۸۹' اس کی سند ضعیف ہے)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی نعمتوں میں غور و فکر کرو' اللہ میں غور و فکر نہ کرو۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۳۱۰' الکامل لابن عدی ج ۷ص ۹۵' شعب الایمان ج ۱ص ۱۲۰' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۳۴۸' اس کی سند حسن ہے)

الجاثیہ: ۱۴ کے شان نزول کی تحقیق

الجاثیہ: ۱۴ میں فرمایا: "آپ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ وہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ کے دنوں کی امید نہیں رکھتے تاکہ اللہ ایک قوم کو اس کے کیے ہوئے کاموں کا بدلہ دے O"

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۴۶۸ھ اس آیت کے شانِ نزول میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے غزوہ بنو المصطلق میں ایک کنویں کے پاس قیام کیا جس کا نام المریسیع تھا' عبداللہ بن ابی نے اپنے غلام کو اس کنویں سے پانی لینے کے لیے بھیجا' وہ کافی دیر بعد واپس آیا' عبداللہ بن ابی نے پوچھا: تمہیں دیر کیوں ہوئی؟ اس نے کہا: حضرت عمر کا غلام کنویں کے منہ پر بیٹھا ہوا تھا' اس نے کسی کو کنویں سے پانی لینے نہیں دیا' حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور ان کے غلام کی مشکیں نہ بھر جائیں' یہ سن کر عبداللہ بن ابی نے کہا: ان کی اور ہماری حالت کے متعلق یہ ضرب المثل ہے: اپنے کتے کو موٹا تازہ کرو تاکہ وہ تمہیں کھا جائے' جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات پہنچی تو وہ تلوار سونت کر ابن ابی کی طرف جانے لگے' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: آپ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ وہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ کے دنوں کی امید نہیں رکھتے O (الجاثیہ: ۱۴) (اسباب نزول القرآن ص ۳۹۳' رقم الحدیث: ۷۴۳' معالم التنزیل رقم الحدیث: ۱۹۰۸' الکشاف ج ۴ص ۲۹۱' تفسیر کبیر ج ۹ص ۶۷۳' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۶ص ۱۵۵)

اس حدیث کی سند ضعیف ہے' علاوہ ازیں اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور غزوہ بنو المصطلق ۵ھ میں مدینہ میں ہوا تھا' نیز اس آیت میں کفار سے درگزر کرنے کا حکم دیا ہے' حالانکہ اس سے پہلے دو ہجری میں بدر کا معرکہ ہوا تھا اور کفار

کے خلاف متعدد غزوات ہو چکے تھے۔ علامہ واحدی متوفی ۴۶۸ھ‘ علامہ بغوی متوفی ۵۱۶ھ‘ علامہ زمخشری متوفی ۵۳۸ھ‘ امام رازی متوفی ۶۰۶ھ اور علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے اس روایت کا ذکر کیا ہے‘ لیکن ان امور پر غور نہیں کیا‘ اس آیت کے شان نزول میں دوسری روایت یہ ذکر کی گئی ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا. وہ کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے۔

(البقرہ: ۲۴۵)

تو مدینہ میں فنحاص نام کا ایک یہودی تھا‘ اس نے کہا: (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا رب محتاج ہو گیا‘ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو وہ تلوار لے کر اس شخص کو ڈھونڈنے چلے گئے‘ تب حضرت جبریل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ آیت لے کر آئے: ”آپ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ وہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ کے دنوں کی امید نہیں رکھتے“۔ (الجاثیہ: ۱۴) تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور جب وہ آ گئے تو آپ نے فرمایا: اے عمر! تلوار رکھ دو‘ حضرت عمر نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے سچ فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے‘ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کے سامنے یہ آیت پڑھی۔ (اسباب النزول رقم الحدیث: ۷۴۳‘ ص ۳۹۴‘ دار الکتب العلمیہ‘ بیروت)

یہ واقعہ بھی مدینہ کا ہے اور یہ سورت مکی ہے‘ اس روایت کو بھی مذکور الصدر مفسرین نے ذکر کیا ہے اور اس پر بھی وہی اعتراض ہوتے ہیں جو ہم نے اس سے پہلی روایت پر کیے ہیں۔

علامہ علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے اس کے شانِ نزول میں لکھا ہے:

مشرکین میں سے ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو گالی دی‘ حضرت عمر نے اس کو مارنے کا ارادہ کیا‘ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ پھر حضرت عمر اس مشرک سے انتقام لینے سے رک گئے۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۲۶۲‘ دار الکتب العلمیہ‘ بیروت)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت (الجاثیہ: ۱۴) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: جب مشرکین نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچاتے تھے تو آپ ان سے اعراض کرتے تھے‘ وہ آپ کا مذاق اڑاتے تھے اور آپ کی تکذیب کرتے تھے‘ پھر اللہ عزوجل نے آپ کو حکم دیا کہ آپ تمام مشرکین سے قتال کریں‘ پس گویا یہ آیت منسوخ ہو گئی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۱۱۹)

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ اس آیت کو حسب ذیل آیتوں نے منسوخ کر دیا:

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ○ (الانفال: ۵۷)

پس جب کبھی آپ جنگ میں ان پر غالب ہوں تو ان پر ایسی ضرب لگائیں کہ ان کے پیچھے والے بھی بھاگ جائیں تاکہ یہ نصیحت حاصل کریں ○

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِیْنَ كَآفَّةً كَمَا یُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً. (التوبہ: ۳۶)

اور تم تمام مشرکین سے لڑو جیسا کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں۔

مسلمانوں کو اس وقت تک ان سے قتال کرنے کا حکم دیا ہے جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ نہ پڑھ لیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۱۲۱‘ دار الفکر‘ بیروت‘ ۱۴۱۵ھ)

اس آیت میں ایام اللہ کا ذکر ہے‘ اس سے مراد ہے: دنیا میں لوگوں پر انعام کرنے یا ان کو سزا دینے کے ایام‘ جیسے وہ دن

جب بنواسرائیل کوفرعون سے نجات دی اور یہی وہ دن تھا جب فرعون اور اس کی قوم کوغرق کیا گیا۔

فجور ظاہر اور فجور باطن

الجاثیہ: ۱۵ میں فرمایا: ''جس شخص نے کوئی نیکی کی تو اس کا نفع اس کو ملے گا اور جس شخص نے کوئی بُرائی کی تو اس کا وبال اس پر ہوگا' پھر تم سب لوگ اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے O''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہ قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ ہر شخص کے نیک عمل کا فائدہ اس کو پہنچتا ہے اسی طرح ہر شخص کے بُرے عمل کا ضرر بھی صرف اس شخص کو پہنچتا ہے۔

اس میں یہ بتایا ہے کہ جو کفار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور مؤمنوں کو ناحق ایذا پہنچاتے ہیں تو اس کا نقصان دنیا اور آخرت میں صرف ان ہی کو ہوگا اور جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی عزت اور نصرت کرتے ہیں اس کا نفع بھی صرف ان ہی کو پہنچے گا اور آخرت میں تم سب کو اللہ سبحانہ کے سامنے پیش کیا جائے اور وہ تم سب کو تمہارے اعمال کی جزاء دے گا۔

اس آیت میں نیک اعمال کرنے کی ترغیب دی ہے اور بُرے اعمال سے ڈرایا ہے' پس جو مسلمان مجرموں کو معاف کردیں گے اور ان کو بخش دیں گے وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ متصف ہوں گے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں گے اور لوگوں پر ظلم کریں گے وہ شیطان کی صفات کے ساتھ متصف ہوں گے' سو جو شخص ابرار اور نیکوکاروں میں سے ہوگا تو ابرار دائمی جنتوں میں ہوں گے اور جو شخص فجار اور بدکاروں میں سے ہوگا تو بدکار دوزخ میں ہوں گے۔

فجور کی دو قسمیں ہیں' ایک فجور صوری ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کرنا ہے اور شیطان کی اطاعت کرنا ہے اور دوسرا فجور معنوی ہے اور وہ اللہ کے نیک بندوں کا انکار کرنا ہے اور ان کو آزار پہنچانے کے درپے ہونا ہے اور ان کے خلاف ایسی سازشیں کرنا ہے جس سے بہ ظاہر تو یہ معلوم ہو کہ وہ ان کے خیر خواہ ہیں اور حقیقت میں وہ ان کے ساتھ بدخواہی کریں' پس اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے جو اس کے احکام کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کے فیصلوں اور اس کی تقدیر پر راضی رہتے ہیں اور جو حرام کاموں' مشتبہ امور اور فضول اور غیر متعلق چیزوں سے احتراز کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکومت اور نبوت دی اور ان کو پاک چیزوں سے رزق دیا اور ہم نے ان کو (اس زمانے کے) تمام جہان والوں پر فضیلت دی O اور ہم نے ان کو اس دین کے متعلق واضح دلائل عطا فرمائے' اس کے باوجود انہوں نے (اس دین میں) اپنی سرکشی کی بناء پر اسی وقت اختلاف کیا جب ان کے پاس (اس کا) علم آ چکا تھا' بے شک آپ کا رب قیامت کے دن اس چیز کا فیصلہ فرمادے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے O (الجاثیہ: ۱۷۔۱۶)

بنواسرائیل کو دی گئی نعمتیں

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ بنواسرائیل کا طریقہ اپنے پیش رو کفار کے طریقہ کے موافق تھا' اللہ تعالیٰ نے ان کو طرح طرح کی کثیر نعمتیں دیں' اس کے باوجود وہ سرکشی اور عناد سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے رہے۔

نعمتیں دو قسم کی ہیں: دینی نعمتیں اور دنیاوی نعمتیں اور دینی نعمتیں دنیاوی نعمتوں سے افضل ہیں' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے دینی نعمتوں سے ابتداء کی ہے' بنواسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے جو دینی نعمتیں عطا کی تھیں وہ یہ ہیں: کتاب' حکومت اور نبوت' کتاب سے مراد ہے تورات اور حکم کی کئی تفسیریں کی گئی ہیں: (۱) اس سے مراد علم اور حکمت ہے (۲) اس سے مراد مقدمات کے فیصلوں کی صلاحیت ہے (۳) اللہ تعالیٰ کے احکام کا علم' یعنی فقہ کا علم اور نبوت سے مراد ہے: بنواسرائیل میں انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمانا۔

اور دنیاوی نعمتوں کے متعلق فرمایا: ان کو پاک چیزوں سے رزق دیا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کی بہت وسیع چیزیں عطا فرمائی تھیں' اللہ تعالیٰ نے ان کو قوم فرعون کے اموال کا اور ان کے مکانوں کا وارث بنا دیا' پھر میدان تیہ میں ان پر من اور سلویٰ نازل فرمایا اور دینی اور دنیاوی نعمتیں عطا کرنے کے علاوہ ان کو ان کے زمانہ کے تمام لوگوں پر فضیلت عطا فرمائی۔ اپنے وقت میں ان کا مرتبہ اور درجہ اس وقت کی تمام اقوام سے افضل اور اعلیٰ تھا۔

بغض و عناد کی بناء پر بنو اسرائیل کا حق سے انکار کرنا

الجاثیہ: ۱۷ میں فرمایا: ''اور ہم نے ان کو اس دین کے متعلق واضح دلائل عطا فرمائے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان کو یہ بتا دیا تھا کہ آخر زمانہ میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی' رسول اور خاتم النبیین بنا کر بھیجا جائے گا اور وہ مکہ میں پیدا ہوں گے' چالیس سال کی عمر میں اعلان نبوت کریں گے اور تیرہ سال بعد مدینہ کی طرف ہجرت کریں گے اور اہل مدینہ ان کی نصرت اور مدد کریں گے اور ان کے دعویٰ نبوت کی تصدیق کے لیے ان کو بہت بڑے بڑے معجزات عطا کیے جائیں گے' جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے زیادہ بڑے ہوں گے۔

اس کے بعد فرمایا: ''اس کے باوجود انہوں نے (اس دین میں) اپنی سرکشی کی بناء پر اسی وقت اختلاف کیا جب ان کے پاس (اس کا) علم آ چکا تھا''

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ نے دین اسلام کے حق ہونے پر ان کو ایسے دلائل اور شواہد عطا کر دیئے تھے کہ اگر وہ ان دلائل اور شواہد میں غور و فکر کرتے تو ان پر حق منکشف ہو جاتا لیکن انہوں نے حسد اور بغض کی بناء پر ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو نہیں مانا اور تورات میں آپ کی نبوت کے صدق کی جو آیتیں تھیں وہ ان کو لوگوں سے چھپاتے رہے اور آپ کی نبوت کا انکار کرتے رہے۔

اس کے بعد فرمایا: ''بے شک آپ کا رب قیامت کے دن اس چیز کا فیصلہ فرما دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے'' O

جب اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کر دیا کہ بنو اسرائیل نے بغض اور حسد کی بناء پر حق سے منہ موڑا تو بتایا کہ اس جھگڑے کا فیصلہ قیامت کے دن کر دیا جائے گا اور جس کو دنیا میں نعمتیں دی گئی ہوں اسے ان پر مغرور نہیں ہونا چاہیے کیونکہ آخرت میں اس کو عذاب کا خطرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر ہم نے آپ کو اس دین کی شریعت (راہ) پر گامزن کر دیا' سو آپ اس شریعت کی اتباع کیجئے اور جاہل لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کیجئے O بے شک یہ لوگ اللہ کے مقابلہ میں آپ کے کسی کام نہ آ سکیں گے اور بے شک ظالم لوگ ایک دوسرے کے حامی ہیں اور اللہ متقین کا حامی ہے O یہ (قرآن) لوگوں کے لیے بصیرت افروز دلائل پر مشتمل ہے اور یقین کرنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے O جن لوگوں نے (برسرِ عام) گناہ کیے ہیں' کیا انہوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم ان کی زندگی اور موت کو مؤمنین اور صالحین کے برابر کر دیں گے' یہ کیسا بُرا فیصلہ کر رہے ہیں O (الجاثیہ: ۲۱۔۱۸)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا ممتاز اور منفرد ہونا

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ بنو اسرائیل نے دین حق' دین اسلام سے صرف حسد اور بغض کی وجہ سے منہ موڑا تھا تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ آپ ان کے طریقہ سے احتراز کریں اور دین حق کے ساتھ وابستہ رہیں اور ماسوا اظہار حق کے اور اثبات صدق کے آپ کی کوئی اور غرض نہیں ہونی چاہیے' اس لیے فرمایا: پھر ہم نے آپ کو اس دین کی شریعت پر گامزن کر دیا' یعنی ہم نے آپ کو دین اسلام کے منہاج اور اس کے طریقہ پر

ثابت اور برقرار رکھا ہے' سو آپ صرف اپنی شریعت کی اتباع کیجئے جو دلائل اور بینات سے ثابت ہے' جاہلوں کی ناجائز خواہشیں بلا دلیل ہیں اور ان کے ادیان اور مذاہب ان کی خواہشوں اور جہل پر مبنی ہیں' سو آپ ان کی طرف التفات نہ کیجئے۔

کلبی نے کہا: یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب سردارانِ قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ آپ اپنے آباء واجداد کے دین کی طرف رجوع کیجئے جو آپ سے افضل تھے اور آپ سے زیادہ عمر رسیدہ تھے۔

اس آیت کی یہ تفسیر بھی ہے کہ: بنو اسرائیل کے بعد ہم نے آپ کے لیے دین اسلام کی شریعت بنائی' سو آپ اس شریعت کی اتباع کیجئے' اس دین کے احکام شرعیہ کو اپنے اوپر بھی نافذ کیجئے اور اپنے پیروکاروں کے اوپر بھی اس دین کے احکام کو جاری کیجئے۔

اور اس کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ ہم نے آپ کو متعدد خصوصیات عطا فرما کر دوسرے نبیوں اور رسولوں سے منفرد اور ممتاز بنایا ہے اور آپ کی شریعت کو بھی سابقہ شرائع سے ممتاز اور منفرد بنایا ہے اور آپ کی شریعت میں وہ خصوصی احکام رکھے ہیں جو دیگر شریعتوں میں نہیں تھے' سو آپ ان خصوصیات کی معرفت رکھیں اور اپنی شریعت پر قائم اور ثابت رہیں اور اس سے تجاوز نہ کریں اور دوسروں کی متابعت کی طرف التفات نہ کریں کیونکہ اگر آپ کے زمانہ میں حضرت موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو آپ کی اتباع کرنے کے سوا ان کے لیے اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔

ہم نے جو کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دوسرے انبیاء علیہم السلام سے ممتاز اور منفرد شریعت عطا فرمائی ہے جس میں ایسی خصوصیات ہیں جو ان کی شرائع میں نہیں تھیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو کسی اور نبی کو مجھ سے پہلے نہیں دی گئیں: (۱) ایک ماہ کی مسافت سے میرا رعب طاری کر کے میری مدد کی گئی ہے (۲) تمام روئے زمین کو میرے لیے مسجد اور پاکیزگی کا آلہ (تیمم) بنا دیا گیا' لہٰذا میری امت میں سے کسی شخص کو جہاں بھی نماز کا وقت آئے وہ وہیں نماز پڑھ لے (۳) اور میرے لیے مال غنیمت حلال کر دیا گیا اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا تھا (۴) اور مجھے شفاعت (کبریٰ) دی گئی ہے (۵) اور پہلے نبی کو ایک مخصوص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور مجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔

امام مسلم کی روایت میں ہے: مجھے تمام مخلوق کے لیے رسول بنایا گیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۳۶-۴۳۲)

آپ کی شریعت کے بعد کسی اور شریعت کی طرف التفات کرنا جائز نہیں

اور ہم نے جو کہا ہے کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی آپ کے زمانہ میں زندہ ہوتے تو ان کے لیے آپ کی اتباع کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا' اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو کسی اہل کتاب سے ان کی کوئی کتاب ملی' وہ اس کو لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کے سامنے پڑھنے لگے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہوئے اور فرمایا: اے ابن الخطاب! کیا تم کو اپنے دین میں شک ہے' اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے' میں تمہارے پاس صاف صاف شریعت لے کر آیا ہوں' تم اہل کتاب سے کسی چیز کے متعلق سوال نہ کرو' (مبادا) وہ تمہیں کوئی حق بات بتائیں اور تم اس کی تکذیب کر دو یا وہ تمہیں کوئی باطل بات بتائیں اور تم اس کی تصدیق کر دو اور اس ذات کی قسم جس

کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے' اگر حضرت موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کے لیے میری اتباع کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۷ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲۳ ص ۳۴۹' رقم الحدیث: ۱۵۱۶۵' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۹ھ' مسند البزار رقم الحدیث: ۱۲۴' شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۷۷' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۲۶' سنن دارمی رقم الحدیث: ۴۳۵)

آپ کو جاہلوں کی اتباع سے منع کرنے کا محمل

اس آیت میں یہ بھی فرمایا ہے: ''سو آپ اس شریعت کی اتباع کیجئے اور جاہل لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کیجئے''۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تو یہ متصور نہیں ہے کہ آپ اس شریعت کی اتباع نہ کریں اور جاہل لوگوں کی یا بنو اسرائیل کی خواہشوں کی پیروی کریں' اس لیے اس آیت میں تعریض ہے' یعنی بہ ظاہر اس آیت میں جاہلوں کی پیروی کی ممانعت کا اسناد آپ کی طرف کیا گیا ہے اور مراد آپ کی امت ہے' گویا آپ کی امت سے یہ فرمایا ہے اور ان کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اس شریعت اسلام کی پیروی کریں اور جاہلوں اور یہودیوں کی شریعت کی پیروی نہ کریں اور ان کی شریعت کی طرف التفات نہ کریں جیسا کہ حسب ذیل احادیث سے ظاہر ہوتا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل کتاب عبرانی میں تورات کو پڑھتے تھے اور اہل اسلام کے لیے اس کا عربی میں ترجمہ کرتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ ان کی تکذیب کرو اور یہ کہو: ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۵۴۲)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ فرماتے ہیں:

قرآن مجید پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ باقی آسمانی کتابوں پر ایمان لانے کا معاملہ اس طرح ہے جس طرح ہم اپنے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ انبیاء سابقین علیہم السلام پر بھی ایمان لاتے ہیں اور ہم پر واجب یہ ہے کہ ہم اللہ عزوجل کے کلام کی معرفت حاصل کریں اور اس پر ایمان رکھیں کہ اس کا کلام اس کی ذات کی صفات میں سے ایک صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور ہماری قرأت کے ساتھ اس کے کلام کی قرأت ہوتی ہے اور یہ کلام ہمارے دلوں میں محفوظ ہے اور ہمارے مصاحف میں لکھا ہوا ہے اور اس کا ان مصاحف میں حلول نہیں ہے' جس طرح اللہ سبحانہٗ کا ہماری زبانوں سے ذکر ہوتا ہے اور ہمارے دلوں میں اس کا علم ہے اور ہماری مساجد میں اس کی عبادت ہوتی ہے اور اس کا ان میں حلول نہیں ہے اور اللہ کے کلام کا قلیل اور کثیر میں حصر نہیں ہے' اس کو جب عربی میں پڑھا جائے تو اس کو قرآن کہتے ہیں اور اس کو جب سریانی میں پڑھا جائے تو اس کو انجیل کہتے ہیں اور جب اس کو عبرانی میں پڑھا جائے تو اس کو تورات کہتے ہیں اور ہماری اس شریعت میں اس کا نام قرآن ہے نہ کہ وہ جس کا نام تورات اور انجیل ہے' کیونکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو اہل تورات اور انجیل تھے' ان کی اللہ تعالیٰ نے تکذیب کی ہے اور ان کی خیانت کی خبر دی ہے اور یہ خبر دی ہے کہ وہ اللہ کے کلام میں تحریف کرتے تھے اور ردوبدل کرتے تھے اور اپنی طرف سے کتاب میں عبارت بنا کر لکھ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور وہ جان بوجھ کر اللہ سبحانہٗ پر جھوٹ باندھتے تھے' لہٰذا جب مسلمان ان کی کتاب سے کوئی چیز پڑھے گا تو وہ اس سے محفوظ نہیں ہے کہ درحقیقت کتاب کی وہ عبارت یہود ونصاریٰ کی گھڑی ہوئی ہو

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم اہل کتاب سے کسی چیز کے متعلق کیوں سوال کرتے ہو' حالانکہ تمہارے پاس وہ کتاب موجود ہے جس کو اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے اور اس میں تم سب سے تازہ اور نئی خبروں کو پڑھتے ہو جو پرانی نہیں ہوئیں' پھر اللہ عزوجل نے تم کو ان کے متعلق یہ خبر دی ہے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب میں تحریف کی ہے

اور اس کو بدل دیا ہے اور وہ اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھ کر پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے' تا کہ اس کے بدلہ میں تھوڑی قیمت لے لیں' سنو اللہ تعالیٰ نے تمہیں علم کے متعلق ان سے سوال کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اللہ کی قسم! ہم نے ان کا کوئی آدمی نہیں دیکھا جو تم سے اس چیز کے متعلق سوال کرتا ہو جو تم پر نازل کی گئی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۳۶۳' شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۷۵)

بعض مفسرین کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور ادب سے محروم تفسیر

الجاثیہ: ۱۹ میں فرمایا: ''بے شک یہ لوگ اللہ کے مقابلہ میں آپ کے کسی کام نہ آسکیں گے اور بے شک ظالم لوگ ایک دوسرے کے حامی ہیں اور اللہ متقین کا حامی ہے O''

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا یہ معنیٰ ہے کہ اگر آپ ان یہودیوں کے دین کی طرف مائل ہوئے تو آپ عذاب کے مستحق ہو جائیں گے اور اس وقت یہ یہودی آپ سے اللہ کے عذاب کو دور نہیں کرسکیں گے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۶۷۵) میں کہتا ہوں کہ یہ ظاہری معنیٰ ہے اور در حقیقت یہاں پر بھی تعریض ہے اور ذکر آپ کا ہے اور مراد آپ کی امت ہے کہ اگر آپ کی امت دین کے کسی معاملہ میں ان کی طرف مائل ہوئی تو وہ عذاب کی مستحق ہو جائے گی اور اس وقت یہ یہودی آپ کی امت کے کسی کام نہیں آسکیں گے اور ان سے عذاب کو دور نہیں کرسکیں گے۔

سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی اگر تم انہیں راضی کرنے کے لیے اللہ کے دین میں کسی قسم کا رد و بدل کرو گے تو اللہ کے مواخذہ سے وہ تمہیں نہ بچا سکیں گے۔ (تفہیم القرآن ج ۴ ص ۵۸۷' طبع لاہور' مارچ ۱۹۸۳ء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ کے دین میں رد و بدل کرنا کب متصور ہے؟ یہ وہی لکھ سکتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کے ادب و احترام سے بالکل خالی ہو۔

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی ان کی طرف جھکنا تم کو خدا کے ہاں کچھ کام نہ دے گا۔

در اصل الجاثیہ: ۱۹۔۱۸ کا خلاصہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ان کی باہمی ضد اور نفسانی اختلافات کی وجہ سے بہت فرقے بن گئے تھے' حدیث میں ہے کہ ان میں بہتر فرقے تھے' ہم نے ان کے اس تفرقہ کے زمانہ میں آپ کو دین کی صحیح شاہ راہ (شریعت) پر قائم کر دیا ہے' لہٰذا آپ کو اور آپ کی امت پر لازم ہے کہ وہ دین اسلام کی اسی شریعت پر جمے رہیں اور اس سے سر مو منحرف نہ ہوں' مکہ کے جاہل قریش کی خواہش ہے کہ آپ ان کے ظلم اور ستم سے تنگ آ کر ہمت ہار بیٹھیں اور ان کے ہم نوا ہو جائیں یا کم از کم ان کے بتوں کو برا کہنا چھوڑ دیں اور اہل کتاب میں سے یہودی یہ چاہتے ہیں کہ آپ ان کے طریقہ کی موافقت کر لیں' سو آپ اپنی امت کو بتا دیں کہ اگر انہوں نے ان کی موافقت کر لی تو وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی گرفت کے مستحق ہو جائیں گے اور یہ یہودی اور کفار مکہ آپ کی امت سے عذاب کو بالکل دور نہیں کرسکیں گے۔

اس کے بعد فرمایا: ''اور بے شک ظالم لوگ ایک دوسرے کے حامی ہیں اور اللہ متقین کا حامی ہے O''

دنیا میں کفار اور مشرکین ایک دوسرے کی حمایت اور نصرت کرتے ہیں لیکن آخرت میں ان کا کوئی حامی نہیں ہوگا جو ان کو اجر و ثواب پہنچا سکے یا ان سے عذاب کو دور کرسکے' رہے متقین اور ہدایت یافتہ لوگ تو اللہ تعالیٰ آخرت میں ان کو کامیاب اور

سرفراز فرمائے گا' ان کے حق میں کی گئی شفاعت کو قبول فرمائے گا اور جن کی یہ شفاعت کریں گے اس کو بھی قبول فرمائے گا۔

بصیرت کے معنیٰ کی تحقیق

الجاثیہ: ۲۰ میں فرمایا: ''یہ (قرآن) لوگوں کے لیے بصیرت افروز دلائل پر مشتمل ہے اور یقین کرنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے O''

اس قرآن میں عقائد اور اصول ہیں اور احکام شرعیہ ہیں' رشد اور ہدایت کے لیے واضح نشانیاں ہیں' نیک کام کرنے والوں کے لیے اجر و ثواب کی بشارتیں ہیں اور بدکاروں کے لیے عذاب کی وعیدیں ہیں اور ان چیزوں سے دلوں میں نور اور بصیرت کا حصول ہوتا ہے اور جس طرح روح حیات کا سبب ہوتی ہے اسی طرح قرآن مجید نور اور بصیرت کے حصول کے سبب ہے اور جو شخص قرآن مجید کو پڑھنے اور اس میں غور و فکر کرنے سے عاری ہوتا ہے وہ نور اور بصیرت سے محروم ہو جاتا ہے اور وہ اس مردہ کی طرح ہوتا ہے جس میں نہ کوئی حس ہوتی ہے اور نہ حیات ہوتی ہے' قرآن مجید کی دیگر آیات میں بھی قرآن کریم پر بصائر کا اطلاق فرمایا ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ (الانعام: ۱۰۵) بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے حق بینی کے ذرائع آ چکے ہیں۔

بصائر بصیرت کی جمع ہے' جو در اصل دل کی روشنی کا نام ہے' یہاں اس سے مراد وہ دلائل اور براھین ہیں جن کو قرآن مجید نے بار بار بیان کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان دلائل کو بار بار بیان فرمایا ہے' جو ان دلائل کو دیکھ کر ہدایت کا راستہ اختیار کرے گا اس میں اسی کا فائدہ ہے اور جو ان دلائل کو دیکھنے کے باوجود ہدایت کا راستہ نہیں اختیار کرے گا اس میں اسی کا نقصان ہے۔

بصر آنکھ سے ادراک کرنے کو کہتے ہیں' جیسے قرآن مجید میں ہے:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی O (النجم: ۱۷) نہ آنکھ بہکی نہ حد سے بڑھی O

اور دل میں جو قوت مدرکہ رکھی گئی ہے اس کو بصیرت کہتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰى بَصِيْرَةٍ (یوسف: ۱۰۸) میں پوری معرفت اور تحقیق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دے رہا ہوں۔

اور بصر کی جمع ابصار آتی ہے اور بصیرت کی جمع بصائر آتی ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۶۳۔ ۶۲ ملخصاً' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ) یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس نور کے ساتھ انسان اجسام اور محسوسات کا ادراک کرتا ہے اس کو بصر کہتے ہیں اور جس نور کے ساتھ انسان معانی اور معقولات کا ادراک کرتا ہے اس کو بصیرت کہتے ہیں۔

قرآن مجید کا ہدایت اور رحمت ہونا

نیز فرمایا: یہ قرآن ہدایت ہے یعنی گم راہی کے اندھیروں سے ہدایت کا نور عطا کرنے والی ہے اور فرمایا: یہ قرآن رحمت ہے' یعنی یہ قرآن ایک عظیم رحمت ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت کاملہ ہے کیونکہ تمام دنیاوی اور اخروی سعادات اس قرآن مجید پر عمل کرنے سے یقین کرنے والوں کو حاصل ہوتی ہیں۔

یقین کرنے والوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو نور بصیرت سے مقام یقین تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور جب ان کو یہ نور حاصل ہوتا ہے تو ان کے سامنے حق اور باطل منکشف ہو جاتا ہے اور اس معاملہ میں لوگوں کے کئی مراتب اور درجات ہیں'

بعض وہ ہیں جو اشیاء اور حقائق کو عقل کے نور سے جانچتے ہیں اور بعض ان کو فراست کے نور سے پرکھتے ہیں اور بعض ان کو ایمان کے نور سے دیکھتے ہیں اور بعض ان کو یقین کے نور سے دیکھتے ہیں اور بعض احسان کے نور سے دیکھتے ہیں اور بعض عرفان کے نور سے دیکھتے ہیں اور بعض آنکھ کے نور سے دیکھتے ہیں اور جو شخص بصیرت کے جس درجہ پر فائز ہو وہ اشیاء اور حقائق کو اسی درجہ کے اعتبار سے دیکھتا ہے۔

قرآن مجید کے ہدایت اور رحمت ہونے کی ایک صورت یہ ہے کہ وہ ہماری خامیوں اور ان کی اصلاح کی طرف رہ نمائی کرتا ہے۔

قتادہ نے کہا: قرآن تمہاری بیماری اور دواء دونوں کی طرف رہ نمائی کرتا ہے' رہی تمہاری بیماری تو وہ تمہارے گناہ ہیں اور رہی تمہاری دوا تو وہ استغفار ہے۔ (شعب الایمان ج ۵ ص ۴۲۷' رقم الحدیث: ۷۱۴۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہاری بیماری اور دواء پر رہ نمائی نہ کروں' تمہاری بیماری گناہ ہیں اور تمہاری دواء استغفار ہے۔

(شعب الایمان ج ۵ ص ۴۲۸' رقم الحدیث: ۷۱۴۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

توحید کے مراتب

سب سے بڑا گناہ شرک ہے اور اس کا تدارک اور علاج توحید ہے اور توحید کے کئی مراتب ہیں' توحید الافعال' توحید الصفات اور توحید الذات۔

توحید الافعال کی طرف اشارہ اس آیت میں ہے:

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ○ (ابراہیم: ۱۲) اور توکل کرنے والے اللہ پر ہی توکل کرتے ہیں۔

توکل توحید الافعال کا نتیجہ ہے' کیونکہ توکل کا معنیٰ ہے: اپنے تمام معاملات کو اپنے مالک کے سپرد کر دینا اور پھر اسی پر اعتماد کرنا۔

اور توحید الصفات کی طرف اشارہ اس آیت میں ہے:

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ○ (الفجر: ۲۸۔۲۷) اے نفس مطمئنہ! اپنے رب کی طرف اس حال میں لوٹ جا کہ تو اس سے راضی ہو وہ تجھ سے راضی ہو ○

کیونکہ انسان جب اللہ تعالیٰ کی صفت ارادہ اور صفت قضاء و قدر پر راضی ہوتا ہے تو اس کے اوپر جو مصائب اور آلام آتے ہیں وہ ان کی شکایت نہیں کرتا اور وہ صرف یہ سوچ کر خوش اور راضی رہتا ہے کہ اس کے مالک اور مولیٰ کی طرف سے اس پر جو حال بھی طاری کیا جائے وہ اس کا کرم ہے اور اس کا لطف ہے اور تقدیر کے نافذ ہونے سے وہ خوش' مطمئن اور راضی ہوتا ہے اور یہ مرتبہ توحید الصفات کا ثمرہ ہے۔

اور توحید الذات کی طرف اشارہ ان آیتوں میں ہے:

كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ (القصص: ۸۸) اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ○ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ○ (الرحمان: ۲۷۔۲۶) زمین پر جو بھی ہیں وہ سب فنا ہونے والے ہیں ○ صرف آپ کے رب کی ذات باقی رہے گی جو جلال اور اکرام والی ہے ○

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں توحید کے ان تینوں مراتب پر ایمان عطا فرمائے۔

الجاثیہ:۲۱ میں فرمایا: ''جن لوگوں نے (برسرعام) گناہ کیے ہیں' کیا انہوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم ان کی زندگی اور موت کو مؤمنین اور صالحین کے برابر کر دیں گے' یہ کیسا بُرا فیصلہ کر رہے ہیں O''

جرح اور اجتراح کا معنیٰ

اس آیت میں ''اجترحوا'' کا لفظ ہے' اس کا مادہ جرح ہے' جرح کا معنیٰ ہے: زخمی کرنا' کمانا اور کسب کرنا' علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ اس کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الجرح کا معنیٰ ہے: کھال میں بیماری کا اثر ظاہر ہونا اور زخم' ''جرحہ'' کا معنیٰ ہے: اس کو زخمی کیا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ (المائدہ:۴۵) اور زخموں میں بدلہ ہے۔

شکاری کتوں کو' چیتوں کو اور چیرنے پھاڑنے والے پرندوں کو جارحۃ کہا جاتا ہے اور اس کی جمع جوارح ہے' کیونکہ جانور دوسروں کو زخمی کرتے ہیں یا کسب کرتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ. (المائدہ:۴) اور جن شکاری جانوروں کو تم نے سدھالیا اس حال میں کہ تم ان کو شکار کرنا سکھانے والے ہو۔

انسان کے کسب کرنے والے اعضاء کو جوارح کہا جاتا ہے اور ان کو ان شکاری جانوروں کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے اور الاجتراح کا معنیٰ ہے: گناہ کا کسب کرنا یا گناہ کمانا' قرآن مجید میں ہے:

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ. کیا جن لوگوں نے گناہ کیے ہیں انہوں نے گمان کیا ہے۔

(الجاثیہ:۲۱)

(المفردات ج ۱ ص ۱۱۸۔۱۱۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

کفار کی زندگی اور موت کا مسلمانوں کے برابر نہ ہونا

سیئات سے مراد کفر اور گناہ کبیرہ ہیں' یعنی کیا کفار اور فساق نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم ان کو ایمان والوں اور نیک اعمال کرنے والوں کے برابر کر دیں گے اور ان کو وہی اجر و ثواب اور عزت اور مرتبہ دیں گے جو مؤمنین اور صالحین کو دیں گے اور ان کی زندگی اور موت مؤمنین اور صالحین کی زندگی اور موت کی مثل ہو گی' ہرگز نہیں' یہ دونوں فریق برابر نہیں ہیں' کیونکہ مؤمنین اور صالحین کو زندگی اور موت میں ایمان اور اطاعت کا شرف حاصل ہوتا ہے اور موت کے وقت وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی رضا میں ہوتے ہیں۔ ان کی روح قبض کرنے کے لیے فرشتے بہت حسین و جمیل صورتوں میں آتے ہیں اور بہت آسانی سے ان کی روح قبض کرتے ہیں جیسے گندھے ہوئے آٹے سے بال نکالا جاتا ہے اور کافر کی روح قبض کرنے کے لیے بہت ڈراؤنی شکل میں فرشتے آتے ہیں اور بہت سختی کے ساتھ اس کی روح نکالتے ہیں جیسے کیچڑ اور گارے میں پھنسی ہوئی کانٹوں کی شاخ کو نکالا جاتا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب کسی شخص پر موت کا وقت آتا ہے تو اس کے پاس فرشتے آتے ہیں پس اگر وہ شخص نیک ہو تو فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ اے پاکیزہ روح! تو پاکیزہ جسم میں تھی تو تعریف اور تحسین کیے جانے کی حالت میں نکل آ' تجھے خوشی اور راحت کی بشارت ہو اور رب کے ناراض نہ ہونے کی خوشی ہو' اس سے یونہی کہا جاتا رہے گا حتیٰ کہ اس کی روح نکل آئے گی۔ پھر اس کو آسمان کی طرف اوپر لے جایا جائے گا اور اس کے لیے آسمان کا دروازہ کھول دیا جائے گا' پھر کہا جائے گا: یہ کون ہے؟ فرشتے کہیں گے: یہ فلاں شخص ہے تو کہا جائے گا کہ پاکیزہ روح کو خوش آمدید ہو یہ پاکیزہ جسم

میں تھی تو تعریف وتحسین کے ساتھ داخل ہو اور راحت کی بشارت کو قبول کر اور رب کے ناراض نہ ہونے کو اس سے یونہی کہا جاتا رہے گا' حتیٰ کہ وہ اس آسمان میں پہنچ جائے گی جس میں اللہ سبحانہٗ ہے اور جب فرشتے کسی فاجر کی روح قبض کرنے کے لیے جائیں تو اس سے کہتے ہیں: اے خبیث روح! تو خبیث جسم میں تھی' تو اس حال میں نکل کہ تیری مذمت کی جا رہی ہے' تیرے لیے گرم پانی اور پیپ (کے پینے) اور اسی طرح کے اور عذابوں کی بشارت ہے' اس سے یونہی کہا جاتا رہے گا' حتیٰ کہ وہ روح نکل آئے گی' پھر اس کو اوپر آسمان کی طرف لے جایا جائے گا' پھر اس کے متعلق پوچھا جائے گا: یہ کون ہے؟ تو بتایا جائے گا کہ یہ فلاں شخص ہے' تو کہا جائے گا: یہ خبیث روح جو خبیث جسم میں تھی اس کو خوش آمدید نہ ہو' تو مذموم ہونے کے حال میں واپس جا' تیرے لیے آسمانوں کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے' پھر اس کو آسمان سے بھیج دیا جائے گا اور وہ قبر میں چلی جائے گی۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۶۲' مسند احمد ج ۲ ص ۳۶۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب مومن کی روح نکلتی ہے اور انہوں نے اس کی خوشبو کا ذکر کیا' تو دو فرشتے اس روح کو اوپر لے جاتے ہیں اور آسمان کے فرشتے کہتے ہیں کہ یہ پاکیزہ روح زمین کی جانب سے آئی ہے۔ تجھ پر اللہ کی رحمت ہو اور جس جسم میں تو تھی اس پر بھی اللہ کی رحمت ہو' پھر اس روح کو اس کے رب کے پاس لے جایا جائے گا' پھر اللہ فرمائے گا: اس روح کو اس کی آخری میعاد تک لے جاؤ اور جب کافر کی روح نکلتی ہے' پھر حضرت ابو ہریرہ نے اس کی بدبو اور لعنت کا ذکر کیا اور آسمان والے کہتے ہیں کہ یہ خبیث روح زمین کی جانب سے آئی ہے' پھر کہا جائے گا: اس کو اس کی آخری میعاد تک لے جاؤ۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۲)

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ نے ایک طویل حدیث میں بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کی روح جسم سے اس طرح نکلتی ہے جس طرح مشک سے پانی کے قطرے نکلتے ہیں اور کافر کی روح اس کے جسم سے اس طرح نکلتی ہے جس طرح لوہے کی سلاخ بھیگے ہوئے اون سے نکلتی ہے۔ الحدیث (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۵۳' مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا: (کامیاب) زندگی وہ ہے جو تمہاری زندگی ہے اور (کامیاب) موت وہ ہے جو تمہاری موت ہے۔

(صحیح مسلم' کتاب الجہاد' باب فتح مکہ رقم الحدیث: ۸۶' الرقم بلاتکرار: ۱۷۸۰)

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ مومن صالح کی زندگی اور موت میں اور کافر اور فاجر کی زندگی میں بہت بڑا فرق ہے اور ان دونوں کی زندگی اور موت میں بہت بڑا فرق ہے اور وہ ہرگز ایک دوسرے کے مساوی نہیں ہیں۔

کفار قریش یہ کہتے تھے کہ ہم دنیا میں مسلمانوں سے زیادہ اچھے حال میں ہیں' ہمارے پاس مال و دولت ہے' ہمارے ماتحت زیادہ اور ہمارے پاس زیادہ شوکت اور طاقت ہے اور جو دنیا میں زیادہ خوش حال اور طاقت ور ہو وہی آخرت میں بھی خوش حال اور طاقت ور ہو گا' لہٰذا اگر مسلمان یہ کہتے ہیں کہ ان کی آخرت اچھی ہو گی تو ہماری آخرت بھی اچھی ہو گی' اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کا رد فرمایا کہ جن لوگوں نے (برسر عام) گناہ کیے ہیں' کیا انہوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم ان کی زندگی اور موت کو مؤمنین اور صالحین کے برابر کر دیں گے' یہ کیسا بُرا فیصلہ کر رہے ہیں ○ اس کے علاوہ اس مضمون کی حسب ذیل آیات ہیں:

إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ○ يَوْمَ لَا يَنفَعُ الظَّالِمِينَ مَعْذِرَتُهُمْ

بے شک ہم اپنے رسولوں کی اور مؤمنوں کی دنیا کی زندگی میں بھی مدد کریں گے اور اس دن بھی جب گواہی دینے والے

وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝ (المومن: ٥٢-٥١)

جس دن ظالموں کو ان کی معذرت سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا' ان کے لیے لعنت ہی ہوگی اور ان کے لیے بُرا گھر ہوگا ۝

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ۝ مَا لَكُمْ ٝ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝ (القلم: ٣٦-٣٥)

کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں کے برابر کر دیں گے ۝ تمہیں کیا ہوا' تم کیسا فیصلہ کر رہے ہو ۝

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ۝ (ص: ٢٨)

کیا ہم ایمان والوں کو اور نیک عمل کرنے والوں کو ان کے برابر کر دیں گے جو زمین میں فساد کرتے رہتے ہیں یا ہم متقین کو فجار کے برابر کر دیں گے ۝

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ

اور اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا کیا اور تاکہ ہر شخص کو اس کے کام کا بدلہ دیا جائے اور ان پر

بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٢﴾ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ

ظلم نہیں کیا جائے گا ۝ پس کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا

هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ

اور اللہ نے اس کو علم کے باوجود گم راہ کر دیا اور اس کے کان اور اس کے دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھ

عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ط فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ط اَفَلَا

پر پردہ ڈال دیا' پس اللہ کے بعد اس کو کون ہدایت دے سکتا ہے' تو کیا

تَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا

تم نصیحت قبول نہیں کرتے ۝ اور انہوں نے کہا: ہماری تو صرف یہی دنیا کی زندگی ہے' ہم (اسی

وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ج وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ج اِنْ هُمْ

دنیا میں) مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں صرف دہر (زمانہ) ہلاک کرتا ہے (اور واقعہ یہ ہے کہ) انہیں

اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿٢٤﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ

اس کا کچھ علم نہیں وہ محض گمان کر رہے ہیں ۝ اور جب ان پر ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں تو ان کی جوابی دلیل صرف

اِلَّآ اَنۡ قَالُوا ائۡتُوۡا بِاٰبَآئِنَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ

یہ ہوتی ہے کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے (مرے ہوئے) باپ دادا کو لے آؤ O آپ کہیے کہ اللہ ہی تم

يُحۡيِيۡكُمۡ ثُمَّ يُمِيۡتُكُمۡ ثُمَّ يَجۡمَعُكُمۡ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ وَلٰكِنَّ

کو زندہ کرتا ہے' پھر (وہی) تم پر موت لائے گا' پھر قیامت کے دن تم سب کو جمع فرمائے گا جس (کے وقوع)

اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۶﴾ ع

میں کوئی شک نہیں ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا کیا اور تاکہ ہر شخص کو اس کے کام کا بدلہ دیا جائے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا O پس کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا اور اللہ نے اس کو علم کے باوجود گم راہ کر دیا اور اس کے کان اور اس کے دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا' پس اللہ کے بعد اس کو کون ہدایت دے سکتا ہے' تو کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے O (الجاثیہ: ۲۳۔۲۲)

اللہ سبحانہٗ کا کفار اور فجار کو عذاب دینا اس کا ظلم نہیں عدل ہے

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے اور عارفین کو کائنات کے ذرہ ذرہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی آیات اور تجلیات نظر آتی ہیں اور زمینوں اور آسمانوں کو پیدا کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت عدل اور اس کی صفت رحم کا اظہار ہو' کفار کو جو اللہ سبحانہٗ ان کے گناہوں کی سزا دے گا یہ اس کا عدل ہے اور مؤمنین کو جو اللہ تعالیٰ ثواب عطا فرمائے گا یہ اس کا فضل ہے' اس لیے فرمایا: ''اور تاکہ ہر شخص کو اس کے کام کا بدلہ دیا جائے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا''۔

بعض بے دین اور دہریے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ظالم کو پیدا کیا اور اس کو کمزور اور مظلوم پر مسلط کر دیا' پھر کئی مرتبہ وہ ظالم سے مظلوم کا انتقام نہیں لیتا اور یہ اللہ کا ظلم ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کا مالک ہے اور مالک اپنی ملک میں جو چاہے تصرف کرے' یہ اس کا ظلم نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا يُسۡـَٔلُ عَمَّا يَفۡعَلُ وَهُمۡ يُسۡـَٔلُوۡنَ O   اللہ سے اس کے فعل کا سوال نہیں کیا جائے گا اور لوگوں سے سوال کیا جائے گا O (الانبیاء: ۲۳)

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ بہ ظاہر بھی ظلم نہیں ہے' ظلم اس وقت ہوتا جب اس جہان کے بعد کوئی اور جہان نہ ہوتا' اللہ تعالیٰ اس جہان کے بعد ایک اور جہان پیدا فرمائے گا' جہاں ظالم کو اس کے ظلم کرنے پر سزا دی جائے گی اور مظلوم کو اس کے ظلم سہنے پر جزاء دی جائے گی اور دنیا میں اللہ تعالیٰ ظالم پر گرفت نہیں فرماتا بلکہ اس کو ڈھیل دیتا رہتا ہے تاکہ اس کو رجوع کرنے کا موقع ملے' لیکن جب وہ اپنے مظالم کا تدارک نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ آخرت میں اس پر سخت گرفت فرماتا ہے اور مظلوم کو دنیا میں جزاء نہیں دیتا تاکہ وہ اپنی مظلومیت پر مسلسل صبر کرتا رہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ اس کو زیادہ اجر و ثواب عطا فرمائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی ایک حکمت ہے اور اس کے افعال کی بے شمار حکمتیں ہوتی ہیں اور ہم ناقص اور ناتمام علم والے اس علیم و حکیم کے علم اور حکمتوں کو مکمل طور سے کب جان سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف اپنی خواہشوں پر عمل کرنا اپنی خواہشوں کی عبادت کرنا ہے

الجاثیہ: ۲۳ میں فرمایا: ''پس کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا''۔ الآیۃ

کتنی بار ایسا ہوتا ہے کہ ہمارا دل کسی کام کرنے کو چاہتا ہے اور ہم کو علم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے اس کام سے منع کیا ہے اور وہ اس سے ناراض ہوتا ہے لیکن ہم اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے باوجود اس کام کو کرتے ہیں اور اپنی خواہش پر عمل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل نہیں کرتے' سو بتائیں کہ ان مواقع پر ہم اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کرتے ہیں یا اپنی خواہش کی اتباع اور اپنے نفس کی اطاعت اور اس کی عبادت کرتے ہیں' اگر ہم اپنے دن اور رات کے تمام کاموں کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے دن اور رات میں کم سر جھکاتے ہیں اور اپنی خواہش کے سامنے زیادہ سر جھکاتے ہیں۔

اسی طرح کوئی شخص اپنی خواہش سے حضرت عیسیٰ یا حضرت عزیر کی عبادت کرتا ہے' کوئی رام اور کرشن کی عبادت کرتا ہے' کوئی لات اور منات کی عبادت کرتا ہے' کوئی ستاروں کی عبادت کرتا ہے' کوئی آگ اور پیپل کی عبادت کرتا ہے' یہ سب اپنی خواہش کے بنائے ہوئے بتوں کی پوجا کرتے ہیں' اللہ کی عبادت نہیں کرتے۔

بعض بندوں کو رسول بنانے اور بعض کو گمراہ بنانے کی توجیہ

اس کے بعد فرمایا: ''اور اللہ نے اس کو علم کے باوجود گمراہ کر دیا''۔

اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا' اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں اپنے نفس کی اطاعت کی اور اپنی خواہش کے آگے سر جھکایا' حالانکہ اس کو علم تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کاموں سے راضی نہیں ہے اور اس نے ان کاموں سے منع فرمایا ہے' اس کے باوجود اس نے اپنے علم کے تقاضے پر عمل نہیں کیا اور اس نے علم کے باوجود گمراہی کو اختیار کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر گمراہی کو پیدا کر دیا اور اس معنیٰ کو اللہ تعالیٰ نے یوں تعبیر فرمایا: ''اور اللہ نے اس کو علم کے باوجود گمراہ کر دیا''۔

اللہ تعالیٰ کو اس کے متعلق علم تھا کہ اس کی روح کا جوہر نیکی اور پرہیز گاری کو قبول نہیں کرے گا اور جب اس کو اختیار دیا جائے گا تو وہ ہدایت کے مقابلہ میں گمراہی کو اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے کفر اور گمراہی کو مقدر کر دیا اور جس کے متعلق اللہ کو علم تھا کہ اس کی روح کا جوہر نیکی کو اور تقویٰ اور طہارت کو قبول کرے گا وہ نہ صرف نیک ہوگا بلکہ دوسروں کو نیک بنائے گا اور اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ اور اشاعت کے راستے میں ہر قسم کی مشقت اور صعوبت کو برداشت کرے گا' اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبوت اور رسالت کو مقدر کر دیا' لہٰذا فرمایا:

اَللّٰهُ اَعۡلَمُ حَيۡثُ يَجۡعَلُ رِسَالَتَهٗ ۔ (الانعام: ۱۲۴) اللہ کو خوب علم ہے کہ وہ اپنی رسالت کو کہاں رکھے گا۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ فرماتے ہیں:

تحقیق یہ ہے کہ ارواح بشریہ کے جواہر مختلف ہوتے ہیں' ان میں سے بعض مشرقہ نورانیہ علویہ الٰہیہ ہوتے ہیں جن کا اللہ کی ذات وصفات کی طرف میلان ہوتا ہے اور بعض میلے سفلیہ ہوتے ہیں جن کا جسمانی شہوتوں کی طرف بہت زیادہ میلان ہوتا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے جوہر ذات کے اعتبار سے اور اس کی حقیقت اور اس کی صلاحیت کے اعتبار سے اس کے متعلق ارشاد فرمایا' پس مردودین کے متعلق فرمایا:

وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلۡمٍ ۔ (الجاثیہ: ۲۳) اور اس کو اللہ نے علم کے باوجود گمراہ کر دیا۔

اور مقبولین کے متعلق فرمایا:

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ. (الانعام: ۱۲۴) — اللہ کو خوب علم ہے کہ وہ اپنی رسالت کو کہاں رکھے گا۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۶۷۸' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

کفار کے کان اور دل پر مہر لگانے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈالنے کی توجیہ

اس کے بعد فرمایا: ''اور اس کے کان اور اس کے دل پر مہر لگادی اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا''۔

اس کے کان پر مہر لگادی یعنی اس کے کان کو ایسا بنادیا کہ وہ وعظ اور نصیحت کو قبول نہیں کرتا اور حق بات کو قبول نہیں کرتا اور اس کے دل پر مہر لگانے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید کے دلائل اور نشانیوں میں غور وفکر نہیں کرتا اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا ارادہ نہیں کرتا اور حق کے پیغام کو قبول نہیں کرتا اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا' جو دیکھنے اور اعتبار کرنے سے مانع ہے' غشاوۃ سے مراد وہ پردہ ہے جو آنکھوں کو ڈھانپ لے اور اس کے لیے دیکھنے اور اعتبار کرنے سے مانع ہو۔ اور غشاوۃٌ میں تنکیر تنویع کے لیے ہے' یعنی یہ ایک خاص نوع کا پردہ ہے اور یا تنوین تعظیم کے لیے ہے یعنی یہ بہت عظیم پردہ ہے۔

اس آیت کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے:

اللہ سبحانہٗ نے کفار مکہ کے کان پر مہر لگادی' پس ان کو ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب سننے سے محروم رکھا اور ان کے دل پر مہر لگادی تو ان کو آپ کے خطاب کے سمجھنے اور اس کے حقائق اور دقائق' اس کے نکات اور اس کے اسرار و رموز سمجھنے سے محروم رکھا اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تو ان کو آپ کے حسن و جمال کے دیدار کرنے سے محروم رکھا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ (الاعراف: ۱۹۸)

اور اگر آپ ان کو ہدایت کی طرف دعوت دیں تو وہ نہیں سنیں گے اور آپ ان کو اس حال میں دیکھیں گے کہ وہ (بہ ظاہر) آپ کی طرف دیکھ رہے ہوں گے اور وہ (حقیقت میں آپ کو) بالکل نہیں دیکھ سکتے ○

شاہ ولی اللہ اپنے والد شاہ عبدالرحیم سے حکایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

شاہ عبدالرحیم فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا اور آپ سے یہ سوال کیا کہ جمال یوسف کو دیکھ کر مصر کی عورتوں نے انگلیاں کاٹ لی تھیں' پھر کیا وجہ ہے کہ آپ کو دیکھ کر کسی نے اپنی انگلیاں نہیں کاٹیں؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے غیرت کی وجہ سے میرے جمال کو لوگوں کی نگاہوں سے مخفی رکھا۔

(انفاس العارفین ص ۱۰۲' ملخصاً' مطبوعہ اسلامک بک فاؤنڈیشن' لاہور' ۱۳۹۸ھ' الدر الثمین ص ۷' مطبوعہ دہلی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو سننا اور آپ کا ادراک کرنا اور آپ کے جمال جہاں آراء کو دیکھنا ایک نعمت ہے۔ کفار کو ان کے کفر کی وجہ سے اس نعمت سے محروم رکھا گیا' آپ کے کلام کو سننے کے لیے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے کان ہونے چاہئیں اور آپ کے چہرۂ انور کو دیکھنے کے لیے حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی آنکھیں چاہئیں' کفار کی آنکھیں کب اس لائق تھیں کہ آپ کا دیدار کرسکتیں' کفار یہ کہتے تھے:

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ (حٰم السجدۃ: ۵)

کفار نے کہا: جس دین کی طرف آپ ہمیں دعوت دے رہے ہیں اس کے متعلق غور کرنے کے لیے ہمارے دلوں میں پردے

ہیں اور اس کو سننے کے متعلق ہمارے کانوں میں ڈاٹ (بہرہ
پن) ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان حجاب ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کفار نے کہا: ہم آپ کے پیغام کے متعلق سوچتے نہیں' آپ کا کلام سنتے نہیں اور آپ کو دیکھتے نہیں' اللہ تعالیٰ نے الجاثیہ: ۲۳ میں فرمایا: اس کے کان اور اس کے دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا اور اس طرح یہ بتایا کہ واقعہ یہ نہیں ہے کہ تم ان کو سنتے نہیں ہو اور ان کو دیکھتے نہیں ہو' بلکہ ہم تمہیں ان کا کلام سناتے نہیں اور ان کا جمال دکھاتے نہیں۔

اس آیت کی ایک اور توجیہ اس طرح ہے کہ جب کوئی چیز اپنے مقصد اور غرض و غایت سے خالی ہو تو گویا کہ وہ چیز نہیں ہے' سو اللہ تعالیٰ نے کان اس لیے دیئے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو آپ سے بہ غور سنیں' دل اس لیے دیا تھا کہ آپ کے پیغام کو دل سے قبول کریں اور آنکھیں اس لیے دی تھیں کہ آپ کے حسن و جمال کو محبت سے دیکھیں اور جب انہوں نے آپ کے پیغام کو بہ غور نہیں سنا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا'' صُمٌّ '' (البقرہ: ۱۸) یہ بہرے ہیں اور جب زبان سے آپ کا کلمہ نہیں پڑھا تو فرمایا: '' بُكْمٌ '' (البقرہ: ۱۸) یہ گونگے ہیں اور جب آپ کو محبت کی آنکھ سے نہیں دیکھا تو فرمایا: '' عُمْيٌ '' (البقرہ: ۱۸) یہ اندھے ہیں اور جب انہوں نے آپ کے پیغام کو دل سے قبول نہیں کیا تو فرمایا: '' خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ '' (البقرہ: ۷) اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔ حاصل یہ ہے کہ آنکھیں اس کی ہیں جو محبت سے آپ کو دیکھے' کان اس کے ہیں جو محبت سے آپ کی باتیں سنیں اور زبان اس کی ہے جو محبت سے آپ کا کلمہ پڑھے۔

سورۃ البقرہ اور سورۃ الجاثیہ دونوں میں کانوں اور دلوں پر مہر لگانے کے الگ الگ محامل

اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کے کانوں اور دلوں پر مہر اور ان کی آنکھوں پر پردے کا ذکر' سورۃ البقرہ: ۷ میں بھی کیا ہے اور یہاں الجاثیہ: ۲۳ میں بھی اس کا ذکر فرمایا ہے' اب ہم یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان دونوں آیتوں میں کیا فرق ہے۔

سورۃ البقرہ میں فرمایا:

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۔ (البقرہ: ۷)

اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی اور ان کے کانوں پر' اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔

اور یہاں فرمایا:

وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ۔ (الجاثیہ: ۲۳)

اللہ نے اس کے کان اور اس کے دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔

سورۃ الجاثیہ میں اللہ تعالیٰ نے پہلے کان کا ذکر فرمایا ہے اور پھر دل کا ذکر فرمایا ہے اور سورۃ البقرہ میں پہلے دل کا ذکر فرمایا ہے اور پھر کان کا' کان اور دل کے مدرکات میں فرق یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان پہلے ایک کلام کو سنتا ہے پھر اس کا دل میں اثر ہوتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان کے دل میں پہلے سے کسی کے خلاف بغض اور حسد ہوتا ہے تو جب وہ اس کا کلام سنتا ہے تو اس بغض کی بناء پر بے توجہی سے سنتا ہے اور پہلی صورت میں اس کے ظاہری اعضاء کا اثر دل پر ہوتا ہے اور دوسری صورت میں اس کے دل کا اثر اس کے ظاہری اعضاء پر ہوتا ہے' سورۃ الجاثیہ میں پہلے کان کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد دل کا یعنی کان سے سننے کا اثر دل پر ہوتا ہے' کفار مکہ لوگوں سے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ کہتے تھے کہ یہ کاہن اور شاعر ہیں اور انہوں نے ملک اور اقتدار کے حصول کے لیے نبوت کا دعویٰ کیا ہے' پس جب ناواقف لوگ کفار مکہ سے یہ باتیں سنتے تو ان کے دلوں پر اثر ہوتا تو ان کے دلوں میں آپ کے خلاف غم و غصہ پیدا ہوتا اور وہ آپ سے منتشر ہو جاتے اور یہ کانوں

سے دل کے متاثر ہونے کی صورت ہے اور اس پر سورۃ الجاثیہ محمول ہے اور دل کا اثر کانوں پر ہونے کا سورۃ البقرہ میں ذکر ہے کیونکہ جب دل میں کسی کے خلاف بغض اور حسد ہو تو وہ اس کی بات سنتا ہی نہیں یا بے دلی اور بے توجہی سے سنتا ہے اور اس کی طرف سورۃ البقرہ میں اشارہ ہے اس لیے وہاں پہلے دلوں کا ذکر فرمایا اور پھر کانوں کا۔

جو اللہ' رسول اور ائمہ کو ہادی نہیں مانے گا وہ شیطان کا متبع ہوگا

اس کے بعد فرمایا: ''پس اللہ کے بعد اس کو کون ہدایت دے سکتا ہے تو کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے O''

یعنی جب اللہ تعالیٰ نے کفار کی سرکشی' ان کے عناد اور ان کی ہٹ دھرمی کی بناء پر ان کو اندھا' بہرا اور گونگا بنا دیا اور ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے تو اب ان کو ہدایت دینے پر کون قادر ہو سکتا ہے' پس تم کو یہ جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ہدایت دینے پر قادر نہیں ہے تو اب تم کیوں نصیحت کو قبول نہیں کرتے۔

اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ جو شخص صرف عقل کو رہ نما مانتا ہے اور قرآن اور حدیث کو رہ نما نہیں مانتا اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی کی تقلید نہیں کرتا اور اپنے زمانہ کے اہل فتویٰ علماء کو حجت تسلیم نہیں کرتا اور قانونِ شریعت کا قلادہ اپنے گلے میں نہیں ڈالتا اور اپنی نفسانی خواہشوں کو پورا کرنے میں لگا رہتا ہے اور دہریوں اور بے دینوں کے افکار کا تابع ہے' ان کے عقلی شبہات کو براھین قاطعہ سمجھتا ہے اور شیطان کے جال میں پھنسا ہوا ہے' وہ ہر قسم کی گمراہی میں بھٹکا ہوا ہے اور اس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا: ہماری تو صرف یہی دنیا کی زندگی ہے' ہم (اسی دنیا میں) مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں صرف دہر (زمانہ) ہلاک کرتا ہے (اور واقعہ یہ ہے کہ) انہیں اس کا کچھ علم نہیں' وہ محض گمان کر رہے ہیں O اور جب ان پر ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو ان کی جوابی دلیل صرف یہ ہوتی ہے کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے (مرے ہوئے) باپ دادا کو لے آؤ O آپ کہیے کہ اللہ ہی تم کو زندہ کرتا ہے' پھر (وہی) تم پر موت لائے گا' پھر قیامت کے دن تم سب کو جمع فرمائے گا جس (کے وقوع) میں کوئی شک نہیں اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O (الجاثیہ: ۲۶-۲۴)

کفار کے نقل کردہ قول پر ایک اعتراض کا جواب

ان آیتوں میں اللہ سبحانہٗ نے کفار مکہ کے قیامت اور حشر و نشر کے متعلق شبہات کو زائل فرمایا ہے' اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ انہوں نے قیامت کا انکار کرتے ہوئے کہا کہ ہم (اسی دنیا میں) مرتے اور جیتے ہیں' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ان پر واجب تھا کہ وہ یوں کہتے کہ ہم اسی دنیا میں جیتے اور مرتے ہیں کیونکہ دنیا میں حیات پہلے ہے اور پھر اس کے بعد موت آتی ہے' پھر کیا وجہ ہے کہ ان کے نقل کیے ہوئے قول میں پہلے موت ہے اور اس کے بعد زندگی کا ذکر ہے۔ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اس قول میں جس موت کا پہلے ذکر کیا ہے اس سے مراد وہ نطفہ ہے جو ان کے آباء کی پشت میں تھا اور وہ نسوانی بیضہ ہے جو ان کی ماؤں کے رحم میں ہوتا ہے' ہر چند کہ نطفہ اور بیضہ میں زندہ جرثومے ہوتے ہیں لیکن ظاہری صورت میں وہ پانی غیر متحرک اور مردہ ہوتا ہے' اس لیے ظاہری طور پر اس کو موت سے تعبیر فرمایا۔

(۲) ان کے قول کی توجیہ یہ ہے کہ ہم دنیا میں مرتے ہیں' پھر ہماری اولاد زندہ رہتی ہے۔

(۳) ان کا مطلب یہ تھا کہ بعض لوگ مر جاتے ہیں اور بعض لوگ زندہ رہتے ہیں۔

(۴) موت سے ان کی مراد یہ تھی جو لوگ مر چکے ہیں اور حیات سے ان کی مراد ان لوگوں کی حیات تھی جو ابھی زندہ ہیں اور ان

پر بعد میں موت آئے گی۔

دہر کا لغوی اور عرفی معنیٰ

انہوں نے کہا: ہمیں صرف دہر (زمانہ) ہلاک کرتا ہے' اس قول میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کا انکار کیا اور اس طرح انہوں نے پہلے قول میں قیامت اور حشر ونشر کا انکار کیا تھا اور اب اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کا انکار کیا' ان کا کہنا تھا کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اشیاء کے طبعی خواص سے ہو رہا ہے یا افلاک کی حرکات سے ہو رہا ہے۔ اس آیت میں چونکہ دہر کا ذکر آ گیا ہے اس لیے ہم دہر کے متعلق تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ دہر کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اصل میں دہر کا معنیٰ ہے: اس جہان کے وجود میں آنے سے لے کر اس کے اختتام تک کی مدت' اسی اعتبار سے قرآن مجید میں ہے:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ○ (الدھر: ۱)

بے شک انسان پر زمانہ کا ایک وقت ایسا گزرا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا ○

پھر استعمال میں ہر مدت کثیرہ کو دہر کہا جاتا ہے' اس کے برخلاف زمانہ کا اطلاق قلیل اور کثیر دونوں مدتوں پر ہوتا ہے' کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کا دہر' اس سے مراد اس شخص کی حیات ہوتی ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ زمانہ نے فلاں شخص پر مصائب نازل کر دیئے۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۳۰' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ مجد الدین المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری التوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اہل عرب کی عادت ہے کہ وہ دہر کی مذمت کرتے ہیں اور مصائب اور حوادث کی زمانہ کی طرف نسبت کرتے ہیں اور طویل زمانہ کو دہر کہتے ہیں اور دنیا کی کل زندگی کو بھی دہر کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ کو برا کہنے اور اس کو سب وشتم کرنے سے منع فرمایا ہے' یعنی ان حوادث اور مصائب کے فاعل کو برا نہ کہو کیونکہ جب تم مصائب کے فاعل اور خالق کو برا کہو گے تو تمہارا یہ سب وشتم اللہ پر واقع ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے ارادہ کے موافق ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے نہ کہ دہر' اور تمام حوادث کو لانے والا اللہ سبحانہٗ ہے نہ کہ اس کا کوئی غیر' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے اس عقیدہ کا رد فرمایا ہے کہ مصائب اور حوادث کو لانے والا دہر ہے۔ (النہایہ ج ۲ ص ۱۳۴۔۱۳۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

دہر کے متعلق احادیث

دہر کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: ابن آدم دہر کو برا کہتا ہے اور میں (خالق) دہر ہوں' میرے ہی ہاتھ میں رات اور دن کی گردش ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۸۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۴۶' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۴۸۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے کہ ابن آدم دہر کو برا کہہ کر مجھے اذیت پہنچاتا ہے' میں (خالق) دہر ہوں' رات اور دن کو گردش دیتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۲۶' صحیح مسلم رقم الحدیث المسلسل: ۵۷۵۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۷۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: جب

ابن آدم کہتا ہے: اے دہر کی ناکامی! تو وہ مجھے اذیت پہنچاتا ہے' لہٰذا تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے: اے دہر کی ناکامی یا نامرادی' پس بے شک میں (خالق) دہر ہوں' میں ہی رات اور دن کو گردش میں رکھتا ہوں اور میں جب چاہوں گا تو ان کو قبض کر لوں گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث المسلسل: ۵۷۵۶)

کلمات حدیث کی تشریح

اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: ابن آدم مجھے اذیت پہنچاتا ہے اس پر یہ سوال ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تو اذیت پہنچانا محال ہے' پھر اللہ تعالیٰ کو کون اذیت پہنچا سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اطلاق مجازی ہے یعنی ابن آدم میرے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہے جو ایک اذیت پہنچانے والا کسی شخص کے ساتھ کرتا ہے۔

احادیث میں ہے کہ میں دہر ہوں' اس کا معنیٰ ہم نے کیا ہے کہ میں خالق دہر ہوں کیونکہ دہر یعنی زمانہ تو ہر لمحہ اور ہر پل جاتا اور آتا رہتا ہے اور زائل اور متبدل ہے' جب کہ اللہ تعالیٰ باقی اور لافانی اور لازوال ہے۔

علماء نے بیان کیا ہے کہ ان احادیث کے وارد ہونے کا سبب یہ ہے کہ اہل عرب کی عادت یہ تھی کہ جب ان پر حوادث' نوازل اور مصائب نازل ہوتے' مثلاً کسی کا مال ضائع ہو جاتا' یا وہ بوڑھا ہو جاتا یا مر جاتا تو وہ کہتے تھے کہ دہر نے ایسا کر دیا۔ اردو شاعری میں بھی مظالم اور مصائب کا اسناد زمانہ' آسمان اور فلک کی طرف کیا جاتا ہے' اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دہر کو بُرا نہ کہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی دہر ہے' یعنی خالق دہر ہے' پس تم مصائب کے خالق کو بُرا نہ کہو کیونکہ جب تم اس کو بُرا کہو گے تو یہ بُرائی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو گی' کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ان مصائب کو نازل کرنے والا ہے۔ رہا دہر تو وہ تو زمانہ ہے' اس کی مصائب کو نازل کرنے میں کوئی تاثیر نہیں ہے' بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے۔

کفار اور دہریے بلا دلیل اللہ سبحانہ' کا انکار کرتے ہیں

اس کے بعد فرمایا: ''(اور واقعہ یہ ہے کہ) انہیں اس کا کچھ علم نہیں' وہ محض گمان کر رہے ہیں O''

یہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی الوہیت' اس کی توحید' قیامت اور حشر ونشر کا انکار کر رہے ہیں اور حوادث اور نوازل کا اسناد دہر اور زمانہ کی طرف کر رہے ہیں' ان کے پاس کوئی دلیل نہیں' یہ محض شکوک وشبہات میں مبتلا ہیں اور اسی بنیاد پر اپنے عقائد کی تعمیر کر رہے ہیں' اس کے برخلاف مسلمانوں کے عقائد دلائل قطعیہ اور نصوص صریحہ پر مبنی ہیں۔ وہ قیامت' حشر ونشر اور جنت اور دوزخ کو مانتے ہیں اور یہی انبیاء علیہم السلام اور جمیع مؤمنین کے عقائد ہیں اور جس کے یہ عقائد ہوں گے وہ نجات پالے گا اور جس کے عقائد اس کے خلاف ہوں گے وہ ہلاک ہو جائے گا اور ان عقائد کے لوازم سے یہ ہے کہ توحید پر ایمان لایا جائے اور یہ اعتقاد رکھا جائے کہ جو چیز بھی کائنات میں حادث ہوتی ہے' اس کا موجد اور خالق اللہ تعالیٰ ہے' کیونکہ وہی ہر چیز میں مؤثر ہے' اسی لیے دہر کو بُرا کہنے سے منع فرمایا ہے' کیونکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور تمام تصرفات اسی کی طرف راجع ہیں۔

حشر ونشر کے انکار پر کفار کی حجت کا جواب

الجاثیہ: ۲۵ میں فرمایا: ''اور جب ان پر ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو ان کی جوابی دلیل صرف یہ ہوتی ہے کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے (مرے ہوئے) باپ دادا کو لے آؤ O''

جو لوگ قیامت اور حشر ونشر کے منکر ہیں جب ان کے سامنے وہ واضح آیات پڑھی جاتی ہیں جن میں مرنے کے بعد دوبارہ پیدا ہونے کا ذکر فرمایا ہے' مثلاً:

قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ○ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ○ (یٰسین: ۷۹)

ایک کافر نے کہا: ان گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟○ آپ کہیے: ان ہڈیوں کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر پیدائش کو خوب جاننے والا ہے○

اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (حم السجدۃ: ۳۹)

بے شک جس ذات نے اس مردہ زمین کو زندہ کیا ہے وہی ضرور مردوں کو زندہ کرنے والا ہے' بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے○

ان آیات کے جواب میں کفار صرف یہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے مرے ہوئے باپ دادا کو لے آؤ' اس کو ان کی حجت فرمایا' حالانکہ ان کے اس قول میں یقینی دلیل نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک ان کی یہی حجت تھی یا اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان کی جو کچھ بھی حجت تھی وہ یہی تھی اور یہ ان کا نہایت ضعیف شبہ ہے کیونکہ جو چیز ابھی تک حاصل نہیں ہوئی ہے اس کے لیے یہ کب لازم ہے کہ وہ آئندہ بھی حاصل نہیں ہوگی تو اگر ابھی تک ان کے مرے ہوئے باپ دادا زندہ نہیں ہوئے تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ وہ آخرت میں بھی نہیں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کے وجود' اس کی توحید' قیامت اور حشر ونشر پر دلیل

الجاثیہ: ۲۶ میں فرمایا: ''آپ کہیے کہ اللہ ہی تم کو زندہ کرتا ہے' پھر وہی تم پر موت لائے گا' پھر قیامت کے دن تم سب کو جمع فرمائے گا' جس (کے وقوع) میں کوئی شک نہیں ہے○''

یہ کفار کے اس اعتراض کا جواب ہے کہ ہماری تو صرف یہی دنیا کی زندگی ہے ہم (اسی دنیا میں) مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں صرف دہر ہلاک کرتا ہے○ (الجاثیہ: ۲۴) پس اس قول کا قائل دہریہ ہے اور وہ اللہ سبحانہٗ اور قیامت کا منکر ہے' اب اعتراض یہ ہے کہ دہریہ کے اس اعتراض کا جواب اس آیت سے کیسے ہوگا کہ اللہ ہی تم کو زندہ کرتا ہے' پھر وہی تم پر موت لائے گا' پھر قیامت کے دن تم سب کو جمع فرمائے گا۔ (الجاثیہ: ۲۶) دہریہ تو ان سب چیزوں کو مانتا ہی نہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور اپنی توحید پر قرآن مجید کی متعدد آیات میں دلائل دیئے ہیں' اس کائنات کی تخلیق سے' آسمانوں' زمینوں اور ان کے درمیان کی چیزوں سے' حیوان اور انسان کی پیدائش سے اپنے وجود اور اپنی توحید پر بار بار استدلال فرمایا ہے کہ انسان کے جسم میں متعدد اعضاء ہیں' ان کی مقدار اور ان کی شکل وصورت ایک دوسرے سے مختلف ہے حالانکہ جسم ہونے اور جسم انسان کے اجزاء ہونے میں سب مساوی ہیں' پس ضروری ہے کہ اس مخصوص شکل اور مقدار کو عدم سے وجود میں لانے کے لیے کوئی مرجح ہو اور وہ مرجح ممکن نہیں ہوگا' ورنہ اس کے لیے پھر کوئی مرجح ضروری ہوگا اور اس سے تسلسل لازم آئے گا اور تسلسل باطل ہے' پس ضروری ہوا کہ انسان کے اعضاء کی مخصوص مقدار اور مخصوص شکل کا مرجح واجب ہو اور تعدد وجباء محال ہے' پس وہ مرجح واجب اور قدیم ہوگا اور واجب ہوگا اور جو مرجح واجب' قدیم اور واحد ہے وہی اللہ ہے تو واضح ہو گیا کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور جب ثابت ہو گیا کہ سب چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور جو پہلی بار سب چیزوں کو پیدا کرنے پر قادر ہے تو وہ دوبارہ بھی سب چیزوں کو پیدا کرنے پر قادر ہے' پس قیامت اور حشر کا ثبوت فراہم ہو گیا۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ

اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمینوں کی حکومت ہے اور جس روز قیامت قائم ہو گی اس دن باطل پرست

یَخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِیَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰۤى

سخت خسارے میں ہوں گےO اور آپ دیکھیں گے کہ ہر جماعت (اس دن) گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہو گی' ہر جماعت کو

اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا یَنْطِقُ

اس کے صحیفۂ اعمال کی طرف بلایا جائے گا' (ان سے کہا جائے گا:) آج تمہیں ان کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھےO یہ

عَلَیْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَمَّا الَّذِیْنَ

ہمارا لکھا ہوا ہے جو تمہارے متعلق حق بیان کر رہا ہے' تم جو کچھ بھی کرتے تھے ہم (اس کو) لکھتے رہتے تھےO پس جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِیْ رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ

ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان کو ان کا رب اپنی رحمت میں داخل فرما لے گا' یہی واضح

الْمُبِیْنُ ﴿۳۰﴾ وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۫ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰى عَلَیْكُمْ

کامیابی ہےO اور جن لوگوں نے کفر کیا (ان سے کہا جائے گا:) کیا تمہارے سامنے میری آیات نہیں پڑھی جاتی تھیں'

فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا قِیْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ

پس تم نے تکبر کیا اور تم مجرم لوگ تھےO اور جب (تم سے) کہا جاتا کہ بے شک اللہ کا وعدہ

حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَیْبَ فِیْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِیْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ

برحق ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں ہے تو تم کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے' ہم محض

نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَیْقِنِیْنَ ﴿۳۲﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَیِّاٰتُ مَا

گمان کرتے تھے اور ہم یقین کرنے والے نہ تھےO اور ان کے تمام کاموں کی برائیاں

عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَقِیْلَ الْیَوْمَ نَنْسٰىكُمْ

ان پر ظاہر ہو جائیں گی اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑاتے تھے وہ ان کا احاطہ کر لے گاO اور (ان سے) کہا جائے گا: آج ہم

كَمَا نَسِیْتُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ

تمہیں اسی طرح فراموش کر دیں گے جس طرح تم نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے اور تمہارا

نٰصِرِیْنَ ﴿۳۴﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّ غَرَّتْكُمُ

کوئی مددگار نہیں ہے O یہ (سزا) اس لیے ہے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کو مذاق بنا لیا تھا اور دنیا کی زندگی نے تمہیں دھوکے

الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ۚ فَالْیَوْمَ لَا یُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَ لَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾

میں ڈال رکھا تھا' پس آج وہ اس دوزخ سے نہیں نکالے جائیں گے اور نہ ان سے اللہ کی رضا جوئی طلب کی جائے گی O

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ رَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۶﴾

پس اللہ ہی کے لیے تمام تعریفیں ہیں جو تمام آسمانوں کا رب ہے اور تمام زمینوں کا رب ہے اور تمام جہانوں کا رب ہے O

وَ لَهُ الْكِبْرِیَآءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۪ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۳۷﴾

اور اسی کے لیے آسمانوں اور زمینوں میں بڑائی ہے اور وہی بہت غالب' بے حد حکمت والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمینوں کی حکومت ہے اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس دن باطل پرست سخت خسارے میں ہوں گے O اور آپ دیکھیں گے کہ ہر جماعت اس دن گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہوگی' ہر جماعت کو اس کے صحیفۂ اعمال کی طرف بلایا جائے گا' (ان سے کہا جائے گا:) آج تمہیں ان کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے O یہ ہمارا لکھا ہوا ہے جو تمہارے متعلق حق بیان کر رہا ہے' تم جو کچھ بھی کرتے تھے ہم (اس کو) لکھتے رہتے تھے O (الجاثیہ: ۲۹۔۲۷)

کفار کا خسارہ

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ جب وہ پہلی بار زندہ کرنے پر قادر ہے تو دوسری بار بھی زندہ کرنے پر قادر ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حشر ونشر قائم کرنے پر اس سے بھی عام دلیل کا ذکر فرمایا اور وہ یہ ہے کہ تمام آسمانوں اور زمینوں پر اس کی حکومت ہے' وہ ان سب چیزوں کو بنانے پر بھی قادر ہے اور فنا کرنے پر بھی قادر ہے اور پھر دوبارہ بنانے پر بھی قادر ہے کیونکہ جب اس کی ان سب چیزوں پر حکومت ہے تو وہ ان پر ہر طرح کا تصرف کرنے پر قادر ہے۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے کہ اس دن باطل پرست سخت خسارے میں ہوں گے' اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی تجارت میں فائدہ تب ہوتا ہے جب انسان کی اصل پونجی اور اصل زر بھی قائم رہے اور اس کے علاوہ اس کو مزید مال حاصل ہو جائے' انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے حیات' صحت اور قوت بدن اور عقل عطا کی' ان سے کام لے کر وہ جنت اور اخروی نعمتوں کو حاصل کر لیں تو ان کو اس تجارت میں فائدہ ہے اور اگر ان کی صحت اور قوت بدن بھی زائل ہو جائے اور آخرت میں ان کو عذاب دیا جائے تو یہ ان کی تجارت میں خسارہ ہے' کفار نے اپنی حیات' صحت اور قوت کو دنیا میں خرچ کر کے آخرت کا عذاب مول لے لیا تو یہ ان کی تجارت میں صراحتاً خسارہ ہے۔

آیا قیامت کے دن سب گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوں گے یا صرف کفار؟

الجاثیہ: ۲۸ میں فرمایا: ''اور آپ دیکھیں گے کہ ہر جماعت اس دن گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہوگی''۔ الآیۃ

اس آیت میں ''جاثیۃ'' کا لفظ ہے' جثو کا معنی ہے: گھٹنوں کے بل بیٹھنا' جیسے مجرم حاکم کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھتا

ہے‘ اس دن ہر امت جس میں مومن بھی ہوں گے اور کافر بھی قیامت کے دن کے ہولناک حالات اور خوف اور دہشت سے گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوگی اور اس بات کی منتظر ہوگی کہ اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا اور اس کے متعلق کیا فیصلہ کیا جائے گا‘ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ خوف اور دہشت سے گھٹنوں کے بل بیٹھنا تو صرف کفار کے لائق ہے‘ کیونکہ مؤمنین کو قیامت کے دن کوئی خوف نہیں ہوگا‘ اس کا جواب یہ ہے کہ قیامت کے دن پہلے مرحلہ میں خوف اور دہشت میں مؤمنین بھی کفار کے ساتھ شامل ہوں گے جب اللہ تعالیٰ پُر جلال آواز میں فرمائے گا: ”لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ“ (المومن: ۱۶) آج کس کی حکومت ہے؟ تو کسی کو مارے دہشت کے یارائے جواب نہیں ہوگا تو خود ہی فرمائے گا: ”لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ“ (المومن: ۱۶) اللہ ہی کے لیے جو واحد قہار ہے۔ ایسے وقت میں سب خوف اور دہشت سے گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوں گے‘ پھر دوسرے مرحلہ میں جب شفاعت کبریٰ ہوگی اور مجرموں کو مؤمنوں سے الگ کر دیا جائے گا اس وقت مومن مطمئن ہوں گے اور کافر بدستور خوف اور دہشت میں مبتلا ہوں گے جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝ (العبس: ۴۲-۳۸)

اس دن بہت چہرے روشن ہوں گے ۝ جو ہنستے ہوئے خوش وخرم ہوں گے ۝ اور بہت چہرے اس دن غبار آلود ہوں گے ۝ ان پر سیاہی چڑھی ہوئی ہوگی ۝ وہی لوگ کافر بدکار ہوں گے ۝

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قیامت کے دن دس سال تک لوگ گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پکار کر کہیں گے: اے میرے رب! میں اپنے نفس کے سوا تجھ سے کوئی سوال نہیں کرتا۔ (معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۸۸)

کعب احبار نے حضرت امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: قیامت کے روز دوزخ چنگھاڑ رہی ہوگی اور اس وقت ہر مقرب فرشتہ اور ہر نبی مرسل دوزانو بیٹھا ہوا ہوگا‘ حتیٰ کہ خلیل الرحمان علیہ السلام یہ کہیں گے: اے میرے رب! آج میں تجھ سے اپنے نفس کے سوا اور کسی چیز کا سوال نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ کہیں گے کہ آج کے دن میں اپنے نفس کے سوا تجھ سے کسی اور چیز کا سوال نہیں کرتا‘ میں تجھ سے اپنی ماں مریم کے متعلق بھی سوال نہیں کرتا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۶۵‘ روح البیان ج ۸ ص ۶۱۰)

امام سعید بن منصور‘ امام احمد اور امام بیہقی نے عبداللہ بن باباہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گویا میں دوزخ کے قریب تمہیں ٹیلوں پر دیکھ رہا ہوں‘ پھر سفیان نے اس آیت کو پڑھا: ”وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً“ (الجاثیہ: ۲۸‘ الدر المنثور ج ۷ ص ۳۷۱) امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے الجاثیہ: ۲۸ کی تفسیر میں روایت کیا: ہر امت اپنے نبی کے ساتھ ہوگی‘ حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ٹیلہ پر آئیں گے اور آپ تمام مخلوق سے بلند ہوں گے‘ پس یہی مقام محمود ہے۔

(الدر المنثور ج ۷ ص ۳۷۱)

جاثیہ کی تاویلات

امام علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے الجاثیہ کی حسب ذیل تاویلات لکھی ہیں:

(۱) مجاہد نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: مستوفزۃ (اس طرح بیٹھی ہوئی کہ جلدی اٹھ سکے)‘ سفیان نے کہا کہ مستوفز اس شخص کو کہتے ہیں جس کے زمین پر صرف گھٹنے اور انگلیوں کی پوریں لگی ہوئی ہوں۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنیٰ ہے: مجتمعہ۔

(۳) مؤرج نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: خشوع و خضوع کرنے والی جماعت۔
(۴) حسن نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوئی۔
پھر یحییٰ بن سلام نے کہا: یہ صرف کفار کے متعلق ہے' یعنی صرف وہی گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے ہوں گے' دوسروں نے کہا کہ یہ تمام مؤمنوں اور کافروں کے متعلق ہے' وہ سب حساب کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہوں گے۔
(النکت والعیون ج ۵ ص ۲۶۷' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

لوگوں کو ان کے صحائف اعمال کی طرف بلانا

اس کے بعد فرمایا: ''ہر جماعت کو اس کے صحیفۂ اعمال کی طرف بلایا جائے گا''۔
اس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:
(۱) ہر امت کو اس کے حساب کے لیے بلایا جائے گا۔
(۲) کلبی نے کہا: ہر امت کے صحیفۂ اعمال میں اس کے جو اعمال لکھے ہوئے ہیں' خواہ خیر ہوں یا شر ہوں اس امت کو ان کے لکھے ہوئے صحائف کی طرف بلایا جائے گا۔
(۳) جاحظ نے کہا: ہر امت کو اس کتاب کی طرف بلایا جائے گا جو اس کے رسول کے اوپر نازل کی گئی ہے۔
اس کے بعد فرمایا: ''آج تمہیں ان کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے''۔
ان سے کہا جائے گا: جس کا عمل ایمان ہے اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی جزاء دے گا اور جس کا عمل کفر اور شرک ہے' اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی سزا دے گا جیسا کہ حسب ذیل احادیث میں ہے:

مؤمنوں اور کافروں کی جزاء کے متعلق احادیث

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا تو ایمان اور شرک اپنے رب کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ جائیں گے' اللہ تعالیٰ ایمان سے فرمائے گا: جاؤ تم اور تمہارے اہل جنت میں چلے جاؤ۔ (جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۴۷۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۹۴)
حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نیکیاں کرنے والوں کو ایک جگہ جمع فرمائے گا اور ان سے ارشاد فرمائے گا: یہ تمہاری نیکیاں ہیں' ان کو میں نے قبول فرمالیا' سو ان کو لے لو' وہ کہیں گے: اے ہمارے معبود! ہم ان نیکیوں کا کیا کریں گے' تو ہی ان نیکیوں کو لینے کا مستحق ہے' سو تو ہی لے لے' اللہ عزوجل فرمائے گا: میں ان نیکیوں کا کیا کروں گا' میں تمام نیکوں سے بڑھ کر نیک ہوں' تم ان نیکیوں کو گنہ گاروں میں تقسیم کر دو' پھر وہ شخص اپنے ایک دوست سے ملے گا جس کے گناہ پہاڑوں کی طرح ہوں گے' وہ اپنی نیکیوں میں سے کچھ نیکیاں اس کو دے گا تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ (تاریخ اصفہان ج ۲ ص ۴۶ (لندن)' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۴۶۸)
حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو ایک جگہ جمع فرمائے گا' پھر ہر امت کے سامنے اس کے اس معبود کو لایا جائے گا جس کی وہ دنیا میں عبادت کرتا تھا' پھر ان سب کو دوزخ میں داخل کر دے گا اور موحدین باقی رہ جائیں گے' ان سے کہا جائے گا: تم کس کے انتظار میں ہو؟ وہ کہیں گے: ہم اپنے رب کے منتظر ہیں جس کی ہم بن دیکھے عبادت کرتے تھے' ان سے کہا جائے گا: کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے: اگر ہمارا رب چاہے گا تو ہمیں اپنی پہچان کرا دے گا' پھر اللہ تعالیٰ ان پر تجلی فرمائے گا' تو وہ سب سجدہ میں گر جائیں گے' پھر ان

سے کہا جائے گا: اے اہل توحید! اپنے سروں کو اٹھاؤ' بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جنت کو واجب کر دیا ہے اور تم میں سے ہر شخص کے بدلہ میں ایک یہودی یا نصرانی کو دوزخ میں داخل کر دیا ہے۔

(تاریخ اصفہان ج ا ص ۲۵۱' حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۳۶۳' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۴۴۷۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۹۳)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم میدان محشر میں تمام امتوں سے بلندی پر ہوں گے' پھر باقی امتوں کو علی الترتیب ان کے بتوں کے ساتھ بلایا جائے گا' اس کے بعد ہمارا رب جلوہ افروز ہوگا اور فرمائے گا: تم کس کو دیکھ رہے ہو؟ لوگ کہیں گے: ہم اپنے رب کو دیکھ رہے ہیں' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تمہارا رب ہوں' لوگ کہیں گے: ہم آپ کو دیکھیں گے' اللہ اپنی شان کے مطابق ہنستا ہوا تجلی فرمائے گا' پھر اللہ ان کو لے جائے گا اور لوگ اس کے پیچھے جائیں گے اور ہر شخص کو ایک نور ملے گا خواہ وہ منافق ہو یا مومن اور لوگ اس نور کے پیچھے چلیں گے اور جہنم کے پل کے اوپر کانٹے دار آنکڑے ہوں گے اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ چاہے گا وہ آنکڑے پکڑ لیں گے' پھر منافقین کا نور بجھ جائے گا اور مومنین نجات پا جائیں گے۔ نجات پانے والے مسلمانوں میں سے جو پہلا گروہ ہوگا ان کے چہرے چودھویں کی رات کے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے یہ گروہ ستر ہزار افراد پر مشتمل ہوگا اور یہی وہ لوگ ہوں گے جو بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے' پھر وہ لوگ جو ان کے بعد جائیں گے ان کے چہرے سب سے روشن ستارے کی طرح ہوں گے' اس کے بعد شفاعت شروع ہوگی اور صلحاء شفاعت کریں گے حتیٰ کہ جن لوگوں نے کلمہ طیبہ پڑھا ہوگا اور ایک جَو کے برابر بھی کوئی نیکی ہوگی ان کو دوزخ سے نکال کر جنت کے سامنے ڈال دیا جائے گا' پھر جنت والے ان پر پانی کے چھینٹے ڈالیں گے جس سے وہ اس طرح تر و تازہ ہو جائیں گے جیسے سیلاب کے پانی کی مٹی میں سے دانہ ہرا بھرا نکل آتا ہے' ان سے جلن کے آثار جاتے رہیں گے' پھر ان سے ان کی خواہش پوچھی جائے گی اور ان کو دنیا اور اس سے دس گناہ زائد علاقہ جنت میں دے دیا جائے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۱' الرقم المسلسل: ۴۶۱)

اللہ کے لکھنے اور فرشتوں کے لکھنے میں تعارض کا جواب

الجاثیہ: ۲۹ میں فرمایا: "یہ ہمارا لکھا ہوا ہے جو تمہارے متعلق حق بیان کر رہا ہے' تم جو کچھ بھی کرتے تھے ہم اس کو لکھتے رہتے تھے ○"۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کے اعمال کو لکھنے کا اپنی طرف اسناد فرمایا کہ ہم اس کو لکھتے رہتے تھے اور ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس کا اسناد فرشتوں کی طرف فرمایا ہے:

بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ○ (الزخرف: ۸۰) کیوں نہیں' ہمارے فرشتے ان کے پاس لکھتے رہتے ہیں ○

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ○ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ○ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ○ (الانفطار: ۱۲-۱۰) بے شک تم پر نگہبانی کرنے والے مقرر ہیں ○ معزز لکھنے والے ○ وہ جانتے ہیں تم جو کچھ کرتے ہو ○

بہ ظاہر ان آیتوں میں تعارض ہے' لیکن چونکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم سے لکھتے ہیں اس لیے ان کا لکھنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کا لکھنا ہے۔

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے: ہمارا لکھا ہوا صحیفۂ اعمال تمہارے خلاف شہادت دے رہا ہے' اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ برحق ہے' اس میں کوئی چیز زیادہ یا کم نہیں ہے' تم دنیا میں جو بھی عمل کرتے تھے خواہ وہ نیک ہوں یا بد' گناہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ' فرشتے ہمارے حکم سے اس کو لکھ لیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان کو ان کا رب اپنی رحمت میں داخل فرمالے گا' یہی واضح کامیابی ہے O اور جن لوگوں نے کفر کیا (ان سے کہا جائے گا:) کیا تمہارے سامنے میری آیات نہیں پڑھی جاتی تھیں' پس تم نے تکبر کیا اور تم مجرم لوگ تھے O اور جب (تم سے) کہا جاتا تھا کہ بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں ہے تو تم کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے؟ ہم محض گمان کرتے تھے اور ہم یقین کرنے والے نہ تھے O (الجاثیہ: ۳۲۔۲۹)

حقیقی کامیابی کا مصداق

اللہ تعالیٰ مؤمنین اور صالحین کو اپنی رحمت میں داخل کر لے گا' رحمت سے مراد اس کی جنت ہے اور چونکہ جنت رحمت کا محل ہے اس لیے جنت پر رحمت کا اطلاق فرما دیا اور فرمایا: یہی واضح کامیابی ہے کیونکہ جنت میں اہل جنت کو اللہ تعالیٰ کا دیدار عطا فرمایا جائے گا اور اس کے دیدار سے بڑھ کر کوئی کامیابی نہیں ہے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اطاعت گزاروں کا حال بیان فرمایا ہے اور اس کے منکروں اور مجرموں کا حال اس سے متصل دوسری آیت میں ہے:

الجاثیہ: ۳۰ میں فرمایا: ''اور جن لوگوں نے کفر کیا (ان سے کہا جائے گا:) کیا تمہارے سامنے میری آیات نہیں پڑھی جاتی تھیں' پس تم نے تکبر کیا اور تم مجرم لوگ تھے O''۔

جو لوگ دور دراز کے علاقے میں رہتے ہوں اور ان کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو' -------- آیا وہ مکلف ہیں یا نہیں؟

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عذاب کے استحقاق کو اس پر معلق کیا ہے کہ ان پر آیات تلاوت کی جائیں اور وہ ان کو قبول کرنے سے تکبر کریں اور اس سے یہ واضح ہوا کہ احکام شرعیہ کے وارد ہونے کے بعد سزا کا استحقاق ثابت ہوتا ہے اور بغیر ورود شرع کے کوئی چیز فرض یا واجب نہیں ہوتی' اس کے برخلاف معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ عقل سے بھی کوئی چیز فرض یا واجب ہو جاتی ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ دنیا کے دور دراز ملکوں میں جہاں کسی زمانہ میں اسلام کی دعوت نہیں پہنچی اور ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت نہیں کی گئیں آیا ان کو ایمان نہ لانے کی وجہ سے عذاب ہوگا یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ ان سے مواخذہ نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کو ڈھانپ لے گی اور یہ لوگ معذور اور مغفور ہیں اور یہ لوگ حکماً اصحاب فترت ہیں' اسی طرح جو شخص مجنون ہو یا اس نے سخت بڑھاپے میں اسلام کو پایا ہو اور وہ سخت لاغری کی بناء پر احکام شرعیہ پر عمل نہ کرسکتا ہو یا جو شخص نابالغی کے زمانہ سے بستر پر ہو اور صرف آکسیجن پر زندہ ہو' اس کو نلکی سے غذا دی جاتی ہو اور فراغت بھی بستر پر ہوتی ہو اور جو شخص بہرا اور گونگا ہو' اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ ان کی مغفرت ہو جائے گی۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا O (بنی اسرائیل: ۱۵)

اور ہم ان کو اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ ان میں رسول نہ بھیج دیں O

اور یہاں رسول سے مراد احکام شرعیہ کی تبلیغ ہے تو جب تک کسی شخص کے پاس احکام شرعیہ نہ پہنچ جائیں وہ احکام شرعیہ کا مکلف نہیں ہوگا' اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چار آدمی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ

کے سامنے عذر پیش کریں گے' ایک وہ آدمی جو زمانہ فترت میں فوت ہو گیا' دوسرا وہ آدمی جس نے سخت بڑھاپے میں اسلام کو پایا' تیسرا وہ آدمی جو بہرا اور گونگا ہو' چوتھا وہ آدمی جو بے عقل ہو' اللہ ان کی طرف ایک رسول کو بھیجے گا اور ان سے فرمائے گا: اس رسول کی اطاعت کرو' پس وہ رسول ان کے پاس آئے گا' پھر آگ بھڑکائی جائے گی اور ان سے کہا جائے گا: اس آگ میں داخل ہو جاؤ' سو جو اس آگ میں داخل ہو جائیں گے ان پر وہ آگ ٹھنڈی اور سلامتی بن جائے گی اور جو اس میں داخل نہیں ہو گا اس پر عذاب ثابت ہو جائے گا۔ (الفردوس بماثور الخطاب ج ۱ ص ۳۷۹' رقم الحدیث: ۱۵۲۳)

اس روایت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ آخرت دار التکلیف نہیں ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ خواہش کرنے والوں کی خواہشوں کو معاف کر دے گا اور لوگوں کا حساب ان کے اعمال کے اعتبار سے لیا جائے گا۔

(الفردوس بماثور الخطاب ج ۱ ص ۲۵۳' رقم الحدیث: ۹۸۰)

زندیق دہریہ کو کہتے ہیں جو نہ آخرت پر ایمان لاتا ہے اور نہ خالق پر' وہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر ایمان نہیں رکھتا اور نہ وہ کسی چیز کے حرام ہونے کو مانتا ہے۔

اصول میں یہ مقرر ہے کہ جس شخص تک اسلام کی دعوت نہیں پہنچی وہ محض اپنی عقل کی وجہ سے مکلف نہیں ہے' پس جو شخص کسی پہاڑ کے غار میں بالغ ہوا ہو اور اس نے اتنی عمر نہ پائی ہو کہ وہ غور و فکر کر کے اپنے خالق کی معرفت حاصل کر سکے اور فوراً مر گیا ہو تو وہ ایمان لانے کا مکلف نہیں ہے اور اس کو معذور قرار دیا جائے گا' کیونکہ کسی شخص کا زندگی کی مہلت پانا اور اتنا زمانہ پالینا کہ وہ غور و فکر کر کے خالق کی معرفت حاصل کر سکے اس کے حق میں رسول کی تبلیغ کے قائم مقام ہے اور جب اس نے اپنی زندگی میں اتنی مہلت پائی اور غور و فکر نہیں کیا تو پھر وہ معذور نہیں ہے۔

قیامت کے متعلق کفار کے دو گروہ

الجاثیہ: ۳۱ میں فرمایا: ''اور جب (تم سے) کہا جاتا تھا کہ بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں ہے تو تم کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے؟ ہم محض گمان کرتے تھے اور ہم یقین کرنے والے نہ تھے O''

اس آیت میں بتایا ہے کہ ان کافروں کا یہ گمان تھا کہ قیامت آئے گی اور ان کو یقین نہیں تھا' گویا ان کو قیامت کے وقوع میں شک تھا' جب کہ قرآن مجید کی دوسری آیتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ قیامت کے منکر تھے' مثلاً یہ آیت ہے:

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا (الجاثیہ: ۲۴) اور انہوں نے کہا: ہماری زندگی تو صرف یہی دنیا کی زندگی ہے۔

ان آیتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے متعلق کفار کے دو گروہ تھے' ایک گروہ قیامت کا بالکل منکر تھا اور دوسرے گروہ کو قیامت کے وقوع میں شک تھا۔ اس آیت میں ''ظن'' کا لفظ ہے' ظن اس راجح اعتقاد کو کہتے ہیں جس میں اس اعتقاد کی نفی کا بھی احتمال ہو اور وہ عرف میں یقین اور شک دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اور یقین اس اعتقاد جازم کو کہتے ہیں جس کی نفی کا بالکل احتمال نہ ہو اور یہ اعتقاد دلیل میں غور و فکر کرنے سے حاصل ہوا ہو' اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کے علم کو یقین نہیں کہتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کے تمام کاموں کی بُرائیاں ان پر ظاہر ہو جائیں گی اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑاتے تھے وہ ان کا احاطہ کر لے گا O اور (ان سے) کہا جائے گا: آج ہم تمہیں اس طرح فراموش کر دیں گے جس طرح تم نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے O یہ (سزا) اس لیے ہے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کو

مذاق بنالیا تھا اور دنیا کی زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا' پس آج وہ اس دوزخ سے نہیں نکالے جائیں گے اور نہ ان سے اللہ کی رضا جوئی طلب کی جائے گی O پس اللہ ہی کے لیے تمام تعریفیں ہیں جو تمام آسمانوں کا رب ہے اور تمام زمینوں کا رب ہے اور تمام جہانوں کا رب ہے O اور اسی کے لیے آسمانوں اور زمینوں میں بڑائی ہے اور وہی بہت غالب' بے حد حکمت والا ہے O (الجاثیہ: ۳۷۔۳۳)

بُرے کاموں کی آخرت میں بُری اور ڈراؤنی صورتیں

کفار مکہ دنیا میں جن کاموں کو اچھا سمجھ کر کرتے تھے' قیامت کے دن ان پر منکشف ہوگا کہ وہ کام بُرے تھے اور ان کے کیے ہوئے کام بہت ڈراؤنی اور خراب صورتوں میں ظاہر ہوں گے' ان کے کیے ہوئے کاموں سے مراد شرک اور کفر ہے اور وہ گناہ ہیں جن کی طرف ان کی طبیعت اور ان کا نفس مائل ہوتا تھا اور جن کاموں کی ان کو خواہش ہوتی تھی اور ان کاموں میں ان کو لذت محسوس ہوتی تھی' وہ ان کاموں کو بہت اچھا سمجھتے تھے اور قیامت کے دن ان پر منکشف ہوگا کہ وہ بہت بُرے کام تھے مفسرین نے لکھا ہے کہ حرام کام خنزیر کی صورت میں ظاہر ہوں گے اور حرص چوہے کی شکل میں ظاہر ہوگی اور شہوت گدھے کی صورت میں اور غضب بھیڑیئے کی صورت میں اور تکبر چیتے کی صورت میں' بخل کتے کی صورت میں اور کینہ اونٹ کی صورت میں' اذیت سانپ اور بچھو کی صورت میں' لواطت ہاتھی کی صورت میں' سازش لومڑی کی صورت میں' نوحہ گیدڑ کی صورت میں' ریاکاری کوے کی صورت میں اور کھیل کود الّو کی صورت میں ظاہر ہوں گے اور یہ لوگ جو قیامت میں شک کرتے تھے اور اس کا مذاق اڑاتے تھے اس کی سزا میں ان کو جو عذاب دیا جائے گا وہ ان کا احاطہ کرلے گا۔

اللہ تعالیٰ کے بھلا دینے کی توجیہ

الجاثیہ: ۳۴ میں فرمایا: "اور (ان سے) کہا جائے گا: آج تمہیں اس طرح فراموش کردیں گے جس طرح تم نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے O"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف جو فراموش کرنے کی نسبت ہے اس کا معنیٰ ہے: ہم تم کو دوزخ کے عذاب میں چھوڑ دیں گے اور تم کو بھولا بسرا بنادیں گے' جس طرح تم نے دنیا میں اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا اور تم نے اس کی کوئی تیاری نہیں کی تھی' تم اللہ پر اور اس کی توحید پر ایمان نہیں لائے' انہوں نے دنیا کی کھیتی میں نسیان کا بیج بویا تھا اور آخرت میں اس کا پھل بھی نسیان کی صورت میں پالیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فراموش کردیا' ان کو دوزخ کے عذاب میں ڈال دیا' پھر ان کی فریاد اور چیخ و پکار کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی اور جس طرح مؤمنوں کا ٹھکانا جنت بنایا ہے تمہارا ٹھکانہ دوزخ کو بنا دیا۔

آخرت سے ڈرانا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح کرنا

الجاثیہ: ۳۵ میں فرمایا: "یہ (سزا) اس لیے ہے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کو مذاق بنالیا تھا اور دنیا کی زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا' پس آج وہ اس دوزخ سے نہیں نکالے جائیں گے اور نہ ان سے اللہ کی رضا جوئی طلب کی جائے گی O"

تم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ جو کچھ ہے بس یہی دنیا کی زندگی ہے اور اس دنیا میں تم جو کچھ کرتے رہو گے اس پر تم سے کبھی جواب طلبی نہیں ہوگی اور کبھی تم سے مواخذہ نہیں ہوگا' اسی لیے تم اللہ سبحانہٗ کی آیات کا مذاق اڑاتے تھے' پس اس جرم کی پاداش میں اب تم کو ہمیشہ کے لیے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا اور پھر دوزخ سے نکالا نہیں جائے گا۔

الجاثیہ: ۳۷۔۳۶ میں فرمایا: پس اللہ ہی کے لیے تمام تعریفیں ہیں جو تمام آسمانوں کا رب ہے اور تمام زمینوں کا رب ہے اور تمام جہانوں کا رب ہے O اور اسی کے لیے آسمانوں اور زمینوں میں بڑائی ہے اور وہی بہت غالب' بے حد حکمت والا ہے O"

اللہ سبحانہ' ہر چیز کا رب ہے' تمام اجسام کا' تمام ذوات کا اور تمام صفات کا' اس لیے اس کے سوا کوئی حمد کا مستحق نہیں ہے' پس تم سب اللہ کی حمد کرو کیونکہ اس کا تمام چیزوں کا رب ہونا اس کا تقاضا کرتا ہے کہ تمام چیزیں اس کی حمد کریں۔

اور فرمایا: ''اور اسی کے لیے آسمانوں اور زمینوں میں بڑائی ہے'' یعنی اس کے لیے عظمت اور قدرت ہے اور اسی کا ہر چیز پر غلبہ ہے اور اس کی عظمت کے آثار ہر چیز میں ظاہر ہو رہے ہیں اور اس کا غلبہ اس کائنات کی ہر چیز میں ظاہر ہو رہا ہے کیونکہ ہر چیز اس کی اطاعت کر رہی ہے اور اس کے بنائے ہوئے نظام کے تحت کام کر رہی ہے' سورج اور چاند اور ستاروں کا طلوع اور غروب' دن اور رات کا لگاتار ایک دوسرے کے بعد آنا' کھیتوں اور باغات میں روئیدگی کا نظام' انسانوں اور حیوانوں کی پیدائش اور ان کی نشوونما کا ایک منضبط اور مقرر اصول یہ سب زبان حال سے بتا رہے ہیں کہ ہر چیز اس کی اطاعت کرتی ہے اور ہر چیز میں اس کے حسن اور کمال کا ظہور ہے' یہ سب چیزیں غیر اختیاری طور سے اللہ سبحانہ' کی حمد کر رہی ہیں اور اس کی تسبیح پڑھ رہی ہیں اور اس کی اطاعت کر رہی ہیں سو تم اپنے ارادہ اور اختیار سے اس کی حمد کرو' اس کی تسبیح پڑھو اور اس کی اطاعت کرو۔ سبحان اللہ بحمدہ وسبحان اللہ العظیم' والحمد للہ رب العلمین۔

سورۃ الجاثیہ کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج مورخہ یکم صفر ۱۴۲۵ھ/۲۳ مارچ ۲۰۰۴ء بہ روز منگل سورۃ الجاثیہ کی تفسیر مکمل ہو گئی' ۲۲ محرم ۱۴۲۵ھ/۱۴ مارچ ۲۰۰۴ء کو اس سورت کی تفسیر شروع کی تھی' اس طرح نو دنوں میں اس سورت کی تفسیر مکمل ہو گئی' اسی طرح آج تبیان القرآن کی دسویں جلد بھی مکمل ہو گئی۔ دسویں جلد کی ابتداء ۱۵ مئی ۲۰۰۳ء کو ہوئی تھی اور اس کا اختتام ۲۳ مارچ ۲۰۰۴ء کو ہوا ہے' اس طرح الحمد للہ رب العلمین ۱۰ ماہ ۹ دن میں تبیان القرآن کی دسویں جلد مکمل ہو گئی۔

اس سال کے دوران مجھ پر متعدد حوادث اور نوازل آتے رہے' اور سب سے بڑا حادثہ یہ تھا کہ اس سال سات اگست ۲۰۰۳ء/۸ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ جمعہ کی شب تقریباً رات کے گیارہ بجے میری والدہ محترمہ رحمہا اللہ کی وفات ہو گئی' اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ ان کی قبر کو جنت کے باغات میں سے ایک باغ بنا دے' میری جملہ تصنیفات اور تمام دینی خدمات کا ثواب اللہ تعالیٰ انہیں عطا فرمائے۔ قارئین سے میری درخواست ہے کہ وہ ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر اس کا اجر وثواب میری والدہ محترمہ کو پہنچا دیں' ان ہی کی پرورش' تعلیم وتربیت اور دینی اور تبلیغی خدمات کی مسلسل تلقین کی وجہ سے میں ان دینی خدمات کے قابل ہوا۔

اس سال کمر کے درد کی تکلیف بھی مجھے زیادہ رہی' اس وجہ سے اس کام میں تعطل آتا رہا' تاہم اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی عنایت سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر التفات سے تقریباً گیارہ ماہ میں یہ جلد مکمل ہو گئی۔

الٰہ العلمین! میری اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما' اس کو قیامت تک فیض آفرین رکھ' میری' میرے والدین' میرے اساتذہ' میرے تلامذہ' میرے احباء' اس کتاب کے پبلشر سید اعجاز احمد زید حبہ کی مساعی مشکور فرما اور میرے قارئین اور جمیع مسلمین کی مغفرت فرما اور ہم سب کو صحت وعافیت کے ساتھ تاحیات ایمان اور اسلام پر قائم رکھ' فالج اور ایسی دوسری بیماریوں اور ارذل عمر سے اپنی امان میں رکھ۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين قائد المرسلين شفيع المذنبين وعلى آله واصحابه وذرياته وازواجه واولياء امته وعلماء ملته وجميع امته اجمعين.

مآخذ و مراجع

کتب الٰہیہ

۱- قرآن مجید

۲- تورات

۳- انجیل

کتب احادیث

۴- امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت، متوفی ۱۵۰ھ، مسند امام اعظم، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز، کراچی

۵- امام مالک بن انس اصبحی، متوفی ۱۷۹ھ، موطا امام مالک، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۹ھ

۶- امام عبداللہ بن مبارک، متوفی ۱۸۱ھ، کتاب الزہد، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۷- امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم، متوفی ۱۸۳ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل

۸- امام محمد بن حسن شیبانی، متوفی ۱۸۹ھ، موطا امام محمد، مطبوعہ نور محمد، کارخانہ تجارت کتب کراچی

۹- امام محمد بن حسن شیبانی، متوفی ۱۸۹ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۰۷ھ

۱۰- امام وکیع بن جراح متوفی ۱۹۷ھ، کتاب الزہد، مکتبۃ الدار مدینہ منورہ، ۱۴۰۴ھ

۱۱- امام سلیمان بن داؤد بن جارود طیالسی حنفی، متوفی ۲۰۳ھ، مسند طیالسی، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۳۹۱ھ

۱۲- امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی ۲۰۴ھ، المسند، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۰ھ

۱۳- امام محمد بن عمر بن واقد متوفی ۲۰۷ھ، کتاب المغازی، مطبوعہ عالم الکتب، بیروت، ۱۴۰۴ھ

۱۴- امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی، متوفی ۲۱۱ھ، المصنف، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ

۱۵- امام عبداللہ بن الزبیر حمیدی، متوفی ۲۱۹ھ، المسند، مطبوعہ عالم الکتب بیروت

۱۶- امام سعید بن منصور خراسانی، مکی، متوفی ۲۲۷ھ، سنن سعید بن منصور، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۱۷- امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ، متوفی ۲۳۵ھ، المصنف، مطبوعہ ادارہ القرآن، کراچی، ۱۴۰۶ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ

۱۸- امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ، متوفی ۲۳۵، مسند ابن ابی شیبہ، مطبوعہ دار الوطن بیروت، ۱۴۱۸ھ

۱۹- امام احمد بن حنبل، متوفی ۲۴۱ھ، المسند، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ، دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ، دار الحدیث قاہرہ، ۱۴۱۶ھ، عالم الکتب بیروت، ۱۴۱۹ھ

۲۰- امام احمد بن حنبل، متوفی ۲۴۱ھ، کتاب الزہد، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ

۲۱- امام ابوعبداللہ بن عبدالرحمان دارمی متوفی ۲۵۵ھ 'سنن دارمی' مطبوعہ دارالکتاب العربی' ۱۴۰۷ھ' دارالمعرفۃ بیروت' ۱۴۲۰ھ
۲۲- امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۵۶ھ 'صحیح بخاری' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ دارارقم بیروت
۲۳- امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۵۶ھ 'خلق افعال العباد' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۱۱ھ
۲۴- امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۵۶ھ 'الادب المفرد' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت' ۱۴۱۲ھ
۲۵- امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری' متوفی ۲۶۱ھ 'صحیح مسلم' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ کرمہ' ۱۴۱۷ھ
۲۶- امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ' متوفی ۲۷۳ھ 'سنن ابن ماجہ' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ' دارالجیل بیروت' ۱۴۱۸ھ
۲۷- امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی' متوفی ۲۷۵ھ 'سنن ابوداؤد' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۲۸- امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی' متوفی ۲۷۵ھ 'مراسیل ابوداؤد' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی
۲۹- امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ 'سنن ترمذی' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ' دارالجیل بیروت' ۱۹۹۸ء
۳۰- امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ 'شمائل محمدیہ' مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۵ھ
۳۱- امام علی بن عمر دار قطنی' متوفی ۲۸۵ھ 'سنن دار قطنی' مطبوعہ نشر السنہ' ملتان' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۳۲- امام ابن ابی عاصم' متوفی ۲۸۷ھ 'الاحاد والمثانی' مطبوعہ دارالرایہ' ریاض' ۱۴۱۱ھ
۳۳- امام احمد عمرو بن عبدالخالق بزار' متوفی ۲۹۲ھ 'البحر الزخار المعروف بہ مسند البزار' مطبوعہ مؤسسۃ القرآن' بیروت
۳۴- امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ 'سنن نسائی' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت' ۱۴۱۲ھ
۳۵- امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ 'عمل الیوم واللیلہ' مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ
۳۶- امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳' 'سنن کبریٰ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۱ھ
۳۷- امام ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی' متوفی ۳۰۷ھ 'مسند الصحابہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۳۸- امام احمد بن علی المثنیٰ التمیمی 'المتوفی ۳۰۷ھ 'مسند ابویعلیٰ موصلی' مطبوعہ دارالمامون التراث بیروت' ۱۴۰۴ھ
۳۹- امام عبداللہ بن علی بن جارود نیشاپوری' متوفی ۳۰۷ھ ' المنتقیٰ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۴۰- امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ' متوفی ۳۱۱ھ صحیح ابن خزیمہ' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۵ھ
۴۱- امام ابوبکر محمد بن محمد بن سلیمان باغندی' متوفی ۳۱۲ھ 'مسند عمر بن عبدالعزیز'
۴۲- امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق' متوفی ۳۱۶ھ 'مسند ابوعوانہ' مطبوعہ دارالباز' مکہ مکرمہ
۴۳- امام ابوعبداللہ محمد الحکیم الترمذی' المتوفی ۳۲۰ھ 'نوادر الاصول' مطبوعہ دارالریان التراث القاہرہ' ۱۴۰۸ھ
۴۴- امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی' متوفی ۳۲۱ھ 'شرح مشکل الآثار' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۱۵ھ
۴۵- امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی' متوفی ۳۲۱ھ 'تحفۃ الاخیار' مطبوعہ دار بلنسیہ ریاض ۱۴۲۰ھ
۴۶- امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی' متوفی ۳۲۱ھ 'شرح معانی الآثار' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان لاہور' ۱۴۰۴ھ
۴۷- امام ابوجعفر محمد بن عمرو العقیلی متوفی ۳۲۲ھ 'کتاب الضعفاء الکبیر' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۴۸- امام محمد بن جعفر بن حسین خرائطی' متوفی ۳۲۷ھ 'مکارم الاخلاق' مطبوعہ مطبعہ المدنی مصر' ۱۴۱۱ھ
۴۹- امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی' متوفی ۳۵۴ھ 'الاحسان بہ ترتیب صحیح ابن حبان' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۰۷ھ

۵۰- امام ابوبکر احمد بن حسین آجری' متوفی ۳۶۰ھ' الشریعہ' مطبوعہ مکتبہ دار السلام' ریاض' ۱۴۱۳ھ
۵۱- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' التوفی ۳۶۰ھ' معجم صغیر' مطبوعہ مکتبہ سلفیہ' مدینہ منورہ' ۱۳۸۸ھ' مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۵ھ
۵۲- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' التوفی ۳۶۰ھ' معجم اوسط' مطبوعہ مکتبۃ المعارف' ریاض' ۱۴۰۵ھ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ
۵۳- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' التوفی ۳۶۰ھ' معجم کبیر' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۵۴- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' التوفی ۳۶۰ھ' مسند الشامیین' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۰۹ھ
۵۵- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' التوفی ۳۶۰ھ' کتاب الدعاء' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۳ھ
۵۶- امام ابوبکر احمد بن اسحاق دینوری المعروف بابن السنی' متوفی ۳۶۴ھ' عمل الیوم واللیلۃ' مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ
۵۷- امام عبداللہ بن عدی الجرجانی' التوفی ۳۶۵ھ' الکامل فی ضعفاء الرجال' مطبوعہ دار الفکر بیروت' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ
۵۸- امام ابوحفظ عمر بن احمد المعروف بابن شاہین التوفی ۳۸۵ھ' الناسخ والمنسوخ من الحدیث' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ
۵۹- امام عبداللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ' متوفی ۳۹۶ھ' کتاب العظمۃ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت
۶۰- امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری' متوفی ۴۰۵ھ' المستدرک' مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۱۸ھ' المکتبہ العصریہ بیروت' ۱۴۲۰ھ
۶۱- امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی' متوفی ۴۳۰ھ' حلیۃ الاولیاء' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۶۲- امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی' متوفی ۴۳۰ھ' دلائل النبوۃ' مطبوعہ دار النفائس' بیروت
۶۳- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' سنن کبریٰ' مطبوعہ نشر السنہ' ملتان
۶۴- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' کتاب الاسماء والصفات' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۶۵- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' معرفۃ السنن والآثار' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۶۶- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' دلائل النبوۃ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۳ھ
۶۷- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' کتاب الآداب' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۶ھ
۶۸- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' کتاب فضائل الاوقات' مطبوعہ مکتبۃ المنارۃ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۰ھ
۶۹- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' شعب الایمان' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۱ھ
۷۰- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی' متوفی ۴۵۸ھ' الجامع لشعب الایمان' مطبوعہ مکتبہ الرشد ریاض' ۱۴۲۳ھ
۷۱- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' البعث والنشور' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ
۷۲- امام ابوعمر یوسف ابن عبدالبر قرطبی' متوفی ۴۶۳ھ' جامع بیان العلم وفضلہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۷۳- امام ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی' التوفی ۵۰۹ھ' الفردوس بماثور الخطاب' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت'

۱۴۰۶ھ

۷۴- امام حسین بن مسعود بغوی' متوفی ۵۱۶ھ' شرح السنہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ

۷۵- امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر' متوفی ۵۷۱ھ' تاریخ دمشق الکبیر' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ

۷۶- امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر' متوفی ۵۷۱ھ' تہذیب تاریخ دمشق' مطبوعہ دلداحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ

۷۷- امام مجد الدین المبارک بن محمد الشیبانی' المعروف بابن الاثیر الجزری' متوفی ۶۰۶ھ' جامع الاصول' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ

۷۸- امام ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد مقدسی حنبلی متوفی ۶۴۳ھ' الاحادیث المختارۃ' مطبوعہ مکتب النہضۃ الحدیثیہ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۰ھ

۷۹- امام زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری' المتوفی ۶۵۶ھ' الترغیب والترہیب' مطبوعہ دارالحدیث' قاہرہ' ۱۴۰۷ھ دارابن کثیر بیروت' ۱۴۱۴ھ

۸۰- امام ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی' متوفی ۶۶۸ھ' التذکرۃ فی امور الآخرہ' مطبوعہ دارالبخاری' مدینہ منورہ

۸۱- حافظ شرف الدین عبدالمومن دمیاطی متوفی ۷۰۵ھ' المتبحر الرابح' مطبوعہ دارخضر بیروت' ۱۴۱۹ھ

۸۲- امام ولی الدین تبریزی' متوفی ۷۴۲ھ' مشکوٰۃ' مطبوعہ اصح المطابع دہلی' دارارقم بیروت

۸۳- حافظ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی' متوفی ۷۶۲ھ' نصب الرایہ' مطبوعہ مجلس علمی سورۃ ہند' ۱۳۵۷ھ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ

۸۴- حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر' متوفی ۷۷۴ھ' جامع المسانید والسنن' دارالفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ

۸۵- امام محمد بن عبداللہ زرکشی' متوفی ۷۹۴ھ' اللآلی المنثورۃ' مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۱۷ھ

۸۶- حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی' المتوفی ۸۰۷ھ' مجمع الزوائد' مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ

۸۷- حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی' المتوفی ۸۰۷ھ' کشف الاستار' مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۰۴ھ

۸۸- حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی' المتوفی ۸۰۷ھ' موارد الظمآن' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

۸۹- حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی' المتوفی ۸۰۷ھ' تقریب البغیہ بترتیب احادیث الحلیۃ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ

۹۰- امام محمد بن محمد جزری' متوفی ۸۳۳ھ' حصن حصین' مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ' مصر' ۱۳۵۰ھ

۹۱- امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری' شافعی' متوفی ۸۴۰ھ' زوائد ابن ماجہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

۹۲- امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری' شافعی' متوفی ۸۴۰ھ' اتحاف الخیرۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ

۹۳- حافظ علاء الدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمان' متوفی ۸۴۵ھ' الجواہر النقی' مطبوعہ نشر السنہ ملتان

۹۴- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی' متوفی ۸۴۸ھ' تلخیص المستدرک' مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکہ مکرمہ

۹۵- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' المطالب العالیہ' مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکہ مکرمہ

۹۶- امام عبدالرؤف بن علی المناوی' المتوفی ۱۰۳۱ھ' کنوز الحقائق' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ

۹۷- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' الجامع الصغیر' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت' ۱۳۹۱ھ' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۲۰ھ

۹۸- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ مسند فاطمۃ الزہراء
۹۹- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ جامع الاحادیث الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
۱۰۰- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ البدور السافرہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ، دار ابن حزم بیروت، ۱۴۱۴ھ
۱۰۱- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ جمع الجوامع، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ
۱۰۲- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ الخصائص الکبریٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۵ھ
۱۰۳- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ الدرر المنتثرہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ
۱۰۴- علامہ عبدالوہاب شعرانی، متوفی ۹۷۳ھ کشف الغمہ، مطبوعہ مطبع عامرہ عثمانیہ مصر، ۱۳۰۳ھ، دار الفکر بیروت، ۱۴۰۸ھ
۱۰۵- علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری، متوفی ۹۷۵ھ کنز العمال، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت
۱۰۶- علامہ احمد عبدالرحمٰن البناء متوفی ۱۳۷۸ھ، الفتح الربانی مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

کتب تفاسیر

۱۰۷- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، متوفی ۶۸ھ تنویر المقباس، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران
۱۰۸- امام حسن بن عبداللہ البصری، المتوفی ۱۱۰ھ تفسیر الحسن البصری، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۳ھ
۱۰۹- امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی، متوفی ۲۰۴ھ احکام القرآن، مطبوعہ دار احیاء العلوم بیروت، ۱۴۱۰ھ
۱۱۰- امام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد فراء، متوفی ۲۰۷ھ معانی القرآن، مطبوعہ بیروت
۱۱۱- امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی، متوفی ۲۱۱ھ تفسیر القرآن العزیز، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت
۱۱۲- شیخ ابوالحسن علی بن ابراہیم قمی، متوفی ۳۰۷ھ تفسیر قمی، مطبوعہ دار الکتاب ایران، ۱۴۰۶ھ
۱۱۳- امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری، متوفی ۳۱۰ھ جامع البیان، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۴۰۹ھ، دار الفکر بیروت
۱۱۴- امام ابواسحاق ابراہیم بن محمد الزجاج، متوفی ۳۱۱ھ اعراب القرآن، مطبوعہ مطبع سلمان فارسی ایران، ۱۴۰۶ھ
۱۱۵- امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی، متوفی ۳۲۷ھ تفسیر القرآن العزیز، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ
۱۱۶- امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی، متوفی ۳۷۰ھ احکام القرآن، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ
۱۱۷- علامہ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی، متوفی ۳۷۵ھ تفسیر سمرقندی، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۳ھ
۱۱۸- شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی ۳۸۵ھ التبیان فی تفسیر القرآن، مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۱۱۹- امام ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم ثعلبی، متوفی ۴۲۷ھ تفسیر الثعلبی دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۲ھ
۱۲۰- علامہ مکی بن ابی طالب متوفی ۴۳۷ھ مشکل اعراب القرآن، مطبوعہ انتشارات نور ایران، ۱۴۱۲ھ
۱۲۱- علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی، متوفی ۴۵۰ھ النکت والعیون، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۲۲- علامہ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری متوفی ۴۶۵ھ تفسیر القشیری مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۰ھ

۱۲۳- علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری' متوفی ۴۶۸ھ' الوسیط' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ
۱۲۴- امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی' التوفی ۴۶۸ھ' اسباب نزول القرآن' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۱۲۵- امام منصور بن محمد السمعانی الشافعی التوفی ۴۸۹ھ' تفسیر القرآن' مطبوعہ دارالوطن' ریاض' ۱۴۱۸ھ
۱۲۶- علامہ عماد الدین طبری الکیاالہراسی' متوفی ۵۰۴ھ' احکام القرآن' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۲ھ
۱۲۷- امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی' التوفی ۵۱۶ھ' معالم التنزیل' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ
۱۲۸- علامہ محمود بن عمر زمخشری' متوفی ۵۳۸ھ' الکشاف' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ
۱۲۹- علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی' مالکی' متوفی ۵۴۳ھ' احکام القرآن' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت
۱۳۰- علامہ ابوبکر قاضی عبدالحق بن غالب بن عطیہ اندلسی' متوفی ۵۴۶ھ' المحرر الوجیز' مطبوعہ مکتبہ تجاریہ مکہ مکرمہ
۱۳۱- شیخ ابوعلی فضل بن حسن طبرسی' متوفی ۵۴۸ھ' مجمع البیان' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۴۰۶ھ
۱۳۲- علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی' متوفی ۵۹۷ھ' زاد المسیر' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت
۱۳۳- خواجہ عبداللہ انصاری من علماء القرن السادس' کشف الاسرار وعدۃ الابرار' مطبوعہ انتشارات امیر کبیر تہران
۱۳۴- امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی' متوفی ۶۰۶ھ' تفسیر کبیر' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ
۱۳۵- شیخ ابومحمد روز بہان بن ابوالنصر البقلی شیرازی متوفی ۶۰۶ھ' عرائس البیان فی حقائق القرآن' مطبع منشی نولکشور لکھنؤ
۱۳۶- علامہ محی الدین ابن عربی' متوفی ۶۳۸ھ' تفسیر القرآن الکریم' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۹۷۸ء
۱۳۷- علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی' متوفی ۶۶۸ھ' الجامع لاحکام القرآن' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ
۱۳۸- قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی' متوفی ۶۸۵ھ' انوار التنزیل' مطبوعہ دارفراس للنشر والتوزیع مصر
۱۳۹- علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی' متوفی ۷۱۰ھ' مدارک التنزیل' مطبوعہ دارالکتب العربیہ پشاور
۱۴۰- علامہ علی بن محمد خازن شافعی' متوفی ۷۴۱ھ' لباب التاویل' مطبوعہ دارالکتب العربیہ پشاور
۱۴۱- علامہ نظام الدین حسین بن محمد قمی' متوفی ۷۲۸ھ' تفسیر نیشاپوری' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ
۱۴۲- علامہ تقی الدین ابن تیمیہ' متوفی ۷۲۸ھ' التفسیر الکبیر' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۹ھ
۱۴۳- علامہ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ' متوفی ۷۵۱ھ' بدائع التفسیر' مطبوعہ دار ابن الجوزیہ مکہ مکرمہ
۱۴۴- علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی' متوفی ۷۵۴ھ' البحر المحیط' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ
۱۴۵- علامہ ابوالعباس بن یوسف السمین الشافعی' متوفی ۷۵۶ھ' الدر المصون' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۱۴۶- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ' تفسیر القرآن' مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت' ۱۳۸۵ھ
۱۴۷- علامہ عماد الدین منصور بن الحسن الکازرونی الشافعی' متوفی ۸۶۰ھ' حاشیۃ الکازرونی علی البیضاوی' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۶ھ
۱۴۸- علامہ عبدالرحمٰن بن محمد بن مخلوف ثعالبی' متوفی ۸۷۵ھ' تفسیر الثعالبی' مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت
۱۴۹- علامہ مصلح الدین مصطفیٰ بن ابراہیم رومی حنفی' متوفی ۸۸۰ھ' حاشیۃ ابن التمجید علی البیضاوی' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ'

بیروت' ۱۴۲۲ھ
۱۵۰- علامہ ابوالحسن ابراہیم بن عمر البقاعی التوفی ۸۸۵ھ نظم الدرر' مطبوعہ دار الکتاب الاسلامی قاہرہ' ۱۴۱۳ھ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ
۱۵۱- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' الدر المنثور' مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ' ایران' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ
۱۵۲- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' جلالین' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۵۳- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' لباب النقول فی اسباب النزول' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۵۴- علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ قوجوی' متوفی ۹۵۱ھ حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی' مطبوعہ مکتبہ یوسفی دیوبند' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۱۵۵- شیخ فتح اللہ کاشانی' متوفی ۹۷۷ھ' منہج الصادقین' مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران
۱۵۶- علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ' تفسیر ابوالسعود' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ
۱۵۷- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری حنفی' متوفی ۱۰۶۹ھ' عنایۃ القاضی' مطبوعہ دار صادر' بیروت' ۱۲۸۳ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۱۵۸- علامہ احمد جیون جونپوری' متوفی ۱۱۳۰ھ' التفسیرات الاحمدیہ' مطبع کریمی بمبئی
۱۵۹- علامہ اسماعیل حقی حنفی' متوفی ۱۱۳۷ھ' روح البیان' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ
۱۶۰- علامہ عصام الدین اسماعیل بن محمد حنفی متوفی ۱۱۹۵ھ' حاشیۃ القونوی علی البیضاوی' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ
۱۶۱- شیخ سلیمان بن عمر المعروف بالجمل' متوفی ۱۲۰۴ھ' الفتوحات الالہیہ' مطبوعہ المطبع البہیۃ' مصر ۱۳۰۳ھ
۱۶۲- علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ' تفسیر صاوی' مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیہ' مصر' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۱ھ
۱۶۳- قاضی ثناء اللہ پانی پتی' متوفی ۱۲۲۵ھ' تفسیر مظہری' مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ
۱۶۴- شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی' متوفی ۱۲۳۹ھ' تفسیر عزیزی' مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی
۱۶۵- شیخ محمد بن علی شوکانی' متوفی ۱۲۵۰ھ' فتح القدیر' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' دار الوفا بیروت' ۱۴۱۸ھ
۱۶۶- علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی' متوفی ۱۲۷۰ھ' روح المعانی' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ
۱۶۷- نواب صدیق حسن خان بھوپالی' متوفی ۱۳۰۷ھ' فتح البیان' مطبوعہ مطبع امیریہ کبریٰ بولاق مصر' ۱۳۰۱ھ' المکتبۃ العصریہ بیروت' ۱۴۱۲ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ
۱۶۸- علامہ محمد جمال الدین قاسمی' متوفی ۱۳۳۲ھ' تفسیر القاسمی' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ
۱۶۹- علامہ محمد رشید رضا' متوفی ۱۳۵۴ھ' تفسیر المنار' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت
۱۷۰- علامہ حکیم شیخ طنطاوی جوہری مصری' متوفی ۱۳۵۹ھ' الجواہر فی تفسیر القرآن' المکتبہ الاسلامیہ ریاض
۱۷۱- شیخ اشرف علی تھانوی' متوفی ۱۳۶۴ھ' بیان القرآن' مطبوعہ تاج کمپنی لاہور

۱۷۲- سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، متوفی ۱۳۶۷ھ، خزائن العرفان، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور
۱۷۳- شیخ محمود الحسن دیو بندی، متوفی ۱۳۳۹ھ و شیخ شبیر احمد عثمانی، متوفی ۱۳۶۹ھ، حاشیۃ القرآن، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور
۱۷۴- علامہ محمد طاہر بن عاشور، متوفی ۱۳۸۰ھ، التحریر والتنویر، مطبوعہ تونس
۱۷۵- سید محمد قطب شہید، متوفی ۱۳۸۵ھ، فی ظلال القرآن، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۸۶ھ
۱۷۶- مفتی احمد یار خان نعیمی، متوفی ۱۳۹۱ھ، نور العرفان، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ گجرات
۱۷۷- مفتی محمد شفیع دیو بندی متوفی ۱۳۹۶ھ، معارف القرآن، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی، ۱۳۹۷ھ
۱۷۸- سید ابو الاعلیٰ مودودی، متوفی ۱۳۹۹ھ، تفہیم القرآن، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور
۱۷۹- علامہ سید احمد سعید کاظمی، متوفی ۱۴۰۶ھ، التبیان، مطبوعہ کاظمی پبلی کیشنز ملتان
۱۸۰- علامہ محمد امین بن محمد مختار جکنی شنقیطی، اضواء البیان، مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۱۸۱- استاذ احمد مصطفیٰ المراغی، تفسیر المراغی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۱۸۲- آیت اللہ مکارم شیرازی، تفسیر نمونہ، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران، ۱۳۶۹ھ
۱۸۳- جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
۱۸۴- شیخ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن لاہور
۱۸۵- علامہ محمود صافی، اعراب القرآن وصرفہ وبیانہ، مطبوعہ انتشارات زرین ایران
۱۸۶- استاذ محی الدین درویش، اعراب القرآن وبیانہ، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت
۱۸۷- ڈاکٹر وھبہ زحیلی، تفسیر منیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ
۱۸۸- سعیدی حوی، الاساس فی التفسیر، مطبوعہ دار السلام

کتب علوم قرآن

۱۸۹- علامہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ زرکشی متوفی ۷۹۴ھ، البرھان فی علوم القرآن، مطبوعہ دار الفکر بیروت
۱۹۰- علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الاتقان فی علوم القرآن، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور
۱۹۱- علامہ محمد عبد العظیم زرقانی، مناہل العرفان، مطبوعہ دار احیاء العربی بیروت

کتب شروح حدیث

۱۹۲- علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال مالک اندلسی متوفی ۴۴۹ھ، شرح صحیح البخاری، مطبوعہ مکتبۃ الرشید ریاض، ۱۴۲۰ھ
۱۹۳- حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی، متوفی ۴۶۳ھ، الاستذکار، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۱۳ھ
۱۹۴- حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ، تمہید، مطبوعہ مکتبۃ القدوسیہ لاہور، ۱۴۰۴ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ
۱۹۵- علامہ ابو الولید سلیمان بن خلف باجی مالکی اندلسی، متوفی ۴۷۴ھ، المنتقیٰ، مطبوعہ مطبع السعادۃ مصر، ۱۳۳۲ھ

۱۹۶- علامہ ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی' متوفی ۵۴۳ھ عارضۃ الاحوذی' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۱۹۷- قاضی ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی اندلسی متوفی ۵۴۳ھ' القبس فی شرح موطا ابن انس' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ
۱۹۸- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ' اکمال المعلم بہ فوائد مسلم' مطبوعہ دار الوفا بیروت' ۱۴۱۹ھ
۱۹۹- علامہ عبد الرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ' کشف المشکل علی صحیح البخاری' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ
۲۰۰- امام عبد العظیم بن عبد القوی منذری' متوفی ۶۵۶ھ' مختصر سنن ابوداؤد' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت
۲۰۱- علامہ ابو عبد اللہ فضل اللہ الحسن التورپشتی' متوفی ۶۶۱ھ' کتاب المسیر فی شرح مصابیح السنۃ' مکتبہ نزار مصطفیٰ' ۱۴۲۲ھ
۲۰۲- علامہ ابو العباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی' المتوفی ۶۵۶ھ' المفہم' مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۷ھ
۲۰۳- علامہ یحییٰ بن شرف نووی' متوفی ۶۷۶ھ' شرح مسلم' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ
۲۰۴- علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی' متوفی ۷۴۳ھ' شرح الطیبی' مطبوعہ ادارۃ القرآن' ۱۴۱۳ھ
۲۰۵- علامہ ابن رجب حنبلی' متوفی ۷۹۵ھ' فتح الباری' دار ابن الجوزی ریاض' ۱۴۱۷ھ
۲۰۶- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی' متوفی ۸۲۸ھ' اکمال اکمال المعلم' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ
۲۰۷- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' فتح الباری' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ
۲۰۸- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ' نتائج الافکار فی تخریج الاحادیث الاذکار' دار ابن کثیر بیروت
۲۰۹- حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی' متوفی ۸۵۵ھ' عمدۃ القاری' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۴۸ھ' دار الکتب العلمیہ ۱۴۲۱ھ
۲۱۰- حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ' شرح سنن ابوداؤد' مطبوعہ مکتبہ الرشید ریاض' ۱۴۲۰ھ
۲۱۱- علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ' مکمل اکمال المعلم' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ
۲۱۲- علامہ احمد قسطلانی' متوفی ۹۱۱ھ' ارشاد الساری' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ۱۳۰۶ھ
۲۱۳- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' التوشیح علی الجامع الصحیح' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ
۲۱۴- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' الدیباج علی صحیح مسلم بن حجاج' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۱۲ھ
۲۱۵- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' تنویر الحوالک' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۲۱۶- علامہ ابو یحییٰ زکریا بن محمد انصاری متوفی ۹۲۶ھ' تحفۃ الباری بشرح صحیح البخاری' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۵ھ
۲۱۷- علامہ عبد الرؤف مناوی شافعی' متوفی ۱۰۰۳ھ' فیض القدیر' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۳۹۱ھ' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ
۲۱۸- علامہ عبد الرؤف مناوی شافعی' متوفی ۱۰۰۳ھ' شرح الشمائل' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
۲۱۹- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' متوفی ۱۰۱۴ھ' جمع الوسائل' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

۲۲۰- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ شرح مسند ابی حنیفہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۵ھ

۲۲۱- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ مرقات، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ، مکتبہ حقانیہ پشاور

۲۲۲- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ الحرز الثمین، مطبوعہ مطبعہ امیریہ مکہ مکرمہ، ۱۳۰۴ھ

۲۲۳- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ الاسرار المرفوعۃ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۵ھ

۲۲۴- شیخ عبدالحق محدث دہلوی، متوفی ۱۰۵۲ھ اشعۃ اللمعات، مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنو

۲۲۵- شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی، متوفی ۱۲۵۰ھ تحفۃ الذاکرین، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر، ۱۳۵۰ھ

۲۲۶- شیخ عبدالرحمٰن مبارک پوری، متوفی ۱۳۲۵ھ تحفۃ الاحوذی، مطبوعہ نشر السنہ ملتان، دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ

۲۲۷- شیخ انور شاہ کشمیری، متوفی ۱۳۵۲ھ فیض الباری، مطبوعہ مطبع حجازی مصر ۱۳۷۵ھ

۲۲۸- شیخ شبیر احمد عثمانی، متوفی ۱۳۶۹ھ فتح الملہم، مطبوعہ مکتبہ الحجاز کراچی

۲۲۹- شیخ محمد ادریس کاندھلوی، متوفی ۱۳۹۴ھ التعلیق الصبیح، مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ لاہور

۲۳۰- شیخ محمد بن زکریا بن محمد بن یحییٰ کاندھلوی، اوجز المسالک الی موطا مالک، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۰ھ

۲۳۱- مولانا محمد شریف الحق امجدی متوفی ۱۴۲۱ھ نزہۃ القاری مطبوعہ فرید بک اسٹال لاہور ۱۴۲۱ھ

کتب اسماء الرجال

۲۳۲- امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ التاریخ الکبیر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۲ھ

۲۳۳- امام ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی، متوفی ۴۶۳ھ تاریخ بغداد، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ

۲۳۴- علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ العلل المتناہیہ، مطبوعہ مکتبہ اثریہ فیصل آباد ۱۴۰۱ھ

۲۳۵- حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف مزی، متوفی ۷۴۲ھ تہذیب الکمال، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ

۲۳۶- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ میزان الاعتدال، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ

۲۳۷- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۲۳۸- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ تقریب التہذیب، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۲۳۹- علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی، متوفی ۹۰۲ھ المقاصد الحسنہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۲۴۰- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ اللآلی المصنوعہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ

۲۴۱- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ طبقات الحفاظ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ

۲۴۲- علامہ محمد بن طولون متوفی ۹۵۳ھ الشذرۃ فی الاحادیث المشتہرۃ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ

۲۴۳- علامہ محمد طاہر پٹنی، متوفی ۹۸۶ھ تذکرۃ الموضوعات، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ

۲۴۴- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، التوفی ۱۰۱۴ھ موضوعات کبیر، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی

۲۴۵- علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی، متوفی ۱۱۶۴ھ کشف الخفاء ومزیل الالباس، مطبوعہ مکتبۃ الغزالی دمشق

۲۴۶- شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ الفوائد المجموعہ، مطبوعہ نزار مصطفیٰ ریاض

۲۴۷- علامہ عبدالرحمن بن محمد درویش متوفی ۱۲۶۷ھ' اسنی المطالب' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ

کتب لغت

۲۴۸- امام اللغۃ خلیل احمد فراہیدی' متوفی ۱۷۵ھ' کتاب العین' مطبوعہ انتشارات اسوہ ایران' ۱۴۱۴ھ

۲۴۹- علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری' متوفی ۳۹۸ھ' الصحاح' مطبوعہ دارالعلم بیروت' ۱۴۰۴ھ

۲۵۰- علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی' متوفی ۵۰۲ھ' المفردات' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ

۲۵۱- علامہ محمود بن عمر زمخشری' متوفی ۵۸۳ھ' الفائق' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ

۲۵۲- علامہ محمد بن اثیر الجزری' متوفی ۶۰۶ھ' نہایہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ

۲۵۳- علامہ محمد بن ابوبکر بن عبدالغفار رازی متوفی ۶۶۰ھ' مختار الصحاح' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ

۲۵۴- علامہ یحییٰ بن شرف نووی' متوفی ۶۷۶ھ' تہذیب الاسماء واللغات' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

۲۵۵- علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی' متوفی ۷۱۱ھ' لسان العرب' مطبوعہ نشرادب الحوزۃ' قم' ایران

۲۵۶- علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی' متوفی ۸۱۷ھ' القاموس المحیط' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت

۲۵۷- علامہ محمد طاہر پٹنی' متوفی ۹۸۶ھ' مجمع بحار الانوار' مطبوعہ مکتبہ دارالایمان المدینۃ المنورۃ' ۱۴۱۵ھ

۲۵۸- علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی' متوفی ۱۲۰۵ھ' تاج العروس' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر

۲۵۹- لوئیس معلوف الیسوعی' المنجد' مطبوعہ المطبعۃ الکاثولیکیہ' بیروت' ۱۹۲۷ء

۲۶۰- شیخ غلام احمد پرویز' متوفی ۱۴۰۵ھ' لغات القرآن' مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام لاہور

۲۶۱- ابونعیم عبدالحکیم خان نشتر جالندھری' قائد اللغات' مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور

۲۶۲- قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری' دستور العلماء' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ

کتب تاریخ' سیرت وفضائل

۲۶۳- امام محمد بن اسحاق' متوفی ۱۵۱ھ' کتاب السیر والمغازی' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ

۲۶۴- امام عبدالملک بن ہشام' متوفی ۲۱۳ھ' السیرۃ النبویہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ

۲۶۵- امام محمد بن سعد' متوفی ۲۳۰ھ' الطبقات الکبریٰ' مطبوعہ دار صادر بیروت' ۱۳۸۸ھ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ

۲۶۶- امام ابوسعید عبدالملک بن ابی عثمان نیشاپوری متوفی ۴۰۶ھ' شرف المصطفیٰ' مطبوعہ دارالبشائر الاسلامیہ' مکہ مکرمہ' ۱۴۲۴ھ

۲۶۷- علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی' المتوفی ۴۵۰ھ' اعلام النبوت' داراحیاء العلوم بیروت' ۱۴۰۸ھ

۲۶۸- امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری' متوفی ۳۱۰ھ' تاریخ الامم والملوک' مطبوعہ دارالقلم بیروت

۲۶۹- حافظ ابوعمرو یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر' متوفی ۴۶۳ھ' الاستیعاب' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

۲۷۰- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی' متوفی ۵۴۴ھ' الشفاء' مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ

۲۷۱- علامہ ابوالقاسم عبدالرحمن بن عبداللہ سہیلی' متوفی ۵۷۱ھ' الروض الانف' مکتبہ فاروقیہ ملتان

۲۷۲- علامہ عبدالرحمٰن بن علی جوزی' متوفی ۵۹۷ھ'الوفاء' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد
۲۷۳- علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر' متوفی ۶۳۰ھ' اسد الغابہ' مطبوعہ دارالفکر بیروت' دارالکتب العلمیہ بیروت
۲۷۴- علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر' متوفی ۶۳۰ھ' الکامل فی التاریخ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۲۷۵- علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان' متوفی ۶۸۱ھ' وفیات الاعیان' مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
۲۷۶- علامہ علی بن عبدالکافی تقی الدین سبکی' متوفی ۷۴۶ھ' شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام' مطبوعہ کراچی
۲۷۷- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ' تاریخ الاسلام' مطبوعہ دارالکتاب العربی ۱۴۱۹ھ
۲۷۸- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ' سیر اعلام النبلاء' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ
۲۷۹- شیخ ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ التوفی ۷۵۱ھ' زاد المعاد' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ
۲۸۰- علامہ تاج الدین ابونصر عبدالوہاب سبکی متوفی ۷۷۱ھ' طبقات الشافعیۃ الکبریٰ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ
۲۸۱- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی' متوفی ۷۷۴ھ' البدایہ والنہایہ' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ
۲۸۲- علامہ عبدالرحمٰن بن محمد بن خلدون متوفی ۸۰۸ھ' تاریخ ابن خلدون' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ
۲۸۳- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی' متوفی ۸۵۲ھ' الاصابہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۲۸۴- علامہ نورالدین علی بن احمد سمہودی' متوفی ۹۱۱ھ' وفاء الوفاء' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۱ھ
۲۸۵- علامہ احمد قسطلانی' متوفی ۹۱۱ھ' المواہب اللدنیہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ
۲۸۶- علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی' متوفی ۹۴۲ھ' سبل الھدیٰ والرشاد' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۲۸۷- علامہ احمد بن حجر مکی شافعی' متوفی ۹۷۴ھ' الصواعق المحرقہ' مطبوعہ مکتبۃ القاہرہ' ۱۳۸۵ھ
۲۸۸- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' متوفی ۱۰۱۴ھ' شرح الشفاء' مطبوعہ دارالفکر بیروت' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ
۲۸۹- شیخ عبدالحق محدث دہلوی' متوفی ۱۰۵۲ھ' مدارج النبوت' مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
۲۹۰- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی' متوفی ۱۰۶۹ھ' نسیم الریاض' مطبوعہ دارالفکر بیروت' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ
۲۹۱- علامہ محمد عبدالباقی زرقانی' متوفی ۱۱۲۲ھ' شرح المواہب اللدنیہ' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۳ھ
۲۹۲- علامہ سید احمد بن زینی دحلان مکی' متوفی ۱۳۰۴ھ' السیرۃ النبویۃ' دارالفکر بیروت' ۱۴۲۱ھ
۲۹۳- شیخ اشرف علی تھانوی' متوفی ۱۳۶۲ھ' نشر الطیب' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی

کتب فقہ حنفی

۲۹۴- علامہ احمد بن علی الجصاص الرازی' متوفی ۳۷۰ھ' مختصر اختلاف العلماء' دارالبشائر الاسلامیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۲۹۵- علامہ ظہیر الدین بن ابی حنیفہ الولوالجی' متوفی ۵۴۰ھ' الفتاویٰ الولوالجیہ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۴ھ
۲۹۶- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی' متوفی ۴۸۳ھ' المبسوط' مطبوعہ دارالمعرفہ' بیروت' ۱۳۹۸ھ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ

٢٩٧- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی ۴۸۳ھ شرح سیر کبیر، مطبوعہ المکتبہ الثورۃ الاسلامیہ افغانستان ۱۴۰۵ھ
٢٩٨- علامہ طاہر بن عبدالرشید بخاری، متوفی ۵۴۲ھ خلاصۃ الفتاویٰ، مطبوعہ امجد اکیڈمی لاہور ۱۳۹۷ھ
٢٩٩- علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی، متوفی ۵۸۷ھ بدائع الصنائع، مطبوعہ ایچ - ایم - سعید اینڈ کمپنی ۱۴۰۰ھ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ
٣٠٠- علامہ حسین بن منصور اوزجندی، متوفی ۵۹۲ھ فتاویٰ قاضی خاں، مطبوعہ مطبعہ کبریٰ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ
٣٠١- علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی ۵۹۳ھ ہدایہ اولین و آخرین، مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان
٣٠٢- علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری متوفی ۶۱۶ھ المحیط البرہانی، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۲۴ھ
٣٠٣- امام فخر الدین عثمان بن علی متوفی ۷۴۳ھ تبیین الحقائق، مطبوعہ ایچ - ایم سعید کمپنی کراچی ۱۴۲۱ھ
٣٠٤- علامہ محمد بن محمود بابرتی، متوفی ۷۸۶ھ عنایہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ
٣٠٥- علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی، متوفی ۷۸۶ھ فتاویٰ تاتارخانیہ، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۱۱ھ
٣٠٦- علامہ ابوبکر بن علی حداد، متوفی ۸۰۰ھ الجوہرۃ المنیرہ، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان
٣٠٧- علامہ محمد شہاب الدین بن بزاز کردی، متوفی ۸۲۷ھ فتاویٰ بزازیہ، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ
٣٠٨- علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی، متوفی ۸۵۵ھ بنایہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۱ھ
٣٠٩- علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی، متوفی ۸۵۵ھ شرح العینی، مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی
٣١٠- علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی ۸۶۱ھ فتح القدیر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ
٣١١- علامہ جلال الدین خوارزمی، کفایہ، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
٣١٢- علامہ معین الدین الهروی المعروف بہ محمد ملا مسکین، متوفی ۹۵۴ھ شرح الکنز، مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر
٣١٣- علامہ ابراہیم بن محمد حلبی، متوفی ۹۵۶ھ غنیۃ المستملی، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۱۲ھ
٣١٤- علامہ محمد خراسانی، متوفی ۹۶۲ھ جامع الرموز، مطبوعہ مطبع منشی نولکشور ۱۲۹۱ھ
٣١٥- علامہ زین الدین بن نجیم، متوفی ۹۷۰ھ البحر الرائق، مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر ۱۳۱۱ھ
٣١٦- علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی، متوفی ۹۸۲ھ حاشیہ ابوسعود علی ملا مسکین، مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر ۱۲۸۷ھ
٣١٧- علامہ حامد بن علی قونوی رومی، متوفی ۹۸۵ھ فتاویٰ حامدیہ، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر ۱۳۱۰ھ
٣١٨- امام سراج الدین عمر بن ابراہیم متوفی ۱۰۰۵ھ النہر الفائق، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی
٣١٩- علامہ حسن بن عمار بن علی مصری متوفی ۱۰۶۹ھ امداد الفتاح، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، موسسۃ التاریخ العربی بیروت ۱۴۲۱ھ
٣٢٠- علامہ عبدالرحمٰن بن محمد، متوفی ۱۰۷۸ھ مجمع الانہر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ
٣٢١- علامہ خیر الدین رملی، متوفی ۱۰۸۱ھ فتاویٰ خیریہ، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر ۱۳۱۰ھ
٣٢٢- علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی، متوفی ۱۰۸۸ھ الدر المختار، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
٣٢٣- علامہ سید احمد بن محمد حموی، متوفی ۱۰۹۸ھ غمز عیون البصائر، مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت ۱۴۰۷ھ
٣٢٤- ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ فتاویٰ عالمگیری، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ

۳۲۵- علامہ احمد بن محمد طحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ حاشیۃ الطحطاوی مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ
۳۲۶- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ منحۃ الخالق مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر ۱۳۱۱ھ
۳۲۷- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ مطبوعہ دار الاشاعۃ العربی کوئٹہ
۳۲۸- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ رسائل ابن عابدین مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۹۶ھ
۳۲۹- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ رد المحتار مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ ۱۴۱۹ھ
۳۳۰- امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ جد الممتار مطبوعہ ادارہ تحقیقات احمد رضا کراچی
۳۳۱- امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ فتاوی رضویہ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی
۳۳۲- امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ فتاویٰ افریقیہ مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی
۳۳۳- علامہ امجد علی متوفی ۱۳۷۶ھ بہار شریعت مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی
۳۳۴- شیخ ظفر احمد عثمانی متوفی ۱۳۹۴ھ اعلاء السنن مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ
۳۳۵- علامہ نور اللہ نعیمی متوفی ۱۴۰۳ھ فتاویٰ نوریہ مطبوعہ کمبائن پرنٹرز لاہور ۱۹۸۳ء

کتب فقہ شافعی

۳۳۶- امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ الام مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ
۳۳۷- علامہ ابو الحسین علی بن محمد حبیب ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ الحاوی الکبیر مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
۳۳۸- علامہ ابو اسحاق شیرازی متوفی ۴۵۵ھ المہذب مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۹۳ھ
۳۳۹- علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ شرح المہذب مطبوعہ دار الفکر بیروت دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۳ھ
۳۴۰- علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ روضۃ الطالبین مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ
۳۴۱- علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الحاوی للفتاویٰ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد
۳۴۲- علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس رملی متوفی ۱۰۰۴ھ نہایۃ المحتاج مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ
۳۴۳- علامہ ابو الضیاء علی بن علی شبراملی متوفی ۱۰۸۷ھ حاشیہ ابو الضیاء علی نہایۃ المحتاج مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

کتب فقہ مالکی

۳۴۴- امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی متوفی ۲۵۶ھ المدونۃ الکبریٰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۳۴۵- قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی متوفی ۵۹۵ھ بدایۃ المجتہد مطبوعہ دار الفکر بیروت
۳۴۶- علامہ خلیل بن اسحاق مالکی متوفی ۷۶۷ھ مختصر خلیل مطبوعہ دار صادر بیروت
۳۴۷- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد الحطاب المغربی المتوفی ۹۵۴ھ مواہب الجلیل مطبوعہ مکتبۃ النجاح لیبیا
۳۴۸- علامہ علی بن عبد اللہ بن الخرشی المتوفی ۱۱۰۱ھ الخرشی علی مختصر خلیل مطبوعہ دار صادر بیروت

۳۴۹- علامہ ابوالبرکات احمد دردیر مالکی، متوفی ۱۱۹۷ھ، الشرح الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت
۳۵۰- علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی، متوفی ۱۲۱۹ھ، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت

کتب فقہ حنبلی

۳۵۱- علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی ۶۲۰ھ، المغنی، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ
۳۵۲- علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی ۶۲۰ھ، الکافی، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ
۳۵۳- شیخ ابوالعباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفی ۷۲۸ھ، مجموعۃ الفتاویٰ، مطبوعہ ریاض، مطبوعہ دار الجیل بیروت، ۱۴۱۸ھ
۳۵۴- علامہ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن فتاح مقدسی، متوفی ۷۶۳ھ، کتاب الفروع، مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۳۵۵- علامہ ابوالحسین علی بن سلیمان مرداوی، متوفی ۸۸۵ھ، الانصاف، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۳۵۶- علامہ موسیٰ بن احمد صالحی متوفی ۹۶۰ھ، کشاف القناع، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ

کتب شیعہ

۳۵۷- نہج البلاغہ (خطبات حضرت علی رضی اللہ عنہ) مطبوعہ ایران و مطبوعہ کراچی
۳۵۸- شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی، متوفی ۳۲۹ھ، الاصول من الکافی، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
۳۵۹- شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی، متوفی ۳۲۹ھ، الفروع من الکافی، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
۳۶۰- شیخ ابومنصور احمد بن علی الطبرسی من القرن السادس، الاحتجاج، مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت، ۱۴۰۳ھ
۳۶۱- شیخ کمال الدین میثم بن علی بن میثم البحرانی، المتوفی ۶۷۹ھ، شرح نہج البلاغہ، مطبوعہ مؤسسۃ النصر ایران
۳۶۲- شیخ فاضل مقداد متوفی ۸۲۶ھ، کنز العرفان، مطبوعہ مکتب نوید اسلام-قم ۱۴۲۲ھ
۳۶۳- ملاباقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی ۱۱۱۰ھ، حق الیقین، مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران، ۱۳۴۷ھ
۳۶۴- ملاباقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی ۱۱۱۰ھ، حیات القلوب، مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ تہران
۳۶۵- ملاباقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی ۱۱۱۰ھ، جلاء العیون، مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ تہران

کتب عقائد و کلام

۳۶۶- امام ابوالقاسم رھبۃ اللہ طبری شافعی لالکائی متوفی ۴۱۸ھ، شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۳ھ
۳۶۷- امام محمد بن محمد غزالی، متوفی ۵۰۵ھ، المنقذ من الضلال، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۵ھ
۳۶۸- علامہ ابوالبرکات عبدالرحمٰن بن محمد الانباری، المتوفی ۵۷۷ھ، الداعی الی الاسلام، مطبوعہ دار البشائر الاسلامیہ بیروت، ۱۴۰۹ھ
۳۶۹- شیخ احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ، متوفی ۷۲۸ھ، العقیدۃ الواسطیہ، مطبوعہ دار السلام ریاض، ۱۴۱۴ھ
۳۷۰- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی ۷۹۱ھ، شرح عقائد نسفی، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

۳۷۱- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی' متوفی ۷۹۱ھ' شرح المقاصد' مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
۳۷۲- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی' متوفی ۸۱۶ھ' شرح المواقف' مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
۳۷۳- علامہ کمال الدین بن ہمام' متوفی ۸۶۱ھ' مسائرہ' مطبوعہ مطبعہ السعادۃ مصر
۳۷۴- علامہ کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن ابی الشریف الشافعی' التوفی ۹۰۶ھ' مسامرہ' مطبوعہ مطبعہ السعادۃ مصر
۳۷۵- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' التوفی ۱۰۱۴ھ' شرح فقہ اکبر' مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر' ۱۳۷۵ھ
۳۷۶- علامہ محمد بن احمد السفارینی' التوفی ۱۱۸۸ھ' لوامع الانوار البھیہ' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۱۱ھ
۳۷۷- علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی' متوفی ۱۳۶۷ھ' کتاب العقائد' مطبوعہ تاجدار حرم پبلشنگ کمپنی کراچی

کتب اصول فقہ

۳۷۸- امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی' متوفی ۶۰۶ھ' المحصول' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ
۳۷۹- علامہ علاء الدین عبد العزیز بن احمد البخاری' التوفی ۷۳۰ھ' کشف الاسرار' مطبوعہ دار الکتاب العربی' ۱۴۱۱ھ
۳۸۰- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی' متوفی ۷۹۱ھ' توضیح وتلویح' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
۳۸۱- علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد الشہیر بابن ہمام' متوفی ۸۶۱ھ' التحریک مع التیسیر' مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض
۳۸۲- علامہ محب اللہ بہاری' متوفی ۱۱۱۹ھ' مسلم الثبوت' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ
۳۸۳- علامہ احمد جونپوری' متوفی ۱۱۳۰ھ' نور الانوار' مطبوعہ ایچ-ایم-سعید اینڈ کمپنی کراچی
۳۸۴- علامہ عبد الحق خیر آبادی' متوفی ۱۳۱۸ھ' شرح مسلم الثبوت' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

کتب متفرقہ

۳۸۵- شیخ ابو طالب محمد بن الحسن المکی التوفی ۳۸۶ھ' قوت القلوب' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ۱۳۰۶ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۳۸۶- شیخ ابو محمد علی بن احمد ابن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ' المحلی بالآثار' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ
۳۸۷- امام محمد بن محمد غزالی' متوفی ۵۰۵ھ' احیاء علوم الدین' مطبوعہ دار الخیر بیروت' ۱۴۱۳ھ
۳۸۸- امام ابو الفرج عبد الرحمٰن بن الجوزی' متوفی ۵۹۷ھ' ذم الھویٰ' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۲۳ھ
۳۸۹- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی' متوفی ۶۶۸ھ' التذکرہ' مطبوعہ دار البخاریہ مدینہ منورہ' ۱۴۱۷ھ
۳۹۰- شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ حنبلی' متوفی ۷۲۸ھ' قاعدہ جلیلہ' مطبوعہ مکتبہ قاہرہ مصر' ۱۳۷۳ھ
۳۹۱- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی' متوفی ۷۴۸ھ' الکبائر' مطبوعہ دار الغد العربی قاہرہ' مصر
۳۹۲- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ' جلاء الافہام' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ
۳۹۳- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ' اغاثۃ اللھفان مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ
۳۹۴- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ التوفی ۷۵۱ھ' زاد المعاد' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ
۳۹۵- علامہ عبد اللہ بن اسد یافعی' متوفی ۷۶۸ھ' روض الریاحین' مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر' ۱۳۷۴ھ

۳۹۶- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی' متوفی ۸۱۶ھ' کتاب التعریفات' مطبوعہ المطبعہ الخیریہ مصر' ۱۳۰۶ھ' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ
۳۹۷- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' شرح الصدور' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۴ھ
۳۹۸- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' المیزان الکبریٰ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۳۹۹- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' الیواقیت والجواہر' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۸ھ
۴۰۰- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' الکبریت الاحمر' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۴۰۱- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' لواقح الانوار القدسیہ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۸ھ
۴۰۲- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' کشف الغمہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۸ھ
۴۰۳- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' الطبقات الکبریٰ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۴۰۴- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' المنن الکبریٰ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ
۴۰۵- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی متوفی ۹۷۴ھ' الفتاویٰ الحدیثیہ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ
۴۰۶- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی' متوفی ۹۷۴ھ' اشرف الوسائل الی فہم الشمائل' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ
۴۰۷- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی' متوفی ۹۷۴ھ' الصواعق المحرقہ' مطبوعہ مکتبہ القاہرہ' ۱۳۸۵ھ
۴۰۸- علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی' متوفی ۹۷۴ھ' الزواجر' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۴۰۹- امام احمد سرہندی مجدد الف ثانی' متوفی ۱۰۳۴ھ' مکتوبات امام ربانی' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی' ۱۳۷۰ھ
۴۱۰- علامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی' متوفی ۱۲۰۵ھ' اتحاف سادۃ المتقین' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ۱۳۱۱ھ
۴۱۱- شیخ رشید احمد گنگوہی' متوفی ۱۳۲۳ھ' فتاویٰ رشیدیہ کامل' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی
۴۱۲- علامہ مصطفیٰ بن عبداللہ الشہیر بحاجی خلیفہ' کشف الظنون' مطبوعہ مطبعہ اسلامیہ تہران' ۱۳۷۸ھ
۴۱۳- امام احمد رضا قادری' متوفی ۱۳۴۰ھ' الملفوظ' مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور
۴۱۴- شیخ وحید الزمان' متوفی ۱۳۴۸ھ' ہدیۃ المہدی' مطبوعہ میور پریس دہلی' ۱۳۲۵ھ
۴۱۵- علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی' متوفی ۱۳۵۰ھ' جواہر البحار' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ
۴۱۶- شیخ اشرف علی تھانوی' متوفی ۱۳۶۲ھ' بہشتی زیور' مطبوعہ ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور
۴۱۷- شیخ اشرف علی تھانوی' متوفی ۱۳۶۲ھ' حفظ الایمان' مطبوعہ مکتبہ تھانوی کراچی
۴۱۸- علامہ عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی' نداء یارسول اللہ' مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور' ۱۴۰۵ھ